توضیحات

شرح اردو

مشکوٰۃ شریف

حضرت مولانا فضل محمد صاحب دامت برکاتہم

جامع المعقول والمنقول استاذ الحدیث جامعۃ العلوم الاسلامیہ
علامہ محمد یوسف بنوری ٹاؤن کراچی

ناشر

المکتبۃ العربیۃ

0331-3788677, 0300-9268449
Email : mustaqimbilwani@yahoo.com

توضیحات

اردو شرح

مشکوۃ المصابیح

متن وترجمہ، تشریح وتوضیح کے ساتھ

تالیف

مولانا فضل محمد یوسف زئی

استاذ حدیث جامعہ علوم اسلامیہ بنوری ٹاؤن کراچی

ناشر: المکتبۃ العربیۃ

جمشید روڈ کراچی 0321-3788955-6

کتاب کا نام .... توضیحات اردو شرح مشکوٰۃ المصابیح (جلد دوم)

مصنف .... استاذ الحدیث حضرت مولانا فضل محمد یوسف زئی دامت برکاتہم

سن اشاعت .... نومبر 2011

تعداد صفحات 743

ناشر .... المکتبۃ العربیۃ 0321-3788955

ملنے کے پتے

دار الاشاعت، کراچی

قدیمی کتب خانہ، آرام باغ کراچی

بیت الاشاعت بہار کالونی کراچی

مکتبہ رحمانیہ اردو بازار لاہور

وحیدی کتب خانہ پشاور،

البلال پبلشرز، 03003630753

اسلامی کتب خانہ اردو بازار لاہور

مکتبہ رشیدیہ، کوئٹہ

اسٹاکسٹ

ادارۃ الرشید کراچی

علامہ محمد یوسف بنوری ٹاؤن کراچی

Cell: 0321-2045610

0321-2940462, 0213-4928643

فہرست مضامین

توضیحات شرح مشکوٰۃ (جلد دوم)

مضامین	صفحہ	مضامین	صفحہ
فقہاء کا اختلاف	۵۲۶	محاکمہ	۵۳۵
دلائل	۵۲۶	جماعت کے فوائد	۵۳۵
جواب	۵۲۶	ترک جماعت کے چند اعذار	۵۳۶
فجر کی سنتوں کی قضاء کا مسئلہ	۵۲۶	نماز باجماعت اور تنہا نماز میں ثواب کا فرق	۵۳۷
فقہاء کا اختلاف	۵۲۷	ترک جماعت پر وعید شدید	۵۳۷
دلائل	۵۲۸	جس کی شان بلند ہو وہ عبادت میں زیادہ محنت کرے	۵۳۸
مکہ مکرمہ میں مکروہ وقت ہوتا ہے یا نہیں	۵۲۸	سخت سردی کی وجہ سے ترک جماعت جائز ہے	۵۳۹
فقہاء کا اختلاف	۵۲۹	پہلے کھانا پھر نماز	۵۴۰
دلائل	۵۲۹	کھانا سامنے ہو یا بول و براز کی حاجت ہو تو نماز مؤخر کرنا چاہئے	۵۴۰
جواب	۵۳۰		
کیا جمعہ کے روز نصف النہار میں نماز جائز ہے؟	۵۳۰	جب نماز کھڑی ہو جائے تو پھر سنت نہ پڑھو	۵۴۱
فقہاء کا اختلاف	۵۳۰	فقہاء کا اختلاف	۵۴۲
دلائل	۵۳۱	عورتوں کا جماعت کے ساتھ نماز پڑھنے کا حکم	۵۴۲
اوقات مکروہہ کی تفصیل	۵۳۱	چند شرائط	۵۴۲
نماز عصر کے بعد کوئی نماز نہیں	۵۳۲	اس وقت کی ضرورت	۵۴۳
بیان جواز کے وقت اپنا تعارف کرانا ضروری ہے	۵۳۲	اس وقت کا ماحول	۵۴۳
باب الجماعة وفضلها	۵۳۴	جب عورت عبادت کے لئے مسجد نہیں جاسکتی تو چلہ میں کیسے جاتی ہے؟	۵۴۴
جماعت فرض ہے یا واجب ہے یا سنت ہے؟	۵۳۴		
فقہاء کا اختلاف	۵۳۴	عورت خوشبو لگا کر باہر نہ جائے	۵۴۵

عرض حال

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد لله رب العالمين والصلوٰة والسلام على اشرف الانبياء والمرسلين سيد الاولين والآخرين وعلى اٰله واصحابه الطيبين الطاهرين والحمد لله رب العالمين۔

امابعد: اللہ تعالیٰ کالاکھ لاکھ شکر ہے کہ اس نے بندۂ ناچیز کو محض اپنے فضل وکرم سے نبی کریم ﷺ کی احادیث مقدسہ کی تشریح وتوضیح کی توفیق عطا فرمائی۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ کی اسی نصرت ومدد کی وجہ سے مشکوٰۃ شریف کی اردو شرح دو جلدوں میں مکمل ہو کر منظر عام پر آگئی ہے اور تیسری جلد کی تحریر کی ابتدا الحمد للہ آج ۱۲ شعبان ۱۴۲۳ھ کو ہو رہی ہے۔

توضیحات اردو شرح مشکوٰۃ کی پہلی جلد مشکوٰۃ شریف کی ابتدائی حصہ سے متعلق ہے جو کتاب الایمان کتاب العلم اور کتاب الطہارۃ کی توضیحات وتشریحات پر مشتمل ہے اس کے بعد میں نے مناسب سمجھا کہ مشکوٰۃ شریف کے دوسرے حصہ کتاب النکاح سے ایک جلد فوری طور پر تیار ہو جائے تاکہ مشکوٰۃ ثانی پڑھنے پڑھانے والوں کے لئے آسانی ہو چنانچہ بڑی محنت کے بعد الحمد للہ وہ جلد بھی تیار ہوگئی جو کتاب النکاح، کتاب العتق کتاب القصاص، کتاب الحدود اور کتاب الامارۃ والقضاء پر مشتمل ہے اور ترتیب کے اعتبار سے چوتھی جلد شمار ہوتی ہے۔

اس کے بعد ضروری تھا کہ کتاب الصلوٰۃ سے توضیحات وتشریحات پر کام شروع ہو جائے الحمد للہ آج میں نے انتہائی مصروفیات کے باوجود اس پر کام شروع کیا میں اپنے رب سے انتہائی عاجزی کے ساتھ توفیق اور تکمیل کی دعا مانگتا ہوں اور پھر اس کی قبولیت عامہ وخاصہ کی دعا کرتا ہوں۔

میں نے توضیحات کی پہلی جلد کی ابتداء میں اس شرح کی خصوصیات اور امتیازات مراجع ومصادر اور طرز تحریر وتقریر اور انداز بیان وترتیب کو بیان کیا ہے جس کی اعادہ کی ضرورت نہیں ہے وہاں دیکھ لیا جائے۔

مشکوٰۃ شریف پڑھاتے وقت میں نے اسلامی مہینوں کے مطابق جس مہینہ کی جس تاریخ میں جو سبق پڑھایا تھا اس تاریخ کو میں نے اس شرح میں درج کر لیا ہے تاکہ ہر مدرس کو یہ اندازہ ہو کہ وہ کس رفتار سے کتاب پڑھا رہا ہے چنانچہ اس جلد کا پہلا درس دس ربیع الاول ۱۴۱۰ھ میں ہوا تھا لہٰذا اسی سے ابتدا کی جا رہی ہے۔

والله ولى التوفيق وهو يهدى السبيل وصلى الله على نبيه الكريم۔

فضل محمد یوسف زئی ۱۲ شعبان ۱۴۲۳ھ راشنگ الائی ضلع بٹگرام صوبہ سرحد پاکستان۔

مورخہ ۱۰ ربیع الاول ۱۴۱۰ھ

کتاب الصلوٰۃ

نماز کا بیان

قال اللہ تعالیٰ ﴿رب اجعلنی مقیم الصلوٰۃ ومن ذریتی ربنا وتقبل دعا﴾ [1]

اے میرے رب مجھے اور میری اولاد کو نماز قائم کرنے والا بنادے اے ہمارے رب میری دعا قبول فرما۔

وقال اللہ تعالیٰ ﴿وامر اھلك بالصلوٰۃ واصطبر علیھا لا نسألك رزقا نحن نرزقك﴾ [2]

اور اپنے گھر والوں کو نماز کا حکم دیں اور خود بھی اس پر قائم رہیں ہم آپ سے روزی نہیں مانگتے ہم آپ کو روزی دیتے ہیں۔

وقال اللہ تعالیٰ ﴿فخلف من بعدھم خلف اضاعوا الصلوٰۃ واتبعوا الشھوات فسوف یلقون غیا﴾ [3]

پھر اس کے بعد ایسے خلف آئے جنہوں نے نماز ضائع کی اور خواہشوں کے پیچھے پڑ گئے پس عنقریب گمراہی کی سزا پائیں گے۔

وقال اللہ تعالیٰ ﴿واقم الصلوٰۃ ان الصلوٰۃ تنھی عن الفحشاء والمنکر ولذکر اللہ اکبر﴾ [4]

اور نماز کے پابند رہو بیشک نماز بے حیائی اور بری بات سے روکتی ہے اور اللہ کی یاد بہت بڑی ہے۔

کتاب الصلوٰۃ کا ماقبل ابواب سے ربط اس طرح ہے کہ صاحب مشکوٰۃ نے سب سے پہلے کتاب الایمان رکھا کیونکہ ایمان کے بغیر کوئی عمل معتبر نہیں ہے کتاب الایمان کے بعد کتاب العلم رکھا گیا کیونکہ علم پر عمل موقوف ہے علم کے بغیر کسی عمل کو پہچاننا اور اس پر عمل کرنا ممکن نہیں علم کے بعد کتاب الصلوٰۃ کا درجہ اور مقام تھا اس لئے کہ صلوٰۃ تمام عبادات کے لئے جامع ہے کیونکہ نماز میں قیام ہے تو کائنات میں جتنی اشیاء اشجار واحجار قیام کی حالت میں تکوینی طور پر اللہ تعالیٰ کی عبادت میں مصروف ہیں اور جتنے فرشتے پیدائش سے لے کر اب تک قیام میں اللہ تعالیٰ کی عبادت میں کھڑے ہیں ان سب سے نماز کے قیام میں مشابہت آتی ہے اسی طرح نماز میں رکوع ہے تو کائنات میں جتنی مخلوقات حیوانات وغیرہ اور فرشتے وغیرہ رکوع کی حالت میں ہیں ان سب کی عبادت سے نماز میں مشابہت آتی ہے اسی طرح نماز میں سجدہ ہے تو کائنات میں جتنی مخلوقات تکوینی طور پر اللہ تعالیٰ کے سامنے سربسجود ہیں اور جو فرشتے پیدائش سے لیکر اب تک سجدہ کی حالت میں ہیں ان سب کی عبادت سے نماز میں مشابہت آجاتی ہے۔

اسی طرح کائنات کی جتنی اشیاء پہاڑ وغیرہ قعود وقعدہ کی حالت میں تکوینی طور پر اللہ تعالیٰ کی عبادت میں مشغول ہیں اور جتنے فرشتے حالت جلوس میں عبادت میں مصروف ہیں ان سب کی عبادت سے نماز میں مشابہت آتی ہے۔

[1] سورۃ ابراھیم: ۴۰ [2] سورۃ طٰہٰ: ۱۳۲ [3] سورۃ مریم: ۵۹ [4] سورۃ عنکبوت: ۴۵

خلاصہ یہ کہ نماز جامع عبادات ہے ایمان وعلم کے بعد اس کا مقام ہے لیکن نماز چونکہ طہارت پر موقوف ہے اور طہارت نماز کے لئے شرط ہے اس لئے مصنف نے طہارت کو نماز پر مقدم کیا جب طہارت کے بیان سے فارغ ہوئے تو اب صاحب مشکوۃ نے اصل مقصود کو بیان کرنا چاہا تو کتاب الصلوۃ کا عنوان رکھا۔

ارکان خمسہ کی عجیب ترتیب

حقیقی عاشق اور مجازی عاشق دونوں مرحلہ وار اپنے محبوب کو حاصل کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔

❶ چنانچہ جب مجازی عاشق اپنے محبوب کو حاصل کرنے کی کوشش کرتا ہے تو سب سے پہلے وہ اپنے معشوق کی تعریف اور مدح وتوصیف کرتا ہے تا کہ زبانی قصیدہ خوانی سے وہ اپنے محبوب تک رسائی حاصل کر سکے چنانچہ عرب وعجم کے عشاق اور شعراء کے تمام وہ قصائد جوانہوں نے اپنے محبوباؤں سے متعلق کہے ہیں وہ اسی مقصد کے حصول کے لئے کہے گئے ہیں امرء القیس وزہیر اور طرفہ ولبید ابوتمام اور ابوطیب متنبی کے قصائد کو آپ دیکھیں تو آپ کو یہ حقیقت واضح طور پر نظر آجائے گی۔

اسی طرح ایک حقیقی عاشق جب اللہ تعالیٰ کو راضی کرنا چاہتا ہے تو وہ سب سے پہلے زبان سے کلمہ شہادت کا اقرار کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی شان اور عظمت کو بیان کرتا ہے جس کی طرف ایک حدیث میں اس طرح اشارہ کیا گیا ہے۔

"بنی الاسلام علی خمس شهادة ان لااله الاالله وان محمد رسول الله واقام الصلوٰة وايتاء الزكوٰة وصوم رمضان وحج البيت"

❷ جب مجازی عاشق زبانی قصائد پڑھنے سے اپنے محبوب کو حاصل نہیں کر سکتا تو وہ دوسرے مرحلہ میں محبوب کے سامنے عاجزی کرنے لگتا ہے اس کی تعظیم میں کبھی کھڑا رہتا ہے اور کبھی اس کے سامنے جھکتا ہے ادب وتعظیم اور عاجزی وتواضع کی یہ ساری صورتیں ایک کھلی حقیقت ہے جو سب پر آشکارا ہے۔

شریعت مطہرہ نے حقیقی عاشق کے لئے محبوب کے حصول اور راضی کرنے کے لئے اس دوسرے مرحلہ میں نماز رکھی ہے جس میں اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کے لئے حقیقی عاشق سب سے پہلے آکر دونوں ہاتھوں کو کانوں تک اٹھا کر تسلیم ورضا کا مظاہرہ کرتا ہے اور دست بستہ ہو کر تعظیم کے ساتھ کھڑا رہتا ہے پھر نہایت عاجزی کی حالت میں رکوع کرتا ہے اور پھر محبوب کے قدموں میں سجدہ ریز ہو کر اپنے جسم کے سب سے زیادہ قابل احترام اعضاء پیشانی اور ناک کو زمین پر رگڑتا ہے محبوب کے حصول میں عاجزی کی یہ آخری حد ہے۔

❸ مجازی عاشق جب قصیدہ خوانی اور تعظیم وادب کے دو مرحلوں میں محبوب کے حصول میں کامیاب نہیں ہوتا تو پھر وہ مال لٹانے پر اتر آتا ہے معشوق کے حصول میں عاشق کبھی کنجوس نہیں ہوتا، اس میدان میں ہر عاشق سب سے زیادہ سخی بن جاتا ہے چنانچہ لاکھوں روپے خرچ کرنا اس کے لئے بہت آسان ہو جاتا ہے تا کہ معشوق ہاتھ آجائے۔

شریعت مقدسہ میں محبوب کے حصول کے اس مرحلہ میں حقیقی عاشق کے لئے زکوۃ دینے کا قانون مقرر کیا گیا ہے تو عاشق حقیقی محبوب کے حصول اور اس کو راضی کرنے کے لئے اپنے مال میں سے ایک معین اور مقرر حصہ فی سبیل اللہ خرچ کرتا ہے تا کہ محبوب راضی ہو جائے۔

❹ عاشق مجازی جب ان تین مرحلوں میں کامیاب نہیں ہوتا تو وہ پھر کھانا پینا بند کر کے بھوک ہڑتال کرتا ہے تا کہ اس طرح محبوب کا دل نرم ہو جائے اور اس کا ہاتھ عاشق کے ہاتھ میں آجائے چنانچہ بہت سارے عاشق اس طرح مجاہدہ ومظاہرہ کرتے ہیں بعض اس میں مر بھی جاتے ہیں اور بعض مجذوب بن جاتے ہیں۔

شریعت مطہرہ نے حقیقی عاشق کے لئے اس مرحلہ میں روزہ رکھا ہے کہ خواہ گرمی ہو یا سردی ہو وہ رمضان کو روزہ رکھے گا تا کہ اس کا محبوب راضی ہو جائے اور عاشق حقیقی کامیاب ہو جائے۔

❺ مجازی عاشق جب ان چار مراحل میں اپنے معشوق کے حصول میں ناکام ہوتا ہے تو وہ پھر گھر بار بیوی بچوں اور شہر وآبادی کو چھوڑ کر بے سروسامان ننگے بدن ننگے پاؤں اور ننگے سر ہو کر دشت وبیابان اور جنگل وصحراء کی طرف چل پڑتا ہے تا کہ معشوق کے آثار ودیار کو تلاش کر سکے اور اپنے اقرباء اور رشتہ داروں سے الگ ہو کر معشوق کی تلاش میں کامیاب ہو سکے چنانچہ مجنون اور لیلیٰ کے واقعات اور ان کا ایک دوسرے کے گلی کوچوں اور صحراؤں اور چراگاہوں میں دیوانہ وار مارے مارے گھومنا پھرنا کسی پر پوشیدہ نہیں۔

ایک دفعہ جب مجنون نے ایک کتے کو اپنی چادر پر بٹھا دیا اور لوگوں نے اس کو ملامت کی تو مجنون نے کہا کہ مجھے ملامت نہ کرو کیونکہ میں نے ایک دفعہ اس کتے کو لیلیٰ کی گلی میں گذرتا ہوا دیکھا تھا اس لئے اس کو اپنی چادر پر بٹھلایا تا کہ اس کے پاؤں میری چادر پر پڑ جائیں چنانچہ اشعار میں اس منظر کا اس طرح نقشہ کھینچا گیا ہے۔

رأى المجنون في البيداء كلب ... فجر اليه للاحسان ذيلا
فلاموه على ما كان منه ... فقالوالم منحت الكلب نيلا
فقال دعوا الملامة ان عيني ... رأته مرة في حي ليلىٰ

شریعت مطہرہ نے حقیقی عاشق کے لئے اس مرحلہ میں حج بیت اللہ کا فریضہ رکھا ہے کہ محبوب کے حصول اور راضی کرنے کے لئے حقیقی عاشق کفن پہن کر ننگے پاؤں ننگے سر بیوی بچوں کو اور معاشرہ واقرباء اور گھر بار کو چھوڑ کو بیت اللہ کی طرف جاتا ہے پھر منیٰ جاتا ہے عرفات جا کر روتا ہے مزدلفہ اتر کر چیختا چلاتا ہے پھر منیٰ آکر پتھر مارتا ہے پھر محبوب کے گھر کے ارد گرد طواف کرتا ہے اور آخر میں محبوب کو راضی کر لیتا ہے اور گناہوں سے پاک ہو کر وطن لوٹتا ہے۔

اوپر حدیث کی جس روایت کو میں نے نقل کیا ہے اس میں ارکان خمسہ کو اسی ترتیب کے مطابق ذکر کیا گیا ہے اور جس انداز سے میں نے اس ترتیب کی وضاحت کی ہے اس کی طرف فتح الملہم میں شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ نے

اجمالی اشارہ فرمایا ہے۔[۱] میں نے اس کے متعلق اپنے استاذ محترم حضرت اقدس حضرت مولانا فضل محمد سواتی رحمۃ اللہ علیہ سے بھی اس تشریح کا اجمال پڑھا تھا۔ یہ تشریح وتفصیل میں کتاب الحج کی ابتدا میں بیان کرتا ہوں لیکن عمر کا کوئی پتہ نہیں اس لئے میں نے اس فائدے کو یہاں لکھ دیا اور اگر اللہ نے موقع دیا تو وہاں بھی اشارہ کروں گا۔

صلوٰۃ کی لغوی اور اصطلاحی تحقیق:

صلوٰۃ کی اصطلاحی تعریف علماء نے اس طرح فرمائی ہے۔

"ھی ارکان معھودۃ وافعال مخصوصۃ فی اوقات مخصوصۃ بکیفیۃ مخصوصۃ"

یعنی مخصوص اوقات میں مخصوص کیفیت کے ساتھ مخصوص افعال ادا کرنا نماز ہے۔

صلوٰۃ منقول شرعی ہے یعنی شریعت نے اس کو یہ حیثیت اور تعارف دیا ہے اس تعارف وتعریف میں کسی کا اختلاف نہیں ہے۔

ہاں اس میں بہت زیادہ اختلاف ہے کہ صلوٰۃ جو منقول شرعی ہے اس کا منقول عنہ کیا چیز ہے یعنی یہ کس چیز سے منقول ہو کر آئی ہے اور اس کا مادہ اشتقاق کیا ہے ملاحظہ ہو۔

① اکثر علماء کا خیال یہ ہے کہ صلوٰۃ لغت میں دعا کے معنی میں ہے پھر اس مخصوص عبادت پر بولا گیا ہے کیونکہ اس میں بھی دعا ہے۔[۲]

② صاحب قاموس نے لکھا ہے کہ صلوٰۃ لغت میں دعا رحمت، اور استغفار کے معنی میں ہے۔

③ بعض علماء نے لکھا ہے کہ صلوٰۃ لغت میں تحریک الصلوین کو کہتے ہیں اور نمازی بھی نماز میں رانوں کو حرکت دیتا رہتا ہے۔

④ بعض علماء نے کہا ہے کہ صلوٰۃ صلی الفرس سے ماخوذ ہے کیونکہ گھوڑ دوڑ میں جو گھوڑا آگے ہوتا ہے اس کو مجلی کہتے ہیں اور اس کے رانوں سے بالکل متصل جو دوسرا گھوڑا ہوتا ہے اس کو مصلی کہتے ہیں کیونکہ اس کا سر آگے والے گھوڑے کی رانوں کے ساتھ ہوتا ہے۔ چنانچہ نمازی بھی جب جماعت کے ساتھ نماز پڑھتے ہیں تو ایک دوسرے کے آگے پیچھے لگے رہتے ہیں۔

بعض علماء نے لکھا ہے کہ صَلِیَ یَصْلٰی سمع سے بھی ہے اور باب تفعیل سے بھی ہے جو کسی چیز کو آگ میں ڈالنے اور جلانے کو کہتے ہیں لاٹھی کو سیدھا کرنے کے لئے جب آگ میں ڈالتے ہیں تو کہتے ہیں "صلیت العصا فی النار" اس اعتبار سے نماز کو اس لئے صلوٰۃ کہا گیا کہ اس سے نمازی سیدھا ہو کر اس کے گناہ جل کر ختم ہو جاتے ہیں۔

ان تمام لغوی معانی میں سب سے زیادہ واضح اور راجح معنی یہ ہے کہ صلوٰۃ اصل میں دعا کے معنی میں ہے اور پھر ارکان

---

[۱] فتح الملھم:

[۲] کما فی قولہ علیہ السلام: اذا دعی احدکم فلیجب فان کان مفطرا فلیطعم وان کان صائما فلیصل ابوداؤد: ۱/۳۳۲

مخصوصہ کی طرف منتقل ہوگئی ہے۔[۱]

نماز کی فرضیت

سب سے پہلے تہجد کی نماز فرض ہوئی ہے اس کے بعد تہجد کا حکم منسوخ ہوکر فجر اور عصر کی نماز فرض ہوئی جیسا کہ قرآن میں اس کی طرف اشارہ کیا گیا ہے ﴿وسبح بحمد ربك بالعشی والابكار﴾ (پارہ ۲۴)[۲]
پھر ہجرت سے دو سال قبل شب معراج میں پانچ نمازیں فرض ہوئیں جو اب تک فرض ہیں جس کا منکر کافر ہے اس فریضہ کی خصوصیت یہ ہے کہ یہ آسمانوں کے اوپر عرش پر فرض ہوا ہے۔
اور آنحضرت ﷺ کی زبان مبارک سے امت کے لئے آخری وصیت نماز کے متعلق اس طرح تھی "الصلوٰة وماملكت ايمانكم[۳]" یعنی نماز کی پابندی کرو اور ماتحتوں پر ظلم نہ کرو۔ پھر ہجرت کے بعد ۲ھ میں زکوٰۃ اور روزہ فرض ہوا اور ۵ھ یا ۶ھ یا ۹ھ میں حج فرض ہوا۔

الفصل الاول

نیک اعمال سے صغیرہ گناہ معاف ہوجاتے ہیں

﴿۱﴾ عن أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الصَّلَوَاتُ الْخَمْسُ وَالْجُمُعَةُ إِلَى الْجُمُعَةِ وَرَمَضَانُ إِلَى رَمَضَانَ مُكَفِّرَاتٌ لِمَا بَيْنَهُنَّ إِذَا اجْتُنِبَتِ الْكَبَائِرُ. (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)[۳]

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا "اگر کوئی شخص کبیرہ گناہوں سے بچتا رہے تو پانچوں نمازیں اور جمعہ سے جمعہ تک اور رمضان سے رمضان تک اس کے ان گناہوں کو مٹا دیتے ہیں جو ان کے درمیان ہوئے ہیں"۔ (مسلم)

توضیح: "الصلوٰة الخمس" یہ کلمہ اپنے معطوفات کے ساتھ مبتدا واقع ہے اور "مكفرات" کا کلمہ اس کی خبر ہے "مكفرات" تکفیر سے کفارہ کے معنی میں ہے مراد گناہوں کا کفارہ اور معاف کرنا اور مٹانا ہے۔ حدیث کا مطلب یہ ہے کہ پانچ نمازوں کے درمیان جو صغائر گناہ ہوتے ہیں وہ ان نمازوں کے ادا کرنے سے مٹ کر معاف ہوجاتے ہیں اسی طرح ایک جمعہ کے ادا کرنے سے جمعہ کی دوسری نماز تک جو صغائر ہوتے ہیں ان نمازوں کے ادا کرنے سے مٹ کر معاف ہوجاتے ہیں اسی طرح ایک رمضان کے روزے رکھنے سے دوسرے رمضان تک سال بھر کے گناہ ان روزوں کے ذریعہ سے مٹ کر معاف ہوجاتے ہیں۔ یہ بحث پہلے گذر چکی ہے کہ نیک اعمال کے کرنے سے بالاتفاق چھوٹے گناہ معاف

[۱] الكاشف عن حقائق السنن: ۲/۱۷۱ وفی عمدة القاری: ۲/۲۶۵ [۲] شرح النقاية: ۱/۱۰۸ [۳] مسلم: ۱/۱۲۲

ہو جاتے ہیں قرآن کریم کی آیت ﴿ان الحسنات یذھبن السیئات﴾[1] سے یہی صغائر مراد لیا گیا ہے اگر چہ بعض علماء نے کبائر کا بھی قول کیا ہے لیکن جمہور علماء کے نزدیک کبائر کی معافی کے لئے توبہ کرنا ضروری ہے اسی طرح حقوق العباد کی معافی کے لئے ضروری ہے کہ صاحب حق سے معافی تلافی کی جائے خلاصہ یہ کہ نیک اعمال سے صغائر معاف ہو جاتے ہیں اور اگر توبہ کی تو کبائر بھی معاف ہو جاتے اور اگر توبہ نہ کی تو کبائر میں تخفیف ضرور ہوتی ہے۔ "لما بینھن" اس جملہ کا ایک مطلب یہ ہے کہ ایک دن کی پانچوں نمازوں سے لیکر دوسرے دن کی پانچ نمازوں کے درمیان دونوں میں جو صغائر ہیں وہ معاف ہو جاتے ہیں۔

دوسرا مطلب یہ ہے کہ ہر دو نمازوں کے درمیان جو گناہ سرزد ہو جاتے ہیں ان نمازوں سے وہ گناہ معاف ہو جاتے ہیں لمعات میں شیخ عبدالحق رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ یہی دوسرا مطلب یہاں مراد ہے اور احادیث اس پر دلالت کرتی ہیں۔[2]

سوال: جب ایک نماز سے یا روزہ سے اور جمعہ کی نماز سے دوسری نماز تک تمام صغائر معاف ہو جاتے ہیں تو پھر وضو کرنے سے اور مسجد کی طرف جانے سے اور دوسری نماز سے کیا معاف ہوگا؟ کیونکہ صغائر تو سارے کے سارے پہلے معاف ہو چکے ہیں۔

جواب: اس کا جواب یہ ہے کہ دوسری نیکیوں سے اس شخص کے درجات بلند ہونگے اور مزید نیکیاں اس کے نامہ اعمال میں جمع ہونگی شیخ نے لمعات میں لکھا ہے کہ صغائر کے مٹانے کی یہ صفت ہر نیکی میں موجود ہے اگر ایک نے مٹا دیا تو بہت اچھا ہے اور اگر سب نے ملکر مٹا دیا تو نور علیٰ نور ہوگا۔[3]

کیا صغائر کی معافی کے لئے کبائر سے اجتناب شرط ہے؟

"اذا اجتنبت الکبائر" یہ اجتناب سے مجہول کا صیغہ ہے اب اس حدیث میں یہ بحث ہے کہ آیا صغائر کی معافی کے لئے اجتناب عن الکبائر شرط ہے یا شرط نہیں ہے؟

اس میں یہ تفصیل ہے کہ یہاں تین صورتیں ہیں۔ پہلی صورت یہ ہے کہ اگر کسی شخص کے گناہ صرف صغائر ہیں اور کبائر سے وہ شخص پاک ہے تو اس پر اتفاق ہے کہ اس کے سب گناہ معاف ہو جائیں گے۔

دوسری صورت یہ ہے کہ اس شخص کے سارے گناہ کبائر ہی ہیں تو اس پر بھی اتفاق ہے کہ توبہ کرنے کے بغیر اس کا کوئی گناہ معاف نہیں ہوگا "الا ماشاء اللہ"۔

تیسری صورت یہ ہے کہ ایک شخص کے صغائر گناہ بھی ہیں اور کبائر بھی ہیں۔

تو اس میں معتزلہ کا مسلک یہ ہے کہ کبائر کی موجودگی میں صغائر معاف نہیں ہو سکتے اور کبائر کی معافی کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا وہ کہتے ہیں کہ صغائر کی معافی کے لئے اجتناب عن الکبائر کو شرط قرار دیا گیا ہے مذکورہ حدیث سے وہ لوگ استدلال

---

[1] ھود: ۱۱۴ [2] اشعۃ اللمعات: ۲۹۹، ۲۹۸ [3] اشعۃ اللمعات: ۲۹۹

کرتے ہیں مگر جمہور اہل سنت والجماعت فرماتے ہیں کہ صغائر کی معافی کے لئے اجتناب عن الکبائر شرط نہیں ہے کبائر کی موجودگی میں بھی نیک اعمال سے صغائر معاف ہوجاتے ہیں کیونکہ اکثر احادیث میں مطلقاً کسی شرط کے بغیر صغائر کی معافی کا ذکر آیا ہے۔ (کذا قال النووی)

باقی معتزلہ نے مذکورہ حدیث سے جو استدلال کیا ہے وہ صحیح نہیں ہے کیونکہ **اذا اجتنبت الکبائر** کا جملہ استثنیٰ کی جگہ میں واقع ہے یا ماقبل کے لئے شرط نہیں ہے تو مطلب یہ ہوگا کہ نیک اعمال سے صغائر معاف ہونگے کبائر معاف نہیں ہونگے۔

پانچ نمازوں کی مثال پاکیزہ نہر کی ہے

﴿۲﴾ وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَرَأَيْتُمْ لَوْ اَنَّ نَهَرًا بِبَابِ اَحَدِكُمْ يَغْتَسِلُ فِيْهِ كُلَّ يَوْمٍ خَمْسًا هَلْ يَبْقٰى مِنْ دَرَنِهٖ شَيْءٌ قَالُوْا لَا يَبْقٰى مِنْ دَرَنِهٖ شَيْءٌ قَالَ فَذٰلِكَ مَثَلُ الصَّلَوَاتِ الْخَمْسِ يَمْحُو اللّٰهُ بِهِنَّ الْخَطَايَا۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)[1]

ترجمہ: اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے (صحابہ رضی اللہ عنہم کو مخاطب کرتے ہوئے) فرمایا "تم بتاؤ کہ جس کے دروازے کے آگے پانی کی نہر چلتی ہو اور وہ روزمرہ اس میں پانچ مرتبہ نہاتا ہو تو کیا اس کے بدن پر میل کا کوئی شائبہ بھی رہے گا؟ صحابہ نے عرض کیا کہ نہیں میل بالکل باقی نہیں رہے گا؛ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا" (تو سمجھو کہ) یہی مثال ہے پانچوں نمازوں کی کہ اللہ تعالیٰ تمام (صغیرہ) گناہوں کو ان نمازوں کے سبب سے اسی طرح مٹا دیتا ہے (جس طرح پانی میل کو اتار دیتا ہے)۔ (بخاری ومسلم)

توضیح: "أَرَأَيْتُمْ" **ای اخبرونی** یعنی مجھے بتادو "**لو ان نهرا**" **ای لو ثبت ان نهرا** یعنی فرض کرلو اگر کسی کے دروازہ کے پاس پاک صاف اور شفاف پانی کی نہر موجود ہو۔ "**هل یبقی**" یہ جملہ محل استفہام میں ہے یعنی استفہام سے مقصود یہی جملہ ہے۔ "**درن**" جسم میں میل کچیل کو درن کہتے ہیں اس کی جمع ادران آتی ہے۔ "**فذالك**" یہاں فا کا کلمہ شرط محذوف کے جواب میں واقع ہے عبارت اس طرح ہے "**اذا اقررتم ذلك وصح عندكم فهو مثل الصلوة**"[2] (کذا قال الطیبی)

اس حدیث میں جسم پر ظاہری میل کچیل کے ساتھ گناہ کی تشبیہ دی گئی ہے اور نماز کی تشبیہ پانی کے ساتھ دی گئی ہے کہ جس طرح ظاہری میل کچیل کی گندگی کا ازالہ پانی سے ہوتا ہے اسی طرح باطنی میل کچیل یعنی گناہوں کی گندگی کا ازالہ نماز سے ہوتا ہے۔

سوال: یہاں بظاہر یہ سوال ہوسکتا ہے کہ پانی سے نجاست خفیفہ وغلیظہ ہر قسم کا ازالہ ہوجاتا ہے حالانکہ نماز سے صرف گناہ صغیرہ کا ازالہ ہوتا ہے کبیرہ کا نہیں۔

[1] اخرجه البخاری: ۱/۷۰ ومسلم: ۲/۱۳۱ [2] الکاشف عن حقائق السنن: ۲/۱۶۳

جواب: اس کا جواب یہ ہے کہ یہاں تشبیہ تمام اجزاء میں نہیں ہے بلکہ بعض اجزاء میں ہے اور وہ گناہ صغیرہ ہیں جس طرح نجاست خفیفہ صرف پانی بہانے سے زائل ہو جاتی ہے رگڑنے کی ضرورت نہیں پڑتی ہے اسی طرح نمازوں سے صرف صغائر معاف ہو جاتے ہیں توبہ کی ضرورت نہیں پڑتی ہے۔

نماز سے گناہ معاف ہو جاتے ہیں

﴿۳﴾ وعن ابن مسعودٍ قال إنّ رجلاً أصاب من امرأةٍ قُبلةً فأتى النبيّ صلى الله عليه وسلم فأخبره فأنزل الله تعالى وأقم الصلاة طرفي النّهار وزلفاً من اللّيل إنّ الحسنات يذهبن السّيّئات فقال الرّجل يا رسول الله ألي هذا قال لجميع أمّتي كلّهم وفي رواية لمن عمل بها من أمّتي۔ (متّفق عليه)[1]

ترجمہ: اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ "ایک شخص نے کسی (غیر) عورت کا بوسہ لے لیا پھر (احساس ندامت اور شرمندگی کے ساتھ) نبی کریم ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہو کر صورت واقعہ کی خبر دی (آپ ﷺ نے جواب نہ دیا بلکہ وحی کے ذریعہ حکم خداوندی کے منتظر رہے اس اثنا میں اس شخص نے نماز پڑھی) جب ہی اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی ﴿وأقم الصّلاة طرفي النّهار وزلفاً من اللّيل إنّ الحسنات يذهبن السّيّئات﴾ اور نمازوں کو اول و آخر اور رات کے چند ساعات میں پڑھا کرو کیونکہ نیکیاں (یعنی نماز) برائیوں کو مٹا دیتی ہیں۔ (بخاری ومسلم)

توضیح: "ان رجلا"[2] شارحین نے لکھا ہے کہ اس شخص کا نام "ابوالیسر" تھا کہتے ہیں کہ اس کے پاس کھجور خریدنے کے لئے ایک انصاری عورت آئی اس شخص کو وہ بہت پسند آئی تو اس سے کہا کہ میرے گھر میں اس سے زیادہ عمدہ کھجوریں ہیں اس کو دیکھ لو جب یہ عورت اس کے گھر میں آئی تو اس نے اس عورت کو گلے لگا کر بوسہ لیا اس عورت نے کہا کہ اللہ کا خوف کرو یہ سن کر یہ شخص اپنے فعل پر نادم ہوا اور گھر سے باہر نکل آیا سامنے سے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ آرہے تھے اس شخص نے اپنی ناشائستہ حرکت کا تذکرہ ان کے سامنے کیا حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا توبہ کرو اور آئندہ اس طرح گناہ نہ کرو یہ شخص اس کے بعد نبی کریم ﷺ کے پاس آیا اور اپنا سارا قصہ سنایا۔

"**طرفی النهار**" دن کی دو طرف سے مراد ایک قول کے مطابق فجر اور ظہر طرف اول ہے اور عصر اور مغرب طرف ثانی اور "**زلفا من اللیل**" سے عشاء مراد ہے۔ دوسرے قول کے مطابق فجر ایک طرف ہے اور ظہر و عصر دوسری طرف ہے اور "**زلفا من اللیل**" سے مراد مغرب اور عشاء دونوں ہیں۔[3]

"**زلفا**" یہ زلفۃ کی جمع ہے قریب کے معنی میں ہے مراد اوقات اور ساعات ہیں کیونکہ ساعات بھی ایک دوسرے کے قریب ہوتے ہیں۔

---

[1] اخرجه البخاری: ۱/۱۳۰ ومسلم: ۸/۱۰۱ [2] الکاشف عن حقائق السنن: ۲/۱۷۳ وفی اللمعات: ۲۹۹ [3] الکاشف: ۲/۱۷۳

اس حدیث میں سیئات اور اس سے پہلے والی حدیث میں خطایا کے جو الفاظ آئے ہیں۔ اس سے گناہ صغیرہ مراد ہیں نیز اس حدیث سے معلوم ہوا کہ کسی عورت کا صرف بوسہ لینا اگرچہ محل فتنہ ہے مگر یہ کبائر میں داخل نہیں ہے ہاں اگر زنا کیا تو پھر یہ سب بوس وکنار اور دیکھنا سننا کبائر میں شمار ہونگے۔

﴿۴﴾ وعن أنس قَالَ جَاءَ رَجُلٌ فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللهِ إِنِّي أَصَبْتُ حَدًّا فَأَقِمْهُ عَلَيَّ قَالَ وَلَمْ يَسْأَلْهُ عَنْهُ وَحَضَرَتِ الصَّلَاةُ فَصَلَّى مَعَ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَمَّا قَضَى النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الصَّلَاةَ قَامَ الرَّجُلُ فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللهِ إِنِّي أَصَبْتُ حَدًّا فَأَقِمْ فِيَّ كِتَابَ اللهِ قَالَ أَلَيْسَ قَدْ صَلَّيْتَ مَعَنَا قَالَ نَعَمْ قَالَ فَإِنَّ اللهَ قَدْ غَفَرَ لَكَ ذَنْبَكَ أَوْ حَدَّكَ۔ (متفق علیه)[۱]

ترجمہ: اور حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ "ایک شخص نبی کریم ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ "یارسول اللہ! مجھ سے ایسا فعل سرزد ہو گیا ہے جس پر حد واجب ہے اس لئے آپ مجھ پر حد جاری فرمائیے" راوی کا بیان ہے کہ آنحضرت ﷺ نے اس سے حد کے متعلق کچھ دریافت نہیں فرمایا اور نماز کا وقت آ گیا۔ اس شخص نے آنحضرت ﷺ کے ہمراہ نماز پڑھی جب آپ ﷺ نماز سے فارغ ہو چکے تو وہ شخص کھڑا ہوا اور پھر عرض کیا کہ "یارسول اللہ مجھ سے ایک ایسا فعل سرزد ہو گیا ہے جو موجب حد ہے اس لئے آپ میرے بارے میں خدا کا حکم نافذ فرمائیے آپ ﷺ نے فرمایا کہ کیا تم نے ہمارے ساتھ نماز نہیں پڑھی ہے؟ اس نے کہا کہ "جی ہاں پڑھی ہے" آپ ﷺ نے فرمایا خدا نے تمہاری خطا معاف فرمائی ہے یا یوں کہا کہ تمہاری حد بخش دی ہے"۔ (بخاری ومسلم)

توضیح: "اصبت حدا" "ای فعلت شيئا يوجب الحد" یعنی میں نے ایسا بڑا گناہ کیا جو حد شرعی کو واجب کرتا ہے۔[۲]

سوال: یہاں یہ اشکال ہے کہ اس شخص نے خود اقرار کیا کہ میں نے بڑے گناہ مثل چوری، شرب خمر وغیرہ کا ارتکاب کیا اور حضور ﷺ نے نماز کے ادا کرنے سے اس کی بخشش کا اعلان فرمایا جس سے معلوم ہوا کہ نماز وغیرہ نیک اعمال سے صغائر کے علاوہ کبائر بھی معاف ہو جاتے ہیں حالانکہ معاملہ ایسا نہیں ہے؟

پہلا جواب: اس کا جواب یہ ہے کہ اس شخص کا گناہ کبیرہ نہیں تھا لیکن انہوں نے از خود یہ گمان قائم کیا تھا کہ میرا گناہ بہت بڑا ہے خوف خدا رکھنے والے چھوٹے گناہ کو بھی بڑا خیال کرتے ہیں۔

دوسرا جواب: یہ ہے کہ اس شخص نے تعزیر پر حد کا اطلاق کیا اس کا گناہ باعث تعزیر تھا جو چھوٹا تھا۔

تیسرا جواب: یہ ہے کہ اس شخص نے نادم ہو کر نہایت اخلاص کے ساتھ توبہ کی جس سے اس کا بڑا گناہ معاف ہو گیا تھا نماز پڑھنے سے اس کو صرف بشارت دیدی گئی بہر حال کئی احتمالات ہیں لہٰذا اب کوئی اشکال نہیں ہے۔[۳]

[۱] اخرجه البخاري: ۸/۲۰۶ ومسلم: ۸/۱۰۲ [۲] الكاشف: ۲/۱۶۷ [۳] الكاشف: ۲/۱۶۷

سوال: اب یہاں دوسرا اشکال یہ ہے کہ حضور ﷺ نے اس شخص کے گناہ کی نوعیت معلوم کرنے کے بارے میں تحقیق و تفتیش کیوں نہیں فرمائی ہوسکتا ہے کہ اس کا گناہ بڑا ہو؟

جواب: آنحضرت ﷺ کو وحی، الہام یا بطور کشف معلوم ہوگیا ہوگا کہ اس شخص کا گناہ صغیرہ ہے کبیرہ نہیں ہے ورنہ اگر واقعی وہ شخص ارتکاب حد کر چکا تھا تو حد کا مقدمہ حاکم کی عدالت میں پہنچنے کے بعد حد نافذ کرنے کے بغیر کوئی حاکم معاف نہیں کرسکتا ہے "**اوحدك**" راوی کو اس میں شک ہوا کہ آنحضرت ﷺ نے "**حدك**" کا لفظ ارشاد فرمایا تھا یا "**ذنبك**" فرمایا تھا اس سے محدثین کرام کے احتیاط کا اندازہ ہوتا ہے کہ وہ آنحضرت ﷺ کے ارشاد فرمودہ الفاظ کے نقل کرنے میں کس قدر اہتمام کرتے ہیں۔

سب سے افضل عمل کونسا ہے

﴿۵﴾ وعن ابْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ سَأَلْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَيُّ الْأَعْمَالِ أَحَبُّ إِلَى اللهِ قَالَ اَلصَّلَاةُ لِوَقْتِهَا قُلْتُ ثُمَّ أَيٌّ قَالَ بِرُّ الْوَالِدَيْنِ قُلْتُ ثُمَّ أَيٌّ قَالَ الْجِهَادُ فِي سَبِيْلِ اللهِ قَالَ حَدَّثَنِي بِهِنَّ وَلَوِ اسْتَزَدْتُهُ لَزَادَنِي. (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)[1]

ترجمہ: اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ "میں نے نبی کریم ﷺ سے پوچھا کہ اللہ تعالیٰ کو کون سا عمل سب سے زیادہ پسند ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ "وقت پر نماز پڑھنا" (یعنی وقت مکروہ میں نماز نہ پڑھی جائے) میں نے کہا کہ پھر کون سا عمل بہتر ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ ماں باپ کے ساتھ بھلائی سے پیش آنا" میں نے عرض کیا کہ "پھر کونسا عمل بہتر ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ خدا کی راہ میں جہاد کرنا" ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مجھ سے آنحضرت ﷺ نے یہی تین باتیں بیان فرمائی تھیں اگر میں کچھ زیادہ پوچھتا تو آپ ﷺ اس سے بھی زیادہ بیان فرماتے۔ (بخاری ومسلم)

توضیح: "**ای الاعمال احب الی اللہ**" یعنی اعمال میں سے افضل عمل کونسا ہے۔

سوال: یہاں پر ایک مشہور سوال ہے جس کا تذکرہ علامہ طیبی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی کیا ہے اور ملا علی قاری وغیرہ نے بھی کیا ہے۔[2] توضیحات کی جلد اول میں اس کی تفصیل کسی مقام پر ہو چکی ہے۔ مگر بطور یاد دہانی پھر اشارہ کرتا ہوں۔

سوال یہ ہے کہ سب سے افضل و اعلیٰ تو ایک چیز ہوسکتی ہے لیکن احادیث میں جب آنحضرت ﷺ سے سب سے افضل عمل کے بارے میں سوال کیا گیا تو آپ ﷺ نے جواب میں مختلف اعمال کو افضل قرار دیا ہے۔ مثلاً زیر بحث حدیث میں "**الصلوٰۃ لوقتھا**" کو سب سے افضل قرار دیا گیا ہے۔

حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کی حدیث میں "**ایمان باللہ وجہاد فی سبیل اللہ**" کو افضل قرار دیا گیا ہے۔

[1] اخرجه البخاری: ۱/۱۳۰ ومسلم: ۱/۶۲ [2] مرقاۃ: ۲/۲۶۱ وفی "الکاشف: ۲/۱۷۵

ایک حدیث میں "**اطعام الطعام**" کو افضل قرار دیا ہے۔ ایک حدیث میں "**ان یسلم المسلمون من یدہ ولسانہ**" کو سب سے بہتر عمل کہا گیا ہے ایک حدیث میں "**ذکر اللہ**" کو سب سے اچھا عمل بتایا گیا ہے۔ ایک حدیث میں "**ان افضل الاعمال جھاد لاغلول فیہ**" کو سب سے افضل عمل قرار دیا گیا ہے اور ایک حدیث میں "**ان احب الاعمال الی اللہ ادومہ**" وارد ہے۔

تو سوال کا مقصد یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ کی زبان مبارک سے مختلف جوابات کیوں آئے ہیں؟؟

جواب: شارحین حدیث نے اس سوال کے مختلف وجوہات سے جوابات دیئے ہیں بنیادی طور پر یہ بات سمجھنا ضروری ہے کہ فضیلت کلیہ صرف ایمان کو حاصل ہے اعمال میں کسی عمل کو کلّی فضیلت حاصل نہیں ہے البتہ افضیلت جزئی ہوتی ہے۔ تو اعمال کے بارے میں یہ مختلف جوابات جو آئے ہیں یہ یا تو سائلین کے اعتبار سے اختلاف، آیا ہے کہ ہر سائل میں جس عمل کی جو کمزوری تھی اسی کی نشاندہی فرمادی یعنی تیرے لئے اور تیرے مناسب تو سب سے افضل فلاں عمل ہے جس میں تجھ سے سستی ہو رہی ہے۔

دوسرا جواب: یہ ہے کہ زمان اور وقت کے اعتبار سے کسی عمل کو سب سے افضل قرار دیا گیا ہے مثلاً جہاد کے زمانہ میں جہاد کو افضل کہا اور حج کے موسم میں حج وغیرہ کو افضل قرار دیا گیا اور حالت اضطرار میں مضطر کو کھانا کھلانا افضل قرار دیا گیا۔

تیسرا جواب: یہ کہ جہاں جہاں افضل اسم تفضیل کا صیغہ استعمال کیا گیا ہے اس سے مراد نفس فعل اور مطلق فضیلت ہے کسی دوسرے عمل پر برتری مقصود نہیں ہے۔

چوتھا جواب: یہ ہے کہ افضل ایک نوع ہے اس نوع کا ایک فرد نہیں بلکہ بے شمار افراد ہو سکتے ہیں لہٰذا جس عمل کو افضل کہہ دیا گیا تو وہ گویا اسی نوع کا ایک فرد ہوگا۔ یہ بہت اچھا جواب ہے۔

پانچواں جواب: یہ ہے کہ یہ افضیلت مختلف اعتبارات سے ہے۔ مثلاً حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ **ارحم امۃ** کے اعتبار سے افضل ہیں عمر فاروق رضی اللہ عنہ **اشدھم فی امر اللہ عمر** کے اعتبار سے افضل ہیں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ حیا کے اعتبار سے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ قضاء کے اعتبار سے افضل ہیں۔

یا مثلاً جہاد اعلاء کلمۃ اللہ کے اعتبار سے سب سے افضل ہے اور نماز ذکر اللہ کے اعتبار سے سب سے افضل ہے اور سلام تواضع کے اعتبار سے سب سے افضل ہے اور صدقہ ہمدردی اور سخاوت کے اعتبار سے سب سے افضل ہے تو اس حدیث کا دیگر احادیث سے کوئی تعارض ہی نہیں ہے، یہ جواب بھی بہت عمدہ ہے۔

سب سے افضل عمل کونسا ہے؟

ایمان کا تقابل تو کسی عمل سے نہیں کیا جا سکتا ہاں نماز اور جہاد فی سبیل اللہ میں فقہاء نے بحث کی ہے کہ کونسا افضل ہے ایک بڑا طبقہ علماء کرام کا اس طرف گیا ہے کہ نماز مطلقاً افضل ہے مگر ایک طبقہ علماء کرام کا اس طرف بھی گیا ہے کہ جہاد سب سے

افضل عمل ہے۔ یادر ہے کہ یہ تقابل اس وقت ہے جب کہ جہاد فرض کفایہ ہو لیکن اگر جہاد فرض عین ہو جائے تو پھر ایمان کے بعد سب سے افضل عمل جہاد ہے۔

"حدثنی بھن" اس جملہ سے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ حدیث کی سماع کی تاکید فرمار ہے ہیں کہ یہ باتیں مجھے خود آنحضرت ﷺ نے بیان فرمائی ہیں اور میں نے خود سنی ہیں کوئی واسطہ نہیں ہے۔

"ولو استزدته" یعنی اگر افضلیت والی باتوں کا میں مزید معلوم کرتا تو آنحضرت ﷺ مجھے اعمال مزید بیان فرمادیتے لیکن میں نے مزید سوال نہیں کیا تا کہ آنحضرت ﷺ کو مشقت نہ ہو۔

نماز چھوڑ نا کفر کی علامت ہے

﴿۶﴾ وعن جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَيْنَ الْعَبْدِ وَبَيْنَ الْكُفْرِ تَرْكُ الصَّلَاةِ۔[1] (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

ترجمہ: اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا نماز کا چھوڑ نا بندۂ مومن اور کفر کے درمیان (کی دیوار کو ڈھادینا) ہے۔ (مسلم)

توضیح: "بین العبد" یعنی مسلمان اور کفر کے درمیان پردہ اور رکاوٹ نماز ہے۔

اگر کسی مسلمان نے نماز چھوڑ دی تو اس نے کفر کی طرف جانے کا پردہ چاک کر دیا اب وہ کفر میں داخل ہو جائے گا۔

سوال: اس حدیث کے ظاہری الفاظ سے ایک اشکال پیدا ہوتا ہے وہ اس طرح کہ ظاہری الفاظ کا مطلب یہ ہے کہ بندے اور کفر کے درمیان فرق کرنے والی چیز ترک صلوٰۃ ہے حالانکہ بندے اور کفر کے درمیان فرق کرنے والی چیز نماز کا پڑھنا ہے ترک کرنا نہیں ہے۔

جواب: علامہ طیبی رحمہ اللہ وغیرہ نے اس کا ایک جواب دیا ہے جو درحقیقت قاضی عیاض مالکی رحمہ اللہ نے دیا ہے وہ یہ ہے کہ ترک کا لفظ "حد" کے معنی میں لیا جائے تو مطلب صاف ہو جائے گا یعنی بندے اور کفر کے درمیان جو حد فاصل ہے وہ نماز ہے اگر کوئی شخص اس حد کو عبور کرتا ہے اور نماز نہیں پڑھتا تو وہ کفر کے میدان میں داخل ہو جائے گا اور کفر کے قریب ہو جائے گا۔

قاضی عیاض رحمہ اللہ نے دوسرا جواب دیا ہے کہ یہاں حدیث میں "بین" کا جو لفظ ہے یہ ظرف ہے اور ہر ظرف اپنے لئے ایک متعلق چاہتا ہے تو اس ظرف کا متعلق محذوف ہے جو وصلۃ کا لفظ ہے تقدیری عبارت اس طرح ہے **"ترك الصلوٰة وصلة بين العبد والكفر"** یعنی نماز چھوڑ نا آدمی کو کفر کی طرف لے جاتا ہے۔ ان دونوں توجیہات میں پہلی زیادہ واضح ہے اگر چہ اس میں تاویل ہے۔[2]

[1] اخرجه مسلم: ۱/۶۲ [2] الكاشف: ۲/۱۷۷

شیخ عبدالحق رحمۃ اللہ علیہ نے لمعات میں ایک تیسری توجیہ بیان فرمائی ہے وہ بھی اچھی ہے فرماتے ہیں کہ ہوسکتا ہے کہ اس حدیث میں "العبد" سے مؤمن مراد ہو اور "الکفر" سے کافر مراد ہو اور معنی یہ ہو جائے کہ مؤمن اور کافر کے درمیان فرق کرنے والی چیز نماز کا چھوڑنا ہے جس نے نماز چھوڑ دی وہ کافر ہوگا اور جس نے پڑھی وہ مسلمان ہوگا۔[1]

مورخہ ۱۱ ربیع الاول ۱۴۱۰ھ

الفصل الثانی

بندوں پر نماز پڑھنا اللہ تعالیٰ کا حق ہے

﴿۷﴾ عَنْ عُبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَمْسُ صَلَوَاتٍ اِفْتَرَضَهُنَّ اللّٰهُ تَعَالٰى مَنْ أَحْسَنَ وُضُوْءَهُنَّ وَصَلَّاهُنَّ لِوَقْتِهِنَّ وَاَتَمَّ رُكُوْعَهُنَّ وَخُشُوْعَهُنَّ كَانَ لَهٗ عَلَى اللّٰهِ عَهْدٌ أَنْ يَغْفِرَ لَهٗ وَمَنْ لَمْ يَفْعَلْ فَلَيْسَ لَهٗ عَلَى اللّٰهِ عَهْدٌ اِنْ شَاءَ غَفَرَ لَهٗ وَاِنْ شَاءَ عَذَّبَهٗ۔[2]

(رَوَاهُ اَحْمَدُ وَاَبُوْ دَاوُدَ وَرَوٰى مَالِكٌ وَالنَّسَائِيُّ نَحْوَهٗ)

ترجمہ: حضرت عبادہ ابن صامت رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص نے ان پانچ نمازوں کے لئے جنہیں اللہ تعالیٰ نے فرض کیا ہے (فرائض مستحبات کی ادائیگی کے ساتھ) اچھی طرح وضو کیا اور ان کو وقت پر پڑھا نیز ان میں رکوع وخشوع کیا (یعنی نمازیں حضور قلب کے ساتھ پڑھیں) تو اس کے لئے اللہ تعالیٰ پر ذمہ (یعنی اللہ کا وعدہ) یہ ہے کہ وہ اس کے (صغیرہ) گناہ بخش دے گا اور جس نے ایسا نہ کیا (یعنی اس نے مذکورہ بالا طریقہ سے یا مطلق نماز نہ پڑھی) تو اللہ تعالیٰ اس کا ذمہ دار نہیں ہے چاہے تو بخش دے چاہے اسے عذاب میں مبتلا کرے۔ (احمد، ابوداؤد، مالک، نسائی)

توضیح: "احسن وضوء ھن" بہتر اور احسن وضوء وہ ہے جس کے فرائض اور سنن و مستحبات کا پورا پورا خیال رکھا جائے "لوقتھن" یہاں لام کا کلمہ "فی" کے معنی میں ہے یعنی افضل اور مستحب اوقات میں نماز ادا کی "وخشوعھن" یہاں ممکن ہے کہ خشوع سے سجدہ مراد لیا جائے اور رکوع اور سجدہ کو خاص اس لئے کیا گیا کہ نماز میں یہ اہم ارکان ہیں۔[3]

"عھدا" عہد یہاں وعدہ کے معنی میں لیا جاسکتا ہے مطلب یہ کہ اللہ نے بندہ کے ساتھ بطور احسان مغفرت کا ایسا وعدہ کیا ہے جس کا پورا کرنا یقینی ہوگا۔[4] علامہ توربشتی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ کسی چیز کے **فی الحال اور فی المآل** حفاظت ورعایت کے ساتھ مکمل خیال رکھنے کو بھی عہد کہتے ہیں۔

اسی وجہ سے کسی کے ساتھ پکا وعدہ کرنے کو عہد کہتے ہیں۔

شیخ مزید فرماتے ہیں کہ یہاں بطور اتساع اور بطور تشاکل بندہ کی طرف عہد کی نسبت کی گئی ہے۔ **مجمع البحار** میں لکھا

[1] اشعة اللمعات: ۲۰۱/۱ [2] أخرجه احمد: ۵/۳۱۵ وابو داؤد: ۱۴۲۰ ومالك: ۹۱ والنسائي: ۱/۲۳۰

[3] مرقاة: ۲/۲۷۳ وفي "الكاشف: ۲/۱۶۸ [4] مرقاة: ۲/۲۷۳ وفي "الكاشف: ۲/۱۶۹

ہے کہ "عهد" کا لفظ کبھی وصیت کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے احادیث میں عہد کا لفظ انہی معانی میں سے کسی نہ کسی معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ (کذافی اللمعات)

شیخ عبدالحق رحمۃ اللہ علیہ نے لمعات میں لکھا ہے کہ اس حدیث میں اس بات کی دلیل ہے کہ نماز چھوڑنے والا کافر نہیں ہے ہاں گناہ کبیرہ کا مرتکب ہوجاتا ہے پھر فرماتے ہیں کہ مرتکب کبیرہ کے بارے میں یہ واجب اور لازم نہیں کہ اللہ تعالیٰ اس کو سزا دے یہ خالص اللہ کی مرضی ہے کہ اس کو عذاب دے یا معاف کردے یہ اہل سنت کا مسلک ہے نیز یہ بھی جان لینا چاہیئے کہ گناہ کبیرہ کا مرتکب دائمی دوزخی نہیں ہے بلکہ بقدر گناہ سزا پانے کے بعد دوزخ سے خارج ہوجائیگا۔ خوارج اور معتزلہ کو اس میں اختلاف ہے۔ اہل سنت کے نزدیک اللہ تعالیٰ پر بندے کی طرف سے کوئی چیز واجب نہیں ہے اگر اللہ تعالیٰ کسی صالح مؤمن یا مجانین واطفال کو عذاب میں رکھنا چاہے یا کسی فاسق کو ثواب ونعمت میں رکھنا چاہے تو وہ اس میں کسی طرف سے پابند نہیں ہے۔ بہرحال نماز پڑھنا ہر مسلمان کی ذمہ داری ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس پر مقرر ہے اس کا ادا کرنا لازم ہے خواہ کسی کو اس میں مزہ آتا ہو یا نہیں آتا ہو۔

چار اعمال پر جنت کی بشارت

﴿۸﴾ وعن أبي أُمَامَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلُّوْا خَمْسَكُمْ وَصُوْمُوْا شَهْرَكُمْ وَأَدُّوْا زَكَاةَ أَمْوَالِكُمْ وَأَطِيْعُوْا ذَا أَمْرِكُمْ تَدْخُلُوْا جَنَّةَ رَبِّكُمْ۔ (رواه أحمد والترمذي)

ترجمہ: اور حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (مسلمانو) پانچوں وقت اپنی نماز پڑھو اپنے (رمضان کے) مہینے کے روزے رکھو اپنے مال کی زکوٰۃ دو اور اپنے سردار کی (جب تک کہ وہ خلاف شرع چیزوں کا حکم نہ کرے) اطاعت کرو (اگر ایسا کرو گے تو) اپنے رب کی جنت میں داخل ہوجاؤ گے (یعنی بہشت کے بلند درجات کے حقدار ہو گے)۔ (احمد، وترمذی)

توضیح: "صلوا خمسکم" یعنی وہ پانچ نمازیں پڑھا کرو جو دن رات میں تم پر فرض ہیں اور جو تمہارے ساتھ خاص ہیں علامہ طیبی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ ان اعمال کی اضافت اس امت کے افراد کی طرف اس لئے کی گئی ہے کہ یہ اعمال اپنی کیفیات اور اپنی خصوصیات کے ساتھ اس امت کے ساتھ خاص ہیں جس کی وجہ سے یہ امت دیگر امتوں کے مقابلے میں ان اعمال میں ممتاز ہوگئی ہے۔

"شهر کم" اس سے رمضان کے روزے مراد ہیں چونکہ رمضان کا مہینہ مشہور تھا اس لئے تصریح کی ضرورت نہیں تھی۔

زکوٰۃ کا ذکر روزہ کے بعد کیا گیا شاید یہ تاخیر کسی راوی کے بیان کی وجہ سے ہوئی ہو ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ فرضیت کے اعتبار سے زکوٰۃ رمضان کے فرض ہونے کے بعد فرض ہوئی تھی اس لئے مؤخر ذکر کیا گیا اور قرآن وحدیث میں نماز کیساتھ زکوٰۃ کو اس لئے متصل رکھا گیا ہے کہ نماز عبادات بدنیہ کی جڑ ہے اور زکوٰۃ عبادات مالیہ کی اصل اور جڑ ہے

اس حدیث میں حج کا ذکر نہیں علماء فرماتے ہیں کہ شاید اس حدیث کے بیان کے وقت حج فرض نہیں ہوا ہوگا۔[1]

"ذا امرکم" ملا علی قاری عظیم اللہ فرماتے ہیں کہ اس سے خلیفہ و بادشاہ اور ان کے ذیلی امراء مراد ہیں یا اس سے علماء مراد ہیں کہ شریعت کی روشنی میں علماء جو حکم صادر فرماتے ہیں ان کی اطاعت کرو ہاں جو حکمران شریعت کے خلاف فرمان صادر کرتے ہیں تو ان کی اطاعت نہیں ہے (بلکہ ان کی نافرمانی ضروری ہے)۔[2]

"تدخلوا جنة ربکم" ماسبق چار اوامر کا یہ جواب ہے یعنی دخول اوّلی کے ساتھ جنت میں داخل ہو جاؤ گے۔

سوال: یہاں یہ سوال ہے کہ دخول جنت کے لئے اصلی سبب اور علت تو اللہ تعالیٰ کی رحمت اور فضل و کرم ہے یہاں اعمال کو علت اور شرط کے درجہ میں کیوں رکھا گیا ہے؟۔

جواب: دخول جنت کے لئے اصل علت اور سبب تو اللہ تعالیٰ کی رضا اور فضل و کرم ہے لیکن جنت کے بلند درجات کے حصول کے لئے اعمال کا ہونا ضروری ہے۔

علماء کرام اس اشکال کا جواب یہ بھی دیتے ہیں کہ دخول جنت کے لئے نیک اعمال اسباب اور سبب کے درجہ میں ہیں جس کی طرف نسبت اس مناسبت سے ہو جاتی ہے۔

بچے کو کس عمر میں نماز کا پابند کیا جائے

﴿۹﴾ وعن عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ جَدِّهِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُرُوْا أَوْلَادَكُمْ بِالصَّلَاةِ وَهُمْ أَبْنَاءُ سَبْعِ سِنِيْنَ وَاضْرِبُوْهُمْ عَلَيْهَا وَهُمْ أَبْنَاءُ عَشْرِ سِنِيْنَ وَفَرِّقُوْا بَيْنَهُمْ فِي الْمَضَاجِعِ.[3] (رَوَاهُ أَبُوْ دَاوُدَ وَكَذَا رَوَاهُ فِي شَرْحِ السُّنَّةِ عَنْهُ وَفِي الْمَصَابِيْحِ عَنْ سَبْرَةَ بْنِ مَعْبَدٍ)

ترجمہ: اور حضرت عمر بن شعیب اپنے والد مکرم سے اور وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جب تمہارے بچے سات برس کے ہو جائیں تو انھیں نماز کا حکم دو اور جب دس برس کے ہو جائیں (تو نماز چھوڑنے پر) انھیں مارو۔ نیز ان کے بستر علیحدہ کر دو (ابوداؤد) اسی طرح شرح السنۃ میں عمرو سے اور مصابیح میں سبرہ ابن معبد سے یہ روایت نقل کی گئی ہے۔

توضیح: "مروا" یہ امر کا صیغہ ہے ابتداء سے ہمزہ حذف کیا گیا ہے تا کہ کلمہ خفیف بن جائے "اولاد کم" یہ کلمہ لڑکوں اور لڑکیوں دونوں کو شامل ہے۔

"بالصلوٰۃ" نماز کے ساتھ اس کی شرائط بھی ملحوظ رہیں گی "وھم" یہ جملہ حالیہ ہے اور لڑکوں کو لڑکیوں پر غالب کر کے مذکر کی ضمیر لائی گئی ہے۔

"سبع سنین" سات سال کی تخصیص کی وجہ ملا علی قاری عظیم اللہ اور شیخ عبدالحق عظیم اللہ نے یہ لکھی ہے کہ اس عمر میں آدمی کے اندر قوت و طاقت کا ایک نیا دور شروع ہو جاتا ہے یہی وجہ ہے کہ دوسرے سبع یعنی چودہ سال کے بعد بلوغ کا دور شروع

[1] مرقاۃ: ۲/۲۷۳ [2] مرقاۃ: ۲/۲۷۵ [3] مرقاۃ: ۲/۲۷۶

ہوجاتا ہے اس لئے سات سال کی عمر میں بچے کو نماز کی عادت ڈالنے کا حکم دیا گیا ہے تاکہ بچہ نماز سے مانوس ہوجائے۔
شیخ عبدالحق رحمۃ اللہ علیہ مزید فرماتے ہیں کہ دس سال گنتی کی دہائیوں میں پہلی دہائی ہے۔ اور اس عمر میں بچے میں ایک ایسی قوت آجاتی ہے جو بلوغ کی حدود کے قریب ہوتی ہے اسی وجہ سے شرعی حکم میں بھی سختی آجاتی ہے اور نوبت مارنے اور پٹائی لگانے تک پہنچ جاتی ہے اور اسی سن شعور اور ہوش وحواس سنبھالنے کی وجہ سے لڑکے اور لڑکی کو اس عمر میں اکھٹے سونے اور لیٹنے سے منع کردیا گیا ہے اور یہ حکم جس طرح بہن بھائی کو ہے اسی طرح اجنبی لڑکے اور لڑکی کو بھی ہے بلکہ ان کے لئے یہ ممانعت بدرجہ اولیٰ ہے۔
"**واضربوهم**" اس حدیث میں بچوں کے لئے بطور تادیب اور بطور تربیت دو حکم دیئے گئے ہیں ایک یہ کہ نماز چھوڑنے پر ان کو تادیباً مارا کرو دوسرا یہ کہ بطور تربیت ان کے بستر الگ کرو پہلے حکم کا تعلق حقوق اللہ سے ہے اور دوسرے کا تعلق حقوق العباد اور اصلاح معاشرہ سے ہے اس طرح اس حدیث کی تعلیم میں پورا دین آگیا۔ اور اس میں یہ بات بھی آگئی کہ دین کے کسی حکم کی خلاف ورزی پر بچے کو مارا جاسکتا ہے افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ آج کل لوگ سکول نہ پڑھنے پر پانچ سال کے بچے کی خوب پٹائی لگاتے ہیں مگر نماز کی پرواہ نہیں ہے۔
ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ اگر دو مرد یا دو عورتیں لباس کیساتھ آپس میں اس طرح سو جائیں کہ مستورہ اعضاء برہنہ ہونے کی حالت میں ایک دوسرے سے مس نہ ہوں تو یہ جائز ہے۔[1]

نماز سے منافق کی جان و مال محفوظ ہوجاتے ہیں

﴿۱۰﴾ وعن بُرَيْدَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلْعَهْدُ الَّذِيْ بَيْنَنَا وَبَيْنَهُمُ الصَّلَاةُ فَمَنْ تَرَكَهَا فَقَدْ كَفَرَ۔ (رَوَاهُ اَحْمَدُ وَالتِّرْمِذِيُّ وَالنَّسَائِيُّ وَابْنُ مَاجَه)[2]

ترجمہ: اور حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہمارے اور منافقوں کے درمیان جو عہد ہے وہ نماز ہے لہٰذا جس نے نماز چھوڑ دی وہ کافر ہوگیا۔ (احمد، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ)

توضیح: "**بيننا وبينهم**" یعنی ہمارے اور منافقین کے درمیان حفاظت جان و مال کا جو معاہدہ ہوا ہے کہ ہم ان کی جان و مال سے تعرض نہیں کرتے ہیں اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ وہ لوگ ظاہری طور پر منقاد ہوکر نماز پڑھتے ہیں جس سے وہ مسلمانوں کے مشابہ ہوجاتے ہیں اب اگر ان لوگوں نے نماز چھوڑ دی جو تمام عبادات میں افضل ترین عبادت ہے۔ تو وہ اور کافر ظاہری طور پر ایک جیسے ہوجائیں گے کیونکہ اعتقادی منافقین تو پہلے سے کافر تھے لیکن نماز پڑھنے کی وجہ سے ان کے کفر پر پردہ پڑا تھا جب نماز چھوڑ دی تو کفر سے پردہ اٹھ گیا۔
شارحین حدیث اسی تشریح کے پیش نظر "**فقد كفر**" کا ترجمہ کرتے ہیں کہ اب انہوں نے اپنے کفر کو ظاہر کردیا۔[3]
اس مضمون کی تائید اس حدیث سے بھی ہوتی ہے کہ جب آنحضرت ؐ سے منافقین کے قتل کرنے کی اجازت مانگی گئی تو

[1] مرقاۃ: ۲/۲۷۵ [2] مرقاۃ: ۲/۲۷۶ [3] مرقاۃ: ۲/۲۷۶

آپ ﷺ نے فرمایا کہ نماز پڑھنے والوں کے قتل کرنے سے میں روکا گیا ہوں۔

الفصل الثالث

﴿۱۱﴾ عن عبد الله بن مسعود قال جاء رجل إلى النبي صلى الله عليه وسلم فقال يا رسول الله إني عالجت امرأة في أقصى المدينة وإني أصبت منها ما دون أن أمسها فأنا هذا فاقض في ما شئت فقال له عمر لقد سترك الله لو سترت على نفسك قال ولم يرد النبي صلى الله عليه وسلم عليه شيئا فقام الرجل فانطلق فأتبعه النبي صلى الله عليه وسلم رجلا فدعاه وتلا عليه هذه الآية وأقم الصلاة طرفي النهار وزلفا من الليل إن الحسنات يذهبن السيئات ذلك ذكرى للذاكرين فقال رجل من القوم يا نبي الله هذا له خاصة فقال بل للناس كافة۔

(رواہ مسلم)

ترجمہ: حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک شخص نبی کریم ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ یارسول اللہ مدینہ کے کنارے میں میں نے ایک عورت کو گلے لگا کر سوائے صحبت کے اور سب کچھ کرلیا ہے (یعنی صحبت تو نہیں کی لیکن بوس کنار ہوگیا ہے اس لئے) میں حاضر ہوگیا ہوں جو کچھ آپ چاہیں میرے بارے میں حکم فرمائیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا خدا نے تو تمہارے عیب کی پردہ پوشی فرمائی تھی اگر تم بھی اپنے عیب کو چھپا لیتے (تو اچھا ہوتا) حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے (خدا کے حکم کے انتظار میں) اس کا کوئی جواب نہیں دیا۔ چنانچہ وہ شخص کھڑا ہوا اور چلا گیا۔ پھر آپ ﷺ نے اسے بلانے کے لئے ایک آدمی بھیجا جو اسے بلا لایا آپ ﷺ نے اس کے سامنے یہ آیت پڑھی ﴿**واقم الصلوٰۃ طرفی النھار وزلفا من اللیل ان الحسنات یذھبن السیئات ذلک ذکری للذاکرین**﴾[1]

''دن کے اول و آخر اور رات کی چند ساعتوں میں نماز پڑھا کرو کیونکہ نیکیاں برائیوں کو مٹا دیتی ہیں اور یہ نصیحت نصیحت قبول کرنے والوں کے لئے ہے''۔ لوگوں میں سے ایک شخص نے عرض کیا کہ یارسول اللہ کیا یہ حکم خاص طور پر اسی کے لئے ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا نہیں؛ سب لوگوں کے لئے یہی حکم ہے۔ (مسلم)

توضیح: "عالجت امرأۃ" عالج یعالج معالجۃ کھیل کود اور بوس و کنار سے کنایہ ہے۔

شارحین نے لکھا ہے کہ یہ وہی شخص ہے جس کا قصہ اس باب کی پہلی فصل حدیث نمبر ۳ میں گذر چکا ہے جس کا نام ابوالیسر ہے لیکن ابن حجر رحمہ اللہ وغیرہ شارحین فرماتے ہیں کہ یہ قصہ کسی اور شخص کا ہے۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر یہ کسی اور شخص کا قصہ ہے اور الگ قصہ ہے تو جو آیت پہلے شخص سے متعلق پڑھی گئی ہے وہی آیت اس شخص کے متعلق بھی

[1] سورۃ ھود: ۱۱۴

پڑھی گئی تو یہ کس طرح دو واقعے ہو سکتے ہیں؟ اس کا جواب ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ نے یہ دیا ہے کہ ہو سکتا ہے کہ یہ آیت مکرر نازل ہوئی ہو دوسرا جواب محققین علماء نے یہ دیا ہے کہ یہ ضروری نہیں کہ آیت مکرر نازل ہوئی ہو اور نہ اس حدیث میں کوئی اشارہ ہے کہ آیت دوبارہ نازل ہوئی ہے۔ بلکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے سے نازل شدہ آیت اس شخص کے واقعہ کے متعلق تلاوت فرمادی اور یہ ہو سکتا ہے کہ کئی واقعات پر ایک آیت چسپاں کی جائے۔

"فقال رجل من القوم" اس جملہ سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ دو الگ الگ واقعے ہیں کیونکہ یہاں سوال کرنے والے یا حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ ہیں اور یا حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ ہیں اور وہاں اس پہلے قصہ میں اس حکم وفضیلت کی خصوصیت کا سوال کرنے والا وہ شخص خود تھا۔ جو صاحب واقعہ تھا۔

نماز پڑھنے سے سارے گناہ جھڑ جاتے ہیں

﴿۱۲﴾ عن أَبِي ذَرٍّ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَرَجَ زَمَنَ الشِّتَاءِ وَالْوَرَقُ يَتَهَافَتُ فَأَخَذَ بِغُصْنَيْنِ مِنْ شَجَرَةٍ قَالَ فَجَعَلَ ذَاكَ الْوَرَقُ يَتَهَافَتُ قَالَ فَقَالَ يَا أَبَاذَرٍّ قُلْتُ لَبَّيْكَ يَا رَسُوْلَ اللهِ قَالَ إِنَّ الْعَبْدَ الْمُسْلِمَ لَيُصَلِّي الصَّلَاةَ يُرِيْدُ بِهَا وَجْهَ اللهِ فَتَهَافَتَ عَنْهُ ذُنُوْبُهُ كَمَا تَهَافَتَ هٰذَا الْوَرَقُ عَنْ هٰذِهِ الشَّجَرَةِ۔ (رَوَاهُ أَحْمَدُ)

ترجمہ: اور حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ (ایک مرتبہ) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جاڑے کے موسم میں جبکہ پتے جھڑنے کا وقت تھا باہر تشریف لے گئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک درخت کی دو شاخیں پکڑیں۔ راوی کہتے ہیں کہ (جس طرح حسب معمول پت جھڑ کے موسم میں کسی شاخ کو ہلانے سے پتے بہت زیادہ گرنے لگتے ہیں اسی طرح جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے شاخیں پکڑیں تو) ان سے پتے جھڑنے لگے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ابوذر! میں نے عرض کیا یا رسول اللہ میں حاضر ہوں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب مؤمن بندہ خالصاً للہ نماز پڑھتا ہے تو اس کے گناہ بھی ایسے جھڑتے ہیں جس طرح اس درخت سے یہ پتے جھڑ رہے ہیں۔ (احمد)

توضیح: "زمن الشتاء" سردی اور جاڑوں کے موسم کو شتاء کہتے ہیں بعض درختوں کے علاوہ باقی تمام درختوں کے پتے خشک ہو کر اس موسم میں جھڑ کر گرتے ہیں اسی منظر کا تذکرہ کیا گیا ہے یہاں خزاں کا موسم مراد ہے۔

"یتھافت" باب تفاعل سے تھافت یتھافت پے در پے اور مسلسل گرنے کے معنی میں آتا ہے۔ اور اگر درخت کی ٹہنی کو حرکت دی جائے پھر تو اس کے پتے نہایت تیزی سے گر جاتے ہیں لہٰذا دوسرے جملہ میں یتھافت کا جوڑ کر آیا ہے وہ اسی مقصد کو ظاہر کرنے کے لئے ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جب دو ٹہنیوں کو پکڑ کر حرکت دی پھر تو بے تحاشا پتے گرنے لگے "لبیک" یعنی بار بار آپ کی خدمت میں حاضر ہوں "وجه الله" مطلب یہ کہ نماز خالص اللہ تعالیٰ کے لئے پڑھے نہ کسی دوسرے مقصد کے لئے ہو اور نہ ریاکاری کی غرض سے ہو "فتھافت" اصل میں فتتھافت ہے اور ذنوبہ اس کا فاعل ہے۔ ان گناہوں سے بھی عام قاعدہ کے مطابق صغائر مراد ہیں اگرچہ احادیث میں الفاظ مطلق آئے ہیں جو کبائر کو بھی شامل ہیں۔

خاص قسم کی دو رکعتوں سے تمام گناہ معاف ہو جاتے ہیں

﴿۱۳﴾ وعن زَيْدِ بْنِ خَالِدٍ الْجُهَنِيِّ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ صَلَّى سَجْدَتَيْنِ لَا يَسْهُو فِيهِمَا غَفَرَ اللهُ لَهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهِ. (رَوَاهُ أَحْمَدُ)

ترجمہ: اور حضرت زید ابن خالد جہنی رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا جس شخص نے دو رکعت نماز (غافل ہو کر نہیں بلکہ اس درجہ حضور قلب کے ساتھ) پڑھی کہ اس میں سہو نہ کیا تو اللہ تعالیٰ اس کے پچھلے گناہوں کو بخش دے گا۔ (احمد)

توضیح: "سجدتین" اس سے دو رکعت نماز مراد ہے اور رکوع و سجدہ بول کر نماز مراد لینا قرآن و حدیث میں بار بار آیا ہے۔

"لا یسھو فیھما" یعنی ان دونوں رکعتوں میں نمازی نماز سے غافل نہ ہو۔

علامہ طیبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ نمازی حاضر دماغی اور حضور قلبی سے نماز پڑھ رہا ہو یا یوں سمجھیں کہ وہ شخص ایسی عبادت کر رہا ہو گویا اللہ تعالیٰ اسے دیکھ رہا ہو۔[1]

"غفر اللہ لہ" یعنی اس شخص کے سابقہ تمام صغائر کو اللہ تعالیٰ معاف کر دیتا ہے ملا علی قاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ علماء نے ذنوب کو صغائر کے ساتھ مقید کیا ہے اگرچہ حدیث کے الفاظ صغائر و کبائر سب کو شامل ہیں۔[2]

دو رکعتوں کا پڑھنا تو بہت آسان ہے لیکن ان دو رکعتوں کے لئے جو شرط ہے کہ دل میں غیر اللہ کا خیال بالکل نہ آئے یہ آسان کام نہیں۔
کہتے ہیں ان دو رکعتوں کو اصلی کیفیت کے ساتھ پڑھنے کے لئے شاہ اسمٰعیل شہید رحمہ اللہ نے دو سو رکعتیں پڑھیں لیکن یہ کیفیت پوری نہیں ہوئی پھر سید احمد شہید رحمہ اللہ نے ان کو اپنے ساتھ کھڑا کیا اور دو رکعت نماز پڑھا دی تو اسی کیفیت پر نماز ہو گئی۔

نماز نہ پڑھنے والے فرعون و ہامان کے ساتھ ہونگے

﴿۱۴﴾ وعن عَبْدِ اللهِ بْنِ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ ذَكَرَ الصَّلَاةَ يَوْماً فَقَالَ مَنْ حَافَظَ عَلَيْهَا كَانَتْ لَهُ نُوراً وَبُرْهَاناً وَنَجَاةً يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَمَنْ لَمْ يُحَافِظْ عَلَيْهَا لَمْ تَكُنْ لَهُ نُوراً وَلَا بُرْهَاناً وَلَا نَجَاةً وَكَانَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ مَعَ قَارُونَ وَفِرْعَوْنَ وَهَامَانَ وَأُبَيِّ بْنِ خَلَفٍ.
(رَوَاهُ أَحْمَدُ وَالدَّارِمِيُّ وَالْبَيْهَقِيُّ فِي شُعَبِ الْإِيمَانِ)

ترجمہ: اور حضرت عبد اللہ ابن عمرو ابن العاص رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ ایک دن نبی کریم ﷺ نے نماز کا ذکر کیا (یعنی نماز کی فضیلت و اہمیت بیان کرنے کا ارادہ کیا) چنانچہ آپ ﷺ نے فرمایا جو شخص نماز پر محافظت کرتا ہے (یعنی ہمیشہ پابندی سے پڑھتا ہے) تو اس کیلئے یہ نماز ایمان کے نور (کی زیادتی کا سبب) اور (ایمان کے کمال کی واضح) دلیل ہوگی، نیز قیامت کے

[1] الکاشف: ۲/۱۸۳ [2] مرقاۃ: ۲/۲۷۹

روز مغفرت کا ذریعہ بنے گی اور جو شخص نماز پر محافظت نہیں کرتا تو اس کے لئے نہ (ایمان کے) نور (کی زیادتی کا سبب بنے گی) نہ (کمال ایمان کی) دلیل اور نہ (قیامت کے روز) مغفرت کا ذریعہ بنے گی بلکہ ایسا شخص قیامت کے روز قارون، فرعون، ہامان اور ابی بن خلف کے ساتھ (عذاب میں مبتلا) ہوگا۔ (احمد، داری، بیہقی)

توضیح: "ذکر الصلوٰۃ" یعنی ایک دن آنحضرت ﷺ نے نماز کی فضیلت اور اس کا شرف بیان فرمایا۔

"من حافظ علیہا" یعنی دوام کے ساتھ نماز پڑھتا رہا اس کے ارکان اور اس کے واجبات و فرائض اور سنن و مستحبات اور اس کے اوقات کا پورا پورا خیال رکھتا رہا۔

"نورا" یعنی میدان محشر میں یہ نماز اس نمازی کے لئے اس کے آگے آگے مشعل کا کام دیگی "وبرھانا" یعنی اس کے ایمان پر واضح دلیل بنے گی۔ "قارون" حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں ایک تباہ حال بدبخت کا نام ہے جو زمین میں دھنس گیا تھا "فرعون" ایک ایسے ملعون شخص کا نام ہے جس نے خدائی کا دعویٰ کیا تھا اور پھر بحیرہ قلزم میں غرق ہوگیا "ھامان" یہ اس شیطان کا نام ہے جو فرعون کا وزیر و مشیر تھا اور اسی کے ساتھ غرق ہوا۔

"وابی بن خلف" اس بدبخت شخص نے آنحضرت ﷺ کو مکہ میں بہت ستایا اور پھر لڑنے کے لئے لشکر کفار کے ساتھ مدینہ منورہ چلا آیا اور احد کے میدان میں آنحضرت ﷺ کو شہید کرنے کی غرض سے آگے بڑھا، آنحضرت ﷺ نے نیزہ کے ساتھ اس کو مارا اور یہ بدبخت مر گیا جو انسانیت کا سب سے بدبخت شخص قرار دیا گیا۔

اس حدیث میں نماز کی پابندی نہ کرنے والوں اور سستی کرنے والوں کے لئے اتنی سخت وعید ہے کہ مذکورہ اشخاص سب ممتاز دوزخی ہیں تو ان کے ساتھ یہ شخص بھی دوزخ میں جائے گا۔ اور جو مسلمان بالکل نماز نہیں پڑھتا ہے اس کا انجام تو اس سے بھی برا ہوگا اس حدیث میں یہ اشارہ بھی ہے کہ کبھی بادشاہت کے نشے میں آدمی نماز چھوڑتا ہے کبھی وزارت اور ملازمت کی وجہ سے چھوڑتا ہے کبھی دولت کے نشے میں چھوڑتا ہے اور کبھی حق کے ساتھ عداوت کی وجہ سے چھوڑتا ہے ان اشخاص کا ذکر کر کے اس قسم کے تمام لوگوں کو سخت تنبیہ کی گئی ہے اور جو لوگ نماز کی پابندی کرتے ہیں اس حدیث میں اشارہ ہے کہ وہ نبیوں اور صدیقین اور شہداء و صالحین کے ساتھ ہونگے۔

صحابہ کرام تارک صلوٰۃ کو کافر سمجھتے تھے

﴿۱۵﴾ وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ شَقِيْقٍ قَالَ كَانَ أَصْحَابُ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَرَوْنَ شَيْئًا مِنَ الْأَعْمَالِ تَرْكُهٗ كُفْرٌ غَيْرَ الصَّلَاةِ۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ)[1]

ترجمہ: اور حضرت عبداللہ ابن شقیق فرماتے ہیں کہ تمام افعال و اعمال میں صرف نماز ہی ایک ایسا عمل تھا جس کے چھوڑنے کو نبی کریم ﷺ کے محترم صحابہ کفر سمجھتے تھے۔ (ترمذی)

توضیح: "لایرون" یہ کلمہ رائے سے ماخوذ ہے اس سے مراد عقیدہ رکھنا ہے یعنی صحابہ کرام کا یہ عقیدہ تھا کہ نماز

[1] اخرجه الترمذی: ۲۶۲۲

ترک کرنے والا کافر ہو جاتا ہے۔[1]

اس قسم کے احکامات کا ذکر تغلیظاً وتشدیداً کیا گیا ہے لیکن ان الفاظ کو اپنے ظاہر پر رکھنا زیادہ بہتر ہے کیونکہ حکمت اسی میں ہے ورنہ مقصد شارع فوت ہو جائے گا علماء نے لکھا ہے کہ اگر ترک صلوٰۃ انکار کی صورت میں ہو تو اس سے آدمی کافر ہو جاتا ہے اور اگر ترک نماز مذاق اور توہین واستھانت کی بنیاد پر ہو تو بھی آدمی کافر ہو جاتا ہے اور اگر سستی کی وجہ سے کوئی نماز نہ پڑھنے کو مباح سمجھتا ہے تو وہ بھی کافر ہو جاتا ہے اور اگر سستی کی وجہ سے کوئی نماز چھوڑتا ہے تو وہ گناہ کبیرہ کا مرتکب ہو جاتا ہے امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ عمداً اور قصداً کوئی نماز چھوڑتا ہو تو وہ مرتد ہے اسے قتل کر دو امام مالک رحمہ اللہ اور امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک بھی وہ شخص واجب القتل ہے۔ لیکن یہ قتل ارتداد کی وجہ سے نہیں بلکہ زجر کے طور پر سزا ہے۔

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ بے نمازی کو ہمیشہ کے لئے جیل میں ڈال دو کہ یا توبہ کرے یا وہیں پر مر جائے۔

بابا سعدی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ بے نمازی کو قرض مت دو کیونکہ جو شخص اللہ تعالیٰ کا قرض ادا نہیں کرتا وہ تمہارا قرض کیا ادا کریگا۔

بعض علماء نے کہا ہے کہ بے نمازی کو مسلمانوں کے قبرستان میں دفن نہ کرو۔ بہر حال جب اہل سنت والجماعت کے نزدیک تارک صلوٰۃ کافر نہیں ہے تو پھر یہاں حدیث میں بے نمازی پر کفر کا حکم بطور تغلیظ وتشدید اور بطور زجر وتوبیخ ہوگا۔

﴿۱۶﴾وعن أبي الدَّرْداء قالَ أَوْصَانِي خَلِيلِي أَنْ لَا تُشْرِكْ بِاللهِ شَيْئًا وَإِنْ قُطِّعْتَ وَ حُرِّقْتَ وَلَا تَتْرُكْ صَلَاةً مَكْتُوبَةً مُتَعَمِّدًا فَمَنْ تَرَكَهَا مُتَعَمِّدًا فَقَدْ بَرِئَتْ مِنْهُ الذِّمَّةُ وَلَا تَشْرَبِ الْخَمْرَ فَإِنَّهَا مِفْتَاحُ كُلِّ شَرٍّ۔[2] (رواه ابن ماجه)

ترجمہ: اور حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میرے دوست (نبی کریم ﷺ) نے مجھے یہ وصیت فرمائی تھی کہ تم کسی کو اللہ کا شریک نہ بنانا خواہ تمہارے ٹکڑے ٹکڑے کر کے جلا کیوں نہ دیا جائے اور جان بوجھ کر فرض نماز نہ چھوڑنا کیونکہ جس نے قصداً نماز چھوڑ دی تو اس سے ذمہ بری ہو گیا۔ نیز کبھی شراب نہ پینا کیونکہ یہ ہر برائی کی کنجی ہے۔ (ابن ماجہ)

توضیح: "**اوصانی خلیلی**" وصیت اس تاکیدی اور ضروری حکم کو کہتے ہیں جو کوئی شخص موت کے وقت اپنے پس ماندگان کے بارے میں کرتا ہے۔ "خلیل" خالص دوست کو کہتے ہیں مراد آنحضرت ﷺ ہیں۔ "**لا تشرك**" اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات میں شریک پیدا کرنے کو شرک کہتے ہیں "**وان قطعت**" یہ حکم عزیمت کے درجہ کا ہے یعنی جان دی مگر شرک کا کلمہ زبان سے ادا نہیں کیا اگرچہ جان بچانے کے لئے صرف زبان سے کلمہ کفر کے ادا کرنے کی اجازت ہے جو رخصت کا درجہ ہے جب کہ دل میں ایمان موجود ہو۔ "**الا من اکرہ وقلبہ مطمئن بالایمان**"۔

"**برئت منه الذمه**" علامہ طیبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس جملہ سے تغلیظاً کفر مراد لیا گیا ہے کہ یہ آدمی کافر ہو گیا۔ یا ذمہ سے مراد وہ امان ہے جس کی وجہ سے کسی مسلمان کے مال وجان کی حفاظت ہوتی ہے یعنی نماز چھوڑنے کی وجہ سے اب اس شخص کو قتل کی سزا یا تعزیر کی کوئی سزا دی جا سکتی ہے اب امن اٹھ گیا ہے۔[3]

[1] الکاشف: ۲/۱۸۴ وفی "المرقات": ۲/۲۸۱ [2] اخرجه ابن ماجه: ۴۳۷۱ [3] مرقات: ۲/۲۸۱

مورخہ ۱۲ ربیع الاول ۱۴۱۰ھ

باب المواقیت

نماز کے اوقات کا بیان

قال اللہ تعالیٰ ﴿ان الصلوٰۃ کانت علی المؤمنین کتابا موقوتا﴾ [1]

وقال اللہ تعالیٰ ﴿فسبحان اللہ حین تمسون وحین تصبحون ولہ الحمد فی السمٰوات و الارض وعشیا وحین تظھرون﴾ [2]

مواقیت کی لغوی اور اصطلاحی تحقیق

مواقیت میقات کی جمع ہے بعض اہل لغت نے کہا ہے کہ خلاف القیاس مواقیت وقت کی جمع ہے اور وقت اور میقات دونوں کا ایک ہی معنی ہے دونوں میں ترادف ہے جو "المقدار من الدھر" یعنی زمانہ کے ایک متعین حصہ کو وقت کہتے ہیں۔ [3]
بعض علماء کہتے ہیں کہ وقت مطلق زمانہ کو کہتے ہیں اور میقات زمانہ کے اس حصہ کو کہا جاتا ہے جس میں کوئی کام اور عمل مقرر کیا جائے اور یہاں یہی مفہوم مراد ہے میقات کا اطلاق کبھی متعین زمانہ کے بجائے متعین مکان پر بھی ہوتا ہے جیسا کہ حج کے احرام باندھنے کے لئے مخصوص مقام کو میقات کہتے ہیں۔

نمازوں کے فرض ہونے کے لئے اصل علت اور سبب تو اللہ تعالیٰ کا خطاب اور حکم ہے۔ پھر ہر نماز کے لئے اس کا وقت اس کا سبب ہے۔

شیخ عبدالحق رحمہ اللہ نے لمعات میں پانچ نمازوں کے پانچ اوقات کی جو حکمت بیان فرمائی ہے اس کا خلاصہ اس طرح ہے فرماتے ہیں کہ انسان جب رات کو سوتا ہے تو وہ اللہ تعالیٰ کی بہت ساری نعمتوں کے شکر ادا کرنے سے قاصر رہتا ہے حتی کہ وہ اپنے سکون اور امن اور صحت کی نعمت سے بھی غافل رہتا ہے اسی طرح وہ اپنے کسب و معاش سے بھی عاجز ہو کر مردے کے حکم میں ہوجاتا ہے رات گذرنے کے بعد جب دن آگیا تو اللہ تعالیٰ نے اس بندے پر فجر کی نماز فرض فرمادی تاکہ رات کی تمام کوتاہیوں کی تلافی ہوسکے اور موت کے بعد اللہ تعالیٰ نے اس کو جو زندگی عطا فرمائی ہے اس کا بہتر طریقہ سے شکر ادا ہوسکے پھر جب یہ انسان اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ قوتوں سے زندگی کے اسباب تلاش کرتا ہے۔ اور دن کے اجالے میں نیکیاں حاصل کرتا ہے اور حلال رزق کماتا ہے جب یہ نعمت انسان کو حاصل ہوگئی تو اللہ تعالیٰ نے اس نعمت کے شکر ادا کرنے کے لئے اس انسان پر ظہر کی نماز فرض فرمادی پھر انسانوں کی عمومی عادت ہے کہ وہ دوپہر کے وقت سوتے ہیں تاکہ آرام کریں اس نیند کی وجہ سے ذکر اللہ اور عبادت میں جو کوتاہی ہوئی ہے اس کیلئے عصر کی نماز فرض فرمادی تاکہ اس

[1] سورۃ النساء [2] سورۃ الروم [3] مرقاۃ: ۲/۲۸۲

کوتاہی کا تدارک ہوسکے پھر عام عادت ہے کہ عصر کے وقت انسان اپنے مشاغل اور کسب ومعاش میں انتہائی مشغول ہوجاتا ہے اور بازاروں میں گھوم پھر کر غفلت کا شکار ہوجاتا ہے۔ اسی طرح دن بھر کی تمام نعمتوں کی تکمیل ہوجاتی ہے اس لئے اس کے شکرادا کرنے اور تقصیرات کے ازالے کے لئے اللہ تعالیٰ نے مغرب کی نماز فرض فرمادی۔ پھر جب انسان ہر قسم کی آفات سے بچ کر دن کے خاتمے پر ایک اچھے انجام پر پہنچ گیا تو حسن خاتمہ کا شکرادا کرنا اس پر لازم ہوگیا اس لئے اللہ تعالیٰ نے عشاء کی نماز فرض فرمادی ہے تاکہ "ختامہ مسك" کا مصداق بن جائے۔ [1]

الفصل الاول

پانچوں نمازوں کے اوقات کا بیان

﴿۱﴾ عن عَبْدِ اللهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَقْتُ الظُّهْرِ إِذَا زَالَتِ الشَّمْسُ وَكَانَ ظِلُّ الرَّجُلِ كَطُوْلِهِ مَالَمْ يَحْضُرِ الْعَصْرُ وَوَقْتُ الْعَصْرِ مَالَمْ تَصْفَرَّ الشَّمْسُ وَوَقْتُ صَلَاةِ الْمَغْرِبِ مَالَمْ يَغِبِ الشَّفَقُ وَوَقْتُ صَلَاةِ الْعِشَاءِ إِلَى نِصْفِ اللَّيْلِ الْأَوْسَطِ وَوَقْتُ صَلَاةِ الصُّبْحِ مِنْ طُلُوْعِ الْفَجْرِ مَالَمْ تَطْلُعِ الشَّمْسُ فَإِذَا طَلَعَتِ الشَّمْسُ فَأَمْسِكْ عَنِ الصَّلَاةِ فَإِنَّهَا تَطْلُعُ بَيْنَ قَرْنَيِ الشَّيْطَانِ۔ [2] (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

ترجمہ: حضرت عبداللہ ابن عمرو راوی ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا ظہر کا وقت زوال آفتاب کے بعد ہے اور اس کا آخری وقت اس وقت تک ہے جب آدمی کا سایہ اس کے طول کے برابر نہ ہوجائے عصر کے آنے کے وقت تک اور عصر کا وقت اسی وقت تک ہے جب تک سورج زرد نہ ہوجائے اور مغرب کی نماز کا وقت اسی وقت تک ہے جب تک شفق غائب نہ ہو اور نماز عشاء کا وقت ٹھیک آدھی رات تک ہے اور نماز فجر کا وقت طلوع فجر سے اس وقت تک ہے جب تک سورج نہ نکل آئے اور جب سورج نکل آئے تو نماز سے باز رہو کیونکہ سورج شیطان کے دونوں سینگوں کے درمیان نکلتا ہے۔ (مسلم)

توضیح: "وقت الظهر" لفظ ظہر کا مادہ اشتقاق ظہور ہے یہ وقت بھی دن کے عین وسط میں ظاہر ہوجاتا ہے اس وقت کو ھجیرۃ بھی کہتے ہیں کیونکہ یہ وقت ہاجرہ یعنی دوپہر کے بالکل قریب ہوتا ہے۔ [3]

حدیث شریف میں فجر کے وقت کے بیان کے بجائے ظہر کے وقت سے اوقات کے تعین کی ابتدا اس لئے کی گئی ہے کہ ظہر وہ پہلی نماز ہے جو لیلۃ المعراج کی صبح جماعت کے ساتھ ادا کی گئی تھی اسی وجہ سے اس کو "الصلوة الاولى" کہتے ہیں۔

نیز جبرائیل امین نے جب اوقات کا بیان فرمایا تو آپ نے بھی ظہر سے ابتدا فرمائی "اذا زالت الشمس" سورج کا سایہ جوں جوں گھٹتا ہے تو سمجھ لینا چاہئے کہ سورج بلند ہورہا ہے اور جب اس سایہ کا گھٹنا بڑھنا رک جائے تو سمجھ لینا چاہئے کہ سورج

[1] اشعة اللمعات: ۳۰۴،۳۰۵ [2] اخرجه مسلم: ۲/۱۰۵ [3] مرقاة: ۲/۲۸۲

نصف النہار کے نقطہ پر کھڑا ہے اور جونہی اس کا سایہ ذرا سا بڑھنے لگ جائے تو سمجھ لو کہ زوال کا وقت شروع ہو گیا ہے یہ بات بھی جان لینا چاہئے کہ مجموعی طور پر نمازوں کے اوقات تین قسم پر ہیں۔

❶ اول "اوقات الصحة والاداء" ہیں یہ وہ اوقات ہیں کہ اگر اس میں نماز پڑھی گئی تو وہ صحیح ہوگی اور قضاء نہیں بلکہ ادا میں شمار ہوگی اور اس میں کراہت کا شائبہ نہیں ہوگا۔

❷ دوم اوقات استحباب ہیں یہ وقت صحیح میں سے وہ حصہ ہے جس میں نماز کا ادا کرنا اولیٰ اور بہتر ہوتا ہے اگرچہ آگے پیچھے کرنا بھی جائز ہوتا ہے۔

❸ سوم اوقات کراہت ہیں جس میں نماز پڑھنا مکروہ ہوتا ہے زیر نظر باب کی حدیثوں میں اوقات صحت کا بیان ہے پھر اس کے بعد ص ۹۴ پر باب النھی میں ان مکروہ اوقات کا بیان ہے جن میں نماز پڑھنا مکروہ ہوتا ہے۔

ظہر کا وقت:

ابتداء ظہر میں کسی کا اختلاف نہیں ہے تمام ائمہ کے نزدیک زوال سے ظہر کا وقت شروع ہو جاتا ہے انتہاء وقت ظہر میں فقہاء کرام کا اختلاف ہے کہ ظہر کا وقت کب تک رہتا ہے اسی وجہ سے وقت عصر کی ابتداء میں بھی اختلاف آگیا ہے بہر حال ظہر میں اختلاف اس طرح ہے۔

فقہاء کا اختلاف:

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ وشافعی رحمۃ اللہ علیہ اور امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ اور صاحبین یعنی جمہور کا مسلک یہ ہے کہ سایہ اصلی کے علاوہ جب ہر چیز کا سایہ اس کے مثل ہو جائے تو ظہر کا وقت ختم ہو جاتا ہے اور عصر کا وقت شروع ہو جاتا ہے ہاں امام مالک رحمۃ اللہ علیہ ظہر اور عصر کے درمیان تھوڑے سے ایسے وقت کے بھی قائل ہیں جو مشترک ہوتا ہے۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے انتہاء وقت ظہر کے متعلق چار اقوال منقول ہیں لیکن تین اقوال واضح ہیں اس لئے انھیں کو بیان کیا جاتا ہے۔

❶ دو مثلین تک ظہر کا وقت رہتا ہے اور مثل ثالث سے عصر شروع ہو جاتا ہے یہ قول احناف کے ہاں مشہور ہے اگرچہ فتویٰ اس پر نہیں ہے۔

❷ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا دوسرا قول یہ ہے کہ مثل اول پر ظہر کا وقت ختم ہو جاتا ہے اور عصر شروع ہو جاتا ہے یہ قول جمہور اور صاحبین کے مسلک کے موافق ہے اور فتویٰ اسی قول پر ہے در مختار میں بہت ساری کتابوں کے حوالوں سے اس مسلک کو راجح قرار دیا گیا فتاوی ظہیریہ اور خزانۃ المفتین میں امام صاحب کا اس مسلک کی طرف رجوع ثابت کیا گیا ہے۔

❸ امام صاحب سے تیسرا قول یہ منقول ہے کہ ظہر کا وقت تو مثل اول پر ختم ہو جاتا ہے لیکن عصر کا وقت دو مثلین کے بعد مثل ثالث سے شروع ہوتا ہے درمیان میں کچھ وقت مہمل ہے نہ عصر ہے اور نہ ظہر ہے اس میں اصحاب اعذار نماز پڑھ سکتے ہیں حضرت شاہ انور شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ ان اقوال میں تطبیق یہ ہے کہ مثل اول خاص ظہر کے لئے ہے اور مثل ثالث

عصر کے ساتھ خاص ہے اور مثل ثانی وقت مشترک ہے مگر سب کے لئے نہیں صرف اصحاب اعذار کے لئے ہے۔

دلائل:

جمہور نے زیر بحث حدیث سے استدلال کیا ہے کہ زوال شمس سے مثل اول تک ظہر اور مثل اول سے عصر شروع ہوجاتا ہے۔
جمہور کی دوسری دلیل امامت جبریل علیہ السلام ہے جس میں تصریح موجود ہے کہ "حين صار ظل كل شيء مثله" یعنی مثل اول پر عصر کا وقت شروع ہوجاتا ہے۔

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی پہلی دلیل وہ احادیث ہیں جن میں ظہر کے وقت کو ٹھنڈا کرنے کی تاکید و ترغیب ہے چنانچہ بخاری شریف کی روایت ہے۔

"عن ابی سعید (الخدری) قال قال رسول الله ﷺ ابردوا بالظهر فان شدة الحر من فيح الجهنم۔

اسی طرح ترمذی میں ایک روایت ہے۔

عن النبی الله ﷺ انه قال اذا اشتد الحر فابردوا بالصلوٰة فان شدة الحر من فيح جهنم"۔

ابراد کی ان روایتوں سے طرز استدلال اس طرح ہے کہ گرم ممالک میں مثل ثانی کے وقت ہی ابراد آتی ہے اس سے پہلے وقت ٹھنڈا نہیں ہوسکتا ہے تو ابراد کا لفظ گویا اعلان ہے کہ ظہر کا وقت مثلین تک ہے اور مثل اول پر ختم نہیں ہوتا ہے۔
امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی دوسری دلیل حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کی وہ روایت ہے جس میں آپ نے آنحضرت ﷺ کے ساتھ اپنے سفر کا ایک قصہ خود اس طرح بیان کیا ہے۔

"عن ابی ذر قال كنا مع النبی الله ﷺ فی سفر فاراد المؤذن ان يؤذن فقال له ابرد ثم ان اراد ان يؤذن فقال له ابرد ثم اراد ان يؤذن فقال له ابرد حتى رئينا فیء التلول فقال النبی الله ﷺ ان شدة الحر من فيح جهنم فاذا اشتد الحر فابردوا بالصلوٰة۔ (بخاری ج ۱ ص ۷۷)

اس حدیث میں فیئ کا لفظ آیا ہے جو سایہ کے معنی میں ہے اور "التُّلول" تا کے ضمہ کے ساتھ تل کی جمع ہے جو ٹیلہ کے معنی میں ہے ٹیلوں کا سایہ بہت دیر سے آتا ہے خاص کر گرم ممالک میں تو اس کا سایہ بہت مشکل سے ہوتا ہے حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کا یہ کہنا کہ ہم نے ظہر کی نماز اتنی تاخیر سے پڑھی اور ابراد کا تحقق اس وقت ہوا جبکہ ہم نے ٹیلوں کے سائے دیکھ لئے یہ معاملہ دو مثلین سے پہلے ممکن نہیں ہے اس لئے یہ امام صاحب کے مشہور قول کے لئے واضح دلیل ہے۔

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی تیسری دلیل امم سابقہ یہود و نصاری پر امت محمدیہ کی فضیلت والی حدیث ہے جو مشکوٰۃ میں "باب ثواب هذه الامة" میں صاحب مشکوٰۃ نے نقل کی ہے جس کا مضمون و مفہوم اس طرح ہے کہ یہود نے مثلاً صبح سے

ظہر تک کام کیا ان کو اللہ تعالیٰ نے ایک قیراط مزدوری میں عطا فرمایا پھر نصاریٰ نے ظہر سے عصر تک کام کیا ان کو اللہ تعالیٰ نے ایک قیراط عطا فرمایا اس پر یہود و نصاریٰ غصے ہوئے کہ ہمارا کام اور وقت زیادہ تھا اور معاوضہ کم ملا اور اس امت کے کام کا وقت کم تھا اور ثواب زیادہ دیا گیا۔

تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میں نے تم کو جو کچھ دیا ہے کیا اس میں تم پر ظلم ہوا ہے؟ انھوں نے کہا نہیں ہمارا حق تو مل گیا ہے لیکن ان کو زیادہ دیا گیا تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا یہ تو میرا فضل و کرم ہے جس پر میں کرتا ہوں کرونگا۔

اب اس واقعہ میں بالکل یہ بات واضح ہے کہ ظہر سے عصر تک کا وقت زیادہ اور عصر سے مغرب تک کا وقت کم ہے۔ اور یہ صرف اس صورت میں ہوسکتا ہے کہ ظہر کو دو مثل تک طویل مانا جائے ورنہ ایک مثل پر اگر ظہر ختم ہوجائے تو پھر ظہر سے عصر تک کا وقت اس وقت سے لمبا نہ ہوگا جو عصر سے مغرب تک ہے۔ یہ اشارۃ النص سے بہترین استدلال ہے بشرطیکہ صورت حال اسی طرح ہو۔

جواب: جمہور نے حدیث امامت جبرائیل سے جو استدلال کیا ہے اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کو منسوخ کہا ہے کیونکہ یہ حدیث بالکل ابتدائی زمانہ کی ہے اس کے بعد کئی احادیث ایسی ہیں جس میں یہ اوقات میں امتداد اور تفصیل آئی اور پہلے حکم میں تغیر آگیا ویسے بھی اس حدیث کے بعض اجزاء پر جمہور بھی عمل نہیں کرتے اور اس میں تاویل کرتے ہیں یا اس کا جواب دیتے ہیں۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کی روایت کا احناف یہ جواب دیتے ہیں کہ وہ وقت مستحب اور استحباب پر محمول ہے جس کا احناف کو انکار نہیں۔

بہرحال علماء احناف فرماتے ہیں کہ احتیاط اس میں ہے کہ ظہر کی نماز مثل اول میں پڑھی جائے اور عصر کی نماز مثل ثانی کے بعد پڑھی جائے تاکہ تمام ائمہ کے ہاں اختلاف ختم ہوجائے اور دونوں نمازیں بلاخلاف اپنے اپنے اوقات میں ادا ہوجائیں۔

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے اقوال میں جو قول جمہور کے موافق ہے فتویٰ اسی پر ہے۔

ظہر و عصر کے درمیان مشترک وقت کا مسئلہ

ظہر و عصر کے وقت کے متعلق احادیث میں بعض الفاظ ایسے آئے ہیں جن سے شبہ پیدا ہوتا ہے کہ ایک وقت ایسا بھی ہے جو ظہر اور عصر میں مشترک ہے اور ہر نماز اس میں ہوجاتی ہے اس وجہ سے اس مسئلہ میں فقہاء کا اختلاف ہوگیا ہے۔

فقہاء کا اختلاف:

امام ابوحنیفہ امام شافعی اور امام احمد بن حنبل رحمہم اللہ تعالیٰ کے نزدیک اوقات میں کوئی ایسا وقت نہیں ہے جو دو نمازوں میں

مشترک ہو ہاں امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ سے ایک روایت ہے کہ اصحاب اعذار کے لئے مثل ثانی مشترک وقت ہے۔
جمہور کے مقابلہ میں امام مالک رحمہ اللہ اور عبداللہ بن مبارک رحمہ اللہ کا مسلک یہ ہے کہ مثل اول کے بعد چار رکعت کا وقت ظہر اور عصر کے لئے مشترک ہے جس میں ظہر کی نماز بھی جائز اور عصر کی نماز بھی جائز ہے۔

دلائل:

امام مالک رحمہ اللہ اور عبداللہ بن مبارک رحمہ اللہ حدیث امامت جبریل سے استدلال کرتے ہیں جس میں دونوں وقتوں کے لئے یہ الفاظ آئے ہیں "**حین صار ظل کل شیء مثله**" اور "**حین کان ظله مثله**" اس سے معلوم ہوا کہ پہلے دن کی ظہر کی نماز اور دوسرے دن کی عصر کی نماز ایک ہی وقت میں ادا کی گئی جس سے معلوم ہوا کہ دونوں کا وقت مشترک ہے۔
جمہور نے زیر بحث حدیث سے استدلال کیا ہے جس میں "**مالم یحضر العصر**" کے الفاظ موجود ہیں جس کا واضح مطلب یہ ہے کہ جب تک عصر کا وقت نہیں آتا ظہر کا وقت موجود رہتا ہے اور جب عصر کا وقت آجاتا ہے تو ظہر کا وقت فوراً ختم ہوجاتا ہے ان میں اشتراک نہیں ہے۔

جواب: مالکیہ کی دلیل کا ایک جواب یہ ہے کہ "**حین کان ظله مثله**" کا مطلب "**حین کان قریباً من مثله**" ہے یعنی بعینہ وہی وقت نہیں بلکہ ایک مثل سائے کے قریب قریب کا وقت مراد ہے دوسرا جواب یہ ہے کہ علامہ نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ حدیث امامت جبریل منسوخ ہے بعد میں تفصیل آگئی ہے اس میں اجمال ہے۔

تنبیہ:

یہ بات یاد رکھنے کی ہے کہ احناف جو یہ بات کرتے ہیں کہ ایک مثل یا دو مثل تک ظہر کا وقت رہتا ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ اصلی سایہ کو ہٹا کر بڑھنے والا زائد سایہ جب کسی چیز کے مانند اور مساوی ہوجائے تو ظہر کا وقت ہوجاتا ہے۔

عصر کا وقت:

انتہاء وقت ظہر میں ائمہ کا جو اختلاف تھا ابتداء وقت عصر میں وہی اختلاف ہے کہ عصر کا ابتدائی وقت کیا ہے آیا مثل اول سے شروع ہوتا ہے جیسا کہ جمہور کا خیال ہے یا مثل ثانی کے بعد سے شروع ہوتا ہے جیسا کہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی رائے ہے اس کی تفصیل گذر چکی ہے اب انتہائے وقت عصر کا مسئلہ ہے تو زیر بحث حدیث میں یہ لفظ آیا ہے "**وقت العصر مالم تصفر الشمس**" جمہور کے نزدیک عصر کا وقت غروب آفتاب تک ہے یعنی اصفرار الشمس سے پہلے پہلے مستحب وقت ہے اور اس کے بعد جائز مع الکراہۃ وقت ہے۔
امام اوزاعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اصفرار الشمس تک انتہاء وقت عصر ہے اس کے بعد نہیں وہ حدیث کے اسی مندرجہ بالا جملہ سے استدلال کرتے ہیں کہ اصفرار جب تک نہیں تو عصر ہے اور اصفرار آتے ہی عصر کا وقت ختم ہوجائے گا۔
جمہور نے اس حدیث سے استدلال کیا ہے جس میں یہ الفاظ آئے ہیں۔

"من ادرك ركعة من العصر قبل ان تغرب الشمس فقد ادرك العصر"

توجب غروب آفتاب سے پہلے صرف ایک رکعت کے ملنے سے عصر کی نماز مل جاتی ہے تو اصفرار کے وقت میں بطریق اولیٰ مل جائیگی امام اوزاعی رحمۃ اللہ علیہ کے استدلال کا جواب یہ ہے کہ اس حدیث میں مستحب وقت بیان کیا گیا ہے۔

مغرب کا وقت:

"ووقت صلوٰة المغرب مالم يغب الشفق"

غروب آفتاب کے بعد مغرب کا وقت شروع ہو جاتا ہے۔ ابتدائے وقت مغرب میں کسی کا اختلاف نہیں ہے۔

انتہائے وقت مغرب میں بھی اس بات پر سب کا اتفاق ہے کہ غروب شفق تک مغرب کا وقت رہتا ہے البتہ شفق کی تفسیر اور اس کی تعیین میں اختلاف ہے اس وجہ سے انتہائے وقت مغرب میں فقہاء کرام کا اختلاف ہو گیا ہے۔

فقہاء کرام کا اختلاف:

فقہاء کے اس اختلاف کی بنیاد لفظ شفق کا مصداق ہے۔ تو صاحبین اور جمہور فقہاء کے نزدیک غروب آفتاب کے بعد آسمان پر جو سرخی آتی ہے اسی سرخی کا نام شفق ہے جب یہ سرخی ختم ہو جائے تو مغرب کا وقت ختم ہو جاتا ہے۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک شفق اس بیاض اور سفیدی کا نام ہے جو سرخی کے ختم ہونے کے بعد آسمان پر پھیل جاتی ہے جب تک یہ بیاض اور سفیدی ہوگی مغرب کا وقت باقی رہیگا اور اس سفیدی کے ختم ہونے کے بعد جو سیاہی پھیلتی ہے وہ عشاء کا وقت ہے امام صاحب کے نزدیک یہ وقت تقریباً ایک گھنٹہ دس منٹ تک رہتا ہے نتیجہ یہ نکلا کہ اگر کسی نے اس بیاض میں عشاء کی نماز پڑھ لی تو امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک جائز نہیں جمہور کے نزدیک جائز ہے اور اگر کسی نے اس بیاض میں مغرب کی نماز پڑھ لی تو جمہور کے نزدیک جائز نہیں ہوگی اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک جائز ہوگی۔

احتیاط اسی میں ہے کہ مغرب کی نماز اس سرخی کی موجودگی میں ادا کی جائے اور مؤخر نہ کی جائے احناف کا فتویٰ بھی اسی پر ہے اور احناف کے اکثر علماء نے کہا ہے کہ امام ابوحنیفہ نے جمہور کے قول کی طرف رجوع کیا ہے۔ (کذا فی النہر)

دلائل:

جمہور نے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی روایت سے استدلال کیا ہے جس کے الفاظ اس طرح آئے ہیں۔

قالت كانوا يصلون العتمة فيما بين ان يغيب الشفق الى ثلث الليل

طرز استدلال اس طرح ہے کہ یہاں شفق سے مراد سرخی ہے کیونکہ اگر اس سے بیاض مراد لی جائے تو درست نہ ہوگا کیونکہ شفق ابیض ثلث اللیل تک خود باقی رہتی ہے تو اس کے درمیان عشاء کی نماز پڑھنے کا مفہوم سمجھ میں نہیں آتا معلوم ہوا شفق

سے مراد حمرۃ ہے بیاض نہیں ہے۔
جمہور کی دوسری دلیل دار قطنی میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کی وہ روایت ہے جس میں صریح طور پر شفق کی تفسیر حمرۃ سے کی گئی ہے۔

"قال قال رسول اللہ ﷺ الشفق الحمرۃ"

جمہور کی تیسری دلیل اہل لغت کی تصریح ہے کہ شفق سے حمرۃ مراد ہے چنانچہ شیخ اصمعی اور خلیل بن احمد اور فراء نے تصریح فرمائی ہے کہ شفق سے مراد حمرۃ ہے۔
امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کے دلائل بہت زیادہ ہیں پہلی دلیل ابوداؤد (ج ۱ ص ۵۷) کی روایت ہے جس میں "**حین یسود الافق**" کے الفاظ آئے ہیں اور یہ سواد اس بیاض کے بعد آتا ہے جو بیاض حمرۃ کے بعد آتا ہے معلوم ہوا جب تک بیاض ہے تو مغرب کا وقت موجود ہے۔
ان حضرات کی دوسری دلیل ترمذی شریف کی حدیث کا وہ ٹکڑا ہے جس میں یہ الفاظ آئے ہیں۔ "**وان اول وقت العشاء الآخرۃ حین یغیب الافق**" اور یہ ظاہر ہے کہ آسمان کے کنارے اس وقت غائب ہوجاتے ہیں جب شفق کا بیاض ختم ہوجاتا ہے۔ اس قسم کی دیگر احادیث بھی ہیں جن میں بیاض کے ختم ہونے اور تاریکی چھاجانے کا ذکر ہے جس سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ شفق سے مراد حمرۃ نہیں بلکہ بیاض ہے۔
امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی تیسری دلیل ائمہ لغت کی تشریح وتفسیر بھی ہے جس میں انہوں نے تصریح فرمائی ہے کہ شفق لغت میں بیاض کو کہا جاتا ہے چنانچہ امام لغت شیخ مبرد اور شیخ زجاج فرماتے ہیں کہ شفق سے مراد بیاض ہے اس کے ذہاب سے عشاء کا وقت آجاتا ہے۔
جواب: احناف کے پاس جمہور کی روایات کے مقابلہ میں کافی روایات ہیں اور اہل لغت کے مقابلہ میں بڑے بڑے اصحاب لغت موجود ہیں لیکن بہرحال احناف کے ہاں فتویٰ جمہور اور صاحبین کے قول کے مطابق ہے یاد رہے کہ شیخ عبدالحق نے لمعات میں اس مسئلہ کی جو تحقیق فرمائی ہے اس میں آپ نے امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کو امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ ذکر کیا ہے۔

ایک اور مسئلہ:

وقت مغرب کے "**مُضَیَّق**" اور "**مُوَسَّع**" ہونے میں فقہاء کا اختلاف ہے امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک مغرب کا وقت بہت تنگ اور مضیق ہے صرف وضو کرنے اور تین فرض اور دو سنت پڑھنے کی اس میں گنجائش ہے اسکے بعد عشاء کا وقت شروع ہوجاتا ہے۔
امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ اور جمہور علماء کے نزدیک مغرب کا وقت غروب شفق تک موسع ہے۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے حدیث امامت جبریل سے استدلال کیا ہے کہ اس میں دونوں دنوں میں حضرت جبریل نے مغرب کی نماز ایک ہی وقت میں پڑھائی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت میں آگے پیچھے ہونے کی گنجائش نہیں ہے۔

جمہور نے مالم یغب الشفق والی احادیث سے استدلال کیا ہے جس سے وسعت کا اندازہ ہوتا ہے اسی طرح "**قبل ان یغیب الشفق**" کے الفاظ جو حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہیں اس سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت میں ابتداء وانتہاء ہے اور اس میں ایک حد تک وسعت ہے علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ شوافع کا فتویٰ اس پر ہے کہ مغرب کا وقت غروب شفق تک رہتا ہے اور یہی امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا قدیم قول ہے۔

وقت العشاء:

اسلام سے پہلے عرب لوگ عشاء کو عتمۃ کے نام سے پکارتے تھے اسلام نے اس لفظ کی حوصلہ شکنی کی اور عشاء کو متعارف کرایا البتہ عشاء اولی مغرب کو اور عشاء آخرہ عشاء کو کہا گیا ہے عشاء کے وقت اول اور اس کے ابتدائی وقت میں وہی اختلاف ہے جو مغرب کے انتہائی وقت میں تھا حضرت سفیان ثوری، عبداللہ بن مبارک اور حضرت اسحاق بن راھویہ رحمہم اللہ تعالیٰ اور ایک قول میں امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ یہ سب حضرات فرماتے ہیں کہ عشاء کا وقت نصف اللیل تک ہے اس کے بعد جائز نہیں ہے۔

جمہور فقہاء فرماتے ہیں کہ عشاء کا آخری وقت صبح صادق تک ہے یہ اختلاف کوئی بنیادی اختلاف نہیں ہے لیکن چونکہ احادیث میں مختلف الفاظ آئے ہیں اس لئے فقہاء کے اقوال بھی مختلف ہو گئے ہیں چنانچہ بعض حدیثوں میں "**الی نصف اللیل**" کے الفاظ ہیں بعض میں "**ثلث اللیل**" کے الفاظ ہیں طحاوی کی بعض روایات میں "**وآخرہ حین یطلع الفجر**" کے الفاظ آئے ہیں بعض روایات میں "**الی ان یدخل وقت الاخری**" کے الفاظ ملتے ہیں جس کی وجہ سے فقہاء کے اقوال بھی مختلف ہو گئے ہیں لیکن تمام احادیث کو پیش نظر رکھتے ہوئے فقہاء نے ایک اجتماعی مسئلہ کو اپنا لیا ہے اور تمام احادیث میں اس طرح تطبیق دی ہے کہ ثلث اللیل تک عشاء کا مستحب وقت ہے اور نصف اللیل تک وقت جائز بلا کراہت ہے اور صبح صادق تک تاخیر کرنا جائز مع الکراہت ہے حدیث میں "**الاوسط**" کا جو لفظ آیا ہے یہ لیل کی صفت ہے مطلب یہ ہے کہ رات جب متوسط ہو نہ زیادہ چھوٹی ہو اور نہ زیادہ طویل ہو اس طرح کی متوسط رات کا نصف مراد ہے یا یہ لفظ نصف کے کلمہ کے لئے صفت ہے اور مطلب یہ ہے کہ زیادت ونقصان کے بغیر ٹھیک نصف تک عشاء ہے گویا یہ ایک قسم کی تاکید ہے۔

وقت الفجر:

فجر کا وقت طلوع فجر سے لیکر طلوع آفتاب تک ہے اس وقت کی ابتدا اور انتہاء میں کوئی قابل ذکر اختلاف نہیں ہے البتہ امام

شافعی رحمہ اللہ کی طرف یہ قول منسوب ہے کہ ان کے نزدیک فجر کا وقت اسفار اور روشنی پھیلنے تک ہے طلوع آفتاب تک نہیں ہے امام شافعی رحمہ اللہ "وصلی الفجر فاسفر" حدیث کے الفاظ سے استدلال کرتے ہیں جمہور نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی مرفوع حدیث سے استدلال کیا ہے جس میں یہ الفاظ آئے ہیں "من ادرك ركعة من الصبح قبل ان تطلع الشمس فقد ادرك الصبح" (مشکوۃ ۲۱)

اس روایت کے پیش نظر اور امت کے اجماع کے پیش نظر امام شافعی رحمہ اللہ کا قول ناقابل التفات ہے انہوں نے حدیث امامت جبریل کے ایک جملہ سے بطور اجتہاد استدلال کیا ہے اور حدیث جو امامت جبریل کے بہت سارے اجزاء کا تعلق نماز کے بالکل ابتدائی دور سے ہے اس لئے اس روایت کو بہت سارے شارحین حدیث نے منسوخ کہا ہے۔ واللہ اعلم

"بین قرنی الشیطان" قرنی تثنیہ ہے قرن کا اور قرن سینگ کو کہتے ہیں مطلب یہ کہ سورج شیطان کے دو سینگوں کے درمیان طلوع ہوتا ہے مراد سر کے دونوں جانب ہے حدیث کے اس جملہ کا مطلب یہ نہیں ہے کہ سورج شیطان کے سینگوں کے درمیان سے طلوع ہوتا ہے بلکہ اس حدیث کا مطلب دیگر احادیث کی تفصیل کے مطابق یہ ہے کہ ابلیس لعین کی عبادت تو انسانوں میں کوئی نہیں کرتا لیکن یہ خبیث چاہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کے ساتھ اپنی عبادت کی مشابہت پیدا کرے اس مقصد کے لئے یہ خبیث طلوع آفتاب کے وقت سورج کے سامنے اس طرح کھڑا ہوتا ہے کہ سورج اس کے سر کے اوپر گذرتا ہے ادھر آفتاب پرست اور سورج کے پجاری جب سورج کے مقابل ہو کر سورج کی عبادت کرنے لگتے ہیں تو شیطان بھی سامنے ہوتا ہے اس طرح شیطان اپنے دل میں یہ خیال باندھتا ہے کہ لوگ میری عبادت کر رہے ہیں اور اپنی ذریت کو دکھانا چاہتا ہے کہ دیکھو لوگ کس طرح میری عبادت کر رہے ہیں اس وجہ سے شریعت نے مسلمانوں کو منع کر دیا ہے کہ طلوع آفتاب اور غروب آفتاب اور نصف النہار میں کوئی عبادت نہ کرے۔

نماز کے اوقات کا بیان

﴿۲﴾ وعن بُرَيْدَةَ قَالَ اِنَّ رَجُلاً سَأَلَ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ وَقْتِ الصَّلَاةِ فَقَالَ لَهُ صَلِّ مَعَنَا هٰذَيْنِ يَعْنِي الْيَوْمَيْنِ فَلَمَّا زَالَتِ الشَّمْسُ اَمَرَ بِلَالاً فَأَذَّنَ ثُمَّ اَمَرَهُ فَأَقَامَ الظُّهْرَ ثُمَّ اَمَرَهُ فَاَقَامَ الْعَصْرَ وَالشَّمْسُ مُرْتَفِعَةٌ بَيْضَاءُ نَقِيَّةٌ ثُمَّ اَمَرَهُ فَاَقَامَ الْمَغْرِبَ حِيْنَ غَابَتِ الشَّمْسُ ثُمَّ اَمَرَهُ فَاَقَامَ الْعِشَاءَ حِيْنَ غَابَ الشَّفَقُ ثُمَّ اَمَرَهُ فَاَقَامَ الْفَجْرَ حِيْنَ طَلَعَ الْفَجْرُ فَلَمَّا أَنْ كَانَ الْيَوْمُ الثَّانِيْ اَمَرَهُ فَاَبْرِدْ بِالظُّهْرِ فَاَبْرَدَ بِهَا فَاَنْعَمَ اَنْ يُبْرِدَ بِهَا وَصَلَّى الْعَصْرَ وَالشَّمْسُ مُرْتَفِعَةٌ اٰخِرَهَا فَوْقَ الَّذِيْ كَانَ وَصَلَّى الْمَغْرِبَ قَبْلَ اَنْ يَغِيْبَ الشَّفَقُ وَصَلَّى الْعِشَاءَ بَعْدَ مَا ذَهَبَ

ثُلُثُ اللَّيْلِ وَصَلَّى الْفَجْرَ فَأَسْفَرَ بِهَا ثُمَّ قَالَ أَيْنَ السَّائِلُ عَنْ وَقْتِ الصَّلَاةِ فَقَالَ الرَّجُلُ أَنَا يَا رَسُوْلَ اللهِ قَالَ وَقْتُ صَلَاتِكُمْ بَيْنَ مَا رَأَيْتُمْ.[1] (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

ترجمہ: اور حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ ایک شخص نے نبی ﷺ سے نماز کا وقت دریافت کیا (کہ نماز کا اول وآخر وقت کیا ہے؟) آپ ﷺ نے فرمایا کہ ان دو دنوں میں تم ہمارے پاس نماز پڑھو (تاکہ تمہیں نماز کے اوقات دکھادوں) چنانچہ جب سورج ڈھل گیا آپ ﷺ نے حضرت بلال کو (اذان کا) حکم دیا، حضرت بلال نے اذان دی پھر آپ ﷺ نے انہیں (تکبیر کا) حکم دیا، انھوں نے ظہر کی تکبیر کہی (اور آپ ﷺ نے نماز پڑھائی) پھر آپ ﷺ نے عصر کے اقامت کا حکم دیا جبکہ سورج بلند اور سفید صاف تھا (اور عصر کی نماز پڑھائی) پھر مغرب کی اقامت کا حکم دیا جبکہ سورج غروب ہی ہوا تھا (اور مغرب کی نماز پڑھائی) پھر عشاء کی اقامت کا حکم دیا جبکہ شفق غائب ہوئی تھی (اور عشاء کی نماز پڑھائی) پھر فجر نمودار ہوتے ہی آپ نے اقامت کا حکم دیا (اور نماز پڑھائی گویا پہلے دن آپ نے تمام نمازیں اول وقت پڑھا کر دکھادیں کہ نماز کا اول وقت یہ ہے) پھر جب دوسرا دن ہوا تو آپ ﷺ نے بلال رضی اللہ عنہ کو ظہر کو ٹھنڈا کر کے نماز پڑھنے کا حکم دیا اور خوب ٹھنڈا کر کے نماز ظہر کو پڑھایا اور عصر کی نماز اس وقت پڑھائی جب سورج بلند تھا لیکن کل کے وقت سے دیر کر کے نماز پڑھائی اور مغرب کی نماز شفق غائب ہونے سے پہلے (یعنی شفق غائب ہونے کے قریب) پڑھائی اور عشاء کی نماز تہائی رات گذرنے پر پڑھائی اور فجر کی نماز خوب روشنی ہوجانے پر پڑھائی اور اس کے بعد فرمایا نماز کے اوقات دریافت کرنے والا شخص کہاں ہے؟ اس شخص نے سامنے آکر عرض کیا "یا رسول اللہ: میں حاضر ہوں آپ ﷺ نے فرمایا تمہاری نماز کے اوقات ان اوقات کے درمیان ہیں جو تم (دو دنوں میں) دیکھ چکے ہو۔ (مسلم)

توضیح: "ان رجلا" یعنی ایک شخص نے آنحضرت ﷺ سے نمازوں کے اوقات کے متعلق سوال کیا کہ نماز کا اول وقت کیا ہوتا ہے اور اس کا آخر وقت کونسا ہوتا ہے۔ آنحضرت ﷺ نے مناسب سمجھا کہ اس شخص کو زبانی طور پر بتانے کے بجائے عملی طور پر بتانا زیادہ مفید ہوگا اس لئے آپ نے پہلے دن نمازوں کو اس کے اول وقت میں ادا فرمادیا اور دوسرے دن بالکل آخری وقت میں ادا فرمادیا اور پھر اس سائل کو بلا کر فرمادیا کہ ان دو وقتوں کے درمیان تمہاری نمازوں کے اوقات ہیں۔

"فانعم ان یبرد" خوب ٹھنڈا کرنے کے لئے لفظ انعم استعمال کیا گیا ہے۔

"بین ما رأیتم" یعنی ان دو وقتوں کو جو تم نے دیکھ لیا اس کے درمیان تمہاری نمازوں کے اوقات ہیں۔

سوال: اب یہاں یہ اعتراض ہوسکتا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے دو وقتوں کے درمیانی وقت کو نمازوں کا وقت قرار دیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ خود ان دو وقتوں کی طرف اول اور طرف ثانی دونوں نماز کے اوقات سے خارج ہوگئے حالانکہ وہ خود بھی نماز کے اوقات میں داخل ہیں۔

[1] اخرجه مسلم: ۲/۱۰۶

جواب: اس کا جواب یہ ہے کہ حدیث کے اس جملہ کا مطلب یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ فرمارہے ہیں کہ پہلے دن میں نے جس ابتدائی وقت میں نماز پڑھائی اور پھر دوسرے دن میں نے جس آخری وقت میں نماز پڑھائی اس اول اور آخر کو ملاکر درمیان میں سارا وقت نماز کا ہے خلاصہ یہ کہ نماز کے اوقات کے جانبین نماز کے اوقات سے خارج نہیں ہیں بلکہ اس میں داخل ہیں۔[1]

الفصل الثانی

﴿۳﴾عن ابن عبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَمَّنِي جِبْرِيْلُ عِنْدَ الْبَيْتِ مَرَّتَيْنِ فَصَلّٰى بِيَ الظُّهْرَ حِيْنَ زَالَتِ الشَّمْسُ وَكَانَتْ قَدْرَ الشِّرَاكِ وَصَلّٰى بِيَ الْعَصْرَ حِيْنَ صَارَ ظِلُّ كُلِّ شَيْءٍ مِثْلَهُ وَصَلّٰى بِيَ الْمَغْرِبَ حِيْنَ أَفْطَرَ الصَّائِمُ وَصَلّٰى بِيَ الْعِشَاءَ حِيْنَ غَابَ الشَّفَقُ وَصَلّٰى بِيَ الْفَجْرَ حِيْنَ حَرُمَ الطَّعَامُ وَالشَّرَابُ عَلَى الصَّائِمِ فَلَمَّا كَانَ الْغَدُ صَلّٰى بِيَ الظُّهْرَ حِيْنَ كَانَ ظِلُّهُ مِثْلَهُ وَصَلّٰى بِيَ الْعَصْرَ حِيْنَ كَانَ ظِلُّهُ مِثْلَيْهِ وَصَلّٰى بِيَ الْمَغْرِبَ حِيْنَ أَفْطَرَ الصَّائِمُ وَصَلّٰى بِيَ الْعِشَاءَ إِلٰى ثُلُثِ اللَّيْلِ وَصَلّٰى بِيَ الْفَجْرَ فَأَسْفَرَ ثُمَّ الْتَفَتَ إِلَيَّ فَقَالَ يَا مُحَمَّدُ هٰذَا وَقْتُ الْأَنْبِيَاءِ مِنْ قَبْلِكَ وَالْوَقْتُ مَا بَيْنَ هٰذَيْنِ الْوَقْتَيْنِ۔[2] (رَوَاهُ أَبُوْدَاوُدَ وَالتِّرْمِذِيُّ)

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ فرماتے تھے حضرت جبرئیل علیہ السلام نے (نماز کی کیفیت اور اوقات نماز بتانے کے لئے) امام بن کر خانہ کعبہ کے نزدیک مجھے دو مرتبہ (یعنی دو روز) نماز پڑھائی چنانچہ (پہلے روز جس وقت سورج ڈھل گیا سایہ تسمہ کے مانند تھا تو پہلے مجھے ظہر کی نماز پڑھائی اور جس وقت ہر چیز کا سایہ (علاوہ سایہ اصلی کے) اس کے برابر ہوگیا تو مجھے عصر کی نماز پڑھائی اور جس وقت روزہ دار روزہ افطار کرتا ہے (یعنی سورج چھپنے کے بعد) تو مجھے مغرب کی نماز پڑھائی اور شفق غائب ہونے کے وقت میں مجھے عشاء کی نماز پڑھائی اور جس وقت روزہ دار کے لئے کھانا پینا حرام ہو جاتا ہے (یعنی صبح صادق ہوا تو مجھے فجر کی نماز پڑھائی اور جب اگلا روز ہوا تو انہوں نے مجھے ظہر کی نماز اس وقت پڑھائی جبکہ سایہ ایک مثل (کے قریب) ہوگیا اور مجھے عصر کی نماز اس وقت پڑھائی جبکہ سایہ دو مثل ہوگیا اور مجھے مغرب کی نماز اس وقت پڑھائی جبکہ روزہ دار افطار کرتا ہے اور مجھے عشاء کی نماز اس وقت پڑھائی جبکہ دو تہائی رات گذر گئی تھی اور مجھے فجر کی نماز پڑھائی جبکہ خوب روشنی ہوگئی تھی اور پھر (جبرئیل علیہ السلام نے) میری طرف متوجہ ہو کر کہا: اے محمد یہ وقت آپ سے پہلے نبیوں (کی نماز) کا ہے۔ اور نماز ان دو وقتوں کے بیچ بیچ ہے۔

(ابوداود، ترمذی)

توضیح: "عند البیت" اس سے بیت اللہ مراد ہے یہ ہجرت سے پہلے کا واقعہ ہے۔

---

[1] مرقاۃ: ۲/۲۸۶ [2] اخرجہ ابوداؤد: ۳۹۲ والترمذی: ۱۴۹

"قدر شراك" ظاہر یہ ہے کہ جوتے کے تسمہ کے ساتھ یہ تشبیہ چوڑائی میں دی گئی ہے لمبائی میں نہیں دی ہے۔
پھر جگہ اور وقت کے اعتبار سے سایہ اصلی مختلف ہوتا ہے چنانچہ بعض مقامات میں سایہ اصلی زیادہ ہوتا ہے بعض میں کم ہوتا ہے اور بعض مقامات میں سایہ اصلی بالکل نہیں ہوتا جیسا کہ مکہ مکرمہ میں انیسویں سرطان کو بالکل سایہ اصلی نہیں ہوتا۔[1]

امتوں کی نمازوں کے اوقات:

"هذا وقت الانبياء"

سؤال: یہاں یہ اعتراض ہے کہ سابقہ انبیاء کرام کے ساتھ مشابہت کے کیا معنی ہے؟۔

جواب: یہ مشابہت متفرق اوقات کے اعتبار سے ہے عشاء کے علاوہ غالب طور پران کے اور اس امت کے اوقاتوں اور نمازوں میں ہم آہنگی تھی عشاء کی نماز امت محمدیہ کی خصوصیت ہے یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ سابقہ امتوں نے عشاء کی نماز بھی پڑھی تھی لیکن بطور نفل پڑھی اور امت محمدیہ بطور فرض پڑھتی ہے تو تشبیہ صحیح ہے۔[2]

شیخ عبدالحق عشیہ نے لمعات میں مختلف امتوں کی نمازوں کے مختلف اوقات کا ذکر اس طرح کیا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کی توبہ جب فجر کے وقت قبول ہوئی تو آپ نے بطور شکر فجر کی دو رکعتیں پڑھیں اور ظہر کے وقت جب حضرت اسماعیل علیہ السلام کی جان کے بدلے دنبہ کی قربانی قبول ہوگئی تو آپ نے بطور شکر ظہر کی چار رکعات پڑھیں۔

اور حضرت عزیر علیہ السلام جب سو سال کے بعد زندہ کیے گئے تو عصر کا وقت تھا اس لئے آپ نے بطور شکر عصر کی چار رکعات پڑھیں۔

اور حضرت داوٗد علیہ السلام پر جب امتحان کا وقت آیا اور پھر آپ کی معافی کا حکم آیا تو مغرب کا وقت تھا آپ نے چار رکعات پڑھنی چاہیں لیکن چوتھی رکعت نہ پڑھ سکے کیونکہ آپ زیادہ رونے کی وجہ سے نڈھال ہو چکے تھے اس لئے مغرب کی تین رکعتیں رہ گئیں۔

اور سب سے پہلے عشاء کی نماز آپ ﷺ نے پڑھی جو اس امت کی خصوصیات میں سے ایک خصوصیت ہے

"امنی" یعنی جبریل امین نے دو دفعہ مجھے نماز پڑھائی اس میں یہ بات محل بحث ہی نہیں ہے کہ جبریل مفضول تھے انہوں نے حضور اکرم ﷺ کو کیسے امامت کرائی کیونکہ یہ کوئی ممنوع امر نہیں ہے نیز یہ بات بھی محل بحث نہیں ہے کہ جبریل متنفل تھے حضور ﷺ مفترض تھے اس لئے کہ جب جبریل کو اللہ کی طرف سے نماز پڑھانے کا حکم ملا تو آپ مفترض بن گئے۔ "بين هذين الوقتين" وغیرہ جملوں کی تشریح پہلے ہو چکی ہے۔

الفصل الثالث

﴿۴﴾عن ابنِ شِهَابٍ أَنَّ عُمَرَ بْنَ عَبْدِ الْعَزِيزِ أَخَّرَ الْعَصْرَ شَيْئًا فَقَالَ لَهُ عُرْوَةُ أَمَا إِنَّ جِبْرِيلَ قَدْ

---

[1] الكاشف: ۲/۱۹۰ وفی "المرقات": ۲/۲۸۸ [2] المرقاة: ۲/۲۸۹

نَزَلَ فَصَلّٰى أَمَامَ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ لَهٗ عُمَرُ اِعْلَمْ مَا تَقُوْلُ يَا عُرْوَةُ فَقَالَ سَمِعْتُ بَشِيْرَ بْنَ أَبِيْ مَسْعُوْدٍ يَقُوْلُ سَمِعْتُ أَبَا مَسْعُوْدٍ يَقُوْلُ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ نَزَلَ جِبْرِيْلُ فَأَمَّنِيْ فَصَلَّيْتُ مَعَهٗ ثُمَّ صَلَّيْتُ مَعَهٗ ثُمَّ صَلَّيْتُ مَعَهٗ ثُمَّ صَلَّيْتُ مَعَهٗ ثُمَّ صَلَّيْتُ مَعَهٗ يَحْسُبُ بِأَصَابِعِهٖ خَمْسَ صَلَوَاتٍ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)[1]

ترجمہ: حضرت ابن شہاب رحمہ اللہ راوی ہیں کہ حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ نے (ایک روز) عصر کی نماز (وقت مختار سے کچھ) تاخیر کرکے پڑھی حضرت عروہ نے (جب یہ دیکھا تو) کہا کہ سمجھ لیجیے حضرت جبرئیل علیہ السلام نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کھڑے ہوکر اول وقت نماز پڑھائی تھی حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ نے فرمایا عروہ؛ ذرا سوچ سمجھ کر کہو کیا کہتے ہو؟ عروہ نے کہا میں نے حضرت ابو مسعود رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے بشیر سے سنا وہ کہتے تھے کہ میں نے حضرت ابو مسعود سے سنا کہ وہ فرماتے تھے کہ میں نے سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے کہ جبرئیل علیہ السلام آکر میرے امام بنے اور میں نے ان کے ساتھ نماز پڑھی (راوی کہتے ہیں کہ) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پانچ نمازیں انگلیوں پر گن کر بتائیں۔ (بخاری، مسلم)

توضیح: "**اخر العصر شیئا**" یعنی وقت مستحب میں کچھ تاخیر ہوئی یہ مطلب نہیں کہ عصر کے مکروہ وقت تک تاخیر کی۔[2]

"**عروۃ**" حضرت عروہ شان والے تابعی ہیں یہ حضرت اسماء بنت ابی بکر اور زبیر کے بیٹے ہیں یہ چاہتے تھے کہ حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کو حدیث امامت جبریل سنائیں جس میں نمازوں کے اول اوقات میں پڑھنے کا بیان ہے اسی لئے آپ نے حرف تنبیہ "اما" کے ساتھ کلام کا آغاز کیا تاکہ حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ غور سے بات سن لیں "**اعلم ماتقول**" یہ صیغہ امر کا ہے حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ نے حضرت عروہ سے فرمایا کہ اے عروہ تم سوچ سمجھ کر بات کرو تم حدیث بیان کررہے ہو حالانکہ تم صحابی نہیں ہو تو سند کے ذکر کرنے کے بغیر تم کیسے حدیث بیان کررہے ہو؟۔

اس پر حضرت عروہ نے مکمل سند بیان کرکے بتادیا کہ میں خوب غور وفکر اور سوچ سمجھ کے ساتھ اس حدیث کو بیان کرسکتا ہوں اس کی سند اس طرح ہے اس پر حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ خاموش ہوگئے۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ اپنے گورنروں کو نماز کا حکم دے رہے ہیں

﴿۵﴾ وعن عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ أَنَّهٗ كَتَبَ إِلٰى عُمَّالِهٖ أَنَّ أَهَمَّ أُمُوْرِكُمْ عِنْدِي الصَّلَاةُ مَنْ حَفِظَهَا وَحَافَظَ عَلَيْهَا حَفِظَ دِيْنَهٗ وَمَنْ ضَيَّعَهَا فَهُوَ لِمَا سِوَاهَا أَضْيَعُ ثُمَّ كَتَبَ أَنْ صَلُّوا الظُّهْرَ إِنْ كَانَ الْفَيْءُ ذِرَاعًا إِلٰى أَنْ يَكُوْنَ ظِلُّ أَحَدِكُمْ مِثْلَهٗ وَالْعَصْرَ وَالشَّمْسُ مُرْتَفِعَةٌ بَيْضَاءُ نَقِيَّةٌ قَدْرَ

[1] اخرجہ البخاری: ۱/۱۳۹ ومسلم: ۲/۱۰۳ [2] المرقات: ۲/۲۹۱

مَا يَسِيرُ الرَّاكِبُ فَرْسَخَيْنِ أَوْ ثَلَاثَةً قَبْلَ مَغِيبِ الشَّمْسِ وَالْمَغْرِبَ إِذَا غَابَتِ الشَّمْسُ وَالْعِشَاءَ إِذَا غَابَ الشَّفَقُ إِلَى ثُلُثِ اللَّيْلِ فَمَنْ نَامَ فَلَا نَامَتْ عَيْنُهُ فَمَنْ نَامَ فَلَا نَامَتْ عَيْنُهُ فَمَنْ نَامَ فَلَا نَامَتْ عَيْنُهُ وَالصُّبْحَ وَالنُّجُومُ بَادِيَةٌ مُشْتَبِكَةٌ۔ [1] (رَوَاهُ مَالِكٌ)

ترجمہ: اور امیر المؤمنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے بارے میں مروی ہے کہ انہوں نے اپنے عاملوں (یعنی اسلامی سلطنت کے حکام) کے پاس یہ لکھ کر بھیجا تھا کہ تمہارے سب کاموں میں مہتم بالشان کام میرے نزدیک نماز کا پڑھنا ہے لہٰذا جس نے اس کی محافظت کی (یعنی ارکان وشرائط کے ساتھ نماز پڑھی) اور اس پر نگہبانی رکھی تو گویا اس نے اپنے دین (کے بقیہ امور) کی نگہبانی ومحافظت کی اور جس نے اسے ضائع کردیا تو وہ اس چیز کو جو نماز کے علاوہ ہے بہت زیادہ ضائع کرنے والا ہے۔ پھر یہ لکھا کہ ظہر کی نماز ایک گز سایہ زوال ہونے سے لے کر ایک مثل سایہ تک (علاوہ سایہ اصلی کے) پڑھا کرو اور عصر کی نماز ایسے وقت پڑھا کرو جب سورج اونچا اور سفید رہے۔ (اور سورج ڈوبنے میں) اتنا وقت رہے کہ کوئی سوار سورج ڈوبنے سے پہلے دو یا تین میل طے کرسکے اور مغرب کی نماز سورج ڈوبنے کے بعد پڑھا کرو اور عشاء کی نماز شفق غائب ہونے سے تہائی رات تک پڑھا کرو اور جو شخص عشاء سے پہلے) سوجائے (تو خدا کرے) اس کی آنکھوں کو سونا نصیب نہ ہو (تین مرتبہ یہ بددعا کی اور لکھا کہ) صبح کی نماز ایسے وقت پر پڑھو جبکہ ستارے گنجان چمکتے ہوئے ہوں (یعنی تاریکی میں پڑھو)۔ (مالک)

توضیح: "کتب الی عماله" عمال عامل کی جمع ہے امرا اور گورنر مراد ہیں [2] نماز چونکہ دین کا ستون اور اس کے بنیادی ارکان میں سے ہے اور اس کا اہتمام مسلمانوں کے خلیفہ کی بنیادی ذمہ داریوں میں سے ہے اس لئے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے سرکاری فرمان اور تاکیدی حکم کے ذریعہ سے اس کا حق ادا کردیا کہ جس نے نماز کا حق ادا کیا یعنی پڑھا اور اس کے فرائض اور واجبات وسنن اور اوقات کی حفاظت اور پابندی کی تو وہ امور مملکت اور حقوق اللہ وحقوق العباد کے دیگر احکامات کی بھی پابندی کریگا لیکن جس نے نماز کو ضائع کیا کہ پڑھنا چھوڑ دیا یا اس کے اوقات کی رعایت نہیں کی یا اس کے فرائض اور واجبات کو صحیح طور پر ادا نہیں کیا تو شخص امور مملکت اور دیگر عبادات کو اس سے زیادہ ضائع کرنے والا ہوگا گویا نماز مسلمان کی دیانت وامانت کی کسوٹی اور معیار ہے۔ چنانچہ بابا سعدی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ بے نمازی کو قرض نہ دیا کرو کیونکہ جو شخص اللہ تعالیٰ کا قرض ادا نہیں کرتا ہے وہ بندوں کا قرض کیا ادا کریگا۔ سلطان باہو فرماتے ہیں کہ بے نمازی کو مسلمانوں کے قبرستان میں نہ دفناؤ مسلمان حکمرانوں کے لئے یہ حدیث درس عبرت ہے کہ عمر فاروق رضی اللہ عنہ اس جلالت شان کے ساتھ گورنروں کو خاص کر نماز کا حکم اور اس کے اوقات کی تفصیل بھیج رہے ہیں جبکہ آج کل کے بے دین حکمران نماز کی بات کو عار اور باعث شرم سمجھتے ہیں اسی لئے یہ پوری دنیا میں ذلیل ہیں اور کافروں کے غلام بنے ہوئے ہیں خدا کی تعریف تو نہ کرسکے مگر امریکہ کی تعریف کرتے رہتے ہیں۔

[1] اخرجه مالك في الموطا: ۶ [2] المرقات: ۲/۲۹۲

"الفئی ذراعا" پہلے بتایا جا چکا ہے کہ ہر ملک کے سایہ کا نظام الگ الگ ہے اس لئے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا یہ فرمان کسی خاص مقام اور خاص زمانہ کے ساتھ خاص ہے۔ "مایسیر" یہاں کلمہ "ما" مصدریہ ہے "فرسخ" تین میل کا ایک فرسخ ہوتا ہے۔

شاعر کہتا ہے ؎

ان البرید من الفراسخ اربع ولفرسخ فثلاث امیال ضعوا
والمیل الف ای من الباعات قل والباع اربع اذرع فتتبع
ثم الذراع من الاصابع اربع منبعدھاالعشرونثم الاصبع
ست شعیرات فظھرشعیرۃ منھاالی بطن لاخری توضع
ثم الشعیرۃ ست شعرات فقل من شعر بغل لیس فیھا مدفع

"فمن نام" بظاہر یہ حکم عشاء کے ساتھ متعلق ہے کیونکہ عشاء نیند کا وقت ہے روایات میں عشاء کی نماز سے پہلے سونے کو منع فرمایا ہے تو یہاں بھی حضرت عمر رضی اللہ عنہ نماز عشاء سے پہلے سونے والے کو بددعا دے رہے ہیں۔ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس حدیث سے معلوم ہو گیا کہ نماز عشاء سے پہلے سونا حرام ہے۔ لیکن احناف کے ہاں یہ تفصیل ہے کہ اگر نماز کا وقت داخل نہیں ہوا ہے تو اس سے پہلے سونا منع نہیں ہے اور اگر وقت داخل ہو گیا ہے تو اگر جگانے کا مکمل انتظام کوئی نمازی کرتا ہے تو ان کے لئے سونا جائز ہے اور اگر جگانے کا انتظام نہیں ہے اور نیند اس طرح غالب ہے کہ نماز کے وقت کے نکلنے کا خطرہ ہے تو پھر نیند جائز نہیں بلکہ مکروہ ہے۔ (کذا فی المرقات)[1]

بعض شارحین نے فمن نام سے ترک صلوٰۃ اور غفلت ونسیان مراد لیا ہے خواہ نیند سے ہو یا کسی اور شغل سے ہو۔ (لمعات)[2] "النجوم بادیۃ" نجوم نجم کی جمع ہے ستارے مراد ہیں اور بادیہ سے ظاہر اور واضح ہونا مراد ہے مشتبکۃ اسی کی تفصیل ہے کہ گنجان ستارے موجود ہوں۔

ایک مشکل حدیث کا مطلب

﴿۶﴾ وعن ابنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ كَانَ قَدْرُ صَلَاةِ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الظُّهْرَ فِي الصَّيْفِ ثَلَاثَةَ أَقْدَامٍ إِلَى خَمْسَةِ أَقْدَامٍ وَفِي الشِّتَاءِ خَمْسَةَ أَقْدَامٍ إِلَى سَبْعَةِ أَقْدَامٍ۔[3] (رَوَاهُ أَبُوْدَاوُدَ وَالنَّسَائِيُّ)

اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز ظہر کا اندازہ گرمیوں میں تین قدم سے پانچ قدم تک اور جاڑوں میں پانچ قدم سے سات قدم تک تھا۔ (ابوداؤد، نسائی)

[1] المرقات: ۲/۲۴۳ [2] اشعۃ اللمعات: ۳۱۰ [3] اخرجہ ابوداؤد: ۴۰۰ والنسائی: ۱/۲۰۵

توضیح: "الی خمسة اقدام" حساب جاننے والے ریاضی دانوں کی اصطلاح میں "قدم" ہر چیز کے قد کے ساتویں حصہ کو کہا جاتا ہے سردیوں میں سایہ لمبا ہوتا ہے اس لئے ظہر کا وقت کبھی سات قدم اور کبھی پانچ قدم کی مقدار پر ہوجاتا ہے۔

خلاصہ یہ نکلا کہ یہ سبعة اقدام کا مطلب پورا مثل ہے اور ثلاثة اقدام کا مفہوم تقریباً نصف مثل ہے اور خمسة اقدام کا مطلب تقریباً ایک مثل کی دو تہائی ہے۔[1]

یہ بات بار بار لکھی گئی ہے کہ سایہ کا یہ نظام تمام ممالک اور علاقوں کے لئے یکساں نہیں بلکہ علاقوں کے بدلنے سے سایہ کی یہ مقدار بدلتی رہتی ہے۔

الحمدللہ اس حدیث کا یہ مطلب اچھی طرح واضح ہوگیا۔ میں اس پر اللہ تعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر ادا کرتا ہوں، اور اس پر بھی کروڑہا شکر ادا کرتا ہوں کہ حدیث کی یہ خدمت مکہ مکرمہ میں کر رہا ہوں۔

فضل محمد نزیل مکة المکرمة

دار عمر عبدالحفیظ مکی

۹ رمضان ۱۴۲۳ھ

---

[1] المرقات: ۲/۲۹۴

بمورخہ ۱۳ ربیع الاول ۱۴۱۰ھ

باب تعجیل الصلاۃ

جلدی نماز پڑھنے کا بیان

الفصل الاول

نماز کے مستحب اوقات کا تعین

﴿۱﴾ عن سَیَّارِ بْنِ سَلاَمَۃَ قَالَ دَخَلْتُ أَنَا وَأَبِیْ عَلٰی أَبِیْ بَرْزَۃَ الْاَسْلَمِیِّ فَقَالَ لَہٗ أَبِیْ کَیْفَ کَانَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یُصَلِّی الْمَکْتُوْبَۃَ فَقَالَ کَانَ یُصَلِّی الْھَجِیْرَ الَّتِیْ تَدْعُوْنَھَا الْاُوْلٰی حِیْنَ تَدْحَضُ الشَّمْسُ وَیُصَلِّی الْعَصْرَ ثُمَّ یَرْجِعُ أَحَدُنَا اِلٰی رَحْلِہٖ فِیْ أَقْصَی الْمَدِیْنَۃِ وَالشَّمْسُ حَیَّۃٌ وَنَسِیْتُ مَا قَالَ فِی الْمَغْرِبِ وَکَانَ یَسْتَحِبُّ أَنْ یُّؤَخِّرَ الْعِشَاءَ الَّتِیْ تَدْعُوْنَھَا الْعَتَمَۃَ وَکَانَ یَکْرَہُ النَّوْمَ قَبْلَھَا وَالْحَدِیْثَ بَعْدَھَا وَکَانَ یَنْفَتِلُ مِنْ صَلَاۃِ الْغَدَاۃِ حِیْنَ یَعْرِفُ الرَّجُلُ جَلِیْسَہٗ وَیَقْرَءُ بِالسِّتِّیْنَ اِلَی الْمِائَۃِ وَفِیْ رِوَایَۃٍ وَلاَ یُبَالِیْ بِتَأْخِیْرِ الْعِشَاءِ اِلٰی ثُلُثِ اللَّیْلِ وَلاَ یُحِبُّ النَّوْمَ قَبْلَھَا وَالْحَدِیْثَ بَعْدَھَا۔ [۱] (مُتَّفَقٌ عَلَیْہِ)

ترجمہ: حضرت سیار ابن سلامہ فرماتے ہیں کہ میں اور میرے والد (ہم دونوں) حضرت ابو برزہ اسلمی رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئے میرے والد نے ان سے پوچھا کہ نبی کریم ﷺ فرض نمازیں کس طرح (یعنی کس کس وقت) پڑھتے تھے انہوں نے فرمایا کہ آپ ﷺ ظہر کی نماز جسے پہلی نماز کہا جاتا ہے سورج ڈھلنے کے وقت پڑھتے تھے اور عصر کی نماز (ایسے وقت) پڑھتے تھے کہ ہم میں سے کوئی نماز پڑھ کر مدینہ کے کنارے یا اپنے مکان پر جا کر سورج روشن ہوتے ہوئے (یعنی متغیر ہونے سے پہلے) واپس آ جاتا تھا سیار کہتے ہیں کہ مغرب کی نماز کے بارہ میں ابو برزہ نے جو کچھ بتایا تھا وہ میں بھول گیا اور (ابو برزہ کہتے تھے کہ) عشاء کی نماز جسے تم عتمہ کہتے ہو آنحضرت ﷺ تاخیر سے پڑھنے کو بہتر سمجھتے تھے اور عشاء کی نماز سے پہلے سونے اور عشاء کی نماز کے بعد (دنیاوی) باتیں کرنے کو آپ ﷺ مکروہ سمجھتے تھے اور صبح کی نماز ایسے وقت پڑھ (کر فارغ ہو) لیتے تھے کہ ہر شخص اپنے پاس بیٹھنے والے کو پہچان لیتا تھا اور (نماز میں) ساٹھ آیتوں سے لے کر سو آیت تک پڑھ لیا کرتے تھے۔

---

[۱] اخرجہ البخاری: ۱/۱۴۴ ومسلم: ۲/۱۲۰

ایک روایت کے الفاظ یہ ہیں کہ آنحضرت ﷺ تہائی رات تک عشاء میں دیر کرنے میں تامل نہ فرماتے تھے اور عشاء کی نماز کے بعد باتیں کرنے کو پسند نہ فرماتے تھے۔ (بخاری، مسلم)

توضیح: صاحب مشکوٰۃ نے جب نمازوں کے وجوبی اوقات کا بیان کیا اور یہ بتادیا کہ ہر نماز کے وقت کا پہلا حصہ کہاں سے ہے اور آخری حصہ کہاں تک ہے تو اب انہوں نے نماز کے مستحب اوقات کا بیان شروع کیا کہ ان اوقات کے کس حصہ میں نماز پڑھنا افضل اور مستحب ہے اس مقصد کے لئے انہوں نے باب تعجیل الصلوٰۃ کا عنوان قائم کیا ہے۔

اب اصولی طور پر نمازوں کے افضل اوقات میں احناف اور شوافع کا اختلاف ہے شوافع حضرات عشاء کی نماز کے علاوہ تمام نمازوں میں تعجیل اور جلدی پڑھنے کو افضل قرار دیتے ہیں اور احناف مغرب کی نماز کے علاوہ تمام نمازوں میں تاخیر کو افضل قرار دیتے ہیں لیکن اس تاخیر کا مطلب یہ نہیں کہ وقت مکروہ تک تاخیر ہوجائے بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ وقت مستحب میں کچھ تاخیر کی جائے اس باب کی احادیث کے ضمن میں تمام تفصیلات آجائیں گی زیر بحث حضرت سیار بن سلامہ کی حدیث میں پانچوں نمازوں کے اوقات کا ذکر آگیا ہے مگر اس میں صرف اشارات ہیں اس لئے ترتیب کے پیش نظر میں فجر سے لے کر عشاء تک ترتیب وار نمازوں کے مستحب اوقات کا بیان کروں گا تاکہ قارئین حضرات کو سمجھنے میں آسانی ہو۔

فجر کا مستحب وقت:

"**حین یعرف الرجل جلیسه**" یعنی آنحضرت ﷺ جب فجر کی نماز سے فارغ ہوجاتے تو آدمی اپنے قریبی ساتھی کو پہچان لیتا تھا اس کا مطلب یہ ہوا کہ آپ ﷺ نماز فجر غلس اور اندھیرے میں شروع فرماتے تھے کیونکہ آپ جب ساٹھ سے سو آیتوں تک تلاوت فجر کی نماز میں فرماتے اور پھر بھی مشکل سے ایک ساتھی اپنے پاس والے کو پہچان لیتا تھا تو معلوم ہوا غلس میں پڑھاتے تھے۔ دوسری احادیث میں اس مفہوم کو **والصبح بغلس** کے الفاظ سے ادا کیا گیا ہے یہ تو غلس کا حکم ہوا مگر اس کے علاوہ کئی احادیث میں آیا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فجر میں اسفار کا حکم دیا ہے۔

روایات کے اس اختلاف سے فقہاء کرام کے درمیان بھی فجر کے مستحب وقت میں اختلاف ہوگیا۔ اگرچہ اس پر اتفاق ہے کہ طلوع فجر سے طلوع آفتاب تک پورا وقت فجر کی نماز کا ہے۔

فقہاء کا اختلاف:

امام مالک، امام شافعی اور امام احمد بن حنبل رحمہم اللہ تعالیٰ یعنی جمہور کے نزدیک فجر کی نماز غلس میں پڑھنا افضل ہے کہ ابتدا بھی غلس میں ہو اور انتہاء بھی غلس میں ہو۔

امام ابوحنیفہ، سفیان ثوری، اور امام ابو یوسف رحمہم اللہ تعالیٰ کے نزدیک فجر کی نماز اسفار میں شروع کرنا اور اسفار ہی میں ختم کرنا افضل ہے لیکن اس میں یہ امر ملحوظ رہنا چاہئے کہ اگر فجر کی نماز فاسد ہوجائے تو اعادہ کرنے کے لئے وقت میں گنجائش ہو امام محمد رحمۃ اللہ علیہ سے ایک قول منقول ہے جس کو امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ نے لیا ہے ان دونوں کے نزدیک ابتدا غلس میں افضل

ہے مگر قرأت کو اتنا طویل کیا جائے کہ انتہاء اسفار میں ہوجائے اس طرح غلس اور اسفار والی دونوں حدیثوں پر عمل ہوجائے گا اور احادیث میں تطبیق ہوجائے گی لیکن اس مسلک میں ثقل اور بڑا بوجھ ہے۔

دلائل:

جمہور کی پہلی دلیل مشکوٰۃ (ص ۶۰ پر حدیث ۲) میں محمد بن عمرو بن الحسن کی روایت ہے جس میں یہ الفاظ آئے ہیں **والصبح بغلس** اور غلس رات کے آخری حصہ کا وہ اندھیرا ہوتا ہے جو صبح کی روشنی کے ساتھ ملا ہوا ہوتا ہے لہٰذا اندھیرے میں پڑھنا افضل ہے آج کل جزیرہ عرب میں اسی حدیث پر عمل ہورہا ہے۔

جمہور کی دوسری دلیل مشکوٰۃ شریف کے (ص ۶۰ پر حدیث نمبر ۱۱) حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی روایت ہے جس میں یہ الفاظ ہیں۔

قالت کان رسول اللہ لیصلی الصبح فتصرف النساء متلفعات بمروطھن مایعرفن من الغسل۔ (متفق علیہ)

جمہور کی تیسری دلیل حضرت ابومسعود انصاری کی روایت ہے جس کے الفاظ یہ ہیں۔

انہ صلی اللہ علیہ وسلم صلی الصبح بغلس ثم صلی مرۃ اخری فاسفر بھا ثم کانت صلوٰتہ بعد ذلک فی الغلس حتی مات ولم یعد الی ان یسفر۔ (رواہ ابوداؤد)

یعنی زندگی کا معمول غلس کا تھا ایک آدھ مرتبہ اسفار کیا پھر کبھی نہ کیا جمہور نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کے اسی معمول اور فعلی روایات سے استدلال کیا ہے اور ان روایات سے بھی استدلال کرتے ہیں جن میں اول وقت میں نماز پڑھنے کو افضل قرار دیا گیا ہے اور مشکوٰۃ کی فصل ثالث کی حضرت عمر والی روایت سے بھی استدلال کرتے ہیں جس میں یہ الفاظ ہیں "**والصبح والنجوم بادیۃ مشتبکۃ**" یعنی جب آسمان میں گنجان ستارے چمکتے ہوں تو اس وقت اندھیرا ہوتا ہے معلوم ہوا اندھیرے میں نماز پڑھائی۔

ائمہ احناف کے دلائل اس مسئلہ میں بہت ہیں چند کا تذکرہ کیا جاتا ہے۔

❶ احناف کی پہلی دلیل زیر بحث حدیث حضرت سیار والی روایت ہے جس میں "**حین یعرف الرجل جلیسہ**" کے الفاظ آئے ہیں طرز استدلال اس طرح ہے کہ جب ایک ساتھی دوسرے کو پہچاننے لگتا ہے خاص کر جب کہ مسجد تنگ ہو تو اس وقت خوب روشنی ہوتی ہے یہ اسفار کی دلیل ہے۔

❷ احناف کی دوسری دلیل بخاری و مسلم میں حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت ہے جس کے الفاظ اختصار کے ساتھ یہ ہیں۔

"ما رئیت رسول اللہ ﷺ صلی صلوٰۃ بغیر وقتہا الا بجمع الی ان قال وصلی صلوٰۃ الصبح من الغد قبل وقتہا"

یعنی آنحضرت ﷺ نے کبھی کسی نماز کو اس کے وقت معتاد سے پہلے ادا نہیں فرمایا صرف مزدلفہ میں آپ نے وقت معتاد سے پہلے فجر کی نماز پڑھائی جو غلس میں تھی اس سے معلوم ہوا کہ عام عادت غلس کی نہیں تھی۔

❸ احناف کی تیسری دلیل جو اپنے مدعا پر سب سے زیادہ واضح اور دوٹوک ہے وہ مشکوٰۃ کی فصل ثانی میں رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ کی حدیث نمبر ۲۶ ہے جس کے الفاظ یہ ہیں۔

اسفروا بالفجر فانہ اعظم للاجر۔ (رواہ ترمذی وابوداؤد)

اس واضح دلیل میں امام شافعی رحمہ اللہ نے ایک تاویل کی ہے جو کتاب الام میں مذکور ہے۔

وہ تاویل یہ ہے کہ یہاں حدیث میں اسفار مراد نہیں بلکہ اسفروا کا مطلب یہ ہے کہ فجر کی نماز کو خوب یقینی بنا کر پڑھا کرو کہیں ایسا نہ ہو کہ طلوع فجر سے پہلے پڑھ لو لہٰذا جب تم کو واضح اندازہ ہو جائے کہ صبح صادق کا وقت ہو گیا ہے تو اس وقت فجر کی نماز پڑھو گویا اس حدیث کا اسفار سے کوئی تعلق ہی نہیں ہے اور نہ یہ غلس کے منافی ہے۔

اس کا جواب احناف یہ دیتے ہیں کہ یہ تاویل بالکل بے محل ہے کیونکہ اس کے ساتھ دوسرا جملہ "فانہ اعظم للاجر" موجود ہے اور اعظم اسم تفضیل ہے تو مطلب یہ ہو جائے گا کہ طلوع فجر کا جب یقین ہو جائے تو نماز پڑھا کرو کیونکہ یہ اجر وثواب میں بہت بڑا ہے۔ اور اگر طلوع فجر سے پہلے نماز پڑھ لی تو وہ بھی جائز ہوگی مگر اجر وثواب اس میں کم ملے گا یہ مطلب بالکل غلط ہے کیونکہ اس تاویل سے حدیث کا پورا مفہوم بگڑ جائے گا نیز یہ تاویل اس لئے بھی صحیح نہیں ہے کہ اس روایت میں تو **اسفروا** کا لفظ ہے لیکن دیگر روایات میں **کلما اسفرتم** کے الفاظ ہیں وہاں تو یقین کا مطلب نہیں لیا جا سکتا ہے جو امام شافعی نے لیا ہے۔ ایک روایت میں **کلما اصبحتم بالفجر** ہے ایک روایت میں **نوروا بالفجر فانہ اعظم للاجر** کے الفاظ ہیں ایک روایت میں **حین اسفرت الارض** کے الفاظ ہیں ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں۔

یا بلال اسفر بالصبح حتی یبصر القوم موقع نبلھم من الاسفار۔

یعنی فجر کی نماز اتنی روشن کرو کہ لوگ اگر نشانے پر تیر پھینک دیں تو تیر لگنے کی جگہ نظر آجائے ان الفاظ اور تفصیلات کی موجودگی میں حضرت امام شافعی رحمہ اللہ کی تاویل قابل التفات نہیں ہے بہر حال احناف کے دلائل کثیر بھی ہیں اور واضح بھی ہیں اگرچہ جمہور کے پاس بھی دلائل ہیں۔

جواب: ائمہ احناف جمہور کے دلائل کے بارے میں کہتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ کے مبارک فعل سے بکثرت ثابت ہے کہ آپ نے فجر کی نماز غلس میں پڑھائی ہے لیکن وہ تمام فعلی روایات ہیں اور ہم نے جو رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ کی روایت **اسفروا بالفجر** کو راجح قرار دیا ہے وہ قولی روایت ہے اور قول اور فعل میں جب تقابل آتا ہے تو ترجیح قول کو دی جاتی ہے کیونکہ فعل میں خصوصیات امتیازات وغیرہ کے احتمالات ہوتے ہیں چنانچہ یہاں بھی یہ خصوصیات ہیں۔ مثلاً غلس میں آپ نے اس لئے نماز پڑھائی کہ سب صحابہ کرام تہجد گذار تھے اور فجر سے پہلے مسجد میں موجود ہوتے تھے اس لئے تکثیر جماعت کے لئے کسی کے انتظار کی ضرورت نہیں تھی تو جونہی صبح صادق ہوگئی جماعت کھڑی کردی گئی تاکہ تھکے ماندے تہجد گذار فارغ ہوجائیں تیز مسجد نبوی کی جماعت میں عورتیں شریک ہوتی تھیں ان کے پردے کا مسئلہ تھا اس لئے غلس میں نماز ہوتی تھی تاکہ عورتوں کی بے پردگی نہ ہو نیز جو عورتیں جماعت میں شریک ہوتی تھیں پیچھے گھروں میں چھوٹے بچے ہوتے تھے ان کے جاگنے اور رونے کا مسئلہ تھا اس لئے نماز جلدی ہوتی تھی تاکہ عورتیں جلدی واپس جاسکیں۔

آج کل بھی اگر کسی جگہ عوام کی ڈیوٹی کا مسئلہ ہو اور نماز غلس میں پڑھنا ضروری ہو تو اس پر عمل کیا جاسکتا ہے جس طرح رمضان کے مہینہ میں لوگ سب حاضر ہوجاتے ہیں تو فجر کی نماز غلس میں ہوتی ہے لوگ کچھ آرام کر کے ڈیوٹی پر چلے جاتے ہیں۔

بہر حال ہم آنحضرت ﷺ کے فعل کو سرآنکھوں پر رکھنے کے لئے تیار ہیں لیکن آنحضرت ﷺ کا جو فرمان امت کو ہے وہ عمل کرنے کے لئے اس فعل پر مقدم ہے۔

آپ ﷺ نے خود جس طرح بھی عمل فرمایا مگر ہم کو اسفار کا حکم دیا ہے اور اس میں تکثیر جماعت کا فائدہ بھی ہے جس کو نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔

باقی جمہور کی دلیل "مایعرفن من الغلس" میں علماء فرماتے ہیں کہ من الغلس کا لفظ مدرج ہے کسی راوی نے ذکر کیا ہے کیونکہ ابن ماجہ وغیرہ کئی کتابوں میں اس حدیث میں یہ لفظ موجود نہیں ہے۔ یا یہ کہ تنگ جگہ میں جب عورتیں چادر میں لپٹی ہوئی ہوں تو وہ اسفار میں بھی نہیں پہچانی جاتی ہیں تو دلیل تام نہیں۔ باقی ابومسعود انصاری کی روایت کو علماء نے ضعیف کہا ہے۔

باقی جن روایات میں نماز کے اول وقت میں پڑھنے کے فضائل ہیں اس کے ہم بھی قائل ہیں کہ وقت مستحب مراد ہے۔ مستحب وقت میں نماز پڑھنا افضل واولیٰ ہے باقی امام طحاوی اور امام محمد رحمہما اللہ تعالیٰ نے بعض صحابہ کے معمول سے استدلال کیا ہے اور تمام احادیث کو اکٹھا کرنے کی کوشش کی ہے مگر اس پر عمل بہت دشوار ہے کہ پونے گھنٹہ تک لوگ نماز پڑھتے رہیں۔

ظہر کا مستحب وقت

ظہر کے مستحب وقت میں فقہاء کرام کا اختلاف ہے اس سے پہلے ظہر کے وقت کے متعلق جو اختلاف گذر گیا ہے وہ ظہر کے مستحب وقت کے بارے میں نہیں ہے بلکہ وہ ظہر کے وقت کی ابتدا و انتہاء سے متعلق ہے بہر حال مستحب وقت میں اختلاف ہے۔

فقہاء کا اختلاف:

شوافع کے نزدیک ظہر میں تعجیل افضل ہے مزید کوئی تفصیل نہیں ہے احناف کے نزدیک اس میں یہ تفصیل ہے کہ اگر موسم سخت گرم ہو شدت حرارت ہو تو **ابرادفی صلوٰۃ الظھر** اور تاخیر مستحب ہے اور اگر موسم ٹھنڈا ہو تو پھر تعجیل مستحب ہے۔

دلائل:

فقہاء کرام نے اپنے اپنے مدعا پر دلائل اکھٹے کئے ہیں چنانچہ شوافع کے دلائل یہ ہیں۔

شوافع کی پہلی دلیل حضرت خباب رضی اللہ عنہ کی روایت ہے جس میں یہ الفاظ ہیں **"شکونا الی رسول اللہ ﷺ حر الرمضاء فلم یشکنا"** اس حدیث سے معلوم ہوا کہ سخت گرمی میں نماز ہوتی تھی یہ اول وقت میں پڑھنے اور تعجیل کی دلیل ہے۔

شوافع کی دوسری دلیل حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی روایت ہے جو ترمذی میں موجود ہے الفاظ یہ ہیں۔

"ما رأیت اشد تعجیلا للظھر من رسول اللہ ﷺ ولا من ابی بکر ولا من عمر"

حضرات شوافع نے ان روایات سے بھی استدلال کیا ہے جن میں پہلے وقت میں نماز پڑھنے کی فضیلت آئی ہے اور اسکی ترغیب دی گئی ہے۔

شوافع نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی اس روایت سے بھی استدلال کیا ہے جس میں یہ الفاظ ہیں **"کان یصلی الظھر بالھاجرۃ"** یعنی آنحضرت ﷺ ظہر کی نماز کو دوپہر میں پڑھاتے تھے یعنی سویرے پڑھاتے تھے۔

ائمہ احناف نے بخاری شریف کی حدیث **ابردوا بالظھر** سے استدلال کیا ہے نیز حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کے قصہ میں جو لفظ آیا ہے **"حتی رئینا فئ التلول"** اس سے بھی تاخیر ظہر پر استدلال کرتے ہیں اور اس کے علاوہ بھی ابراد اور تاخیر کی کافی روایات ہیں۔

جواب: شوافع نے تعجیل ظہر سے متعلق جن روایات سے استدلال کیا ہے اس میں حضرت خباب رضی اللہ عنہ کی روایت مکی دور کی نمازوں سے متعلق ہے اور مدنی ابراد والی روایات سے یہ روایت موقوف ہوگئی ہے۔ نیز زمین گرم رہنا نماز کے جلدی پڑھانے کی علامت نہیں ہے بلکہ گرم ممالک میں شام تک زمین گرم رہتی ہے۔

شوافع نے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی روایت اور اسی طرح ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی روایت سے جو استدلال کیا ہے یہ تعجیل موسم سرما پر محمول ہے کہ سردیوں میں جلدی نماز پڑھائی ہے جو خود احادیث میں مذکور ہے باقی حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی روایت میں جو لفظ **الھاجرۃ** آیا ہے تو یہ اول وقت کے ساتھ خاص نہیں ہے بلکہ ہاجرہ ظہر سے لے کر عصر تک پورے وقت پر بولا گیا ہے۔

صلوٰۃ عصر کا وقت

زیر بحث حدیث میں "**وصلی العصر...... والشمس حیة**" کے الفاظ آئے ہیں بعض روایات میں **والشمس مرتفعة** کے الفاظ آئے ہیں ان روایات سے تعجیل عصر کا اندازہ ہوتا ہے اور بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ عصر میں تاخیر ہوتی تھی روایات کے اس اختلاف کی وجہ سے نماز عصر کے مستحب وقت میں فقہاء کرام کا اختلاف ہوگیا۔

فقہاء کا اختلاف:

تینوں ائمہ عصر کی تعجیل کو مستحب کہتے ہیں ائمہ احناف کے نزدیک عصر کی نماز میں تاخیر مستحب ہے لیکن اتنی تاخیر جائز نہیں ہے کہ سورج میں اصفرار اور تغیر آجائے بلکہ وقت مستحب ہی کے اندر کچھ تاخیر مستحب ہے۔

دلائل:

ائمہ ثلاثہ کی پہلی دلیل تو یہی زیر بحث حدیث ہے جس میں مذکور ہے کہ عصر کے بعد ہم میں سے ایک آدمی مدینہ سے باہر اطراف میں اپنے گھر جاتا تھا اور سورج اب تک تازہ یعنی بلندی پر ہوتا تھا معلوم ہوا کہ عصر کی نماز جلدی ہوتی تھی۔

ائمہ ثلاثہ کی دوسری دلیل مشکوٰۃ ص ۶۰ پر حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت نمبر ۶ ہے کہ عصر کی نماز کے بعد ایک جانے والا عوالی مدینہ جاتا تھا اور سورج اب تک بلندی پر ہوتا تھا اور بعض عوالی مدینہ سے چار میل کے فاصلہ پر ہے۔

ائمہ ثلاثہ نے رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ کی روایت سے بھی استدلال کیا ہے یہ حدیث مشکوٰۃ ص ۶۱ پر حدیث نمبر ۲۹ ہے جس میں آپ فرماتے ہیں کہ ہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ عصر کی نماز پڑھتے اور اس کے بعد اونٹ ذبح کر کے دس حصوں میں تقسیم کرتے تھے پھر گوشت پکاتے تھے اور پکا ہوا گوشت کھاتے تھے اور اب تک سورج غروب نہیں ہوتا تھا۔

جمہور فرماتے ہیں کہ ان روایات سے واضح طور پر معلوم ہوتا ہے کہ عصر کی نماز جلدی پڑھائی جاتی تھی لہذا جلدی پڑھنا افضل ہے۔

احناف کی دلیل ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی روایت ہے جو مشکوٰۃ ص ۶۶ پر حدیث نمبر ۳۳ ہے۔ جس کے الفاظ اس طرح ہیں۔

"**قالت کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اشد تعجیلا للظھر منکم وانتم اشد تعجیلا للعصر منه**"

(رواہ احمد والترمذی)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد لوگوں نے عصر میں تعجیل شروع کی تھی جس پر ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ناراضگی کا اظہار فرما رہی ہیں۔

احناف کی دوسری دلیل علی بن شیبان رضی اللہ عنہ کی روایت ہے جو ابوداؤد (ج ۱ ص ۵۹) پر موجود ہے الفاظ یہ ہیں۔

"عن علی بن شیبان قال قدمنا علی رسول الله ﷺ المدینة فکان یؤخر العصر مادامت الشمس بیضاء نقیة"

احناف کی تیسری دلیل حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ کی روایت ہے جس کو دار قطنی اور احمد و طبرانی نے نقل کیا ہے۔ الفاظ یہ ہیں۔

"عن رافع بن خدیج ان رسول الله ﷺ کان یامرنا بتاخیر العصر" (کذا فی معارف السنن)

احناف کی چوتھی دلیل حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا عمل ہے عبدالرحمن بن یزید فرماتے ہیں کہ وہ عصر کی نماز تاخیر سے پڑھتے تھے۔ (کذا فی مصنف ابن ابی شیبة)

ان تمام روایات سے احناف نے یہ تعلیم اخذ کی ہے کہ عصر میں قدرے تاخیر مستحب ہے بشرطیکہ وقت مستحب موجود ہو۔

جواب: ائمہ ثلاثہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ وغیرہ کی جن روایتوں سے استدلال کیا ہے جس میں مدینہ منورہ سے باہر جانے اور چار میل کا فاصلہ طے کرنے اور سورج کے موجود رہنے کا ذکر ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ عوالی مدینہ مختلف قسم پر تھے بعض آٹھ میل کے فاصلے پر تھے بعض چار میل کے اور بعض تین میل کے فاصلے پر تھے اور حدیث میں تعین نہیں کیا گیا کہ کونسے عوالی مراد ہیں۔ نیز چلنے والے کا پتہ بھی نہیں لگتا کہ پیدل ہوتا تھا یا سواری پر جاتا تھا نیز یہ بھی معلوم نہیں کہ جوان آدمی ہوتا تھا یا بوڑھا ہوتا تھا اسی طرح یہ بھی علماء لکھتے ہیں کہ عصر کے بعد چار یا آٹھ میل کا سفر کرنا جفاکش عرب کے لئے کچھ بھی مشکل نہیں تھا آج کل بھی احناف کے مسلک کے مطابق عصر کی نماز کے بعد لوگ اتنا فاصلہ آسانی سے طے کرتے ہیں اور سورج باقی رہتا ہے۔

فتح الملہم میں علامہ شبیر احمد عثمانی لکھتے ہیں کہ دیوبند میں ایک مدرس تھے جمعرات کو جب چھٹی ہوتی تو وہ احناف کے وقت کے مطابق عصر کی نماز جماعت کے ساتھ پڑھ کر پیدل منگلور جاتے اور صلوٰۃ مغرب وہاں جاکر پڑھتے تھے دیوبند سے منگلور ۱۲ میل کے فاصلہ پر ہے۔

ائمہ ثلاثہ رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ کی جس روایت سے استدلال کرتے ہیں۔

اس کا جواب احناف یہ دیتے ہیں کہ عرب اونٹ کے ذبح کرنے اور گوشت بنانے کے ماہر تھے اگر دس ماہر آدمی اونٹ کو ذبح کرکے گوشت تقسیم کریں اور نرم نرم گوشت فوراً پکالیں اور کھالیں تو یہ کام بہت جلدی ہوسکتا ہے یہ عصر کی تعجیل کی دلیل نہیں ہے بلکہ یہ کام تو عصر کے بعد بھی ہوسکتا ہے یا اس قسم کی روایتوں کو موسم گرما پر حمل کردیا جائے گا اس میں وسعت ہوتی ہے۔

بہر حال صحابہ کرام نے عصر کی نماز کے بعد وقت کے اندازے بتائے ہیں جس سے تعجیل عصر سمجھا جاتا ہے کوئی تعین نہیں کیا ہے لہٰذا وقت مستحب میں اگر کوئی تاخیر ہوجائے تو احناف کا یہ مسلک نہایت مناسب ہے اور احادیث سے اس پر استدلال کیا جاسکتا ہے آج کل غیر مقلد حضرات اور حجاز مقدس میں عصر کی نماز اتنی جلدی ہوتی ہے کہ اس کے

بعد لوگ کاروبار شروع کرتے ہیں حالانکہ عصر کا لغوی معنی نچوڑ ہے تو یہ وقت دن کا نچوڑ ہونا چاہئے نہ یہ کہ آدھا دن عصر کے بعد آجائے اور ظہر کے بعد تھوڑا سا وقت رہ جائے بہر حال انصاف کا تقاضا یہ ہے کہ نہ زیادہ دیر کیا جائے اور نہ اتنی جلدی کی جائے۔

عشاء کا مستحب وقت

"وكان يستحب ان يؤخر العشاء" امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ اور اسحاق بن راھویہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک عشاء کا مستحب وقت ثلث اللیل تک ہے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک عشاء میں تعجیل افضل ہے شوافع اور مالکیہ کی دلیل نعمان بن بشیر کی روایت ہے جس کے الفاظ یہ ہیں۔

"كان رسول الله ﷺ يصليها اى العشاء لسقوط القمر لثالثة" (مشکوٰۃ ص ۶۱)

یہ حضرات فرماتے ہیں کہ تیسری رات کا چاند جلدی غائب ہو جاتا ہے معلوم ہوا جلدی پڑھنا افضل ہے۔

شوافع کی دوسری دلیل وہی عام روایات ہیں جن میں اول وقت میں نماز پڑھنے کو افضل کہا گیا ہے۔

احناف اور جمہور کی پہلی حدیث تو یہی زیر بحث حدیث ہے جس میں تاخیر کو مستحب کہا گیا ہے اور یہ واضح دلیل ہے جمہور کی دوسری دلیل مشکوٰۃ کے صفحہ ۶۱ پر حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے جس میں یہ الفاظ آئے ہیں۔

لولا ان اشق على امتي لامرتهم ان يؤخر العشاء الى ثلث الليل۔ (رواہ احمد وابو داؤد)

ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ دوسری رات کا چاند غروب شفق کے قریب غائب ہو جاتا ہے لیکن تیسری رات کا چاند کافی دیر کے بعد غروب ہوتا ہے تو ان حضرات کا استدلال تام نہیں ہے۔ باقی اول وقت کی فضیلت کی جتنی بھی روایات ہیں ان سب کا ایک ہی جواب ہے کہ اول وقت سے مراد وہ وقت ہے جو افضل اور مستحب وقت ہو اور وہ وہی ہے جو ہم کہتے ہیں۔

فائدہ: نمازوں کے مستحب اوقات کے تعین میں جن فقہاء کے درمیان اختلاف ہیں وہ سب اولیٰ اور غیر اولیٰ میں اختلافات ہیں جواز اور عدم جواز میں نہیں ہیں۔ لہٰذا ان اختلافات کو وجہ تنازع نہیں بنانا چاہئے۔

احناف نے تکثیر جماعت کے پیش نظر تاخیر عشاء کو افضل فرمایا ہے جو آئندہ حدیث میں بھی مذکور ہے لہٰذا اول وقت میں نماز پڑھنے کی فضیلت کا احناف انکار نہیں کرتے ہیں۔

"لايحب النوم" یعنی عشاء کی نماز سے پہلے سونے کو ناپسند فرماتے تھے اس لئے کہ نماز کے فوت ہو جانے کا خطرہ ہے اکثر علماء نے اس کو مکروہ لکھا ہے بعض حضرات نے اس کو جائز کہا ہے چنانچہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ عشاء کی نماز سے پہلے سو جاتے تھے۔

علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اگر کسی پر نیند کا غلبہ ہو اور نماز فوت ہونے کا خطرہ نہ ہو تو سونا مکروہ نہیں ہے۔ عشاء کے بعد فضول باتیں کرنا مکروہ ہے ہاں علمی اور دینی باتیں جائز ہیں پہلے تفصیل گذر چکی ہے۔

تکثیر جماعت مطلوب شرعی ہے

﴿۲﴾ وعن مُحَمَّدِ بْنِ عَمْرِو بْنِ الْحَسَنِ بْنِ عَلِيٍّ قَالَ سَأَلْنَا جَابِرَ بْنَ عَبْدِ اللهِ عَنْ صَلَاةِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ كَانَ يُصَلِّي الظُّهْرَ بِالْهَاجِرَةِ وَالْعَصْرَ وَالشَّمْسُ حَيَّةٌ وَالْمَغْرِبَ إِذَا وَجَبَتْ وَالْعِشَاءَ إِذَا كَثُرَ النَّاسُ عَجَّلَ وَإِذَا قَلُّوا أَخَّرَ وَالصُّبْحَ بِغَلَسٍ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)[1]

ترجمہ: اور حضرت محمد بن عمرو بن حسن بن علی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ہم نے حضرت جابر بن عبداللہ سے نبی کریم ﷺ کے بارے میں پوچھا تو انھوں نے کہا کہ آنحضرت ﷺ ظہر کی نماز دوپہر ڈھلے پڑھتے تھے اور عصر کی نماز ایسے وقت پڑھتے تھے کہ سورج زندہ (روشن) ہوتا تھا اور مغرب کی نماز آفتاب غروب ہونے کے بعد پڑھتے تھے اور عشاء کی نماز میں جب لوگ زیادہ آجاتے تو جلدی پڑھ لیتے تھے اور جب لوگ کم ہوتے تھے تو تاخیر کر کے پڑھتے تھے اور صبح کی نماز اندھیرے میں پڑھتے تھے۔
(بخاری، مسلم)

توضیح: "اذا قلوا اخر" حدیث کے اس جملہ سے ایک ضابطہ سمجھ میں آگیا وہ یہ کہ تکثیر جماعت شریعت کی نظر میں بہت اہم چیز ہے لہٰذا نمازوں کے اوقات میں اس کا خاص خیال رکھنا چاہئے اس ضابطہ سے احناف کے مسلک کو ہر جگہ فائدہ ہوگا۔

﴿۳﴾ عن أَنَسٍ قَالَ كُنَّا إِذَا صَلَّيْنَا خَلْفَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالظَّهَائِرِ سَجَدْنَا عَلَى ثِيَابِنَا اِتِّقَاءَ الْحَرِّ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ وَلَفْظُهُ لِلْبُخَارِيِّ)[2]

ترجمہ: اور حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم نبی کریم ﷺ کے پیچھے ظہر کی نماز پڑھتے ہوئے گرمی سے بچنے کے لئے اپنے کپڑوں پر سجدہ کر لیا کرتے تھے۔ (بخاری، مسلم)

توضیح: "بالظهائر" یہ لفظ ظہیرۃ کی جمع ہے یہ دوپہر پر بولا جاتا ہے لیکن یہاں ظہر مراد ہے ہر روز کے ظہر کے پیش نظر اس کو جمع لایا گیا ہے۔

"سجدنا علی ثیابنا" یعنی گرمی سے بچنے کے لئے کہ پیشانی جل نہ جائے ہم اپنے کپڑوں پر سجدہ کیا کرتے تھے۔

[1] اخرجه البخاری: ۱/۱۴۷ ومسلم: ۲/۱۱۹ [2] اخرجه البخاری: ۱/۱۰۷ ومسلم: ۲/۱۰۹

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہاں کپڑے سے وہ کپڑا مراد ہے جو پہنا ہوا نہ ہو بلکہ الگ کپڑا ہو کیونکہ پہنے ہوئے کپڑے کے کسی حصہ پر سجدہ جائز نہیں ہے۔

احناف فرماتے ہیں کہ پہنے ہوئے متصل کپڑے کے کسی حصہ پر سجدہ کرنا جائز ہے اور حدیث میں وہی بدن پر پہنے ہوئے کپڑے پر سجدہ کی بات ہو رہی ہے کیونکہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے پاس پہننے کے لئے کپڑا مشکل سے ملتا تھا لہٰذا ان کے پاس الگ کپڑے کا تصور نہیں ہوتا تھا۔[1]

زمین پر سورج کے کیا اثرات پڑتے ہیں؟

﴿٤﴾ وعن أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا اشْتَدَّ الْحَرُّ فَأَبْرِدُوْا بِالصَّلَاةِ وَفِيْ رِوَايَةٍ لِلْبُخَارِيِّ عَنْ أَبِيْ سَعِيْدٍ بِالظُّهْرِ فَإِنَّ شِدَّةَ الْحَرِّ مِنْ فَيْحِ جَهَنَّمَ وَاشْتَكَتِ النَّارُ إِلَى رَبِّهَا فَقَالَتْ رَبِّ أَكَلَ بَعْضِيْ بَعْضاً فَأَذِنَ لَهَا بِنَفَسَيْنِ نَفَسٍ فِي الشِّتَاءِ وَنَفَسٍ فِي الصَّيْفِ أَشَدُّ مَا تَجِدُوْنَ مِنَ الْحَرِّ وَأَشَدُّ مَا تَجِدُوْنَ مِنَ الزَّمْهَرِيْرِ. مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ. وَفِيْ رِوَايَةٍ لِلْبُخَارِيِّ فَأَشَدُّ مَا تَجِدُوْنَ مِنَ الْحَرِّ فَمِنْ سَمُوْمِهَا وَأَشَدُّ مَا تَجِدُوْنَ مِنَ الْبَرْدِ فَمِنْ زَمْهَرِيْرِهَا.[2]

ترجمہ: اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب گرمی کی شدت ہو تو نماز کو ٹھنڈے وقت میں پڑھا کرو۔ اور بخاری کی ایک حدیث میں ابو سعید سے منقول ہے کہ ظہر کی نماز ٹھنڈے وقت میں پڑھا کرو (یعنی ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں تو بالصلوٰۃ کا لفظ آیا ہے اور ابو سعید کی روایت میں بالظہر کا لفظ آیا ہے نیز اس روایت میں یہ الفاظ بھی ہیں کہ) کیونکہ گرمی کی شدت دوزخ کی بھاپ سے ہوتی ہے اور (دوزخ کی) آگ نے اپنے رب سے شکایۃً عرض کیا کہ میرے پروردگار میرے بعض شعلے بعض کو کھا لیتے ہیں چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اسے دو سانس لینے کی اجازت دے دی ہے اب وہ ایک سانس جاڑے میں لیتی ہے اور ایک سانس گرمی میں۔ گرمی میں جس وقت تمہیں زیادہ گرمی معلوم ہوتی ہے اور جاڑے میں جس وقت تمہیں زیادہ سردی معلوم ہوتی ہے (تو اس کا سبب یہی ہوتا ہے کہ وہ ایک سانس گرمی میں اور ایک سانس سردی میں لیتی ہے)۔

(بخاری، مسلم)

توضیح: "من فیح جھنم" فیح بھاپ اور بھڑاس کو کہتے ہیں سورج میں قوت جاذبہ اور مقناطیسی کشش ہے اس لئے وہ حرارت کو اپنی طرف جذب کر کے جمع کرتا ہے تو سورج کا جو طبقہ جہنم کے قریب ہے وہ طبقہ جہنم سے حرارت کو زیادہ مقدار میں جذب کرتا ہے پھر یہ حصہ جن علاقوں کے قریب ہوتا ہے ان علاقوں پر زیادہ گرمی پڑتی ہے اور سورج کا جو طبقہ جہنم سے زیادہ دور ہوتا ہے اس میں حرارت کم ہوتی ہے پھر یہ حصہ جن علاقوں کے قریب ہوتا ہے ان علاقوں میں سردی

[1] المرقات: ۲/۲۹۸ [2] اخرجه البخاری: ۱/۱۴۲ ومسلم:

زیادہ ہوتی ہے یہی وجہ ہے کہ جو ممالک خط استوا میں واقع ہیں وہاں گرمی زیادہ ہوتی ہے سورج کی شعاعوں کا جہاں کسی چیز سے ٹکراؤ نہیں ہوتا وہاں اس کی حرارت کا ظہور نہیں ہوتا ہے۔ جیسے فضاؤں میں گرمی کا احساس نہیں ہوتا اور جہاں تنگ مقامات پر سورج کی شعاعیں پڑتی ہیں وہاں حرارت کا ظہور زیادہ ہوتا ہے زمین سے سورج کا فاصلہ نو کروڑ تیس لاکھ میل بتایا جاتا ہے۔

بہرحال بخاری کی روایت میں یہ مضمون آیا ہے کہ جس وقت تم گرمی کی شدت سورج کی دھوپ میں محسوس کرتے ہو تو اس کا سبب دوزخ کا گرم سانس ہوتا ہے اور جس وقت تم سردی کا احساس کرتے ہو تو یہ دوزخ کا ٹھنڈا سانس ہوتا ہے۔

سال بھر میں دوزخ دو سانس لیتی ہے

"**اشتکت النار**" دوزخ نے اللہ تعالیٰ کے سامنے یہ شکایت کی کہ میرے بعض شعلوں نے بعض کو کھالیا مطلب یہ کہ آگ کی کثرت اور اس کی حرارت اتنی شدید اور تیز ہے کہ یہ شعلے ایک دوسرے میں مختلط ہو کر ایک دوسرے کو فنا کرنے پر اتر آتے ہیں چنانچہ پروردگار نے اسے دو سانس لینے کی اجازت دیدی ایک سانس باہر کی طرف نکل کر جاتا ہے تو اندر کی گرمی دنیا میں پھیل جاتی ہے اور جب سانس اندر کی طرف چلا جاتا ہے تو باہر کی دنیا میں سردی پھیل جاتی ہے۔

سوال: یہاں یہ اشکال پیدا ہوتا ہے کہ یہ بات اپنی جگہ پر ثابت ہو چکی ہے کہ گرمی کی شدت وقلت زمین کی حرکت، عرض البلد اور آفتاب کی وجہ سے ہے تو یہاں یہ کیسے کہا گیا کہ یہ دوزخ کی بھاپ کی وجہ سے ہے۔

جواب: اس کا جواب یہ ہے کہ ایک نظام اسباب ظاہرہ کا ہے اور ایک نظام اسباب باطنہ اور غیر ظاہرہ کا ہے لوگوں کی نظر تو صرف اسباب ظاہرہ پر ہوتی ہے لیکن شریعت کی نظر اسباب ظاہرہ کے ساتھ اسباب باطنہ پر بھی لگی رہتی ہے تو یہاں شریعت نے آفتاب کی تمازت کی وہ مخفی علت اور پوشیدہ سبب کا ذکر کیا ہے جو دوزخ کی بھاپ اور حرارت ہے۔

باقی دوزخ کی شکایت اپنے زبان حال کے مطابق ہوگی جس انداز سے تعبیر ہوگی وہی اس کی زبان ہے ابراد کا یہ حکم کئی احادیث میں آیا ہے اور صحابہ کرام نے اس پر عمل کیا ہے۔

امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اگر کوئی شخص بہت دور سے مسجد میں آتا ہے اور راستے میں شدید گرمی ہو تو ایسے شخص کے لئے ابراد میں نماز پڑھنا اور تاخیر کرنا جائز ہے اور جو لوگ قریب مسجدوں میں نماز پڑھتے ہوں یا تنہا پڑھتے ہوں تو ان کے لئے تاخیر کرنے کی اجازت نہیں ہے۔[1]

امام ترمذی نے ابراد کی احادیث اور گرمی میں تاخیر سے ظہر پڑھنے کو افضل اور اولیٰ کہا ہے۔

﴿۵﴾ وعن أَنَسٍ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّي الْعَصْرَ وَالشَّمْسُ مُرْتَفِعَةٌ حَيَّةٌ فَيَذْهَبُ الذَّاهِبُ إِلَى الْعَوَالِي فَيَأْتِيْهِمْ وَالشَّمْسُ مُرْتَفِعَةٌ وَبَعْضُ الْعَوَالِي مِنَ الْمَدِيْنَةِ عَلَى

[1] اشعة اللمعات: ۳۱۳

أَرْبَعَةِ أَمْيَالٍ أَوْ نَحْوِهِ. (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

ترجمہ: اور حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ عصر کی نماز ایسے وقت پڑھتے تھے کہ سورج اونچا اور زندہ (یعنی روشن) ہوتا تھا اور کوئی جانے والا عوالی جاکر واپس آجایا کرتا تھا اور سورج اونچا ہی رہتا تھا اور بعض عوالی مدینہ سے چار میل یا تقریباً چار میل سے زیادہ کے فاصلہ پر ہیں۔ (بخاری، مسلم)

توضیح: "العوالی" عوالی یہ عالیۃ کی جمع ہے مسجد قباء کی طرف شہر مدینہ سے باہر جو بلند بستیاں ہیں اسی کو عوالی کہا جاتا ہے مسجد بنو قریظہ کا علاقہ بھی عوالی میں داخل ہے۔

"**وبعض العوالی**" شیخ عبدالحق رحمہ اللہ نے لمعات میں لکھا ہے کہ یہ کلام کسی راوی کی طرف سے مدرج ہے۔[1]

"**او نحوہ**" اس میں مذکر کی ضمیر مقدار کی طرف لوٹتی ہے اس لئے مذکر لایا گیا ہے۔ اس حدیث سے بیشک یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ عصر کی نماز جلدی پڑھائی گئی ہے لیکن اس سے اتنی جلدی معلوم نہیں ہوتی ہے جو غیر مقلدین اور شوافع حضرات عصر کی نماز میں کرتے ہیں ان کی عصر تو ربع النہار پر ہوتی ہے اور یہاں حدیث میں اجمال ہے نہ معلوم عوالی جانے والا شخص پیدل ہوتا تھا یا سواری پر ہوتا تھا یا کمزور تھا یا قوی ہوتا تھا چست آدمی تھا یا سست ہوتا تھا اور یہ بھی معلوم نہیں کہ یہ شخص عوالی کی کس جانب چلا جاتا تھا آیا دو میل والی جانب تھی یا تین چار یا آٹھ میل والی طرف تھی۔

جلدی جلدی چار ٹھونگیں مار کر نماز پڑھنا منافق کا کام ہے

﴿۶﴾ وعنه قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تِلْكَ صَلَاةُ الْمُنَافِقِ يَجْلِسُ يَرْقُبُ الشَّمْسَ حَتّٰى إِذَا اصْفَرَّتْ وَكَانَتْ بَيْنَ قَرْنَيِ الشَّيْطَانِ قَامَ فَنَقَرَ أَرْبَعاً لَا يَذْكُرُ اللهَ فِيْهَا إِلَّا قَلِيْلاً. (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)[2]

ترجمہ: اور حضرت انس رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا یہ (عصر کی نماز جو آخر وقت میں پڑھی جاتی ہے) منافق کی نماز ہے کہ وہ بیٹھا ہوا سورج کو دیکھتا رہتا ہے جب سورج زرد ہو کر شیطان کے دو سینگوں کے درمیان (یعنی چھپنے کے قریب) ہو جاتا ہے تو جلدی سے اٹھ کر چار ٹھونگیں مار لیتا ہے اور اللہ کا ذکر بھی اس نماز میں قدرے قلیل ہی کرتا ہے۔ (مسلم)

توضیح: "تلك" یہ اشارہ ذھنیہ ہے اور اس سے عصر کی وہ نماز مراد ہے جس میں وقت مکروہ تک بغیر کسی شرعی عذر کے تاخیر کی گئی ہو "المنافق" اس سے یا تو حقیقی منافق مراد ہے تو یہ انکی نماز کا نقشہ پیش کیا گیا ہے کیونکہ وہ اللہ کی رضا کے لئے تو پڑھتا نہیں صرف دکھاوے کے لئے پڑھتا ہے اس لئے اس میں تعدیل ارکان اور وقت مستحب کا لحاظ نہیں کیا جاتا اسی طرح اس میں ذکر اللہ بہت کم ہوتا ہے۔[3]

[1] قال الشیخ فی اللمعات: واین قول زھری است کہ راوی از انس است: ۳۱۴

[2] اخرجہ: ۲/۱۱۰ [3] اشعۃ اللمعات: ۳۱۴ ومرقات: ۲/۳۰۰

گویا منافق کی نماز ظاہری ارکان کے اعتبار سے بھی ناقص ہے اور باطنی اذکار کے لحاظ سے بھی ناقص ہے منافقین کے بارے میں قرآن کا اعلان ہے ﴿لا یذکرون اللہ الا قلیلا﴾ "فنقر اربعا" ٹھونگیں مارے گا مطلب یہ ہے کہ منافق دکھاوے کے لئے جلدی جلدی نماز پڑھتا ہے اور سرعت کے ساتھ زمین پر سجدے لگاتا ہے گویا مرغ کی طرح دانہ چگتا ہے۔[1]

سوال: یہاں یہ سوال آتا ہے کہ چار رکعات میں آٹھ سجدے ہوتے ہیں یہاں چار سجدوں کا ذکر کیوں کیا ہے؟۔

جواب: اس کا جواب یہ ہے کہ جب اس منافق نے پہلے سجدہ سے اچھی طرح سر نہیں اٹھایا تو گویا ایک سجدہ کیا تو چار رکعات میں چار ٹھونگیں ماردیں یا یہ سفر کی نماز کی بات تھی جس میں دو رکعتیں ہوتی ہیں یا یہ اس وقت کی بات تھی جب نماز عصر دو ہی رکعت تھی پہلا جواب واضح اور راجح ہے باقی عصر کی نماز کی تخصیص اس لئے کی گئی ہے کہ یہ نماز نہایت ہی اہم ہے اور یہ "صلوٰۃ وسطی" ہے جس کی بڑی فضیلت اور شان ہے جو شخص اس میں کوتاہی کرتا ہے وہ نہایت ہی قبیح حرکت کرتا ہے اگرچہ دوسری نمازوں میں بھی اس طرح جلد بازی کرنا برا ہے۔

شیخ عبدالحق رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ منافق سے اس حدیث میں حقیقی منافق کے بجائے عملی منافق بھی مراد لیا جاسکتا ہے۔ جب مراد عملی منافق ہوا تو پھر اس شخص کو منافق کی صفت پر نماز پڑھنے والا قرار دیا جائے گا۔ علامہ مظہر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جس شخص نے عصر کی نماز کو اصفرار شمس تک مؤخر کیا گویا اس نے اپنے آپ کو منافق ظاہر کیا اس لئے مسلمانوں پر لازم ہے کہ وہ اپنے آپ کو منافق کی مشابہت سے بچائیں، افغانستان اور کوئٹہ کے مسلمان اس حکم میں بہت ہی کوتاہی کرتے ہیں علماء پر لازم ہے کہ وہ اس کی خوب تبلیغ کریں۔[2]

جس نے نماز چھوڑی اس کا گھر اجڑ گیا

﴿۷﴾ وعن ابنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلَّذِيْ تَفُوْتُهُ صَلَاةُ الْعَصْرِ فَكَأَنَّمَا وُتِرَ أَهْلُهُ وَمَالُهُ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)[3]

ترجمہ: اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص کی عصر کی نماز قضاء ہوگئی تو گویا اس کا مال اور اس کے اہل وعیال سب لٹ گئے۔ (بخاری، مسلم)

توضیح: "وتر اهله" وتر ہلاکت اور زبردست نقصان کو کہتے ہیں۔ یہ مادہ ضرب یضرب سے آتا ہے حدیث کا مطلب یہ ہوا کہ سستی کی وجہ سے جس شخص کی عصر کی نماز فوت ہوگئی تو یہ اتنا بڑا حادثہ اور اتنی بڑی مصیبت ہے گویا اس کے گھر کے سارے اہل وعیال اور پورا مال تباہ ہوگیا تو جس طرح ہر شخص اہل وعیال اور مال ومتاع کے اتنے بڑے حادثہ سے ہر وقت اپنے آپ کو بچائے رکھتا ہے اسے چاہئے کہ وہ نماز کے قضاء ہونے سے بھی ہر وقت ڈرتا رہے یہاں بھی عصر کی

[1] لا یذکرون اللہ الا قلیلا　[2] اشعۃ اللمعات: ۳۱۴　[3] اخرجہ البخاری: ۱/۱۴۵ ومسلم: ۲/۱۱۱

تخصیص کی وجہ اس کی مزید فضیلت ہے ورنہ یہ حکم تمام نمازوں کے متعلق ہے چنانچہ بعض روایات میں مطلق الفاظ آئے ہیں "من ترك صلوٰة مكتوبة حتى تفوته" یا جیسے "من فاته الصلوٰة فكانما وتر اهله" (کذا فی اللمعات) اس سے معلوم ہوا کہ یہ وعید تمام نمازوں کے بارے میں ہے یہ ہلاکت تین مرحلوں میں ہوسکتی ہے اگر وقت کی پوری نماز چھوڑ دی تو یہ کامل اور مکمل ہلاکت ہے اور اگر وقت مکروہ میں پڑھی تو یہ دوسرے نمبر کی ہلاکت ہے اور اگر جماعت ترک کردی تو یہ تیسرے درجے کی ہلاکت ہے تینوں ہلاکتوں میں سے تارک نماز کسی نہ کسی میں داخل ہوگا۔[1]

﴿۸﴾ وعن بُرَيْدَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ تَرَكَ صَلَاةَ الْعَصْرِ فَقَدْ حَبِطَ عَمَلُهُ۔[2] (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)

ترجمہ: اور حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا جس شخص نے عصر کی نماز چھوڑ دی (گویا) اس کے تمام (نیک) اعمال برباد ہو گئے۔ (بخاری)

توضیح: "فقد حبط عمله" حبط سمع اور ضرب دونوں سے آتا ہے عمل کے باطل ہونے اور ضائع ہوجانے کو کہتے ہیں یہاں یہ حکم تغلیظ وتشدید اور زجر وتوبیخ پر مبنی ہے۔ اس لئے کہ مسلمان کا سارا عمل مرتد ہوجانے سے باطل ہوجاتا ہے کسی کبیرہ گناہ سے ایسا نہیں ہوتا ہے اہل سنت کا یہی مسلک ہے ہاں خوارج ومعتزلہ کے نزدیک کبیرہ گناہ کے ارتکاب سے آدمی کی تمام نیکیاں ضائع ہوجاتی ہیں۔ اس حدیث سے خوارج اور معتزلہ نے اپنے مسلک کے لئے استدلال بھی کیا ہے اہل سنت اس کو تغلیظ وتشدید پر حمل کرتے ہیں تاکہ دیگر نصوص سے تعارض نہ ہو یا اسی دن کے اعمال مراد ہیں جس دن کی نماز عصر چھوڑ دی ہے اور اگر ترک صلوٰۃ انکار واستحقاق کی وجہ سے ہو تو یہ شخص مرتد ہوگیا اور اس کے سارے اعمال اکارت ہوگئے۔[3]

﴿۹﴾ وعن رَافِعِ بْنِ خَدِيْجٍ قَالَ كُنَّا نُصَلِّي الْمَغْرِبَ مَعَ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَيَنْصَرِفُ أَحَدُنَا وَإِنَّهُ لَيُبْصِرُ مَوَاقِعَ نَبْلِهِ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)[4]

ترجمہ: اور حضرت رافع بن خدیج فرماتے ہیں کہ ہم نبی کریم ﷺ کے ساتھ مغرب کی نماز (ایسے وقت) پڑھتے تھے کہ نماز سے فارغ ہونے کے بعد کوئی اپنے تیر کے گرنے کی جگہ دیکھ سکتا تھا۔ (بخاری، مسلم)

توضیح: "مواقع نبله" یعنی مغرب کی نماز سے فارغ ہوکر جب ہم باہر نکل آتے اور کوئی شخص کسی طرف تیر مارتا تو تیر جہاں جاکر لگتا وہ جگہ روشنی کی وجہ سے نظر آتی تھی تمام ائمہ اس پر متفق ہیں کہ مغرب کی نماز اول وقت میں پڑھنا مستحب ہے البتہ احناف کے نزدیک مغرب کا وقت **مُوَسَّعْ** ہے۔ شوافع کے ہاں مغرب کا وقت **مُضَيَّق** ہے تفصیل گذر چکی ہے۔[5]

[1] اشعة اللمعات: ۳۱۴ مرقات: ۲/۳۰۱ [2] اخرجه البخاري: ۱/۱۴۵، ۱/۱۵۴ [3] مرقات: ۲/۳۰۲ لمعات: ۳۱۵ الكاشف: ۲/۲۰۰
[4] اخرجه البخاري: ۱/۱۴۷ ومسلم: ۲/۱۱۵ [5] مرقات: ۲/۳۰۲ الكاشف: ۲/۲۰۱

﴿۱۰﴾ وعن عَائِشَةَ قَالَتْ كَانُوا يُصَلُّونَ الْعَتَمَةَ فِيمَا بَيْنَ أَنْ يَغِيبَ الشَّفَقُ إِلَى ثُلُثِ اللَّيْلِ الْأَوَّلِ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ۔[1]

ترجمہ: اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم عشاء کی نماز شفق کے غائب ہونے کے بعد سے اول تہائی رات تک پڑھتے تھے۔ (بخاری، مسلم)

توضیح: "العتمة" اسلام سے پہلے جاہلیت میں عشاء کو عرب عتمہ کہتے تھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس لفظ سے منع فرمایا حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے یہ نام شاید اس لئے ذکر کیا ہے کہ آپ کو اب تک معلوم نہ ہوا ہوگا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا ہے۔ حدیث کا مطلب یہ ہوا کہ ابتدائی شفق کے غروب ہوتے ہی عشاء کا وقت ہو جاتا ہے اور ثلث اللیل تک مستحب وقت ہے نصف اللیل تک وقت جواز ہے اور پھر صبح صادق تک تاخیر کرنا جائز مع الکراہت ہے۔[2]

﴿۱۱﴾ وعنها قَالَتْ كَانَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيُصَلِّي الصُّبْحَ فَتَنْصَرِفُ النِّسَاءُ مُتَلَفِّعَاتٍ بِمُرُوطِهِنَّ مَا يُعْرَفْنَ مِنَ الْغَلَسِ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)[3]

ترجمہ: اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ (جب) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم صبح کی نماز پڑھ کر فارغ ہوتے تھے تو (وہ) عورتیں (جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ نماز پڑھتی تھیں) چادروں میں لپٹی ہوئی واپس چلی جاتی تھیں اور اندھیرے کی وجہ سے انہیں کوئی شناخت نہیں کر سکتا تھا۔ (بخاری)

توضیح: "متلفعات" تلفع جسم اور چہرہ کو چادر وغیرہ سے لپیٹنے کے معنی میں ہے۔[4]

"بمروطهن" مروط مرط کی جمع ہے اونی یا ریشمی چادر کو کہتے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ اگر یہ عورتیں ان چادروں میں لپٹی ہوئی نہ ہوتیں تو اس اندھیرے میں بھی پہچانی جاتیں۔ اس طرح تلفع اس غلس کے لئے قید اور شرط بن جائے گی۔
(کذا فی اللمعات)

سوال: یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ حضرت ابو برزہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں آیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز سے فارغ ہو جاتے تو آدمی اپنے ساتھی کو پہچان لیتا تھا اور یہاں حدیث میں ہے کہ عورتیں نہیں پہچانی جاتی تھیں یہ تعارض ہے۔

جواب: اس کا جواب لمعات میں یہ دیا گیا ہے کہ ابو برزہ رضی اللہ عنہ کی حدیث کا تعلق قریب سے ہے کہ آدمی اپنے ساتھ اور اپنے پاس بیٹھنے والے کو پہچان لیتا تھا اور زیر بحث حدیث کا تعلق دور سے ہے کہ دور سے عورتیں نہیں پہچانی جاتیں تھیں تو کوئی تعارض نہیں ہے۔

﴿۱۲﴾ وعن قَتَادَةَ عَنْ أَنَسٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَزَيْدَ بْنَ ثَابِتٍ تَسَحَّرَا فَلَمَّا فَرَغَا مِنْ

[1] اخرجه البخاري: ۱/۱۴۸، ۱۴۹، ۲۱۸ ومسلم: ۱/۲۵۵ [2] مرقات: ۲/۲۰۲، ۲۰۳ اشعة اللمعات: ۳۱۵

[3] اخرجه البخاري: ۱/۱۰۳، ۱۵۱ ومسلم: ۲/۱۱۸ [4] مرقات: ۲/۲۰۳ اشعة اللمعات ۳۱۵ الکاشف: ۲/۲۰۲

سَحُوْرِهِمَا قَامَ نَبِيُّ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَى الصَّلَاةِ فَصَلَّى قُلْنَا لِأَنَسٍ كَمْ كَانَ بَيْنَ فَرَاغِهِمَا مِنْ سُحُوْرِهِمَا وَدُخُوْلِهِمَا فِي الصَّلَاةِ قَالَ قَدْرُ مَا يَقْرَءُ الرَّجُلُ خَمْسِيْنَ آيَةً. [۱] (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)

ترجمہ: اور حضرت قتادہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ اور حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ نے (روزہ رکھنے کے لئے) سحری کھائی۔ سحری سے فراغت کے بعد نبی کرم ﷺ نماز کے لئے کھڑے ہوئے اور نماز پڑھی (قتادہ رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ) ہم نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ ان دونوں کے سحری سے فارغ ہونے اور نماز شروع کرنے کے درمیان کتنے وقت کا وقفہ تھا حضرت انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اتنے وقت کا وقفہ تھا کہ ایک آدمی پچاس متوسط آیتیں پڑھ لے۔ (بخاری)

توضیح: "خمسین آیة" یعنی سحری سے فارغ ہو کر جب آنحضرت ﷺ صبح صادق تک نماز پڑھتے تو متوسط پچاس آیتوں کا وقفہ ہوتا تھا صاحب مشکوۃ اس حدیث سے بھی فجر کی نماز کو غلس میں پڑھنا ثابت کر رہے ہیں صاحب لمعات فرماتے ہیں کہ اس سے غلس کو ثابت نہیں کیا جا سکتا ہے کیونکہ یہ ایک اندازہ ہے اور آیتوں کے پڑھنے کا انداز مختلف ہو سکتا ہے پھر مسجد جانا اور فجر کی دو سنتیں پڑھنا اور آیتوں کا مختصر اور طویل ہونا یہ وہ احتمالات ہیں جن کی موجودگی میں اس وقت کی مقدار معلوم کرنا دشوار ہو جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ علامہ تورپشتی رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ یہاں وقت کا جو اندازہ بیان کیا گیا ہے اس پر عوام کو عمل کرنا جائز نہیں ہے کیونکہ آنحضرت ﷺ دینی احکامات میں کسی بھی غلطی سے محفوظ و مامون تھے اور دوسرے لوگ محفوظ نہیں ہیں۔ [۲]

بہت بُرے حکمران وہ ہیں جو نمازوں میں سستی کریں

﴿۱۳﴾ وعن أَبِي ذَرٍّ قَالَ قَالَ لِيْ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَيْفَ أَنْتَ إِذَا كَانَتْ عَلَيْكَ أُمَرَاءُ يُمِيْتُوْنَ الصَّلَاةَ أَوْ يُؤَخِّرُوْنَهَا عَنْ وَقْتِهَا قُلْتُ فَمَا تَأْمُرُنِيْ قَالَ صَلِّ الصَّلَاةَ لِوَقْتِهَا فَإِنْ أَدْرَكْتَهَا مَعَهُمْ فَصَلِّ فَإِنَّهَا لَكَ نَافِلَةٌ. [۳] (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

ترجمہ: اور حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ (ایک مرتبہ) نبی کریم ﷺ نے مجھ سے فرمایا کہ اس وقت تم کیا کرو گے جبکہ تمہارے امراء (حکام) وقت مختار سے ٹال کر یا وقت مختار سے تاخیر کر کے نماز پڑھیں گے۔ میں نے عرض کیا ایسے وقت کے لئے آپ مجھے کیا حکم دیتے ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا اس وقت تم اپنی نماز کو وقت پر پڑھ لو پھر اگر ان کے ساتھ بھی نماز مل جائے تو ان کے ساتھ بھی پڑھ لو یہ نماز تمہارے لئے نفل ہو جائے گی۔ (مسلم)

توضیح: "کیف انت" یعنی اس وقت تمہاری حالت کیا ہوگی اور تم کیا کرو گے؟ [۴]

---

[۱] اخرجه البخاری: ۱/۱۵۱، ۲/۶۳ [۲] اشعة اللمعات: ۳۱۶ مرقات: ۲/۳۰۲

[۳] اخرجه مسلم: ۲/۱۲۰، ۱۲۱ [۴] المرقات: ۲/۳۰۲ اشعة اللمعات: ۳۱۶

"**علیك الامراء**" یعنی تم پر جب ایسے حکمران مسلط ہوں اور حاکم ہوں جن کی تم مخالفت نہیں کرسکو گے۔[۱]
شارحین لکھتے ہیں کہ ان امراء سے مراد بنوامیہ کے بعض حکمران ہیں اور یہ پہلے حکمران ہیں جنہوں نے نماز کے واجبات وسنن اور تعدیل ارکان اور اوقات وغیرہ میں سستی شروع کی تھی۔ (کذا فی اللمعات) سفر السعادۃ میں لکھا ہے کہ سب سے پہلے جن لوگوں نے نماز کے قومہ اور جلسہ میں سستی شروع کی وہ بنوامیہ کے حکمران تھے۔ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کی وفات ۳۲ھ میں ہوئی تھی "**ویؤخرون الصلوۃ**" یعنی وہ لوگ نماز میں تاخیر کریں گے اگر تم ان کے ساتھ پڑھوگے تو نماز کے افضل وقت سے محروم ہوجاؤ گے اور اگر الگ پڑھوگے تو ان کی طرف سے ایذارسانی کا خوف بھی ہوگا اور جماعت سے محروم رہنے کا خطرہ بھی ہوگا یہ آنحضرت ﷺ کی پیشن گوئی تھی جو آیندہ آنے والے واقعات سے متعلق تھی اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ ابوذر لازمی طور پر ایسے حکمرانوں کو پائیں گے یہاں حدیث میں "**او**" کا لفظ شک کے لئے ہے راوی کو شک ہوا کہ آنحضرت ﷺ نے "**یمیتون**" کا لفظ استعمال فرمایا تھا یا "**یؤخرون**" کا لفظ تھا اور یہ بھی ممکن ہے کہ یہ "**او**" تنویع کے لئے ہو تو پہلے لفظ کا مطلب یہ ہوگا کہ نماز کو بالکل ماریں گے یعنی وقت جواز سے خارج وقت میں پڑھیں گے اور دوسرے لفظ کا مطلب یہ ہوگا کہ نماز میں تاخیر کریں گے۔[۲]

"**فما تامرنی**" حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کو اپنی نماز کی فکر ہوئی تو پوچھنے لگے کہ ہمیں کیا حکم ہے؟
آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ اپنی نماز الگ مستحب وقت میں پڑھا کرو اور پھر ان کے ساتھ اگر پڑھنے کا موقع مل گیا تو وہ نماز تیرے لئے نفل بن جائے گی اس طرح تمہیں وقت کی فضیلت بھی مل جائے گی اور جماعت سے بھی محروم نہیں ہوںگے۔
اس حدیث سے یہ بات معلوم ہوگئی کہ اگر کوئی امام نماز کو مکروہ وقت تک مؤخر کرتا ہے تو مقتدیوں کو چاہئے کہ وہ افضل وقت میں الگ نماز پڑھ لیں علماء لکھتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ کے اس فرمان کا مصداق ظہر اور عشاء ہے۔ کیونکہ فجر اور عصر کے بعد نفل پڑھنا ممنوع ہے اسی طرح مغرب کی نماز تین رکعات ہیں اور تین رکعات نفل جائز نہیں ہے لیکن شیخ عبدالحق رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ شارحین فرماتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے تمام نمازوں کا یہی حکم دیا ہے کہ پڑھا کرو کیونکہ نہ پڑھنے میں فتنہ وفساد کے اٹھنے کا خطرہ ہے لہٰذا مکروہ کا ارتکاب اس سے بہتر ہے کہ کوئی فتنہ برپا ہوجائے نیز مجبوری کے وقت اضطراری طور پر پڑھنے سے یہ کراہت بھی ختم ہوجائے گی یہ مفہوم زیادہ واضح ہے اگرچہ اجتہادی مسلک اپنی جگہ پر ہے جس کی تفصیل آیندہ آئے گی۔[۳]

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مغرب کی نماز بھی پڑھے مگر چار رکعات بنائے۔ امام مالک نے موطا میں "**الا الفجر والمغرب**" کی استثناء والی حدیث نقل کی ہے۔
"**یمیتون**" کے جملہ سے متعلق یہ بحث بھی ہے کہ آیا اس سے مراد یہ ہے کہ وہ لوگ نماز کو اس کے جائز وقت سے مؤخر کر کے

---

[۱] المرقات: ۲/۳۰۴ اشعۃ المعات: ۳۱۶ [۲] المرقات: ۲/ ۳۰۴، ۳۰۵ اشعۃ المعات: ۳۱۶
[۳] المرقات: ۲/ ۳۰۵ اشعۃ المعات: ۳۱۶

خارج وقت میں پڑھیں گے یا اس سے مراد یہ ہے کہ مستحب وقت سے مؤخر کر کے پڑھیں گے۔ امام نووی عشاللہ فرماتے ہیں کہ یہاں مستحب وقت سے تاخیر کرنا مراد ہے وقت سے خارج کر کے پڑھنا مراد نہیں ہے، چنانچہ ظالم حکمران نماز تاخیر سے پڑھتے تھے اور اب تو پڑھتے ہی نہیں۔ لیکن علامہ ابن حجر عسقلانی عشاللہ فرماتے ہیں کہ یہاں خارج از وقت پڑھنا مراد ہے پہلی بات زیادہ راجح اور واضح ہے۔

اب یہاں ایک فقہی اختلافی مسئلہ ہے کہ اگر کوئی شخص گھر میں کسی عذر یا مجبوری یا غلط فہمی سے نماز پڑھے اور مسجد میں آکر اس کو جماعت ملے تو وہ کیا کرے؟ حدیث کے ظاہری الفاظ یہی ہیں کہ وہ جماعت میں شریک ہوجائے۔ اب امام شافعی عشاللہ فرماتے ہیں کہ تمام نمازوں میں شریک ہوجائے اور مغرب میں ایک رکعت کا اضافہ کرے تاکہ چار رکعت مکمل ہوجائے۔ لیکن احناف وغیرہ فقہاء فرماتے ہیں کہ یہ شخص ظہر اور عشاء میں تو شریک ہوسکتا ہے مگر عصر اور فجر اور مغرب میں شریک نہیں ہوسکتا ہے کیونکہ عصر اور فجر کے بعد نماز کی ممانعت صحیح احادیث میں موجود ہے اور مغرب میں اگر یہ شخص تین رکعات پڑھتا ہے تو تین رکعات نفل شریعت میں منقول نہیں ہیں اور اگر کم یا زیادہ کرتا ہے تو امام کی مخالفت آتی ہے جو جائز نہیں ہے۔ احناف فرماتے ہیں کہ امام مالک عشاللہ نے موطا میں اس حدیث کے ضمن میں یہ جملہ نقل فرمایا ہے کہ "الا الفجر والمغرب" بہرحال اوپر شیخ عبدالحق عشاللہ کی تشریح کو ملحوظ رکھنا چاہئے بعض علماء نے **نافلة** کے لفظ کو مزید اور اضافہ کے معنی میں لیا ہے۔

طلوع آفتاب اور غروب آفتاب کے وقت نماز پڑھنا کیسا ہے

﴿۱۴﴾ وعن أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ أَدْرَكَ رَكْعَةً مِنَ الصُّبْحِ قَبْلَ أَنْ تَطْلُعَ الشَّمْسُ فَقَدْ أَدْرَكَ الصُّبْحَ وَمَنْ أَدْرَكَ رَكْعَةً مِنَ الْعَصْرِ قَبْلَ أَنْ تَغْرُبَ الشَّمْسُ فَقَدْ أَدْرَكَ الْعَصْرَ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)[۱]

ترجمہ: اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص نے آفتاب طلوع ہونے سے پہلے صبح کی نماز کی ایک رکعت پالی تو اس نے صبح کی نماز کو پالیا اور جس نے آفتاب غروب ہونے سے پہلے عصر کی نماز کی ایک رکعت پالی تو اس نے عصر کی نماز کو پالیا (یعنی اس کی نماز ضائع نہیں ہوگی لہٰذا اسے چاہیے کہ بقیہ رکعتیں پڑھ کر نماز پوری کرلے)۔ (بخاری، مسلم)

توضیح: "**فقد ادرك الصبح**"[۲] اس حدیث شریف کے دو جزء ہیں ایک جزء کا تعلق فجر کی نماز سے ہے اور دوسرے کا تعلق عصر کی نماز سے ہے پھر اس حدیث کا ایک ظاہری مفہوم ہے جس پر امت میں سے کسی نے عمل نہیں کیا ہے لہٰذا وہ مفہوم مراد نہیں ہے۔ وہ مفہوم اس طرح ہے کہ اگر کسی شخص نے فجر و عصر کی نمازوں میں سے ایک ایک رکعت پائی تو اس نے مکمل نماز پائی گویا ایک رکعت اس وقت کی مکمل نماز ہے دوسرا مفہوم اس حدیث کا یہ ہے کہ اگر کسی شخص

[۱] اخرجه البخاري: ۱/۱۵۱ مسلم: ۲/۱۰۲ [۲] اشعة اللمعات: ۳۱۶/ مرقات: ۲/۳۰۵

کو فجر اور عصر کی ایک رکعت مل گئی تو اس کو وہ نماز مل گئی لہٰذا دوسری رکعت خروج وقت کے بعد مثلاً طلوع آفتاب کے وقت یا غروب آفتاب کے وقت پڑھ کر مکمل کر لے مطلب یہ ہے کہ مثلاً ایک شخص عصر یا فجر کی نماز کے لئے آخری وقت میں کھڑا ہو گیا ابھی اس نے ایک رکعت مکمل کر لی تھی کہ فجر میں طلوع آفتاب ہو گیا اور عصر میں غروب آفتاب ہو گیا تو اس حدیث کی رو سے دونوں نمازیں صحیح ہو گئیں۔ وہ شخص طلوع و غروب کے بعد دوسرے وقت میں اپنی نماز کو مکمل کر سکتا ہے اب اس میں فقہاء کا اختلاف ہے۔

فقہاء کا اختلاف:

امام مالک و شافعی اور امام احمد رحمہم اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ فجر اور عصر دونوں وقتوں کا ایک ہی حکم ہے کہ نماز شروع کرنے کے بعد اگر طلوع یا غروب ہو جائے تو یہ شخص اپنی نماز مکمل کر لے نماز صحیح ہوگی۔

اکثر ائمہ احناف فرماتے ہیں کہ اگر اس طرح واقعہ عصر کی نماز میں پیش آیا تو نماز صحیح ہوگی لیکن فجر کے وقت نماز فاسد ہو جائے گی گویا عام احناف نے فجر اور عصر کے اوقات میں فرق کیا ہے اس فرق کرنے پر غیر مقلدین نے بہت شور مچایا کہ ایک ہی حدیث کے آدھے حصہ کو قبول کر لیا اور دوسرے آدھے حصہ کو قبول نہیں کیا بلکہ قیاس کو قبول کیا، جمہور نے بھی شکایت کی ہے کہ یہ فرق کرنا مناسب نہیں ہے۔[1]

فجر اور عصر میں فرق کی وجہ:

علماء احناف فرماتے ہیں کہ نماز کے لئے سبب مطلق وقت ہے اب عصر میں وہ جزء جو متصل بالصلوٰۃ تھا وہی جزء اس نماز کے لئے سبب بنا اور وہ وقت ناقص تھا تو وجوب صلوٰۃ جب ناقص ہوا تو اس کی ادا بھی اگر ناقص ہو جائے تو کوئی پرواہ نہیں ہے اس کے برعکس فجر کے وقت میں کوئی جزء ناقص نہیں اب یہ شخص جو طلوع آفتاب کے وقت نماز پڑھ رہا ہے یہ ناقص وقت ہے لہٰذا کامل واجب کو ناقص طور پر ادا کر رہا ہے اس وجہ سے یہ ادا صحیح نہیں ہے۔

اعتراض: ائمہ احناف پر یہ اعتراض کیا گیا ہے کہ یہ قیاس ہے اور نص صریح کے مقابلہ میں قیاس لانا جائز نہیں ہے لہٰذا فجر اور عصر میں فرق کرنا صحیح نہیں ہے۔

جواب: اصل حقیقت یہ ہے کہ مکروہ اوقات میں نہی عن الصلوٰۃ کی جو احادیث کثرت سے وارد ہیں یہ حدیث ان روایات سے متعارض ہے اور متن وسند اور قوت کے اعتبار سے تمام حدیثیں صحیح ہیں اس لئے ابن ہمام اور علامہ صدر الشریعہ[2] نے فرمایا کہ اصول فقہ کے قواعد کے مطابق اس تعارض کو دور کرنے کے لئے اور احادیث میں تطبیق پیدا کرنے کے لئے قیاس کی طرف رجوع کرنا پڑیگا تا کہ قیاس کے ذریعہ سے ایک جانب کو ترجیح دی جا سکے۔ تو قیاس نے یہ فیصلہ کیا کہ صبح کا وقت چونکہ کامل ہے تو وجوب کامل ہے لہٰذا اس کی ادا ناقص وقت میں جائز نہیں ہے تو نماز فاسد ہو گئی اور عصر کے وقت ناقص میں نماز واجب ہو گئی تھی لہٰذا ناقص ادا کے ساتھ نماز صحیح ہو جائے گی تو احناف نے قیاس کے ذریعہ

---

[1] اشعۃ اللمعات: ۳۱۶، ۳۱۷، مرقات: ۲/۳۰۵، ۳۰۶ [2] المرقات: ۲/۳۰۵

سے العیاذ باللہ حدیث کو رد نہیں کیا ہے بلکہ متعارض روایات میں تطبیق پیدا کرنے کے لئے ایک کو دوسرے پر ترجیح دیدی ہے تو فجر میں فساد صلوٰۃ کو ترجیح دیدی اور عصر میں صحت صلوٰۃ کو ترجیح دیدی ہے یہ ایک تاویل اور ترجیح ہے اور یہ حدیث اپنے ظاہر پر محمول نہیں ہے سب نے تاویل کی ہے اور اجتہادی عمل کو بروئے کار لایا ہے اور حدیث کے محمل کو متعین کرنے کی سب نے کوشش کی ہے کسی پر یہ الزام لگانا مناسب نہیں کہ وہ میری توجیہ کو کیوں قبول نہیں کرتا اور اجتھاد کیوں کرتا ہے۔

مذکورہ حدیث کا محمل:

امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے اس روایت کو اس طرح نقل کیا ہے۔

"من ادرك من الصبح ركعة قبل ان تطلع الشمس وركعة بعد ما تطلع الشمس فقد ادرك الصلوٰة" [1]

امام بخاری نے اپنی کتاب صحیح بخاری میں اس روایت کو اس طرح نقل کیا ہے۔

"من ادرك من العصر ركعة فليتم صلوته" یہ بات واضح ہو چکی ہے کہ زیر بحث حدیث اپنے ظاہر پر محمول نہیں ہے سب نے تاویل کی ہے کیونکہ عصر اور فجر کی نماز کسی کے ہاں ایک رکعت نہیں ہے جمہور نے اس کا محمل یہ بتایا ہے کہ وقت کے اندر ایک رکعت کا تعلق اصحاب اعذار سے ہے کہ مثلاً ایک عورت حائضہ ہے اور فجر یا عصر کے آخری وقت میں وہ پاک ہوگئی اور صرف تکبیر تحریمہ پڑھنے کا وقت اس کو مل گیا تو اس پر یہ نماز فرض ہوگئی یا نابالغ بچہ اسی آخری وقت میں بالغ ہوگیا یا کافر اس وقت میں مسلمان ہوگیا یا کوئی پاگل اس وقت میں عقلمند بن گیا یا بے ہوش آدمی اس آخری جزء میں ہوش میں آ گیا تو ان لوگوں پر یہ نماز فرض ہوگئی اب وہ ایک رکعت یا ایک تحریمہ اصل وقت میں ادا کریں اور دوسری رکعت دوسرے وقت میں یعنی طلوع شمس یا غروب شمس کے بعد ادا کریں فجر بھی صحیح ہے اور عصر بھی صحیح ہے۔

احناف میں سے امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اس حدیث کا یہی محمل بیان کیا ہے لیکن شیخ عبدالحق رحمۃ اللہ علیہ نے لمعات میں اس پر رد کیا ہے کہ دیگر روایات میں۔ [2]

"من ادرك من الصبح قبل ان تطلع الشمس وركعة بعد ما تطلع الشمس" کے الفاظ آئے ہیں یہ تاویل وہاں نہیں چل سکتی ہے اس لئے جمہور اور طحاوی کا اس محمل پر حدیث کو چسپاں کرنا صحیح نہیں ہے۔

بعض علماء نے اس حدیث کو منسوخ قرار دیا ہے اور اوقات مکروہہ کی تمام احادیث کو اس کے لئے ناسخ قرار دیا ہے اس پر بھی یہ اشکال آتا ہے کہ ناسخ اور منسوخ کے لئے ضروری ہے کہ اس میں تاریخ کا تعین ہو کہ فلاں حدیث مقدم ہے اور فلاں مؤخر ہے اور یہ مؤخر اس مقدم کے لئے ناسخ ہے۔ یہاں یہ چیز موجود نہیں بعض نے اس حدیث کا محمل یہ قرار دیا ہے کہ مکروہ اوقات میں نماز کی ممانعت ان لوگوں کے لئے ہے جن کی عادت یہ بن چکی ہو کہ ہمیشہ مکروہ وقت میں نماز پڑھ رہے ہوں لیکن اگر ایک شخص ایسا ہو کہ ہمیشہ پابندی کے ساتھ وقت کے اندر نماز پڑھتا ہو مگر کسی مجبوری کی وجہ سے اضطراری

[1] اشعۃ اللمعات: ۳۱۷

طور پر اتفاقاً نماز میں تاخیر ہوگئی اور دیر سے اٹھا اب اگر اس کو ایک رکعت وقت میں ملتی ہے تو وہ دوسری رکعت کو وقت کے خروج کے بعد پڑھ سکتا ہے کیونکہ یہ اس کی عادت نہیں بلکہ خلاف عادت زندگی میں ایک آدھ بار ایسا ہوگیا ہے تو یہ صورت معاف ہے یہ خصوصی حکم ہے عام ضابطہ نہیں ہے۔

﴿۱۵﴾ وعنه قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا أَدْرَكَ أَحَدُكُمْ سَجْدَةً مِنْ صَلَاةِ الْعَصْرِ قَبْلَ أَنْ تَغْرُبَ الشَّمْسُ فَلْيُتِمَّ صَلَاتَهُ وَإِذَا أَدْرَكَ سَجْدَةً مِنْ صَلَاةِ الصُّبْحِ قَبْلَ أَنْ تَطْلُعَ الشَّمْسُ فَلْيُتِمَّ صَلَاتَهُ۔ (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)

ترجمہ: اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا اگر تم میں سے کوئی شخص آفتاب غروب ہونے سے پہلے عصر کی نماز کی ایک رکعت پالے تو اسے نماز پوری کر لینی چاہیئے اور اگر آفتاب نکلنے سے پہلے فجر کی نماز کی ایک رکعت پائے تو اسے چاہیئے کہ وہ اپنی نماز پوری پڑھے۔ (بخاری)

توضیح: "سجدة" علامہ خطابی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ سجدہ سے مراد فقط سجدہ ہی نہیں بلکہ اس سے مراد کامل رکعت ہے جس میں رکوع اور سجدہ دونوں ہوئے ہیں سجدہ کا اطلاق رکعت پر اس لئے کیا گیا کہ سجدہ رکعت کی تکمیل کا سب سے بڑا رکن ہے یا یہ تسمیۃ الکل باسم الجزء کے قبیل سے ہے۔[1]

قضاء عمری

﴿۱۶﴾ وعن أَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ نَسِيَ صَلَاةً أَوْ نَامَ عَنْهَا فَكَفَّارَتُهَا أَنْ يُصَلِّيَهَا إِذَا ذَكَرَهَا وَفِي رِوَايَةٍ لَا كَفَّارَةَ لَهَا إِلَّا ذٰلِكَ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)[2]

ترجمہ: اور حضرت انس رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا جو شخص نماز پڑھنی بھول جائے یا نماز کے وقت (غافل) سو جائے (اور نماز رہ جائے) تو اس کا بدل یہی ہے کہ جس وقت یاد آ جائے پڑھ لے۔ اور ایک روایت کے الفاظ یہ ہیں کہ اس نماز کے پڑھ لینے کے سوا اس کا اور کوئی بدل نہیں ہے۔ (بخاری، مسلم)

توضیح: "فکفارتها" کفارہ کے لفظ سے یہ اندازہ ہوگیا کہ نماز چھوٹ جانا اور قضاء ہو جانا ہر حال میں گناہ کا کام ہے خواہ غلطی سے ہو یا بھول کر ہو یا بلا اختیار ہو۔

"ان یصلیها" یعنی نماز کے چھوٹنے کا کفارہ صرف اور صرف اس نماز کا اعادہ کرنا اور فوراً پڑھنا ہے کوئی اور حیلہ کارگر نہیں ہوسکتا ہے اس سے معلوم ہوا کہ قضاء عمری کی کوئی اصل نہیں ہے اور یہ ایک بدعت ہے جو کسی نے ایجاد کی ہے اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جس طرح روزہ کے رہ جانے سے فدیہ ادا کیا جاسکتا ہے اس طرح نماز کا حکم نہیں ہے نماز کیلئے کفارہ مالی نہیں ہے

[1] المرقات: ۲/۳۰۶ [2] اخرجه البخاری: ۱/۱۵۵ ومسلم: ۲/۱۴۲

بلکہ اسی نماز کا اعادہ کرنا ہے بعض علماء نے نماز کے فدیہ کی بات بھی کی ہے کہ چونکہ روزہ سے نماز افضل ہے لہٰذا وہاں سے یہ قیاس چلایا ہے کہ جب روزہ کا فدیہ ہے تو نماز کا بھی ہونا چاہئے باقی قضاء عمری اس لئے غلط ہے کہ اس میں اتحاد مکان بھی نہیں اتحاد وقت وصلوٰۃ بھی نہیں بلکہ کسی کی فرض نماز ہے کسی کی نفل۔

"اذا ذکرھا" شوافع حضرات فرماتے ہیں کہ جس وقت بھی یاد آجائے اسی وقت پڑھے وہی اس کا اصل وقت ہے خواہ کوئی مکروہ وقت ہو یا بعد العصر اور بعد الفجر ہو۔

ائمہ احناف فرماتے ہیں کہ تمام احادیث میں مکروہ اوقات میں نماز کی سخت ممانعت وارد ہے لہٰذا "اذا ذکرھا" میں بھی یہ ملحوظ رہیگا کہ جب وقت نماز کے لئے صالح ہو اور اگر وہ وقت نماز کے لئے صالح نہ ہو تو اس میں نماز نہیں پڑھی جاسکتی بلکہ وقت صالح کا انتظار کرنا ہوگا جیسا کہ "لیلة التعریس" کی صبح میں آنحضرت ﷺ نے انتظار فرمایا تھا کیونکہ طلوع آفتاب اور غروب آفتاب اور دوپہر کے اوقات صالح للصلوٰۃ نہیں ہیں۔

امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ان تین اوقات ممنوعہ میں نفل پڑھنا منع ہے اگر کوئی شخص ان اوقات میں فرض پڑھنا چاہتا ہے تو وہ جائز ہے۔ احناف فرماتے ہیں کہ اوقات مکروہہ میں نماز کی جو ممانعت آئی ہے اس میں کسی نماز کی تخصیص نہیں ہے لہٰذا اس ممانعت کا تقاضا یہ ہے کہ ان اوقات میں نوافل کی طرح فرائض کے پڑھنے سے بھی احتراز کیا جائے لیلۃ التعریس میں آنحضرت ﷺ نے فرض کو طلوع آفتاب سے مؤخر کر کے پڑھا تھا۔

﴿۱۷﴾ وعن أَبِي قَتَادَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيْسَ فِي النَّوْمِ تَفْرِيْطٌ إِنَّمَا التَّفْرِيْطُ فِي الْيَقَظَةِ فَإِذَا نَسِيَ أَحَدُكُمْ صَلَاةً أَوْ نَامَ عَنْهَا فَلْيُصَلِّهَا إِذَا ذَكَرَهَا فَإِنَّ اللهَ تَعَالَى قَالَ وَأَقِمِ الصَّلَاةَ لِذِكْرِيْ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

ترجمہ: اور حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا سونے میں نماز کا رہ جانا قصور میں شمار نہیں بلکہ قصور جاگنے میں ہوتا ہے (کہ وہ اس طرح کیوں سویا) لہٰذا جب تم میں سے کوئی شخص نماز پڑھنے سے رہ جائے یا نماز کے وقت سے غافل سو جائے تو جس وقت بھی یاد آجائے پڑھ لے کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے "واقم الصلوٰۃ لذکری" اور مجھے یاد کرنے کے وقت نماز پڑھ لیا کرو۔ (مسلم)

الفصل الثانی

تین چیزوں میں تاخیر نہ کرو

﴿۱۸﴾ عن عَلِيٍّ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ يَا عَلِيُّ ثَلَاثٌ لَا تُؤَخِّرْهَا الصَّلَاةُ إِذَا أَتَتْ وَالْجَنَازَةُ إِذَا حَضَرَتْ وَالْأَيِّمُ إِذَا وَجَدَتْ لَهَا كُفُوًا۔ [1] (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ)

[1] اخرجه الترمذی: ۱۷۱

ترجمہ: حضرت علی کرم اللہ وجہہ راوی ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا علی تین باتوں کے کرنے میں دیر نہ کیا کرنا ایک تو نماز ادا کرنے میں جب کہ وقت ہو جائے دوسرے جنازہ میں جبکہ تیار ہو جائے اور تیسرے بے خاوند عورت کے نکاح میں جبکہ اس کا کفو (یعنی ہم قوم مرد) مل جائے۔ (ترمذی)

توضیح: "اذا اتت" یہ صیغہ اتیان سے ہے آنے کے معنی میں ہے علامہ تورپشتی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ صیغہ تمام نسخوں میں اسی طرح آیا ہے لیکن اس میں تصحیف ہوئی ہے اصل صیغہ ہمزہ کے مد کے ساتھ "آنت" ہے جو کانت کے وزن پر ہے جس کا معنی حانت ہے یعنی جب نماز قریب ہو جائے۔[1]

مطلب یہ کہ جب نماز قریب ہو جائے تو پھر تمام کاموں کو مؤخر کیا جائے اور نماز کو اس کے مستحب وقت میں پڑھا جائے گویا مسلمان کو حکم ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کا کام اپنے کام پر مقدم رکھے اور اس کا عکس نہ کرے ورنہ گناہ ہوگا۔

"والجنازة" یعنی جب جنازہ حاضر ہو جائے تو پھر اس کی نماز جنازہ اور تدفین میں بالکل تاخیر نہ کرے ورنہ اگر میت کا جسد سڑ گیا تو کتنی رسوائی ہوگی۔ علامہ طیبی شافعی نے علامہ اشرف کا قول نقل کیا ہے کہ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جنازہ کی نماز اوقات مکروہہ میں پڑھنی مکروہ نہیں ہے ہاں اگر ان اوقات سے پہلے جنازہ آجائے تو پھر ان اوقات تک مؤخر کرنا اور پڑھنا مکروہ ہے اور یہی سجدہ تلاوت کا حکم بھی ہے عصر کے بعد اور فجر کے بعد جنازہ مکروہ نہیں ہے اور سجدہ تلاوت بھی مکروہ نہیں ہے۔ **"الایم"** ایم بے خاوند عورت کو کہا جاتا ہے خواہ وہ کنواری ہو یا بیوہ ہو یا مطلقہ ہو مطلب یہ ہے کہ جب عورت بالغ ہو جائے اور کفو میں رشتہ مل جائے تو پھر اس کے نکاح میں تاخیر نہیں کرنا چاہئے ورنہ اس سے بدکاری اور جرائم کے دروازے کھل جائیں گے اور معاشرہ میں فساد و فتنہ ہو جائے گا۔

"کفو" یہ کفایت سے ہے برابری کے معنی میں ہے مطلب یہ کہ مرد اور عورت مندرجہ ذیل اوصاف میں برابر ہوں۔

① نسب ② اسلام ③ حریت ④ دیانت ⑤ مال ⑥ پیشہ۔

مسلمانوں کو چاہئے کہ ہندوانہ رسم و رواج میں مبتلا ہو کر لڑکیوں اور لڑکوں کے نکاح میں تاخیر نہ کریں اس کے بہت مضر نتائج نکل سکتے ہیں اسلام نے مرد کے ذمہ مہر نکاح کی استطاعت کو لازم کیا ہے اس کے سوا کسی چیز کو لازم نہیں کیا ہے اور عورت پر بھی کسی چیز کو لازم نہیں کیا ہے تو خواہ مخواہ رسم و رواج کی مصیبتوں میں مبتلا ہو کر لڑکیوں کی زندگیوں سے کھیلنا نہیں چاہئے۔

اول وقت میں نماز پڑھنا افضل ہے

﴿۱۹﴾ وعن ابنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلْوَقْتُ الْاَوَّلُ مِنَ الصَّلَاةِ رِضْوَانُ اللهِ وَالْوَقْتُ الْاٰخِرُ عَفْوُ اللهِ۔[2] (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ)

ترجمہ: اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا نماز کو اول وقت ادا کرنا خدا تعالیٰ کی خوشنودی

[1] المرقات: ۲/۳۰۸ الکاشف: ۲/۲۰۷ لمعات: ۲۱۷ [2] اخرجه الترمذی: ۱۷۲

کا موجب ہے اور آخر وقت میں ادا کرنا خدا کی معافی کا سبب ہے۔ (ترمذی)

توضیح: "رضوان اللہ" یعنی اول وقت مختار میں نماز پڑھنا اللہ تعالیٰ کی خوشنودی حاصل کرنا ہے مقصد یہ ہے کہ جن اوقات میں تاخیر کرنا کسی خاص مقصد کے لئے ہو وہ اس سے مستثنیٰ ہیں کیونکہ ان عارضی حالات کی وجہ سے ان کی تاخیر ہی وقت مختار ہے۔ مثلاً گرمیوں میں ظہر میں ابراد کی غرض سے تاخیر افضل ہے فجر میں اسفار افضل ہے اسی طرح جماعت کی غرض سے تاخیر افضل ہے۔ "الوقت الآخر" اس سے مراد مکروہ وقت ہے مثلاً عصر میں اصفرار شمس تک تاخیر کرنا مکروہ ہے اور عشاء میں نصف اللیل سے زیادہ تاخیر کرنا مکروہ ہے لیکن اس حدیث کا مطلب یہ نہیں کہ اس تاخیر سے فرض ادا نہیں ہوگا فرض ادا ہو جائے گا البتہ کراہت کو اللہ تعالیٰ معاف فرمائے گا۔ [1]

سب سے افضل عمل نماز ہے

﴿۲۰﴾ وعن أُمِّ فَرْوَةَ قَالَتْ سُئِلَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَيُّ الْأَعْمَالِ أَفْضَلُ قَالَ الصَّلَاةُ لِأَوَّلِ وَقْتِهَا رَوَاهُ أَحْمَدُ وَالتِّرْمِذِيُّ وَأَبُودَاوُدَ وَقَالَ التِّرْمِذِيُّ لَا يُرْوَى الْحَدِيثُ إِلَّا مِنْ حَدِيثِ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُمَرَ الْعُمَرِيِّ وَهُوَ لَيْسَ بِالْقَوِيِّ عِنْدَ أَهْلِ الْحَدِيثِ۔ [2]

ترجمہ: اور حضرت ام فروہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ نبی کریم ﷺ سے پوچھا گیا کہ (ثواب کی زیادتی کے اعتبار سے) کونسا عمل افضل ہے؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ نماز کو اس کے اول وقت میں پڑھنا۔ (احمد، ترمذی، ابوداؤد)

اور حضرت امام ترمذی فرماتے ہیں کہ یہ حدیث صرف حضرت عبداللہ بن عمر عمری سے روایت کی جاتی ہے اور محدثین کے نزدیک قوی نہیں ہے۔

توضیح: "الصلوٰۃ لوقتھا" یعنی مستحب اور افضل وقت میں نماز پڑھنا تمام اعمال سے افضل عمل ہے احادیث میں مختلف اشیاء کو سب سے افضل عمل کہا گیا علماء نے لکھا ہے کہ نماز مطلقاً افضل ہے مگر جہاد جب فرض عین ہو جاتا ہے تو ایمان کے بعد وہ سب سے افضل عمل ہے اس افضلیت کی تفصیل توضیحات جلد اول میں مکمل لکھی گئی ہے۔ [3]

ترمذی نے اس حدیث کو عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کی وجہ سے ضعیف کہا ہے لیکن دیگر حضرات فرماتے ہیں کہ یہ حدیث صحیح ہے کتاب العلم میں عبداللہ بن عمر عمری کے متعلق تفصیل موجود ہے شیخ عبدالحق رحمہ اللہ نے لمعات میں تفصیل کی ہے۔ [4]

اول وقت میں نماز پڑھنا افضل ہے

﴿۲۱﴾ وعن عَائِشَةَ قَالَتْ مَا صَلَّى رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلَاةً لِوَقْتِهَا الْآخِرِ مَرَّتَيْنِ حَتّٰى قَبَضَهُ اللهُ تَعَالٰى۔ [5] (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ)

[1] المرقات: ۲/۳۰۹ اشعة اللمعات: ۳۱۸ [2] اخرجه احمد: ۲/۳۷۵ والترمذی: ۱۷۰ وابوداؤد: ۴۲۶ مرقات: ۲/۳۱۰
[3] اشعة اللمعات: ۳۱۸ [4] اشعة اللمعات: ۳۱۸ [5] اخرجه: الترمذی ۱۷۴

ترجمہ: اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے کوئی نماز آخر وقت میں دو دفعہ نہیں پڑھی یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو وفات دے دی۔ (ترمذی)

توضیح: "لوقتها الآخر" یعنی آنحضرت ﷺ نماز کو اول وقت مختار میں پڑھتے تھے مکروہ اوقات میں نہیں پڑھتے تھے صرف بیان جواز کے لئے ایک آدھ مرتبہ آپ نے آخر وقت میں پڑھی تھی تاکہ نماز کے اول وقت اور آخر وقت کا تعین ہو جائے۔ [1]

شیخ عبدالحق رحمہ اللہ لمعات میں لکھتے ہیں کہ یہ حدیث اور عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا یہ کلام اس تاخیر سے متعلق ہے جس کے بعد اصل وقت نہیں رہتا ہے ورنہ وقت جواز کے اندر تاخیر تو کئی مرتبہ ہوئی تھی تبوک میں فجر کی نماز میں تاخیر ہوئی جو عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ نے پڑھائی اسی طرح صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے ایک دفعہ پڑھانا شروع کر دی تھی بعد میں آنحضرت ﷺ تشریف لائے اسی طرح ایک مرتبہ آپ نے خواب میں رب العالمین کو دیکھا تو عشاء میں تاخیر ہوئی نیز تعلیم امت اور بیان جواز کے لئے کبھی کبھی تاخیر ہوئی۔ خلاصہ یہ کہ یہاں تاخیر سے مراد اس وقت تک تاخیر ہے جس کے بعد جائز وقت نہیں رہتا ہے۔ [2]

بہر حال مغرب کے وقت میں سب فقہاء کا اتفاق ہے کہ تعجیل افضل ہے۔

مغرب میں ستاروں کا انتظار نہیں کرنا چاہئے

﴿۲۲﴾ وعن أَبِي أَيُّوبَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَزَالُ أُمَّتِي بِخَيْرٍ أَوْ قَالَ عَلَى الْفِطْرَةِ مَا لَمْ يُؤَخِّرُوا الْمَغْرِبَ إِلَى أَنْ تَشْتَبِكَ النُّجُوْمُ۔ [3] (رَوَاهُ أَبُوْ دَاوُدَ وَرَوَاهُ الدَّارِمِيُّ عَنِ الْعَبَّاسِ)

ترجمہ: اور حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا میری امت کے لوگ اگر مغرب کی نماز کو (اس قدر) دیر کر کے نہ پڑھیں کہ ستارے جگمگانے لگیں تو ہمیشہ بھلائی۔ یا فرمایا کہ فطرت (یعنی فطرت اسلام کے طریقہ) پر رہیں گے۔ (ابوداؤد)

اور اس روایت کو دارمی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے۔

توضیح: "تشتبك النجوم" اشتباک اختلاط کے معنی میں ہے مراد ستاروں کا گنجان ہونا ہے۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مغرب میں صرف ستارے نظر آنے سے وقت مکروہ نہیں ہوتا ہاں جب ستارے گنجان ہو جائیں پھر مغرب کا وقت نہیں رہتا شیعہ شنیعہ اس وقت تک اذان نہیں دیتے ہیں جب تک کہ ستارے نظر نہ آئیں اس طرح وہ حدیث کی بھی مخالفت کرتے ہیں اور امت محمدیہ کے متفق علیہ اعمال سے الگ راستہ اختیار کرتے ہیں جیسا کہ ان کی کوشش رہتی ہے کہ کسی شرعی عمل میں مسلمانوں کے ساتھ نہ رہیں۔ الفطرۃ سے دین اسلام کا مستقیم راستہ مراد ہے۔ [4]

﴿۲۳﴾ وعن أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَوْ لَا أَنْ أَشُقَّ عَلَى أُمَّتِي

[1] المرقات: ۲/۳۱۰ اشعۃ اللمعات: ۳۱۸ [2] اشعۃ اللمعات: ۳۱۸ [3] اخرجہ ابوداؤد ۴۱۸ والدارمی ۱۲۰۸ [4] المرقات: ۲/۳۱۱

لَأَمَرْتُهُمْ أَنْ يُؤَخِّرُوا الْعِشَاءَ إِلَى ثُلُثِ اللَّيْلِ أَوْ نِصْفِهِ۔ ؎۱ (رَوَاهُ أَحْمَدُ وَالتِّرْمِذِيُّ وَابْنُ مَاجَةَ)

ترجمہ: اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ اگر مجھے اپنی امت کے لوگوں کی تکلیف کا اندیشہ نہ ہوتا تو انہیں (وجوب کے طریقہ پر) یہ حکم دیتا کہ عشاء کی نماز کو تہائی رات تک یا آدھی رات تک تاخیر کر کے پڑھیں۔ (ترمذی، ابن ماجہ)

﴿۲۴﴾ وعن مَعَاذِ بْنِ جَبَلٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَعْتِمُوْا بِهٰذِهِ الصَّلَاةِ فَإِنَّكُمْ قَدْ فُضِّلْتُمْ بِهَا عَلَى سَائِرِ الْأُمَمِ وَلَمْ تُصَلِّهَا أُمَّةٌ قَبْلَكُمْ۔ ؎۲ (رَوَاهُ أَبُوْ دَاوُدَ)

ترجمہ: اور حضرت معاذ ابن جبل رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا تم اس نماز (یعنی عشاء کی نماز) کو دیر کر کے پڑھا کرو کیونکہ تم کو دوسری امتوں پر اس نماز کی وجہ سے فضیلت دی گئی ہے اور تم سے پہلے کسی نے یہ نماز نہیں پڑھی۔ (ابوداؤد)

توضیح: "اعتموا" ای ادخلوا هذه الصلوٰة فی العتمة" **عتمہ** اندھیرے کو کہتے ہیں یہاں یا صرف اندھیرا مراد ہے اور یا ثلث اللیل سے کنایہ ہے اس حدیث سے بھی تاخیر عشاء کا پتہ چلتا ہے۔

"**فانکم فضلتم**" اس سے معلوم ہوا کہ عشاء کا وقت اور عشاء کی نماز صرف اس امت مرحومہ کو عطا کی گئی ہے اس کی تفصیل مواقیت کے مباحث میں گذر چکی ہے بہر حال اس تاخیر میں تکثیر جماعت بھی ہے، انتظار کی مشقت بھی ہے اور عشاء کا اہتمام بھی ہے یہ سب امور باعث ثواب ہیں۔ اس میں فائدہ بھی ہے کہ جب دیر تک ایک مسلمان انتظار کریگا اور پھر نماز ہوگی تو اس کے بعد فوراً وہ سونے کی تیاری کریگا اور عشاء کے بعد فضول گپ شپ سے محفوظ رہیگا اور وقت ضائع نہیں کریگا۔ ؎۳

﴿۲۵﴾ وعن النُّعْمَانِ بْنِ بَشِيْرٍ قَالَ أَنَا أَعْلَمُ بِوَقْتِ هٰذِهِ الصَّلَاةِ صَلَاةِ الْعِشَاءِ الْآخِرَةِ كَانَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّيْهَا لِسُقُوْطِ الْقَمَرِ لِثَالِثَةٍ۔ ؎۴ (رَوَاهُ أَبُوْ دَاوُدَ وَالدَّارِمِيُّ)

ترجمہ: اور حضرت نعمان ابن بشیر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں اس نماز یعنی دوسری عشاء کے وقت کو خوب جانتا ہوں۔ نبی کریم ﷺ اس نماز کو تیسری تاریخ کے چاند چھپنے کے وقت پڑھا کرتے تھے۔ (ابوداؤد، داری)

توضیح: "**العشاء الآخرة**" عشاء کو مغرب کی وجہ سے دوسری عشاء کہا جاتا ہے کیونکہ مغرب پر عشاء اولیٰ کا اطلاق ہوتا ہے۔

"**سقوط القمر**" یعنی تیسری رات کا چاند جب غروب ہو جاتا اس وقت آنحضرت ﷺ عشاء کی نماز پڑھاتے تھے اس حدیث سے بھی عشاء میں تاخیر کی طرف اشارہ ملتا ہے کیونکہ تیسری رات کا چاند ثلث اللیل کے وقت غروب ہو جاتا ہے تجربہ سے یہی ثابت ہے۔ ؎۵

؎۱ اخرجه احمد: ۲/۲۵۰، ۲۳۳ والترمذی: ۱۶۷ وابن ماجه ۶۹۱ ؎۲ اخرجه ابو داؤد: ۴۲۱ ؎۳ اشعة اللمعات: ۳۱۹
؎۴ اخرجه ابو داؤد ۴۱۹ والدارمی ۱۲۱۴ ؎۵ اشعة اللمعات ۳۱۹

﴿۲۶﴾ وعن رَافِعِ بْنِ خَدِيْجٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَسْفِرُوْا بِالْفَجْرِ فَإِنَّهُ أَعْظَمُ لِلْأَجْرِ. (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَأَبُوْدَاوُدَ وَالدَّارِمِيُّ وَلَيْسَ عِنْدَ النَّسَائِيِّ فَإِنَّهُ أَعْظَمُ لِلْأَجْرِ)

ترجمہ: اور حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا فجر کی نماز اجالے میں پڑھو کیونکہ اجالے میں نماز پڑھنے سے بہت زیادہ ثواب ہوتا ہے۔ (ترمذی، ابوداؤد، دارمی، نسائی)

اور نسائی کی روایت میں یہ الفاظ "فانه اعظم للاجر" (یعنی اجالے میں نماز پڑھنے سے بہت زیادہ ثواب ہوتا ہے) نہیں ہیں۔

اس حدیث سے متعلق تمام مباحث اور اختلافی اقوال پہلے گذر چکے ہیں اور اسفار میں امام شافعی رحمہ اللہ نے جو تاویل کی ہے اس کا معقول جواب بھی گذر چکا ہے۔

الفصل الثالث

﴿۲۷﴾ عن رَافِعِ بْنِ خَدِيْجٍ قَالَ كُنَّا نُصَلِّي الْعَصْرَ مَعَ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثُمَّ تُنْحَرُ الْجَزُوْرُ فَتُقْسَمُ عَشْرَ قِسَمٍ ثُمَّ تُطْبَخُ فَنَأْكُلُ لَحْمًا نَضِيْجًا قَبْلَ مَغِيْبِ الشَّمْسِ. (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)[1]

ترجمہ: حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم نبی کریم ﷺ کے ہمراہ عصر کی نماز پڑھ کر اونٹوں کو ذبح کیا کرتے تھے اور پھر وہ دس حصوں میں تقسیم کیا جاتا اس کے بعد اسے پکایا جاتا اور پھر ہم سورج چھپنے سے پہلے اس پکے ہوئے گوشت کو کھا کر فارغ ہو جایا کرتے تھے۔ (بخاری، مسلم)

توضیح: "الجزور" جزور اونٹ کو کہتے ہیں خواہ نر ہو یا مادہ ہو البتہ اس کے لئے صیغہ مؤنث کا استعمال کیا جاتا ہے۔[2]

"عشر قسم" عام عادت کے مطابق عرب کے لوگ دس آدمی ایک اونٹ میں شریک ہوتے تھے اور پھر گوشت کو دس حصوں میں تقسیم کیا کرتے تھے یہاں یہی مراد ہے "نضيجا" یعنی مکمل طور پر پکا ہوا گوشت ہم کھاتے تھے اس حدیث سے بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے عصر کی نماز اول وقت یعنی مثل اول کے آنے پر پڑھائی تھی جمہور اور صاحبین کا مسلک یہی ہے اور ایک قول امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا بھی ہے کہ مثل اول پر عصر کا وقت شروع ہو جاتا ہے جبکہ آپ کا مشہور مسلک یہ ہے کہ عصر کا وقت مثل ثانی سے شروع ہوتا ہے تفصیل پہلے گذر چکی ہے اور حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ کی اس روایت کا محمل بھی بتایا گیا ہے۔

عشاء میں تاخیر کا واقعہ

﴿۲۸﴾ وعن عَبْدِ اللهِ بْنِ عُمَرَ قَالَ مَكَثْنَا ذَاتَ لَيْلَةٍ نَنْتَظِرُ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلَاةَ الْعِشَاءِ الْآخِرَةِ فَخَرَجَ إِلَيْنَا حِيْنَ ذَهَبَ ثُلُثُ اللَّيْلِ أَوْ بَعْدَهُ فَلَا نَدْرِيْ أَشَيْءٌ شَغَلَهُ فِيْ أَهْلِهِ

[1] اخرجه البخاری: ۲/۱۸۰ ومسلم: ۱/۲۵۱ [2] المرقات: ۲/۳۱۳ الکاشف: ۲/۲۱۱ اشعة اللمعات: ۳۲۰

أَوْ غَيْرُ ذٰلِكَ فَقَالَ حِيْنَ خَرَجَ إِنَّكُمْ لَتَنْتَظِرُوْنَ صَلَاةً مَا يَنْتَظِرُهَا أَهْلُ دِيْنٍ غَيْرُكُمْ وَلَوْلَا أَنْ يَثْقُلَ عَلٰى أُمَّتِيْ لَصَلَّيْتُ بِهِمْ هٰذِهِ السَّاعَةَ ثُمَّ أَمَرَ الْمُؤَذِّنَ فَأَقَامَ الصَّلَاةَ وَصَلّٰى۔ [1] (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

ترجمہ: اور حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک رات ہم عشاء کی نماز کے لئے بہت دیر تک بیٹھے ہوئے نبی کریم ﷺ کا انتظار کرتے رہے۔ آنحضرت ﷺ تہائی یا اس سے بھی زیادہ رات جانے کے بعد تشریف لائے اور ہمیں معلوم نہیں کہ آپ ﷺ گھر کے کام میں مشغول رہے تھے (عادت کے مطابق سویرے نماز پڑھنے تشریف نہیں لائے) یا اس کے علاوہ (آپ ﷺ کی ذات اقدس کو کوئی عذر پیش آ گیا تھا) حضور ﷺ نے آ کر فرمایا تم لوگ انتظار کر رہے تھے (اور تمہارے لئے یہ مناسب بھی تھا کیونکہ) نماز کا انتظار تو تم ہی لوگ کیا کرتے ہو تمہارے سوا کسی اور دین والوں نے نماز کا انتظار نہیں کیا اور اگر مجھ پر اپنی امت پر گراں گزرنے کا اندیشہ نہ ہوتا تو میں اس نماز کو ہمیشہ اسی وقت پڑھا کرتا۔ پھر آنحضرت ﷺ نے مؤذن کو (تکبیر کا) حکم دیا اس نے تکبیر کہی اور آپ ﷺ نے نماز پڑھائی۔ (مسلم)

توضیح: "اشیء شغله" اس تاخیر کی وجہ نہ اس حدیث میں ہے اور نہ آنحضرت ﷺ نے کچھ بتایا ہے ایک اور حدیث مشکوٰۃ (ص ۷۱) پر ہے اس میں ہے کہ آپ نے رب تعالیٰ کو خواب میں دیکھا۔ [2]

"**اهل دين غيركم**" یہ اس لئے فرمایا کہ عشاء کی نماز یہود و نصاریٰ پر یا کسی اور امت پر فرض نہیں ہوئی تھی۔

"**هذه الساعة**" یعنی ثلث اللیل یا اس سے بھی کچھ بعد تک عشاء کو مؤخر کرنا لازم کر دیتا لیکن امت پر رحمت اور شفقت کے پیش نظر ثلث اللیل تک تاخیر کو لازم نہیں کیا اگرچہ تاخیر افضل ہے۔

آنحضرت ﷺ کے مبارک عمل سے یہ بھی ثابت ہے کہ جب عشاء کے وقت لوگ سب کے سب اکٹھے ہو جاتے تو آپ ﷺ نماز کو جلدی پڑھاتے اور جب لوگ کم ہوتے تو آپ دیر سے پڑھاتے۔

آنحضرت ﷺ نماز میں تخفیف فرماتے تھے

﴿۲۹﴾ وعن جَابِرِ بْنِ سَمُرَةَ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّي الصَّلَوَاتِ نَحْوًا مِنْ صَلَاتِكُمْ وَكَانَ يُؤَخِّرُ الْعَتَمَةَ بَعْدَ صَلَاتِكُمْ شَيْئًا وَكَانَ يُخَفِّفُ الصَّلَاةَ۔ [3] (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

ترجمہ: اور حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ نے (لوگوں کو مخاطب کرتے ہوئے) فرمایا کہ "نبی کریم ﷺ تمہاری نمازوں کے قریب قریب (اوقات میں) نماز پڑھا کرتے تھے مگر عشاء کی نماز تمہاری نماز سے کچھ دیر کر کے پڑھتے تھے"۔ (مسلم)

توضیح: "العتمة" عتمہ عشاء کو کہتے ہیں یہ اسلام سے قبل جاہلیت میں اس کا نام تھا آنحضرت ﷺ نے اس استعمال کو منع فرمایا اور عشاء کا نام رائج فرما دیا۔ اب سوال یہ ہے کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے ممانعت کے باوجود لفظ عتمہ کو کیوں استعمال کیا؟ [4]

---

[1] اخرجه مسلم: ۲/۱۱۸ [2] الكاشف: ۲/۲۱۲ [3] اخرجه مسلم: ۲/۱۱۸ [4] المرقات: ۲/۳۱۵، ۳۱۶ اشعة اللمعات: ۳۲۲

اس کا جواب یہ ہے کہ شاید آپ کو اس وقت تک ممانعت کی حدیث نہیں پہنچی ہو یا آپ نے بوجہ شہرت اور مخاطبین کو آسان اور مشہور طریقہ سے سمجھانے کی وجہ سے یہ لفظ استعمال فرمایا جس میں استمرار نہیں تھا بلکہ ایک وقتی ضرورت تھی۔

اس حدیث سے بھی معلوم ہوا کہ آنحضرت ﷺ نے عشاء کی نماز میں تاخیر کو پسند فرمایا ہے۔

"یخفف" یعنی آپ ﷺ نمازوں میں چھوٹی چھوٹی سورتوں کو پڑھتے تھے جس سے نماز میں تخفیف ہوتی تھی اس کا تعلق اس سے بھی ہوسکتا ہے کہ آپ نے لوگوں کی نماز تو ہلکی پڑھائی مگر خود اپنی الگ نماز بہت لمبی پڑھی ہے۔ نیز آپ نے مغرب کی نماز میں سورت اعراف پڑھی ہے تو اس کی وجہ یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ کی مبارک زبان سے جو قرأت نکلتی تھی اس میں لوگوں کو کیفیت اور سرور محسوس ہوتا تھا لہٰذا وہاں لمبی نماز بھی ہلکی سمجھی جاتی تھی۔ اب امت کو یہی تعلیم ہے جو اس حدیث میں مذکور ہے دوسری حدیث میں تو آنحضرت ﷺ نے وجہ بھی بیان فرمائی ہے کہ بعض لوگ بوڑھے ہو سکتے ہیں بعض مریض اور بعض اصحاب حوائج ہو سکتے ہیں لہٰذا تخفیف سے کام لو۔

﴿۳۰﴾ وعن أَبِي سَعِيدٍ قَالَ صَلَّيْنَا مَعَ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلَاةَ الْعَتَمَةِ فَلَمْ يَخْرُجْ حَتَّى مَضَى نَحْوٌ مِنْ شَطْرِ اللَّيْلِ فَقَالَ خُذُوا مَقَاعِدَكُمْ فَأَخَذْنَا مَقَاعِدَنَا فَقَالَ إِنَّ النَّاسَ قَدْ صَلَّوْا وَأَخَذُوا مَضَاجِعَهُمْ وَإِنَّكُمْ لَنْ تَزَالُوا فِي صَلَاةٍ مَا انْتَظَرْتُمُ الصَّلَاةَ وَلَوْلَا ضَعْفُ الضَّعِيفِ وَسُقْمُ السَّقِيمِ لَأَخَّرْتُ هٰذِهِ الصَّلَاةَ إِلَى شَطْرِ اللَّيْلِ۔[1] (رَوَاهُ أَبُوْدَاوُدَ وَالنَّسَائِيُّ)

ترجمہ: حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم (ایک دن) نبی کریم ﷺ کے ہمراہ جماعت سے نماز پڑھنے گئے (اتفاق سے اس روز) نبی کریم ﷺ آدھی رات کے قریب تک تشریف نہ لائے (بعد ازاں) آکر ہم سے ارشاد فرمایا "کہ تم لوگ اپنی اپنی جگہ بیٹھے رہنا، چنانچہ ہم اپنی جگہوں (سے اٹھے نہیں بلکہ وہیں) پر بیٹھے رہے (اس کے بعد) آپ ﷺ نے فرمایا "دوسرے لوگوں نے نماز پڑھ کر اپنے اپنے بستر سنبھال لئے ہیں اور (تمہیں معلوم ہونا چاہیے کہ) جب تک تم انتظار میں رہو گے تمہارا یہ سارا وقت نماز ہی میں شمار کیا جائے گا (یعنی اس انتظار کی وجہ سے برابر نماز پڑھنے کا ثواب ملتا رہے گا) اور اگر مجھے ضعیفوں کی کمزوری اور بیماری کا خیال نہ ہوتا تو میں ہمیشہ یہ نماز آدھی رات تک دیر کر کے پڑھا کرتا"۔ (ابوداؤد، نسائی)

توضیح: "ان الناس قد صلوا" اس سے مسجد نبوی کے علاوہ دوسرے محلوں کے مسلمان مراد ہیں جنہوں نے اول وقت میں عشاء کی نماز پڑھ لی اور سو گئے۔ یا دوسرے ادیان کے لوگ یہود و نصاریٰ مراد ہیں کہ انہوں نے مغرب کی نماز پڑھ لی اور سو گئے اور تم جب سے عشاء کے انتظار میں ہو سمجھ لو کہ تم نماز میں مشغول ہو اور تمہیں برابر نماز کا ثواب ملتا رہے گا اور اگر بیماروں اور مجبور لوگوں کی مجبوریاں پیش نظر نہ ہوتیں تو اس ثواب کے کمانے کے لئے میں تمہیں لازمی طور پر تاخیر عشاء کا حکم دیتا۔[2]

---

[1] اخرجه ابوداؤد: ۴۲۲ والنسائی: ۱/۲۶۸ [2] المرقات: ۲/۳۱۶ اشعة اللمعات: ۳۲۲

عہد نبوی میں عصر کی نماز دیر سے ہوتی تھی

﴿۳۱﴾ وعن أُمِّ سَلَمَةَ قَالَتْ كَانَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَشَدَّ تَعْجِيْلاً لِلظُّهْرِ مِنْكُمْ وَأَنْتُمْ أَشَدُّ تَعْجِيْلاً لِلْعَصْرِ مِنْهُ۔[1] (رَوَاهُ أَحْمَدُ وَالتِّرْمِذِيُّ)

ترجمہ: اور حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے (لوگوں کو مخاطب کرتے ہوئے) فرمایا کہ "نبی کریم ﷺ ظہر کی نماز (گرمی کے علاوہ دوسرے موسموں میں) تم سے زیادہ جلدی پڑھتے تھے اور تم عصر کی نماز میں آنحضرت ﷺ سے جلدی کرتے ہو۔ (احمد، ترمذی)

توضیح: یہ حدیث واضح طور پر احناف کی دلیل ہے کہ عصر کا مستحب وقت کچھ تاخیر سے ہوتا ہے اتنی جلدی نہیں جتنا کہ آج کل غیر مقلد حضرات سمجھتے ہیں سعودی عرب میں ظہر سے عصر تک جو وقت ہوتا ہے عصر سے مغرب تک وقت یا تو اس کے برابر ہوتا ہے یا ظہر کا وقت کم ہوتا ہے اتنی جلدی عصر کی نماز کہاں ہوتی ہے؟۔

موسم کی وجہ سے نماز کا وقت آگے پیچھے ہوسکتا ہے

﴿۳۲﴾ وعن أَنَسٍ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا كَانَ الْحَرُّ أَبْرَدَ بِالصَّلَاةِ وَإِذَا كَانَ الْبَرْدُ عَجَّلَ۔[2] (رَوَاهُ النَّسَائِيُّ)

ترجمہ: اور حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ (ظہر کی) نماز گرمی کے موسم میں ٹھنڈا کر کے پڑھتے تھے اور سردی کے موسم میں جلدی پڑھ لیتے تھے۔ (نسائی)

توضیح: "ابردبالصلوٰۃ" ظہر کے وقت اور اس کی نماز میں جو اختلاف نظر آتا ہے اور روایات میں جو تعارض معلوم ہوتا ہے وہ سب اس حدیث سے ختم ہو گئے کیونکہ یہاں تعجیل کو سردیوں پر حمل کیا گیا ہے اور تاخیر ظہر کا تعلق گرم موسم سے ہے لہٰذا تعجیل و تاخیر کا حکم الگ الگ موسموں کے لئے ہوا لہٰذا کوئی تعارض نہیں۔[3]

﴿۳۳﴾ وعن عُبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِ قَالَ قَالَ لِيْ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّهَا سَتَكُوْنُ عَلَيْكُمْ بَعْدِيْ أُمَرَاءُ يُشْغِلُهُمْ أَشْيَاءُ عَنِ الصَّلَاةِ لِوَقْتِهَا حَتَّى يَذْهَبَ وَقْتُهَا فَصَلُّوْا الصَّلَاةَ لِوَقْتِهَا فَقَالَ رَجُلٌ يَا رَسُوْلَ اللهِ أُصَلِّيْ مَعَهُمْ قَالَ نَعَمْ۔[4] (رَوَاهُ أَبُوْدَاوُدَ)

ترجمہ: اور حضرت عبادہ ابن صامت رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے مجھ سے فرمایا کہ میرے بعد عنقریب تم پر ایسے (لوگ) حاکم ہوں گے جنہیں دنیا کی چیزیں (یعنی خواہشات نفسانی) وقت (مستحب) پر نماز پڑھنے سے باز رکھیں گی یہاں تک کہ

[1] اخرجه أحمد: ٦/٢٨٩، ٣١٠ والترمذي: ١٦١، ١٦٢، ١٦٣ [2] اخرجه النسائي: ١/٢٤٨ [3] اشعة اللمعات: ٣٢٢ [4] اخرجه ابوداود: ٤٣٣

نماز کا وقت نکل جائے گا (یعنی کراہت آجائے گی) لہٰذا تم اپنی نمازیں وقت پر پڑھتے رہنا (خواہ تنہا ہی کیوں نہ پڑھنی پڑے) ایک شخص نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! کیا پھر (دوبارہ) ان کے ساتھ بھی نماز پڑھیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا ہاں (ان کے ساتھ بھی پڑھ لیا کرو تا کہ ثواب بھی زیادہ ملے اور حکام کی مخالفت کی وجہ سے فتنہ وفساد بھی پیدا نہ ہو)۔ (ابوداؤد)

توضیح: "**انها**" یہ ضمیر قصہ ہے "**امراء**" اس سے سنت نبوی سے ہٹے ہوئے حکمران مراد ہیں جیسے حجاج بن یوسف اور بنوامیہ کے کچھ دیگر حکمران تھے جو نماز کو اس کے مختار وقت سے مؤخر کرتے تھے مگر جو حکمران نماز بالکل نہیں پڑھتے ہیں جیسے آج کل ہیں یہ لوگ تو کسی حساب میں نہیں۔ [۱]

"**لوقتها**" اس سے مستحب وقت مراد ہے۔

"**قال نعم**" یعنی جب فتنہ وفساد کا خطرہ ہو تو اپنی نماز الگ اپنی جگہ پر مستحب وقت میں پڑھو اور ظالم حکمرانوں کے ساتھ دفع فتنہ اور مجبوری کے پیش نظر شامل ہو جایا کرو اس حدیث کی تشریح پہلے ہو چکی ہے۔

﴿۳۴﴾ وعن قَبِيصَةَ بْنِ وَقَّاصٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَكُوْنُ عَلَيْكُمْ أُمَرَاءُ مِنْ بَعْدِيْ يُؤَخِّرُوْنَ الصَّلَاةَ فَهِيَ لَكُمْ وَهِيَ عَلَيْهِمْ فَصَلُّوْا مَعَهُمْ مَا صَلُّوا الْقِبْلَةَ۔ [۲] (رَوَاهُ أَبُوْدَاوُدَ)

ترجمہ: اور حضرت قبیصہ ابن وقاص رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا میرے بعد تم پر ایسے حاکم ہوں گے جو نماز (وقت مستحب سے) تاخیر کر کے پڑھیں گے اور وہ نماز تمہارے لئے تو مفید ہوگی اور ان کے لئے وبال ہوگی لہٰذا جب تک وہ قبلہ (یعنی کعبۃ اللہ) کی طرف نماز پڑھتے رہیں تم بھی ان کے ساتھ نماز پڑھتے رہنا۔ (ابوداؤد)

توضیح: "**فهي لكم**" اس جملہ کا ایک مطلب یہ ہے کہ اگر تم نے اپنی نماز مستحب وقت میں پڑھ لی اور پھر دفع فتنہ کی غرض سے ان ظالم حکمرانوں کے ساتھ بھی شریک ہو گئے تو یہ دوسری نماز تمہارے لئے باعث فائدہ ہوگی اور اس کا تمہیں الگ ثواب ملے گا۔

دوسرا مطلب یہ ہے کہ جب تم نے دفع فتنہ اور فساد کے خوف سے ان کے ساتھ نماز پڑھ لی تو تمہارا مواخذہ نہیں ہوگا مجبوری کی وجہ سے تمہاری گرفت نہیں ہوگی لیکن ان ظالم حکمرانوں کے لئے یہ نماز وبال جان ہوگی کیونکہ انھوں نے کسی مجبوری سے نہیں بلکہ سستی سے جان بوجھ کر وقت مکروہ میں نماز پڑھ لی ہے اور دنیا کے کاموں میں مشغول رہے۔ یہ تو تاخیر پر حکمرانوں کو وعید ہے اور جو بالکل نماز پڑھتے ہی نہیں بلکہ مانتے ہی نہیں یہ تو واجب القتل ہیں۔ [۳]

﴿۳۵﴾ وعن عُبَيْدِ اللهِ بْنِ عَدِيِّ بْنِ الْخِيَارِ أَنَّهُ دَخَلَ عَلَى عُثْمَانَ وَهُوَ مَحْصُوْرٌ فَقَالَ إِنَّكَ إِمَامُ عَامَّةٍ وَنَزَلَ بِكَ مَا تَرَى وَيُصَلِّيْ لَنَا إِمَامُ فِتْنَةٍ وَنَتَحَرَّجُ فَقَالَ الصَّلَاةُ أَحْسَنُ مَا يَعْمَلُ النَّاسُ فَإِذَا أَحْسَنَ النَّاسُ فَأَحْسِنْ مَعَهُمْ وَإِذَا أَسَاءُوْا فَاجْتَنِبْ إِسَاءَتَهُمْ۔ [۴] (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)

[۱] المرقات: ۲/۲۱۷ [۲] اخرجه ابوداؤد: ۴۳۳ [۳] اشعة اللمعات: ۳۲۳ [۴] اخرجه البخاري كتاب الصلوة: ۱/۱۸۸

ترجمہ: اور حضرت عبید اللہ ابن عدی ابن خیار رضی اللہ عنہ کے بارے میں منقول ہے کہ وہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی خدمت میں اس وقت حاضر ہوئے جبکہ وہ (اپنی شہادت سے پہلے بغاوت کے ایام میں اپنے مکان کے اندر) محصور تھے چنانچہ (عبید اللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے) میں نے عرض کیا کہ آپ رضی اللہ عنہ ہم سب کے امام (اور امیر ہیں) اور آپ رضی اللہ عنہ پر جو کچھ (مصائب و پریشانیاں) نازل ہوئی ہیں وہ آپ بھی دیکھ رہے ہیں اور (ہمارا حال یہ ہے کہ) ہمیں فتنہ و فساد کا ایک امام نماز پڑھاتا ہے (جس کے پیچھے نماز پڑھنا گناہ سمجھتے ہیں۔ (یہ سن کر) حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ نماز پڑھنا لوگوں کے اعمال سے بہتر و افضل ہے لہٰذا جب لوگ نیکی و بھلائی کریں تو تم بھی ان کے ساتھ نیکی و بھلائی کرو اور اگر وہ برائی کریں تو تم ان کی برائیوں سے بچو۔ (بخاری)

توضیح: "وھو محصور" [1] حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے خلاف عبداللہ بن سبا کی تحریک پر مصر کے لوگ کھڑے ہو گئے تھے اور ان لوگوں کا ایک لڑاکو دستہ مدینہ منورہ میں داخل ہو چکا تھا اکثر صحابہ یا تو دشمنوں کے مقابلہ میں جہاد کے لئے گئے تھے اور یا حج کے لئے مدینہ سے مکہ تشریف لے گئے تھے۔ ان بلوائیوں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو تقریباً چالیس دن تک ان کے گھر میں مدینہ میں بند رکھا تھا جس کی وجہ سے آپ مسجد نبوی نہیں آسکتے تھے۔

اسی زمانہ میں بلوائیوں اور فسادیوں کا امام نماز پڑھایا کرتا تھا جس کا نام شارحین نے ''کنانہ ابن بشر'' بتایا ہے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے اس پوچھنے والے نے پوچھا کہ فسادیوں کا سرغنہ جو نماز پڑھاتا ہے تو کیا ان کے پیچھے نماز ہوتی ہے؟۔

"ونتحرج" یعنی ہم ان کے پیچھے نماز پڑھنے میں حرج محسوس کرتے ہیں اور گناہ سمجھتے ہیں حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے عدل و انصاف اور حلم اور علم کو دیکھئے کہ اس شدید پریشانی اور تکلیف میں بھی از راہ انتقام انصاف سے ہٹ کر ایک جملہ نہیں فرمایا بلکہ فرمایا کہ ٹھیک ہے یہ لوگ میری جان کے پیچھے پڑے ہوئے ہیں۔ لیکن نماز نیک عمل اور اچھا کام ہے اور جب کوئی شخص اچھا کام کرتا ہو تو تم اس میں شریک ہو جایا کرو خواہ وہ تمہارا بدترین دشمن کیوں نہ ہو اور اگر کوئی شخص برا کام کرتا ہے تو برائی میں ان کا ساتھ نہ دو اگرچہ وہ تمہارا محبوب کیوں نہ ہو۔

بہر حال اسی بلوہ میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ ۳۵ھ اٹھارہ ذوالحجہ کو شہید کر دیئے گئے جان کی بازی لگا دی مگر جاناں کے شہر مدینہ منورہ کے احترام کو پامال نہیں ہونے دیا تفصیل انشاء اللہ توضیحات کی آخری جلد میں آرہی ہے۔

[1] المرقات: ۳۱۸

۱۴ ربیع الاول ۱۴۱۷ھ

باب فضائل الصلاة

نماز کے فضائل کا بیان

قال اللہ تعالیٰ ﴿حافظوا علی الصلوٰۃ والصلوٰۃ الوسطی﴾ (بقرہ)[1]

وقال اللہ تعالیٰ ﴿ان الذین یتلون کتاب اللہ واقاموا الصلوٰۃ وانفقوا مما رزقناھم سرا وعلانیۃ یرجون تجارۃ لن تبور﴾ (سورت فاطر)[2]

الفصل الاول

نماز فجر وعصر کی فضیلت

﴿۱﴾ عن عُمَارَةَ بْنِ رُوَيْبَةَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ لَنْ يَّلِجَ النَّارَ أَحَدٌ صَلّٰى قَبْلَ طُلُوْعِ الشَّمْسِ وَقَبْلَ غُرُوْبِهَا يَعْنِي الْفَجْرَ وَالْعَصْرَ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)[3]

ترجمہ: حضرت عمارہ ابن رویبہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جس نے سورج نکلنے اور چھپنے سے پہلے (دو نمازیں) یعنی فجر اور عصر کی پڑھیں تو وہ دوزخ میں ہرگز داخل نہیں ہوگا۔ (مسلم)

توضیح: "لن یلج" یلج ولوج سے دخول کے معنی میں ہے یعنی عذاب دینے کی غرض سے اس شخص کو دوزخ میں داخل نہیں کیا جائیگا ورنہ گذرنے کی غرض سے تو یہ بات طے ہے کہ سارے انسان دوزخ سے ہو کر جائیں گے قرآن کی آیت ہے۔

وان منکم الا واردھا کان علی ربک حتما مقضیا[4]

"الفجر والعصر" طلوع آفتاب سے پہلے جو نماز ہوتی ہے وہ فجر کی نماز ہے اور غروب آفتاب سے پہلے جو نماز پڑھی جاتی ہے وہ عصر کی نماز ہے۔

سوال: اس حدیث سے یہ معلوم ہوا کہ جو شخص فجر اور عصر کی نمازوں میں اہتمام کرے وہ کسی بھی گناہ کی وجہ سے دوزخ نہیں جائے گا خواہ وہ دیگر کبائر کا ارتکاب کیوں نہ کرے دیگر نمازوں کو ترک ہی کیوں نہ کرے یہ دو نمازیں ان تمام گناہوں کے لئے کفارہ ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی رحمت اگرچہ وسیع تر ہے مگر جمہور علماء کے ہاں یہ بات طے ہے کہ گناہ کبیرہ کی

[1] سورۃ البقرۃ: ۲۳۸ حافظوا علی الصلوٰۃ والصلوٰۃ الوسطیٰ [2] سورۃ فاطر: ان الذین یتلون کتاب اللہ واقاموا الصلوٰۃ
[3] اخرجہ مسلم: ۲/۱۱۳ [4] المرقات: ۲/۳۱۹ اشعۃ اللمعات: ۳۲۲

مغفرت کے لئے توبہ کرنے کی ضرورت ہے اور طاعات وحسنات صغائر کے لئے کفارہ ہیں نہ کہ کبائر کے لئے تو پھر عدم دخول کا حکم کیسے ہے؟۔

جواب: اس کا جواب علامہ طیبی رحمہ اللہ نے اسطرح دیا ہے کہ جو شخص فجر کی نماز کا اہتمام کرتا ہے حالانکہ فجر کا وقت انتہائی آرام کا ہوتا ہے اسی طرح جو شخص عصر کی نماز کا اہتمام وحفاظت کرتا ہے حالانکہ عصر کا وقت انتہائی مشغولیت اور مصروفیت کا ہوتا ہے تو ظاہر یہی ہے کہ جو شخص ان دو دشوار نمازوں کو پڑھتا ہے وہ ان کے علاوہ نمازوں کو بطریق اولی پڑھتا ہوگا اور ان میں بالکل کوتاہی نہیں کریگا۔ شیخ عبدالحق رحمہ اللہ نے اس توجیہ پر یہ اشکال کیا ہے کہ اگر یہ مان لیا جائے کہ یہ شخص دیگر نمازوں کی حفاظت کرے گا تو اس کی کیا ضمانت ہے کہ یہ شخص ترک صلوٰۃ کے علاوہ کوئی اور گناہ نہیں کریگا اور دوزخ میں ہرگز نہیں جائے گا؟۔ [1]

شیخ عبدالحق رحمہ اللہ نے پھر یہ جواب دیا ہے کہ اس حدیث میں درحقیقت ان دو نمازوں کی فضیلت وعظمت کا بیان ہے اور ان دونوں کے مقام کے بیان میں مبالغہ ہے کہ ان دو نمازوں کی بڑی شان ہے جو شخص ان کی پابندی کریگا اللہ تعالیٰ اس کو دوزخ میں داخل نہیں کرے گا اور اس کے دیگر گناہوں کو اپنے فضل سے معاف کر دیگا۔ [2]

﴿۲﴾ وعن أبي موسى قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم من صلى البردين دخل الجنة. (متفق عليه) [3]

ترجمہ: اور حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا جو شخص ٹھنڈے وقت کی دونوں نمازیں (یعنی فجر و عشاء) پڑھتا رہا تو وہ جنت میں جائے گا۔ (بخاری ومسلم)

توضیح: "البردین" قاموس میں لکھا ہے کہ بردان ٹھنڈے وقت کی دو نمازوں یعنی فجر اور عشاء کو کہتے ہیں۔ لیکن اکثر علماء کے نزدیک اس سے فجر اور عصر کی نمازیں مراد ہیں کیونکہ دونوں نمازیں دن کے دو طرف میں بھی واقع ہیں اور ان کے اوقات میں ہوا بھی ٹھنڈی چلتی ہے اس سے ماقبل حدیث بھی اس حدیث کی تائید کرتی ہے جس میں عصر اور فجر کی یہی فضیلت بیان کی گئی ہے۔ [4]

اس حدیث کی فضیلت اور اس سے ماقبل حدیث کی فضیلت میں معمولی سا فرق ہے کیونکہ اس حدیث کے پیش نظر اس کا پڑھنے والا جنت میں جائے گا مگر یہ نہیں بتایا گیا کہ دیگر گناہوں کی وجہ سے سزا بھگتنے کے بعد جائیگا یا بغیر سزا کے جائیگا اب اس میں احتمال ہے کہ سزا بھگتنے کے بعد جنت میں چلا جائے اس پر بھی "دخل الجنة" صادق آتا ہے لیکن اس سے پہلے والی حدیث میں واضح طور پر بتایا گیا ہے کہ وہ شخص آگ میں کسی صورت میں داخل نہیں ہوگا۔

---

[1] الکاشف: ۲/۲۱۵ المرقات: ۲/۳۱۹ اشعة اللمعات: ۳۲۳ [2] اشعة اللمعات: ۳۲۳

[3] اخرجه البخاري: ۱/۱۵۰ ومسلم: ۲/۱۱۳ [4] المرقات: ۲/۳۲۰ اشعة اللمعات: ۳۲۴

کراماً کاتبین کی ڈیوٹی کا طریقہ

﴿۲﴾ وعن أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَتَعَاقَبُوْنَ فِيْكُمْ مَلَائِكَةٌ بِاللَّيْلِ وَمَلَائِكَةٌ بِالنَّهَارِ وَيَجْتَمِعُوْنَ فِيْ صَلَاةِ الْفَجْرِ وَصَلَاةِ الْعَصْرِ ثُمَّ يَعْرُجُ الَّذِيْنَ بَاتُوْا فِيْكُمْ فَيَسْأَلُهُمْ رَبُّهُمْ وَهُوَ أَعْلَمُ بِهِمْ كَيْفَ تَرَكْتُمْ عِبَادِيْ فَيَقُوْلُوْنَ تَرَكْنَاهُمْ وَهُمْ يُصَلُّوْنَ وَأَتَيْنَاهُمْ وَهُمْ يُصَلُّوْنَ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ) [1]

ترجمہ: اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ ''نبی کریم ﷺ نے فرمایا'' تمہارے پاس (آسمان سے) فرشتے رات دن آتے رہتے ہیں (جو تمہارے اعمال لکھتے ہیں اور انہیں بارگاہ اُلوہیت میں پہنچاتے ہیں) اور فجر وعصر کی نماز میں سب جمع ہوتے ہیں اور جو فرشتے تمہارے پاس رہتے ہیں وہ (جس وقت) آسمان پر جاتے ہیں تو اللہ تعالیٰ بندوں کے احوال جاننے کے باوجود ان سے (بندوں کے احوال واعمال) پوچھتا ہے کہ تم نے میرے بندوں کو کس حالت میں چھوڑا ہے؟ وہ عرض کرتے ہیں کہ ''پروردگار! ہم نے تیرے بندوں کو نماز پڑھتے ہوئے چھوڑا ہے اور جب ہم ان کے پاس پہنچے تھے تو اس وقت بھی وہ نماز ہی پڑھ رہے تھے۔'' (بخاری ومسلم)

توضیح: ''یتعاقبون'' باب تفاعل سے تعاقب ایک دوسرے کے آگے پیچھے آنے جانے کے معنی میں ہے یعنی فرشتوں کا ایک طائفہ انسانوں کے اعمال لکھنے کے لئے جب آتا ہے تو دوسرا طائفہ لکھے ہوئے اعمال کو اٹھا کر آسمان کی طرف لے جاتا ہے۔ اس آنے جانے میں یہ دونوں طائفے عصر اور فجر کی نماز میں اکھٹے ہوجاتے ہیں جس سے ان دونوں نمازوں کی فضیلت واضح ہوجاتی ہے۔ [2]

''یتعاقبون'' جمع کا صیغہ ہے اور بعد میں فاعل ملائکہ اسم ظاہر ہے قواعد نحو کے مطابق یہ صیغہ مفرد کا ہونا چاہئے تھا یہ جمع کیوں لایا گیا؟۔ اس کا ایک جواب یہ ہے کہ **یتعاقبون** میں جو واو ہے یہ آنے والے فاعل کے جمع ہونے پر دلالت کرنے کے لئے ہے یعنی یہ صرف علامت فاعل ہے ضمیر فاعل نہیں ہے۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ اسم ظاہر جو بظاہر فاعل معلوم ہوتا ہے وہ اصل میں فاعل نہیں ہے بلکہ ''یتعاقبون'' کے فاعل سے بدل ہے۔ تیسرا جواب یہ ہے کہ **یتعاقبون** خبر مقدم ہے اور **ملائکۃ باللیل** مبتداء مؤخر ہے، قرآن کی آیت **﴿وأسروا النجوی الذین ظلموا﴾** میں بھی اسی طرح توجیہات ہیں۔

''فیسألھم'' یعنی رات کے فرشتوں سے اللہ تعالیٰ سوال فرماتا ہے کہ تم نے میرے بندوں کو کس حال میں چھوڑا اس سوال سے اللہ تعالیٰ بندوں کی فضیلت ظاہر فرمانا چاہتا ہے کہ میرے بندے کیسے تسبیح پڑھتے ہیں۔ اور کس طرح اللہ تعالیٰ کی

[1] اخرجه البخاري: ۱/۱۴۵، ۲/۱۳۸، ۹/۱۵۴، ۹/۱۶۴ ومسلم: ۲/۱۱۳

[2] المرقات: ۲/۳۲۰ اشعة اللمعات: ۳۲۴

بزرگی اور پاکی بیان کرتے ہیں حالانکہ جب اس انسان کو پیدا کیا جارہا تھا تو فرشتوں نے کہا تھا کہ اے پروردگار؛ کیا آپ ایسی مخلوق کو پیدا کرنا چاہتے ہیں جو فتنہ برپا کریگی؟۔

اے اللہ ہماری سمجھ سے یہ بات بالاتر ہے کہ شریر مخلوق کے پیدا کرنے کا مقصد کیا ہے اور اگر نیک ہے تو ہم سے زیادہ نیک کون ہوسکتا ہے جو دن رات تسبیح وتہلیل اور تقدیس وتمجید میں لگے رہتے ہیں، اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ ان فرشتوں پر ہر روز ظاہر کرتا رہتا ہے کہ دیکھو تم نے کہا تھا کہ یہ مخلوق فساد برپا کریگی خون بہائے گی اب دیکھو یہ میری کس طرح عبادت کرتی ہے اور کس طرح ذوق وشوق سے کس قدر محنت اٹھا کر عبادت کرتی ہے۔

بہرحال اس حدیث میں آنحضرت ﷺ اپنی امت کو ان دو نمازوں کی ترغیب دے رہے ہیں کہ ان کی خوب پابندی کرو کیونکہ انسان کے اعمال لکھنے والے فرشتوں کی دو جماعتیں ہیں ایک دن کے لئے ہے اور ایک رات کے لئے ہے جب دن والی جماعت اپنی ڈیوٹی پوری کر کے واپس آسمان کی طرف جاتی ہے تو آسمان سے رات کی ڈیوٹی دینے والے فرشتے، ان سے سوال کرتے ہیں! یہ اس بات کی دلیل ہے کہ رات کی ڈیوٹی والے فرشتے دن کے فرشتوں سے افضل ہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ عبادت کے لحاظ سے رات کا درجہ دن سے افضل ہے۔

کیونکہ رات میں سکون ہوتا ہے عبادت ریاکاری سے پاک ہوتی ہے اور عبادت اطمینان قلب کے ساتھ ہوتی ہے لہٰذا رات کے فرشتے دن کے فرشتوں سے افضل ہوتے ہیں اس لئے اللہ تعالیٰ ان سے بندوں کے متعلق سوال کرتا ہے۔

(کذا فی اللمعات)

فجر کی نماز پڑھنے والا اللہ کی حفاظت میں ہوتا ہے

﴿۴﴾ وعن جُنْدُبِ الْقَسْرِيِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ صَلَّى صَلَاةَ الصُّبْحِ فَهُوَ فِيْ ذِمَّةِ اللهِ فَلَا يَطْلُبَنَّكُمُ اللهُ مِنْ ذِمَّتِهٖ بِشَيْءٍ فَإِنَّهٗ مَنْ يَطْلُبْهُ مِنْ ذِمَّتِهٖ بِشَيْءٍ يُدْرِكْهُ ثُمَّ يَكُبُّهٗ عَلٰى وَجْهِهٖ فِيْ نَارِ جَهَنَّمَ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ وَفِيْ بَعْضِ نُسَخِ الْمَصَابِيْحِ الْقُشَيْرِيُّ بَدَلَ الْقَسْرِيِّ) [1]

ترجمہ: اور حضرت جندب قسری رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا "جس نے صبح کی نماز پڑھی وہ (دنیا وآخرت میں) اللہ تعالیٰ کے عہد وامان میں ہے لہٰذا ایسا نہ ہو کہ اللہ تعالیٰ تم سے اپنے اس عہد میں کچھ مواخذہ کرے کیونکہ جس سے اس نے عہد وامان میں مواخذہ کیا تو (اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ) اسے پکڑ کر دوزخ کی آگ میں اوندھے منہ ڈال دے گا" (مسلم اور مصابیح کے بعض نسخوں میں قسری کے بجائے قشیری ہے)۔

توضیح: "فی ذمة الله" اس سے اللہ تعالیٰ کا عہد وامان مراد ہے اس حدیث کا مطلب یہ ہوا کہ جس شخص نے فجر کی نماز پڑھ لی وہ اللہ تعالیٰ کی حفاظت اور اس کے عہد وامان میں آگیا۔ پس مسلمانوں میں سے جس شخص نے اس نمازی سے

[1] اخرجہ مسلم: ۲/۱۲۵

بدسلوکی کی یا اس کا مال چھینا یا اس کو مارا یا اس کو ستایا یا اس کی غیبت کی اور اس کو سب وشتم کیا تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ اس شخص نے اللہ تعالیٰ کے عہد وامان میں خلل ڈالا اللہ تعالیٰ کی حفاظت کو نقصان پہنچایا اس لئے اللہ تعالیٰ یقیناً اس بدبخت کا مواخذہ کریگا۔

بعض شارحین نے اس کا یہ مطلب بھی بیان کیا ہے کہ "ذمة الله" یعنی عہد وامان خود فجر کی نماز ہے کہ صبح کی نماز پڑھنے سے اللہ تعالیٰ نے خود دنیا وآخرت میں امن کا وعدہ کیا ہے لہٰذا عام مسلمانوں کو چاہئے کہ وہ فجر کی نماز کا زیادہ اہتمام کریں اور فجر کی نماز قضا نہ کریں تا کہ اللہ تعالیٰ کا جو وعدہ ہے وہ برقرار رہے اور نماز قضا کرنے سے وہ عہد ٹوٹ نہ جائے کیونکہ اس کے ٹوٹنے سے اللہ تعالیٰ مواخذہ کریگا۔[1]

صف اول کی فضیلت

﴿۵﴾ وعن أبي هريرة قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم لو يعلم الناس ما في النداء والصف الأول ثم لم يجدوا إلا أن يستهموا عليه لاستهموا ولو يعلمون ما في التهجير لاستبقوا إليه ولو يعلمون ما في العتمة والصبح لأتوهما ولو حبوا. (متفق عليه)[2]

ترجمہ: اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: "اگر لوگوں کو اذان کہنے اور (نماز میں) پہلی صف میں کھڑے ہونے کا ثواب معلوم ہو جائے اور بے قرعہ ڈالے انہیں یہ حاصل نہ ہو سکے تو وہ ضرور قرعہ ہی ڈالیں (یعنی اگر لوگ اذان دینے اور پہلی صف میں کھڑے ہونے کے لئے آپس میں نزاع کریں اور قرعہ ڈال کر دیکھیں کہ کس کا نام نکلتا ہے تو یہ مناسب ہے) اور اگر ظہر کی نماز کے لئے جلدی آنے کا ثواب جان لیں تو اس نماز میں دوڑتے ہوئے آیا کریں اور اگر عشاء وصبح کی نماز کی فضیلت معلوم ہو جائے (تو قوت نہ ہونے کی حالت میں بھی ان نمازوں کے لئے) سرین کے بل چل کر آئیں۔" (بخاری ومسلم)

توضیح: "الا ان یستھموا" استہام سھم سے قرعہ اندازی کے معنی میں ہے۔[3]

یعنی صف اول کی فضیلت اور اذان کہنے کی فضیلت اگر لوگوں کو صحیح طور پر معلوم ہو جائے اور پھر اس فضیلت کے حصول کے لئے قرعہ ڈالنا پڑے تو قرعہ اندازی کر کے لوگ اس ثواب کو حاصل کرنے کی کوشش کریں گے جیسے کچھ لوگوں کا اذان دینے پر جب جھگڑا ہوا تو حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے انکے درمیان قرعہ ڈالا۔

"تھجیر" ہر چیز کی طرف جلدی اور سبقت کرنے کے معنی میں ہے پھر ظہر کی نماز کیلئے جلدی نکلنے کے لئے استعمال ہونے لگا بعض نے جمعہ کیلئے جلدی نکلنے کا مطلب لیا ہے اور بعض نے ہر نماز کیلئے جلدی نکلنے کے معنی میں لیا ہے۔

"لاستبقوا" استباق ایک دوسرے سے آگے نکلنے کے معنی میں ہے یعنی اگر لوگوں کو نماز کیلئے جلدی نکلنے کی فضیلت کا علم ہو جائے تو یہ لوگ ایک دوسرے سے سبقت کرنے لگ جائیں گے۔

[1] المرقات: ۲/۳۲۱ [2] اخرجه البخاری: ۱/۱۵۹، ۱/۱۶۷، ۳/۲۳۸ ومسلم: ۲/۳۱ [3] المرقات: ۲/۳۲۲ اشعة اللمعات: ۳۲۵

"العتمة" عشاء کو عتمہ کہتے ہیں اسلام سے پہلے عشاء کا نام عتمہ تھا اسلام نے اس کا نام عشاء رکھا اور عتمۃ کے لفظ پر پابندی لگادی شاید یہاں جو اطلاق ہوا ہے یہ حرمت اور ممانعت سے پہلے کا ہوگا۔ "حبوا" بچہ جب گھٹنوں کے بل چل کر آتا ہے ہاتھ اور سینہ بھی لگا کر چلتا ہے اس آنے جانے کو "حبوا" کہتے ہیں بعض مترجمین نے اس لفظ کا ترجمہ سرین کے بل چل کر آنے سے کیا ہے صحیح دونوں ہیں مگر متبادر یہ ہے کہ گھٹنوں کے بل چل کر آنا ترجمہ کیا جائے۔ [۱]

کونسی نماز منافق پر بوجھ ہوتی ہے؟

﴿۶﴾ وعنہ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيْسَ صَلَاةٌ أَثْقَلَ عَلَى الْمُنَافِقِيْنَ مِنَ الْفَجْرِ وَالْعِشَاءِ وَلَوْ يَعْلَمُوْنَ مَا فِيْهِمَا لَأَتَوْهُمَا وَلَوْ حَبْوًا۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ) [۲]

ترجمہ: اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا "منافقین پر عشاء اور فجر سے زیادہ بھاری کوئی نماز نہیں ہے۔ اگر دونوں کے ثواب وہ جان لیں تو سرین کے بل چلتے ہوئے آیا کریں۔" (بخاری ومسلم)

توضیح: "اثقل" دین کے معاملہ میں منافق تو ویسے بھی کام چور ہوتا ہے اس کے مزاج میں عبادت کے بارے میں سستی اور آنکھ مچولی ہوتی ہے عشاء اور فجر کی دونوں نمازیں سخت کڑے وقت میں ہیں کبھی گرمی یا سردی میں عشاء کا انتظار کرنا پڑتا ہے اور فجر میں نیند چھوڑ کر سویرے اٹھنا پڑتا ہے۔ اس لئے منافق کی بوجھل طبیعت اور ایمانی فتور کی وجہ سے یہ نمازیں اس کے لئے بہت ہی گراں ہوتی ہیں نیز فجر وعشاء میں اندھیرا ہوتا ہے تو منافق کے چھپنے اور آنکھ مچولی کا اس میں خوب موقع ہوتا ہے اس لئے یہ نمازیں منافقین پر بوجھل ہیں وہ چھپنے کی کوشش کرتے ہیں اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مخلص اور مؤمن آدمی ان دونوں نمازوں میں خوب چوکنا رہتا ہے اس حدیث سے ہمیں یہ تعلیم مل گئی کہ کسی مخلص مسلمان کو مناسب نہیں کہ منافقین کی مشابہت اختیار کرے اور فجر وعشاء میں سستی کرے۔ [۳]

﴿۷﴾ وعن عُثْمَانَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ صَلَّى الْعِشَاءَ فِيْ جَمَاعَةٍ فَكَأَنَّمَا قَامَ نِصْفَ اللَّيْلِ وَمَنْ صَلَّى الصُّبْحَ فِيْ جَمَاعَةٍ فَكَأَنَّمَا صَلَّى اللَّيْلَ كُلَّهُ۔ [۴] (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

ترجمہ: اور حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا۔ "جس شخص نے عشاء کی نماز جماعت کے ساتھ پڑھی وہ ایسا ہے کہ گویا اس نے نصف رات عبادت میں گذاردی اور جس شخص نے صبح کی نماز جماعت سے پڑھ لی تو گویا اس نے تمام رات کھڑے ہو کر نماز پڑھی۔" (مسلم)

توضیح: "قام نصف اللیل" یعنی گویا آدھی رات تک تہجد پڑھی "قام" اور "صلی" کے مختلف الفاظ میں تفنن فی العبارۃ ہے مطلب ایک ہی ہے۔ [۵]

[۱] المرقات: ۲/۲۲۳ [۲] اخرجہ البخاری: ۱/۱۶۷ ومسلم: ۲/۱۲۳ [۳] اشعۃ اللمعات: ۳۲۵
[۴] اخرجہ مسلم: ۲/۱۲۵ [۵] المرقات: ۲/۳۲۴ الکاشف: ۲/۲۲۰ اشعۃ اللمعات: ۳۲۵

"اللیل کله" اس حدیث کے دو مفہوم ہیں اول یہ کہ جس شخص نے عشاء کی نماز جماعت کے ساتھ پڑھ لی تو گویا اس نے آدھی رات تک تہجد پڑھ لی اور جس نے فجر کی نماز جماعت کے ساتھ پڑھ لی تو گویا اس نے مکمل پوری رات تہجد پڑھ لی اس صورت میں عشاء کی نماز پر فجر کی نماز کی فوقیت اور فضیلت ثابت ہو جائے گی۔ اور دوسرا مفہوم یہ ہے کہ جس نے عشاء کی نماز جماعت سے پڑھی تو اس کو آدھی رات کی نماز کا ثواب حاصل ہو گیا اور جب اس نے فجر کی نماز بھی جماعت کے ساتھ پڑھ لی تو گویا اس نے بقیہ رات کی نماز پڑھ لی اس طرح اس کو پوری رات کی نماز تہجد کا ثواب مل جائے گا یہ مطلب زیادہ واضح ہے۔

شرعی اصطلاحات کا خیال رکھا کرو

﴿۸﴾ وعنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَغْلِبَنَّكُمُ الْأَعْرَابُ عَلَى اِسْمِ صَلَاتِكُمُ الْمَغْرِبِ قَالَ وَتَقُوْلُ الْأَعْرَابُ هِيَ الْعِشَاءُ وَقَالَ لَا يَغْلِبَنَّكُمُ الْأَعْرَابُ عَلَى اِسْمِ صَلَاتِكُمُ الْعِشَاءِ فَإِنَّهَا فِيْ كِتَابِ اللهِ الْعِشَاءُ فَإِنَّهَا تُعْتِمُ بِحِلَابِ الْإِبِلِ۔[1] (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

ترجمہ: اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا "دیہاتی لوگ نماز مغرب کے نام لینے میں تم پر غالب نہ آ جائیں۔" راوی کہتے ہیں کہ دیہاتی لوگ (مغرب کو) عشاء کہتے تھے۔ پھر آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ "نماز عشاء کے نام لینے میں بھی دیہاتی لوگ تم پر غالب نہ آ جائیں۔ اس نماز کا نام کتاب اللہ میں عشاء ہے (چنانچہ ارشاد ربانی ہے ومن بعد صلوٰۃ العشاء) اور وہ دیہاتی لوگ اونٹنیوں کے دودھ دوہنے کی وجہ سے اس نماز میں تاخیر کر دیتے تھے۔" (مسلم)

توضیح: "الاعراب" اعراب دیہات میں رہنے والوں کو کہتے ہیں یہ لوگ شہر سے دور رہنے کی وجہ سے عام تہذیب سے جاہل رہتے ہیں یہاں اعراب کا نام اسی گنوار پن کی وجہ سے لیا گیا ہے ورنہ عرب کے شہری لوگ بھی مغرب کو عشاء کے نام سے یاد کرتے تھے اور عشاء کو عتمہ کہتے تھے یہاں اعراب سے جاہلیت کے دیہاتی لوگ مراد ہیں جو شرعی اصطلاحات کو بدل بدل کر مسخ کرنے کی کوشش کرتے تھے اس لئے آنحضرت ﷺ نے صحابہ کرام کو اس سے منع فرما دیا کہ تم ان دیہاتیوں کی طرح نہ بنو کہ اپنی شرعی اصطلاحات اور شرعی اطلاقات بدل کر ان کے اطلاقات و اصطلاحات کو اپنا لو جس سے وہ تم پر ثقافتی اور معاشرتی شناختوں میں غالب آ جائیں گے تم کو چاہئے کہ قرآن و حدیث میں جس نام اور جس اصطلاح کو متعارف کرایا گیا ہے اسی کو استعمال کرو اس حدیث سے ہمیں یہ تعلیم ملتی ہے کہ مسلمانوں پر لازم ہے کہ وہ اپنی زبان و کلام کو شریعت کی اصطلاح کے مطابق درست رکھیں اور کفار اور فجار کی تقلید میں اپنا شرعی اور ثقافتی ورثہ برباد نہ کریں۔[2]

[1] اخرجه مسلم: ۲/۱۱۸ [2] المرقات: ۲/۳۲۵ الكاشف: ۲/۲۲۱

"فانها فی کتاب الله العشاء" یہ جملہ سابقہ نہی اور ممانعت کے لئے علت ہے کہ دیہاتیوں کی تقلید نہ کرو قرآن کی تابعداری کرو قرآن نے عشاء کو "ومن بعد صلاة العشاء" کے نام سے یاد کیا ہے۔

"فانها تعتم بحلاب الابل" اس جملہ سے آنحضرت ﷺ نے یہ بتا دیا کہ دیہاتی ایام جاہلیت میں عشاء کو عتمہ کیوں کہتے تھے، فرمایا کہ دیہاتی لوگ اونٹنیوں کے دودھ نکالنے میں دیر کر کے خوب تاریکی پھیلنے کے بعد دودھ نکالتے تھے اس وقت کی تاریکی کو انھوں نے عتمہ کا نام دیا خلاصہ یہ کہ جب اسلام کا دور شروع ہوگیا اور مغرب کی نماز کو "صلوٰۃ المغرب" اور عشاء کی نماز کو "صلوٰۃ العشاء" کا نام دیا گیا تو جاہلیت کے باقی ماندہ دیہاتی اور اسلام میں داخل ہونے والے مسلمان دیہاتیوں نے عشاء کو عتمہ کہنا برقرار رکھا اور کچھ دیگر مسلمان بھی عشاء کو عتمہ کہنے لگے اس لئے حضور اکرم ﷺ نے سختی سے منع فرمادیا اور اہل جاہلیت سے مشابہت کی وجہ سے اس کو مکروہ قرار دیا۔

سوال: کئی روایات میں مذکور ہے کہ آنحضرت ﷺ نے خود اور بعض صحابہ نے لفظ عتمہ کو استعمال کیا ہے ایسا کیوں ہوا؟

جواب: شارحین نے لکھا ہے کہ جہاں احادیث میں یہ لفظ بولا گیا ہے تو وہ ممانعت سے پہلے کے زمانہ پر محمول ہے مگر شیخ عبدالحق رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ عشاء کو عتمہ کہنا مکروہ تنزیہی ہے یعنی خلاف اولیٰ ہے تو جس نے ممانعت کے بعد یہ لفظ استعمال کیا اس نے خلاف اولیٰ کام کیا۔[1]

"تُعْتِمُ" یہ صیغہ باب افعال سے ہے اعتام بمعنی دخول فی العتمہ ہے یہ صیغہ مجہول اور معروف دونوں طرح پڑھا گیا ہے اگر مجہول کا صیغہ ہو تو ضمیر صلوٰۃ کی طرف لوٹے گی اور مطلب یہ ہوگا کہ اونٹنیوں کے دودھ دوہنے کی وجہ سے نماز مؤخر کر کے تاریکی میں پڑھی جاتی تھی اور اگر یہ صیغہ معلوم کا ہو تو پھر ضمیر اعراب کی طرف لوٹے گی مطلب یہ ہوگا کہ وہ دیہاتی لوگ اونٹنیوں کے دودھ دوہنے کی وجہ سے نماز کو مؤخر کر کے تاریکی میں پڑھتے تھے۔

"تُعْتَمُ" مجہول کا صیغہ ہے اور "تُعْتِمُ" معروف کا صیغہ ہے دونوں باب افعال سے ہیں۔

"رواه مسلم" شیخ عبدالحق رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس روایت کو مطلقاً مسلم کی روایت میں شمار کرنا محل بحث ہے کیونکہ اس حدیث کا پہلا جملہ صرف امام بخاری رحمہ اللہ نے نقل کیا ہے مسلم میں نہیں ہے۔ اور اس کا دوسرا جملہ جو "وقال لا یغلبن" سے شروع ہے صرف مسلم میں ہے بخاری میں نہیں ہے۔[2]

صلوٰۃ الوسطیٰ کا مصداق کونسی نماز ہے؟

﴿۹﴾ وعن عَلِيٍّ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ يَوْمَ الْخَنْدَقِ حَبَسُوْنَا عَنْ صَلَاةِ الْوُسْطٰى صَلَاةِ الْعَصْرِ مَلَأَ اللّٰهُ بُيُوْتَهُمْ وَقُبُوْرَهُمْ نَارًا۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)[3]

[1] اشعة اللمعات: ۳۲۸، ۳۲۶ [2] المرقات: ۲/۲۲۶ [3] اخرجه البخاری: ۴/۵۲، ۵/۱۴۱، ۶/۳۷ ومسلم: ۲/۱۱۱

ترجمہ: اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ راوی ہیں کہ "نبی کریم ﷺ غزوۂ خندق کے روز فرماتے تھے کہ (کافروں نے) ہمیں درمیانی نماز یعنی نماز عصر کے پڑھنے سے روکا ہے۔ خداوند تعالیٰ ان کے گھروں اور قبروں میں آگ بھرے۔" (بخاری ومسلم)

توضیح: "صلوٰۃ الوسطی صلوٰۃ العصر" قرآن کریم میں نمازوں کی محافظت سے متعلق ایک آیت ہے ﴿حافظوا علی الصلوات والصلوٰۃ الوسطی﴾ اب جب دیکھا جائے کہ چوبیس گھنٹوں میں پانچ نمازیں فرض ہیں اور جب دو نمازیں ایک طرف سے گن لی جائیں اور دوسری طرف سے بھی دو نمازیں لے لی جائیں تو پانچوں نمازوں میں سے ہر نماز "وسطی" یعنی بیچ کی بنتی ہے اس لئے اس کی تعیین اور مصداق میں کچھ دشواری ہے ادھر احادیث میں جب دیکھا جائے تو حضرت علی رضی اللہ عنہ کی روایت میں صلوٰۃ وسطی کا مصداق عصر بتایا گیا ہے فصل ثانی میں حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت میں بھی اس کا مصداق عصر کو ٹھہرایا گیا ہے پھر فصل ثالث میں حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کی روایت میں دلیل کے ساتھ یہ بتایا گیا ہے کہ صلوٰۃ الوسطی کا مصداق ظہر کی نماز ہے۔[1]

پھر اس کے بعد موطا مالک کی روایت میں ہے کہ صلوٰۃ الوسطی کا مصداق فجر کی نماز ہے۔ روایات کے اس اختلاف کی وجہ سے فقہاء کرام کے ہاں بھی صلوٰۃ الوسطی کی تعیین میں اختلاف ہے چھوٹے بڑے اقوال کو اگر جمع کیا جائے تو بیس (۲۰) کی تعداد تک پہونچتے ہیں۔

فقہاء کرام کا اختلاف:

بعض فقہاء نے صلوٰۃ الوسطی کا مصداق ظہر کی نماز کو قرار دیا ہے بعض نے فجر کی نماز کو اس کا مصداق بنایا ہے بعض نے عصر کا کہا ہے بعض نے جمعہ کی نماز کو صلوٰۃ الوسطی قرار دیا ہے بعض نے تہجد کی نماز کو اس کا مصداق بنایا ہے۔

لیکن مشہور اقوال صرف تین ہیں۔ امام مالک رحمہ اللہ اور امام شافعی رحمہ اللہ نے صلوٰۃ الصبح کو صلوٰۃ وسطی قرار دیا ہے۔

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ اور امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے صلوٰۃ العصر کو صلوٰۃ الوسطی قرار دیا ہے۔

حضرت ابوسعید خدری اور حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہما اور حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے نزدیک صلوٰۃ وسطی کا مصداق ظہر کی نماز ہے۔

دلائل:

احناف اور حنابلہ کی دلیل زیر بحث حضرت علی رضی اللہ عنہ کی مرفوع حدیث ہے جس کو امام بخاری رحمہ اللہ اور امام مسلم رحمہ اللہ نے صحیحین میں درج فرمایا ہے اس حدیث میں آنحضرت ﷺ نے خود صلوٰۃ الوسطی کی تفسیر صلوٰۃ العصر سے فرمائی ہے جو نہایت مضبوط دلیل ہے اس کے بعد فصل ثانی میں حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی صریح حدیث بھی ان حضرات کی دلیل ہے۔

شوافع اور مالکیہ نے فصل ثالث میں بحوالہ موطا مالک حضرت علی رضی اللہ عنہ اور ابن عباس رضی اللہ عنہ کی روایت سے استدلال کیا ہے جس میں واضح طور پر مذکور ہے کہ "صلوٰۃ الوسطی صلوٰۃ الصبح" ہے۔

---

[1] الکاشف: ۲/۲۲۳ اشعۃ اللمعات: ۳۲۶

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ اور حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ اور چند دیگر صحابہ نے اپنی اجتہادی روایات پر اپنا مسلک قائم کیا ہے جو فصل ثالث کی روایت نمبر ۱۲، اور روایت نمبر ۱۳ ہیں جو انہیں حضرات سے منقول ہیں۔

جواب: احناف اور حنابلہ نے جس روایت سے استدلال کیا ہے وہ مرفوع حدیث ہے اور شوافع و مالکیہ نے جن روایات سے استدلال کیا ہے وہ آثار صحابہ ہیں جو مرفوع حدیث کا مقابلہ نہیں کرسکتی ہیں۔ علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ احادیث صحیحہ صریحہ کا تقاضا یہ ہے کہ صلوٰۃ الوسطیٰ سے عصر کی نماز مراد ہے اور یہی مختار ہے۔ علامہ ماوردی شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے اگرچہ صلوٰۃ وسطیٰ کا مصداق صلوٰۃ الصبح کو قرار دیا ہے مگر آپ کا قول یہ ہے کہ جب صریح اور صحیح حدیث آجائے تو وہی میرا مذہب ہوگا اسی کو لیا کرو اور میرا قول جو اس کے مخالف ہو دیوار پر دے مارو۔ (لمعات ج ۲ ص ۲۶۸)[1]

اس کے علاوہ جن صحابہ نے اجتہاد کر کے یہ قول فرمایا ہے کہ صلوٰۃ وسطیٰ سے ظہر کی نماز مراد ہے ان کا مستدل بھی آثار صحابہ ہیں جو مرفوع حدیث کے مقابلہ میں پیش نہیں کئے جاسکتے ہیں ان صحابہ کرام تک شاید حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مرفوع حدیث نہیں پہنچی تھی اس لئے انھوں نے اجتہاد کر کے کئی قول اپنا لئے۔

واقعہ:

غزوۂ خندق کو غزوۂ احزاب بھی کہتے ہیں یہ غزوہ ۵ھ میں پیش آیا تھا اس غزوہ میں مکہ سے ابوسفیان کی کمان میں تمام قبائل سے بارہ ہزار مشرکین مکہ مدینہ منورہ پر حملہ آور ہوئے تھے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم پر خندقیں کھدوائی گئیں تھیں اس لئے اس کو جنگ خندق کہتے ہیں اور عرب کے سب قبائل گروہ در گروہ اکٹھے ہوگئے تھے اس لئے یہ غزوہ، غزوۂ احزاب کے نام سے بھی مشہور ہے۔ خندقوں کے آس پاس پہرہ کا سخت انتظام تھا اس لئے ایک دن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ظہر عصر اور عشاء کی نماز پڑھنے کی فرصت ہی نہیں ملی جس پر آپ نے عصر کی نماز کے فوت ہوجانے پر خصوصاً افسوس کا اظہار کیا اور کفار کے لئے بددعا کی، خندق کے موقع پر صحابہ کرام تین ہزار تھے ۲۸ دن کے محاصرہ کے بعد کفار پسپا ہو کر بھاگ گئے۔[2]

الفصل الثانی

﴿۱۰﴾ وعن اِبْنِ مَسْعُوْدٍ وَسَمُرَةَ بْنِ جُنْدُبٍ قَالَا قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلَاةُ الْوُسْطٰى صَلَاةُ الْعَصْرِ.[3] (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ)

ترجمہ: حضرت ابن مسعود اور حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہما راوی ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "درمیانی نماز (یعنی قرآن مجید میں جو الصلوٰۃ الوسطیٰ مذکور ہے وہ) عصر کی نماز ہے۔" (ترمذی)

[1] الکاشف: ۲/۲۲۳ اشعۃ المعات: ۳۲۶ مرقات: ۲/۳۲۷ [2] المرقات: ۲/۳۲۶ [3] اخرجہ الترمذی: ۱۸۲

﴿۱۱﴾ وعن أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي قَوْلِهِ تَعَالَى إِنَّ قُرْآنَ الْفَجْرِ كَانَ مَشْهُوْداً قَالَ تَشْهَدُهُ مَلَائِكَةُ اللَّيْلِ وَمَلَائِكَةُ النَّهَارِ.[۱] (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ)

ترجمہ: اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے قول ﴿ان قرآن الفجر کان مشهودًا﴾ (یعنی فجر کی نماز فرشتوں کے حاضر ہونے کا وقت ہے) کی تفسیر میں فرماتے تھے کہ "صبح کی نماز میں دن اور رات کے فرشتے حاضر (یعنی جمع) ہوتے ہیں۔" (ترمذی)

الفصل الثالث

﴿۱۲﴾ عن زَيْدِ بْنِ ثَابِتٍ وَعَائِشَةَ قَالَا اَلصَّلَاةُ الْوُسْطٰى صَلَاةُ الظُّهْرِ.

(رَوَاهُ مَالِكٌ عَنْ زَيْدٍ وَالتِّرْمِذِيُّ عَنْهُمَا تَعْلِيقًا)[۲]

ترجمہ: حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا دونوں فرماتے ہیں کہ صلوٰۃ وسطیٰ (یعنی درمیانی نماز) ظہر کی نماز ہے۔" اس روایت کو امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے تو صرف حضرت زید رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے اور امام ترمذی نے دونوں (یعنی حضرت زید رضی اللہ عنہ وحضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا) سے بطریق تعلیق یعنی بلا سند روایت کیا ہے۔"

﴿۱۳﴾ وعن زَيْدِ بْنِ ثَابِتٍ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّي الظُّهْرَ بِالْهَاجِرَةِ وَلَمْ يَكُنْ يُصَلِّيْ صَلَاةً أَشَدَّ عَلَى أَصْحَابِ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْهَا فَنَزَلَتْ حَافِظُوْا عَلَى الصَّلَوَاتِ وَالصَّلَاةِ الْوُسْطٰى وَقَالَ إِنَّ قَبْلَهَا صَلَاتَيْنِ وَبَعْدَهَا صَلَاتَيْنِ.[۳] (رَوَاهُ أَحْمَدُ وَأَبُوْدَاوُدَ)

ترجمہ: اور حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ظہر کی نماز سویرے (یعنی دن ڈھلتے ہی) پڑھ لیتے تھے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ پر ان تمام نمازوں میں جو وہ پڑھتے تھے ظہر کی نماز سے زیادہ سخت کوئی نماز نہ تھی چنانچہ یہ آیت نازل ہوئی ﴿حافظوا علی الصلوات و الصلوٰۃ الوسطی﴾ یعنی! تم سب نمازوں کی اور خصوصاً درمیانی نماز کی محافظت کرو، اور حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ ظہر کی نماز سے پہلے بھی دو نمازیں ہیں اور بعد میں بھی دو نمازیں ہیں۔"

(احمد، ابوداؤد)

﴿۱۴﴾ وعن مَالِكٍ بَلَغَهُ أَنَّ عَلِيَّ ابْنَ أَبِي طَالِبٍ وَعَبْدَ اللهِ بْنَ عَبَّاسٍ كَانَا يَقُوْلَانِ اَلصَّلَاةُ الْوُسْطٰى صَلَاةُ الصُّبْحِ. (رَوَاهُ فِي الْمُوَطَّاءِ وَرَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ وَابْنِ عُمَرَ تَعْلِيقًا)[۴]

---

[۱] اخرجه الترمذی: ۳۱۳۵ [۲] اخرجه الترمذی: ۱۸۱

[۳] اخرجه احمد: ۵/۱۸۳ وابوداؤد: ۴۱۱ [۴] اخرجه مالک فی الموطا: ۲۸ والترمذی: ۳۱۳۵

ترجمہ: اور حضرت امام مالک رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ مجھے یہ بات پہنچی ہے کہ حضرت علی ابن ابی طالب اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما دونوں کہا کرتے تھے کہ درمیانی نماز (سے مراد) صبح کی نماز ہے۔" (موطا امام مالک) اور یہ روایت حضرت امام ترمذی رحمہ اللہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے بطریق تعلیق نقل کی ہے۔

فجر کی نماز پڑھنے والا ایمان کا علمبردار ہے

﴿۱۵﴾ وعن سَلْمَانَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ مَنْ غَدَا اِلٰى صَلَاةِ الصُّبْحِ غَدَا بِرَايَةِ الْاِيْمَانِ وَمَنْ غَدَا اِلَى السُّوْقِ غَدَا بِرَايَةِ اِبْلِيْسَ۔[1] (رَوَاهُ ابْنُ مَاجَه)

ترجمہ: اور حضرت سلمان رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ "جو شخص صبح کی نماز کے لئے جاتا ہے تو گویا وہ ایمان کا جھنڈا لے کر چلتا ہے اور جو شخص صبح بازار جاتا ہے تو گویا وہ شیطان کا جھنڈا لے کر چلتا ہے۔ (ابن ماجہ)

توضیح: "برایۃ الایمان" یعنی جو شخص فجر کی نماز کے لئے گھر سے چل پڑتا ہے گویا وہ ایمان کا جھنڈا بلند کر کے نکلتا ہے اور جو شخص فجر کی نماز پڑھے بغیر بازار کا رخ کرتا ہے تاکہ تجارت کرے تو وہ گویا شیطان کا جھنڈا بلند کر کے نکلتا ہے۔[2]
علامہ طیبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس حدیث میں لشکر رحمان اور لشکر شیطان کی تمثیل کو بیان کیا گیا ہے۔ تمثیل **تشبیہ الھیئۃ المرکبۃ بالھیئۃ المرکبۃ** کا نام ہے یعنی ایک طرف کئی اشیاء کا مجموعہ ہے جس سے ایک ہیئت اور پس منظر سامنے آتا ہے اسی طرح دوسری جانب بھی کئی اشیاء کا ایک مجموعہ ہوتا ہے اس کا بھی پس منظر ہے ان دونوں پس منظروں کی ایک دوسرے سے تشبیہ کا نام تمثیل ہے مثلاً شاعر کے اس شعر میں تمثیل کا نقشہ نہایت واضح ہے۔[3]

كأن مثار النقع فوق رؤسنا   واسيافنا ليل تهاوى كواكبه

یعنی ایک طرف جنگ کا غبار ہے اس سے اندھیرا چھایا ہوا ہے اس میں تلواریں چمکتی ہیں اور نیزے حرکت کر رہے ہیں اور دوسری طرف اندھیری رات ہے اور اس میں ستارے چمک رہے ہیں اور ستارے ٹوٹ ٹوٹ کر چمک رہے ہیں ان دونوں کیفیتوں کی آپس میں تشبیہ کا نام تمثیل ہے زیر بحث حدیث میں یہی کیفیت ہے کہ ایک آدمی جب فجر کی نماز کے لئے جاتا ہے تو وہ گویا جنگی جھنڈا اٹھا کر اپنے جیسے علمبردار لشکر کے ساتھ ملکر اپنی دشمن فوج کے مقابلہ کے لئے ایسا جاتا ہے جس طرح مجاھدین اپنے دشمنوں کی طرف لڑائی کے لئے نکلتے ہیں اور اسلام کی شوکت میں اضافہ کرتے ہیں، دوسری طرف جو شخص نماز کے بغیر غفلت کے ساتھ بازار کا رخ کرتا ہے وہ گویا شیطان کا جھنڈا اٹھا کر اپنے ساتھیوں سے ملکر بازار جا پہنچتا ہے اور شیطان کی شوکت میں اضافہ کرتا ہے۔

یاد رہے جو شخص صبح کی نماز پڑھ کر بازار جاتا ہے اور حلال روزی کماتا ہے وہ اس وعید سے خارج ہے کیونکہ وہ ایک جائز کام کے لئے جاتا ہے۔

---

[1] اخرجہ ابن ماجہ: ۲۲۳۴ [2] المرقات: ۲/۳۳۰ اشعۃ اللمعات: ۳۲۸ [3] الکاشف: ۲/۲۲۶

۱۵ ربیع الاول ۱۴۱۰ھ

باب الأذان

اذان کا بیان

قال الله تعالیٰ ﴿واذا ناديتم الى الصلوٰة اتخذوها هزوًا ولعبا ذلك بانهم قوم لا يعقلون﴾ [1]

وقال الله تعالیٰ ﴿يا ايها الذين أمنوا اذا نودي للصلوٰة من يوم الجمعة فاسعوا الى ذكر الله وذروا البيع﴾ [2]

اذان کی ابتدا کیسے ہوئی؟

مکہ مکرمہ میں آنحضرت ﷺ کو معراج ہوئی لیلۃ المعراج میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں پر نمازیں فرض فرمادیں مکہ مکرمہ میں چونکہ کھل کر اسلام کے احکامات پر عمل نہیں ہوسکتا تھا اس لئے ان نمازوں کے لئے اذان کا اہتمام نہیں کیا گیا چونکہ یہ دن مکی دور کے آخری ایام بھی تھے اس لئے مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کے پیش نظر شاید اذان کا انتظام نہیں کیا گیا۔ جب آنحضرت ﷺ نے مدینہ منورہ کی طرف ہجرت فرمائی تو ہجرت کے پہلے سال میں آنحضرت ﷺ نے صحابہ کرام کے ساتھ اس بات پر مشورہ کیا کہ نمازوں کے اجتماع کے لئے بلانے اور مسلمانوں کو اکٹھا کرنے کا کیا انتظام کیا جائے چنانچہ اس موقع پر کئی آراء سامنے آگئیں۔

بعض صحابہ کی رائے یہ تھی کہ نماز کا وقت جب ہوجائے تو محلہ میں ایک جھنڈا بلند کیا جائے تاکہ اسے دیکھ کر لوگ نماز باجماعت کے لئے مسجد آجائیں یہ رائے پسند نہیں کی گئی کیونکہ یہ اعلان ہر شخص تک پہنچانا مشکل تھا کیونکہ ہر شخص کو جھنڈا دکھانا آسان کام نہیں تھا۔

بعض صحابہ نے مشورہ دیا کہ بوقت نماز آگ روشن کردی جائے حضور اکرم ﷺ نے اس کو مسترد کردیا اور فرمایا کہ اس میں مجوس کے ساتھ مشابہت ہے۔ بعض نے سینگ اور بگل بجانے کا مشورہ دیا حضور اکرم ﷺ نے اسے بھی رد فرمادیا کہ یہ یہود کی عبادت کا شعار ہے۔ بعض صحابہ نے جرس اور گھنٹی رکھنے اور اسے بجانے کا مشورہ دیا حضور اکرم ﷺ نے اسے بھی رد فرمایا کہ یہ نصاریٰ کی عبادت کا شعار ہے آخر مجلس برخاست ہوگئی اور کوئی حتمی فیصلہ نہیں ہوسکا۔ وقتی طور پر اس بات پر اتفاق ہوگیا کہ نماز کے وقت ایک آدمی زور سے پکاریگا "الصلوٰۃ جامعۃ" اس پر لوگ نماز کے لئے آئیں گے۔

کہا جاتا ہے کہ اس کا مشورہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے دیا تھا۔ یاد رہے کہ ہجرت کے بعد پہلی ہجری میں مسجد نبوی قائم ہوئی تھی اور اسی پہلی ہجری میں اذان کی مشروعیت بھی ہوئی اذان اگرچہ ایک بڑی عبادت کے لئے اعلان ہے مگر یہ خود بھی

---

[1] سورۃ التوبہ: ۲ [2] سورۃ الجمعہ: ۱۰

شعائرِ اسلام میں شمار ہوتی ہے اور اس میں بڑی جامعیت کے ساتھ اسلام کی مہمات کو جمع کیا گیا ہے اللہ تعالیٰ کی کبریائی وعظمت اس میں درج ہے اور توحید کا عظیم درس اس میں موجود ہے کامیابی وفلاح کی دعوت اس میں نمایاں ہے اور آخرت کی تیاری کا پورا انتظام اس سے مربوط ہے بشرطیکہ اذان میں اس کی روح کا پورا خیال رکھا جائے صرف رسم اذان سے کیا حاصل ہوگا شاعر کہتا ہے۔

رہ گئی رسم اذان روح بلالی نہ رہی فلسفہ رہ گیا تلقین غزالی نہ رہی

الغرض حضور اکرم ﷺ کے ساتھ اس مجلس میں ایک مخلص صحابی تھے جن کا نام ”عبداللہ بن زید بن عبدربہٗ“ تھا ان کو بہت ہی قلق رہا کہ آنحضرت ﷺ لوگوں کے اکٹھا کرنے کے بارے میں بہت ہی فکرمند ہیں۔ اور آپ کو ایک قسم کی پریشانی اور غم لاحق ہے اس کو کیسے دور کیا جاسکتا ہے۔ اس فکر میں وہ سوگئے۔ انہوں نے خواب میں ایک نیک سیرت انسان کو دیکھا جو ناقوس اٹھائے ہوئے تھے ان صحابی کا بیان ہے کہ میں نے اس شخص سے کہا کہ اے بندۂ خدا کیا تم یہ ناقوس بیچو گے؟ اس نے جواب دیا کہ تم اس کو خرید کر کیا کروگے؟۔

میں نے کہا کہ ہم اسے بجا کر لوگوں کو نماز کے لئے بلائیں گے اس نے کہا کہ کیا میں تمہیں اس سے بہتر چیز نہ بتادوں؟۔ میں نے عرض کیا ضرور بتادیجئے اس نے کہا کہ اس طرح کہو، یہ کہہ کر اس نے قبلہ رخ ہوکر کانوں میں انگلیاں رکھ کر مکمل اذان دیدی۔ صحابی کا بیان ہے کہ میں صبح سویرے حضور ﷺ کے پاس آیا اور سارا قصہ سنادیا حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کہ انشاء اللہ یہ سچا خواب ہے تم یہ کلمات پڑھ کر بلال رضی اللہ عنہ کو سناد وان کی آواز اونچی ہے وہ ان کلمات کے ذریعہ سے اذان دیدیگا حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے جب اذان دی تو حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ ازار گھسیٹتے ہوئے حضور ﷺ کے پاس آئے اور فرمایا کہ یارسول اللہ قسم بخدا میں نے خواب میں یہی کلمات دیکھے ہیں حضور اکرم ﷺ نے فرمایا ”الحمد للہ“ یعنی آپ ﷺ نے اس پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا بعض روایات میں ہے کہ عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں نے جب یہ خواب دیکھا اس وقت میں نہ بالکل سویا ہوا تھا اور نہ بالکل بیدار تھا بلکہ غنودگی کے عالم میں تھا ایک روایت میں آپ نے فرمایا کہ اگر لوگوں کی بدگمانی کا خوف نہ ہوتا تو میں کھل کر کہہ دیتا کہ میں اس وقت بالکل بیدار تھا۔

اس بیان سے یہ بات واضح ہوگئی کہ اذان مدینہ میں مشروع ہوئی ہے جن حضرات نے کہا ہے کہ مکہ میں مشروع ہوئی یا معراج میں حضور ﷺ نے اذان سنی یا جبریل امین جس وقت حضور اکرم ﷺ کو آسمان دنیا پر لے گئے ایک فرشتہ نے اللہ تعالیٰ کے سامنے پڑھا ”اللہ اکبر اللہ اکبر“ تو پردے کے پیچھے سے آواز آئی ”انا اللہ اکبر انا اللہ اکبر“ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں یہ تمام روایات صحیح نہیں ہیں اور نہ یہ بات ثابت ہے کہ مدینہ میں دس یا گیارہ یا چودہ صحابہ نے اس طرح کا خواب دیکھا تھا۔

سوال: اب یہاں سوال یہ ہے کہ اذان کی حیثیت شرعی کس طرح ہوگئی یہ تو ایک صحابی کا خواب ہے جو شرعی دلیل نہیں ہے۔

جواب: جب حضور ﷺ نے فرمایا کہ "انہا لرؤیا حق انشاء اللہ" تو اس جملہ سے اذان کی حیثیت شرعی ہوگئی گویا حضور اکرم ﷺ کو اس خواب کے بعد وحی کے ذریعہ سے اذان کا حکم دیا گیا تھا۔
مصنف عبدالرزاق میں بھی ہے اور مراسیل ابوداؤد میں بھی یہ روایت موجود ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے جب اذان سن لی تو آنحضرت ﷺ کے پاس آئے اور فرمایا کہ یارسول اللہ! میں نے بھی اس طرح خواب دیکھا ہے۔ تو آپ ﷺ نے پہلے فرمایا "سبقك بذلك الوحی" اس روایت سے معلوم ہوا کہ اذان کی مشروعیت اور اس کی شرعی حیثیت کا معاملہ صرف صحابی کے خواب پر مبنی نہیں ہے بلکہ خود حضور اکرم ﷺ کو اس سلسلہ میں وحی بھی ہوئی تھی۔

اذان کی لغوی اور اصطلاحی تعریف

لغت میں اذان اعلام اور اعلان کے معنی میں ہے یعنی خبر دینا آگاہ کرنا، اذان باب تفعیل کا مصدر ہے جو فعال کے وزن پر آیا ہے اور باب تفعیل سے ایسا مصدر آتا رہتا ہے جیسے **تکذیبا و کذابا تسلیما و سلاما**۔
اور شرعی اصطلاح میں "**ھو اعلام بدخول وقت الصلوٰۃ بذکر مخصوص فی وقت مخصوص**" یعنی "مخصوص اوقات میں چند مخصوص الفاظ کے ساتھ نماز کے وقت کے آنے کی خبر دینے کا نام" اذان ہے۔

الفصل الاول

اذان کے کلمات کی تعداد اور پڑھنے کا طریقہ

﴿۱﴾ وعن أَنَسٍ قَالَ ذَكَرُوا النَّارَ وَالنَّاقُوسَ فَذَكَرُوا الْيَهُودَ وَالنَّصَارٰى فَأُمِرَ بِلَالٌ أَنْ يَّشْفَعَ الْأَذَانَ وَأَنْ يُّوتِرَ الْإِقَامَةَ قَالَ إِسْمَاعِيلُ فَذَكَرْتُهُ لِأَيُّوبَ فَقَالَ إِلَّا الْإِقَامَةَ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ) ۱

جواب: حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ صحابہ نے (اذان کی مشروعیت سے پہلے نماز کے وقت کا اعلان کرنے کے سلسلہ میں) آگ اور ناقوس کا ذکر کیا۔ بعض لوگوں نے یہود و نصاریٰ کا ذکر کیا (کہ ان کی مشابہت ہوگی) پھر سرور کائنات ﷺ نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ اذان کے کلمات جفت کہیں (یعنی اذان کے شروع میں اللہ اکبر چار مرتبہ کہیں اور باقی کلمات سوائے آخری کلمہ لا الہ الا اللہ کے جو ایک مرتبہ کہا جاتا ہے دو دو مرتبہ کہیں۔
شیخ اسماعیل رحمہ اللہ ۲ (جو اس حدیث کے راوی اور بخاری و مسلم کے استاذ ہیں) فرماتے ہیں کہ میں نے اس حدیث کا ذکر ایوب سے (جو اس حدیث کے ایک دوسرے راوی ہیں جنہوں نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کو دیکھا ہے) کیا تو انہوں نے فرمایا لفظ قد قامت الصلوٰۃ دو مرتبہ کہنا چاہئے (یعنی تکبیر کے اول و آخر میں "اللہ اکبر" کے علاوہ بقیہ کلمات ایک ایک مرتبہ ہیں اور لفظ قد قامت الصلوٰۃ دو مرتبہ ہے)۔ (بخاری)

---

۱ اخرجه البخاری: ۱/۱۵۶ و مسلم: ۲/۳ ۲ المرقات: ۲/۳۳۲

توضیح: ان یشفع الاذان یعنی اذان کے کلمات جفت کہیں یعنی دو دو کلموں کو ملا کر کہا جائے اور اقامت کے کلمات طاق کہیں یعنی ایک ایک کلمہ الگ الگ کر کے کہا جائے۔ اس میں فقہا کرام کا اختلاف ہے۔ [1]

فقہاء کرام کا اختلاف:

کلمات کی تعداد کے اعتبار سے اور اسی طرح ان کلمات کو ادا کرنے اور پڑھنے کے اعتبار سے اذان چار قسم پر ہے۔ اول مکی اذان ہے۔ دوم مدنی اذان ہے۔ سوم کوفی اذان ہے۔ چہارم بصری اذان ہے۔

مکی اذان وہ ہے جو اہل مکہ نے اپنائی تھی اور مکہ میں دیا کرتے تھے اہل مکہ کی اذان کو شوافع نے لیا ہے اس اذان کے ۱۹ کلمات ہیں اس میں چار مرتبہ "اشھد ان لا الہ الا اللہ" ہے اور چار مرتبہ "اشھد ان محمد رسول اللہ" ہے گویا اس میں آٹھ بار شھادتین ہیں۔ نیز اس میں چار مرتبہ اللہ اکبر اللہ اکبر ہے اور چار مرتبہ حی علی الصلوٰۃ اور حی علی الفلاح ہے، یہ کل سولہ کلمات ہیں اور دو مرتبہ آخر میں اللہ اکبر ہے اور آخر میں "لا الہ الا اللہ" ہے یہ کل ۱۹ کلمات ہیں۔

دوسری اذان اہل مدینہ کی ہے اس کو حضرت امام مالک رحمہ اللہ نے لیا ہے اس اذان کے کلمات سترہ ہیں ایک قول کے مطابق سترہ ہیں اور دوسرے قول کے مطابق تیرہ کلمات ہیں سترہ کلمات اس طرح ہیں کہ ابتداء میں دو مرتبہ اللہ اکبر ہے اور پھر آٹھ مرتبہ شہادتین اور چار مرتبہ حیعلتین اور پھر دو مرتبہ تکبیر ہے اور پھر لا الہ الا اللہ ہے امام مالک رحمہ اللہ سے اذان کے بارے میں دوسرا قول جو تیرہ کلمات کا ہے وہ اس طرح ہے کہ اللہ اکبر دو مرتبہ ہے شھادتین چار مرتبہ حیعلتین چار مرتبہ ہے اور آخر میں دو مرتبہ اللہ اکبر ہے اور پھر لا الہ الا اللہ ہے۔

بصریین کی اذان وہ ہے جو اہل بصرہ نے لی ہے اس کے کلمات بھی ۱۹ ہیں لیکن پڑھنے کا طریقہ شوافع سے الگ ہے وہ طریقہ اس طرح ہے کہ چار مرتبہ تکبیرات اور چھ مرتبہ شھادتین ہیں اور چھ مرتبہ حیعلتین ہیں اور پھر دو مرتبہ اللہ اکبر ہے اور پھر لا الہ الا اللہ ہے۔

اذان کوفی اہل کوفہ کی اذان ہے جس کو امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ اور سفیان ثوری رحمہ اللہ نے لیا ہے یہ اذان ۱۵ کلمات پر مشتمل ہے چار مرتبہ تکبیرات ہیں چار مرتبہ شھادتین ہیں چار مرتبہ حیعلتین ہیں اور آخر میں دو مرتبہ تکبیر اور پھر لا الہ الا اللہ ہے۔ [2]

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کے نزدیک اذان کے یہ سارے طریقے اور تمام اقسام نبی اکرم ﷺ سے ثابت ہیں یہ اختلاف فی المباح ہے جس نے جس کو پڑھا وہ جائز ہے۔ موقع ومحل کے اعتبار سے ہر ایک پر عمل ہو سکتا ہے۔

بہر حال کلمات اذان اور طریقہ اذان میں فقہاء کا جو اختلاف ہے یہ اولیٰ غیر اولیٰ کا اختلاف ہے جواز اور عدم جواز کا اختلاف نہیں ہے۔

دلائل:

شوافع حضرات نے مشکوٰۃ ص ۶۳ میں فصل اول کی دوسری حدیث سے استدلال کیا ہے جو حضرت ابومحذورہ رضی اللہ عنہ کی تفصیلی

---

[1] المرقات: ۲/۲۳۲ الکاشف: ۲/۲۲۸ اشعۃ اللمعات: ۳۲۹
[2] اشعۃ اللمعات: ۳۲۹ الکاشف: ۲/۲۲۸

روایت ہے اسی طرح شوافع نے مشکوٰۃ باب الاذان کی فصل ثانی کی دوسری اور تیسری حدیث سے بھی استدلال کیا ہے یہ دونوں حدیثیں بھی ابومحذورہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہیں یہ تینوں حدیثیں توضیحات اردو شرح مشکوٰۃ باب الاذان میں حدیث نمبر ② حدیث نمبر ③ حدیث نمبر ④ اور حدیث نمبر ⑤ کے حوالہ سے درج ہیں شوافع کے ہاں اذان میں ترجیع کرنے کا جو مسئلہ ہے وہ بھی یہی ہے کہ شہادتین چار چار مرتبہ پڑھتے ہیں ایک دفعہ زور سے اور ایک دفعہ آہستہ سے اسی کا نام ترجیع ہے اور عام شارحین جب فقہاء کا اختلاف نقل کرتے ہیں تو وہ یہی کہتے ہیں کہ شوافع "ترجیع فی الاذان" کے قائل ہیں اس کا مطلب بھی یہی ہے کہ ان کے ہاں اذان کے کلمات ۱۹ ہیں۔

امام مالک کی دلیل اہل مدینہ کا عمل ہے اور بعض روایات ایسی ہیں کہ جن میں دو دفعہ تکبیرات کا ذکر ہے نیز "ان یشفع الاذان" اور الاذان مثنی مثنی سے بھی مالکیہ ایک حد تک استدلال کرتے ہیں۔

ائمہ احناف کی دلیل مشکوٰۃ شریف صفحہ ۶۴ پر فصل کی دوسری حدیث ہے۔ جو عبداللہ بن زید ابن عبدربہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے جو توضیحات شرح مشکوٰۃ کی ترتیب میں حدیث ۱۰ ہے اس روایت میں واضح الفاظ کے ساتھ اذان کا بھی ذکر ہے اس کی ابتدا کا بھی ذکر ہے اور ۱۵ کلمات کا بھی واضح بیان ہے اور حدیث اذان کے لئے اصل اور بنیاد بھی ہے۔

احناف کی دوسری دلیل حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی عمر بھر کی وہ اذانیں ہیں جو آپ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور تمام صحابہ کرام کی موجودگی میں مدینہ منورہ میں دی ہیں جن میں ترجیع کا نام ونشان تک نہیں ہے اسی طرح حضرت عبداللہ بن ام مکتوم کی اذانیں ہیں جن میں کہیں بھی ترجیع نہیں ہے اسی طرح زیاد بن حارث صدائی رضی اللہ عنہ کی اذانیں ہیں کسی میں ترجیع نہیں حالانکہ یہ تینوں حضرات حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اذان دیا کرتے تھے۔

احناف نے عدم ترجیع پر ان تمام روایات سے بھی استدلال کیا ہے جن میں "الاذان مثنی مثنی" کے الفاظ وارد ہیں ظاہر ہے کہ جب دو دو کلمات ہیں تو چار چار کی نفی ہوگئی یہ ایک جزوی دلیل ہے جو مدعا کے ایک جزء کو ثابت کرتی ہے۔

جواب: ائمہ احناف نے شوافع کی دلیل حضرت ابومحذورہ رضی اللہ عنہ کی روایت کا جواب یہ دیا ہے کہ ان کو جو ترجیع شہادتین کا حکم دیا گیا تھا وہ درحقیقت ان کو تعلیم کے طور پر دیا گیا تھا اذان دینے کا کوئی ضابطہ نہیں تھا۔ اصل واقعہ اس طرح پیش آیا کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم غزوۂ طائف سے واپس آرہے تھے تو راستے میں نماز کا وقت ہوا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اذان دلوائی جب اذان ہورہی تھی تو علاقے کے چند بچوں نے اذان کی نقل اتارنی شروع کردی ان بچوں میں ابومحذورہ کچھ بڑے تھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو پکڑنے اور پاس حاضر کرنے کا حکم دیا جب ابومحذورہ رضی اللہ عنہ لائے گئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اذان پڑھو وہ اگرچہ اس وقت تک مسلمان نہیں ہوئے تھے لیکن مشرکین بھی چونکہ اللہ تعالیٰ کو بڑا مانتے تھے اس لئے اللہ اکبر کہنے میں ابومحذورہ نے کوئی جھجک محسوس نہیں کی مگر جب شہادتین پر پہنچے تو چونکہ ان کے عقیدے پر زد پڑتی تھی اس لئے انہوں نے بہت ہی آہستہ آواز سے پڑھا وہ خود فرماتے ہیں کہ جب میں نے زور سے پڑھا تو اسلام میرے دل

میں اتر گیا آنحضرت ﷺ نے ان کے سر پر ہاتھ پھیرا اور چھوڑ دیا حضرت ابو محذورہ رضی اللہ عنہ نے آپ ﷺ سے درخواست کی کہ مجھے مکہ مکرمہ کا مؤذن بنادیں آنحضرت ﷺ نے ان کو مؤذن مقرر فرمایا تو وہ اسی طرح اذان دینے لگے جس طرح حضور ﷺ نے بطور تعلیم ان کو سکھائی تھی گویا یہ ضابطہ نہیں تھا بلکہ بوجہ محبت وشوق ابو محذورہ رضی اللہ عنہ کی خصوصیت تھی چنانچہ آپ نے زندگی بھر سر کے ان بالوں کو نہ منڈوایا نہ چھوٹا کیا جن پر حضور اکرم ﷺ کا مبارک ہاتھ لگ گیا تھا اسی طرح معاملہ اذان کے ساتھ بھی کیا اب احناف کہتے ہیں کہ **سنیت اذان** ترجیع فی الاذان پر موقوف نہیں ہے اگر کوئی کرتا ہے تو منع نہیں ہے لیکن اگر کوئی نہیں کرتا تو وہ تارک سنت نہیں ہوگا۔

اوپر جو ابو محذورہ رضی اللہ عنہ کا قصہ نقل کیا گیا ہے اس کو کچھ تغیر کے ساتھ طحاوی اور ابن قدامہ نے نقل کیا ہے۔

باقی امام مالک رحمہ اللہ نے دو تکبیرات والی جس روایت سے استدلال کیا ہے تو ابوداؤد نے قال ابوداؤد کہہ کر اس پر تبصرہ کیا ہے کہ زہری کے جتنے شاگرد ہیں سب نے عبداللہ بن زید بن عبدربہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں زہری سے چار تکبیرات والی روایت بیان کی ہے۔ صرف معمر نے دو تکبیرات کا ذکر کیا ہے انتھی کلامہ۔

خلاصہ یہ کہ معمر کی روایت ثقات کے خلاف ہے اس لئے وہ ضعیف ہے جو قابل قبول نہیں ہے۔

نماز کے لئے اقامت اور اس کے کلمات

"**وان یوتر الاقامة**" اقامت اذان الحاضرین ہے اس میں آواز اتنی بلند کرنی چاہئے کہ مسجد کے اندر کے لوگ سن سکیں اور جماعت میں شریک ہوجائیں اذان کے کلمات میں اختلاف کی طرح اقامت کے کلمات کی تعداد میں بھی فقہاء کا اختلاف ہے۔

فقہاء کا اختلاف:

امام شافعی اور امام احمد رحمہما اللہ تعالیٰ کے نزدیک اقامت کے کلمات میں ایتار ہے یعنی یہ کلمات جفت نہیں بلکہ طاق ہیں۔ یعنی **الله اکبر الله اکبر اشهد ان لا اله الا الله اشهد ان محمد رسول الله حی علی الصلاة حی علی الفلاح قد قامت الصلوٰة قد قامت الصلوٰة الله اکبر الله اکبر لا اله الا الله** یہ کل گیارہ کلمات ہیں۔[1]

امام مالک کے نزدیک **قد قامت الصلوٰة** بھی ایک بار ہے تو کل دس کلمات ہوئے جمہور کے مقابلے میں ائمہ احناف فرماتے ہیں کہ اقامت اور اذان میں کوئی فرق نہیں دونوں کے پندرہ پندرہ کلمات ہیں ہاں اقامت میں **قد قامت الصلوٰة** دومرتبہ اضافی ہے لہٰذا اقامت کے کل کلمات احناف کے ہاں سترہ ہوئے تو اقامت کے مسئلہ میں جمہور ایک طرف ہیں اور احناف دوسری جانب ہیں۔

---

[1] المرقات: ۲/۳۳۲

دلائل:

جمہور نے اقامت کے ایتار اور طاق ہونے پر احادیث کے ان الفاظ سے استدلال کیا ہے جس میں **ان یوتر الاقامة** کے الفاظ آئے ہیں اور زیر بحث حضرت انس کی حدیث میں بھی یہ الفاظ موجود ہیں۔ ؎۱

ائمہ احناف کی دلیل حضرت عبداللہ بن زید انصاری صاحب اذان کی روایت ہے جس میں "**و کذا الاقامة**" کے الفاظ آئے ہیں اور مشکوۃ ص ۶۴ پر موجود ہے یعنی اذان کی طرح اقامت بھی ہے اور **قد قامت الصلوٰۃ** کا دو مرتبہ ہونا تو اقامت میں **مُسَلَّمْ** ہے لہٰذا اقامت کے کل سترہ کلمات حدیث سے ثابت ہو گئے۔

احناف کی دوسری دلیل حضرت ابومحذورہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے جو مشکوۃ ص ۶۳ پر موجود ہے جس میں یہ الفاظ آئے ہیں "**والاقامة سبع عشرة کلمة**" یہ نہایت صریح دلیل ہے چوتھی دلیل حضرت سلمہ بن اکوع کی روایت ہے پانچویں دلیل حضرت ثوبان کی روایت ہے اور چھٹی دلیل حضرت علی کی روایت ہے ان حضرات کی تمام روایتوں میں یہ الفاظ آئے ہیں "**الاذان مثنی مثنی والاقامة مثنی مثنی**" طرز استدلال اس طرح ہے کہ جب اقامت دو دو مرتبہ ہے تو ایتار کہاں ہے؟۔

جواب: احناف نے جمہور کی دلیل "**وان یوتر الاقامة**" کا ایک جواب یہ دیا ہے کہ اگر اس جملے کا یہی مطلب ہے جو جمہور نے لیا ہے تو یہ بیان جواز کے لئے ہے کہ اقامت میں ایتار بھی جائز ہے کبھی کبھی ایسا بھی ہوا ہے۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ اقامت کرنے کا طریقہ بتلایا گیا ہے کہ اذان پڑھنے میں "**تَرَسُّلْ تَمَهُّلْ**" ہے کہ آہستہ آہستہ پڑھا جائے ٹھہر ٹھہر کر ادا کیا جائے اور اسی پر ان **یشفع الاذان** کے الفاظ دلالت کرتے ہیں اور اقامت میں انحدار اور حدر ہے کہ جلدی جلدی ایک ایک کلمہ ایک سانس میں پڑھا جائے اور اسی پر "**وان یوتر الاقامة**" کے الفاظ دال ہیں اگر پڑھنے کا انداز اور طریقہ بتانا مراد نہیں ہے تو پھر شفع تو جفت کو کہتے ہیں یعنی دو دو کلمے ہوں حالانکہ جمہور چار کلمات کہنے کے قائل ہیں کہ تکبیرات چار ہوں شہادتین چار چار بار ہوں تو شفعہ پر عمل کہاں ہوا؟۔

اور اگر ان **یشفع الاذان** سے پوری اذان کا شفعہ مراد ہے تو کیا دوبارہ اذان دینی ہوگی تاکہ شفعہ متحقق ہو جائے؟ معلوم ہوا **ایتار الالفاظ** مراد نہیں بلکہ ایتار صوت مراد ہے اور "**وان یوتر الاقامة**" میں ایتار کا معنی اگر یہ ہے کہ ایک ایک بار پڑھا جائے تو پھر ایسا ہی پڑھنا چاہیے حالانکہ جمہور قد قامت الصلوٰۃ کو دو مرتبہ اور اول و آخر میں تکبیر کو بھی دو دو مرتبہ ادا کرنے کا فتویٰ دیتے ہیں۔ اگر ایتار پر عمل کرنا ہے تو پھر تمام کلمات کو ایک ایک بار ادا کریں تاکہ کل آٹھ کلمات پر عمل ہو جائے۔

تو اصل حقیقت یہ ہے کہ اس حدیث میں اذان اور اقامت کے پڑھنے کی کیفیت بیان کی گئی ہے۔ جفت اور طاق کی بات نہیں بلکہ کلمات کے ادا کرنے کی کیفیت بتائی گئی ہے "**تَرَسُّلْ و تَحَدُّرْ**" کی بات بیان کی گئی ہے جس پر حدیث کے ان

؎۱ المرقات: ۲/۳۳۲

یشفع الاذان اور **ان یوتر الاقامة** کے الفاظ دال ہیں اور آنے والی حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث نمبر ۷ میں واضح طور پر آنحضرت ﷺ نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو ترسل اور تحدر کا حکم دیا ہے جو اس توجیہ کی تائید کرتا ہے۔

شیخ عبدالحق رحمۃ اللہ علیہ محدث دھلوی نے اشعۃ اللمعات میں اس حدیث کی تشریح میں لکھا ہے کہ بنوامیہ کے بعض حکمرانوں کے ہاں قدیم زمانہ سے اذان اور اقامت کے کلمات یکساں طور پر پڑھے جاتے تھے دونوں میں کوئی فرق نہیں تھا۔ لیکن بنوامیہ کے بعض حکمرانوں نے اس وجہ سے اقامت میں فرق کر دیا کہ جب وہ نماز کے لئے باہر آتے تھے تو ان کو نماز کی جلدی ہوتی تھی اس لئے انھوں نے اقامت کے کلمات کو ایک ایک کر کے الگ الگ بنا دیا اور اس طرح یہ سلسلہ چل پڑا یہ توجیہ شیخ دھلوی نے **اشعۃ اللمعات** میں لکھی ہے لیکن یہ بہت ہی بعید از فہم ہے۔ واللہ اعلم [1]

ناقوس کی تحقیق

"**الناقوس**" احادیث میں ناقوس کا لفظ آیا ہے اور اس کو مسترد کرنے کی وجہ یہ بیان کی گئی ہے کہ یہ نصاریٰ کی عبادت کا شعار تھا ناقوس دو لکڑیوں کے مجموعے کا نام ہے اس میں ایک لکڑی لمبی ہوتی تھی اور ایک چھوٹی ہوتی تھی چھوٹی کو بڑی پر جب مار دیا کرتے تھے تو اس سے آواز نکل آتی تھی عیسائیوں کے گرجوں میں آج کل بھی یہی چیز ہے جس کو گھنٹی کہتے ہیں تاہم لکڑیوں کی جگہ جدید اشیاء نے لے لی ہے۔ [2]

"**النار**" [3] اس حدیث میں آگ کا ذکر ہے اس کو اس لئے مسترد کر دیا گیا کہ یہ مجوس کی عبادت کا شعار تھا۔

سؤال: یہاں اس حدیث میں آگ اور ناقوس کا ذکر ہے اور پھر یہود و نصاریٰ کا ذکر کیا گیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ آگ جلانا یہود کی عبادت کا قومی شعار تھا حالانکہ یہ مجوس کا شعار تھا یہودیوں کا نہیں تھا۔

جواب: اس کا ایک جواب عام شارحین نے دیا ہے کہ ہوسکتا ہے کہ بعض یہودیوں کے ہاں آگ روشن کرنا عبادت کی علامت ہو اور اکثر کے ہاں نرسنگا اور بوق یعنی بگل بجانا علامت ہو۔ اس اعتراض کا جواب صاحب التعلیق الفصیح نے یہ دیا ہے کہ در حقیقت اس حدیث کے بیان کرنے میں راویوں نے اختصار مخل کر کے مفہوم میں پیچیدگی پیدا کی ہے۔

دراصل تفصیلی روایت میں آگ، ناقوس، اور بوق کا ذکر ہے اور پھر مجوس نصاری اور یہود کا ذکر ہے اس ترتیب میں لف ونشر مرتب ہے لیکن بعض راویوں نے اس میں اختصار کر کے بوق کا ذکر نہیں کیا۔ ان کو چاہئے تھا کہ جب انہوں نے بوق کا ذکر نہ کیا تو یہود کا ذکر بھی نہ کرتے اور آگ کے ساتھ مجوس کا ذکر کر دیتے مگر ایسا نہیں ہوا تو مفہوم میں خلل آ گیا اور ایسا معلوم ہونے لگا کہ آگ یہود کی عبادت کے لئے قومی شعار ہے حالانکہ ایسا نہیں ہے۔

عمدۃ القاری میں علامہ عینی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ عبدالوارث نے اس حدیث میں یہ اختصار کیا ہے۔ علامہ عینی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ "روح" کی روایت کے مطابق ابوالشیخ نے تفصیلی حدیث اس طرح نقل کی ہے۔ [3]

[1] اشعۃ اللمعات: ۳۲۹ [2] المرقات: ۲/۳۳۱ [3] المرقات: ۲/۳۳۱

فقالوا لو اتخذنا ناقوسا فقال النبی ﷺ ذاك للنصاریٰ فقالوا لو اتخذنا بوقا فقال ذاك لليهود فقالوا لو رفعنا نارا فقال ذاك للمجوس۔ (التعلیق الفصیح ص ۶۰)

بوق، اور القرن، اور الشبور، یہ تین الفاظ ایک ہی چیز کے لئے بولے جاتے ہیں یہ بانسری کی طرح ایک آلہ ہے جس میں پھونک مارنے سے زوردار آواز نکل آتی ہے منجد میں اس کی تصویر مائکروفون کی طرح بنائی ہے اس کا ترجمہ بگل نرسنگا اور سینگ سے کیا جاتا ہے۔

"الا الاقامة" یعنی **قد قامت الصلوٰة** دومرتبہ پڑھا جائے گا بعض روایات میں یہ استثناء نہیں ہے جس پر امام مالک رحمہ اللہ نے عمل کیا ہے ان کے نزدیک **قد قامت الصلوٰة** بھی ایک مرتبہ پڑھا جائے گا تو ان کے ہاں اقامت کے کلمات دس ہو جائیں گے۔

بہرحال مختلف احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اذان اور اقامت کے کلمات میں کافی فرق ہے اسی وجہ سے امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کے ہاں موقع ومحل کے اعتبار سے تمام طریقوں کا اپنانا مباح ہے یہ فیصلہ بہت اچھا ہے جس سے تمام احادیث پر عمل ہوسکتا ہے آج کل حرمین شریفین میں بلکہ پورے سعودی عرب میں اذان تو احناف کے مسلک کے مطابق ہے اور اقامت شوافع اور جمہور کے مسلک کے مطابق ہے باقی یہ مسئلہ بھی زیر بحث لایا گیا ہے کہ اذان کی شرعی حیثیت کیا ہے۔

اذان کی شرعی حیثیت:

جمہور فقہاء کا راجح مسلک یہ ہے کہ پانچ وقت کی نمازوں کے لئے اذان دینا سنت ہے احناف کے اکثر فقہاء کا یہی فتویٰ ہے۔ ہاں بعض احناف نے اذان کو واجب کہا ہے کہ پانچ وقت نمازوں کے لئے اذان دینا واجب ہے۔ ان حضرات نے امام محمد رحمہ اللہ کے ایک فتویٰ سے استدلال کیا ہے کہ امام محمد رحمہ اللہ نے فرمایا کہ جو قوم اذان ترک کردے حکومت وقت پر لازم ہے کہ ان لوگوں سے قتال کرے اس فتویٰ سے بعض حضرات نے یہ مسئلہ اخذ کیا ہے کہ اذان واجب ہے تب ہی تو اس کے چھوڑنے پر جہاد وقتال کا حکم ہے۔

لیکن ان حضرات کی یہ دلیل تام نہیں ہے کیونکہ اذان سنت ہونے کے ساتھ ساتھ شوکت اسلام کی ایک نشانی بھی ہے اور شعائر اسلام میں سے ہے اور حکومت کی ذمہ داری ہے کہ وہ شعائر اسلام کی حفاظت کرے یہ لڑائی شعائر اسلام کے تحفظ کی بنیاد پر ہے وجوب اذان کی بنیاد پر نہیں ہے۔

کلمات اذان کی حکمت ومقصد

﴿۲﴾ وعن أَبِي مَحْذُورَةَ قَالَ أَلْقَى عَلَيَّ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ التَّأْذِيْنَ هُوَ بِنَفْسِهِ فَقَالَ قُلْ اَللّٰهُ أَكْبَرُ أَللّٰهُ أَكْبَرُ أَللّٰهُ أَكْبَرُ أَللّٰهُ أَكْبَرُ أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ أَشْهَدُ أَنَّ

مُحَمَّداً رَسُوْلُ اللّٰہِ أَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّداً رَسُوْلُ اللّٰہِ ثُمَّ تَعُوْدُ فَتَقُوْلُ أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ أَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّداً رَسُوْلُ اللّٰہِ أَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّداً رَسُوْلُ اللّٰہِ حَيَّ عَلَى الصَّلَاةِ حَيَّ عَلَى الصَّلَاةِ حَيَّ عَلَى الْفَلَاحِ حَيَّ عَلَى الْفَلَاحِ أَللّٰهُ أَكْبَرُ أَللّٰهُ أَكْبَرُ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ۔[1] (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

ترجمہ: اور حضرت ابو محذورہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ ''سرور کائنات ﷺ نے مجھے خود (بغیر کسی واسطے کے) اذان سکھلائی ہے چنانچہ آپ نے فرمایا کہ کہو! اللہ بہت بڑا ہے، اللہ بہت بڑا ہے، اللہ بہت بڑا ہے، اللہ بہت بڑا ہے۔ میں گواہی دیتا ہوں (یعنی جانتا اور بیان کرتا ہوں) کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد (ﷺ) اللہ کے رسول ہیں، میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد (ﷺ) اللہ کے رسول ہیں۔'' پھر فرمایا کہ دوبارہ کہو! ''میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد (ﷺ) اللہ کے رسول ہیں، میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد (ﷺ) اللہ کے رسول ہیں۔ آؤ نماز کی طرف، آؤ نماز کی طرف، آؤ فلاح کی طرف، آؤ فلاح کی طرف، اللہ بہت بڑا ہے، اللہ بہت بڑا ہے، اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔'' (مسلم)

توضیح: ''اکبر'' یہ اسم تفضیل کا صیغہ نہیں ہے بلکہ صفت مشبہ کا صیغہ ہے جس کا ترجمہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ بہت بڑا ہے اگر اسم تفضیل ہو جائے تو معنی یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ تمام بڑوں سے بڑا ہے جس میں یہ نقصان ہے کہ توحید کے موقع پر اللہ کے ساتھ اوروں کو بھی بڑا تسلیم کرلیا گیا جو وحدانیت کے منافی ہے چار مرتبہ اللہ اکبر کہنے سے یہ اشارہ مقصود ہے کہ اللہ تعالیٰ کی عظمت و کبریائی چار دانگ عالم میں جاری وساری ہے۔[2]

''**حی علی الفلاح**'' دین ودنیا کی کامیابی اور ہر مصیبت سے حفاظت کا نام ''**فلاح**'' ہے اس میں تمام بھلائیاں آگئیں اور تمام برائیوں سے چھٹکارے کی ضمانت دیدی گئی یہ مسنون اور منقول جملہ ہے جو نبی کریم ﷺ نے امت کو بتایا ہے اور فرشتہ کی تعلیم سے ملا ہے اس کو چھوڑ کر شیعہ روافض جو ''**حی علی خیر العمل**'' کا جملہ اذان میں کہتے ہیں وہ من گھڑت ہے بدعت ہے۔

روافض کی اذان اہل حق کی اذان سے بہت مختلف ہے جس میں گمراہی اور نفاق اور امت میں تفرقہ ڈالنے کے کئی اعلانات ہیں۔ حضرت ابو محذورہ رضی اللہ عنہ کی اس روایت میں **ترجیع فی الاذان** کا ذکر ہے جس کو شوافع اور مالکیہ نے اختیار کیا ہے ترجیع کا مطلب یہ ہے کہ شہادتین کو پہلے ایک مرتبہ آہستہ کہہ دیا جائے اور اس کو لوٹا کر زور سے پڑھا جائے آنحضرت ﷺ نے ابو محذورہ رضی اللہ عنہ کو دوبارہ شہادتین کے پڑھنے کا حکم بطور تعلیم دیا تھا آپ نے اس کو تشریعی سمجھ لیا اور مدۃ العمر اسی پر عمل کرتے رہے۔ بہرحال یہ حدیث شوافع کی دلیل ہے۔

---

[1] اخرجه مسلم: ۲/۳ [2] المرقات: ۲/۳۳۲، ۳۳۳

الفصل الثانی

﴿۳﴾ عن ابنِ عُمَرَ قَالَ كَانَ الْأَذَانُ عَلَى عَهْدِ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَرَّتَيْنِ مَرَّتَيْنِ وَالْإِقَامَةُ مَرَّةً مَرَّةً غَيْرَ أَنَّهُ كَانَ يَقُوْلُ قَدْ قَامَتِ الصَّلَاةُ قَدْ قَامَتِ الصَّلَاةُ۔[1]
(رَوَاهُ أَبُوْدَاوٗدَ وَالنَّسَائِيُّ وَالدَّارِمِيُّ)

ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ سرور کائنات ﷺ کے زمانہ میں اذان کے کلمات دو دو دفعہ اور تکبیر کے کلمات ایک ایک دفعہ (کہے جاتے) تھے البتہ (تکبیر میں) قد قامت الصلوٰۃ مؤذن دومرتبہ کہتا تھا۔ (ابوداؤد، نسائی، دارمی)

اقامت کے کلمات سترہ ہیں

﴿۴﴾ وعن أَبِي مَحْذُوْرَةَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَّمَهُ الْأَذَانَ تِسْعَ عَشْرَةَ كَلِمَةً وَالْإِقَامَةَ سَبْعَ عَشْرَةَ كَلِمَةً۔ (رَوَاهُ أَحْمَدُ وَالتِّرْمِذِيُّ وَأَبُوْدَاوٗدَ وَالنَّسَائِيُّ وَالدَّارِمِيُّ وَابْنُ مَاجَه)[2]

ترجمہ: اور حضرت ابومحذورہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ سرور کائنات ﷺ نے انہیں اذان کے انیس کلمات اور تکبیر کے سترہ کلمات سکھلائے تھے۔ (احمد، ترمذی، ابوداؤد، نسائی، دارمی، ابن ماجہ)

توضیح: "سبع عشرة كلمة" یعنی اقامت کے کلمات سترہ ہیں یہ حدیث واضح طور پر احناف کی دلیل ہے احناف کے نزدیک یہ روایت ان روایات کے لئے ناسخ ہے جس میں اقامت کے گیارہ کلمات کا ذکر ہے اس روایت سے شوافع کے مسلک کے مطابق اذان کے ۱۹ کلمات ثابت ہوتے ہیں احناف کے نزدیک شہادتین میں تکرار تعلیم پر محمول ہے ترجیع کیلئے نہیں ہے۔[3]

﴿۵﴾ وعنه قَالَ قُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللهِ عَلِّمْنِيْ سُنَّةَ الْأَذَانِ قَالَ فَمَسَحَ مُقَدَّمَ رَأْسِهٖ قَالَ تَقُوْلُ أَللّٰهُ أَكْبَرُ أَللّٰهُ أَكْبَرُ أَللّٰهُ أَكْبَرُ أَللّٰهُ أَكْبَرُ تَرْفَعُ بِهَا صَوْتَكَ ثُمَّ تَقُوْلُ أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ أَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا رَسُوْلُ اللهِ أَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا رَسُوْلُ اللهِ تَخْفِضُ بِهَا صَوْتَكَ ثُمَّ تَرْفَعُ صَوْتَكَ بِالشَّهَادَةِ أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ أَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا رَسُوْلُ اللهِ أَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا رَسُوْلُ اللهِ حَيَّ عَلَى الصَّلَاةِ حَيَّ عَلَى الصَّلَاةِ حَيَّ عَلَى الْفَلَاحِ حَيَّ عَلَى الْفَلَاحِ فَإِنْ كَانَ صَلَاةُ الصُّبْحِ قُلْتَ الصَّلَاةُ خَيْرٌ مِنَ النَّوْمِ أَلصَّلَاةُ خَيْرٌ مِنَ النَّوْمِ أَللّٰهُ أَكْبَرُ أَللّٰهُ أَكْبَرُ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ۔ (رَوَاهُ أَبُوْدَاوٗدَ)[4]

---

[1] اخرجه الدارمي: ۱۱۹۵ وابوداؤد: ۵۱۰ والنسائي: ۳۱۲ [2] اخرجه احمد: ۳/۴۰۹ والترمذي: ۱۹۳ والنسائي: ۲/۴ ابن ماجه: ۷۰۸
[3] المرقات: ۲/۱۲۳ [4] اخرجه ابوداؤد: ۵۱۰

ترجمہ: اور حضرت ابومحذورہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے سرور کائنات ﷺ سے عرض کیا یا رسول اللہ! مجھے اذان کا طریقہ سکھا دیجئے! راوی کہتے ہیں کہ (یہ سن کر) آنحضرت ﷺ نے ابومحذورہ کی پیشانی پر ہاتھ پھیرا اور پھر فرمایا کہ کہو "اللہ اکبر، اللہ اکبر، اللہ اکبر، اللہ اکبر، ان کے ساتھ آواز بلند کرو، اور پھر کہو، اشہدان لا الہ الا اللہ، اشہدان لا الہ الا اللہ، اشہدان محمداً رسول اللہ، اشہدان محمداً رسول اللہ، انہیں آہستہ سے کہہ کر پھر بلند آواز سے شہادت کے کلمات کہو اشہدان لا الہ الا اللہ، اشہدان لا الہ الا اللہ، اشہد ان محمداً رسول اللہ، اشہدان محمداً رسول اللہ، حی علی الصلوٰۃ، حی علی الصلوٰۃ، حی علی الفلاح، حی علی الفلاح۔ اگر صبح کی نماز کے لئے اذان کہنا چاہو تو اس کے بعد یہ کلمات کہو الصلوٰۃ خیر من النوم، الصلوٰۃ خیر من النوم (یعنی نماز نیند سے بہتر ہے، نماز نیند سے بہتر ہے، اللہ اکبر، اللہ اکبر، لا الہ الا اللہ۔" (ابوداؤد)

توضیح: "ان تخفض بھا صوتك"[۱] اس روایت میں **تَرَفُّع** اور **تَخَفُّض** کے جو الفاظ آئے ہیں ان کے پیش نظر احناف کی وہ توجیہ صحیح معلوم نہیں ہوتی ہے کہ شہادتین میں تکرار کا حکم تعلیم کے لئے تھا کیونکہ یہ حدیث اس توجیہ کی اجازت نہیں دیتی ہے۔

لہٰذا احناف کا جواب یہی ہوگا کہ دیگر کثیر روایات اور عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہ کا قصہ اذان اور حضرت بلال رضی اللہ عنہ وغیرہ مؤذنین کا ترجیع نہ کرنا ان تمام امور کی وجہ سے احناف نے ابومحذورہ رضی اللہ عنہ کی روایت کو مرجوح اور دیگر روایات کو راجح قرار دیا ہے۔

"**مقدم رأسه**" بعض روایات میں "**رأسی**" کے الفاظ آئے ہیں جو اس بات کی دلیل ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے ابومحذورہ رضی اللہ عنہ کے سر پر ہاتھ پھیر دیا تھا یہی واضح اور راجح ہے بعض حضرات نے اس جملہ کا مطلب یہ لیا ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے اپنے سر پر ہاتھ پھیر دیا یہ مطلب واضح نہیں ہے۔

اذان کے بعد نماز کے لئے اعلان کرنا کیسا ہے؟

﴿۶﴾ وعن بِلَالٍ قَالَ قَالَ لِيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تُثَوِّبَنَّ فِيْ شَيْءٍ مِنَ الصَّلَوَاتِ اِلَّا فِيْ صَلَاةِ الْفَجْرِ. (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَابْنُ مَاجَه وَقَالَ التِّرْمِذِيُّ أَبُوْ اِسْرَائِيْلَ الرَّاوِيْ لَيْسَ هُوَ بِذَاكَ الْقَوِيِّ عِنْدَ أَهْلِ الْحَدِيْثِ)[۲]

ترجمہ: اور حضرت بلال رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ سرور کائنات ﷺ نے مجھ سے فرمایا کہ "فجر کی نماز کے علاوہ کسی نماز میں تثویب نہ کرو۔" (ترمذی، ابن ماجہ)

توضیح: "**لا تثوبن**" یہ صیغہ تثویب باب تفعیل سے ہے لغت میں تثویب رجوع اور لوٹنے کے معنی میں ہے اسی سے ثیبہ عورت ہے اسی سے ثوب اور ثواب ہے اور اسی اعتبار سے بیت اللہ کو **مثابة للناس** فرمایا گیا ہے ان تمام چیزوں میں رجوع اور لوٹنے کا معنی موجود ہے یہاں حدیث میں **تثویب** سے اعلام بعد اعلام اور اطلاع بعد اطلاع اور اعلان بعد اعلان مراد ہے تثویب تین معنوں میں اور تین مطالب اور مقاصد پر بولا جاتا ہے۔[۳]

[۱] المرقات: ۲/۳۳۷ [۲] اخرجه الترمذی: ۱۹۸ و ابن ماجه: ۷۱۵ [۳] اشعة اللمعات: ۳۳۰ المرقات: ۲/۳۳۷، ۳۳۸

❶ اقامت اور تکبیر کہنے کو تثویب کہتے ہیں۔
❷ اذان فجر میں **الصلوٰۃ خیر من النوم** کہنے کو بھی تثویب کہتے ہیں۔
❸ اعلام بعد اعلام یعنی اذان کہنے کے بعد اقامت سے پہلے ایک آدمی اعلان کرنے لگتا ہے اور لوگوں کو نماز کی طرف دوبارہ اپنے الفاظ میں بلاتا ہے اس کو بھی **تثویب** کہتے ہیں اس **تثویب** میں شدید اختلاف ہے متقدمین اور سلف صالحین نے اس کو مکروہ اور بدعت کہا ہے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے منقول ہے اور آپ کے متعلق مشہور ہے کہ آپ نے ایک مسجد میں ایک شخص کو دیکھا کہ وہ **تثویب** کرتا تھا یعنی اذان کے بعد نماز کے لئے اعلان کرتا تھا تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا "**اخرجوا هذا المبدع من المسجد**"۔[1]

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کے بارے میں منقول ہے کہ آپ نے ایک دفعہ مسجد میں مؤذن کو تثویب کرتے ہوئے سنا تو آپ مسجد سے باہر چلے گئے اور دوسروں سے بھی فرمایا کہ اس شخص کے سامنے نہ رہو باہر نکل آؤ کیونکہ یہ بدعتی ہے۔ حضرت امام محمد رحمہ اللہ بھی **تثویب** کی اس قسم پر سخت ناراض ہوتے تھے اور فرمایا کرتے تھے کہ تمام مسلمان نماز کی عبادت میں یکساں ہیں، بہرحال فجر کی اذان کے اندر **الصلوٰۃ خیر من النوم** کی جو **تثویب** ہے زمانہ رسالت سے جاری ہے اور بوجہ غفلت و نیند اور بوجہ کسل و سستی ان الفاظ، کہنے کو سنت کا درجہ حاصل ہے۔ پھر لوگوں نے اپنے اپنے انداز سے اس کے علاوہ کچھ اور اعلانات بھی فجر کی نماز کے لئے شروع کر دیئے کیونکہ فجر کا وقت نیند اور غفلت و سستی کا ہوتا ہے۔

پھر آخر میں قاضی ابو یوسف رحمہ اللہ نے عام نمازوں میں قاضیوں اور حکام اور شاغلین دین کے لئے خصوصی طور پر اعلام واطلاع بعد الاذان بوجہ مشغولیت جائز قرار دیا کہ مؤذن وغیرہ جا کر ان سے کہہ دے "**ایها الامیر الصلوة جامعة**"۔

حضرت امام محمد رحمہ اللہ اس **تثویب** پر سخت ناراض ہوتے تھے اور فرماتے تھے کہ تمام مسلمان یکساں ہیں کسی کی کوئی خصوصیت نہیں ہے مگر متاخرین نے ان شاغلین دین کو اطلاع کے لئے یہ اعلان اچھا قرار دیا ہے گویا بوجہ تبدیلی زمانہ اور بوجہ تبدیلی اہل زمانہ اس حکم میں تبدیلی آگئی جیسے آج کل اذان کے بعد مدارس دینیہ میں طلباء کو دوبارہ اعلان کے ساتھ جگایا جاتا ہے۔ اس طرح خصوصی اطلاع تو مؤذنین نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی دی ہے خلفاء راشدین کو بھی دی ہے اس کا انکار نہیں کیا جا سکتا ہے لیکن برسر عام مسجدوں سے اذان کے بعد دوبارہ اعلان ہر حال میں ناجائز ہے اگر کسی خاص داعیہ اور خاص سبب کی وجہ سے کبھی کسی نے اعلان کیا وہ اور بات ہے مگر مستقل طور پر اذان کے بعد اعلان کرنا بہرحال بدعت ہے جس سے اذان کی حیثیت اور اس کی مشروعیت کے اصل مقصد کو نقصان پہنچتا ہے۔

اذان پڑھنے میں بعض غلطیاں خطرناک ہیں

﴿۷﴾ وعن جَابِرٍ أَنَّ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لِبِلَالٍ إِذَا أَذَّنْتَ فَتَرَسَّلْ وَإِذَا أَقَمْتَ

[1] اشعة اللمعات: ۳۲۱ المرقات: ۲/۳۳۸

فَاحْدُرْ وَاجْعَلْ بَيْنَ أَذَانِكَ وَإِقَامَتِكَ قَدْرَ مَا يَفْرُغُ الْآكِلُ مِنْ أَكْلِهِ وَالشَّارِبُ مِنْ شُرْبِهِ وَالْمُعْتَصِرُ إِذَا دَخَلَ لِقَضَاءِ حَاجَتِهِ وَلَا تَقُومُوا حَتّٰى تَرَوْنِيْ.[1]

(رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ لَا نَعْرِفُهُ إِلَّا مِنْ حَدِيْثِ عَبْدِ الْمُنْعِمِ وَهُوَ إِسْنَادٌ مَجْهُوْلٌ)

ترجمہ: اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ سرور کائنات ﷺ نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ ''جب تم اذان کہو تو ٹھہر ٹھہر کر کہا کرو اور جب تکبیر کہو تو جلدی جلدی کہا کرو اور اذان و تکبیر کے درمیان اتنا وقفہ کیا کرو کہ کھانے والا اپنے کھانے سے، پینے والا اپنے پینے سے اور قضائے حاجت کو جانے والا اپنی حاجت سے فارغ ہو جائے اور اس وقت تک نماز کے لئے کھڑے نہ ہو جب تک مجھے (نماز پڑھنے کے لئے آتا ہوا) نہ دیکھ لو۔'' اس حدیث کو ترمذی نے نقل کیا ہے اور کہا ہے کہ ہم اس حدیث کو سوائے عبدالمنعم کے اور کسی سے نہیں جانتے اور اس کی سند مجہول ہے۔

توضیح: "فترسل" ٹھہر ٹھہر کر اذان دینے کو ترسل کہتے ہیں اور تیز تیز تکبیر پڑھنے کو حدر کہتے ہیں یہ حدیث اس بات پر واضح دلیل ہے کہ اذان اور اقامت میں شفع اور ایتار کا جو معنی ائمہ احناف نے لیا ہے اس حدیث میں اسی طرز کی تعلیم دی گئی ہے اور وہی معنی ان احادیث کے مطالب کے زیادہ قریب ہے اس حدیث سے یہ بات بھی معلوم ہوگئی کہ اذان و اقامت میں غلطی سے بچنے کی پوری کوشش کرنی چاہئے کیونکہ اذان میں بعض غلطیاں کرنے سے ایمان کے خراب ہونے کا خطرہ بھی لاحق ہوسکتا ہے مثلاً "اللہ اکبر" میں اگر کوئی شخص الف پر مد کر کے کھینچتا ہے اور اسی طرح اکبر کو اکبار پڑھتا ہے تو قصداً ایسا کرنے سے کفر کا خطرہ ہے کیونکہ مد کی صورت میں استفہام ہو جاتا ہے کہ آیا اللہ بڑا ہے یا نہیں اسی طرح اکبار کبر کی جمع بن جاتی جس کے معنی ایک قسم کے طبلہ کے آتے ہیں۔ اسی طرح **اشھد** کے الف پر مد کرنے سے استفہام کا معنی پیدا ہو جاتا ہے جو خطرناک ہے گویا مؤذن یوں کہتا ہے کہ کیا میں گواہی دوں؟ اسی طرح أَنَّ کی جگہ آنَّا پڑھنا باعث خطر ہے۔ علماء نے یہ بھی لکھا ہے کہ اذان اور اقامت کے کلمات وقف کی حالت کے ساتھ منقول ہیں اس میں کسی کلمہ کے آخر میں اعراب ظاہر کرنا خلاف سنت ہے مثلاً حی علی الصلوٰۃ یا حی علی الفلاح کے آخری کلمہ پر اعراب ظاہر نہیں کرنا چاہئے کیونکہ یہ وقف کی حالت پر منقول ہے اسی طرح **قد قامت الصلوٰۃ** وقف کی حالت میں ہے اس کے آخر میں پیش پڑھنا غلط ہے۔

اذان و جماعت کے درمیان کتنا وقفہ چاہئے

"**قدر ما یفرغ الآکل**" یہ اذان اور اقامت کے درمیان وقفہ کی مقدار کا بیان ہے کہ اذان کے بعد اتنا وقفہ ہونا چاہئے کہ ایک نمازی اگر قضائے حاجت کی ضرورت محسوس کر رہا ہو تو وہ اسے آسانی سے پورا کرے یا کسی کو بھوک لگی ہو تو وقفہ اتنا ہو کہ کھانے کی ضرورت پوری ہو سکے یا اسی طرح کوئی اور مختصر سی ضرورت ہو تو وہ پوری ہو سکے آج کل گھڑیوں کا مربوط انتظام ہے بعض مسجدوں میں آدھا گھنٹہ وقفہ دیا جاتا ہے بعض میں پندرہ منٹ دیا جاتا ہے۔ پاکستان کے مؤذنین کی

[1] اخرجه الترمذي: ۱۹۵، ۱۹۶

اذانوں میں ایک بڑی کمزوری یہ ہے کہ اس ملک میں اور اسی طرح افغانستان ہندوستان اور بنگلہ دیش میں اذان تعین وقت کے لئے نہیں دی جاتی ہے بلکہ تعیین نماز کے لئے ہوتی ہے اگر اذان تعیین وقت کے لئے ہوتی تو وقت کی آمد کے پہلے منٹ میں اذان دی جاتی مگر ایسا نہیں ہوتا مثلاً ظہر کا وقت زوال سے شروع ہوتا ہے تو مناسب اور مسنون تو یہ تھا کہ اسی وقت میں اذان ہو جاتی لیکن اذان وقت کی آمد سے کبھی آدھا گھنٹہ بعد دی جاتی ہے جبکہ سعودی عرب میں اذان وقت کی تعیین کے لئے ہوتی ہے تو وقت کے بالکل شروع میں دی جاتی ہے جو بہت ہی اچھا عمل ہے۔

"**المعتصر**" اعتصار نچوڑنے کے معنی میں ہے مطلب یہ ہے کہ قضائے حاجت کرنے والا اپنی آنتوں کو خوب صاف کرے اور آخری حد تک قضائے حاجت کر لے۔

صفیں درست کرنے کے لئے مقتدی کب کھڑے ہوں؟

"**ولا تقوموا حتی ترونی**"[1] یعنی جب مؤذن تکبیر کے لئے کھڑا ہو جائے تو تم جب تک مجھے آتے ہوئے نہ دیکھو اس وقت تک بیٹھے رہو کھڑے ہونے کی کوشش نہ کرو کیونکہ وقت سے پہلے اس کھڑے ہونے میں مشقت بھی ہے اور باعث انتشار و تشویش بھی ہے حدیث سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت ﷺ تکبیر شروع ہونے کے بعد حجرہ مبارکہ سے باہر تشریف لاتے ہونگے اور جب مؤذن **حی علی الصلوٰۃ** کہتا تو حضور اکرم ﷺ محراب میں پہنچتے ہونگے اب رہا یہ مسئلہ کہ مقتدی نماز کے لئے کب کھڑے ہوں اس میں اختلاف ہے۔

فقہاء کا اختلاف:

اب اس میں اختلاف ہوا کہ مقتدی کس وقت کھڑے ہوں اور امام کس وقت تکبیر کہہ دے امام مالک رحمہ اللہ اور جمہور علماء کی رائے یہ ہے کہ صفوں میں مقتدیوں کے قیام کے لئے کوئی مقرر وقت نہیں ہے جب عوام الناس چاہیں کھڑے ہو جایا کریں۔

اور بعض علماء کی رائے یہ ہے کہ جب مؤذن **قد قامت الصلوٰۃ** کہہ دے تو مقتدی اس وقت کھڑے ہو جائیں۔

مصنف ابن ابی شیبہ میں سوید بن غفلہ، قیس بن حازم، حماد، سعید بن مسیب اور حضرت عمر بن عبد العزیز رحمہم اللہ تعالیٰ کا قول نقل کیا ہے کہ جب مؤذن اقامت شروع کر دے تو **قیام الی الصفوف** واجب ہے تاکہ صفوں میں اعتدال آ جائے۔

اور جب مؤذن اقامت ختم کرے تو امام کو تکبیر کہہ دینا چاہئے امام احمد رحمہ اللہ کا مسلک یہ ہے کہ جب مؤذن قد قامت الصلوٰۃ کہہ دے تو امام کو تکبیر تحریمہ کہتے ہوئے نماز شروع کرنی چاہئے اور امام صاحب کا بھی ایک قول یہی ہے۔

لیکن جمہور علماء کے نزدیک جب تک مؤذن اقامت سے فارغ نہ ہو جائے امام نماز شروع نہ کرے یہی امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا ایک قول بھی ہے فتویٰ اسی پر ہے۔

امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک یہ ہے کہ جب مؤذن تکبیر پڑھنے سے فارغ ہو جائے اس وقت مقتدی قیام کریں۔

اب اس حدیث سے یہ مسئلہ اخذ کرنا کہ جو بھی اقامت کے وقت یا اس سے پہلے مسجد میں آ جائے تو اس کو پہلے بیٹھنا چاہئے

---

[1] الکاشف: ۲/۲۳۳ المرقات: ۲/۳۳۸ اشعۃ اللمعات: ۳۳۱

اور پھر حی علی الصلوٰۃ پر اٹھنا چاہئے آج کل اہل بدعت اسی بدعت کی پابندی کرتے ہیں اور کسی نو وارد کو بھی معاف نہیں کرتے ہیں بلکہ کھڑے ہوئے آدمی کو زبردستی بٹھا دیتے ہیں۔ میرے خیال میں یہ اہل بدعت کی ایک علمی غلطی ہے ان کا علم غلط ہو گیا ہے ورنہ حدیث سے کھڑے آدمی کے بٹھانے اور بیٹھنے کے التزام کا کوئی اشارہ بھی نہیں ملتا۔

فقہاء احناف کی کتابوں میں لکھا ہے کہ "حی علی الفلاح" کے وقت کھڑے ہوں اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر کسی مجبوری کی وجہ سے پہلے کوئی کھڑا نہ ہو سکا تو حی علی الفلاح کے بعد بیٹھے رہنے کی اجازت نہیں ہے۔

فقہاء نے جس مسئلہ کو لکھا ہے وہ یہ ہے کہ بیٹھنے کی آخری حد "حی علی الصلوٰۃ" ہے اس کے بعد بیٹھنا جائز نہیں یہ مطلب نہیں کہ اس سے پہلے کوئی کھڑا نہ ہو اگر کوئی کھڑا ہوگا تو وہ لائق طعن ہے جیسے اہل بدعت کرتے ہیں۔

شیخ عبدالحق محدث دھلوی اس حدیث کے تحت لکھتے ہیں۔

ای لاتقوموا للصلوٰۃ بمجرد الاقامة حتی تبصرونی اخرج من البیت، وفی الفقه یقوم عند حی علی الصلاة ویحرم عند قد قامت الصلوٰۃ۔ [1] (لمعات ج۲ ص۹)

اس عبارت میں بھی وہی بات ہے کہ حی علی الصلوٰۃ کے بعد بیٹھنا منع ہے کیونکہ صف سیدھی کرنا لازم ہے یہ بات نہیں کہ حی علی الصلوٰۃ سے پہلے بیٹھنا لازم ہے شیخ عبدالحق رحمہ اللہ نے اشعۃ اللمعات میں لکھا ہے کہ شاید آنحضرت ﷺ "حی علی الصلوٰۃ" کے کہنے کے وقت حجرہ سے محراب تک پہنچ جاتے اس لئے فرمایا کہ میرے آنے اور مجھے دیکھنے سے پہلے کھڑے نہ ہوں۔
(اشعۃ اللمعات ج۱ ص۳۳۱)

کیا جو شخص اذان کہہ دے وہی تکبیر پڑھے؟

﴿۸﴾ وعن زِيَادِ بْنِ الْحَارِثِ الصُّدَائِيِّ قَالَ أَمَرَنِي رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ أُؤَذِّنَ فِي صَلَاةِ الْفَجْرِ فَأَذَّنْتُ فَأَرَادَ بِلَالٌ أَنْ يُقِيمَ فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهِ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ أَخَا صُدَاءٍ قَدْ أَذَّنَ وَمَنْ أَذَّنَ فَهُوَ يُقِيمُ۔ [2] (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَأَبُو دَاوُدَ وَابْنُ مَاجَه)

ترجمہ: حضرت زیاد ابن حارث صدائی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ سرورِ کائنات ﷺ نے مجھے فجر کی نماز کے لئے اذان کہنے کا حکم دیا۔ چنانچہ میں نے اذان کہی، پھر حضرت بلال نے تکبیر کہنی چاہی تو آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ "صدائی کے بھائی نے اذان کہی تھی اور جو اذان کہے اسی کو تکبیر بھی کہنی چاہئے۔ (ترمذی، ابوداؤد، ابن ماجہ)

توضیح: "ان اخا صداء" زیاد بن حارث صدائی کو اس حدیث میں آنحضرت ﷺ نے اخا صداء فرمایا ہے یہ صحابی ہیں [3] اور یمن کے رہنے والے ہیں ان کے قبیلے کا نام صداء تھا اس کی طرف منسوب ہو کر صدائی کہلانے لگے عرب

[1] اشعۃ اللمعات: ۳۳۱ [2] اخرجه الترمذی: ۱۹۹ وابو داؤد: ۵۱۴ وابن ماجه: ۷۱۷ [3] المرقات: ۲/۳۴۰ اشعۃ اللمعات: ۳۳۱

کا دستور ہے کہ کسی قبیلہ کے آدمی کا جب ذکر کرتے ہیں تو اس کو اس کے قبیلے کا بھائی کہتے ہیں اسی قاعدہ کے مطابق حضور اکرم ﷺ نے اس صحابی کو "اخا صداء" فرمایا یعنی صدا قبیلہ کے بھائی۔

"**فھو یقیم**" یعنی جو کوئی اذان کہدے اس کا حق ہے کہ تکبیر بھی وہ کہے اس استحقاق میں فقہاء کرام کا معمولی سا اختلاف ہے۔ [1]

فقہاء کا اختلاف:

استحقاق کا تقاضا تو یہی ہے کہ جو اذان دے وہی اقامت بھی کہے لیکن اگر مؤذن کے علاوہ کسی دوسرے آدمی نے تکبیر کہدی تو اس کی شرعی حیثیت کیا ہے اس میں شوافع اور حنابلہ کا مسلک یہ ہے کہ ایسا کرنا مطلقاً مکروہ ہے خواہ مؤذن کی اجازت ہو یا نہ ہو البتہ اقامت ہو جائیگی اعادہ کی ضرورت نہیں ہے۔

امام مالک رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ غیر مؤذن کی اقامت مطلقاً جائز ہے مؤذن خوش ہو یا ناخوش ہو اجازت دے یا نہ دے ہر حالت میں جائز ہے۔

ائمہ احناف فرماتے ہیں کہ اگر مؤذن خوشی سے اجازت دیدے تو پھر جائز بلا کراہت ہے اور اگر مؤذن ناخوش ہے اور اس کی اجازت بھی نہیں ہے تو پھر غیر کی اقامت مکروہ ہے۔

دلائل:

شوافع اور حنابلہ نے زیر بحث زیاد بن حارث کی روایت سے استدلال کیا ہے جس میں آنحضرت ﷺ نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو تکبیر کہنے سے منع فرمایا اور وجہ یہ بیان فرمادی کہ چونکہ اذان دوسرے نے دی ہے لہٰذا تکبیر بھی وہی کہے گا جس نے اذان دی ہے مالکیہ حضرات نے عبداللہ بن زید بن عبدربہ کی حدیث سے استدلال کیا ہے کہ ان کو حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کہ تم اذان کے کلمات بلال رضی اللہ عنہ کو سمجھادو وہ اذان دیدیگا حضرت بلال کی اذان دینے کے بعد جب اقامت کا وقت آگیا تو آنحضرت ﷺ نے عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہ سے فرمایا "قم انت" یہاں غیر مؤذن سے اقامت کہلوائی گئی ہے معلوم ہوا جائز ہے خواہ مؤذن خوش ہو یا ناخوش ہو۔

ائمہ احناف نے دونوں قسم کی احادیث میں تطبیق کی صورت پیدا کی ہے کہ اگر مؤذن کو ناگوار ہو تو دوسرا شخص اقامت نہ کرے جیسے زیاد صدائی کی حدیث کا معاملہ ہے ہوسکتا ہے کہ صدائی بھائی کو ناگوار گذرا ہو اس لئے حضور ﷺ نے منع فرمادیا اور عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہ کو اقامت کرنے کی اجازت دیدی کیونکہ شاید حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو بالکل ناگوار نہیں گذرا ہوگا اس طرح احناف کے مسلک کے مطابق تمام احادیث میں تطبیق ہوگئی۔

الفصل الثالث

﴿۹﴾ عن ابْنِ عُمَرَ قَالَ كَانَ الْمُسْلِمُوْنَ حِيْنَ قَدِمُوا الْمَدِيْنَةَ يَجْتَمِعُوْنَ فَيَتَحَيَّنُوْنَ لِلصَّلَاةِ

[1] المرقات: ۲/۲۳۰

وَلَيْسَ يُنَادِيْ بِهَا أَحَدٌ فَتَكَلَّمُوْا يَوْمًا فِيْ ذَالِكَ فَقَالَ بَعْضُهُمْ اِتَّخِذُوْا مِثْلَ نَاقُوْسِ النَّصَارٰى وَقَالَ بَعْضُهُمْ قَرْناً مِثْلَ قَرْنِ الْيَهُوْدِ فَقَالَ عُمَرُ أَوَلَا تَبْعَثُوْنَ رَجُلاً يُنَادِيْ بِالصَّلَاةِ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَابِلَالُ قُمْ فَنَادِ بِالصَّلَاةِ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)[1]

ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مسلمان جب مدینہ میں آ کر جمع ہو گئے تو نماز کے لئے وقت اور اندازہ معین کرنے لگے (کیونکہ) کوئی آدمی نماز کے لئے بلانے والا نہ تھا (ایک روز) جب اس مسئلہ پر گفتگو ہوئی تو بعضوں نے کہا کہ نصاری کی طرح ناقوس بنالیا جائے اور بعضوں نے کہا کہ یہود کی طرح سینگ بنالیا جائے (یہ تمام تجاویز سن کر) حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ "ایک آدمی کیوں نہ مقرر کر دیا جائے جو نماز کے لئے (لوگوں کو) بلالیا کرے۔" چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "بلال! کھڑے ہو کر نماز کے لئے منادی کر دو (بخاری ومسلم)

﴿۱۰﴾ وعن عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ زَيْدِ بْنِ عَبْدِ رَبِّهٖ قَالَ لَمَّا أَمَرَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالنَّاقُوْسِ يُعْمَلُ لِيُضْرَبَ بِهٖ لِلنَّاسِ لِجَمْعِ الصَّلَاةِ طَافَ بِيْ وَأَنَا نَائِمٌ رَجُلٌ يَحْمِلُ نَاقُوْساً فِيْ يَدِهٖ فَقُلْتُ يَا عَبْدَ اللّٰهِ أَتَبِيْعُ النَّاقُوْسَ قَالَ وَمَا تَصْنَعُ بِهٖ قُلْتُ نَدْعُوْ بِهٖ إِلَى الصَّلَاةِ فَقَالَ أَفَلَا أَدُلُّكَ عَلٰى مَا هُوَ خَيْرٌ مِنْ ذٰلِكَ فَقُلْتُ لَهٗ بَلٰى قَالَ فَقَالَ تَقُوْلُ اَللّٰهُ أَكْبَرُ إِلٰى آخِرِهٖ وَكَذَا الْإِقَامَةَ فَلَمَّا أَصْبَحْتُ أَتَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأَخْبَرْتُهٗ بِمَا رَأَيْتُ فَقَالَ إِنَّهَا لَرُؤْيَا حَقٌّ إِنْ شَاءَ اللّٰهُ تَعَالٰى فَقُمْ مَعَ بِلَالٍ فَأَلْقِ عَلَيْهِ مَا رَأَيْتَ فَلْيُؤَذِّنْ بِهٖ فَإِنَّهٗ أَنْدٰى صَوْتاً مِنْكَ فَقُمْتُ مَعَ بِلَالٍ فَجَعَلْتُ أُلْقِيْهِ عَلَيْهِ وَيُؤَذِّنُ بِهٖ قَالَ فَسَمِعَ بِذٰلِكَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ وَهُوَ فِيْ بَيْتِهٖ فَخَرَجَ يَجُرُّ رِدَائَهٗ يَقُوْلُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَالَّذِيْ بَعَثَكَ بِالْحَقِّ لَقَدْ رَأَيْتُ مِثْلَ مَا أُرِيَ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلِلّٰهِ الْحَمْدُ۔

(رَوَاهُ أَبُوْدَاوُدَ وَالدَّارِمِيُّ وَابْنُ مَاجَه إِلَّا أَنَّهٗ لَمْ يَذْكُرِ الْإِقَامَةَ وَقَالَ التِّرْمِذِيُّ هٰذَا حَدِيْثٌ صَحِيْحٌ لٰكِنَّهٗ لَمْ يُصَرِّحْ قِصَّةَ النَّاقُوْسِ)[2]

ترجمہ: اور حضرت عبداللہ بن زید بن عبدربہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے ناقوس بنائے جانے کا حکم دیا تا کہ نماز کی جماعت میں لوگوں کے حاضر ہونے کے لئے اسے بجایا جائے تو میں نے خواب میں دیکھا کہ ایک شخص اپنے ہاتھ میں ناقوس لئے ہوئے (جاتا) ہے۔ میں نے اس شخص سے کہا کہ "بندۂ خدا! کیا تم یہ ناقوس بیچو گے؟ اس شخص نے کہا کہ تم اس سے کیا کرو گے؟ میں نے کہا کہ ہم اسے بجا کر لوگوں کو نماز (کی جماعت) کے لئے بلایا کریں گے۔ اس نے کہا کہ کیا میں تمہیں اس سے بہتر چیز نہ بتادوں؟ میں نے کہا کہ "ہاں ضرور بتاؤ!" اس شخص نے کہا کہ "کہو! اللہ اکبر آخر تک، اس نے اذان بتا کر پھر اسی

[1] اخرجه البخاري: ۱/۱۵۷ ومسلم: ۲/۲ [2] اخرجه ابوداؤد: ۴۹۹ والدارمي: ۱۱۹۱ وابن ماجه: ۷۰۶ والترمذي: ۱۸۹

طرح اقامت بھی بتائی۔" جب صبح ہوئی تو میں آنحضرت ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا اور جو کچھ خواب میں دیکھا تھا آپ سے بیان کیا، آپ نے (خواب سن کر) فرمایا کہ "ان شاء اللہ تعالیٰ خواب سچا ہے، اب تم بلال کے ساتھ کھڑے ہو کر جو کچھ خواب میں دیکھا ہے انہیں بتاتے جاؤ اور وہ اذان کہیں کیونکہ وہ تم سے بلند آواز والا ہے۔" چنانچہ میں بلال کے ساتھ کھڑا ہو کر انہیں سکھلاتا گیا اور وہ اذان دیتے رہے۔ راوی کہتے ہیں کہ "حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے جب اپنے مکان میں اذان کی آواز سنی تو (جلدی کی بنا پر) اپنی چادر کھینچتے ہوئے مکان سے باہر نکلے اور یہ کہتے ہوئے (آنحضرت ﷺ کی خدمت میں) حاضر ہوئے کہ یا رسول اللہ! قسم ہے اس ذات کی جس نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے، میں نے بھی ایسا ہی خواب دیکھا ہے (یہ سن کر) آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ الحمد للہ (یعنی سب تعریفیں اللہ تعالیٰ ہی کے لئے ہیں)۔" یہ حدیث ابوداؤد، دارمی اور ابن ماجہ نے نقل کی ہے مگر ابن ماجہ نے تکبیر کا ذکر نہیں کیا ہے اور ترمذی نے کہا ہے کہ یہ حدیث صحیح ہے لیکن انہوں نے ناقوس کے قصہ کی تصریح نہیں کی ہے۔"

حضور ﷺ نے سوئے ہوئے لوگوں کو نماز کے لئے جگایا

﴿۱۱﴾ وعن أبي بكرة قال خرجت مع النبي صلى الله عليه وسلم لصلاة الصبح فكان لا يمر برجل إلا ناداه بالصلاة أو حركه برجله۔[1] (رواه أبو داود)

ترجمہ: اور حضرت ابوبکرۃ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں سرور کائنات ﷺ کے ہمراہ صبح کی نماز کے لئے نکلا، آنحضرت ﷺ جس شخص کے پاس سے گذرتے تھے نماز کے لئے یا تو اسے آواز دیتے تھے یا اس کا پاؤں پکڑ کر ہلا دیتے تھے۔"

توضیح: "ناداه بالصلوة" یعنی اذان فجر کے بعد جب آنحضرت ﷺ کا گذر کسی شخص پر ہوتا تھا اور وہ سویا ہوا ہوتا تھا تو آنحضرت ﷺ آواز دیکر بھی نماز کے لئے جگایا کرتے تھے اور کبھی سوئے ہوئے آدمی کو اپنے قدم مبارک سے ہلا کر جگاتے تھے۔[2]

اس سے معلوم ہوا کہ سوئے ہوئے لوگوں کو آواز سے بھی اور ہاتھ یا پاؤں سے ہلا کر بھی جگانا چاہئے آج کل دینی مدارس میں الحمد للہ اس سنت پر عمل ہو رہا ہے اور مقرر اساتذہ طلبہ کو فجر اور ظہر کے وقت نیند سے جگاتے ہیں یہاں بنوری ٹاؤن میں ایک استاذ پاؤں سے حرکت دے کر بھی جگایا کرتے تھے طلبہ چونکہ اساتذہ کا انتہائی احترام کرتے ہیں اس لئے وہ اس فعل کو ناگوار نہیں سمجھتے تھے اور حضور ﷺ کا قدم مبارک اگر کسی صحابی کو لگا ہو وہ تو اس کے لئے باعث صد افتخار تھا۔

سوئے ہوئے آدمی کو جگانے کا سب سے اچھا طریقہ یہ ہے کہ اس کے پاؤں کے انگوٹھے کو پکڑ کر ہلایا جائے یا اس کے سر اور پیشانی پر ہاتھ رکھ کر ہلایا جائے اچانک چیخ مار کر جگانا باعث خطر ہے۔

"حرك برجله" کا ترجمہ شیخ عبدالحق رحمۃ اللہ علیہ[3] نے یوں کیا ہے "یا می جنبانید او را بہ پائے مبارک خود" اس کا ترجمہ جو مظاہر حق جدید میں کیا گیا ہے وہ محل نظر ہے۔

---

[1] اخرجه ابوداؤد: ۱۲۶۴ [2] المرقات: ۲/۳۲۳ [3] اشعة اللمعات: ۳۲۳

الصلوۃ خیر من النوم عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اذان میں شامل نہیں کیا

﴿۱۲﴾ وعن مَالِكٍ بَلَغَهُ أَنَّ الْمُؤَذِّنَ جَاءَ عُمَرَ يُؤَذِّنُهُ لِصَلَاةِ الصُّبْحِ فَوَجَدَهُ نَائِماً فَقَالَ اَلصَّلَاةُ خَيْرٌ مِنَ النَّوْمِ فَأَمَرَهُ عُمَرُ أَنْ يَجْعَلَهَا فِي نِدَاءِ الصُّبْحِ۔[1] (رَوَاهُ فِي الْمُوَطَّاءِ)

ترجمہ: اور حضرت امام مالک کے بارے میں منقول ہے کہ انہیں یہ حدیث پہنچی ہے کہ مؤذن حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے پاس آ کر صبح کی نماز کے لئے انہیں خبردار کر دیتا تھا چنانچہ (ایک دن) مؤذن نے حضرت عمر کو سوتا ہوا پایا تو کہا کہ الصلوۃ خیر من النوم (نماز نیند سے بہتر ہے) حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مؤذن کو حکم دیا کہ یہ کلمہ صبح کی اذان میں شامل کیا جائے۔" (مؤطا)

توضیح: "فامرہ عمر ان یجعلھا" یعنی حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے مؤذن سے فرمایا کہ اس جملہ کو صبح کی اذان میں کہا کرو۔

سوال: اس جملہ سے بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ "الصلوۃ خیر من النوم" کے جملہ کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنی طرف سے فجر کی اذان میں شامل کر دیا ہے اس سے یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنی طرف سے ایک چیز شریعت میں کیوں اور کیسے داخل فرما دی؟[2]

جواب: حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے قطعاً یہ جملہ فجر کی اذان میں شامل نہیں کیا ہے اس سے پہلے حدیث نمبر ۵ میں ابو محذورہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں واضح الفاظ موجود ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا کہ جب صبح کی اذان ہو تو اس میں الصلوۃ خیر من النوم کہا کرو۔ اب یہ بات کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کیسے فرمایا کہ اے مؤذن اس کو فجر کی اذان میں کہا کرو، تو اس میں ایک احتمال یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد یہ کلمہ فجر کی اذان میں متروک ہو گیا تھا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یاد دلایا کہ یہ فجر کی اذان کے لئے تھا اب اس میں کہا کرو۔ شیخ عبدالحق نے اشعۃ اللمعات میں یہی فرمایا ہے دوسرا احتمال یہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس مؤذن کے اس جملہ پر ناراضگی کا اظہار فرمایا کہ یہ جملہ فجر کی اذان کے لئے ہے اس کو وہیں پر پڑھا کرو کسی کے جگانے کے لئے[3] اذان سے باہر کسی جگہ میں اس کو استعمال نہ کرو۔ اس سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اس سخت موقف کا پتہ چلتا ہے جو انہوں نے اسلام کے اصول وضوابط اور قواعد واحکام کی حفاظت ونگرانی کے لئے اختیار فرمایا تھا۔ تیسرا احتمال بعض شارحین نے یہ بیان کیا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بطور تاکید وتذکیر مؤذن سے فرمایا کہ اس کو فجر کی اذان میں لازمی طور پر پڑھا کرو۔ (کذا فی التعلیق الفصیح)

بہر حال رافضہ مرفوضہ اور شیعہ شنیعہ کا اعتراض بے جا ہے یہ کلمہ خود حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اذان میں شامل کرایا ہے۔

[1] اخرجہ مالک: ۸ [2] الکاشف: ۲/۲۲۵ اشعۃ المعات: ۳۳۳ المرقات: ۲/۳۴۴ [3] اشعۃ المعات: ۳۳۳

کانوں میں انگلیاں دیکر اذان کہنا مسنون ہے

﴿۱۳﴾ وعن عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ سَعْدِ بْنِ عَمَّارِ ابْنِ سَعْدٍ مُؤَذِّنِ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ حَدَّثَنِيْ أَبِيْ عَنْ أَبِيْهِ عَنْ جَدِّهٖ أَنَّ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَمَرَ بِلَالًا أَنْ يَّجْعَلَ إِصْبَعَيْهِ فِيْ أُذُنَيْهِ وَقَالَ إِنَّهٗ أَرْفَعُ لِصَوْتِكَ.[۱] (رَوَاهُ ابْنُ مَاجَه)

ترجمہ: اور حضرت عبدالرحمن بن سعد بن عمار بن سعد مؤذن رسول خدا ﷺ کہتے ہیں مجھ سے میرے والد سعد نے اور انہوں نے اپنے والد عمار سے اور انہوں نے سعد کے دادا سے جن کا نام بھی سعد تھا سنا کہ ”سرور کائنات ﷺ نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو حکم دیا تھا کہ وہ (اذان کہتے وقت) اپنی دونوں انگلیاں کانوں میں دے لیا کریں کیونکہ اس سے آواز زیادہ بلند ہو جاتی ہے۔“ (ابن ماجہ)

توضیح: ”اصبعیه فی اذنیه“ یعنی دونوں کانوں میں دو انگلیاں دیکر اذان کہہ دیا کرو، کانوں میں انگلیاں دینے کی حکمت خود حدیث میں مذکور ہے کہ اس سے مؤذن کی آواز بلند ہوگی اس کی وجہ یہ ہے کہ مؤذن جب کانوں میں انگلیاں رکھ کر اذان دیتا ہے تو وہ اپنی آواز کو کم سنتا ہے۔ اس وجہ سے وہ اس سے بھی زیادہ بلند کرنے کی کوشش کرتا ہے اس طرح ایک زوردار اذان سامنے آئے گی آج کل لاؤڈ اسپیکر چلتے ہیں مگر علماء نے یہی فتویٰ دیا ہے کہ کانوں میں انگلیاں رکھنا ہی سنت ہے تاکہ یہ سنت ختم نہ ہو جائے۔ ”حدثنی ابی عن ابیه“ اس حدیث میں سعد رضی اللہ عنہ کا نام آیا ہے یہ حضور اکرم ﷺ کے زمانے میں مسجد قبا کے مؤذن تھے حضور اکرم ﷺ کی وفات پر حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے شام جا کر سکونت اختیار کی تو ان کی جگہ سعد رضی اللہ عنہ مسجد نبوی میں پوری زندگی اذان دیتے رہے۔[۲]

---

[۱] اخرجه ابن ماجه: ۱۰؎ [۲] الکاشف: ۲/۲۳۶ المرقات: ۲/۳۳۵

۱۶ ربیع الاول ۱۴۱۰ھ

باب فضل الأذان واجابة المؤذن

اذان اوراس کے جواب کی فضیلت

اذان دین اسلام کے شعائر میں سے ہے اللہ تعالیٰ کی عظمت اوراس کے نام کی شوکت کا اعلان ہے، غلبہ اسلام کی نشانی ہے، توحید ورسالت اور پاکیزہ شہادت کا اعلیٰ عنوان ہے۔ اسی لئے اذان دینے اور جاری رکھنے کی بڑی فضیلت اور بڑا ثواب ہے اس باب میں وہ احادیث ذکر کی جائیں گی جس میں یہ بیان ہوگا کہ اذان دینا دنیا وآخرت کی عظمتوں اور سعادتوں کے حصول کا ذریعہ ہے جہاں اذان کھلے عام ہوتی ہے یہ اس بات کی نشانی ہوتی ہے کہ اسلام کو شوکت حاصل ہے یہی وجہ ہے کہ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ جس علاقے میں مسلمان بالکلیہ اذان ترک کردیں تو ان کے خلاف وقت کا بادشاہ اعلان جہاد کرے۔

اب رہی یہ بات کہ اذان کہنا زیادہ افضل ہے یا امامت کرنا زیادہ افضل ہے تو راجح قول یہ ہے کہ اگر کسی شخص کو مکمل یقین ہو کہ وہ امامت کے تمام حقوق کو بحسن وخوبی انجام دے سکتا ہے تو اس کے لئے امامت کرنا افضل ہے اور جو شخص امام کے فرائض بجالانے میں عاجز ہو تو اس کے لئے اذان دینا افضل ہے اب یہ سوال کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زندگی میں کبھی اذان دی ہے یا نہیں تو راجح قول یہ ہے کہ آپ نے اذان کی دعوت دی ہے اور فضیلت بھی بیان کی ہے لیکن آپ نے خود اذان نہیں دی ہے اور امامت ہمیشہ خود کرائی ہے۔

ایک مسئلہ یہ بھی ہے کہ اذان کا جواب دینا کیسا ہے؟ علماء نے لکھا ہے کہ اذان کا ایک جواب فعلی ہے دوسرا جواب قولی ہے جواب فعلی یہ ہے کہ جس وقت اذان سن لی اسی وقت مسجد کو روانہ ہوا اور اذان کا جواب قولی یہ ہے کہ جو کلمات مؤذن کہہ رہا ہے وہی سامع بھی کہنا شروع کردے۔

مختلف محلوں سے جو اذان کی آواز آتی ہے تو صرف ایک مسجد کی اذان کا جواب دینا واجب ہے اور جو شخص پہلے سے مسجد میں بیٹھا ہوا ہو اس پر اذان کا جواب لازم نہیں ہے کیونکہ اس نے اجابت فعلی کے ساتھ جواب دیدیا ہے چنانچہ وہ اذان کے دوران تلاوت کو جاری رکھ سکتا ہے اور جو شخص مسجد سے باہر تلاوت میں مشغول ہو اس کو تلاوت روک کر اذان کا جواب دینا چاہئے۔ [1] (کذافی اللمعات)

الفصل الاول

قیامت کے دن مؤذنین معزز ہونگے

﴿۱﴾ عن مُعَاوِيَةَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ الْمُؤَذِّنُوْنَ أَطْوَلُ النَّاسِ

[1] اشعة اللمعات: ۱۳۴

أَعْنَاقًا يَوْمَ الْقِيَامَةِ۔[1] (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

ترجمہ: حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے سرور کائنات ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ قیامت کے روز سب لوگوں سے زیادہ اونچی گردن والے مؤذن ہوں گے۔" (مسلم)

توضیح: "اطول الناس اعناقا" یعنی تمام لوگوں میں سے مؤذنین کی گردنیں قیامت کے روز بلند ہونگی "گردن اونچی ہوگی" کا جو جملہ ہے اس کے کئی مطلب بیان کئے گئے ہیں۔[2]

❶ بعض علماء نے لکھا ہے کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ قیامت کے روز مؤذنین کو بڑی شان حاصل ہوگی اذان کی برکت سے ان کو بڑا اعزاز حاصل ہوگا گردن اونچی ہوگی کا جملہ اسی اعزاز سے کنایہ ہے کیونکہ معزز آدمی گردن اونچی رکھتا ہے۔

❷ بعض علماء کہتے ہیں کہ اس سے مراد یہ ہے کہ مؤذنین قیامت کے روز سردار ہونگے کیونکہ دنیا میں سرداروں کی گردنیں اونچی ہوتی ہیں۔

❸ ابن عربی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس سے مراد یہ ہے کہ یہ لوگ زیادہ اعمال اور زیادہ ثواب والے ہونگے۔

❹ قاضی عیاض رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ لفظ اعناق عنق کی جمع نہیں ہے جو گردن کے معنی میں ہے بلکہ یہ اِعناق باب افعال کا مصدر ہے جو تیز چلنے کے معنی میں ہے یعنی یہ لوگ تیز تیز جنت کی طرف دوڑتے ہوئے جائیں گے پہلا معنی جامع اور زیادہ واضح ہے۔

شیطان اذان کی آواز سے بھاگتا ہے

﴿۲﴾ وعن أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا نُودِيَ لِلصَّلَاةِ أَدْبَرَ الشَّيْطَانُ لَهُ ضُرَاطٌ حَتَّى لَا يَسْمَعَ التَّأْذِينَ فَإِذَا قُضِيَ النِّدَاءُ أَقْبَلَ حَتَّى إِذَا ثُوِّبَ بِالصَّلَاةِ أَدْبَرَ حَتَّى إِذَا قُضِيَ التَّثْوِيبُ أَقْبَلَ حَتَّى يَخْطُرَ بَيْنَ الْمَرْءِ وَنَفْسِهِ يَقُولُ اُذْكُرْ كَذَا اُذْكُرْ كَذَا لِمَا لَمْ يَكُنْ يَذْكُرُ حَتَّى يَظَلَّ الرَّجُلُ لَا يَدْرِي كَمْ صَلَّى۔[3] (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

ترجمہ: اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ سرور کائنات ﷺ نے فرمایا کہ "جب نماز کے لئے اذان دی جاتی ہے تو شیطان پیٹھ پھیر کر گوز مارتا ہوا بھاگ کھڑا ہوتا ہے تا کہ اذان نہ سن سکے، جب اذان ختم ہوجاتی ہے تو یہ پھر آتا ہے اور جس وقت تکبیر ہوتی ہے تو پھر پیٹھ پھیر کر بھاگ جاتا ہے جب تکبیر ختم ہوجاتی ہے تو پھر واپس آجاتا ہے تا کہ انسان اور اس کے دل کے درمیان خطرات پیدا کرے چنانچہ (نمازی سے) کہتا ہے کہ فلاں چیز یاد کرو، فلاں بات یاد کرو (اس طرح نماز شروع کرنے سے پہلے مال واولاد، حساب وکتاب اور خرید وفروخت کے سلسلہ میں) جو باتیں نمازی کو یاد نہیں ہوتیں وہ یاد دلاتا ہے، یہاں تک کہ آدمی (یعنی

[1] اخرجه مسلم: ۲/۵ [2] اشعة اللمعات: ۳۳۴ المرقات: ۲/۳۳۶ [3] اخرجه مسلم: ۲/۶

نمازی) کو یہ بھی یاد نہیں رہتا کہ اس نے کتنی رکعتیں پڑھی ہیں۔" (بخاری، مسلم)

توضیح: "له ضراط" اصلی کے ایک نسخے میں "وله ضراط" واو کے ساتھ آیا ہے یہ جملہ حالیہ ہے "ضراط وضریط" گوز مارنے کو کہتے ہیں۔[1]

قاضی عیاض فرماتے ہیں کہ یہ کلام حقیقت پر محمول ہے کیونکہ شیطان بھی جسم رکھتا ہے اور کھاتا پیتا ہے اور گوز مارتا ہے۔ یعنی اذان کی آواز شیطان پر اس طرح بھاری ہوتی ہے جس طرح گدھے پر زیادہ وزن کا سامان لادا جاتا ہے تو گدھا گوز مارتا ہے اسی طرح شیطان بھی حقیقتاً گوز مارتا ہے اور دم دبا کر بھاگ جاتا ہے۔ اور یہ احتمال بھی ہے کہ اس سے مراد شدید نفرت کا اظہار کرنا ہو کہ شیطان اذان سن کر شدید نفرت کے ساتھ بھاگ جاتا ہے۔

علامہ طیبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس سے مراد یہ ہے کہ جب اذان شروع ہو جاتی ہے تو شیطان اذان کی آواز سے اپنے آپ کو دور رکھنے اور اس سے غافل بننے کی کوشش کرتا ہے۔[2]

شیطان کی اس غفلت کی تشبیہ ایک ایسی آواز سے دی گئی ہے جس سے کان بھر جاتے ہیں اور اس آواز کے علاوہ کچھ سنائی نہیں دیتا پھر مزید تقبیح کے لئے اسی آواز کو ضراط سے یاد کیا گیا گویا یہ ایک تشبیہی کلام ہے۔ بہرحال احادیث میں صریح الفاظ گوز مارنے کے آئے ہیں تو اس کلام کو تشبیہ اور مجاز پر حمل کرنا بعید ہوگا۔ کیونکہ حقیقی معنی مراد لینا متعذر نہیں ہے اور شیطان اتنا معزز نہیں کہ ہم اس کی طرف گوز مارنے کی نسبت نہ کریں۔

سوال: یہاں یہ اشکال ذہن میں ابھرتا ہے کہ شیطان تلاوت سے نہیں بھاگتا، نماز سے نہیں بھاگتا، نماز کے اندر شہادتین سے نہیں بھاگتا، آخر کیا وجہ ہے کہ وہ صرف اذان سے بھاگتا ہے؟۔

جواب: اذان شعائر اللہ میں سے ہے اور جہاں اذان کھل کر میناروں پر دی جاتی ہے وہاں اسلام کو غلبہ حاصل ہوتا ہے شیطان اسلام کی اس عظمت وشوکت اور اس کی رفعت وعزت کو برداشت نہیں کر سکتا ہے اس لئے گوز مارتا ہوا بھاگ جاتا ہے معلوم ہوا جہاد اور آزادی کی سرزمین پر اذان دینے اور غلبہ وقدرت اور شوکت وسطوت کے سایہ میں اذان دینے کی شان اور ہوتی ہے اور مغلوبیت اور مظلومیت اور مقہوریت ومسکنت کی حالت میں اذان کی حیثیت اور ہوتی ہے اقبال رحمہ اللہ نے کیا خوب کہا ہے:

الفاظ ومعانی میں تفاوت نہیں لیکن ملا کی اذاں اور ہے مجاہد کی اذاں اور

بعض علماء نے یہ جواب دیا ہے کہ اس حدیث میں اذان کی نماز پر فضیلت جزئی کا ذکر ہے جس سے نماز کی کلی فضیلت متاثر نہیں ہوتی ہے بعض علماء نے یہ فرمایا ہے کہ مؤذن داعی الی الخیر ہے اور شیطان داعی الی الشر ہے داعی الی الخیر کی اذان سے جل کر بھاگتا ہے۔

---

[1] المرقات: ۲/۴۴۷، اشعة اللمعات: ۳۳۵ [2] الکاشف: ۲/۲۲۸

﴿۳﴾ وعن أبي سعيد الخدري قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم لا يسمع مدى صوت المؤذن جن ولا إنس ولا شيء إلا شهد له يوم القيامة۔[1] (رواه البخاري)

ترجمہ: اور حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ سرور کائنات ﷺ نے فرمایا کہ "مؤذن کی انتہائی آواز کو جو بھی سنتا ہے خواہ انسان ہو یا جن اور یا جو بھی چیز ہو وہ سب قیامت کے دن مؤذن (کے ایمان) کی گواہی دیں گے۔" (بخاری)

توضیح: "مدی صوته" مدی مسافت اور بُعد وانتہاء کے معنی میں ہے۔ اس حدیث میں مؤذنین کو یہ ترغیب دی گئی ہے کہ جس کی آواز جتنی اونچی ہوسکتی ہے اس کو چاہئے کہ انتہاء درجے تک آواز کو بلند کرنے کی کوشش کریں یہی وجہ ہے کہ مؤذن کانوں میں انگلیاں دیکر اذان دیتا ہے تاکہ آواز بلند ہوجائے اور اس کو زیادہ سے زیادہ ثواب ملے اور یہی وجہ ہے کہ اذان مسجد سے باہر کسی اونچے مینار پر دی جاتی ہے۔[2]

اذان کا جواب کس طرح دیا جائے؟

﴿۴﴾ وعن عبد الله بن عمرو بن العاص قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم إذا سمعتم المؤذن فقولوا مثل ما يقول ثم صلوا علي فإنه من صلى علي صلاة صلى الله عليه بها عشرا ثم سلوا الله لي الوسيلة فإنها منزلة في الجنة لا تنبغي إلا لعبد من عباد الله وأرجو أن أكون أنا هو فمن سأل لي الوسيلة حلت عليه الشفاعة۔[3] (رواه مسلم)

ترجمہ: اور حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ سرور کائنات ﷺ نے فرمایا "جب تم مؤذن کی آواز سنو تو (اس کے جواب میں) اس کے الفاظ کو دہراؤ اور پھر (اذان کے بعد) مجھ پر درود بھیجو کیونکہ جو شخص مجھ پر ایک بار درود بھیجتا ہے تو اس کے بدلہ میں خدا اس پر دس مرتبہ رحمت نازل فرماتا ہے پھر (مجھ پر درود بھیج کر) میرے لئے (خدا سے) وسیلہ کی دعا کرو۔ وسیلہ جنت کا ایک (اعلیٰ) درجہ ہے جو خدا کے بندوں میں سے صرف ایک بندہ کو ملے گا اور مجھ کو امید ہے کہ وہ بندۂ خاص میں ہوں گا لہٰذا جو شخص میرے لئے وسیلہ کی دعا کرے گا (قیامت کے روز) اس کی سفارش مجھ پر ضروری ہوجائے گی۔" (مسلم)

توضیح: "فقولوا مثل مايقول" یعنی جس طرح الفاظ مؤذن ادا کرتا ہے تم بھی اسی طرح کے الفاظ جواب میں کہا کرو۔ اجابت مؤذن دو قسم پر ہے ایک اجابت فعلی ہے وہ یہ کہ مؤذن کے بلانے پر مسجد کی طرف چلا جائے۔ دوسری اجابت قولی ہے کہ زبان سے جواب دے۔ اب اس مسئلہ میں بحث ہے کہ جو لوگ مؤذن کی اذان سنتے ہیں ان کو کیا ردعمل ظاہر کرنا چاہئے اور کس طرح جواب دینا چاہئے جواب اذان میں فقہاء کا معمولی سا اختلاف ہے کہ آیا یہ واجب ہے یا مستحب ہے۔

---

[1] اخرجه البخاري: ۱/۱۵۸ [2] اشعة اللمعات: ۳۳۵ المرقات: ۲/۳۲۸ الكاشف: ۲۳۹

[3] اخرجه مسلم: ۲/۴ [4] اشعة اللمعات: ۳۳۵

فقہاء کا اختلاف

پہلا اختلافی مسئلہ:

اہل ظواہر اور بعض احناف اور بعض مالکیہ اس کے قائل ہیں کہ مؤذن ہی کے الفاظ کی طرح الفاظ سے جواب دینا واجب ہے اور امام شافعی واحمد وامام مالک رحمہم اللہ تعالیٰ اور اکثر احناف اس کے قائل ہیں کہ اجابت قولی مستحب ہے واجب نہیں۔

دلائل:

فریق اول زیر بحث حدیث سے استدلال کرتے ہیں کہ اس میں امر کا صیغہ ہے جو وجوب کے لئے آتا ہے لہٰذا اجابت قولی واجب ہے۔

فریق ثانی نے مسلم شریف کی ایک حدیث سے استدلال کیا ہے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ایک مؤذن کی اذان سنی تو آپ نے فرمایا "علی الفطرة" اس میں آنحضرت ﷺ نے مؤذن کے الفاظ کے جواب کے بجائے دوسرے الفاظ سے جواب دیا ہے معلوم ہوا کہ واجب نہیں ہے۔

فریق اول کا جواب یہ ہے کہ امر کا صیغہ استحباب پر محمول ہے۔

دوسرا اختلافی مسئلہ:

اس حدیث میں دوسرا اختلافی مسئلہ بھی بیان کیا گیا ہے اس میں بھی فقہاء کا اختلاف ہے وہ مسئلہ یہ ہے کہ آیا پوری اذان میں وہی کلمات دہرا دیئے جائیں جو مؤذن نے کہے ہیں۔ یا جوابی کلمات ادا کرنے میں کچھ فرق ہے۔

امام شافعی رحمہ اللہ اور اہل ظواہر فرماتے ہیں کہ پوری اذان مؤذن کے کلمات کی طرح جواب میں دہرانی چاہئے حتی کہ حیعلتین کے جواب میں بھی وہی کلمات کہنا چاہئے ائمہ احناف اور حنابلہ کے نزدیک "حی علی الصلوٰة، حی علی الفلاح" کے جواب میں حوقلہ یعنی لاحولہ ولاقوة الاباللہ کہنا چاہئے۔

دلائل:

فریق اول نے زیر بحث حدیث سے استدلال کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ اس حدیث میں کسی لفظ کا استثناء نہیں ہے بلکہ تمام الفاظ کے اسی طرح جواب میں ادا کرنے کا حکم دیا گیا ہے جس طرح مؤذن نے کہے ہیں۔

فریق ثانی کی دلیل مسلم شریف کی آنے والی روایت ۵ ہے اس میں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے حی علی الصلوٰة کے جواب میں لاحول ولاقوة الاباللہ پڑھا ہے اسی طرح حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی روایت بخاری میں ہے اس میں لاحول ولاقوة الاباللہ کا ذکر موجود ہے۔

فریق ثانی کے پاس ایک عقلی دلیل بھی موجود ہے وہ یہ کہ جب مؤذن نماز کی طرف یا کامیابی کی طرف لوگوں کو بلاتا ہے اور لوگ بھی جواب میں مؤذن کو نماز اور کامیابی کی طرف بلاتے ہیں تو یہ واضح مذاق اور استہزاء ہے جو شریعت میں جائز نہیں۔

فریق اول کی دلیل کا جواب یہ ہے کہ وہ روایت مجمل ہے اور احناف نے جن روایتوں سے استدلال کیا ہے وہ مفسر ہیں اور مجمل اور مفسر کے تعارض میں مفسر کو ترجیح ہوتی ہے بلکہ حقیقت میں ان دونوں میں تعارض ہوتا ہی نہیں صرف اجمال وتفصیل کا فرق ہوتا ہے۔ اب یہ بھی ملاحظہ ہو کہ اذان کے کلمات کے جواب میں جہاں مؤذن اور سامع کے الفاظ میں فرق آتا ہے وہ حیعلتین کے الفاظ ہیں اس کے جواب میں سامع "لاحول ولا قوة الا باللہ" کہہ کر اپنی عاجزی و بے بسی کا اظہار کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ سے نصرت ومدد کی درخواست کرتا ہے اور فجر کی اذان میں جب مؤذن "الصلوٰۃ خیر من النوم" کہہ دے تو سامع "صدقت وبررت وبالحق نطقت" سے جواب دیکر مؤذن کے دعوے کی تصدیق کرے اور اس کی ذات اور اس کے کلمات کی تعریف وتوصیف کرے اسی طرح جب مکبر تکبیر میں "قد قامت الصلوٰۃ" [1] کہتا ہے تو سامع کو چاہئے کہ اس کے جواب میں "أقامها اللہ وأدامها" کے الفاظ سے نظام صلوٰۃ کی بقاء اور شعائر اللہ کے دوام کی دعا کرے یہ الفاظ آنے والی ابوامامہ رضی اللہ عنہ کی روایت نمبر ۷ا میں مذکور ہیں لہٰذا یہ بھی مستند ہیں۔

اذان کے اختتام پر بطور درود جو دعا مانگی جاتی ہے اس حدیث میں اسی طرف اشارہ ہے درود کے وہ الفاظ روایت نمبر ۶ میں مکمل طور پر مذکور ہیں۔

وسیلہ کا مطلب:

"الوسیلة" یہ لفظ عربی اردو فارسی اور پشتو میں یکساں طور پر وسیلہ اور ذریعہ پر بولا جاتا ہے یعنی کسی مطلوب تک پہنچنے کے لئے جو ذرائع استعمال ہوتے ہیں وہی وسیلہ ہے اس حدیث میں وسیلہ کا مطلب خود آنحضرت ﷺ نے بیان فرمادیا کہ یہ ایک جگہ اور ایک مقام کا نام ہے جو جنت میں ہے۔

شیخ عبدالحق رحمہ اللہ نے لمعات میں لکھا ہے کہ اس حدیث میں جس وسیلہ کا ذکر ہے اس سے اللہ تبارک وتعالیٰ کا قرب مراد ہے یہاں جو فرمایا کہ یہ جنت میں ایک مقام کا نام ہے اس کا مطلب بھی یہی قرب ہے کیونکہ جنت بھی قرب الٰہی کا مقام ہے اور وسیلہ بھی مقام قرب ہے۔ [2]

قاموس میں لکھا ہے کہ وسیلہ اور واسلہ، بادشاہ کے پاس نہایت اعلیٰ مقام اور بلند درجات کے حصول کا نام ہے جب آدمی کو قرب ومنزلت کا یہ مقام مل جائے تو اس کو وسیلہ حاصل ہو گیا اس درجہ تک پہنچنے کے لئے نیک اعمال اور اعلیٰ کارناموں کی ضرورت پڑتی ہے اس لئے وسیلہ اچھے اعمال پر بھی بولا جاتا ہے لیکن یہاں حدیث میں جنت سے پہلے میدان محشر میں شفاعت کبریٰ کے لئے جب حضور اکرم ﷺ اللہ تعالیٰ کے مقام قرب میں جائیں گے اسی کو وسیلہ کہا گیا ہے اور اسی مقام کو مقام محمود کہتے ہیں جس کا تذکرہ قرآن کریم میں موجود ہے وسیلہ کا یہ مفہوم اس حدیث کے لئے سب سے زیادہ موزوں ہے۔ [3]

---

[1] المرقات: ۲/۳۳۹ [2] اشعة اللمعات: ۳۳۵ [3] المرقات: ۲/۳۵۰

"أرجو" اس درجہ اور مقام محمود اور وسیلہ کے اس اعلیٰ وارفع مقام کے لئے آنحضرت ﷺ متعین ہیں پھر بھی آپ نے تواضع اور انکساری کے طور پر "أرجو" امید کرتا ہوں کے الفاظ استعمال فرمائے ہیں۔ بعض شارحین نے "أرجو" کو "اتیقن" کے معنی میں لیا ہے کہ مجھے یقین ہے کہ یہ درجہ مجھے ملے گا۔

﴿۵﴾ وعن عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا قَالَ الْمُؤَذِّنُ أَللهُ أَكْبَرُ أَللهُ أَكْبَرُ فَقَالَ أَحَدُكُمْ أَللهُ أَكْبَرُ أَللهُ أَكْبَرُ ثُمَّ قَالَ أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ قَالَ أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ ثُمَّ قَالَ أَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّداً رَسُوْلُ اللهِ قَالَ أَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّداً رَسُوْلُ اللهِ ثُمَّ قَالَ حَيَّ عَلَى الصَّلَاةِ قَالَ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللهِ ثُمَّ قَالَ حَيَّ عَلَى الْفَلَاحِ قَالَ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللهِ ثُمَّ قَالَ أَللهُ أَكْبَرُ أَللهُ أَكْبَرُ قَالَ أَللهُ أَكْبَرُ أَللهُ أَكْبَرُ ثُمَّ قَالَ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ قَالَ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ مِنْ قَلْبِهِ دَخَلَ الْجَنَّةَ۔ [1]

(رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

ترجمہ: اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ "سرور کائنات ﷺ نے فرمایا" جب مؤذن اللہ اکبر اللہ اکبر کہے تو تم میں سے بھی ہر شخص اللہ اکبر اللہ اکبر کہے، پھر جب مؤذن اشہد ان لا الہ الا اللہ کہے تو تم میں سے بھی ہر شخص اشہد ان لا الہ الا اللہ کہے، پھر جب مؤذن اشہد ان محمداً رسول اللہ کہے تو تم میں سے بھی ہر شخص اشہد ان محمداً رسول اللہ کہے پھر جب مؤذن حی علی الصلوٰۃ کہے تو تم میں سے ہر شخص لاحول ولاقوۃ الا باللہ کہے پھر جب مؤذن حی علی الفلاح کہے تو تم میں سے ہر شخص لاحول ولاقوۃ الا باللہ کہے، پھر جب مؤذن اللہ اکبر اللہ اکبر کہے تو تم میں سے ہر شخص اللہ اکبر اللہ اکبر کہے اور پھر جب مؤذن لا الہ الا اللہ کہے تو تم میں سے ہر شخص لا الہ الا اللہ کہے جس نے (اذان کے جواب میں یہ کلمات) صدق دل سے کہے تو وہ جنت میں داخل ہوگا" (مسلم)

توضیح: "اللہ اکبر اللہ اکبر" یہاں تکبیر کو دو دفعہ دہرایا گیا ہے یہ مکمل اذان کی حکایت نہیں ہے اختصار کے ساتھ اذان کے چند کلمات کا ذکر ہے جو اذان کے باقی کلمات کی طرف اشارہ ہے۔ ورنہ تکبیرات تو چار دفعہ ہیں۔ [2]

"لاحول عن المعصية إلا بنصر الله وقدرته ولا إتيان على طاعة ولا قوة على طاعة الا بمدد الله"

"من قلبه" یعنی صدق دل اور پکے ایمان سے یہ کلمات کہدے تو وہ ضرور جنت میں جائیگا اگر اس کے گناہ موجود ہوں اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے معاف بھی نہ ہوں تو سزا بھگتنے کے بعد دخول ثانوی کی صورت میں جنت جائے گا اور اگر اس کے گناہ نہ ہوں یا اللہ تعالیٰ نے معاف کردیا تو دخول اوّلی کے ساتھ جنت جائیگا۔

[1] اخرجه مسلم: ۲/۴ [2] المرقات: ۲/۳۵۱

اذان کے بعد کی دعا

﴿۶﴾ وعن جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ قَالَ حِيْنَ يَسْمَعُ النِّدَاءَ اَللّٰهُمَّ رَبَّ هٰذِهِ الدَّعْوَةِ التَّامَّةِ وَالصَّلَاةِ الْقَائِمَةِ آتِ مُحَمَّدًا الْوَسِيْلَةَ وَالْفَضِيْلَةَ وَابْعَثْهُ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا الَّذِيْ وَعَدْتَّهٗ حَلَّتْ لَهٗ شَفَاعَتِيْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ۔[1] (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)

ترجمہ: اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ سرور کائنات ﷺ نے فرمایا۔ جس شخص نے اذان سن کر (یعنی اذان ختم ہونے اور اس کا جواب دینے کے بعد) یہ دعا پڑھی تو قیامت کے روز مجھ پر اس کی شفاعت لازم ہوگی۔

دعا یہ ہے اے اللہ! مالک اس کامل دعا (اذان) کے اور پروردگار اس نماز قائمہ کے ہمارے سردار محمد رسول اللہ ﷺ کو وسیلہ (جنت کا سب سے خاص واعلیٰ درجہ) اور بزرگی عنایت فرما اور پہنچا ان کو مقام محمود پر جس کا تو نے وعدہ کیا ہے۔

(بخاری)

توضیح: "**اللّٰھم رب ھذہ الدعوۃ التامۃ**" اذان کو دعوت کہا گیا کیونکہ یہ توحید پر مشتمل ہے اور عبادت کی طرف دعوت بھی ہے۔

شیخ عبدالحق رحمہ اللہ لمعات میں لکھتے ہیں کہ اس دعوت سے مراد توحید کے کلمات ہیں جیسے قرآن کی آیت ﴿**لہ دعوۃ الحق**﴾ میں دعوت سے توحید مراد ہے اس کے ساتھ "**التامۃ**" کا لفظ لگا کر اشارہ کیا گیا کہ توحید کا کلمہ کامل ومکمل نا قابل تبدیل وتنسیخ ہے۔ پھر اس کمال کے ساتھ "**محمد رسول اللّٰہ**" کا کلمہ پیوست ہو کر توحید ورسالت میں اعلیٰ کمال پیدا ہو گیا اسی مجموعہ کو دعوۃ تامۃ کے نام سے یاد کیا گیا۔[2]

"**الصلوۃ القائمۃ**" اس جملہ سے نماز کی طرف اشارہ ہے جس کی طرف دعوت دی جارہی ہے اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں نماز کے لئے "**ویقیمون الصلوۃ**" کے الفاظ بار بار دہرائے ہیں اقامت صلوٰۃ کی طرف ان کلمات میں اشارہ کیا گیا ہے۔

"**والفضیلۃ**" ممکن ہے اس فضیلت سے یہی وسیلہ مراد ہو اور ممکن ہے جملہ کائنات پر آنحضرت ﷺ کے لئے فضیلت کی دعا ہو یہاں بعض لوگ **والدرجۃ الرفیعۃ** کے الفاظ بڑھاتے ہیں مگر وہ مستند طریقوں سے ثابت نہیں ہیں اس لئے اس کو نہیں پڑھنا چاہئے۔

"**مقام محمود**" مقام محمود سے شفاعت کبریٰ کا وہ مقام مراد ہے جہاں حضور اکرم ﷺ اللہ تعالیٰ کے سامنے سجدہ ریز ہو کر عجیب وغریب محامد سے اللہ تعالیٰ کی تعریف فرمائیں گے پھر اللہ تعالیٰ فرمائے گا "**ارفع رأسك یا محمد سل تعط**" آپ فرمائیں گے کہ یا اللہ حساب کتاب شروع فرمادے پھر حساب شروع ہو جائے گا۔

[1] اخرجه البخاری: ۱/۱۵۹ [2] اشعة اللمعات: ۳۳۶ المرقات: ۲/۳۵۳

"حلّت" بعض روایات میں وجبت کا لفظ آیا ہے یعنی اس شخص کے لئے میری شفاعت واجب ہوجائے گی حلت کا معنی حلال ہونے کا ہے اور مستحق ہونے کا بھی ہے۔ "شفاعتی" قیامت میں شفاعت کا بہت ہی اونچا مقام ہوگا اور وہاں اس کی قیمت کا پتہ چلے گا مثال کے طور پر ایک شخص کسی جگہ کچھ بھی نہیں جانتا کہ کیا کرنا ہے حیران کھڑا ہے اعمال کے رائیگاں جانے کا خطرہ بھی ہے کوئی واقف بھی نہیں ہے انتظار میں سخت گرمی میں پریشان کھڑا ہے کہ اچانک ایک شخص آجاتا ہے اور لائن سے اس کو باہر لاکر ہاتھ سے پکڑ کر جنت کی طرف لیجاتا ہے اور کہتا ہے کہ یہ محمد عربی ﷺ کا آدمی ہے۔ اس شخص کے لئے اس وقت شفاعت اور سفارش سے بڑھ کر کوئی چیز نہیں ہوسکتی جیسے بین الاقوامی پرواز کے وقت آدمی امیگریشن سسٹم کے تحت کاغذات چیک کرانے کے لئے پریشان کھڑا ہے ہر قسم کے خطرات سے دوچار ہے کہ اچانک ایئر پورٹ کا بڑا ذمہ دار آتا ہے [1] اور یہ کہہ کر اسے لے جاتا ہے کہ یہ میرا آدمی ہے اس طرح وہ مجبور شخص تمام مصائب سے نکل جاتا ہے۔ "اَللّٰھم ارزقتنا شفاعۃ نبیك بجاہ حبیبك محمد ﷺ" مختلف احادیث میں اذان کے بعد دیگر دعاؤں کے پڑھنے کا ذکر بھی ہے آنے والی احادیث میں چند دعاؤں کا بیان آرہا ہے۔

اذان شعائر اسلام میں سے ہے

﴿۷﴾ وعن أَنَسٍ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُغِيْرُ إِذَا طَلَعَ الْفَجْرُ وَكَانَ يَسْتَمِعُ الْأَذَانَ فَإِنْ سَمِعَ أَذَاناً أَمْسَكَ وَإِلاَّ أَغَارَ فَسَمِعَ رَجُلاً يَقُوْلُ أَللّٰهُ أَكْبَرُ أَللّٰهُ أَكْبَرُ فَقَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى الْفِطْرَةِ ثُمَّ قَالَ أَشْهَدُ أَنْ لاَ إِلٰهَ إِلاَّ اللهُ فَقَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَرَجْتَ مِنَ النَّارِ فَنَظَرُوْا إِلَيْهِ فَإِذَا هُوَ رَاعِيْ مِعْزًى۔ [2] (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

ترجمہ: اور حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ سرور کائنات ﷺ (جب لشکر لے کر کسی جگہ جاتے تو) فجر ہوجانے پر (دشمن کے اوپر) حملہ کیا کرتے تھے اور (فجر ہوجانے پر) اذان کا انتظار کیا کرتے تھے۔ (اس آبادی میں سے جس پر حملہ کا ارادہ ہوتا تھا) اگر اذان کی آواز آجاتی تھی تو آپ حملہ کرنے سے باز رہتے اور اگر (اذان کی) آواز سنائی نہ دیتی تو حملہ کردیتے۔ چنانچہ ایک مرتبہ جب آنحضرت ﷺ دشمن پر حملہ کے لئے جارہے تھے تو ایک مقام پر) آپ نے ایک شخص کو اللہ اکبر، اللہ اکبر کہتے ہوئے سنا۔ آپ نے فرمایا کہ "یہ شخص اسلام (کے طریقہ) پر ہے (کیونکہ اذان تو مسلمان ہی کہتا ہے) پھر اس شخص نے کہا اشہد ان لا الہ الا اللہ (میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں) آنحضرت ﷺ نے (یہ سن کر) فرمایا کہ "تم (شرک سے باز آجانے کی وجہ سے) دوزخ سے نکل گئے۔" صحابہ نے (چاروں طرف دیکھ کر معلوم کرنا چاہا کہ اذان دینے والا کون ہے تو) دیکھا کہ وہ بکریاں چرانے والا شخص ہے۔" (مسلم)

[1] المرقات: ۲/۳۵۳ اشعة اللمعات: ۳۳۷ [2] اخرجه مسلم: ۲/۳

توضیح: "یغیر اذا طلع الفجر" حضور اکرم ﷺ کی عادت شریفہ تھی کہ آپ جب دشمن کے خلاف کاروائی فرماتے تو طلوع فجر کے وقت کرتے یہ دشمن کی غفلت کا وقت ہوتا ہے اور مسلمان مجاہد کی چستی کا وقت ہوتا ہے پھر اس وقت حملہ کرنے میں آنحضرت ﷺ کے پیش نظر یہ حکمت بھی ہوتی تھی کہ جس بستی پر حملہ ہونے والا ہے آیا اس میں مسلمان بھی ہیں یا سارے کافر ہی کافر ہیں اگر کسی مسلمان کا اندازہ ہوتا تو پھر کاروائی احتیاط سے ہوتی یا روکی جاتی ورنہ احتیاط کی ضرورت نہ ہوتی اسی مقصد کے لئے آنحضرت ﷺ فجر کی اذان کا انتظار فرماتے اس حدیث میں اسی کا ذکر ہے [1] لشکر اسلام کو یہاں یہی تعلیم دی گئی ہے مگر عام مسلمانوں سے بھی کہا گیا ہے کہ وہ دارالحرب میں رہن سہن اختیار نہ کریں ورنہ اگر لشکر اسلام کی زد میں آگئے تو خون رائیگاں جائیگا۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اذان شعائر اسلام میں سے ہے کیونکہ حضور اکرم ﷺ نے اذان ہونے کو اسلام کی علامت اور اذان نہ ہونے کو کفر کی علامت قرار دیا ہے یہی وجہ ہے کہ فقہ کی جزئیات میں یہ جزئیہ موجود ہے کہ اگر مسلمانوں کے کچھ لوگ کسی علاقے میں اذان دینا ترک کریں تو حکومت وقت پر فرض ہے کہ ان کے خلاف جہاد کا اعلان کرے کیونکہ اذان شعائر اسلام میں سے ہے یہ الگ بات ہے کہ اذان سنت ہے۔

﴿۸﴾ وعن سَعْدِ بْنِ أَبِي وَقَّاصٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ قَالَ حِيْنَ يَسْمَعُ الْمُؤَذِّنَ أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيْكَ لَهُ وَأَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُوْلُهُ رَضِيْتُ بِاللهِ رَبًّا وَبِمُحَمَّدٍ رَسُوْلًا وَبِالْإِسْلَامِ دِيْنًا غُفِرَ لَهُ ذَنْبُهُ۔ [2] (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

ترجمہ: اور حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ سرور کائنات ﷺ نے فرمایا "جو شخص مؤذن (کی اذان) کو سن کر یہ کہے کہ "اشهد أن لا إله إلا الله وحده لا شريك له و ان محمدا عبده و رسوله رضيت بالله ربا وبمحمد رسولا و بالاسلام دينا۔

میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے اور نہ ہی اس کا کوئی شریک ہے اور گواہی دیتا ہوں کہ محمد (ﷺ) اللہ کے بندے ہیں اور اس کے رسول ہیں۔ اور میں اللہ تعالیٰ کے رب ہونے، محمد کے رسول ہونے اور اسلام کے دین ہونے پر راضی ہوں۔ (مسلم)

توضیح: "رضيت بالله ربا" اس دعا کو اذان کے ختم ہونے پر پڑھنا زیادہ مناسب ہے تا کہ دوران اذان کلمات اذان کے جواب میں خلل نہ آئے۔ اس دعا کے پڑھنے سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ اذان کے بعد مختلف دعائیں پڑھنا آنحضرت ﷺ کی سنت ہے صرف ایک دعا متعین نہیں ہے۔

"غفر له ذنبه" بارہا لکھا گیا ہے کہ اس گناہ سے مراد صغیرہ گناہ ہے کبائر کے لئے توبہ کی ضرورت ہے۔

---

[1] المرقات: ۲/۳۵۴ اشعة اللمعات: ۳۲۷ [2] اخرجه مسلم: ۲/۴

مغرب کی اذان کے بعد نفل کا حکم

﴿۹﴾ وعن عَبْدِاللهِ بْنِ مُغَفَّلٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَيْنَ كُلِّ أَذَانَيْنِ صَلَاةٌ بَيْنَ كُلِّ أَذَانَيْنِ صَلَاةٌ ثُمَّ قَالَ فِي الثَّالِثَةِ لِمَنْ شَاءَ .[۱] (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

ترجمہ: اور حضرت عبداللہ ابن مغفل رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ سرورکائنات ﷺ نے فرمایا "ہر دو اذانوں کے درمیان نماز ہے، ہر دو اذانوں کے درمیان نماز ہے اور پھر تیسری دفعہ میں یہ فرمایا کہ (یہ نماز) اس شخص کے لئے جو پڑھنا چاہے۔" (بخاری ومسلم)

توضیح: "بین کل أذانین صلوٰۃ" اذانین سے اذان اور اقامت مراد ہے اول اذان الغائبین ہے اور ثانی اذان الحاضرین ہے۔ تکبیر و اذان کے درمیان وقت بہت ہی بابرکت ہے اجابت دعا کا وقت بھی ہے اس لئے آنحضرت ﷺ نے مکرر ترغیب فرمائی ہے کہ اس میں نفل نماز پڑھا کرو۔ اب یہ نماز خواہ نفل ہو یا سنت ہو باقی نمازوں میں تو ہوتی ہے لیکن مغرب کی اذان اور اقامت کے درمیان نفل پڑھنے میں فقہاء کرام کا اختلاف ہے۔[۲]

فقہاء کا اختلاف:

امام شافعی اور امام احمد بن حنبل رحمہما اللہ تعالیٰ کے ایک قول کے مطابق مغرب کی اذان کے بعد اور مغرب کی نماز سے پہلے دو رکعت نفل پڑھنا مستحب ہے امام ابوحنیفہ اور امام مالک رحمہما اللہ تعالیٰ کے نزدیک یہ رکعتیں اصل میں جائز ہے لیکن تاخیر صلوٰۃ مغرب کی وجہ سے یہ مکروہ لغیرہ بن جاتی ہیں۔ امام شافعی اور امام احمد بن حنبل رحمہما اللہ تعالیٰ کا ایک قول یہ ہے کہ یہ نفل صرف مباح ہے مستحب بھی نہیں ہے امام مالک اور امام ابوحنیفہ رحمہما اللہ تعالیٰ کا ایک قول اباحت کا ہے ابن ہمام نے اباحت کو راجح قرار دیا ہے۔

دلائل:

شوافع اور حنابلہ نے زیر بحث عبداللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ کی روایت سے استدلال کیا ہے بخاری کی ایک روایت حضرت عبداللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ سے اس طرح منقول ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ "صلوا قبل صلوٰۃ المغرب" ان حضرات نے مشکوٰۃ ص ۱۰۵ کی حضرت مختار بن فلفل اور حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایتوں سے بھی استدلال کیا ہے جس میں ان رکعتوں کے پڑھنے کا واضح ثبوت موجود ہے۔

احناف و مالکیہ نے حضرت بریدہ اسلمی رضی اللہ عنہ کی روایت سے استدلال کیا ہے جس کو دارقطنی نے ان الفاظ کے ساتھ نقل کیا ہے۔

وعن بريدة عن عبدالله بن مغفل المزني قال قال رسول الله ﷺ إن عند كل أذانين ركعتين ما خلا المغرب" (زجاجۃ المصابیح ج ۱ ص ۱۹۹)

---

[۱] اخرجه البخاري: ۱/۱۶۱ ومسلم: ۲/۲۱۲ [۲] المرقاة: ۲/۳۵۲

اس روایت میں مغرب کے علاوہ اوقات میں دو اذانوں کے درمیان رکعتین کا ذکر ہے اور مغرب کا استثناء ہے۔ احناف و مالکیہ زیر بحث حدیث کے "لمن شاء" کے الفاظ سے بھی استدلال کرتے ہیں جس میں پڑھنے اور نہ پڑھنے کا اختیار دیا گیا ہے اب پڑھنا جائز ہوا لیکن اس سے تاخیر مغرب کا خطرہ ہے اس وجہ سے نہ پڑھنے کا اختیار بھی ہے اور اسمیں احتیاط بھی ہے۔

احناف نے مشکوۃ ص ۱۰۵ کی مختار بن فلفل رضی اللہ عنہ کی روایت سے بھی استدلال کیا ہے کیونکہ ان سے جب پوچھا گیا کہ کیا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ رکعتیں پڑھی ہیں تو آپ نے فرمایا "کان یرانا نصلیهما فلم یامرنا ولم ینهنا" (رواہ مسلم)

اس روایت سے بھی اختیار معلوم ہوتا ہے کیونکہ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ پڑھیں ہیں اور نہ کسی کو پڑھنے کا حکم دیا ہے اور نہ کسی کو روکا ہے اس پڑھنے کے استحباب پر یا جواز پر عمل کرنے میں تاخیر مغرب میں آدمی واقع ہوسکتا ہے جو مکروہ ہے لہٰذا احتیاط پر عمل کرتے ہوئے احناف نہ پڑھنے کا حکم دیتے ہیں لیکن اگر تاخیر نہیں ہوتی ہو تو پھر یہ کراہت لغیرہ بھی نہیں رہے گی۔ بہر حال یہ اتنا بڑا اختلاف نہیں ہے جن ممالک میں عوام اور ائمہ حضرات ان دو رکعتوں کی پابندی کرتے ہیں تو پھر احناف کو بھی چاہئے کہ یہ رکعتیں پڑھا کریں اسی طرح اگر کسی جگہ رمضان میں مغرب کی افطاری میں دیر ہوتی ہے تو عوام کو چاہیے کہ خالی بیٹھنے کے بجائے یہ رکعتیں پڑھ لیں۔ کیونکہ یہ اختلاف طرفین سے استحباب کے حکم میں ہے تو معاملہ آسان ہو گیا بعض شارحین کا خیال ہے کہ یہ حکم پہلے تھا پھر موقوف ہو گیا۔

الفصل الثانی

پیش امام مقتدیوں کی نماز کا ذمہ دار ہے

﴿۱۰﴾ عن أبي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَلْإِمَامُ ضَامِنٌ وَالْمُؤَذِّنُ مُؤْتَمَنٌ أَللّٰهُمَّ أَرْشِدِ الْأَئِمَّةَ وَاغْفِرْ لِلْمُؤَذِّنِيْنَ.[1] (رَوَاهُ أَحْمَدُ وَأَبُوْدَاوُدَ وَالتِّرْمِذِيُّ وَالشَّافِعِيُّ وَفِيْ أُخْرٰى لَهُ بِلَفْظِ الْمَصَابِيْحِ)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ "امام ضامن ہوتا ہے اور موذن امانت دار ہوتا ہے (پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دعا فرمائی) اے اللہ! اماموں کو ہدایت دے (یعنی ان کو نیک علم، صالح عمل اور صلاح و تقویٰ کی توفیق دے) اور موذنوں (سے اگر اذان کہنے میں کمی وزیادتی ہوجاوے تو ان) کو بخش دے۔" (احمد، ابوداود، ترمذی، نسائی) اور امام شافعی رحمہ اللہ نے دوسری روایت مصابیح کے ہم لفظ نقل کی ہے۔

توضیح: "الإمام ضامن" یعنی امام اپنے مقتدیوں کی نمازوں کا ذمہ دار اور کفیل ہے کہ ان کی نمازیں خراب نہ ہوں امام قرأت کا ذمہ دار ہے تعدیل ارکان کا ذمہ دار ہے نماز کی رکعتوں کا ذمہ دار ہے نمازوں کے ارکان اور رکعات کی

[1] اخرجه احمد: ۲/۲۸۴، ۲/۳۸۲، ۲/۴۲۴، ۲/۴۷۲ ابوداؤد: ۵۱۸ والترمذی: ۲۰۷

تعداد اور نمازوں کے افعال وحرکات کا ذمہ دار ہے "ضامن" کا یہ مذکورہ مفہوم احناف کے ذوق کے مطابق ہے کیونکہ احناف کے نزدیک امام کی نماز کی صحت وفساد سے مقتدیوں کی نماز مربوط ہے اگر امام کی نماز فاسد ہوگئی تو مقتدیوں کی فاسد ہو جائے گی لیکن شوافع نے "ضامن" کا مفہوم نگران اور رعایت کرنے والا لیا ہے اس لئے کہ ان کے ہاں امام کی نماز الگ ہے اور مقتدیوں کی نماز الگ ہے امام کی حیثیت صرف منتظم ومرتب اور نگران کی ہے امام کی نماز اگر فاسد ہوگئی تو مقتدیوں کی فاسد نہیں ہوگی۔[۱]

"**والمؤذن مؤتمن**" مؤذن کی امانت اور اس کے امانت دار ہونے کا مطلب یہ ہے کہ وہ لوگوں کی نمازوں کے صحیح اوقات کا خیال رکھے گا لوگ روزہ رکھتے ہیں صبح وشام دونوں اوقات میں مؤذن پر بھروسہ کرتے ہیں اور اس کی آواز کا انتظار کرتے ہیں نیز مؤذن چھت پر چڑھ کر اذان دیتا ہے جس میں لوگوں کے گھروں میں جھانکنے کا قوی امکان ہے اس لئے حضور ﷺ نے فرمایا کہ مؤذن امانت دار ہے اس کو امین بنایا گیا ہے حدیث کے آخر میں امام کی ہدایت ورہنمائی ورہبری کی اور مؤذن کے لئے استغفار کی دعا مانگی گئی ہے جو دونوں کے احوال کے مناسب دعا ہے۔

سات سال تک اذان دینے کی فضیلت

﴿۱۱﴾ وعن ابن عباس قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم من أذن سبع سنين محتسبا كتب له براءة من النار.[۲] (رواه الترمذي وأبو داود وابن ماجه)

ترجمہ: اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ سرور کائنات ﷺ نے فرمایا "جو شخص (مزدوری واجرت کے لالچ کے بغیر) محض ثواب حاصل کرنے کے لئے سات سال تک اذان دے تو اس کے لئے دوزخ سے نجات لکھ دی جاتی ہے۔" (ترمذی، ابن ماجہ)

توضیح: "سبع سنین" سات سال کی خدمت کی مدت کا تعین اور اذان دینے پر اس اعزاز دینے کی حکمت اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کے سپرد کرتے ہیں۔[۳]

"**محتسبا**" یعنی ثواب کی نیت سے سات سال تک اذان دیتا رہا خالص لوجہ اللہ اذان دی کوئی دنیاوی اغراض ومقاصد پیش نظر نہیں تھے اس لئے اللہ تعالیٰ نے ان کو جنت کا پروانہ عطا کیا "احتساب" یعنی ثواب کی نیت اور ثواب کے ارادہ سے جو کام کیا جائے اس کو احتساب کہا جاتا ہے اس کے مقابلے میں وہ کام جو ثواب کی نیت سے نہ کیا جائے بلکہ قومی حمیت سے اور عزیز واقارب کی خاطر داری اور معاشرہ میں ناک اونچی رکھنے کی غرض سے کوئی عمل ہو تو وہ خدا کے ہاں مقبول نہیں ہے۔

"**براءة**" رہائی اور چھٹکارا پانے کے لئے ایک پروانہ دیا جاتا ہے اسی پروانہ کو براءۃ کہا گیا ہے جس کا ذکر اس حدیث میں آیا ہے۔

---

[۱] المرقات: ۲/۳۵۲ اشعۃ اللمعات: ۳۳۸ [۲] اخرجہ الترمذی: ۲۰۶ وابوداؤد: وابن ماجہ ۷۲۷ [۳] المرقات: ۲/۳۵۹

اکیلے آدمی کو بھی نماز کے لئے اذان کہنا چاہئے

﴿۱۲﴾ وعن عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَعْجَبُ رَبُّكَ مِنْ رَاعِيْ غَنَمٍ فِيْ رَأْسِ شَظِيَّةٍ لِلْجَبَلِ يُؤَذِّنُ بِالصَّلَاةِ وَيُصَلِّيْ فَيَقُوْلُ اللهُ عَزَّ وَجَلَّ أُنْظُرُوْا إِلَى عَبْدِيْ هٰذَا يُؤَذِّنُ وَيُقِيْمُ الصَّلَاةَ يَخَافُ مِنِّيْ قَدْ غَفَرْتُ لِعَبْدِيْ وَأَدْخَلْتُهُ الْجَنَّةَ.[1] (رَوَاهُ أَبُوْدَاوُدَ وَالنَّسَائِيُّ)

ترجمہ: اور حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "تمھارا رب راضی ہوتا ہے پہاڑ کی چوٹی پر بکریاں چرانے والے سے جو نماز کے لئے اذان کہتا ہے اور نماز پڑھتا ہے۔ چنانچہ اللہ بزرگ و برتر (ملائکہ اور ارواح مقربین سے) فرماتا ہے۔" "میرے اس بندہ کی طرف دیکھو وہ اذان دیتا ہے اور (پابندی کے ساتھ) نماز پڑھتا ہے اور مجھ سے ڈرتا ہے، چنانچہ میں نے بھی اس بندے کے گناہ بخش دیئے ہیں اور میں اسے جنت میں داخل کروں گا۔" (ابوداؤد، نسائی)

توضیح: "یعجب ربك" یعنی تیرا رب راضی ہوتا ہے خوش ہوتا ہے اگر "ك" سے خطاب اللہ تعالیٰ کی طرف سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ہو تو پھر یہ حدیث قدسی بن جائے گی اور اگر خطاب عوام الناس کے ساتھ خاص ہے تو پھر حدیث قدسی نہیں ہوگی شیخ عبدالحق رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اول توجیہ زیادہ واضح ہے۔[2] (کذا فی اللمعات)

"شظية" شظیہ قصیة کے وزن پر ہے پہاڑ کی بلند چوٹی کو کہتے ہیں "يخاف مني" یعنی یہ چرواہا دنیا کے تمام علائق سے دستبردار ہو کر تمام لوگوں سے کنارہ کش ہو کر پہاڑ کی چوٹی پر بسیرا کئے ہوئے ہے جب نماز کا وقت آتا ہے تو میرے خوف کی وجہ سے میری خوشنودی حاصل کرنے کی غرض سے نماز کے لئے اذان دیتا ہے اور پھر نماز پڑھتا ہے پہاڑ کی بلند چوٹی پر اللہ تعالیٰ کا نام بلند کرتا ہے اور پھر نماز پڑھتا ہے اللہ تعالیٰ اس سے خوش ہوتا ہے اور فرشتوں سے کہتا ہے کہ دیکھو میرے بندے کو اس نے میرے خوف سے اذان دی پھر نماز پڑھی میں نے اس کو معاف کردیا اور جنت میں داخل کردیا۔

علماء نے لکھا ہے کہ یہاں اذان سے اذان اور تکبیر دونوں مراد ہیں اور جب اکیلا آدمی ایسا کرتا ہے تو پھر فرشتے[3] اس کے ساتھ کھڑے ہو کر نماز پڑھتے ہیں تو اس شخص کو جماعت کا ثواب مل جاتا ہے اس حدیث سے یہ تعلیم ملی کہ تنہا آدمی اگر کہیں سفر پر ہو یا کسی کام سے صحراء میں ہو تو ان کو نماز کے لئے اذان کہنا چاہئے۔

﴿۱۳﴾ وعن ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثَلَاثَةٌ عَلَى كُثْبَانِ الْمِسْكِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ عَبْدٌ أَدَّى حَقَّ اللهِ وَحَقَّ مَوْلَاهُ وَرَجُلٌ أَمَّ قَوْمًا وَهُمْ بِهِ رَاضُوْنَ وَرَجُلٌ يُنَادِيْ بِالصَّلَوَاتِ الْخَمْسِ كُلَّ يَوْمٍ وَلَيْلَةٍ.[4] (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ غَرِيْبٌ)

---

[1] اخرجه ابوداؤد: ۱۲۰۳ والنسائی: ۲/۲۰ [2] اشعة اللمعات: ۳۳۹ المرقات: ۲/۳۵۹، ۳۶۰

[3] المرقات: ۲/۳۶۰ [4] اخرجه الترمذی: ۱۹۸۶

ترجمہ: اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ سرور کائنات ﷺ نے فرمایا "قیامت کے روز تین آدمی مشک کے ٹیلوں پر ہوں گے۔ (پہلا) وہ غلام جس نے اللہ تعالیٰ کے حقوق ادا کر کے اپنے آقا کے حقوق بھی ادا کئے اور (دوسرا) وہ شخص جو لوگوں کو نماز پڑھاتا ہے اور لوگ اس سے خوش ہیں اور (تیسرا) وہ شخص جو رات دن (یعنی ہمیشہ) پانچوں وقت کی نماز کے لئے اذان کہتا ہے۔" امام ترمذی نے اس حدیث کو نقل کیا ہے اور کہا ہے یہ حدیث غریب ہے۔

توضیح: "کثبان المسك" کثبان اکثبہ اور کثب یہ کثیب کی جمع ہیں کثیب ریت کے جمع کردہ ٹیلہ کو کہتے ہیں اس میں جمع کرنے کا معنی ملحوظ رہتا ہے۔

امرء القیس نے کثیب کا تذکرہ اپنے مشہور قصیدہ میں اس طرح کیا۔

ویوما علی ظهر الکثیب تعذرت علی وآلت حلفة لم تحلل

اور محبوبہ نے ایک دن ریت کے ٹیلے پر ملنے سے قطعی انکار کر دیا اور نہ ٹوٹنے والی قسم کھالی۔

"وعبد" عبد سے مراد مملوک ہے خواہ غلام ہو یا لونڈی ہو۔ "وهم به راضون" یعنی قوم اپنے پیش امام سے خوش اور راضی ہو اس کے علم اور تقویٰ کی وجہ سے اور اس کے کردار و گفتار کی وجہ سے اور اس کی قرأت وخوش آوازی کی وجہ سے اور اس کی حق گوئی اور انصاف کی وجہ سے سب ان سے راضی ہوں یہ بات یاد رہے کہ اس حدیث سے محلہ کے اکثر اہل دین اور اہل فراست لوگوں کی رضامندی مراد ہے ہر قسم کے چھچھورے لوگوں کی رضامندی کا اعتبار نہیں ہے۔ وہ تو عموماً ناراض رہتے ہیں "ورجل ینادی" مضارع کے صیغہ سے اس بات کی طرف اشارہ ملتا ہے کہ یہ مؤذن دوام اور استمرار کے ساتھ اذان دیتا ہو۔ (کذا فی اللمعات)

﴿۱۴﴾ وعن أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلْمُؤَذِّنُ يُغْفَرُ لَهُ مَدَى صَوْتِهِ وَيَشْهَدُ لَهُ كُلُّ رَطْبٍ وَيَابِسٍ وَشَاهِدُ الصَّلَاةِ يُكْتَبُ لَهُ خَمْسٌ وَعِشْرُوْنَ صَلَاةً وَيُكَفَّرُ عَنْهُ مَا بَيْنَهُمَا۔[1] (رَوَاهُ أَحْمَدُ وَأَبُوْدَاوُدَ وَابْنُ مَاجَه وَرَوَى النَّسَائِيُّ إِلَى قَوْلِهِ كُلُّ رَطْبٍ وَيَابِسٍ وَقَالَ وَلَهُ مِثْلُ أَجْرِ مَنْ صَلَّى)

ترجمہ: اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ سرور کائنات ﷺ نے فرمایا۔ "اذان دینے والے کی بخشش اس کی آواز کی انتہاء کے مطابق کی جاتی ہے۔ ہر خشک وتر چیز اور نماز میں آنے والے آدمی اس کے (ایمان کے) گواہ ہو جاتے ہیں۔" پچیس نمازوں کا ثواب (اس کے زائد اعمال میں) لکھا جاتا ہے اور نمازوں کے درمیان اس سے جو گناہ سرزد ہوتے ہیں معاف ہو جاتے ہیں۔" (احمد، ابوداؤد، ابن ماجہ) اور نسائی نے اس روایت کو کل رطب ویابس تک نقل کیا ہے اور یہ الفاظ مزید نقل کئے ہیں کہ ولہ مثل اجر من صلی (یعنی اور اسے نماز پڑھنے والے کے برابر ثواب ملے گا۔

توضیح: "مدی صوته" یعنی جہاں تک مؤذن کی آواز پہنچتی ہے وہاں تک کائنات کی جتنی چیزیں ہیں خواہ وہ

---

[1] اخرجه احمد: ۲/۴۲۹، ۲/۴۵۸، ۲/۴۶۱ ابو داؤد: ۵۱۵ ابن ماجه: ۷۲۸، والنسائی: ۲/۱۲

جمادات ہوں یا نباتات، حیوانات ہوں یا جنات، ملائکہ اور انسان ہوں۔ سب کے سب قیامت کے روز مؤذن کے ایمان کی گواہی دیں گے جیسا کہ اس باب کی حدیث نمبر ۳ میں گذر چکا ہے۔ [1]

"وشاهد الصلوة" اس سے مراد جماعت میں شریک ہونے والے لوگ ہیں ان کو جماعت کی وجہ سے ایک نماز پر ۲۵ نمازوں کا ثواب ملتا ہے۔ "وله اجر" یعنی جتنے لوگ نماز میں شریک ہوئے مؤذن کو ہر ایک کے برابر ثواب دیا جائے گا اس لئے کہ مؤذن ان سب کو بلانے اور ان کو دعوت دینے والا ہے اور "الدال علی الخیر کفاعله" مسلمہ قاعدہ اور حدیث ہے۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ثواب کے اعتبار سے مؤذن نمازیوں سے افضل ہے۔

معاوضہ لیے بغیر اذان دی جائے

﴿۱۵﴾ وعن عُثْمَانَ بْنِ أَبِي الْعَاصِ قَالَ قُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللهِ اِجْعَلْنِيْ إِمَامَ قَوْمِيْ قَالَ أَنْتَ إِمَامُهُمْ وَاقْتَدِ بِأَضْعَفِهِمْ وَاتَّخِذْ مُؤَذِّنًا لَا يَأْخُذُ عَلَى أَذَانِهِ أَجْرًا۔ [2] (رَوَاهُ أَحْمَدُ وَأَبُوْدَاوُدَ وَالنَّسَائِيُّ)

ترجمہ: اور حضرت عثمان بن ابی عاص رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے سرور کائنات ﷺ سے عرض کیا کہ "یا رسول اللہ! مجھے میری قوم کا امام مقرر فرما دیجئے۔" آپ نے فرمایا "تم ان کے امام ہو (یعنی میں نے تمہیں تمہاری قوم کا امام مقرر کر دیا مگر یہ یاد رکھو کہ نماز پڑھانے میں، تم ان میں سے بہت زیادہ ضعیف وناتواں کی اقتداء کرنا اور ایسا مؤذن مقرر کرنا جو اذان کہنے کی مزدوری نہ لے۔" (احمد، ابوداؤد، نسائی)

توضیح: "اقتد بأضعفهم" یعنی نماز ضعیف اور کمزور لوگوں کی رعایت کر کے پڑھایا کرو نہ قرأت اتنی لمبی ہو کہ ضعیف وناتوان لوگ برداشت نہ کر سکیں اور نہ ارکان صلوۃ میں اتنا ثقل ہو کہ لوگ تنگ وپریشان ہو جائیں اور جماعت سے نماز پڑھنا چھوڑ دیں۔ [3]

استیجار علی الطاعات کا مسئلہ:

"لا یأخذ علی أذانه أجرا" اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ مؤذن کو اپنی اذان پر اجرت لینا جائز نہیں ہے اس پر قیاس کر کے امام کو امامت پر بھی اجرت لینا جائز نہیں ہے بلکہ اس سے بھی آگے بڑھ کر یہ کہا جا سکتا ہے کہ مطلقاً استیجار علی الطاعات منع ہے استیجار علی الطاعات میں فقہاء کا کچھ اختلاف ہے۔

فقہاء کا اختلاف:

امام مالک رحمہ اللہ اور شوافع حضرات کے نزدیک طاعات پر اجرت لینا دینا مطلقاً جائز ہے۔

حنابلہ کے نزدیک طاعات یعنی اذان واقامت تعلیم قرآن وامامت پر اجرت لینا جائز نہیں ہے۔

[1] الکاشف ۲/۲۲۸ اشعة اللمعات: ۳۳۹ المرقات: ۲/۳۶۲ [2] اخرجه احمد ۴/۲۱، ۲۱۷، ابوداؤد: ۵۳۱ نسائی: ۲/۲۳

[3] المرقات ۲/۳۶۲ الکاشف: ۲/۲۲۹ اشعة اللمعات: ۳۴۰

احناف کے دو طبقے ہیں ایک طبقہ متقدمین کا ہے اور ایک متاخرین کا ہے متقدمین احناف کے ہاں **استیجار علی الطاعات** ناجائز ہے۔ احناف کے متاخرین علماء فرماتے ہیں کہ **استیجار علی الطاعات** کے جواز پر متاخرین علماء کا فتویٰ تو نہیں ہے البتہ بوجہ مجبوری جواز کا قول کیا گیا ہے گویا اصل مسئلہ عدم جواز کا ہے اور جواز کی بات عارضی ہے اور ایک مجبوری کے تحت اس کا قول کیا گیا ہے۔ تا کہ شعائر اسلام کا تحفظ کیا جائے اور دینی مناصب ختم نہ ہو جائیں کیونکہ جب ایک شخص امامت و خطابت اور تدریس سوا اذان پر اجرت نہیں لیگا تو لامحالہ وہ اپنے آپ کو شعائر دین میں سے کسی منصب کے تحفظ کا ذمہ دار نہیں سمجھے گا تو وہ کسی کام کی پابندی نہیں کریگا اس طرح آہستہ آہستہ دین اسلام کا ایک ایک منصب ختم ہوتا جائے گا اور دین کے احکام میں تعطل پیدا ہو جائے گا جو آج کل کے ملحدین کا مقصد ہے اسی لئے وہ **اجرت علی الطاعات** پر اعتراض کرتے ہیں ادھر بیت المال سے سلف کے زمانہ میں ائمہ اور خطباء و معلمین و مفتیین کو وظائف ملتے تھے جس کی وجہ سے یہ حضرات دینی مناصب کی حفاظت کرتے تھے اب ان مناصب کو بچانے اور باقی رکھنے کے لئے بقدر کفاف معاوضہ کا متاخرین نے جواز کا قول کیا ہے کیونکہ یہ ضرورت ہے لیکن "**والضرورة تتقدر بقدر الضرورة**" ہوتا ہے اس لئے آج کل اگر کوئی امام یا مؤذن دین کی خدمت کو نہیں دیکھتا ہے بلکہ صرف دنیا کمانا اور دنیا بنانا مقصود ہے تو ایسے امام و مؤذن کے لئے آج بھی اجرت لینا ناجائز ہے۔ عقود رسم المفتی میں ابن عابدین شامی نے لکھا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ شریعت کا جو منصب بغیر تنخواہ اور بغیر اجرت کے باقی نہیں رہ سکتا ہو مثلاً اذان و امامت ہے تو ایسے مناصب کو باقی رکھنے کے لئے اگر کوئی شخص اس پر اجرت لیتا ہے تو وہ جائز ہے جیسے درس و تدریس امامت و اذان اور قضاء و افتاء کے مناصب ہیں۔ اور جن مناصب پر اگر اجرت نہ لی جائے تو وہ ختم نہیں ہوتے مثلاً تراویح میں ختم قرآن پر اجرت لینا ٹیوشن پڑھانا یہ ایسے مناصب ہیں کہ شریعت کا کوئی منصب اس کے ختم ہونے سے ختم نہیں ہوتا تو ایسے مناصب پر اجرت نہیں لی جاسکتی ویسے اگر دیکھا جائے تو دور صحابہ میں مجاہدین کو جہاد پر معاوضہ دیا گیا ہے۔ قاضیوں کو شرعی قضاء پر تنخواہ دی گئی ہے خلفاء و امراء نے دینی خدمات کی انجام دہی پر تنخواہ لی ہے یہ دلائل جواز کے لئے کافی ہیں۔

توضیحات جلد چہارم میں (ص ۶۴۵) پر **استیجار علی الطاعات** پر مکمل بیان لکھا گیا ہے اس کی طرف رجوع کرنا باعث اطمینان ہوگا۔ بہر حال بوجہ مجبوری جب معاملہ جواز کا پیدا ہو گیا تو زیر بحث حدیث کی توجیہ یہ ہوگی کہ یہاں اخلاص کے ساتھ اجرت کے بغیر اذان کی ترغیب کی طرف اشارہ کیا گیا ہے اجرت لینے دینے کا مسئلہ یہاں بیان کرنا مقصود نہیں ہے یہی وجہ ہے کہ مسلمانوں میں اب بھی بہت سارے علاقے ایسے ہیں جہاں کے لوگ خود اذان دیتے ہیں اور اجرت نہیں لیتے ہیں اور نہ اجرت کا وہاں تصور ہے لہٰذا جہاں تک ممکن ہو اس حدیث پر عمل کرنے کے لئے ایسا ہی ماحول بنانا چاہئے۔

خلاصہ یہ کہ حدیث شریف میں اخلاص کی جو ترغیب دی گئی ہے اس میں کوئی کلام نہیں ہے۔

﴿۱۶﴾ وعن أُمِّ سَلَمَةَ قَالَتْ عَلَّمَنِيْ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ أَقُوْلَ عِنْدَ أَذَانِ

الْمَغْرِبِ اَللّٰهُمَّ هٰذَا اِقْبَالُ لَيْلِكَ وَاِدْبَارُ نَهَارِكَ وَأَصْوَاتُ دُعَاتِكَ فَاغْفِرْلِيْ۔[1]

(رَوَاهُ أَبُوْدَاوُدَ وَالْبَيْهَقِيُّ فِي الدَّعْوَاتِ الْكَبِيْرِ)

ترجمہ: اور حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ سرور کائنات ﷺ نے مجھے سکھلایا تھا کہ میں مغرب کی اذان کے وقت یہ دعا پڑھ لیا کروں اے اللہ! یہ وقت ہے تیری رات کے آنے کا اور تیرے دن کے واپس جانے کا اور تیرے پکارنے والوں (یعنی موذنوں) کی آوازوں کا! لہٰذا تو میری مغفرت فرما (ابوداؤد، بیہقی)

توضیح: "اللّٰهم هذا" جب اذان کا جواب مکمل ہو جائے اس کے بعد مناسب ہے کہ یہ دعا پڑھی جائے اور اس دعا میں چونکہ دن اور رات کے بدلنے کے انقلاب کی طرف اشارہ ہے اس لئے مغرب کی اذان کے بعد اسے پڑھنا چاہئے اس دعا سے یہ بات بھی واضح ہوگئی کہ اذانوں کے بعد مختلف دعاؤں کا ثبوت ہے چونکہ اذان اور اقامت کے درمیان کا جو وقت ہے وہ قبولیت دعا کا بہترین وقت ہے اس لئے اس میں مختلف دعاؤں کا اہتمام کیا گیا ہے۔[2]

اذان واقامت کے درمیان میں دعا قبول ہوتی ہے

﴿۱۷﴾ وعن أَبِيْ أُمَامَةَ أَوْ بَعْضِ أَصْحَابِ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّ بِلَالًا أَخَذَ فِي الْاِقَامَةِ فَلَمَّا أَنْ قَالَ قَدْ قَامَتِ الصَّلَاةُ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَقَامَهَا اللهُ وَأَدَامَهَا وَقَالَ فِيْ سَائِرِ الْاِقَامَةِ كَنَحْوِ حَدِيْثِ عُمَرَ فِي الْأَذَانِ۔[3] (رَوَاهُ أَبُوْدَاوُدَ)

ترجمہ: اور حضرت ابوامامہ یا سرور کائنات ﷺ کے کوئی صحابی فرماتے ہیں کہ "حضرت بلال نے تکبیر کہنی شروع کی۔ جب انہوں نے قد قامت الصلوٰۃ کہا تو آنحضرت ﷺ نے (اس کے جواب میں) فرمایا "اقامها الله و ادامها" یعنی اللہ تعالیٰ نماز کو قائم ودائم رکھے اور تکبیر کے بقیہ کلمات کے جوابات وہی فرمائے جس کا ذکر حضرت عمر کی اذان کی حدیث میں ہو چکا ہے۔"

(ابوداؤد)

﴿۱۸﴾ وعن أَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يُرَدُّ الدُّعَاءُ بَيْنَ الْأَذَانِ وَالْاِقَامَةِ۔[4] (رَوَاهُ أَبُوْدَاوُدَ وَالتِّرْمِذِيُّ)

ترجمہ: اور حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ سرور کائنات ﷺ نے فرمایا "اذان اور تکبیر کے درمیان دعا رد نہیں کی جاتی۔" (ابوداؤد، ترمذی)

توضیح: "لایرد الدعا" مسلمان کی دعا تو اللہ تعالیٰ اپنی رحمت ومہربانی سے ہر وقت قبول فرماتے ہیں مگر اذان

[1] اخرجه ابوداؤد: ۵۳ [2] المرقات: ۲/۳۶۵ الکاشف: ۲/۲۵۰
[3] اخرجه ابوداؤد: ۵۲۸ [4] اخرجه ابوداؤد: ۵۲۱ والترمذی: ۲۱۲، ۳۵۹۴

اور اقامت کا جو وقت ہے وہ اتنا با سعادت ہے اور اتنا با برکت ہے کہ اس میں اللہ تعالیٰ دعا مانگنے والے کی دعا رد نہیں فرماتے۔ اس حدیث سے مسلمانوں کو یہ تعلیم ملتی ہے کہ مسلمانوں کو چاہئے کہ وہ اپنی دنیوی اور اخروی حاجتوں کو ان اوقات میں اللہ تعالیٰ سے مانگا کریں۔

حدیث کے ظاہری الفاظ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ دعا خواہ اذان کے ختم ہوتے ہی متصل مانگی جائے یا کچھ دیر کے بعد مانگی جائے ہر صورت میں قبول ہوگی مگر اولیٰ اور بہتر یہ ہے کہ اذان کے اختتام پر متصل مانگی جائے۔[۱]

قبولیت دعا کے تین اوقات

﴿۱۹﴾ وعن سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثِنْتَانِ لَا تُرَدَّانِ أَوْ قَلَّمَا تُرَدَّانِ الدُّعَاءُ عِنْدَ النِّدَاءِ وَعِنْدَ الْبَأْسِ حِيْنَ يُلْحِمُ بَعْضُهُمْ بَعْضًا وَفِيْ رِوَايَةٍ وَتَحْتَ الْمَطَرِ۔[۲]

(رَوَاهُ أَبُوْدَاوُدَ وَالدَّارِمِيُّ إِلَّا أَنَّهُ لَمْ يَذْكُرْ وَتَحْتَ الْمَطَرِ)

ترجمہ: اور حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''دو دعائیں رد نہیں کی جاتیں، یا فرمایا کہ ''کم رد کی جاتی ہیں۔ ایک تو وہ دعا جو اذان (ہونے کے بعد یا اذان شروع ہونے) کے وقت مانگی جاتی ہے، اور دوسری وہ دعا جو (کفار کے ساتھ) جنگ میں مڈبھیڑ (یعنی آپس میں قتل وقتال) شروع ہو جانے کے وقت مانگی جاتی ہے۔''

توضیح: ''**اوقلما تردان**'' ممکن ہے کہ یہ ''او'' شک راوی کے لئے ہو اور یہ بھی ممکن ہے کہ یہ ''او'' ''تنویع'' کے لئے ہو یعنی دو انواع دعا کا ذکر ہو۔ ''**قلما**'' کا لفظ عدم پر بھی بولا جاتا ہے تو اول صورت میں راوی کو شک ہوا کہ **لا تردان** کے الفاظ ارشاد فرمائی تھے یا ''**قلما تردان**'' کے الفاظ تھے۔[۳]

''**عند النداء**'' اس سے اذان مراد ہے اور وقت اذان کو قبولیت دعا کے اوقات میں سے شمار کیا گیا ہے ''**وعند البأس**'' **بأس** شدید جنگ کو کہتے ہیں مراد میدان جہاد میں کفار کے مقابلے میں شدید جنگ ہے یہ بھی قبولیت دعا کا وقت ہے کیونکہ پوری توجہ اللہ تعالیٰ کی ذات پر مرکوز ہوتی ہے۔

''**لحم یلحم**'' باب سمع سے بھی آتا ہے جو لڑائی کو کہتے ہیں اسی سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نام رسول الملاحم مشہور ہے یعنی گھمسان کی جنگوں والا رسول یہاں یہ صیغہ باب افعال اور سمع دونوں سے پڑھا گیا ہے اگرچہ سمع سے زیادہ مستعمل ہے۔

''**وتحت المطر**'' بارش چونکہ آسمان سے آتی ہے اور گویا اللہ تعالیٰ کے پاس سے آتی ہے اس لئے اس میں برکت ورحمت ہوتی ہے اس مبارک وقت میں بھی دعا قبول ہوتی ہے چاہے بارش اس پر پڑ رہی ہو یا صرف برس رہی ہو۔

---

[۱] المرقات: ۲/۲۶۶ اشعۃ اللمعات: ۳۴۰ [۲] اخرجہ الدارمی: ۱۲۰۲ وابوداؤد: ۲۵۴۰

[۳] اشعۃ اللمعات: ۳۴۰ المرقات: ۲/۲۶۷

مؤذن کا ثواب کس طرح کمایا جائے؟

﴿۲۰﴾ وعن عَبدِاللهِ بْنِ عَمْروٍ قَالَ رَجُلٌ يَا رَسُوْلَ اللهِ إِنَّ الْمُؤَذِّنِيْنَ يَفْضُلُوْنَنَا فَقَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قُلْ كَمَا يَقُوْلُوْنَ فَإِذَا انْتَهَيْتَ فَسَلْ تُعْطَ.[۱] (رَوَاهُ أَبُوْ دَاوُدَ)

ترجمہ: اور حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما راوی ہیں کہ ''ایک صحابی نے عرض کیا کہ'' یارسول اللہ! اذان دینے والے تو بزرگی میں ہم سے بڑھے جاتے ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ''جس طرح وہ کہتے ہیں (ساتھ ساتھ) تم بھی اسی طرح کہتے جاؤ اور جب (اذان کے جواب سے) فارغ ہو جاؤ تو جو چاہو مانگو، دیا جائے گا۔ (ابوداؤد)

توضیح: ''یفضلوننا'' یعنی مؤذن لوگ اذان دیکر ہم سے ثواب میں سبقت لے گئے کیا ہم کوئی ایسا عمل کر سکتے ہیں کہ ثواب میں ہم ان کے برابر ہو جائیں یہ دور صحابہ رضی اللہ عنہم کا تھا جس میں نیک اعمال کی دوڑ اور مسابقت ہوتی تھی اور ہر ساتھی کا خیال ہوتا تھا کہ میں دوسرے ساتھیوں سے نیک اعمال میں اور ثواب میں پیچھے نہ رہ جاؤں جیسا کہ آج کل کے دور میں روپے پیسے اور دنیا کمانے کی حرص میں دوڑ لگی ہوئی ہے۔ انہی مشتاقان ثواب کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کم خرچ بالانشین والا عمل بتادیا وہ یہ کہ جب[۲] مؤذن اذان دیتا ہے تم اس کا جواب دیا کرو اور جب اذان ختم ہو جائے تو دعا پڑھ لیا کرو۔

اس میں تمہیں مؤذن کی اذان دینے کے اصل ثواب کی طرح ثواب ملے گا اور اس کے بعد دعا پڑھ لیا کرو اس سے تمہارے ثواب میں مزید اضافہ ہوگا۔ شیخ عبدالحق رحمۃ اللہ علیہ نے اشعۃ اللمعات میں لکھا ہے کہ اگر جواب دینے والا جواب کے ساتھ اذان کے بعد دعا بھی پڑھے تو ممکن ہے کہ مؤذن سے ثواب میں بڑھ جائیگا بشرطیکہ مؤذن نے دعا نہ پڑھی ہو۔[۳]

دعا سے شاید وہی دعا مراد ہے جو حدیث نمبر ۶ میں مذکور ہے اور عوام میں مشہور ہے۔ اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جو شخص اجابت فعلی پر عمل کر کے مسجد آیا ہے تو اس کو بھی چاہئے کہ خاموش رہنے کے بجائے اجابت قولی کر کے یہ دعا پڑھے تاکہ ثواب میں شریک ہو سکے۔

الفصل الثالث

﴿۲۱﴾ عن جَابِرٍ قَالَ سَمِعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ إِنَّ الشَّيْطَانَ إِذَا سَمِعَ النِّدَاءَ بِالصَّلَاةِ ذَهَبَ حَتّٰى يَكُوْنَ مَكَانَ الرَّوْحَاءِ قَالَ الرَّاوِي وَالرَّوْحَاءُ مِنَ الْمَدِيْنَةِ عَلٰى سِتَّةٍ وَثَلَاثِيْنَ مِيْلاً. (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)[۴]

[۱] اخرجه ابوداؤد: ۵۲۴ [۲] المرقات: ۲/۳۶۷ [۳] اشعة اللمعات: ۳۲۱ [۴] اخرجه مسلم: ۲/۵

ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے سنا، سرور کائنات ﷺ فرماتے تھے کہ ''جب شیطان نماز کی اذان سنتا ہے تو بھاگتا ہے یہاں تک کہ مقام روحا تک پہنچ جاتا ہے۔'' راوی کہتے ہیں کہ روحا مدینہ سے چھتیس کوس کے فاصلے پر ہے۔ (مسلم)

توضیح: "ان الشیطان" ممکن ہے کہ اس شیطان سے تمام شیطانوں کا بڑا مراد ہو کہ وہ اذان سن کر بھاگ جاتا ہے اور ممکن ہے کہ جنس شیاطین مراد ہو اول صورت زیادہ واضح ہے۔ [1]

"الروحاء" روحاء ایک کنویں کا نام ہے جو مدینہ منورہ سے شارع قدیم پر واقع ہے یعنی مدینہ سے جو آدمی مکہ کی طرف براستہ بدر جاتا ہے ۳۶ کلومیٹر پر یہ کنواں واقع ہے سڑک کے کنارے پر ایک طویل فاصلہ سے "الروحاء" کے بورڈ لگے ہوئے ہیں پھر سڑک پر جاتے ہوئے سیدھے ہاتھ پر نیچے ایک بڑے نالے میں صحرائی علاقے میں یہ کنواں واقع ہے اب بھی اس میں ٹھنڈا پانی موجود ہے اس کے قریب ایک پرانی مسجد ہے کہتے ہیں اپنے دور میں ستر انبیاء نے یہاں آرام کیا ہے۔ اور سیدالاولین والآخرین جیش الانبیاء والمرسلین جب جنگ بدر کے لئے اپنے تین سو تیرہ صحابہ کرام کے ساتھ تشریف لے جارہے تھے تو اسی مکان الروحاء میں آپ نے رات گذاری تھی۔ بندہ ناچیز نے رمضان کے مہینہ میں اپنے احباب کے ساتھ اس کنوئیں کے پانی سے غسل کیا ہے ڈول کے ذریعہ سے پانی نکالا جاتا ہے۔ جو لوگ بدر کے راستے سے مکہ آتے جاتے ہیں یہ کنواں راستے میں پڑتا ہے اللہ آباد رکھے۔ مدینہ منورہ میں مقیم صوفی حاجی نور محمد افغانی مدظلہ العالی نے مجھے بتایا کہ روحا کا اصل کنواں سڑک سے فاصلے پر ایک محلہ میں ہے اور سڑک کے پاس جو کنواں ہے یہ دوسرا کنواں ہے۔ واللہ اعلم

"قال الراوی" راوی سے نافع بن طلحہ مراد ہے جن کی کنیت ابوسفیان ہے۔

﴿۲۲﴾ وعن عَلْقَمَةَ بْنِ أَبِي وَقَّاصٍ قَالَ إِنِّي لَعِنْدَ مُعَاوِيَةَ إِذَا أَذَّنَ مُؤَذِّنُهُ فَقَالَ مُعَاوِيَةُ كَمَا قَالَ مُؤَذِّنُهُ حَتَّى إِذَا قَالَ حَيَّ عَلَى الصَّلَاةِ قَالَ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللهِ فَلَمَّا قَالَ حَيَّ عَلَى الْفَلَاحِ قَالَ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيمِ وَقَالَ بَعْدَ ذٰلِكَ مَا قَالَ الْمُؤَذِّنُ ثُمَّ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ ذٰلِكَ۔ [2] (رواه أحمد)

ترجمہ: اور حضرت علقمہ بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں (ایک روز) حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر تھا کہ ان کے مؤذن نے اذان دی، چنانچہ مؤذن جس طرح کہتا تھا حضرت معاویہ بھی اسی طرح (اس کے ساتھ ساتھ) کہتے رہے، جب مؤذن نے حی علی الصلوٰۃ کہا تو حضرت معاویہ نے کہا لاحول ولاقوۃ الا باللہ جب مؤذن نے حی علی الفلاح کہا تو حضرت معاویہ نے کہا لاحول ولاقوۃ الا باللہ العلی العظیم اور اس کے بعد مؤذن جو کچھ کہتا رہا حضرت معاویہ بھی کہتے رہے۔ (پھر فارغ ہو کر) حضرت معاویہ نے کہا کہ ''میں نے سرور کائنات ﷺ کو اسی طرح کہتے ہوئے سنا ہے۔'' (احمد)

---

[1] المرقات: ۲/۳۶۸ [2] اخرجہ احمد: ۹۱، ۴/۹۸، ۴/۹۸

توضیح: علامہ طیبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ "لاحول ولاقوۃ الاباللہ" کے بعد "العلی العظیم" کے الفاظ روایتوں میں نادر ہیں۔

علقمہ بن وقاص رحمہ اللہ کبار تابعین میں سے ہیں۔[1]

﴿۲۳﴾ وعن أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ كُنَّا مَعَ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَامَ بِلَالٌ يُنَادِي فَلَمَّا سَكَتَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ قَالَ مِثْلَ هٰذَا يَقِيْنًا دَخَلَ الْجَنَّةَ۔[2] (رواه النسائي)

ترجمہ: اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ "ہم سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ تھے کہ حضرت بلال کھڑے ہوئے، اور اذان کہنے لگے۔ جب وہ (اذان دے کر) خاموش ہو گئے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "جس شخص نے اسی طرح یقیناً (یعنی خلوص دل سے) کہا تو وہ جنت میں داخل ہوگا۔" (نسائی)

﴿۲۴﴾ وعن عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا سَمِعَ الْمُؤَذِّنَ يَتَشَهَّدُ قَالَ وَأَنَا وَأَنَا۔[3] (رواه أبو داود)

ترجمہ: اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ "سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم جب مؤذن کو شہادتین کہتے ہوئے سنتے تو فرماتے "اور میں بھی اور میں بھی۔" (ابوداؤد)

توضیح: "قال وأنا أنا" یعنی جب مؤذن اذان میں شہادتین پڑھتا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جواب میں دومرتبہ فرماتے کہ میں بھی یہی گواہی دیتا ہوں، توحید ورسالت کی جس طرح گواہی تم دیتے ہو میں بھی اسی طرح گواہی دیتا ہوں اس سے معلوم ہوا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بھی اپنی امت کی طرح اپنی رسالت کی گواہی دینے کے مکلف تھے۔ اب اس میں بحث وتحقیق ہے کہ آیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی امت کی طرح "اشهد ان محمدا رسول الله" کے الفاظ ادا فرماتے تھے یا "اشهد انی رسول الله" کے الفاظ ادا فرماتے تھے۔[4]

عام علماء یہی لکھتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی امت کے الفاظ کی طرح الفاظ سے اپنی رسالت کی گواہی دیتے تھے ابھی حدیث ۲۱ میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ یہی فرمارہے ہیں کہ میں نے جو کلمات جواب میں کہے ہیں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اسی طرح کلمات سے جواب دیتے تھے اب زیر بحث حدیث سے بظاہر تعارض آ گیا کیونکہ اس میں "وأنا أنا" کے الفاظ ہیں تو علماء نے جواب دیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی یہ الفاظ پڑھے اور کبھی وہ الفاظ پڑھے ہیں جس کا تذکرہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے کیا ہے دونوں ثابت ہیں۔

[1] الكاشف: ۲/۲۵۳ [2] المرقات: ۲/۳۶۸، ۳۶۹ [2] اخرجه النسائي: ۲/۲۴ [3] اخرجه ابوداؤد: ۵۲۶ [4] اشعة اللمعات: ۳۲۱

﴿۲۵﴾ وعن ابْنِ عُمَرَ أَنَّ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ أَذَّنَ اِثْنَتَيْ عَشَرَةَ سَنَةً وَجَبَتْ لَهُ الْجَنَّةُ وَكُتِبَ لَهُ بِتَأْذِيْنِهِ فِيْ كُلِّ يَوْمٍ سِتُّوْنَ حَسَنَةً وَلِكُلِّ إِقَامَةٍ ثَلاثُوْنَ حَسَنَةً.

(رَوَاهُ ابْنُ مَاجَه)[1]

ترجمہ: اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ سرور کائنات ﷺ نے فرمایا "جو شخص بارہ برس تک اذان دے اس کے لئے جنت واجب ہو جاتی ہے اور اس کی اذان کے بدلہ میں (اس کے نامۂ اعمال میں) ہر روز (یعنی ہر اذان کے عوض) ساٹھ نیکیاں اور ہر تکبیر کے بدلہ میں تیس نیکیاں لکھی جاتی ہیں۔" (ابن ماجہ)

توضیح: "ثلاثون حسنة" اذان دینے والے کو اذان پر روزانہ ساٹھ اضافی نیکیاں ملتی ہیں اور اقامت وتکبیر کہنے والے کو اس کا نصف تیس نیکیاں ملتی ہیں اور اعداد کے مقرر کرنے کا راز اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے سپرد ہے۔ اذان کی نسبت اقامت کا ثواب شاید اس لئے آدھا ہے کہ اذان میں محنت زیادہ ہے اور اقامت میں محنت کم ہے۔[2] اور شاید جمہور کے ذوق پر اقامت کے کلمات میں ایتار ہے اس لئے ثواب میں کمی آگئی۔

سوال: فصل ثانی کی حدیث نمبر ۱۱ میں سات سال تک اذان دینے پر جنت کی بشارت ہے یہاں بارہ سال پر بشارت ہے یہ بظاہر تعارض ہے اس کا جواب کیا ہے؟۔

جواب: شیخ عبدالحق رحمۃ اللہ علیہ نے لمعات میں اس کا ایک جواب یہ دیا ہے کہ علامہ کرمانی نے بطور ضابطہ جواب دیا ہے کہ جہاں بھی اعداد وحساب میں اختلاف نظر آجائے تو اس میں تعارض نہیں ہوگا کیونکہ عدد اکثر عدد اقل کے منافی نہیں ہے شیخ عبدالحق رحمۃ اللہ علیہ نے دوسرا جواب یہ دیا ہے کہ سات سال تک اذان دینے کا ثواب دوزخ سے چھٹکارا پانے کا پروانہ ملنا ہے۔ جو جنت میں داخل ہونے کی بشارت سے کنایہ ہے اور یہاں زیر بحث حدیث میں اس مؤذن کی اذان کی مدت بارہ سال ہے جو زیادہ مدت ہے اس لئے ان کو جنت کی بشارت کے ساتھ یومیہ ساٹھ نیکیوں کا اضافہ کر کے دیا گیا ہے۔[3]

﴿۲۶﴾ وعنه قَالَ كُنَّا نُؤْمَرُ بِالدُّعَاءِ عِنْدَ أَذَانِ الْمَغْرِبِ. (رَوَاهُ الْبَيْهَقِيُّ فِي الدَّعَوَاتِ الْكَبِيْرِ)

ترجمہ: اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ "ہمیں مغرب کی اذان کے وقت دعا مانگنے کا حکم دیا گیا ہے"۔

(بیہقی)

توضیح: "نؤمر" یعنی ہمیں حکم دیا جاتا ہے کہ ہم اذان مغرب کے وقت دعا مانگا کریں اس حدیث سے ایک بات تو یہ معلوم ہوئی کہ اذان کے دوران اور بعد اذان قبولیت دعا کا وقت ہے۔ دوسری بات یہ معلوم ہوئی کہ اس وقت

[1] اخرجه ابن ماجه: ۷۲۸ [2] المرقات: ۲/۳۷۰ اشعة اللمعات: ۳۴۲ [3] اشعة اللمعات: ۳۴۲

دعامانگنا اگر سنت یا واجب نہیں ہے تو کم از کم مستحب کے درجہ میں ضرور ہے لہٰذا اس کا اہتمام کرنا چاہئے مگر یہ یاد رہے کہ اس دعا میں ہاتھ اٹھانے کا معمول سلف وخلف میں نہیں رہا ہے لہٰذا بغیر ہاتھ اٹھائے ہوئے دعا مانگی جائے۔[1] علامہ طیبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ شاید یہ دعا وہی ہے جس کا ذکر حدیث نمبر ۱۶ میں ہے "یعنی **اللهم هذا اقبال ليلك وادبار نهارك واصوات دعاتك فاغفرلي**" یہاں یہ وضاحت بھی ضروری ہے کہ دعا تو ہر اذان کے بعد مستحب ہے پھر مغرب کی تصریح کی کیا ضرورت تھی؟۔[2]

اس کا جواب یہ ہے کہ شاید مغرب کی اذان کے بعد دعا دیگر اذانوں سے زیادہ مؤکد اور زیادہ قابل اہتمام ہو اس لئے اس کا ذکر کیا اور تصریح کردی گئی اور چونکہ مغرب کے وقت دن کے خاتمے پر اور رات کے آنے پر ایک بڑا انقلاب ظاہر ہوتا ہے۔ شاید اس لئے بھی یہ وقت زیادہ قابل اہتمام ہوا۔ نیز مغرب میں اذان واقامت بالکل ساتھ ساتھ ہوتے ہیں اس لئے بھی یہ وقت اہم ہوا اور دعا کی تاکید کردی گئی۔

---

[1] المرقات: ۲/۳۷۰ اشعة اللمعات: ۳۳۲ [2] اخرجه ابوداؤد: ۵۲۰

۱۸ ربیع الاول ۱۴۱۰ھ

باب

اذان کے دیگر مسائل

اس باب کے ساتھ کوئی عنوان نہیں ہے اس لئے اس کو تنوین کے ساتھ پڑھا جاتا ہے۔ شیخ عبدالحق رحمۃ اللہ علیہ نے اس کا عنوان اس طرح بنایا ہے "باب فی متممات ولواحق الأذان" یعنی سابقہ ابواب سے متعلقہ چند دیگر احکام کا بیان۔

چنانچہ اس باب میں وقت سے تقدیم اذان کے مسائل بھی ہیں اور تاخیر اذان کے مسائل بھی ہیں استحقاق اذان کا مسئلہ بھی ہے اور اذان پر مسجد کی طرف آنے کی کیفیت کا ذکر بھی ہے اور مؤذن کی ذمہ داریوں کا ذکر بھی ہے یہ سب متعلقات اذان میں سے ہیں۔

الفصل الاول

وقت سے پہلے اذان دینے کا حکم

﴿۱﴾ عن ابن عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ بِلَالاً يُنَادِيْ بِلَيْلٍ فَكُلُوْا وَاشْرَبُوْا حَتّٰى يُنَادِيَ ابْنُ أُمِّ مَكْتُوْمٍ قَالَ وَكَانَ ابْنُ أُمِّ مَكْتُوْمٍ رَجُلاً أَعْمٰى لَا يُنَادِيْ حَتّٰى يُقَالَ لَهٗ أَصْبَحْتَ أَصْبَحْتَ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ) [1]

ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما راوی ہیں کہ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "بلال فجر کی اذان رات میں دے دیتے ہیں لہٰذا جب تک ابن ام مکتوم اذان نہ دیں تم (رمضان میں سحری) کھاتے پیتے رہا کرو۔" حضرت ابن عمر فرماتے ہیں کہ "ابن ام مکتوم ایک نابینا آدمی تھے، جب تک ان سے کوئی یہ نہ کہتا تھا کہ "تم نے صبح کر دی، تم نے صبح کر دی" وہ اذان نہ کہتے تھے۔" (بخاری ومسلم)

توضیح: "ان بلالا ینادی بلیل" یعنی بلال رات کے وقت اذان دیتا ہے طلوع فجر سے پہلے اذان دیتا ہے تم لوگ اس کی اذان سے سحری کا کھانا بند نہ کرو بلکہ کھانا کھاتے رہو یہاں تک کہ عبداللہ بن ام مکتوم رضی اللہ عنہ کی اذان ہو جائے۔ [2]

یہ بات سب کو معلوم ہے کہ مشروعیت اذان اوقات نماز کے تعین کے لئے ہے اس لئے اس پر تمام فقہاء کا اتفاق ہے کہ فجر کے علاوہ تمام اوقات میں وقت سے پہلے اذان جائز نہیں اگر کسی نے دیدی تو اعادہ کرنا لازم ہے لیکن فجر کی اذان میں فقہاء کرام کا اختلاف ہے کہ آیا طلوع فجر سے پہلے اذان جائز ہے یا نہیں۔

[1] اخرجه البخاری: ۱/۱۶۰ [2] المرقات: ۲/۳۶۱

فقہاء کا اختلاف:

امام مالک وشافعی اورامام احمد بن حنبل اورامام ابویوسف رحمہم اللہ تعالیٰ کے نزدیک فجر کی اذن قبل الفجر جائز ہے اعادہ کی ضرورت نہیں۔ امام ابوحنیفہ اورامام محمد رحمہما اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ دیگراوقات کی طرح وقت فجر میں بھی اذان قبل طلوع الفجر جائز نہیں ہے اگرکسی نے دیدی تواعادہ کرنا پڑیگا بہت سارے سلف کا بھی یہی مسلک ہے۔

دلائل:

جمہور نے زیر بحث حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کی روایت سے استدلال کیا ہے جس میں "ان بلالا ینادی بلیل" کے الفاظ آئے ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ قبل الفجر اذان دی جاتی تھی۔

❶ ائمہ احناف کی پہلی دلیل ابوداؤدشریف کی حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی روایت ہے ان سے حضوراکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "**لاتؤذن حتی یستبین لك الفجر هكذا ومدیده عرضا**" (رواہ ابوداؤد)

❷ احناف کی دوسری دلیل بیہقی اورابوداؤد کی حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ (قبل الفجر اذان دینے پر) حضوراکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ تم نے ایسا کیوں کیا؟ انہوں نے جواب دیا کہ جب میں جاگ گیا تو ابھی تک اونگھ میں تھا تو میں نے یہ خیال کیا کہ صبح صادق ہوچکی ہے (تومیں نے اذان دیدی) اس پر حضوراکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایااب جاؤاوراپنے بارے میں یہ اعلان کردوکہ خبردار بندہ سوگیا تھا (اورنیند کی حالت میں غلطی سے اذان دی ہے)۔

❸ احناف کی تیسری دلیل حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ "**ان بلالا أذن قبل الفجر فغضب رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم**"۔ (زجاجۃ المصابیح ج۱ص۲۰۱)

❹ احناف کی چوتھی دلیل ترمذی میں حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ حضرت بلال نے ایک دن فجر کی اذان وقت سے پہلے دی توحضوراکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کوحکم دیا کہ اذان کا اعادہ کرواسی طرح حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب ہے کہ آپ نے اپنے غلام کوقبل الفجر اذان دینے پراعادہ کاحکم دیااسی طرح احناف نے "**والمؤذن مؤتمن**" سے بھی استدلال کیا ہے کیونکہ وقت سے پہلے اذان تووقت کے ساتھ خیانت ہے اورمؤذن امین ہوتااس کوایسانہیں کرنا چاہئے۔

❺ ائمہ احناف کے پاس عقلی دلیل بھی ہے وہ اس طرح کہ جس طرح باقی چاراوقات الصلوٰۃ میں کسی کے ہاں اذان قبل الوقت معتبرنہیں ہے اسی طرح اذان قبل طلوع الفجر بھی جائزنہیں کیونکہ سبب میں علت مشترک ہے وہ یہ کہ اذان کا مقصد تعیین وقت ہوتا ہے اوروقت سے پہلے اذان میں تجہیل وقت ہے تعیین وقت نہیں۔

جواب: احناف حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی اذان کے بارے میں کہتے ہیں کہ وہ سحری اورتہجد کے لئے تھی فجر کے لئے نہیں تھی فجر کے لئے مستقل طور پرحضرت ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ اذان دیا کرتے تھے اورآپ چونکہ نابینا تھے تولوگ آکر بتادیا

کرتے تھے کہ "اصبحت اصبحت" یعنی حضرت صبح ہوگئی صبح ہوگئی آپ جلدی اذان دیدیں تب آپ اٹھ کر اذان دیتے تھے چنانچہ بخاری میں حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت کے یہ الفاظ ہیں حضور اکرم ﷺ نے فرمایا۔

" لایمنعن احدکم او احدمنکم اذان بلال من سحوره فانه یؤذن اوینادی بلیل لیرجع قائمکم ولینبه نائمکم "۔ (بخاری ج۱ص۸۷)

ترجمہ: یعنی بلال کی اذان تم کو سحری کھانے سے نہ روکے کیونکہ وہ رات کو قبل طلوع فجر اس لئے اذان دیتے ہیں تاکہ تمہارا تہجد گذار گھر لوٹ کر سحری کرے یا سویا ہوا جاگ جائے۔

یہی حدیث واضح دلیل ہے کہ فجر کی نماز کی اذان وقت سے پہلے کبھی نہیں ہوئی ہے جو اذان پہلے ہوئی ہے وہ سحری کے لئے ہوتی تھی نیز ساتھ والی حضرت سمرۃ بن جندب رضی اللہ عنہ کی روایت بھی اس پر دال ہے کہ بلال کی اذان سحری کھانے کے لئے ہوتی تھی۔ یہ وہ مسئلہ ہے کہ جس پر جتنا بھی تعجب کیا جائے کم ہے کہ سارے جمہور ایک طرف کھڑے ہیں اور استدلال کے لئے ان کے پاس کوئی دلیل نہیں ہے کیونکہ مذکورہ زیر بحث حدیث سے ان حضرات کے مسلک کے لئے خفی اشارہ بھی نہیں نکلتا ہے "فجر مستطیل" یہ افق آسمان پر لکیر کی مانند وسط میں لمبی روشنی کو کہتے ہیں جس کا دوسرا نام "ذنب السرحان" اور صبح کاذب ہے "المستطیر" آسمان کے کناروں پر پھیلی ہوئی روشنی کو کہتے ہیں جس کا دوسرا نام صبح صادق ہے۔

﴿۲﴾ وعن سَمُرَةَ بْنِ جُنْدُبٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَمْنَعَنَّكُمْ مِنْ سُحُوْرِكُمْ أَذَانُ بِلَالٍ وَلَا الْفَجْرُ الْمُسْتَطِيْلُ وَلٰكِنِ الْفَجْرُ الْمُسْتَطِيْرُ فِي الْأُفُقِ۔[۱]

(رَوَاهُ مُسْلِمٌ وَلَفْظُهُ لِلتِّرْمِذِيِّ)

ترجمہ: اور حضرت سمرۃ بن جندب رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ سرور کائنات ﷺ نے فرمایا "بلال کی اذان تمہیں تمہاری سحری کھانے سے نہ روکے (کیونکہ وہ رات سے اذان دیتے ہیں) اور نہ فجر دراز (یعنی صبح کاذب) البتہ افق پر پھیلی ہوئی فجر (یعنی صبح صادق نمودار ہو جائے تو کھانا پینا چھوڑ دو) "مسلم" الفاظ ترمذی کے ہیں۔

﴿۳﴾ وعن مَالِكِ بْنِ الْحُوَيْرِثِ قَالَ أَتَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَا وَابْنُ عَمٍّ لِيْ فَقَالَ إِذَا سَافَرْتُمَا فَأَذِّنَا وَأَقِيْمَا وَلْيَؤُمَّكُمَا أَكْبَرُكُمَا۔[۲] (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)

ترجمہ: اور حضرت مالک بن حویرث رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں اور میرے چچا کے صاحبزادے (ہم دونوں) سرور کائنات ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ نے فرمایا کہ "جب تم سفر میں جاؤ تو (نماز کے لئے) اذان و تکبیر کہا کرو اور تم میں سے جو بڑا ہو وہ امامت کرے۔" (بخاری)

---

[۱] اخرجه مسلم: ۳/۱۲۹، ۳/۱۳۰ [۲] اخرجه البخاری: ۱/۱۶۲، ۹/۱۰۷، ۱/۱۶۵، ۱/۲۰۶، ۸/۱۱

﴿۴﴾ وعنه قَالَ قَالَ لَنَا رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلُّوا كَمَا رَأَيْتُمُوْنِي أُصَلِّي وَإِذَا حَضَرَتِ الصَّلَاةُ فَلْيُؤَذِّنْ لَكُمْ أَحَدُكُمْ ثُمَّ لِيَؤُمَّكُمْ أَكْبَرُكُمْ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)[1]

ترجمہ: اور حضرت مالک بن حویرث رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "تم مجھے جس طرح نماز پڑھتے ہوئے دیکھتے ہو اسی طرح تم بھی پڑھا کرو، اور جب نماز کا وقت آجائے تو تم میں سے کوئی اذان دے دیا کرو اور جو تم میں بڑا ہو وہ امام بن جایا کرے۔" (بخاری ومسلم)

توضیح: "کمارأیتمونی" یعنی اصل شریعت وہ ہے جس کا نمونہ شارع علیہ السلام نے پیش کیا ہے اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھے دیکھ کر میری طرح عمل کرو میرا نمونہ اپناؤ میرے نقش قدم پر چلو اپنی طرف سے عبادات کے نقشے ترتیب نہ دو۔

"فلیؤذن لکم احد کم" یعنی نماز کے وقت تم میں سے کوئی بھی اذان دیدے خواہ تم سفر میں ہو یا حضر میں ہو پھر امامت کے لئے تم میں سب سے افضل آدمی آگے آئے اور تمہاری امامت کرائے۔[2]

اس کلام سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ معاشرہ اور محلہ میں اذان کے لئے ہر آدمی آگے آسکتا ہے لیکن امامت کے لئے اس کا اہل آگے لایا جائے گا "اکبرکم" اس سے مراد افضل شخص ہے صرف عمر میں بڑا مراد نہیں ہے۔ یعنی امامت کا مستحق وہی شخص ہوگا جو علم وفضل میں سب سے مقدم ہوگا اگر اس میں دونوں برابر ہوں تو پھر جو عمر میں بڑا ہوگا وہ امام بنے گا اور عمر سے وہ عمر مراد ہے جو اسلام کی حالت میں گذری ہو جاہلیت کی عمر کا اعتبار نہیں ہے۔

اگر فجر کی نماز قضا ہو جائے تو کس طرح ادا کرے؟

﴿۵﴾ وعن أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ إِنَّ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حِيْنَ قَفَلَ مِنْ غَزْوَةِ خَيْبَرَ سَارَ لَيْلَةً حَتَّى إِذَا أَدْرَكَهُ الْكَرَى عَرَّسَ وَقَالَ لِبِلَالٍ إِكْلَأْ لَنَا اللَّيْلَ فَصَلَّى بِلَالٌ مَا قُدِّرَ لَهُ وَنَامَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَصْحَابُهُ فَلَمَّا تَقَارَبَ الْفَجْرُ إِسْتَنَدَ بِلَالٌ إِلَى رَاحِلَتِهِ مُوَجِّهَ الْفَجْرِ فَغَلَبَتْ بِلَالًا عَيْنَاهُ وَهُوَ مُسْتَنِدٌ إِلَى رَاحِلَتِهِ فَلَمْ يَسْتَيْقِظْ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَلَا بِلَالٌ وَلَا أَحَدٌ مِنْ أَصْحَابِهِ حَتَّى ضَرَبَتْهُمُ الشَّمْسُ فَكَانَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَوَّلَهُمْ إِسْتِيْقَاظًا فَفَزِعَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ أَيْ بِلَالُ فَقَالَ بِلَالٌ أَخَذَ بِنَفْسِي الَّذِي أَخَذَ بِنَفْسِكَ قَالَ إِقْتَادُوْا فَاقْتَادُوْا رَوَاحِلَهُمْ شَيْئًا ثُمَّ تَوَضَّأَ رَسُوْلُ اللهِ

[1] اخرجه البخاري: ۱/۱۶۲، مسلم: ۲/۱۳۴ [2] المرقات: ۲/۳۴۷

صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَمَرَ بِلَالًا فَأَقَامَ الصَّلَاةَ فَصَلَّى بِهِمُ الصُّبْحَ فَلَمَّا قَضَى الصَّلَاةَ قَالَ مَنْ نَسِيَ الصَّلَاةَ فَلْيُصَلِّهَا إِذَا ذَكَرَهَا فَإِنَّ اللّٰهَ تَعَالَى قَالَ وَأَقِمِ الصَّلَاةَ لِذِكْرِي.[1] (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

ترجمہ: اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ "سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم جب غزوہ خیبر سے واپس ہوئے تو رات بھر سفر کرتے رہے یہاں تک کہ (جب) آپ پر غنودگی طاری ہونے لگی تو آپ آرام کرنے کے لئے آخری رات میں ایک جگہ اتر گئے اور حضرت بلال سے فرمایا کہ تم ہمارا خیال رکھنا (یعنی صبح ہو جائے تو ہمیں جگا دینا) یہ فرما کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ تو سو گئے اور حضرت بلال نے (تہجد کی) نماز جس قدر ہو سکی پڑھی۔ جب صبح صادق ہونے کو ہوئی، تو حضرت بلال اپنے کجاوہ سے تکیہ لگا کر فجر (مشرق) کی جانب منہ کر کے بیٹھ گئے (تا کہ صبح صادق ہو جائے تو آنحضرت کو جگا دیں) حضرت بلال کجاوہ سے تکیہ لگائے بیٹھے تھے کہ (اتفاق سے) ان کو بھی نیند آ گئی (چنانچہ صبح صادق کے وقت) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حضرت بلال اور صحابہ میں سے کوئی بھی بیدار نہ ہوا یہاں تک کہ جب ان کے اوپر دھوپ آ گئی اور اس کی گرمی پہنچی) تو سب سے پہلے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھ کھلی اور آپ نے گھبرا کر فرمایا کہ بلال یہ کیا ہوا؟ حضرت بلال (بھی گھبرا کر اٹھ بیٹھے اور انہوں) نے عرض کیا "یا رسول اللہ! مجھے بھی اس چیز نے پکڑ لیا جس نے آپ کو پکڑ لیا تھا (یعنی نیند نے) آپ نے فرمایا "یہاں سے روانہ ہو جاؤ!" چنانچہ سب لوگ تھوڑی دور تک اپنی اپنی سواریاں لے کر چلے، پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے وضو کیا اور حضرت بلال کو تکبیر کہنے کا حکم دیا۔ چنانچہ انہوں نے نماز کے لئے تکبیر کہی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کو صبح کی نماز پڑھائی جب آپ نماز سے فارغ ہو گئے تو فرمایا "جو شخص (نیند وغیرہ کی بناء پر) نماز پڑھنی بھول جائے تو یاد آتے ہی فوراً اسے پڑھ لے اس لئے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے **اقم الصلوٰۃ لذکری** یعنی میرے یاد کرنے کے وقت نماز پڑھ لو۔" (مسلم)

توضیح: **"من غزوۃ خیبر"**[2] غزوہ خیبر ۵ھ کو پیش آیا تھا مدینہ منورہ کے اطراف سے بنو نضیر وغیرہ سے اکثر یہودی خیبر کے علاقوں میں اکٹھے ہو گئے تھے مدینہ منورہ چونکہ مرکز اسلام بن چکا تھا اور یہ یہودی ہر وقت مرکز اسلام کے خلاف باہر کے کفار سے رابطے رکھتے تھے عقل و دانش اور تدبیر و تدبر کا تقاضا تھا کہ مرکز اسلام کو اس خطرہ سے اور یہود کے اس ناپاک فتنہ سے پاک کیا جائے چنانچہ صلح حدیبیہ سے واپس لوٹ کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی تاخیر کے بغیر صلح حدیبیہ میں شریک ڈیڑھ ہزار صحابہ کے ساتھ خیبر کے یہود پر چڑھائی کر لی۔ مدینہ منورہ سے خیبر جانب شمال میں ۹۶ میل کے فاصلہ پر واقع ہے اس وقت یہ علاقہ سات بڑے مضبوط جنگی قلعوں پر مشتمل تھا سرزمین خیبر پر اتر کر نبی الملاحم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ تاریخی جملے ادا فرمائے **"اللّٰہ اکبر خربت خیبر اللّٰہ اکبر خربت خیبر اللّٰہ اکبر خربت خیبر"** ایک ماہ تک لشکر اسلام نے خیبر کا محاصرہ جاری رکھا اور پھر تمام قلعے فتح ہو گئے کفر کے سرغنے ۹۲ یہودی مارے گئے اور سولہ اسلام کے جانباز جام شہادت نوش فرما گئے پورے علاقے پر اسلام کا جھنڈا بلند ہوا حضرت علی رضی اللہ عنہ نے قلعہ قموص فتح کیا اور باب

[1] اخرجه مسلم: ۲/۱۳۸ [2] المرقات: ۲/۲۷۶

خیبر کو توڑ ڈالا اس لئے آپ کو فاتح خیبر کا لقب ملا۔
"**قفل**" میدان جنگ سے واپس آنے والے مجاھدین کے لئے قفل کا لفظ استعمال ہوتا ہے۔
"**الکریٰ**" نیند کی کئی اقسام اور درجات ہیں جب نیند کا اثر آنکھوں پر ہو اسے "**سنة**" کہتے ہیں اور جب خفیف سا اثر دماغ پر ہو اسے "کریٰ" کہتے ہیں اور جب اثر دل پر ہو اسے نعاس کہتے ہیں۔ان الفاظ میں یہ معمولی سا فرق کیا جاتا ہے مگر یہ الفاظ مترادفہ ہیں سب ابتدائی نینداور اونگھ پر بولے جاتے ہیں اور جب جسم پر نیند کا مکمل قبضہ ہو جائے اسے النوم کہتے ہیں۔
"**عرس**" یہ تعریس باب تفعیل سے ہے رات کے آخری حصہ میں آرام کرنے کے لئے پڑاؤ کرنے کو تعریس کہتے ہیں۔
"**اکلأ لنا اللیل**" یعنی ہماری رات کی چوکیداری کرو "**اکلأ**" باب فتح یفتح سے امر کا صیغہ ہے کسی چیز کی نگرانی وحفاظت اور چوکیداری کو **کلأ** کہتے ہیں۔
"**موجه الفجر**" یہ جملہ **استند** کی ضمیر سے حال واقع ہے اور موجہ باب تفعیل سے اسم فاعل کا صیغہ ہے جو موڑنے کے معنی میں ہے اصل عبارت اس طرح ہے "**ای موجه راحلة الی الفجر**" اس کا مطلب یہ ہوا کہ آپ نے سواری کو اس انداز سے بٹھا دیا کہ اس کے ساتھ ٹیک لگا کر آپ جانب فجر یعنی مشرق کی طرف منہ کر کے بیٹھ گئے۔ (کذا فی اللمعات)
شیخ عبدالحق رحمہ اللہ نے یہ بھی لکھا ہے کہ موجہ متوجہ کے معنی میں لیا جاسکتا ہے یعنی آپ جانب مشرق کی طرف طلوع فجر کو دیکھنے کے لئے اپنی سواری سے ٹیک لگا کر متوجہ ہو کر بیٹھ گئے۔
"**اقتادوا**" یہ باب **افتعال** سے امر کا صیغہ ہے اصل میں یہ قود سے ہے جو مہار سے پکڑ کر اونٹ وغیرہ کو کھینچنے کو کہتے ہیں جس طرح سوق ہنکانے کے معنی میں ہے۔ "**فاقتادوا**" یہ اسی باب سے ماضی کا صیغہ ہے یعنی سب لوگ وہاں سے سواریاں لیکر چل دیئے۔
سُوال: اب سوال یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ کی جب آنکھ کھلی تو آپ نے فوراً نماز فجر پڑھنے کا اہتمام کیوں نہیں کیا وادی سے کچھ آگے چل کر نماز پڑھنے میں کیا حکمت تھی؟
جواب: یہاں احناف اور شوافع الگ الگ حکمت بیان کر رہے ہیں جس سے ان کے فقہی مسلک کی تائید حاصل ہوجاتی ہے چنانچہ علماء احناف فرماتے ہیں کہ چونکہ طلوع آفتاب کا مکروہ وقت تھا اس وقت قضا شدہ نماز ادا کرنا مکروہ تھا اس لئے حضور اکرم ﷺ نے صحابہ کو کچھ آگے تک چلنے کا حکم دیا تاکہ مکروہ وقت نکل جائے۔ مسلم شریف کی روایت میں ہے کہ "**فسر ناحتی اذا ارتفعت الشمس نزل** (ص ۲۳۹)" یہ احناف کی تائید ہے۔
شوافع حضرات کے نزدیک اس طرح قضا شدہ نماز کی ادائیگی طلوع فجر کے وقت جائز ہے حضور اکرم ﷺ نے صحابہ کو اس وادی سے چلے جانے کا حکم اس لئے دیا کہ اس وادی میں شیاطین کا مسکن اور اثر تھا چنانچہ بعض روایات میں اس طرف اشارہ

بھی موجود ہے۔

سوال: یہاں ایک مشہور سوال ہے اور وہ یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے کہ نیند کی حالت میں میری آنکھیں سو جاتی ہیں لیکن میرا دل نہیں سوتا بلکہ بیدار رہتا ہے تو دل کے بیدار رہنے کے باوجود اس کی کیا وجہ ہے کہ آنحضرت ﷺ کو طلوع فجر اور صبح صادق ہو جانے کا پتہ نہ چلا اور نماز قضا ہو گئی؟۔

جواب: اس سوال کا جواب اکثر شارحین نے یہ دیا ہے کہ انسانی جسم میں ہر عضو کا الگ الگ کام اور الگ الگ ذمہ داری ہوتی ہے صبح کا ادراک کرنا اور اسے دیکھ کر معلوم کرنا دل کا وظیفہ نہیں ہے بلکہ یہ آنکھوں کی ذمہ داری اور اس کا وظیفہ ہے یہی وجہ ہے کہ اگر کوئی شخص آنکھیں بالکل بند کر دے تو جاگنے کی حالت میں بھی وہ صبح صادق وغیرہ مرئی اشیاء کا ادراک نہیں کر سکتا۔ حالانکہ دل بیدار ہے اور آدمی جاگ رہا ہے صرف آنکھیں بند ہیں خود حضرت عبداللہ ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ جاگنے کی حالت میں صبح صادق کا ادراک نہیں کر سکتے تھے کیونکہ وہ نابینا تھے حالانکہ دل بیدار ہوتا تھا۔

یہاں بھی آنحضرت ﷺ کا معاملہ ایسا ہی تھا کہ صبح صادق کے ادراک کا وظیفہ چونکہ آنکھوں کا تھا اور آنکھیں بند تھیں تو دل کے بیدار رہنے کے باوجود آپ نے صبح کا ادراک نہیں کیا اور نماز قضا ہو گئی لیکن دھوپ پڑنے سے جب آپ کا جسم متاثر ہوا تب آپ کو طلوع فجر اور طلوع آفتاب کا احساس ہوا۔

آنحضرت ﷺ کی نماز کا قضا ہونا اور وحی یا کشف کے ذریعہ سے اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ کی بیداری کا انتظام نہ کرنا اللہ تعالیٰ کی مرضی اور حکمت تھی تاکہ آپ کے اس فعل سے امت کو ان جیسے حالات میں ایک نمونہ اور مسنون طریقہ فراہم ہو جائے توضیحات جلد اول ص ۳۶۶ پر اس مسئلہ کی تفصیل گذر چکی ہے وہاں دیکھ لیا جائے۔

"**واقام الصلوٰة**" یعنی حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو حضور اکرم ﷺ نے تکبیر کہنے کا حکم دیا چنانچہ انہوں نے نماز کے لئے تکبیر کہی اور حضور اکرم ﷺ نے قضا نماز جماعت کے ساتھ پڑھا لی۔

اس لفظ سے بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ قضا نماز کے لئے صرف تکبیر کہنا کافی ہے اذان دینے کی ضرورت نہیں ہے امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا قول جدید بھی اسی طرح ہے لیکن شوافع علماء کا قدیم قول اور معتمد مسلک یہی ہے کہ قضا نمازوں کے لئے اذان دینا ضروری ہے۔

احناف کا مسلک بھی یہی ہے کہ اذان اور اقامت دونوں ضروری ہے چنانچہ صاحب ہدایہ نے ہدایہ میں لکھا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے "**لیلة التعریس**" کی صبح کو فجر کی قضا نماز اذان واقامت کے ساتھ ادا فرمائی تھی شیخ ابن ہمام رحمۃ اللہ علیہ نے فتح القدیر میں مسلم شریف کی ایک طویل حدیث کا حوالہ دیا ہے جس میں لیلۃ التعریس کا قصہ ہے اس حدیث میں یہ الفاظ ہیں "**ثم اذن بلال بالصلوٰة فصلی رسول الله ﷺ رکعتین**"۔ (مسلم ج۱ ص۲۳۹)

ابوداؤد شریف کی ایک روایت میں یہ الفاظ آئے ہیں۔ "**انه ﷺ امر بلالا بالاذان والاقامة حين ناموا عن**

الصبح وصلوھا بعد ارتفاع الشمس"۔ [۱] (کذا فی اللمعات)
ان تفصیلی احادیث کے بعد یہی کہا جائے گا کہ زیر بحث حدیث کے جو الفاظ ہیں یعنی "واقام الصلوٰۃ" یہ مجمل ہیں تفصیل کو نظر انداز نہیں کیا جائے گا۔

مسئلہ: اگر کسی شخص سے فجر کی نماز قضاء ہو جائے تو فرض نماز کے ساتھ سنت بھی پڑھیگا بشرطیکہ زوال سے پہلے پہلے قضا کرے اور اگر وہ زوال کے بعد قضا کرے گا تو پھر فجر کی سنت نہیں پڑھ سکتا ہے۔ اگر کسی شخص سے فجر کی سنت رہ گئی اور فرض اس نے پڑھ لی تو وہ اب طلوع آفتاب کے بعد ان سنتوں کی قضا نہیں کرسکتا ہاں ثواب کے حصول کے لئے وہ دو رکعت نفل پڑھے یہ مسئلہ آئندہ تفصیل کے ساتھ آرہا ہے۔

﴿۶﴾ وعن أَبِي قَتَادَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا أُقِيْمَتِ الصَّلَاةُ فَلَا تَقُوْمُوْا حَتّٰى تَرَوْنِي قَدْ خَرَجْتُ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ) [۲]

ترجمہ: اور حضرت ابو قتادہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "جب نماز کے لئے تکبیر کہی جائے تو جب تک تم مجھے حجرہ سے نکلتا ہوا نہ دیکھ لو نماز کے لئے کھڑے نہ ہو" (بخاری و مسلم)

جماعت میں شامل ہونے کے لئے دوڑنا جائز نہیں

﴿۷﴾ وعن أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا أُقِيْمَتِ الصَّلَاةُ فَلَا تَأْتُوْهَا تَسْعَوْنَ وَأْتُوْهَا تَمْشُوْنَ وَعَلَيْكُمُ السَّكِيْنَةَ فَمَا أَدْرَكْتُمْ فَصَلُّوْا وَمَا فَاتَكُمْ فَأَتِمُّوْا۔ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ وَفِي رِوَايَةٍ لِمُسْلِمٍ فَإِنَّ أَحَدَكُمْ إِذَا كَانَ يَعْمِدُ إِلَى الصَّلَاةِ فَهُوَ فِي الصَّلَاةِ وَهٰذَا الْبَابُ خَالٍ عَنِ الْفَصْلِ الثَّانِي۔ [۳]

ترجمہ: اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "جب نماز کی تکبیر ہو جائے تو تم (جماعت میں شامل ہونے کے لئے) دوڑتے ہوئے نہ آؤ بلکہ وقار و طمانیت کے ساتھ اپنی چال آؤ، جس قدر نماز تم کو (امام کے ساتھ) مل جائے پڑھ لو اور جو فوت ہو جائے (امام کے سلام کے بعد اٹھ کر) اسے پوری کر لو" (بخاری و مسلم) اور مسلم کی ایک روایت میں یہ الفاظ بھی ہیں "اس لئے کہ جب تم میں سے کوئی نماز کا ارادہ کر لیتا ہے تو اس کو (حکما) نماز ہی میں شامل سمجھا جاتا ہے۔"

توضیح: "فلا تاتوھا تسعون" یعنی وقار و سکون اور عظمت کے ساتھ نماز میں شامل ہونے کے لئے آیا کرو بے تکے انداز سے دوڑ لگا کر نماز کی طرف نہ آیا کرو اگر تمہیں ثواب کی فکر ہے تو وہ مل رہا ہے اور اگر تمہیں کوئی اور فکر لاحق ہے

[۱] اشعۃ اللمعات: ۳۴۳ [۲] اخرجہ البخاری: ۱/۱۶۴ ومسلم: ۲/۱۰۱ [۳] اخرجہ البخاری: ۱/۱۶۴

تو اس کو چھوڑ دو۔[۱]

سؤال: یہاں ایک سرسری سوال ہے وہ یہ کہ قرآن میں آیت ﴿**فاستبقوا الخیرات**﴾[۲] اور ﴿**سارعوا الی مغفرة**﴾[۳] سے معلوم ہوتا ہے کہ نیکیوں کی طرف دوڑ کر جانا مطلوب ومقصود ہے پھر اس حدیث میں نیکی کی طرف دوڑ کر چلے آنے کو کیوں منع کر دیا گیا؟۔

جواب: اس کا جواب یہ ہے کہ قرآن کی آیتوں کا مطلب یہ ہے کہ تم وقت پر نیکیوں کے حصول کی تیاری کرو اور بڑھ چڑھ کر اسے حاصل کرو ان آیتوں کا مطلب یہ نہیں ہے کہ وقت کے اندر تم کوتاہی کرو اور پھر آخر وقت میں دوڑ لگا کر نیکی حاصل کرو۔ (کذا فی اللمعات)

اصل حقیقت یہ ہے کہ نماز میں شمولیت کے لئے جو حضرات دوڑ لگاتے ہیں ان میں اکثر وبیشتر ثواب کی نیت سے نہیں دوڑتے بلکہ وہ اس لئے دوڑتے ہیں کہ اگر رکعت نکل گئی تو ان کو اکیلے محنت کرنی ہوگی اور الگ پڑھنے کی زحمت ہوگی بعض حضرات کا شاید یہ خیال بھی ہو کہ رکعت نکل جانے سے لوگ مجھے دیکھیں گے کہ دیکھو ان صاحب کی رکعت نکل گئی بالعموم لوگ اسی حرص وحیا کی وجہ سے دوڑتے ہیں ورنہ اگر صرف ثواب کا معاملہ ہوتا تو ان کو گھر سے پہلے تیاری کر کے آنا چاہئے تھا اور اب بھی جب وہ آرہا ہے تو اس حدیث کے بموجب وہ نماز میں ہے ثواب اس کو حاصل ہو رہا ہے پھر دوڑ کر شامل ہونے کا مطلب کیا ہے؟ اور خدا نہ کرے اگر یہ صاحب جبہ و دستار کے ساتھ فرش پر گر گئے تو پھر کیا ہوگا اور اگر نہ بھی گرے تو اس سفید ریش وسفید پوشی کے ساتھ دوڑنا کتنا برا لگتا ہے اسکا کیا علاج ہوگا؟ الغرض اسلام ہمیں عبادت میں بھی وقار سکھاتا ہے تاکہ ایک مذہبی فریضہ جگ ہنسائی کا ذریعہ نہ بن جائے۔ اگر کوئی تکبیر اولیٰ کے ثواب کے حصول کے لئے یا جمعہ کے ثواب پانے کی غرض سے تیز تیز قدم سے آتا ہے وہ الگ صورت ہے اس کی گنجائش ہے، کیونکہ اس میں بے ڈھنگی کے ساتھ دوڑنا نہیں ہے۔

"**فهو فی صلوٰة**"، صلوٰۃ میں تنوین تنکیر کے لئے ہے یعنی یہ شخص ایک قسم نماز میں ہے اور وہ حکمی نماز ہے کہ ان کو نماز کا ثواب حاصل ہو رہا ہے کیونکہ یہ ثواب کی نیت سے جا رہا ہے اگرچہ حقیقی نماز میں اب تک شامل نہیں ہے۔

الفصل الثالث

جہاں شیطانی اثرات ہوں وہاں سے بھاگنا چاہئے

﴿۸﴾ عن زَيْدِ بْنِ أَسْلَمَ قَالَ عَرَّسَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيْلَةً بِطَرِيْقِ مَكَّةَ وَوَكَّلَ بِلَالاً أَنْ يُوْقِظَهُمْ لِلصَّلَاةِ فَرَقَدَ بِلَالٌ وَرَقَدُوْا حَتّٰى اسْتَيْقَظُوْا وَقَدْ طَلَعَتْ عَلَيْهِمُ الشَّمْسُ

[۱] المرقات: ۲/۳۴۹ [۲] بقرة: الآیه: ۱۴۸ [۳] آل عمران الآیه: ۱۳۳

فَاسْتَيْقَظَ الْقَوْمُ فَقَدْ فَزِعُوْا فَأَمَرَهُمْ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ يَرْكَبُوْا حَتّٰى يَخْرُجُوْا مِنْ ذٰلِكَ الْوَادِيْ وَقَالَ اِنَّ هٰذَا وَادٍ بِهِ الشَّيْطَانُ فَرَكِبُوْا حَتّٰى خَرَجُوْا مِنْ ذٰلِكَ الْوَادِيْ ثُمَّ أَمَرَهُمْ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ يَنْزِلُوْا وَأَنْ يَتَوَضَّئُوْا وَأَمَرَ بِلَالًا أَنْ يُنَادِيَ لِلصَّلٰوةِ أَوْ يُقِيْمَ فَصَلّٰى رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالنَّاسِ ثُمَّ انْصَرَفَ وَقَدْ رَاٰى مِنْ فَزَعِهِمْ فَقَالَ يَا أَيُّهَا النَّاسُ اِنَّ اللهَ قَبَضَ أَرْوَاحَنَا وَلَوْ شَاءَ لَرَدَّهَا اِلَيْنَا فِيْ حِيْنٍ غَيْرِ هٰذَا فَاِذَا رَقَدَ أَحَدُكُمْ عَنِ الصَّلٰوةِ أَوْ نَسِيَهَا ثُمَّ فَزِعَ اِلَيْهَا فَلْيُصَلِّهَا كَمَا كَانَ يُصَلِّيْهَا فِيْ وَقْتِهَا ثُمَّ الْتَفَتَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِلٰى أَبِيْ بَكْرٍ الصِّدِّيْقِ فَقَالَ اِنَّ الشَّيْطَانَ أَتٰى بِلَالًا وَهُوَ قَائِمٌ يُصَلِّيْ فَأَضْجَعَهُ ثُمَّ لَمْ يَزَلْ يُهَدِّئُهُ كَمَا يُهَدَّأُ الصَّبِيُّ حَتّٰى نَامَ ثُمَّ دَعَا رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِلَالًا فَأَخْبَرَ بِلَالٌ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِثْلَ الَّذِيْ أَخْبَرَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَبَابَكْرٍ فَقَالَ أَبُوْبَكْرٍ أَشْهَدُ أَنَّكَ رَسُوْلُ اللهِ۔ (رَوَاهُ مَالِكٌ مُرْسَلًا)

ترجمہ: حضرت زید بن اسلم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ سرور کائنات ﷺ مکہ معظمہ کے راستہ میں (آرام کرنے کے لئے) آخر رات میں ٹھہرے اور حضرت بلال کو حکم دیا کہ (صبح کی) نماز کے لئے سب کو جگادیں اور جب سب لوگ سو گئے (تھوڑی دیر کے بعد نیند کے غلبہ کی وجہ سے) حضرت بلال کی بھی آنکھ لگ گئی (پہلے تو آنحضرت اور ان کے بعد) تمام لوگ اس وقت جاگے جبکہ آفتاب طلوع ہو چکا تھا۔ سب لوگ (نماز قضاء ہو جانے کی وجہ سے) گھبرا گئے۔ آنحضرت ﷺ نے لوگوں کو حکم دیا کہ سوار ہو کر اس جنگل سے باہر نکل چلیں، اور فرمایا کہ "یہ ایک ایسا جنگل ہے جس پر شیطان مسلط ہے چنانچہ سب لوگ سوار ہو کر اس جنگل سے نکل آئے (ایک جگہ پہنچ کر آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ (یہاں) اتر جاؤ اور وضو کرلو۔ اور حضرت بلال کو نماز کے لئے اذان و تکبیر کہنے کا حکم دیا پھر آپ نے لوگوں کے ساتھ (صبح کی) نماز (قضاء با جماعت) پڑھی جب نماز سے فارغ ہو کر لوگوں کو گھبرایا ہوا دیکھا تو (تسلی دینے کے لئے) فرمایا کہ "لوگو! اللہ تعالیٰ نے (سونے کے وقت) ہماری روحیں قبض کر لی تھیں اگر وہ چاہتا تو تمہاری روحوں کو دوسرے وقت (یعنی آفتاب طلوع ہونے سے پہلے) واپس کر دیتا۔ لہٰذا اگر تم میں سے کوئی نماز کے وقت غافل سو جائے یا نماز پڑھنی بھول جائے اور (اس غفلت و نسیان سے) گھبرائے تو اسے چاہئے کہ وہ اس نماز کو اسی طرح (یعنی اذان و تکبیر اور جماعت کے ساتھ نیز نماز کے تمام شرائط و آداب کو ملحوظ رکھتے ہوئے) پڑھ لے جس طرح اسے اس کے وقت میں پڑھتا تھا۔ پھر آپ نے حضرت ابوبکر صدیق کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا۔ "بلال کھڑے ہوئے نماز پڑھ رہے تھے کہ شیطان ان کے پاس آیا اور انہیں (کجاوہ کا) سہارا لینے پر مجبور کر دیا اور جس طرح بچوں کو (سلانے کے لئے) تھپکی دی جاتی ہے شیطان انہیں تھپکتا رہا۔ یہاں

تک کہ بلال پر نیند طاری ہوگئی۔ پھر آنحضرت ﷺ نے حضرت بلال کو بلایا۔ حضرت بلال نے آکر آپ سے ویسا ہی بیان کیا جیسے آنحضرت ﷺ نے حضرت ابوبکر صدیق سے بیان فرمایا تھا۔ حضرت ابوبکر نے حضرت بلال کا بیان سن کر فرمایا کہ "میں اس بات کی (پورے یقین کے ساتھ) گواہی دیتا ہوں کہ آپ خدا کے رسول ہیں۔" (یہ روایت امام مالک نے مرسلاً نقل کی ہے)

توضیح: **"بطریق مکة"** ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ واقعہ کوئی اور ہے اور حدیث نمبر ۵ میں جو واقعہ گذرا ہے وہ کوئی اور واقعہ ہے کیونکہ یہاں بطریق مکہ کا لفظ ہے اور وہاں خیبر کا ذکر ہے جو طریق مدینہ میں واقع ہے۔ [1]

شیخ عبدالحق رحمہ اللہ لمعات میں لکھتے ہیں کہ شاید واقعے دو ہوں یا راوی کو وہم ہوگیا اور طریق مکہ کا لفظ کہدیا **"أن ينادي للصلوة اويقيم"** یہاں "او" کا لفظ شک کے لئے ہے راوی کو شک ہوا کہ حضور ﷺ نے ینادی کا لفظ ادا فرمایا تھا یا یقیم کا لفظ تھا یعنی اذان دیدو کا حکم دیا یا تکبیر کہدو کا حکم دیا تھا۔ بعض شارحین لکھتے ہیں کہ "او" شک کے لئے نہیں بلکہ یہ واو کے معنی میں ہے جس کا معنی جمع کا ہے یعنی حضور ﷺ نے فرمایا کہ اذان اور اقامت اکٹھا کرو دونوں پڑھو۔ [2]
اس سے احناف کے مسلک کی تائید ہوتی ہے۔

"وقدرأى من فزعهم" صحابہ کرام کو اس بات پر سخت گھبراہٹ ہوئی کہ ان کی نماز کیوں قضاء ہوئی اس گھبراہٹ کو دور کرنے کے لئے حضور اکرم ﷺ نے ان کو تسلی دی کہ یہ اللہ تعالیٰ کا ایک تکوینی فیصلہ تھا اس نے کرلیا اگر وہ نہ چاہتا تو ایسا نہ ہوتا تم پریشان نہ ہو کیونکہ تم کو قضا شدہ نمازوں میں اپنے نبی کا نمونہ اور سنت کا طریقہ بھی حاصل ہوگیا، پھر حضور اکرم ﷺ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے اصل ماجرا بیان کیا کہ شیطان نے بلال رضی اللہ عنہ کے ساتھ کیا کیا **"يهدئه"** یہاں یہ لفظ باب افعال سے ہے ماں جب بچے کو سلانے کے لئے گود میں تھپکی دیتی ہے اس کو اھداء کہتے ہیں یہ سکون کے معنی میں بھی ہے اور یہ صیغہ فتح یفتح سے بھی آتا ہے جو سکون اور ٹھہراؤ کے معنی میں ہے **"اشهد انك رسول الله"** حضور اکرم ﷺ نے جب حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے ساتھ شیطان کا سلانے والا معاملہ بتادیا اور حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے اس کی تصدیق بھی کرلی تو اب یہ حضور اکرم ﷺ کا معجزہ ہوگیا جو نبوت کے اثبات کے لئے ہوتا ہے اسی پر حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے گواہی دی ہے کہ آپ بیشک اللہ کے برحق نبی ہیں۔ اس واقعہ کو **ليلة التعريس** کہتے ہیں۔

مؤذن کے ذمہ دو امانتیں ہیں

﴿۹﴾ وعن ابنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَصْلَتَانِ مُعَلَّقَتَانِ فِيْ أَعْنَاقِ الْمُؤَذِّنِيْنَ لِلْمُسْلِمِيْنَ صِيَامُهُمْ وَصَلَاتُهُمْ. [3] (رَوَاهُ ابْنُ مَاجَة)

ترجمہ: اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما راوی ہیں کہ سرور کائنات ﷺ نے فرمایا۔ "مسلمانوں کی دو چیزیں مؤذنوں کی گردنوں میں لٹکی ہوئی ہیں۔ ایک تو ان کے روزے اور دوسری ان کی نمازیں۔" (ابن ماجہ)

[1] المرقات: ۲/۳۸۲ [2] اشعة اللمعات: ۳۳۵ [3] اخرجه ابن ماجه: ۷۱۲

توضیح: "**خصلتان معلقتان**" یعنی مسلمانوں کی دو اہم امانتیں اور بنیادی ذمہ داریاں مؤذن کی گردن کے ساتھ لٹکی ہوئی ہیں اور مؤذن اس کی حفاظت کا ذمہ دار ہے ان میں سے پہلی چیز روزہ ہے کیونکہ تمام مسلمان سحری کے وقت بھی مؤذن کی اذان پر بھروسہ کرتے ہیں کہ ان کی اذان سے روزہ بند کرتے ہیں اور اسی سے کھولتے ہیں۔ دوسری چیز نماز ہے کیونکہ نماز کے وقت کی آمد کا پتہ اذان سے لگتا ہے اگر مؤذن اپنی اذان میں آگے پیچھے کرتا ہے اور بے وقت اذان دیتا ہے تو یہ عام مسلمانوں کے ساتھ ان کے اعمال میں خیانت ہے اس لئے مؤذن کو چاہئے کہ وہ اوقات اذان میں بہت ہی احتیاط کرے۔[۱] پاکستان، ہندوستان، افغانستان اور بنگلہ دیش میں اذان تعیین نماز کے لئے ہوتی ہے تعیین وقت کے لئے نہیں ہوتی حالانکہ اذان تعین وقت کے لئے مشروع ہوئی ہے اس پر افسوس ہے۔ علامہ طیبی رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث میں ترکیب کے حوالے سے لکھا ہے کہ خصلتان موصوف ہے اور معلقتان اس کی صفت ہے موصوف صفت ملکر مبتدا ہے للمسلمین خبر ہے اور **صیامھم وصلوتھم خصلتان** کے لئے بیان ہے۔[۲] شیخ عبدالحق رحمۃ اللہ علیہ لمعات میں لکھتے ہیں کہ متبادر یہ ہے کہ خصلتان مبتدا ہے اور معلقتان اس کی خبر ہے۔ اور یہ اعتراض کہ مبتدا نکرہ کیسے واقع ہوا تو میں نے بارہا لکھا ہے کہ اصل دار و مدار فائدہ دینے پر ہے اگر مبتدا سے فائدہ استفادہ حاصل ہوتا ہے تو نکرہ ہونے میں کوئی حرج نہیں جیسا کہ رضی نے لکھا ہے۔ (لمعات)

---

[۱] المرقات: ۲/۳۸۳ اشعۃ اللمعات: ۳۳۶ [۲] الکاشف: ۲/۲۲۱

۱۹ ربیع الاول ۱۴۱۰ھ

باب المساجد ومواضع الصلاة

مساجد اور مقامات نماز کا بیان

قال اللہ تعالیٰ ﴿انما یعمر مساجد اللہ من اٰمن باللہ والیوم الآخر﴾[1]

وقال تعالیٰ ﴿وان المساجد للہ فلا تدعوا مع اللہ احدا﴾[2]

وقال تعالیٰ ﴿ان اول بیت وضع للناس للذی ببکۃ مبارکۃ﴾[3]

مساجد جمع ہے اس کا مفرد مسجد ہے مسجد جیم کے کسرہ کے ساتھ پڑھنا خلاف القیاس ہے قیاس کے مطابق جیم پر زبر پڑھنا چاہئے اگر چہ سننے میں نہیں آیا ہے بہر حال جو مکان نماز پڑھنے کی غرض سے بنایا جائے اور عوام الناس کو اس میں نماز پڑھنے کی اجازت دی جائے وہ مسجد ہوتی ہے اب یہ وقف ہوجاتی ہے اور قیامت تک مسجد ہی رہتی ہے اس کو نہ فروخت کیا جاسکتا ہے نہ کسی دوسرے مکان میں تبدیل کیا جاسکتا ہے آسمان کی بلندیوں سے لیکر زمین کی گہرائیوں تک مکمل مسجد ہوجاتی ہے۔

تاریخ عالم میں سب سے پہلے مسجد بیت اللہ اور مسجد الحرام عبادت کے لئے مقرر ہوئی اور پھر چالیس سال بعد بیت المقدس بھی عبادت کے لئے مقرر ہوا۔

اسلامی دنیا میں ہجرت کے بعد سب سے پہلے مسجد قباء کی بنیاد رکھی گئی ہے اور پھر مسجد نبوی بنائی گئی ہے فضیلت کے اعتبار سے سب سے افضل مسجد الحرام ہے پھر مسجد نبوی ہے اور پھر بیت المقدس ہے اور چوتھے نمبر پر مسجد قباء ہے۔

"مواضع الصلوٰۃ" یعنی مقامات نماز سے مراد وہ جگہیں ہیں جن میں نماز پڑھنا مکروہ یا غیر مکروہ ہے اس کی تفصیل آئندہ احادیث میں آرہی ہے گویا اس لفظ سے ان مقامات میں نماز پڑھنے کی طرف اشارہ ہے جو مسجد نہیں ہیں۔

الفصل الاول

کعبہ کے اندر نماز پڑھنے کا حکم

﴿۱﴾ عن ابنِ عبَّاسٍ قَالَ لَمَّا دَخَلَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْبَيْتَ دَعَا فِي نَوَاحِيْهِ كُلِّهَا وَلَمْ يُصَلِّ حَتَّى خَرَجَ مِنْهُ فَلَمَّا خَرَجَ رَكَعَ رَكْعَتَيْنِ فِي قُبُلِ الْكَعْبَةِ وَقَالَ هٰذِهِ الْقِبْلَةُ.

(رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ وَرَوَاهُ مُسْلِمٌ عَنْهُ عَنْ أُسَامَةَ بْنِ زَيْدٍ)[4]

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ (فتح مکہ کے دن) جب سرور کائنات ﷺ بیت اللہ میں داخل ہوئے تو

[1] توبہ: الایہ: ۱۸ [2] جن الایہ: ۱۸ [3] آل عمران الایہ: ۹۶ [4] اخرجہ البخاری: ۱/۱۱۰ ومسلم: ۲/۹۷

اس کے چاروں کونوں میں جا کر دعا کی اور بغیر نماز پڑھے باہر نکل آئے پھر باہر آ کر کعبہ کے سامنے آپ نے دو رکعت نماز پڑھی اور فرمایا کہ یہی قبلہ ہے۔'' (بخاری) مسلم نے اس روایت کو ابن عباس سے اور انہوں نے اسامہ بن زید سے روایت کیا ہے۔

توضیح: "هذه القبلة" آنحضرت ﷺ جب فتح مکہ کے موقع پر کعبہ کے اندر سے باہر تشریف لائے تو کعبہ کے دروازہ کے سامنے آپ نے دو رکعت نماز پڑھی اور فرمایا یہی قبلہ ہے اس ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ اب قیامت تک بیت اللہ ہی قبلہ رہے گا اب یہ کبھی منسوخ نہیں ہوگا اس ارشاد کا مطلب یہ نہیں ہے کہ دروازے کی جانب قبلہ ہے اور باقی جوانب قبلہ نہیں ہے کیونکہ بیت اللہ کی چاروں جوانب قبلہ ہے پاکستان کا قبلہ اسی جانب ہے جس کی طرف آنحضرت ﷺ نے ارشارہ فرمایا ہے اور وہ بیت اللہ کا دروازہ ہے جو مشرق کی جانب میں واقع ہے۔[1]

تعارض بین الحدیثین:

اس میں اختلاف ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے کعبہ کے اندر نماز پڑھی ہے یا نہیں، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے کعبہ کے اندر نماز نہیں پڑھی ہے لیکن حضرت عبداللہ بن عمر اور حضرت بلال رضی اللہ عنہما کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے کعبہ کے اندر نماز پڑھی ہے۔ (لمعات)

دفع تعارض:

شیخ عبدالحق رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ بلال رضی اللہ عنہ والی روایت کو ترجیح دی گئی ہے کیونکہ وہ مثبت ہے اور ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت منفی ہے اور مثبت و منفی میں جب تعارض آجائے تو مثبت منفی پر مقدم ہوتی ہے کیونکہ اثبات میں اصل خبر کے ساتھ کچھ علمی اضافہ بھی ہوتا ہے جیسا کہ اصول فقہ میں مذکور ہے۔ دفع تعارض کے لئے دوسرا جواب یہ ہے کہ حضرت اسامہ کے دیکھنے میں خلل واقع ہوگیا ہے وہ خود دعا میں مشغول تھے اور دور بھی تھے اس لئے انھوں نے حضور اکرم ﷺ کو نماز پڑھتے ہوئے نہیں دیکھا اور حضرت بلال قریب بھی تھے اور حضور کو دیکھ بھی رہے تھے اس لئے انکی روایت راجح ہے یہ جواب بھی ہوسکتا ہے کہ دخول کعبہ کا واقعہ دو دفعہ ہوا ایک دفعہ نماز پڑھی ایک دفعہ نہیں پڑھی۔ اس تعارض کا تیسرا جواب یہ ہے کہ حضرت اسامہ کو رسول اللہ ﷺ نے تصاویر مٹانے کے واسطے پانی لانے کے لئے باہر بھیجا تھا شاید اسی دوران آپ نے نماز پڑھ لی تھی بہرحال ہر ایک نے اپنا اپنا مشاہدہ بیان کیا ہے مگر اس میں شک نہیں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے کعبہ کے اندر نفل نماز پڑھی ہے آنے والی حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث نمبر ۲ اس پر واضح دلالت کرتی ہے۔[2]

کیا کعبہ کے اندر فرض نماز پڑھ سکتے ہیں

اس بات پر تو تمام فقہاء کا اتفاق ہے کہ بیت اللہ کے اندر نفل نماز حضور اکرم ﷺ نے پڑھی ہے اور بلا اختلاف پڑھنا جائز ہے البتہ اس مسئلہ میں فقہاء کا اختلاف ہے کہ فرض نماز کعبہ کے اندر پڑھنا جائز ہے یا نہیں۔ تو اکثر فقہاء فرض

---

[1] المرقات: ۲/۳۸۷ اشعة اللمعات: ۳۳۶ [2] اشعة اللمعات: ۳۳۶

نماز کعبہ کے اندر پڑھنے کو جائز سمجھتے ہیں مگر امام مالک اور احمد بن حنبل رحمہما اللہ تعالیٰ کعبہ کے اندر فرض نماز پڑھنے کو منع کرتے ہیں کہ یہ جائز نہیں ہے۔

شاید مالکیہ اور حنابلہ حضرات قرآن کریم کی اس آیت سے استدلال کرتے ہیں ﴿فولوا وجوهكم شطره﴾[1] طرز استدلال اس طرح کہ اللہ تعالیٰ کا حکم یہ ہے کہ بیت اللہ کی طرف چہرہ موڑا جائے اور جو آدمی کعبہ کے اندر نماز پڑھتا ہے وہ بیت اللہ کے ایک حصہ کی طرف متوجہ ہے اور ایک حصہ کی طرف اس کی پیٹھ ہے اس لئے فرض جائز نہیں ہے اور نوافل میں چونکہ وسعت و نرمی ہے اس لئے وہ جائز ہیں۔ احناف و شوافع بلکہ جمہور قرآن کی اس آیت سے استدلال کرتے ہیں۔ ﴿ان طهرا بيتي للطائفين والعاكفين والركع السجود﴾[2] یہاں بیت اللہ کے اندر مطلق نماز پڑھنے کا ذکر ہے خواہ فرض ہو خواہ نفل ہو کوئی فرق نہیں ہے اسی طرح استقبال کرنے میں استیعاب کعبہ کی شرط بھی نہیں لہٰذا بعض حصہ کا استقبال کافی ہے۔

کعبہ کے ستون کتنے ہیں؟

﴿۲﴾ وعن عَبْدِ اللهِ ابْنِ عُمَرَ أَنَّ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ دَخَلَ الْكَعْبَةَ هُوَ وَأُسَامَةُ بْنُ زَيْدٍ وَعُثْمَانُ ابْنُ طَلْحَةَ الْحَجَبِيُّ وَبِلَالُ بْنُ رَبَاحٍ فَأَغْلَقَهَا عَلَيْهِ وَمَكَثَ فِيْهَا فَسَأَلْتُ بِلَالاً حِيْنَ خَرَجَ مَا ذَا صَنَعَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ جَعَلَ عَمُوْداً عَنْ يَسَارِهِ وَعَمُوْدَيْنِ عَنْ يَمِيْنِهِ وَثَلَاثَةَ أَعْمِدَةٍ وَرَاءَهُ وَكَانَ الْبَيْتُ يَوْمَئِذٍ عَلَى سِتَّةِ أَعْمِدَةٍ ثُمَّ صَلَّى. (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)[3]

ترجمہ: اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ (فتح مکہ کے روز) سرور کائنات ﷺ، اسامہ بن زید، عثمان بن طلحہ حجبی اور بلال بن رباح خانہ کعبہ کے اندر داخل ہوئے اور حضرت بلال یا حضرت عثمان نے) اندر سے دروازہ بند کرلیا (تاکہ لوگ ہجوم نہ کریں) آنحضرت ﷺ تھوڑی دیر تک اندر (دعا وغیرہ میں مشغول) رہے حضرت عبداللہ بن عمر فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت بلال سے جبکہ وہ یا آنحضرت ﷺ) خانہ کعبہ سے باہر آئے پوچھا کہ سرکار دو عالم ﷺ (خانہ کعبہ کے اندر) کیا کر رہے تھے؟ بلال نے کہا کہ "آپ نے کھڑے ہو کر نماز پڑھی کہ ایک ستون آپ کے بائیں طرف تھا، دو داہنی طرف تھے اور تین پیچھے تھے۔ ان دنوں خانہ کعبہ میں چھ ستون تھے (اور اب تین ستون ہیں)۔ (بخاری و مسلم)

توضیح: "عثمان بن طلحه الحجبي"[4] حجبی حاجب کی طرف منسوب ہے چوکیدار اور چابی بردار کے معنی میں ہے بیت اللہ کی چابیاں اس شخص کے پاس تھیں صلح حدیبیہ کے بعد دوسرے سال جب حضور اکرم ﷺ عمرۃ القضاء کے لئے آئے اور عثمان بن طلحہ سے چابیاں مانگی تاکہ بیت اللہ میں داخل ہو جائیں تو اس شخص نے بالکل انکار کر دیا حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کہ عثمان؛؛ سن لو ایک وقت ایسا آئیگا کہ یہ چابیاں میرے ہاتھ میں ہوں گی اور میں جسے دینا چاہوں گا

[1] بقرة: الآيه: ۱۴۴ [2] بقرة: الآيه: ۱۲۵ [3] اخرجه البخاري: ۱/۱۲۶ ومسلم: ۴/۹۵ [4] المرقات: ۲/۳۸۸

دوں گا اس نے کہا کہ اس وقت قریش کے بُرے دن ہونگے اور قریش ذلیل وخوار ہونگے حضور اکرم ﷺ نے فرمایا نہیں اس دن قریش سرخرو ہونگے چنانچہ جب مکہ فتح ہوا تو حضور اکرم ﷺ نے حضرت علی کو بھیجا کہ جا کر عثمان بن طلحہ سے چابیاں لاؤ عثمان چھپ گیا تھا چابیاں نہیں دے رہا تھا تب حضرت علی رضی اللہ عنہ نے دھمکی دیدی اور چابیاں لاکر حضور ﷺ کو دیدیں آنحضرت ﷺ نے دروازہ کھلوا دیا اور بیت اللہ کو دھلوایا اور پھر اندر تشریف لے گئے اس موقع میں عثمان بن طلحہ بھی ساتھ تھے پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ کا خیال ہوا نیز حضرت عباس رضی اللہ عنہ کا بھی خیال آیا کہ کعبہ کی چابیاں ان کو دی جائیں اتنے میں قرآن کی آیت نازل ہوئی کہ ﴿ان اللہ یأمرکم ان تؤدوا الامانات الی اھلھا﴾[1] اس پر حضور اکرم ﷺ نے عثمان بن طلحہ کو بلایا اور فرمایا کہ میں اللہ تعالیٰ کے حکم سے یہ چابیاں تمہیں دے رہا ہوں "خذھا خالدۃ تالدۃ" یعنی ہمیشہ تمہارے پاس رہینگی کوئی ظالم بادشاہ تم سے لے گا ورنہ کوئی نہیں چھینے گا۔

عثمان بن طلحہ مسلمان ہو گئے پھر ان کے وارث نہ ہونے کی وجہ سے ان کے بھائی کو یہ چابیاں مل گئیں انہوں نے اپنے بھائی شیبہ کو چابیاں دیدیں جو آج تک بنوشیبہ کے پاس ہیں۔ بیت اللہ کے دروازہ سے کافی اندر جا کر سامنے والی دیوار سے چند گز فاصلہ پر حضور نے نماز پڑھی ہے۔ بخاری کی اس روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ تین ستون آپ کے پیچھے تھے اور ایک ستون بائیں جانب اور دو دائیں جانب تھے اور اس وقت بیت اللہ چھ ستونوں پر کھڑا تھا بیت اللہ کی چھت آج بھی لکڑیوں سے بنی ہوئی ہے شیخ عبدالحق رحمۃ اللہ علیہ نے لمعات میں لکھا ہے کہ آج کل یہ ستون صرف تین رہ گئے ہیں۔[2]

مسجد حرام میں ایک نماز ایک لاکھ کے برابر ہے

﴿۳﴾ وعن أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلَاةٌ فِي مَسْجِدِي هٰذَا خَيْرٌ مِنْ أَلْفِ صَلَاةٍ فِيمَا سِوَاهُ إِلَّا الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ. (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)[3]

ترجمہ: اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ سرور کائنات ﷺ نے فرمایا "میری اس مسجد (یعنی مسجد نبوی) میں نماز پڑھنا دوسری مسجدوں میں ہزار نمازیں پڑھنے سے بہتر ہے سوائے مسجد حرام کے۔" (بخاری ومسلم)

توضیح: "خیر من الف صلوۃ"[4] تضعیف ثواب کے اعتبار سے مسجد حرام سب سے افضل ہے جس میں ایک نماز ایک لاکھ کے برابر ہے لیکن تضعیف اور ڈبل ہونا ثواب کے اعتبار سے ہے نمازوں کے اعتبار سے نہیں یعنی تضعیف فی الثواب ہے تضعیف فی الاجزاء نہیں جیسا کہ عوام میں مشہور ہے کہ اگر ایک نماز کسی نے پڑھ لی تو اس کو ایک لاکھ نمازیں حاصل ہو گئیں اس طرح تمام قضا نمازوں کا کفارہ ہو گیا یہ غلط ہے بلکہ یہاں صرف ثواب کے دگنا ہونے کی بات کہی گئی ہے نماز تو ایک ہی شمار ہو گی کیونکہ ایک ہی پڑھی ہے مسجد نبوی میں ایک نماز ایک ہزار نمازوں کے برابر ہے۔ اور مسجد اقصیٰ میں ایک نماز پچاس ہزار کے برابر ہے۔ ابن ماجہ کی بعض روایات میں آیا ہے کہ مسجد نبوی کی ایک نماز پچاس

[1] نساء الآیہ: ۵۸ [2] اشعۃ اللمعات: ۳۴۷ [3] اخرجہ البخاری: ۲/۷۶ [4] المرقات: ۲/۳۹۲

ہزار نمازوں کے برابر ہے (مشکوٰۃ ص ۲۷) مگر یہ روایت ضعیف ہے بعض روایات میں آیا ہے کہ ایک نماز دس ہزار نمازوں کے برابر ہے۔ ملا علی قاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ تضعیف اس طرح ہے کہ ایک نیکی اس امت کی دس نیکیوں کے برابر ہے لہٰذا ایک ہزار نمازیں دس ہزار شمار ہونگی۔

شوافع حضرات فرماتے ہیں کہ ثواب بڑھنے کا یہ حکم فرض نمازوں کے ساتھ خاص ہے سنن ونوافل میں یہ اضافہ نہیں ہے ملا علی قاری رحمہ اللہ [1] مرقات میں لکھتے ہیں کہ یہ تضعیف اور ثواب تمام نیکیوں میں ہے نماز کے ساتھ خاص نہیں ہے نیز علماء کا یہ فیصلہ راجح قرار دیا گیا ہے کہ یہ تضعیف اور ثواب ارض حرم کے لئے عام ہے صرف مسجد حرام کے ساتھ خاص نہیں ہے۔

سوال: اس حدیث میں اور مشکوٰۃ شریف ص ۲۷ پر حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت جو توضیحات کی حدیث ۵۹ ہے دونوں میں بظاہر تعارض ہے کیونکہ یہاں مسجد نبوی کی فضیلت ایک نماز ایک ہزار کے برابر بتائی گئی ہے جبکہ وہاں پچاس ہزار کا ذکر ہے۔

جواب: ابتدائے وحی میں ایک ہزار کی فضیلت تھی پھر پچاس ہزار تک فضیلت بڑھ گئی۔

دوسرا جواب یہ کہ اعداد میں تعارض نہیں ہوتا کیونکہ عدد اقل عدد اکثر کے ضمن میں ہوتا ہے اس کا مخالف نہیں ہوتا ہے بعض علماء نے پچاس ہزار والی روایت کو ضعیف کہا ہے۔

فائدہ جلیلہ:

اس حدیث میں ایک لفظ "**مسجدی هذا**" مذکور ہے جس سے بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ مسجد نبوی جس وقت حضور اکرم ﷺ کے زمانہ میں تھی نمازوں اور نیکیوں کی یہ فضیلت اسی مسجد کے ساتھ خاص ہے اس کے بعد جو مسجد میں اضافہ کیا گیا ہے یہ فضیلت مسجد کے اس حصہ میں حاصل نہیں ہوگی۔ چنانچہ علامہ نووی رحمہ اللہ [2] فرماتے ہیں کہ اس فضیلت کے حصول کے لئے مناسب ہے کہ آدمی مسجد نبوی کے ان حصوں میں نماز پڑھے جو حضور اکرم ﷺ کے زمانہ میں موجود تھے۔ علامہ تاج الدین سبکی رحمہ اللہ [3] کی بھی یہی رائے ہے۔ لیکن ابن تیمیہ رحمہ اللہ [4] اور علامہ محب طبری رحمہ اللہ نے اپنے طویل کلام میں کہا ہے کہ تضعیف ثواب کی یہ فضیلت حضور اکرم ﷺ کے زمانہ کی مسجد کے حدود تک محدود نہیں ہے بلکہ اضافہ شدہ حصوں میں بھی یہ ثواب ملے گا۔ امام مالک رحمہ اللہ سے جب پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا کہ یہ تخصیص نہیں ہے کیونکہ اگر ثواب کے حصول کی یہ تخصیص حضور اکرم ﷺ کے زمانہ والی مسجد کی ساتھ خاص ہوتی تو خلفاء راشدین مسجد نبوی میں کبھی اضافہ نہ کرتے نہ لوگ قبول کرتے "تاریخ مدینہ" کتاب میں لکھا ہے کہ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ مسجد نبوی کے اضافے سے فارغ ہوئے تو آپ نے فرمایا کہ اگر مسجد نبوی ذوالحلیفہ تک وسیع ہو جائے تو بھی سب مسجد نبوی ہی ہوگی اور رسول اللہ ﷺ کی مسجد کہلائی جائے گی۔ یہ بات بھی یاد رکھنے کی ہے کہ علماء کی ایک جماعت اس طرف گئی ہے کہ مکہ میں جس طرح ایک نیکی کیفیت کے اعتبار سے ایک لاکھ تک بڑھ جاتی ہے اسی طرح حرم مکہ میں ایک گناہ ایک لاکھ گناہوں تک بڑھ جاتا ہے یہ قول

---

[1] المرقات: ۲/۳۹۲ [2] المرقات: ۲/۳۹۲ [3] المرقات: ۲/۳۹۲ [4] المرقات: ۲/۳۹۲

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کا ہے اور یہی قول حضرت عبداللہ بن عباس اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہم اور مجاہد کا بھی ہے۔ نیز ثواب کی یہ تضعیف راجح قول کے مطابق آنحضرت ﷺ کے زمانہ کے ساتھ خاص نہیں بلکہ تمام زمانوں کے لئے ہے پھر علماء میں یہ بات چلی ہے کہ مکہ افضل ہے یا مدینہ افضل ہے تو امام مالک رحمہ اللہ کے نزدیک مدینہ افضل ہے مگر جمہور امت اس پر متفق ہے کہ مکہ اور زمین حرم مدینہ منورہ سے افضل ہے دونوں کے درمیان وہی فرق ہے جو فرق حج وعمرہ میں ہے بیت اللہ کی مثال حج کی ہے اور مسجد نبوی کی مثال عمرے کی ہے۔ بہر حال مکہ افضل ہے اس پر کئی نصوص دال ہیں ہاں مدینہ منورہ میں روضہ اقدس کا وہ حصہ جس سے حضور اکرم ﷺ کا جسم مبارک لگا ہوا ہے وہ کعبہ سے افضل ہے یہی قول قاضی عیاض رحمہ اللہ [1] کا بھی ہے بلکہ ابن عقیل حنبلی سے منقول ہے کہ آنحضرت ﷺ کے جسم کا جو حصہ قبر سے لگا ہوا ہے وہ عرش سے زیادہ افضل ہے یہ سب تفصیل ملا علی قاری رحمہ اللہ [2] نے مرقات میں اس حدیث کے تحت بیان فرمائی ہے وہاں پر دیکھا جاسکتا ہے۔

مورخہ ۲۰ ربیع الاول ۱۴۱۰ھ

تین مساجد کے علاوہ کسی مسجد کے لئے سفر کرنا منع ہے

﴿٤﴾ وعن أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تُشَدُّ الرِّحَالُ إِلَّا إِلَى ثَلَاثَةِ مَسَاجِدَ مَسْجِدِ الْحَرَامِ وَالْمَسْجِدِ الْأَقْصَى وَمَسْجِدِي هٰذَا ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ) [3]

ترجمہ: اور حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ سرور کائنات ﷺ نے فرمایا "تین مسجدوں کے علاوہ (کسی دوسری جگہ کے لئے) تم اپنے کجاؤوں کو نہ باندھو (یعنی سفر نہ کرو) مسجد حرام، مسجد اقصیٰ (یعنی بیت المقدس اور میری مسجد (یعنی مسجد نبوی)۔ (بخاری ومسلم)

توضیح: "لا تشد الرحال" شد یشد نصر ینصر سے باندھنے کے معنی میں ہے اور "الرحال" سے کجاوے مراد ہیں یہ پورا جملہ سفر سے کنایہ ہے اور نفی کا صیغہ نہی کے معنی میں ہے مطلب یہ ہوا کہ تین مسجدوں کے علاوہ کسی مسجد کے لئے کجاوے باندھ کر سفر نہ کیا جائے۔ [4]

اس حدیث کو سمجھنے کے لئے ضروری ہے کہ یہ سمجھا جائے کہ یہاں مستثنیٰ مفرغ ہے اور مستثنیٰ مفرغ کے لئے مستثنیٰ منہ محذوف نکالنا ضروری ہوتا ہے۔ اب محذوف مستثنیٰ منہ نکالنے اور اس کو متعین کرنے میں علماء کے درمیان اختلاف آگیا ہے ایک طرف جمہور امت ہیں اور دوسری طرف شیخ الاسلام حافظ ابن تیمیہ ہیں حافظ ابن تیمیہ یہاں مستثنیٰ منہ کو عام مانتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہاں "مکان" یا "موضع" کے الفاظ نکالے جائیں عبارت اس طرح ہوگی "لاتشد الرحال إلی موضع إلا إلی ثلاثة مساجد" یعنی تین مساجد کے سفر کے علاوہ کسی قسم کا سفر جائز نہیں ہے اس عموم امکنہ میں حافظ ابن تیمیہ

---

[1] المرقات: ۲/۳۹۶، ۳۹۷ [2] المرقات: ۲/۳۹۶، ۳۹۷

[3] اخرجه البخاری: ۲/۷۶، ۲/۷۷، ۲/۲۵، ۳/۵۶ ومسلم ۲/۱۵۳ ۲/۱۰۲ [4] المرقات: ۲/۳۹۷

نے مساجد کے علاوہ مقدس مقامات اور تمام مزارات کی زیارت کو ناجائز قرار دیا یہاں تک کہ اس عموم کی وجہ سے آپ نے روضہ رسول ﷺ کی زیارت کی غرض سے مستقل سفر کرنے کو بھی ناجائز کہدیا ان کا مقصد روضہ رسول کی زیارت سے منع کرنا نہیں ہے بلکہ وہ فرماتے ہیں کہ سفر میں نیت مسجد نبوی کی کی جائے اور اس کے ضمن میں روضہ رسول کی زیارت کی جائے اس صورت میں زیارت مستحب ہے۔ اس مسئلہ کی وجہ سے آپ پر بڑی تکالیف اور آزمائشیں آئیں اور آپ کے شاگرد رشید علامہ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ بھی ان مصائب کا شکار ہوئے حافظ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ تو گرفتار بھی ہوئے اور جیل سے ان کا جنازہ اٹھا آج کل سعودی حکومت کا بھی یہی عقیدہ ہے لیکن کھل کر لوگوں کو روک نہیں سکتی ہے۔

جمہور امت کے نزدیک یہاں مستثنیٰ منہ عموم امکنہ نہیں بلکہ عموم مساجد ہیں اور تقدیر عبارت اس طرح ہے "لاتشد الرحال الی مسجد الا الی ثلاثة مساجد" یعنی ان تین مساجد کے علاوہ کسی مسجد کے لئے بطور خاص سفر نہ کیا جائے کیونکہ باقی تمام مساجد فضیلت وثواب میں یکساں ہیں خلاصہ یہ نکلا کہ اس حدیث میں سفر کی ممانعت کا تعلق صرف مساجد سے ہے دیگر اسفار سے بحث نہیں وہ اسفار اس حدیث کے مفہوم سے خارج ہیں کیونکہ مستثنیٰ جنس مستثنیٰ منہ سے ہوتا ہے جب استثنا مساجد کی ہے تو مستثنیٰ منہ بھی مساجد ہی ہونگی۔

شیخ عبدالحق رحمۃ اللہ علیہ[1] نے لمعات میں اس حدیث کے سمجھنے کے لئے کئی توجیہات بیان فرمائی ہیں ان میں سے ایک توجیہ یہ ہے کہ شاید اس حدیث میں ان تین مساجد کی شان بڑھانا مقصود ہو اور عظمت و برکت وفضیلت ومرتبت میں ان مساجد کو دوسری مساجد کی نسبت امتیازی شان دینا مطلوب ہو کہ اگر کوئی شخص سفر کی مشقت اٹھانا چاہتا ہے تو ان کو چاہئے کہ وہ ان تین مساجد کی طرف سفر کا اہتمام کرے کیونکہ ان مساجد کی بڑی شان ہے۔ (لمعات ج ۳ ص ۴۲)

اس توجیہ کا مقصد وخلاصہ یہ ہوا کہ اس حدیث میں صرف ان تین مساجد کی طرف سفر کرنے کی ترغیب ہے دیگر اسفار سے بحث نہیں۔

حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی مشہور تصنیف حجۃ اللہ البالغہ میں اس حدیث پر تحقیقی کلام کیا ہے، فرماتے ہیں کہ میرا خیال تو یہ ہے کہ زمانہ جاہلیت میں لوگ چند مقامات کو متبرک سمجھ کر اس کی عظمت کی وجہ سے اس کا سفر کیا کرتے تھے اور اس سفر کو باعث برکت تصور کرتے تھے ظاہر ہے کہ اس طرح عقیدہ رکھنا کہ کسی مقام کو متبرک سمجھ کر اسکی عظمت کی وجہ سے اس کا سفر کرنا نہ صرف یہ کہ حقیقت سے انحراف اور ذھنی وفکری کمزوری تھی بلکہ فتنہ وفساد کا ذریعہ بھی تھا اس لئے حدیث میں ایسے اسفار کی ممانعت کردی گئی تا کہ شعائر اللہ کے ساتھ غیر شعائر کا التباس نہ آئے اور آدمی غیر اللہ کی عبادت میں نہ پڑ جائے۔

لہٰذا میرے نزدیک صحیح بات یہ ہے کہ مزارات اولیاء اللہ اور ان حضرات کی عبادت کے مقامات کی طرف حتیٰ کہ کوہ طور کی طرف سفر کرنا یہ سب اس ممانعت میں برابر ہیں کہ بطور خاص اس کی طرف سفر کرنا مناسب نہیں ہے۔ (حجۃ اللہ البالغہ)

شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کی تحقیق کا خلاصہ یہ نکلتا ہے کہ اس حدیث میں مستثنیٰ منہ کا تعلق اہل عرب وغیرہ کے وہ مقامات ہیں

---

[1] اشعۃ اللمعات: ۳۴۸

جہاں جاہلیت قدیمہ اور جاہلیت جدیدہ کے میلے لگتے ہیں وہاں شرکیات و بدعات کا ارتکاب ہوتا ہے عرس ہوتے ہیں اور خاص خاص موسموں میں خاص خاص مقامات کی طرف دور دراز سے قافلوں کی شکل میں سفر کئے جاتے ہیں۔

بعض حضرات نے یہ توجیہ کی ہے جس طرح کہ اشعۃ اللمعات میں بھی اس کا بیان ہے کہ ان تین مساجد و مقامات کے علاوہ کسی جگہ کا سفر بطور تقرب اور بطور عبادت جائز نہیں ہے گویا حدیث کی اس نہی کا تعلق صرف اس سفر سے ہے جو تقرب اور عبادت کے لئے کیا جاتا ہو اس کے علاوہ دیگر اسفار اپنی جگہ پر درجہ جواز میں ہیں ہاں مزارات کے لئے دور دراز کا اہتمام کے ساتھ سفر کرنا مختلف فیہ ہے۔

بعض علماء نے اسے مباح قرار دیا ہے اور بعض علماء اس کو حرام قرار دیتے ہیں۔

چنانچہ قاضی عیاض مالکی قاضی حسین اور ابو محمد الجوزی مقامات متبرکہ اور زیارات قبور صالحین کی طرف سفر کو حرام قرار دیتے ہیں۔ (کذا فی مجمع البحار)

حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کے کلام سے بھی عدم جواز معلوم ہوتا ہے اور احمد علی لاہوری رحمۃ اللہ علیہ کے کلام میں بھی عدم جواز کا بیان ہے شاہ انور شاہ کاشمیری رحمۃ اللہ علیہ بھی فرماتے ہیں کہ زیارت قبور اولیاء کے لئے سفر جائز نہیں ہے۔

بہر حال جب اباحت اور حرمت کا اختلاف آ گیا ہے تو لامحالہ حرمت کو ترجیح ہوگی جیسا کہ مشہور قاعدہ یہی ہے حدیث میں مسجد اقصیٰ کا لفظ آیا ہے اقصیٰ بعید کے معنی میں ہے اور یہ مسجد بھی مکہ اور مدینہ سے بہت دور ہے اس لئے اقصیٰ کہہ دیا یہ ایک وجہ تسمیہ ہے۔

روضہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کے لئے سفر کرنا

اس مقام پر اس حدیث کی تشریح و توضیح سے ایک اور مسئلہ سامنے آیا ہے وہ یہ کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے روضہ اطہر کے لئے قصد وارادہ کے ساتھ سفر کرنا کیسا ہے؟ آیا حدیث کی عام نہی میں یہ سفر بھی داخل ہے یا نہیں؟ تو جمہور امت کا مسلک یہ ہے کہ روضہ رسول پر حاضری کے لئے سفر کرنا اعلیٰ قربات میں سے ہے اور اس مذکورہ حدیث کی ممانعت کا تعلق اس خاص زیارت سے نہیں ہے۔ امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے اسی کو اختیار کیا ہے وہ فرماتے ہیں کہ حدیث میں مستثنیٰ منہ صرف مساجد ہیں۔ حافظ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ نے حدیث کی ممانعت کو عام رکھا ہے اور ان کے نزدیک روضہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے قصد وارادہ کے ساتھ سفر کرنا جائز نہیں۔ اس مسئلہ کی وجہ سے امت کے علماء نے ان کے خلاف قلم اٹھا کر بہت کچھ لکھ دیا ہے اور خود حاکم شام نے ان کو جیل میں بند کر دیا۔

دلائل:

شیخ الاسلام حافظ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے موقف کے لئے زیر بحث حدیث سے استدلال کیا ہے اور جیسا پہلے لکھا جا چکا ہے کہ وہ مستثنیٰ منہ عموم امکنہ قرار دیتے ہیں اور عام امکنہ میں روضہ رسول بھی داخل مانتے ہیں وہ روضہ رسول کی زیارت

کو مستحب کہتے ہیں لیکن فرماتے ہیں کہ اس کے لئے مستقل سفر نہ کیا جائے سفر مسجد نبوی کی نیت سے کرنا چاہئے۔

جمہور کی پہلی دلیل وہ تمام احادیث ہیں جن میں نبی کریم ﷺ کی وفات کے بعد آپ کی قبر کی زیارت کرنے کا بیان ہے جیسے وعن ابن عمر رضی اللہ عنہ مرفوعا من حج فزار قبری بعد موتی کان کمن زارنی فی حیاتی۔
(بیہقی مشکوۃ ص ۲۴۱)

وفاء الوفاء کتاب میں اس قسم کی کئی روایات ہیں۔

دوسری دلیل حضرت امام غزالی رحمہ اللہ نے اس حدیث سے استدلال کیا ہے "کنت نہیتکم عن زیارۃ القبور فزوروھا فانہا تزھد فی الدنیا وتذکر الآخرۃ"۔ (ابن ماجہ مشکوۃ ص ۱۵۴)

مشکوۃ شریف کی اسی صفحہ میں مسلم شریف کی روایت بھی ہے جس کے الفاظ یہ ہیں۔ "عن بریدۃ رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ ﷺ نہیتکم عن زیارۃ القبور فزوروھا"۔ (ص ۱۵۴)

تیسری دلیل ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ فتح الباری شرح بخاری میں زیارت روضہ رسول کے بارے میں فرماتے ہیں "فإنہا من أفضل الأعمال وأجل القربات الموصلۃ إلی ذی الجلال وإن شرعیتہا محل اجماع بلا نزاع"۔

ترجمہ: روضہ رسول کی زیارت بہترین اعمال میں سے ہے اور اللہ تک پہنچانے والی بڑی نیکیوں میں سے ہے اور اس کی مشروعیت پر اجماع ہے کوئی نزاع نہیں۔ (فتح الباری ج ۳ ص ۶۶ بحوالہ اشرف التوضیح) یہی بات ارشاد الساری شرح بخاری میں بھی لکھی ہوئی ہے۔ کوکب الدری کے حاشیہ میں شیخ الحدیث صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں قلت و کذا حکی الاجماع علیہ النووی وابن الہمام وغیرھما۔ (الکوکب الدری ج ۱ ص ۳۳۹ بحوالہ بالا)

شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ المصفی شرح الموطاء میں لکھتے ہیں۔ سنت است زیارت قبر شریف آنحضرت ﷺ بعد فراغ حج باتفاق اہل علم۔ (المصفی ج ۱ ص ۳۳۹ بحوالہ بالا)

جمہور کی چوتھی دلیل مسند احمد کی یہی شد الرحال والی حدیث ہے جس میں مستثنی منہ مذکور ہے جو خاص ہے عام نہیں ہے اور وہ لفظ مسجد ہے الفاظ یہ ہیں "لاینبغی للمطی أن یشد رحلہ الی مسجد تبتغی فیہ الصلوۃ إلا المسجد الحرام والمسجد الاقصی ومسجدی ھذا۔ (رواہ احمد فی مسندہ)

حدثنا ھاشم قال حدثنا عبد الحمید قال حدثنی شھر (بن حوشب) قال سمعت ابا سعید الخدری ذکر عندہ صلوۃ فی الطور فقال قال رسول اللہ ﷺ لاینبغی للمطی أن یشد رحلہ إلی

مسجد يبتغي فيه الصلوٰة غير المسجد الحرام والمسجد الاقصى ومسجدي هذا۔

(واسناده حسن بحواله التعليق الفصيح ص ۱۰۰ نقلا عن عمدة القاري ج ۳ ص ۶۸۷)

جواب: حافظ ابن تیمیہ رحمہ اللہ کی جلالت شان اور دبدبہ علمی اپنی جگہ مسلم ہے۔ مگر زیر بحث حدیث سے زیارت قبر النبی ﷺ کے عدم جواز پر استدلال کرنا بہت ہی بعید بلکہ ابعد بلکہ غیر اصوب ہے کیونکہ اگر اس حدیث میں مستثنیٰ منہ کو عام مواضع اور عام امکنہ لیا جائے تو پھر جیسا روضۂ رسول کی طرف سفر ممنوع ہوگا اسی طرح تجارت کا سفر، طلب علم کا سفر، جہاد کا سفر اور دیگر تمام اسفار سب کے سب ممنوع قرار پائیں گے جس کا کوئی قائل نہیں ہے خود رسول اللہ ﷺ اپنے والدین کی قبر پر گئے ہیں اور شہداء احد کی قبور پر مسلسل حاضری دی ہے۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ جب مسند احمد کی حدیث میں واضح طور پر مستثنیٰ منہ مذکور اور مخصوص ہے اور وہ لفظ ''مسجد'' ہے تو پھر زیر بحث حدیث میں مستثنیٰ منہ کو عام لینے کا کیا جواز باقی رہ جاتا ہے۔

بہر حال زیارت قبر النبی ﷺ سے روکنے کا جو قول حافظ ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے کیا ہے یہ انکے تفردات میں سے ایک تفرد ہے اور تفردات تو علماء کرام کے ہوتے ہیں مگر کسی کے تفرد سے ان کا سارا علم نا قابل اعتماد نہیں ہوتا۔ حضرت قاسم الخیرات قاسم نانوتوی رحمہ اللہ نبی اکرم ﷺ پر متعارف موت آنے کے قائل نہیں تھے بلکہ ایک اور قسم موت کے قائل تھے مگر ان تفردات سے ان حضرات کا علمی مقام اپنی جگہ پر قائم ہے **والله اعلم بالصواب واليه المرجع والمآب۔**

ریاض الجنۃ

﴿۵﴾ وعن أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا بَيْنَ بَيْتِي وَمِنْبَرِي رَوْضَةٌ مِنْ رِيَاضِ الْجَنَّةِ وَمِنْبَرِي عَلَى حَوْضِي (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)[1]

ترجمہ: اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ سرور کائنات ﷺ نے فرمایا ''میرے مکان اور میرے منبر کے درمیان جنت کے باغات میں سے ایک باغ ہے اور میرا منبر میرے حوض (یعنی حوض کوثر) کے اوپر ہے۔'' (بخاری ومسلم)

توضیح: ''مابین بیتی'' آنحضرت ﷺ نے اپنے اس گھر کی طرف اشارہ فرمایا ہے جو حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے لئے خاص تھا جو آدمی قبلہ رخ کھڑے ہو کر دیکھے گا تو منبر سے بائیں جانب حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا حجرہ ہے اور اسی مقام میں حضور اکرم ﷺ کا وصال ہوا اور اسی جگہ آنحضرت ﷺ کی قبر شریف ہے اس گھر اور منبر کے درمیان سفید قالین بچھی ہوئی ہے یہی ریاض الجنۃ ہے اور یہیں پر اسطوانہ توبہ، اسطوانہ عائشہ، اور اسطوانہ الحرس وغیرہ چند مبارک تاریخی ستون ہیں۔

[1] اخرجه البخاري: ۲/۷۷، ۲/۷۹، ۳/۲۹، ۸/۱۵۱

"ومنبری" عرب بادشاہوں سرداروں اور بزرگوں میں رواج تھا کہ ان کے اعلانات اور خطبوں کے لئے خاص منبر ہوتا تھا۔ [۱]
چنانچہ ایک شاعر کہتا ہے ؎

وتحزبو احزباً فكل قبيلة ۔ فيها امير المؤمنين ومنبر

دوسرا شاعر کہتا ہے ؎

واذا اعرنا سيدا من قبيلة ذا منبر صلى علينا وسلما

آنحضرت ﷺ جب مدینہ ہجرت کر کے تشریف لائے تو مسجد نبوی میں منبر نہیں تھا آپ کھجور کے ایک تنے سے ٹیک لگا کر خطبہ ارشاد فرماتے تھے اس تنے کا نام استن حنانہ تھا۔ جنگ بدر سے کچھ پہلے دو ہجری میں آنحضرت ﷺ کو ایک انصاریہ خاتون نے درخواست پیش کی کہ میرا ایک غلام لکڑی کا کام بہت عمدہ جانتا ہے اگر آپ چاہیں تو میں آپ کے لئے منبر تیار کروالیتی ہوں حضور اکرم ﷺ نے ان کو اجازت دیدی اس خاتون کا نام عائشہ انصاریہ تھا ان کے غلام کا نام باقوم رومی تھا، باقوم رومی نے جھاؤ کے درخت سے ایک منبر تیار کیا جس کے تین زینے تھے آنحضرت ﷺ اس پر خطبہ ارشاد فرماتے تھے پھر اس منبر کے زینوں میں اضافہ ہوتا رہا اس وقت اس کے غالبا سات زینے ہیں اور ایک بلند مینار او پر چھت کے قریب تک پہنچتا ہے آنحضرت ﷺ کا اصل منبر کسی حادثہ میں جل گیا تھا اب یہ منبر اسی مقام پر ہے اور لکڑی کا بنا ہوا ہے۔

"روضة" اصل میں روضہ ہرے بھرے نہایت سرسبز وشاداب باغ کو کہتے ہیں۔ [۲]

سوال: مدینہ منورہ میں مسجد نبوی کے اندر ایک خطہ زمین کو جنت کا باغیچہ کس اعتبار سے فرمایا ہے؟۔

جواب: شیخ عبدالحق رحمۃ اللہ علیہ نے اس پر لمعات میں مفصل کلام کیا ہے کہ آیا یہ کلام حقیقت پر محمول ہے یا مجاز ہے؟ پھر آپ نے مجاز کو رد فرمایا اور کہا کہ محققین علماء کی تحقیق کے مطابق یہ کلام حقیقت پر مبنی ہے تو اس کا ایک مطلب یہ ہے کہ یہ مقام قیامت کے روز جنت کی طرف منتقل ہوجائے گا یہ اگرچہ زمین کا ایک ٹکڑا ہے لیکن زمین وآسمان کی ٹوٹ پھوٹ اور قیامت کی ہولناکیوں میں یہ حصہ محفوظ رہیگا اور پھر جنت منتقل ہوجائے گا اس لئے اس حدیث میں اس کو جنت کے باغیچوں میں سے ایک باغیچہ قرار دیا گیا۔ ابن جوزی اور ابن فرحون فرماتے ہیں کہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ [۳] کی یہی رائے ہے علامہ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے اس قول کو راجح قرار دیا ہے اور اکثر محدثین کی یہی رائے ہے۔ اس حدیث کا دوسرا مطلب مالکیہ کے بڑے فقہاء میں سے ابو جمرة رحمۃ اللہ علیہ نے یہ بیان کیا ہے کہ ممکن ہے کہ زمین کا یہ حصہ بعینہ جنت کا ایک ٹکڑا ہو جو وہاں سے اتارا گیا ہے اور مسجد نبوی کے اس مقام میں رکھا گیا ہے جس طرح حجر اسود اور مقام ابراہیم کے دونوں پتھر جنت سے لائے گئے ہیں اور قیامت کے روز واپس اپنے اصلی مقام پر چلے جائیں گے۔ [۴]

---

[۱] اشعة اللمعات: ۳۳۸ المرقات: ۲/۳۹۸ [۲] اشعة اللمعات: ۳۳۸
[۳] اشعة اللمعات: ۳۳۸ المرقات: ۲/۳۹۸ [۴] المرقات: ۲/۳۹۸

سؤال: اب سوال یہ ہے کہ اگر یہ روضہ الجنۃ جنت کا حصہ ہے تو اس میں جنت کی خصوصیات کیوں نہیں۔ مثلاً چمک دمک کیوں نہیں جس سے آفتاب و ماہتاب بے نور ہو جائیں اور جو شخص اس میں بیٹھ جائے تو کبھی اس کو بھوک و پیاس نہ لگے جیسا جنت میں ہوگا مطلب یہ کہ اس میں جنت کی خصوصیات ظاہر کیوں نہیں؟

جواب: جب یہ حصہ دنیا میں لایا گیا تو اس سے جنت کی خصوصیات الگ کردی گئیں یا ان خصوصیات کو پردہ اور حجاب میں رکھا گیا۔

"علی الحوض" اس کا آسان و بے غبار مطلب یہ ہے کہ میدان محشر میں میرا منبر میرے حوض پر ہوگا حوض سے مراد حوض کوثر ہے۔ [1]

مسجد قباء کی فضیلت

﴿٦﴾ وعن ابنِ عُمَرَ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَأْتِيْ مَسْجِدَ قُبَاءَ كُلَّ سَبْتٍ مَاشِيًا وَرَاكِبًا فَيُصَلِّيْ فِيْهِ رَكْعَتَيْنِ. (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ) [2]

ترجمہ: اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم ہر ہفتہ کو پیدل یا سواری پر مسجد قبا تشریف لے جاتے تھے اور اس میں دو رکعت نماز پڑھتے تھے۔" (بخاری، مسلم)

توضیح: "مسجد قباء" حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب مکہ سے مدینہ کی طرف ہجرت فرمائی تو محلہ عمرو بن عوف میں اترے یہیں پر آپ نے تیرہ یا چودہ دن قیام فرمایا اسی قیام کے دوران آپ نے مسجد قباء کی بنیاد ڈالی اسلام میں فضیلت کے اعتبار سے مسجد قباء چوتھے نمبر پر ہے اور تعمیر کے اعتبار سے ہجرت کے بعد یہ اسلام کی پہلی مسجد ہے جو مسجد نبوی سے قریباً تین میل کے فاصلے پر ہے۔ [3]

علامہ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ صحیح حدیث میں ہے کہ اس مسجد میں ہفتہ کے دن دو رکعت نفل پڑھنے سے عمرے کا ثواب ملتا ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول تھا کہ ہفتہ کے دن آپ اس مسجد میں تشریف لیجاتے اور دو رکعت نماز ادا فرماتے اب بھی امت کے لوگ اس سنت پر عمل کرتے ہیں پیدل چلنا سوار ہونے سے افضل ہے۔ [4]

"فیصلی فیہ رکعتین" اہل ظواہر کے ہاں دو رکعت تحیۃ المسجد واجب ہے جمہور علماء کے نزدیک یہ نفل ہے ثواب کا کام ہے ہاں شوافع کے ہاں بیٹھنے سے پہلے پڑھنا ہے بعد میں ثواب نہیں ملے گا احناف کے ہاں ملے گا۔

﴿٧﴾ وعن أَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَحَبُّ الْبِلَادِ إِلَى اللهِ مَسَاجِدُهَا وَأَبْغَضُ الْبِلَادِ إِلَى اللهِ أَسْوَاقُهَا. (رَوَاهُ مُسْلِمٌ) [5]

[1] المرقات: ۲/۳۹۹ [2] اخرجه البخاری: ۲/۷۷ ومسلم: ۲/۱۲۶ [3] المرقات: ۲/۴۰۰ [4] المرقات: ۲/۴۰۰ [5] اخرجه مسلم: ۲/۱۳۲

ترجمہ: اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''خدا کے نزدیک تمام شہروں میں محبوب و پسندیدہ مقامات مساجد ہیں اور بدترین وناپسندیدہ مقامات بازار ہیں۔ (مسلم)

توضیح: "احب البلاد" ظاہر ہے کہ جن مقامات میں اللہ تعالیٰ کی عبادت ہوتی ہے وہ تمام مقامات سے اللہ تعالیٰ کو محبوب ہیں اور مساجد میں جو بنیادی عمل ہوتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کی عبادت ہی ہے نمازیں تہجد نوافل سنن تلاوت ذکر اللہ اذانیں اقامتیں اعتکاف وغیرہ تمام عبادات مسجد میں ہوتی ہیں اس لئے یہ خدا کو پسند ہیں۔[1]
اور بازاروں میں اللہ تعالیٰ کی نافرمانیوں کی بھرمار ہوتی ہے جھگڑے جھوٹ خیانت گالم گلوچ دھوکہ فراڈ اور شوروشغب جنگ وجدال اور بے حیائی بازاروں میں ہوتی ہے اس لئے اللہ تعالیٰ کو یہ مقامات مبغوض ہیں اس سے معلوم ہوا کہ جنت جانے کا راستہ مسجد سے ہے جب تک کوئی مسلمان مسجد نہیں آئے گا وہ مارکیٹ سے جنت نہیں جاسکتا ہے انہیں مساجد کے کونوں سے بے شمار انسان جنت چلے گئے لہٰذا ان کمزور لوگوں کو اور مساجد میں زیادہ رہنے سہنے والوں کو حقیر نہ سمجھا جائے اور بازاروں میں گھومنے والوں کو معزز نہ کہا جائے۔

سوال: یہاں ایک سطحی سوال یہ ہے کہ بازاروں سے زیادہ معاصی کے اڈے تو شراب خانے جواخانے اور فحاشی کے اڈے سنیما گھر وغیرہ ہیں تو ان کو بازاروں سے زیادہ مبغوض کیوں نہیں کہا گیا۔

جواب: اس کا جواب یہ ہے کہ بازاروں کو قائم کرنے اور آباد رکھنے کا حکم شارع کی طرف سے ہے اور ان اڈوں کا تیار کرنا شریعت کی جانب سے نہیں ہے تو حدیث کا مطلب یہ ہوا کہ شارع نے جن چیزوں کی اجازت دی ہے ان میں بدترین جگہیں بازار ہیں۔ دوسرا جواب یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اوپر جن اڈوں اور برائیوں کا ذکر ہوا یہ مقامات بازاروں ہی کا ایک حصہ ہیں یہ بازار سے الگ کوئی چیز نہیں۔

مسجد بنانے کی فضیلت

﴿۸﴾ وعن عُثمانَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ بَنٰى لِلّٰهِ مَسْجِدًا بَنَى اللهُ لَهُ بَيْتًا فِي الْجَنَّةِ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)[2]

ترجمہ: اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''جو شخص خدا کے لئے مسجد بناتا ہے تو خدائے تعالیٰ اس کے لئے جنت میں مکان بنا دیتا ہے۔'' (بخاری، مسلم)

توضیح: "من بنی لله مسجدا" یعنی اللہ تعالیٰ کی رضا اور خوشنودی اور اشاعت اسلام کی نیت سے مسجد بناتا ہے نہ یہ کہ ریاکاری کی غرض سے یا نمود و نمائش اور دنیوی اغراض و مقاصد کے لئے بناتا ہے اس کا ثواب نہیں ہے بعض علماء نے لکھا ہے کہ جو شخص تشہیر کی غرض سے مسجد کو اپنے نام پر رکھتا ہے یہ اس کے عدم اخلاص کی دلیل ہے۔[3]

---
[1] اشعة اللمعات: ۳۲۹ المرقات: ۲/۴۰۰ [2] اخرجه مسلم: ۲/۶۸، ۸/۲۲۲ [3] المرقات: ۲/۴۰۱ اشعة اللمعات: ۳۲۹

"مسجدا" نکرہ تقلیل کے لئے ہے یعنی چھوٹی سی مسجد کیوں نہ ہو یہ ثواب ملے گا ایک روایت میں ہے کہ خواہ بٹیر کے گھونسلے کے برابر کیوں نہ ہو۔ اس میں یہ بھی ممکن ہے کہ ایک شخص مسجد میں معمولی سا حصہ ڈالے پوری مسجد نہ بنائے اس کو بھی مسجد بنانے کا ثواب ملے گا۔

"فی الجنة" جنت میں عالیشان محل ملنا الگ اللہ تعالیٰ کا کرم واحسان ہے لیکن اس بشارت سے یہ معلوم ہوا کہ ایسا شخص جنت جائے گا یہ بڑی بشارت ہے محل ملے یا نہ ملے وہ بعد کی بات ہے جنت تو مل گئی۔

﴿۹﴾ وعن أبي هريرة قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم من غدا إلى المسجد أو راح أعد الله له نزله من الجنة كلما غدا أو راح۔ (متفق عليه)[۱]

ترجمہ: اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ سرور کائنات ﷺ نے فرمایا "جو شخص دن کے اول حصہ میں یا آخری حصہ میں مسجد جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ جنت میں اس کی مہمان نوازی کا سامان تیار کرتا ہے خواہ وہ صبح کو جائے یا شام کو۔" (بخاری ومسلم)

﴿۱۰﴾ وعن أبي موسى قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم أعظم الناس أجرا في الصلاة أبعدهم ممشى والذي ينتظر الصلاة حتى يصليها مع الإمام أعظم أجرا من الذي يصلي ثم ينام۔ (متفق عليه)[۲]

ترجمہ: اور حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ سرور کائنات ﷺ نے فرمایا "نماز کا سب سے زیادہ اجر اس شخص کو ملتا ہے۔ جو باعتبار مسافت کے سب سے زیادہ دور ہو (یعنی جس شخص کا گھر مسجد سے جتنا دور ہوگا اور وہ گھر سے چل کر نماز کے لئے مسجد آئے گا اسے اتنا ہی زیادہ ثواب ملے گا) اور جو شخص نماز کے انتظار میں (مسجد کے اندر بیٹھا) رہتا ہے تا کہ امام کے ساتھ نماز پڑھے تو اس کا ثواب اس شخص سے زیادہ ہے جو (تنہا) اپنی نماز پڑھ کر سو جائے۔" (بخاری ومسلم)

توضیح: "ابعدھم ممشی" یعنی جو شخص دور سے مسجد کی طرف آتا ہے اور جماعت کے ساتھ نماز پڑھتا ہے وہ اس شخص سے ثواب میں بڑھ کر ہے جو مسجد میں قریب سے آتا ہے کیونکہ ان کے اقدام لکھے جاتے ہیں مگر یہ یاد رہے کہ اگر راستے میں ایک مسجد ہے اور اسے چھوڑ کر دوسری مسجد اس لئے جاتا ہے کہ فضیلت بڑھ جائے تو یہ صحیح نہیں ہے خاص کر جب کہ نزدیک والی مسجد کو نقصان بھی ہو رہا ہو پھر یہ گناہ کا کام بن جائے گا۔[۳]

"ثم ینام" یعنی ایک شخص مثلاً عشاء کی نماز تنہا پڑھ کر سو جاتا ہے اگر چہ اس نے بہت افضل وقت میں پڑھ لی مگر جماعت کا انتظار نہیں کیا اور ایک شخص وہ ہے جس نے تاخیر سے نماز پڑھ لی مگر جماعت کا انتظار کیا تو اس انتظار اور جماعت کے ساتھ شامل ہونے کی وجہ سے اس کا اجر بہت زیادہ ہے۔

[۱] اخرجه البخاری: ۱/۱۶۸ ومسلم: ۲/۱۳۲ [۲] اخرجه البخاری: ۱/۱۶۶ ومسلم: ۲/۱۳۰ [۳] اشعة اللمعات: ۳۹۹ المرقات: ۴۰۳

﴿۱۱﴾ وعن جَابِرٍ قَالَ خَلَتِ الْبِقَاعُ حَوْلَ الْمَسْجِدِ فَأَرَادَ بَنُو سَلِمَةَ أَنْ يَنْتَقِلُوْا قُرْبَ الْمَسْجِدِ فَبَلَغَ ذٰلِكَ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ لَهُمْ بَلَغَنِيْ أَنَّكُمْ تُرِيْدُوْنَ أَنْ تَنْتَقِلُوْا قُرْبَ الْمَسْجِدِ قَالُوْا نَعَمْ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَدْ أَرَدْنَا ذٰلِكَ فَقَالَ يَا بَنِيْ سَلِمَةَ دِيَارَكُمْ تُكْتَبُ آثَارُكُمْ دِيَارَكُمْ تُكْتَبُ آثَارُكُمْ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)[۱]

ترجمہ: اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مسجد نبوی کے قریب کچھ مکان خالی ہوئے تو بنو سلمہ نے یہ ارادہ کیا کہ وہ مسجد کے قریب آ جائیں۔ سرور کائنات ﷺ کو جب ان کے اس ارادہ کی خبر ملی تو آپ نے ان سے فرمایا کہ "مجھے یہ معلوم ہوا ہے کہ تم مسجد کے قریب منتقل ہونے کا ارادہ رکھتے ہو"؟ انہوں نے عرض کیا کہ ہاں یا رسول اللہ! ہم نے یہی ارادہ کیا ہے۔" آپ نے فرمایا "بنو سلمہ! تم اپنے مکانوں ہی میں رہو تمہارے قدموں کے نشانات لکھے جاتے ہیں تم اپنے مکانوں ہی میں رہو تمہارے قدموں کے نشانات لکھے جاتے ہیں۔" (مسلم)

توضیح: "خلت البقاع" بقاع بقعۃ کی جمع ہے کھلے میدان کو کہتے ہیں یہاں مکانات مراد ہیں۔[۲]

"**بنو سلمہ**" یہ انصار کا ایک خاندان ہے اس کے لوگ مسجد نبوی سے دور رہتے تھے جب مسجد نبوی کے پاس کچھ مکانات کسی وجہ سے خالی ہو گئے تو انہوں نے ارادہ کیا کہ مسجد کے قریب آ جائیں حضور اکرم ﷺ کو معلوم ہوا تو آپ نے منع فرمایا۔

"**دیارکم**" یہ "**الزموا**" کے لئے مفعول بہ ہے یعنی اپنے مکانات کو لازم پکڑ و وہیں پر رہو کیونکہ تمہارے آنے جانے کے قدم لکھے جاتے ہیں جو تمہارے ترازوئے اعمال میں شامل ہونگے۔ گویا اس آیت کی طرف اشارہ ہے۔ ﴿**ونکتب ما قدموا وآثارهم**﴾ اور ہم لکھتے ہیں جو کچھ انہوں نے آگے بھیجا اور جو کچھ ان کے پیچھے ہیں۔

۲۱ ربیع الاول ۱۴۱۰

میدان محشر میں سات قسم کے لوگ اللہ کی رحمت میں ہونگے

﴿۱۲﴾ وعن أَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَبْعَةٌ يُظِلُّهُمُ اللّٰهُ فِيْ ظِلِّهٖ يَوْمَ لَا ظِلَّ إِلَّا ظِلُّهٗ إِمَامٌ عَادِلٌ وَشَابٌّ نَشَأَ فِيْ عِبَادَةِ اللّٰهِ وَرَجُلٌ قَلْبُهٗ مُعَلَّقٌ بِالْمَسْجِدِ إِذَا خَرَجَ مِنْهُ حَتّٰى يَعُوْدَ إِلَيْهِ وَرَجُلَانِ تَحَابَّا فِي اللّٰهِ اجْتَمَعَا عَلَيْهِ وَتَفَرَّقَا عَلَيْهِ وَرَجُلٌ ذَكَرَ اللّٰهَ خَالِيًا فَفَاضَتْ عَيْنَاهُ وَرَجُلٌ دَعَتْهُ امْرَأَةٌ ذَاتُ حَسَبٍ وَجَمَالٍ فَقَالَ إِنِّيْ أَخَافُ اللّٰهَ وَرَجُلٌ تَصَدَّقَ بِصَدَقَةٍ

---

[۱] اخرجه مسلم: ۲/۱۳۱ [۲] المرقات: ۲/۴۰۳

فَأَخْفَاهَا حَتّٰى لَا تَعْلَمَ شِمَالُهُ مَا تُنْفِقُ يَمِيْنُهُ. (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)[1]

ترجمہ: اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''سات شخص ایسے ہیں جن کو اللہ تعالیٰ اس روز (یعنی قیامت کے دن) اپنے سایہ میں رکھے گا جس روز خدا کے سایہ کے سوا اور کوئی سایہ نہ ہوگا ① انصاف کرنے والا حاکم ② وہ جوان جو اپنی جوانی کو خدا کی عبادت میں صرف کر دے ③ وہ شخص جو مسجد سے نکلتا ہے تو جب تک وہ دوبارہ مسجد میں نہیں چلا جاتا اس کا دل مسجد میں لگا رہتا ہے۔ ④ وہ دو شخص جو محض خدا کے لئے آپس میں محبت رکھتے ہیں اگر یکجا ہوتے ہیں تو خدا کی محبت میں اور جدا ہوتے ہیں تو خدا کی محبت میں یعنی حاضر و غائب خالص لوجہ اللہ محبت رکھتے ہیں ⑤ وہ شخص جو تنہائی میں اللہ کو یاد کرتا ہے اور (خوف خدا سے) اس کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو جاتے ہیں ⑥ وہ شخص جس کو کسی شریف النسب اور حسین عورت نے (برے ارادہ سے) بلایا ہو اور اس نے (اس کی خواہش کے جواب میں) کہہ دیا ہو کہ میں خدا سے ڈرتا ہوں ⑦ وہ شخص جس نے اس طرح مخفی طور پر صدقہ دیا ہو کہ اس کے بائیں ہاتھ کو بھی نہ معلوم ہو کہ دائیں ہاتھ نے کیا خرچ کیا ہے۔'' (بخاری، مسلم)

توضیح: "فی ظله" ظل اصل میں سایہ کو کہتے ہیں یہاں سورج کا سایہ مراد نہیں ہے بلکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے عزت و عظمت اور بزرگی و رحمت کا سایہ مراد ہے۔ بعض علماء نے عرش کا سایہ مراد لیا ہے بعض نے اس سایہ سے راحت و نعمت مراد لیا ہے بہر حال مقصود یہ ہے کہ یہ خوش نصیب سات قسم کے لوگ میدان محشر میں اللہ تعالیٰ کی رحمت میں ہونگے اور ان کو محشر کی کسی پریشانی کا سامنا نہیں ہوگا یہ خصوصی امتیازی شان ان کو اس لئے ملی کہ مثلاً عادل بادشاہ کی عدالت کا اثر اس کی ذات کے علاوہ جملہ مخلوق پر پڑتا ہے تو مخلوق خدا کے لئے امام عادل کی عدالت عمومی رحمت ہے۔ دوسرا شخص نوجوان عابد و زاہد ہے چونکہ اس نے اپنے بھڑکتے جذبات اور عین شباب کے جنونی دور میں اللہ تعالیٰ کی عبادت کا حق ادا کیا اس لئے اس کو یہ اعزاز ملا ہے۔[2]

در جوانی توبہ کردن شیوہ پیغمبریست   وقت پیری گرگ ظالم میشود پرہیزگار

تیسرے شخص کی بھی بڑی قربانی ہے کہ ہر وقت مسجد ہی سے محبت و تعلق رکھتا ہے ظاہر ہے وہ مسجد کا خدمت گار بھی ہوگا اور ہر وقت عبادت گزار بھی ہوگا۔

چوتھی قسم ان دو اشخاص کی ہے جن کی جدائی اور یک جائی صرف اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے ہو، ظاہر ہے اس صورت حال میں وہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کو ہر وقت مدنظر رکھتے ہونگے گویا خداوند قدوس کی قدوسی کا مراقبہ ہر وقت ان کو حاصل ہوگا۔

پانچواں وہ شخص ہے جو بالکل خالی مقام میں اللہ تعالیٰ کی عظمت میں ڈوب کر خوف خدا سے خوب روئے ظاہر ہے کہ یہ رونا ہر قسم کی ریاکاری اور ہر قسم کے اغراض دنیویہ سے پاک ہے اس لئے اس کو یہ مقام ملا ہے۔

چھٹا وہ آدمی ہے کہ وہ ایک بڑی آزمائش میں صرف اللہ تعالیٰ کے خوف سے کامیاب ہوا کہ عام عورت نے نہیں بلکہ

[1] اخرجه البخاری: ۱/۱۶۸، ۱/۱۲۵، ۸/۱۳۸، ۲/۱۳۸ ومسلم: ۲/۹۳ [2] المرقات: ۲/۴۰۵

خوبصورت اور اعلیٰ خاندان سے تعلق رکھنے والی مالدار عورت نے خود اپنے آپ کو پیش کر دیا اب اس گناہ سے بچنے کی وجہ صرف اللہ تعالیٰ کا خوف تھا اس لئے اس شخص کی قدردانی کی گئی اور ساتواں شخص بھی اعلیٰ کردار کا مالک ہے کہ محبت الٰہی میں اتنا مستغرق ہے اور ریاکاری سے اتنا دور ہے کہ مال خرچ کرتے وقت اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو خبر کرنے نہیں دیتا ہے بلکہ کوشش یہ کرتا ہے کہ اس واجبی صدقہ کا علم اپنے بائیں ہاتھ کو بھی نہ ہو، الغرض یہ صرف سات آدمی نہیں بلکہ سات قسم کے لوگ مراد ہیں۔

نماز کے بعد جائے نماز پر بیٹھنے کی فضیلت

﴿۱۳﴾ وعنه قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلَاةُ الرَّجُلِ فِي الْجَمَاعَةِ تَضْعُفُ عَلَى صَلَاتِهِ فِيْ بَيْتِهِ وَفِيْ سُوْقِهِ خَمْسًا وَعِشْرِيْنَ ضِعْفًا وَذَالِكَ أَنَّهُ إِذَا تَوَضَّأَ فَأَحْسَنَ الْوُضُوْءَ ثُمَّ خَرَجَ إِلَى الْمَسْجِدِ لَا يُخْرِجُهُ إِلَّا الصَّلَاةُ لَمْ يَخْطُ خُطْوَةً إِلَّا رُفِعَتْ لَهُ بِهَا دَرَجَةٌ وَحُطَّ عَنْهُ بِهَا خَطِيْئَةٌ فَإِذَا صَلَّى لَمْ تَزَلِ الْمَلَائِكَةُ تُصَلِّيْ عَلَيْهِ مَا دَامَ فِيْ مُصَلَّاهُ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلَيْهِ اَللّٰهُمَّ ارْحَمْهُ وَلَا يَزَالُ أَحَدُكُمْ فِيْ صَلَاةٍ مَا انْتَظَرَ الصَّلَاةَ وَفِيْ رِوَايَةٍ قَالَ إِذَا دَخَلَ الْمَسْجِدَ كَانَتِ الصَّلَاةُ تَحْبِسُهُ وَزَادَ فِيْ دُعَاءِ الْمَلَائِكَةِ اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لَهُ اَللّٰهُمَّ تُبْ عَلَيْهِ مَا لَمْ يُؤْذِ فِيْهِ مَا لَمْ يُحْدِثْ فِيْهِ۔

(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ) [1]

ترجمہ: اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ سرور کائنات ﷺ نے فرمایا۔ ''جماعت کے ساتھ آدمی کی نماز اس نماز سے جو گھر میں یا (تجارت وغیرہ کی مشغولیت کی بناء پر) بازار میں پڑھی جائے پچیس درجہ فضیلت رکھتی ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ جب کوئی شخص اچھی طرح (یعنی آداب و شرائط کو ملحوظ رکھ کر) وضو کرتا ہے اور (کسی غرض کی وجہ سے نہیں بلکہ) صرف نماز ہی کے لئے مسجد آتا ہے تو وہ جو قدم اٹھاتا ہے اس کے ہر قدم کے عوض اس کے ثواب میں ایک درجہ بلند ہوتا ہے اور ایک گناہ کم ہو جاتا ہے (یہاں تک کہ وہ مسجد میں داخل ہو جاتا ہے) اور جب تک وہ نماز پڑھ کر اپنے مصلے پر بیٹھا رہتا ہے فرشتے برابر اس کے لئے یہ دعا کرتے رہتے ہیں۔ "اللهم صل عليه اللهم ارحمه۔ "اے اللہ! اس کی بخشش کر! اے اللہ اس پر رحم کر، اور جب تک تم میں سے کوئی شخص نماز کے انتظار میں رہتا ہے تو اس کا وہ وقت نماز ہی میں شامل سمجھا جاتا ہے) اور ایک روایت کے الفاظ یوں ہیں کہ جب کوئی شخص مسجد میں گیا اور نماز ہی کی وجہ سے وہاں رک گیا تو گویا وہ نماز ہی میں ہے اور فرشتوں کی دعا میں یہ الفاظ زیادہ ہیں اللهم اغفر له اللهم تب عليه (یعنی اے اللہ! اس بندہ کی بخشش فرما، اے اللہ اس کی توبہ قبول فرما) اور (یہ اس وقت تک ہوتا رہتا ہے) جب تک کہ وہ کسی (مسلمان) کو (اپنی زبان یا ہاتھ سے) ایذا نہ پہنچائے اور باوضو رہے۔'' (بخاری و مسلم)

[1] اخرجه البخاري: ۱/۱۲۹، ۱/۱۶۶، ۳/۸۶، مسلم: ۲/۱۲۸، ۲/۲۲۹

توضیح: "خمسا وعشرین ضعفا" آگے باب الجماعت میں اس قسم کی حدیثیں آئیں گی وہاں بحث ہوگی کہ کبھی ۲۵ اور کبھی ۲۷[1] درجہ ثواب کیوں ملتا ہے اس کی بیشی کی وجہ کیا ہے۔ یہاں تو صرف یہ بتایا جارہا ہے کہ جماعت کے بغیر نماز پڑھنے سے جماعت کے ساتھ پڑھی جانی والی نماز کا درجہ حاصل نہیں ہوسکتا ہے ۲۵ یا ۲۷ درجات کا ثواب صرف اس صورت میں ملتا ہے جبکہ نماز جماعت کے ساتھ ہو۔

"فی مصلاہ" شیخ عبدالحق رحمۃ اللہ علیہ نے لمعات میں اس حدیث کے تحت لکھا ہے کہ یہ دگنا ثواب اس وقت ملے گا کہ نمازی جائے نماز پر جم کر بیٹھے ادھر ادھر نہ جائے اگر نمازی مسجد میں ادھر ادھر چلا گیا تب یہ ثواب نہیں ملے گا۔[2]

"مالم یؤذ" کسی انسان یا نمازی کو ایذا و تکلیف نہ پہنچائے یعنی اپنے فعل اور اپنے قول سے کسی کو ایذا نہ پہنچائے۔

"مالم یحدث" یہ جملہ ماقبل مالم یؤذ سے بدل واقع ہے یعنی فرشتوں کی دعا اس وقت تک رہی گی جب تک نمازی باوضو ہو اگر مسجد میں وضو ٹوٹ گیا تو پھر فرشتے دعا نہیں کرتے ہیں۔ شیخ عبدالحق رحمۃ اللہ علیہ نے لمعات میں لکھا ہے کہ یہ صیغہ یحدث تحدیث سے بمعنی کلام بھی ہوسکتا ہے یعنی فضیلت اس وقت تک ہے جب تک نمازی مسجد میں فضول دنیاوی باتیں شروع نہ کرے جب فضول باتیں شروع ہوجائیں گی تو پھر فرشتے اپنی دعا کو موقوف کردیتے ہیں۔ ہر نمازی کو چاہئے کہ مسجد میں باوضو بیٹھا کرے اور جب تک بیٹھا رہے دنیاوی باتوں سے اجتناب کرے۔[3]

مسجد کے ساتھ بیت الخلاء والا معاملہ نہ کرو

﴿۱۴﴾ وعن أَبِي أُسَيْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا دَخَلَ أَحَدُكُمُ الْمَسْجِدَ فَلْيَقُلْ اَللّٰهُمَّ افْتَحْ لِيْ أَبْوَابَ رَحْمَتِكَ وَإِذَا خَرَجَ فَلْيَقُلْ اَللّٰهُمَّ إِنِّيْ أَسْئَلُكَ مِنْ فَضْلِكَ۔[4]

(رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

ترجمہ: اور حضرت ابو اسید رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا'' جب تم میں سے کوئی شخص مسجد میں داخل ہو۔ تو اسے یہ دعا پڑھنی چاہئے۔ اللھم افتح لی ابواب رحمتك (اے اللہ! اپنی رحمت کے دروازے میرے لئے کھول دے) اور جب مسجد سے نکلے تو یہ دعا پڑھ لیا کرے۔ اللھم انی اسئلك من فضلك (اے اللہ! میں تیرا ہی فضل چاہتا ہوں)۔ (مسلم)

توضیح: "فلیقل اللھم" اس حدیث میں مسجد میں جانے اور باہر آنے کے چند آداب کا ذکر ہے اور کچھ آداب قیاس کے طور پر معلوم ہوجاتے ہیں چنانچہ پہلا ادب یہ ہے کہ مسجد میں داخل ہونے کے وقت دایاں پاؤں پہلے داخل کیا جائے اور مسجد سے نکلنے کے وقت بایاں پیر پہلے نکالدے۔ یہ اس لئے کہ مسجد کے ساتھ بیت الخلا والا معاملہ نہ ہوجائے کیونکہ بیت الخلا میں داخل ہونے کے وقت شریعت کا حکم ہے کہ پہلے بایاں پیر اندر رکھو پھر دایاں رکھو اور نکلتے وقت

[1] المرقات: ۲/۴۰۷ [2] اشعۃ اللمعات: ۳۵۱ [3] اشعۃ اللمعات: ۳۵۱ [4] اخرجہ مسلم: ۲/۱۵۵

دایاں پہلے نکالو اور بایاں بعد میں نکالو [۱] اب اگر کوئی شخص اس تعلیم وتربیت کے خلاف چلتا ہے تو وہ لاشعوری میں مسجد کیساتھ بیت الخلاء والا معاملہ کرتا ہے اور بیت الخلاء کے ساتھ مسجد والا معاملہ کرتا ہے۔ یہاں اس حدیث میں مسجد میں داخل ہونے کی دعا بھی مذکور ہے ہر مسلمان کو چاہیئے کہ وہ خدا کے گھر میں قدم رکھتے ہی اپنے لئے رحمت خداوندی کی وسعت کی دعا مانگے اور جب مسجد سے باہر قدم رکھے تو روحانیات سے مالا مال ہونے کے بعد مادیات اور حلال رزق کی دعا مانگے کیونکہ مسجد سے باہر زیادہ تر دنیا ہی سے واسطہ پڑتا ہے بعض روایات میں دخول مسجد کے وقت مذکورہ دعا کے ساتھ ان الفاظ کا اضافہ بھی ہے "بسم الله والسلام على رسول الله" [۲] اگر کوئی شخص یہ بھی پڑھے تو کوئی مضائقہ نہیں، بلکہ بہت اچھا ہے۔

دخول مسجد کے بعد دو رکعت نماز پڑھا کرو

﴿۱۵﴾ وعن أَبِي قَتَادَةَ أَنَّ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِذَا دَخَلَ أَحَدُكُمُ الْمَسْجِدَ فَلْيَرْكَعْ رَكْعَتَيْنِ قَبْلَ أَنْ يَجْلِسَ. (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ) [۳]

ترجمہ: اور حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ سرور کائنات ﷺ نے فرمایا۔ جب تم میں سے کوئی شخص مسجد میں داخل ہوتو اسے چاہئے کہ بیٹھنے سے پہلے دو رکعت نماز پڑھ لے۔" (بخاری ومسلم)

توضیح: "فلیرکع" یہ دو رکعت تحیۃ المسجد کے نام سے مشہور ہے اگر اس میں تحیۃ الوضوء کی نیت بھی کی جائے تو اس کا ثواب بھی ان شاء اللہ حاصل ہوجائے گا اب ان دو رکعتوں کے پڑھنے کی حیثیت کیا ہے تو اہل ظواہر اور شوافع حضرات کے نزدیک دخول مسجد کے بعد دو رکعت نماز ادا کرنا واجب ہے خواہ کوئی بھی وقت ہو ثواب ملیگا البتہ شوافع حضرات فرماتے ہیں کہ یہ ثواب قبل قعود حاصل ہوگا اگر نمازی مسجد میں بیٹھ گیا تو یہ ثواب حاصل نہیں ہوگا۔ جمہور فقہاء کے نزدیک تحیۃ المسجد کی دو رکعت واجب نہیں ہے بلکہ یہ نفل ہے جو مستحب ہے۔ اہل ظواہر اور شوافع زیر بحث روایت میں امر کے صیغہ کو دیکھتے ہیں کہ یہ وجوب کے لئے ہے۔ [۴] جمہور کہتے ہیں کہ امر کا یہ صیغہ وجوب کے لئے نہیں بلکہ استحباب پر محمول ہے۔ ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ مرقات میں اس حدیث کے تحت لکھتے ہیں کہ اگر دخول مسجد کے وقت کوئی آدمی بے وضو ہو یا وقت مکروہ ہو تو چار مرتبہ **سبحان الله والحمد لله ولا اله الا الله والله اكبر ولا حول ولا قوة الا بالله العلى العظيم** پڑھے اس سے دو رکعت نماز کا ثواب حاصل ہوجائے گا۔ (کذا فی المرقات) [۵]

[۱] المرقات: ۲/۴۰۹ [۲] اخرجه البخاری: ۱/۱۲۲، ۲/۷۰ ومسلم: ۲/۱۵۵ [۳] المرقات: ۲/۴۱۰

[۴] المرقات: ۲/۴۱۰ [۵] المرقات: ۲/۴۱۰

سفر سے واپسی کے وقت کچھ دیر مسجد میں بیٹھنا چاہئے

﴿۱۶﴾ وعن كَعْبِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَقْدَمُ مِنْ سَفَرٍ إِلَّا نَهَارًا فِي الضُّحَى فَإِذَا قَدِمَ بَدَأَ بِالْمَسْجِدِ فَصَلَّى فِيهِ رَكْعَتَيْنِ ثُمَّ جَلَسَ فِيهِ. (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)[1]

ترجمہ: اور حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ سرور کائنات ﷺ (کی عادت تھی) جب سفر سے واپس تشریف لاتے تو چاشت کے وقت آتے اور سب سے پہلے مسجد میں تشریف لے جاتے اور وہاں دو رکعت نماز پڑھ کر (تھوڑی دیر تک) بیٹھے رہتے۔ (پھر مکان میں تشریف لے جاتے)۔ (بخاری ومسلم)

توضیح: "بدأ بالمسجد" یعنی آنحضرت ﷺ کا عام معمول یہ تھا کہ اپنے سفر سے واپسی کے وقت رات کے بجائے دن کے وقت مدینہ منورہ تشریف لاتے تھے اور جب دن کو تشریف آوری ہوتی تھی تو آپ گھر جانے کے بجائے مسجد نبوی میں کچھ دیر تشریف رکھتے تھے اس سے ایک فائدہ یہ ہوتا تھا کہ اگر چاشت کا وقت ہوتا تو چاشت کی نماز پڑھ لیتے تھے یا تحیۃ المسجد کا ثواب حاصل کرتے تھے اور دوسرا فائدہ یہ کہ مدینہ منورہ میں جن صحابہ نے فراق کے اوقات گذارے تھے ان کو مسجد میں ایک ساتھ زیارت کا موقع ملتا اور ایک دوسرے کے احوال کا علم ہو جاتا تھا۔ تیسرا فائدہ یہ تھا کہ گھروں میں خواتین اور ازواج مطہرات اپنے آپ کو اور گھروں کو صاف ستھرا رکھنے کا انتظام کر لیتی تھیں اس حدیث میں امت کے لئے بہت اچھی معاشرتی تعلیم ہے۔[2]

مسجد میں گم شدہ چیز کا اعلان کرنا منع ہے

﴿۱۷﴾ وعن أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ سَمِعَ رَجُلًا يَنْشُدُ ضَالَّةً فِي الْمَسْجِدِ فَلْيَقُلْ لَا رَدَّهَا اللهُ عَلَيْكَ فَإِنَّ الْمَسَاجِدَ لَمْ تُبْنَ لِهٰذَا. (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)[3]

ترجمہ: اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ سرور کائنات ﷺ نے فرمایا۔ "جو شخص یہ سنے (یا دیکھے) کہ کوئی شخص مسجد میں اپنی کوئی گم شدہ چیز تلاش کر رہا ہے تو اسے چاہئے کہ وہ اس کے جواب میں یہ کہہ دے کہ "خدا کرے تیری گمشدہ چیز تجھے نہ ملے" اس لئے کہ مسجدوں کو اس لئے نہیں بنایا گیا ہے کہ (ان میں جا کر گمشدہ چیزوں کو تلاش یا دریافت کیا جائے)۔ (مسلم)

توضیح: "لا ردها الله عليك" علما نے لکھا ہے کہ اس حدیث کے ظاہری الفاظ پر عمل کرنے کیلئے اگر کوئی شخص اس طرح بددعا کرے تو یہ جائز ہے مگر دل سے بددعا کی نیت نہ ہو ہاں اگر کوئی شخص یہ سوچتا ہے کہ اس طرح بددعا کرنے سے اس شخص[4] کو اور دیگر لوگوں کو عبرت حاصل ہو جائے گی اور وہ آیندہ مساجد میں اس طرح اعلانات نہیں کریں گے

---

[1] اخرجه البخاري: ۴/۹، ۴/۵۸، ۴/۲۲۹، ۶/۹۹ ومسلم: ۸/۱۰۵، ۸/۱۱۲ [2] المرقات: ۲/۴۱۱ اشعة المعات: ۳۵۲

[3] اخرجه مسلم: ۲/۸۲ [4] المرقات: ۲/۴۱۱ اشعة المعات: ۳۵۲

تو پھر دل سے بددعا کرنے کی بھی گنجائش ہوگی۔

آج کل مساجد میں ائمہ حضرات کے ساتھ عوام کے اکثر جھگڑے انہی اعلانات پر کھڑے ہوجاتے ہیں۔ گمشدہ بچوں کے اعلانات اور جنازوں کے اوقات اور مردوں کی اموات کے اعلانات مساجد سے ہی ہوتے ہیں۔ بلکہ پنجاب کے اطراف میں سنا ہے کہ مرغیوں اور بکریوں کی گمشدگی کے اعلانات بھی ہوتے ہیں۔ یہ بہت برا ہے مساجد کے منتظمین کو چاہئے کہ اعلانات کے لئے مسجد سے باہر لاؤڈ اسپیکر کا انتظام کریں یہاں یہ بھی یاد رکھیں کہ صرف گمشدہ چیز کے اعلان کی بات نہیں ہے بلکہ ہر وہ عمل جو مسجد کی تعمیر کے مقاصد کے منافی ہو اس کا شور مسجد میں کرنا جائز نہیں ہے سلف صالحین کے ہاں تو مسجد میں کسی سائل کو صدقہ دینا بھی منع تھا حدیث کا آخری جملہ "فان المساجد لم تبن لهذا" اسی عموم کی طرف اشارہ کرتا ہے۔

بدبودار اشیاء کھا کر مسجد میں نہیں جانا چاہئے

﴿۱۸﴾ وعن جابرٍ قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم من أكل من هذه الشجرة المنتنة فلا يقربن مسجدنا فإن الملائكة تتأذى مما يتأذى منه الإنس۔ (متفق عليه) [۱]

ترجمہ: اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "جو شخص اس بدبودار درخت (یعنی پیاز، لہسن وغیرہ) میں سے کچھ کھائے تو وہ ہماری مسجد کے قریب بھی نہ آئے کیونکہ جس (بدبو) سے انسان کو تکلیف ہوتی ہے اس سے فرشتوں کو بھی تکلیف پہنچتی ہے۔" (بخاری ومسلم)

توضیح: "الشجرة المنتنة" بدبودار درخت سے پیاز اور لہسن مراد ہے جیسا کہ آئندہ حدیث میں آرہا ہے مطلب یہ ہے کہ جس طرح بدبودار چیزوں سے انسانوں کو تکلیف ہوتی ہے اسی طرح فرشتوں کو بھی تکلیف ہوتی ہے اس لئے مسلمانوں کو چاہئے کہ پیاز لہسن کھا کر مسجدوں میں نہ آیا کریں کیونکہ مسجد میں انسانوں کے ساتھ فرشتے بھی آتے ہیں ان کو ایذا پہنچ جائے گی۔ اس حکم میں ہر وہ چیز داخل ہے جو بدبودار ہو خواہ کھانے پینے کی چیزیں مثلاً گندنا مولی نسوار سگریٹ تمباکو والا پان یا دیگر بدبودار اشیاء سب کو یہ حکم شامل ہے نیز اگر کسی کے بغل سے یا منہ سے یا جسم کے کسی زخم سے بدبو اٹھتی ہو اس کا بھی یہی حکم ہے کہ مسجد میں ایسے لوگ نہ آئیں [۲] اگر وہ باز نہیں آتے تو حکومت پر لازم ہے کہ انہیں روکے تاکہ نمازیوں اور فرشتوں کو ایذا نہ پہنچے بدبودار اشیاء کے استعمال کے بعد سونف یا گڑ استعمال کرنا چاہئے جس سے بدبو ختم ہوجاتی ہے یہ علاج ہے۔ مساجد کی قید کوئی احترازی نہیں ہے بلکہ علماء لکھتے ہیں کہ ایسے لوگوں کو مواعظ کی مجالس ذکر واذکار کی محافل اور قرآن وحدیث کی درسگاہوں میں بھی نہیں جانا چاہئے۔ شیخ عبدالحق رحمہ اللہ نے لمعات میں لکھا ہے کہ عام مجالس مثلاً دعوت ولیمہ وغیرہ میں بھی نہیں جانا چاہئے۔ [۳]

---

[۱] اخرجه مسلم: ۲/۶۹ [۲] المرقات: ۲/۳۱۲ اشعة اللمعات: ۳۵۲ [۳] اشعة اللمعات: ۳۵۲

"مسجدنا" اس لفظ سے حضور اکرم ﷺ نے عموم کی طرف اشارہ فرمادیا کہ یہ حکم صرف مسجد نبوی کے ساتھ خاص نہیں بلکہ مسلمانوں کی عام مساجد کا یہی حکم ہے اسی لئے "مساجدنا" کے علاوہ "مساجدنا" کے الفاظ بھی آئے ہیں۔ اور جہاں مسجدی کے الفاظ آئے ہیں تو وہ مزید تشدید وتغلیظ کی وجہ سے ہے کہ دیگر مساجد کی نسبت مسجد نبوی میں اس بدبو سے سخت احتراز کرنا چاہئے۔

﴿۱۹﴾ وعن أَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلْبُزَاقُ فِي الْمَسْجِدِ خَطِيْئَةٌ وَكَفَّارَتُهَا دَفْنُهَا۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)[۱]

ترجمہ: اور حضرت انس رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ سرور کائنات ﷺ نے فرمایا۔ "مسجد میں تھوکنا گناہ ہے اور اس کا کفارہ یہ ہے کہ اس تھوک کو زمین میں دبادیا جائے۔" (بخاری ومسلم)

توضیح: "البزاق" یعنی مسجد میں تھوکنا ایک قسم کا گناہ ہے اس گناہ کا کفارہ یہ ہے کہ اس کا ازالہ کیا جائے۔[۲]
"دفنها" دفن کرنے سے مراد زائل کرنا ہے یہ مطلب نہیں کہ مسجد میں تھوکتے جاؤ اور دفن کرتے جاؤ ہاں اگر مسجد کا حصہ ایسا ہے کہ اس میں مٹی اور ریت کے تودے ہیں تو اس میں دبانا زیادہ مناسب ہے مگر قصداً تھوکنا مراد نہیں ہے یہ سب اضطرار کی صورت ہے یہاں چند الفاظ میں فرق کرنا ضروری ہے۔
بزاق اور بصاق اور بساق اور تفل منہ کی تھوک کو کہتے ہیں مگر جب تک منہ میں ہو تو وہ "ریق" کہلاتا ہے۔
"النخامة" یہ اس بلغم کا نام ہے جو سینہ سے اوپر منہ میں آجائے اس کو نخاعہ بھی کہتے ہیں النخاع یہ اس بلغم کا نام ہے جو دماغ سے نیچے منہ میں آجائے۔ (کذا فی اللمعات) تاہم یہ باریک فرق ہے مگر یہ الفاظ ایک دوسرے پر بولے جاتے ہیں۔

﴿۲۰﴾ وعن أَبِي ذَرٍّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عُرِضَتْ عَلَيَّ أَعْمَالُ أُمَّتِي حَسَنُهَا وَسَيِّئُهَا فَوَجَدْتُ فِي مَحَاسِنِ أَعْمَالِهَا الْأَذٰى يُمَاطُ عَنِ الطَّرِيْقِ وَوَجَدْتُ فِي مَسَاوِئِ أَعْمَالِهَا النُّخَاعَةَ تَكُوْنُ فِي الْمَسْجِدِ لَا تُدْفَنُ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)[۳]

ترجمہ: اور حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ سرور کائنات ﷺ نے فرمایا۔ "میرے سامنے میری امت کے اچھے اور برے اعمال پیش کئے گئے میں نے اس کے نیک اعمال میں تو راستہ سے تکلیف دینے والی چیز کو دور کر دینا پایا اور برے اعمال میں مسجد کے اندر تھوکنا دیکھا جس کو دبایا نہ گیا ہو۔" (مسلم)

[۱] اخرجه البخاری: ۱/۱۱۳ ومسلم: ۲/۷۷ [۲] المرقات: ۲/۴۱۳ اشعة اللمعات: ۳۵۳ [۳] اخرجه مسلم: ۲/۷۷

حالت نماز میں بلغم آجائے تو کیا کرے؟

﴿۲۱﴾ وعن أبي هريرة قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم إذا قام أحدكم إلى الصلاة فلا يبصق أمامه فإنما يناجي الله ما دام في مصلاه ولا عن يمينه فإن عن يمينه ملكاً وليبصق عن يساره أو تحت قدمه فيدفنها وفي رواية أبي سعيد تحت قدمه اليسرى. (متفق عليه) [1]

ترجمہ: اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ سرور کائنات ﷺ نے فرمایا "جب تم میں سے کوئی شخص نماز پڑھنے کھڑا ہو تو اسے چاہئے کہ اپنے سامنے نہ تھوکے اس لئے کہ وہ جب تک نماز کی حالت میں ہوتا ہے تو وہ اپنے پروردگار سے مناجات (سرگوشی) کرتا ہے اور اسے اپنے دائیں طرف بھی نہ تھوکنا چاہئے کیونکہ دائیں طرف ایک فرشتہ ہوتا ہے ہاں بائیں طرف یا قدموں کے نیچے تھوک لے اور پھر اسے زمین میں دبا دے۔" ابوسعید کی روایت میں یہ الفاظ ہیں "بلکہ اپنے بائیں قدم کے نیچے تھوک لے۔"

(بخاری ومسلم)

توضیح: "فانما يناجي الله" اس حدیث میں نمازی کی تشبیہ اس شخص سے دی گئی ہے جو اپنے واجب الاحترام مالک کے سامنے کھڑا ہو اور اس سے سرگوشی کر رہا ہو، اس حالت اور اس کیفیت میں وہ شخص اپنے مالک کی عزت واحترام کے تمام آداب کا خیال رکھتا ہے اور اس کی طرف تھوکنا بالکل گوارہ نہیں کرتا ہے اسی طرح نمازی کے لئے بھی واجب ہے کہ وہ جب اپنے حقیقی مالک کے سامنے نماز کے لئے کھڑا ہو تو تمام آداب کا خیال رکھے اور حضوری کی شرائط کی پابندی کرے وہ یہ کوشش کرے کہ اپنے مالک حقیقی کے سامنے بالکل نہ تھوکے لیکن اگر تھوکنے پر مجبور ہو جائے تو پھر اس کو چاہئے کہ سامنے کی جانب نہ تھوکے اللہ تبارک وتعالیٰ کی ذات اقدس اگرچہ جہت اور سمت کی قیودات سے پاک ہے مگر اسلام نے آداب حضور کے طریقوں سے مسلمانوں کو روشناس کرایا ہے کہ رب ذوالجلال کے دربار میں حاضری کے وقت صورۃً بھی کوئی ایسا طریقہ اختیار نہ کیا جائے جو پروردگار کی شان کبریائی کے منافی ہو۔ [2]

"عن يمينه ملكا" اس فرشتہ سے کراماً کاتبین کے علاوہ کوئی دوسرا فرشتہ مراد ہے جو خاص طور پر نماز کے وقت آکر دائیں جانب کھڑا ہوتا ہے اور نمازی کی رہنمائی اور اس کے لئے دعا کرتا ہے گویا یہ ایک مہمان ہے پھر فرشتہ ہے اس کا احترام نمازی پر واجب ہے لہٰذا اس کی طرف تھوکنا منع ہے یا فرشتہ سے کراماً کاتبین مراد ہے اس کا احترام بھی لازم ہے یہ افضل ہے اس فرشتہ سے جو بائیں جانب ہوتا ہے اور انسان کی برائی لکھتا ہے دائیں طرف کا فرشتہ امیر ہے بائیں طرف کا مامور ہے اس لئے دائیں جانب تھوکنے سے منع فرما دیا۔

---

[1] اخرجه البخاري: ۱/۱۱۳ ومسلم: ۲/۷۵ [2] الكاشف: ۲/۲۷۸

۲۲ ربیع الاول ۱۴۲۰ھ

کسی بھی قبر کو سجدہ گاہ بنانا حرام ہے

﴿۲۲﴾ وعن عَائِشَةَ أَنَّ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ فِيْ مَرَضِهِ الَّذِيْ لَمْ يَقُمْ مِنْهُ لَعَنَ اللهُ الْيَهُوْدَ وَالنَّصَارٰى اِتَّخَذُوْا قُبُوْرَ أَنْبِيَاءِهِمْ مَسَاجِدَ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

ترجمہ: اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کہتی ہیں کہ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بیماری میں جس سے آپ اٹھ نہ سکے (یعنی مرض وفات میں) فرمایا ''عیسائیوں اور یہودیوں پر خدا کی لعنت ہو انہوں نے اپنے انبیاء کی قبروں کو سجدہ گاہ بنا رکھا ہے۔ (بخاری، مسلم)

توضیح: ''لعن الله الیهود'' جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے معلوم ہوا کہ اب آپ دنیا سے جلد جانے والے ہیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو خوف لاحق ہو گیا کہ کہیں آپ کی امت کے کچھ لوگ آپ کی قبر شریف کے ساتھ وہ معاملہ نہ کریں جو معاملہ یہود ونصاری نے اپنے انبیاء کی قبور کے ساتھ کیا اس وجہ سے آپ نے اپنی امت کو تنبیہ فرما دی کہ یہود ونصاری جس کام سے ملعون ٹھہرے ہیں تم اس سے بچتے رہو۔[۱]

شیخ عبدالحق رحمہ اللہ نے لمعات میں علامہ تورپشتی رحمہ اللہ کے حوالہ سے لکھا ہے کہ قبروں کو سجدگاہ بنانا دو طریقوں سے ہوتا ہے ایک طریقہ یہ ہے کہ محض قبر کی عبادت کی نیت سے قبروں پر سجدہ کیا جائے (جیسا کہ آج کل عام ہے) دوسرا طریقہ یہ ہے کہ عبادت تو اللہ تعالیٰ کے لئے ہو لیکن سجدگاہ کسی نبی کی قبر کو بنایا جائے کہ اس طرح کی عبادت باعث قبول ہوگی کیونکہ اس میں اللہ تعالیٰ کی عبادت بھی ہے اور انبیاء کرام اور ان کی قبور کی تعظیم بھی ہے یہ دونوں طریقے غیر مشروع ہیں اور خدا اور اس کے رسول کے ہاں ناپسندیدہ ہیں۔ پہلا طریقہ تو خالص شرک اور کفر ہے اور دوسرا طریقہ بھی حرام ہے کیونکہ یہ اگرچہ شرک جلی نہیں ہے لیکن خفی اور معنوی شرک ہے کیونکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا **''اللهم لا تجعل قبري وثنا يعبد اشتد غضب الله على قوم اتخذوا قبور انبياء هم مساجد''** علامہ تورپشتی رحمہ اللہ مزید تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ اس سے معلوم ہوا کہ کسی نبی یا کسی ولی کی قبر کی طرف بطور تبرک یا بطور تعظیم نماز پڑھنا حرام ہے۔[۲]

علامہ نووی رحمہ اللہ نے بھی لکھا ہے کہ کسی قبر کی طرف یا اس کے پاس بطور تبرک وتعظیم نماز نہ پڑھی جائے کیونکہ اس کی ممانعت میں صحیح احادیث موجود ہیں۔ اور اس حرمت میں کسی شک وشبہ کی گنجائش نہیں ہے اور مجھے معلوم نہیں کہ بطور تعظیم وتبرک کسی نبی یا ولی کی قبر کی طرف نماز پڑھنے کی حرمت میں کسی کو اختلاف ہو۔ علامہ تورپشتی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ اگر قبور کے پاس کوئی مسجد ہو یا کوئی ایسی جگہ ہو کہ جہاں سے نماز پڑھتے وقت قبور نظر نہیں آتی ہوں تو ایسی جگہ میں نماز پڑھنے کی

[۱] المرقات: ۲/۴۱۵، ۴۱۶ اشعة اللمعات: ۳۵۳ [۲] اشعة اللمعات: ۳۵۳

گنجائش ہے نیز ایسی جگہ میں بھی نماز پڑھنے کی گنجائش ہے جہاں پہلے انبیاء کرام کی قبور ہوں مگر بعد میں اس کا کوئی نشان باقی نہ رہا ہو جیسے مشہور ہے کہ حطیم میں حضرت اسماعیل علیہ السلام کی قبر ہے حالانکہ لوگ وہاں نماز پڑھتے ہیں۔

(کذافی اللمعات)[1]

بہرحال آج کل عوام الناس اولیاء کے مزارات پر جو خلاف شرع سجدے اور طواف کرتے ہیں اور دیگر ناروا افعال کا جو ارتکاب کرتے ہیں یہ اسلام اور قرآن کی تعلیمات کے سراسر منافی ہیں کسی نے صحیح کہا ہے۔

زندگی اس کی ہے ملت کے لئے پیغام موت　　کر رہا ہو جو بجائے کعبہ قبروں کا طواف

﴿۲۳﴾ وعن جُنْدُبٍ قَالَ سَمِعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ أَلَا وَإِنَّ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ كَانُوْا يَتَّخِذُوْنَ قُبُوْرَ أَنْبِيَاءِهِمْ وَصَالِحِيْهِمْ مَسَاجِدَ أَلَا فَلَا تَتَّخِذُوا الْقُبُوْرَ مَسَاجِدَ إِنِّيْ أَنْهَاكُمْ عَنْ ذٰلِكَ. (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)[2]

ترجمہ: اور حضرت جندب رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ سرور کائنات ﷺ نے فرمایا "آگاہ رہو! تم سے پہلے (یعنی دوسری امتوں کے) لوگوں نے اپنے انبیاء اور اولیاء کی قبروں کو سجدہ گاہ بنالیا تھا۔ لہٰذا خبردار! تم لوگ قبروں کو سجدہ گاہ نہ بنانا میں تمہیں اس سے منع کرتا ہوں۔" (مسلم)

﴿۲۴﴾ وعن ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِجْعَلُوْا فِيْ بُيُوْتِكُمْ مِنْ صَلَاتِكُمْ وَلَا تَتَّخِذُوْهَا قُبُوْرًا. (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)[3]

ترجمہ: اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ سرور کائنات ﷺ نے فرمایا "تم کچھ نمازیں اپنے گھروں میں بھی پڑھ لیا کرو اور گھروں کو قبریں نہ بناؤ۔" (بخاری، مسلم)

توضیح: **"من صلوتکم"** یعنی اپنی نوافل اور سنن جن میں جماعت نہیں ہوتی ان کو گھروں میں پڑھا کرو اس سے تمہارے گھروں میں نماز کی برکت آئے گی اور عبادت کی وجہ سے گھر میں ہدایت کی روشنی آئے گی۔[4]

"ولا تتخذوھا قبورا" یعنی گھروں کو عبادت سے ایسا خالی نہ رکھو جیسا کہ قبور عبادت سے خالی ہوتی ہیں۔ بلکہ سنن اور نوافل کا ایک حصہ گھر میں پڑھا کرو یہی وجہ ہے کہ فقہاء نے سنت و نوافل گھر میں پڑھنے کو افضل قرار دیا ہے یہ معنی زیادہ واضح ہے بعض شارحین نے یہ مطلب لیا ہے کہ اپنے مردوں کو گھروں میں نہ دفنایا کرو گھروں کو قبرستان نہ بنایا کرو یہ مطلب بعید ہے۔

[1] اشعة اللمعات: ۳۵۴　[2] اخرجه مسلم: ۲/۶۷

[3] اخرجه البخاري: ۱/۱۱۸ ومسلم: ۲/۱۸۷　[4] المرقات: ۲/۴۱۷

الفصل الثانی

﴿۲۵﴾ عن أبي هريرة قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم ما بين المشرق والمغرب قبلة. (رواه الترمذي)[1]

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ سرور کائنات ﷺ نے فرمایا "مشرق و مغرب کے درمیان قبلہ ہے۔" (ترمذی)

توضیح: "قبلة" اس حدیث کا تعلق مدینہ منورہ سے ہے دیگر ممالک کا حکم اس طرح نہیں ہے اور شریعت میں کئی مسائل ایسے ہیں جن کا خصوصی تعلق کسی مکان یا زمان سے ہوتا ہے چونکہ مدینہ منورہ جہاں واقع ہے اس کے جانب شمال میں شام واقع ہے اور جانب جنوب میں مکہ واقع ہے جانب مشرق میں خراسان واقع ہے اور جانب مغرب میں مغربی علاقے ہیں تو اس حدیث کا مطلب یہ ہوا کہ جو لوگ مدینہ میں رہتے ہیں یا مدینہ کی جانب میں رہتے ہیں ان کی نماز کے لئے قبلہ مشرق اور مغرب کے درمیان ہے یعنی نہ مشرق ان کا قبلہ ہے نہ مغرب ان کا قبلہ ہے بلکہ ان دونوں کے درمیان جنوب ان کا قبلہ ہے مشرق و مغرب **صيفا وشتاء** بدلتے رہتے ہیں لیکن درمیان کے لفظ میں بہت وسعت ہے لہٰذا ہر موسم میں قبلہ درمیان ہی میں رہتا ہے۔[2]

﴿۲۶﴾ وعن طلق بن علي قال خرجنا وفدا إلى رسول الله صلى الله عليه وسلم فبايعناه وصلينا معه وأخبرناه أن بأرضنا بيعة لنا فاستوهبناه من فضل طهوره فدعا بماء فتوضأ وتمضمض ثم صبه لنا في إداوة وأمرنا فقال اخرجوا فإذا أتيتم أرضكم فاكسروا بيعتكم وانضحوا مكانها بهذا الماء واتخذوها مسجدا قلنا إن البلد بعيد والحر شديد والماء ينشف فقال مدوه من الماء فإنه لا يزيده إلا طيبا. (رواه النسائي)[3]

ترجمہ: اور حضرت طلق بن علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم ایک جماعت کی شکل میں سرور کائنات ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ہم سب نے آپ سے (اسلام کی) بیعت کر کے آپ کے ہمراہ نماز پڑھی اور پھر یہ بھی عرض کر دیا کہ ہماری سرزمین پر ہمارا ایک گرجا بنا ہوا ہے (اس کو کیا کریں؟) اس کے بعد ہم نے آپ کے وضو کا بچا ہوا پانی مانگا۔ آپ نے پانی منگایا اور وضو کیا اور (وضو کے بعد بقیہ پانی سے) کلی کی اور اس کلی کا پانی ہماری چھاگل میں ڈال دیا اور فرمایا کہ جاؤ! اور جب تم اپنے ملک میں پہنچو تو اس گرجا کو توڑ کر اس کی جگہ یہ پانی چھڑک دینا (تاکہ دین و اسلام کے انوار و برکات وہاں پھیل جائیں) اور پھر وہاں مسجد بنا لینا۔" ہم نے عرض کیا کہ ہمارا شہر تو بہت دور ہے اور گرمی سخت ہے لہٰذا یہ پانی وہاں پہنچتے پہنچتے خشک ہو جائے گا۔" آپ نے فرمایا اس

---
[1] اخرجه الترمذي: ۳۴۲ [2] اشعة اللمعات: ۴۵۴ [3] اخرجه النسائي: ۲/۳۸

میں اور پانی ملا لینا اس سے اس کی پاکیزگی و برکت ہی میں اضافہ ہوگا۔" (نسائی)

توضیح: "وفدا" ضرب یضرب سے وفدًا اوفودًا او وفادۃً اس معزز جرگہ کا نام ہے جو کسی قوم کی طرف سے کسی امیر کے پاس اپنا معاملہ لیکر جاتا ہے اس کا مفرد وافد ہے ۹ھ کو سنۃ الوفود کے نام سے یاد کیا جاتا ہے مسجد نبوی میں ان وافدین کا قیام ہوتا تھا اس میں ایک ستون کا نام اسطوانۃ الوفود ہے وفد عبدالقیس کا قصہ مشہور ہے وہاں تشریح بھی ہو چکی ہے "بیعۃ" عیسائیوں کی عبادت گاہ کا نام ہے اور اس کو گرجا کہتے ہیں اور کنیسۃ" یہودیوں کی عبادت گاہ کا نام ہے اور مسجد مسلمانوں کی عبادت گاہ کا نام ہے۔ شارحین نے لکھا ہے کہ وفد کے یہ لوگ پہلے عیسائی تھے پھر جب مسلمان ہو گئے تو انہوں نے اپنے گرجے کو گرانا چاہا تاکہ اس کی جگہ مسلمانوں کی طرح مسجد بنائیں لیکن انہوں نے چاہا کہ چونکہ گرجا میں غیر اللہ کی پرستش کے اثرات پڑے ہیں اس کو زائل کرنے کے لئے اس جگہ کو دھویا جائے اور پھر آنحضرت ﷺ کے تبرک کا پانی اس پر چھڑکا جائے اس مقصد کے لئے انہوں نے حضور اکرم ﷺ سے وضو کا بچا ہوا پانی مانگ لیا آپ ﷺ نے دیدیا۔[1]

"فاستوهبناه" کا مطلب یہ ہے کہ بطور ہبہ پانی مانگ لیا "اداوہ" چمڑے کے اس برتن کو کہتے ہیں جس میں پانی بھر کر سفر میں اٹھایا جاتا ہے اس کو اردو میں چھاگل کہتے ہیں "ینشف" یہ مجہول کا صیغہ ہے خشک ہونے کے معنی میں ہے مطلب یہ کہ مسافت بعیدہ ہے سفر طویل ہے گرمی کا موسم ہے اور پانی خشک ہونے والی چیز ہے تو وہاں تک پہنچتے پہنچتے یہ پانی سوکھ جائے گا۔

"مدوہ" یہ امر کا صیغہ ہے جو مد سے ہے یعنی اس میں مزید پانی ملایا کرو تاکہ اس پانی سے اس کی مدد ہوتی رہے "لایزیدہ الا طیبا" یعنی یہ خیال نہ کرو کہ اس نئے پانی کے ملانے سے اصل متبرک پانی کی برکت کم ہو جائے گی بلکہ جو نیا پانی لایا جائے گا وہ اصل پانی کی برکت کو بڑھادیگا دوسرا مطلب یہ کہ جو نیا پانی اس متبرک پانی کیساتھ ملایا جائے گا اصل متبرک پانی اس کی برکت بڑھادیگا اس جملہ سے دونوں مطلب لیے جاسکتے ہیں۔ شیخ عبدالحق رحمہ اللہ لمعات میں لکھتے ہیں کہ اس سے نبی اکرم ﷺ کے تبرکات کا ثبوت ملتا ہے اور پھر آنحضرت ﷺ کے وارث علماء وصلحاء کے تبرکات[2] کا ثبوت بھی ملتا ہے۔ شیخ رحمہ اللہ نے بالکل صحیح لکھا ہے لیکن اس میں حدود شریعت سے تجاوز کرنا جائز نہیں ہے کہیں ان کی پوجا شروع نہ ہو جائے۔[3]

علماء لکھتے ہیں کہ لوگ جو زمزم دور دراز علاقوں میں اٹھا کر لیجاتے ہیں اور اس کو متبرک سمجھتے ہیں اور خیر و برکت والا سمجھتے ہیں اس حدیث سے اس کا ثبوت بھی ملتا ہے۔

بہرحال برکت دہندہ صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کی ذات ہے جن اشیاء میں وہ برکت ڈالتا ہے تو وہ متبرک ہو جاتی ہے۔

---

[1] المرقات: ۲/۲۱۹ [2] اشعۃ اللمعات: ۳۵۴ [3] اشعۃ اللمعات: ۳۵۴، ۳۵۵

محلوں اور گھروں میں مسجدیں عام کرنا چاہیئے

﴿۲۷﴾ وعن عَائِشَةَ قَالَتْ أَمَرَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِبِنَاءِ الْمَسْجِدِ فِي الدُّوْرِ وَأَنْ يُنَظَّفَ وَيُطَيَّبَ. (رَوَاهُ أَبُوْدَاوُدَ وَالتِّرْمِذِيُّ وَابْنُ مَاجَه)[۱]

ترجمہ: اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے محلوں میں مسجدیں بنانے کا حکم فرمایا ہے اور یہ کہ (وہ مسجدیں) پاک وصاف رکھی جائیں اور ان میں خوشبوئیں رکھی جائیں۔" (ابوداؤد، ترمذی، ابن ماجہ)

توضیح: "دور" دال کے ضمہ کے ساتھ دار کی جمع ہے دار گھر کو بھی کہتے ہیں اور محلہ کو بھی کہتے ہیں یہاں محلہ مراد ہے یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کو حکم فرمایا کہ اپنے اپنے گھروں میں گھریلو مسجدیں بنایا کرو[۲] اور اپنے اپنے محلوں میں محلاتی مسجدیں بنوایا کرو۔ ملا علی قاری فرماتے ہیں کہ اس حدیث سے وہ مسجدیں مراد ہوسکتی ہیں جو گھروں میں نماز کی غرض سے ایک جگہ مختص کی جاتی ہے اور اس سے محلہ بھی مراد لیا جاسکتا ہے کہ ہر محلہ میں الگ الگ مسجد ہونی چاہیئے کہ لوگوں کو آسانی ہو اور جماعت کا ثواب حاصل کرنا آسان ہو مگر یہ اس وقت بہتر ہے جبکہ دوسری مسجد کو نقصان نہ پہنچتا ہو اگر نقصان ہوتا ہو تو پھر جائز نہیں بہر حال مساجد کا قیام مسلمانوں کی دینی، مذہبی، قومی اور ملی بیداری کی علامت ہے مساجد کا قیام باعث برکت ورحمت ہے جس محلہ میں اہل حق کی مسجد ہو اس محلہ کے لوگ اہل حق کے ساتھ وابستہ ہوجاتے ہیں اور جہاں اہل باطل کی مسجد ہو لوگ باطل پر آجاتے ہیں۔ اس لئے مسلمانوں کو مساجد بنانے کا بہت ہی خیال رکھنا چاہیئے دین اسلام جہاد کے ذریعہ سے عالم میں پھیلا ہے اور مساجد اور علماء کے ذریعہ سے محفوظ اور برقرار چلا آرہا ہے جس ملک میں مساجد اور علماء کا وجود ختم ہوجاتا ہے لوگوں سے دین ختم ہوجاتا ہے اور وہ مرتد ہو کر جوان ہوتے ہیں اور پھر مرتد ہی ہو کر مرتے ہیں۔
حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اپنے دور خلافت میں حکم جاری فرمایا تھا کہ جو علاقہ فتح ہوجائے سب سے پہلے وہاں مسجد بنایا کرو لیکن ایک مسجد سے دوسری کو نقصان نہیں پہنچنا چاہیئے۔ یعنی مسجد ضرار نہ بن جائے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور میں آپ کے حکم سے چار ہزار عام مسجدیں قائم ہوئیں اور نوسو بڑی جامع مسجدیں قائم ہوئیں۔
ابن ملک نے اس حدیث سے گھروں میں مسجد بنانے کا مطلب لیا ہے اگرچہ ملا علی قاری رحمہ اللہ[۳] نے اس مطلب کو مرجوح قرار دیا ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ گھروں کے اندر مساجد کا قیام بہت مفید رہتا ہے گھر کے افراد ہر وقت اس میں نماز اور دیگر عبادات بجالاسکتے ہیں سردیوں بارشوں اور خوف وخطر کے وقت گھر کے افراد اس میں جماعت قائم کرسکتے ہیں[۴] بچوں کو تعلیم ملتی ہے کہ نماز کیا چیز ہے گھر والوں کو شوق پیدا ہوتا ہے کہ ہم مسلمان ہیں ہمارے ہاں مسجد ہے ہم پر اس کی

---

[۱] اخرجه ابوداؤد: ۴۵۵، ابن ماجه: ۵۹، والترمذي: ۵۹۴ [۲] المرقات: ۲/۴۲۰ [۳] المرقات: ۲/۴۲۱ [۴] المرقات: ۲/۴۲۱

صفائی لازم ہے ہم پر اس کو معطر رکھنا لازم ہے گھر والوں کے ان چیزوں کے احساس کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ کی طرف سے بوجہ مسجد رحمت و برکت الگ حاصل ہو جاتی ہے لہٰذا حدیث کا یہ مطلب بیان کرنا بھی بہت اہم ہے اور الفاظ حدیث عام ہیں خواہ محلہ کی مسجد ہو یا گھریلو مسجد ہو البتہ مسجدوں کو ظاہری اور معنوی اعتبار سے آباد رکھنا اور اسے صاف رکھنا ضروری ہے۔

مسجدوں میں نقش و نگار علامات قیامت میں سے ہے

﴿۲۸﴾ وعن ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا أُمِرْتُ بِتَشْيِيْدِ الْمَسَاجِدِ قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ لَتُزَخْرِفُنَّهَا كَمَا زَخْرَفَتِ الْيَهُوْدُ وَالنَّصَارٰى. (رَوَاهُ أَبُوْدَاوُدَ) [1]

ترجمہ: اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما راوی ہیں کہ سرور کائنات ﷺ نے فرمایا: "مجھ کو مسجدوں کے بلند کرنے اور آراستہ کرنے کا حکم نہیں دیا گیا ہے۔" حضرت ابن عباس نے فرمایا کہ "جس طرح یہود و نصاری (اپنے عبادت خانوں کی) زینت کرتے ہیں اسی طرح تم بھی (مساجد) کی زینت کرو گے۔" (ابوداؤد)

توضیح: "تشييد المساجد" باب تفعیل سے تشیید روغن سے مزین کرنے اور سیمنٹ وغیرہ سے گچ کرنے روغن سے پالش کرنے اور بلند و بالا مضبوط کرنے کے معنی میں ہے مضبوطی اور بلندی کے معنی میں قرآن کی آیت اس طرح ہے [2] ﴿وقصر مشيد في بروج مشيدة﴾ طرفہ بن العبد اپنی اونٹنی کی تشبیہ مضبوط پل سے اس طرح دیتا ہے [3]

كقنطرة الرومي اقسم ربها لتكتنفن حتى تشاد بقرمدة

اس معنی کے لحاظ سے مطلب یہ ہوا کہ مجھے بلند و بالا اور عالیشان اور مضبوط پلستر شدہ مساجد بنانے کا حکم نہیں ہوا ہے چنانچہ مسجد نبوی آنحضرت ﷺ کے عہد مبارک میں سادہ اور کچی تھی دیواریں اینٹوں کی اور چھت کھجور کی ٹہنیوں کی بنی ہوئی تھی اور ستون یا کھجور کے تنوں یا کھجور کی لکڑیوں کے تھے، عہد صدیقی میں یہی حالت تھی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں مسجد نبوی کو دوبارہ تعمیر کیا گیا تھا لیکن اس کو اسی طرح سادہ رکھا گیا تھا جس طرح وہ پہلے تھی البتہ کچھ توسیع ہوئی۔ پھر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں آپ نے جب دیکھا کہ لوگوں کے گھر عالیشان ہو گئے اور مسجد اسی پرانی طرز پر ہے تو آپ نے مسجد نبوی کو نئی طرز پر تعمیر کروایا آپ نے مسجد میں توسیع بھی فرمائی اور خوب مزین بھی کیا دیواروں میں منقش پتھر اور چھت میں اعلیٰ قسم کی لکڑی استعمال کی۔ چنانچہ متاخرین فقہاء نے اسی کی روشنی میں یہ اجازت دیدی ہے کہ مسجد کی عمارت بھی اسی طرح خوبصورت رکھنا چاہئے جس طرح لوگوں کے مکانات ہوں تا کہ مساجد کی توہین و تحقیر نہ ہو۔

"لتزخرفنها" زخرف سونے کو کہتے ہیں یہاں مراد زیب و زینت اور نقش و نگار ہے تو تشیید عمارت کی مضبوطی کو کہتے ہیں اور تزخرف اس کے اوپر زیب و زینت اور نقش و نگار کو کہتے ہیں ہمارے فقہاء مثلاً صاحب ہدایہ وغیرہ نے لکھا ہے کہ جہاں تک مسجد کی مضبوطی کا تعلق ہے تو وہ جائز ہے خواہ کسی کے ذاتی اموال سے ہو یا مسلمان کے وقف اموال سے

---

[1] اخرجه ابوداؤد: ۴۴۸ [2] المرقات: ۲/۴۲۱ اشعة اللمعات: ۲۵۵ [3] نساء: ۷۸

ہو، رہا زیب وزینت اور نقش ونگار کرنا تو وہ وقف اموال سے جائز نہیں ہے۔ اگر کوئی شخص نقش ونگار کرانا چاہتا ہے تو وہ اس حد تک جائز ہے کہ زیب وزینت اور نقش ونگار نمازیوں کی غفلت کا سبب نہ بنتا ہو، اگر نمازیوں کی غفلت اور لہو ولعب کا ذریعہ بنتا ہو تو وہ ذاتی اموال سے بھی ناجائز یعنی مکروہ ہے حدیث کا مطلب یہی ہوا کہ آیندہ ایسے لوگ پیدا ہونگے جو مساجد کو مزین کریں گے ان کو خوبصورت کریں گے اور ان کی دیواروں پر سونا چڑھائیں گے جبکہ یہ طریقہ سنت نبوی نہیں ہے کیونکہ اسلام سادگی سکھاتا ہے اور نقش ونگار کے بجائے عمل وکردار کا سبق دیتا ہے آج کل بریلوی حضرات کی مساجد عموماً اسی طرز پر ہیں اور ہدایت سے خالی ہیں کیونکہ وہ شرک وبدعات کے مراکز بن گئی ہیں حالانکہ مساجد کے لئے اللہ تعالیٰ کا حکم یہ ہے ﴿وان المساجد لله فلا تدعوا مع الله احدا﴾

﴿۲۹﴾ وعن أَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ مِنْ أَشْرَاطِ السَّاعَةِ أَنْ يَتَبَاهَى النَّاسُ فِي الْمَسَاجِدِ. (رَوَاهُ أَبُوْدَاوُدَ وَالنَّسَائِيُّ وَالدَّارِمِيُّ وَابْنُ مَاجَه) [1]

ترجمہ: اور حضرت انس رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ سرور کائنات ﷺ نے فرمایا "قیامت کی علامتوں میں سے ایک یہ بھی ہے کہ لوگ مساجد کے بارے میں فخر کیا کریں گے۔ (ابوداؤد، نسائی، دارمی، ابن ماجہ)

توضیح: "یتباھی" یہ باب تفاعل اور باب مفاعلہ سے مباہات فخر کرنے کے معنی میں ہے یعنی قیامت کی چند علامات میں سے ایک یہ بھی ہے کہ لوگ بڑی بڑی مسجدیں بنائیں گے اور اسے آراستہ پیراستہ کر کے لوگوں کو دکھائیں گے رضائے الٰہی مقصود نہیں ہوگی بلکہ فخر ومباہات کا ارادہ ہوگا اور دنیا والوں سے داد تحسین حاصل کرنا ہوگا گویا [2] ؎

مسجد تو بنادی شب بھر میں ایمان کی حرارت والوں نے
من اپنا پرانا پاپی ہے برسوں میں نمازی بن نہ سکا

﴿۳۰﴾ وعنه قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عُرِضَتْ عَلَيَّ أُجُوْرُ أُمَّتِي حَتَّى الْقَذَاةُ يُخْرِجُهَا الرَّجُلُ مِنَ الْمَسْجِدِ وَعُرِضَتْ عَلَيَّ ذُنُوْبُ أُمَّتِي فَلَمْ أَرَ ذَنْباً أَعْظَمَ مِنْ سُوْرَةٍ مِنَ الْقُرْآنِ أَوْ آيَةٍ أُوْتِيَهَا رَجُلٌ ثُمَّ نَسِيَهَا. (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَأَبُوْدَاوُدَ) [3]

ترجمہ: اور حضرت انس رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ سرور کائنات ﷺ نے فرمایا "میری امت کے ثواب میرے سامنے پیش کئے گئے۔ یہاں تک کہ اس کوڑے اور خاک کا ثواب بھی (پیش کیا گیا) جسے کسی آدمی نے مسجد سے (جھاڑ دے کر) نکالا ہو، نیز میرے سامنے میری امت کے گناہ بھی پیش کئے گئے۔ ان گناہوں میں مجھ کو اس سے بڑا کوئی گناہ نظر نہیں آیا کہ کسی کو قرآن کی کوئی سورت یا آیت یاد ہو پھر اس نے اس کو بھلا دیا ہو۔" (ترمذی، ابوداؤد)

[1] اخرجه ابوداؤد: ۴۴۹ ونسائی: ۲/۳۲ والدارمی: ۱۴۱۵ وابن ماجه: ۷۳۹
[2] المرقات: ۲/۴۲۲ [3] اخرجه الترمذی: ۱۲۱۹ وابوداؤد: ۴۶۱

توضیح: "القذاة" قذاۃ کی جمع قذی ہے آنکھ میں پڑنے والے تنکے اور میل کچیل کو قذات کہتے ہیں شاعر کہتا ہے۔[۱]

رأى خلتى حيث يخفى مكانها فكانت قذى عينيه حتى تجلت

اس حدیث سے اس طرف اشارہ ہوتا ہے کہ مسجد کی مثال انسان کی آنکھ کی طرح ہے جس طرح انسان کو آنکھ میں پڑنے والی چیز سے تکلیف ہوتی ہے اور وہ سب سے پہلے اس کے دور کرنے کی کوشش کرتا ہے اسی طرح مسجد کی روح کو بھی میل کچیل اور تنکوں سے تکلیف ہوتی ہے۔ تو جس شخص نے اس تنکے کو مسجد سے ہٹادیا اس پر اللہ تعالیٰ کی رحمت نازل ہوگی۔

"ثم نسيها" یعنی اللہ تعالیٰ نے ایک شخص کو قرآن عظیم کی دولت سے نوازا اس نے قرآن حفظ کرلیا یا اس کا کچھ حصہ یاد کیا پھر اس شخص نے اس عظیم دولت کی ناقدری کی اور غفلت برت کر اسے بھلادیا تو یہ بہت بڑا گناہ ہے ظاہر حدیث سے تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ قرآن کریم یاد کرنے کے بعد بھول گیا اور اب یاد سے نہیں پڑھ سکتا ہے بعض علماء نے اس گناہ کا تعلق اس صورت سے بتایا ہے کہ جب آدمی قرآن کو ایسا بھول لے کہ مصحف کے اندر دیکھنے سے بھی نہیں پڑھ سکتا ہے۔[۲]

﴿۳۱﴾ وعن بُرَيْدَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَشِّرِ الْمَشَّائِيْنَ فِي الظُّلَمِ إِلَى الْمَسَاجِدِ بِالنُّوْرِ التَّامِّ يَوْمَ الْقِيَامَةِ۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَأَبُوْدَاوُدَ وَرَوَاهُ ابْنُ مَاجَه عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ وَأَنَسٍ)[۳]

ترجمہ: اور حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ سرورکائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ "جو لوگ اندھیرے میں مسجدوں کی طرف جاتے ہیں انہیں یہ خوشخبری پہنچادو کہ قیامت کے دن (اس کے سبب سے) ان کو کامل روشنی نصیب ہوگی۔"

(ترمذی، ابوداؤد، ابن ماجہ)

﴿۳۲﴾ وعن أَبِيْ سَعِيْدٍ الْخُدْرِيِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا رَأَيْتُمُ الرَّجُلَ يَتَعَاهَدُ الْمَسْجِدَ فَاشْهَدُوْا لَهُ بِالْإِيْمَانِ فَإِنَّ اللهَ تَعَالَى يَقُوْلُ إِنَّمَا يَعْمُرُ مَسَاجِدَ اللهِ مَنْ آمَنَ بِاللهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَابْنُ مَاجَه وَالدَّارِمِيُّ)[۴]

ترجمہ: اور حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ سرورکائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ "جب تم کسی شخص کو مسجد کی خبر گیری کرتے ہوئے دیکھو تو اس کے ایمان کی گواہی دو اس لئے کہ ارشاد ربانی ہے۔ **انما يعمر مسجد الله من امن بالله واليوم الاخر** اللہ کی مسجدوں کو وہی شخص آباد کرتا ہے۔ جو اللہ پر اور قیامت کے دن پر ایمان لایا۔ (ترمذی، ابن ماجہ، دارمی)[۵]

توضیح: "يتعاهد المسجد" تعاهد باب تفاعل سے تفقد اور خدمت ونگرانی کے معنی میں ہے مطلب یہ ہے کہ

---

[۱] المرقات: ۲/۴۲۲ الکاشف: ۲/۲۸۴ [۲] المرقات: ۲/۴۲۳ [۳] اخرجه الترمذی: ۲۲۳ وابوداؤد: ۵۶۱ وابن ماجه: ۷۸۱،۷۸۰
[۴] اخرجه الترمذی: ۲۶۱۷ والدارمی: ۱۲۲۶ ابن ماجه ۸۰۲ [۵] توبه الایه: ۱۸

جب تم کسی شخص کو دیکھو کہ وہ اللہ تعالیٰ کے گھر مسجد کی نگرانی اور خبر گیری کرتا ہے اس کی حفاظت کرتا ہے اس کی مرمت کا خیال رکھتا ہے اس کی صفائی اور خوشبو کا خیال رکھتا ہے اس میں روشنی کا انتظام کرتا ہے اس میں جھاڑو دیتا ہے اس میں بیٹھا رہتا ہے اور عبادت کرتا رہتا ہے ذکر اللہ میں مشغول رہتا ہے تو تم گواہی دیدو کہ وہ شخص مؤمن اور ایمان والا ہے اور خدا اور رسول کا اطاعت گذار فرمانبردار ہے کیونکہ قرآن کی یہی گواہی ہے اس کے برعکس جو شخص مسجد سے تعلق نہیں رکھتا اس کی طرف دیکھتا نہیں نہ نماز پڑھتا ہے تو اس کے مؤمن ہونے کی گواہی نہیں دی جاسکتی ہے۔ [1]

لطیفہ:

ایک بے دین شخص نے اپنے دیندار بیٹے سے کہا کہ میں جب برتنوں پر نظر ڈالتا ہوں تو مجھے وضو کا لوٹا تمام برتنوں میں برا لگتا ہے اور جب کپڑوں کو دیکھتا ہوں تو مصلّٰی اور جائے نماز مجھے اچھا نہیں لگتا اور جب مکانوں کو دیکھتا ہوں تو مجھے مسجدیں بری لگتی ہیں اور جب انسانوں کو دیکھتا ہوں تو مجھے مولوی لوگ برے لگتے ہیں۔

دیندار بیٹے نے جواب میں فرمایا کہ ابا جان: آپ کی تمام علامات تو دوزخ والوں کی ہیں آگے معلوم نہیں کہ کیا ہوگا۔

اس امت کی سیر وسیاحت جہاد ہے

﴿۳۳﴾ وعن عُثْمَانَ بْنِ مَظْعُوْنٍ قَالَ يَا رَسُوْلَ اللهِ ائْذَنْ لَنَا فِي الْاِخْتِصَاءِ فَقَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيْسَ مِنَّا مَنْ خَصٰى وَلَا اخْتَصٰى اِنَّ خِصَاءَ اُمَّتِي الصِّيَامُ فَقَالَ ائْذَنْ لَنَا فِي السِّيَاحَةِ فَقَالَ اِنَّ سِيَاحَةَ اُمَّتِي الْجِهَادُ فِي سَبِيْلِ اللهِ فَقَالَ ائْذَنْ لَنَا فِي التَّرَهُّبِ فَقَالَ اِنَّ تَرَهُّبَ اُمَّتِي الْجُلُوْسُ فِي الْمَسَاجِدِ انْتِظَارَ الصَّلَاةِ. (رَوَاهُ فِي شَرْحِ السُّنَّةِ) [2]

ترجمہ: اور حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ کے بارے میں مروی ہے کہ انہوں نے عرض کیا۔ ''یا رسول اللہ! مجھ کو خصی (نامرد) ہونے کی اجازت دے دیجئے (تاکہ زنا میں مبتلا ہونے کا خدشہ نہ رہے) آپ نے فرمایا'' وہ شخص ہم میں سے نہیں ہے (یعنی ہماری سنت کے راستہ سے ہٹا ہوا ہے) جو کسی کو خصی کرے یا خود خصی ہوجائے (بلکہ) میری امت کے لئے خصی ہونا روزہ رکھنا ہے (کیونکہ روزہ رکھنے سے شہوت جاتی رہتی ہے) حضرت عثمان نے عرض کیا کہ پھر مجھے سیر وسیاحت کی اجازت عنایت فرمائی جائے۔ آپ نے فرمایا'' میری امت کی سیاحت یہی ہے کہ اللہ کے راستہ میں جہاد کیا جائے۔'' انہوں نے پھر عرض کیا کہ'' اچھا تو پھر مجھے راہب بننے کی اجازت دے دیجئے۔'' آپ نے فرمایا'' میری امت کا راہب بننا یہی ہے کہ مسجدوں میں نمازوں کے انتظار میں بیٹھا جائے۔ (شرح السنۃ)

توضیح: حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ جلیل القدر صحابی ہیں مکہ مکرمہ میں اسلام قبول کرنے والوں میں سے چودہ

[1] المرقات: ۲/۴۲۵ [2] اخرجه البغوي في شرح السنة: ۴۸۳

نمبر پر مرد مسلمان ہیں حبشہ کی ہجرت فرمائی اور پھر مدینہ منورہ کی ہجرت سے سرفراز ہوئے حضور اکرم ﷺ کو آپ سے قلبی محبت تھی مہاجرین میں سے پہلے مسلمان ہیں جن کا مدینہ منورہ میں ۲ھ میں انتقال ہوا جنت البقیع میں سب سے پہلے آپ کی تدفین ہوئی آپ کے انتقال کے بعد حضور اکرم ﷺ نے آپ کی پیشانی کا بوسہ لیا اور حضور اکرم ﷺ کے آنسو آپ کے چہرے پر گرے آپ کی قبر پر بطور نشانی حضور اکرم ﷺ نے ایک بھاری پتھر خود لا کر نصب فرمایا تھا اور فرمایا کہ میرے خاندان والے ان کے پاس دفن کئے جائیں گے "فرضی اللّٰہ عنه وعن جمیع الصحابة"۔ [1]

"فی الاختصاء" اختصاء نزع الخصیتین یعنی اپنے آپ کو خصی بنانے کے معنی میں ہے کیونکہ انسانی شہوت کا مرکز خصیتین ہے جب اس کو ختم کیا جائے تو شہوات اور خواہشات کی جڑ کٹ جائے گی اس صحابی کا یہی مقصد تھا۔ کہ وہ ایسے طریقے اختیار کریں جس سے دنیا کی لذتوں نفسانی خواہشات سے الگ تھلگ ہو کر اپنے رب کی عبادت اور خوشنودی میں مشغول رہیں اس لئے سب سے پہلے انہوں نے آنحضرت ﷺ سے اجازت مانگی کہ وہ اپنی قوت مردمی بالکل ختم کرنا چاہتے ہیں آنحضرت ﷺ نے ان کو اس غیر فطری فعل کے ارتکاب سے منع فرمادیا اور ان کے خطرات اور نفسانی خواہشات کا آسان علاج بتادیا وہ یہ کہ تم کثرت سے روزہ رکھا کرو کیونکہ روزہ شہوت کو کنٹرول کرتا ہے اور شیطانی وساوس اور خواہشات کو دور کرتا ہے اور تعلق مع اللہ کے اچھے جذبات کو ابھارتا ہے۔

"لیس منامن خصی" خصی دوسرے کو خصی کرنے اور اختصاء اپنے آپ کو خصی کرنے کے معنی میں ہے۔

سوال: یہاں پر یہ اشکال ہے کہ کیا اس عمل کے ارتکاب سے آدمی اسلام سے نکل جائے گا حالانکہ کبیرہ گناہ کے ارتکاب سے آدمی اہل سنت والجماعت کے نزدیک کافر نہیں ہوتا تو لیس منا یعنی وہ ہم سے نہیں کا کیا مطلب ہوا؟۔

جواب: اس قسم کا سوال وجواب توضیحات جلد اول میں لکھا گیا ہے خلاصہ یہ کہ آنحضرت ﷺ کے فرمان کا مطلب یہ ہے کہ ایسا شخص اس خاص فعل کے ارتکاب میں مسلمانوں کے طریقہ پر نہیں ہے حضور اکرم ﷺ کے طریقے پر نہیں ہے اس کا مطلب یہ نہیں کہ وہ اسلام سے خارج ہوگیا یا یہ کلام اسلوب حکیم کے طور پر ہے کہ جب حضور اکرم ﷺ نے فرمایا ہے کہ ایسا شخص ہم میں سے نہیں تو وہ اتنا متاثر ہوجائیگا کہ کبھی بھی اس عمل وفعل کے قریب نہیں جائیگا۔

خصی بننے اور بنانے کا حکم

اولاد بنی آدم کے لئے خواہ چھوٹے ہوں یا بڑے ہوں خصی بننا حرام ہے۔

انسانوں کے علاوہ جانوروں کے متعلق علامہ قرطبی رحمہ اللہ مالکی فرماتے ہیں۔ "انه ممنوع فی الحیوان الالمنفعة حاصلة فی ذالك كتطیب اللحم اوقطع ضرعنه"۔ علامہ نووی شافعی فرماتے ہیں کہ حیوان غیر ماکول اللحم کو خصی بنانا مطلقاً حرام ہے اور جو حیوان ماکول اللحم ہیں ان میں سے چھوٹوں کو خصی کرنا جائز ہے اور بڑوں کو جائز نہیں۔ (فتح الملہم)

---

[1] المرقات: ۲/۴۲۵

ائمہ احناف نے حیوان کے خصی بنانے کو جائز لکھا ہے لیکن مزید تفصیلات نہیں ہیں۔ حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی عشاللہ فتاوی رشیدیہ ص ۴۹۱ میں لکھتے ہیں۔ خصی کرنا سب بہائم کا نفع کے واسطے یا دفع ضرر کے واسطے درست ہے سوائے آدمی کے کہ حرام ہے۔

"فی السیاحة" حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سیر وتفریح کی اجازت مانگی تا کہ اس مشغلہ سے نفسانی خواہشات میں کمی آجائے اور مقامی علائق سے دوری آجائے۔ [1]

اس کے جواب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میری امت کی سیر وتفریح اور سیاحت جہاد فی سبیل اللہ کا عمل ہے کیونکہ اس میں مختلف ملکوں میں جہاد کے لئے جانے سے سیر وتفریح اور سیاحت کا مقصد بھی اعلیٰ پیمانے پر پورا ہو جاتا ہے اور بے مقصد سفر بھی نہیں بلکہ اعلیٰ عبادت ہے اور اعلائے کلمۃ اللہ اور اشاعۃ الدین کا سب سے بڑا ذریعہ بھی ہے ایک حدیث میں آیا ہے کہ "اغزوا تصحوا" تم جہاد کرو صحت مند رہو گے۔ یہ بھی اسی طرف اشارہ ہے کہ پہاڑوں دڑوں وادیوں اور صحراؤں میں صحت مند آب وہوا اور بدنی ورزش سے کامل صحت حاصل ہو جاتی ہے۔

"الترهب" راہب بننے اور دنیوی علائق سے کنارہ کش ہو کر گوشہ نشینی اختیار کرنے کو رہبانیت کہتے ہیں اسلام ایک ہمہ گیر مذہب ہے وہ خلوت وجلوت دونوں کو حق دیتا ہے کیونکہ یہ دین فطرت ہے اس میں رہبانیت نہیں ہے یہاں نماز کے انتظار میں بیٹھنے کو رہبانیت قرار دیا ہے اور ایک اور حدیث میں جہاد فی سبیل اللہ کو اس امت کی رہبانیت قرار دیا گیا ہے۔

اللہ تعالیٰ کو خواب میں دیکھنا

﴿۳۴﴾ وعن عَبْدِ الرَّحْمٰنِ ابْنِ عَائِشٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَأَيْتُ رَبِّيْ عَزَّوَجَلَّ فِيْ أَحْسَنِ صُوْرَةٍ قَالَ فِيْمَ يَخْتَصِمُ الْمَلَأُ الْأَعْلٰى قُلْتُ أَنْتَ أَعْلَمُ قَالَ فَوَضَعَ كَفَّهٗ بَيْنَ كَتِفَيَّ فَوَجَدْتُ بَرْدَهَا بَيْنَ ثَدْيَيَّ فَعَلِمْتُ مَا فِي السَّمٰوَاتِ وَالْأَرْضِ وَتَلَا وَكَذٰلِكَ نُرِيْ إِبْرَاهِيْمَ مَلَكُوْتَ السَّمٰوَاتِ وَالْأَرْضِ وَلِيَكُوْنَ مِنَ الْمُوْقِنِيْنَ. رَوَاهُ الدَّارِمِيُّ مُرْسَلاً وَالتِّرْمِذِيُّ نَحْوَهٗ عَنْهُ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ وَمُعَاذِبْنِ جَبَلٍ وَزَادَ فِيْهِ قَالَ يَا مُحَمَّدُ هَلْ تَدْرِيْ فِيْمَ يَخْتَصِمُ الْمَلَأُ الْأَعْلٰى قُلْتُ نَعَمْ فِي الْكَفَّارَاتِ وَالْكَفَّارَاتُ الْمُكْثُ فِي الْمَسَاجِدِ بَعْدَ الصَّلَوَاتِ وَالْمَشْيُ عَلَى الْأَقْدَامِ إِلَى الْجَمَاعَاتِ وَإِبْلَاغُ الْوُضُوْءِ فِي الْمَكَارِهِ وَمَنْ فَعَلَ ذٰلِكَ عَاشَ بِخَيْرٍ وَمَاتَ بِخَيْرٍ وَكَانَ مِنْ خَطِيْئَتِهٖ كَيَوْمٍ وَلَدَتْهُ أُمُّهٗ وَقَالَ يَا مُحَمَّدُ إِذَا صَلَّيْتَ فَقُلْ أَللّٰهُمَّ إِنِّيْ أَسْأَلُكَ فِعْلَ الْخَيْرَاتِ وَتَرْكَ الْمُنْكَرَاتِ وَحُبَّ الْمَسَاكِيْنِ فَإِذَا أَرَدْتَ بِعِبَادِكَ فِتْنَةً فَاقْبِضْنِيْ إِلَيْكَ غَيْرَ مَفْتُوْنٍ قَالَ

[1] المرقات: ۲/۴۲۶

وَالدَّرَجَاتُ اِفْشَاءُ السَّلَامِ وَاِطْعَامُ الطَّعَامِ وَالصَّلَاةُ بِاللَّيْلِ وَالنَّاسُ نِيَامٌ وَلَفْظُ هٰذَا الْحَدِيْثِ كَمَا فِي الْمَصَابِيْحِ لَمْ أَجِدْهُ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ اِلَّا فِيْ شَرْحِ السُّنَّةِ۔ [1]

ترجمہ: اور حضرت عبدالرحمن بن عائش رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ ''میں نے اپنے پروردگار بزرگ و برتر کو (خواب میں) بہت ہی اچھی صورت میں دیکھا۔ اللہ تعالیٰ نے مجھ سے پوچھا کہ مقربین فرشتے کس معاملہ میں بحث کررہے ہیں میں نے عرض کیا پروردگار! تو ہی بہتر جانتا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ (یہ سن کر) اللہ تعالیٰ نے میرے مونڈھوں کے درمیان اپنا ہاتھ رکھا جس کی ٹھنڈک مجھے اپنے سینہ پر محسوس ہوئی (اور اس کی وجہ سے) میں زمین وآسمان کی تمام چیزوں کو جان گیا، پھر آپ نے یہ آیت پڑھی۔ ﴿**وکذالك نری ابراهیم ملکوت السموت والارض ولیکون من الموقنین**﴾ (ترجمہ) اور اس طرح ہم نے ابراہیم کو زمین وآسمانوں کا تصرف دکھایا تا کہ وہ یقین کرنے والے لوگوں میں شامل ہوجائے۔ (دارمی مرسلاً) اور ترمذی رحمہ اللہ نے یہ روایت (بعض الفاظ کے اختلاف کے ساتھ) عبدالرحمن ابن عائش، ابن عباس اور معاذ ابن جبل رضی اللہ عنہم سے نقل کی ہے اور اس میں یہ الفاظ زائد نقل کئے ہیں کہ ''اللہ تعالیٰ نے فرمایا (یعنی آپ کو زمین و آسمانوں کا علم دینے کے بعد سوال فرمایا، کہ اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ کو معلوم ہے کہ مقربین فرشتے کس معاملہ میں بحث کررہے ہیں؟ (آپ فرماتے ہیں کہ) میں نے عرض کیا ''ہاں! میں جانتا ہوں کفارات (یعنی گناہوں کو ختم کرنے والی چیزوں) کے بارے میں گفتگو کررہے ہیں اور وہ کفارات (یہ) ہیں کہ نمازوں کے بعد مسجدوں میں (دوسرے وقت کی نماز کے انتظار میں یا ذکر وتسبیح کے لئے) بیٹھا جائے اور جماعت کے ساتھ نماز پڑھنے کے لئے پیدل چلا جائے اور سختی کے وقت (مثلاً بیماری یا سردی میں اعضاء وضو پر) وضو کا پانی اچھی طرح پہنچایا جائے (لہٰذا) جس نے یہ کیا (یعنی مذکورہ اعمال کئے) وہ بھلائی پر زندہ رہا اور بھلائی ہی پر مرے گا اور گناہوں سے ایسا پاک ہوجائے گا گویا اس کی ماں نے آج ہی اس کو جنا ہے۔'' اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ اے محمد! جب آپ نماز سے فارغ ہولیں تو یہ دعا پڑھ لیا کیجئے۔

اللهم انی اسئلك فعل الخیرات و ترك المنکرات وحب المساکین فاذا اردت بعبادك فتنة فاقبضنی الیك غیر مفتون۔

ترجمہ: (یعنی، اے اللہ! میں تجھ سے نیکیوں کے کرنے اور برائیوں کے چھوڑنے اور مسکینوں کی دوستی کا سوال کرتا ہوں اور جب تو بندوں میں گمراہی ڈالنے (یا انہیں سزا دینے) کا ارادہ کرے تو مجھے بغیر گمراہی کے اٹھا لیجئے۔''

اور اللہ تعالیٰ (آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم میں زیادتی کے لئے) فرماتا ہے (یا خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں) کہ ''درجات (یعنی وہ اعمال جن سے بندہ کے درجات بارگاہ حق میں بلند ہوتے ہیں) یہ ہیں کہ (ہر مسلمان کو خواہ وہ آشنا ہو یا نا آشنا) سلام کیا جائے (خدا کی راہ میں مسکینوں کو) کھانا کھلایا جائے اور رات میں اس وقت جبکہ لوگ سو رہے ہوں نماز پڑھی جائے۔'' (صاحب مشکوۃ

[1] اخرجه الدارمی مرسلا: ۲۱۵۵

فرماتے ہیں کہ) میں نے یہ حدیث ان الفاظ کے ساتھ جیسا کہ مصابیح میں عبدالرحمن سے منقول ہے سوائے شرح السنہ کے اور کسی کتاب میں نہیں دیکھی۔"

توضیح: "رأیت ربی" ملا علی قاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اگر یہ دیکھنا خواب کا واقعہ ہے کہ آنحضرت ﷺ نے اللہ تعالیٰ کو خواب میں دیکھا تو اس میں کوئی اشکال نہیں ہے اور طبرانی کی ایک روایت اس پر دلالت کرتی ہے اور ظاہر یہی ہے کہ یہ خواب کا واقعہ ہے۔

اور اگر یہ بیداری کا واقعہ ہے جیسا کہ مسند احمد کی ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے تو پھر اس میں تاویل ہوگی اور وہ اس طرح کہ ہم حدیث کے ظاہری الفاظ پر ایمان رکھتے ہیں اور اس کے حقیقی ادراک میں نہیں پڑتے ہیں اللہ تعالیٰ اپنے رسول کو جو کچھ دکھائے ہم صرف یہ کہیں گے کہ جو اللہ تعالیٰ کے شایان شان ہے ہم اس پر ایمان لاتے ہیں اور کیفیات میں نہیں جاتے جس طرح امام مالک رحمہ اللہ نے استواء عرش کے متعلق فرمایا "**الاستواء معلوم والکیفیة مجھولة والسوال عنها بدعة**"۔

"**فی احسن صورة**" اس کے متعلق بھی سلف صالحین کی رائے اپنانی ہوگی یعنی "**مایلیق بشانه**" یہ بہتر ہے اور اگر **احسن صورة رأیت** کے فاعل سے حال ہو تو پھر کوئی تاویل کی ضرورت نہیں یعنی حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کہ میں نے اپنے رب کو دیکھا اور میں اس حال میں تھا کہ خوش منظر اور خوش طبع اور بہترین حالت وصورت میں تھا۔

"**یختصم**" جھگڑنے کے معنی میں آتا ہے یہاں مراد یہ ہے کہ عالم بالا کے فرشتے کون سے اعمال کی فضیلت اور عظمت کے متعلق بحث کر رہے ہیں یا کونسے اعمال کی قبولیت میں ایک دوسرے سے آگے بڑھ رہے ہیں پہلا معنی زیادہ واضح ہے۔

"**الملأ الاعلیٰ**" کسی قوم کے اشراف کی جماعت کو **ملأ** کہتے ہیں کیونکہ ان کی نشست سے محفل بھر جاتی ہے یا ان کو دیکھنے سے آنکھیں بھر جاتی ہیں یا ان کے رعب سے دل بھر جاتے ہیں۔

"**فوضع کفه**" اس لفظ میں بھی بغیر تاویل یوں کہا جائے "**مایلیق بشانه**" یعنی جو اللہ تعالیٰ کے شایان شان ہو اسی طرح اللہ تعالیٰ نے آنحضرت ﷺ کے مونڈھوں کے درمیان ہاتھ رکھا تاکہ اس سے **ملأ اعلیٰ** کا انکشاف تام آجائے۔

چنانچہ فیض ربانی کی ٹھنڈک کو آنحضرت ﷺ نے اپنے قلب اطہر اور سینہ منور میں محسوس کیا اور انکشاف تام ہوگیا۔

"**فعلمت مابین السموات**" اسی فیض ربانی کے انکشاف تام کی وجہ سے میں نے زمین وآسمان کی تمام چیزوں کو جان لیا اور عالم بالا کی بحث کا جواب دیا۔ اس بات کو یاد رکھنا ضروری ہے کہ یہ انکشاف تام دائمی طور پر حاصل نہیں ہوا جس سے یہ مسئلہ نکالا جائے کہ آنحضرت ﷺ کو **ماکان ومایکون** کے ذرہ ذرہ کا علم حاصل ہوگیا اس طرح عقیدہ رکھنے سے بہت ساری پیچیدگیاں پیدا ہونگی قرآن کریم کی سینکڑوں آیتوں کو منسوخ قرار دینا ہوگا جن میں واضح طور پر علم غیب کی نفی کا بیان ہے اللہ کا فرمان ہے ﴿**قل لایعلم من فی السموات والارض الغیب الا الله**﴾[2] اور ﴿**ولو کنت**

---

[1] المرقات: ۲/۲۲۷ [2] نمل الآیہ: ۶۵

اعلم الغیب لاستکثرت من الخیر ومامسنی السوء﴾ [۱] نیز اس حدیث کو محدثین نے مرسل کہا ہے کیونکہ عبدالرحمن بن عائش صحابی نہیں ہے اور اس روایت کو حضور اکرم ﷺ سے نقل کر رہا ہے اور اس سے صرف یہی ایک روایت منقول ہے۔ البخاری عبدالرحمن حضرمی له حدیث واحد الا انهم یضطربون فیه" (کذافی التعلیق الفصیح) وقال البیهقی قدروی بطرق کلها ضعاف (کذافی التعلیق الفصیح) یہ روایت اس سند سے اسی طرح ہے لیکن یہی روایت حضرت معاذ رضی اللہ عنہ سے نہایت تفصیل سے منقول ہے جس کو امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے مسند احمد میں نقل کیا ہے نیز امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اس کو نقل کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ حدیث حسن صحیح ہے پھر فرمایا کہ میں نے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ سے اس حدیث کے بارے میں پوچھا تو آپ نے فرمایا کہ یہ حدیث صحیح ہے (کذافی زجاجۃ المصابیح ج ۱ ص ۲۱۲) خلاصہ یہ کہ حدیث صحیح ہے مگر یہ انکشاف وقتی تھا دائمی نہیں تا کہ قرآن وحدیث کے درمیان تعارض نہ آئے۔

"وتلا" اس فعل کی ضمیر فاعل میں دو احتمال ہیں اگر ضمیر لفظ اللہ کی طرف راجع ہے تو بطور دلیل اللہ تعالیٰ نے بتادیا کہ جس طرح ہم ابراہیم علیہ السلام کو زمین وآسمان کی بادشاہت کا مشاہدہ کراتے رہے اسی طرح اے محمد تجھے بھی آسمانی عجائبات واحکامات کا مشاہدہ کرائیں گے۔ اور اگر ضمیر فاعل حضور اکرم ﷺ کی طرف لوٹتی ہے تو آپ ﷺ نے بطور استشہاد یہ آیت تلاوت فرمائی علامہ طیبی رحمۃ اللہ علیہ کے مطابق یہ احتمال زیادہ راجح ہے۔

"ولیکون من الموقنین" اس جملہ کا معطوف علیہ محذوف ہے اصل عبارت کا ترجمہ اس طرح ہے ہم نے ابراہیم کو عالم ربوبیت والوہیت دکھلا دیئے تھے تا کہ وہ اس کے ذریعہ سے ہماری ذات کے وجود کے بارے میں دلیل پکڑ سکے اور یقین کرنے والوں میں سے ہوجائے۔

انبیاء کرام کو خواب میں دیکھنا احادیث سے ثابت ہے اس کا انکار صرف انکار حدیث ہے۔

البتہ اللہ تعالیٰ کو خواب میں دیکھنے کے متعلق علماء کا کہنا ہے کہ یہ صرف خیال اور تسلی کا حصول ہوتا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کو کسی نے دیکھا نہیں کہ اس کو خواب میں دیکھے انبیاء کرام کے حلیہ کا ذکر احادیث میں موجود ہے تو خواب بھی حقیقت پر محمول ہے، اللہ تعالیٰ کو خواب میں دیکھنے کے متعلق علامہ نووی شرح مسلم میں اس طرح لکھتے ہیں "قال القاضی واتفق العلماء علی جواز رؤیة الله تعالیٰ فی المنام وصحتها"۔ قاضی عیاض مالکی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ تمام علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ خواب میں اللہ تعالیٰ کا دیکھنا جائز اور صحیح ہے۔ "وقال ابن الباقلانی رؤیة الله تعالیٰ فی المنام خواطر فی القلب وهی دلالات للرائی علی امور کان اویکون کسائر المرئیات والله اعلم" (حاشیہ نووی بر مسلم ج ۲ ص ۲۴۳) یعنی علامہ ابن الباقلانی فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا خواب میں دیکھنا قلبی تخلیات میں سے ایک تخیل اور خیال ہے جس سے دیکھنے والے کو گذشتہ امور یا آیندہ امور کی طرف اشارہ ملتا ہے جیسا کہ باقی خوابوں میں ہوتا ہے۔

---

[۱] اعراف الآیہ: ۱۸۸

﴿۳۵﴾ وعن أَبِي أُمَامَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثَلَاثَةٌ كُلُّهُمْ ضَامِنٌ عَلَى اللهِ رَجُلٌ خَرَجَ غَازِيًا فِي سَبِيْلِ اللهِ فَهُوَ ضَامِنٌ عَلَى اللهِ حَتّٰى يَتَوَفَّاهُ فَيُدْخِلَهُ الْجَنَّةَ أَوْ يَرُدَّهُ بِمَا نَالَ مِنْ أَجْرٍ أَوْ غَنِيْمَةٍ وَرَجُلٌ رَاحَ إِلَى الْمَسْجِدِ فَهُوَ ضَامِنٌ عَلَى اللهِ وَرَجُلٌ دَخَلَ بَيْتَهُ بِسَلَامٍ فَهُوَ ضَامِنٌ عَلَى اللهِ. (رواه أبوداود)[1]

ترجمہ: اور حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''تین شخص ایسے ہیں جن کا اللہ تعالیٰ (اس بات کے لئے) ذمہ دار ہے (کہ انہیں وہ دنیا وآخرت کی آفات ومصیبتوں سے محفوظ رکھے گا) ایک تو وہ شخص جو خدا کی راہ میں جہاد کے لئے نکلا چنانچہ وہ خدا کی ذمہ داری میں ہے کہ یا تو اسے موت (یعنی شہادت کا درجہ) دے کر جنت میں پہنچا دے یا اسے ثواب ومال غنیمت دے کر گھر واپس پہنچا دے (چنانچہ پہلی اور دوسری صورت یعنی شہادت وثواب میں تو اسے دین کی سعادت حاصل ہوتی ہے اور تیسری صورت میں یعنی مال غنیمت میں دنیا کی سعادت وبھلائی ملتی ہے) اور دوسرا وہ شخص ہے جو (نماز کے لئے) مسجد جائے تو اللہ اس کا بھی ضامن ہے (کہ عبادت کے لئے اس کی کوشش اور اس کا ثواب ضائع نہ کرے گا) اور تیسرا شخص وہ ہے جو اپنے گھر میں سلام کرتا ہوا داخل ہو تو وہ بھی اللہ تعالیٰ کی ذمہ داری میں ہے۔'' (ابوداود)

توضیح: "ضامن علی الله"[2] شیخ عبدالحق رحمۃ اللہ علیہ لمعات میں لکھتے ہیں کہ ''ضامن'' ''مضمون'' کے معنی میں ہے جیسے دافق مدفوق کے معنی میں ہے اور عاصم معصوم کے معنی میں ہے اور مضمون کے مفہوم میں وجوب اور حفاظت کا معنی پڑا ہے مطلب یہ ہوا کہ ان تینوں میں سے ہر ایک کی حفاظت کی ذمہ داری اللہ تعالیٰ نے اپنے سچے وعدے کے تحت اپنے اوپر واجب کی ہے کہ ان تینوں کو ضائع ہونے اور ضرر ونقصان سے بچائے گا۔

شیخ یہ بھی کہتے ہیں کہ ضامن کا صیغہ نسبت کے لئے بھی ہوسکتا ہے یعنی ''ذوضمان'' جیسے لابن اور تامر کے صیغے ذولبن اور ذوتمر کے معنی میں ہیں مطلب وہی ہے جو اوپر بیان ہوا ہے۔

اس حدیث میں تین قسم کے لوگ مراد ہیں تین افراد مراد نہیں پھر تین اقسام میں سے پہلی قسم کی ذمہ داری کو تفصیل سے بیان کیا گیا کہ وہ لوگ شہید ہو کر اللہ تعالیٰ ان کو جنت میں داخل فرمادیگا اور یا ان کو غازی بنا کر مال ومتاع اور اجر وثواب کے ساتھ لوٹا دیگا۔ دوسرے اور تیسرے قسم کے لوگوں کی تفصیل کو اس لئے بیان نہیں کیا گیا کہ ان کی حالت اور فضیلت واضح اور ظاہر تھی وہ یہ کہ ان کی حیثیت کے مطابق ان کو ثواب دیا جائے گا۔

"دخل بيته بسلام" اس جملہ کے دو مفہوم ہیں پہلا مفہوم یہ ہے کہ جب وہ شخص گھر میں داخل ہو تو گھر والوں کو سنت کے مطابق سلام کرے اس کے بدلے میں اللہ تعالیٰ اس کی اور اس کے گھر والوں کی حفاظت فرمائے گا اور ان پر برکتیں نازل فرمائے گا۔

---

[1] اخرجه ابوداود: ۲۴۹۴ [2] اشعة المعات: ۳۵۹ المرقات: ۲/۴۳۶

دوسرا مفہوم یہ ہے کہ جب وہ شخص گھر میں داخل ہو جائے تو لوگوں کی صحبت اور ان سے میل جول کو چھوڑ کر سلامتی کے ساتھ گھر ہی میں رہنا اپنے اوپر لازم کر دیتا ہے اور گھر سے باہر نہیں نکلتا ہے تا کہ کسی کو اس سے ایذا نہ پہنچے یہ مطلب ذرا بعید معلوم ہوتا ہے لمعات میں دونوں مفہوم مذکور ہیں۔

حج و نماز کے ثواب اور علیین کی تحقیق

﴿۳۶﴾ وعنه قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ خَرَجَ مِنْ بَيْتِهٖ مُتَطَهِّرًا اِلٰى صَلَاةٍ مَكْتُوْبَةٍ فَأَجْرُهٗ كَأَجْرِ الْحَاجِّ الْمُحْرِمِ وَمَنْ خَرَجَ اِلٰى تَسْبِيْحِ الضُّحٰى لَا يُنْصِبُهٗ اِلَّا اِيَّاهُ فَأَجْرُهٗ كَأَجْرِ الْمُعْتَمِرِ وَصَلَاةٌ عَلٰى اِثْرِ صَلَاةٍ لَا لَغْوَ بَيْنَهُمَا كِتَابٌ فِيْ عِلِّيِّيْنَ۔ (رَوَاهُ أَحْمَدُ وَأَبُوْ دَاوُدَ)[1]

ترجمہ: اور حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "جو شخص وضو کر کے گھر سے نکلے۔ اور فرض نماز ادا کرنے کے لئے مسجد جائے تو اس کو اتنا ثواب ملے گا جتنا احرام باندھ کر حج کرنے (جانے) والے کو ملتا ہے اور جو شخص چاشت کی (نفل) نماز ہی کے لئے تکلیف اٹھا کر (گھر سے) نکلے (یعنی بغیر کسی غرض اور ریا کے محض چاشت کی نماز پڑھنے ہی کے قصد سے گھر سے نکلے) تو اس کا ثواب عمرہ کرنے والے کے ثواب کے برابر ہے۔ اور (ایک) نماز کے بعد (دوسری) نماز پڑھنا اور ان دونوں نمازوں کے درمیانی وقت میں لغو بیہودہ باتیں نہ کرنا ایسا عمل ہے جو علیین میں لکھا جاتا ہے۔" (احمد، ابوداؤد)

توضیح: "فاجره كاجر الحاج" یعنی ایک مسلمان نمازی جب اچھی طرح وضو بنا کر فرض نماز پڑھنے کے لئے مسجد کی طرف نکلتا ہے اور فرض پڑھ لیتا ہے تو اس کا ثواب اتنا بڑا ہے جیسے حاجی کے حج کرنے کا ثواب ہوتا ہے اور اگر یہی نمازی صرف چاشت کی نماز کے لئے مسجد جاتا ہے تو اس کو ایک عمرہ کے برابر ثواب ملتا ہے فرض نماز مشبہ ہے اور حج مشبہ بہ ہے اسی طرح نفل نماز عمرہ کے لئے مشبہ ہے اور عمرہ مشبہ بہ ہے گویا فرض نماز حج کی طرح ہے اور نفل نماز عمرہ کی طرح ہے اور طہارت احرام کی طرح ہے۔

سوال: یہاں ایک سوال ہے جو اس قسم کی احادیث میں ہر جگہ پیش آتا ہے وہ یہ کہ نماز اپنی جگہ اگر چہ حج کی عبادت سے افضل اور بڑی عبادت ہے لیکن ثواب بقدر مشقت حاصل ہوتا ہے اور حج میں بہت بڑی مشقت ہے نیز اس میں بڑی مالی قربانی بھی ہے اور وقت کی قربانی بھی ہے تو یہ دونوں ثواب میں کیسے برابر ہو سکتے ہیں؟[2]

جواب: اس سوال کا جواب شیخ عبدالحق رحمہ اللہ نے لمعات میں اس طرح دیا ہے۔

"هذا من باب الحاق الناقص بالكامل مبالغة في الترغيب وليس المراد التسوية من كل الوجوه".

---

[1] اخرجه احمد: ۵/۲۶۳، ۲۶۸ وابوداؤد: ۵۵۸، ۱۲۸۸

[2] اخرجه احمد: ۵/۲۶۳، ۲۶۸ وابوداؤد: ۵۵۸، ۱۲۸۸

یعنی اس تشبیہ میں مکمل مساوات نہیں ہے صرف ترغیب میں تشبیہ ہے کہ فرض نماز حج جیسی بڑی عبادت ہے۔ علامہ تورپشتی عفی اللہ عنہ نے اس سوال کا ایک جواب یہ دیا ہے کہ اس تشبیہ کا مطلب یہ ہے کہ مشبہ یعنی نماز کا ثواب جب کئی گنا "مضاعف" یعنی دگنا ہو جاتا ہے وہ حج کے اس ثواب کے برابر ہوتا ہے جو غیر مضاعف ہو یعنی دگنا نہ ہو۔[1]

علامہ نے دوسرا جواب یہ دیا ہے کہ یہ تشبیہ مخصوص چیز میں ہے عمومی احوال میں نہیں ہے مطلب یہ کہ جس طرح گھر سے نماز کے لئے جب نمازی نکلتا ہے تو گھر واپس ہونے تک اس کو ثواب ملتا ہے اسی طرح ایک حاجی جب گھر سے نکلتا ہے تو واپس گھر آنے تک اس کو ثواب ملتا ہے گویا یہ صرف امتداد ثواب میں تشبیہ ہے مساوات میں نہیں۔

بعض علماء اس قسم کی احادیث کا جواب اس طرح دیتے ہیں کہ کسی عبادت کا ایک اصل ثواب ہوتا ہے اور ایک اضافی ثواب ہوتا ہے تشبیہ اصل ثواب میں ہوتی ہے اضافی ثواب میں نہیں ہوتی اس توجیہ کا ذکر علامہ طیبی عفی اللہ عنہ نے اپنی شرح میں کیا ہے۔[2]

تسبیح الضحی" لفظ تسبیح نوافل کے لئے استعمال کیا جاتا ہے اس کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ جس طرح فرض نماز میں تسبیحات نوافل کے درجے میں ہیں اسی طرح فرض نماز کے علاوہ دیگر نمازیں نوافل کے درجہ میں ہیں اس لئے اس کو تسبیح کے لفظ سے یاد کیا گیا۔ "**الضحی**" چاشت کی نماز کو صلوۃ الضحی کہتے ہیں اس کی فضیلت اور جواز یا عدم جواز کی بحث آئندہ ان شاء اللہ آئے گی۔

"**کتاب فی علیین**" **ای عمل مکتوب فی دیوان الحفظة**" یعنی کراماً کاتبین کے خاص دفتر میں اس کا ثواب لکھا جائے گا۔

بعض نے کہا کہ علیین سب سے عمدہ جنت کا نام ہے جس طرح سجین بدترین دوزخ کا نام ہے۔ بعض نے کہا کہ علیین ساتویں آسمان کے اوپر ایک مقام کا نام ہے۔ علامہ تورپشتی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ سب سے راجح قول یہ ہے کہ علیین خیر و بھلائی کے اس دفتر کا نام ہے جس میں صلحاء اور نیک لوگوں کے اعمال درج کئے جاتے ہیں۔[3]

﴿۳۷﴾ وعن أبي هريرة قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم إذا مررتم برياض الجنة فارتعوا قيل يا رسول الله وما رياض الجنة قال المساجد قيل وما الرتع يا رسول الله قال سبحان الله والحمد لله ولا إله إلا الله والله أكبر. (رواه الترمذي)[4]

ترجمہ: اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "جب تم جنت کے باغوں میں جایا کرو تو وہاں میوہ کھایا کرو، آپ سے پوچھا گیا کہ "یا رسول اللہ! (دنیا میں) جنت کے باغ کہاں ہیں؟ آپ نے فرمایا مسجدیں (جنت کے باغ ہیں) پھر پوچھا گیا کہ "یا رسول اللہ! میوہ کھانا کیا ہے (یعنی ان میں میوہ کس طرح کھایا کریں! آپ نے فرمایا سبحان اللہ والحمد للہ ولا الہ الا اللہ و اللہ اکبر (مسجدوں میں ان کلمات کے ورد رکھنا میوہ کھانا ہے)۔ (ترمذی)

---

[1] المرقات: ۲/۳۳۵ [2] المرقات: ۲/۳۳۳، ۳۳۴ [3] المرقات: ۲/۳۳۵ [4] اخرجه الترمذی: ۳۵۰۹

توضیح: "ریاض الجنة" ۔۱ روضہ باغ کو کہتے ہیں اس سے مراد مساجد ہیں مساجد کو جنت کے باغات اس لئے کہا گیا کہ ان میں وہ اعمال ہوتے ہیں جو جنت میں داخل ہونے کا ذریعہ بنتے ہیں۔

الرتع" باغوں میں جا کر اچھے مقامات کی سیر و تفریح اور اچھے لذیذ میوے اور پھل حاصل کرنے اور اس کے کھانے کو رتع کہتے ہیں جب مساجد کی تشبیہ باغات سے دی گئی تو بطور استعارہ ترشیحیہ اس کے لئے میوہ کھانا ثابت کیا گیا۔

بہرحال اس حدیث میں مسلمانوں کو ترغیب دی جارہی ہے کہ مساجد میں کثرت سے اللہ تعالیٰ کا ذکر کرو جو دنیا میں مساجد میں بسیرا رکھے گا وہ قیامت میں جنت میں بسیرا پائے گا وقت ضائع نہ کرو خوب فائدہ اٹھاؤ۔ کیونکہ کچھ دیر بعد یہ موقع ہاتھ سے نکل جائے گا شاعر کہتا ہے۔

تمتع من شميم عرار نجد   فما بعد العشية من عرار

﴿۳۸﴾ وعنه قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ أَتَى الْمَسْجِدَ لِشَيْءٍ فَهُوَ حَظُّهُ. (رَوَاهُ أَبُوْ دَاوُدَ)۲

ترجمہ: اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ سرور کائنات ﷺ نے فرمایا "جو شخص (دین یا دنیا کے) جس کام لئے مسجد میں آئے گا اسے اسی میں سے حصہ ملے گا۔" (ابوداؤد)

توضیح: "فهو حظه" یعنی جو شخص جس مقصد کے لئے مسجد میں آئے گا اس کو وہی مقصد ملے گا۔ اگر عبادت اور اچھے اعمال اور اچھے مقاصد کے لے آیا تو اس کا ثواب پائے گا اور اگر دکھاوے انتشار اور غلط مقاصد کی ترویج اور دنیوی اغراض کے لئے آیا تو اس کا وبال اٹھائے گا گویا مسجد کتنی مقدس جگہ کیوں نہ ہو کسی کا کوئی غلط عمل اس میں نیک عمل میں تبدیل نہیں ہوسکتا ہے یہ حدیث گویا "انما الاعمال بالنيات" والی حدیث کے مضمون کا ایک حصہ ہے۔۳

مسجد میں داخل ہونے کی دعا

﴿۳۹﴾ وعن فَاطِمَةَ بِنْتِ الْحُسَيْنِ عَنْ جَدَّتِهَا فَاطِمَةَ الْكُبْرٰى قَالَتْ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا دَخَلَ الْمَسْجِدَ صَلَّى عَلٰى مُحَمَّدٍ وَسَلَّمَ وَقَالَ رَبِّ اغْفِرْ لِيْ ذُنُوْبِيْ وَافْتَحْ لِيْ أَبْوَابَ رَحْمَتِكَ وَإِذَا خَرَجَ صَلَّى عَلٰى مُحَمَّدٍ وَسَلَّمَ وَقَالَ رَبِّ اغْفِرْ لِيْ ذُنُوْبِيْ وَافْتَحْ لِيْ أَبْوَابَ فَضْلِكَ. رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَأَحْمَدُ وَابْنُ مَاجَه وَفِيْ رِوَايَتِهِمَا قَالَتْ إِذَا دَخَلَ الْمَسْجِدَ وَكَذَا إِذَا خَرَجَ قَالَ بِسْمِ اللهِ وَالسَّلَامُ عَلٰى رَسُوْلِ اللهِ بَدَلَ صَلَّى عَلٰى مُحَمَّدٍ وَسَلَّمَ وَقَالَ التِّرْمِذِيُّ لَيْسَ إِسْنَادُهُ بِمُتَّصِلٍ وَفَاطِمَةُ بِنْتُ الْحُسَيْنِ لَمْ تُدْرِكْ فَاطِمَةَ الْكُبْرٰى۔۴

---

۱ المرقات: ۲/۴۳۵ ۲ اخرجه ابوداؤد: ۴۷۲ ۳ المرقات: ۲/۴۳۶
۴ اخرجه احمد: ۹/۲۸۲ وابن ماجه: ۱/۷۷، والترمذي: ۱/۲۱۴

ترجمہ: حضرت فاطمہ بنت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہا اپنی دادی فاطمہ کبریٰ (زہرا) رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت کرتی ہیں کہ سرور کائنات ﷺ جب مسجد میں تشریف لاتے تو محمد ﷺ پر درود و سلام بھیجتے (یعنی یہ الفاظ فرماتے صلی اللہ علی محمد وسلم یا فرماتے اللھم صلی علی محمد وسلم اور پھر یہ دعا پڑھتے رب اغفرلی ذنوبی و افتح لی ابواب رحمتک۔ یعنی: اے میرے پروردگار، میرے گناہ بخش دے اور میرے لئے اپنی رحمت کے دروازے کھول دے۔

اور جب مسجد سے باہر آتے تو پھر محمد ﷺ پر درود و سلام بھیج کر یہ دعا پڑھتے۔ رب اغفرلی ذنوبی و افتح لی ابواب فضلک۔ یعنی اے میرے پروردگار! میرے گناہ بخش دے اور میرے لئے اپنے فضل کے دروازے کھول دے۔

یہ روایت ترمذی، احمد، ابن ماجہ نے نقل کی ہے اور احمد کی روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ: "(حضرت فاطمہ فرماتی ہیں کہ) آنحضرت ﷺ جب مسجد میں داخل ہوتے اور اسی طرح جب باہر نکلتے تو صلی علی محمد وسلم کے بجائے یہ الفاظ فرماتے بسم اللہ والسلام علی رسول اللہ یعنی:۔ میں اللہ کے نام کے ساتھ داخل ہوتا ہوں (اور نکلتا ہوں) اور سلامتی ہو رسول اللہ پر۔

امام ترمذی فرماتے ہیں کہ اس حدیث کی سند متصل نہیں ہے کیونکہ حضرت حسین کی دختر فاطمہ نے حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا بنت رسول اللہ ﷺ کا زمانہ نہیں پایا ہے (اور ان سے نہیں ملی ہیں)۔

توضیح: "ابواب رحمتک" چونکہ مسجد میں داخل ہونے والا مسلمان کسی دنیوی اغراض و مقاصد کے لئے اندر نہیں جاتا بلکہ صرف عبادت اور رضائے الٰہی کے لئے جاتا ہے اس لئے اس موقع کے نہایت ہی مناسب ہے کہ آدمی اللہ تعالیٰ سے ان کی رحمتوں اور برکتوں کے فیضان کا سوال کرے لیکن جب آدمی مسجد سے باہر جاتا ہے تو عام طور پر بازاروں اور دکانوں میں حصول رزق اور حلال کمائی کی کوشش کرتا ہے تو ایسے موقع پر نہایت موزوں ہے کہ آدمی یہ کہے "اللھم افتح لی ابواب فضلک" کیونکہ فضل سے یہاں حلال کمائی مراد ہے۔ اس حدیث میں مسجد کے دخول و خروج کے تمام آداب کا اور جامع انداز سے تمام دعاؤں کا بیان کیا گیا ہے اگرچہ اس حدیث میں انقطاع ہے اور حدیث متصل نہیں ہے کیونکہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی بیٹی فاطمہ اس وقت پیدا بھی نہیں ہوئی تھی جبکہ حضرت فاطمۃ الزہرا کا انتقال ہو چکا تھا بلکہ حضرت فاطمہ زہرا کے انتقال کے وقت تو حضرت حسین رضی اللہ عنہ صرف آٹھ سال کے تھے۔[1]

مسجد میں حلقے لگانا اشعار گانا خرید و فروخت کرنا منع ہے

﴿۴۰﴾ وعن عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ جَدِّهِ قَالَ نَهٰى رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ تَنَاشُدِ الْأَشْعَارِ فِي الْمَسْجِدِ وَعَنِ الْبَيْعِ وَالْاِشْتِرَاءِ فِيهِ وَأَنْ يَتَحَلَّقَ النَّاسُ يَوْمَ الْجُمُعَةِ قَبْلَ الصَّلَاةِ فِي الْمَسْجِدِ۔ (رَوَاهُ أَبُو دَاوُدَ وَالتِّرْمِذِيُّ)[2]

ترجمہ: اور حضرت عمرو بن شعیب اپنے والد سے اور وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ "سرور کائنات ﷺ نے مسجد

---

[1] المرقات: ۲/۳۳۷ [2] اخرجه ابوداؤد: ۱۰۷۹ والترمذی: ۳۲۲/۱

میں اشعار پڑھنے، خرید وفروخت کرنے اور جمعہ کے روز نماز سے پہلے لوگوں کو حلقہ باندھ کر بیٹھنے سے (خواہ حلقہ باندھ کر بیٹھنا مذاکرہ علم اور ذکر و تسبیح کے لئے کیوں نہ ہو) منع فرمایا ہے۔" (ابوداؤد، ترمذی)

توضیح: "تناشد الاشعار" تناشد باب تفاعل سے اشعار پڑھنے اور گائے جانے کے معنی میں ہے یعنی مسجد میں اشعار پڑھنے سے حضور اکرم ﷺ نے منع فرمایا ہے اشعار سے قبیح اور مذموم باطل عشقیہ اشعار مراد ہیں ورنہ اچھے اشعار حضرت حسان رضی اللہ عنہ نے مسجد نبوی میں حضور اکرم ﷺ کے سامنے منبر نبوی پر پڑھے ہیں اور مسلمانوں کی مساجد میں تا حال پڑھے جاتے ہیں اچھے مضامین کے اشعار تو اچھی نصیحت ہے البتہ جن اشعار باطلہ سے عقائد فاسد ہوتے ہوں اس کا پڑھنا ممنوع ہے اگرچہ وہ نعت کی قسم سے کیوں نہ ہو۔ کیونکہ مساجد ذکر اللہ اور عبادت کے لئے بنی ہیں اس میں لغو اور جھوٹ پر مبنی اشعار کی گنجائش نہیں تفصیل ان شاء اللہ آئندہ باب الشعر میں آئے گی۔ [۱]

"وعن البیع" مسجد میں جس طرح خرید وفروخت ممنوع اور ناجائز ہے اسی طرح مسجد میں دنیا کی باتیں اور بے مقصد قصے کہانیاں بھی منع ہیں فقہاء نے لکھا ہے کہ جو شخص سنت کے بعد فرض پڑھنے سے پہلے دنیا کی لغو گفتگو میں مشغول رہا تو اس کی سنت ضائع ہو گئی بعض نے کہا سنت دوبارہ پڑھ لے بعض نے کہا سنت کا اعادہ ضروری نہیں مگر جو ثواب تھا وہ ختم ہو گیا اب وہ نہیں ملے گا۔

"وان یتحلق" تحلق حلقہ باندھ کر بیٹھنے کے معنی میں ہے اس کو منع کیا گیا خواہ تعلیم و تعلم اور علمی مذاکرہ کی غرض سے کیوں نہ ہو کیونکہ نماز سے قبل جو لوگ مسجد میں آتے ہیں وہ نماز ہی کے لئے آتے ہیں لہٰذا ان کو سنت طریقہ کے مطابق صف میں قبلہ رخ ہو کر بیٹھنا چاہئے اور حلقہ وار بیٹھنا اس کے منافی ہے۔ ممانعت کی دوسری وجہ یہ ہے کہ جمعہ کی نماز خود بہت بڑا عمل ہے جب تک آدمی اس سے فارغ نہیں ہو جاتا اس کو کسی اور شغل میں لگنا نہیں چاہئے اور حلقہ لگانا اس عمل میں دخل اندازی ہے اس لئے یہ منع ہے ان دو وجوہات کے پیش نظر حلقہ لگانا خطبہ کے دوران بھی منع ہو جاتا ہے اور خطبہ سے پہلے بھی منع ہو جاتا ہے۔ تیسری وجہ یہ ہے کہ یہ وقت خطبہ سننے اور خاموش رہنے کا ہے نہ کہ حلقہ باندھ کر بیٹھنے کا ہے یہ تیسری وجہ صرف خطبہ کے ساتھ خاص ہے کہ اس وقت حلقہ بنا کر بیٹھنا منع ہے لیکن بعض روایات میں جمعہ کی نماز کا ذکر نہیں ہے بلکہ "نھی عن الحلق قبل الصلوٰۃ" کے الفاظ ہیں لہٰذا یہ ممانعت صرف جمعہ کی وجہ سے نہیں ہے بلکہ عام نمازوں سے پہلے حلقے لگانا منع ہے شاید جمعہ کی تصریح اس لئے ہے کہ اس دن یہ حلقے زیادہ ہوتے ہونگے اور اس دن رش بھی ہوتا ہے تبلیغی جماعت کے لوگوں کو اس سنت پر عمل کرنے کی فکر کرنی چاہئے۔

﴿۴۱﴾ وعن أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا رَأَيْتُمْ مَنْ يَبِيْعُ أَوْ يَبْتَاعُ فِي الْمَسْجِدِ فَقُوْلُوْا لَا أَرْبَحَ اللهُ تِجَارَتَكَ وَإِذَا رَأَيْتُمْ مَنْ يَنْشُدُ فِيْهِ ضَالَّةً فَقُوْلُوْا لَا رَدَّهَا اللهُ عَلَيْكَ. (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَالدَّارِمِيُّ) [۲]

---

[۱] المرقات: ۲/۴۳۸ [۲] اخرجه دارمی: ۱۴۰۸ والترمذی: ۳/۲۱

ترجمہ: اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جب تم مسجد میں کسی شخص کو خرید و فروخت کرتے ہوئے دیکھو تو کہو کہ "خدا کرے تیری سوداگری میں نفع نہ ہو، اور جب تم (مسجد میں) کسی شخص کو بلند آواز سے گمشدہ چیز ڈھونڈتے ہوئے دیکھو تو کہو کہ "خدا کرے تیری چیز نہ ملے۔" (ترمذی، دارمی)

توضیح: "لاا ربح الله تجارتك" مساجد نماز اور تلاوت کلام اللہ اور ذکر اللہ کے لئے بنائی گئی ہیں جو شخص اس میں دنیوی معاملات و تجارات نمٹاتا ہے وہ مسجد کے بنانے کے مقاصد اور مساجد کے تقدس کو پامال کرتا ہے اس لئے شریعت اس قسم کے کاموں کی مساجد میں اجازت نہیں دیتی اور اس کی حوصلہ شکنی کرتی ہے اسی سلسلہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بطور زجر و تشدید یہ فرمایا کہ مساجد میں اس طرح معاملات کرنے والے شخص کو کہو کہ اللہ تعالیٰ تیری تجارت میں تجھے کامیابی نہ دے۔[1]

علماء نے لکھا ہے کہ یہ الفاظ حدیث پر عمل کرتے ہوئے صرف زبان سے ادا کرنا چاہئے مگر دل سے بددعا کا ارادہ نہیں کرنا چاہئے۔ اور ممکن ہے کہ حقیقی بددعا مراد ہو تاکہ تجارت میں نفع نہ ہونے کی وجہ سے یہ آدمی آئندہ مساجد کو ان دنیوی کاموں سے پاک رکھے۔

"لاردها الله" حدیث کے اس جملہ کو بھی اوپر والے جملے کی توضیح کی روشنی میں سمجھنا چاہئے نیز اس سے پہلے حدیث نمبر ۱۷ میں مکمل تفصیل گذر چکی ہے وہاں دیکھ لیا جائے۔

﴿۴۲﴾ وعن حَكِيْمِ بْنِ حِزَامٍ قَالَ نَهٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ يُسْتَقَادَ فِي الْمَسْجِدِ وَأَنْ يُنْشَدَ فِيْهِ الْأَشْعَارُ وَأَنْ تُقَامَ فِيْهِ الْحُدُوْدُ.

(رَوَاهُ أَبُوْ دَاوُدَ فِي سُنَنِهِ وَصَاحِبُ جَامِعِ الْأُصُوْلِ فِيْهِ عَنْ حَكِيْمٍ وَفِي الْمَصَابِيْحِ عَنْ جَابِرٍ)

ترجمہ: اور حضرت حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد میں قصاص لینے (یعنی قاتل کا خون بہانے) اشعار پڑھنے حدود قائم کرنے سے منع فرمایا ہے۔" (ابوداؤد)

توضیح: "ان يستقاد" استیقاد میں سین اور تا طلب کے لئے ہے "اى يطلب القود" والقود القصاص یعنی قصاص لینا اور کسی کو مسجد[2] میں بطور قصاص قتل کرنا منع ہے کیونکہ اس سے مسجد میں خون گرے گا جس سے مسجد کے ناپاک اور آلودہ ہونے کا خطرہ ہے حدیث کا مطلب یہ نہیں کہ زبانی طور پر قصاص کا مطالبہ مسجد میں نہیں کرنا چاہئے اور "وان تقام فيه الحدود" کے الفاظ اس پر دلالت کرتے ہیں کہ عملی طور پر یہ افعال مسجد میں نافذ نہیں کرنا چاہئے نیز یہ آخری جملہ حدیث کے اول حصہ کے بعد تعمیم بعد التخصیص کے طور پر ذکر کیا گیا ہے حدود سے مراد تمام حدود ہیں خواہ وہ حقوق اللہ سے متعلق ہوں یا حقوق العباد سے متعلق ہوں کیونکہ اس میں مسجد کی بے حرمتی بھی ہے اور یہ خطرہ بھی ہے کہ حدود کے نفاذ سے مسجد آلودہ ہو جائے۔ ابن ابی لیلیٰ نے جواز کا کہا ہے مگر ان کا قول شاذ ہے شرح السنہ میں لکھا ہے کہ حضرت

[1] المرقات: ۲/۴۳۰ [2] المرقات: ۲/۴۳۰

عمر رضی اللہ عنہ نے واجب الحد شخص کے بارے میں فرمایا کہ اس کو مسجد سے باہر نکالدو اسی طرح حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کہا۔
(کذا فی المرقات)[1]

"فیه عن حکیم" مشکوۃ کی اس روایت میں حکیم بن حزام مذکور ہے حزام کے حا پر کسرہ ہے یہ حکیم کے والد کا نام ہے صاحب جامع اصول نے صرف حکیم کو ذکر کیا ہے اور ابن حزام کا لفظ نہیں لگایا ہے ممکن ہے وہ حکیم کوئی اور ہو اگر چہ ظاہر یہی ہے کہ حکیم سے ابن حزام ہی مراد ہے کیونکہ یہی صحابی ہیں ان کے علاوہ حکیم بن معاویہ ہے جن کے صحابی ہونے میں اختلاف ہے۔ (کذا فی اللمعات)

امام مسلم نے صحیح مسلم ج ۲ ص ٦ پر لکھا ہے "قال مسلم بن حجاج ولد حکیم بن حزام فی جوف الکعبة وعاش مأة وعشرین سنة"۔ یعنی اس صحابی کو دو تاریخی عجوبے حاصل ہیں ایک یہ کہ کعبہ کے بیچ میں پیدا ہوئے ہیں معلوم ہوا مولود کعبہ صرف حضرت علی رضی اللہ عنہ نہیں ہیں اس زمانہ میں جن عورتوں کو بچے کی ولادت میں پریشانی لاحق ہوتی تھی تو وہ کعبہ کی پناہ میں جاتی تھیں تو ولادت میں آسانی آجاتی تھی شیعہ حضرات خواہ مخواہ جشن مولود کعبہ مناتے ہیں ان صحابی کا دوسرا عجوبہ یہ کہ ان کی عمر ایک سو بیس سال تھی یہ بڑی طویل عمر ہے جس کا ذکر تعجب سے خالی نہیں ہے۔[2]

﴿۴۳﴾ وعن مُعَاوِيَةَ بْنِ قُرَّةَ عَنْ أَبِيهِ أَنَّ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهٰى عَنْ هَاتَيْنِ الشَّجَرَتَيْنِ يَعْنِي الْبَصَلَ وَالثُّوْمَ وَقَالَ مَنْ أَكَلَهُمَا فَلَا يَقْرَبَنَّ مَسْجِدَنَا وَقَالَ إِنْ كُنْتُمْ لَا بُدَّ آكِلِيهِمَا فَأَمِيتُوهُمَا طَبْخًا۔ (رَوَاهُ أَبُوْ دَاوُدَ)[3]

ترجمہ: اور حضرت معاویہ بن قرۃ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ سرور کائنات ﷺ نے ان دو درختوں یعنی پیاز و لہسن (کے کھانے) سے منع کیا ہے اور فرمایا کہ جو شخص ان کو کھائے وہ ہماری (یعنی مسلمانوں کی) مسجدوں کے قریب نہ آئے نیز فرمایا کہ "اگر تم انہیں کھانا ضروری ہی سمجھو تو انہیں پکا کر ان کی بد بو دور کردو (اور کھالو)۔ (ابوداؤد)

توضیح: "ابن قرة" معاویہ تابعی ہے اور ان کے والد قرہ رضی اللہ عنہ ہیں قاف مضموم اور را مشددہ ہے قرہ بن ایاس بن ھلال مزنی صحابی ہیں۔[4]

"الشجرتین" یہاں یہ اشکال پیدا ہوتا ہے کہ عام عرف میں شجرہ درخت کو کہتے ہیں حالانکہ پیاز اور لہسن کا بوٹا ہوتا ہے درخت نہیں ہوتا شاید اسی اشکال کے پیش نظر شیخ عبدالحق رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ فی الصراح "شجرہ ہر چہ ساق دار داز درخت ونبات" یعنی شجرہ کا اطلاق ہر اس پودے پر ہوتا ہے جو پنڈلی پر کھڑا ہو خواہ درخت کی شکل میں ہو یا پودوں کی شکل میں ہو لہٰذا پیاز اور لہسن کے بوٹوں پر شجرہ کا اطلاق صحیح ہوا "ھاتین شجرتین" میں ان دو پودوں کی طرف اشارہ ذہنیہ ہے اور ممکن ہے کہ یہ دونوں پودے گفتگو کی مجلس میں موجود تھے اس صورت میں یہ اشارہ حسیہ ہوگا۔ ملا علی قاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ

[1] المرقات: ۲/۴۳۰ [2] اخرجه مسلم: ۲/٦ [3] اخرجه ابوداؤد: ۳۸۲۸ [4] المرقات: ۲/۴۳۱

پیاز اور لہسن کے حکم میں مولی اور گندنا بھی ہے۔ [1]

"ولا یقربن مسجدنا" قرب مسجد کی ممانعت بطور مبالغہ ہے کہ مسجد کے اندر جانا تو درکنار قریب آنا بھی منع ہے جب تک کہ ان دونوں چیزوں کی بدبو موجود ہو جب بدبو کا ازالہ کسی طرح ہو گیا تو پھر جانا جائز ہے اور ممانعت کی وجہ یہ ہے کہ مسجد میں فرشتوں کو ایذا پہنچتی ہے معلوم ہوا کہ فرشتے ہر وقت مسجد میں ہوتے ہیں خواہ انسان ہو یا نہ ہو۔ "مسجدنا" کا اشارہ اس ملت کی تمام مسجدوں کی طرف ہے حدیث میں اس طرف بھی اشارہ ہے کہ ان دونوں چیزوں کا کھانا اس وقت ممنوع ہے جب کوئی آدمی مسجد میں جانا چاہتا ہو اگر مسجد میں جانا نہ ہو تو دیگر اوقات میں ان چیزوں کا کھانا جائز ہے ہاں علماء نے لکھا ہے کہ عوام الناس کے عام اجتماعات میں بھی اس بدبو کے ساتھ جانا منع ہے۔ (کذا فی المرقات) مزید تفصیل گذشتہ حدیث ۱۸ کے تحت توضیح میں ملاحظہ کریں۔

"لابد" قاموس میں لکھا ہے کہ بَدَّدَ باب تفعیل سے تبدیداً تفریق اور جدا کرنے کے معنی میں ہے تو لابد بمعنی لافراق اور لامحالۃ کے ہوا "لا" کی خبر محذوف ہے یعنی اکلھا اور یہ جملہ کان کے اسم اور اس کی خبر کے درمیان جملہ معترضہ ہے اور کان کی خبر اکلیھما ہے۔

"امیتوھما" اماتت سے ازالہ رائحہ کریہہ مراد ہے خواہ پکانے سے ہو یا کسی اور طریقے سے ہو پکانے کا ذکر استعمال غالب کے طور پر ہے۔

﴿۴۴﴾ وعن أَبِي سَعِيدٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْأَرْضُ كُلُّهَا مَسْجِدٌ إِلَّا الْمَقْبَرَةَ وَالْحَمَّامَ۔ (رَوَاهُ أَبُو دَاوُدَ وَالتِّرْمِذِيُّ وَالدَّارِمِيُّ) [2]

ترجمہ: اور حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ سرور کائنات ﷺ نے فرمایا "مقبرہ اور حمام کے علاوہ ساری زمین مسجد ہے۔ (کہ ہر جگہ نماز پڑھی جاسکتی ہے)۔ (ترمذی، دارمی)

توضیح: "الارض کلھا مسجد" یہ اس امت کی خصوصیت ہے کہ ہر پاک زمین پر نماز پڑھنا جائز ہے جبکہ بنی اسرائیل کی نماز مسجد کے علاوہ زمین پر جائز نہیں تھی اور مسجد میں بھی جماعت کے بغیر جائز نہیں تھی اس حدیث میں بتایا گیا کہ بغیر کراہت زمین کے ہر پاک حصہ پر نماز جائز ہے۔ [3]

"المقبرۃ" اس لفظ میں حرف با پر زبر زیر پیش تینوں حرکات پڑھے جاسکتے ہیں جہاں مردے دفن کئے جاتے ہیں انکی قبروں کے مقام کو مقبرہ کہتے ہیں جسے قبرستان کہا جاتا ہے۔ قبرستان میں نماز اس لئے مکروہ ہے کہ وہاں عموماً گندگی اور آلودگی رہتی ہے کیونکہ مردوں کے اجساد کی مٹی وہاں پھیل چکی ہے اگر کسی قبرستان میں اس طرح ناپاکی نہ ہو اور قبروں سے کنارہ پر پاک جگہ موجود ہو تو وہاں نماز پڑھنے میں کوئی حرج نہیں ہوگی لیکن بعض علماء اس طرف گئے ہیں کہ ظاہر حدیث کے پیش نظر قبرستان

[1] المرقات: ۲/۴۴۱ [2] اخرجہ الدارمی: ۱/۳۹۷ وابوداؤد: ۴۹۲ والترمذی: ۳۱۷ [3] اشعۃ اللمعات: ۳۶۲ والمرقات: ۲/۴۴۲

میں مطلقاً نماز پڑھنا مکروہ ہے اور قبر کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنا تو حرام ہے تفصیل حدیث نمبر ۲۳ میں پہلے گذر چکی ہے۔
"**والحمام**" حمام کو گرم پانی کی وجہ سے حمام کہتے ہیں اس میں نماز اس لئے مکروہ ہے کہ اس میں لوگ برہنہ بدن ہو جاتے ہیں دوسری وجہ یہ کہ ان حمامات میں شیاطین ڈیرے ڈالے ہوئے ہوتے ہیں۔

وہ مقامات جہاں نماز پڑھنا مکروہ ہے

﴿۴۵﴾ وعن ابْنِ عُمَرَ قَالَ نَهٰى رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ يُصَلِّيَ فِيْ سَبْعَةِ مَوَاطِنَ فِي الْمَزْبَلَةِ وَالْمَجْزَرَةِ وَالْمَقْبَرَةِ وَقَارِعَةِ الطَّرِيْقِ وَفِي الْحَمَّامِ وَفِيْ مَعَاطِنِ الْإِبِلِ وَفَوْقَ ظَهْرِ بَيْتِ اللهِ۔
(رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَابْنُ مَاجَه)[1]

ترجمہ: اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ سرور کائنات ﷺ نے سات مقامات پر نماز پڑھنے سے منع فرمایا ہے۔
① جہاں ناپاک چیزیں ڈالی جاتی ہوں۔ (یعنی کوڑی)۔ ② جہاں جانور ذبح کئے جاتے ہوں ③ مقبرہ ④ راستہ کے درمیان ⑤ حمام کے اندر ⑥ اونٹوں کے بندھنے کی جگہ ⑦ خانہ کعبہ کی چھت پر۔" (ترمذی، ابن ماجہ)

توضیح: "**مواطن**" یہ موطن کی جمع ہے جگہ اور مقام کے معنی میں ہے یعنی سات مقامات ایسے ہیں[2] جہاں حضور اکرم ﷺ نے نماز پڑھنے سے امت کو منع فرمایا ہے علماء نے اس ممانعت کو کراہت پر حمل کیا ہے البتہ اس میں علماء کا اختلاف ہے کہ یہ کراہت تحریمی ہے یا تنزیہی ہے تو بعض علماء کے نزدیک کراہت تنزیہی ہے جو خلاف اولیٰ کے معنی میں ہے اور بعض علماء کے نزدیک کراہت تحریمی ہے مکروہ تحریمی **اقرب الی الحرام** ہوتا ہے اور مکروہ تنزیہی **اقرب الی الحلال** ہوتا ہے علماء نے یہ قاعدہ بھی لکھا ہے کہ جہاں مکروہ مطلق آجائے تو اس سے مکروہ تحریمی مراد ہوتا ہے۔
"**وفی مزبلة**" **مجمع البحار** میں لکھا ہے کہ "مزبلة" میم کے فتحہ کے ساتھ ہے اور با پر تینوں حرکات جائز ہے یہ اس مقام کا نام ہے جہاں کوڑا پھینکا جائے جسے کوڑا خانہ کہتے ہیں "زبل" با کے کسرہ کے ساتھ گوبر کو کہتے ہیں اور اگر زبر پڑھا جائے تو یہ اس زمین کا نام ہے جس میں گوبر ملائی گئی ہو جیسے فصل کے لئے گوبر ملاتے ہیں۔
"**المجزرة**" یہ اس مقام کا نام ہے جہاں جانور ذبح کئے جاتے ہیں جسے مذبح خانہ کہتے ہیں ان دونوں جگہوں میں نماز پڑھنا اس لئے مکروہ ہے کہ اس میں گندگی پھیلی ہوئی پڑی رہتی ہے اور یہ نماز کی رفعت شان کے منافی ہے کہ اس طرح گندے مقامات میں اسے ادا کی جائے۔ عظمت نماز اس بات کی متقاضی ہے کہ اس کو بالکل پاک وصاف جگہ میں ادا کیا جائے۔
"**قارعة الطریق**" قارعہ کھٹکھٹانے اور مارنے کے معنی میں ہے چونکہ عام لوگوں کی آمد و رفت سے عام راستہ پاؤں سے روندا جاتا ہے اور مارا جاتا ہے اس لئے کھلے عام اور درمیان والے راستہ کو قارعہ کہا گیا اس اعتبار سے الطریق کی طرف یہ اضافت بیانیہ ہے ملا علی قاری رحمہ اللہ[3] نے ایسا ہی لکھا ہے راستہ کے درمیان نماز اس لئے ممنوع ہے کہ عام لوگوں کی

[1] اخرجہ ابن ماجہ: ۷۴۶، والترمذی: ۳۴۶ [2] الکاشف: ۲۰۲ [3] المرقات: ۲/۴۴۲

آمد و رفت کی وجہ سے نماز میں دھیان اور یکسوئی باقی نہیں رہتی ہے دوسری وجہ یہ کہ عام لوگوں کو اس سے تکلیف بھی ہوتی ہے تیسری وجہ یہ کہ اس طرح بے محل کھڑے ہونے سے لوگ نمازی کے آگے سے گذریں گے تو وہ بھی گناہ گار ہونگے اور بے جا کھڑا ہونے والا یہ نمازی بھی گناہ گار ہوگا۔ یہی وجہ ہے کہ اگر کوئی نمازی صحراء میں راستہ کے درمیان نماز پڑھنے لگ جائے تو بعض علماء کے نزدیک وہاں منع نہیں ہے کیونکہ وہاں لوگوں کی آمد و رفت نہیں ہوتی ہے۔ (کذافی المرقات)

"معاطن الابل" یہ عطن کی جمع ہے بعض نے معطبن کی جمع قرار دیا ہے۔ یہ اس جگہ کو کہتے ہیں جہاں اونٹ پانی پی کر آرام کرتے ہیں اور یہ اس مقام کو بھی کہتے ہیں جہاں رات کے وقت اونٹ باندھے جاتے ہیں اس جگہ میں نماز اس لئے مکروہ ہے کہ اس میں عموماً نجاست ہوتی ہے اگر جائے نماز اور مصلّٰی کے بغیر کسی نے ایسی جگہ میں نماز پڑھ لی تو نماز فاسد ہو جائے گی اور اگر سجادہ بچھا دیا تو پھر بھی نماز مکروہ ہے کیونکہ ایسے مقام میں بذبولازمی طور پر ہوتی ہے۔ یہ بحث اس وقت ہے جب کہ باڑے میں اونٹ موجود نہ ہوں اور اگر موجود ہوں تو مطلقاً نماز مکروہ ہے کیونکہ اونٹ ایک وحشی جانور ہے بگڑ سکتا ہے اور بدک جاتا ہے نیز وہ آسمان سے پیشاب چھوڑتا ہے لہٰذا نمازی کے کپڑے پاک رہنا یا جگہ کا صاف رہنا ممکن نہیں ہے جیسا کہ آئندہ حکم آرہا ہے۔

"فوق ظهر بيت الله" ظہر کا لفظ لا کر اشارہ کر دیا کہ بیت اللہ سے اگر کوئی جگہ اونچی ہو تو وہاں نماز مکروہ نہیں ہے لہٰذا کراہت خاص ہے بیت اللہ کے اوپر کھڑے ہونے کے ساتھ اور یہ کراہت احترام بیت اللہ اور ادب بیت اللہ کی وجہ سے ہے معلوم ہوا بیت اللہ سے تعمیرات کا نیچے رکھنا شریعت کی منشا ہے اس میں ادب ہے "الدين كله ادب" اور بیت اللہ سے عمارتوں کا بلند رکھنا عرفاً بے ادبی ہے۔

نہی رسول اللہ کے الفاظ کی حیثیت:

علماء امت کے درمیان یہ ایک بحث چلی آئی ہے کہ **نهى رسول الله** کے الفاظ میں جو نہی کا صیغہ ہے اس کی حیثیت کیا ہے آیا اس کو حرام کہہ دیں یا حلال کہہ دیں یا کچھ اور کہہ دیں۔[1]

تو علماء کا ایک طبقہ کہتا ہے کہ اس لفظ سے مطلقاً فساد اور ناجائز کی طرف اشارہ ہوتا ہے۔ دوسرا طبقہ کہتا ہے کہ فساد کی طرف اشارہ نہیں ہے بلکہ فساد سے کم درجے کی طرف اشارہ ہے۔ تیسرا طبقہ کہتا ہے کہ عبادات میں جب نہی رسول اللہ ﷺ آجائے وہ عدم جواز کی طرف اشارہ ہے اور معاملات میں اگر یہ لفظ آجائے تو عدم جواز کی طرف اشارہ نہیں ہے۔ چوتھا طبقہ کہتا ہے کہ اگر نہی کا متعلق نفس فعل ہو جیسے عیدین کے دن روزہ رکھنا تو عدم جواز کی طرف اشارہ ہوتا ہے اور اگر نہی نفس فعل سے متعلق نہ ہو بلکہ کسی واسطہ سے ہو جیسے مغصوبہ زمین پر نماز پڑھنا تو ایسی صورت میں عدم جواز مراد نہیں ہوگا بلکہ اس سے کم درجہ مراد لیا جائے گا جو کراہت کا درجہ ہے۔ ملا علی قاری رحمہ اللہ نے مرقات شرح مشکوٰۃ میں اسی قسم کی بحث کی ہے۔

[1] المرقات: ۲/۴۴۳

خلاصہ یہ کہ احادیث میں نہی کا تعلق کبھی حرام سے ہوتا ہے کبھی مکروہ تحریمی سے ہوتا ہے کبھی مکروہ تنزیہی اور خلاف اولیٰ سے ہوتا ہے۔

﴿۴۶﴾ وعن أبي هريرة قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم صلّوا في مرابض الغنم ولا تصلّوا في أعطان الإبل. (رواه الترمذي) [۱]

ترجمہ: اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ بکریوں کے بندھنے کی جگہ نماز پڑھو، البتہ اونٹوں کے بندھنے کی جگہ مت پڑھو۔" (ترمذی)

توضیح: "مرابض" یہ مربض کی جمع ہے بکریوں کے باندھنے کی جگہ کو کہتے ہیں۔ [۲]

"اعطان" معاطن اور اعطان اور عطن اور معطن ایک ہی چیز ہے اونٹوں کے باڑے کو کہتے ہیں۔ بکریوں اور اونٹوں کے باڑے میں نماز پڑھنے اور نہ پڑھنے کے شرعی حکم میں اس لئے فرق ہے کہ اونٹوں کا باڑہ عموماً نرم زمین پر ہوتا ہے جس میں پیشاب جذب ہو کر پھیل جاتا ہے اور بکریوں کا باڑہ سخت زمین میں ہوتا ہے اس میں پیشاب پھیلتا نہیں تو کچھ جگہ پاک رہتی ہے جس میں نماز پڑھی جاسکتی ہے۔ دوسرا فرق یہ ہے کہ اونٹ ایک وحشی جانور ہے دیوہیکل بھی ہے اس کے قریب نماز پڑھنے میں تشویش ہوگی خشوع اور خضوع میں فرق آئیگا۔ کیونکہ بعض روایات میں آیا ہے کہ اونٹ شیاطین میں سے ہیں ایک روایت میں ہے کہ اونٹ جنات کی جنس سے پیدا ہیں اس کے برعکس بکری ایک مسکین حیوان ہے اس میں تشویش اور پریشانی کی کوئی بات نہیں ہے۔ تیسرا فرق یہ ہے کہ اونٹ بہت بلندی سے کھڑے ہو کر پیشاب چھوڑتا ہے جس سے نمازی کے کپڑے اور بدن ناپاک ہوسکتے ہیں بکریوں میں ایسا نہیں۔

ملا علی قاری اور شیخ عبد الحق رحمہما اللہ تعالیٰ نے اس بحث کے بعد لکھا ہے کہ اس حدیث میں ممانعت کی جو علت ہے وہ نجاست کا موجود ہونا اور اس کا قریب ہونا ہے تو نماز ہر اس جگہ میں پڑھنا منع ہے جہاں نجاست ہو اور جگہ پاک نہ ہو ایسی جگہ میں اگر جائے نماز بھی بچھا دیا جائے پھر بھی نماز پڑھنا منع ہے۔ مرابض اور معاطن کی تخصیص بطور مثال ہے مقصود عام ناپاک اور پاک جگہوں کا بیان کرنا ہے۔ [۳]

۲۳ ربیع الاول ۱۴۱۰ھ

عورتوں کا قبر پر جانا کیسا ہے

﴿۴۷﴾ وعن ابن عباس قال لعن رسول الله صلى الله عليه وسلم زائرات القبور والمتخذين عليها المساجد والسرج. (رواه أبو داود والترمذي والنسائي) [۴]

---

[۱] اخرجه الترمذي: ۳۴۸ [۲] الكاشف: ۳۰۲ والمرقات: ۲/۴۴۳

[۳] المرقات: ۲/۴۴۳، ۴۴۴ [۴] اخرجه ابوداود: ۳۲۳۶ والترمذي: ۳۲۰ ونسائي: ۴/۹۴

ترجمہ: اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ سرور کائنات ﷺ نے قبروں کی زیارت کرنے والی عورتوں پر اور قبروں کو مسجد بنالینے (یعنی قبروں پر سجدہ کرنے والوں) اور قبروں پر چراغ جلانے والوں پر لعنت فرمائی ہے۔"

(ابوداؤد، ترمذی، نسائی)

توضیح: "زائرات القبور" زائرۃ زیارت کرنے والی عورت کو کہتے ہیں قبور قبر کی جمع ہے مراد قبرستان ہے اس حدیث میں آنحضرت ﷺ نے ان عورتوں پر لعنت بھیجی ہے جو قبرستان جا کر قبروں کی زیارت کرتی ہیں حضور اکرم ﷺ[1] نے ابتداء اسلام میں قبروں کی زیارت سے امت کو منع فرمایا تھا تا کہ اس طرف سے شرک کا دروازہ کھل نہ جائے جب اسلامی عقائد کی پختگی آ گئی اور توحید و شرک کے مواقع کا فرق معلوم ہو گیا تو آپ ﷺ نے قبروں کی اجازت اس ارشاد کے ذریعے سے فرمادی "کنت نھیتکم عن زیارۃ القبور فزوروھا فانھا تذکر الآخرۃ"[2] اب بحث اس میں ہے کہ اس عام ممانعت کے بعد جو اجازت آ گئی ہے آیا یہ اجازت صرف مردوں کے لئے ہے یا عورتیں بھی اس اجازت میں شریک ہیں۔

بعض علماء فرماتے ہیں کہ یہ اجازت مردوں اور عورتوں دونوں کے حق میں ہے لہٰذا اب جس طرح مردوں کو قبرستان میں جانا جائز ہے عورتوں کو بھی اس عام اجازت کے پیش نظر جانا درست ہے۔

بعض دوسرے علماء فرماتے ہیں کہ اس اجازت کا تعلق صرف مردوں سے ہے عورتوں کے حق میں حدیث کی سابقہ نہی اور ممانعت اب بھی برقرار ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ عورتیں قبروں کی زیارت کے آداب کی پابندی نہیں کر سکتی ہیں اور نہ ادب جانتی ہیں وہ کمزور عقیدہ کی وجہ سے قبروں پر جا کر شرک اور بدعات میں مبتلا ہو جاتی ہیں اس لئے ان کے لئے قبروں اور مزارات پر جانا مناسب نہیں ہے زیر بحث حدیث واضح طور پر انہیں علماء کی تائید کرتی ہے۔

اس سلسلہ میں کچھ مزید تفصیل اس طرح ہے کہ شاہ محمد اسحاق محدث دھلوی رحمۃ اللہ علیہ کی تحقیق اس طرح ہے کہ صحیح اور معتمد قول کے مطابق عورتوں کو قبروں کی زیارت کرنا مکروہ تحریمی ہے۔ چنانچہ فقہاء احناف کی کتاب "مستملی" میں لکھا ہے کہ قبروں کی زیارت مردوں کے لئے مستحب ہے اور عورتوں کے لئے مکروہ ہے۔ ایک کتاب مجالس واعظیہ میں مذکور ہے کہ عورتوں کے لئے حلال نہیں ہے کہ وہ قبروں پر جائیں کیونکہ حضور اکرم ﷺ نے قبروں پر جانے والی عورتوں پر لعنت فرمائی ہے۔

"نصاب الاحتساب" کتاب میں مذکور ہے کہ عورتوں کے قبروں پر جانے کے جواز اور عدم جواز کے بارے میں کسی نے قاضی ابوزید رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا تو انہوں نے جواب میں فرمایا کہ اس کا جواز اور عدم جواز نہ پوچھو بلکہ یہ پوچھو کہ اس پر جو لعنت برستی ہے اس کی مقدار کتنی ہے یاد رکھو جب عورت قبر پر جانے کا ارادہ ہی کرتی ہے تو اللہ تعالیٰ اور فرشتوں کی لعنت میں گرفتار ہو جاتی ہے اور جب وہ قبر پر جانے لگتی ہے تو اس کو ہر طرف سے شیاطین گھیر لیتے ہیں اور جب قبر پر پہنچتی ہے تو مردہ کی روح اس پر لعنت بھیجتی ہے اور جب قبر سے واپس آتی ہے تو اللہ تعالیٰ کی لعنت میں گرفتار رہتی ہے۔ ایک حدیث

---

[1] المرقات: ۲/۴۴۴ [2] المرقات: ۲/۴۴۴

میں آیا ہے کہ جو عورت مقبرہ پر جاتی ہے تو ساتوں زمینوں اور ساتوں آسمانوں کے فرشتے اس پر لعنت بھیجتے ہیں چنانچہ وہ اللہ تعالیٰ کی لعنت میں قبرستان کا راستہ طے کرتی ہے اور جو عورت گھر میں بیٹھ کر میت کے لئے دعا کرتی ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو حج اور عمرہ کا ثواب دیتا ہے۔

حضرت سلمان رضی اللہ عنہ اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ایک حدیث منقول ہے کہ ایک دفعہ حضور اکرم ﷺ اپنے مکان کے دروازہ پر کھڑے تھے کہ باہر سے حضرت فاطمہ زہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا آئیں۔ آپ ﷺ نے ان سے پوچھا کہ کہاں سے آرہی ہو؟ حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے جواب دیا کہ فلاں عورت کا انتقال ہوگیا ہے اس کے مکان پر گئی تھی حضور ﷺ نے پوچھا کہ کیا اس کی قبر پر گئی تھی؟ حضرت فاطمہ نے جواب دیا کہ معاذ اللہ! کیا میں اس عمل کو کرسکتی ہوں جس کی ممانعت کے بارے میں آپ ﷺ سے میں خود سن چکی ہوں حضور اکرم ﷺ نے فرمایا تم نے یہ اچھا ہی کیا کہ اس کی قبر پر نہ گئی کیونکہ تم اگر اس کی قبر پر جاتی تو تجھے جنت کی بو بھی میسر نہ ہوتی۔

حضرت قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب مالابدمنہ میں لکھا ہے ''کہ زیارت قبور مرداں را جائز است نہ زنان را'' یعنی قبروں پر جانا مردوں کے لئے جائز ہے عورتوں کے لئے جائز نہیں ہے۔　　(بحوالہ مظاہر حق جدید)

ان تمام تصریحات اور ظاہر حدیث سے یہی بات واضح ہوجاتی ہے کہ قبروں پر عورتوں کا جانا منع ہے اس میں بڑے مفاسد ہیں جو عیاں ہیں وہاں چراغ جلاتے ہیں جس میں اسراف بھی ہے اور مجوس سے مشابہت بھی اور مردوں کو آگ کے قریب لانا بھی ہے یہ تو عام قبرستانوں کی بات ہے آج کل جو مزارات بنے ہوئے ہیں وہاں عورتوں کے جانے کا اسلام کی اجازت تو کیا شریف آدمی جانے کا تصور بھی نہیں کرسکتا ہے اللہ تعالیٰ مسلمان مردوں اور عورتوں کے عقائد کی حفاظت فرمائے ''آمین''۔ یہاں یہ بات ملحوظ رہنی چاہیے کہ جمہور علماء کے نزدیک قبروں پر جانے کی اس ممانعت سے حضور اکرم ﷺ کی قبر پر جانا اور زیارت کرنا مستثنیٰ ہے وہ سب کے لئے باعث برکت وثواب ہے۔

اللہ تعالیٰ کے انوارات کے ستر ہزار پردے

﴿۴۸﴾ وعن أَبِي أُمَامَةَ قَالَ إِنَّ حِبْرًا مِنَ الْيَهُوْدِ سَأَلَ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَيُّ الْبِقَاعِ خَيْرٌ فَسَكَتَ عَنْهُ وَقَالَ أَسْكُتُ حَتَّى يَجِيءَ جِبْرِيْلُ فَسَكَتَ وَجَاءَ جِبْرِيْلُ عَلَيْهِ السَّلَامُ فَسَأَلَ فَقَالَ مَا الْمَسْؤُلُ عَنْهَا بِأَعْلَمَ مِنَ السَّائِلِ وَلٰكِنْ أَسْأَلُ رَبِّي تَبَارَكَ وَتَعَالَى ثُمَّ قَالَ جِبْرِيْلُ يَا مُحَمَّدُ إِنِّي دَنَوْتُ مِنَ اللهِ دُنُوًّا مَا دَنَوْتُ مِنْهُ قَطُّ قَالَ وَكَيْفَ كَانَ يَا جِبْرِيْلُ قَالَ كَانَ بَيْنِي وَبَيْنَهُ سَبْعُوْنَ أَلْفَ حِجَابٍ مِنْ نُوْرٍ فَقَالَ شَرُّ الْبِقَاعِ أَسْوَاقُهَا وَخَيْرُ الْبِقَاعِ مَسَاجِدُهَا۔

(رواہ ابن حبان فی صحیحہ عن ابن عمر رضی اللہ عنہ)

ترجمہ: اور حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ (ایک روز) ایک یہودی عالم نے سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ بہتر جگہ کون سی ہے؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس کے جواب میں خاموش رہے اور فرمایا کہ جب تک جبرائیل علیہ السلام نہیں آجائیں گے میں خاموش رہوں گا۔ چنانچہ آپ خاموش رہے۔ جب حضرت جبرائیل علیہ السلام آگئے تو آپ نے ان سے (یہودی عالم کے سوال کا جواب) پوچھا حضرت جبرائیل نے کہا کہ "اس معاملہ میں آپ سے زیادہ میں بھی نہیں جانتا، البتہ میں اپنے پروردگار بزرگ و برتر سے اس کے بارے میں پوچھ لوں گا (چنانچہ) پھر حضرت جبرائیل (نے آکر) فرمایا "اے محمد! آج میں اللہ تعالیٰ سے اس قدر قریب ہوگیا تھا کہ کبھی بھی اتنا قریب نہیں ہوا۔" آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "اے جبرائیل علیہ السلام! کس قدر (فاصلہ دونوں کے درمیان رہ گیا) تھا۔" حضرت جبرائیل نے فرمایا "میرے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان ستر ہزار نور کے پردے باقی رہ گئے تھے، اور اللہ تعالیٰ نے (اس سوال کے جواب میں) فرمایا کہ "بدترین مقامات بازار ہیں اور بہترین مقامات مساجد ہیں۔" (یہ روایت ابن حبان نے اپنی صحیح میں حضرت ابن عمر سے نقل کی ہے)۔

توضیح: "**فسکت**" یعنی یہودی عالم کے سوال کے جواب میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم خاموش رہے اور اپنی طرف سے کوئی جواب نہ دیا یہ اس بات کی بہت بڑی دلیل ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے سچے رسول ہیں اور آپ اپنی طرف سے ایک بات بھی نہیں فرماتے ﴿**وماینطق عن الھوی ان ھوالاوحی یوحی**﴾ ورنہ ایسے مواقع میں خاموش رہنا بہت ہی دشوار ہوتا ہے خاص کر جب غیر مسلم اسلام سے متعلق کوئی بات پوچھتا ہے "**فقال**" یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دل میں فرمایا کہ جبرائیل کی آمد تک خاموش رہوں گا "**فسکت**" پس آپ خاموش ہوگئے علامہ طیبی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کلام کا یہی مطلب بیان کیا ہے۔ شیخ عبدالحق رحمۃ اللہ علیہ نے اس کلام کو سوال سائل کا جواب بنایا ہے وہ اس طرح کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خاموش ہوگئے تو گویا کسی سائل نے سوال کیا کہ یارسول اللہ آپ خاموش کیوں ہورہے ہو؟ تو آپ نے گویا جواب دیا کہ "اسکت" یعنی میں اس لئے خاموش ہورہا ہوں تاکہ جبرائیل آجائے اور وحی لائے۔ بعض نسخوں میں "اسکت" امر کے صیغہ کے ساتھ ہے گویا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے آپ کو حکم دیا کہ خاموش رہو اور جواب دینے میں جلدی نہ کرو یہاں تک کہ جبرائیل آجائے۔[1]

"**سبعون الف حجاب من نور**" یہ حجاب اور پردے مخلوق کے اعتبار سے ہیں اللہ تعالیٰ جل جلالہ کی نسبت سے نہیں ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ پردوں کے احاطے میں نہیں ہے مخلوق پردوں میں ہے مخلوق میں فرشتوں کے لئے جو جو پردے ہیں وہ نور کے پردے ہیں۔ اور انسانوں کے لئے جو پردے ہیں وہ جسمانی اور ظلمانی پردے ہیں اس کی مثال ایسی ہے جیسے سورج کے سامنے اندھے کی آنکھوں پر پردہ پڑا ہوا ہوتا ہے جس کی وجہ سے وہ آفتاب کو نہیں دیکھ پاتا ہے لیکن آفتاب تو کسی پردہ میں نہیں جیسے شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

گر نہ بیند بروز شپرہ چشم ۔ چشمۂ آفتاب را چہ گناہ

---

[1] المرقات: ۲/۴۴۵، ۴۴۶

شیخ عبدالحق عشنطلہ لکھتے ہیں کہ "نور" کے لفظ سے اس طرف اشارہ ہے کہ فرشتوں کا حجاب نورانی ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کی عظمت وجلال اور اللہ تعالیٰ کی صفات تقدس اور جمال وکمال کا حجاب ہے۔[1]

اور انسانوں میں بعض کے لئے یہی نورانی حجاب ہوتا ہے اور بعض کے لئے ظلمانی ونفسانی حجاب ہوتا ہے اور ہر قسم کے حجاب کی کوئی انتہاء نہیں ہے یہاں ستر کا ذکر تحدید کے لئے نہیں بلکہ تکثیر کے لئے ہے۔ بعض شارحین نے اس حجاب کی تفصیل اس طرح بیان کی ہے کہ حجاب سے مراد کوئی حسی یا مادی پردہ نہیں ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ پر کوئی پردہ محیط نہیں ہوسکتا ہے بلکہ حجاب کنایہ ہے ایک ایسے مانع سے جس کی موجودگی میں کوئی مخلوق اللہ تعالیٰ کو دیکھ نہیں سکتی ہے یہ نوری حجاب مادی اور حسی حجاب کی طرح رؤیت باری تعالیٰ کے لئے مانع ہے مثال کے طور پر اللہ تعالیٰ کے انوارات کا ایک پردہ سورج پر پڑا ہے تو اب سورج میں کتنا زور ہے کوئی شخص دیکھ کر آزما تو لے تاکہ پتہ چلے کہ کیا کیفیت ہے اس قسم کی حدیث توضیحات جلد اول ص ۳۰ حدیث ۱۳ تقدیر کے بیان میں گذر چکی ہے وہاں دیکھ لیا جائے۔

"شر البقاع" سائل نے صرف خیر البقاع" کے متعلق سوال کیا تھا لیکن جواب میں بہترین اور بدترین دونوں مقامات کا ذکر کیا گیا تاکہ رحمن کے نظام اور شیطان کے نظام دونوں کی نشاندھی ہوجائے ایک میں خیر کے اور دوسرے میں شر کے اعمال ہیں۔ اس حدیث سے مسلمانوں کو یہ تعلیم ملی کہ جس شخص کو خود مسئلہ معلوم نہ ہو تو وہ اس شخص سے پوچھ لے جس کو مسئلہ خوب معلوم ہو اور اس میں عار اور شرم محسوس نہ کرے دیکھئے یہاں حضور اکرم ﷺ نے مسئلہ حضرت جبرائیل علیہ السلام پر چھوڑا حضرت جبرائیل علیہ السلام نے مسئلہ اللہ تعالیٰ پر چھوڑ دیا اور وہاں سے جواب آ گیا۔

"رواہ" صاحب مشکوۃ نے مقدمہ مشکوۃ میں بیان کیا ہے کہ اس کتاب میں بعض مقامات کو میں نے حوالہ کے بغیر چھوڑ دیا ہے کیونکہ مجھے اصل کتاب کا حوالہ معلوم نہ تھا جس کو یہ حوالہ مل جائے وہ لکھدیں چنانچہ اسی جگہ میں بیاض اور خالی جگہ چھوڑ دی گئی ہے بعد کے علماء نے حوالہ لکھدیا ہے یہاں انہیں مقامات میں سے پہلا مقام ہے تو رواہ ابن حبان ہے شارحین نے یہاں بیاض کا ذکر کیا ہے اگرچہ مشکوۃ میں اس جگہ بیاض نہیں ہے کسی کاتب نے بھر دیا ہے۔

الفصل الثالث

مسجد بڑی دولت ہے اس سے فائدہ اٹھاؤ

﴿۴۹﴾ عن أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ مَنْ جَاءَ مَسْجِدِيْ هٰذَا لَمْ يَأْتِ إِلَّا لِخَيْرٍ يَتَعَلَّمُهُ أَوْ يُعَلِّمُهُ فَهُوَ بِمَنْزِلَةِ الْمُجَاهِدِ فِيْ سَبِيْلِ اللهِ وَمَنْ جَاءَ لِغَيْرِ ذٰلِكَ فَهُوَ بِمَنْزِلَةِ الرَّجُلِ يَنْظُرُ إِلَى مَتَاعِ غَيْرِهِ. (رَوَاهُ ابْنُ مَاجَه وَالْبَيْهَقِيُّ فِيْ شُعَبِ الْإِيْمَانِ)[2]

---

[1] اشعۃ اللمعات: ۳۶۳ [2] اخرجه ابن ماجه: ۲۲۷

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے سرور کائنات ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ ”جو شخص میری اس مسجد میں محض اس غرض سے آئے کہ نیک کام سیکھے اور سکھلائے تو وہ خدا کی راہ میں جہاد کرنے والوں کے ہم رتبہ ہے اور جو شخص اس غرض سے نہ آئے (یعنی کسی برے کام مثلاً لہو ولعب کی نیت سے آئے) تو وہ اس شخص کی مانند ہے جو دوسرے کے سامان کو (حسرت کی نگاہوں سے) دیکھتا ہے۔“ (ابن ماجہ، بیہقی)

توضیح: ”**مسجدی هذا**“ یہ اشارہ مسجد نبوی کی طرف ہے مسجد کا ذکر بطور مثال ہے کوئی تخصیص مقصود نہیں بلکہ تمام مساجد کا یہی حکم ہے ہاں مسجد نبوی میں یہ حکم اور یہ فضیلت بدرجہ اتم واکمل ہے اور باقی مساجد اس کے تابع ہیں۔[1]

”**یتعلمه**“ تعلیم وتعلم اور سیکھنے سکھانے کی تخصیص اس وجہ سے ہے کہ یہ عمل اعلیٰ وافضل ہے ورنہ اس میں کوئی حصر نہیں بلکہ ہر نیک عمل مثلاً نماز تلاوت اعتکاف اور ذکر اللہ سب کا حکم اسی طرح ہے کہ مجاہد فی سبیل اللہ کا ثواب اس شخص کو ملتا ہے اگرچہ وہ مجاہد نہیں بنتا لیکن مجاہد کا ثواب اس کو ملتا ہے۔

”**لغیر ذلك**“ اس میں عموم ہے یعنی لغیر الخیر مطلقاً“ نہ تعلیم تعلم کے لئے آیا ہے نہ ذکر اللہ کے لئے آیا بلکہ خیر وبھلائی کے علاوہ کھیل کود اور عبث گھومنے پھرنے اور تماشہ بینی کی غرض سے آیا۔

”**ینظر الی متاع غیره**“ اس سے افسوس وتحسر اور ندامت وملامت بیان کرنا مقصود ہے گویا یہ محروم شخص اپنی دولت سے تو خالی ہاتھ بیٹھا ہوا ہے مگر دوسرے کی دولت کی طرف للچائی ہوئی نگاہوں سے نہایت حرص کے ساتھ ٹکٹکی باندھ کر دیکھتا ہے اور صرف دیکھتا ہے ہاتھ میں کچھ نہیں آتا۔ گویا دگنا غم اٹھا رہا ہے نہ صبر کی طاقت ہے اور نہ چھیننے کی قدرت ہے۔[2]

بعض شارحین نے اس جملہ کا مطلب یہ بیان کیا ہے کہ قیامت کے دن یہ محروم شخص ثواب کمانے والوں کو حسرت آمیز نگاہوں سے دیکھے گا اور کف افسوس ملتا رہے گا اور سوائے درد وغم کے کچھ بھی ہاتھ نہیں آئیگا ”**الآن قد ندمت ولم ینفع الندم**“ یہ تو اس شخص کی مثال ہے جو کسی نہ کسی غرض سے مسجد کے اندر آیا تھا اور جو شخص زندگی بھر غلطی سے بھی مڑکر مسجد کی طرف نہیں دیکھے گا اس کا انجام کتنا بھیانک اور خطرناک ہوگا مسلمان کا جو سفر جنت کی طرف ہے اس کے لئے ضروری ہے کہ اس کا گذر مسجد پر ہو اگر کوئی مسلمان یہ چاہتا ہے کہ میں مسجد کا منہ نہیں دیکھوں گا اور مارکیٹ سے جنت چلا جاؤنگا تو یہ اس کی بھول ہے اور یہ ناممکن ہے کیونکہ مارکیٹ سے جنت کا کوئی راستہ نکلا ہی نہیں بلکہ مارکیٹ سے مسجد آنا ہوگا مولوی سے ملنا ہوگا دین سمجھنا ہوگا پھر اس کو صحیح راستہ میسر آئے گا اور جنت جائے گا معلوم ہوا مسجد بڑی دولت ہے اور مسلمانوں کے لئے بڑی نعمت ورحمت ہے۔

مسجد میں دنیاوی باتیں کرنا منع ہے۔

﴿۵۰﴾ وعن الحَسَنِ مُرسَلاً قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَأْتِيْ عَلَى النَّاسِ زَمَانٌ

[1] المرقات: ۲/۴۴۸ [2] المرقات: ۲/۴۴۸

يَكُونُ حَدِيثُهُمْ فِي مَسَاجِدِهِمْ فِي أَمْرِ دُنْيَاهُمْ فَلَا تُجَالِسُوهُمْ فَلَيْسَ لِلّٰهِ فِيهِمْ حَاجَةٌ.
(رَوَاهُ الْبَيْهَقِيُّ فِي شُعَبِ الْإِيمَانِ)

ترجمہ: اور حضرت حسن بصری سے مرسلاً روایت ہے کہ سرور کائنات ﷺ نے فرمایا "لوگوں پر عنقریب ایک ایسا وقت آئے گا کہ وہ اپنی دنیاداری کی باتیں اپنی مسجدوں میں کیا کریں گے لہٰذا تم ان کے پاس بھی نہ بیٹھنا (اگر چہ تم ان کی گفتگو میں شریک نہ ہو، تا کہ ان کے شریک نہ کہلاؤ) کیونکہ اللہ تعالیٰ کو ایسے لوگوں کی ضرورت نہیں ہے۔" (بیہقی)

توضیح: "یاتی علی الناس زمان"[1] اس جملہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ مساجد میں یہ عمل کرنا علامات قیامت میں سے ہے اور اس حدیث میں پیش گوئی بھی ہے کہ اس طرح زمانہ آئے گا چنانچہ آج کل یہی زمانہ آ گیا ہے کہ لوگوں کی عام فضول باتیں مسجدوں میں ہو رہی ہیں دنیوی معاملات اور بے فائدہ تبصرے سب مسجدوں میں کئے جاتے ہیں صوبہ سرحد اور کشمیر اور گلگت اور تمام ٹھنڈے علاقوں میں یہ منکرات زیادہ پائی جاتی ہیں میرے اندازے اور مشاہدے کے مطابق دنیا میں سب سے زیادہ باتیں رائے ونڈ کی مرکزی مسجد میں ہوتی ہیں میں نے وہاں دیکھا کہ لوگ صفوں میں کھڑے ہیں اور امام کی تکبیر کے انتظار میں ہیں اور مسجد لوگوں کی باتوں سے گونج رہی ہوتی ہے رات بھر سارا مجمع مسجد میں سوتا ہے اور دن بھر ان کے بستر ے مسجد میں لگے رہتے ہیں ظاہر ہے کہ ایسے ماحول میں دنیوی باتوں سے حفاظت کیسے ہو سکتی ہے۔ حالانکہ اگر وہاں کے ذمہ دار حضرات مسجد میں سونے کے بجائے باہر کسی بیرک میں سونے کا انتظام کروا دیں تو کوئی مشکل نہیں ہوگی جگہ وسیع ہے عمارات کی گنجائش ہے پھر خوامخواہ مسجد ہی سونے کے لئے اور باتوں کیلئے کیوں تختہ مشق بنائی جاتی ہے آنے والی حدیث اس سے بھی زیادہ واضح ہے کہ مسجدوں میں دنیوی کلام کتنا جرم ہے اور اس کے بعد حدیث نمبر ۵۲ میں تو علاج بھی بتایا گیا ہے کہ مسجد سے ملحق ایک جگہ باتوں کے لئے مختص ہوتی تھی حالانکہ وہ صحابہ کا دور تھا ان کی باتوں اور ہماری باتوں میں بڑا فرق ہے۔ کاش رائے ونڈ میں یہ اصلاح ہو جائے فتح القدیر میں ابن ہمام نے لکھا ہے "الکلام المباح فی المسجد مکروہ یاکل الحسنات" یعنی مباح کلام بھی مسجد میں مکروہ ہے انسان کی نیکیاں کھا جاتا ہے (جب حد سے بڑھ جائے)۔

"حاجة" یہ جملہ اس بات سے کنایہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں سے بیزار ہے اور ایسے لوگ اللہ تعالیٰ کی رحمت اور اس کی حفاظت سے خارج ہیں اللہ تعالیٰ کو ان کی کوئی ضرورت نہیں ہے اگر چہ وہ عبادت کے لئے حاضر ہوئے ہوں یہ حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ مسجد میں دنیوی امور کی باتیں کرنا مکروہ ہے چنانچہ بہت ساری احادیث اس پر دلالت کرتی ہیں دنیاوی باتوں سے مراد ایسی باتیں ہیں جو عبث بے فائدہ اور حد سے زیادہ ہوں فقہاء نے لکھا ہے کہ سنتوں کے بعد اگر کسی نے دنیوی باتیں کیں تو اس شخص کی سنت کا ثواب ختم ہو جاتا ہے ہاں اگر دنیاوی باتیں صرف ایک دو کلمہ تک ہوں زیادہ نہ ہوں تو وہ اس وعید میں داخل نہیں۔

[1] المرقات: ۲/۴۳۹

مسجد میں بلند آواز سے باتیں کرنا منع ہے

﴿۵۱﴾ وعن السَّائِبِ ابْنِ يَزِيْدَ قَالَ كُنْتُ نَائِمًا فِي الْمَسْجِدِ فَحَصَبَنِيْ رَجُلٌ فَنَظَرْتُ فَإِذَا هُوَ عُمَرُ ابْنُ الْخَطَّابِ فَقَالَ اذْهَبْ فَأْتِنِيْ بِهٰذَيْنِ فَجِئْتُهُ بِهِمَا فَقَالَ مِمَّنْ أَنْتُمَا أَوْ مِنْ أَيْنَ أَنْتُمَا قَالَا مِنْ أَهْلِ الطَّائِفِ قَالَ لَوْ كُنْتُمَا مِنْ أَهْلِ الْمَدِيْنَةِ لَأَوْجَعْتُكُمَا تَرْفَعَانِ أَصْوَاتَكُمَا فِيْ مَسْجِدِ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔ (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)[1]

ترجمہ: اور حضرت سائب بن یزید فرماتے ہیں کہ میں (ایک روز) مسجد میں پڑا سو رہا تھا کہ کسی شخص نے میرے کنکری ماری۔ میں نے دیکھا کہ وہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ ہیں۔ انہوں نے مجھ سے فرمایا کہ "تم جا کر ان دونوں اشخاص کو میرے پاس لے آؤ (جو مسجد میں بلند آواز سے باتیں کر رہے تھے) میں ان کو بلا لایا حضرت عمر نے پوچھا تم کون ہو؟ یا فرمایا کہ "تم کہاں کے رہنے والے ہو؟ انہوں نے کہا کہ ہم طائف کے رہنے والے ہیں! حضرت عمر نے فرمایا کہ "اگر تم لوگ مدینہ کے رہنے والے ہوتے تو میں تم کو سزا دیتا (یعنی مارتا۔ لیکن چونکہ تم لوگ یہاں کے رہنے والے نہیں ہو اور آداب مسجد سے واقف نہیں ہو یا یہ کہ مسافر ہو اس لئے عفو وشفقت کے مستحق ہو) اور فرمایا کہ یہ بڑے افسوس کی بات ہے کہ تم لوگ رسول خدا ﷺ کی مسجد میں زور زور سے باتیں کر رہے ہو۔" (بخاری)

توضیح: "فحصبنی" چھوٹی کنکری کو حصباء کہتے ہیں یعنی حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مجھے متوجہ کرنے کے لئے چھوٹی کنکری سے مارا تو میں متوجہ ہوا دیکھا تو حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ تھے۔[2]

"**ممن انتما**" راوی کو شک ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کونسا جملہ استعمال فرمایا تھا "**من اهل الطائف**" حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ہر دو جملوں کا جواب اس کلام میں موجود ہے "**لاوجعتکما**" یعنی اگر تم باہر کے مہمان نہ ہوتے اور مسجد نبوی کے آداب سے ناواقف نہ ہوتے تو میں تمہیں خوب مار کر زخمی کر دیتا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان دونوں کو مسافر ہونے کی وجہ سے شفقت ورحمت کے تحت معاف کر دیا اور صرف زبانی وعید سنا دی۔

"**ترفعان اصواتکما**" یہ جملہ مستانفہ ہے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی طرف سے نیا کلام ہے "**فی مسجد رسول الله ﷺ**" حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس کلام سے مسجد نبوی کی مزید شرافت ومنزلت اور عظمت ورفعت کی طرف اشارہ فرمایا ہے خصوصاً جبکہ وہاں آنحضرت ﷺ آرام فرما ہیں اور آپ ﷺ اپنے روضہ میں زندہ ہیں اور اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے ﴿**لا ترفعوا اصواتکم فوق صوت النبی**﴾۔ (کذا فی المرقات)[3]

علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "**یکرہ رفع الصوت فی المسجد بالعلم وغیرہ**" یعنی علمی مشغلہ ہو یا کوئی اور محفل ہو مسجد میں بلند آواز سے کلام کرنا مکروہ ہے۔ حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ[4]

[1] اخرجه البخاری: ۱/۱۲۶ [2] المرقات: ۲/۴۵۰ الکاشف: ۲/۲۰۶ [3] حجرات: ۲ [4] المرقات: ۲/۴۵۰

"سئل مالك عن رفع الصوت في المسجد بالعلم فقال لا خير فيه بعلم ولا بغيره ولقد ادركت الناس قديما يعيبون ذلك على من يكون بمجلسه وانا اكره ذلك ولا ادري فيه خيرا".

(کذا فی المرقات)[1]

ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ مرقات میں لکھتے ہیں کہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب بھی یہی ہے کہ مسجد میں آواز بلند کرنا مکروہ ہے خواہ ذکر اللہ سے کیوں نہ ہو ہاں مسجد میں درس وتدریس جائز ہے بشرطیکہ نمازیوں کو تشویش نہ ہوتی ہو "اذ مذهبه كراهة رفع الصوت في المسجد ولو بالذكر الخ". (مرقات)

بہر حال مسجد میں بلند آواز سے کلام کرنا مکروہ ہے اگر چہ علمی مکالمہ کیوں نہ ہو حد میں رہنا ہی بہتر ہے۔

دنیوی باتوں کے لئے مسجد سے باہر جگہ ہونی چاہئے

﴿۵۲﴾ وعن مَالِكٍ قَالَ بَنٰى عُمَرُ رَحْبَةً فِيْ نَاحِيَةِ الْمَسْجِدِ تُسَمّٰى الْبُطَيْحَاءَ وَقَالَ مَنْ كَانَ يُرِيْدُ أَنْ يَلْغَطَ أَوْ يُنْشِدَ شِعْرًا أَوْ يَرْفَعَ صَوْتَهُ فَلْيَخْرُجْ إِلٰى هٰذِهِ الرَّحْبَةِ. (رَوَاهُ فِي الْمُوَطَّاءِ)[2]

ترجمہ: اور حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے مسجد کے ایک گوشہ میں ایک چبوترہ بنوا دیا تھا جس کا نام بطیحا تھا اور لوگوں سے کہہ دیا تھا کہ جو شخص لغو باتیں کرنا چاہے یا اشعار پڑھنا چاہے یا (کسی وجہ سے) بلند آواز (سے باتیں) کرنا چاہے تو اسے چاہئے کہ وہ (مسجد سے نکل کر) اس چبوترہ پر آ جائے۔" (مؤطا)

توضیح: "رحبة" مسجد نبوی کے پاس ایک کھلی جگہ کو رحبہ کہا گیا ہے ویسے رحبہ عام کھلی جگہ کو اور صحراء کو کہتے ہیں اس لئے اس کو فی **ناحية المسجد** کے ساتھ مقید کر دیا گیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی اس ترتیب سے امت کو یہ تعلیم ملتی ہے کہ جب کسی منکر سے بچنا مشکل ہوتا ہے[3] تو اس کا متبادل انتظام کرنا چاہئے چونکہ لوگ باتیں کرتے ہیں اور نماز کے وقت مسجد میں اکٹھے ہونے سے باتیں کرنے کے مزید مواقع پیدا ہو جاتے ہیں اس لئے اس کی اصلاح کے لئے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے متبادل انتظام فرمایا کہ مسجد سے باہر ایک کھلی جگہ بنوالی کہ دنیوی باتیں وہاں کرو پھر نماز کے لئے اندر آ جاؤ۔ آج کل صوبہ سرحد کے ٹھنڈے علاقوں میں اکثر مساجد کے قریب مسافر خانے بنے ہوتے ہیں اس کا مقصد بھی یہی ہوتا ہے کہ مساجد میں باتیں نہ ہوں اور اس سے بہت فائدہ ہوا ہے۔

"**اللغط**" ایسے کلام کو کہتے ہیں جس کی آواز سنائی دیتی ہو مگر اس کا مطلب معلوم نہ ہو۔ مراد لغو کلام ہے۔ "**ينشد شعرا**" اپنا شعر پڑھتا ہو یا کسی اور کا سناتا ہو دونوں کو انشاد شعر کہتے ہیں اشعار سے مراد کوئی خاص شعر نہیں ہے مطلقاً اشعار مراد ہیں اگر چہ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے مذموم اشعار مراد لیا ہے مگر ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے اس پر رد کیا ہے "**او يرفع صوته**" ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "**ولو بالذكر**" یعنی آواز بلند کرنا مسجد میں ذکر کے ساتھ بھی مکروہ ہے۔

[1] المرقات: ۲/۴۵۰ [2] اخرجه مالك في مؤطا: ۱۷۵ [3] المرقات: ۲/۴۵۱ الكاشف: ۲/۳۰۸

قبلہ کی طرف تھوکنا سخت منع ہے

﴿۵۳﴾ وعن أَنَسٍ قَالَ رَأَى النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نُخَامَةً فِي الْقِبْلَةِ فَشَقَّ ذٰلِكَ عَلَيْهِ حَتّٰى رُئِيَ فِي وَجْهِهٖ فَقَامَ فَحَكَّهُ بِيَدِهٖ فَقَالَ إِنَّ أَحَدَكُمْ إِذَا قَامَ فِي الصَّلَاةِ فَإِنَّمَا يُنَاجِي رَبَّهُ وَإِنَّ رَبَّهُ بَيْنَهُ وَبَيْنَ الْقِبْلَةِ فَلَا يَبْزُقَنَّ أَحَدُكُمْ قِبَلَ قِبْلَتِهٖ وَلٰكِنْ عَنْ يَسَارِهٖ أَوْ تَحْتَ قَدَمِهٖ ثُمَّ أَخَذَ طَرَفَ رِدَائِهٖ فَبَصَقَ فِيْهِ ثُمَّ رَدَّ بَعْضَهُ عَلٰى بَعْضٍ فَقَالَ أَوْ يَفْعَلُ هٰكَذَا۔ (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)[1]

ترجمہ: اور حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے (مسجد میں) قبلہ کی طرف رینٹھ پڑا ہوا دیکھا تو آپ کو بہت ناگوار ہوا یہاں تک کہ اس ناگواری کا اثر آپ کے چہرۂ مبارک سے ظاہر ہو رہا تھا۔ چنانچہ آپ کھڑے ہوئے اور اسے خود اپنے دست مبارک سے کھرچ کر پھینکا اور فرمایا کہ "تم میں سے جب کوئی نماز پڑھنے کھڑا ہوتا ہے تو وہ اپنے پروردگار سے سرگوشی کرتا ہے اور اس وقت اس کا پروردگار اس کے اور قبلہ کے درمیان ہوتا ہے لہٰذا ہر ایک کو چاہئے کہ قبلہ کی طرف ہرگز نہ تھوکے بلکہ اپنے بائیں طرف یا قدموں کے نیچے تھوک لے۔ پھر آنحضرت ﷺ نے اپنی چادر مبارک کا ایک کونہ لیا اور اس میں کچھ تھوکا اور پھر کپڑے کو آپس میں رگڑ کر فرمایا کہ "یا اس طرح کر لیا کرو۔" (بخاری)

توضیح: "نخامة" لغت کی کتاب "مغرب" میں لکھا ہے کہ نخامۃ اور نخاعۃ اس آلائش کا نام ہے جو کھانسی کے ساتھ ناک کے خیشوم سے خارج ہوتی ہے۔[2]

علامہ طیبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ نخاعۃ اس تھوک کا نام ہے جو حلق کے آخری حصہ سے خارج ہوتی ہے بہر حال ناک کے اندر سے جو آلائش ناک کے ذریعہ سے باہر آتی ہے اس کو رینٹھ کہتے ہیں اور یہی چیز جب معدہ سے حلق کے راستہ سے اوپر آتی ہے اسے بلغم کہتے ہیں اور جو چیز منہ کے اندر پیدا ہو کر باہر آتی ہے اسے تھوک کہتے ہیں تو نخامہ اور نخاعہ بلغم کے معنی میں ہے خواہ خیشوم سے نیچے حلق میں آجائے یا معدہ سے اوپر حلق میں چلا جائے تھوک اور رینٹھ کا مصداق اور فرق واضح ہے تجربہ بتاتا ہے کہ تھوک اور رینٹھ اختیاری چیز ہے اور بلغم قریب قریب غیر اختیاری ہو کر آتا ہے اور اسی کو دیواروں وغیرہ پر پھینکا جاتا ہے حدیث کا مصداق غالباً بلغم ہی ہے۔

"فحكه بيده" آپ ﷺ نے یا خود بطور سید القوم خادمهم اور بطور اکرام مسجد سے اس آلائش کو اپنے مبارک ہاتھ سے صاف کیا اگر بلغم خشک ہو یا ہاتھ میں کوئی چیز لیکر صاف کیا اگر تر ہو، اور یہ بھی ممکن ہے کہ آپ نے کسی کو حکم دیا ہو کہ صاف کرو مگر یہ معنی بعید ہے۔ "يناجي ربه" یا زبان سے قرأت کر رہا ہے یا زبان حال سے مناجات میں مشغول ہے یہی وجہ ہے کہ نماز کو مؤمن کی معراج کہا گیا ہے۔

---

[1] اخرجه البخاری: ۱/۶۰ [2] الکاشف: ۲/۲۰۸ مرقات

"بینہ وبین القبلة" یعنی اللہ تعالیٰ کے سامنے نماز کے لئے جو آدمی کھڑا ہوتا ہے تو وہ قبلہ کی طرف منہ کرتا ہے لیکن وہ عبادت اپنے رب کی کرتا ہے اور رب کو راضی کرتا ہے اس لئے اس بندے کا مقصود اس کے اور قبلہ کے درمیان ہے اس لئے یہ حکم دیا گیا کہ قبلہ کی سمت نہ تھوکو اس سے رب تعالیٰ کی بے ادبی کی صورت پیدا ہوتی ہے لہٰذا بائیں طرف تھوکو یا قدموں کے نیچے تھوکو بشرطیکہ نماز مسجد میں نہ ہو کیونکہ مسجد میں کہیں بھی تھوکنا جائز نہیں یہ صحراء اور خارج مسجد تھوکنے کا مسئلہ ہے تو اس سے یہ بات ثابت ہوگئی کہ اگر مسجد میں تھوکنے کی نوبت آجائے تو صرف اپنے کپڑے پر تھوک لیا جائے اور پھر اسے رگڑ کر صاف کیا جائے اس ادب واحترام سے یہ بات بھی ثابت ہوگئی کہ بیت اللہ کا بہت بڑا احترام ہے جب ہزاروں میل دور سے اس کی جانب تھوکنا منع ہے تو پیشاب پاخانہ کرنے میں تو کسی کو اختلاف نہیں کرنا چاہئے نیز بیت اللہ کی طرف پاؤں لمبے کر کے سونا بھی مناسب نہیں ادب کے خلاف ہے کیونکہ آنحضرت ﷺ زندگی بھر اس طرح سوئے ہیں کہ کبھی قدم بیت اللہ کی طرف نہیں آئے مسلمان مرنے کے بعد بھی قبلہ رخ دفنایا جاتا ہے کسی کے پیر بیت اللہ کی طرف نہیں ہوتے۔

قبلہ کی طرف تھوکنے والا امام امامت سے فارغ کردیا گیا

﴿۵۰﴾ وعن السَّائِبِ بْنِ خَلَّادٍ وَهُوَ رَجُلٌ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِنَّ رَجُلاً أَمَّ قَوْماً فَبَصَقَ فِي الْقِبْلَةِ وَرَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَنْظُرُ فَقَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِقَوْمِهِ حِيْنَ فَرَغَ لَا يُصَلِّيْ لَكُمْ فَأَرَادَ بَعْدَ ذٰلِكَ أَنْ يُصَلِّيَ لَهُمْ فَمَنَعُوْهُ فَأَخْبَرُوْهُ بِقَوْلِ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَذَكَرَ ذٰلِكَ لِرَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ نَعَمْ وَحَسِبْتُ أَنَّهُ قَالَ إِنَّكَ قَدْ آذَيْتَ اللهَ وَرَسُوْلَهُ۔ (رَوَاهُ أَبُوْدَاوُدَ)[1]

ترجمہ: اور حضرت سائب بن خلاد نے جو آنحضرت ﷺ کے ایک صحابی ہیں فرمایا "ایک شخص ایک جماعت کو نماز پڑھا رہا تھا اور اس نے قبلہ کی طرف تھوک دیا (اتفاق سے) آنحضرت ﷺ (اس کی طرف) دیکھ رہے تھے۔ جب وہ نماز سے فارغ ہو گیا تو آپ نے اس کے مقتدیوں سے فرمایا کہ "آئندہ سے یہ شخص تمہیں نماز نہ پڑھائے۔" (اس کے بعد) اس شخص نے جب ان کو نماز پڑھانی چاہی تو ان لوگوں نے اسے (امامت سے) روک دیا اور اس سے آنحضرت ﷺ کا ارشاد بیان کر دیا وہ شخص آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس واقعہ کا ذکر کیا۔ آپ نے فرمایا کہ "ہاں (میں نے ہی لوگوں سے تمہیں امام نہ بنانے کے لئے کہا تھا، اور راوی کہتے ہیں کہ) میرا خیال ہے کہ آپ نے اس شخص سے (امامت سے روک دینے کا سبب بیان کرتے ہوئے یہ بھی) فرمایا تھا کہ "تم نے (اس ممنوع فعل کا ارتکاب کر کے) اللہ اور اس کے رسول کو تکلیف پہنچائی ہے۔

(ابوداؤد)

توضیح: "رجل من اصحاب النبی ﷺ"[2] اس تصریح کی ضرورت اس لئے پیش آئی کہ یہ صحابی غیر مشہور تھے

[1] اخرجہ ابوداؤد: ۴۸۱ [2] المرقات: ۲/۴۵۳

یا اس کے صحابی ہونے میں اختلاف تھا "فذ کر ذلک" یعنی جب اس شخص کی بے ادبی کی وجہ سے حضور اکرم ﷺ نے ناراض ہوکر خود ان سے بات بھی نہ فرمائی ان کے مقتدیوں سے فرمایا کہ یہ شخص آیندہ تمہاری امامت نہ کرے کیونکہ یہ امام بننے کا اہل نہیں پھر جب وہ نماز پڑھانے لگا تو لوگوں نے اس کو منع کیا اس نے وجہ پوچھی تو لوگوں نے بتادیا کہ حضور اکرم ﷺ کا یہی حکم ہے یہ شخص حضور اکرم ﷺ کے پاس گیا اور پوچھا کہ آپ نے واقعی مجھے نماز پڑھانے سے منع فرمایا ہے آپ نے فرمایا ہاں میں نے منع کیا ہے اس پر اس نے پوچھا کہ اس کی وجہ کیا ہے تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ تم نے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کو ایذا پہنچائی ہے اس طرح وہ امام امامت سے فارغ کر دیا گیا۔

"وحسبت" یہ راوی خلاد بن سائب کا کلام ہے یعنی میرا خیال ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے نعم کے بعد یہ سخت کلمات بھی ارشاد فرمائے تھے اس وعید شدید کے بعد کسی مسلمان کے لئے مناسب اور جائز نہیں ہے کہ وہ قبلہ کی طرف تھوک لیا کرے، اس حدیث میں قبلہ کا لفظ ہے اس سے جانب قبلہ کی دیوار مراد ہے محراب مراد نہیں ہے کیونکہ محراب کی ایجاد حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ نے اس وقت کی جب مسجد نبوی کی تعمیر نو ہوئی محراب کو موقف الامام بھی کہتے ہیں کیونکہ اس میں امام کھڑا ہوتا ہے اور یہ سب سے عمدہ جگہ ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ بادشاہ کے محل کو بھی محراب کہتے ہیں کیونکہ وہ عمدہ جگہ بھی ہوتی ہے اور بادشاہ اکیلے اس میں رہتا ہے محراب کو اس لئے محراب کہتے ہیں کہ امام اس جگہ شیطان کے ساتھ لڑتا رہتا ہے۔

﴿۵۵﴾ وعن مُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ قَالَ احْتُبِسَ عَنَّا رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ذَاتَ غَدَاةٍ عَنْ صَلَاةِ الصُّبْحِ حَتّٰى كِدْنَا نَتَرَاءٰى عَيْنَ الشَّمْسِ فَخَرَجَ سَرِيْعاً فَثُوِّبَ بِالصَّلَاةِ فَصَلّٰى رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَتَجَوَّزَ فِيْ صَلَاتِهٖ فَلَمَّا سَلَّمَ دَعَا بِصَوْتِهٖ فَقَالَ لَنَا عَلٰى مَصَافِّكُمْ كَمَا أَنْتُمْ ثُمَّ انْفَتَلَ إِلَيْنَا ثُمَّ قَالَ أَمَا إِنِّيْ سَأُحَدِّثُكُمْ مَا حَبَسَنِيْ عَنْكُمُ الْغَدَاةَ إِنِّيْ قُمْتُ مِنَ اللَّيْلِ فَتَوَضَّأْتُ وَصَلَّيْتُ مَا قُدِّرَ لِيْ فَنَعَسْتُ فِيْ صَلَاتِيْ حَتّٰى اسْتَثْقَلْتُ فَإِذَا أَنَا بِرَبِّيْ تَبَارَكَ وَتَعَالٰى فِيْ أَحْسَنِ صُوْرَةٍ فَقَالَ يَا مُحَمَّدُ قُلْتُ لَبَّيْكَ رَبِّ قَالَ فِيْمَ يَخْتَصِمُ الْمَلَأُ الْأَعْلٰى قُلْتُ لَا أَدْرِيْ قَالَهَا ثَلَاثاً قَالَ فَرَأَيْتُهٗ وَضَعَ كَفَّهٗ بَيْنَ كَتِفَيَّ حَتّٰى وَجَدْتُ بَرْدَ أَنَامِلِهٖ بَيْنَ ثَدْيَيَّ فَتَجَلّٰى لِيْ كُلُّ شَيْءٍ وَعَرَفْتُ فَقَالَ يَا مُحَمَّدُ قُلْتُ لَبَّيْكَ رَبِّ قَالَ فِيْمَ يَخْتَصِمُ الْمَلَأُ الْأَعْلٰى قُلْتُ فِي الْكَفَّارَاتِ قَالَ مَا هُنَّ قُلْتُ مَشْيُ الْأَقْدَامِ إِلَى الْجَمَاعَاتِ وَالْجُلُوْسُ فِي الْمَسَاجِدِ بَعْدَ الصَّلَوَاتِ وَإِسْبَاغُ الْوُضُوْءِ حِيْنَ الْكَرِيْهَاتِ قَالَ ثُمَّ فِيْمَ قُلْتُ فِي الدَّرَجَاتِ قَالَ وَمَا هُنَّ قُلْتُ إِطْعَامُ الطَّعَامِ وَلِيْنُ الْكَلَامِ وَالصَّلَاةُ بِاللَّيْلِ وَالنَّاسُ نِيَامٌ قَالَ سَلْ قُلْتُ اَللّٰهُمَّ إِنِّيْ أَسْأَلُكَ فِعْلَ الْخَيْرَاتِ وَتَرْكَ

الْمُنْكَرَاتِ وَحُبَّ الْمَسَاكِيْنِ وَأَنْ تَغْفِرَلِيْ وَتَرْحَمَنِيْ وَإِذَا أَرَدْتَ فِتْنَةً فِيْ قَوْمٍ فَتَوَفَّنِيْ غَيْرَ مَفْتُوْنٍ وَأَسْأَلُكَ حُبَّكَ وَحُبَّ مَنْ يُحِبُّكَ وَحُبَّ عَمَلٍ يُقَرِّبُنِيْ إِلَى حُبِّكَ فَقَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّهَا حَقٌّ فَادْرُسُوْهَا ثُمَّ تَعَلَّمُوْهَا۔

(رَوَاهُ أَحْمَدُ وَالتِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ حَسَنٌ صَحِيْحٌ وَسَأَلْتُ مُحَمَّدَ بْنَ إِسْمَاعِيْلَ عَنْ هٰذَا الْحَدِيْثِ فَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ صَحِيْحٌ) [1]

ترجمہ: اور حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک روز سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے صبح کی نماز میں تشریف لانے میں (خلاف عادت اتنی) تاخیر فرمائی کہ قریب تھا کہ سورج نکل آئے، اتنے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جھپٹتے ہوئے تشریف لائے چنانچہ نماز کے لئے تکبیر کہی گئی اور آپ نے (صحابہ کے ہمراہ) نماز پڑھی (اس طرح کہ) نماز میں تخفیف کی (یعنی چھوٹی چھوٹی سورتیں پڑھیں اور سلام پھیرنے کے بعد ہم سے باآواز بلند فرمایا کہ "جس طرح تم لوگ بیٹھے ہو اسی طرح اپنی اپنی جگہ پر بیٹھے رہنا۔" پھر آپ ہماری طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا کہ "ہوشیار! میں آج صبح کی نماز میں دیر سے آنے کی وجہ بیان کرتا ہوں (اور وہ یہ ہے کہ) میں نے آج رات (تہجد کی نماز کیلئے اٹھ کر وضو کیا اور جو کچھ میرے مقدر میں نماز تھی پڑھی اور نماز ہی میں مجھے اونگھ آ گئی یہاں تک کہ نیند مجھ پر غالب آ گئی (اس وقت) ناگہاں میں نے اپنے پروردگار بزرگ و برتر کو اچھی صورت میں (یعنی اچھی صفت کے ساتھ) دیکھا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا (تمہیں معلوم ہے) مقربین فرشتے کس بات میں بحث کر رہے ہیں؟" میں نے عرض کیا کہ "پروردگار میں نہیں جانتا۔" اللہ تعالیٰ نے تین مرتبہ اسی طرح پوچھا (اور میں یہی جواب دیتا رہا)۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ "میں نے دیکھا کہ اللہ تعالیٰ نے میرے مونڈھے کے درمیان اپنا ہاتھ رکھا یہاں تک میں نے اللہ تعالیٰ کی انگلیوں کی ٹھنڈک اپنے سینے پر محسوس کی (جس کا اثر یہ ہوا کہ) میرے سامنے ہر شے ظاہر ہو گئی اور میں تمام باتیں جان گیا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا "اے محمد!" میں نے عرض کیا کہ "پروردگار میں حاضر ہوں!" فرمایا (اب بتاؤ) مقربین فرشتے کس بات میں بحث کر رہے ہیں؟ میں نے عرض کیا کہ "گناہوں کو مٹا دینے والی چیزوں کے بارے میں!" اللہ تعالیٰ نے فرمایا "وہ کون سی چیزیں ہیں؟" میں نے عرض کیا جماعتوں کے واسطے (مسجدوں میں) آنا جانا اور نماز پڑھ کر (دعا وغیرہ کیلئے) مسجد میں بیٹھے رہنا، اور سختی کے ساتھ (جس وقت کہ سردی یا بیماری کی وجہ سے پانی کو استعمال کرنا تکلیف دہ معلوم ہو) اچھی طرح وضو کرنا، اللہ تعالیٰ نے فرمایا "اور کس چیز میں بحث کر رہے ہیں؟ میں نے عرض کیا کہ "درجات کے بارے میں!" فرمایا "وہ کیا ہیں؟" میں نے عرض کیا کہ (غریبوں اور مسکینوں کو کھانا کھلانا، نرم لہجہ میں بات کرنا، اور رات میں اس وقت (یعنی تہجد کی) نماز پڑھنا جبکہ لوگ سوئے ہوں۔" پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا "اچھا اب اپنے لئے جو چاہو دعا کرو۔" چنانچہ میں نے دعا کی کہ "اے اللہ! میں تجھ سے نیکیوں کے کرنے، برائیوں کے چھوڑنے، مسکینوں کی دوستی، اپنی بخشش اور تیری رحمت کا سوال کرتا ہوں اور جب تو کسی قوم میں گمراہی ڈالنا چاہے تو مجھے بغیر گمراہی کے اٹھا لے اور میں تجھ سے تیری محبت (یعنی یہ کہ میں تجھے دوست رکھوں یا تو مجھے دوست رکھے) اور اس شخص کی محبت جو تجھ سے محبت

[1] اخرجه احمد: ۵/۲۴۳ والترمذی: ۳۲۳۵

کرتا ہے (یعنی یہ کہ میں اسے دوست رکھوں یا وہ مجھے دوست رکھے) اور ایسے عمل کی محبت کا جو تیری محبت سے نزدیک کردے سوال کرتا ہوں۔'' پھر آنحضرت ﷺ نے (ہم سے) فرمایا کہ ''یہ خواب بالکل سچ ہے لہٰذا تم اسے یاد کرو اور پھر لوگوں کو سکھلاؤ۔''
(احمد، ترمذی اور امام ترمذی فرماتے ہیں کہ میں نے محمد بن اسماعیل سے اس حدیث کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے کہا کہ یہ حدیث صحیح ہے)۔

توضیح: اس حدیث کی تشریح اس سے پہلے حدیث نمبر ۳۴ میں گذر چکی ہے وہاں کی حدیث میں یہ احتمال تھا کہ یہ واقعہ بیداری میں پیش آیا تھا لیکن یہاں اس حدیث میں تصریح ہے کہ یہ واقعہ خواب کا تھا جب واقعہ خواب کا ہو تو پھر بریلوی حضرات اس روایت سے اپنے غلط عقائد کو رواج نہیں دے سکیں گے ایک دفعہ بریلویوں کے محمد شفیع اکاڑوی صاحب نے کہا کہ میں آج اس حدیث کا عقدہ حل کرتا ہوں کہ حضور ﷺ نے نکلنے میں دیر کیوں کی، پھر بتایا کہ حضور اکرم ﷺ کے پاس اللہ تعالیٰ آئے تھے حضور اکرم ﷺ نماز کے لئے جا رہے تھے اور اللہ تعالیٰ حضور کو روک رہے تھے کہ جس کی نماز پڑھنے جا رہے ہو وہ خود تمہارے پاس ہے استغفر اللہ، بیمار سوچ کی کس طرح بیمار تشریح ہے۔[1]

"احتبس" مجہول کا صیغہ ہے یعنی روک لئے گئے اور معلوم کا بھی ہے یعنی خود رک گئے۔

"فثوب" اقامت کرنے کے معنی میں ہے۔ "نتراای" یعنی اتنی دیر ہوگئی کہ ہم دیکھنے لگے کہ کہیں سورج تو نہیں نکل رہا ہے۔

"فثوب" نماز کے لئے اقامت کرنے کو تثویب کہتے ہیں۔ "تجوز" یعنی آپ نے مختصر نماز پڑھا دی "علی مصافکم" مصاف صف کو کہتے ہیں یعنی تم اپنی اپنی صفوں میں اپنی جگہوں پر بیٹھ جاؤ۔ ''انها'' یعنی یہ خواب سچا خواب ہے "فادرسوها" یعنی اس کو سیکھو اور خوب سمجھو اور پھر لوگوں کو سمجھاؤ "تعلموها" علامہ قرطبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہاں اس صیغہ میں لام امر محذوف ہے "ای لتعلموها" یعنی اوروں کو سمجھاؤ۔

﴿۵۶﴾ وعن عَبْدِ اللهِ بْنِ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ إِذَا دَخَلَ الْمَسْجِدَ أَعُوْذُ بِاللهِ الْعَظِيْمِ وَبِوَجْهِهِ الْكَرِيْمِ وَسُلْطَانِهِ الْقَدِيْمِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ قَالَ فَإِذَا قَالَ ذٰلِكَ قَالَ الشَّيْطَانُ حُفِظَ مِنِّيْ سَائِرَ الْيَوْمِ۔ (رَوَاهُ أَبُوْدَاوُد)[2]

ترجمہ: اور حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ سرور کائنات ﷺ جب مسجد میں داخل ہوتے تھے تو یہ دعا پڑھتے تھے۔ اعوذ باللہ العظیم و بوجهه الکریم و سلطانه القدیم من الشیطن الرجیم۔ یعنی میں اللہ عظمت والے بزرگ ذات والے اور ہمیشہ کی سلطنت والے کے ساتھ شیطان مردود سے پناہ مانگتا ہوں۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا جب کوئی شخص مسجد میں داخل ہونے کے وقت یہ دعا پڑھتا ہے تو شیطان (اس شخص کے بارہ میں) کہتا ہے کہ یہ بندہ

---

[1] المرقات: ۲/۳۵۵ [2] اخرجه ابوداؤد: ۴۶۶

تمام دن میرے شر سے محفوظ رہا۔ (ابوداؤد)

﴿۵۷﴾ وعن عطاء بن يسار قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم اللهم لا تجعل قبري وثنا يعبد اشتد غضب الله على قوم اتخذوا قبور انبيائهم مساجد. (رواه مالك مرسلا) ۱

ترجمہ: اور حضرت عطاء بن یسار رحمۃ اللہ علیہ راوی ہیں کہ سرور کائنات ﷺ نے فرمایا (یعنی یہ دعا فرمائی) اللهم لا تجعل قبري وثنا يعبد۔ یعنی: اے میرے اللہ! میری قبر کو بت نہ بنا کہ لوگ اس کی عبادت کرنے لگیں۔
(اور آپ نے فرمایا، جن لوگوں نے اپنے انبیاء کی قبروں کو سجدہ گاہ بنالیا ان پر اللہ تعالیٰ کا شدید غضب (نازل) ہوا۔
(مالک رحمۃ اللہ علیہ مرسلا)

توضیح: "وثنا يعبد" اوثان وثن بت کو کہتے ہیں اور یعبد عبادت کرنے کے معنی میں ہے یعنی میری قبر کو اس طرح بت خانہ کی مانند نہ بنا کہ لوگ اس کی عبادت شروع کریں اور دور دور سے آ کر یہاں سجدے شروع کریں اور طواف کرنے لگیں اور خلاف شرع تعظیم شروع کریں اس حدیث کو اگر دیکھا جائے تو آنحضرت ﷺ کے سارے ارشادات آج عملی طور پر موجود ہیں ایک طرف تو قبورین کا اتنا زور ہے کہ انہوں نے سید الانبیاء کی قبر تو کجا ہر اردگرد کی قبروں کی عبادت شروع کر رکھی ہے تو یہ پیش گوئی پوری ہوگئی دوسری طرف اللہ تعالیٰ نے نبی اکرم ﷺ کی دعا کو اس طرح قبول فرمایا کہ آج قبروں کے پجاری ہر طرف قبروں پر سجدہ ریز پڑے ہوئے ہیں لیکن مجال نہیں کہ سید الانبیاء کی قبر کے سامنے ذرا جھک سکیں حالانکہ قبر پرستوں کے امام نے روضہ اقدس کے بارے میں کہا ۲

سر سوئے روضہ جھکا پھر تجھ کو کیا — دل تھا ساجد نجدیا پھر تجھ کو کیا؟
ان کو تملیک ملیک — مالک الملک کہا پھر تجھ کو کیا؟

"اشتد غضب الله" یہ جملہ گویا سائل کے جواب میں آیا ہے گویا کسی نے سوال کیا کہ یا رسول اللہ آپ یہ دعا اتنے اہتمام کے ساتھ کیوں مانگ رہے ہیں آپ نے جواب دیا کہ اپنی امت پر شفقت اور مہربانی مقصود و مطلوب ہے کیونکہ یہود و نصاری پر جب اللہ کا غضب و قہر نازل ہوا تو انہوں نے اپنے نبیوں کی قبروں کو سجدہ گاہیں بنالیا۔

﴿۵۸﴾ وعن معاذ بن جبل قال كان النبي صلى الله عليه وسلم يستحب الصلاة في الحيطان قال بعض رواته يعني البساتين.

(رواه الترمذي وقال هذا حديث غريب لا نعرفه إلا من حديث الحسن بن أبي جعفر قد ضعفه يحيى بن سعيد وغيره) ۳

ترجمہ: اور حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ سرور کائنات ﷺ "حیطان" میں نماز کو پڑھنا پسند فرماتے تھے۔ اس حدیث کے بعض راویوں نے کہا ہے کہ حیطان سے مراد بساتین (یعنی باغات) ہیں۔

۱ اخرجه مالك مرسلاً: ۱۷۲ ۲ المرقات: ۲/۴۴۵ ۳ اخرجه الترمذي: ۳۳۴

امام ترمذی نے اس روایت کو نقل کرتے ہوئے کہا ہے کہ یہ حدیث غریب ہے (کیونکہ) یہ روایت بجز حسن بن ابی جعفر کی سند کے اور کسی سند سے منقول نہیں ہے اور انہیں بھی یحییٰ بن سعید وغیرہ نے ضعیف قرار دیا ہے۔

﴿۵۹﴾ وعن أنس بن مالك قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم صلاة الرجل في بيته بصلاة وصلاته في مسجد القبائل بخمس وعشرين صلاة وصلاته في المسجد الذي يجمع فيه بخمسمائة صلاة وصلاته في المسجد الأقصى بخمسين ألف صلاة وصلاته في مسجدي بخمسين ألف صلاة وصلاته في المسجد الحرام بمائة ألف صلاة.[1] (رواه ابن ماجه)

ترجمہ: اور حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "آدمی کی نماز اپنے گھر میں ایک ہی نماز کے برابر اور محلہ کی مسجد میں اس کی نماز پچیس نمازوں کے برابر اور اس مسجد میں جہاں جمعہ ہوتا ہے (یعنی جامع مسجد میں) اس کی نماز پانچ سو نمازوں کے برابر اور مسجد اقصیٰ (یعنی بیت المقدس میں) اور میری مسجد (یعنی مسجد نبوی میں) اس کی نماز پچاس ہزار نمازوں کے برابر ہے اور مسجد حرام میں اس کی نماز ایک لاکھ نمازوں کے برابر ہے۔" (ابن ماجہ)

توضیح: "فی بیتہ" اس حدیث میں نمازوں کے الگ الگ درجات کی وضاحت کی گئی ہے تاکہ اس فضیلت کو سن کر ہر شخص اس پر عمل کرے چنانچہ اس پر کشش اور باعث ترغیب حدیث میں پہلی فضیلت اس شخص کی ہے جو گھر میں نماز پڑھتا ہے چونکہ نماز چھوڑی نہیں بلکہ پڑھ لی مگر تنہا پڑھنے لگا لہٰذا اس کو ایک نماز کا ایک ثواب ملتا ہے یہ سب سے کم درجہ ہے۔[2]

"مسجد القبائل" یعنی محلہ کی مسجد میں اگر نماز پڑھ لی تو ایک نماز پچیس نمازوں کے برابر ہے۔

"یجمع فیہ" اس سے وہ جامع مسجد مراد ہے جس میں لوگ جمعہ وعیدین کی نماز پڑھنے کے لئے اکٹھے ہوجاتے ہیں چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ[3] نے نو صد جامع مسجدیں بنوائیں اور چار ہزار عام مسجدیں بنوائیں یعنی جو شخص جامع مسجد میں نماز جماعت کے ساتھ ادا کرتا ہے تو اس کو پانچ صد نمازوں کا ثواب ملتا ہے۔ اور بیت المقدس اور مسجد نبوی میں اگر کوئی شخص ایک نماز پڑھتا ہے تو اس کو پچاس ہزار نمازوں کا ثواب ملتا ہے اور اگر کوئی شخص کسی وقت مسجد حرام (بیت اللہ) میں نماز پڑھتا ہے تو اس کو اس کے بدلے میں ایک لاکھ نمازوں کا ثواب ملے گا۔

یہاں نمازوں کی تعداد کی ترتیب اسی طرح ہے بعض روایات میں مسجد نبوی کا ثواب ایک ہزار کے برابر بتایا گیا ہے دونوں روایات میں بظاہر کافی تعارض نظر آرہا ہے مگر اس کو اس طرح دفع کیا جاسکتا ہے کہ اعداد میں تعارض نہیں ہوتا کیونکہ ایک عدد دوسرے عدد کی نفی نہیں کرتا دوسرا جواب یہ کہ فضائل اور درجات بڑھتے جاتے ہیں لہٰذا یہ تضاد وتعارض نہیں ہے پہلے بھی انہی ابواب میں اس قسم کی حدیث اور اس کی تشریح گذر چکی ہے تفصیل وہاں پر ہے۔

[1] اخرجه ابن ماجه: ۱۴۱۳ [2] المرقات: ۲/۴۵۹ [3] المرقات: ۲/۴۵۹

بیت اللہ اور بیت المقدس کی تعمیر کا زمانہ

﴿۶۰﴾ وعن أبي ذرٍّ قَالَ قُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللهِ أَيُّ مَسْجِدٍ وُضِعَ فِي الْأَرْضِ أَوَّلَ قَالَ اَلْمَسْجِدُ الْحَرَامُ قُلْتُ ثُمَّ أَيٌّ قَالَ اَلْمَسْجِدُ الْأَقْصٰى قُلْتُ كَمْ بَيْنَهُمَا قَالَ أَرْبَعُوْنَ عَاماً ثُمَّ قَالَ الْأَرْضُ لَكَ مَسْجِدٌ فَحَيْثُ مَا أَدْرَكَتْكَ الصَّلَاةُ فَصَلِّ. (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)[1]

ترجمہ: اور حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے سرور کائنات ﷺ سے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! زمین کے اوپر سب سے پہلے کون سی مسجد بنائی گئی؟ آپ نے فرمایا "مسجد حرام" میں نے عرض کیا کہ پھر اس کے بعد؟ فرمایا "مسجد اقصیٰ" یعنی بیت المقدس" پھر میں نے پوچھا کہ ان دونوں مسجدوں (کی بناء) کے درمیان کتنا فرق تھا؟ آپ نے فرمایا "چالیس سال!" پھر اس کے بعد فرمایا۔" اب تو ساری زمین تمہارے لئے مسجد ہے (یعنی اس کا ہر حصہ مسجد کا حکم رکھتا ہے کہ) جہاں نماز کا وقت ہو جائے وہیں نماز پڑھ لو" (بخاری، مسلم)

توضیح: "وضع فی الارض اول" وقائع الدھور! ایک گمنام سی کتاب ہے اس میں تخلیق کائنات سے متعلق بہت کچھ لکھا ہے اس میں یہ بھی لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے ایک سبز موتی پیدا فرمادیا اس موتی کو اللہ تعالیٰ نے رعب اور ہیبت کی نگاہ سے دیکھا تو یہ پگھل کر پانی ہو گیا اب کائنات میں صرف پانی تھا قرآن کریم میں اس نقشہ کی طرف اس طرح اشارہ موجود ہے ﴿وكان عرشه على الماء﴾[2] پھر اللہ تعالیٰ نے پانی پر رعب کی نگاہ ڈالدی تو ہیبت کی وجہ سے پانی ابلنے لگا اور ابل ابل کر خشک ہو گیا نیچے ایک قسم تلچھٹ رہ گئی اور اوپر ایک دھواں اٹھا اسی دھوئیں سے اللہ تعالیٰ نے آسمان بنادیئے جس کی طرف قرآن میں اس طرح اشارہ موجود ہے ﴿ثم استوى الى السماء وهي دخان﴾[3] نیچے جو تلچھٹ رہ گئی تھی اسی سے اللہ تعالیٰ نے زمین بنادی جس کی طرف قرآن میں یہ اشارہ موجود ہے ﴿والارض بعد ذلك دحاها﴾[4] جس جگہ سے زمین پھیلائی گئی تھی وہی جگہ وسط الدنیا اور سرۃ الدنیا تھی اور وہی جگہ پوری دنیا میں بلند ٹیلہ کی طرح تھی اور اسی جگہ کو اللہ تعالیٰ نے اپنے گھر کے لئے منتخب فرمایا اور اس کو حرم مکہ قرار دیا اور اسی جگہ بیت اللہ قائم کیا گویا سب سے پہلے فرشتوں نے بیت اللہ کی بنیادیں ڈالیں اور دنیا کے مختلف مقدس پہاڑوں سے بڑی بڑی چٹانیں لاکر بیت اللہ کے نیچے بنیادوں میں رکھدیں۔

جب حضرت آدم علیہ السلام جنت سے اتر کر دنیا میں تشریف لائے تو آپ کو تنہائی کی وحشت محسوس ہوئی نیز فرشتوں کے ساتھ مل کر بیت المعمور کے طواف کے مناظر آپ کو یاد آرہے تھے تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو "سراندیپ سے" مکہ جانے کا حکم دیا جبریل امین رہنمائی فرماتے تھے حتی کہ آپ مکہ مکرمہ میں اس جگہ پہنچے جہاں فرشتوں نے بیت اللہ کی بنیادیں قائم کی تھیں اللہ تعالیٰ کے حکم سے بیت المعمور آسمانوں سے نیچے لایا گیا اور انہیں بنیادوں پر رکھا گیا حضرت آدم اور فرشتے مل کر عبادت

[1] اخرجه البخاري: ۴/۱۷۷ ومسلم: ۲/۶۳ [2] هود الایه: ۱ [3] حم سجده الایه: ۱۱ [4] النازعات الایه: ۳۰

اور طواف میں مشغول ہو گئے۔

پھر جب طوفان نوح آیا تو اللہ تعالیٰ نے بیت المعمور کو ساتویں آسمان پر واپس کر دیا اور زمین میں بیت اللہ کے نشانات اور بنیادیں مٹی کے نیچے آ کر دب گئیں انہیں قواعد کو ظاہر کرنے اور ان پر بیت اللہ قائم کرنے کا حکم حضرت ابراہیم علیہ السلام کو ہوا آپ نے حضرت اسماعیل علیہ السلام سے ملکر یہ کام کیا اور بیت اللہ کی تعمیر فرمادی چھت نہیں تھی دروازوں کی جگہ موجود تھی مگر دروازے نہیں تھے ایک دروازہ کی جگہ وہیں پر تھی جو آج کل ہے اور دوسری جگہ اس کے مقابل رکن یمانی کی طرف تھی پھر ''تبع'' بادشاہ نے دروازے لگائے اور بیت اللہ کو پردے پہنائے۔

پھر عمالقہ نے بیت اللہ کی تعمیر وتجدید میں کام کیا پھر قریش نے بیت اللہ کو انہدام کے بعد بنایا جس میں حضور اکرم ﷺ نے بھی ۳۵ سال کی عمر میں حصہ لیا۔ قریش نے بیت اللہ میں ردوبدل کیا حطیم کا حصہ باہر چھوڑ دیا اور دو کے بجائے ایک دروازہ رکھا اور اس کو بھی قد آدم تک زمین کے اوپر رکھا پھر حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے اپنے دور خلافت میں بیت اللہ کو گرا کر حضور اکرم ﷺ کی تمنا کے مطابق بنادیا حطیم کو اندر کر دیا اور دو دروازے زمین پر بنادیئے۔

حجاج بن یوسف جب غالب آیا تو اس نے بیت اللہ کو گرا کر قریش کے طرز پر قائم کیا جو آج تک اسی طرح ہے ہارون رشید نے حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے اجازت مانگی کہ اگر اجازت ہو تو بیت اللہ کو اس طرز پر بنادوں جس کی حضور اکرم ﷺ نے تمنا فرمادی تھی حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے فتویٰ دیا کہ اب بیت اللہ میں تغیر وتبدل حرام ہے تا کہ یہ بادشاہوں کے فن تعمیر کا کھلونا نہ بن جائے۔

پھر ترک بادشاہ سلطان مراد نے کچھ تعمیر ومرمت کی مگر تغیر نہیں کیا اور آج تک اسی طرح قائم ہے پھر قیامت سے پہلے ایک حبشی کے ہاتھوں بیت اللہ شہید ہوگا اور مسلمان بے بس ہونگے پھر قیامت کے قریب بیت اللہ کی حقیقت کو اللہ تعالیٰ دنیا سے اٹھالے گا اور قیامت قائم ہو جائے گی شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تفسیر میں بیت اللہ کے مرحلہ وار تعمیر کو بیان فرمایا ہے سورۃ بقرہ کی تفسیر میں دیکھ لیا جائے میں نے کئی جگہ کائنات کی تخلیق کے سلسلہ میں سبز موتی کا واقعہ پڑھا ہے مگر یہ اتنی مستند چیز نہیں ہے ابن کثیر نے تخلیق کائنات میں کچھ اور تفصیل لکھدی ہے جو البدایہ جلد اول میں مذکور ہے بہر حال میں نے جو لکھا ہے یہ مربوط ہے اور بیت اللہ کے ساتھ اس کا تعلق ہے سبز موتی کی تخلیق اور اس سے کائنات کی تخلیق کے واقعہ کی طرف جلالین ص ۱۸۰ حاشیہ ۱۳ پر صاحب کمالین نے اشارہ کیا ہے۔

''المسجد الحرام'' اس کو حرام اس لئے کہتے ہیں کہ اس میں شکار حرام ہے اور یہ بھی کہ اس میں بعض حلال چیزوں کا ارتکاب حرام ہے اور یہ بھی کہ یہ محترم اور واجب الاحترام ہے۔

"**المسجد الاقصی**" اس کو اقصی اس لئے کہا گیا کہ یہ مکہ اور مدینہ سے بہت دور واقع ہے۔

"**اربعون عاما**" یعنی بیت اللہ اور مسجد اقصی کی آبادی اور تعمیر کے درمیان چالیس سال کا فاصلہ ہے۔

سوال: یہاں ایک مشہور اشکال ہے وہ یہ کہ کعبۃ اللہ کے بنانے والے حضرت ابراہیم علیہ السلام ہیں اور بیت المقدس میں مسجد اقصیٰ کے بنانے والے حضرت سلیمان علیہ السلام ہیں اور ان دونوں پیغمبروں کے درمیان ایک ہزار سال کا فاصلہ ہے تو یہ کیسے ممکن ہے کہ ان دونوں کے درمیان چالیس سال کا فاصلہ ہے؟۔

جواب: علامہ طیبی رحمۃ اللہ علیہ اور علامہ بیضاوی رحمۃ اللہ علیہ نے اس اشکال کا جواب دیا ہے جو باقی شراح کے جوابات سے زیادہ واضح ہے وہ یہ کہ یہاں تعمیر و ترقی اور عمارتی بنیاد رکھنے کی بات نہیں ہے بلکہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کے لئے بطور عبادت گاہ جب روئے زمین پر بیت اللہ مقرر ہوا تو اس کے چالیس سال بعد بیت المقدس کا بطور عبادت گاہ تقرر ہوا، اس جواب پر حدیث کا لفظ "وضع" واضح طور پر دلالت کرتا ہے کیونکہ وضع کا لفظ تعمیر کے بجائے تقرر کے لئے زیادہ واضح ہے نیز قرآن کی آیت ﴿ان اول بیت وضع للناس﴾ [1] میں بھی وضع کا لفظ ہے جو بطور عبادت مقرر کرنے کے لئے استعمال ہوا ہے ظاہری تعمیر کے لئے بنا اور بنیان کے الفاظ آتے ہیں۔

[1] آل عمران الایہ: ۹۶

مورخہ ۲۴ ربیع الاول ۱۴۱۰ھ

باب الستر

نماز میں ستر ڈھانکنے کے مسائل

قال اللہ عزوجل ﴿یابنی ادم قد انزلنا علیکم لباسا یواری سوا تکم وریشا﴾ (اعراف)[1]

وقال اللہ تعالیٰ ﴿یابنی ادم خذوا زینتکم عند کل مسجد﴾ (اعراف)[2]

نماز کے صحیح ہونے کے لئے جہاں اور بہت ساری شرائط ہیں ان میں سے ایک شرط "ستر" ہے یعنی شرمگاہ اور مستورہ اعضاء کا ڈھانکنا فرض ہے صاحب مشکوٰۃ نے اس مذکورہ باب میں اسی سلسلہ کی احادیث جمع فرمادی ہیں اور اس کے علاوہ ان لباسوں کا ذکر بھی کیا ہے جن کو پہن کر صحابہ کرام نے نمازیں پڑھی ہیں اس باب میں صاحب مشکوٰۃ نے مجموعی اٹھارہ احادیث کا ذکر کیا ہے۔

الفصل الاول

ایک چادر میں نماز پڑھنے کا طریقہ

﴿۱﴾ عن عُمَرَبْنِ أَبِي سَلَمَةَ قَالَ رَأَيْتُ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّيْ فِيْ ثَوْبٍ وَاحِدٍ مُشْتَمِلاً بِهِ فِيْ بَيْتِ أُمِّ سَلَمَةَ وَاضِعًا طَرَفَيْهِ عَلَى عَاتِقَيْهِ. (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)[3]

ترجمہ: حضرت عمر بن ابی سلمہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے سرور کائنات ﷺ کو ایک کپڑے میں نماز پڑھتے ہوئے دیکھا ہے حضرت ام سلمہ کے مکان میں آپ اس کپڑے کو اپنے جسم سے اس طرح لپیٹے ہوئے تھے کہ اس کے دونوں کنارے آپ کے مونڈھوں پر تھے۔ (بخاری ومسلم)

توضیح: "فی ثوب واحد" حالت وسعت وطاقت کے وقت نماز میں تین کپڑے یعنی شلوار قمیص اور پگڑی استعمال کرنا مستحب ہے وسعت وقدرت کے باوجود ایسے کپڑوں میں نماز پڑھنا بالاتفاق مکروہ ہے جو ثیاب بذلہ اور ثیاب مہنہ ہوں یعنی ایسے کپڑے ہوں جو موجب عار ہوں جسے پہن کر آدمی کسی پُروقار مجلس میں جانا پسند نہیں کرتا ہو جیسے شلوار اور ایک بنیان ہو یا گیرج اور تیل میں استعمال شدہ آلودہ کپڑے ہوں یا پھٹے پرانے کپڑے ہوں۔[4]

اور اگر حالت وسعت نہ ہو تو بوقت ضرورت ومجبوری ایک کپڑے میں نماز پڑھنا کسی کراہت کے بغیر بالاتفاق جائز ہے

[1] سورۃ اعراف: یابنی آدم قد انزلنا علیکم لباسا یواری سوءاۃ تکم وریشا

[2] سورۃ الاعراف: [3] اخرجہ البخاری: ۱/۱۰۰ ومسلم: ۲/۶۲،۶۱ [4] المرقات: ۲/۴۶۳

البتہ یہ دیکھنا ہوگا کہ اگر وہ ایک کپڑا وسیع ہو اور اس میں کچھ گنجائش ہو تو پھر اشتمال کی صورت محمود اور پسندیدہ ہے۔

اشتمال کی صورت وطریقہ شیخ عبدالحق نے اشعۃ اللمعات میں اس طرح لکھا ہے کہ چادر کا بایاں جانب بائیں کندھے کے نیچے سے کھینچ کر سیدھے کندھے پر ڈال دیا جائے پھر چادر کا دایاں جانب دائیں جانب کندھے کے نیچے سے کھینچ کر بائیں کندھے کے اوپر ڈالا جائے اب چادر کے دونوں کنارے کندھوں کے پیچھے چلے گئے وہاں سے دونوں کو سینہ کی طرف لاکر گرہ لگایا جائے یہ اشتمال ہے اور اسی کو توشح اور فلیخالف وغیرہ ناموں سے یاد کیا گیا ہے گرہ لگانا اشتمال کا حصہ نہیں ہے صرف مضبوطی کے لئے ہے اگر چادر لمبی ہو تو گرہ کی ضرورت نہیں ہے۔[۱]

"واضعا طرفیه" یہ جملہ مشتملاً کی ضمیر سے حال ہے اور اشتمال کی صورت کی تفصیل اور وضاحت ہے۔

کندھوں کو ڈھانک کر نماز پڑھنا چاہئے

﴿۲﴾ وعن أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يُصَلِّيَنَّ أَحَدُكُمْ فِي الثَّوْبِ الْوَاحِدِ لَيْسَ عَلَى عَاتِقَيْهِ مِنْهُ شَيْءٌ. (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)[۲]

ترجمہ: اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "تم میں سے کوئی شخص ایک کپڑے میں (اس طرح) نماز نہ پڑھے کہ اس کپڑے کا کچھ حصہ مونڈھوں پر نہ ہو" (بخاری ومسلم)

توضیح: "لیس علی عاتقیه" باوجودیکہ کپڑے میں گنجائش ہے اور پھر بھی اس کا کچھ حصہ کندھوں پر نہ ڈالا گیا تو اس صورت میں نماز پڑھنے کی اجازت نہیں ہوگی مذکورہ حدیث کے ظاہری الفاظ کا یہی مطلب ہے۔ اسمیں علماء نے اس حکمت کو بیان کیا ہے کہ اگر کپڑا کندھوں پر نہ ڈالا گیا اور وہی کپڑا تہبند بھی ہے یعنی اوپر نیچے تمام حصوں کے لئے یہی کپڑا ہے تو اس صورت میں کپڑے کے گرنے کا خطرہ ہے اور ستر کھلنے کا احتمال ہے نیز رب ذوالجلال کے حضور میں ایک قسم بے ادبی بھی ہے۔[۳]

اب حدیث میں جو ممانعت ہے اس کی حیثیت میں فقہاء کرام کا معمولی سا اختلاف بھی ہے۔

فقہاء کا اختلاف:

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ اور کچھ علماء سلف کے نزدیک اگر کپڑا میسر ہے اور پھر بھی کندھوں پر اس کا کچھ حصہ نہیں ڈالا گیا تو کھلے کندھوں کے ساتھ نماز جائز نہیں بلکہ مکروہ تحریمی ہے۔ ائمہ ثلاثہ یعنی جمہور فرماتے ہیں کہ جب ستر مکمل طور پر چھپا ہوا ہو تو نماز ہو جائیگی لیکن مونڈھوں کے کھلے رہنے کی وجہ سے جائز مع الکراہۃ ہے اور یہ کراہت **تنزیہی** ہے تحریمی نہیں ہے۔

[۱] الکاشف: ۲/۲۱۵ اشعۃ اللمعات: ۳۶۹ المرقات: ۲/۳۶۳ [۲] اخرجه البخاری: ۱/۱۰۰ مسلم: ۲/۶۱

[۳] المرقات: ۲/۳۶۳ الکاشف: ۲/۲۱۵

دلائل:

حنابلہ حضرات نے زیر بحث حدیث سے استدلال کیا ہے اور حدیث کو عدم جواز پر حمل کیا ہے جمہور[1] نے حدیث کے حکم کو عدم جواز پر نہیں بلکہ خلاف اولیٰ پر حمل کیا۔ وہ فرماتے ہیں کہ اس حدیث میں کندھوں کے ڈھانکنے کا حکم ایک حکمت کے تحت ہے وہ یہ کہ اگر کندھوں پر کپڑا نہ ہو تو ایک چادر کی صورت میں ستر کھلنے کا خطرہ ہے اور اگر ہاتھ سے پکڑتا ہے تو ناف پر ہاتھ رکھنے کی سنت فوت ہوجاتی ہے۔ بہر حال اگر کپڑا اس سے بھی کم ہو اور اشتمال کی صورت نہیں بنتی ہو تو پھر گلے کے ساتھ باندھنا چاہئے اور اگر اس سے بھی کم ہو تو پھر نیچے کمر سے باندھ لینا چاہئے تاکہ ستر پوشیدہ رہے۔

حالت غیر ضرورت میں سر کا کھلا رہنا کراہت سے خالی نہیں ہے بالخصوص اگر فیشن ہو اور بال انگریزی ہوں تو پھر اس کراہت میں مزید شدت آجاتی ہے۔

﴿۳﴾ وعنه قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ مَنْ صَلّٰى فِيْ ثَوْبٍ وَاحِدٍ فَلْيُخَالِفْ بَيْنَ طَرَفَيْهِ۔[2] (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)

ترجمہ: اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "جو شخص صرف ایک کپڑے میں نماز پڑھے تو اسے چاہئے کہ اس کپڑے کی دونوں طرفوں میں مخالفت رکھے (یعنی اشتمال کی جو صورت بیان کی گئی ہے وہی اختیار کرے)۔ (بخاری)

﴿۴﴾ وعن عَائِشَةَ (رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا) قَالَتْ صَلّٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ خَمِيْصَةٍ لَهَا أَعْلَامٌ فَنَظَرَ إِلٰى أَعْلَامِهَا نَظْرَةً فَلَمَّا انْصَرَفَ قَالَ اِذْهَبُوْا بِخَمِيْصَتِيْ هٰذِهٖ إِلٰى أَبِيْ جَهْمٍ وَأْتُوْنِيْ بِأَنْبِجَانِيَّةِ أَبِيْ جَهْمٍ فَإِنَّهَا أَلْهَتْنِيْ آنِفًا عَنْ صَلَاتِيْ۔

(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ وَفِيْ رِوَايَةٍ لِلْبُخَارِيِّ قَالَ كُنْتُ أَنْظُرُ إِلٰى عَلَمِهَا وَأَنَا فِي الصَّلَاةِ فَأَخَافُ أَنْ يَفْتِنَنِيْ)[3]

ترجمہ: اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ایسی چادر میں نماز پڑھی جس کے کنارے دوسرے رنگ کے تھے یا اس کے کناروں پر کچھ کام کیا ہوا تھا چنانچہ آپ نے اس پر کئے ہوئے کام کو دیکھا اور جب نماز سے فارغ ہوئے تو فرمایا کہ اس چادر کو ابی جہم کے پاس لے جاؤ (اور اسے اس کے حوالے کر کے) ابی جہم کی انبجانیہ لے آؤ کیونکہ اس چادر نے مجھے میری نماز (میں حضور قلب کی دولت) سے باز رکھا۔" (بخاری و مسلم)

اور بخاری کی ایک روایت میں (یہ بھی منقول ہے کہ) آپ نے فرمایا "میں نماز کے دوران اس چادر کے نقش و نگار کی طرف دیکھنے لگا اور مجھے یہ اندیشہ ہوا کہ کہیں یہ میری نماز خراب نہ کر دے۔"

[1] المرقات: ۲/۳۶۴ [2] اخرجه البخاری: ۱/۱۰۱ [3] اخرجه البخاری: ۱/۱۰۴، ۱۹۱، ۷/۱۹۰ ومسلم: ۲/۷۷

توضیح: "خمیصة" یہ ایک ایسی چادر کو کہتے ہیں جو ریشم یا اون سے بنی ہوئی ہوتی ہے جس کا رنگ سیاہ ہوتا ہے اور اس میں دھاریاں ہوتی ہیں عام طور پر یمن کی خوبصورت چادروں کو خمیصہ کہا جاتا ہے، علامہ حریری کہتے ہیں۔[1]

لبست الخميصه ابغي الخبيصه وانشبت شصي في كل شيصه

"**لها اعلام**" یہ خمیصہ کے لئے یا تاکید ہے یا اس کا بیان ہے کیونکہ خمیصہ وہی چادر ہوتی ہے جس میں دو یا اس سے زیادہ دھاریاں یا پھول کشیدہ ہوتے ہیں "**الی ابی جهم**" یہ ایک صحابی کا نام ہے کہا جاتا ہے کہ آنحضرت ﷺ کے پاس خمیصہ قسم کی دو چادریں آئی تھیں آپ نے ایک خود پہن لی اور دوسری کو ابوجہم کے حوالہ کیا نماز پڑھنے کے بعد آپ نے اسے اتار لیا اور اس دوسری کو ابوجہم سے واپس منگوالیا جو سادہ تھی بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ ابوجہم ہی نے بطور تحفہ یہ چادر حضور اکرم ﷺ کو عطا کی تھی آپ ﷺ نے ان کی خاطر داری کے لئے کچھ وقت اس کو پہن لیا اور پھر ان سے سادی والی منگوالی کیونکہ پھولوں والی سے آپ کی توجہ الی اللہ میں فرق آیا تھا۔

"**انبجانیه**" یہ لفظ ہمزہ کے کسرہ اور نون کے سکون اور با کے کسرہ اور یا کی تخفیف کے ساتھ پڑھا جاتا ہے **اِنْفِعَالِیَه** کی طرح ہے۔

"**الهتني**" یعنی میرے سامنے جب اس کا نقش ونگار آیا تو اس سے میری توجہ بٹ گئی اور میری توجہ الی اللہ میں فرق آگیا۔ علماء نے لکھا ہے کہ دنیا کا نقش ونگار پاکیزہ قلوب کو بھی متاثر کر دیتا ہے امام بخاری نے اس حدیث سے استدلال کیا ہے کہ نماز میں اس طرح کا خیال آجانا نماز کے لئے مضر نہیں ہے۔ بہرحال قلوب صافیہ پر معمولی چیز کا بڑا اثر ہوتا ہے سیاہ دل والوں کو اس کی کیا خبر۔ شیخ عبدالحق رحمہ اللہ لمعات میں لکھتے ہیں کہ یہ درحقیقت امت کے لئے تعلیم تھی اور آپ نے امت کو تنبیہ فرمائی کہ دنیا کے نقش ونگار سے احتیاط برت لیا کرو کیونکہ یہ خطرناک چیز ہے جس سے ہر ایک شخص متاثر ہوسکتا ہے۔[2]

"**انفا**" ای قریبا یعنی ابھی ابھی، **یقال انفه الشيء ای ابتدأه ومنه الاستیناف**"۔

"**ان یفتنني ای ان یوقعني في الفتنة والشغل**"۔ بہرحال جب دل شیشہ کی طرح صاف ہو اور آئینہ کی طرح روشن ہو تو اس پر معمولی میل کا بھی اثر ہوتا ہے۔ کپڑا جتنا سفید ہوتا ہے اس پر سیاہ نقطہ اتنا ہی زیادہ نمایاں نظر آتا ہے اہل اللہ اور اہل دل کے قلوب تعلق مع اللہ کی وجہ سے ایسے ہی روشن ہوتے ہیں ان کے مقابلہ میں وہ سیاہ کار اور بدکار لوگ ہوتے ہیں جن کے دل ودماغ پر بڑے سے بڑا گناہ بھی اثر انداز نہیں ہوتا۔

﴿۵﴾ وعن أَنَسٍ قَالَ كَانَ قِرَامٌ لِعَائِشَةَ سَتَرَتْ بِهِ جَانِبَ بَيْتِهَا فَقَالَ لَهَا النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَمِيطِي عَنَّا قِرَامَكِ هٰذَا فَإِنَّهُ لَا يَزَالُ تَصَاوِيرُهُ تَعْرِضُ فِي صَلَاتِي.[3] (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)

---

[1] المرقات: ۲/۳۶۵ [2] اشعة اللمعات: ۳۷۰ [3] اخرجه البخاري: ۱/۱۰۵

ترجمہ: اور حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اپنے مکان کے ایک حصہ میں ایک پردہ ڈال رکھا تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ سے کہا کہ اس پردہ کو ہمارے سامنے سے ہٹالو کیونکہ اس کی تصویریں نماز میں برابر میرے سامنے رہتی ہیں۔" (بخاری)

توضیح: "قرامك"[1] قاف کے کسرہ کے ساتھ قرام اس باریک پردہ کو کہتے ہیں جس میں مختلف رنگ بھرے ہوں بعض اہل لغت کہتے ہیں قرام ہر نرم باریک پردہ کو کہتے ہیں۔ علامہ تورپشتی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ قرام اس پردہ کو کہتے ہیں جس میں پھول و نقش و نگار ہو۔

"امیطی" **اماطه الاذی**، ہٹانے اور دور کرنے کے معنی میں ہے۔

"**تصاویره**" اس سے جاندار حیوانات کی تصاویر مراد نہیں ہے بلکہ اسی نقش و نگار کو تصاویر کہا گیا ہے اور ممکن ہے کہ جاندار کی تصاویر ہوں اور حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو اب تک ممانعت کا علم نہ ہو جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بتادیا تو حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے ہٹادیا۔

﴿۶﴾ وعن عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ قَالَ أُهْدِيَ لِرَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَرُّوْجُ حَرِيْرٍ فَلَبِسَهُ ثُمَّ صَلَّى فِيْهِ ثُمَّ انْصَرَفَ فَنَزَعَهُ نَزْعًا شَدِيْدًا كَالْكَارِهِ لَهُ ثُمَّ قَالَ لَا يَنْبَغِيْ هٰذَا لِلْمُتَّقِيْنَ۔[2]

(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

ترجمہ: اور حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں کسی نے ایک ریشمی قبا تحفہ کے طور پر بھیجی چنانچہ آپ نے اسے پہن کر نماز پڑھ لی نماز پڑھنے کے بعد آپ نے قبا کو اس طرح اتار پھینکا جیسے کوئی بہت برا جانتا ہو پھر فرمایا کہ یہ (ریشمی کپڑے شرک و کفر سے) بچنے والوں کے لائق نہیں (بخاری و مسلم)

توضیح: "اهدی" اکیدر شاہ دومۃ الجندل نے غزوہ تبوک کے موقع پر صلح کے بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک ریشمی قبا بطور تحفہ پیش کی تھی یا مصر کے شاہ مقوقس نے ہدیہ بھیجا تھا آپ نے اسے پہن لیا اور پھر اتار کر پھینک دیا۔[3]

"**فروج حریر**" فروج اس قبا کو کہتے ہیں جس کا گریبان پیچھے پشت کی جانب ہوتا ہے۔ فا پر فتحہ اور را مشدد ہے جیم پر ضمہ ہے۔

"**للمتقین**" آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس قبا کو اس وقت پہن لیا ہوگا جب کہ ریشم کی حرمت نہیں آئی ہوگی اس لئے آپ نے اس کے ساتھ نماز پڑھ لی اور شاید اسی دوران ریشم کی حرمت کا حکم آگیا تو آپ نے نہایت سرعت کے ساتھ اس کو اتار دیا اور پھر فرمایا کہ متقی پرہیزگار کے لئے یہ مناسب نہیں ہے۔ یا متقین سے مراد شرک و کفر سے بچنے والے لوگ ہیں یعنی کسی مسلمان کے لئے یہ لائق نہیں کہ ریشم پہن لے۔

بعض علماء نے لکھا ہے کہ شاید کسی اور مصلحت سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو پہن لیا اور پھر اتار دیا اور ہوسکتا ہے کہ تعلیم امت کے لئے ہو کہ عملی طور پر اس سے نفرت کا اظہار کیا گیا جس سے دیکھنے والوں کو بھی نفرت ہوگئی۔

---

[1] المرقات: ۲/۴۶۷ اشعة اللمعات: ۳۴۱ [2] اخرجه البخاري: ۱/۱۸۶ ومسلم: ۲/۱۴۳ [3] اشعة اللمعات: ۳۴۱

الفصل الثانی

﴿۷﴾ عن سَلَمَةَ بنِ الأكوع قَالَ قُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللهِ إِنِّي رَجُلٌ أَصِيْدُ أَفَأُصَلِّيْ فِي الْقَمِيْصِ الْوَاحِدِ قَالَ نَعَمْ وَازْرُرْهُ وَلَوْ بِشَوْكَةٍ۔[1] (رَوَاهُ أَبُوْدَاوُدَ وَرَوَى النَّسَائِيُّ نَحْوَهُ)

ترجمہ: اور حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! میں ایک شکاری آدمی ہوں، کیا میں ایک ہی کرتہ میں نماز پڑھ لیا کروں؟ آپ نے فرمایا "ہاں (پڑھ لیا کرو) لیکن اسے باندھ لیا کرو خواہ اسے کانٹے ہی سے کیوں نہ اٹکا لیا جائے۔" (ابوداؤد، نسائی)

توضیح: "اصید" یہ متکلم کا صیغہ ہے یعنی میں ایک شکاری آدمی ہوں اکثر شکار کرتا رہتا ہوں۔[2]

"القمیص الواحد" چونکہ شکاری لوگ اکثر شکار کے پیچھے دوڑتے ہیں اور تہہ بند کے ساتھ آدمی تیز نہیں دوڑ سکتا ہے کیونکہ ازار بند کے کنارے جھاڑیوں کے ساتھ یا شکاری کی ٹانگوں کے ساتھ الجھ جاتے ہیں اس لئے اس وقت شکاری صرف ایک قمیص میں شکار کے لئے نکل جاتے تھے پھر نماز کا وقت آتا تھا اسی وجہ سے مسئلہ کے لحاظ سے حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ کو پریشانی ہوئی کیونکہ قمیص کا گریبان کھلا ہوتا ہے تو رکوع اور سجدہ کی حالت میں ستر کھل جاتا ہے اس لئے آپ سے سوال کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب میں فرمایا کہ تم ایک قمیص میں نماز پڑھ سکتے ہو اگر گریبان سے ستر کھلنے کا خطرہ ہے تو بٹن لگا لو اگر بٹن نہیں ملتا تو بٹن کا کام جنگلی درخت کے کانٹوں سے لیا کرو۔

فقہاء نے لکھا ہے کہ اگر کوئی نمازی اپنے گریبان سے خود اپنی عورت غلیظ کو جھانک کر دیکھتا ہے تو اس سے نماز فاسد نہیں ہوتی اسی طرح اگر کوئی شخص چھت یا درخت کے اوپر سے اس قسم کے نمازی کے ستر کو دیکھ لیتا ہے اس سے بھی نماز فاسد نہیں ہوتی اسی طرح اگر کوئی نمازی ازار میں نماز پڑھتا ہے اور نیچے سے کوئی شخص اس کے ستر کو دیکھتا ہے اس سے بھی نماز کو نقصان نہیں ہوتا ستر کھلنا وہ ہوتا ہے جو آمنے سامنے آگے پیچھے اور دائیں بائیں برابر سے نظر آنے لگ جائے۔

پاجامہ ٹخنوں سے نیچے رکھنا سخت گناہ

﴿۸﴾ وعن أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ بَيْنَمَا رَجُلٌ يُصَلِّيْ مُسْبِلٌ إِزَارَهُ قَالَ لَهُ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذْهَبْ فَتَوَضَّأْ فَذَهَبَ وَتَوَضَّأَ ثُمَّ جَاءَ فَقَالَ رَجُلٌ يَا رَسُوْلَ اللهِ مَالَكَ أَمَرْتَهُ أَنْ يَتَوَضَّأَ قَالَ إِنَّهُ كَانَ يُصَلِّيْ وَهُوَ مُسْبِلٌ إِزَارَهُ وَإِنَّ اللهَ لَا يَقْبَلُ صَلَاةَ رَجُلٍ مُسْبِلٍ إِزَارَهُ۔[3] (رَوَاهُ أَبُوْدَاوُدَ)

ترجمہ: اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک شخص ازار لٹکائے ہوئے نماز پڑھ رہا تھا سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے (یہ دیکھ کر) اس سے فرمایا کہ "جاؤ اور وضو کرو!" وہ شخص جا کر وضو کر آیا۔ ایک شخص نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ یا رسول اللہ!

[1] اخرجه ابوداؤد: ۶۳۲ والنسائی: ۲/۷۰ [2] البرقات: ۲/۳۶۸ [3] اخرجه ابوداؤد: ۶۳۸، ۴۸۶

آپ نے اس شخص کو وضو کرنے کیلئے کیوں فرمایا؟ (حالانکہ وہ باوضو تھا) آپ نے فرمایا کہ "وہ شخص اپنا ازار لٹکائے ہوئے نماز پڑھ رہا تھا اور جو شخص ازار لٹکائے ہوئے ہو اللہ تعالیٰ اس کی نماز قبول نہیں کرتا۔" (ابوداؤد)

توضیح: "مسبل ازارہ" هو ارسال الثوب واطالته زيادة على الحد المشروع تكبرًا واختيالًا۔ [1]

یعنی ناز وتکبر کے طور پر شلوار وغیرہ کپڑے کو شرعی حد سے نیچے لٹکانے کا نام اسبال ہے۔ اسبال صرف ازار بند کے ساتھ خاص نہیں بلکہ شلوار پاجامہ قمیص کوئی بھی کپڑا ٹخنوں سے نیچے لٹکانا مکروہ تحریمی ہے اور یہ اسبال ہے آستینوں میں ہاتھ کی انگلیوں پر آستین کا آجانا اسبال ہے عمامہ کا شملہ اگر کمر سے نیچے چلا گیا یہ بھی اسبال ہے۔

حدیث شریف میں ازار کا ذکر اس لئے ہے کہ اس وقت شلوار کا رواج نہیں تھا نیز بعض روایات میں اسبال ثوب کا لفظ آیا ہے اور "ثوب" ہر قسم کے کپڑے کو شامل ہے اور یہ اسبال مکروہ تحریمی ہے اس حالت میں اصل نماز تو ہو جاتی ہے مگر کامل نماز نہیں ہوتی ہے اور ثواب سے آدمی محروم ہو جاتا ہے اس میں وعید شدید اور خوب تشدید وتغلیظ ہے۔

شلوار کا ٹخنوں سے نیچے لٹکانا احناف وشوافع کے نزدیک نماز میں بھی اور بغیر نماز کے بھی مکروہ تحریمی ہے البتہ امام مالک رحمہ اللہ نماز میں اس اسبال کو جائز مانتے ہیں لیکن نماز سے باہر عام اوقات میں ناجائز کہتے ہیں وہ فرماتے ہیں کہ تکبر وغرور اور ناز ونخرے کا ظہور نماز کے علاوہ اوقات میں ہوتا ہے نماز میں نہیں ہوتا، حضرت امام مالک رحمہ اللہ کا یہ قول شاذ ہے۔

سوال: اکثر لوگوں کا یہ خیال ہے کہ پاجامہ ٹخنوں سے نیچے لٹکانا اس وقت منع ہے جبکہ بطور تکبر ہو اور ہم بطور تکبر کے نہیں لٹکاتے ہیں لہٰذا ہمارے لئے منع نہیں ہے۔

جواب: اس کا جواب یہ ہے کہ یہ شیطان کا دھوکہ ہے جو انسان کو دیتا ہے حقیقت یہ ہے کہ پاجامہ نیچے لٹکانا خود متکبرانہ وضع ہے اس میں تکبر نہ کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

حضور اکرم ﷺ نے جماعت صحابہ میں سوائے صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے کسی کو اجازت نہیں دی اور صدیق اکبر نے عذر کیا کہ میں پورا خیال رکھتا ہوں لیکن پیٹ بڑھ جانے کی وجہ سے کبھی کبھی ازار نیچے چلا جاتا ہے حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کہ تم میں تکبر نہیں ہے یہ یقین دہانی صرف صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو حاصل ہے امت کے کسی دوسرے فرد کو حاصل نہیں۔

"**اذهب فتوضأ**" یہاں یہ سوال ہے کہ اسبال کے مرتکب اس شخص کی نماز اگر غیر مقبول ہو یہ تو سمجھ میں آتا ہے لیکن ایک باوضو شخص کو دوبارہ وضو بنانے کا حکم کیوں دیا گیا؟۔

اس کا بہتر جواب علامہ طیبی رحمہ اللہ نے یہ دیا ہے کہ شاید اس شخص کو تجدید وضو کا حکم اس لئے دیا گیا تا کہ وہ خود سوچ لے کہ واقعی اس نے ایک شنیع اور قبیح فعل کا ارتکاب کیا ہے جس کی وجہ سے اس کو وضو لوٹانے کا حکم دیا گیا اور اس کے دماغ میں یہ

---

[1] المرقات: ۲/۶۶۹

بات بھی آجائے کہ حضور ﷺ کے حکم پر اس ظاہر پاکیزگی سے شاید باطنی پاکیزگی حاصل ہوجائے گی اور اس کا باطن تکبر اور عجب جیسی بیماریوں سے پاک ہوجائے گا۔[1]

بہرحال مسلمانوں کو سوچنا چاہئے کہ وہ مذہبی طور پر کتنی پستی میں چلے گئے ہیں کہ اجتماعی طور پر اس منکر کا ارتکاب کرتے ہیں اور اس کو منکر ہی نہیں سمجھتے کیا عرب اور کیا عجم دین کے خصوصی حلقہ علماء میں بھی یہ بیماری گھس آئی ہے مصر کا ایک بہت بڑا عالم پاجامہ ٹخنوں سے نیچے لٹکایا کرتا تھا سیڑھیوں سے اترتے وقت پاجامہ الجھ گیا وہ گر کر مر گیا اللہ نے عجیب سزا دی۔

اور دوسری طرف عورتوں کو اگر دیکھا جائے تو وہ ٹخنوں سے نیچے کپڑا لیجانے کو اپنے لئے موت سمجھتی ہیں کیا ہی الٹا نظام چل پڑا کبیرا شاعر نے اسی الٹے نظام کے لئے کہا: ؎

رنگی کو نارنگی کہا دودھ کڑھے کو کھویا چلتی کا نام گاڑی رکھا یوں کبیرا رویا

بالغہ عورت کی نماز سر ڈھانکے بغیر قبول نہیں

﴿۹﴾ وعن عائشة قالت قال رسول الله صلى الله عليه وسلم لا تقبل صلاة حائض الا بخمار۔ (رواه ابو داود والترمذي)[2]

ترجمہ: اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا راوی ہیں کہ سرور کائنات ﷺ نے فرمایا "بالغہ عورت کی نماز بغیر دوپٹہ کے (یعنی سر ڈھانکے بغیر) نہیں ہوتی۔" (ابوداؤد، ترمذی)

توضیح: "حائض" اس سے بالغہ عورت مراد ہے کیونکہ حیض نابالغ لڑکی کو نہیں آتا جب عورت بلوغ کی عمر تک پہنچ جائے پھر اس کو حیض آئے یا نہ آئے حکم یہی ہے کہ سر ڈھانکے بغیر اس کی نماز جائز نہیں ہے۔ شیخ عبدالحق رحمہ اللہ لمعات[3] میں فرماتے ہیں کہ سر پر دوپٹہ نہ رکھنے کی وجہ سے بطور تحقیر اس وقت عورت کو حائض کے نام سے یاد کیا گیا کیونکہ حیض ایک گندگی ہے (تعارف و تعریف کی چیز نہیں ہے)۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ عورت کے سر کے بال اور اس کا سر ستر میں داخل ہے لہٰذا اگر کوئی عورت سر ڈھانکے بغیر ننگے سر نماز پڑھے گی تو اس کی نماز نہیں ہوگی اسی طرح عورت اگر اتنا باریک کپڑا استعمال کر کے نماز پڑھے گی جس میں بال یا بدن کا رنگ نظر آتا ہو تو اس کی نماز نہیں ہوگی۔

البتہ یہ حکم آزاد عورتوں کے لئے ہے لونڈیوں کا نہیں ہے کیونکہ لونڈیوں کا سر ستر میں داخل نہیں ہے اس کے گھٹنوں سے اوپر ناف سے نیچے حصہ مردوں کی طرح ستر میں شامل ہے ہاں اس کا پیٹ اور پیٹھ اور پہلو بھی ستر میں داخل ہیں (آج کل آزاد عورتیں کہلانے والی عورتیں لونڈیوں کی حدیں پار کر گئیں)۔

[1] المرقات: ۲/۳۶۹ [2] اخرجه ابوداؤد: ۶۴۱ والترمذی: ۳۷۷ [3] الکاشف: ۲/۳۱۹ اشعة اللمعات: ۳۷۲

﴿۱۰﴾ وعن أُمِّ سَلَمَةَ أَنَّهَا سَأَلَتْ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَتُصَلِّي الْمَرْأَةُ فِي دِرْعٍ وَخِمَارٍ لَيْسَ عَلَيْهَا إِزَارٌ قَالَ إِذَا كَانَ الدِّرْعُ سَابِغًا يُغَطِّي ظُهُوْرَ قَدَمَيْهَا.[1]

(رَوَاهُ أَبُوْدَاوٗدَ وَذَكَرَ جَمَاعَةً وَقَفُوْهُ عَلٰى أُمِّ سَلَمَةَ)

ترجمہ: اور حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ میں نے سرور کائنات ﷺ سے پوچھا کہ اگر عورت کے پاس تہبند (یعنی پائجامہ وغیرہ) نہ ہو اور وہ صرف دوپٹہ اور کرتہ میں نماز پڑھ لے تو اس کی نماز ہوجائے گی یا نہیں؟ آپ نے فرمایا (ہاں ہوجائے گی) بشرطیکہ کرتہ اتنا لمبا ہو کہ اس سے اس کی پاؤں کی پشت چھپ جاتی ہو۔" (ابوداؤد) اور ابوداؤد نے کہا ہے کہ ایک جماعت نے اس روایت کو ام سلمہ پر موقوف کردیا ہے (یعنی انہوں نے کہا ہے کہ یہ آنحضرت ﷺ کا ارشاد نہیں ہے بلکہ خود حضرت ام سلمہ کا قول ہے)۔

توضیح: "درع" عورتوں کی بڑی قمیص کو کہتے ہیں جس کی جمع "دروع"[2] ہے امرأالقیس کہتا ہے۔

الی مثلها یرنوا الحلیم صبابة اذا ما اسبکرت بین درع ومجول

ایسی عورتوں کی طرف صابر صوفی آدمی بھی شوق سے ٹکٹکی باندھ کر دیکھتا ہے جبکہ وہ اپنے کرتوں میں مٹک مٹک کر چلتی ہیں۔

"سابغا" کاملا واسعا یعنی سر ڈھانکنے کے لئے دوپٹہ ہو اور کھلی قمیص ہو جو پاؤں تک پہنچتی ہو پھر اگر شلوار وازار نہ بھی ہو نماز ہوجائے گی "ظهور قدميها" اس جملہ سے معلوم ہوا کہ عورت کے پاؤں کی پشت ستر میں داخل ہے اس کا ڈھانکنا نماز میں واجب ہے۔

نماز میں سدل مکروہ ہے

﴿۱۱﴾ وعن أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهٰى عَنِ السَّدْلِ فِي الصَّلَاةِ وَأَنْ يُغَطِّيَ الرَّجُلُ فَاهُ.[3] (رَوَاهُ أَبُوْدَاوٗدَ وَالتِّرْمِذِيُّ)

ترجمہ: اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ سرور کائنات ﷺ نے نماز میں سدل کرنے اور مرد کو منہ ڈھانکنے سے منع فرمایا ہے۔" (ابوداؤد، ترمذی)

توضیح: "السدل"[4] في اللغة الارخاء وفي الشرع الارسال بدون المعتاد". (كذا في المرقات) یعنی سدل لغت میں لٹکانے کو کہتے ہیں اور شرع میں غیر معتاد اور خلاف عادت طریقہ پر کپڑا لٹکانے کو سدل کہتے ہیں۔

---

[1] اخرجه ابوداؤد: ۶۴۰ [2] الکاشف: ۲/۲۲۰ المرقات: ۲/۴۷۰

[3] اخرجه الترمذي: ۳۷۸ ابوداؤد: ۶۴۳ [4] المرقات: ۲/۴۷۲

قال ابو عبید السدل ارسال الرجل ثوبه من غیر ان ینضم جانبیه بین یدیه فان ضم فلیس بسدل وقال الخطابی السدل ارسال الثوب حتی یصیب الارض۔

حضرت شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ شریعت نے لباس میں عمدہ ہیئت اختیار کرنے کا حکم دیا ہے کہ دیکھنے والے کو بے ڈھنگا معلوم نہ ہو، اس کے خلاف کپڑا استعمال کرنا سدل ہے۔

گویا سدل یہ ہے کہ حالت نماز میں کپڑا وضع اصلی کے خلاف چھوڑا جائے جو وقار کے خلاف ہوتا ہے۔

قال صاحب الهداية هو ان يجعل ثوبه على رأسه و كتفيه ثم يرسل اطرفه من جوانبه.

صاحب ہدایہ نے سدل کی جو تعریف کی ہے اس پر علامہ ابن ہمام رحمہ اللہ تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ یہ تعریف اس رومال پر بھی صادق آتی ہے جس کو اکثر لوگ کندھوں پر ڈال کر لٹکائے رکھتے ہیں ان لوگوں کو چاہئے کہ نماز پڑھتے وقت رومال کو زمین پر رکھ کر نماز پڑھیں۔

فتاوی قاضی خان نے اس خاص طریقہ پر رومال کے اوڑھنے کو سدل کی تعریف میں داخل کیا ہے فرماتے ہیں۔

هو ان يجعل الثوب على راسه او على عاتقه ويجعل جانبيه امامه على صدره.

(کذا فی المرقات)[1]

سدل کی کراہت کی ایک وجہ تو یہی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے اس سے منع فرمایا ہے اور دوسری وجہ یہ ہے کہ سدل کی بعض صورتوں میں یہود سے مشابہت پائی جاتی ہے اور بعض صورتوں میں اشتمال الصماء میں سدل داخل ہو جاتا ہے اور یہ سب منع ہے۔

"یغطی الرجل فاہ" نماز میں منہ چھپانا بھی منع ہے عرب میں پگڑی کا استعمال عام تھا وہ لوگ اس کے ایک کونہ سے منہ پر ڈھاٹا باندھ لیتے تھے جس سے منہ کا دہانہ چھپ جاتا تھا اس سے اس لئے منع فرمایا کہ اس کے ساتھ نہ قرأت صحیح طور پر پڑھی جاسکتی ہے اور نہ سجدہ اچھی طرح ہو سکتا ہے۔

ہاں اگر کسی کے منہ سے بدبو اٹھتی ہو یا ڈکار آتے ہوں تو اس کو ہاتھ سے منہ چھپانا جائز بلکہ مستحب ہے۔

جوتوں سمیت نماز پڑھنے کا حکم

﴿۱۲﴾ وعن شَدَّادِ بْنِ أَوْسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَالِفُوا الْيَهُوْدَ فَإِنَّهُمْ لَا يُصَلُّوْنَ فِيْ نِعَالِهِمْ وَلَا خِفَافِهِمْ۔[2] (رَوَاهُ أَبُوْدَاوُدَ)

[1] المرقات: ۲/۲۷۲ [2] اخرجه ابوداؤد: ۶۵۲

ترجمہ: اور حضرت شداد بن اوس رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ سرور کائنات ﷺ نے فرمایا (جوتے اور موزے پہن کر نماز پڑھنے میں) یہودیوں کی مخالفت کرو کیونکہ وہ لوگ جوتے اور موزے پہن کر نماز نہیں پڑھتے۔" (ابوداؤد)

توضیح: "فی نعالھم" [1] یہ نعل کی جمع ہے جوتے کو کہتے ہیں چپل جب نیا ہو یا صاف ہو تو اس کے ساتھ نماز پڑھنا مباح ہے جن علاقوں میں لوگ اس کو ناجائز سمجھتے ہیں تو وہاں یہ اباحت اور مؤکد ہو جاتی ہے لیکن جوتا پہن کر نماز پڑھنے کے لئے کچھ شرائط بھی ہیں اول یہ کہ چپل نرم ہو تا کہ پاؤں زمین پر لگ جائیں اگر جوتا اس طرح سخت ہے کہ سجدہ میں پاؤں معلق رہیں تو ایسے جوتے کے ساتھ نماز پڑھنا جائز نہیں جس طرح آج کل بوٹ یا پشاوری چپل ہوتے ہیں۔ دوسری شرط یہ ہے کہ جوتے موجب تلویث مسجد نہ ہوں اس کا مطلب یہ ہے کہ مسجد کے اردگرد کا علاقہ صاف ستھرا ہو یا ریگستانی چٹیل میدان ہو جس پر چلنے سے جوتا مزید صاف ہو جاتا ہے اگر مسجد کے آس پاس علاقہ صاف نہیں ہے گندی گلیاں ہیں تو ایسے آلودہ علاقوں میں استعمال شدہ چپل کیساتھ مسجد میں آنا موجب تلویث مسجد ہے جیسا کہ حضرات مالکیہ کی مساجد میں تلویث نمایاں نظر آتی ہے نیز آج کل کی مساجد اور ماحول کو دور اول کی مساجد اور ماحول پر قیاس کرنا باعث خطر اور قیاس مع الفارق ہے۔

بہر حال زیر بحث حدیث میں حضور اکرم ﷺ نے امت کو یہ تعلیم دی ہے کہ یہودی جوتے پہن کر نماز پڑھنے کو جائز نہیں سمجھتے ہیں نیز وہ لوگ موزہ بھی استعمال نہیں کرتے تم لوگ انکی مخالفت کرو اور نماز میں یہ دونوں چیزیں استعمال کرو معلوم ہوا کہ گمراہ لوگوں کی مخالفت میں ایک امر مباح بھی مامور بہ بن جاتا ہے اور مخالفت کی نیت سے اس مباح عمل پر بھی ثواب مل جاتا ہے حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جہاں مخالفت کی فضا نہ ہو وہاں یہ حکم مامور بہ کے درجہ میں نہیں ہوگا۔

ملا علی قاری رحمہ اللہ [2] مرقات میں لکھتے ہیں کہ اس حدیث کا مطلب میرے ذہن میں یہ آرہا ہے کہ یہود جوتوں کیساتھ نماز پڑھنے کو جائز نہیں سمجھتے ہیں تم ان کی مخالفت کرو اور جوتوں کے ساتھ نماز پڑھنے کو جائز سمجھو یہ مطلب نہیں کہ تم یہ فعل شروع کردو۔ باقی آنحضرت ﷺ نے یہود کی مخالفت میں جوتوں سمیت نماز پڑھی ہے وہاں مخالفت کی فضا تھی یا جواز کیلئے ایسا کیا۔ امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ادب کا تقاضا یہ ہے کہ جوتوں کے ساتھ نماز نہ پڑھی جائے بلکہ جوتے اتار کر نماز پڑھے اس کا مطلب بھی یہ ہے کہ ہمارے زمانے میں ادب بھی یہی ہے کہ جوتے اتار کر نماز پڑھے۔

یا مطلب یہ ہے کہ حضور اکرم ﷺ کا آخری عمل اس پر تھا کہ آپ نے جوتے اتار کر نماز پڑھی ہے اور یہی ادب ہے آج کل غیر مقلدین کبھی جوتوں سمیت نماز پڑھنے کا اعلان کرتے ہیں ایک دفعہ گرین ٹاؤن محمدی مسجد میں انہوں نے اعلان کیا کہ آج جمعہ کی نماز جوتوں سمیت پڑھیں گے یہ نا سمجھی ہے کہاں گرین ٹاؤن کراچی کے گندے نالے اور کہاں مدینہ کی پاک زمین؟۔

---

[1] المرقات: ۲/۴۷۳ [2] المرقات: ۲/۴۷۳

﴿۱۳﴾ وعن أبي سعيد الخدري قال بينما رسول الله صلى الله عليه وسلم يصلي بأصحابه إذ خلع نعليه فوضعهما عن يساره فلما رأى ذلك القوم ألقوا نعالهم فلما قضى رسول الله صلى الله عليه وسلم صلاته قال ما حملكم على إلقائكم نعالكم قالوا رأيناك ألقيت نعليك فألقينا نعالنا فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم إن جبريل أتاني فأخبرني أن فيهما قذرا إذا جاء أحدكم المسجد فلينظر فإن رأى في نعليه قذرا فليمسحه وليصل فيهما۔[1]

(رواه أبو داود والدارمي)

ترجمہ: اور حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ایک مرتبہ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اصحاب کو نماز پڑھا رہے تھے کہ آپ نے اچانک اپنے جوتے اتار کر اپنی بائیں طرف (دور ہٹا کر) رکھ لئے جب لوگوں نے یہ دیکھا تو انہوں نے بھی اپنے جوتے اتار ڈالے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز سے فارغ ہو گئے تو فرمایا کہ تمہیں جوتے اتارنے پر کس چیز نے مجبور کر دیا تھا؟ انہوں نے عرض کیا کہ ہم نے دیکھا کہ آپ نے اپنے جوتے اتار ڈالے ہیں اس لئے ہم نے بھی اپنے جوتے اتار ڈالے آپ نے فرمایا کہ (میں نے تو جوتے اس لئے اتار دیئے تھے کہ) میرے پاس جبرئیل آئے اور انہوں نے خبر دی کہ میرے جوتوں میں نجاست لگی ہوئی ہے (اسلئے میں نے جوتے اتار دیئے تھے) تم میں سے جو شخص مسجد میں آئے تو پہلے وہ اپنے جوتے دیکھ لیا کرے۔ اگر ان میں نجاست لگی ہوئی معلوم ہو تو انہیں صاف کر لے اور انہیں پہنے ہی پہنے) نماز پڑھ لے۔" (ابوداؤد، دارمی)

توضیح: "قذر" [2] ہر آلودگی جس کو طبیعت ناپسند کرے اور اس سے گھن آئے وہ قذر ہے اس کے لئے ضروری نہیں کہ وہ نجس بھی ہو جیسے بلغم ہے رینٹھ ہے یہ قذر ہے مگر نجس نہیں ہے۔

"عن یسارہ" یہ اس صورت میں جائز ہے جبکہ بائیں جانب کوئی نمازی نہ ہو ورنہ آنے والی حدیث میں اس کی ممانعت موجود ہے چونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم امام تھے اس لئے آپ کے یسار میں کوئی نہیں تھا باقی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز کے دوران جوتے اتارے ہیں تو یہ عمل قلیل ہے نماز کے منافی نہیں ہے۔

"فاخبرنی جبرئیل" جبرئیل امین نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طبعی نظافت اور کمال احتیاط کے پیش نظر اطلاع دی کہ جوتوں میں آلودگی ہے اس کا مطلب یہ نہیں کہ نجاست کے ساتھ آپ نے نماز کا کچھ حصہ ادا کیا۔

اس حدیث سے ایک بات یہ معلوم ہوئی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو علم الغیب نہیں تھا ورنہ جبریل کے بتانے سے پہلے آپ خود جوتے اتار دیتے دوسری بات یہ معلوم ہوئی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ہر فعل واجب اتباع ہے جیسا کہ صحابہ نے دیکھ کر اتباع کیا ہاں اگر کوئی عمل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیات میں سے ہو تو اس میں اتباع نہیں ہے۔

تیسری بات یہ معلوم ہوئی کہ جوتے کے ساتھ نجاست لگی ہو تو نماز نہیں ہوگی اور گندگی سے استعمال کا جوتا پاک رکھنا آسان

[1] اخرجه ابوداؤد: ۶۵۰ والدارمي: ۱۳۸۵ [2] المرقات: ۲/۴۶۳

نہیں لہٰذا جوتوں سمیت نماز نہ پڑھنا ضروری ہے۔

"فليمسحه" اگر آلودگی خشک ہو تو پونچھنے سے صاف ہو جائے گی اور اگر آلودگی تر ہو تو دھونے سے صاف ہوگی شاید یہاں طین شارع تھی جو ویسے بھی معاف ہے لہٰذا اس بحث کو چھیڑنے کی ضرورت ہی نہیں کہ آنحضرت ﷺ نے نماز کا بعض حصہ محل نجاست کے ساتھ پڑھا پھر نماز کیسے درست ہوئی؟۔

﴿۱۴﴾ وعن أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا صَلَّى أَحَدُكُمْ فَلَا يَضَعْ نَعْلَيْهِ عَنْ يَمِيْنِهِ وَلَا عَنْ يَسَارِهِ فَتَكُوْنَ عَنْ يَمِيْنِ غَيْرِهِ إِلَّا أَنْ لَا يَكُوْنَ عَلَى يَسَارِهِ أَحَدٌ وَلْيَضَعْهُمَا بَيْنَ رِجْلَيْهِ وَفِي رِوَايَةٍ أَوْلِيُصَلِّ فِيْهِمَا۔[1] (رَوَاهُ أَبُوْدَاوُدَ وَرَوَى ابْنُ مَاجَه مَعْنَاهُ)

ترجمہ: اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ سرور کائنات ﷺ نے فرمایا۔ "جب تم میں سے کوئی شخص نماز پڑھنے کھڑا ہو تو اپنے جوتے کو نہ اپنی دائیں طرف رکھے اور نہ بائیں طرف رکھے کیونکہ ادھر دوسرے آدمی کی دائیں جانب ہوگی۔ ہاں اگر کوئی بائیں جانب نہ ہو تو ادھر رکھ لے (ورنہ) اسے چاہئے انہیں اپنے دونوں پیروں کے درمیان (یعنی اپنے آگے پیروں کے پاس) رکھ لے اور ایک روایت میں یہ الفاظ بھی ہیں کہ "یا (اگر جوتے پاک ہوں تو ان کو اتارنے کی ضرورت نہیں ہے بلکہ) انہیں پہنے ہی پہنے نماز پڑھ لے۔" (ابوداؤد، ابن ماجہ)

الفصل الثالث

﴿۱۵﴾ عن أَبِي سَعِيْدٍ الْخُدْرِيِّ قَالَ دَخَلْتُ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَرَأَيْتُهُ يُصَلِّيْ عَلَى حَصِيْرٍ يَسْجُدُ عَلَيْهِ قَالَ وَرَأَيْتُهُ يُصَلِّيْ فِي ثَوْبٍ وَاحِدٍ مُتَوَشِّحًا بِهِ۔[2] (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

ترجمہ: حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ میں سرور کائنات کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا تو دیکھا کہ آپ ایک بوریہ پر نماز پڑھ رہے ہیں اور اسی پر سجدہ کر رہے ہیں۔ حضرت ابوسعید فرماتے ہیں کہ میں نے دیکھا کہ آپ ایک کپڑا اوڑھے ہوئے تھے جو آپ کے جسم پر لپٹا ہوا تھا نماز پڑھ رہے تھے۔" (مسلم)

توضیح: "علی حصیر"[3] حصیر کھجور کی شاخوں سے بنی ہوئی چٹائی کو کہتے ہیں بعض لوگ اس کا ترجمہ بوریا سے بھی کرتے ہیں حدیث میں "الخمرة" کا لفظ بھی آیا ہے وہ بھی یہی چٹائی ہے البتہ حصیر بڑی ہوتی ہے اور الخمرۃ چھوٹی چٹائی ہوتی ہے۔ یہ حدیث اس پر دلالت کرتی ہے کہ نمازی کی پیشانی اور زمین کے درمیان اگر کوئی چیز حائل ہو تو اس پر نماز پڑھنا جائز ہے جیسے یہاں حضور اکرم ﷺ نے چٹائی پر نماز پڑھی ہے اس سے یہ بات بھی ثابت ہو جاتی ہے کہ چٹائی کے علاوہ کپڑوں اور قالینوں پر بھی نماز پڑھنا جائز ہے اگرچہ اس کے لئے علماء کے پاس الگ دلائل بھی ہیں لیکن

[1] اخرجه ابوداؤد: ۶۵۵ وابن ماجه: ۱۳۳۲ [2] اخرجه مسلم: ۲/۶۲، ۲/۱۲۸ [3] المرقات: ۲/۴۷۶

یہاں کا اشارہ بھی دلیل ہے۔[1]

حضرات مالکیہ کے سرخیل قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ زمین پر کچھ بچھائے بغیر نماز پڑھنا افضل ہے کیونکہ خالص مٹی پر سر اور پیشانی رکھنے سے اعلیٰ درجے کا خشوع وخضوع حاصل ہوجاتا ہے جو نماز کی اصل روح ہے ہاں اگر مجبوری ہو سردی یا گرمی سے بچاؤ کی ضرورت ہو تو پھر چٹائی کپڑا وغیرہ بچھالینا بہتر ہے۔ بعض حضرات کا کہنا ہے کہ جو چیزیں زمین سے اگی ہوئی ہوں اس پر نماز پڑھنا جائز ہے مگر جو اگی ہوئی نہ ہوں جیسے کپڑے وغیرہ تو اس پر نماز پڑھنا بہتر نہیں ہے سنا ہے کہ حجاج بن یوسف خالی زمین پر سجدہ کرنے کو ضروری سمجھتا تھا اور چٹائی وغیرہ پر نماز پڑھنا ناجائز سمجھتا تھا تعجب اس پر ہے کہ ایک لاکھ بیس ہزار بے گناہ انسانوں کا قاتل یہاں کتنا احتیاط کرتا ہے اور قتل انسان کے گناہ کو بھول جاتا ہے۔

بہر حال جمہور علماء کے نزدیک چٹائی اور کپڑے پر سجدہ کر کے نماز جائز ہے۔

﴿۱۶﴾ وعن عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ أَبِيْهِ عَنْ جَدِّهٖ قَالَ رَأَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّيْ حَافِيًا وَمُنْتَعِلًا۔[2] (رَوَاهُ أَبُوْدَاوُدَ)

ترجمہ: اور حضرت عمرو ابن شعیب اپنے والد سے اور وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ وہ فرماتے تھے کہ میں نے سرور کائنات ﷺ کو کبھی ننگے پاؤں اور کبھی جوتے پہنے ہوئے نماز پڑھتے ہوئے دیکھا ہے۔ (ابوداؤد)

ایک چادر میں نماز پڑھنا کیسا ہے؟

﴿۱۷﴾ وعن مُحَمَّدِ بْنِ الْمُنْكَدِرِ قَالَ صَلّٰى بِنَا جَابِرٌ فِيْ إِزَارٍ قَدْ عَقَدَهٗ مِنْ قِبَلِ قَفَاهُ وَثِيَابُهٗ مَوْضُوْعَةٌ عَلَى الْمِشْجَبِ فَقَالَ لَهٗ قَائِلٌ تُصَلِّيْ فِيْ إِزَارٍ وَاحِدٍ فَقَالَ إِنَّمَا صَنَعْتُ ذٰلِكَ لِيَرَانِيْ أَحْمَقُ مِثْلُكَ وَأَيُّنَا كَانَ لَهٗ ثَوْبَانِ عَلٰى عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔[3] (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)

ترجمہ: اور حضرت محمد بن منکدر فرماتے ہیں کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے صرف تہ بند باندھ کر جسے انہوں نے اپنی گدی کی طرف باندھ رکھا تھا نماز پڑھائی حالانکہ ان کے کپڑے کھونٹی پر لٹکے ہوئے تھے ان سے کسی کہنے والے نے کہا کہ آپ نے صرف تہبند میں نماز پڑھی ہے؟ انہوں نے جواب دیا کہ "میں نے یہ اس واسطے کیا تا کہ تم جیسا احمق مجھے دیکھے بھلا رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں ہم میں سے وہ کون تھا جس کے پاس دو کپڑے تھے۔" (بخاری)

توضیح: "المشجب"[4] میم کا کسرہ ہے شین ساکن ہے جیم پر فتحہ ہے، **عیدان یضم رؤسها یخرج بین قوائمها وتوضع علیها الثیاب**، سمجھنے کے لئے تو اس کا ترجمہ کھونٹی سے کیا جاتا ہے لیکن حقیقت میں یہ ایک ایسی چیز ہے جس کو گھروں میں نصب کیا جاتا ہے یہ تکون کی شکل کی چیز ہوتی ہے اس کے نیچے کبھی ایک ٹانگ اور کبھی تین ٹانگیں

[1] المرقات: ۲/۴۷۶ [2] اخرجه ابوداؤد: ۱/۱۶۳ [3] اخرجه البخاري: ۱/۹۹ [4] الکاشف: ۲/۲۲۴ المرقات: ۲/۴۷۷

ہوتی ہیں اس کے اوپر والے حصہ میں کئی کھونٹیاں بنی ہوئی ہوتی ہیں جس کے ساتھ حسب ضرورت کپڑے لٹکائے جاتے ہیں پہلے زمانے میں اس کے ساتھ مشکیزے لٹکائے جاتے تھے تاکہ پانی ٹھنڈا رہے آج کل بھی یہ چیز گھروں میں موجود ہے جس کو کپڑوں وغیرہ کے لئے استعمال کیا جاتا ہے۔

بہرحال حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے شریعت مطہرہ کی حدود کی وسعت ظاہر کرنے کے لئے ایسا کیا کہ کپڑوں کی موجودگی میں صرف ایک چادر میں نماز پڑھی کسی تابعی نے آپ کو دیکھا اور خیال کیا کہ یہ خلاف سنت عمل کر رہا ہے تو فوراً اعتراض کیا حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے سختی سے جواب دیا کہ سنت طریقہ کو تم خلاف سنت کیوں سمجھتے ہو؟ تم احمق ہو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں لوگوں کے پاس ایک کپڑے سے زیادہ کہاں تھے اسی ایک میں نماز پڑھا کرتے تھے یہ جائز ہے۔ غرضیکہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ اس شخص کے عدم جواز کے نظریہ کو رد کر رہے ہیں اور جب ستر چھپا ہوا ہو تو ایک کپڑے میں نماز کے جواز اور صحیح ہونے کو وہ بتا رہے ہیں اور شریعت میں جواز کی ایک حد کا تعین فرما رہے ہیں اس سے یہ نہیں سمجھنا چاہئے کہ اس طرح افضل ہے افضل تو وہ ہے جو تین کپڑوں میں نماز ہو جیسے آئندہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت میں تصریح موجود ہے اور دو صحابہ کا مکالمہ مذکور ہے۔ جواز اور افضل و ادب کے مقامات الگ الگ ہیں اس کو آپ ایک مثال سے سمجھ لیں مثلاً ایک شخص نے اپنے خادم سے کہا جاؤ اور بازار سے سیب خرید کر لاؤ وہ شخص گیا اور سیب خرید کر اپنی جھولی میں پکڑ کر لایا اور اپنے مخدوم کے سامنے زمین پر گرا کر رکھ دیا اس شخص نے آقا کے حکم کو پورا کیا مگر بے ڈھنگے اور نامناسب طریقہ سے پورا کیا اسی طرح آقا کے حکم پر ایک اور شخص گیا اور سیب خرید کر پہلے دھویا پھر ایک خوبصورت برتن یا ٹرے میں سلیقہ سے رکھا اور اس کے اوپر دو چار گلاب کے پھول بھی رکھ دیئے اور ٹرے کو لا کر آقا کے سامنے دستر خوان یا ٹیبل پر رکھ دیا اس شخص نے بھی آقا کے حکم کو پورا کیا لیکن آقا سے پوچھو کہ حکم پورا کرنے میں دونوں کا عمل کیسا لگا وہ بتا دیگا کہ کونسا عمل کیسا لگا۔ یہی صورت نماز کی ہے اللہ تعالیٰ کے حکم کو پورا کرنے کے لئے تو ایک کپڑا کافی ہے لیکن سلیقہ اور خوبصورتی اور ادب کا تقاضا کچھ اور ہوتا ہے۔

آج کل غیر مقلدین ادب کے اس حسین منظر کو چھوڑ کر نمازوں میں ایسی شکل اختیار کرتے ہیں جو خود انسان کو اچھی نہیں لگتی ہے تو خالق کائنات کو کیسے اچھی لگے گی۔

اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اہل اللہ پر بے جا اعتراض نہیں کرنا چاہئے ہو سکتا ہے کہ یہ قابل اعتراض صورت ان کے ہاں ایک معقول وجہ سے ہو۔

چوں بشنوی سخن اہل دل مگو کہ خطاء است
سخن شناس نہ بیئے دلبرا خطا این جا است
نہ ہر جائے مرکب تواں تاختن کہ جاہ ہا سپر باید انداختن
ہزار نکتہ باریک ترز مو ایں جا است نہ ہر کہ سر بتر اشد قلندری داند

﴿۱۸﴾ وعن أُبَيِّ ابنِ كَعْبٍ قَالَ الصَّلَاةُ فِي الثَّوْبِ الْوَاحِدِ سُنَّةٌ كُنَّا نَفْعَلُهُ مَعَ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَلَا يُعَابُ عَلَيْنَا فَقَالَ ابْنُ مَسْعُوْدٍ إِنَّمَا كَانَ ذَالِكَ إِذْ كَانَ فِي الثِّيَابِ قِلَّةٌ فَأَمَّا إِذْ وَسَّعَ اللهُ فَالصَّلَاةُ فِي الثَّوْبَيْنِ أَزْكَى۔[1] (رَوَاهُ أَحْمَدُ)

ترجمہ: اور حضرت ابی ابن کعب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک کپڑے میں نماز پڑھنا سنت ہے کیونکہ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ہم اسی طرح نماز پڑھتے تھے اور ہمیں کوئی برا نہیں کہتا تھا۔" اس پر حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ "یہ (یعنی ایک کپڑے میں نماز پڑھنا) اسی وقت تھا جبکہ کپڑوں کی قلت تھی اب اللہ تعالیٰ نے کپڑوں کے بارے میں وسعت بخش دی تو دو کپڑوں میں ہی نماز پڑھنا بہتر ہے۔" (احمد)

توضیح: "سنة" ای جائزۃ یعنی ایک کپڑے میں نماز پڑھنا جائز ہے ہم پڑھا کرتے تھے کسی نے کوئی طعن نہیں کیا تھا، حضرت ابی بن کعب نماز کے جواز کی بات فرمارہے ہیں کہ جب ایک ہی کپڑا ہو تو اس میں نماز جائز ہے۔[2]

"فقال ابن مسعود رضی اللہ عنہ" حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے دور اول میں کپڑوں کی تنگی کی طرف اشارہ کیا اور اسی تنگی کے پیش نظر ایک کپڑے میں جواز نماز کی بات فرمائی۔

"ازکی" یعنی جب اللہ تعالیٰ وسعت دے اور کپڑے موجود ہوں تو پھر جواز کی حد سے نکل کر افضل کی حد پر آنا چاہئے اور وہ یہ ہے کہ دو کپڑوں میں نماز پڑھنا افضل اور پاکیزہ ہے۔ آج کل غیر مقلدین آزاد خیال حضرات کو حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی بات یاد رکھنا چاہئے اور اس پر عمل کرنا چاہئے دیوانوں کی طرح بننے میں کیا فائدہ ہے۔

---

[1] اخرجه احمد: ۵/۱۴۱ [2] المرقات: ۲/۴۷۷

بَابُ السُّتْرَةِ

سترہ کا بیان

اس باب میں کل اٹھارہ احادیث مذکور ہیں جس میں سترہ کے علاوہ نمازی کے سامنے گذرنے کی وعید اور نماز توڑنے والی اشیاء کا بیان ہے "سترۃ" سین پر ضمہ ہے اور تا ساکنہ ہے لغت میں آڑ اور پردہ کے معنی میں ہے اس کا اصطلاحی مفہوم یہ ہے کہ سترہ ہر اس چیز کا نام ہے جو نمازی کے سامنے کھڑی کی جائے تا کہ اس سے نمازی کے سجدہ گاہ کا پتہ چل جائے اور گذرنے والا گناہ گار نہ ہو جائے سترہ میں دیوار، لکڑی، ستون وغیرہ کو استعمال کیا جا سکتا ہے یعنی ہر وہ چیز جو گذرنے والے کو دور سے نظر آتی ہو۔ سترہ کے لئے ضروری ہے کہ اس کا طول کم از کم ایک ذراع ہو اور زیادہ کی کوئی مقدار نہیں اسی طرح عرض کی بھی کوئی حد نہیں اگر کھڑا کرنا ممکن نہ ہو تو پھر عرض رکھنا بھی جائز ہے بشرطیکہ سترہ بڑا ہو۔ شوافع دو ثلث ذراع کو طول میں جائز مانتے ہیں۔

سترہ کی موٹائی کم از کم ایک انگلی کے برابر ہونا چاہئے تا کہ نظر آئے امام کا سترہ مقتدیوں کے لئے کافی ہے الگ الگ سترہ کی ضرورت نہیں ہے لہٰذا اگر کوئی شخص صرف مقتدیوں کی صفوں کے درمیان سے گذرتا ہے تو وہ اس وعید میں نہیں آئے گا جو احادیث میں مذکور ہے کیونکہ امام کا سترہ قوم کے لئے کافی ہے نیز اگر کوئی شخص طولاً صفوں کو چیرتا ہوا آگے آتا ہے یا باہر جاتا ہے وہ بھی احادیث کی وعید سے خارج ہے اگرچہ بغیر ضرورت اس طرح کرنا مناسب نہیں ہے مگر اصل وعید عرضاً گذرنے والے کے لئے ہے۔ اسی طرح اگر کوئی مسجد ساٹھ قدم سے زیادہ وسعت والی ہو تو اس میں مصلّی کے سامنے اس حد میں گذرنا جائز ہے جہاں پر نمازی کی نگاہ نہیں پڑتی ہو جبکہ وہ اپنے سجدہ کی جگہ کو دیکھ رہا ہو اگر مسجد اس سے کم ہو تو پھر سامنے سے مطلقاً گذرنا منع ہے۔

اگر سترہ کے لئے لکڑی وغیرہ نہ ہو تو پھر ایک محرابی شکل کی لکیر کا سترہ بنانا بھی جائز ہے حدیث میں اس کا ذکر آیا ہے اگرچہ فقہاء احناف مثل ھدایہ نے لکیر کی حیثیت کو سترہ میں شمار نہیں کیا ہے۔

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا ایک قول یہ بھی ہے کہ امام کا سترہ صرف امام کے لئے ہے اور مقتدیوں کے لئے امام کا وجود خود سترہ ہے۔

الفصل الاول

ایک تاریخی سترہ

﴿۱﴾ عن ابْنِ عُمَرَ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَغْدُوْ إِلَى الْمُصَلَّى وَالْعَنَزَةُ بَيْنَ يَدَيْهِ تُحْمَلُ وَتُنْصَبُ بِالْمُصَلَّى بَيْنَ يَدَيْهِ فَيُصَلِّيْ إِلَيْهَا. (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)[۱]

[۱] اخرجه البخاري: ۱/۱۳۳

ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ آقائے نامدار ﷺ صبح کے وقت عیدگاہ تشریف لے جاتے اور آپ کے آگے آگے ایک نیزہ (بھی) لے جایا جاتا جو عیدگاہ میں آپ کے آگے کھڑا کر دیا جاتا تھا اور آپ اس کی طرف (منہ کر کے) نماز پڑھ لیتے تھے۔" (بخاری)

توضیح: "والعنزة" عین پر فتحہ ہے نون اور زا پر بھی فتحہ ہے ایسے نیزہ کو کہتے ہیں جو عصا سے لمبا ہوتا ہے مگر لمبے نیزے سے چھوٹا ہوتا ہے اگر نون ساکن پڑھ لیا جائے تو "عَنْزَة" بکری کو کہتے ہیں یہاں اس نیزہ سے ایک خاص تاریخی نیزہ مراد ہے۔[1]

واقعہ اس طرح ہے کہ جنگ بدر میں حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے ایک کافر پر حملہ کیا جس کا نام عبیدہ بن سعید تھا جو اسلحہ میں غرق تھا صرف آنکھیں نظر آرہی تھیں حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے تاک کر اس پر حملہ کیا اور اپنا نیزہ اس کی آنکھ میں گھسا دیا کافر گر کر مر گیا مگر حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کو اپنا نیزہ نکالنا مشکل ہو گیا آپ نے اس پر پورا بوجھ ڈال کر نکالدیا جس سے وہ ٹیڑھا ہو گیا حضور اکرم ﷺ نے اس تاریخ کو زندہ رکھنے کے لئے اس نیزہ کو سترہ میں استعمال فرمایا پھر صدیق اکبر رضی اللہ عنہ اور پھر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ اور پھر عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے دور خلافت تک اس تاریخی نیزہ کو خلفائے راشدین نے استعمال فرمایا حضور اکرم ﷺ اس نیزہ سے سترہ کا کام بھی لیتے تھے اور اسے زمین نرم کرنے یا ڈھیلے نکالنے کے لئے بھی استعمال فرماتے تھے اور جنگ بدر کی تاریخی فتح کو یاد رکھنے کی طرف اشارہ بھی فرماتے تھے۔

"تنصب" نصب کرنے اور گاڑنے کے معنی میں ہے "بالمصلّٰی" اس سے مراد عیدگاہ ہے چونکہ عیدگاہ کھلے میدان میں تھی کوئی دیوار سامنے نہیں تھی اس لئے سترہ گاڑنے کی ضرورت تھی۔

سترہ کے سامنے سے گذرنا جائز ہے

﴿۲﴾ وعن أَبِي جُحَيْفَةَ قَالَ رَأَيْتُ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِمَكَّةَ وَهُوَ بِالْأَبْطَحِ فِي قُبَّةٍ حَمْرَاءَ مِنْ أَدَمٍ وَرَأَيْتُ بِلَالًا أَخَذَ وَضُوْءَ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَرَأَيْتُ النَّاسَ يَبْتَدِرُوْنَ ذٰلِكَ الْوَضُوْءَ فَمَنْ أَصَابَ مِنْهُ شَيْئًا تَمَسَّحَ بِهِ وَمَنْ لَمْ يُصِبْ مِنْهُ أَخَذَ مِنْ بَلَلِ يَدِ صَاحِبِهِ ثُمَّ رَأَيْتُ بِلَالًا أَخَذَ عَنَزَةً فَرَكَزَهَا وَخَرَجَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي حُلَّةٍ حَمْرَاءَ مُشَمِّرًا صَلَّى إِلَى الْعَنَزَةِ بِالنَّاسِ رَكْعَتَيْنِ وَرَأَيْتُ النَّاسَ وَالدَّوَابَّ يَمُرُّوْنَ بَيْنَ يَدَيِ الْعَنَزَةِ.

(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)[2]

ترجمہ: اور حضرت ابو جحیفہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے مکہ میں ابطح کے مقام پر آقائے نامدار ﷺ کو سرخ چمڑے کے ایک خیمہ میں دیکھا اور میں نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو آنحضرت ﷺ کے وضو کا بچا ہوا پانی لیتے ہوئے دیکھا اور دوسرے

---

[1] المرقات: ۲/۴۷۹ [2] اخرجه البخاري: ۱/۱۰۵، ۱/۱۹۹، ۷/۱۹۹ ومسلم: ۲/۵۶

لوگوں کو (بھی) میں نے دیکھا کہ وہ پانی حاصل کرنے میں بڑی عجلت کر رہے تھے چنانچہ جس شخص کو اس پانی میں سے کچھ مل گیا اس نے (برکت حاصل کرنے کیلئے) اسے (اپنے بدن اور منہ پر) مل لیا اور جس شخص کو کچھ نہ ملا اس نے ساتھ والے کے ہاتھ کی تری (ہی) لے کر مل لی پھر میں نے بلال کو دیکھا کہ انہوں نے نیزہ لے کر اسے گاڑ دیا۔ آنحضرت ﷺ سرخ دھاریدار جوڑا پہنے اور دامن اٹھائے (خیمہ سے) نکلے اور نیزہ کی طرف کھڑے ہو کر صحابہ کے ساتھ دو رکعت نماز پڑھی اور میں دیکھ رہا تھا کہ آدمی اور چوپائے نیزہ کے سامنے آ جا رہے تھے۔" (بخاری، مسلم)

توضیح: "الابطح" [1] یہ مکہ سے منیٰ جاتے ہوئے قریب میں واقع ایک کھلے نالے کا نام ہے جسے "المحصب" بھی کہتے ہیں چونکہ اس جگہ بہت زیادہ سنگریزے ہیں اس لئے اس کو ابطح اور محصب کہتے ہیں جو سنگریزوں کے معنی میں ہے۔

"ادم" یہ ادیم کی جمع ہے جو کھال کے معنی میں ہے "الوَضو" واو کے فتحہ کے ساتھ اس پانی کو کہا جاتا ہے جو وضو بنانے کے بعد بچ جاتا ہے اور اس پانی کو بھی کہا جاتا ہے جو اعضاء سے منفصل ہو کر گر جاتا ہے صحابہ نے بطور تبرک اس پانی کو استعمال کیا ہے اور یہ پانی تبرک کے شایان شان بھی تھا۔ جو نبی آخر زمان کے مبارک اعضاء اور عبادت میں استعمال ہونے والا مبارک پانی تھا۔ "حلة حمراء" یعنی ایسا جوڑا تھا جس میں سرخ دھاریاں تھیں خالص سرخ نہ تھا کیونکہ وہ مردوں کے لئے جائز نہیں۔ "مشمرا" تشمیر کپڑوں کو سمیٹ کر جلدی جانے کو کہتے ہیں۔ "یمرون" مرور گذرنے کے معنی میں ہے اس میں تغليب العقلاء علی غیر العقلاء ہے یعنی صیغہ مذکر عاقل کا ہے مگر مراد صرف عقلاء نہیں بلکہ جانور بھی مراد ہیں ظاہر یہی ہے کہ لوگ سترہ کے آگے سے گذرتے تھے اور بیان کرنے سے مقصود بھی یہی ہے کہ سترہ کافی ہے جب سترہ ہو تو آگے گذرنے میں گناہ نہیں بلکہ جائز ہے۔

جانور کو سترہ بنانا بھی جائز ہے

﴿۳﴾ وعن نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَعْرِضُ رَاحِلَتَهُ فَيُصَلِّي إِلَيْهَا مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ. وَزَادَ الْبُخَارِيُّ قُلْتُ أَفَرَأَيْتَ إِذَا هَبَّتِ الرِّكَابُ قَالَ كَانَ يَأْخُذُ الرَّحْلَ فَيُعَدِّلُهُ فَيُصَلِّي إِلَى آخِرَتِهِ۔ [2]

ترجمہ: اور حضرت نافع حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ آقائے نامدار ﷺ اپنی سواری کا اونٹ سامنے بٹھا کر اس کی طرف نماز پڑھ لیتے تھے۔" (بخاری و مسلم)

اور بخاری نے مزید یہ نقل کیا ہے کہ نافع کہتے ہیں کہ میں نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے پوچھا کہ جب اونٹ چرنے اور پانی پینے چلے جاتے تھے تو آنحضرت ﷺ کیا کرتے تھے؟ ابن عمر نے فرمایا آپ ﷺ کجاوے کو ٹھیک کر کے سامنے رکھ لیتے تھے اور اس کی

[1] المرقات: ۲/۴۷۹ اشعۃ اللمعات: ۳۷۵ [2] اخرجه البخاري: ۱/۱۱۷ و مسلم: ۲/۵۵

پچھلی لکڑی کی طرف نماز پڑھ لیتے تھے۔

توضیح: "**یعرض**" ہ صیغہ باب ضرب سے ہے کسی جانور کو چوڑائی میں بٹھانا مراد ہے تا کہ نمازی اور قبلہ کے درمیان سترہ بنے باب تفعیل سے بھی یہی معنی مراد ہوسکتا ہے۔

"**افرأیت**" یعنی مجھے خبر دو اور مجھے بتلادو "**اذاھبت**" ھبوب نیند سے اٹھنے یا کسی جانور کے بیٹھنے کے بعد اٹھنے کو کہا جاتا ہے۔

شیخ عبدالحق رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ھبوب کا لفظ چلے جانے کے لئے بطور مجاز استعمال کیا گیا ہے یعنی جب جانور موجود نہ ہوں بلکہ چرنے یا پانی پینے کے لئے چلے گئے ہوں پھر سترہ کس چیز سے ہوتا تھا۔

ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "**اذاھبت**" **ای قامت للسیر**، اس کلام سے اندازہ ہوتا ہے کہ اگر جانور دوران نماز اٹھ کر چلا جائے تو پھر کیا ہوگا تو حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے نافع کو جواب دیا کہ پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کجاوہ کو ٹھیک کر کے اس سے سترہ بناتے تھے حدیث کے سیاق وسباق کا تقاضا یہی ہے کہ دوران نماز جانور کے چلے جانے کے بعد سترہ کے بارے میں سوال کیا گیا ہے اور جواب اسی کے متعلق آیا ہے اور کجاوہ ٹھیک کرنا نماز کے دوران عمل قلیل ہے ایک ہاتھ سے ہوسکتا ہے۔

ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ کے اس اشارہ سے میں اس سیاق وسباق کی بات کرتا ہوں ورنہ کسی شرح میں اس طرح تشریح میں نے نہیں دیکھی کاش میں دیکھ لیتا عام شراح نے وہی مطلب لیا ہے کہ اگر جانور چرنے کے لئے گئے ہوتے اور سترہ کے لئے کوئی جانور نہیں ملتا تھا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کیا کرتے تو ابن عمر رضی اللہ عنہما نے جواب دیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پھر کجاوہ کو سترہ کے لئے استعمال فرماتے یہ مطلب سیاق وسباق سے بہت بعید ہے کیونکہ سترہ بنانے کیلئے جانور متعین نہیں تھا سترہ تو ہر چیز سے بنایا جاسکتا تھا پھر اس سوال وجواب کی ضرورت کیا تھی۔ "**الرکاب**" اس سے مراد اونٹ ہیں اس کا مفرد راحلہ ہے اپنے صیغہ سے اس کا مفرد نہیں آتا ہے قاموس میں لکھا ہے کہ رکاب بروزن کتاب اس کا مفرد راحلہ ہے اور اس کی جمع رُکُبٌ کُتُبٌ کی طرح بھی آتی ہے اور رکابات اور رکائب بھی آتی ہے۔ (کذا فی لمعات)

"**یُعَدِّلُہٗ**" تعدیل سے ہے برابر کرنے اور سیدھا کرنے کے معنی میں ہے "**الی اخرتہ**" کجاوہ کے ساتھ دو طرفہ لکڑی لگی ہوتی ہے ایک اسکے اگلے حصے میں جسکو سوار ہاتھ سے پکڑتا ہے اور ایک لکڑی اسکے آخری حصے میں ہوتی ہے جس سے سوار ٹیک اور تکیہ لگاتا ہے اخرۃ اسی آخری لکڑی کا نام ہے اس کو **مؤخرۃ الرحل** بھی کہتے ہیں جو آنے والی حدیث میں ہے اس حدیث میں حیوان کا ذکر ہے فقہاء نے لکھا ہے کہ اگر کوئی انسان کسی نمازی کے آگے بیٹھا ہو تو اس کی پشت کو سترہ بنایا جاسکتا ہے ہاں چہرہ آمنے سامنے نہیں ہونا چاہیے۔

﴿۴﴾ وعن طَلْحَۃَ بْنِ عُبَیْدِ اللہِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللہِ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِذَا وَضَعَ اَحَدُکُمْ بَیْنَ

يَدَيْهِ مِثْلَ مُؤْخِرَةِ الرَّحْلِ فَلْيُصَلِّ وَلَا يُبَالِ مَنْ مَرَّ وَرَاءَ ذٰلِكَ۔ ؎۱ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

ترجمہ: اور حضرت طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ آقائے نامدار ﷺ نے فرمایا ''جب تم میں سے کوئی کجاوہ کی پچھلی لکڑی کی مانند (کسی چیز کو) سترہ بنا کر رکھ لے تو اسے چاہئے کہ وہ نماز پڑھ لے اور اس (سترہ) کے سامنے سے کوئی گذرے تو اس کی پرواہ نہ کرے۔'' (مسلم)

توضیح: "ولا یبال" یعنی سترہ کے بعد نمازی اسکی پرواہ نہ کرے کہ کون اس کے سامنے سے گذرتا ہے کیونکہ سترہ کی موجودگی میں کسی کے گذرنے سے نمازی کی خشوع وخضوع پر کوئی اثر نہیں پڑیگا اطمینان سے نماز پڑھے۔ اس صورت میں لایبال کا تعلق نمازی سے ہوگا اور یہ بھی احتمال ہے کہ لایبال کا تعلق گذرنے والے کے ساتھ ہو مطلب یہ کہ جب سترہ موجود ہو تو نمازی کے آگے سے گذرنے والا یہ پرواہ نہ کرے کہ میں نمازی کے آگے سے گذر رہا ہوں بلکہ بے خوف وخطر گذر جائے کیونکہ سترہ کی موجودگی میں گذرنا جائز ہے کسی قسم کے غم کی ضرورت نہیں۔ ؎۲

نمازی کے آگے سے گذرنا بڑا گناہ ہے

﴿۵﴾ وعن أَبِي جُهَيْمٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَوْ يَعْلَمُ الْمَارُّ بَيْنَ يَدَيِ الْمُصَلِّي مَاذَا عَلَيْهِ لَكَانَ أَنْ يَقِفَ أَرْبَعِيْنَ خَيْرًا لَهُ مِنْ أَنْ يَمُرَّ بَيْنَ يَدَيْهِ قَالَ أَبُو النَّضْرِ لَا أَدْرِيْ قَالَ أَرْبَعِيْنَ يَوْمًا أَوْ شَهْرًا أَوْ سَنَةً۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ) ؎۳

ترجمہ: اور حضرت ابوجہیم رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ آقائے نامدار ﷺ نے فرمایا۔ نمازی کے آگے سے گذرنے والا اگر یہ جان لے کہ اس کی کیا سزا ہے تو وہ نمازی کے آگے سے گذرنے کی بجائے چالیس...... تک کھڑے رہنے کو بہتر خیال کرے۔'' (اس حدیث کے ایک راوی) حضرت ابونضر کہتے ہیں کہ چالیس دن یا چالیس مہینے یا چالیس سال کہا گیا ہے۔'' (بخاری ومسلم)

توضیح: "ماذا علیہ" ؎۴ یعنی نمازی کے آگے سے گذرنے والے کو اگر عین الیقین کے ساتھ معلوم ہو جائے کہ اس گذرنے کی سزا کتنی سخت ہے تو وہ چالیس سال تک انتظار کرتا اور نمازی کے آگے سے نہ گذرتا، آدمی پانچ منٹ کے انتظار سے کتنا اکتا جاتا ہے تو چالیس سال تک رک کر کھڑا ہونا کتنا مشکل ہے لیکن نمازی کے آگے سے گذرنے کے شدید عذاب کے پیش نظر اگر چالیس سال بھی رکنا پڑے تب بھی کم ہے کیونکہ گذرنے کا عذاب بہت زیادہ ہے۔ ؎۵

"اربعین" اس لفظ میں شک پڑ گیا کہ اربعین کی تمیز کیا ہے آیا چالیس دن ہیں یا چالیس ماہ ہیں یا چالیس سال ہیں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی ایک روایت کو امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ نے مشکل الآثار میں بیان کیا ہے جس میں سو برس ٹھہرنے

؎۱ اخرجه مسلم: ۲/۵۵ ؎۲ المرقات: ۲/۴۸۳ اشعة اللمعات: ۳۷۶

؎۳ اخرجه البخاری: ۱/۱۳۶ ومسلم: ۲/۵۸ ؎۴ المرقات: ۲/۴۸۳ ؎۵ اشعة اللمعات: ۳۷۶

کا ذکر ہے اس سے امام طحاوی رحمہ اللہ نے یہ ثابت کیا ہے کہ زیر نظر حدیث میں چالیس سے چالیس سال مراد ہیں بعض روایات میں اربعین خریفًا ای سَنَةً۔

علماء[1] نے لکھا ہے کہ یہ وعید اس گذرنے والے کے بارے میں ہے جو نمازی کے سامنے سے عرضاً گذر جاتا ہے۔ نیز یہ اس صورت میں ہے جبکہ گذرنے والا نمازی کے سجدہ کی جگہ سے گذرتا ہے بعض فقہاء نے نمازی کے جسم کے ساتھ مس ہونے کی قید بھی لگائی ہے بہرحال وعید شدید ہے علماء نے مجبوری کے تحت حرمین شریفین کو اس سے مستثنیٰ رکھا ہے ورنہ پھر وہاں دن بھر کوئی آدمی کسی طرف نہیں جاسکے گا ابن حجر رحمہ اللہ نے کعبہ کو لوگوں کے لئے سترہ قرار دیا ہے۔

(کذا فی المرقات)

نمازی کے سامنے سے گذرنے والے کو مکا مار کر روکا جاسکتا ہے

﴿۶﴾ وعن أَبِي سَعِيدٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا صَلَّى أَحَدُكُمْ إِلَى شَيْءٍ يَسْتُرُهُ مِنَ النَّاسِ فَأَرَادَ أَحَدٌ أَنْ يَجْتَازَ بَيْنَ يَدَيْهِ فَلْيَدْفَعْهُ فَإِنْ أَبَى فَلْيُقَاتِلْهُ فَإِنَّمَا هُوَ شَيْطَانٌ هٰذَا لَفْظُ الْبُخَارِيِّ وَلِمُسْلِمٍ مَعْنَاهُ۔[2]

ترجمہ: اور حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ آقائے نامدار ﷺ نے فرمایا "جب تم میں سے کوئی شخص کسی ایسی چیز (یعنی سترہ) کی طرف نماز پڑھے جو اس کے آگے سے (یعنی نماز اور سترہ کے درمیان) سے گذرنے کا ارادہ کرے تو اس کو روک دینا چاہئے اگر وہ نہ مانے تو اسے قتل کر دینا چاہئے کیونکہ وہ (ایسی صورت میں) شیطان ہے۔" (حدیث کے الفاظ بخاری کے ہیں اور مسلم نے اس روایت کو بالمعنیٰ نقل کیا ہے)

توضیح: "فليدفعه"[3] عمل کثیر سے دفع کرنا اجماعاً مفسد للصلوٰۃ ہے نیز دفاع کا یہ حق سترہ رکھنے کے بعد ہے اگر کسی نمازی نے سترہ نہیں رکھا ہے تو جرم خود نمازی کا ہے باقی رہ گیا یہ مسئلہ کہ دفاع کرنا اولیٰ اور بہتر ہے یا غیر اولیٰ ہے۔ تو اس میں تفصیل ہے کہ نفس دفاع تو مباح ہے مگر دفاع نہ کرنا امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک اولیٰ ہے جمہور فقہاء کے نزدیک بھی دفاع کرنا کوئی وجوبی حکم نہیں ہے جن احادیث میں دفاع کا حکم آیا ہے وہ بیان رخصت کے لئے ہے یا ابتداء میں وجوب تھا پھر منسوخ ہوگیا۔ (کذا فی الزیلعی)

"فليقاتله" یہ لڑنے کے معنی میں ہے قتل کرنے کے معنی میں نہیں ہے کیونکہ قتال کا مفہوم قتل کے مفہوم سے الگ ہے مگر بعض روایات میں "فليقتله" کے الفاظ آئے ہیں جس سے بظاہر قتل کرنا مراد ہے اب اگر کسی نے ظاہری حدیث کو دیکھ کر دفاع کیا اور اس سے وہ آدمی واقعی مارا گیا تو قاضی عیاض رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ دفاع کی حد تک دفاع کرنے سے اگر کوئی مرگیا۔ تو علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ اس میں قصاص نہیں ہے البتہ دیت میں اختلاف ہے بعض نے دیت کو واجب کیا

[1] المرقات: ۲/۴۸۳ [2] اخرجه البخاری: ۱/۱۳۵ و مسلم: ۲/۵۷ [3] المرقات: ۲/۴۸۵

بعض نے واجب نہیں کیا ہے "فانہ شیطان" یعنی اب یہ شخص شیطان والا کام کررہا ہے شیطان کی طرح سرکشی پراتر آیا ہے تو یہ شیطان کی طرح ہوگیا ہے ہاں اگر کوئی نمازی وسط طریق میں کھڑا ہوگیا تو گناہ اس پر ہوگا۔

مورخہ ۲۷ ربیع الاول ۱۴۱۰ھ

نمازی کے آگے سے عورت، گدھا اور کتا گذرنے کا حکم

﴿۷﴾ وعن أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَقْطَعُ الصَّلَاةَ الْمَرْأَةُ وَالْحِمَارُ وَالْكَلْبُ وَيَقِي ذٰلِكَ مِثْلُ مُؤْخَرَةِ الرَّحْلِ.[1] (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

ترجمہ: اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آقائے نامدار ﷺ نے فرمایا "عورت، گدھا اور کتا (نمازی کے آگے سے گذرنے کی صورت میں) نماز کو باطل کردیتے ہیں اور کجاوہ کی پچھلی لکڑی کی مانند کسی چیز کو (نمازی کے آگے سترہ بنا کر) رکھ لینا (نماز کے) اس باطل کردینے کو بچالیتا ہے۔" (مسلم)۔

توضیح: "تقطع الصلوٰۃ"[2] اس حدیث کے ظاہری الفاظ اس پر دلالت کرتے ہیں کہ کسی نمازی کے آگے سے اگر گدھا عورت اور کتا گذر گیا تو اس کی نماز باطل ہوگئی گویا ان تین چیزوں نے اس شخص کی نماز کو باطل کرکے رکھدیا اب سوال یہ ہے کہ یہ حدیث اسی طرح ظاہر پر ہے یا دیگر احادیث کی وجہ سے اس کا ظاہر مؤول بتاویل ہے اس میں فقہاء کرام کا اختلاف ہے۔

فقہاء کرام کا اختلاف:

تینوں ائمہ امام مالک، امام ابوحنیفہ اور امام شافعی رحمہم اللہ تعالیٰ کے نزدیک عورت گدھا اور کتا یا اس کے علاوہ کوئی اور انسان وحیوان اگر نمازی کے آگے سے گذر جائے تو اس سے نماز باطل نہیں ہوتی ہے۔

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ اور اہل ظواہر کے نزدیک عورت گدھے اور کتے کے گذر جانے سے نماز فاسد ہوجاتی ہے امام احمد بن حنبل دیگر احادیث کی وجہ سے عورت اور حمار کے گذر جانے کے بارے میں شک میں پڑگئے اور یہ فتویٰ دیا کہ صرف کتے کے گذرنے سے نماز ٹوٹتی ہے پھر کتے میں بھی بعض روایات میں سیاہ کی قید تھی تو آپ نے سیاہ کتے کو قاطع صلوٰۃ قرار دیا باقی کوئی چیز نہیں۔

دلائل:

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ اور اہل ظواہر نے زیر بحث حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت سے استدلال کیا ہے جس میں واضح طور پر تین چیزوں کو قاطع صلوٰۃ قرار دیا گیا ہے ابوداؤد شریف میں یہ الفاظ آئے ہیں۔ "قال یقطع الصلوٰۃ المرأۃ الحائض والکلب"۔ (ص ۱۰۳)

---

[1] اخرجہ مسلم: ۲/۵۹ — [2] المرقات: ۲/۴۸۶

جمہور نے حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کی روایت سے استدلال کیا ہے جو مشکوٰۃ ص ۷۴ پر موجود ہے جس کے الفاظ یہ ہیں "لا یقطع الصلوٰۃ شیء وادرؤا ما استطعتم۔ (رواہ ابو داؤد)

اسی طرح حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی روایت نمبر ۸ جو مشکوٰۃ ص ۷۴ پر موجود ہے اس سے بھی جمہور نے استدلال کیا ہے۔

اسی طرح حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت نمبر ۹ ہے جو مشکوٰۃ ص ۷۴ پر موجود ہے اس سے بھی جمہور نے استدلال کیا ہے اسی طرح حضرت فضل بن عباس کی روایت نمبر ۱۳ سے بھی جمہور نے استدلال کیا ہے جو مشکوٰۃ ص ۷۴ پر موجود ہے۔

ان تمام احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ عورت اور گدھا اور کتا قاطع صلوٰۃ نہیں ہیں حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے زوردار انداز سے اس کی تردید فرمائی اور فرمایا "شبھتمونا بالحمر والکلاب" (بخاری ص ۷۳)

پہلا جواب: حنابلہ اور اہل ظواہر کے پیش کردہ دلائل کا جواب یہ ہے کہ قطع صلوٰۃ سے مراد خشوع وخضوع اور تعلق مع اللہ کا خاص رابطہ ہے وہ کٹ جاتا ہے کیونکہ ان اشیاء میں سے کتا اور گدھا **مضر بالجسم** ہے اور عورت **مضر بالمیل والحسن** ہے کیونکہ یہ تینوں انواع وساوس شیطان کے مراکز ہیں جن کے ذریعہ سے شیطان نمازی کی نورانیت اور وصل مع اللہ اور توجہ اور یکسوئی کو کاٹ کر رکھدیتا ہے تو نماز نہیں ٹوٹتی علاقہ کٹ جاتا ہے اس طرح تمام روایات میں تطبیق آجائے گی۔

دوسرا جواب: یہ ہے کہ ان حضرات کے پیش کردہ روایت جمہور کی روایات کے سامنے منسوخ ہے خود حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما ان چیزوں سے نماز کے قطع ہونے کے پہلے قائل تھے اور ان روایات کے راوی تھے مگر بعد میں وہ عدم قطع کا فتویٰ دیا کرتے تھے یہ نسخ کی دلیل ہے۔

تیسرا جواب: یہ ہے کہ ان تین اشیاء کے فساد میں مبالغہ کی طرف اشارہ کیا گیا ہے کہ ان کا فتنہ بڑا سخت ہے نماز میں ان سے بچو گویا یہ احتیاط واحتراز کی طرف توجہ دلاتا ہے۔

نمازی کے آگے عورت کے آنے سے نماز باطل نہیں ہوتی

﴿۸﴾ وعن عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّي مِنَ اللَّيْلِ وَأَنَا مُعْتَرِضَةٌ بَيْنَهُ وَبَيْنَ الْقِبْلَةِ كَاعْتِرَاضِ الْجَنَازَةِ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)[1]

ترجمہ: اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم رات میں نماز پڑھتے رہتے تھے اور میں آپ کے اور قبلہ کے درمیان (یعنی آپ کے سامنے) اس طرح پڑی رہتی تھی۔ جیسے جنازہ نمازیوں کے آگے رکھا رہتا ہے۔" (بخاری، مسلم)

[1] اخرجہ البخاری: ۱/۱۰۶، ۱۳۶، ۱۳۷، ۲/۳۱ ومسلم: ۲/۶۰، ۲/۱۶۸

نمازی کے آگے گدھی کے گذرنے سے نماز باطل نہیں ہوتی

﴿۹﴾ وعن ابنِ عبَّاسٍ قَالَ أَقْبَلْتُ رَاكِبًا عَلٰى اَتَانٍ وَأَنَا يَوْمَئِذٍ قَدْ نَاهَزْتُ الْاِحْتِلَامَ وَرَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّيْ بِالنَّاسِ بِمِنًى اِلٰى غَيْرِ جِدَارٍ مَرَرْتُ بَيْنَ يَدَيْ بَعْضِ الصَّفِّ فَنَزَلْتُ وَأَرْسَلْتُ الْأَتَانَ تَرْتَعُ وَدَخَلْتُ فِي الصَّفِّ فَلَمْ يُنْكِرْ ذٰلِكَ عَلَيَّ أَحَدٌ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)[1]

ترجمہ: اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ ایک دن جبکہ میں بالغ ہونے کے قریب تھا گدھی پر بیٹھا ہوا آیا اور آقائے نامدار ﷺ منیٰ میں لوگوں کے ہمراہ نماز پڑھ رہے تھے اور (آپ کے) آگے کوئی دیوار نہیں تھی (یعنی آپ نے کوئی سترہ نہیں کھڑا کر رکھا تھا، میں بعض صف کے سامنے سے گذرا، پھر گدھی سے اتر کر اسے چھوڑ دیا وہ چرنے لگی اور میں صف میں داخل ہو گیا اور مجھے کسی نے کچھ نہیں کہا۔" (بخاری، مسلم)

الفصل الثانی

خط کھینچنے سے سترہ کا کام لیا جاسکتا ہے یا نہیں؟

﴿۱۰﴾ عن أَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا صَلّٰى أَحَدُكُمْ فَلْيَجْعَلْ تِلْقَاءَ وَجْهِهٖ شَيْئًا فَاِنْ لَمْ يَجِدْ فَلْيَنْصِبْ عَصَاهُ فَاِنْ لَمْ يَكُنْ مَعَهٗ عَصًا فَلْيَخْطُطْ خَطًّا ثُمَّ لَا يَضُرُّهٗ مَا مَرَّ أَمَامَهٗ۔[2] (رَوَاهُ أَبُوْ دَاوُدَ وَابْنُ مَاجَةَ)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ آقائے نامدار ﷺ نے فرمایا "جب تم میں سے کوئی شخص نماز پڑھنا چاہے تو اپنے منہ کے سامنے کچھ (مثلاً دیوار وستون وغیرہ) کر لے اور اگر کچھ نہ ملے تو اپنا عصا (ہی) کھڑا کر لیا کرے اور اگر اس کے پاس عصا بھی نہ ہو تو ایک لکیر ہی کھینچ لیا کرے پھر اس کے آگے کوئی گذر جائے تو کچھ نقصان نہ ہوگا (یعنی خشوع وخضوع میں خلل نہیں پڑے گا)۔ (ابوداؤد، ابن ماجہ)

توضیح: "فلینصب عصا"[3] اس حدیث میں نمازی کو سترہ کے معاملہ میں کچھ سہولتیں دی گئیں ہیں ایک آسانی اور سہولت یہ دی گئی ہے کہ اگر کسی کے پاس سترہ کے لئے کچھ بھی میسر نہیں تو وہ عصا کو بطور سترہ سامنے گاڑ کر استعمال کر سکتا ہے اور اگر زمین سخت ہو گاڑنے کی صورت نہیں بن رہی ہو تو پھر طولاً عصا کو سامنے رکھنا بھی کافی ہو جائے گا، شرح "مُنْيَةُ الْمُصَلِّيْ" میں لکھا ہے کہ اگر کوئی نمازی اپنی عصا کو بجائے گاڑنے کے صرف طولاً سامنے رکھ لے تو بعض علماء کے نزدیک اس طرح کرنے سے سترہ کا عمل پورا ہو جائے گا مگر بعض علماء کے نزدیک اس طرح رکھنے سے یہ سترہ کے لئے کافی

[1] اخرجه البخاري: ۲۹/۱، ۱۳۲/۱، ۲۱۸/۱ ومسلم: ۵۷/۲ [2] اخرجه ابوداؤد: ۶۹۵ ابن ماجه: ۹۴۳ [3] المرقات: ۴۸۸/۲، ۴۸۹

نہیں ہوگا کفایہ میں لکھا ہے کہ اگر کوئی نمازی عصا کو بجائے گاڑنے کے سامنے رکھنا چاہتا ہے تو اس کو عرضاً نہیں رکھنا چاہئے بلکہ طولاً رکھنا چاہئے۔

اس حدیث سے نمازی کو یہ سہولت بھی میسر آتی ہے کہ اگر کسی کے پاس سترہ کے لئے کوئی چیز نہ ہو ہاتھ میں عصا بھی نہ ہو تو وہ اپنے سامنے لکیر کھینچ کر نماز ادا کرے اس کے سترہ کے لئے یہ بھی کافی ہے اس سے نمازی کے دل کے شکوک وشبہات اور وساوس کو اطمینان حاصل ہو جاتا ہے امام شافعی رحمہ اللہ کا قول قدیم اور امام احمد بن حنبل کا یہی مسلک ہے کہ لکیر کھینچنا سترہ کے لئے کافی ہے احناف کے متاخرین علماء نے بھی اسی قول کو اختیار کیا ہے۔ حنفیہ کے اکثر علما اور امام مالک رحمہ اللہ کے نزدیک لکیر کھینچنا سترہ کے لئے کافی نہیں ہے اس سے امتیاز حاصل نہیں ہوتا امام شافعی رحمہ اللہ کا قول جدید بھی یہی ہے صاحب ہدایہ نے بھی اسی قول کو لیا ہے کہ لکیر کا اعتبار نہیں ہے بہر حال حدیث میں اضطراب بھی ہو مگر لکیر کا ذکر اور اس کا ثبوت حدیث میں موجود ہے۔ [1]

پھر علماء لکیر کھینچنے کے طریقہ میں مختلف ہوئے ہیں بعض نے محرابی شکل کی لکیر کی بات کی ہے بعض نے طولاً لکیر کھینچنے کو ترجیح دی ہے بعض نے عرضاً لکیر کو پسند کیا ہے محرابی شکل زیادہ باعث اطمینان ہے اور عام احناف کے ہاں لکیر کا اعتبار ہے صاحب ہدایہ کا قول معتبر نہیں ہے محقق ابن ہمام اور امام ابو یوسف رحمہما اللہ تعالیٰ خط کھینچنے کو راجح قرار دیتے ہیں۔

سترہ کو قریب کھڑا کرنا چاہئے

﴿۱۱﴾ وعن سَهْلِ بْنِ أَبِي حَثْمَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا صَلَّى أَحَدُكُمْ إِلَى سُتْرَةٍ فَلْيَدْنُ مِنْهَا لَا يَقْطَعُ الشَّيْطَانُ عَلَيْهِ صَلَاتَهُ۔ [2] (رَوَاهُ أَبُوْدَاوُد)

ترجمہ: اور حضرت سہل ابن حثمہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ آقائے نامدار ﷺ نے فرمایا: "جب تم میں سے کوئی شخص سترہ کی طرف نماز پڑھے تو اسے چاہئے کہ وہ سترہ کے قریب رہے تاکہ شیطان اس کی نماز نہ توڑے۔" (ابوداؤد)

سترہ کو بالکل سامنے کھڑا نہیں کرنا چاہئے

﴿۱۲﴾ وعن الْمِقْدَادِ بْنِ الْأَسْوَدِ قَالَ مَا رَأَيْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّي إِلَى عُودٍ وَلَا عَمُودٍ وَلَا شَجَرَةٍ إِلَّا جَعَلَهُ عَلَى حَاجِبِهِ الْأَيْمَنِ أَوِ الْأَيْسَرِ وَلَا يَصْمُدُ لَهُ صَمْدًا۔ [3] (رَوَاهُ أَبُوْدَاوُد)

ترجمہ: اور حضرت مقداد ابن اسود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے آقائے نامدار ﷺ کو کبھی نہیں دیکھا کہ آپ لکڑی، ستون، درخت کی طرف (منہ کر کے) نماز پڑھتے ہوں اور یہ چیزیں ٹھیک آپ کے سامنے کھڑی ہوں بلکہ وہ آپ کے داہنی یا بائیں بھوؤں ابروؤں کے سامنے ہوتی تھیں اور آپ ان کی سیدھ کا قصد نہ کرتے تھے۔ (ابوداؤد)

[1] المرقات: ۲/۴۸۹ [2] اخرجه ابوداؤد: ۶۹۵ [3] اخرجه ابوداؤد: ۶۹۳

توضیح: "ولا یصمد" ای لا یقصد قصداً یعنی بالکل پیشانی اور آنکھوں کے سامنے رکھ کر ارادہ نہیں فرماتے تھے بلکہ سترہ کو دائیں بائیں آنکھ کے سامنے رکھتے تھے تاکہ بت پرستوں کے ساتھ مشابہت پیدا نہ ہو کیونکہ اسلام توحید کا علمبردار مذہب ہے اس میں اس کا شائبہ بھی نہیں ہونا چاہئے کہ کوئی دیکھنے والا دیکھ کر خیال کرے کہ یہ شخص اس ستون وغیرہ کو پوجتا ہے اس لئے آنحضرت ﷺ سترہ کو سیدھ میں رکھ کر اس کا قصد نہیں فرماتے تھے بلکہ دائیں بائیں ابرو کے سامنے سترہ رکھتے تھے اسلام نے نماز جنازہ میں رکوع اور سجدہ کو بھی اسی لئے جائز قرار نہیں دیا ہے تاکہ کوئی مشرک شرک کے شبہ میں نہ پڑ جائے۔[1]

گدھی اور کتیا کھیل رہی تھیں نماز جاری تھی

﴿۱۳﴾ وعن الْفَضْلِ بْنِ عَبَّاسٍ قَالَ أَتَانَا رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَنَحْنُ فِيْ بَادِيَةٍ لَنَا وَمَعَهُ عَبَّاسٌ فَصَلَّى فِيْ صَحْرَاءَ لَيْسَ بَيْنَ يَدَيْهِ سُتْرَةٌ وَحِمَارَةٌ لَنَا وَكَلْبَةٌ تَعْبَثَانِ بَيْنَ يَدَيْهِ فَمَا بَالَى بِذٰلِكَ. (رَوَاهُ أَبُوْدَاوُدَ وَلِلنَّسَائِيِّ نَحْوُهُ)[2]

ترجمہ: اور فضل بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ آقائے نامدار ﷺ (ایک دن) ہمارے پاس تشریف لائے جبکہ ہم اپنے جنگل میں (خیمہ زن) تھے حضرت عباس رضی اللہ عنہ بھی آپ کے ہمراہ تھے چنانچہ آپ نے جنگل میں نماز (اس طرح) پڑھی کہ آپ کے سامنے سترہ نہیں تھا۔ ہماری گدھی اور کتیا آپ کے سامنے کھیل رہی تھیں مگر آپ نے اس کی کچھ پرواہ نہیں کی۔" (ابوداؤد و نسائی)

توضیح: "بادیۃ لنا" [3] اہل عرب کا دستور تھا کہ وہ موسم کے اعتبار سے بعض ایام میں صحراؤں میں جا کر خیمہ زن ہوتے تھے اس مقصد کے لئے ان کے اپنے اپنے علاقے مختص ہوتے تھے ان علاقوں کو "بادیہ" کے نام سے یاد کرتے تھے یعنی جنگلی چراگاہیں ان جنگلی چراگاہوں کے تذکرے عرب نے اپنے اشعار میں بھی کئے ہیں اور یہ ان کی تمدن کا ایک حصہ ہوتا تھا اکثر و بیشتر جھگڑے انہیں چراگاہوں کی وجہ سے اٹھ کھڑے ہوتے تھے حضرت عباس رضی اللہ عنہ کا بھی ایک جنگلی صحرائی علاقہ تھا فضل بن عباس اسی کا تذکرہ کر رہے ہیں کہ ابا جان کے ساتھ نبی اکرم ﷺ ہماری چراگاہ میں ہمارے پاس تشریف لائے اور کھلے میدان میں نماز پڑھائی سامنے سترہ نہیں تھا گدھی اور کتیا آپس میں دل لگی کر رہی تھیں کھیل میں مشغول تھیں اور حضور اکرم ﷺ نے ان کی کوئی پرواہ نہیں کی۔

"حمارۃ" یہ حمار کی میم صاحبہ گدھی کو کہتے ہیں اس کو "اتان" کے نام سے بھی یاد کیا جاتا ہے۔

"کلبۃ" یہ کلب کی میم صاحبہ کتیا کو کہتے ہیں یہ دونوں چیزیں چونکہ شیطان کے بیٹھنے کے مراکز ہیں اس لئے ان کا آپس میں گہرا رشتہ ہوتا ہے اس حدیث سے جہاں یہ بات معلوم ہوئی کہ گدھوں اور کتیوں کے سامنے گذرنے سے نماز باطل نہیں ہوتی وہاں یہ بات بھی معلوم ہوگئی کہ صحراء میں سترہ کے بغیر نماز پڑھی گئی ہے اس لئے سترہ واجب نہیں بلکہ مستحب ہے۔

---

[1] المرقات: ۲/۴۹۰ [2] اخرجہ ابوداؤد: ۷۱۸ ونسائی: ۲/۶۵ [3] اشعۃ اللمعات: ۳۶۸

کسی چیز کے گذرنے سے نماز باطل نہیں ہوتی

﴿۱۴﴾ وعن أبي سعيد قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم لا يقطع الصلاة شيء وادرأوا ما استطعتم فإنما هو شيطان.[1] (رواه أبو داود)

ترجمہ: اور حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ آقائے نامدار ﷺ نے فرمایا "نمازی کے آگے سے گذرنے والی کوئی بھی چیز نماز کو نہیں توڑتی (تاہم اگر کوئی نمازی کے آگے سے گذرے تو نماز میں خشوع وخضوع برقرار رکھنے کی خاطر) تم حتی الامکان اسے روکو کیونکہ وہ گذرنے والا شیطان ہے۔" (ابوداؤد)

الفصل الثالث

﴿۱۵﴾ عن عائشة قالت كنت أنام بين يدي رسول الله صلى الله عليه وسلم ورجلاي في قبلته فإذا سجد غمزني فقبضت رجلي وإذا قام بسطتهما قالت والبيوت يومئذ ليس فيها مصابيح. (متفق عليه)[2]

ترجمہ: حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ میں آقائے نامدار ﷺ کے سامنے (اس طرح سوئی رہتی تھی کہ) میرے دونوں پیر آپ کے قبلہ کی طرف (یعنی آپ کے سجدہ کرنے کی جگہ) ہوتے تھے، جب آپ سجدہ کرتے تھے تو مجھے (یعنی پیروں کو) دبا دیتے تھے میں پیروں کو سمیٹ لیتی تھی اور جب آپ کھڑے ہوجاتے تھے تو میں پھر پیر پھیلا دیتی تھی۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ ان دنوں میں گھر کے اندر چراغ نہیں تھے۔" (بخاری، مسلم)

توضیح: "غمزني" اس حدیث سے ایک یہ بات ثابت ہوئی کہ عورت کو چھو لینے سے وضو نہیں ٹوٹتا دوسری بات یہ معلوم ہوئی کہ عمل قلیل نماز میں جائز ہے تیسری بات یہ معلوم ہوئی یہ کہ عورت کے سامنے ہونے سے نماز باطل نہیں ہوتی چوتھی بات یہ معلوم ہوئی کہ اس وقت گھر بہت چھوٹے ہوتے تھے اور روشنی کا انتظام نہیں تھا حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا خود اپنا عذر اسی طرح بیان کرتی ہیں پانچویں بات یہ معلوم ہوئی کہ اگر ایک شخص تہجد میں مشغول ہے تو دوسرے کو لیٹے رہنے کی اجازت ہے۔[3]

سو سال تک انتظار کرو

﴿۱۶﴾ وعن أبي هريرة قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم لو يعلم أحدكم ما له في أن

[1] اخرجه ابوداؤد: ۶۱۹ [2] اخرجه البخاري: ۱/۱۰۷، ۱/۲۳۶، ۲/۸۱ ومسلم: ۲/۶۰ [3] المرقات: ۲/۴۹۱

يَمُرَّ بَيْنَ يَدَيْ أَخِيهِ مُعْتَرِضًا فِي الصَّلَاةِ كَانَ لَأَنْ يُقِيمَ مِائَةَ عَامٍ خَيْرٌ لَهُ مِنَ الْخُطْوَةِ الَّتِي خَطَا.[1]
(رَوَاهُ ابْنُ مَاجَه)

ترجمہ: اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ آقائے نامدار ﷺ نے فرمایا "اگر تم میں سے کوئی یہ جان لے کہ اپنے مسلمان بھائی کے سامنے سے جبکہ وہ نماز پڑھ رہا ہو عرضاً گذرنا کتنا بڑا گناہ ہے تو اس کے لئے سو برس تک کھڑے رہنا ایک قدم آگے بڑھانے سے بہتر معلوم ہو۔" (ابن ماجہ)

زمین میں دھنس جاؤ مگر نمازی کے آگے سے نہ گذرو

﴿۱۷﴾ وعن كَعْبِ الْأَحْبَارِ قَالَ لَوْ يَعْلَمُ الْمَارُّ بَيْنَ يَدَيِ الْمُصَلِّي مَاذَا عَلَيْهِ لَكَانَ أَنْ يُخْسَفَ بِهِ خَيْرًا لَهُ مِنْ أَنْ يَمُرَّ بَيْنَ يَدَيْهِ وَفِي رِوَايَةٍ أَهْوَنَ عَلَيْهِ.[2] (رَوَاهُ مَالِكٌ)

ترجمہ: اور حضرت کعب احبار رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ نمازی کے آگے سے گذرنے والا اگر یہ جان لے کہ (اس کے اس جرم کی) سزا کیا ہے تو اس کو اپنا زمین میں دھنسایا جانا نمازی کے آگے سے گذرنے سے زیادہ بہتر معلوم ہو۔ اور ایک روایت میں بجائے بہتر کے زیادہ آسان کا لفظ ہے۔ (مالک)

تین ہاتھ کے فاصلے پر گذرنا جائز ہے

﴿۱۸﴾ وعن ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا صَلَّى أَحَدُكُمْ إِلَى غَيْرِ السُّتْرَةِ فَإِنَّهُ يَقْطَعُ صَلَاتَهُ الْحِمَارُ وَالْخِنْزِيرُ وَالْيَهُودِيُّ وَالْمَجُوسِيُّ وَالْمَرْأَةُ وَتُجْزِئُ عَنْهُ إِذَا مَرُّوا بَيْنَ يَدَيْهِ عَلَى قَذْفَةٍ بِحَجَرٍ.[3] (رَوَاهُ أَبُو دَاوُد)

ترجمہ: اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما راوی ہیں کہ آقائے نامدار ﷺ نے فرمایا "تم میں سے جو شخص بغیر سترہ کے نماز پڑھے گا تو اس کی نماز اس کے سامنے سے گدھے، خنزیر، یہودی، مجوسی اور عورت کے گذرنے سے ٹوٹ جائے گی ہاں اگر یہ ایک پتھر پھینکنے کی مسافت کے فاصلہ سے گذریں تو کچھ حرج نہیں۔"

توضیح: "الیهودی والمجوسی"[4] یہودی اور مجوسی اور خنزیر بھی گدھوں اور کتوں کی طرح شیاطین کے مراکز ہیں لہٰذا ان کے سامنے گذرنے سے بھی نمازی کا اللہ کے ساتھ خاص رابطہ اور خشوع وخضوع کی خاص کیفیت متاثر ہوسکتی ہے فصل اول میں حدیث نمبر ۷ کی توضیح وتشریح اور اس حدیث کی توضیح ایک جیسی ہے وہاں دیکھ لیا جائے اس حدیث کی روایت خود حضرت ابن عباس کر رہے ہیں جس میں نماز باطل ہونے کا حکم مذکور ہے اور یہی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما حدیث

[1] اخرجه ابن ماجه: ۹۴۶ [2] اخرجه مالك: ۱۵۵ [3] اخرجه ابوداؤد: ۷۰۴ [4] المرقات: ۲/۴۹۳

نمبر ۹ میں بیان فرمار ہے ہیں کہ گدھی نمازیوں کے سامنے چر رہی تھی اور کسی نے اس پر نکیر نہیں کی اس سے معلوم ہوا کہ خود حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اپنی روایت سے رجوع کر لیا یہ اس روایت کے منسوخ ہونے کی دلیل ہے یا وہی توجیہ اور تطبیق ہے جو حدیث نمبر ۷ کی تشریح میں مذکور ہے۔

"**قذفة بحجر**" حجر پتھر کو کہتے ہیں اور قذفۃ پھینکنے کے معنی میں ہے چھوٹی کنکری آدمی انگلیوں میں دبا کر پھینکتا ہے اس کو قذف کہتے ہیں یہاں شاید وہ فاصلہ مراد ہے جو منیٰ میں جمرات کو کنکریوں سے مارا جاتا ہے وہ فاصلہ تین ہاتھ کے برابر ہوتا ہے تو اس حدیث کا مطلب یہ ہوا کہ جب یہ چیزیں نمازی کے آگے سے تین ہاتھ کے فاصلے پر گذر جائیں تو نمازی کا کوئی نقصان نہیں ہوگا اور گذرنے والے کے لئے بھی حرج نہیں۔ فقہ کی کتابوں میں فقہاء نے اس پر بحث کی ہے کہ نمازی کے آگے سے گذرنے کی حد کیا ہے اور وہ فاصلہ کیا ہے جس کے بعد آدمی نمازی کے آگے سے گذر سکتا ہے بعض فقہاء نے تین ذراع یعنی تین ہاتھ کا قول کیا ہے جس طرح اس حدیث میں اس کی طرف اشارہ ہے لہٰذا تین ذراع کے فاصلہ کے اندر گذرنا منع ہے اس کے بعد جائز ہے بعض فقہاء نے پانچ ذراع کے اندر گذرنے کو منع کیا ہے بعض نے چالیس ذراع کے فاصلے کے اندر گذرنے کو منع کیا ہے بعض فقہاء نے کہا کہ سجدہ گاہ کی حدود میں گذرنا منع ہے بعض نے دو یا تین صفوں کے فاصلہ کے اندر گذرنے کو منع کیا ہے۔

شیخ عبدالحق رحمۃ اللہ علیہ [1] نے لمعات میں لکھا ہے کہ صحیح بات یہ ہے کہ جب کوئی خشوع خضوع والا نمازی نماز پڑھتا ہے اور قیام کی حالت میں نظریں جھکا کر اپنی سجدہ گاہ کو دیکھتا ہے تو جہاں تک گذرنے والا نظر آتا ہے وہاں تک گذرنا جائز نہیں اور جہاں سے وہ نظر نہیں آتا ہے وہاں سے گذرنا جائز ہے کیونکہ نمازی قیام کی حالت میں اپنے سجدے کی جگہ کو دیکھتا ہے رکوع میں اپنے قدموں کو دیکھتا ہے سجدہ میں اپنی ناک کے بانسے کو دیکھتا ہے قعدہ میں اپنی گود پر نظر ڈالتا ہے اور سلام کے وقت اپنے کندھوں کو دیکھتا ہے قاضی خان اور صاحب ہدایہ نے موضع سجود کے اندر گذرنے کو منع لکھا ہے کہ حدیث کی یہ وعید شدید اس شخص کے لئے ہے جو نمازی کی سجدہ گاہ میں گذرتا ہے یہ آسان اور واضح ہے پھر یہ مسئلہ اس وقت ہے جب کہ صحراء یا کھلے میدان میں یا ساٹھ گز سے بڑی مسجد میں آدمی کا گذر ہوا گر مسجد چھوٹی ہے تو آدمی نمازی کے سامنے کسی بھی جگہ میں نہیں گذر سکتا ہے کیونکہ پوری مسجد موضع واحد ہے۔ بہر حال نمازی کو بھی چاہئے کہ وہ ادھر ادھر کا مطالعہ نہ کرے بلکہ اللہ تعالیٰ کی طرف ایسے متوجہ ہو جائے کہ کسی گذرنے والے کا اس کو احساس بھی نہ ہو آخر اپنے رب کے سامنے کھڑا ہے۔

حکایت:

کہتے ہیں کہ ایک دفعہ مجنون ایک جگہ لیلیٰ کے غم میں سرپٹ جا رہا تھا کہ اس کا گذر ایک نمازی کے سامنے سے ہوا نمازی نے ان کو بہت ڈانٹا کہ میں نماز پڑھ رہا تھا تم میرے سامنے سے گذرے شرم کرو ڈوب مرو مجنون نے پوچھا کہ آپ کس کے لئے نماز پڑھ رہے تھے نمازی نے کہا کہ اپنے رب کے سامنے کھڑا تھا اس کے لئے نماز پڑھ رہا تھا مجنون نے کہا شرم کرو ایک چلو پانی میں ڈوب کر مرو میں لیلیٰ کی محبت میں جا رہا تھا میں نے تم کو نہیں دیکھا تم نے اللہ کے سامنے کھڑے ہو کر مجھے کیسے دیکھ لیا؟۔

---

[1] اشعۃ اللمعات: ۳۷۹

۲۸ ربیع الاول ۱۴۳۰ھ

باب صفة الصلوٰة

نماز کی کیفیت کا بیان

وقال الله تعالیٰ ﴿وما امروا الا ليعبدوا الله مخلصين له الدين﴾[۱]

وقال تعالیٰ ﴿وربك فكبر﴾[۲]

وقال تعالیٰ ﴿وذكر اسم ربه فصلى﴾[۳]

وقال تعالیٰ ﴿وقوموا لله قانتين﴾[۴]

وقال تعالیٰ ﴿فاقرئوا ما تيسر من القرآن﴾[۵]

وقال تعالیٰ ﴿ياايها الذين امنوا اركعوا واسجدوا واعبدوا ربكم﴾[۶]

اس باب میں صاحب کتاب نے مجموعی طور پر بائیس احادیث کا ذکر کیا ہے جس میں نماز کی ابتدا سے لیکر آخر تک تمام کیفیات اور نماز کی پوری ترتیب وترکیب کا ذکر فرمایا ہے سجدہ ورکوع تکبیر تحریمہ اور رفع یدین قعدہ وجلسہ اور تعدیل ارکان کا مکمل بیان ہے اسی مجموعہ کا نام صفت صلوٰۃ کے نام سے موسوم کیا گیا ہے۔

الفصل الاول

نماز میں تعدیل ارکان واجب ہے یا فرض؟

﴿۱﴾ عن أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَجُلاً دَخَلَ الْمَسْجِدَ وَرَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ جَالِسٌ فِي نَاحِيَةِ الْمَسْجِدِ فَصَلّٰى ثُمَّ جَاءَ فَسَلَّمَ عَلَيْهِ فَقَالَ لَهُ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَعَلَيْكَ السَّلَامُ ارْجِعْ فَصَلِّ فَإِنَّكَ لَمْ تُصَلِّ فَرَجَعَ فَصَلّٰى ثُمَّ جَاءَ فَسَلَّمَ عَلَيْهِ فَقَالَ وَعَلَيْكَ السَّلَامُ ارْجِعْ فَصَلِّ فَإِنَّكَ لَمْ تُصَلِّ فَقَالَ فِي الثَّالِثَةِ أَوْ فِي الَّتِي بَعْدَهَا عَلِّمْنِي يَا رَسُوْلَ اللهِ فَقَالَ إِذَا قُمْتَ إِلَى الصَّلَاةِ فَأَسْبِغِ الْوُضُوْءَ ثُمَّ اسْتَقْبِلِ الْقِبْلَةَ فَكَبِّرْ ثُمَّ اقْرَأْ بِمَا تَيَسَّرَ مَعَكَ مِنَ الْقُرْآنِ ثُمَّ ارْكَعْ حَتّٰى

[۱] بینہ الایہ:۵ [۲] مدثر الایہ:۳ [۳] اعلیٰ الایہ:۱۵ [۴] بقرہ الایہ:۲۳۸ [۵] مزمل الایہ:۲۰ [۶] حج الایہ:۷۷

تَطْمَئِنَّ رَاكِعًا ثُمَّ ارْفَعْ حَتّٰى تَسْتَوِيَ قَائِمًا ثُمَّ اسْجُدْ حَتّٰى تَطْمَئِنَّ سَاجِدًا ثُمَّ ارْفَعْ حَتّٰى تَطْمَئِنَّ جَالِسًا ثُمَّ اسْجُدْ حَتّٰى تَطْمَئِنَّ سَاجِدًا ثُمَّ ارْفَعْ حَتّٰى تَطْمَئِنَّ جَالِسًا وَفِيْ رِوَايَةٍ ثُمَّ ارْفَعْ حَتّٰى تَسْتَوِيَ قَائِمًا ثُمَّ افْعَلْ ذٰلِكَ فِيْ صَلَاتِكَ كُلِّهَا۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)[1]

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آقائے نامدار ﷺ مسجد کے ایک گوشہ میں تشریف فرما تھے کہ ایک شخص مسجد میں داخل ہوا۔ (پہلے) اس نے نماز پڑھی (اس طرح کہ تعدیل ارکان اور قومہ وجلسہ کی رعایت نہیں کی) پھر آنحضرت ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا اور سلام عرض کیا، آنحضرت ﷺ نے سلام کا جواب دیا اور فرمایا "جاؤ اور پھر نماز پڑھو اس لئے کہ تم نے نماز نہیں پڑھی۔" وہ چلا گیا اور جس طرح پہلے نماز پڑھی تھی اسی طرح پھر) نماز پڑھی اور آپ کی خدمت میں آکر سلام عرض کیا، آپ نے سلام کا جواب دے کر پھر اس سے فرمایا کہ "جاؤ نماز پڑھو اس لئے کہ تم نے نماز پڑھی ہی نہیں" (اس طرح تین مرتبہ ہوا) تیسری مرتبہ یا چوتھی مرتبہ اس شخص نے عرض کیا "یا رسول اللہ! مجھے سکھلا دیجئے (کہ میں نماز کس طرح پڑھوں) آپ نے فرمایا "جب تم نماز پڑھنے کا ارادہ کرو تو (پہلے) اچھی طرح وضو کرلو۔ پھر قبلہ کی طرف منہ کر کے کھڑے ہو کر تکبیر کہو پھر قرآن کی جو (سورت وغیرہ) تمہیں آسان معلوم ہو اسے پڑھو پھر طمانینت کے ساتھ رکوع کرو پھر سر اٹھاؤ یہاں تک کہ سیدھے کھڑے ہو جاؤ، پھر طمانیت کے ساتھ سجدہ کرو پھر سر اٹھاؤ اور طمانینت کے ساتھ بیٹھ جاؤ پھر طمانینت کے ساتھ (دوبارہ) سجدہ کرو پھر سر اٹھاؤ اور طمانینت کے ساتھ بیٹھ جاؤ۔" ایک روایت میں یہ الفاظ بھی ہیں کہ "پھر سر اٹھاؤ اور سیدھے کھڑے ہو جاؤ پھر اپنی تمام نماز اسی طرح ادا کرو۔"

(بخاری ومسلم)

توضیح: "ان رجلا" اس شخص کا نام خلاد بن رافع انصاری رضی اللہ عنہ ہے یہ بدری صحابی ہیں اور بدر ہی میں شہید ہوئے ہیں لہٰذا یہ قصہ جنگ بدر سے پہلے کا ہے اس حدیث کو "حدیث المسیء للصلوٰۃ" کا نام دیا جاتا ہے۔[2]

"فصلّی" اس نماز سے تحیۃ المسجد کی نماز مراد ہے اور اس وقت صحابہ تحیۃ المسجد کے بعد آکر ادب کے ساتھ حضور اکرم ﷺ سے مصافحہ کرتے تھے۔ "فانك لم تصل" حضور اکرم ﷺ نے خلاد بن رافع انصاری رضی اللہ عنہ کو نماز کے اعادہ کا حکم اس لئے دیا کہ انہوں نے رکوع سجود جلسہ اور قومہ میں تعدیل ارکان نہیں کی تھی۔

سوال: حضور اکرم ﷺ کے سامنے خلاد بن رافع رضی اللہ عنہ نماز پڑھنے میں غلطی کر رہے تھے آنحضرت ﷺ نے ان کو اس کی غلطی نہیں بتائی بلکہ اس طرح غلط نماز پڑھنے کا بار بار حکم دیا یہ تقریر علی الخطاء ہے حالانکہ حضور اکرم ﷺ کی طرف سے تقریر علی الخطاء محال ہے ایسا کیوں ہوا؟

جواب: حضور اکرم ﷺ نے بار بار ان کو حکم دیا کہ تمہاری نماز ٹھیک طرح ادا نہیں ہوئی جا کر پھر صحیح طرح پڑھو نماز کے اعادہ کا یہ حکم تقریر علی الخطاء نہیں ہے بلکہ تنبیہ علی الخطاء ہے۔

---

[1] اخرجه البخاري: ۱/۱۹۲، ۸/۸۹، ۱/۲۰۰ ومسلم: ۲/۱۰ [2] المرقات: ۲/۴۹۴

سوال: یہاں دوسرا سوال یہ ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے پہلی بار اس صحابی کو صحیح طریقہ کیوں نہ بتایا تیسری بار تک نماز دہرانے میں کیا حکمت تھی؟۔

جواب: اس سوال کا جواب یہ ہے کہ ہوسکتا ہے کہ حضور اکرم ﷺ یہ دیکھنا چاہتے تھے کہ کیا یہ شخص یہ غلطی عدم علم کی وجہ سے کر رہا ہے یا غفلت کی وجہ سے ایسا ہو رہا ہے جب خوب معلوم ہوا کہ یہ غلطی عدم علم کی وجہ سے ہے تب آپ نے سمجھا دیا اور صحیح طریقہ بتا دیا۔

اس سوال کا دوسرا جواب یہ ہے کہ بار بار نماز دھرانے کا حکم اس لئے دیا کہ بار بار غلطی کرنے کے بعد جب صحیح طریقہ ان کو سمجھایا جائے گا تو وہ اوقع فی النفس ہوگا اور وہ ایسا سیکھ لیگا کہ پھر کبھی غلطی نہیں کریگا۔ چنانچہ حضور اکرم ﷺ نے خلاد بن رافع رضی اللہ عنہ کے مطالبہ پر ان کو صرف نماز نہیں بلکہ وضو سے لیکر نماز کے تمام ارکان کو تفصیل سے بتا دیا اور امت کے سامنے صحیح نماز پڑھنے کا پورا طریقہ آ گیا۔

"**ثم اقراء**" یعنی تکبیر تحریمہ کے بعد قرآن پڑھو جو حصہ قرآن کا تمہیں آسان لگے وہی پڑھا کرو یہ فریضہ قرأت کی طرف اشارہ ہے اور الفاظ کا انداز ایسا ہے کہ مطلق قرأت فرض ہے فاتحہ کا ذکر نہیں ہے اگرچہ مسند احمد اور سنن بیہقی اور ابن حبان میں **ثم اقراء بام القرآن** کے الفاظ آئے ہیں وہ اختلاف آئندہ آ رہا ہے۔

"**حتی تطمئن راکعا**" نماز کے ہر رکن کو اس کی اپنی جگہ ادا کرنا اور ہر رکن میں اس مقدار تک ٹھہرنا کہ جسم کا ہر جوڑ اپنی جگہ پر سیدھا ہو جائے اس کو تعدیل کہتے ہیں۔

فقہاء کا اختلاف:

اس میں تمام فقہاء کرام کا اتفاق ہے کہ رکوع اور سجدہ قومہ اور جلسہ میں تعدیل کرنا چاہئے اور ٹھہر ٹھہر کر ہر رکن کو ادا کرنا چاہئے لیکن اختلاف اس میں ہوا ہے کہ اس تعدیل کی حیثیت کیا ہے امام شافعی رحمہ اللہ اور امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ اور امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے نزدیک تعدیل ارکان فرض ہے امام شافعی اور قاضی ابو یوسف رحمہما اللہ تعالیٰ ایک بار سبحان اللہ کی مقدار تک ٹھہرنے کو فرض کہتے ہیں اور امام احمد رحمہ اللہ تین بار سبحان اللہ کی مقدار تک ٹھہرنے کو فرض قرار دیتے ہیں۔

امام مالک رحمہ اللہ کا مسلک یہاں واضح نہیں ہے۔

امام ابوحنیفہ اور امام محمد رحمہما اللہ تعالیٰ کے نزدیک تعدیل ارکان فرض نہیں بلکہ واجب ہے۔

دلائل:

جمہور نے تعدیل ارکان کی فرضیت پر حضرت خلاد بن رافع انصاری رضی اللہ عنہ[1] کی زیر بحث حدیث سے استدلال کیا ہے اس حدیث میں اعادۂ نماز کا حکم ہے جو فرضیت کی دلیل ہے نیز اس میں "**فانك لم تصل**" میں نماز کی بالکل نفی کر دی ہے یہ بھی فرضیت کی دلیل ہے اسی طرح اس حدیث میں طمانینت کا حکم اور امر کیا ہے اور مطلق امر فرضیت کے لئے ہوتا ہے اسی

[1] المرقات: ۲/۴۹۴

طرح ترمذی کی ایک اور روایت ہے جس کے الفاظ اس طرح ہیں "**لا تجزئی صلوٰۃ لا یقیم الرجل فیھا یعنی صلبه فی الرکوع والسجود**" اس سے بھی جمہور نے تعدیل کے فرض ہونے پر استدلال کیا ہے۔

امام ابوحنیفہ اور امام محمد رحمہما اللہ تعالیٰ قرآن کریم کی آیت ﴿**وارکعوا واسجدو**﴾ سے استدلال کرتے ہیں طرز استدلال اس طرح ہے کہ "**سجدہ وضع الجبھة علی الارض**" کا نام ہے اور رکوع مطلق انحناء کو کہتے ہیں اب اس پر تعدیل ارکان کا اضافہ خبر واحد سے آیت پر اضافہ ہے جو مناسب نہیں ہے لہٰذا مطلق رکوع وسجدہ فرض ہے اور تعدیل ارکان بوجہ حدیث واجب ہے۔ نیز فرض کے ثبوت کے لئے نص قطعی الثبوت والدلالۃ کی ضرورت ہے اور یہاں حدیث قطعی الثبوت نہیں اگرچہ قطعی الدلالۃ ہے تو ظنی الثبوت قطعی الدلالۃ نص سے فرض نہیں بلکہ واجب ثابت ہوتا ہے۔ اسی طرح احناف کی دوسری دلیل مسند احمد اور طبرانی کی وہ روایت ہے جس میں نماز سے سرقہ کا بیان ہے الفاظ یہ ہیں۔

"**ان اسوء السرقة من یسرق من صلوته قالوا کیف یسرق من صلوته قال لا یتم رکوعھا ولا سجودھا**"

اس حدیث میں تعدیل ارکان نہ کرنے والے شخص کو نماز کا چور بتلایا گیا ہے لیکن اس کی نماز کو باطل نہیں کہا گیا یہ وجوب کی دلیل ہے کیونکہ اگر تعدیل فرض ہوتی تو فرض کے چھوٹنے سے نماز باطل ہو جاتی ہے حالانکہ بطلان کا حکم نہیں لگا۔

جواب: احناف نے حضرت خلاد بن رافع رضی اللہ عنہ کی روایت کا محمل بتانے کے لئے کئی جواب دیئے ہیں اول جواب یہ کہ ترمذی میں خلاد بن رافع رضی اللہ عنہ کی حدیث کے آخر میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد بھی موجود ہے۔

"**اذا فعلت ذلك فقد تمت صلوتك وان انتقصت منه شیاء انتقصت من صلوتك**"

اس عبارت پر راوی یوں تبصرہ کرتا ہے

"**وکان ھذا اھون علیھم من الاولیٰ" انه من انتقض من ذلك شیًا انتقص من صلوته ولم تذھب کلھا**"۔

اس کا حاصل یہ ہوا کہ پہلے صحابہ کرام کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد "**انك لم تصل**" سے پریشانی ہوئی کہ تعدیل نہ کرنے سے نماز فوت ہو جاتی ہے لیکن جب آخر میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے وضاحت فرمادی تو صحابہ کو تسلی ہوئی کہ نماز بالکلیہ نہیں جاتی بلکہ ناقص ہو جاتی ہے اس سے فرضیت ثابت نہیں ہو سکتی ہے۔ جمہور کی دلیل "**انك لم تصل**" سے احناف دوسرا جواب یہ دیتے ہیں کہ یہ نفی کمال کی ہے اصل نماز کی نفی مراد نہیں ہے۔ تیسرا جواب یہ ہے کہ یہ اختلاف درحقیقت اعتقاد کا اختلاف ہے کہ وہ فرض کہتے ہیں اور ہم تعدیل کو واجب کہتے ہیں ورنہ عمل کے اعتبار سے کوئی اختلاف نہیں ہے کیونکہ ترک واجب سے احناف کے نزدیک بھی نماز کا اعادہ لازم ہے اختلاف کی اصل بنیاد اس پر ہے کہ احناف دلائل کے تفاوت کی وجہ سے

فرض اور واجب میں تفاوت کرتے ہیں اور دوسرے ائمہ کے ہاں واجب کا درجہ زیادہ واضح نہیں ہے۔ بہر حال احتیاط کے اعتبار سے جمہور کا مسلک بہتر ہے احناف نے تعدیل کو فرض نہیں کہا تو احناف کے عوام نے سمجھ لیا کہ تعدیل کوئی چیز ہی نہیں ہے پھر انھوں نے تعدیل بے اعتدالی شروع کی چنانچہ افغانستان اور بلوچستان وسرحد کے نمازی تعدیل ارکان میں بہت ہی نقصان کرتے ہیں۔

حضرت شاہ انور شاہ کاشمیری رحمۃ اللہ علیہ کی رائے

حضرت شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ تعدیل ارکان کے مسئلہ میں جو اختلاف مشہور ہے یہ اختلاف حقیقی نہیں بلکہ لفظی ہے اس لئے کہ تعدیل ارکان کے تین درجے ہیں۔

❶ پہلا درجہ یہ کہ کسی رکن میں اتنا توقف کرنا کہ جسمانی اعضاء کی حرکت انتقالیہ بند ہوجائے اور ہر عضو کو قرار آجائے تعدیل ارکان وطمانینت کا یہ درجہ اتفاقی طور پر فرض ہے۔

❷ دوسرا درجہ یہ کہ کسی رکن میں اتنی دیر تک ٹھہرنا کہ ایک بار سبحان اللہ کہا جاسکے یہ درجہ سب کے نزدیک واجب ہے۔

❸ تیسرا درجہ یہ کہ آدمی تین مرتبہ سبحان اللہ کہنے کی مقدار تک توقف کرے یہ سنت کا درجہ ہونا چاہئے۔ ان تین درجات کا نتیجہ یہ نکلا کہ جن حضرات نے تعدیل ارکان کو فرض کہا ہے انہوں نے پہلا درجہ مراد لیا ہے اور جن حضرات نے تعدیل کو واجب کہا ہے انہوں نے دوسرا درجہ مراد لیا ہے۔ اور جن حضرات نے سنت کہا ہے انہوں نے تیسرا درجہ مراد لیا ہے۔ لہٰذا اب کوئی حقیقی اختلاف نہیں رہا بلکہ صرف لفظی اور تعبیر کا اختلاف رہ گیا۔

۲۹ ربیع الاول ۱۴۱۰ھ

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کا نقشہ

﴿۲﴾ وعن عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَسْتَفْتِحُ الصَّلَاةَ بِالتَّكْبِيْرِ وَالْقِرَاءَةِ بِالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ وَكَانَ إِذَا رَكَعَ لَمْ يُشْخِصْ رَأْسَهُ وَلَمْ يُصَوِّبْهُ وَلٰكِنْ بَيْنَ ذٰلِكَ وَكَانَ إِذَا رَفَعَ رَأْسَهُ مِنَ الرُّكُوْعِ لَمْ يَسْجُدْ حَتّٰى يَسْتَوِيَ قَائِمًا وَكَانَ إِذَا رَفَعَ رَأْسَهُ مِنَ السَّجْدَةِ لَمْ يَسْجُدْ حَتّٰى يَسْتَوِيَ جَالِسًا وَكَانَ يَقُوْلُ فِيْ كُلِّ رَكْعَتَيْنِ التَّحِيَّةَ وَكَانَ يَفْرِشُ رِجْلَهُ الْيُسْرٰى وَيَنْصِبُ رِجْلَهُ الْيُمْنٰى وَكَانَ يَنْهٰى عَنْ عُقْبَةِ الشَّيْطَانِ وَيَنْهٰى أَنْ يَفْتَرِشَ الرَّجُلُ ذِرَاعَيْهِ افْتِرَاشَ السَّبُعِ وَكَانَ يَخْتِمُ الصَّلَاةَ بِالتَّسْلِيْمِ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)[1]

[1] اخرجه مسلم: ۲/۵۴

ترجمہ: اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ آقائے نامدار ﷺ نماز کو تکبیر سے اور قرأت **الحمد للہ رب العالمین** سے شروع کرتے تھے اور آپ جب رکوع کرتے تو اپنا سر مبارک نہ تو (بہت زیادہ) بلند کرتے تھے اور نہ (بہت زیادہ) پست بلکہ درمیان درمیان رکھتے تھے (یعنی پیٹھ اور گردن برابر رکھتے تھے) اور جب رکوع سے سر اٹھاتے تو بغیر سیدھا کھڑے ہوئے سجدہ میں نہ جاتے تھے اور جب سجدہ سے سر اٹھاتے تو بغیر سیدھا بیٹھے ہوئے (دوسرے) سجدہ میں نہ جاتے تھے اور ہر دو رکعتوں کے بعد التحیات پڑھتے تھے اور (بیٹھنے کے لئے) اپنا بایاں پیر بچھاتے اور دایاں پیر کھڑا رکھتے تھے اور آپ عقبۂ شیطان (یعنی شیطان کی بیٹھک) سے منع فرماتے تھے اور مرد کو دونوں ہاتھ سجدہ میں اس طرح بچھانے سے بھی منع کرتے تھے جس طرح درندے بچھا لیتے ہیں اور آپ نماز کو سلام پر ختم فرماتے تھے۔" (مسلم)

توضیح: "**القراءة بالحمد للہ**" [1] یعنی آنحضرت ﷺ جب نماز میں قرأت شروع فرماتے تھے تو الحمد للہ سے شروع کرتے اس جملہ سے یہ بات واضح ہوگئی کہ حضور اکرم ﷺ نماز میں **بسم اللہ** کو آہستہ پڑھتے تھے اور جب قرأت شروع فرماتے تو جہر کے ساتھ **الحمد للہ** سے پڑھنا شروع فرماتے **بسم اللہ** کے آہستہ پڑھنے یا جہر کے ساتھ پڑھنے میں علماء کا اختلاف ہے لیکن یہ اختلاف درحقیقت اس پر متفرع ہے کہ آیا **بسم اللہ** جزء قرآن ہے یا نہیں اگر جزء قرآن ہے تو کیا ہر سورۃ کا جزء ہے یا نہیں اس میں فقہاء کا اختلاف ہے لہٰذا پہلے اسی کو بیان کیا جاتا ہے۔

کیا بسم اللہ ہر سورۃ کا جزء ہے؟

جمہور امت اس پر متفق ہے کہ **بسم اللہ** قرآن کا جزء ہے اور یہ ایک آیت ہے۔ صرف امام مالک رحمہ اللہ کی طرف یہ منسوب کیا جاتا ہے کہ سورۃ نمل کے علاوہ **بسم اللہ** قرآن کریم کا جزء نہیں ہے یہ اختلاف سورۃ نمل کی **بسم اللہ** کے علاوہ میں ہے سورۃ نمل کا جزء ہونا اور قرآن ہونا اتفاقی امر ہے۔ اب جمہور کا آپس میں اختلاف ہوا کہ آیا **بسم اللہ** ہر سورۃ کا جزء ہے یا یہ صرف بین السورتین میں فصل کے لئے ہے۔

فقہاء کا اختلاف:

حضرت امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک **بسم اللہ** ہر سورۃ کا اسی طرح جزء ہے جس طرح یہ سورۃ نمل کا جزء ہے۔ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک **بسم اللہ** ہر سورۃ کا جزء نہیں بلکہ یہ سورت کی ابتداء میں صرف فصل بین السورتین کے لئے ہوتی ہے لہٰذا یہ ایک ہی آیت ہے جو اس مقصد کے لئے کئی جگہ دہرائی گئی ہے اور شوافع کے ہاں یہ کئی آیات ہیں ایک آیت نہیں ہے۔ **بسم اللہ** سے متعلق حنابلہ حضرات کے اقوال مختلف ہیں اس لئے اس کے ذکر کرنے کی ضرورت نہیں ہے اتنا سمجھ لیں کہ وہ اس مسئلہ میں احناف کے قریب ہیں۔

---

[1] المرقات: ۲/۴۹۹

دلائل:

امام شافعی رحمہ اللہ اوران کے موافقین نے جزئیت بسم اللہ کے لئے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ایک حدیث سے استدلال کیا ہے جس کے الفاظ یہ ہیں۔

❶ عن ابی هریرة عن النبی ﷺ انه كان يقول الحمدلله رب العالمين سبع ايات احداهن بسم الله الرحمان الرحيم۔ (تعليق الفصيح)

بسم اللہ کی جزئیت پر شوافع حضرات نے ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی ایک روایت سے بھی استدلال کیا ہے جس کے الفاظ یہ ہیں۔

❷ عن ام سلمة انه قرأ الفاتحة وعد بسم الله الرحمن الرحيم والحمدلله رب العالمين. (آية)

شوافع حضرات نے جزئیت بسم اللہ پر ابوداؤد شریف کی روایت سے بھی استدلال کیا ہے جس کے الفاظ یہ ہیں۔

❸ عن انس بن مالك قال رسول الله ﷺ انزلت على آنفا سورت فقراء بسم الله الرحمن الرحيم انا اعطيناك الكوثر حتى ختمها"

❹ شوافع حضرات اس سے بھی استدلال کرتے ہیں کہ بسم اللہ کو ہر سورۃ کی ابتداء میں قلم وحی کے ساتھ بالالتزام اس طرح لکھا گیا ہے کہ کسی کو وہم تک نہیں ہوسکتا ہے کہ بسم اللہ سورۃ کا جزء نہیں ہے جب بسم اللہ ہر سورۃ کا جزء ہے تو یہ فاتحہ کا بھی جزء ہے اور جب فاتحہ نماز میں پڑھی جائے گی تو بسم اللہ کو بھی جہری نمازوں میں جہر کے ساتھ پڑھا جائے گا تاکہ فاتحہ کا کوئی جزء نہ رہ جائے۔

ائمہ احناف اوران کے موافقین فرماتے ہیں کہ بسم اللہ قرآن کی ایک آیت ہے جو دو سورتوں کے درمیان فصل کے لئے اتاری گئی ہے یہ کسی سورۃ کا جزء نہیں ہے ہاں سورۃ نمل میں ایک آیت کا حصہ ہے۔

اپنے مدعا پر احناف نے مندرجہ ذیل احادیث سے استدلال کیا ہے۔

❶ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے جو حدیث قدسی ہے مشکوۃ ص ۷۸ پر مذکور ہے جس کے الفاظ یہ ہیں۔

"قال الله تعالىٰ قسمت الصلوٰة بيني وبين عبدي نصفين ولعبدي ما سأل فاذا قال العبد الحمدلله رب العالمين قال الله تعالىٰ حمدني عبدي"۔

اس حدیث میں فاتحہ کی ایک ایک آیت کو الگ الگ بیان کیا گیا ہے مگر اس میں بسم اللہ کا ذکر نہیں ہے معلوم ہوا بسم اللہ کسی سورۃ کا جزء نہیں فاتحہ کا جزء بھی نہیں۔

❷ احناف کی دوسری دلیل حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی وہ روایت ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سورۃ الملک کو تیس آیات قرار دیا الفاظ یہ ہیں۔

"عن ابی هريرة انه عليه السلام قال سورت فى القرآن ثلاثون آية شفعت لصاحبه حتى غفرله "تبارك الذى بيده الملك"۔

اگر بسم اللہ کو سورت کا جزء مان لیا جائے تو سورت ملک تیس کے بجائے اکتیس آیتوں والی سورت بن جائے گی، حالانکہ حدیث میں تیس کا ذکر ہے۔

❸ احناف نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی اس مشہور روایت سے بھی استدلال کیا ہے جس میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے صاف بتا دیا ہے کہ بسم اللہ دو سورتوں کے درمیان جدائی اور فصل کے لئے اتاری گئی ہے الفاظ یہ ہیں۔

"عن ابن عباس كان النبى صلى الله عليه وسلم لايعرف السورت حتى ينزل عليه بسم الله الرحمن الرحيم"۔
(ابوداؤد)

❹ احناف اور ان کے موافقین نے اس مضبوط دلیل سے بھی استدلال کیا ہے کہ تمام قراء اور تمام فقہاء اور تمام علماء کے نزدیک اس بات پر اتفاق ہے کہ سورۃ کوثر تین آیتوں پر مشتمل ہے اور سورۃ اخلاص چار آیتوں پر مشتمل ہے اگر بسم اللہ کو ہر سورۃ کا جزء مان لیا جائے تو سورۃ کوثر چار اور سورۃ اخلاص پانچ آیتیں بن جائیں گی حالانکہ یہ اجماع امت کے خلاف ہے اسی طرح قرآن کریم کی تمام سورتوں میں بھی اختلاف اٹھ کھڑا ہو جائے گا اور فاتحہ کو بھی سات کے بجائے آٹھ آیات کہنا پڑیگا۔

جوابٌ: شوافع نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت سے جو استدلال کیا ہے اس کا جواب یہ ہے کہ اس حدیث کی سند میں اضطراب ہے کیونکہ بعض محدثین نے اس سند میں حضرت ابو ہریرہ کے نام ذکر کرنے میں شک کیا ہے۔

نیز اس حدیث کے مرفوع ہونے اور موقوف ہونے میں بھی مُحدِّثین کا اختلاف ہے ان دونوں وجہوں سے یہ حدیث ہر حال میں ضعیف ہے نیز حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اور حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی روایتوں میں تعارض ہے ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی روایت میں بسم الله الحمد لله رب العالمين سے ملکر ایک آیت ہے اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں بسم اللہ مستقل آیت ہے **واذا تعارضا تساقطا**۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ یہ حدیث خبر واحد ہے اور خبر واحد سے قطعی علم حاصل نہیں ہوسکتا اور بسم اللہ کو فاتحہ یا کسی اور سورۃ کا جزء قرار دینے کے لئے قطعی علم کی ضرورت ہے جو عقل سے نہیں بلکہ نقل سے ثابت ہونا چاہئے حالانکہ اس روایت کے مقابلہ میں دیگر روایات زیادہ قوی ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ بسم اللہ فاتحہ کا جزء نہیں ہے جیسا کہ حضرت ابو ہریرہ ہی سے حدیث قدسی مروی ہے۔

شوافع حضرات کی دوسری اور تیسری دلیل کا یک جواب تو وہی ہے کہ یہ اخبار آحاد ہیں جس سے قطعی علم حاصل نہیں ہوسکتا اور بسم اللہ کا فاتحہ یا کسی اور سورۃ کے جزء ہونے کے لئے قطعی علم کی ضرورت ہے جو حاصل نہیں ہے۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ بسم اللہ کا ذکر ان احادیث میں بطور جزئیت نہیں صرف تبرک کے طور پر ہے۔ نیز یہ احادیث ان قوی تر اور مشہور تر احادیث کے مقابلے میں ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ بسم اللہ فاتحہ یا کسی اور سورۃ کا جزء نہیں ہے لہٰذا ان کثیر احادیث کو ترجیح دی جائے گی۔ شوافع حضرات کی چوتھی دلیل جو در حقیقت عقلی دلیل ہے اس کا جواب یہ ہے کہ اس دلیل سے یہ ثابت ہو رہا ہے کہ بسم اللہ قرآن کا جزء ہے جو دو سورتوں کے درمیان فصل اور جدائی کے لئے ہے اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا ہے کہ بسم اللہ ہر سورۃ یا فاتحہ کا جزء ہے۔ (تعلیق الفصیح)

نماز میں بسم اللہ آہستہ پڑھی جائے یا اونچی آواز سے؟

بسم اللہ کا ہر سورۃ کے جزء ہونے یا نہ ہونے کے اختلاف پر فقہاء کرام کا ایک اور اختلاف متفرع ہے وہ یہ کہ جہری نماز میں فاتحہ سے پہلے بسم اللہ جہراً پڑھی جائے یا سراً پڑھی جائے؟

فقہاء کا اختلاف:

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا مسلک تو یہ ہے کہ فاتحہ سے پہلے بسم اللہ بالکل نہ پڑھی جائے نہ سراً اور نہ جہراً یعنی بسم اللہ کا پڑھنا مسنون نہیں ہے۔

جمہور فقہاء کے نزدیک بسم اللہ آہستہ آواز سے پڑھنا سنت ہے امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک جہری نماز میں بسم اللہ کو اونچی آواز سے پڑھنا سنت ہے۔

دلائل:

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے بسم اللہ بالکل نہ پڑھنے پر حضرت انس کی روایت سے استدلال کیا ہے الفاظ یہ ہیں۔

"عن انس قال صليت خلف النبی ﷺ وابی بکر وعمر وعثمان وعلی فلم اسمع احدا منهم يقرأ بسم الله الرحمن الرحيم۔ (رواه مسلم)

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عبداللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ کی روایت سے بھی استدلال کیا ہے جو عنقریب احناف کے دلائل کے ضمن میں آرہی ہے امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے زیر بحث حدیث سے بھی استدلال کیا ہے کہ حضور اکرم ﷺ الحمد للہ رب العالمین سے قرأت شروع فرماتے تھے لہٰذا بسم اللہ کا پڑھنا مسنون نہیں ہے۔

حضرات شوافع نے بسم اللہ کو اونچی آواز سے پڑھنے پر حضرت نعیم بن مجمر رضی اللہ عنہ کی روایت سے استدلال کیا ہے جس کے الفاظ یہ ہیں۔ "صليت وراء ابی هريرة فقرأ بسم الله الرحمن الرحيم ثم قرأ بام القرآن الخ۔
(رواه ابن خزيمه وابن حبان والنسائی)

شوافع نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت سے بھی استدلال کیا ہے جو مشکوٰۃ شریف کے صفحہ ۸۰ پر فصل ثانی کی پہلی حدیث ہے۔ "عن ابن عباس رضی اللہ عنہما قال كان رسول الله ﷺ يفتتح صلوته ببسم الله الرحمن الرحيم۔

شوافع نے صحابہ وتابعین کے کچھ آثار سے بھی استدلال کیا ہے جس کو طحاوی نے نقل کیا ہے۔

❶ ائمہ احناف اور ان کے موافقین نے زیر بحث صحیح وصریح حدیث سے ترك الجهر بالتسمية پر استدلال کیا ہے جو واضح تر ہے۔

❷ احناف نے مشکوٰۃ شریف ص ۷۹ پر حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت سے استدلال کیا ہے جس کے الفاظ ابھی مالکیہ کے دلائل کے ضمن میں نقل کر چکا ہوں۔

❸ ائمہ احناف نے مشکوٰۃ شریف ص ۷۸ پر حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت سے بھی استدلال کیا ہے جس میں یہ الفاظ آئے ہیں۔ "استفتح القرأة بالحمد لله رب العالمين"۔ (رواه مسلم)

❹ امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے ترک جہر بالبسملۃ کے لئے ایک باب باندھا ہے اور اس میں وہ روایت نقل کی ہے جو حضرت یزید بن عبداللہ اپنے والد عبداللہ بن مغفل سے اس طرح روایت کرتے ہیں عن ابن عبد الله بن مغفل قال سمعنی ابی وانا فی الصلوٰۃ اقول بسم الله الرحمن الرحيم فقال لی ای بنی محدث اياك والحدث الخ۔
(ترمذی ص ۵۷)

اس روایت سے احناف نے استدلال کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ صحابی جہر بسم اللہ کو بدعت قرار دے رہے ہیں۔ لہٰذا اس کے مقابلے میں استحباب وغیرہ کی کسی روایت کو نہیں لیا جاسکتا ہے کیونکہ یہ مبیح اور محرم کا مسئلہ ہے۔

❺ مسند احمد کی ایک روایت ہے جو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما ہی سے منقول ہے کہ صحابہ بسم الله الرحمن الرحيم کو بلند آواز سے نہیں پڑھتے تھے ابن عباس رضی اللہ عنہما ہی سے امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ نے نقل کیا ہے کہ آپ نے فرمایا کہ حضور اکرم ﷺ نے وفات تک بسم اللہ کو بلند آواز سے نہیں پڑھا ابن ماجہ کی روایت میں ابن عباس فرماتے ہیں۔ کہ میں نے بسم اللہ کو بلند آواز سے نہیں پڑھا ابن ماجہ کی روایت میں ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ میں نے حضور اکرم ﷺ اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پیچھے نماز پڑھی یہ سب حضرات بسم اللہ کو آہستہ پڑھتے تھے امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما ہی کی ایک اور روایت نقل کی ہے کہ عکرمہ فرماتے ہیں کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے جب بسم اللہ کے بلند آواز کے

ساتھ پڑھنے کے متعلق معلوم کیا گیا تو آپ نے فرمایا "ذلك فعل الاعراب" یعنی بسم اللہ زور سے پڑھنا بے علم گنوار لوگوں کا کام ہے ان تمام روایات سے ائمہ احناف نے بسم اللہ کے آہستہ پڑھنے پر استدلال کیا ہے۔

جواب: سب سے پہلے امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے استدلال کا جواب دیا جاتا ہے کہ انہوں نے جن احادیث سے استدلال کیا ہے اس میں "جهر بالبسملة" کی نفی ہے یعنی بسم اللہ کی اونچی آواز سے پڑھنے کی نفی ہے بسم اللہ کی بالکل پڑھنے کی نفی نہیں ہے یہی وجہ ہے کہ احناف نے انہیں روایات سے بسم اللہ کے آہستہ پڑھنے پر استدلال کیا ہے۔

ائمہ احناف نے شوافع حضرات کی پہلی دلیل حضرت نعیم بن مجمر رضی اللہ عنہ کی روایت کا ایک جواب یہ دیا ہے کہ اس سے جہر بسملہ پر استدلال یقینی نہیں ہے کیونکہ بعض دفعہ پڑھنے والا آہستہ پڑھتا ہے مگر وہ اس انداز سے ہوتا ہے کہ قریب والا سن پاتا ہے یہاں یہی احتمال ہے اور جب احتمال آتا ہے تو استدلال باطل ہو جاتا ہے۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ ممکن ہے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے تعلیم کے لئے ایسا کیا ہو کیونکہ موقع تعلیم کا تھا اور تعلیم کے لئے اونچی آواز سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ظہر کی نماز میں قرأت بھی پڑھی ہے۔ تیسرا جواب یہ ہے کہ جہر والی روایات معلل بالشذوذ ہیں کیونکہ اس طرح عام مسئلہ میں صرف ایک یا دو راویوں کا بیان کرنا باعث علت ہے یا جواب یہ کہ جہر والی روایات ان روایات کے مقابلہ میں کمزور ہیں جن روایات میں آہستہ پڑھنے کا تذکرہ ہے۔

شوافع نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی جس روایت سے استدلال کیا ہے صاحب ترمذی نے اس کو نقل کرنے کے بعد فرمایا کہ "هٰذا حديث ليس اسناده بذالك" یعنی اس حدیث کی سند قوی نہیں ہے۔

اس کے علاوہ جن آثار اور روایات سے شوافع نے استدلال کیا ہے ان سب کے بارے میں خود دارقطنی اس طرح رقم طراز ہیں "وعن الدارقطني انه قال لم يصح عن النبي صلى الله عليه وسلم في الجهر حديث"۔ (كذا في اللمعات)

دارقطنی ہی کے متعلق آیا ہے کہ انہوں نے مصر میں "جهر بالبسملة" پر ایک کتاب لکھی کتاب تیار ہونے کے بعد ایک مالکی عالم نے ان کو قسم دے کر کہا کہ مجھے اس کتاب میں ایک بھی صحیح حدیث بتا دو جو "جهر بالبسملة" پر دلالت کرتی ہو آپ نے جواب میں فرمایا کہ جہر کے بارے میں ایک حدیث بھی صحیح نہیں ملتی۔ (کذا فی اللمعات)[1]

حازمی فرماتے ہیں کہ جهر بالبسملة کی احادیث اگرچہ صحابہ کرام سے منقول ہیں لیکن اس کا اکثر حصہ ضعف سے خالی نہیں ہے۔

بہر حال خلاصہ یہ کہ جہر کی روایات یا ضعیف نا قابل استدلال ہیں اور یا جہر تعلیم امت کے لئے وقتی اور عارضی تھا۔

قعدہ میں بیٹھنے کا افضل طریقہ کیا ہے؟

"وكان يفرش رجله اليسرى" اس حدیث میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے قعدہ میں بیٹھنے کا طریقہ بیان کیا گیا ہے یعنی آپ جب قعدہ میں بیٹھتے تھے تو بایاں پیر بچھایا کرتے تھے اور دایاں پیر کھڑا رکھتے تھے اب اس میں فقہاء کا اختلاف ہے

[1] اشعۃ اللمعات: ۳۸۱

کہ آیا افضل طریقہ یہی ہے جو اس حدیث میں مذکور ہے یا کولہوں پر بیٹھ کر "تورك" کا طریقہ اختیار کرنا زیادہ افضل ہے جو آئندہ حدیث میں بیان ہوا ہے۔

فقہاء کا اختلاف:

امام شافعی رحمہ اللہ کا مسلک یہ ہے کہ پہلے قعدہ میں افتراش افضل ہے اور دوسرے قعدہ میں تورک کرنا بہتر ہے کیونکہ دوسرے قعدہ میں زیادہ دیر تک بیٹھنا پڑتا ہے اور تورک کے طریقے پر بیٹھنے میں سہولت اور آسانی ہے۔

حضرت امام مالک رحمہ اللہ کے نزدیک دونوں قعدوں میں تورک ہی افضل ہے۔

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کا مسلک یہ ہے کہ اگر نماز دو قعدوں والی ہو تو آخری قعدہ میں تورک کرنا چاہئے لیکن اگر نماز صرف ایک قعدہ اور ایک تشہد والی ہو تو اس میں تورک کے بجائے افتراش کرنا چاہئے۔

امام اعظم امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک دونوں قعدوں میں افتراش کرنا چاہئے تورک صرف مجبوری کی صورت میں ہے۔

دلائل:

شوافع وغیرہ حضرات نے تورک کے لئے آئندہ آنے والی حضرت ابوحمید ساعدی[1] کی روایت سے استدلال کیا ہے اور تورک اس طرح ہوتا ہے کہ آدمی قعدہ میں بیٹھ کر دونوں پاؤں کو دائیں طرف نکالدے اور اپنے "ورک" یعنی مقعد پر بیٹھ جائے۔ ابوحمید ساعدی[2] کی روایت میں دوسرے قعدہ میں تورک کا حکم بالکل صریح طور پر مذکور ہے۔ ائمہ احناف رحمہم اللہ نے زیر بحث حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی مسلم والی روایت سے استدلال کیا ہے جس میں قعدہ اولی وثانیہ کی کوئی قید نہیں ہے بلکہ یہ مذکور ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول نماز میں یہ تھا کہ دایاں پیر کھڑا رکھتے تھے اور بایاں بچھا دیا کرتے تھے۔ یاد رہے یہ اختلاف افضل کا ہے جواز وعدم جواز کا نہیں ہے جائز دونوں طریقے ہیں البتہ احناف نے افتراش کو اس لئے ترجیح دی ہے کہ اس میں مشقت ہوتی ہے اور عبادت وہی افضل ہوتی ہے جس میں مشقت زیادہ ہو "**وكان افضل الاعمال احمزها اى اشدها**"[3] احناف نے تورک والی احادیث کو کبر سن اور حالت ضعف پر حمل کیا ہے۔

قعدہ میں شیطان کی طرح نہ بیٹھا کرو

"**عقبة الشيطان**" دوسری حدیث میں "**اقعاء الكلب**" کا لفظ آیا ہے دونوں کا مطلب ایک ہے عقبۃ الشیطان اور اقعاء الکلب کی ایک صورت یہ ہے کہ آدمی ٹانگوں اور گھٹنوں کو کھڑا رکھے اور مقعد پر بیٹھ کر دونوں ہاتھ زمین پر رکھدے جیسا کہ کتا بیٹھتا ہے نماز میں اس طرح بیٹھنا تمام فقہاء کے نزدیک مکروہ ہے ہاں اگر آدمی معذور ہو وہ الگ بات ہے۔ علامہ طیبی رحمہ اللہ[4] نے اقعاء کی یہ صورت بیان فرمائی ہے کہ آدمی اپنے پاؤں کی ایڑیوں پر مقعد رکھ کر بیٹھ جائے لغت کے اعتبار سے عقبہ کی یہ صورت زیادہ واضح ہے کیونکہ "عقب" ایڑی کو کہتے ہیں۔

---

[1] اشعة اللمعات: ۳۸۱ [2] اشعة اللمعات: ۳۸۱ [3] اشعة اللمعات: ۳۸۱ [4] اشعة اللمعات: ۳۸۱ الكاشف: ۲/۲۳۹

"یفترش الرجل" یعنی آدمی کو نماز کی حالت سجدہ میں دونوں بازو اس طرح بچھانا منع ہے جس طرح درندہ بیٹھتے وقت سامنے کے دونوں پاؤں زمین پر پھیلا کر بچھاتا ہے اس سے آدمی سست ہو جاتا ہے اور نماز میں غفلت آتی ہے۔
"رجل" یعنی مرد کا لفظ بول کر اس طرف اشارہ کیا گیا کہ عورت سجدہ کی حالت میں ہاتھ سمیت تمام اعضاء کو سمیٹ کر زمین سے چپکا دیا کرے کیونکہ یہ اس کے ستر کے لئے مناسب ہے۔
"بالتسلیم" یعنی سلام پھیر کر نماز کو السلام علیکم کے الفاظ سے ختم فرماتے تھے یہ مسئلہ توضیحات جلد اول ص ۵۰۶ پر لکھا گیا ہے وہاں دیکھ لیا جائے اس حدیث میں دو لفظ لغوی اعتبار سے حل طلب ہیں ایک لفظ تو "لم یشخص" ہے یہ نصر ینصر سے بلند ہونے اور کوچ کرنے کے معنی میں آتا ہے یہاں باب افعال سے سر اٹھانے اور آسمان کی طرف بلند کرنے کے معنی میں استعمال ہوا ہے مطلب یہ ہے کہ رکوع میں آنحضرت ﷺ اس طرح اعتدال سے رہتے تھے کہ آپ کا سر پیٹھ اور کمر کے برابر رہتا تھا اس سے آپ اپنے سر کو اونچا نہیں رکھتے تھے۔
"ولم یصوبه" یہ صیغہ باب تفعیل سے تصویب سر جھکانے اور نیچے لیجانے کے معنی میں ہے مطلب یہ ہے کہ آپ اپنے سر کو رکوع میں اس طرح اعتدال سے رکھتے تھے کہ آپ کا سر پیٹھ اور کمر کے برابر رہتا تھا اس سے آپ سر کو نیچے نہیں جھکاتے تھے، ہر مسلمان نمازی کو چاہئے کہ وہ اس حدیث کی تعلیم پر غور کے ساتھ عمل کرے۔
[1] فقہاء کرام لکھتے ہیں کہ رکوع میں سر اور پیٹھ اس طرح سیدھا رکھا جائے کہ اگر پانی سے بھرا ہوا برتن پیٹھ پر رکھ دیا جائے تو پانی کا قطرہ نہ گرے۔

تکبیر اولیٰ میں ہاتھوں کو کہاں تک اٹھایا جائے؟

﴿۳﴾ وعن أَبِي حُمَيْدٍ السَّاعِدِيِّ قَالَ فِي نَفَرٍ مِنْ أَصْحَابِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَا أَحْفَظُكُمْ لِصَلَاةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَأَيْتُهُ إِذَا كَبَّرَ جَعَلَ يَدَيْهِ حِذَاءَ مَنْكِبَيْهِ وَإِذَا رَكَعَ أَمْكَنَ يَدَيْهِ مِنْ رُكْبَتَيْهِ ثُمَّ هَصَرَ ظَهْرَهُ فَإِذَا رَفَعَ رَأْسَهُ اسْتَوَى حَتّٰى يَعُوْدَ كُلُّ فَقَارٍ مَكَانَهُ فَإِذَا سَجَدَ وَضَعَ يَدَيْهِ غَيْرَ مُفْتَرِشٍ وَلَا قَابِضِهِمَا وَاسْتَقْبَلَ بِأَطْرَافِ أَصَابِعِ رِجْلَيْهِ الْقِبْلَةَ فَإِذَا جَلَسَ فِي الرَّكْعَتَيْنِ جَلَسَ عَلٰى رِجْلِهِ الْيُسْرٰى وَنَصَبَ الْيُمْنٰى فَإِذَا جَلَسَ فِي الرَّكْعَةِ الْآخِرَةِ قَدَّمَ رِجْلَهُ الْيُسْرٰى وَنَصَبَ الْأُخْرٰى وَقَعَدَ عَلٰى مَقْعَدَتِهِ. (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)[2]

ترجمہ: اور حضرت ابو حمید ساعدی رضی اللہ عنہ کے بارے میں مروی ہے کہ انہوں نے آقائے نامدار ﷺ کے صحابہ کی ایک جماعت میں فرمایا کہ میں رسول اللہ ﷺ کے طریقۂ نماز کو تم میں سب سے زیادہ جانتا ہوں۔ میں نے آپ کو دیکھا ہے کہ جب

[1] المرقات: ۲/۳۹۹ [2] اخرجه البخاري: ۳۴

آپ تکبیر کہتے تھے تو اپنے دونوں ہاتھ مونڈھوں تک اٹھاتے تھے اور جب رکوع میں جاتے تھے تو اپنے دونوں زانو ہاتھوں سے مضبوط پکڑتے تھے اور اپنی پیٹھ جھکا دیتے تھے (تا کہ گردن کے برابر ہو جائے) اور جب اپنا سر (رکوع سے) اٹھاتے تو سیدھے کھڑے ہو جاتے یہاں تک کہ سارے جوڑ اپنی اپنی جگہ پر آ جاتے تھے اور جب سجدہ میں جاتے تو دونوں ہاتھ زمین پر رکھ دیتے تھے اور انہیں نہ پھیلاتے تھے اور نہ (پہلو کی طرف) سمیٹتے تھے اور پاؤں کی انگلیاں قبلہ کی طرف سامنے رکھتے تھے اور جب دو رکعتیں پڑھنے کے بعد بیٹھتے تھے تو بائیں پاؤں پر بیٹھتے تھے اور دائیں پاؤں کو کھڑا رکھتے تھے اور جب آخری رکعت پڑھ کر بیٹھتے تھے تو بائیں پاؤں کو آگے نکال دیتے اور دوسرے (یعنی دائیں) پاؤں کو کھڑا کر کے کولھے پر بیٹھ جاتے تھے۔'' (بخاری)

توضیح: ''انا احفظکم'' [1] حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ چونکہ اکابر صحابہ میں سے تھے قدیم الاسلام بھی تھے اور احادیث بیان کرنے میں مکثرین صحابہ میں سے بھی تھے اس لئے کم عمر اور کم صحبت والے صحابہ سے فرمایا کہ میں آنحضرت ﷺ کی نماز کو سب سے زیادہ محفوظ رکھنے والا ہوں آپ کا تعلق خدرہ قبیلہ سے ہے اور آپ انصار مدینہ میں سے ہیں اکثر صحابہ و تابعین کے استاد ہیں۔ ۷۴ھ میں ۸۴ سال کی عمر میں آپ کا انتقال ہوا اور جنت البقیع میں دفن کئے گئے۔

''**حذا منکبیه**'' یعنی تکبیر تحریمہ میں حضور اکرم ﷺ اپنے دونوں ہاتھوں کو کندھوں کے برابر تک اٹھاتے تھے چند احادیث میں اسی طرح کے الفاظ ہیں مثلاً ''**حذو منکبیه**'' ''**حیال منکبیه**'' ان میں کندھوں کے برابر تک ہاتھ اٹھانے کا ذکر ہے بعض دیگر احادیث میں کانوں کے برابر تک ہاتھ اٹھانے کا ذکر ہے مثلاً مسند احمد اور دارقطنی کی روایت میں ''**حتی تکون ابھاماہ حذاء اذنیه**'' کے الفاظ آئے ہیں۔ بعض روایات میں ''**الی شحمتی اذنیه**'' کے الفاظ آئے ہیں جس سے کانوں کی لو تک ہاتھ اٹھانے کا اشارہ ملتا ہے اور بعض روایات میں ''**الی فروع اذنیه**'' کے الفاظ آئے ہیں جس سے کانوں کے اوپر حصے تک ہاتھ اٹھانے کا عندیہ ملتا ہے ان تینوں قسم کی روایات کی بنیاد پر فقہاء کرام کا معمولی سا اختلاف پیدا ہو گیا ہے کہ ہاتھ کہاں تک اٹھائے جائیں حضرات شوافع اور مالکیہ کے ہاں کندھوں تک ہاتھ اٹھانے کا معمول ہے اور یہی ان کے ہاں افضل ہے امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں تین اقوال ہیں کندھوں تک کانوں تک اور اختیار مگر مشہور اول قول ہے۔ غیر مقلدین بالائی سینہ تک ہاتھ اٹھانے کے قائل ہیں۔ [2]

ائمہ احناف کانوں کے لو تک ہاتھ اٹھانے کو افضل قرار دیتے ہیں یہ مسلک زیادہ اچھا ہے کیونکہ کانوں تک ہاتھ لے جانے سے سینہ اور کندھوں تک ہاتھ لیجانے کے مسلک پر عمل ہو جاتا ہے اس کے علاوہ ہر صورت میں صرف محدود مسلک پر عمل ہو گا۔ یہ اختلاف جواز عدم جواز کا نہیں بلکہ افضل کا ہے۔ شیخ عبدالحق رحمۃ اللہ علیہ [3] نے لمعات میں لکھا ہے کہ یہ بھی ممکن ہے کہ مختلف اوقات میں مختلف حالات کے تحت ان تمام طریقوں پر عمل کیا جائے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے ان تمام احادیث پر عمل کرنے کے لئے ایک بہترین توجیہ کی ہے وہ فرماتے ہیں۔ کہ تکبیر تحریمہ کے وقت ہاتھ کی ہتھیلیاں کندھوں کے مقابل ہوں انگوٹھے کانوں کے مقابل ہوں اور انگلیوں کے سرے کانوں کے بالائی حصہ کے برابر ہوں تا کہ اس طریقہ سے تمام

[1] المرقات: ۲/۵۰۱ اشعۃ اللمعات: ۳۸۲ [2] المرقات: ۲/۵۰۱ [3] اشعۃ اللمعات: ۳۸۲

احادیث پر ایک ساتھ عمل ہو جائے اور احادیث میں تطبیق بھی آجائے۔

"امکن یدیہ" یعنی رکوع کی حالت میں آنحضرت ﷺ مضبوطی کے ساتھ دونوں ہاتھوں سے گھٹنوں کو پکڑتے تھے اس حالت میں آپ کی انگلیاں کشادہ رہتی تھیں سجدہ میں آپ انگلیوں کو ملا کر زمین پر مضبوطی سے رکھتے تھے۔ علماء فرماتے ہیں کہ رکوع کی حالت میں انگلیاں کشادہ رہنی چاہئیں اور سجدہ کی حالت میں مضبوطی کے ساتھ زمین سے ملا کر رکھنا چاہئے اور تکبیر تحریمہ اور قعدہ کی حالت میں اپنی طبعی حالت پر چھوڑنا چاہئے۔

"ھصر ظھرہ" یعنی پیٹھ کو اتنا جھکا دیتے کہ سر اور جسم کا پچھلا حصہ برابر ہو جاتا "ھصر" باب ضرب سے کھینچے جھکانے قریب کرنے اور توڑنے کے معنی میں آتا ہے یہاں جھکانے کے معنی میں ہے جیسا کہ امرء القیس کہتا ہے۔

هصرت بفودى رأسها فتمايلت علي هضيم الكشح ريا المخلخل

"غیر مفترش" یعنی آپ کے ہاتھ زمین پر رکھے ہوئے تھے مگر کہنیاں زمین سے علیحدہ ہوتی تھیں "افتراش سبع" کی طرح نہیں تھیں۔ "ولا قابضھما" یعنی کہنیاں اور بازو پہلو سے الگ رکھتے تھے ہتھیلی اور انگلیاں تو زمین پر مضبوطی سے رکھتے تھے مگر بازو اور کہنیاں پہلو اور زمین سے اتنے الگ ہوتے تھے کہ اگر بکری کا چھوٹا بچہ آپ کے سینہ کے نیچے گذرنا چاہتا تو گذر سکتا تھا قابض کا مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ آپ ﷺ زمین پر انگلیاں پھیلا کر رکھتے تھے مٹھی بنا کر نہیں رکھتے۔

سمع اللہ لمن حمدہ کا مطلب

﴿۴﴾ وعن ابن عمر أَنَّ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَرْفَعُ يَدَيْهِ حَذْوَ مَنْكِبَيْهِ إِذَا افْتَتَحَ الصَّلَاةَ وَإِذَا كَبَّرَ لِلرُّكُوعِ وَإِذَا رَفَعَ رَأْسَهُ مِنَ الرُّكُوعِ رَفَعَهُمَا كَذٰلِكَ وَقَالَ سَمِعَ اللهُ لِمَنْ حَمِدَهُ رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ وَكَانَ لَا يَفْعَلُ ذٰلِكَ فِي السُّجُوْدِ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)[1]

ترجمہ: اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ آقائے نامدار ﷺ جب نماز شروع کرتے تو دونوں ہاتھوں کو مونڈھوں تک اٹھاتے اور جب رکوع کے لئے تکبیر کہتے نیز جب رکوع سے سر اٹھاتے تو تب بھی اسی طرح دونوں ہاتھ (مونڈھوں تک) اٹھاتے اور (رکوع سے سر اٹھاتے ہوئے) کہتے سمع اللہ لمن حمدہ۔ ربنا لک الحمد (اللہ نے اس شخص کو سن لیا یعنی اس کی تعریف قبول کرلی جس نے اس کی حمد بیان کی۔ ہمارے پروردگار! تعریف تو تیرے ہی لئے ہے) اور آنحضرت ﷺ سجدوں میں ایسا نہیں کرتے تھے۔" (بخاری، مسلم)

توضیح: "سمع اللہ لمن حمدہ" یہاں سمع کا معنی قبول کرنے کا ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے اس شخص کی حمد قبول فرمائی جس نے اس کی حمد کی، "لمن" میں لام نفع کے لئے ہے یعنی اللہ نے حمد کرنے والے کے فائدہ کے لئے اس کی حمد قبول فرمائی۔

[1] اخرجه البخاري: ۱/۱۸۷،۱۸۸ ومسلم: ۲/۶۱۶

"حمدہ" میں "ھا" ساکنہ ہے جو سکتہ اور استراحت کے لئے ہے۔ (کذافی اللمعات)[1]

"ربنالک الحمد" یہ الفاظ احادیث میں تین طرح پر آئے ہیں اول "ربنالك الحمد" دوم "ربناولك الحمد" سوم "اللهم ربنا ولك الحمد"۔ ملا علی قاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ آخر والے دو جملے اول جملہ سے افضل ہیں۔
صحابہ کرام کے دور سے اور بعد کے علماء کے معمول میں یہ دعا اس طرح ہے "ربنا ولك الحمد حمدا كثيرا طيبا مباركا فيه"۔

تحمید و تسمیع میں تقسیم:

زیر نظر حدیث کے پیش نظر امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ امام تحمید و تسمیع دونوں پڑھے یعنی سمع اللہ لمن حمدہ کے ساتھ ربنا ولک الحمد بھی پڑھے کیونکہ حدیث سے یہ طریقہ معلوم ہوتا ہے امام ابو یوسف اور امام محمد رحمہما اللہ تعالیٰ کا بھی یہی مسلک ہے۔
امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ تقسیم کار کے طور پر امام سمع اللہ لمن حمدہ پڑھے اور مقتدی ربنا لک الحمد پڑھے۔ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ نے اس حدیث سے استدلال کیا ہے جو ابن ماجہ کے علاوہ سنن کی تمام کتابوں میں مذکور ہے الفاظ یہ ہیں۔
"عن ابی هريرة قال قال رسول الله ﷺ اذا قال الامام سمع الله لمن حمده فقولوا ربنا لك الحمد۔[2]

طرز استدلال اس طرح ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے امام اور ماموم کے درمیان ان کلمات کو تقسیم فرمادیا ہے اور تقسیم شرکت کے منافی ہے۔ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ زیر بحث حدیث کو حالت امامت پر محمول نہیں کرتے بلکہ وہ فرماتے ہیں کہ یہ منفرد کی نماز کی کیفیت ہے اور منفرد دونوں جملوں کو ادا کریگا۔
"فی السجود" یعنی آنحضرت ﷺ سجدہ جاتے وقت اور سجدہ سے واپس لوٹتے وقت رفع یدین نہیں فرماتے۔
حضرات شوافع اگرچہ رفع یدین کے قائل ہیں لیکن وہ صرف رکوع جاتے وقت اور رکوع سے واپس لوٹتے وقت رفع یدین کرتے ہیں اور تکبیر تحریمہ کے وقت کرتے ہیں اس کے علاوہ رفع یدین کے وہ قائل نہیں سجدہ کے وقت اگرچہ رفع یدین احادیث سے ثابت ہے مگر شوافع اس کو منسوخ مانتے ہیں احادیث میں اس نسخ کا واضح طور پر تذکرہ موجود ہے احناف رکوع کے وقت رفع یدین کو بھی منسوخ مانتے ہیں رفع یدین کا مسئلہ ابھی آنے والا ہے۔

۲ ربیع الثانی ۱۴۱۰ھ

نماز میں رفع یدین کا مسئلہ

﴿۵﴾ وعن نَافِعٍ أَنَّ ابْنَ عُمَرَ كَانَ إِذَا دَخَلَ فِي الصَّلَاةِ كَبَّرَ وَرَفَعَ يَدَيْهِ وَإِذَا رَكَعَ رَفَعَ يَدَيْهِ وَإِذَا قَالَ

[1] اشعة اللمعات: ۳۸۳ [2] اشعة اللمعات: ۳۸۳

سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهُ رَفَعَ يَدَيْهِ وَإِذَا قَامَ مِنَ الرَّكْعَتَيْنِ رَفَعَ يَدَيْهِ وَرَفَعَ ذٰلِكَ ابْنُ عُمَرَ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ. (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)[1]

ترجمہ: اور حضرت نافع ﷫ فرماتے ہیں کہ حضرت ابن عمر ﷠ جب نماز شروع کرتے تو تکبیر کہتے اور اپنے دونوں ہاتھ اٹھاتے اور جب رکوع میں جاتے تو دونوں ہاتھ اٹھاتے اور جب ''سمع اللہ لمن حمدہ'' کہتے تو دونوں ہاتھ اٹھاتے اور جب دو رکعتیں پڑھ کر اٹھتے تب بھی دونوں ہاتھ اٹھاتے تھے۔'' حضرت ابن عمر ﷠ اس حدیث کو آنحضرت ﷺ تک پہنچی ہوئی نقل کرتے تھے (یعنی وہ کہتے تھے کہ آنحضرت ﷺ نے بھی اسی طرح کیا ہے۔'' (بخاری)

توضیح: ''واذا رکع رفع یدیه'' اس سے قبل حدیث نمبر ۴ اور زیر بحث حدیث نمبر ۵ اور آئندہ آنے والی چند احادیث میں رکوع کی حالت میں رفع یدین کرنے کا مسئلہ بیان کیا گیا ہے اصل بحث میں جانے سے پہلے یہاں تین مسائل کا سمجھنا ضروری ہے۔

پہلا مسئلہ:

پہلا مسئلہ رفع یدین کا حکم اور اس کی شرعی حیثیت کا ہے تو جاننا چاہئے کہ ایک تکبیر تحریمہ کے وقت ہاتھ اٹھانے کا حکم ہے تو جمہور کے ہاں یہ سنت ہے اس میں کوئی خاص اختلاف نہیں ہے البتہ بعض اہل ظواہر اور داؤد ظاہری اس طرف گئے ہیں کہ تکبیر تحریمہ میں ہاتھ اٹھانے فرض ہیں اہل رفض میں فرقہ زیدیہ نے بھی اس میں اختلاف کیا ہے تکبیر تحریمہ کے علاوہ دیگر مقامات میں رفع یدین کا حکم افضل اور غیر افضل کی حیثیت رکھتا ہے اولیٰ غیر اولیٰ کا اختلاف ہے یا زیادہ سے زیادہ سنت کا اختلاف ہے جواز اور عدم جواز کا اختلاف نہیں ہے۔

دوسرا مسئلہ:

دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ رفع یدین کا ثبوت نماز میں کہاں کہاں ہے جیسا کہ پہلے لکھا گیا کہ تکبیر تحریمہ میں رفع یدین سب کے نزدیک سنت ہے اس میں کوئی خاص اختلاف نہیں ہے تکبیر تحریمہ کے علاوہ نماز میں چھ مقامات ایسے ہیں جن میں رفع یدین کا ثبوت احادیث میں ملتا ہے۔ وہ مقامات یہ ہیں۔

① رفع یدین عند الرکوع۔ ② رفع الیدین عند الرجوع عن الرکوع۔ ③ رفع الیدین عند الذهاب الی السجدة۔ ④ رفع الیدین عند الرجوع عن السجدة کمافی النسائی۔ ⑤ رفع الیدین عند القیام الی الرکعة الثالثة کمافی ابی داؤد ص ۱۰۶۔ ⑥ رفع الیدین فی کل تکبیرة عند الرفع والخفض کمافی مسند احمد۔

---

[1] اخرجه البخاری: ۱/۱۸۷

ان چھ مقامات میں سے صرف دو مقامات ایسے ہیں جن میں رفع یدین اور عدم رفع یدین میں اختلاف ہے اور وہ رکوع میں جاتے وقت اور رکوع سے واپس آتے وقت کے دو مقامات ہیں اس کے علاوہ چاروں مقامات میں رفع یدین تمام ائمہ کے نزدیک منسوخ ہوگیا ہے لہٰذا رفع یدین کا نام جب بھی آجائے تو اس سے مراد یہی دو مقامات ہونگے۔

تیسرا مسئلہ:

تیسرا مسئلہ یہاں یہ ہے کہ رفع الیدین میں ہاتھ کہاں تک اٹھائے جائیں، تو یہ مسئلہ اس حدیث سے پہلے حدیث نمبر ۳ کی تشریح میں تفصیل سے گذر چکا ہے وہاں دیکھ لیا جائے۔

رفع یدین میں فقہاء کا اختلاف اور اس کا پس منظر

بہر حال رفع یدین کا یہ معرکۃ الآراء مسئلہ دور صحابہ سے "مختلف فیھا" رہا ہے۔ تابعین کے دور میں بھی اس میں اختلاف رہا ہے کوئی رفع کرنے والے ہیں تو کوئی ترک رفع کے قائل ہیں کوئی شہر ایسا نہیں رہا جس میں دونوں طرف کے لوگ موجود نہ ہوں ہاں دنیا میں کوفہ ایک ایسا شہر تھا کہ جس میں رفع یدین کرنے والا کوئی نہ تھا سب ترک رفع یدین کے قائل تھے اس کی وجہ یہ تھی کہ کوفہ اکابر صحابہ کی تعلیم کا مرکز رہا ہے اور وہاں حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ معلم عام تھے تو ان کی تعلیم کا یہ اثر تھا ان کے بعد ان کے شاگردوں اور پھر امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی تعلیم کا یہ اثر تھا۔ غرضیکہ رفع یدین کے مسئلہ میں ابتداء میں طرفین میں شدت نہیں تھی بعد میں شدت آگئی۔ اہل مکہ نے حضرت عبداللہ بن زبیر کی تعلیم کی وجہ سے رفع یدین شروع کیا اور پھر حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے رفع یدین کے مسئلے کو خوب شدت سے اپنا لیا پھر بعد میں لوگوں نے اس مسئلہ پر تحقیقی کتابیں لکھیں سب سے پہلے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے جزء رفع یدین کتاب لکھی امام بیہقی، علامہ ابن عبدالبر اور حافظ ابن قیم نے اس پر کتابیں لکھیں امام بخاری کی کتاب کے جواب میں محمد بن عمرو مروزی رحمۃ اللہ علیہ نے رفع یدین پر ایک تحقیقی کتاب لکھی۔

علامہ زاہد کوثری نے لکھا ہے کہ رفع یدین کے مسئلہ کی تحقیق پر سب سے زیادہ مفید اور سب سے زیادہ مدلل اور جامع کتاب علامہ شاہ انور شاہ کاشمیری رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب نیل الفرقدین فی رفع الیدین اور بسط الیدین لنیل الفرقدین ہیں۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے رفع یدین کے ثبوت پر اپنی کتاب میں (۱۴) احادیث کا استخراج کیا ہے۔ علامہ ابن عبدالبر نے (۲۳) احادیث کا استخراج کیا امام بیہقی نے (۳۰) احادیث کا ذکر کیا ہے حافظ عراقی نے رفع الیدین کے ثبوت میں (۵۰) احادیث کا ذکر کیا ہے۔

اسی وجہ سے امام بخاری نے آخر کہہ دیا کہ رفع یدین کے مسئلہ میں عدم رفع یدین والوں کے پاس کوئی صحیح روایت نہیں ہے۔ حضرت علامہ شاہ انور شاہ کاشمیری رحمۃ اللہ علیہ نے امام بخاری کے اس دعویٰ کے متعلق فرمایا کہ روایات کی تحقیق کے بعد یہ بات

صاف ظاہر ہوجاتی ہے کہ نہ یہ دعویٰ صحیح ہے اور نہ وہ کثیر روایات جو قائلین رفع یدین نے نقل کی ہیں ان کے دعوے کو ثابت کرتی ہیں کیونکہ ان حضرات نے جن کثیر روایات کو نقل کیا ہے ان میں بعض کا تعلق رفع یدین عند السجدۃ کے ساتھ ہے کچھ کا تعلق عند القیام الی الرکعۃ الثالثۃ کے ساتھ ہے کچھ کا تعلق عند السلام وغیرہ کے ساتھ ہے کچھ کا تعلق عند الرکوع کے ساتھ ہے اور کچھ نا قابل استدلال ہیں چنانچہ شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ رفع یدین کے سلسلہ میں تین قسم کی روایات ہیں۔
① اول وہ روایات ہیں جو ناطق برفع الیدین ہیں۔ ② دوم وہ راوایات ہیں جو ناطق لعدم رفع الیدین ہیں۔ ③ سوم وہ روایات ہیں جو **ساکت عنهما** ہیں یعنی رفع یدین اور عدم رفع یدین پر ناطق روایات دونوں طرف سے تقریباً برابر ہیں۔ اور جو روایات **ساکت عنهما** یعنی دونوں طرف سے خاموش ہیں ان کو جس جانب کے ساتھ لگایا جائے اس جانب کا پلڑا بھاری رہیگا احناف ان خاموش روایات کو اپنے پلڑے میں شمار کررہے ہیں کہ عدم رفع یدین پر دال ہیں کیونکہ مقام تعلیم میں سائل کے سوال کے جواب میں جب حضور اکرم ﷺ نے رفع یدین کا ذکر نہیں فرمایا تو یہ اس بات کی طرف واضح اشارہ ہے کہ خاموش روایات ترک رفع یدین کے دلائل ہیں اس اعتبار سے ترک رفع یدین کی روایات کی تعداد بڑھ جاتی ہے تو یہ دعویٰ صحیح نہیں ہے کہ اس جانب کوئی صحیح روایت نہیں ہے۔

بہر حال رفع یدین اور عدم رفع یدین کے پس منظر بیان کرنے کے سلسلہ میں یہ بات بھی ملحوظ رکھنا چاہئے کہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ چونکہ غزہ میں پیدا ہوئے اور پھر ہجرت کر کے مکہ مکرمہ میں قیام پذیر ہوئے تو آپ نے وہاں اہل مکہ کے طرز عمل پر عمل کیا اور وہاں حضرت عبد اللہ بن زبیر کی تعلیم کی وجہ سے رفع یدین ہوتا تھا امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا عام دستور یہ تھا کہ آپ اہل مدینہ کے تعامل کو تمام مسائل میں پیش نظر رکھتے تھے مدینہ والے بھی ترک رفع یدین کے قائل تھے تو آپ نے بھی اس کو لیا۔

امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کی عادت اور آپ کا فقہی مزاج یہ تھا کہ آپ احادیث کے ظاہر پر عمل کیا کرتے تھے یہی وجہ ہے کہ کثرت روایات کی وجہ سے آپ کے کئی اقوال ہوجاتے ہیں۔

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا فقہی مزاج یہ تھا کہ آپ نے ہمیشہ شریعت مطہرہ کے قواعد کلیہ کا لحاظ کیا ہے کلیات کے تحفظ میں اگر جزئیات میں تاویل کرنی پڑی تو آپ نے جزئیات میں تاویل کی مگر کلیات کو برقرار رکھا یہی وجہ ہے کہ مسلک احناف کو جتنا سطحی نظر سے دیکھا جائے تو جزئیات اس کے منافی نظر آئیں گے لیکن جتنی گہرائی میں دیکھا جائے تو یہ مسلک تمام احادیث پر پورا منطبق نظر آتا ہے۔

امام ترمذی کی رائے:

امام ترمذی نے سنن ترمذی میں رفع یدین کے لئے باب باندھ کر دو قسم کی احادیث کا استخراج کیا ہے اور دونوں پر تبصرہ بھی فرمایا ہے اور اپنی رائے کا اظہار بھی کیا ہے چنانچہ رفع یدین کے ثبوت پر تبصرہ کرتے ہوئے آپ فرماتے ہیں **"وبهذا يقول بعض اهل العلم"**۔ یعنی رفع یدین پر عمل کرنے والے اور رفع یدین کی رائے رکھنے والے علماء چند ہیں۔

اور جب عدم رفع یدین اور ترک رفع یدین والی حدیث پر تبصرہ کرتے ہوئے اپنی رائے کا اظہار فرماتے ہیں تو کہتے ہیں

"وبه يقول غير واحد من اهل العلم ص ٥٩" یعنی ترک رفع یدین کا قول اتنے علماء کی رائے ہے جن کو گنتی میں لانا مشکل ہے۔

شیخ عبدالحق کی رائے:

شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ رفع یدین اور ترک رفع یدین پر دونوں طرف احادیث موجود ہیں اگرچہ رفع یدین کی احادیث زیادہ ہیں لیکن دوسری طرف بھی احادیث موجود ہیں اور یہ ایک طویل بحث ہے اس تعارض کو اس طرح دور کیا جاسکتا ہے کہ یا احادیث میں تطبیق کا قول کریں گے کہ حضور اکرم ﷺ نے کبھی رفع یدین کیا ہے اور کبھی نہیں کیا ہے تو جو شخص جس پر بھی عمل کرنا چاہتا ہے کرسکتا ہے دونوں جائز ہے صحابہ نے حضور اکرم ﷺ کی جس حالت کو دیکھا اسی کو لیکر نقل کیا۔

❷ اور یا ایک کو منسوخ قرار دیں گے یعنی رفع یدین ابتداء میں تھا پھر منسوخ ہوگیا چونکہ بڑے بڑے صحابہ مثلاً عمر فاروق اور علی مرتضی اور عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہم رفع یدین نہیں کرتے تھے لہٰذا یہ اس حکم کے منسوخ ہونے کی دلیل ہے۔

❸ اور فرض کرلو اگر رفع یدین اور عدم رفع دونوں ہوں پھر بھی عدم رفع کو ترجیح دی جائے گی کیونکہ ترک رفع یدین میں حرکت کی نسبت سکون ہے جو نماز کی حالت سے زیادہ مناسب ہے کیونکہ نماز کے متعلق ارشاد باری تعالیٰ ہے ﴿وقوموا لله قانتين﴾ "اى ساكتين" اور حدیث میں یہ الفاظ آئے ہیں "اسكنوا في الصلوٰة" یعنی چپ چاپ خاموشی اور سکون کے ساتھ نماز پڑھو۔[1]

بہر حال جانبین کی مسلکی تحقیق آپ کے سامنے آرہی ہے آگے بڑھئے اور اسے پڑھئے۔

۳ ربیع الثانی ۱۴۱۰ھ

دلائل:

رفع یدین کے مثبتین اور غیر مثبتین کے دلائل پیش کرنے سے پہلے ایک بار پھر ان کے مذاہب پر ایک نظر ڈالی جاتی ہے امام شافعی امام احمد بن حنبل رحمہما اللہ تعالیٰ اور ایک قول میں امام مالک رحمہ اللہ اس طرف گئے ہیں کہ عندالرکوع رفع یدین جیسے ابتداء میں سنت عمل تھا اب بھی اسی طرح سنت ہے۔

امام ابوحنیفہ سفیان ثوری ابراہیم نخعی رحمہم اللہ تعالیٰ اور مشہور ومختار قول کے مطابق امام مالک رحمہ اللہ کے نزدیک عندالرکوع رفع یدین نہیں ہے جس طرح باقی مقامات میں رفع یدین پہلے تھا پھر سب کے نزدیک منسوخ سمجھا جاتا ہے اسی طرح عندالرکوع بھی یا منسوخ ہوگیا یا موقوف ہوگیا ہے لہٰذا عدم رفع راجح ہے احناف فرماتے ہیں کہ نسخ کے اس احتمال کی وجہ سے رفع یدین کے بجائے عدم رفع افضل اور اولیٰ ہے کیونکہ رفع یدین کرنے میں خطرہ ہے کہ منسوخ حکم پر عمل نہ ہوجائے اور منسوخ حکم

[1] بقرة: ۲۳۸

پر عمل کرنا حرام ہے تو سنت کی فضیلت کے حاصل کرنے میں ناجائز میں پڑنے کا احتمال آیا اس لئے اولیٰ اور افضل ترک رفع یدین کو قرار دیا گیا ورنہ دونوں طرف میں احادیث کے انبار لگے ہوئے ہیں۔

شوافع اور حنابلہ کے دلائل:

❶ شوافع اور حنابلہ نے زیر بحث حضرت نافع اور ابن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت سے استدلال کیا ہے۔

❷ ان حضرات نے اس سے قبل حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت نمبر ۴ سے بھی استدلال کیا ہے۔

❸ شوافع اور حنابلہ نے زیر بحث حدیث کے بعد حضرت مالک بن حویرث رضی اللہ عنہ کی روایت سے بھی استدلال کیا ہے۔

❹ رفع یدین کے قائل حضرات نے حضرت وائل بن حجر رضی اللہ عنہ کی حدیث نمبر ۸ سے بھی استدلال کیا ہے۔ (مشکوۃ ص۷۵)

❺ مثبتین رفع یدین نے حضرت ابوحمید ساعدی رحمہ اللہ کی لمبی حدیث نمبر ۱۲ سے بھی استدلال کیا ہے جو مشکوۃ کے ص ۷۶ پر ہے۔ ان تمام احادیث میں عندالرکوع اور عندالرفع عند الرکوع کے وقت رفع یدین کی تصریح موجود ہے اور یہ اپنے مطلوب پر واضح دلائل ہیں۔

احناف و مالکیہ کے دلائل:

رفع یدین میں احناف و مالکیہ کے دلائل بہت زیادہ ہیں مالکیہ حضرات کا مسلک اگرچہ احناف کی طرح ہے اور مشہور بھی یہی ہے لیکن ان دلائل کا چونکہ احناف زیادہ تذکرہ کرتے ہیں اس لئے احناف ہی کا نام لیا جاتا ہے چنانچہ رفع یدین پر احناف کے دلائل مندرجہ ذیل ہیں۔

❶ **عن علقمة قال قال لنا ابن مسعود الا أصلى بكم صلوة رسول الله ﷺ فصلى ولم يرفع يديه الامرة واحدة مع تكبيرة الافتتاح۔** (رواه الترمذى وابوداؤد مشكوة ص۷۷)

❷ **وعن البراء ابن عازب قال كان النبى ﷺ اذا كبر لافتتاح الصلوة رفع يديه حتى يكون ابهاماه قريبا عن شحمتى اذنيه ثم لا يعود۔** (رواه الطحاوى ص۱۵۲)

مندرجہ بالا حدیث کو امام ترمذی رحمہ اللہ نے وفی الباب عن البراء بن عازب کے عنوان سے ذکر کیا ہے۔

❸ **وعن ابن عمر مرفوعا ان النبى ﷺ كان يرفع يديه اذا افتتح الصلوة ثم لا يعود۔**
(رواه البيهقى فى الخلافيات باسناد صحيح كذا فى معارف السنن)

❹ **وعن ابن عباس عن النبى ﷺ قال لا يرفع الايدى الا فى سبع مواطن۔ ۱) فى افتتاح**

الصلوٰة.۲) واستقبال القبلة.۳) وعلیٰ الصفا.۴) (والمروة.۵)۔ وبعرفات.۶) وبجمع.۷) وعند الجمرة.(طبرانی والبخاری فی جزء رفع الیدین) بحواله تنظیم الاشتات۔

۵ وعن ابن مسعود عن النبی ﷺ انه کان یرفع یدیه فی اول تکبیرة ثم لا یعود۔
(طحاوی ص ۱۵۳ وکذا فی الترمذی والنسائی)

۶ وعن جابر بن سمرة قال خرج علینا رسول الله ﷺ فقال مالی اراکم رافعی ایدیکم کانها اذناب خیل شمس اسکنوا فی الصلوٰة۔ (رواه مسلم)
مسلم شریف کی اس روایت سے استدلال پر مخالفین ناراض ہوجاتے ہیں کہ اس حدیث کا تعلق سلام کے وقت رفع یدین سے ہے اس کو حضور ﷺ نے منع فرمایا ہے استدلال کرنے والے حضرات فرماتے ہیں کہ اس حدیث میں حضور ﷺ نے "اسکنوا فی الصلوٰة" کے جو الفاظ ارشاد فرمائے ہیں ہم اس سے استدلال کرتے ہیں کہ نماز میں سکون اور کم سے کم حرکات مطلوب ہیں جس کی طرف قرآن میں بھی اشارہ ہے ﴿قوموا لله قانتین[1]﴾ ای ساکنین ساکتین عابدین۔

۷ وعن عباد بن الزبیر ان النبی ﷺ اذا افتتح الصلوٰة رفع یدیه فی اول الصلوٰة ثم لم یرفعها فی شیء حتی یفرغ۔ (رواه بیهقی فی الخلافیات کذا نقله الشیخ محمد هاشم السندهی)

۸ وعن مجاهد قال صلیت خلف ابن عمر فلم یکن یرفع یدیه الا فی التکبیرة الاولیٰ من الصلوٰة"۔ (مصنف ابن ابی شیبه بیهقی طحاوی ص ۱۵۵)۔

۹ روی عن ابن عباس قال کان النبی ﷺ یرفع یدیه کلما رکع وکلما رفع ثم صار الی افتتاح الصلوٰة وترک ما سوا ذلك"۔ (کذا فی التعلیق الصبیح بحواله تنظیم الاشتات)

۱۰ عن الاسود قال رأیت عمر بن الخطاب یرفع یدیه فی اول تکبیرة ثم لا یعود (مصنف ابن ابی شیبه طحاوی) قال ورأیت ابراهیم النخعی والشعبی یفعلان کذالك۔
(مصنف ابن ابی شیبه وطحاوی ص ۱۵۶)

---

[1] بقرة: الایه: ۲۳۸

⓫ عن عاصم بن کلیب عن ابیه ان علیا رضی اللہ عنہ کان یرفع یدیه فی اول تکبیرۃ من الصلوٰۃ ثم لا یرفع بعد۔ (رواہ الطحاوی باسنادین جیدین ص ۱۵۴)

⓬ ورأی عبداللہ بن الزبیر رجلا یرفع یدیه من الرکوع فقال "مه" کان ھذا شیء فعله النبی ﷺ ثم ترکه۔ (کذا فی التعلیق الصبیح بحوالہ تنظیم الاشتات)

⓭ وعن المغیرۃ بن شعبة قال قلت لابراھیم حدیث وائل رضی اللہ عنہ انه رأی النبی ﷺ یرفع یدیه اذا افتتح الصلوٰۃ واذا رکع واذا رفع رأسه من الرکوع فقال ان کان وائل رضی اللہ عنہ رأہ مرۃ یفعل فقد رأہ عبداللہ خمسین مرۃ لا یفعل ذلک۔ (طحاوی ص ۱۵۴)

وفی البدائع روی عن ابن عباس رضی اللہ عنہما انه قال العشرۃ الذین شھدلھم النبی ﷺ بالجنة ما کانوا یرفعون ایدیھم الا فی افتتاح الصلوٰۃ (کما فی العینی ج ۳ ص ۸)

ان تمام احادیث مرفوعہ اور آثار منقولہ سے یہ بات روز روشن کی طرح واضح ہوجاتی ہے کہ "رفع یدین" کے مسئلہ میں دونوں جانب احادیث کا ایک ذخیرہ موجود ہے۔ اب یا تو دونوں جانب کی احادیث وآثار میں تطبیق کی صورت پیدا کی جائے گی کہ جو عمل جہاں راجح ہے وہاں اس پر عمل کیا جائے اور جائز دونوں کو مانا جائے۔ ابن حزم رحمہ اللہ۔ نے اپنی مایہ ناز تصنیف المحلی ج ۳ ص ۲۳۵ پر لکھا ہے کہ جب جانبین سے احادیث کی صحت ثابت ہوگئی تو اب دونوں عمل مباح ہے کوئی ایک عمل فرض نہیں پس ہمیں بھی اسی طرح اور اسی نیت سے نماز پڑھنا چاہئے کہ اگر ہم نے نماز میں رفع یدین کیا تو ہم نے اسی طرح نماز پڑھی جس طرح حضور اکرم ﷺ نے پڑھی تھی اور اگر ہم نے رفع یدین نہیں کیا تو بھی ہم نے اسی طرح نماز پڑھی جس طرح نبی کریم ﷺ پڑھا کرتے تھے۔

ابن حزم کے عربی الفاظ اس طرح ہیں۔

فلما صح انه علیه السلام کان یرفع فی کل خفض ورفع بعد تکبیرۃ الاحرام و(کان) لا یرفع (ایضا) کان کل ذلک مباحا لا فرضا، وکان لنا ان نصلی کذلک فان رفعنا صلینا کما کان رسول اللہ ﷺ یصلی وان لم نرفع صلینا کما کان رسول اللہ یصلی۔ (المحلی ج ۳ ص ۲۳۵)

اگر تطبیق کی صورت کسی کو پسند نہیں آتی تو پھر رفع یدین کی احادیث کو منسوخ یا موقوف قرار دینا ہوگا اور یا عدم رفع یدین کی روایات کو راجح قرار دینا ہوگا جیسا کہ اس بحث میں شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کی رائے کے تحت لکھا جاچکا ہے۔[1]

۴ ربیع الثانی ۱۴۱۰ھ

سوالات وجوابات

سوال: ❶ مندرجہ بالا تمام روایات پر مخالفین نے کوئی نہ کوئی اعتراض کیا ہے آپ اس قسم کی روایات سے کیسے استدلال کرتے ہو؟

جواب: مخالفین کے تمام اعتراضات کو اگر دیکھا جائے تو اصولی طور پر ان اعتراضات کا خلاصہ یہ ہے کہ ان روایات میں یا ارسال ہے یا غرابت وتفرد ہے اور یا اس میں ادراج ہے۔ واضح جواب یہ ہے کہ یہ روایات کئی طرق سے وارد ہیں اور تعدد طرق سے تفرد وغرابت اور ادراج ختم ہوجاتا ہے۔ باقی رہ گیا بعض روایات کا مرسل ہونا تو عرض یہ ہے کہ جمہور کے ہاں ارسال معتبر ہے ہم جمہور کے ساتھ ہیں اور وہ ہمارے ساتھ ہیں۔

سوال: ❷ مثبتین رفع یدین نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث ۲۰ پر اعتراض کیا ہے چنانچہ سنن ترمذی میں امام ترمذی نے حضرت عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ کے حوالہ سے کہا ہے کہ وہ فرماتے ہیں کہ ابن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث ثابت ہے جو رفع یدین کے متعلق ہے لیکن ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت ثابت نہیں ہے جس میں عدم رفع یدین کا ذکر ہے۔

(ترمذی ص ۵۹)

صاحب مشکوٰۃ نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی اس روایت کو اصل مبحث سے دور فصل ثالث ص ۷۷ میں ذکر کیا ہے اور پھر اس پر امام ابوداؤد کے حوالہ سے اعتراض کیا ہے کہ **وقال ابوداؤد "لیس ھو بصحیح علی ھذا المعنی"۔**

جواب: اس سوال کا پہلا جواب یہ ہے کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت جن واسطوں سے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ تک پہنچی ہے وہاں یہ طویل سلسلہ سند نہیں ہوتا تھا صرف ایک یا زیادہ سے زیادہ دو واسطے ہوتے تھے اب امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے بعد ہم تک پہنچنے میں طویل سند کی وجہ سے اگر روایت میں ضعف آجائے تو اس سے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے مستدل کو کوئی نقصان نہیں پہنچتا، یہ جواب ایک ضابطہ اور قاعدہ کا درجہ رکھتا ہے جو ہر جگہ جاری ہوسکتا ہے۔

امام ترمذی کے اعتراض کا دوسرا جواب یہ ہے کہ عدم رفع یدین سے متعلق حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے دو روایتیں منقول ہیں ایک مرفوع قولی ہے اور دوسری مرفوع فعلی ہے یعنی ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے اپنا فعل دکھا کر حدیث کو مرفوع کہا ہے یا اپنا قول بتا کر حدیث کو مرفوع کہا ہے؟۔ تو حضرت عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ مرفوع قولی پر رد کرتے ہیں کہ یہ ثابت نہیں ہے مرفوع

[1] اشعۃ اللمعات: ۳۸۳

فعلی کو وہ غیر ثابت کیسے کہہ سکتے ہیں حالانکہ وہ خود مرفوع فعلی کے راوی ہیں جیسا کہ نسائی ص ۱۶۸ پر واضح طور پر موجود ہے لامحالہ عبداللہ بن مبارک مرفوع قولی کا انکار کرتے ہیں اور اس کے احناف بھی قائل ہیں کیونکہ احناف مرفوع فعلی کو ثابت مانتے ہیں اور اسی سے استدلال کرتے ہیں مرفوع قولی سے احناف استدلال نہیں کرتے ہیں جس کے الفاظ یہ ہیں "ان النبی ﷺ لم یرفع یدیه الافی اول مرۃ۔ (ترمذی) حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث جو مرفوع فعلی ہے اس کے ثبوت کے لئے ابن دقیق العید رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت کا مدار عاصم بن کلیب رحمہ اللہ پر ہے اور وہ مسلم کے راویوں میں سے ہیں لہٰذا مرفوع فعلی ثابت ہے۔ خود امام ترمذی رحمہ اللہ اسی کتاب ترمذی میں حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی فعلی روایت کے متعلق فرماتے ہیں کہ یہ روایت حسن ہے اور بیشمار لوگوں کا اس پر عمل ہے۔

اسی طرح ائمہ جرح والتعدیل میں سے یحییٰ بن سعید القطان المغربی رحمہ اللہ سے "الوھم والایھام" میں یہ الفاظ منقول ہیں "انه صح حدیث ابن مسعود" اسی طرح ابن حزم اندلسی رحمہ اللہ نے اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے اور دارقطنی نے بھی اس کو صحیح کہا ہے (کذا فی عرف الشذی)۔ اسی طرح ابن عبدالبر علی المدینی، یحییٰ بن معین، امام ذھبی اور ابن مندہ رحمہم اللہ تعالیٰ نے اس کو صحیح قرار دیا ہے صاحب مشکوٰۃ نے امام ابوداؤد کے حوالہ سے جو اعتراض کیا ہے کہ "قال ابوداؤد لیس ھو بصحیح علی ھذا المعنی" تو اس کا جواب بھی وہی ہے کہ یہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی مرفوع قولی حدیث پر اعتراض ہے یہ جواب در حقیقت صاحب مشکوٰۃ کی غلطی کو چھپانے کے لئے ہے اور اتنے بڑے آدمی کو غلطی سے بچانے کے لئے ہے ورنہ امام ابوداؤد نے براء بن عازب رضی اللہ عنہ کی روایت کو لیس بصحیح کہا ہے۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت پر ابوداؤد نے کوئی اعتراض نہیں کیا ہے جیسا کہ ابوداؤد کے سیاق وسباق سے واضح ہے۔ اور اگر فرض کرلو کہ امام ابوداؤد رحمہ اللہ نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ ہی کی روایت پر اعتراض کیا ہے تو اس کا جواب یہ دیا جاسکتا ہے کہ امام ابوداؤد نے اس ضعف کو علی المعنی کے ساتھ مقید کیا ہے یعنی روایت صحیح ہے دوسرے راویوں نے نقل کی ہے سند صحیح ہے لیکن اس خاص معنی کے اعتبار سے ضعیف ہے۔

باقی مثبتین رفع یدین کے دلائل میں سب سے زیادہ معتمد و مستند اور مضبوط و محفوظ روایت حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی ہے جس کے بارے میں مثبتین حضرات کہتے ہیں کہ اس کی سند سلسلۃ الذھب ہے کیونکہ نجوم السماء نے اس کو نقل کیا ہے اور یہ حجۃ اللہ علی العالمین ہے آیئے ذرا دیکھتے ہیں کہ اس کی حیثیت کیا ہے تو سب سے پہلی بات تو یہ ہے کہ اس روایت کے مرفوع اور موقوف ہونے میں اختلاف ہے اگرچہ امام بخاری رحمہ اللہ نے مرفوع ہونے کو ترجیح دیدی ہے لیکن امام ابو داؤد رحمہ اللہ نے اپنی کتاب کے صفحہ ۱۰۸ پر اس کے مرفوع اور موقوف ہونے پر کافی بحث کی ہے اب اس حدیث کی بنیادی عمارت ہی کمزور ہوگئی کہ ہوسکتا ہے کہ یہ موقوف ہو اور موقوف حدیث سے شوافع حضرات کے ہاں استدلال کرنا جائز نہیں ہے دوسری بات یہ ہے کہ اس حدیث کے صحیح ہونے کے باوجود اس میں چھ قسم کے اضطراب ہیں۔

❶ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ جب "مُدَوَّنَۃ" میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی اس روایت کو نقل کرتے ہیں تو وہاں رفع یدین صرف تکبیر تحریمہ میں ثابت ہوتا ہے۔

❷ موطا مالک میں صرف عند الرکوع رفع یدین ثابت ہے۔

❸ موطا محمد میں عند الرکوع اور عند الرفع عن الرکوع رفع یدین ثابت ہے۔

❹ امام بخاری کی کتاب صحیح بخاری میں صرف عند السجدتین رفع یدین کا ذکر ہے۔

❺ اور یہی ابن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت جب امام بخاری جزء رفع الیدین میں ذکر فرماتے ہیں تو وہاں تیسری رکعت کے لئے اٹھ کھڑے ہونے کے وقت رفع یدین کا ذکر ہے۔

❻ اور طحاوی وغیرہ میں اسی روایت سے رفع یدین **عند کل خفض ورفع** یعنی ہر تکبیر کے وقت رفع یدین ثابت ہے اس قدر اضطراب واختلاف سے روایت اپنے مقام سے بہت نیچے آجاتی ہے۔

خلاصۂ کلام:

آخر میں خلاصۂ کلام یہ نکلا کہ رفع یدین کا مسئلہ اولیٰ غیر اولیٰ اور افضل غیر افضل کا مسئلہ ہے جائز ناجائز کا مسئلہ نہیں ہے۔ یا یہ کہا جائے کہ رفع یدین کا مسئلہ ابتداء اسلام میں تھا پھر نماز میں جس طرح باقی تغیرات وتنسیخات رونما ہوئیں تو رفع یدین کا مسئلہ بھی موقوف ومنسوخ ہوگیا اور یہ کوئی فرضی کلام یا کوئی مفروضہ نہیں بلکہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت اس نسخ پر دال ہے حضرت عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کی روایت اس نسخ پر دال ہے۔ اس لئے اس حدیث کے منسوخ ہونے کا قوی احتمال پیدا ہوگیا اب نتیجہ یہ نکلا کہ ایک طرف رفع یدین کی سنت ہے اور دوسری طرف نسخ کا قوی احتمال ہے اور منسوخ پر عمل کرنا حرام ہے تو سنت اپنانے اور حرام میں پڑنے کا مقابلہ ہوگیا لہٰذا ایسی سنت کا ترک کرنا اولیٰ وافضل ہے جس پر عمل کرنے سے حرام میں پڑنے کا احتمال ہو اسی وجہ سے احناف ترک رفع یدین کو اولیٰ کہتے ہیں تاکہ منسوخ عمل پر عمل کرنے کا خطرہ نہ آئے۔

سُؤال: ❹ مثبتین رفع یدین والے حضرات اگر یہ اعتراض کریں کہ رفع یدین کے منسوخ ہونے پر تمہارے پاس کیا دلیل ہے؟۔

جَوَاب: اس اعتراض کا پہلا جواب تو یہی ہے کہ مندرجہ بالا احادیث وآثار کی تصریحات وتوضیحات اس بات پر واضح دلیل ہیں کہ یہ حکم پہلے تھا پھر موقوف اور منسوخ ہوگیا دوسرا الزامی جواب یہ ہے کہ رفع یدین کے کل چھ مقامات میں سے باقی چار مقامات میں آپ حضرات نے رفع یدین ترک کرکے ان چار مقامات میں رفع یدین کے حکم کو خود منسوخ تسلیم کیا ہے۔ ان چار مقامات کے لئے جو جواب آپ کا ہوگا وہی ہمارا ہوگا فرق صرف اتنا ہے کہ آپ چار مقامات میں اور ہم چھ مقامات میں اس عمل کو منسوخ مانتے ہیں۔

امام ابوحنیفہ اور امام اوزاعی رحمہما اللہ تعالیٰ کا مناظرہ:

ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے مرقات میں رفع یدین کی اس بحث میں لکھا ہے کہ صاحب فتح القدیر ابن ہمام رحمۃ اللہ علیہ نے ہدایہ کی شرح کرتے ہوئے رفع یدین کی بحث میں لکھا ہے کہ ایک دفعہ امام ابوحنیفہ اور امام اوزاعی رحمہما اللہ تعالیٰ مکہ مکرمہ میں دارالحناطین میں اکٹھے ہوئے تو رفع یدین کے مسئلہ میں دونوں کی اس طرح گفتگو ہوئی۔ [1]

امام اوزاعی رحمۃ اللہ علیہ:

اوزاعی شام نے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے اس طرح سوال کیا'' آپ لوگ رکوع میں جاتے وقت اور رکوع سے واپس آتے وقت ہاتھوں کو کیوں نہیں اٹھاتے ہو؟۔

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ:

ہم رفع یدین اس لئے نہیں کرتے ہیں کہ اس میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی ایسی صحیح حدیث منقول نہیں ہے جس کے مقابلے میں کوئی حدیث نہ ہو۔

امام اوزاعی رحمۃ اللہ علیہ:

صحیح حدیث کیوں نہیں حالانکہ مجھے زہری نے بیان کیا انھوں نے سالم رحمۃ اللہ علیہ سے اور سالم رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے باپ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے یوں نقل کیا کہ۔

"ان رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم كان يرفع يديه اذا افتتح الصلوة وعند الركوع وعند الرفع منه"۔

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ:

اس کے جواب میں امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے عدم رفع یدین کے لئے سند کے ساتھ اس طرح حدیث بیان کی:

"حدثنا حماد عن ابراهيم عن علقمه والاسود عن عبدالله بن مسعود ان النبي صلی اللہ علیہ وسلم كان لا يرفع يديه الا عند الافتتاح ثم لا يعود"۔

امام اوزاعی رحمۃ اللہ علیہ:

امام اوزاعی نے علوِّ سند کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا کہ میں آپ کو زہری رحمۃ اللہ علیہ سالم رحمۃ اللہ علیہ اور ابن عمر رضی اللہ عنہما کی سند سے حدیث بیان کر رہا ہوں اور آپ حماد و ابراہیم رحمہما اللہ تعالیٰ کی سند سے میرے سامنے حدیث پیش کر رہے ہو؟۔ (کہاں یہ سند اور کہاں وہ سند)۔

[1] المرقات: ۲/۵۰۲

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ:

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ دیکھو شیخ حماد رحمۃ اللہ علیہ شیخ زہری رحمۃ اللہ علیہ سے بڑھ کر فقیہہ تھے اسی طرح ابراہیم نخعی رحمۃ اللہ علیہ شیخ سالم رحمۃ اللہ علیہ سے فقہ میں بڑھ کر تھے اور شیخ علقمہ رحمۃ اللہ علیہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے فقاہت میں کم نہیں تھے اگرچہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کو شرف صحابیت کی وجہ سے بڑا مقام حاصل تھا۔ شیخ اسود رحمۃ اللہ علیہ بطور پاسنگ ہمارے پاس بلا مقابلہ رہ گئے جس سے ہمارا وزن بڑھ گیا۔

اور عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا کیا کہنا عبداللہ تو عبداللہ ہے (فقاہت کے امام اور فضیلت کے چاند تھے) اس بحث میں حضرت امام اوزاعی رحمۃ اللہ علیہ نے سند کے بلند و بالا ہونے اور اس کے عالی ہونے سے اپنی روایت کو ترجیح دینے کی کوشش فرمائی لیکن امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے رواۃ کی فقاہت کی وجہ سے اپنی روایت کو راجح قرار دیا۔ بہرحال مسئلہ میں طرفین میں وسعت و گنجائش ہے تشدد کی ضرورت نہیں غیر مقلدین حضرات اس میں سختی کرتے ہیں اور راہ راست سے تجاوز کرتے ہیں اور اس اختلاف کو جائز و ناجائز کا اختلاف سمجھتے ہیں اور عوام الناس کو یک طرفہ احادیث سے تشویش میں مبتلا کرتے ہیں اور فضیلت کی بحث کو فرضیت کے درجہ میں رکھتے ہیں۔

دراصل ان حضرات کے نزدیک ایک قاعدہ ہے وہ یہ کہ نماز میں سنت کے چھوٹنے سے نماز فاسد ہو جاتی ہے اور رفع یدین سنت ہے تو اس کے چھوڑنے سے نماز باطل ہو جائے گی۔ حالانکہ یہ ضابطہ اور یہ قاعدہ ان کا اپنا ہے امت کے فقہاء اور علماء و مجتہدین کا اس ضابطہ سے کوئی واسطہ نہیں ہے۔

تکبیر تحریمہ میں ہاتھ کانوں تک اٹھانا چاہئے

﴿۶﴾ وعن مَالِكِ بْنِ الْحُوَيْرِثِ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا كَبَّرَ رَفَعَ يَدَيْهِ حَتّٰى يُحَاذِيَ بِهِمَا أُذُنَيْهِ وَإِذَا رَفَعَ رَأْسَهُ مِنَ الرُّكُوْعِ فَقَالَ سَمِعَ اللهُ لِمَنْ حَمِدَهُ فَعَلَ مِثْلَ ذٰلِكَ وَفِيْ رِوَايَةٍ حَتّٰى يُحَاذِيَ بِهِمَا فُرُوْعَ أُذُنَيْهِ. (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)[1]

ترجمہ: اور حضرت مالک ابن حویرث رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم جب تکبیر تحریمہ کہتے تو اپنے دونوں ہاتھوں کو اتنا اٹھاتے کہ انہیں کانوں کی سیدھ تک لے جاتے تھے اور جب رکوع سے سر اٹھاتے تو سمع اللہ لمن حمدہ کہہ کر اسی طرح کرتے تھے (یعنی دونوں ہاتھ کانوں کی سیدھ تک لے جاتے تھے) اور ایک روایت کے الفاظ یہ ہیں کہ "دونوں ہاتھوں کو اپنے کانوں کے اوپر کی جانب لے جاتے تھے۔" (بخاری و مسلم)

توضیح: اس حدیث کی تشریح و توضیح اور تکبیر تحریمہ کے وقت ہاتھوں کے اٹھائے جانے کا مسئلہ اور اختلاف مکمل

[1] اخرجه البخاري: ۶۵ و مسلم: ۲/۷

طور پر اس سے پہلے حدیث نمبر ۳ میں لکھا جا چکا ہے وہاں دیکھ لیا جائے۔ یہاں اس حدیث میں ہاتھوں کے اٹھائے جانے کی حد[1] کانوں کے بالائی حصہ تک لیجانا بیان کیا گیا ہے یہ احناف کا مستدل ہے اور جو حضرات صرف سینہ تک ہاتھ اٹھاتے ہیں ان کو چاہئے کہ اس حدیث کو نظر انداز نہ کریں اور کچھ ہمت کر کے ہاتھ ذرا اوپر تک لیجائیں۔

۵ ربیع الثانی ۱۴۱۰ھ

نماز میں جلسہ استراحت کا حکم

﴿۷﴾ وعنه أَنَّهُ رَأَى النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّي فَإِذَا كَانَ فِي وِتْرٍ مِنْ صَلَاتِهِ لَمْ يَنْهَضْ حَتَّى يَسْتَوِيَ قَاعِدًا۔ (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)[2]

ترجمہ: اور حضرت مالک ابن حویرث رضی اللہ عنہ کے بارے میں منقول ہے کہ انہوں نے آقائے نامدار ﷺ کو نماز پڑھتے دیکھا ہے چنانچہ آپ جب اپنی نماز کی طاق رکعت (یعنی پہلی یا تیسری) میں ہوتے تو جب تک سیدھے بیٹھ نہ لیتے اٹھتے نہ تھے۔ (بخاری)

توضیح: "في وتر من صلوته"[3] مطلب یہ ہے کہ جب آنحضرت ﷺ نماز پڑھتے تھے اور پہلی رکعت یا تیسری رکعت کے آخری سجدہ سے سر اٹھاتے تو پہلے کچھ بیٹھ کر استراحت فرماتے اور پھر اگلی رکعت کے لئے اٹھ جاتے تھے فقہاء کی اصطلاح میں اس عمل کو جلسہ استراحت کہتے ہیں "لم ینهض" نهض اٹھنے کے معنی میں ہے یعنی جب تک آپ خوب جلسہ استراحت نہ فرماتے اس وقت تک آپ دوسری رکعت یا چوتھی رکعت کے لئے نہیں اٹھتے تھے، جلسہ استراحت میں فقہاء کرام کا اختلاف ہے۔

فقہاء کا اختلاف:

جلسہ استراحت میں فقہاء کا اختلاف ہے کہ آیا یہ عبادت کا حصہ اور مسنون عمل ہے یا بوقت عذر مجبوری کا عمل ہے امام شافعی رحمہ اللہ نے اس کو مطلقاً سنت کہا ہے خواہ بوقت عذر ہو یا بغیر عذر ہو یہ عبادت کا ایک حصہ ہے اور سنت ہے وہ فرماتے ہیں کہ اس طرح بیٹھنے کے بعد اٹھنے کا طریقہ بھی یہی ہے کہ دونوں ہاتھوں سے زمین کا سہارا لیکر اٹھ جائے یہ مسنون ہے۔

حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ اور مختار قول کے مطابق امام احمد بن حنبل اور امام مالک رحمہما اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ یہ جلسہ استراحت عبادت کی قسم سنن یا مستحبات میں سے نہیں ہے بلکہ یہ لواحق اعذار میں سے مجبوری کے وقت کا ایک عمل ہے اور حالت مجبوری پر محمول ہے۔[4]

دلائل:

حضرت امام شافعی رحمہ اللہ کی دلیل زیر بحث حضرت مالک بن حویرث رضی اللہ عنہ کی روایت ہے جو اپنے مقصد پر واضح دلیل ہے۔

[1] المرقات: ۲/۵۰۱ [2] اخرجه البخاري: ۱/۲۰۸ [3] المرقات: ۲/۵۰۵ [4] المرقات: ۲/۵۰۵ اشعة اللمعات: ۳۸۳

جمہور کی دلیل حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے جو سنن ترمذی میں ان الفاظ سے منقول ہے۔

"عن ابی هريرة قال كان النبی ﷺ ينهض فی الصلوٰة علی صدور قدميه". (ترمذی ص۴۲)

امام ترمذی رحمہ اللہ نے مالک بن حویرث رضی اللہ عنہ کی روایت کے بعد متصل اس حدیث کو نقل کیا ہے اور اس پر اہل علم کا عمل بتایا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ حدیث صحیح ہے اور کثرت سے امت نے اس پر عمل کیا ہے اگرچہ اس حدیث کے ایک طریقہ سند میں خالد بن ایاس راوی کو ضعیف کہا گیا ہے مگر ایک طریق کی وجہ سے اصل حدیث کی صحت متاثر نہیں ہوتی یہی روایت مصنف ابن ابی شیبہ میں اس طرح منقول ہے۔ "عن ابن مسعود انه كان ينهض فی الصلوٰة علی صدور قدميه ولم يجلس" اسی طرح کی روایت حضرت علی، حضرت ابن عمر، حضرت زبیر رضی اللہ عنہم سے بھی مصنف ابن ابی شیبہ میں مذکور ہے بلکہ شعبی کے حوالہ سے ابن ابی شیبہ اس طرح فرماتے ہیں۔ [1]

"عن الشعبی قال كان عمر وعلی واصحاب النبی ﷺ ينهضون فی الصلوٰة علی صدور اقدامهم.

(كذا فی اللمعات)[2]

اسی طرح مصنف عبدالرزاق میں حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے متعلق یہ روایت اسی طرح منقول ہے۔

عبدالرزاق عن ابن عيينه عن ابن ابی ليلیٰ قال سمعت عبدالرحمن بن يزيد يقول رَمَقْتُ عبدالله بن مسعود فی الصلوٰة فرأيته ينهض ولا يجلس قال ينهض علی صدور قدميه فی الركعة الاولیٰ والثالثة. (مصنف عبدالرزاق ج۲ص۱۷۸)

علامہ ابن دقیق العید رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ بات عجیب ہے کہ ایک عمل کو استراحت بھی کہو اور پھر سنت بھی کہو حالانکہ عبادات کا مدار تکلیفات پر ہے استراحات پر نہیں۔

جمہور نے باب التشہد کی فصل ثانی کی آخری حدیث نمبر ۹ سے بھی استدلال کیا ہے جو مشکوۃ ص ۸۵ پر مذکور ہے الفاظ یہ ہیں۔ "وعن عبدالله ابن مسعود قال كان النبی ﷺ فی الركعتين الاوليين كانه علی الرضف حتی يقوم" (راوه ترمذی)

یاد رہے علامہ تورپشتی رحمہ اللہ کی تشریح کے مطابق یہ حدیث جمہور کی دلیل ہے ورنہ دیگر شارحین نے اس کا مطلب تشہد قعدہ اولیٰ بیان کیا ہے۔

جواب: جمہور نے شوافع کو ان کی دلیل کا جواب یہ دیا ہے کہ مالک بن حویرث رضی اللہ عنہ کی روایت حالت عذر و مجبوری

[1] المرقات: ۲/۵۰۶ [2] اشعة اللمعات: ۲/۲۸۳ المرقات: ۲/۵۰۶

پر محمول ہے حضور اکرم ﷺ نے کبرسنی اور ضعف کی حالت میں یا بیماری کی وجہ سے اس طرح عمل کیا ہے اور حالت عذر میں اس طرح کرنا اچھا بھی لگتا ہے۔
دوسرا جواب یہ ہے کہ حضرت مالک بن حویرث رضی اللہ عنہ کی روایت بیان جواز پر محمول ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے بیان جواز کے لئے ایسا کیا ہے، بہر حال فقہاء کا یہ اختلاف جواز وعدم جواز کا نہیں بلکہ اولیٰ غیر اولیٰ کا اختلاف ہے۔
باقی شوافع نے نمازی کے کھڑے ہونے کا جو طریقہ بیان کیا ہے کہ دونوں ہاتھوں سے زمین کا سہارا لیا جائے جمہور اس کے بارے میں فرماتے ہیں کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت میں اس طرح کھڑے ہونے کی ممانعت آئی ہے باب التشہد میں حدیث نمبر ۹ کے تحت اس کی بحث ان شاء اللہ آئے گی۔

نماز میں ہاتھ کیسے باندھے جائیں؟

﴿۸﴾ وعن وَائِلِ بْنِ حُجْرٍ أَنَّهُ رَأَى النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَفَعَ يَدَيْهِ حِيْنَ دَخَلَ فِي الصَّلَاةِ كَبَّرَ ثُمَّ الْتَحَفَ بِثَوْبِهِ ثُمَّ وَضَعَ يَدَهُ الْيُمْنٰى عَلَى الْيُسْرٰى فَلَمَّا أَرَادَ أَنْ يَرْكَعَ أَخْرَجَ يَدَيْهِ مِنَ الثَّوْبِ ثُمَّ رَفَعَهُمَا وَكَبَّرَ فَرَكَعَ فَلَمَّا قَالَ سَمِعَ اللهُ لِمَنْ حَمِدَهُ رَفَعَ يَدَيْهِ فَلَمَّا سَجَدَ سَجَدَ بَيْنَ كَفَّيْهِ۔
(رَوَاهُ مُسْلِمٌ)[1]

ترجمہ: اور حضرت وائل ابن حجر رضی اللہ عنہ کے بارے میں منقول ہے کہ انہوں نے آقائے نامدار ﷺ کو دیکھا کہ آپ نے نماز شروع کرتے وقت دونوں ہاتھ اٹھا کر تکبیر کہی پھر ہاتھ کپڑے کے اندر کر لئے اور داہنے ہاتھ کو بائیں ہاتھ پر رکھا۔ پھر جب رکوع میں جانے کا ارادہ کیا تو دونوں ہاتھ کپڑے سے نکال کر ان کو اٹھایا اور تکبیر کہہ کر رکوع میں چلے گئے اور جب (رکوع سے اٹھتے وقت) سمع اللہ لمن حمدہ کہا تو (اس وقت بھی) ہاتھوں کو اٹھایا۔ پھر جب سجدہ کیا تو دونوں ہاتھوں کے درمیان کیا (یعنی اپنا سر مبارک دونوں ہتھیلیوں کے درمیان رکھا۔ (مسلم)

توضیح: "ثم وضع یدہ الیسری" اس حدیث میں تین مسائل کی طرف اشارہ کیا گیا ہے جن کی تفصیل ضروری ہے ان مسائل میں ائمہ کا اختلاف بھی ہے مگر یہ جواز وعدم جواز کا اختلاف نہیں اولیٰ غیر اولیٰ کا ہے۔[2]

پہلا مسئلہ اور فقہاء کا اختلاف:

حالت قیام میں نماز میں ہاتھ باندھنا مسنون ہے یا ہاتھ چھوڑ کر کھڑا ہونا مسنون ہے اس میں فقہاء کا اختلاف ہے جمہور سلف وخلف کا مسلک یہ ہے کہ وضع یدین سنت ہے یعنی نمازی جب نماز میں کھڑا ہو تو ہاتھ باندھے رکھنا سنت ہے ارسال نہیں ہے۔ امام مالک رحمہ اللہ کا مشہور قول ارسال کا ہے یعنی حالت قیام میں ہاتھ ناف وغیرہ پر نہ رکھے جائیں بلکہ چھوڑ دیئے جائیں آپ کا دوسرا قول جمہور کی طرح ہے کہ ہاتھ باندھنا سنت ہے۔ ارسال یدین میں امام مالک رحمہ اللہ نے قیاس سے

[1] اخرجه مسلم: ۲/۱۳ [2] المرقات: ۲/۵۰۷

استدلال کیا ہے کہ جب کوئی آدمی بادشاہ کے سامنے کھڑا ہوتا ہے تو مرعوب ہو کر ہاتھ چھوڑتا ہے باندھتا نہیں ہے لہٰذا جب آدمی احکم الحاکمین کے سامنے آ کر نماز میں کھڑا ہوتا ہے تو رعب وہیبت کا تقاضا ہے کہ ہاتھ چھوڑے رکھے باندھنے کی کوشش نہ کرے۔

جمہور نے زیر بحث حدیث سے استدلال کیا ہے جو اپنے مقصد میں واضح تر ہے اس کے بعد حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ کی حدیث نمبر ۹ سے استدلال کیا ہے پھر فصل ثانی کی حدیث نمبر ۱۴ حضرت قبیصہ رضی اللہ عنہ کی روایت سے استدلال کیا ہے ان تمام احادیث کی موجودگی میں حضرت امام مالک رحمہ اللہ[1] کے قیاس کا کوئی مقام نہیں ہے نیز یہ کثیر احادیث شیعہ شنیعہ اور روافضہ مرفوضہ پر حجت ہیں جو اس وجہ سے نماز میں ہاتھ نہیں باندھتے کہ کہیں ان کی عبادت میں مسلمانوں سے اشتراک نہ آجائے بلکہ یہ ہر عمل میں مسلمانوں سے الگ تھلگ رہیں جیسا کہ ان کا طریقہ ہے شیعہ کا باطل خیال ہے کہ حضور ﷺ کے زمانہ میں منافقین نماز میں کسی دھوکہ دہی کی غرض سے ہاتھ باندھ لیا کرتے تھے قرآن کی آیت ﴿یقبضون ایدیهم﴾[2] میں تحریف کر کے اس سے استدلال کرتے ہیں۔

دوسرا مسئلہ اور فقہاء کا اختلاف:

جب اس حدیث میں نماز میں ہاتھ باندھنے کی صراحت ہوگئی تو اب جمہور کا آپس میں اختلاف ہوا کہ ہاتھ کہاں باندھے جائیں۔
امام ابوحنیفہ سفیان ثوری اور امام احمد بن حنبل رحمہم اللہ تعالیٰ کے مشہور قول کے مطابق نماز میں ہاتھ ناف کے نیچے باندھنا افضل ہے۔
امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک اور ایک غیر مشہور قول میں امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کے نزدیک نماز میں ہاتھ سینہ کے نیچے اور ناف سے اوپر رکھنا افضل ہے۔ (کذا فی رحمۃ الامۃ فی اختلاف الائمہ ص ۳۲)
امام شافعی رحمہ اللہ نے صحیح ابن خزیمہ کی روایت سے استدلال کیا ہے الفاظ اس طرح ہیں "**فوضع یدہ الیمنی علی الیسری علی صدرہ**"۔ اس روایت میں سینہ کے اوپر ہاتھ رکھنے کا ذکر ہے اور امام شافعی رحمہ اللہ کا ایک قول اسی طرح بھی ہے۔
ائمہ احناف اور حنابلہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے اثر سے استدلال کیا ہے الفاظ یہ ہیں "**قال من السنة وضع الکف علی الکف فی الصلوٰۃ تحت السرۃ**"۔[3] اس روایت کو سنن بیہقی میں ج ۲ ص ۳۱ پر نقل کیا گیا ہے اور بذل المجہود میں ج ۲ ص ۲۳ پر نقل کیا گیا ہے مصنف ابن ابی شیبہ میں ج ۱ ص ۳۹۸ پر لایا گیا ہے۔
اسی طرح ابن ابی شیبہ رحمہ اللہ نے حضرت وائل بن حجر رضی اللہ عنہ کی روایت ان الفاظ میں نقل کی ہے۔

"**عن وائل بن حجر قال رأیت النبی ﷺ وضع یمینه علی شماله تحت السرۃ**"۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱ ص ۳۹۸)

یاد رہے کہ ہاتھ باندھنے کے مقام کی تعیین میں جتنی روایات ہیں اصول جرح وتعدیل کے پیش نظر ان سب پر کلام ہے تاہم

[1] المرقات: ۲/۵۰۸ [2] توبہ الایہ: ۶۷ [3] المرقات: ۲/۵۰۹

احناف نے جن روایات سے استدلال کیا ہے ان پر شوافع کے مستدلات سے نسبتاً کم کلام کیا گیا ہے بہرحال یہ افضل غیر افضل کا مسئلہ ہے پھر بیان جواز کے لئے اس طرح عمل کیا گیا ہے لہٰذا یہ کوئی بڑا جھگڑا نہیں ہے۔

امام ترمذی اس طرح فیصلہ فرماتے ہیں۔

"والعمل علی هذا عند اهل العلم من اصحاب النبی ﷺ ومن بعدهم یرون ان یضع الرجل یمینه علی شماله فی الصلوٰة ورای بعضهم ان یضعهما فوق السرة ورای بعضهم ان یضعهما تحت السرة وکل ذلك واسع عندهم۔" (ترمذی ج۱ص۵۹)

امام ترمذی کے اس فیصلہ سے یہ بات واضح ہوگئی کہ ہاتھ ناف کے اوپر ہوں یا نیچے ہوں سب میں گنجائش ہے ہاں فوق الصدر کا ذکر نہ کرکے امام ترمذی نے غیر مقلدین حضرات کو پریشانی میں ڈالدیا ہے کیونکہ ان کے عمل کی کوئی گنجائش نظر نہیں آتی ہے افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ بعض حضرات اس میں اتنا غلو کرتے ہیں کہ سینہ کے اوپر گلے کی جڑ میں جا کر ہاتھ رکھتے ہیں یہ کونسی سنت ہے؟۔ اسی طرح ناف سے نیچے جو حضرات ہاتھ رکھتے ہیں ان کو بھی احتیاط کرنی چاہئے کہ زیادہ نیچے ہاتھ نہ لیجائیں کیونکہ نیچے عورت غلیظہ ہے اگر ہاتھوں کا کچھ حصہ ناف پر ہو اور کچھ حصہ نیچے ہو تو یہ صورت مستحسن ہوگی۔

تیسرا مسئلہ اور فقہاء کا اختلاف:

ہاتھ باندھنے کی کیفیت میں بھی اختلاف ہے بلکہ ائمہ احناف کے آپس میں بھی اختلاف ہے۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ بعض روایات میں وضع الکف علی الکف کا ذکر آیا ہے جیسا کہ اوپر حضرت علی رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے بعض روایات میں دائیں ہاتھ کو بائیں ہاتھ کی کلائی پر رکھنے کا ذکر آیا ہے جیسا کہ حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ کی روایت نمبر ۹ میں ہے بعض روایات میں "رسغین" کا ذکر بھی ہے علماء کرام نے اس میں ایک بہترین تطبیق دی ہے جس سے تمام روایات پر آسانی سے عمل ہوجاتا ہے مثلاً دائیں ہاتھ کی ہتھیلی کو بائیں ہاتھ کی پشت پر رکھ لیا جائے اور انگوٹھے اور چھنگلی سے بائیں ہاتھ کے گٹوں کا احاطہ کیا جائے اور دائیں ہاتھ کی باقی تین انگلیاں بائیں ہاتھ کے بازو یعنی کلائی پر رکھ لی جائیں اس طرح کف اور رسغین اور ذراع والی تمام روایات پر عمل ہوجائے گا ہاں یہ بات ملحوظ رکھنی چاہئے کہ بعض لوگ پورے ہاتھوں اور بازوؤں کو کندھوں کے قریب تک لیجا کر ایک دوسرے پر لپیٹ کر سینہ کے اوپر رکھتے ہیں یہ مسنون شکل نہیں ہے اسی لئے یہ شکل اچھی بھی نہیں لگتی۔

"من الثوب" ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حضرت وائل رضی اللہ عنہ نے حضور اکرم ﷺ کو سردی کے موسم میں دیکھا اس لئے آپ ﷺ نے ہاتھوں کو کپڑوں میں چھپا رکھا تھا۔

"بین کفیه" مسنون طریقہ یہی ہے کہ سجدہ کی حالت میں دونوں ہاتھوں کو کانوں کے پاس اس طرح رکھا جائے کہ

اگر کانوں سے کچھ گر جائے تو وہ ہاتھوں کی پشت پر جا کر گرے ایسا نہ ہو کہ ہاتھ پیچھے زمین پر رکھے ہوں اور سر آگے ہو یا سر پیچھے ہو اور ہاتھ آگے رکھے ہوں اور نہ ایسا ہو کہ ہاتھ سر اور چہرہ سے بہت دور رکھے ہوں۔

وائل بن حجر کون تھے؟

وائل بن حجر رضی اللہ عنہ[1] شان والے صحابی ہیں جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی آخری عمر میں مسلمان ہوئے تھے یہ حضر موت کے رہنے والے تھے اور وہاں کے قبائلی سرداروں میں سے تھے اور ان کے والد حضر موت وغیرہ کے بادشاہ تھے وائل بن حجر رضی اللہ عنہ نے غالبا سنۃ الوفود میں مدینہ منورہ آ کر از خود برضا و رغبت اسلام قبول کیا۔ کہتے ہیں کہ ان کے آنے سے پہلے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام کو اس طرح بشارت سنائی تھی تمہارے پاس ایک دور دراز علاقہ حضر موت سے وائل بن حجر رضی اللہ عنہ مسلمان ہو کر آ رہے ہیں جنہوں نے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کو برضا و رغبت دل سے مان لیا ہے اور وہ اپنے علاقوں کے بادشاہوں کے شہزادوں میں سے ایک شہزادہ ہے۔

جب حضرت وائل رضی اللہ عنہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچے تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا پرتپاک استقبال کیا اور ان کو اپنے قریب فرمایا اور پھر اپنی چادر بچھا کر اس پر ان کو بٹھا دیا اور ان کے حق میں یہ دعا فرمائی "**اللھم بارك فی وائل وولدہ وولد ولدہ**"۔[2] آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت وائل کو اپنے علاقے کا سردار مقرر فرمایا، حضرت وائل نے زیادہ تر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کی کیفیت کو بیان کیا ہے ان کے والد کا نام حجر ہے حاء پہلے اور جیم بعد میں ہے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں آپ کا انتقال ہوا۔

﴿۹﴾ **وعن سَهلِ بنِ سَعدٍ قَالَ كَانَ النَّاسُ يُؤمَرُونَ أَنْ يَضَعَ الرَّجُلُ اليَدَ اليُمنٰى عَلٰى ذِرَاعِهِ اليُسرٰى فِي الصَّلَاةِ۔** (رَوَاهُ البُخَارِيُّ)[3]

ترجمہ: اور حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ "لوگوں کو حکم کیا جاتا تھا کہ نماز ی کو نماز میں دایاں ہاتھ بائیں ہاتھ کے اوپر رکھنا چاہئے۔" (بخاری)

﴿۱۰﴾ **وعن أَبِي هُرَيرَةَ قَالَ كَانَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيهِ وَسَلَّمَ إِذَا قَامَ إِلَى الصَّلَاةِ يُكَبِّرُ حِينَ يَقُومُ ثُمَّ يُكَبِّرُ حِينَ يَركَعُ ثُمَّ يَقُولُ سَمِعَ اللهُ لِمَن حَمِدَهُ حِينَ يَرفَعُ صُلبَهُ مِنَ الرَّكعَةِ ثُمَّ يَقُولُ وَهُوَ قَائِمٌ رَبَّنَا لَكَ الحَمدُ ثُمَّ يُكَبِّرُ حِينَ يَهوِي ثُمَّ يُكَبِّرُ حِينَ يَرفَعُ رَأسَهُ ثُمَّ يُكَبِّرُ حِينَ يَسجُدُ ثُمَّ يُكَبِّرُ حِينَ يَرفَعُ رَأسَهُ ثُمَّ يَفعَلُ ذٰلِكَ فِي الصَّلَاةِ كُلِّهَا حَتّٰى يَقضِيَهَا وَيُكَبِّرُ حِينَ يَقُومُ مِنَ الثِّنتَينِ بَعدَ الجُلُوسِ۔** (مُتَّفَقٌ عَلَيهِ)[4]

---

[1] المرقات: ۲/۵۰۶ [2] المرقات: ۲/۵۰۶ [3] اخرجه البخاری: ۱/۱۸۸ [4] اخرجه البخاری: ۱/۲۰۲، ۱/۱۹۹ ومسلم: ۲/۷، ۲/۸

ترجمہ: اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آقائے نامدار ﷺ جب نماز کا ارادہ کرتے تو کھڑے ہونے کے وقت تکبیر تحریمہ کہتے پھر رکوع میں جانے کے وقت تکبیر کہتے اور جب رکوع سے اپنی پشت اٹھاتے تو سمع اللہ لمن حمدہ کہتے پھر کھڑے ہی کھڑے "ربنا لك الحمد" کہتے پھر جب (سجدہ کے لئے) جھکتے تو تکبیر کہتے اور (سجدہ سے) سر اٹھاتے تو تکبیر کہتے۔ پھر نماز پوری کرنے تک ساری نماز میں یہی کرتے تھے اور جب دو رکعتیں پڑھنے کے بعد اٹھتے تھے تو تکبیر کہتے۔" (بخاری و مسلم)

طول قیام افضل ہے یا کثرت رکعات؟

﴿۱۱﴾ عن جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَفْضَلُ الصَّلَاةِ طُوْلُ الْقُنُوْتِ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)[1]

ترجمہ: اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ آقائے نامدار ﷺ نے فرمایا۔ "سب سے بہتر نماز وہ ہے جس میں قیام طویل ہو۔" (مسلم)

توضیح: "طول القنوت" لفظ قنوت کئی معنوں اور کئی مطالب پر بولا جاتا ہے قنوت بمعنی سکوت بھی ہے بمعنی خشوع و خضوع بھی ہے اس کا معنی قیام بھی ہے دعا بھی ہے قنوت نازلہ پر بھی بولا جاتا ہے اور اس کا معنی طاعت بھی ہے یہاں طول قنوت سے مراد نماز میں قیام ہے یعنی نماز میں دیر تک کھڑے ہو کر قرآن کریم پڑھنا افضل ہے۔[2]

جب کوئی نفل نماز پڑھتا ہے تو اس کے دو طریقے ہو سکتے ہیں پہلا طریقہ تو یہ ہے کہ آدمی نماز میں کھڑے ہو کر خوب طویل قرأت کرے اور لمبی رکعت پڑھے اس کو طول قیام کہتے ہیں دوسرا طریقہ یہ ہے کہ آدمی قیام اور قرأت کو لمبا نہ کرے بلکہ اتنے وقت میں مختصر مختصر مگر زیادہ سے زیادہ رکعتیں پڑھے اس کو کثرت سجود کہتے ہیں۔

اس پر سب کا اتفاق ہے کہ یہ دونوں طریقے جائز اور باعث اجر و ثواب ہیں لیکن اس میں بحث ہے کہ ان میں سے کونسا طریقہ زیادہ افضل ہے۔

شوافع و احناف بلکہ جمہور[3] کے نزدیک طول قیام افضل ہے کیونکہ اس میں تلاوت قرآن ہے اور نماز میں تلاوت نماز کی تسبیحات سے افضل ہے بعض سلف کے نزدیک کثرت سجود افضل ہے کیونکہ حدیث میں آیا ہے کہ بندہ جب سجدہ میں ہوتا ہے تو وہ اپنے رب کے سب سے زیادہ قرب کی حالت میں ہوتا ہے امام شافعی رحمہ اللہ کا ایک قول بھی اسی طرح ہے کہ تکثیر سجود افضل ہے اگرچہ ان کا مسلک وہی ہے جو اوپر بیان ہوا ہے۔ (کذا فی معارف السنن)

جمہور کی رائے میں زیادہ وزن ہے ایک تو اس لئے کہ خود نبی اکرم ﷺ نے طول قیام کو افضل قرار دیا ہے دوسرا اس لئے کہ قرآن طول قیام میں زیادہ پڑھا جاتا ہے اور تلاوت افضل ہے تسبیحات سے جبکہ تسبیحات کی کثرت سجود و رکعات کی کثرت سے ہوتی ہے بعض حضرات نے دونوں کو برابر سرابر قرار دیا ہے بعض حضرات رات کو طول قیام اور دن میں کثرت سجود

[1] اخرجه مسلم: ۱/۱۷۵ [2] المرقات: ۲/۵۱۰ [3] المرقات: ۲/۵۱۱

کو افضل کہتے ہیں۔

شارحین نے اس حدیث کی اسی طرح تشریح فرمائی ہے جو میں نے اوپر وضاحت کر کے تشریح لکھی ہے یہ زیادہ واضح ہے باقی سجدہ افضل ہے یا قیام افضل ہے اس کی بحث ان شاء اللہ باب السجود میں آئے گی۔

الفصل الثانی

حضور اکرم ﷺ کی نماز کا مکمل نقشہ

﴿۱۲﴾ عن أَبِي حُمَيْدٍ السَّاعِدِيِّ قَالَ فِي عَشْرَةٍ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَا أَعْلَمُكُمْ بِصَلَاةِ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالُوا فَاعْرِضْ قَالَ كَانَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا قَامَ إِلَى الصَّلَاةِ رَفَعَ يَدَيْهِ حَتَّى يُحَاذِيَ بِهِمَا مَنْكِبَيْهِ ثُمَّ يُكَبِّرُ ثُمَّ يَقْرَأُ ثُمَّ يُكَبِّرُ وَيَرْفَعُ يَدَيْهِ حَتَّى يُحَاذِيَ بِهِمَا مَنْكِبَيْهِ ثُمَّ يَرْكَعُ وَيَضَعُ رَاحَتَيْهِ عَلَى رُكْبَتَيْهِ ثُمَّ يَعْتَدِلُ فَلَا يُصَبِّيْ رَأْسَهُ وَلَا يُقْنِعُ ثُمَّ يَرْفَعُ رَأْسَهُ فَيَقُولُ سَمِعَ اللهُ لِمَنْ حَمِدَهُ ثُمَّ يَرْفَعُ يَدَيْهِ حَتَّى يُحَاذِيَ بِهِمَا مَنْكِبَيْهِ مُعْتَدِلاً ثُمَّ يَقُولُ اللهُ أَكْبَرُ ثُمَّ يَهْوِيْ إِلَى الْأَرْضِ سَاجِداً فَيُجَافِيْ يَدَيْهِ عَنْ جَنْبَيْهِ وَيَفْتَحُ أَصَابِعَ رِجْلَيْهِ ثُمَّ يَرْفَعُ رَأْسَهُ وَيَثْنِيْ رِجْلَهُ الْيُسْرٰى فَيَقْعُدُ عَلَيْهَا ثُمَّ يَعْتَدِلُ حَتَّى يَرْجِعَ كُلُّ عَظْمٍ فِيْ مَوْضِعِهِ مُعْتَدِلاً ثُمَّ يَسْجُدُ ثُمَّ يَقُوْلُ اللهُ أَكْبَرُ وَيَرْفَعُ وَيَثْنِيْ رِجْلَهُ الْيُسْرٰى فَيَقْعُدُ عَلَيْهَا ثُمَّ يَعْتَدِلُ حَتَّى يَرْجِعَ كُلُّ عَظْمٍ إِلٰى مَوْضِعِهِ ثُمَّ يَنْهَضُ ثُمَّ يَصْنَعُ فِي الرَّكْعَةِ الثَّانِيَةِ مِثْلَ ذٰلِكَ ثُمَّ إِذَا قَامَ مِنَ الرَّكْعَتَيْنِ كَبَّرَ وَرَفَعَ يَدَيْهِ حَتَّى يُحَاذِيَ بِهِمَا مَنْكِبَيْهِ كَمَا كَبَّرَ عِنْدَ افْتِتَاحِ الصَّلَاةِ ثُمَّ يَصْنَعُ ذٰلِكَ فِيْ بَقِيَّةِ صَلَاتِهِ حَتَّى إِذَا كَانَتِ السَّجْدَةُ الَّتِيْ فِيْهَا التَّسْلِيْمُ أَخْرَجَ رِجْلَهُ الْيُسْرٰى وَقَعَدَ مُتَوَرِّكاً عَلٰى شِقِّهِ الْأَيْسَرِ ثُمَّ سَلَّمَ قَالُوْا صَدَقْتَ هٰكَذَا كَانَ يُصَلِّيْ.

(رَوَاهُ أَبُوْدَاوُدَ وَالدَّارِمِيُّ وَرَوَى التِّرْمِذِيُّ وَابْنُ مَاجَه مَعْنَاهُ وَقَالَ التِّرْمِذِيُّ هٰذَا حَدِيْثٌ حَسَنٌ صَحِيْحٌ)

وَفِيْ رِوَايَةٍ لِأَبِيْ دَاوُدَ مِنْ حَدِيْثِ أَبِيْ حُمَيْدٍ ثُمَّ رَكَعَ فَوَضَعَ يَدَيْهِ عَلٰى رُكْبَتَيْهِ كَأَنَّهُ قَابِضٌ عَلَيْهِمَا وَوَتَّرَ يَدَيْهِ فَنَحَّاهُمَا عَنْ جَنْبَيْهِ وَقَالَ ثُمَّ سَجَدَ فَأَمْكَنَ أَنْفَهُ وَجَبْهَتَهُ الْأَرْضَ وَنَحّٰى يَدَيْهِ عَنْ جَنْبَيْهِ وَوَضَعَ كَفَّيْهِ حَذْوَ مَنْكِبَيْهِ وَفَرَّجَ بَيْنَ فَخِذَيْهِ غَيْرَ حَامِلٍ بَطْنَهُ عَلٰى شَيْءٍ مِنْ فَخِذَيْهِ حَتّٰى فَرَغَ ثُمَّ جَلَسَ فَافْتَرَشَ رِجْلَهُ الْيُسْرٰى وَأَقْبَلَ بِصَدْرِ الْيُمْنٰى عَلٰى قِبْلَتِهِ وَوَضَعَ كَفَّهُ الْيُمْنٰى عَلٰى

رُكْبَتِهِ الْيُمْنٰى وَكَفَّهُ الْيُسْرٰى عَلٰى رُكْبَتِهِ الْيُسْرٰى وَأَشَارَ بِإِصْبَعِهٖ يَعْنِى السَّبَّابَةَ وَفِىْ أُخْرٰى لَهٗ وَإِذَا قَعَدَ فِى الرَّكْعَتَيْنِ قَعَدَ عَلٰى بَطْنِ قَدَمِهِ الْيُسْرٰى وَنَصَبَ الْيُمْنٰى وَإِذَا كَانَ فِى الرَّابِعَةِ أَفْضٰى بِوَرِكِهِ الْيُسْرٰى إِلَى الْأَرْضِ وَأَخْرَجَ قَدَمَيْهِ مِنْ نَاحِيَةٍ وَاحِدَةٍ۔[1]

ترجمہ: حضرت ابوحمید ساعدی رضی اللہ عنہ کے بارے میں مروی ہے کہ انہوں نے آقائے نامدار ﷺ کے دس صحابہ کی جماعت سے کہا کہ میں رسول خدا ﷺ کی نماز (کے طریقہ) کوتم سے زیادہ اچھی طرح جانتا ہوں صحابہ کی جماعت نے کہا کہ اچھا بیان کیجئے۔ ''انہوں نے فرمایا کہ آنحضرت ﷺ جب نماز کے لئے کھڑے ہوتے تو اپنے دونوں ہاتھوں کو اٹھا کر مونڈھوں کے برابر لے جاتے اور تکبیر کہتے پھر قرأت کرتے۔ اس کے بعد تکبیر کہہ کر اپنے دونوں ہاتھ مونڈھوں تک اٹھاتے اور رکوع میں جا کر دونوں ہتھیلیاں اپنے گھٹنوں پر رکھتے اور کمر کو سیدھا کر لیتے اور سر کو نہ نیچا کرتے تھے اور نہ بلند کرتے تھے (یعنی پیٹھ اور سر برابر رکھتے تھے) پھر سر اٹھاتے وقت سمع اللہ لمن حمدہ کہتے اور دونوں ہاتھ مونڈھوں تک اٹھاتے اور سیدھے کھڑے ہو جاتے۔ پھر تکبیر کہتے ہوئے زمین کی طرف جھکتے اور سجدہ کرتے اور (سجدہ میں) اپنے دونوں ہاتھ اپنے دونوں پہلوؤں سے الگ رکھتے تھے اور اپنے پیروں کی انگلیوں کو موڑ کر (ان کے رخ قبلہ کی طرف) رکھتے تھے پھر سجدہ سے سر اٹھاتے اور بایاں پیر موڑ کر (یعنی بچھا کر) اس پر سیدھے بیٹھ جاتے یہاں تک کہ ہر عضو اپنی جگہ پر برابر آ جاتا تھا۔ پھر تکبیر کہتے ہوئے (دوسرے) سجدہ میں چلے جاتے اور پھر اللہ اکبر کہتے ہوئے (سجدہ سے) اٹھتے اور بایاں پیر موڑ کر اس پر اطمینان سے بیٹھتے (یعنی جلسۂ استراحت کرتے) یہاں تک کہ بدن کا ہر عضو اپنی جگہ پر آ جاتا تھا پھر دوسری رکعت میں بھی (سوائے ابتداء رکعت میں سبحانک اللھم اور اعوذ باللہ پڑھنے کے) اسی طرح کرتے تھے۔ اور جب دو رکعت پڑھتے (یعنی تشہد) کے بعد کھڑے ہوتے تو اللہ اکبر کہتے ہوئے دونوں ہاتھوں کو مونڈھوں تک اٹھاتے۔ جیسے کہ نماز کو شروع کرنے کے وقت تکبیر کہتے تھے پھر باقی نماز اسی طرح پڑھتے تھے اور جب وہ سجدہ (یعنی آخری رکعت کا دوسرا سجدہ) کر چکتے جس کے بعد سلام پھیرا جاتا ہے تو اپنا بایاں پیر باہر نکالتے اور بائیں طرف کولھے پر بیٹھ جاتے اور پھر (تشہد وغیرہ پڑھنے کے بعد) سلام پھیر لیتے تھے۔ (یہ سن کر) وہ صحابہ بولے کہ ''بیشک تم نے سچ کہا آنحضرت ﷺ اسی طرح نماز پڑھتے تھے۔'' (ابوداود، دارمی)

ترمذی اور ابن ماجہ نے اس روایت کو بالمعنی نقل کیا ہے اور ترمذی نے کہا ہے کہ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

ابوداود کی ایک راویت میں جو ابوحمید سے مروی ہے۔ یہ الفاظ ہیں ''پھر رکوع میں جا کر دونوں ہاتھ زانوں پر اس طرح رکھے جیسے انہیں مضبوطی سے پکڑے ہوں اور اپنے ہاتھوں کو (کمان کے) چلہ کی طرح رکھا اور کہنیوں کو اپنے دونوں پہلوؤں سے دور رکھا (گویا کہ) کہنیاں چلہ کی مشابہ تھیں اور پہلو کمان کے مشابہ)'' اور راوی کہتے ہیں کہ ''پھر سجدہ میں گئے تو اپنی ناک اور پیشانی کو زمین پر رکھا اور ہاتھوں کو پہلوؤں سے جدا رکھا اور دونوں ہاتھوں کو مونڈھوں کی سیدھ میں اور دونوں رانوں کو کشادہ رکھا اور اپنے

[1] اخرجه ابوداؤد: ۷۳۰ والدارمی: ۱۳۶۳ والترمذی: ۳۰۴ ابن ماجه: ۸۰۳، ۸۶۲، ۱۰۶۱

پیٹ کو دونوں سے الگ رکھا یہاں تک کہ سجدہ سے فارغ ہوئے اور پھر اس طرح بیٹھے کہ بایاں پیر تو بچھالیا اور داہنے پیر کی پشت قبلہ کی طرف کی اور داہنا ہاتھ دائیں گھٹنے پر اور بایاں ہاتھ بائیں گھٹنے پر رکھ لیا اور (اشہد ان لا الہ الا اللہ کہنے کے وقت) اپنی انگلی یعنی سبابہ سے اشارہ کیا۔"

اور ابوداؤد ہی کی ایک دوسری روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ "جب دو رکعتیں پڑھ کر بیٹھتے تو بائیں پیر کے تلوے پر بیٹھتے اور دائیں پیر کو کھڑا کر لیتے تھے اور جب چوتھی رکعت پڑھ کر بیٹھتے تو بائیں کولھے کو زمین سے ملاتے اور دونوں پاؤں کو ایک طرف نکال دیتے تھے۔"

توضیح: **"انا اعلمکم"** ممکن ہے کہ حضرت ابوحمید الساعدی رضی اللہ عنہ ان موجودہ دس صحابہ سے عمر میں بڑے ہوں اس لئے فرمایا کہ میں تم سے زیادہ جاننے والا ہوں۔[1]

شیخ عبدالحق رحمۃ اللہ علیہ نے اشعۃ اللمعات میں اس مقام پر لکھا ہے کہ اگر کوئی شخص اپنے آپ کو زیادہ عالم کہتا ہے اور وہ فخر و تکبر کے لئے نہیں بلکہ اظہار حقیقت کے لئے ایسا کہتا ہے تو یہ جائز ہے ہاں اگر کوئی شخص تکبر اور بڑائی جتلانے کے لئے نفسانی اغراض کے تحت اپنے آپ کو بڑا عالم کہتا ہے تو یہ ناجائز ہے۔[2]

"ثم یکبر" یہ جملہ اس پر دلالت کرتا ہے کہ تکبیر تحریمہ میں پہلے ہاتھ اٹھائے جاتے ہیں اور جب ہاتھ کانوں کے برابر ہو جائیں تو پھر اللہ اکبر کہنا چاہئے فقہاء احناف میں سے صاحب ہدایہ وغیرہ اکثر فقہاء کی یہی رائے ہے البتہ امام ابویوسف اور امام طحاوی رحمہما اللہ تعالیٰ کے ہاں مقارنت بہتر ہے یعنی جس وقت ہاتھ اٹھائے اسی وقت سے اللہ اکبر بھی شروع کردے۔

"یصبی" باب تفعیل سے ہے سر کو نیچے کرنے کے معنی میں ہے یہاں رکوع میں سر زیادہ نیچے لیجانے کو کہا گیا ہے

"ولا یقنع" باب افعال سے ہے رکوع میں سر کو زیادہ بلند کرنے کو کہتے ہیں اور اس سے منع کیا گیا ہے۔

"یثنی" ثنی یثنی موڑنے کے معنی میں ہے قعدہ میں بیٹھنے کے لئے پاؤں کو موڑ کر اس پر بیٹھنے کی کیفیت کو بتایا گیا ہے۔

"ووتر یدیه" توتیر باب تفعیل سے ہے کمان پر چلہ چڑھانے کو کہتے ہیں۔

"فنحاهما" ان الفاظ سے اس کی تفسیر مقصود ہے یعنی جس طرح کمان پر جب چلہ چڑھایا جائے اس وقت کمان کے دونوں جانب الگ ہوتے ہیں اسی طرح یہاں ہاتھ پہلو سے الگ ہوتے تھے۔

"فامکن انفه وجبهته" معلوم ہوا کہ سجدہ صحیح ہونے کے لئے ضروری ہے کہ ناک اور پیشانی دونوں کو زمین پر خوب جما کر رکھ لیا جائے تمام احادیث سے یہی معلوم ہو رہا ہے۔

اگر کسی مجبوری اور عذر کی وجہ سے ان دونوں میں سے کسی ایک کے ساتھ سجدہ کیا تو بلا کراہت جائز ہے لیکن اگر بغیر کسی

[1] المرقات: ۲/۵۱۱ [2] اشعة اللمعات: ۳۸۵

عذر اور مجبوری کے کسی نے ایک عضو پر سجدہ کیا تو اس میں یہ تفصیل ہے کہ اگر صرف پیشانی رکھ کر سجدہ کیا ناک نہیں رکھی تو یہ مکروہ ہے البتہ سجدہ ہو گیا نماز ہوگئی اور اگر پیشانی نہیں رکھی صرف ناک رکھ کر سجدہ کیا تو امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک اس صورت میں بھی کراہت کے ساتھ سجدہ ہو گیا نماز صحیح ہوئی لیکن امام ابویوسف اور امام محمد رحمہما اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس صورت میں سجدہ صحیح نہیں ہے اس لئے نماز فاسد ہوگئی احناف کا فتویٰ اسی پر ہے۔

﴿۱۳﴾ وعن وَائِلِ بْنِ حُجْرٍ أَنَّهُ أَبْصَرَ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حِيْنَ قَامَ إِلَى الصَّلَاةِ رَفَعَ يَدَيْهِ حَتّٰى كَانَتَا بِحِيَالِ مَنْكِبَيْهِ وَحَاذَى إِبْهَامَيْهِ أُذُنَيْهِ ثُمَّ كَبَّرَ.

(رَوَاهُ أَبُوْدَاوُدَ وَفِيْ رِوَايَةٍ لَهُ يَرْفَعُ إِبْهَامَيْهِ إِلَى شَحْمَةِ أُذُنَيْهِ)[1]

ترجمہ: اور حضرت وائل ابن حجر رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ انہوں نے آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ جب آپ نماز پڑھنے کھڑے ہوئے تو اپنے دونوں ہاتھ اتنے اٹھائے کہ مونڈھوں کے برابر پہنچ گئے اور دونوں انگوٹھوں کو کانوں تک لے گئے پھر تکبیر کہی۔" (ابوداؤد)

اور ابوداؤد ہی کی ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ "آپ انگوٹھوں کو کانوں کی لو تک اٹھاتے تھے۔"[2]

﴿۱۴﴾ وعن قَبِيْصَةَ بْنِ هُلْبٍ عَنْ أَبِيْهِ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَؤُمُّنَا فَيَأْخُذُ شِمَالَهُ بِيَمِيْنِهِ. (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَابْنُ مَاجَه)[3]

ترجمہ: حضرت قبیصہ ابن ہلب رحمہ اللہ اپنے والد مکرم سے نقل کرتے ہیں کہ آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم ہم لوگوں کو نماز پڑھاتے تو (قیام میں) اپنے داہنے ہاتھ سے بائیں ہاتھ کو پکڑتے تھے۔" (ترمذی، ابن ماجہ)

تعدیل ارکان کی تعلیم

﴿۱۵﴾ وعن رِفَاعَةَ بْنِ رَافِعٍ قَالَ جَاءَ رَجُلٌ فَصَلّٰى فِي الْمَسْجِدِ ثُمَّ جَاءَ فَسَلَّمَ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَعِدْ صَلَاتَكَ فَإِنَّكَ لَمْ تُصَلِّ فَقَالَ عَلِّمْنِيْ يَا رَسُوْلَ اللهِ كَيْفَ أُصَلِّيْ قَالَ إِذَا تَوَجَّهْتَ إِلَى الْقِبْلَةِ فَكَبِّرْ ثُمَّ اقْرَأْ بِأُمِّ الْقُرْآنِ وَمَا شَاءَ اللهُ أَنْ تَقْرَأَ فَإِذَا رَكَعْتَ فَاجْعَلْ رَاحَتَيْكَ عَلَى رُكْبَتَيْكَ وَمَكِّنْ رُكُوْعَكَ وَامْدُدْ ظَهْرَكَ فَإِذَا رَفَعْتَ فَأَقِمْ صُلْبَكَ وَارْفَعْ رَأْسَكَ حَتّٰى تَرْجِعَ الْعِظَامُ إِلَى مَفَاصِلِهَا فَإِذَا سَجَدْتَ فَمَكِّنْ لِلسُّجُوْدِ فَإِذَا رَفَعْتَ

[1] اخرجه ابوداؤد: ۷۲۴ [2] اخرجه ابوداؤد: ۷۲۵ [3] اخرجه الترمذی: ۲۵۲، ۳۰۸، ۲ وابن ماجه: ۸۰۹، ۸۲۹

فَاجْلِسْ عَلٰى فَخِذِكَ الْيُسْرٰى ثُمَّ اصْنَعْ ذٰلِكَ فِىْ كُلِّ رَكْعَةٍ وَسَجْدَةٍ حَتّٰى تَطْمَئِنَّ.

(هٰذَا لَفْظُ الْمَصَابِيْحِ وَرَوَاهُ أَبُوْدَاوُدَ مَعَ تَغْيِيْرٍ يَسِيْرٍ وَرَوَى التِّرْمِذِيُّ وَالنَّسَائِيُّ مَعْنَاهُ وَفِىْ رِوَايَةٍ لِلتِّرْمِذِيِّ قَالَ إِذَا قُمْتَ إِلَى الصَّلٰوةِ فَتَوَضَّأْ كَمَا أَمَرَكَ اللّٰهُ بِهٖ ثُمَّ تَشَهَّدْ فَأَقِمْ فَإِنْ كَانَ مَعَكَ قُرْاٰنٌ فَاقْرَأْ وَإِلَّا فَاحْمَدِ اللّٰهَ وَكَبِّرْهُ وَهَلِّلْهُ ثُمَّ ارْكَعْ) [1]

ترجمہ: اور حضرت رفاعہ بن رافع رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ "ایک شخص مسجد میں آیا اور نماز پڑھی، پھر آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر سلام عرض کیا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے (سلام کا جواب دے کر) فرمایا کہ: "اپنی نماز دوبارہ پڑھو کیونکہ تم نے نماز نہیں پڑھی۔" اس شخص نے عرض کیا "یا رسول اللہ! آپ مجھے نماز پڑھنے کا طریقہ بتا دیجئے کہ نماز کس طرح پڑھوں؟" آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "جب تم قبلہ کی طرف متوجہ ہو تو اللہ اکبر (یعنی تکبیر تحریمہ) کہو پھر سورۂ فاتحہ اور جو کچھ خدا چاہے پڑھو (یعنی سورۃ فاتحہ کے ساتھ جو سورۃ چاہو پڑھو اور جب تم رکوع میں جاؤ تو اپنے دونوں ہاتھوں کو اپنے زانوؤں پر رکھو رکوع میں (اطمینان سے) قائم رہو اور اپنی پشت کو ہموار رکھو اور جب تم (رکوع سے) سر اٹھاؤ تو اپنی پشت کو سیدھا کرو اور سر اٹھاؤ (یعنی بالکل سیدھے کھڑے ہو جاؤ) یہاں تک کہ تمام ہڈیاں اپنی اپنی جگہ آ جائیں اور جب سجدہ کرو تو اچھی طرح سجدہ کرو اور جب تم سجدہ سے سر اٹھاؤ تو اپنے بائیں ران پر بیٹھ جاؤ پھر اسی طرح ہر ایک رکوع سجدہ میں کرو، یہاں تک کہ رکوع، سجود، قومہ اور جلسہ (گویا ہر ایک رکن کی صحیح ادائیگی) پر تمہیں اطمینان ہو جائے۔

حدیث کے یہ الفاظ مصابیح کے ہیں اور ابوداؤد نے اسے تھوڑے سے تغیر و تبدل کے ساتھ نقل کیا ہے نیز ترمذی اور نسائی نے بھی اس روایت کو بالمعنی نقل کیا ہے اور ترمذی کی ایک روایت میں یہ الفاظ بھی ہیں کہ "جب تم نماز پڑھنے کا ارادہ کرو تو اس طرح وضو کرو جیسا کہ خدا نے تمہیں حکم دیا ہے پھر کلمۂ شہادت پڑھو (جیسا کہ وارد ہے کہ وضو کے بعد کلمۂ شہادت پڑھنا بڑی فضیلت کی بات ہے یا یہ کہ کلمۂ شہادت سے مراد اذان ہے) پھر اچھی طرح نماز ادا کرو (یا قم کا مطلب یہ ہے کہ تکبیر کہو) اور قرآن میں سے جو کچھ تمہیں یاد ہو اس کو پڑھو اور کچھ یاد نہ ہو تو الحمد للہ، اللہ اکبر اور لا الہ الا اللہ کہو۔ پھر رکوع کرو۔"

ملاحظہ:

ان تمام احادیث کی تشریح و توضیح مکمل طور پر ہو چکی ہے یہاں دوبارہ ذکر کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔

ایک سلام سے دو دو نفل پڑھنا افضل ہے یا چار چار؟

﴿۱۶﴾ وَعَنِ الْفَضْلِ بْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الصَّلٰوةُ مَثْنٰى مَثْنٰى تَشَهُّدٌ فِىْ كُلِّ رَكْعَتَيْنِ وَتَخَشُّعٌ وَتَضَرُّعٌ وَتَمَسْكُنٌ ثُمَّ تُقْنِعُ يَدَيْكَ يَقُوْلُ تَرْفَعُهُمَا إِلٰى رَبِّكَ

[1] اخرجه النسائی: ۲/۲۲۵ والترمذی: ۳۰۲

مُسْتَقْبِلاً بِبُطُوْنِهِمَا وَجْهَكَ وَتَقُوْلُ يَارَبِّ يَارَبِّ وَمَنْ لَمْ يَفْعَلْ ذٰلِكَ فَهُوَ كَذَا وَكَذَا وَفِيْ رِوَايَةٍ فَهُوَ خِدَاجٌ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ)[1]

ترجمہ: اور حضرت فضل بن عباس رضی اللہ عنہما راوی ہیں کہ آقائے نامدار ﷺ نے فرمایا۔ ''(نفل) نماز دو دو رکعت ہے اور ہر دو رکعت میں التحیات ہے اور (نماز کی روح) خشوع، عاجزی اور اظہار غریبی ہے پھر (نماز پڑھنے کے بعد) اپنے پروردگار کی طرف دونوں ہاتھ اٹھاؤ'' (حضرت فضل کہتے ہیں کہ تم تقنع یدیک سے آنحضرت کی مراد یہ تھی کہ نماز پڑھنے کے بعد تم) اپنے پروردگار کی طرف اپنے ہاتھوں کو اس طرح اٹھاؤ کہ ہاتھوں کی دونوں ہتھیلیاں منہ کی جانب ہوں (جو دعا کا طریقہ ہے) اور یہ کہو کہ ''اے میرے رب! اے میرے رب!'' اور جو شخص ایسا نہ کرے (یعنی مذکورہ بالا طریقہ پر عمل نہ کرے اور دعا نہ مانگے) تو اس کی نماز ایسی ہے، ویسی ہے (یعنی ناقص ہے) اور ایک روایت کے الفاظ یہ ہیں کہ ''اس کی نماز ناقص ہے۔'' (ترمذی)

توضیح: "الصلوٰۃ مثنٰی مثنٰی"[2] یعنی نفل نماز دو دو رکعت ہے اس پر سب کا اتفاق ہے کہ نفل نماز دو دو رکعت ایک سلام کے ساتھ بھی جائز ہے اور چار رکعت بھی جائز ہے ہاں افضل غیر افضل میں اختلاف ہوا ہے۔

فقہاء کا اختلاف:

امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ دن ہو یا رات ہو نفل دو دو رکعت پڑھنا مطلقاً افضل ہے۔

صاحبین کے نزدیک دن میں چار چار اور رات کو دو دو نفل پڑھنا افضل ہے امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک مطلقاً چار نفل پڑھنا افضل ہے۔

دلائل:

امام شافعی رحمہ اللہ نے زیر بحث فضل بن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت سے اور ہر اس حدیث سے استدلال کیا ہے جس میں مثنٰی مثنٰی کا ذکر آیا ہے۔

صاحبین نے رات میں دو دو نفل پڑھنے کی افضلیت کو تراویح کی نماز پر قیاس کیا ہے اور دن کی افضلیت کے لئے وہی دلیل دی ہے جو امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی دلیل ہے جو ابھی آرہی ہے امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے چار چار رکعت کی افضلیت پر حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی روایت سے استدلال کیا ہے وہ فرماتی ہیں کہ حضور اکرم ﷺ نے عشاء کے بعد چار رکعت نفل پڑھنے پر مواظبت اور دوام فرمایا ہے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی بخاری شریف کی ایک حدیث اس طرح ہے فرماتی ہیں۔

"ماکان رسول الله ﷺ یزید فی رمضان ولافی غیرہ علی احدی عشرۃ رکعۃ یصلی

[1] اخرجہ الترمذی: ۳۸۵ [2] المرقات: ۲/۵۲۱

اربعافلاتسأل عن حسنهن وطولهن ثم یصلی اربعا فلا تسأل عن حسنهن وطولهن ثم یصلی ثلاثا الخ"۔ (بخاری ج۱ص ۱۵۴)

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے ایک عقلی دلیل سے بھی استدلال کیا ہے وہ اسطرح کہ ہر وہ عبادت افضل ہے جس میں مشقت زیادہ ہو اور ایک تحریمہ کو دائمی رکھ کر چار رکعات پڑھنے میں مشقت زیادہ ہے اس لئے یہ افضل ہے۔

جواب: چونکہ یہ سب جائز عمل ہے صرف افضلیت میں اختلاف ہے لہٰذا جواب کی ضرورت نہیں ہے تاہم علماء احناف فرماتے ہیں کہ "مثنی مثنی" کی جو حدیث ہے اس میں حضور اکرم ﷺ نے نماز کی ادنی رکعات کا ذکر فرمایا ہے افضلیت کی بات نہیں ہے مطلب یہ کہ دو دو رکعات سے کم نماز جائز نہیں ہے۔

صاحبین کو جواب یہ ہے کہ تراویح چونکہ زیادہ ہیں اس لئے وہاں سہولت دیدی گئی ہے اور دو دو رکعات پر عمل کیا گیا ہے۔

نماز کے بعد دعا مانگنی چاہئے

اس حدیث میں بہت ہی اہتمام کے ساتھ نماز کے بعد دعا مانگنے کی ترغیب دی گئی ہے اس کو ذکر کرنے سے پہلے اس حدیث میں چند مشکل الفاظ ہیں اس کی تشریح ضروری ہے۔

"تخشع" باب تفعل کا مصدر ہے مرفوع ہے عاجزی کے معنی میں ہے۔[1]

"تشھد" یہ بھی باب تفعل سے مصدر کا صیغہ ہے مرفوع ہے اور مثنیٰ مثنیٰ کے بعد خبر ثانی ہے یعنی ہر دو رکعت میں ایک تشہد ضروری ہے۔

"تخشع" یہ بھی باب تفعل کا مصدر ہے مرفوع ہے عاجزی کے معنی میں ہے مگر اس عاجزی کا تعلق باطن سے ہے کہ دل میں کسی قسم کا وسوسہ نہ آئے یہ کیفیت نماز اور غیر نماز سب جگہ مطلوب ہے۔

"وتضرع" یہ بھی باب تفعل سے مصدر کا صیغہ ہے کثرت سے دعا مانگنے اور سوال کرنے اور اس میں گڑگڑانے کو کہتے ہیں اس کا تعلق ظاہری جسم سے ہے۔

"وتمسکن" یہ بھی باب تفعل سے مصدر کا صیغہ ہے ذلت وخواری اور افتقار واحتقار کے اظہار کے معنی میں ہے یہ سب الفاظ ترکیب میں مرفوع واقع ہیں۔

"ثم تقنع یدیك" باب افعال سے مخاطب کا صیغہ ہے اقناع اٹھانے کے معنی میں آتا ہے یہاں دعا میں ہاتھ اٹھانا مقصود ہے۔

"یقول" یہ کلام ابن عباس کا ہے حضور اکرم ﷺ کے کلام کی تفسیر بیان فرماتے ہیں یعنی حضور اکرم ﷺ فرماتے ہیں کہ تم دعا میں دونوں ہاتھ اٹھاؤ اور اللہ تعالیٰ کے سامنے اس طرح کی کیفیت بناؤ کہ ہاتھوں کی ہتھیلیاں تمہارے چہرہ کی طرف ہوں اور ہاتھ اٹھے ہوئے ہوں۔[2]

---

[1] المرقات: ۲/۵۲۱ [2] المرقات: ۲/۵۲۲

"وتقول یارب" یہ مرفوع حدیث کا حصہ ہے یعنی حضور اکرم ﷺ فرماتے ہیں کہ تم دعا میں اس طرح کہو۔
"کذا و کذا" یعنی جس نے نماز کے بعد دعا نہ مانگی تو ان کی نماز ناقص ہوگی اسی مطلب کے لئے دوسری روایت میں خداج کا لفظ آیا ہے جو نقص ونقصان کے معنی میں ہے جس سے معلوم ہوا کہ فاتحہ کے نہ پڑھنے سے نماز میں نقص آتا ہے نماز باطل نہیں ہوتی سوچنے والوں کو سوچنا چاہئے کیا دعا نہ مانگنے سے نماز باطل ہوگئی؟ نہیں بلکہ نقصان آیا۔
شیخ عبدالحق ؒ فرماتے ہیں کہ "دل الحدیث علی استحباب الدعا بعد الصلوٰۃ" کہ حدیث سے نماز کے بعد دعا کا مستحب ہونا ثابت ہوتا ہے۔

فرائض کے بعد دعا کا ثبوت

آج سے کچھ عرصہ قبل سنتوں کے بعد اجتماعی دعا مانگنے یا نہ مانگنے پر سخت اختلافات ہو چکے ہیں مگر آخر کار اہل بدعت حضرات نے مسلمانوں کے عام ماحول کو دیکھ کر خاموشی اور دست برداری پر عمل کیا لیکن اب ایک اور مسئلہ کھڑا ہو گیا وہ یہ کہ آیا فرائض کے بعد بھی اجتماعی دعا ثابت ہے یا نہیں جمہور عجم فرائض کے بعد ہاتھ اٹھانے کو ضروری سمجھتے ہیں اور خود ہاتھ اٹھا کر دعا مانگتے ہیں لیکن جزیرۂ عرب کے عرب مسلمان فرائض کے بعد بھی دعا کیلئے ہاتھ نہیں اٹھاتے ہیں اب ان کو دیکھ کر عجم کے علماء بھی خال خال ان کے نقش قدم پر چلنے کی کوشش کرتے ہیں۔ مفتی ہند مفتی کفایت اللہ صاحب ؒ نے فرائض اور سنت کے بعد دعا مانگنے یا نہ مانگنے سے متعلق "النفائس المرغوبۃ فی حکم الدعا بعد المکتوبۃ" کے نام سے ایک کتاب لکھی ہے جو درحقیقت ایک فتویٰ ہے جس پر دنیا کے مختلف ملکوں کے ایک سو علماء کے دستخط ہیں اس کتاب میں حضرت مفتی صاحب نے فرائض کے بعد اجتماعی دعا کے ثبوت سے متعلق ایک طویل کلام کیا ہے جو ایک عمیق تحقیق ہے کتاب کی فصل اول سے حضرت مفتی صاحب نے دلائل کے ساتھ سنتوں کے بعد اجتماعی دعا کی نفی فرمائی ہے۔ اور پھر فصل دوم سے فرائض کے بعد دعا مانگنے کے ثبوت پر گیارہ احادیث کا ذکر فرمایا ہے اور پھر مختلف علماء سے جواز وعدم جواز کے متعلق فتویٰ مانگا ہے جس کے جواب میں دنیا کے مختلف علماء نے جواب دیا ہے ان تمام جوابات کی عبارت قریب قریب اس طرح ہے۔
فرائض کے متصل ہی دعا مانگنا سنت کے موافق ہے اس کا ثبوت احادیث شریف میں موجود ہے لیکن بعد سنن ونوافل کے خاص التزام کے ساتھ دعا مانگنا اس کا ثبوت حدیث شریف اور فقہ کی کسی کتاب میں نہیں ہے بلکہ یہ التزام بدعت ہے اس کو ترک کرنا ضروری ہے۔ (نفائس مرغوبہ ص ۲۱)
حضرت مفتی صاحب ؒ نے جن احادیث سے استدلال کیا ہے اس میں بیشک واضح طور پر فرائض کے بعد دعا مانگنے کا ذکر ہے لیکن پوچھنے والے یہ سوال کرتے ہیں کہ ہاتھ اٹھا کر اجتماعی طور پر دعا مانگنے کا ذکر و ثبوت کسی حدیث میں نہیں ہے اور اسی وجہ

سے اہل حدیث اور حرمین کے علماء کرام اور جزیرہ عرب کے علماء اور عجم کے بہت قلیل بعض علماء فرائض کے بعد ہاتھ اٹھانے اور اجتماعی دعا مانگنے کو صحیح نہیں سمجھتے ہیں لیکن فرائض کے بعد دعا کے قائلین حضرات ان کو چند جوابات دیتے ہیں۔

❶ ہاتھ اٹھانا دعا کے آداب میں سے ہے جب دعا کا ثبوت ہے تو رفع یدین کا ثبوت خود بخود ہو گیا۔

❷ حضور اکرم ﷺ نے نوافل کے بعد جب دعا مانگی ہے تو اس میں ہاتھ اٹھائے ہیں فقہاء کرام نے اس عمل کو فرائض کے ساتھ ملحق کر کے اس پر عمل شروع کر دیا۔ فیض الباری شرح بخاری میں شاہ انور شاہ کاشمیری رحمۃ اللہ علیہ نے اس پر عمیق تحقیق اور طویل کلام کیا ہے۔

❸ مذاہب اربعہ کے علماء نے اس دعا کو مستحب قرار دیکر ایک طویل عرصہ تک اس پر عمل کیا ہے لہٰذا آج کل کے اختلافات کا اعتبار نہیں ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

❹ زیر بحث حدیث واضح طور پر عاجزی کے ساتھ ہاتھ اٹھا کر گڑگڑا کر دعا مانگنے کی ترغیب دے رہی ہے حدیث میں اگرچہ ایک اور احتمال بھی ہے تاہم اس کا واضح مطلب یہی ہے کہ یہ معاملہ نماز پڑھنے کے بعد دعا مانگنے کا ہے اسی لئے شیخ عبدالحق رحمۃ اللہ علیہ نے لمعات میں فرائض کے بعد اجتماعی دعا مانگنے کو مستحب لکھا ہے۔

"خداج" یعنی جو اس طرح دعا نہیں مانگتا تو اس کی نماز ناقص رہے گی یہاں خداج کے اس لفظ سے نقصان ہی مراد ہے ایک حدیث میں فاتحہ خلف الامام کے چھوڑنے کے لئے بھی خداج کا لفظ استعمال کیا گیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ فاتحہ کا پڑھنا فرض نہیں بلکہ واجب ہے ورنہ خداج کا لفظ استعمال نہ ہوتا بلکہ باطل کا لفظ آجاتا۔

الفصل الثالث

امام کو بلند آواز سے تکبیرات کہنا چاہئے

﴿۱۷﴾ عن سَعِيْدِ بْنِ الْحَارِثِ بْنِ الْمُعَلّٰى قَالَ صَلّٰى لَنَا أَبُوْ سَعِيْدٍ الْخُدْرِيُّ فَجَهَرَ بِالتَّكْبِيْرِ حِيْنَ رَفَعَ رَأْسَهُ مِنَ السُّجُوْدِ وَحِيْنَ سَجَدَ وَحِيْنَ رَفَعَ مِنَ الرَّكْعَتَيْنِ وَقَالَ هٰكَذَا رَأَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔ (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)[1]

ترجمہ: اور حضرت سعید ابن حارث ابن معلّٰی کہتے ہیں کہ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ نے ہمیں نماز پڑھائی چنانچہ جب انھوں نے سجدہ سے اپنا سر اٹھایا اور جب سجدہ میں گئے نیز جب دو رکعتیں پڑھ کر اٹھے بلند آواز سے اللہ اکبر کہا اور فرمایا کہ میں نے آقائے نامدار ﷺ کو اسی طرح (بآواز بلند تکبیرات کہتے) دیکھا ہے۔" (بخاری)

توضیح: "حین رفع رأسه" ان تین مقامات میں بلند آواز سے تکبیرات کا ذکر اس وجہ سے کیا ہے کہ بحث اسی

[1] اخرجه البخاری: ۱/۲۰۹

میں چل پڑی تھی یا اس لئے کہ لوگوں نے انہی مقامات میں سستی کی وجہ سے تکبیرات کہنی چھوڑ دیں تھیں یا اس لئے کہ ان تین کا ذکر بطور نمونہ کیا اور باقی تکبیرات کو اس پر قیاس کیا گیا۔[1]

شیخ عبدالحق رحمۃ اللہ علیہ نے لمعات میں لکھا ہے کہ بنو مروان کے دور میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نماز پڑھاتے تھے ایک دفعہ آپ بیمار ہو گئے تو نماز حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ نے پڑھائی اور ان تین مقامات میں بلند آواز سے تکبیر کہدی جب نماز سے فارغ ہو گئے تو کسی نے کہا کہ لوگوں کو آپ کی نماز نئی لگی ہے آپ منبر پر کھڑے ہوئے اور فرمایا کہ قسم بخدا مجھے اس کی کوئی پرواہ نہیں کہ آپ میری نماز میں مجھ سے اختلاف کریں یا نہ کریں میں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا وہ اسی طرح نماز پڑھایا کرتے تھے۔ شیخ نے لمعات میں یہ بھی لکھا ہے کہ مروان اور اس کے پیروکار نماز میں بلند آواز کے بجائے آہستہ تکبیرات پڑھتے تھے اسی وجہ سے حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کا حوالہ دیا کہ امام کو چاہئے کہ وہ لوگوں کو نہ دیکھے بلکہ مسنون طریقہ کو اپنائے اور بلند آواز سے تکبیرات کہہ دیا کرے۔

بلا سوچے بڑوں پر اعتراض نہیں کرنا چاہئے

﴿۱۸﴾ وعن عِكْرِمَةَ قَالَ صَلَّيْتُ خَلْفَ شَيْخٍ بِمَكَّةَ فَكَبَّرَ ثِنْتَيْنِ وَعِشْرِيْنَ تَكْبِيْرَةً فَقُلْتُ لِابْنِ عَبَّاسٍ إِنَّهُ أَحْمَقُ فَقَالَ ثَكِلَتْكَ أُمُّكَ سُنَّةُ أَبِي الْقَاسِمِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔ (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)[2]

ترجمہ: اور حضرت عکرمہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے مکہ میں ایک بوڑھے شخص (یعنی حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ) کے پیچھے نماز پڑھی انھوں نے نماز میں بائیس (مرتبہ) تکبیرات کہیں چنانچہ میں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے کہا کہ (معلوم ایسا ہوتا ہے کہ) یہ شخص احمق ہے (جو اتنی زیادہ تکبیریں کہتا ہے) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا "تیری ماں تجھے روئے یہ طریقہ تو حضرت ابوالقاسم محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے۔"

توضیح: "عکرمہ" یہ عکرمہ تابعی تھے اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے شاگرد تھے ان کی بے جا جرأت کو دیکھ لو کہ صحابی رسول پر کس طرح بے دھڑک غلط اعتراض کر دیتا ہے علم اپنے پاس نہیں اور اعتراض علم والوں پر کرتا ہے یہ کلام حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے دفاع و محبت میں لکھ رہا ہوں ورنہ میرے لئے تو حضرت عکرمہ رحمۃ اللہ علیہ بھی سر کے تاج ہیں۔

(مؤلف)[3]

چار رکعتوں میں بائیس تکبیرات ہوتی ہیں

"سنۃ القاسم" شارحین لکھتے ہیں کہ مروان کے دور حکومت میں انھوں نے نماز میں تکبیرات آہستہ کہنی شروع کر دی تھیں۔ حضرت عکرمہ رحمۃ اللہ علیہ اسی غلطی کا شکار ہوئے تھے لہٰذا جب آپ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو بلند آواز سے تکبیرات کہتے ہوئے سنا تو سخت تعجب میں پڑ گئے اور اعتراض کیا۔ آپ کے استاذ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے ان کو خوب ڈانٹا اور فرمایا کہ

[1] المرقات: ۲/۵۲۳ [2] اخرجه البخاري: ۱/۱۹۹ [3] المرقات: ۲/۵۲۳

تکبیرات حضور اکرم ﷺ کی سنت ہیں اس حدیث کا پس منظر اور اس سے قبل حدیث کا پس منظر ایک جیسا ہے کہ اس وقت تکبیرات میں حکومت [1] کی طرف سے کچھ فرق آ گیا تھا اس لئے عام لوگوں کو التباس ہونے لگا تھا۔

﴿۱۹﴾ وعن عَلِيِّ بْنِ الْحُسَيْنِ مُرْسَلاً قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُكَبِّرُ فِي الصَّلَاةِ كُلَّمَا خَفَضَ وَرَفَعَ فَلَمْ تَزَلْ تِلْكَ صَلَاتُهُ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَتّٰى لَقِيَ اللهَ۔ [2] (رَوَاهُ مَالِكٌ)

ترجمہ: اور حضرت علی بن حسین بطریق مرسل روایت فرماتے ہیں کہ آقائے نامدار ﷺ نماز میں جب جھکتے (یعنی) رکوع وسجدہ میں جاتے اور جب (قومہ، جلسہ اور قیام کے وقت) اٹھتے تو تکبیر کہتے۔ آپ ﷺ ہمیشہ اسی طرح نماز پڑھتے رہے یہاں تک کہ آپ نے اللہ تبارک وتعالیٰ سے ملاقات فرمائی (یعنی وفات پائی)۔ (مالک)

رفع یدین صرف تکبیر تحریمہ کے وقت ہے

﴿۲۰﴾ وعن عَلْقَمَةَ قَالَ قَالَ لَنَا ابْنُ مَسْعُوْدٍ أَلَا أُصَلِّيْ بِكُمْ صَلَاةَ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَصَلّٰى وَلَمْ يَرْفَعْ يَدَيْهِ إِلَّا مَرَّةً وَاحِدَةً مَعَ تَكْبِيْرِ الْافْتِتَاحِ۔

(رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَأَبُوْدَاوُدَ وَالنَّسَائِيُّ وَقَالَ أَبُوْدَاوُدَ لَيْسَ هُوَ بِصَحِيْحٍ عَلٰى هٰذَا الْمَعْنٰى) [3]

ترجمہ: اور حضرت علقمہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے ہم سے فرمایا کہ میں تمہیں آقائے نامدار ﷺ کی سی نماز نہ پڑھاؤں؟ چنانچہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے ہمیں (آنحضرت کے طریقے کے مطابق) نماز پڑھائی اور صرف تکبیر تحریمہ کے وقت دونوں ہاتھ اٹھائے۔ (ترمذی، ابوداؤد، نسائی)

﴿۲۱﴾ وعن أَبِيْ حُمَيْدٍ السَّاعِدِيِّ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا قَامَ إِلَى الصَّلَاةِ اسْتَقْبَلَ الْقِبْلَةَ وَرَفَعَ يَدَيْهِ وَقَالَ اللهُ أَكْبَرُ۔ (رَوَاهُ ابْنُ مَاجَه) [4]

ترجمہ: اور حضرت ابوحمید الساعدی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آقائے نامدار جب نماز کے لئے کھڑے ہوتے تو (پہلے) قبلہ کی طرف متوجہ ہوتے (پھر) دونوں ہاتھ اٹھاتے اور (اس کے بعد) اللہ اکبر کہتے۔" (ابن ماجہ)

حضور اکرم ﷺ کو نماز میں انکشاف تام ہوتا تھا

﴿۲۲﴾ وعن أَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ صَلّٰى بِنَا رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الظُّهْرَ وَفِيْ مُؤَخَّرِ الصُّفُوْفِ رَجُلٌ فَأَسَاءَ الصَّلَاةَ فَلَمَّا سَلَّمَ نَادَاهُ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَا فُلَانُ أَلَا تَتَّقِي اللهَ أَلَا

---

[1] المرقات: ۲/۵۲۲ [2] اخرجه مالك: ۷۶

[3] اخرجه ابوداؤد: ۷۴۸ والترمذی: ۲۵۷ والنسائی: ۲/۱۸۲ [4] اخرجه ابن ماجه: ۸۰۳

تَرٰی کَیْفَ تُصَلِّیْ اِنَّکُمْ تَرَوْنَ اَنَّہٗ یَخْفٰی عَلَیَّ شَیْءٌ مِمَّا تَصْنَعُوْنَ وَاللّٰہِ اِنِّیْ لَاَرٰی مِنْ خَلْفِیْ کَمَا اَرٰی مِنْ بَیْنِ یَدَیَّ۔ (رَوَاہُ اَحْمَدُ)[1]

ترجمہ: اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آقائے نامدار ﷺ نے (ایک مرتبہ) ہمیں ظہر کی نماز پڑھائی۔ آخر صف میں ایک شخص کھڑا تھا جس نے ٹھیک طرح نماز نہیں پڑھی۔ جب اس شخص نے سلام پھیرا تو آنحضرت ﷺ نے اسے آواز دے کر فرمایا کہ "اے فلاں! کیا تم اللہ بزرگ و برتر سے نہیں ڈرتے؟ کیا تمہیں نہیں معلوم کہ تم نے نماز کس طرح پڑھی ہے؟ تم تو یہ جانتے ہو کہ جو کچھ تم کرتے ہو مجھے معلوم نہیں ہوتا حالانکہ خدا کی قسم جس طرح میں اپنے سامنے کی چیزیں دیکھتا ہوں اسی طرح اپنے پیچھے کی چیزیں بھی دیکھ لیتا ہوں۔" (احمد)

توضیح: "من خلفی" یعنی خدا کی قسم میں نماز میں اپنے پیچھے کھڑے لوگوں کو دیکھتا ہوں اس لئے تم نماز میں خلاف سنت کوئی حرکت نہ کرو اس حدیث سے معلوم ہوا کہ آنحضرت ﷺ آگے پیچھے یکساں طور پر دیکھتے تھے۔[2]

سوال: اس مقام پر یہ سوال اٹھتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے علم غیب کو اپنا خاصہ قرار دیا ہے قرآن کریم میں بہت ساری آیات اور انبیاء کرام و اولیاء عظام کے بہت سارے قصے اور واقعات اس پر دلالت کرتے ہیں کہ غیب کا علم اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص ہے احادیث مقدسہ کی بیشمار روایات اس پر دلالت کرتی ہیں کہ علم غیب اللہ تعالیٰ کا خاصہ ہے حالانکہ یہاں اس حدیث سے یہ تاثر ملتا ہے کہ حضور اکرم ﷺ عالم الغیب تھے اور آپ آگے پیچھے حاضر اور پوشیدہ چیزوں پر واقف ہو جاتے تھے اس تعارض کا جواب کیا ہے؟۔

جواب: شارحین حدیث نے اس روایت میں کئی توجیہات کی ہیں اور اس تعارض کے کئی جوابات دیئے ہیں۔

① حافظ ابن حجر رحمہ اللہ[3] فرماتے ہیں کہ حضور اکرم ﷺ پر حالت نماز میں انکشاف تام ہو جاتا تھا اور انکشاف تام کی اس حالت کی وجہ سے آپ پر تجلیات کا مکمل نزول ہو جاتا تھا جس کی وجہ سے بطور خرق عادت آپ کو آگے پیچھے سب کچھ نظر آنے لگتا تھا یہ کیفیت نماز سے باہر نہیں ہوتی تھی اس لئے نماز کے علاوہ آپ سے علم غیب کی جو نفی کی گئی اس کا اس حدیث سے تعارض نہیں ہے۔ (کذا فی المرقات بتغیر یسیر)

② شیخ عبد الحق رحمہ اللہ نے لمعات میں لکھا ہے کہ آنحضرت ﷺ کا نماز میں آگے پیچھے یکساں طور پر دیکھنا بطور معجزہ تھا تو آپ حقیقی آنکھوں سے آگے پیچھے دیکھتے تھے۔[4]

شیخ کے اس جواب میں کوئی بعد نہیں ہے کیونکہ وحی کا کنکشن جب جڑتا ہے تو انبیاء کرام کو سب کچھ معلوم ہو جاتا ہے اور وہ علم پھر علم الغیب نہیں رہتا علامہ بوصیری رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔

[1] اخرجہ احمد: ۲/۴۴۹ [2] المرقات: ۲/۵۲۶ [3] المرقات: ۲/۵۲۶ [4] اشعۃ اللمعات: ۳۹۲

تبارك الله ما وحي بمكتسب ولا نبي على غيب بمتهم

بابا سعدی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت یعقوب علیہ السلام اور حضرت یوسف علیہ السلام کے فراق کے بارے میں اس طرح کہا ہے

یکے پر سید ازاں گم کردہ فرزند کہ اے روشن گہر پیر خرمند
زمصرش بوئے پیراہن شمیدی چرا درچاہ کنعانش نہ دیدی
بگفت احوال مابرق جہاں است دمے پیدا و دیگر دم نہاں است
گہے بر طارم اعلیٰ نشینم گہے بر پشت پائے خود نہ بینم

ان اشعار کا خلاصہ بھی یہی ہے کہ جب وحی کا کنکشن جڑ جاتا ہے تو ہم عرش کی باتیں کرتے اور جب رابطہ کٹ جاتا ہے تو اپنے پاؤں پر ڈنگ مارنے والے بچھو وغیرہ کو بھی نہیں دیکھتے جب ربط نہیں تھا تو کنعان کے کنویں میں یوسف کو نہیں دیکھا جب ربط ہو گیا تو مصر سے خوشبو کو محسوس کیا۔

❸ بعض شارحین نے یہ جواب دیا ہے کہ شاید وحی یا الہام کے طور پر آپ کو معلوم ہوتا تھا بہر حال جس طرح بھی ہو مگر یہ حالت مستمرہ نہیں تھی بلکہ حالت نماز تک محدود تھی۔ اور شارحین حدیث محنت کر کے جوابات دیتے ہیں یہ خود اس بات کی دلیل ہے کہ امت محمدیہ کا عقیدہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے غیب دانی کا نہیں ہے۔

علم غیبے کس نمی داند بجز پروردگار ہر کہ گوید ما بدانم تو ازوبا و درمدار
مصطفی ہرگز نہ نگفتی تا نہ گفتی جبرئیل جبرئیلش ہم نہ گفتی تا نہ گفتی کردگار

باب ما یقرأ بعد التکبیر

تکبیر تحریمہ کے بعد کی دعائیں

قال اللہ تعالیٰ ﴿وسبح بحمد ربك حین تقوم ومن اللیل فسبحه وادبار النجوم﴾[1]

وقال تعالیٰ ﴿فسبح بحمد ربك وکن من الساجدین﴾[2]

وقال تعالیٰ ﴿فسبح باسم ربك العظیم﴾[3]

تکبیر تحریمہ کے بعد نماز کے شروع میں احادیث صحیحہ سے چند دعاؤں اور اذکار کا پڑھنا ثابت ہے۔ مثلاً **سبحانك اللهم الخ** ثنا کا پڑھنا مشہور ہے اسی طرح **انی وجهت وجهی الخ** کا پڑھنا ثابت ہے۔

امام مالک رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ تکبیر تحریمہ اور فاتحہ کے درمیان کوئی مسنون دعا نہیں ہے اللہ اکبر کے بعد فاتحہ شروع کرنی چاہئے جیسا کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ اور حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی روایات میں آیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فاتحہ سے قرأت شروع فرماتے تھے جمہور فقہاء کے نزدیک اس موقعہ پر کوئی نہ کوئی دعا پڑھنی چاہئے احادیث میں کئی دعاؤں کا ذکر ہے پھر جمہور کا آپس میں اختلاف ہے کہ جائز تو سب دعائیں ہیں مگر افضل کونسی دعا ہے تو شوافع کے نزدیک "**انی وجهت الخ**" کا پڑھنا افضل ہے اور احناف وحنابلہ کے نزدیک **سبحانك الله الخ** پڑھنا زیادہ افضل ہے۔

پھر تمام لمبی دعاؤں کے بارے میں امام شافعی فرماتے ہیں کہ نوافل اور فرائض دونوں میں اس کا پڑھنا مستحب ہے خواہ ساری دعائیں پڑھی جائیں یا چند پر اکتفا کیا جائے۔

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک فرائض میں صرف **سبحانك اللهم الخ** پڑھنی چاہئے اور دیگر دعائیں تہجد اور نوافل میں پڑھنی چاہئے تاکہ فرائض میں کوئی ایسی دعا نہ آئے جس سے نماز کے باطل ہونے کا خطرہ پیدا ہو جائے نیز نماز ثقیل نہ بن جائے اور قوم پر بوجھ نہ پڑ جائے۔ امام طحاوی اور امام ابو یوسف رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ فرائض میں ثناء اور **انی وجهت وجهی الخ** دونوں کو ملا کر پڑھنا چاہئے اس کے علاوہ نہ پڑھا جائے۔

شوافع کہتے ہیں کہ احادیث میں ان تمام دعاؤں کے پڑھنے کا حکم ملتا ہے تو پڑھنا چاہئے۔

احناف فرماتے ہیں کہ احادیث میں جن دعاؤں کا ذکر ملتا ہے وہ نوافل اور تہجد پر محمول ہیں فرائض میں احتیاط کے پیش نظر عام دعائیں نہیں پڑھنی چاہئے یا ان دعاؤں کو تکبیر تحریمہ سے پہلے پڑھنا چاہئے یا احیاناً فرائض میں پڑھا جائے۔ تاہم

---

[1] سورة طور الآیہ: ۴۸،۴۹ [2] سورة الحجر: الآیہ: ۹۸ [3] سورة واقعہ: الآیہ: ۹۶

ظاہری احادیث سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ نوافل کے ساتھ ساتھ حضور اکرم ﷺ نے فرائض میں بھی یہ دعائیں پڑھی ہیں اگر کوئی شخص احتیاط کے ساتھ پڑھ سکتا ہے تو پڑھنے سے ثواب ملے گا البتہ نوافل میں لمبی اور مختصر سب پڑھ سکتا ہے اور فرائض میں مختصر پڑھنا چاہئے تاکہ فرض نماز لمبی ہو کر قوم کے لئے بوجھ نہ بن جائے کیونکہ حضور اکرم ﷺ نے فرض نماز لمبی پڑھانے سے اماموں کو منع فرمادیا ہے اور سخت ناراضگی کا اظہار فرمایا ہے ہاں اگر کوئی آدمی تنہا نماز پڑھ رہا ہو یا نوافل میں ہو تو ان کے لئے منع نہیں ہے بشرطیکہ احتیاط کے ساتھ صرف مسنون ثابت دعائیں پڑھیں۔

تکبیر تحریمہ کے بعد کچھ خاموشی مسنون ہے

الفصل الاول

﴿۱﴾ عن أبي هُرَيْرَةَ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَسْكُتُ بَيْنَ التَّكْبِيْرِ وَبَيْنَ الْقِرَائَةِ إِسْكَاتَةً فَقُلْتُ بِأَبِي أَنْتَ وَأُمِّي يَا رَسُوْلَ اللهِ إِسْكَاتُكَ بَيْنَ التَّكْبِيْرِ وَبَيْنَ الْقِرَاءَةِ مَا تَقُوْلُ قَالَ أَقُوْلُ اَللّٰهُمَّ بَاعِدْ بَيْنِيْ وَبَيْنَ خَطَايَايَ كَمَا بَاعَدْتَ بَيْنَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ اَللّٰهُمَّ نَقِّنِيْ مِنَ الْخَطَايَا كَمَا يُنَقَّى الثَّوْبُ الْأَبْيَضُ مِنَ الدَّنَسِ اَللّٰهُمَّ اغْسِلْ خَطَايَايَ بِالْمَاءِ وَالثَّلْجِ وَالْبَرَدِ۔

(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)[۱]

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آقائے نامدار ﷺ تکبیر تحریمہ اور قرأت کے درمیان مکمل خاموشی اختیار کرتے تھے (یعنی باآواز بلند نہ پڑھتے تھے) چنانچہ میں نے (ایک دن) عرض کیا کہ ''یارسول اللہ! آپ پر میرے ماں باپ قربان ہوں، آپ تکبیر تحریمہ اور قرأت میں خاموش رہتے ہوئے کیا پڑھا کرتے ہیں؟ آپ نے فرمایا۔ ''میں یہ (دعا) پڑھا کرتا ہوں۔ (ترجمہ یہ ہے)

اے اللہ! مجھ میں اور میرے گناہوں میں اتنا بعد پیدا کردے جیسا کہ تو نے مشرق و مغرب کے درمیان بعد پیدا کر رکھا ہے (یعنی میرے گناہوں کو کمال بخشش عطا کر) اے اللہ! مجھے گناہوں سے اس طرح پاک کردے جیسے سفید کپڑے سے میل دور کیا جاتا ہے (یعنی مجھے گناہوں سے کمال پاکی عطا کر) اے اللہ! میرے گناہ پانی، برف اور اولوں سے دھو ڈال۔'' (بخاری و مسلم)

توضیح: ''اسکاتة''[۲] یعنی تھوڑی دیر کے لئے حضور اکرم ﷺ رکتے تھے تو اس دوران آپ کیا پڑھتے تھے اس کے متعلق حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے آپ سے پوچھا کہ آپ اس وقت کیا پڑھتے ہیں آپ ﷺ نے دعا کی نشاندہی فرمادی۔

''بالماء'' میل کچیل کو دور کرنے کے لئے عام طور پر پانی استعمال کیا جاتا ہے اگر وہ نہ ہو تو اولوں کا پانی بھی استعمال

[۱] اخرجه البخاری: ۱/۱۸۹، ۲۸۰ ومسلم: ۲/۹۸،۹۹　[۲] المرقات: ۲/۵۲۷، ۵۲۸

کیا جا سکتا ہے یا برف کا پانی استعمال کیا جاتا ہے ان تینوں چیزوں کا ذکر اس لئے کیا گیا تا کہ طہارت حاصل کرنے کے تمام طریقوں کا ذکر ہو جائے اور عموم طہارت کا مقصد حاصل ہو جائے حدیث میں سفید کپڑوں کا ذکر اس لئے کیا گیا کہ اس پر میل نمایاں ہوتا ہے اور دھونے سے بھی معلوم ہو جاتا ہے کہ میل ختم ہو گیا ہے یا نہیں گناہ دھونے کی جو دعا ہے یہ ایک تشبیہ اور تمثیل ہے مراد گناہوں کا بخش دینا ہے حقیقۃً دھونا مراد نہیں ہے۔

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے ایک قول منقول ہے کہ تکبیر تحریمہ کے بعد متصلاً فاتحہ شروع کرنی چاہئے۔ ثنا یا دیگر دعائیں مسنون نہیں ہیں لیکن جمہور کا اس پر اتفاق ہے کہ تکبیر تحریمہ کے بعد بطور خاص ثنا کا پڑھنا مسنون ہے تفصیل گذر چکی ہے۔

نماز میں آنحضرت ﷺ کی لمبی دعائیں

﴿۲﴾ وعن عَلِيٍّ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا قَامَ إِلَى الصَّلَاةِ وَفِيْ رِوَايَةٍ كَانَ إِذَا افْتَتَحَ الصَّلَاةَ كَبَّرَ ثُمَّ قَالَ وَجَّهْتُ وَجْهِيَ لِلَّذِيْ فَطَرَ السَّمٰوٰاتِ وَالْأَرْضَ حَنِيْفاً وَمَا أَنَا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ إِنَّ صَلَاتِيْ وَنُسُكِيْ وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِيْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَبِذٰلِكَ أُمِرْتُ وَأَنَا مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ اَللّٰهُمَّ أَنْتَ الْمَلِكُ لَا إِلٰهَ إِلَّا أَنْتَ أَنْتَ رَبِّيْ وَأَنَا عَبْدُكَ ظَلَمْتُ نَفْسِيْ وَاعْتَرَفْتُ بِذَنْبِيْ فَاغْفِرْ لِيْ ذُنُوْبِيْ جَمِيْعاً إِنَّهٗ لَا يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ إِلَّا أَنْتَ وَاهْدِنِيْ لِأَحْسَنِ الْأَخْلَاقِ لَا يَهْدِيْ لِأَحْسَنِهَا إِلَّا أَنْتَ وَاصْرِفْ عَنِّيْ سَيِّئَهَا لَا يَصْرِفُ عَنِّيْ سَيِّئَهَا إِلَّا أَنْتَ لَبَّيْكَ وَسَعْدَيْكَ وَالْخَيْرُ كُلُّهٗ فِيْ يَدَيْكَ وَالشَّرُّ لَيْسَ إِلَيْكَ أَنَا بِكَ وَإِلَيْكَ تَبَارَكْتَ وَتَعَالَيْتَ أَسْتَغْفِرُكَ وَأَتُوْبُ إِلَيْكَ وَإِذَا رَكَعَ قَالَ اَللّٰهُمَّ لَكَ رَكَعْتُ وَبِكَ آمَنْتُ وَلَكَ أَسْلَمْتُ خَشَعَ لَكَ سَمْعِيْ وَبَصَرِيْ وَمُخِّيْ وَعَظْمِيْ وَعَصَبِيْ فَإِذَا رَفَعَ رَأْسَهٗ قَالَ اَللّٰهُمَّ رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ مِلْأَ السَّمٰوٰاتِ وَالْأَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا وَمِلْأَ مَا شِئْتَ مِنْ شَيْءٍ بَعْدُ وَإِذَا سَجَدَ قَالَ اَللّٰهُمَّ لَكَ سَجَدْتُ وَبِكَ آمَنْتُ وَلَكَ أَسْلَمْتُ سَجَدَ وَجْهِيَ لِلَّذِيْ خَلَقَهٗ وَصَوَّرَهٗ وَشَقَّ سَمْعَهٗ وَبَصَرَهٗ تَبَارَكَ اللهُ أَحْسَنُ الْخَالِقِيْنَ ثُمَّ يَكُوْنُ مِنْ آخِرِ مَا يَقُوْلُهٗ بَيْنَ التَّشَهُّدِ وَالتَّسْلِيْمِ اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِيْ مَا قَدَّمْتُ وَمَا أَخَّرْتُ وَمَا أَسْرَرْتُ وَمَا أَعْلَنْتُ وَمَا أَسْرَفْتُ وَمَا أَنْتَ أَعْلَمُ بِهٖ مِنِّيْ أَنْتَ الْمُقَدِّمُ وَأَنْتَ الْمُؤَخِّرُ لَا إِلٰهَ إِلَّا أَنْتَ۔

(رواہ مُسْلِمٌ وَفِيْ رِوَايَةٍ لِلشَّافِعِيِّ وَالشَّرُّ لَيْسَ إِلَيْكَ وَالْمَهْدِيُّ مَنْ هَدَيْتَ أَنَا بِكَ وَإِلَيْكَ لَا مَنْجَأَ مِنْكَ وَلَا مَلْجَأَ إِلَّا إِلَيْكَ تَبَارَكْتَ)[1]

[1] اخرجه مسلم: ۲/۱۸۶

ترجمہ: اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں کہ آقائے نامدار ﷺ جب نماز پڑھنے کھڑے ہوتے۔ اور ایک روایت میں ہے کہ "جب نماز شروع کرتے تو (پہلے) تکبیر (تحریمہ) کہتے۔ پھر مذکورہ دعا پڑھتے جس کا ترجمہ یہ ہے۔

میں نے اپنا منہ اس ذات کی طرف متوجہ کیا جو آسمانوں اور زمین کو پیدا کرنے والا ہے درانحالیکہ میں حق کی طرف متوجہ ہونے والا اور دین باطل سے بیزار ہوں اور میں ان لوگوں میں سے نہیں ہوں جو شرک کرتے ہیں، میری نماز، میری عبادت میری زندگی اور میری موت خدا ہی کے لئے ہے جو دونوں جہانوں کا پروردگار ہے اور جس کا کوئی شریک نہیں ہے اور اسی کا مجھے حکم کیا گیا ہے اور میں مسلمانوں (یعنی فرمانبرداروں) میں سے ہوں۔ اے اللہ! تو بادشاہ ہے تیرے سوا کوئی معبود نہیں ہے۔ تو ہی میرا رب ہے اور میں تیرا بندہ ہوں، میں نے اپنے نفس پر ظلم کیا ہے میں اپنے گناہوں کا اقرار کرتا ہوں (چونکہ تو نے فرمایا ہے کہ جو بندہ اپنے گناہوں کا اعتراف واقرار کرتا ہوا میری بارگاہ میں آئے میں اسے بخش دوں گا) لہٰذا تو میرے تمام گناہوں کو بخش دے کیونکہ تیرے علاوہ اور کوئی گناہ نہیں بخش سکتا اور بہترین اخلاق کی طرف میری راہنمائی کر۔ کیونکہ بجز تیرے اور کوئی بہترین اخلاق کی طرف راہنمائی نہیں کر سکتا اور بدترین اخلاق کو مجھ سے دور کر دے کیونکہ بجز تیرے اور کوئی بداخلاقی سے مجھے نہیں بچا سکتا۔ میں تیری خدمت میں حاضر ہوں اور تیرا حکم بجالانے پر تیار ہوں۔ تمام بھلائیاں تیرے ہاتھ میں ہیں اور برائی تیری جانب منسوب نہیں کی جاتی، میں تیرے ہی سبب سے ہوں اور تیری ہی طرف رجوع کرتا ہوں تو بابرکت ہے اور اس بات سے بلند ہے (کہ تیری ذات وصفات کی حقیقت وکنہ تک کسی عقل کی رسائی ہو سکے) میں تجھ سے مغفرت چاہتا ہوں اور تیرے ہی سامنے توبہ کرتا ہوں۔

اے اللہ! میں نے تیرے ہی لئے رکوع کیا اور تجھ پر ایمان لایا اور تیرے ہی لئے اسلام لایا اور میری سماعت، میری بینائی، میرا سفر، میری ہڈی اور میرے پٹھے تیرے ہی لئے جھکے ہوئے ہیں۔

اے اللہ! رب ہمارے! تیرے ہی لئے حمد ہے آسمانوں اور زمینوں کے برابر اور جو کچھ ان کے درمیان ہے اس کے برابر اور اس چیز کے برابر جو بعد میں تو پیدا کرے (یعنی آسمانوں اور زمین وغیرہ کے بعد اور جو معدوم چیزیں پیدا کرنا چاہے)۔

اے اللہ! میں نے تیرے لئے سجدہ کیا، تجھ پر ایمان لایا اور تیرے ہی لئے اسلام سے بہرہ ور ہوا، میرے چہرہ نے اسی ذات کو سجدہ کیا جس نے اس کو پیدا کیا اس کو صورت دی، اس کے کان کھولے اور اس کی آنکھ کھولی۔ اللہ بہت بابرکت اور بہترین پیدا کرنے والا ہے۔

اے اللہ! میرے اگلے پچھلے تمام گناہ بخش دے اور ان گناہوں کو بخش دے جو میں نے پوشیدہ اور علانیہ کئے ہیں اور (اس) زیادتی کو بخش دے (جو میں نے اعمال اور مال خرچ کرنے میں کی ہے) اور ان گناہوں کو بھی بخش دے جن کا علم مجھ سے زیادہ تجھے ہے اور تو اپنے بندوں میں سے جس کو چاہے عزت و مرتبہ میں آگے کرنے والا اور جس کو چاہے پیچھے ڈالنے والا ہے اور تیرے سوا کوئی معبود نہیں۔ (مسلم) اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی روایت میں (پہلی دعا میں فی یدیک) کے بعد یہ الفاظ ہیں۔

یعنی برائی تیری طرف منسوب نہیں ہے اور ہدایت یافتہ وہی ہے جس کو تو نے ہدایت بخشی اور میں تیری ہی قوت کے ذریعہ ہوں اور تیری طرف رجوع کرنے والا ہوں نہیں ہے نجات (اور بے پروائی) تیری ذات سے اور نہیں ہے پناہ مگر تیری طرف اور تو ہی بابرکت ہے۔

توضیح: "مخ" مخ مغز اور گودے کو کہتے ہیں "عصبی" پٹھوں کو عصب کہتے ہیں۔[1]

"ملأ السموات" یعنی زمینوں اور آسمانوں کے برابر جس سے وہ دونوں بھر جائیں "من شئ بعد" یعنی زمین و آسمان کے علاوہ جو اشیاء معدوم ہیں مگر ممکن الوجود ہیں اس کے برابر حمد وثنا تیرے لئے "بعد" یعنی "بعد الملء کورات من السموات والارض"۔

"وشق سمعه" اللہ تعالیٰ اپنی قدرت کاملہ سے رحم مادر میں انسان وحیوان کی ایک تصویر اور ایک خاکہ بناتا ہے جو بالکل پانی اور ہوا پر ہوتا ہے اس خاکہ میں آنکھ کان ناک اور منہ کے مقامات پر صرف ایک ٹک کا نشان ہوتا ہے پھر اللہ تعالیٰ اسی جگہ میں مناسب چیر پھاڑ کر کے آنکھ کان ناک اور منہ بناتا ہے اسی پس منظر کا ذکر اس حدیث میں کیا گیا ہے کہ حیوان اور انسان کی تصویر کشی اللہ تعالیٰ کرتا ہے اور پھر اسی ٹک پر شق بنا کر انسان وحیوان بناتا ہے یہ بڑے شکر کا مقام ہے اور خصوصی انعام کا مقام ہے اسی وجہ سے حضور اکرم ﷺ نے اس کا ذکر کیا ہے ﴿فتبارك الله احسن الخالقين﴾۔[2]

"الشر لیس الیك" یعنی ادب واحترام کے پیش نظر اور تعظیم وعظمت کے پیش نظر "شر" کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف نہیں کی جاتی ہے ورنہ اللہ تعالیٰ جس طرح خیر کا خالق ہے ویسا ہی شر کا خالق بھی اور تخلیق شر تو کمال ہے ہاں ارتکاب شر قباحت ہے۔

ایک عظیم دعا

﴿۳﴾ وعن أنسٍ أنَّ رجلاً جاءَ فدخلَ الصَّفَّ وقدْ حفزَهُ النَّفَسُ فقالَ اللهُ أكبرُ الحمدُ للهِ حمداً كثيراً طيِّباً مُباركاً فيهِ فلمَّا قضى رسُولُ اللهِ صلَّى اللهُ عليهِ وسلَّمَ صلاتَهُ قالَ أيُّكُمُ المُتكلِّمُ بالكلماتِ فأرمَّ القومُ فقالَ أيُّكُمُ المُتكلِّمُ بالكلماتِ فأرمَّ القومُ فقالَ أيُّكُمُ المُتكلِّمُ بها فإنَّهُ لمْ يقُلْ بأساً فقالَ رجُلٌ جئتُ وقدْ حفزَني النَّفَسُ فقُلتُها فقالَ لقدْ رأيتُ اثنَيْ عشرَ ملكاً يبتدِرُونَها أيُّهُمْ يرفعُها۔ (رواهُ مُسلِمٌ)[3]

ترجمہ: اور حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ (ایک دن) ایک شخص آیا اور نماز کی صف میں شامل ہوگیا۔ اس کا سانس چڑھا ہوا تھا اس نے کہا اللہ اکبر، الحمد لله حمدًا طيبًا مباركًا فيه (یعنی اللہ بہت بڑا ہے تمام تعریفیں خدا ہی کے لئے ہیں ایسی تعریفیں جو بہت زیادہ پاکیزہ اور بابرکت ہیں) جب آنحضرت ﷺ نماز پڑھ چکے تو پوچھا کہ تم میں سے یہ کلمات کس نے کہے تھے؟ سب لوگ (جو نماز میں حاضر تھے اس خوف سے کہ شاید ہم سے کوئی خطا سرزد ہوگئی ہے جس کی وجہ سے ناراضگی کا اظہار ہے) خاموش رہے، آپ نے پھر فرمایا کہ تم میں سے کس نے یہ کلمات کہے تھے؟" پھر بھی کسی نے جواب نہیں دیا، آپ نے پھر (تیسری مرتبہ) فرمایا کہ "تم میں سے کس نے یہ کلمات کہے تھے (اور خوف نہ کرو کیونکہ) جس نے یہ کلمات کہے ہیں اس نے کوئی

[1] اشعة اللمعات: ۳۹۳ [2] سورة المومنون: ۱۴ [3] اخرجه مسلم: ۲/۹۹

بری بات نہیں کہی ہے۔" ایک شخص نے عرض کیا "یا رسول اللہ! جب میں آیا تو میرا سانس چڑھا ہوا تھا میں نے ہی یہ کلمات کہے تھے۔" آنحضرت ﷺ نے فرمایا "میں نے دیکھا کہ بارہ فرشتے جلدی کر رہے تھے کہ ان کلموں کو (پروردگار کی بارگاہ میں) پہلے کون لے جائے۔" (مسلم)

توضیح: **"حفزۃ النفس"** حفز ضرب یضرب سے پیچھے سے دھکا دینے کے معنی میں ہے محاورہ ہے کہ **"حفز اللیل النھار"** یعنی رات نے دن کو ہٹا دیا، یہاں سانس چڑھنے کے معنی میں ہے کہ تیز آنے کی وجہ سے اس کا سانس پھولا ہوا تھا گویا وہ اس کو دھکا دے رہا تھا۔[1]

"فارم القوم" خاموش ہونے کو کہتے ہیں یہ لفظ حیوانات کے لئے بولا جاتا ہے خاموشی میں مبالغہ ہے۔

"باسا" یعنی بتادو یہ کلمات کس نے کہے ہیں اس نے کوئی برا کام نہیں کیا ہے ڈرنے کی ضرورت نہیں ہے چونکہ حضور اکرم ﷺ نے کسی ایک شخص کو متعین کر کے سوال نہیں کیا تھا اس لئے صحابہ خاموش رہے اگر متعین فرمادیتے تو پھر جواب دینا واجب ہوجاتا۔

بعض روایات میں تیس فرشتوں کا ذکر ہے **"رئیت بضعة وثلاثین ملکا"** اس تفاوت پر شیخ عبدالحق رحمۃ اللہ علیہ نے عجیب عارفانہ کلام کیا ہے جس سے ظاہری تعارض دور ہوگیا ہے فرماتے ہیں کہ اس صحابی نے جو دعا پڑھی ہے اگر مکررات اور زائد حروف کو ہٹایا جائے تو اصل جوہر کے اعتبار سے یہ حروف بارہ رہ جاتے ہیں اس لئے بارہ فرشتوں کا ذکر فرمایا اور اگر اس دعا کے مکررات اور زائد سب کو شمار کیا جائے تو یہ تیس حروف بنتے ہیں۔ اس لئے تیس فرشتوں کا ذکر فرمایا ہے۔

اس صحابی کے اخلاص کی وجہ سے اور کلمات کی عظمت کی وجہ سے فرشتوں نے دوڑ دوڑ کر ان کلمات کو اٹھایا اور رب جلیل کے پاس لے گئے۔

الفصل الثانی

تکبیر تحریمہ کے بعد ثنا پڑھنا ثابت ہے

﴿٤﴾ عن عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا افْتَتَحَ الصَّلَاةَ قَالَ سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ وَبِحَمْدِكَ وَتَبَارَكَ اسْمُكَ وَتَعَالٰى جَدُّكَ وَلَا إِلٰهَ غَيْرُكَ۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَأَبُوْدَاوُدَ وَرَوَاهُ ابْنُ مَاجَه عَنْ أَبِيْ سَعِيْدٍ وَقَالَ التِّرْمِذِيُّ هٰذَا حَدِيْثٌ لَا نَعْرِفُهُ إِلَّا مِنْ حَارِثَةَ وَقَدْ تُكُلِّمَ فِيْهِ مِنْ قِبَلِ حِفْظِهِ)[2]

ترجمہ: حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ آقائے نامدار ﷺ جب نماز شروع کرتے تو (تکبیر تحریمہ کے بعد) یہ پڑھا کرتے تھے۔ (ترجمہ یہ ہے)

[1] المرقات: ۵۳۵/۲، ۵۳۶ [2] اخرجہ ابوداؤد: ۷۷۶ والترمذی: ۲/۲۴۳/۱۱ ابن ماجہ ۸۰۶

اے اللہ تو پاک ہے اور ہم تیری پا کی تیری تعریف کے ساتھ بیان کرتے ہیں۔ تیرا نام بابرکت ہے، تیری شان بلند و برتر ہے اور تیرے سوا کوئی معبود نہیں ہے۔

یہ حدیث ترمذی اور ابوداؤد نے نقل کی ہے نیز ابن ماجہ نے (بھی) اس روایت کو ابوسعید سے نقل کیا ہے اور ترمذی نے کہا ہے کہ اس حدیث کو ہم سوائے (بواسطہ) حارثہ راوی کے نہیں جانتے اور اسی میں قوت حافظہ کے فقدان کی وجہ سے کلام کیا گیا ہے۔

توضیح: "سبحانك اللهم الخ" ائمہ احناف اور حنابلہ کے نزدیک تکبیر تحریمہ کے بعد ثنا پڑھنا افضل ہے اور یہی حدیث ان حضرات کا مستدل ہے حضرات شوافع نے انی وجهت الخ کی دعا کو افضل فرمایا ہے لیکن ثنا والی حدیث دیگر احادیث سے زیادہ معروف و مشہور ہے۔ علامہ طیبی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ ثنا والی حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی یہ حدیث حسن مشہور ہے اور اس پر خلفاء راشدین میں سے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ عمل فرماتے تھے علامہ طیبی رحمہ اللہ نے اس حدیث کے قوی ہونے پر اپنی شرح میں عمدہ اور طویل کلام کیا ہے شیخ عبدالحق رحمہ اللہ لمعات میں فرماتے ہیں کہ حارثہ کے ایک طریق کی وجہ سے اس حدیث کے دیگر طرق کو ضعیف نہیں کہا جا سکتا ہے۔[1]

﴿۵﴾ وعن جُبَيْرِ بْنِ مُطْعِمٍ أَنَّهُ رَأَى رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّيْ صَلَاةً قَالَ اَللهُ أَكْبَرُ كَبِيْرًا اَللهُ أَكْبَرُ كَبِيْرًا اَللهُ أَكْبَرُ كَبِيْرًا وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ كَثِيْرًا وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ كَثِيْرًا وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ كَثِيْرًا وَسُبْحَانَ اللهِ بُكْرَةً وَّأَصِيْلًا ثَلَاثًا أَعُوْذُ بِاللهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ مِنْ نَفْخِهٖ وَنَفْثِهٖ وَهَمْزِهٖ.

(رَوَاهُ أَبُوْدَاوُدَ وَابْنُ مَاجَه إِلَّا أَنَّهُ لَمْ يَذْكُرْ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ كَثِيْرًا وَذَكَرَ فِيْ آخِرِهٖ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ وَقَالَ عُمَرُ نَفْخُهُ الْكِبْرُ وَنَفْثُهُ الشِّعْرُ وَهَمْزُهُ الْمُوْتَةُ)[2]

ترجمہ: اور حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے آقائے نامدار ﷺ کو نماز پڑھتے ہوئے دیکھا ہے چنانچہ آپ (تکبیر تحریمہ کے بعد) مذکورہ دعا پڑھتے تھے جس کا ترجمہ یہ ہے۔

(یعنی اللہ بہت بڑا و برتر ہے) اللہ بہت بڑا و برتر ہے، اللہ بہت بڑا و برتر ہے، اللہ کے واسطے بہت تعریف ہے، اللہ کے واسطے بہت تعریف ہے اور پاکی بیان کرتا ہوں اللہ کی صبح و شام، تین مرتبہ (یعنی پہلے کلمات کی طرح **سبحان الله بكرة و اصيلا** کو بھی تین مرتبہ کہتے تھے اور پھر اس کے بعد یہ کہتے تھے۔) **اعوذ بالله من الشيطان الرجيم من نفخه و نفثه و همزه.**[3]

(یعنی میں شیطان کے تکبر، اس کے شعروں اور اس کے وسوسوں سے پناہ مانگتا ہوں) اس حدیث کو ابوداؤد اور ابن ماجہ نے نقل کیا ہے البتہ ابن ماجہ نے والحمدللہ کثیرا ذکر نہیں کیا ہے اور آخر میں من الشیطان الرجیم ذکر کیا ہے۔

نیز حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے تھے کہ شیطان کے نفخ سے تکبر۔ اس کے نفث سے شعر اور اس کے ہمز سے جنون مراد ہے۔

---

[1] الکاشف: ۲/۳۵۹، ۳۶۰ [2] اخرجه ابوداؤد: ۷۶۴ ابن ماجه: ۸۰۷ [3] ابوداؤد: ۷۶۴ و ابن ماجه: ۸۰۷

توضیح: "نفخہ" اس سے شیطان کا تکبر اور خود پسندی مراد ہے اصل نفخ پھونک مارنے کے معنی میں ہے تو شیطان انسان کو اس طرح پھنساتا کہ انسان اپنے آپ کو بہت بڑا سمجھنے لگ جاتا ہے پھر خود پسندی اور تکبر میں مبتلا ہو جاتا ہے اور پھولنے لگتا ہے تو مطلب یہ ہے کہ گویا شیطان اس آدمی کے اندر تکبر کی لہر پھونک دیتا ہے حضرت حکیم الامت اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ نے ملفوظات میں فرمایا ہے کہ ہر حیوان منہ کے راستہ سے پھولتا ہے لیکن انسان کانوں کے راستے سے اپنی تعریفیں سن سن کر پھولتا ہے۔

"نفثہ" نفث اصل میں اس پھونک کو کہتے ہیں جو کسی چیز پر دم کرتے وقت مارا جاتا ہے جس میں معمولی سا تھوک بھی ہوتا ہے یہاں سحر اور جادو مراد ہے جو شیطان کسی آدمی پر کرتا ہے یا کسی آدمی سے دوسرے پر کراتا ہے جس طرح ﴿ومن شر النفاثات فی العقد﴾ میں نفث سے جادو اور سحر مراد ہے۔

"ھمزۃ" اس سے مراد لعن طعن اور غیبت کرنا ہے قرآن میں ﴿ھمزۃ اللمزۃ﴾ اسی معنی میں ہے۔ بعض شارحین ھمزہ سے شیاطین کا وسوسہ مراد لیتے ہیں قرآن کریم میں ﴿من ھمزات الشیاطین﴾ اسی معنی میں ہے۔

"قال عمر" حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے ان الفاظ کی جو تفسیر فرمائی ہے اس میں آپ نے نفث سے گندے اور قبیح اشعار مراد لئے ہیں جو شیطان کسی آدمی کے تخیل میں ڈالتا ہے اور اس کو اس کے پڑھنے پر ابھارتا ہے جس کا مضمون بھی قبیح ہو اور اس کے معانی بھی قبیح ہوں۔

"الموتہ" حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ہمزہ سے جنون مراد لیا ہے کہ ابلیس کسی انسان کی طرف متوجہ ہو کر وسوسے ڈالتا رہتا ہے یہاں تک کہ وہ اس کو خبطی بنا کر پاگل اور مجنون بنا تا ہے۔ یہاں یہ بات ذہن نشین کرنی چاہئے کہ اس حدیث کے الفاظ کے معانی و مطالب جو شارحین نے بیان کئے ہیں یہ اس وقت ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے اس کی تفسیر ثابت نہ ہوا گر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی طرف اوپر منسوب کردہ تفسیر ثابت ہو جائے تو پھر کسی اور کی تشریح و تفسیر کا اعتبار نہیں ہوگا وہی مطلب ہوگا جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بیان فرمایا ہے۔

نماز میں سکتات کا حکم

﴿۶﴾ وعن سَمُرَةَ بْنِ جُنْدُبٍ أَنَّهُ حَفِظَ عَنْ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَكْتَتَيْنِ سَكْتَةً إِذَا كَبَّرَ وَسَكْتَةً إِذَا فَرَغَ مِنْ قِرَاءَةِ غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّيْنَ فَصَدَّقَهُ أُبَيُّ بْنُ كَعْبٍ.

(رَوَاهُ أَبُوْدَاوُدَ وَرَوَى التِّرْمِذِيُّ وَابْنُ مَاجَه وَالدَّارِمِيُّ نَحْوَهُ)[1]

ترجمہ: اور حضرت سمرۃ بن جندب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم سے دو سکتے (یعنی چپ رہنا) یاد رکھے ہیں۔ ایک سکتہ تو تکبیر تحریمہ کہہ لینے کے بعد اور ایک سکتہ آپ اس وقت کرتے تھے جب غیر المغضوب علیھم

[1] اخرجہ ابوداؤد: ۷۷۹ والترمذی: ۲۵۱ وابن ماجہ: ۸۴۴ والدارمی: ۱۲۴۶

ولا الضالین پڑھ کر فارغ ہوتے تھے۔" حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ نے (بھی سمرہ کے) اس قول کی تصدیق کی ہے۔"
(ابوداؤد، ترمذی، ابن ماجہ، دارمی)

توضیح: "سکتتین" نماز میں ایک سکتہ یعنی خاموشی ابتدا میں تکبیر تحریمہ کے بعد اور فاتحہ سے پہلے ہے یہ سکتہ دعائے استفتاح اور تسمیہ وتعوذ کے لئے ہے اور یہ تمام فقہاء کے ہاں مسلم ہے۔[1]

دوسرا سکتہ فاتحہ کے اختتام پر ہے یہ سکتہ شوافع وحنابلہ کے ہاں مسنون ہے تاکہ مقتدی اس میں فاتحہ پڑھ سکے۔

احناف و مالکیہ کے نزدیک فاتحہ کے اختتام پر سکتہ کرنا بہتر نہیں ہے۔

تیسرا سکتہ قبل الرکوع سورت کے اختتام پر ہے اس آخری سکتہ میں احناف کا آپس میں اختلاف ہے بعض احناف سکتہ کو بہتر کہتے ہیں اور بعض وصل کو افضل کہتے ہیں۔ احناف کے محدثین سکتہ کو افضل قرار دیتے ہیں۔

لیکن مالکیہ اور احناف کا جو واضح مذہب ہے وہ یہ ہے کہ اول سکتہ کے علاوہ کوئی ایسا سکتہ نہیں ہے جس کو مسنون کہا جاسکے البتہ احادیث میں تین سکتات کا ذکر ہے اس سے انکار نہیں کیا جاسکتا ہے۔

﴿۷﴾ وعن أبي هُرَيْرَةَ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا نَهَضَ مِنَ الرَّكْعَةِ الثَّانِيَةِ اِسْتَفْتَحَ الْقِرَاءَةَ بِـ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ وَلَمْ يَسْكُتْ۔[2]

(هٰكَذَا فِيْ صَحِيْحِ مُسْلِمٍ وَذَكَرَهُ الْحُمَيْدِيُّ فِيْ أَفْرَادِهِ وَكَذَا صَاحِبُ الْجَامِعِ عَنْ مُسْلِمٍ وَحْدَهُ)

ترجمہ: اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ آقائے نامدار ﷺ جب دوسری رکعت پڑھنے کے بعد اٹھتے تو الحمد للہ رب العالمین شروع کردیتے تھے اور خاموش نہ رہتے تھے۔" (مسلم)

اس روایت کو حمیدی نے اپنی کتاب افراد میں ذکر کیا ہے۔ نیز صاحب جامع الاصول نے بھی اس روایت کو صرف مسلم سے نقل کیا ہے۔

توضیح: "استفتح القرأة" حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ یہ بتانا چاہتے ہیں کہ جب آنحضرت ﷺ تیسری رکعت کے لئے قیام فرماتے تو فوراً قرأت شروع فرماتے اور خاموشی اختیار نہیں فرماتے تھے۔[3]

اس مقام میں یہ وہم ہوسکتا تھا کہ جب نمازی دوسرے شفعہ کے لئے قیام کرتا ہے تو یہ ایک نئی نماز شروع ہوجاتی ہے اس مقام میں "سبحانك اللهم الخ" پڑھنے کے لئے حضور اکرم ﷺ نے شاید سکتہ فرمایا ہو، اس وہم کو دور کرنے کے لئے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ایسا نہیں یعنی اس مقام کے بعد آپ ﷺ الحمد لله الخ سے قرأت شروع فرماتے اور سکوت اختیار نہیں فرماتے تھے یعنی ایسا طویل سکوت نہیں ہوتا تھا جس طرح پہلی رکعت میں ہوتا تھا کیونکہ وہاں ثنا تعوذ وتسمیہ پڑھنا ہوتا ہے یہاں تو صرف تسمیہ کا پڑھنا ہے۔

علامہ شاہ انور شاہ کاشمیری رحمہ اللہ نے عرف الشذی میں فرمایا ہے کہ احناف کے ہاں ہر رکعت کی ابتدا میں بسم اللہ پڑھنا مسنون ہے بعض احناف نے واجب کہا ہے اگر بھولے سے رہ گئی تو سجدہ سہو کرنا ہوگا فتویٰ سنت واستحباب پر ہے۔

[1] المرقات: ۲/۵۲۲ اشعة اللمعات: ۳۹۸ [2] اخرجه مسلم: ۲/۹۹ [3] المرقات: ۲/۵۲۲ اشعة اللمعات: ۳۹۸

الفصل الثالث

﴿۸﴾ عن جابرٍ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا اسْتَفْتَحَ الصَّلَاةَ كَبَّرَ ثُمَّ قَالَ إِنَّ صَلَاتِي وَنُسُكِي وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِي لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ لَا شَرِيكَ لَهُ وَبِذٰلِكَ أُمِرْتُ وَأَنَا أَوَّلُ الْمُسْلِمِينَ اَللّٰهُمَّ اهْدِنِي لِأَحْسَنِ الْأَعْمَالِ وَأَحْسَنِ الْأَخْلَاقِ لَا يَهْدِي لِأَحْسَنِهَا إِلَّا أَنْتَ وَقِنِي سَيِّئَ الْأَعْمَالِ وَسَيِّئَ الْأَخْلَاقِ لَا يَقِي سَيِّئَهَا إِلَّا أَنْتَ. (رَوَاهُ النَّسَائِيُّ)[1]

ترجمہ: اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز شروع کرتے تو (پہلے) تکبیر تحریمہ (یعنی اللہ اکبر) کہتے پھر مذکورہ دعا پڑھتے تھے جس کا ترجمہ یہ ہے۔

میری نماز میری عبادت میری زندگی اور میری موت (سب کچھ) پروردگار عالم ہی کے لئے ہے جس کا کوئی شریک نہیں ہے اور اسی کا مجھے حکم دیا گیا ہے اور میں سب سے پہلے مسلمان (یعنی فرمانبردار) ہوں۔ اے اللہ! نیک اعمال اور حسن اخلاق کی طرف میری راہنمائی کر کیونکہ بہترین اعمال واخلاق کی طرف تو ہی راہنمائی کرسکتا ہے اور مجھے برے اعمال و بد اخلاقی سے بچا کیونکہ برے اعمال و بد اخلاقی سے تو ہی بچا سکتا ہے۔ (نسائی)

﴿۹﴾ وعن مُحَمَّدِ بْنِ مَسْلَمَةَ قَالَ إِنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا قَامَ يُصَلِّي تَطَوُّعاً قَالَ اللهُ أَكْبَرُ وَجَّهْتُ وَجْهِيَ لِلَّذِي فَطَرَ السَّمٰوَاتِ وَالْأَرْضَ حَنِيفاً وَمَا أَنَا مِنَ الْمُشْرِكِينَ وَذَكَرَ الْحَدِيثَ مِثْلَ حَدِيثِ جَابِرٍ إِلَّا أَنَّهُ قَالَ وَأَنَا مِنَ الْمُسْلِمِينَ ثُمَّ قَالَ اَللّٰهُمَّ أَنْتَ الْمَلِكُ لَا إِلٰهَ إِلَّا أَنْتَ سُبْحَانَكَ وَبِحَمْدِكَ ثُمَّ يَقْرَأُ. (رَوَاهُ النَّسَائِيُّ)[2]

ترجمہ: اور حضرت محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز نفل پڑھنے کے لئے کھڑے ہوتے تو یہ کہتے۔

اَللهُ أَكْبَرُ وَجَّهْتُ وَجْهِيَ لِلَّذِي فَطَرَ السَّمٰوَاتِ وَالْأَرْضَ حَنِيفًا وَمَا أَنَا مِنَ الْمُشْرِكِينَ۔

ترجمہ: اللہ بہت بڑا ہے۔ میں نے اپنا منہ اس ذات کی طرف متوجہ کیا۔ جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا ہے درآنحالیکہ میں توحید اپنانے والا ہوں اور مشرکین میں سے نہیں ہوں۔

(اس کے بعد راوی نے) حضرت جابر (کی مذکورہ بالا حدیث) کی مانند حدیث بیان کی ہے لیکن محمد نے (وانا اول المسلمین کی جگہ) وانا من المسلمین کے الفاظ ذکر کئے ہیں۔ پھر اس کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم یہ کہتے۔

اے اللہ! تو ہی بادشاہ ہے، تیرے سوا کوئی معبود نہیں، تو ایک ہے اور تیرے ہی لئے تعریف ہے۔ (نسائی)

[1] اخرجه النسائی: ۱/۱۲۹ [2] اخرجه النسائی: ۲/۱۳۱

۷ ربیع الثانی ۱۴۱۰ھ

باب القراءة فى الصلاة

نماز میں قرأت کا بیان

قال الله تبارك وتعالىٰ ﴿واذا قرئ القرآن فاستمعوا له وانصتوا لعلكم ترحمون﴾ [1]

وقال الله تعالىٰ ﴿فاذا قرأت القرآن فاستعذ بالله من الشيطان الرجيم﴾ [2]

وقال الله تعالىٰ ﴿فاقرأوا ما تيسر من القرآن﴾ [3]

فقہاء کرام کے درمیان مسائل میں کبھی اس وجہ سے اختلاف ہوتا ہے کہ شرعی حکم کے ناسخ ومنسوخ کا صحیح ادراک نہیں ہو پاتا اور کبھی اس وجہ سے اختلاف ہوتا ہے کہ کسی حکم کے اندر استنباط واستخراج کے اسباب وعلل مختلف ہوجاتے ہیں کبھی مجتہدین کے اجتہاد میں تخلف ہوتا ہے کبھی فہم وادراک معانی میں فرق آجاتا ہے کبھی ایک ہی حکم کے متعلق کثرت نصوص اور اس میں تفاوت، اختلاف کا ذریعہ بنتا ہے کبھی صحابہ کرام کا کسی حکم پر اختلاف عمل سبب اختلاف ہوتا ہے چونکہ اس زمانہ میں ذرائع ابلاغ کی کمی تھی دور دراز علاقوں سے لوگ آکر مدینہ منورہ میں حضور اکرم ﷺ سے ایک حکم سیکھ لیتے اور واپس چلے جاتے اور اس حکم پر تاحیات عمل پیرا ہوتے۔ حالانکہ پیچھے اس حکم میں تبدیلی آچکی ہوتی لیکن وہ چونکہ خود نبی اکرم ﷺ سے ایک حکم سیکھ چکے ہوتے اس لئے اسی پر قائم رہتے تو آئندہ آنے والوں کے لئے وہ سبب اختلاف بن جاتا۔ اسی وجہ سے فقہاء کرام کو جب اللہ تعالیٰ نے ان احکامات کے جمع وترتیب کا موقع فراہم کیا تو نصوص میں معمولی یا غیر معمولی فروق انکے سامنے آگئے اللہ تعالیٰ ان کو جزائے خیر دے انہوں نے بڑی مشققتیں اٹھا کر شریعت مقدسہ کے احکامات کو عمل کے لئے عوام الناس کے سامنے واضح کر کے رکھدیا ان بیشمار مسائل میں کہیں کہیں فروعات میں اختلاف کا ہوجانا ایک فطری امر ہے اور یہ اختلاف زحمت نہیں بلکہ رحمت ہے تاہم شریعت کے احکامات میں فقہاء کرام کا جہاں جہاں اختلاف ہوا ہے ان میں سب سے بڑا اختلاف قرأت خلف الامام میں ہے۔ کیونکہ ایک جانب سے کہا جاتا ہے کہ ایسا کرنا فرض ہے اور دوسری جانب سے کہا جاتا ہے فرض نہیں بلکہ ناجائز ہے اسی وجہ سے قرأت خلف الامام کا مسئلہ ہمیشہ سے موضوع بحث رہا ہے۔ لہٰذا یہاں بھی اس سے متعلق چند ابحاث حاضر خدمت ہیں۔

---

[1] اعراف: ۲۰۴ [2] نحل: ۹۸ [3] مزمل: ۲۰

الفصل الاول

نماز میں سورۃ الفاتحہ پڑھنے کا بیان

﴿۱﴾ عن عُبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا صَلَاةَ لِمَنْ لَمْ يَقْرَأْ بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ. (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ وَفِي رِوَايَةٍ لِمُسْلِمٍ لِمَنْ لَمْ يَقْرَأْ بِأُمِّ الْقُرْآنِ فَصَاعِدًا)[۱]

ترجمہ: حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ آقائے نامدار ﷺ نے فرمایا ''جس شخص نے (نماز میں) سورۂ فاتحہ نہیں پڑھی اس کی نماز پوری نہیں ہوئی۔'' (بخاری، مسلم) اور مسلم کی ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں'' اس شخص کی نماز نہیں ہوتی جو سورۂ فاتحہ اور (اس کے بعد قرآن میں سے) کچھ اور نہ پڑھے۔''

توضیح: "لا صلوۃ" نماز میں قرأت سے متعلق تین مباحث اہم اور مشہور ہیں جن میں فقہاء کرام کا اختلاف ہے۔

بحث اول فاتحہ کی رکنیت وعدم رکنیت میں ہے۔[۲]

بحث دوم اس میں ہے کہ کتنی رکعات میں قرأت فرض ہے۔

بحث سوم قرأت خلف الامام میں ہے۔

مذکورہ مباحث ثلاثہ کو ترتیب کے ساتھ بیان کیا جاتا ہے۔

بحث اول فاتحہ کی رکنیت کے بیان میں:

نماز میں کتنی مقدار قرآن پڑھنا فرض ہے اور کونسا حصہ متعین ہو کر فرض ہے آیا فاتحہ رکن صلوۃ ہے یا نہیں اس میں فقہاء کرام کا اختلاف ہے۔

فقہاء کا اختلاف:

امام شافعی امام مالک اور امام احمد بن حنبل رحمہم اللہ تعالیٰ یعنی جمہور فرماتے ہیں کہ نماز میں فاتحہ کا پڑھنا متعین طور پر فرض ہے اور یہ رکن صلوۃ ہے اگر فاتحہ نہیں پڑھی گئی تو نماز نہیں ہوئی باقی قرآن خواہ کتنا بھی پڑھا گیا ہو۔

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ اور صاحبین فرماتے ہیں کہ فاتحہ متعین طور پر پڑھنا رکن صلوۃ نہیں ہے بلکہ رکن صلوۃ **"قدر ما تجوزبه الصلوۃ"** ہے خواہ آیۃ طویلہ یا قصیرہ ہو یعنی اتنی مقدار قرآن کا پڑھنا نماز میں فرض ہے جس سے نماز ہو جاتی ہو خواہ چھوٹی تین آیات ہوں یا ایک طویل آیت ہو ہاں احادیث مبارکہ کی وجہ سے بالخصوص فاتحہ کا نماز میں پڑھنا واجب ہے اگر کسی نمازی نے باقی قرآن پڑھ لیا لیکن فاتحہ چھوڑ دی تو فرض قرأت تو ادا ہوگئی لیکن واجب چھوٹنے کی وجہ سے نماز ناقص رہ گئی لہذا سجدہ سہو کرنا ہوگا تا کہ جبیرہ نقصان ہو جائے یا نماز کا اعادہ کریگا۔

[۱] اخرجه البخاری: ۱/۱۹۲ و مسلم: ۲/۸ [۲] المرقات: ۲/۵۳۶ اشعة اللمعات: ۳۹۸

دلائل:

جمہور کی دلیل حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ کی زیر بحث حدیث ہے کیونکہ اس میں مذکور ہے کہ عدم قرأت فاتحہ سے نماز کو کالعدم قرار دیا گیا ہے معلوم ہوا کہ خاص طور پر فاتحہ کا پڑھنا فرض ہے۔

اس کے چھوڑنے سے نماز کی نفی ہوتی ہے اور جس کو یہ مقام حاصل ہو وہ رکن ہوتا ہے لہذا فاتحہ رکن صلوٰۃ ہے یہ بات بھی یاد رکھیں کہ حضرات مالکیہ کے ہاں فاتحہ کے ساتھ سورۃ کا ملانا بھی فرض ہے یعنی دونوں رکن صلوٰۃ ہیں ائمہ احناف کی دلیل ﴿فاقرأوا ما تیسر من القرآن﴾[1] قرآن کی مطلق آیت ہے جس کا تقاضا یہ ہے کہ مطلق قرآن کا نماز میں پڑھنا فرض اور رکن صلوٰۃ ہے یہاں فاتحہ کی تخصیص وتعیین نہیں ہے لہذا وہ رکن نہیں ہوسکتی ہاں فاتحہ کی تخصیص حدیث کی خبر واحد سے ہوئی ہے اور جو حکم خبر واحد سے ثابت ہو جائے اس کو فرض نہیں بلکہ واجب کہنا چاہئے اور یہی احناف کا مذہب ہے کہ مطلق قرآن کا پڑھنا رکن اور فرض ہے اور خاص کر فاتحہ کا پڑھنا واجب ہے یہ اس لئے کہ فرض اور رکن کا مقام قطعی اور یقینی ہوتا ہے اور قطعی حکم کے اثبات کے لئے دلیل بھی قطعی ہونی چاہئے کیونکہ دلائل چار قسم پر ہیں۔ ① **قطعي الثبوت قطعي الدلالة** ② **قطعي الثبوت ظني الدلالة** ③ **ظني الثبوت قطعي الدلالة** ④ **ظني الثبوت ظني الدلالة**۔

تو پہلی قسم سے فرض ثابت ہوتا ہے دوسری قسم سے واجب ثابت ہوتا ہے تیسری قسم سے سنن مؤکدہ وغیرہ ثابت ہوتی ہیں اور چوتھی قسم سے مستحبات ثابت ہوتے ہیں۔

مذکورہ زیر بحث حضرت عبادہ رضی اللہ عنہ کی حدیث خبر واحد ہے جو ظنی الثبوت قطعی الدلالۃ ہے جس سے فرض یا رکن ثابت نہیں ہوسکتا ہے بلکہ صرف واجب ثابت ہوسکتا ہے اور وجوب فاتحہ کے احناف قائل ہیں لہذا یہ حدیث ان کے مسلک کے مخالف نہیں ہے نہ ان کا مسلک حدیث کا مخالف ہے نیز "لا صلوٰۃ" کے دو مفہوم لئے جاسکتے ہیں ایک مفہوم یہ کہ اس سے بالکل اصل صلوٰۃ کی نفی مراد لی جائے اور دوسرا مفہوم یہ کہ اس سے کمال صلوٰۃ کی نفی مراد لی جائے یعنی فاتحہ نہ پڑھنے کی صورت میں نماز کامل نہیں ہوتی بلکہ ناقص ہوجاتی ہے۔ اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت نے اس دوسرے مفہوم کو متعین کردیا ہے جس میں "**فصلوته خداج غير تمام**" کے الفاظ آئے ہیں یعنی نماز کا وجود ہے مگر فاتحہ نہ پڑھنے کی وجہ سے ناقص ہے اور یہ بھی اس وقت جبکہ آدمی امام یا منفرد ہو مقتدی نہ ہو۔

الزامی جواب یہ ہے کہ حدیث میں مازاد اور فصاعدا کے الفاظ بھی ہیں تو کیا فاتحہ کے علاوہ کچھ اور بھی رکن صلوٰۃ ہے؟۔

بحث دوم کتنی رکعات میں قرأت فرض ہے:

دوسرا اختلاف اس میں ہے کہ کتنی رکعتوں میں قرأت فرض ہے تو اس پر سب کا اتفاق ہے کہ نماز میں قرأت فرض ہے لیکن اس میں اختلاف ہے کہ فرض نماز کی کتنی رکعتوں میں قرأت فرض ہے۔

[1] مزمل: ۲۰۔

فقہاء کا اختلاف:

امام زفر اور حضرت حسن بصری رحمہما اللہ تعالیٰ کے نزدیک صرف ایک رکعت میں قرأت فرض ہے ﴿فاقرأوا﴾ حکم ہے جس میں تکرار نہیں ہے اور امر تکرار کا تقاضا بھی نہیں کرتا ایک رکعت میں فرض قرأت کافی ہے۔[1]
امام مالک رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ تین رکعات میں قرأت فرض ہے کیونکہ تین رکعات اکثر ہیں اور للاکثر حکم الکل[2] مسلمہ قاعدہ ہے گویا مالکیہ کے ہاں چاروں رکعتوں میں قرأت فرض ہے لیکن تین رکعات میں پڑھنے سے یہ حق ادا ہوجاتا ہے۔
امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک فرائض کی تمام رکعتوں میں قرأت فرض ہے اور ضم سورۃ فرائض کی پہلی دو رکعتوں میں نہ واجب ہے نہ سنت ہے بلکہ مستحب ہے مشہور قول کے مطابق حنابلہ کا بھی یہی مسلک ہے کہ تمام رکعات میں قرأت فرض ہے یہ حضرات قرآن وحدیث کے مطلق حکم کو دیکھتے ہیں جس میں قرأت پڑھنے کا حکم ہے۔
ائمہ احناف کا مشہور اور مفتیٰ بہ قول یہ ہے کہ اگر چار رکعت والی نماز ہے تو پہلی دو رکعتوں میں "بقدر ثلاث آیات قصار" مطلق قرأت فرض ہے اور خاص طور پر فاتحہ کا پڑھنا واجب ہے البتہ دو رکعتوں کے بعد قرأت پڑھنا ضروری نہیں ہے خواہ فاتحہ پڑھے یا تسبیح پڑھے یا خاموش رہے۔

بحث سوم قرأت خلف الامام:

تیسرا اختلاف اس میں یہ ہے کہ مجموعی طور پر نماز تین قسم پر ہے۔ ① صلوٰۃ الامام ② صلوٰۃ الماموم ③ صلوٰۃ المنفرد۔ پھر ایک نماز جہری ہے ایک سری ہے تو امام کے لئے اور اسی طرح منفرد کے لئے جہری اور سرّی دونوں نمازوں میں مطلق قرأت بالاجماع فرض ہے مقتدی اور ماموم پر امام کے پیچھے سورۃ کا پڑھنا بالاتفاق واجب نہیں اب صرف ایک صورت رہ گئی کہ امام کے پیچھے مقتدی پر فاتحہ کا پڑھنا کیسا ہے اس میں اختلاف ہے۔

فقہاء کا اختلاف:

قرأت خلف الامام یعنی فاتحہ خلف الامام کے پڑھنے یا نہ پڑھنے میں فقہاء کرام کا بہت بڑا اختلاف ہے۔ یہ ایک معرکۃ الآراء اختلافی مسئلہ ہے اختلافی مسائل میں یہ سب سے زیادہ سنگین نوعیت کا مسئلہ ہے کیونکہ ایک فریق پڑھنے کو فرض کہتا ہے اور دوسرا فریق ناجائز وحرام کہتا ہے۔ یہ اختلاف بہرحال صحابہ کرام کے دور سے چلا آرہا ہے اس دور میں اس میں اتنی شدت اور اتنا شور نہیں تھا علامہ بدرالدین عینی رحمہ اللہ نے اسی (۸۰) صحابہ کو شمار کیا ہے جو فاتحہ خلف الامام کے ترک کرنے کے قائل تھے ان میں حضرت عبداللہ بن مسعود حضرت ابن عباس حضرت عمر فاروق حضرت ابوموسیٰ اشعری حضرت ابودرداء حضرت ابن عمر حضرت علی حضرت عائشہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے نام شامل ہیں اس مسئلہ کا نام قرأت خلف الامام ہے مگر اس سے

[1] اشعۃ اللمعات: ۳۹۸ [2] اشعۃ اللمعات: ۳۹۸

فاتحہ خلف الامام مراد لینا متعین ہوگیا ہے جمہور فقہاء یعنی امام ابوحنیفہ امام مالک امام احمد بن حنبل سفیان ثوری اور اوزاعی شام اور عبداللہ بن مبارک رحمہم اللہ تعالیٰ کے نزدیک جہری نماز میں امام کے پیچھے فاتحہ پڑھنا جائز نہیں ہے۔

پھر ائمہ ثلاثہ میں سے امام مالک اور امام احمد بن حنبل رحمہما اللہ تعالیٰ کے نزدیک سرّی نماز میں قرأت خلف الامام مستحب ہے نیز جہری نماز میں اگر مقتدی امام کی قرأت نہیں سنتا ہو تو اس وقت بھی اس کے لئے فاتحہ پڑھنا مستحب ہے۔

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے سرّی نمازوں میں فاتحہ پڑھنے یا نہ پڑھنے کے متعلق پانچ اقوال معارف السنن میں حضرت سید یوسف بنوری رحمۃ اللہ علیہ نے نقل کئے ہیں۔ ① پڑھنا واجب ہے ② مستحب ہے ③ مباح ہے ④ مکروہ تنزیہی ہے ⑤ مکروہ تحریمی ہے۔ احناف کے ہاں مکروہ تحریمی کو ترجیح حاصل ہے علماء احناف میں سے امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کی طرف یہ بات صاحب ہدایہ نے منسوب کی ہے کہ ان کے نزدیک سرّی نمازوں میں قرأت خلف الامام مستحب ہے اسی طرح ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ اور کچھ دیگر علماء نے بھی کہا ہے کہ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک مستحب ہے لیکن امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کی کتابوں کی طرف اگر رجوع کیا جائے تو اس موجودہ حالت میں ان کی کتابوں سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ آپ کے نزدیک کسی صورت میں فاتحہ خلف الامام پڑھنے کی اجازت نہیں ہے چنانچہ مؤطا امام محمد میں آپ فرماتے ہیں "لا قرأة خلف الامام فیما جهر فیه ولا فیما لم یجهر بذلك جاءت عامة الآثار وهو قول ابی حنیفة"۔ (ص ۹۴)

اسی طرح وہ کتاب الآثار میں ترک قرأت خلف الامام کی روایات جمع کر کے فرماتے ہیں "وبه نأخذ لا نری القراءة خلف الامام فی شیء من الصلوٰة یجهر فیه او لا یجهر"۔ (ص ۱۵)

ان روایات سے بیشک معلوم ہوتا ہے کہ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کا مسلک فاتحہ خلف الامام میں وہی ہے جو عام احناف کا ہے تاہم صاحب ہدایہ اعرف بیان مسلک الاحناف ہے۔

نیز ملا علی قاری المرقات شرح مشکوٰۃ میں فرماتے ہیں۔

"والامام محمد من ائمتنا یوافق الشافعی فی القراءة فی السریة وهو اظهر فی الجمع بین الروایات الحدیثیة" (مرقات ج ۲ ص ۳۰۱) [1]

یعنی ہمارے ائمہ احناف میں سے امام محمد رحمۃ اللہ علیہ سری نمازوں میں قراءۃ خلف الامام میں شوافع کے موافق ہیں اور احادیث کی تمام روایات کو جمع کرنے کے لئے یہ مسلک زیادہ واضح ہے اور یہی امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا بھی مسلک ہے۔

ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ [2] فصل ثانی کی ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث ۱۳ کے تحت لکھتے ہیں۔

"ومفهومه انهم كانوا یسرون بالقراءة فیما كان یخفی فیه رسول الله ﷺ وهو مذهب الاكثر وعلیه الامام محمد من ائمتنا" (مرقاۃ ج ۲ ص ۳۰۲) [3]

[1] المرقات: ۲/۵۸۰ [2] المرقات: ۲/۵۸۰ [3] المرقات: ۲/۵۸۲

غالباً شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کی بھی یہی رائے ہے کہ سرّی نمازوں میں قراءۃ خلف الامام بہتر ہے۔ تاہم ائمہ احناف کے مسلک کا فتویٰ ایسا نہیں ہے۔ کاش اگر سری نمازوں میں احناف فاتحہ خلف الامام پڑھنے کا فتویٰ دیتے اور شوافع جہری میں نہ پڑھنے کا فتویٰ دیتے تو اس سے دونوں مسلکوں میں اس سنگین اختلاف کی یہ خلیج کم ہو جاتی اور تمام نصوص میں تطبیق ہو جاتی جیسا کہ مالکیہ وحنابلہ کا مسلک ہے۔

مفتی الہند مفتی کفایت اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے تعلیم الاسلام میں لکھا ہے۔

سوال: قرأت سے کیا مراد ہے؟

جواب: قرأت قرآن مجید پڑھنے کو کہتے ہیں۔

سوال: نماز میں کتنا قرآن مجید پڑھنا ضروری ہے؟

جواب: کم از کم ایک آیت پڑھنا فرض ہے اور سورۃ فاتحہ پڑھنا واجب ہے اور فرض کی پہلی دو رکعتوں اور نماز وتر اور سنت اور نفل کی تمام رکعتوں میں سورۃ فاتحہ کے بعد کوئی اور سورۃ یا بڑی ایک آیت یا چھوٹی تین آیتیں پڑھنا واجب ہے۔

سوال: کیا سورۃ فاتحہ تمام نمازوں کی ہر رکعت میں پڑھنا واجب ہے؟

جواب: فرض نماز کی تیسری رکعت اور چوتھی رکعت کے علاوہ ہر نماز کی خواہ وہ فرض نماز ہو یا واجب یا سنت یا نفل ہر رکعت میں سورۃ فاتحہ پڑھنا واجب ہے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک مقتدی پر امام کے پیچھے فاتحہ کا پڑھنا فرض ہے۔

۸ ربیع الثانی ۱۴۱۰ھ

دلائل:

شوافع حضرات نے زیر بحث حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ کی حدیث سے استدلال کیا ہے۔

شوافع کی دوسری دلیل ساتھ والی حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے جس میں **خداج غیر تمام** کے الفاظ آئے ہیں یعنی جس نے نماز میں فاتحہ نہیں پڑھی تو اس کی نماز ناقص غیر تمام ہے کسی نے سوال کیا کہ اے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کبھی ہم امام کے پیچھے ہوتے ہیں تو اس وقت قرأت کے دوران ہم فاتحہ کیسے پڑھیں گے آپ نے جواب میں فرمایا جس کا خلاصہ یہ ہے کہ فاتحہ دل میں پڑھو مگر چھوڑو نہیں کیونکہ فاتحہ کی بہت بڑی فضیلت ہے اور حدیث میں اس پر صلوٰۃ کا اطلاق ہوا ہے۔

بہرحال شوافع کی اصل دلیل جو اپنے مدعا پر واضح ہے وہ مشکوۃ شریف کے صفحہ ۸۱ پر فصل ثانی [1] میں حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ کی حدیث نمبر ۳۰ ہے اس کے علاوہ شوافع حضرات نے صحابہ کرام کے کچھ آثار سے بھی استدلال کیا ہے۔

جمہور میں مالکیہ اور حنابلہ نے احادیث قرأت خلف الامام کی روایات میں تطبیق پیدا کی ہے کہ جہاں امام کے پیچھے پڑھنے سے ممانعت آئی ہے وہ جہری نمازوں میں ہے اور جہاں فاتحہ خلف الامام پڑھنے کا حکم آیا ہے وہ سرّی نمازوں میں ہے کاش پوری امت اسی پر جمع ہو جاتی۔

---

[1] المرقات: ۲/۵۸۰

جمہور میں سے ائمہ احناف کے لئے دوقسم کے دلائل کی ضرورت ہے ایک وہ دلیل جس میں جہری نماز میں فاتحہ خلف الامام کی ممانعت کا ذکر ہو اور دوسری وہ دلیل جس میں سرّی نماز میں فاتحہ خلف الامام کے نہ پڑھنے کا ثبوت ہو چونکہ یہ مسئلہ انتہائی نازک ہے اس لئے یہاں ذرا تفصیل سے دلائل کا بیان ہوگا۔

احناف کی پہلی دلیل

جہری نمازوں میں فاتحہ خلف الامام نہ پڑھنے پر احناف اور جمہور کی دلیل قرآن کریم کی آیت ہے ﴿**واذا قرئ القرآن فاستمعوا له وانصتوا لعلکم ترحمون**﴾۔ (اعراف ۲۰۴)[۱]

یہاں دو لفظ ہیں ایک ﴿**فاستمعوا**﴾ ہے اس کا تقاضا ہے کہ جب قرآن پڑھنے کے وقت اگر وہ سنا جاتا ہو تو تم خاموش رہ کر اس کو سنا کرو، یہاں دوسرا لفظ ﴿**انصتوا**﴾ ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ جب قرآن پڑھا جاتا ہو تو اگرچہ وہ نہیں سنا جاتا ہو پھر بھی خاموش رہو۔ اس صورت میں **استمعوا** اور **انصتوا** میں لغت کے اعتبار سے فرق ہوگا اور اس فرق کو مفسرین نے تسلیم کیا ہے لہٰذا یہ دلیل احناف کے دونوں دعوؤں پر واضح دلیل ہے کہ امام کے پیچھے جہری اور سرّی دونوں قسم کی نمازوں میں قرأت نہیں ہے۔

اور اگر **استمعوا** اور **انصتوا** کا مفہوم الگ الگ نہ ہو بلکہ ایک ہو کہ جب قرآن پڑھا جائے تو تم خاموش رہا کرو تو اس صورت میں یہ آیت جہری نمازوں میں امام کے پیچھے نہ پڑھنے پر احناف اور جمہور کی واضح دلیل ہے۔

سوال: شوافع اور خاص کر غیر مقلدین نے اس استدلال پر یہ اعتراض کیا ہے کہ یہ آیت خطبہ جمعہ کے متعلق نازل ہوئی ہے لہٰذا خطبہ کے دوران خاموش رہنا چاہئے نماز سے اس کا تعلق نہیں ہے۔

جواب: یہ کہ مفسرین اور جمہور علماء کے نزدیک یہ آیت نماز کے متعلق اتری ہے۔ حافظ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ:

"**قال احمد اجمع الناس علی انها نزلت فی الصلوٰة**"۔ (فتاویٰ ابن تیمیہ ج ۲۲ ص ۲۹۵)

امام المفسرین محمد بن جریر طبری فرماتے ہیں کہ اس آیت کے شان نزول میں تین قسم کے اقوال مشہور ہیں اول یہ کہ نماز سے متعلق ہے دوسرا یہ کہ اس کا تعلق خطبہ سے ہے تیسرا احتمال یہ کہ یہ آیت نماز اور خطبہ دونوں سے متعلق ہے کہ دونوں میں قرآن کے پڑھنے کے دوران خاموش رہنا چاہئے ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے تیسرے قول کو راجح قرار دیا ہے۔

دوسرا جواب: یہ کہ چلو یہ آیت خطبہ جمعہ کے بارے میں آئی ہے تو جب خطبہ کی چند آیتوں کی وجہ سے استماع اور انصات کا حکم ہے تو نماز کی قرأت میں بدرجہ اولیٰ ہونا چاہئے کیونکہ نماز میں بہت ساری آیتیں پڑھی جاتی ہیں۔

تیسرا جواب: یہ ہے کہ قرآن کی آیتوں میں عموم الفاظ کا اعتبار ہوتا ہے خصوص مورد اور خصوص واقعہ کا اعتبار نہیں ہوتا کما فی الاصول۔

---

[۱] اعراف: ۲۰۴

چوتھا جواب: یہ کہ سورۃ اعراف کی یہ آیت مکی ہے اور خطبہ جمعہ یا خطبہ عیدین کی مشروعیت وابتدا مدینہ منورہ میں ہوئی تھی تو آیت کا تعلق خطبہ سے کیسے ممکن ہوسکتا ہے۔ (کذا قال شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ)

غیر مقلدین حضرات جب اس آیت کے جواب سے عاجز آجاتے ہیں تو پھر سورۃ فاتحہ کو قرآن سے خارج کرتے ہیں میں نے خود ایک غیر مقلد سے سنا کہ سورۃ فاتحہ قرآن نہیں ہے لہٰذا امام جب فاتحہ پڑھتا ہو تو مقتدی کے لئے خاموش رہنا ضروری نہیں۔

دوسری دلیل:

احناف اور جمہور کی دوسری دلیل حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے جو مشکوٰۃ شریف ص ۷۹ پر موجود ہے اور ترتیب کے اعتبار سے فصل اول کی حدیث نمبر ۵ ہے جو ایک لمبی حدیث ہے جس میں یہ الفاظ آئے ہیں "**واذا قرأ فانصتوا**" یعنی جب امام قرآن پڑھے تو تم خاموش رہو اس حدیث کو امام مسلم نے صحیح مسلم ج ا ص ۱۷۴ پر نقل کیا ہے اور تاکید کے ساتھ اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے اگر چہ حدیث کے بعض طرق میں یہ جملہ مذکور نہیں ہے آگے تفصیل آرہی ہے۔

سوال: شوافع حضرات نے حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کی اس روایت پر دو اعتراض کئے ہیں۔ پہلا اعتراض یہ کہ اس روایت کی سند میں سلیمان تیمی رحمہ اللہ ہے اور وہ مدلّس ہے اور یہاں قتادہ رحمہ اللہ سے عنعنہ کیساتھ نقل کر رہا ہے اور مدلّس کا عنعنہ قبول نہیں۔ دوسرا اعتراض یہ ہے کہ **واذا قرأ فانصتوا** کا جو جملہ ہے وہ قتادہ سے صرف ان کے ایک شاگرد سلیمان تیمی رحمہ اللہ نقل کرتے ہیں قتادہ کے دیگر تلامذہ اس جملہ کو نقل نہیں کرتے تو سلیمان تیمی رحمہ اللہ اس جملہ کے نقل کرنے میں منفرد ہیں لہٰذا یہ جملہ معتبر نہیں۔

جواب: پہلے اعتراض کا جواب یہ ہے کہ بعض مدلّسین کی ثقاہت کی وجہ سے ان کا عنعنہ قبول کیا جاتا ہے جیسے قتادہ، اعمش اور سلیمان تیمی لہٰذا یہاں بھی ان کا عنعنہ قبول ہے۔ محدثین نے تصریح کی ہے کہ صحیحین کی روایتوں میں اگر مدلّس کا عنعنہ بھی آجائے تو وہ مقبول ہے۔ کیونکہ صحیحین کی سب روایتوں کی صحت پر علماء کا اتفاق ہے وہ اگر عنعنہ کے ساتھ بھی مدلّس کی روایت نقل کرتے ہیں تو پوری تحقیق اور پورے اعتماد کے ساتھ نقل کرتے ہیں چنانچہ امام نووی رحمہ اللہ ایک مقام پر فرماتے ہیں۔

"فقد قدمنا فی مواضع من هذا الشرح ان ما رواه البخاری ومسلم عن المدلسین وعنعنوه فهو محمول علی انه ثبت من طریق آخر سماع ذلك المدلس هذا الحدیث فیمن عنعنه منه واکثر هذا او کثیر منه یذکر مسلم وغیره سماعه من طریق آخر متصلا به" (مسلم ج ا ص ۲۰۹)

چنانچہ شوافع کا یہ اعتراض اس لئے بے جا ہے کہ یہی روایت ابوداؤد وغیرہ میں مذکور ہے وہاں عنعنہ نہیں ہے۔

دوسرے اعتراض کا جواب یہ ہے کہ قتادہ سے "واذاقرأفانصتوا" کا جملہ صرف سلیمان تیمی رحمۃ اللہ علیہ نقل نہیں کرتے ہیں بلکہ ان کے متابع موجود ہیں چنانچہ صحیح ابوعوانہ کی روایت میں قتادہ رحمۃ اللہ علیہ سے ابوعبیدہ نقل کرر ہے ہیں اور بیہقی و دار قطنی اور بزاز کی روایت میں حضرت قتادہ رحمۃ اللہ علیہ سے عمر بن عامر اور سعید بن ابی عروبہ رحمہما اللہ تعالیٰ نقل کرتے ہیں تو قتادہ رحمۃ اللہ علیہ سے اگر یہ جملہ سلیمان تیمی رحمۃ اللہ علیہ نے نقل کیا ہے تو عمر بن عامر سعید بن ابی عروبۃ اور ابوعبیدہ رحمہم اللہ تعالیٰ نے بھی نقل کیا ہے لہٰذا سلیمان تیمی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت قتادہ رحمۃ اللہ علیہ کے دیگر شاگردوں کی مخالفت نہیں کی بلکہ آپ نے ایک زائد مستند جملہ کو ذکر کیا ہے جس کو دوسرے شاگردوں نے نقل نہیں کیا تو یہ مخالفت نہیں ہے۔

امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے اس جملہ کو صحیح قرار دیا ہے کیونکہ آپ سے آپ کے شاگرد ابوبکر رحمۃ اللہ علیہ نے پوچھا کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں جو واذاقرأفانصتوا کا جملہ ہے وہ کیسا ہے امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا "**هو صحيح عندي**" یعنی میرے نزدیک صحیح ہے۔

"**فقال لم لم تضعه ههنا؟ فقال ليس كل شيء عندي صحيح وضعته ههنا**"۔ (مسلم ج۱ص۱۷۴)

یعنی شاگرد نے پوچھا کہ جب یہ جملہ صحیح تھا تو پھر آپ نے کتاب میں ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ والی اس حدیث میں درج کیوں نہیں کیا؟ امام مسلم نے جواب میں فرمایا کہ یہ ضروری نہیں کہ میں ہر صحیح حدیث کو یہاں جمع کردوں۔ بہت ساری صحیح احادیث ہیں مگر میں نے یہاں جمع نہیں کیں جیسے یہی حدیث ہے جس میں یہ جملہ ہے البتہ جس حدیث کو میں جمع کرتا ہوں وہ ضرور صحیح ہوتی ہے۔

ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کی روایت سے احناف کا صرف ایک دعویٰ ثابت ہوتا ہے کہ جہری نماز میں قرأت خلف الامام نہیں ہے۔

تیسری دلیل:

ائمہ احناف اور جمہور کی تیسری دلیل حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے جس کو ابوداؤد، امام نسائی اور ابن ماجہ نے نقل کیا ہے اور مشکوۃ کے ص ۸۱ پر مذکور ہے اور شمار کے اعتبار سے حدیث نمبر ۳۳ ہے جس کے الفاظ یہ ہیں۔[1]

"**عن ابي هريرة قال قال رسول الله ﷺ انما جعل الامام ليؤتم به فاذا كبر فكبروا واذا قرأ فانصتوا**"۔ (رواہ ابوداؤد)[2]

سوال: شوافع نے اس روایت پر اعتراض کیا ہے کہ اس میں ایک راوی ابوخالد ہے جو ضعیف ہے لہٰذا استدلال صحیح نہیں ہے۔

جواب: اس اعتراض کا جواب یہ ہے کہ علامہ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے ابوخالد کو ثقات میں شمار کیا ہے۔ اسی طرح نواب صدیق حسن خان نے ان کو ثقہ کہا ہے نیز ابوخالد کا متابع محمد بن سعد انصاری بھی ہے۔ علامہ شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ **فتح الملهم** میں فرماتے ہیں کہ اس حدیث میں اگر **واذاقرأفانصتوا** کے الفاظ نہ بھی ہوں پھر بھی یہ حدیث عدم

[1] المرقات: ۲/۵۸۲ [2] المرقات: ۲/۵۸۲

قرأت خلف الامام پر واضح دلیل ہے کیونکہ بخاری ومسلم میں اور دیگر تمام کتب احادیث میں "**واذاقرأفانصتوا**" جملہ کے علاوہ حدیث بکثرت موجود ہے جس میں مقتدی کو امام کی اتباع کا حکم دیا گیا ہے اور امام کی اتباع تکبیر میں یہ ہے کہ تم بھی تکبیر کہو رکوع میں اتباع یہ کہ تم بھی رکوع میں جاؤ سجدہ میں اتباع یہ کہ تم بھی سجدہ کرو قیام میں اتباع یہ کہ تم بھی قیام کرو اب سوچنا چاہئے کہ قرآن پڑھنے میں امام کی اتباع کرنے کا طریقہ کیا ہے آیا پڑھنا ہے یا خاموش رہنا ہے تو بخاری کی روایت میں ہے کہ جب جبرائیل علیہ السلام وحی لاکر قرآن پڑھتے تھے تو حضور اکرم ﷺ بھی ساتھ ساتھ پڑھتے تھے تو قرآن کی آیت آئی ﴿**فاذاقرأناه فتبع قرآنه**﴾ اس فاتبع قرآنہ کی تفسیر میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں "**اى استمع له وانصت**" اس سے واضح طور پر معلوم ہوا کہ قرآن پڑھتے وقت امام کی اتباع یہ ہے کہ مقتدی خاموش رہے خواہ قرآن سنے یا نہ سنے اس لئے کہ یہ ذمہ داری امام خود پوری کر رہا ہے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی یہ حدیث بھی احناف کے دونوں دعوؤں کے لئے دلیل بن سکتی ہے۔

چوتھی دلیل:

ائمہ احناف کی چوتھی دلیل حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی روایت ہے جس کے الفاظ یہ ہیں۔

"**عن جابر رضی اللہ عنہ قال قال رسول الله ﷺ من كان له امام فقراءة الامام له قراءة**"۔

طحاوی نے اس روایت کو مختلف طرق سے نقل کیا ہے اسی طرح امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے موطا میں اس کو ذکر کیا ہے نیز مسند ابی حنیفہ میں بھی موجود ہے اور بیہقی ودارقطنی نے بھی اس کو نقل کیا ہے اس کے اکثر طرق میں اگرچہ ضعف ہے لیکن بعض طرق بالکل صحیح ہیں۔

سوال: دارقطنی نے اس روایت کے مرفوع ہونے پر اعتراض کر کے لکھا ہے کہ "**لم يسنده عن موسى بن ابى عائشه غيرابى حنيفه والحسن بن عمارة وهما ضعيفان**" یعنی اس روایت کو مرفوع نقل کرنے والے صرف دو راوی ہیں ایک ابوحنیفہ ہیں اور دوسرا حسن بن عمارہ ہے اور یہ دونوں ضعیف ہیں۔

جواب: علامہ بدرالدین عینی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اگر دارقطنی میں ذرا بھی شرم وحیاء ہوتی وہ اس طرح کی بات کبھی نہ کرتے، پھر ان کے اپنے ہی علماء شوافع نے دارقطنی پر اس طرح قلم اٹھایا ہے کہ اس کو پاش پاش کر کے رکھدیا ہے اور پھر اصحاب الجرح والتعدیل کے علماء نے کہا ہے کہ ائمہ اربعہ پر تفصیلی جرح بھی معتبر نہیں ہے چہ جائیکہ اجمالی جرح ہو، بلکہ علماء جرح والتعدیل نے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی زبردست توثیق فرمائی ہے چنانچہ یحی بن معین فرماتے ہیں "**ابوحنيفة ثقة مامون ماسمعت احدا ضعفه وشعبة بن الحجاج يكتب اليه ان يحدث**" نیز شعبہ بن الحجاج نے آپ کو "صدوق فی الحدیث" کے شاندار الفاظ سے یاد کیا ہے آپ نے لکھا ہے "**قال شعبة**

ابوحنیفة ثقة من اهل الدین والصدق ولم یتهم بالکذب وکان مامونا فی دین الله صدوقا فی الحدیث"۔ یاد رہے شعبہ بن الحجاج ؒ امام ابوحنیفہ ؒ کے بڑے اساتذہ میں سے ہیں۔ بہر حال ابوحنیفہ ؒ کی شان بہت اونچی ہے امام بخاری ومسلم کے استاذ فی الحدیث الشیخ عبدالرزاق صاحب ؒ المصنف امام ابوحنیفہ کے شاگرد ہیں وہ اپنی کتاب میں جب امام ابوحنیفہ ؒ کی حدیث نقل کرتے ہیں تو فرماتے ہیں اخبرنا ابوحنیفة الخ۔ شیخ عبدالرزاق ؒ نے اپنی کتاب مصنف میں قریباً ستر روایات امام ابوحنیفہ ؒ سے لی ہیں۔ امام شافعی ؒ وامام احمد بن حنبل ؒ تو امام ابوحنیفہ ؒ کے شاگردوں کے شاگرد ہیں اسی لئے امام شافعی ؒ نے فرمایا "الناس عیال فی الفقه علی ابی حنیفه ؒ" بہر حال دارقطنی کو مناسب نہیں تھا کہ اپنے ہی سلسلے کے اتنے بڑے فقیہ وامام پر اس طرح رکیک حملے کرتے۔ چلو ہم ایسی سند لاتے ہیں جن میں امام ابوحنیفہ نہیں ہیں۔

"عن اسحاق الازاق عن سفیان وشریك عن موسی بن ابی عائشة عن ابراهیم عن جابر قال قال رسول الله ﷺ من کان له امام فقراءة الامام له قراءة"۔

تیسری سند بھی لیجیے تاکہ تسلی ہو جائے۔

"عن اسحاق الازاق عن سفیان الثوری وشریك عن موسی بن ابی عائشة عن شداد بن الهاد عن جابر قال قال رسول الله ﷺ من کان له امام فقراءة الامام له قراءة"

یہ تمام روایات مرفوع ہیں اور یہ آخری سند تو علی شرط مسلم ہے۔ اور اگر دارقطنی بضد ہیں کہ حدیث مرسل ہے تو ہم ان کو بتادیتے ہیں کہ ہمارے نزدیک اور جمہور علماء کے نزدیک مرسل روایت حجت ہے اگر دارقطنی کے ہاں حجت نہیں ہے تو ہم ان کے اس ورد کو کم نہیں کر سکتے ہیں۔

یہ روایت ائمہ احناف کے دونوں دعوؤں کے لئے بہترین دلیل ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ یعنی سرّی وجہری دونوں نمازوں میں امام کی قرأت مقتدیوں کیلئے کافی ہے۔

پانچویں دلیل:

"عن ابن عباس رضی الله عنهما ان النبی ﷺ قال تکفیك قراءة الامام خافت وجهر" (رواه دارقطنی)

بعض نے اس روایت پر منکر کا حکم لگایا ہے لیکن ابن قدامہ ؒ فرماتے ہیں کہ اس روایت پر فقہاء کے مذہب کی بنیاد قائم ہے اور فقہاء کا مسلک جن روایات پر قائم ہو ان روایات کو منکر نہیں کہا جاسکتا ہے یہ روایت ائمہ احناف کے مسلک کے لئے واضح ترین دلائل میں سے ہے احناف کے دونوں دعوے اس سے ثابت ہوتے ہیں۔

چھٹی دلیل:

ائمہ احناف کی چھٹی دلیل مشکوٰۃ شریف ص ۸۱ پر حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے جس میں یہ الفاظ آئے ہیں۔
"**قال فانتهى الناس عن القراءة مع رسول الله** ﷺ" نمبر شمار کے لحاظ سے یہ حدیث ۳۱ ہے یہ حدیث جہری نماز میں قراءۃ خلف الامام نہ کرنے پر واضح ترین دلیل ہے جو جمہور کے دلائل میں سے ایک دلیل ہے نیز ابوہریرہ رضی اللہ عنہ متأخر فی الاسلام ہیں تو شاید یہ روایت قرأت کی باقی احادیث کے لئے ناسخ ہو۔

سوال: اس حدیث پر شوافع کی جانب سے ایک اعتراض ہے وہ یہ کہ "**فانتهى الناس**" کا جملہ زہری کا ہے صحابی کا نہیں ہے تو یہ روایت مرسل ہے اور یہ جملہ مرفوع نہیں ہے۔

جواب: احناف اس اعتراض کا جواب دیتے ہیں کہ حقیقت یہ ہے کہ یہ جملہ حضرت ابوہریرہ کا نقل کردہ جملہ ہے اور زہری کا نہیں ہے شوافع کو وہم ہوگیا اور وہم کا قصہ یوں پیش آیا کہ زہری اس روایت کو بیان فرمارہے تھے جب **فانتهى الناس** تک پہنچے تو آواز پست ہوگئی سنائی نہیں دے رہی تھی تو شاگردوں نے ایک دوسرے سے پوچھا **ما قال الزهري**؟ یعنی زہری نے کیا کہا جب ان کی آواز پست ہوگئی تو بتانے والے نے بتایا کہ **قال الزهري فانتهى الناس** تو آئندہ نقل کرنے والوں کو شبہ ہوگیا کہ یہ قول امام زہری رحمۃ اللہ علیہ کا ہے صحابی کا نہیں ہے۔

حالانکہ ادھر ابوداؤد شریف ص نمبر ۱۴۰ میں تصریح موجود ہے کہ "**قال قال ابوهريرة فانتهى الناس**" دوسرا جواب یہ ہے کہ چلو مرسل ہے تو کیا ہوا؟ جمہور تو مرسل کو دل وجان سے قبول کرتے ہیں یہ روایت بھی ہمیں قبول ہے اس روایت سے بھی احناف کا ایک دعویٰ ثابت ہورہا ہے کہ جہری نمازوں میں فاتحہ خلف الامام پڑھنے سے لوگ رک جائیں۔

ساتویں دلیل:

احناف کی ایک مضبوط دلیل حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ کی روایت اور ان کا واقعہ ہے جنہوں نے مسجد نبوی میں داخل ہوتے وقت حضور اکرم ﷺ کو رکوع میں پایا اور وہیں دروازہ سے نیت باندھی اور رکوع کی حالت میں صف کی طرف دوڑتے ہوئے پہنچے نماز سے فراغت کے بعد آپ رضی اللہ عنہ نے حضور اکرم ﷺ سے مسئلہ پوچھا حضور ﷺ نے فرمایا "**زادك الله حرصا ولا تعد**" (**مشکوٰۃ ص ۹۹**) آنحضرت ﷺ نے ان کو نماز لوٹانے کا نہیں فرمایا بلکہ شوق بڑھنے کی دعا مانگی کہ اللہ تعالیٰ نیکی کی طرف تیرے شوق میں اضافہ کرے آیندہ ایسا نہ کرو بلکہ صف کے ساتھ شامل ہوکر تکبیر تحریمہ ادا کرو جو نماز مل گئی اسے پڑھو اور جو قضا ہوگئی اس کو ادا کرو۔

حدیث کے اس واقعہ میں شوافع کوئی تاویل نہیں کرسکتے اور یہ ایک مضبوط دلیل ہے کہ امام کی قرأت مقتدی کی قرأت ہے الگ پڑھنے کی ضرورت نہیں ہے ورنہ فرض چھوڑنے سے نماز کو کیسے صحیح کہا جاسکتا ہے۔ دراصل یہاں ایک اصل اور ضابطہ کارفرما ہے جس نے شوافع کو اس طرح مسلک اپنانے پر مجبور کردیا ہے وہ یہ کہ شوافع کے نزدیک امام اور مقتدیوں کے

درمیان نماز میں اتحاد نہیں ہے بلکہ صرف اشتراک عمل ہے اور ہر ایک کا اپنا اپنا عمل ہے اس لئے ہر ایک کو فاتحہ پڑھنا چاہئے امام کا پڑھنا خود اس کے لئے ہے مقتدی کو خود پڑھنا چاہئے لیکن احناف کے نزدیک دونوں کی نماز میں صرف اشتراک عمل نہیں بلکہ اتحاد عمل بھی ہے لہٰذا امام کی قرأت مقتدیوں کی قرأت ہے۔

بہر حال یہ روایت بھی احناف کے دونوں دعووں کے لئے دلیل ہے۔

آٹھویں دلیل:

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جو شخص نماز پڑھے اور اس میں فاتحہ نہ پڑھے تو اس نے نماز ہی نہیں پڑھی "**الا ان یکون وراء الامام**" یعنی ہاں اگر امام کے پیچھے ہو تو پھر فاتحہ پڑھے بغیر نماز ہو جاتی ہے (ترمذی طحاوی اور موطا مالک نے اس روایت کو نقل کیا ہے)۔ یہ روایت احناف کے لئے سرّی اور جہری دونوں نمازوں کے لئے بالکل واضح دلیل ہے۔

نویں دلیل:

احناف کی نویں دلیل حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی وہ مشہور حدیث ہے جس کو شوافع حضرات اپنی دلیل میں پیش کرتے ہیں لیکن حقیقت میں وہ احناف کی دلیل ہے اس کے چند الفاظ یہ ہیں۔

"**وعن ابی هريرة قال قال رسول الله ﷺ من صلی صلوٰة لم يقرأ فيها بام القرآن فهي خداج ثلاثا غير تمام**"۔ (مسلم شریف)

طرز استدلال اس طرح ہے کہ فاتحہ خلف الامام نہ پڑھنے کی وجہ سے حضور اکرم ﷺ نے نمازی کی نماز کو ناقص قرار دیا ہے باطل نہیں فرمایا اگر فاتحہ فرض ہوتی تو اس کے بغیر نماز باطل ہو جاتی۔

سؤال: اس استدلال پر یہ اعتراض ہے کہ اے احناف تم خود مانتے ہو کہ فاتحہ کے بغیر نماز ناقص ہے تو تم ناقص نمازوں کو کیوں پڑھتے ہو؟ اور اس نقصان اٹھانے پر اتنا زور کیوں دیتے ہو؟

جواب: نماز پر کئی دور آئے ہیں ایک وقت ایسا تھا جبکہ نماز میں باتیں کرنے کی اجازت تھی پھر وہ حکم موقوف ہو گیا اور امام کے ساتھ ساتھ جہری نمازوں میں قرآن پڑھنا باقی رہ گیا پھر یہ حکم موقوف ہو گیا اور سرّی نمازوں میں پڑھنا رہ گیا پھر یہ بھی موقوف ہوا اور صرف فاتحہ پڑھنے کا حکم باقی رہ گیا جو اوپر حدیث میں مذکور ہے پھر یہ حکم موقوف ہو گیا اور امام کی قرأت کو مقتدیوں کے لئے کافی قرار دیا گیا باقی روکا گیا تو جب امام کا پڑھنا حکمی طور پر مقتدیوں کا پڑھنا ہے تو اب یہ نقصان ختم ہو گیا لہٰذا مقتدی کا فاتحہ پڑھے بغیر نماز ناقص نہیں ہے۔

دسویں دلیل:

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے علقمہ رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کی ہے کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کاش اس آدمی کا منہ مٹی سے بھر جائے جو امام کے پیچھے پڑھتا ہے۔ (رواہ طحاوی باسناد حسن)

اسی طرح عطاء بن یسار رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ حضرت زید بن ثابت نے فرمایا کہ امام کے پیچھے کسی نماز میں کچھ نہ پڑھا کرو۔ (طحاوی ص ۱۵۱)

اسی طرح ابوحمزہ کہتا ہے کہ میں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے پوچھا کہ جب امام سامنے ہو تو کیا میں اس کے پیچھے پڑھوں؟ ابن عباس رحمۃ اللہ علیہ نے جواب میں فرمایا کہ نہیں مت پڑھا کرو۔ (طحاوی ص ۱۵۱)

ان تمام روایات سے یہ بات ثابت ہوگئی کہ چونکہ امام اور مقتدی دونوں کی نماز میں وحدت واتحاد آگئی ہے کیونکہ امام اس لئے مقرر کیا گیا ہے تاکہ ان کی اقتدا واتباع کی جائے امام کی نماز ضامن ہے اور مقتدی کی نماز متضمن ہے۔ اب اگر مقتدی بھی پڑھنا شروع کردے تو یہ اصول اقتدا، اور اصول اتباع کے خلاف ہے مگر یاد رہے یہ قاعدہ صرف قرآن پڑھنے کے متعلق ہے کیونکہ قرآن کے متعلق ﴿استمعوا وانصتوا﴾ کا حکم آیا ہے قرآن کے علاوہ دیگر اذکار کا امام کے پیچھے پڑھنا منع نہیں ہے۔ اس کی مثال آپ یوں سمجھیں کہ مثلاً ایک جرگہ اور معزز وفد بادشاہ کے پاس جاتا ہے تو قاعدہ ہے کہ پہلے سب کے سب بادشاہ کے حضور میں حاضری کے وقت سلام وغیرہ آداب بجالاتے ہیں پھر سب ملکر اپنے ایک ساتھی کو بات پیش کرنے کا وکیل بناتے ہیں اور وکیل کی بات سب کی بات ہوتی ہے بادشاہ کے سامنے سب کا بولنا خلاف ادب سمجھا جاتا ہے پھر جب وکیل درخواست پیش کرتا ہے تو وفد کے دیگر ارکان اس کی تائید کرتے ہیں۔

بالکل اسی طرح صف میں کھڑے ہو کر اللہ تعالیٰ کے حضور میں سب نمازی ''ثنا'' پڑھتے ہیں پھر خاموش ہو کر ایک امام درخواست پیش کرنے کے لئے فاتحہ پڑھتا ہے آخر میں تمام مقتدی اس درخواست پر آمین کہہ کر دستخط کرتے ہیں اور اس مضمون کی تائید کرتے ہیں اب یہاں سب کے پڑھنے سے اصولِ وکالت اور اصول اقتداء پامال ہونے کا خطرہ ہے۔ ادھر درخواست میں چونکہ ہدایت کی استدعا کی گئی ہے اس لئے حکم ہوتا ہے کہ قرآن پڑھو یہی ہدایت ہے اس لئے امام سورۃ ملاکر قرآن پڑھتا ہے اور جب درخواست قبول ہو جاتی ہے تو سب بیٹھ کر بطور شکر التحیات پڑھتے ہیں اور پھر رخصتی سلام کر کے واپس آجاتے ہیں۔

لطیف مباحثہ:

منقول ہے کہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ قرأت خلف الامام پر بعض علماء نے مباحثہ کیا آپ نے فرمایا کہ بحث ومناظرہ کے لئے ایک جماعت تشکیل دو انھوں نے ایک جماعت بنائی امام صاحب نے فرمایا کہ مجھ سے بحث میں سب بات کرو گے یا ایک کرے گا؟ انہوں نے کہا بات ایک کریگا آپ نے فرمایا کہ بات کرنے کے لئے جس کو منتخب کرو گے اس کی بات سب کی بات ہوگی یا ان کی اپنی بات ہوگی؟ وفد نے کہا کہ نہیں وہ ہمارا نمائندہ اور وکیل ہوگا ان کی بات سب کی بات ہوگی امام صاحب نے فرمایا کہ بس مناظرہ ہو گیا ان میں سے جو کم فہم تھے انہوں نے شور کیا کہ نہیں اب مناظرہ کرنا ہے مگر ان کے ماہرین نے کہا کہ بس کرو چلے جاؤ تم ہار گئے ہو اور شکست کا تم نے اقرار کر لیا۔

گویا امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے ان کو عملی طور پر بتادیا کہ جب میرے سامنے ایک ہی وکیل بات کریگا اوران کی بات سب کی طرف سے سمجھی جائے گی اور سارے کے سارے نہیں بولیں گے تو یہی ضابطہ وقاعدہ نماز کے متعلق بھی ہے نماز میں اس سے کیوں انحراف کیا جاتا ہے۔

یہی وجہ ہے کہ مصنف عبدالرزاق میں ابراہیم نخعی رحمۃ اللہ علیہ کا یہ قول مذکور ہے۔ کہ اسلام میں پہلی بدعت یہ شروع ہوگئی کہ لوگوں نے امام کے پیچھے پڑھنا شروع کردیا (کذافی الجوہرۃ النقی) بظاہر اس عبارت کا مقصد جہری نمازوں میں پڑھنا بدعت ہے سرّی نماز میں نہیں اور اس پر امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی ایک عبارت دلالت کرتی ہے فرماتے ہیں۔

"نحن نقول کل صلوٰۃ صُلِّيَتْ خلف الامام یقرا ء قراءۃ لایسمع فیها قرأفیها".

(کتاب الام ج، ص ۱۵۳)

یعنی ہم کہتے ہیں کہ ہر وہ نماز جوامام کے پیچھے ادا کی جائے اور امام ایسی قرأت کررہا ہو جوسنی نہیں جاسکتی ہو (یعنی سرّی قرأت) تو ایسی صورت میں مقتدی قرأت کرے۔

اس عبارت سے صاف ظاہر ہے کہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا قول جدید امام مالک رحمۃ اللہ علیہ اور امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کی طرح ہے کہ جہری قرأت میں امام کے پیچھے نہیں پڑھنا چاہئے صرف سرّی نماز میں پڑھنا چاہئے۔

۱۹ ربیع الثانی ۱۰ ۱۴ھ

شوافع کے دلائل کے جوابات

شوافع حضرات کے دلائل کے ضمن میں تین مشہور حدیثیں پیش کی گئی ہیں اسی کا جواب دیا جارہا ہے شوافع حضرات نے زیر بحث حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ کی روایت سے استدلال کیا ہے جو صحیحین میں مذکور ہے اس کا ایک جواب تو پہلے دیا جاچکا ہے کہ یہ خبر واحد ہے اس سے فرضیت ثابت نہیں ہوسکتی ہے فرضیت کے ثبوت کے لئے قطعی الثبوت اور قطعی الدلالۃ نص کی ضرورت ہے جو یہاں نہیں ہے۔

دوسرا جواب یہ کہ حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے جو روایت صحیحین میں منقول ہے کہ **لاصلوٰۃ لمن لم یقرأ بفاتحۃ الکتاب**[۱] اس سے قرأت خلف الامام پر استدلال نہیں کیا جاسکتا کیونکہ اس روایت میں قطعاً یہ تصریح موجود نہیں ہے کہ یہ نماز منفرد کی ہے یا امام کی ہے یا مقتدی کی ہے اس سے تو صرف یہ معلوم ہوتا ہے کہ جس نے فاتحہ نہیں پڑھی اس کی نماز نہیں ہے تو اس کے متعلق ہم بھی کہتے ہیں کہ منفرد اور امام کی نماز فاتحہ کے بغیر درست نہیں ہے۔ قرأت خلف الامام کی اس قسم کی تمام روایات کی اسی طرح توجیہ امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے کی ہے اور اسی طرح جواب حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ نے دیا ہے کہ اس طرح کی روایات امام یا منفرد کے بارے میں ہیں سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ کا قول ابوداؤد میں

[۱] المرقات ۲/۵۷۷

۱۱۹ پر ہے اور احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کا قول ترمذی ص ۵۰ پر مذکور ہے۔ امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کا ایک قول ابن قدامہ نے المغنی میں نقل کیا ہے عبارت مزیدار ہے اس لئے ہدیہ ناظرین کر رہا ہوں۔

"قال احمد ماسمعنا احداً من اهل الاسلام يقول ان الامام اذا جهر بالقراءة لاتجزئ صلوٰة من خلفه اذالم يقرأ" وقال هذا النبي ﷺ واصحابه وهذا مالك في اهل الحجاز وهذا الثوري في اهل العراق وهذا الاوزاعي في الشام وهذا الليث في اهل المصر ماقالوالِرَجُل صلى وقرء امامه ولم يقرء هو صلوته باطل"

اس پر مغز کلام کا مطلب یہ ہے کہ امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ہم نے اہل اسلام میں سے کسی کے بارے میں یہ نہیں سنا جو یہ کہتا ہے کہ اگر امام جہر کے ساتھ قرأت کر رہا ہو اور مقتدی قرأت نہ کرے تو اس کی نماز نہیں ہوتی پھر فرمایا کہ ذرا دیکھ لو یہ نبی کریم ﷺ اور آپ کے صحابہ مدینہ میں موجود ہیں اور یہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ حجاز میں موجود ہیں یہ سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ عراق میں ہیں وہ دیکھو اوزاعی رحمۃ اللہ علیہ شام میں ہیں اور لیث بن سعد رحمۃ اللہ علیہ مرکز علم مصر میں ہیں یہ سب حضرات اس شخص کی نماز کو باطل نہیں کہتے جس کا امام قرأت کر رہا ہو اور وہ خود قرأت نہ کرتا ہو۔

امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی فاتحہ خلف الامام کے نہ پڑھنے والے کی نماز کو صحیح کہا ہے اور فرمایا کہ جو لوگ نماز کے فاسد ہونے کی بات کرتے ہیں وہ تشدد سے کام لیتے ہیں اور پھر فرمایا کہ احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ کی روایت منفرد کے بارے میں ہے۔

عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ کی اس روایت کا تیسرا جواب یہ ہے کہ یہاں "لاصلوٰۃ" میں لا کا کلمہ نفی کمال کے لئے ہے جس طرح مندرجہ ذیل احادیث میں نفی کمال کے لئے ہے، مثال کے طور پر۔

لاصلوٰة لجار المسجد الا في المسجد لا ايمان لمن لا عهد له ليس المسكين الذي ترده التمرة والتمرتان، لا يؤمن احدكم حتى اكون احب اليه من والده وولده لا يؤمن من يشبع وجاره جائع۔

بہر حال حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ کی حدیث میں اصل صلوٰۃ کی نفی نہیں بلکہ کمال کی نفی ہے جو ہم بھی کہتے اور مانتے ہیں خلاصہ یہ کہ یہ حدیث بہت قوی ہے مگر مدعا پر نص نہیں ہے حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ کی ایک روایت وہ ہے جو سنن میں مذکور ہے جس کو صاحب مشکوٰۃ نے مشکوٰۃ ص ۸۱ پر نقل کیا ہے جو شمار کی ترتیب میں حدیث نمبر ۳۰ ہے اس حدیث میں قصہ بھی ہے اور وہ اپنے مدعا پر صریح نص بھی ہے لیکن وہ حدیث ثبوت کے اعتبار سے کمزور ہے اسی کمزوری کی وجہ سے

امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کو صرف حسن کا درجہ دیا ہے اور بخاری و مسلم نے نقل ہی نہیں کیا کمزوری کی وجہ یہ ہے کہ سند کے اعتبار سے یہ حدیث مضطرب ہے کیونکہ مکحول کبھی محمود بن ربیع سے نقل کرتا ہے کبھی درمیان میں نافع کا واسطہ ذکر کرتا ہے کبھی مکحول اور عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ کے درمیان ایک واسطہ آتا ہے کبھی دو واسطے آتے ہیں نیز یہ جواب بھی دیا جاتا ہے کہ حضرت عبادہ رضی اللہ عنہ جس دور میں فاتحہ کا ذکر فرماتے ہیں یہ دوسرا دور تھا بعد میں تیسرا دور جب آیا تو یہ حکم موقوف ہو گیا جیسا کہ پہلے بیان کیا گیا ہے کہ نماز پر تغیرات کے تین دور آئے ہیں۔

نیز علماء اصول کے ہاں یہ قاعدہ ہے کہ نہی کے بعد جو استثنا آتا ہے وہ اباحت کا فائدہ دیتا ہے یعنی امر بعد الحظر اباحت کا فائدہ دیتا ہے لہٰذا فاتحہ کی فرضیت اس سے ثابت نہیں ہو سکتی۔ (کذا قال الشیخ گنگوہی)

الزامی جواب یہ کہ حضرت عبادہ رضی اللہ عنہ کی زیر بحث روایت میں بعض طرق میں **"فصاعدا"** اور **"ما زاد"** اور **"ما تیسر"** کے الفاظ بھی آئے ہیں حالانکہ شوافع حضرات مقتدی پر ضم سورۃ واجب نہیں کرتے ہیں صرف فاتحہ فرض کرتے ہیں تو آدھی حدیث پر عمل ہے آدھی پر عمل نہیں ہے یہاں تک شوافع حضرات کے دو دلائل کا ایک ساتھ جواب ہو گیا۔ ان کی تیسری دلیل حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی وہ روایت ہے جس میں فاتحہ کے بغیر نماز کو خداج قرار دیا ہے اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ دل میں پڑھا کرو مگر فاتحہ نہ چھوڑا کرو۔ اس کا جواب یہ ہے کہ درحقیقت یہ روایت تو احناف کی دلیل ہے جو فاتحہ کو واجب کہتے ہیں شوافع تو فاتحہ کو فرض سمجھتے ہیں اگر فاتحہ فرض ہے تو پھر نماز ناقص کہاں ہوئی پھر تو باطل ہو گئی۔ پھر بھی احناف اس کا ایک جواب یہ دیتے ہیں کہ سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ اور احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ اس حدیث کو منفرد کے لئے قرار دیتے ہیں باقی **"اقرأ فی نفسک"** کا مطلب یہ ہے کہ دل میں فاتحہ کا تصور کرو اور اس کے معانی میں غور کرو ورنہ دل سے قرأت نہیں ہوتی ہے کسی کے ہاں وہ قرأت معتبر نہیں ہے جس کے الفاظ زبان پر چڑھ نہ جائیں۔ باقی بطور الزام ہم شوافع حضرات سے پوچھتے ہیں کہ مقتدی فاتحہ کس وقت پڑھیگا اگر تم کہتے ہو کہ ثنا کے وقت پڑھے تو امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب الام میں واضح طور پر اس کو منع کیا ہے اگر تم کہتے ہو سکتات میں پڑھے یعنی جب امام فاتحہ کے ختم ہونے پر سکتہ کرے یا کسی اور وقت سکتہ کرے تو اس کا جواب یہ ہے کہ امام پر کوئی سکتہ واجب نہیں ہے اگر امام بیچ میں سکتہ نہ کرے تو تم کیا کرو گے اور اگر آمین کے وقت سکتہ میں پڑھو گے تو وہاں اتنا وقت نہیں کہ فاتحہ ہو جائے اگر امام مقتدی کا انتظار کرنے لگا تو پھر وہ پیش امام نہیں رہے گا بلکہ پیشوا امام بن جائے گا کیونکہ یہ امام نماز میں مقتدی کی تابعداری کر رہا ہے اور یہ قلب موضوع ہے تو خدارا تم بتاؤ کہ مقتدی جہری نماز میں فاتحہ کس وقت پڑھے؟۔

بہر حال جو کچھ میں نے لکھا ہے یہ فحول علماء کی تحریرات کی روشنی میں لکھا ہے میں کسی حدیث کی بے ادبی نہیں کر رہا ہوں بلکہ میں اللہ تعالیٰ کے سامنے التجا کرتا ہوں کہ اے میرے مولیٰ! میرے قلم کو بے ادبی، گستاخی اور دانستہ و غیر دانستہ غلطی سے بچا یہ حق و باطل کا مسئلہ نہیں ہے احادیث کی روشنی میں اجتہادی نقطہ نظر سے اختلاف ہے۔ اے اللہ ہماری دنیا و آخرت کی حفاظت فرما۔ (آمین یا رب العالمین)

سورۃ فاتحہ کی فضیلت

﴿۲﴾ وعن أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ صَلَّى صَلَاةً لَمْ يَقْرَأْ فِيْهَا بِأُمِّ الْقُرْآنِ فَهِيَ خِدَاجٌ ثَلَاثًا غَيْرُ تَمَامٍ فَقِيْلَ لِأَبِي هُرَيْرَةَ إِنَّا نَكُوْنُ وَرَاءَ الْإِمَامِ قَالَ اقْرَأْ بِهَا فِيْ نَفْسِكَ فَإِنِّيْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ قَالَ اللهُ تَعَالَى قَسَمْتُ الصَّلَاةَ بَيْنِيْ وَبَيْنَ عَبْدِيْ نِصْفَيْنِ وَلِعَبْدِيْ مَا سَأَلَ فَإِذَا قَالَ الْعَبْدُ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ قَالَ اللهُ تَعَالَى حَمِدَنِيْ عَبْدِيْ وَإِذَا قَالَ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ قَالَ اللهُ تَعَالَى أَثْنٰى عَلَيَّ عَبْدِيْ وَإِذَا قَالَ مَالِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ قَالَ مَجَّدَنِيْ عَبْدِيْ وَإِذَا قَالَ إِيَّاكَ نَعْبُدُ وَإِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ قَالَ هٰذَا بَيْنِيْ وَبَيْنَ عَبْدِيْ وَلِعَبْدِيْ مَا سَأَلَ فَإِذَا قَالَ اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ صِرَاطَ الَّذِيْنَ أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّيْنَ قَالَ هٰذَا لِعَبْدِيْ وَلِعَبْدِيْ مَا سَأَلَ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)[1]

ترجمہ: اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ آقائے نامدار ﷺ نے فرمایا: جو شخص نماز پڑھے اور اس میں سورۂ فاتحہ نہ پڑھے تو اس کی وہ نماز ناقص ہے (آپ نے یہ) تین مرتبہ (فرمایا کہ وہ نماز ناقص ہے) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے (یہ سن کر) کسی نے پوچھا کہ جب ہم امام کے پیچھے ہوں (تو اس وقت بھی پڑھیں؟) انہوں نے کہا کہ (ہاں! مگر) اپنے دل میں آہستہ سے پڑھو کہ بس تم ہی سن سکو اس لئے کہ میں نے آنحضرت ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ "اللہ بزرگ و برتر فرماتا ہے کہ میں نے نماز (یعنی سورۂ فاتحہ) اپنی اور اپنے بندوں کے درمیان آدھی آدھی تقسیم کی ہے۔ (اس طرح کہ حمد و ثنا تو میرے لئے ہے اور دعا بندے کے لئے) اور بندہ جو کچھ مانگے وہ اسے دیا جائے گا چنانچہ جب بندہ یہ کہتا ہے "**الحمد لله رب العالمين**" (یعنی تمام تعریفیں اللہ کے لئے ہیں جو سارے جہاں کا پروردگار ہے)۔ تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میرے بندہ نے میری تعریف بیان کی، جب بندہ کہتا ہے "**الرحمن الرحيم**" (یعنی اللہ بڑا مہربان اور نہایت رحم کرنے والا ہے) تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے "میرے بندہ نے میری ثناء بیان کی، جب بندہ کہتا ہے "**مالك يوم الدين**" یعنی (اللہ) انصاف (قیامت) کے دن کا حاکم ہے۔ تو پروردگار فرماتا ہے میرے بندہ نے میری تعظیم کا اظہار کیا۔ جب بندہ کہتا ہے "**اياك نعبد و اياك نستعين**" یعنی (اے پروردگار!) ہم تیری عبادت کرتے ہیں اور تجھ ہی سے مدد مانگتے ہیں۔ تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے "یہ میرے اور میرے بندہ کے درمیان ہے (یعنی عبادت اللہ کے لئے ہیں اور مدد مانگنا بندہ کے لئے ہے) اور میرا بندہ جو مانگے گا وہ اسے ملے گا۔ جب بندہ کہتا ہے "**اهدنا الصراط المستقيم صراط الذين انعمت عليهم غير المغضوب عليهم و الاالضالين**" یعنی (اے پروردگار) ہم کو سیدھے راستہ پر چلا ان لوگوں کے راستے جن پر تیرا فضل و کرم رہا ہے نہ کہ ان کے راستے جن پر تیرا غضب رہا ہے

[1] اخرجه مسلم: ۱۰۲/۹

اور نہ گمراہوں کے)۔تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ''یہ میرے بندہ کے لئے ہے اور بندہ جو مانگے گا وہ اسے ملے گا۔ (مسلم)

توضیح: ''ثلاثا'' یعنی خداج کا لفظ حضور اکرم ﷺ نے تین بار دہرایا ''ام القرآن'' سورۃ فاتحہ کا نام ہے اس کو ام الکتاب بھی کہتے ہیں وجہ یہ کہ سورۃ فاتحہ قرآن کے تمام مضامین کی اصل اور بنیاد ہے، قرآن کے تمام مضامین اسی کے گرد گھومتے ہیں ''غیر تمام'' یہ خداج کی تفسیر ہے اور اس سے واضح ہوجاتا ہے کہ فاتحہ رکن صلوٰۃ نہیں ہے شوافع کا خیال ہے کہ یہ رکن صلوٰۃ ہے احناف کے ہاں مطلق قرآن رکن صلوٰۃ ہے حضور ﷺ نے اعرابی کو جب نماز سمجھائی تو فرمایا ''اقرأ ما تیسر معك من القرآن'' خداج بمعنی ذات خداج ہے ''فقیل لابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ'' سے معلوم ہوا کہ سلف صالحین کے ہاں، امام کے پیچھے فاتحہ پڑھنا متعارف نہ تھا بلکہ نہ پڑھنا متعارف تھا تب ہی تو ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے سوال ہوتا ہے ''فی نفسك'' [1] یعنی آہستہ پڑھو احناف اس کو قلبی تصور اور فاتحہ میں غور و فکر پر حمل کرتے ہیں اور یہ قرأت کسی کے نزدیک معتبر نہیں معلوم ہوا امام کے پیچھے فاتحہ پڑھنا منع ہے ''قسمت'' متکلم کا صیغہ تقسیم سے ہے اور اب یہ حدیث قدسی بن گئی۔

''الصلوٰۃ'' فاتحہ پر الصلوٰۃ کا اطلاق ہوا ہے اور یہ اطلاق الکل علی الجزء کے قبیلہ سے ہے شاید اسی سے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بطور استنباط و اجتہاد فرضیت فاتحہ ثابت کرنا چاہتے ہیں علماء احناف وفی روایۃ حنابلہ فرماتے ہیں کہ یہ اجتہاد مرفوع حدیث کے مقابلہ میں فائدہ مند نہیں ہے۔ شیخ عبدالحق رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس استنباط میں خفا اور پوشیدگی ہے۔

''نصفین'' یہ تنصیف آیات کے اعتبار سے ہے کیونکہ فاتحہ مجموعی اعتبار سے سات آیات پر مشتمل ہے جبکہ ''صراط الذین انعمت علیھم'' ایک آیت شمار کر کے اس پر وقف کیا جائے، تو تین آیات میں اللہ تعالیٰ کی تعریف ہے اور تین آیات میں بندے کی طرف سے سوال ہے اور ایک آیت ﴿ایاك نعبد وایاك نستعین﴾ مشترک ہے اول آدھا حصہ اللہ تعالیٰ کی تعریف ہے اور دوسرا آدھا حصہ بندہ کا سوال ہے ''ولعبدی ما سأل'' یعنی بندے کا سوال میں قبول کرتا ہوں ''مجدنی عبدی'' کرم عالی اور شرف واسع کو مجد کہتے ہیں علماء نے لکھا ہے کہ جب ذاتی شرافت اچھے افعال کے ساتھ مل جاتی ہے تو اس کو مجد اور مجید کہتے ہیں۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی یہ حدیث اس پر واضح دلالت کرتی ہے کہ **بسم اللہ الرحمن الرحیم** سورۃ فاتحہ کا جزء نہیں ہے اگر یہ جزء ہوجائے تو فاتحہ سات کے بجائے آٹھ آیات بن جائے گی جو اس حدیث کے منافی ہے نیز تقسیم کے دوران بسم اللہ کو شامل نہ کرنا بھی اس بات کی دلیل ہے کہ یہ فاتحہ کا جزء نہیں ہے اور یہی امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کا مسلک ہے۔

نماز میں بسم اللہ آہستہ پڑھنا چاہئے

﴿۳﴾ وعن أَنَسٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَبَابَكْرٍ وَعُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا كَانُوْا يَفْتَتِحُوْنَ

[1] المرقات: ۲/۵۴۷

الصَّلَاةَ بِالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)[1]

ترجمہ: اور حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آقائے نامدار ﷺ، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ، نماز الحمد للہ رب العالمین سے شروع کرتے تھے۔" (مسلم)

توضیح: "کانوا یفتحون الصلوٰۃ" جہری نمازوں میں الحمد للہ شروع کرنے سے پہلے بسم اللہ کو آہستہ پڑھنا چاہئے احناف کا یہی مسلک ہے ایک روایت میں ہے کہ امام پر تین چیزوں کا اخفاء لازم ہے ایک اعوذ باللہ دوسرا بسم اللہ اور تیسرا آمین، یہاں اس روایت سے بالکل واضح طور پر ثابت ہو رہا ہے کہ بسم اللہ کو آہستہ پڑھنا چاہئے اس مسئلہ کی مکمل تفصیل باب صفۃ الصلوٰۃ کی حدیث نمبر ۲ میں لکھی جا چکی ہے۔[2]

نماز میں آمین پڑھنے کی فضیلت

﴿۴﴾ وعن أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا أَمَّنَ الْإِمَامُ فَأَمِّنُوْا فَإِنَّهُ مَنْ وَافَقَ تَأْمِيْنُهُ تَأْمِيْنَ الْمَلَائِكَةِ غُفِرَ لَهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهِ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)[3] وَفِيْ رِوَايَةٍ قَالَ إِذَا قَالَ الْإِمَامُ غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّيْنَ فَقُوْلُوْا آمِيْنَ فَإِنَّهُ مَنْ وَافَقَ قَوْلُهُ قَوْلَ الْمَلَائِكَةِ غُفِرَ لَهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهِ هٰذَا لَفْظُ الْبُخَارِيِّ وَلِمُسْلِمٍ نَحْوَهُ وَفِيْ أُخْرٰى لِلْبُخَارِيِّ قَالَ إِذَا أَمَّنَ الْقَارِئُ فَأَمِّنُوْا فَإِنَّ الْمَلَائِكَةَ تُؤَمِّنُ فَمَنْ وَافَقَ تَأْمِيْنُهُ تَأْمِيْنَ الْمَلَائِكَةِ غُفِرَ لَهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهِ۔

ترجمہ: اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ آقائے نامدار ﷺ نے فرمایا۔ "جب امام (سورۂ فاتحہ کی قرآت کے بعد) آمین کہے تو (چونکہ اس وقت فرشتے آمین کہتے ہیں اسلئے) تم بھی آمین کہو۔ کیونکہ جس شخص کی آمین فرشتوں کی آمین سے مل جاتی ہے اللہ تعالیٰ اس کے سارے پچھلے گناہ بخش دیتا ہے۔" (بخاری، مسلم)

ایک روایت کے الفاظ یہ ہیں کہ آنحضرت نے فرمایا۔ "جب امام غیر المغضوب علیہم ولا الضالین کہے تو آمین کہو کیونکہ جس شخص کا (آمین) کہنا فرشتوں کے (آمین) کہنے سے مل جاتا ہے اس کے پہلے سارے گناہ بخش دیئے جاتے ہیں۔ یہ الفاظ بخاری کے ہیں، مسلم کی حدیث کے الفاظ بھی اس کے مثل ہیں۔

اور بخاری کی ایک روایت کے الفاظ یہ ہیں کہ "آپ نے فرمایا جب قرآن کا پڑھنے والا (یعنی) امام یا کوئی بھی مطلقاً پڑھنے والا) آمین کہے تو تم بھی آمین کہو کیونکہ (اس وقت) فرشتے آمین کہتے ہیں اور جس شخص کی آمین فرشتوں کی آمین سے ہم آہنگ ہو جاتی ہے تو اس کے پہلے سارے گناہ بخش دیئے جاتے ہیں۔"

[1] اخرجہ مسلم: [2] المرقات: ۲/۵۵۱ [3] اخرجہ مسلم: ۲/۱۷ والبخاری: ۱/۱۹۸

توضیح: "فأمنوا" یعنی تم بھی آمین کہو کیونکہ فرشتے بھی آمین کہتے ہیں اور وہ معصوم مخلوق ہے ان کی دعا قبول ہوتی ہے اگر ان کی دعا کے الفاظ کے ساتھ تمہاری دعا کے الفاظ مل گئے تو تمہارے سارے صغائر گناہ معاف ہوجائیں گے جو اس سے پہلے ہوچکے ہیں۔ مقتدی اس طرح آمین صرف جہری نمازوں میں کہہ سکتا ہے سرّی نمازوں میں اس مقارنت کا امکان نہیں ہے باقی یہ مسئلہ کہ آمین آہستہ پڑھنا ہے یا بلند آواز سے پڑھنا چاہیے یہ مسئلہ فصل ثانی کی حدیث ۲۳ میں ان شاء اللہ تفصیل کے ساتھ آئے گا۔[1]

مقتدی کی نماز کا طریقہ

﴿۵﴾ وعن أَبِي مُوسَى الْأَشْعَرِيِّ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا صَلَّيْتُمْ فَأَقِيمُوا صُفُوفَكُمْ ثُمَّ لِيَؤُمَّكُمْ أَحَدُكُمْ فَإِذَا كَبَّرَ فَكَبِّرُوا وَإِذَا قَالَ غَيْرِ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّينَ فَقُولُوا آمِينَ يُجِبْكُمُ اللهُ فَإِذَا كَبَّرَ وَرَكَعَ فَكَبِّرُوا وَارْكَعُوا فَإِنَّ الْإِمَامَ يَرْكَعُ قَبْلَكُمْ وَيَرْفَعُ قَبْلَكُمْ فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَتِلْكَ بِتِلْكَ قَالَ وَإِذَا قَالَ سَمِعَ اللهُ لِمَنْ حَمِدَهُ فَقُولُوا اللَّهُمَّ رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ يَسْمَعُ اللهُ لَكُمْ۔

(رَوَاهُ مُسْلِمٌ وَفِي رِوَايَةٍ لَهُ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ وَقَتَادَةَ وَإِذَا قَرَأَ فَأَنْصِتُوا)[2]

ترجمہ: اور حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ آقائے نامدار ﷺ نے فرمایا "جب تم (باجماعت) نماز پڑھو تو (پہلے) اپنی صفوں کو سیدھا کرو پھر (تم میں سے) ایک شخص تمہارا امام بنے، چنانچہ جب وہ امام (تکبیر تحریمہ یعنی) اللہ اکبر کہے تو تم (بھی اللہ اکبر) کہو، جب امام غیر المغضوب علیہم ولا الضالین کہے تو تم آمین کہو اللہ تعالیٰ تمہاری دعا قبول کرے گا اور جب امام (رکوع میں جانے کے لئے) اللہ اکبر کہے اور رکوع میں جائے تم بھی اللہ اکبر کہتے ہوئے رکوع میں چلے جاؤ اور امام تم سے پہلے رکوع کرتا ہے اور تم سے پہلے سر اٹھاتا ہے۔ چنانچہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ امام کا پہلے سر اٹھانا پہلے رکوع کرنے کا بدلہ ہے۔ اور آپ نے فرمایا "جب امام سمع اللہ لمن حمدہ کہے تو تم اللھم ربنا لک الحمد کہو، خدا تمہاری تعریف سنتا ہے۔" (مسلم)

اور مسلم کی ایک اور روایت میں یہ الفاظ بھی ہیں کہ (آپ نے فرمایا) جب امام قرأت کرے تو تم خاموش رہو۔"

توضیح: "فتلك بتلك" یعنی امام رکوع میں تم سے پہلے جاتا ہے تم بعد میں جاتے ہو لیکن امام رکوع سے تم سے پہلے واپس آتا ہے۔ اور تم اب تک رکوع میں ہو لہٰذا رکوع میں ٹھہرنا تمہارا اور تمہارے امام کا برابر سرابر ہوگیا "یسمع اللہ لکم" یعنی اللہ تعالیٰ تمہاری دعا کو سن کر قبول فرمائے گا۔ "تحمید وتسمیع" کی مکمل تفصیل اور فقہاء کا اختلاف باب صفة الصلوٰۃ میں حدیث نمبر ۴ کے تحت لکھا جاچکا ہے۔[3]

[1] المرقات: ۲/۵۵۳ [2] اخرجه مسلم: ۲/۱۳/۱۵۲ [3] المرقات: ۲/۵۵۵

خلاصہ یہ کہ منفرد آدمی سمع اللہ لمن حمدہ اور ربنا لک الحمد دونوں کہے اگر ایک پر اکتفا کیا تو جائز ہے یہ حدیث امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل ہے کہ امام جب رکوع سے اٹھے تو وہ سمع اللہ لمن حمدہ پڑھے گا تو تم ربنا لک الحمد پڑھو یعنی تقسیم کار ہے لیکن امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ امام مقتدی اور منفرد سب ان دونوں کلمات کو ادا کریں۔

صاحبین فرماتے ہیں کہ امام دونوں کلمات کہیں۔

"واذا قرء فانصتوا" قرأت خلف الامام کی نفی پر احناف کا یہ واضح مستدل ہے۔

نماز میں پہلی رکعت کو طویل کرنے کا مسئلہ

﴿۶﴾ وعن أَبِي قَتَادَةَ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقْرَأُ فِي الظُّهْرِ فِي الْأُولَيَيْنِ بِأُمِّ الْكِتَابِ وَسُورَتَيْنِ وَفِي الرَّكْعَتَيْنِ الْأُخْرَيَيْنِ بِأُمِّ الْكِتَابِ وَيُسْمِعُنَا الْآيَةَ أَحْيَانًا وَيُطَوِّلُ فِي الرَّكْعَةِ الْأُولَى مَا لَا يُطِيلُ فِي الرَّكْعَةِ الثَّانِيَةِ وَهٰكَذَا فِي الْعَصْرِ وَهٰكَذَا فِي الصُّبْحِ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)[1]

ترجمہ: اور حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم ظہر کی نماز میں پہلی دو رکعتوں میں سورۂ فاتحہ اور دو سورتیں (یعنی ہر رکعت میں سورۂ فاتحہ اور ایک سورت) پڑھتے تھے اور بعد کی دونوں رکعتوں میں صرف سورۂ فاتحہ پڑھتے تھے اور کبھی کبھی ہمیں (بھی کوئی آیت سنا دیا کرتے تھے اور دوسری رکعت کی بہ نسبت پہلی رکعت کو زیادہ طویل کرتے تھے۔ اسی طرح عصر اور فجر کی نماز میں بھی کرتے تھے۔" (بخاری ومسلم)

توضیح: "یقرأ فی الظهر" یعنی ظہر میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا عام معمول آہستہ قرأت کرنے کا تھا مگر کبھی کبھی ظہر کی نماز میں ہمیں کوئی سورۃ یا کوئی آیت بلند آواز سے سنایا کرتے تھے یہ عمل تعلیم امت کے لئے ہوتا تھا تاکہ یہ معلوم ہو جائے کہ فاتحہ کے بعد کوئی سورۃ بھی ملائی جاتی ہے اور ملانے کا طریقہ کیا ہوتا ہے، ظہر کی قید اتفاقی ہے احترازی نہیں ہے کیونکہ آپ عصر میں بھی ایسا ہی کیا کرتے تھے یہ سب تعلیم امت کے لئے تھا "ویطول" باب تفعیل سے طویل کرنے کے معنی میں ہے اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ پہلی رکعت کو دوسری رکعتوں سے زیادہ طویل کرنا چاہئے اس مسئلہ میں فقہاء کرام کا تھوڑا سا اختلاف ہے۔[2]

فقہاء کا اختلاف

امام مالک امام شافعی اور احمد بن حنبل اور امام محمد رحمہم اللہ تعالیٰ کا مسلک یہ ہے کہ تمام نمازوں میں پہلی رکعت کو دوسری رکعتوں کی نسبت زیادہ لمبی کرنا چاہئے۔

امام ابوحنیفہ اور امام ابو یوسف رحمہما اللہ تعالیٰ کے نزدیک صرف فجر کی نماز کی یہ خصوصیت ہے کہ پہلی رکعت کو طویل کیا جائے باقی تمام نمازوں میں تمام رکعتوں کی حیثیت مساویانہ ہے البتہ جن رکعتوں میں ضم سورۃ نہیں ان کی حیثیت الگ ہے۔

---

[1] اخرجه البخاری: ۱/۱۹۳، ۱۹۷ ومسلم: ۲/۳۷ [2] المرقات: ۲/۵۵۷

دلائل:

جمہور نے زیر نظر ابوقتادہ رضی اللہ عنہ کی اس حدیث سے استدلال کیا ہے جس میں فجر ظہر اور عصر میں پہلی رکعت کو طویل کرنے کا ذکر ملتا ہے اور مغرب وعشاء کو ان حضرات نے ان تین نمازوں پر قیاس کیا ہے عبدالرزاق نے معمر سے نقل کیا ہے کہ ہمارا خیال ہے کہ پہلی رکعت کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس لئے طویل فرماتے تھے تاکہ لوگ پہلی رکعت کو پالیں امام ابوداؤد نے بھی ایسا ہی لکھا ہے امام ابوحنیفہ اور ابویوسف رحمہما اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ پہلی رکعت کو طویل کرنا فجر کے ساتھ خاص ہے کیونکہ فجر کا وقت غفلت کا وقت ہے اگر نفس قرأت کو دیکھا جائے تو استحقاق قرأت میں دونوں رکعتیں برابر ہیں اس لئے مقدار قرأت میں بھی دونوں برابر ہونا چاہئے لیکن صرف اس عارض کی وجہ سے پہلی رکعت کو طول دیا گیا ہے، آنے والی متصل روایت میں فی کل رکعة قدر ثلاثین آیة امام صاحب کی دلیل ہے کیونکہ وہاں دونوں رکعتوں کی قرأت برابر بتائی گئی۔

امام صاحب یہ بھی فرماتے ہیں کہ پہلی رکعت دعا استفتاح اور تعوذ وتسمیہ پر مشتمل ہوتی ہے اس لئے لمبی ہوجاتی ہے قرأت کی وجہ سے لمبی کرنا صرف فجر کی نماز کی خصوصیت ہے۔ خلاصۃ الفتاوی میں لکھا ہے کہ امام محمد رحمہ اللہ اور جمہور کا مسلک راجح اور پسندیدہ ہے یعنی پہلی رکعت کو طول دینا بہتر ہے۔

نماز میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قیام کی مقدار

﴿۷﴾ وعن أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ قَالَ كُنَّا نَحْزُرُ قِيَامَ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الظُّهْرِ وَالْعَصْرِ فَحَزَرْنَا قِيَامَهُ فِي الرَّكْعَتَيْنِ الْأُوْلَيَيْنِ مِنَ الظُّهْرِ قَدْرَ قِرَاءَةِ الٓمّٓ تَنْزِيْلُ السَّجْدَةِ وَفِيْ رِوَايَةٍ فِيْ كُلِّ رَكْعَةٍ قَدْرَ ثَلَاثِيْنَ آيَةً وَحَزَرْنَا قِيَامَهُ فِي الْأُخْرَيَيْنِ قَدْرَ النِّصْفِ مِنْ ذٰلِكَ وَحَزَرْنَا فِي الرَّكْعَتَيْنِ الْأُوْلَيَيْنِ مِنَ الْعَصْرِ عَلٰى قَدْرِ قِيَامِهِ فِي الْأُخْرَيَيْنِ مِنَ الظُّهْرِ وَفِي الْأُخْرَيَيْنِ مِنَ الْعَصْرِ عَلَى النِّصْفِ مِنْ ذٰلِكَ. (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)[1]

ترجمہ: اور حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم ظہر اور عصر کی نماز میں آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم کے قیام (کی مقدار) کا اندازہ کرتے تھے چنانچہ ہم نے اندازہ کیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ظہر کی پہلی دو رکعتوں میں الم تنزیل السجدة پڑھنے کی بقدر قیام کرتے تھے۔'' اور ایک روایت کے الفاظ یہ ہیں کہ ''ہر رکعت میں تیس آیتیں پڑھنے کی بقدر قیام کرتے تھے اور (ظہر کی) آخری دو رکعتوں میں ہم نے اس سے نصف کا اندازہ کیا۔ اور عصر کی پہلی دونوں رکعتوں میں ظہر کی آخری دونوں رکعتوں کی بقدر قیام کا اور عصر کی آخری دونوں رکعتوں میں اس کے نصف کی بقدر قیام کا ہم نے اندازہ کیا۔'' (مسلم)

توضیح: ''حزرنا'' حزر نصر ینصر[2] سے اندازہ کرنے کے معنی میں ہے چونکہ نماز ظہر وعصر میں قرأت سراً ہوتی

[1] اخرجه مسلم: ۲/۳۷ [2] المرقات: ۲/۵۵۷ اشعة اللمعات: ۴۰۳

ہے اس لئے قیام کی مقدار کو اندازہ ہی سے معلوم کیا جا سکتا تھا جب لوگ نیک تھے تو قرآن کی سورتوں کی مقدار سے مسافت کا اندازہ لگایا کرتے تھے ہمارے ہاں دادا پردادا کے ہاں عام رواج تھا کہ راستوں کے اندازے سورۃ یٰس یا سورۃ کہف سے معلوم کرتے تھے ایک کہتا تھا کہ جب گاؤں سے چل پڑتا ہوں تو دو دفعہ سورۃ یٰس پڑھ کر گھر پہنچتا ہوں دوسرا کہتا تھا کہ میں ایک دفعہ پڑھنے پر پہنچتا ہوں اسی طرح اندازہ صحابہ کرام لگایا کرتے تھے کہ حضور اکرم ﷺ ظہر وعصر کی پہلی دو رکعتوں میں قیام الم تنزیل السجدۃ کی مقدار فرماتے تھے اور دوسری روایت میں ہے کہ آپ ہر رکعت میں تیس آیتوں کے پڑھنے کی مقدار قیام فرماتے تھے مطلب یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ ہر دو رکعت میں الم تنزیل السجدہ کی بقدر قرأت کیا کرتے تھے۔ "قدر النصف من ذلك" پوری حدیث کو سمجھنے کے اعتبار سے اس طرح سمجھنا چاہئے کہ حضور اکرم ﷺ کی ظہر کی پہلی دو رکعتوں میں قیام کا اندازہ جب ہم ظہر کی پچھلی دو رکعتوں کے قیام سے کرتے تھے تو ایسا معلوم ہوتا تھا کہ آخری رکعتوں کا قیام پہلی رکعتوں کے قیام سے نصف مقدار میں ہے یعنی پہلی رکعتوں میں قرأت لمبی ہوتی تھی اور آخری رکعتوں میں اس کا نصف ہوتی تھی اور جب عصر کی نماز میں ہم اندازہ کرتے تھے تو عصر کی پہلی دو رکعتوں کے قیام کی مقدار ظہر کی آخری دو رکعتوں کے قیام کی مقدار تھی اور عصر کی آخری دو رکعتوں میں قیام کی مقدار عصر کی پہلی دو رکعتوں کے قیام کی مقدار کے نصف تھی۔

تمام شارحین نے لکھا ہے کہ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور اکرم ﷺ نماز کی آخری دو رکعتوں میں قرأت کرتے تھے پھر فرماتے ہیں کہ یہی امام شافعی رحمہ اللہ کا مسلک ہے کہ آخری دو رکعتوں میں قرأت ہونی چاہئے پھر فرماتے ہیں کہ یہ امام شافعی رحمہ اللہ کا قول جدید ہے قول قدیم میں یہ ہے کہ آخری دو رکعتوں میں قرأت سورۃ ضروری نہیں ہے اور فتویٰ اسی پر ہے اور یہی احناف کا مسلک ہے کہ آخری دو رکعتوں میں سورۃ ملا کر پڑھنا نہیں حضور اکرم ﷺ نے اگر پڑھا ہے تو بیان جواز کے لئے پڑھا ہوگا ان تمام شارحین کے برعکس شارح مشکوٰۃ علامہ شمس الدین رحمہ اللہ صاحب التعلیق الفصیح ص ۱۲۵ میں لکھتے ہیں کہ اس حدیث میں ایک واضح اشکال ہے اور وہ یہ ہے کہ عصر کی پہلی دو رکعتوں میں ضم سورۃ ہوتی ہے اور ظہر کی آخری دو رکعتوں میں ضم سورۃ نہیں ہوتی ہے تو ان دونوں کی مقداریں کیسے یکسانیت ہوسکتی ہے ان کا جواب شیخ شمس الدین رحمہ اللہ نے یہ دیا ہے کہ یہاں ان نمازوں اور اس کی رکعتوں میں قرأت میں مساوات اور برابری مراد نہیں ہے اور نہ اس حدیث میں قرأت میں مساوات کا ذکر ہے بلکہ یہاں تو صرف قیام کا ذکر ہے کہ آنحضرت ﷺ کا قیام پہلی رکعتوں میں کتنا تھا اور آخری رکعتوں میں کتنا تھا تو ہوسکتا ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے آخری دو رکعتوں میں فاتحہ کو اس طرح ترتیل کیساتھ پڑھا ہو کہ پہلی رکعتوں کے وقت سے اس کا وقت آدھا ہو جاتا تھا۔

خلاصہ یہ کہ یہاں قیام کی مقدار کی بات ہے قرأت کی بات نہیں ہے تو اول دو رکعتوں میں فاتحہ کے بعد ضم سورۃ ہوتی تھی اور آخری دو رکعتوں میں نہیں ہوتی تھی تو وہ اول رکعتوں کے نصف مقدار میں تھی بڑی گہرائی کے بعد واضح ہو جاتا ہے کہ

حدیث کا یہ مطلب واضح اور مناسب ہے۔
فقہاء احناف نے لکھا ہے کہ آخری دو رکعتوں میں مسنون یہی ہے کہ فاتحہ پڑھ لیا جائے ورنہ تسبیحات پڑھ لے یا خاموش رہے اختیار ہے۔ میں کہتا ہوں کہ اگر امام کے پیچھے مقتدی آخری رکعتوں میں فاتحہ پڑھنے کا اہتمام کریں تو پہلی رکعتوں میں فاتحہ نہ پڑھنے کا یہ پڑھنا قائم مقام ہو جائے گا اور اختلاف سے بچ جائیں گے۔

﴿۸﴾ وعن جَابِرِ بْنِ سَمُرَةَ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقْرَأُ فِي الظُّهْرِ بِاللَّيْلِ إِذَا يَغْشٰى وَفِي رِوَايَةٍ بِسَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْأَعْلَى وَفِي الْعَصْرِ نَحْوَ ذٰلِكَ وَفِي الصُّبْحِ أَطْوَلَ مِنْ ذٰلِكَ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)[1]

ترجمہ: اور حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم ظہر کی نماز میں سورہ واللیل اذا یغشی پڑھا کرتے تھے۔ اور ایک روایت میں ہے کہ سورۃ سبح اسم ربك الاعلی پڑھا کرتے تھے اور عصر کی نماز میں بھی اسی کی قدر (کوئی آیت یا سورت) پڑھتے تھے اور صبح کی نماز میں اس سے لمبی قرأت کرتے تھے۔" (مسلم)

مغرب کی نماز میں قرأت

﴿۹﴾ وعن جُبَيْرِ بْنِ مُطْعِمٍ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقْرَأُ فِي الْمَغْرِبِ بِالطُّوْرِ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)[2]

ترجمہ: اور حضرت جبیر ابن مطعم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم کو مغرب کی نماز میں سورۂ طور پڑھتے ہوئے سنا ہے۔" (بخاری، مسلم)

﴿۱۰﴾ وعن أُمِّ الْفَضْلِ بِنْتِ الْحَارِثِ قَالَتْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقْرَأُ فِي الْمَغْرِبِ بِالْمُرْسَلَاتِ عُرْفًا۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)[3]

ترجمہ: اور حضرت ام فضل بنت حارث رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم کو مغرب کی نماز میں سورۂ مرسلات عرفا پڑھتے ہوئے سنا ہے۔" (بخاری، مسلم)

توضیح: "یقرء فی المغرب بالمرسلات" بعض روایات میں آیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مغرب کی نماز میں سورۃ اعراف پڑھتے تھے اور سورۃ انفال اور سورۃ دخان پڑھتے تھے یہاں ان احادیث کے ساتھ دیگر احادیث کا بھی ذکر ملتا ہے ان تمام احادیث سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ نماز میں کسی رکعت کے ساتھ کوئی خاص سورۃ متعلق نہیں اور نہ کسی نماز کے ساتھ کوئی خاص سورت یا آیات وابستہ ہیں۔[4]

[1] اخرجه مسلم: ۲/۴۰ [2] اخرجه البخاري: ۱/۱۹۴ ومسلم: ۲/۴۱
[3] اخرجه البخاري: ۱/۱۹۴ ومسلم: ۲/۴۰،۴۱ [4] اشعة المعات: ۴۰۲

دوسری بات یہ سمجھ لینی چاہئے کہ ان طویل سورتوں کو آپ ﷺ نے پڑھا ہے جو بظاہر مشکل معلوم ہوتا ہے یہ یا آپ کا معجزہ تھا یا یہ لمبی سورتیں پڑھنا اس پر محمول ہے کہ آپ نے نماز میں اس کا ایک حصہ پڑھا پوری سورۃ مراد نہیں اگر چہ نام پوری سورۃ کا ہے یا آپ نے کئی رکعتوں میں ایک سورۃ کو تقسیم کر کے پڑھا ہے۔

۱۱ ربیع الثانی ۱۴۱۰ھ

متنفل کے پیچھے مفترض کی اقتداء کا حکم

﴿۱۱﴾ وعن جابرٍ قَالَ كَانَ مُعَاذُ بْنُ جَبَلٍ يُصَلِّيْ مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثُمَّ يَأْتِيْ فَيَؤُمُّ قَوْمَهُ فَصَلَّى لَيْلَةً مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْعِشَاءَ ثُمَّ أَتَى قَوْمَهُ فَأَمَّهُمْ فَافْتَتَحَ بِسُوْرَةِ الْبَقَرَةِ فَانْحَرَفَ رَجُلٌ فَسَلَّمَ ثُمَّ صَلَّى وَحْدَهُ وَانْصَرَفَ فَقَالُوْا لَهُ أَنَافَقْتَ يَا فُلَانُ قَالَ لَا وَاللهِ وَلَآتِيَنَّ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَأُخْبِرَنَّهُ فَأَتَى رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللهِ إِنَّا أَصْحَابُ نَوَاضِحَ نَعْمَلُ بِالنَّهَارِ وَإِنَّ مُعَاذًا صَلَّى مَعَكَ الْعِشَاءَ ثُمَّ أَتَى فَافْتَتَحَ بِسُوْرَةِ الْبَقَرَةِ فَأَقْبَلَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى مُعَاذٍ فَقَالَ يَا مُعَاذُ أَفَتَّانٌ أَنْتَ اِقْرَأْ وَالشَّمْسِ وَضُحٰهَا وَالضُّحٰى وَاللَّيْلِ إِذَا يَغْشٰى وَسَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْأَعْلٰى۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)[1]

ترجمہ: اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ آقائے نامدار ﷺ کے ساتھ نماز پڑھ کر آتے اور پھر اپنی قوم کو نماز پڑھایا کرتے تھے چنانچہ (ایک دن) انہوں نے آنحضرت ﷺ کے ہمراہ عشاء کی نماز پڑھی اور پھر آ کر اپنی قوم کی امامت کی اور (نماز میں) سورۂ بقرہ شروع کر دی (جب قرأت طویل ہوئی تو) ایک شخص سلام پھیر کر جماعت سے نکل آیا اور تنہا نماز پڑھ کر چلا گیا، لوگوں نے جب دیکھا تو اس سے کہا کہ "فلانے! کیا تو منافق ہو گیا ہے (کیونکہ جماعت سے جان بچا کر نکل بھاگنا تو منافقوں ہی کا کام ہے) اس نے کہا "نہیں! خدا کی قسم (میں منافق نہیں ہوا ہوں) میں آنحضرت ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہو کر حقیقت حال بیان کروں گا۔" چنانچہ وہ شخص بارگاہ رسالت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ "یا رسول اللہ! ہم اونٹ والے ہیں، دن کو کام کرتے ہیں (یعنی اونٹوں کے ذریعہ پانی کھینچ کر درختوں کی آبپاشی کرتے ہیں اور دن بھر محنت و مشقت میں لگے رہتے ہیں) اور بیشک معاذ آپ کے ساتھ عشاء کی نماز پڑھ کر آئے اور ہمیں نماز پڑھائی اور سورۂ بقرہ شروع کر دی (لمبی قرأت ہونے اور اپنے تھکے ہوئے ہونے کی وجہ سے میں بددل ہو گیا) یہ سن کر آنحضرت ﷺ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا "معاذ! کیا تم فتنہ پیدا کرنے والے ہو (یعنی کیا تم لوگوں سے جماعت ترک کرا کر انہیں دین سے بیزار اور فتنہ میں مبتلا کرنا چاہتے ہو؟ بہتر یہ ہے کہ) تم سورہ والشمس و ضحها۔ سورہ والضحی سورہ واللیل اذا یغشی اور سورہ سبح

[1] اخرجه مسلم: ۲/۴۲

اسم ربك الاعلى پڑھا کرو۔" (بخاری، مسلم)

توضیح: "کان معاذ بن جبل" اس حدیث کا عمومی مفہوم یہ ہے کہ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ مدینہ منورہ میں کسی محلہ میں رہتے تھے اور وہاں اپنے محلے والوں کی مسجد میں ان کو نماز بھی پڑھایا کرتے تھے اور کبھی مسجد نبوی میں بھی نماز کے لئے آنا جانا ہوتا تھا کبھی کبھی آپ عشاء کی نماز حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتداء میں مسجد نبوی میں پڑھتے تھے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم عشاء کو کچھ تاخیر سے ادا فرماتے تھے قرأت بھی طویل ہوتی تھی تو نماز سے فارغ ہونے کے بعد عشاء میں دیر ہو جاتی تھی۔ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ مسجد نبوی سے فارغ ہو کر اپنے محلہ کی طرف جاتے تھے اس میں بھی وقت لگتا تھا محلہ والوں کو انتظار کرنا پڑتا تھا پھر جب نماز پڑھاتے تو سورۃ بقرہ وغیرہ لمبی سورتوں میں سے لمبی قرأت کرتے تھے ایک مرتبہ ایسا ہوا کہ اس محلہ میں سلیم یا حزام نام کے ایک صحابی نے نماز توڑ دی اور الگ پڑھ لی لوگوں نے ان کو ملامت کیا کہ تم منافق ہو گئے انہوں نے کہا منافقت کی بات نہیں میں کل ضرور جا کر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے معاذ کی شکایت کروں گا۔ چنانچہ اس نے شکایت کی اور کہا کہ ہم مزدوری کرنے والے لوگ ہیں تھکے ماندے آتے ہیں پہلے تو معاذ کا انتظار کرنا پڑتا ہے پھر ان کی طویل نماز برداشت کرنی پڑتی ہے اس لئے میں نے گذشتہ رات نماز الگ پڑھ لی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت معاذ رضی اللہ عنہ پر بہت ناراض ہوئے اور فرمایا کہ کیا تم لوگوں کو فتنہ میں ڈالنا چاہتے ہو ایسا نہ کرو بلکہ ایسا کرو کہ یا میرے پیچھے نماز پڑھو تو اپنی قوم کو نہ پڑھاؤ یا میرے پیچھے نہ پڑھو ان کو پڑھاؤ لیکن اس میں بھی یہ خیال رکھو کہ فلاں فلاں مختصر سورتیں پڑھا کرو۔[1]

اب اس واقعہ کی وجہ سے فقہاء میں اختلاف آیا کہ کیا متنفل امام کے پیچھے فرض پڑھنے والوں کی نماز جائز ہے یا نہیں کیونکہ حضرت معاذ نفل پڑھنے والے تھے اور محلہ کے لوگ فرض پڑھنے والے تھے حضرت معاذ فرض نماز حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ پڑھ چکے ہوتے۔

فقہاء کا اختلاف:

امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک متنفل کے پیچھے مفترض کی نماز جائز ہے امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کا ایک قول بھی اسی طرح ہے شوافع کے نزدیک نابالغ بچے کی امامت بھی اسی اصول کے پیش نظر جائز ہے۔

ائمہ احناف امام ابوحنیفہ امام مالک رحمہما اللہ تعالیٰ اور ایک قول کے مطابق امام احمد رحمہ اللہ سب کا مسلک یہ ہے کہ مفترض کی نماز متنفل کے پیچھے جائز نہیں ہے۔

دلائل شوافع:

شوافع حضرات نے حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کی زیر بحث حدیث اور اس واقعہ سے استدلال کیا ہے اور کہا کہ یہ بات ظاہر ہے کہ معاذ نے فرض پہلے پڑھ لی اور اب محلہ والوں کی جو امامت فرما رہے ہیں اس میں آپ متنفل ہیں لہٰذا متنفل کے

[1] المرقات: ۲/۵۶۰ اشعۃ اللمعات: ۴۰۵

پیچھے مفترض کی نماز جائز ہے۔ اسی طرح عمرو بن سلمہ رضی اللہ عنہ ایک نابالغ بچہ اپنی قوم کو نماز پڑھایا کرتا تھا وہ بھی متنفل تھا اور قوم کی نماز فرض تھی جیسا کہ باب الامامۃ میں حدیث نمبر ۱۰ کے تحت یہ قصہ آئے گا۔

امام ابوحنیفہ امام مالک رحمہما اللہ تعالیٰ اور ایک قول کے مطابق امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل ترمذی وابوداؤد کی حدیث ہے جس کے الفاظ یہ ہیں "الامام ضامن والمؤذن مؤتمن" اس حدیث میں امام کی نماز متضمِن اسم فاعل قرار دیا گیا یعنی کسی چیز کو بغل میں لینے والی اور مقتدی کی نماز کو متضمَن اسم مفعول قرار دیا گیا اور یہ بات ظاہر ہے کہ متنفل کی نماز قوت وکیفیت کے اعتبار سے کمزور تر ہے وہ مفترض کی نماز کو جو قوت وکیفیت کے اعتبار سے قوی تر ہے اپنی لپیٹ میں نہیں لے سکتی۔

"انما جعل الامام لیؤتم به" کی حدیث بھی یہی تعلیم دیتی ہے کہ امام اعلیٰ حالاً ہونا چاہئے جبکہ متنفل امام ادنی حالاً ہوتا ہے لہٰذا یہ اقتدا جائز نہیں ہے یہاں ایک بنیادی ضابطہ ہے جس کی وجہ سے یہ اختلاف اور قرأت خلف الامام کا اختلاف آیا ہے وہ یہ کہ شوافع کے نزدیک امام اور مقتدیوں کی نماز میں اتحاد نہیں ہے ہمارے ہاں امام اور مقتدی کی نماز میں اتحاد ہے ان کے ہاں اتحاد نہیں صرف افعال میں اشتراک ہے لہٰذا الگ الگ نماز ہے تو ہر طرح پر جائز ہے۔

جمہور کی دوسری دلیل اسلام میں صلوٰۃ خوف کا طریقہ ہے اگر متنفل کے پیچھے مفترض کی نماز ہوتی تو امام دو تین دفعہ الگ الگ جماعت کراتا اور مقتدیوں کو نماز کی حالت میں آنے جانے کی یہ ساری مشقت برداشت نہ کرنی پڑتی۔

جواب: جمہور کی طرف سے شوافع حضرات کے مستدل اور حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کی حدیث کے کئی جوابات ہیں۔

❶ اول جواب یہ ہے کہ معاذ رضی اللہ عنہ کا واقعہ اس وقت پر محمول ہے جبکہ فرض نماز دو مرتبہ پڑھی جاتی تھی پھر یہ طریقہ منسوخ ہوگیا اس پر حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت دلالت کرتی ہے شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے لمعات میں اس حدیث کو اس طرح نقل کیا ہے "نهى ان نصلى فريضة فى يوم مرتين" (لمعات ج ۳ ص ۱۳۸) [1] امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اسی طرح رائے دی ہے کہ یہ عمل منسوخ ہوگیا ہے۔

❷ دوسرا جواب یہ ہے کہ کسی آدمی کی نیت کا علم کسی کو نہیں ہوتا حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کے عمل میں یہ احتمال ہے کہ آپ نے حصول فضیلت کی غرض سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتداء میں نفل کی نیت کی ہو اور پھر اپنی قوم کے ہاں فرض نماز پڑھائی ہو تا کہ جماعت کی فضیلت بھی حاصل کرلے بلکہ احراز فضیلتین حاصل ہوجائے۔

❸ تیسرا جواب یہ ہے کہ معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کا یہ عمل ان کی اپنی رائے اور ان کا اپنا اجتہاد تھا جس پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تقریر وتوثیق نہیں تھی بلکہ جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم ہوا تو آپ نے ناراضگی کا اظہار فرمادیا۔

❹ چوتھا جواب یہ ہے کہ عشاء کا اطلاق مغرب پر بھی ہوتا ہے جس کو عشاء اولیٰ کہتے ہیں اور عشاء پر بھی اس کا اطلاق عام ہے جس کو عشاء آخرۃ کہتے ہیں تو قوی احتمال ہے کہ یہاں مغرب کی نماز مراد ہو اور اس کا تذکرہ ترمذی ص ۷۵ پر بھی ملتا ہے۔

---

[1] اشعة اللمعات: ۴۰۵

❺ پانچواں جواب یہ کہ ان لوگوں کی دو شکایتیں تھیں اول یہ کہ عشاء میں تاخیر ہوتی ہے دوم یہ کہ قرأت میں طوالت ہوتی ہے حضور اکرم ﷺ نے دو جواب دیئے اول یہ کہ دو جگہ عشاء مت پڑھو اور اگر قوم کے ہاں نماز پڑھانی ہو تو تخفیف قرأت کرو، تو ایک منهی عنه فعل سے کیسے استدلال کیا جاتا ہے باقی عمرو بن سلمہ رضی اللہ عنہ کی حدیث کا بیان وہیں پر آئے گا۔ جہاں پر وہ حدیث آئے گی بہر حال حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کے واقعہ میں اور ان کے فعل میں کئی احتمالات ہیں اس لئے اس سے استدلال نہیں کیا جا سکتا۔ "اقراء والشمس وضحها" یعنی یہ سورۃ پڑھو وہ سورۃ پڑھو ان چھوٹی سورتوں میں سے لیکر پڑھا کرو تو اس سے مقصد یہ نہیں کہ پہلی رکعت میں سورۃ شمس پڑھو اور دوسری رکعت میں سورۃ اعلیٰ پڑھو کیونکہ یہ اس طرح پڑھنا ترتیب مصحفی کے خلاف ہے کیونکہ سورۃ اعلیٰ پہلے ہے بلکہ حدیث میں واو مطلق جمع کے لئے ہے کہ ان سورتوں میں سے تخفیف کی غرض سے کوئی پڑھا کرو۔ اور اگر مطلب یہ ہو کہ پہلی رکعت میں والشمس پڑھا کرو اور دوسری رکعت میں سورۃ اعلیٰ پڑھا کرو تو یہ بیان جواز کے لئے ہوگا کیونکہ مسنون طریقہ ترتیب مصحفی کے مطابق پڑھنے کا ہے اور اس کے خلاف پڑھنا خلاف اولیٰ ہے لیکن اگر کوئی شخص ایک سورۃ کی آیات میں تقدیم و تاخیر سے پڑھتا ہے تو یہ ناجائز ہے وجہ فرق یہ ہے کہ آیات کی ترتیب قطعی اور توقیفی ہے اور سورتوں کی ترتیب نزول کے بعد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اجتہاد سے ہے نیز آیات میں تقدیم و تاخیر سے مضمون میں اور معانی میں فرق آتا ہے اور سورتوں میں ایسا نہیں ہوتا۔

اس حدیث سے امت کو یہ تعلیم حاصل ہوگئی کہ امام کو چاہئے کہ وہ اپنے مقتدیوں کا نمازوں میں ہر لحاظ سے خیال رکھا کرے تاکہ لوگ متنفر و منتشر نہ ہو جائیں۔

نبی مکرم ﷺ کی آواز سب سے پیاری تھی

﴿۱۲﴾ وعنِ الْبَرَاءِ قَالَ سَمِعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقْرَأُ فِي الْعِشَاءِ وَالتِّيْنِ وَالزَّيْتُوْنِ وَمَا سَمِعْتُ أَحَدًا أَحْسَنَ صَوْتًا مِنْهُ. (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)[1]

ترجمہ: اور حضرت براء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے آقائے نامدار ﷺ کو عشاء کی نماز میں سورۂ والتین والزیتون پڑھتے ہوئے سنا ہے اور میں نے آنحضرت ﷺ کی آواز سے اچھی کوئی آواز نہیں سنی۔ (بخاری و مسلم)

توضیح: "احسن صوتا" جس طرح حضور اکرم ﷺ باطنی کمالات میں سب سے زیادہ کامل و اکمل انسان تھے اسی طرح اللہ تعالیٰ نے آپ کو ظاہری اور جسمانی خوبصورتی اور کمالات سے نوازا تھا پھر جس طرح اللہ تعالیٰ نے آپ کو حسن صورت میں بلند و بالا بنایا تھا اسی طرح اللہ تعالیٰ نے آپ کو خوش آوازی میں امتیازی شان عطاء فرمائی تھی اسی کا تذکرہ حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ نے اس حدیث میں کیا ہے یہ کوئی جذباتی اور مبالغہ آرائی پر مبنی جذبات کا اظہار نہیں بلکہ حقیقت یہ ہے کہ یہ ایک صحابی کی قوت بیان کی آخری حد تو ہو سکتی ہے لیکن کمال پیغمبری کی حد کی شاید ابتدا ہوگی۔

[1] اخرجه البخاري: ۱/۱۹۳، ۲/۲۱۳، ۲/۱۹۳، ۹/۱۹۳

ملا علی قاری ﷫ نے اس حدیث کے تحت لکھا ہے کہ ابن عساکر ﷫ نے ایک حدیث نقل کی ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے جب بھی کسی نبی کو بھیجا تو اس کو اچھی آواز اور خوبصورت چہرہ دیکر مبعوث فرمایا یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے نبی (محمد ﷺ) کو بھیجا تو ان کو بھی اچھی آواز اور خوبصورت چہرہ دیکر مبعوث فرمایا۔

(مرقات ج ۳ ص ۲۹۲)[1]

احادیث میں آیا ہے کہ آپ ﷺ کی آواز وہاں تک پہنچتی تھی جہاں تک کسی کی آواز نہیں جاتی تھی۔
بیہقی کی ایک روایت میں ہے کہ ایک دفعہ آپ نے خطبہ دیا تو گھروں میں پردہ نشین عورتوں نے آپ کی آواز سنی۔
ابونعیم ﷫ نے عبداللہ بن رواحہ ﷛ کی ایک حدیث نقل کی ہے وہ فرماتے ہیں کہ میں بنو تمیم میں تھا کہ جمعے کے دن منبر پر حضور اکرم ﷺ کی آواز میں نے سنی آپ فرمارہے تھے بیٹھ جاؤ۔ ابن ماجہ کی ایک روایت میں ہے کہ ام ہانی ﵂ رسول اللہ ﷺ کی تلاوت اس وقت سنتی تھی جب کہ حضور اکرم ﷺ رات کے وقت کعبہ کے پاس تلاوت فرماتے اور ام ہانی اپنے گھر میں ہوتی تھی۔ بہر حال کیوں نہ ایسا ہو جب کہ:

جہاں کے سارے کمالات ایک تجھ میں ہیں — ترے کمال کسی میں نہیں مگر دو چار

آنحضرت ﷺ کا نماز میں مختلف سورتوں کا پڑھنا

﴿۱۳﴾ وعن جَابِرِ بْنِ سَمُرَةَ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقْرَأُ فِي الْفَجْرِ بِقٓ وَالْقُرْآنِ الْمَجِيْدِ وَنَحْوِهَا وَكَانَتْ صَلَاتُهُ بَعْدُ تَخْفِيْفًا۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)[2]

ترجمہ: اور حضرت جابر بن سمرہ ﷛ فرماتے ہیں کہ آقائے نامدار ﷺ فجر کی نماز میں سورۂ ق والقرآن المجید۔ یا ایسی ہی (طویل) کوئی دوسری سورۃ پڑھتے تھے اور آپ کی فجر کی نماز اب بھی ہلکی ہوتی تھی۔'' (مسلم)

توضیح: "تخفیفا"[3] یعنی فجر میں سورۃ "ق" وغیرہ طویل قرأت کے باوجود پھر بھی حضور اکرم ﷺ کی نماز ہلکی معلوم ہوتی تھی کیونکہ آپ کی قرأت اور قرأت کی لذت پُر لطف ہوتی تھی، اس جملہ کے چار مفہوم لکھے گئے ہیں۔ علامہ طیبی ﷫ نے یہ مطلب بیان کیا ہے کہ فجر کی نماز کے علاوہ دیگر چار نمازیں ہلکی ہوتی تھیں فجر کی نماز لمبی ہوتی تھی، عام شارحین نے یہی مطلب بیان کیا ہے مگر یہ دل کو نہیں لگتا ہے کیونکہ حدیث کے الفاظ اور عربیت کا ذوق اس کو قبول نہیں کرتا۔
علامہ ابن حجر ﷫ نے اس جملہ کا مطلب یہ بیان کیا ہے کہ "بعد" کا تعلق زمانہ سے ہے یعنی ابتدائی ہجرت میں مسجد نبوی میں حضور اکرم ﷺ کی نماز لمبی ہوتی تھی کیونکہ لوگ کم ہوتے تھے مگر جب لوگ زیادہ ہو گئے تو پھر آنحضرت ﷺ کی نماز مختصر ہوتی تھی یہ مطلب حدیث کے الفاظ سے کچھ قریب ہے۔[4]

[1] المرقات: ۲/۵۶۳ [2] اخرجه مسلم: ۲/۴۰ [3] اشعة اللمعات: ۴۰۶ [4] المرقات: ۲/۵۶۳

صاحب سفر سعادہ نے لکھا ہے کہ دیگر اماموں کی نسبت حضور اکرم ﷺ کی طویل نماز مختصر معلوم ہوتی تھی سب سے پہلے جو مطلب لکھا گیا ہے وہ شیخ عبدالحق رحمۃ اللہ علیہ کا ہے، میرے خیال میں وہی مطلب راجح ہے یہ سب اشعة اللمعات میں مذکور ہے۔ (جلد ۱ ص ۴۰۶)[1]

﴿۱۴﴾ وعن عَمْرِو ابْنِ حُرَيْثٍ أَنَّهُ سَمِعَ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقْرَأُ فِي الْفَجْرِ وَاللَّيْلِ إِذَا عَسْعَسَ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)[2]

ترجمہ: اور حضرت عمرو بن حریث رضی اللہ عنہ کے بارے میں منقول ہے کہ انہوں نے آقائے نامدار ﷺ کو فجر کی نماز میں واللیل اذا عسعس (یعنی سورۂ اذا الشمس کورت) پڑھتے سنا ہے۔" (مسلم)

﴿۱۵﴾ وعن عَبْدِ اللهِ بْنِ السَّائِبِ قَالَ صَلَّى لَنَا رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الصُّبْحَ بِمَكَّةَ فَاسْتَفْتَحَ سُوْرَةَ الْمُؤْمِنِيْنَ حَتّٰى جَاءَ ذِكْرُ مُوْسٰى وَهَارُوْنَ أَوْ ذِكْرُ عِيْسٰى أَخَذَتِ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَعْلَةٌ فَرَكَعَ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)[3]

ترجمہ: اور حضرت عبداللہ بن سائب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ (فتح مکہ کے بعد ایک مرتبہ) آقائے نامدار ﷺ نے ہمیں مکہ میں فجر کی نماز پڑھائی اور سورۂ مومن (یعنی قد افلح المومنون) شروع کی جب آپ موسیٰ وہارون یا عیسیٰ کے ذکر پر پہنچے تو آپ کو کھانسی اٹھی (جس کی وجہ سے سورت پوری کئے بغیر) آپ رکوع میں چلے گئے۔" (مسلم)

توضیح: "حتی جاء ذکر موسی"[4] یعنی سورۃ مومنون کی آیت ﴿ثم ارسلنا موسی واخاه هارون﴾ پر جب حضور اکرم ﷺ پہنچے تو آپ کا دل بھر آیا اور آپ رونے لگے اس رونے کی وجہ سے آپ کا گلا خشک ہو کر کھانسی آئی تو آپ نے سورۃ کو ختم کئے بغیر اسے چھوڑ کر رکوع کیا۔ "او ذکر عیسی" او شک کے لئے ہے راوی کو شک ہوا ہے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ذکر اس طرح ہے ﴿وجعلنا ابن مریم وامه آیة﴾۔

"سعلة" یہ لفظ سین پر فتحہ اور ضمہ دونوں کے ساتھ ہے رونے کی وجہ سے جب گلا خشک ہو کر کھانسی آجاتی ہے اسی کو سعلہ کہتے ہیں۔

جمعہ کی صبح کونسی سورت پڑھی جائے

﴿۱۶﴾ وعن أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقْرَأُ فِي الْفَجْرِ يَوْمَ الْجُمُعَةِ بِأَلَمْ تَنْزِيْلُ فِي الرَّكْعَةِ الْأُوْلٰى وَفِي الثَّانِيَةِ هَلْ أَتٰى عَلَى الْإِنْسَانِ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)[5]

---

[1] اشعة اللمعات: ۴۰۶ [2] اخرجه مسلم: ۲/۳۹ [3] اخرجه مسلم: ۲/۳۹

[4] المرقات: ۲/۵۵۶ [5] اخرجه البخاری: ۲/۵، ۲/۵۰ ومسلم: ۳/۱۶

ترجمہ: اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم جمعہ کے روز نماز فجر کی پہلی رکعت میں **الم تنزیل** اور دوسری رکعت میں **هل اتی علی الانسان** پڑھتے تھے۔" (بخاری ومسلم)

توضیح: "**یوم الجمعة**"[1] جمعہ کے روز صبح فجر کی نماز میں "**الم تنزیل**" یعنی سورۃ سجدہ جو پارہ **اتل ما اوحی** میں ہے جس کا نام سورۃ سجدہ ہے جو تین رکوع پر مشتمل ہے اس کو پہلی رکعت میں پڑھتے تھے اور سورۃ دھر کو دوسری رکعت میں پڑھتے تھے قرآن میں ایک حم السجدہ ہے وہ سورۃ مراد نہیں وہ چھ رکوعات پر مشتمل ہے۔ شوافع حضرات فرماتے ہیں کہ اس حدیث پر عمل کرتے ہوئے جمعہ کی فجر میں یہی دونوں سورتیں پڑھنی چاہیئے۔ احناف فرماتے ہیں کہ متعین طور پر لازم نہیں کرنا چاہئے کیونکہ اس سے عقیدہ کا نقصان ہوسکتا ہے ہاں اس ظاہری حدیث پر عمل کرنا مستحب اور اولیٰ ہے بشرطیکہ اسی سنت کی پیروی کے ارادہ سے ہو اور لزوم کا عقیدہ نہ ہو کیونکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دو سورتوں کے علاوہ بھی جمعہ کی فجر میں کچھ سورتیں پڑھی ہیں تو دوام ثابت نہیں اور غیر دوام سے پڑھنے کے احناف منکر نہیں۔

﴿۱۷﴾ وعن عُبَيْدِ اللهِ بْنِ أَبِي رَافِعٍ قَالَ اِسْتَخْلَفَ مَرْوَانُ أَبَا هُرَيْرَةَ عَلَى الْمَدِيْنَةِ وَخَرَجَ اِلٰى مَكَّةَ فَصَلّٰى لَنَا أَبُوْ هُرَيْرَةَ الْجُمُعَةَ فَقَرَأَ سُوْرَةَ الْجُمُعَةِ فِي السَّجْدَةِ الْأُوْلٰى وَفِي الْآخِرَةِ إِذَا جَاءَكَ الْمُنَافِقُوْنَ فَقَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقْرَأُ بِهِمَا يَوْمَ الْجُمُعَةِ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)[2]

ترجمہ: اور حضرت عبید اللہ بن ابی رافع فرماتے ہیں کہ مروان نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کو مدینہ میں خلیفہ (یعنی اپنا قائم مقام گورنر) مقرر کیا اور خود مکہ چلا گیا چنانچہ (اس کی عدم موجودگی میں) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے ہمیں جمعہ کی نماز پڑھائی اور انہوں نے پہلی رکعت میں سورۂ جمعہ اور دوسری رکعت میں سورہ **اذا جاءك المنافقون** پڑھی اور فرمایا کہ میں نے آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم کو جمعہ کے روز (یعنی نماز جمع میں) ان دونوں سورتوں کو پڑھتے ہوئے سنا ہے۔" (مسلم)

﴿۱۸﴾ وعن النُّعْمَانِ بْنِ بَشِيْرٍ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقْرَأُ فِي الْعِيْدَيْنِ وَفِي الْجُمُعَةِ بِسَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْأَعْلٰى وَهَلْ أَتَاكَ حَدِيْثُ الْغَاشِيَةِ قَالَ وَإِذَا اجْتَمَعَ الْعِيْدُ وَالْجُمُعَةُ فِي يَوْمٍ وَاحِدٍ قَرَأَ بِهِمَا فِي الصَّلَاتَيْنِ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)[3]

ترجمہ: اور حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم عید و بقرعید اور جمعہ کی نماز میں **سبح اسم ربك الاعلى** اور **هل اتك حديث الغاشية** (کی سورتیں) پڑھا کرتے تھے۔

اور حضرت نعمان کہتے ہیں کہ "جب عید اور جمعہ ایک دن جمع ہوجاتے تو آپ (عید و جمعہ کی) دونوں نمازوں میں یہی دونوں سورتیں پڑھتے تھے۔" (مسلم)

---

[1] المرقات: ۲/۵۶۶ [2] اخرجه مسلم: ۳/۱۵ [3] اخرجه مسلم: ۳/۱۶

﴿۱۹﴾ وعن عُبَيْدِ اللهِ أَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ سَأَلَ أَبَا وَاقِدٍ اللَّيْثِيَّ مَا كَانَ يَقْرَأُ بِهِ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الْأَضْحٰى وَالْفِطْرِ فَقَالَ كَانَ يَقْرَأُ فِيْهِمَا بِقٓ وَالْقُرْآنِ الْمَجِيْدِ وَاقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ.
(رَوَاهُ مُسْلِمٌ)[1]

ترجمہ: اور حضرت عبید اللہ فرماتے ہیں کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوواقد لیثی رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ ''آقائے نامدار ﷺ عید اور بقر عید کی نماز میں کیا پڑھتے تھے؟ انہوں نے فرمایا کہ آپ ان دونوں نمازوں میں سورۂ ق والقرآن المجید اور سورۂ اقتربت الساعۃ پڑھا کرتے تھے۔'' (سوال بطور امتحان تھا اس نے صحیح جواب دیدیا)۔

﴿۲۰﴾ وعن أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ إِنَّ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَرَأَ فِي رَكْعَتَيِ الْفَجْرِ بِقُلْ يَا أَيُّهَا الْكَافِرُوْنَ وَقُلْ هُوَ اللهُ أَحَدٌ. (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)[2]

ترجمہ: اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آقائے نامدار ﷺ فجر کی دونوں سنت رکعتوں میں سورۂ قل یآ ایہا الکافرون اور سورۂ قل ھو اللہ احد پڑھتے تھے۔ (مسلم)

﴿۲۱﴾ وعن ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقْرَأُ فِي رَكْعَتَيِ الْفَجْرِ قُوْلُوْا آمَنَّا بِاللهِ وَمَا أُنْزِلَ إِلَيْنَا وَالَّتِيْ فِيْ آلِ عِمْرَانَ قُلْ يَا أَهْلَ الْكِتَابِ تَعَالَوْا إِلٰى كَلِمَةٍ سَوَاءٍ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ. (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)[3]

ترجمہ: اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ آقائے نامدار ﷺ فجر کی دونوں سنت رکعتوں میں سورۂ بقرہ کی یہ آیت قولوا امنا باللہ وما انزل الینا اور (سورہ آل عمران کی) یہ آیت قل یا اھل الکتب تعالوا الی کلمۃ سواء بیننا وبینکم پڑھتے تھے۔ (مسلم) (کبھی ایسا بھی ہوا ہے ورنہ سورۃ کافرون اور سورۃ اخلاص کا معمول تھا)

الفصل الثانی

نماز میں بسم اللہ آہستہ پڑھنا چاہئے

﴿۲۲﴾ عن ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَفْتَتِحُ صَلَاتَهُ بِبِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ. (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ لَيْسَ إِسْنَادُهُ بِذَاكَ)[4]

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ آقائے نامدار ﷺ اپنی نماز بسم اللہ الرحمن الرحیم سے شروع کرتے

[1] اخرجه مسلم: ۳/۲۱ [2] اخرجه مسلم: ۲/۱۶ [3] اخرجه مسلم: ۲/۱۶ [4] اخرجه الترمذي: ۲۴۵

تھے۔" اس حدیث کو ترمذی نے روایت کیا ہے اور کہا ہے کہ اس حدیث کی اسناد قوی نہیں ہے۔

توضیح: اس حدیث کی پوری توضیح وتفصیل اور فقہاء کا اختلاف باب صفۃ الصلوٰۃ کی حدیث نمبر ۲ کے تحت لکھا جاچکا ہے یہ حدیث احناف کی دلیل ہے کہ بسم اللہ آہستہ پڑھنا چاہئے امام ترمذی نے اس روایت کو بلاوجہ کہہ دیا کہ "لیس اسنادہ بذاك" کیونکہ یہ حدیث حسن ہے اور صحیح الاسناد ہے۔

آمین بالجہر کا حکم

﴿۲۳﴾ وعن وَائِلِ بْنِ حُجْرٍ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَرَأَ غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّيْنَ فَقَالَ آمِيْنَ مَدَّبِهَا صَوْتَهُ. (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَاَبُوْدَاوُدَ وَالدَّارِمِيُّ وَابْنُ مَاجَه)[1]

ترجمہ: اور حضرت وائل بن حجر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے آقائے نامدار ﷺ کو سنا کہ آپ نے (نماز میں) غیر المغضوب علیھم ولا الضالین پڑھا اور پھر دراز آواز سے آمین کہی۔" (ابوداود، دارمی، ترمذی، ابن ماجہ)

توضیح: "فقال امین" لفظ آمین میں سب سے پہلے یہ بحث ہے کہ یہ کس لغت اور کس زبان کا لفظ ہے۔ بعض علماء نے اس کو فارسی کا لفظ تسلیم کیا ہے کہ یہ لفظ "ہمیں" تھا جس کا معنی کذالک ہے اس سے عربی بنایا گیا تو آمین ہوگیا۔ مطلب یہ کہ امام پڑھتا ہے اور پھر آمین کہتا ہے تو مقتدی بھی اس درخواست پر مہر تصدیق ثبت کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ "بجا فرمایا اسی طرح ہے"۔

بعض علماء نے اس کو عبرانی یا سریانی زبان کا لفظ تسلیم کیا ہے ان زبانوں میں اس طرح کے اوزان بکثرت آتے ہیں جیسے ہابیل قابیل میکائل اسرافیل تو یہ لفظ ان زبانوں میں اِسْتَجِبْ یعنی قبول فرما کے معنی میں ہے بعض دیگر علماء فرماتے ہیں کہ یہ لفظ عجمی نہیں ہے بلکہ یہ عربی لفظ ہے اور عربوں نے اس کو استعمال کیا ہے مجنون لیلیٰ کہتا ہے۔

امین امین لاارضی بواحدة حتی اضم الیہا الفین امینا

پھر کہتا ہے۔

اللھم لا تسلبنی حبھا ابدا ویرحم اللہ عبدا قال امینا

یہ لفظ دو طرح پڑھا گیا ہے یعنی بالقصر "امین" اور بالمد "آمین" دونوں طرح صحیح ہے اور امینا الف اشباعی کے ساتھ بھی صحیح ہے۔ اس لفظ کا دو طرح پڑھنا غلط ہے ایک الف پر زبر کیساتھ پڑھنا غلط ہے جیسے "اَمین" دوسرا الف پر مد اور میم پر شد کے ساتھ پڑھنا غلط ہے جیسے "آمّین" جو قصد کے معنی میں ہے۔ آمین کے مسئلہ میں دو مقام میں اختلاف ہے پہلا اختلاف تو اس میں ہے کہ آیا آمین کہنا صرف مقتدی کا وظیفہ ہے یا امام اور مقتدی دونوں کا وظیفہ ہے۔

[1] اخرجہ الترمذی: ۲۴۸ والدارمی: ۱۲۵۰، وابوداؤد: ۹۳۲ وابن ماجہ

تو امام مالک رحمہ اللہ کے نزدیک یہ صرف مقتدی کا وظیفہ ہے اور حدیث "اذا قال الامام ولا الضالین فقولوا امین" یعنی یہاں تقسیم کار ہے امام کا کام فاتحہ پڑھنا ہے اور مقتدی کا کام آمین کہنا ہے جمہور فقہاء اور ائمہ ثلاثہ فرماتے ہیں کہ آمین امام اور مقتدی دونوں کا وظیفہ ہے۔

ان کی دلیل صحیحین کی یہ روایت ہے "قال رسول الله ﷺ اذا امن الامام فامنوا"۔ یعنی جب امام آمین کہہ دے تو تم بھی کہہ دو۔

جمہور نے امام مالک رحمہ اللہ کی دلیل کا یہ جواب دیا ہے کہ وہ دلیل اپنے دعویٰ پر صریح نص نہیں ہے بلکہ صرف اشارۃ النص سے استدلال ہے جبکہ خود جمہور نے عبارۃ النص سے استدلال کیا ہے جو اولیٰ وارجح ہے۔ سرّی نماز میں یہ صرف امام کا وظیفہ ہے۔

فرقہ ضالہ شیعہ شنیعہ اور رافضیہ مرفوضہ نے آمین کہنے کو مفسد صلوٰۃ قرار دیا ہے۔ ابن حزم ظاہری اور غیر مقلدین آمین پڑھنے کو واجب کہتے ہیں۔

آمین میں دوسرا اختلاف اس میں ہے کہ آیا اس کو زور سے جہراً پڑھا جائے یا آہستہ سراً پڑھا جائے۔

فقہاء کا اختلاف:

آمین جہراً اور سراً پڑھنے میں چاروں ائمہ کا اتفاق ہے کہ دونوں طرح پڑھنا جائز ہے کسی جانب میں کوئی کراہت نہیں ہے بات صرف اتنی ہے کہ احناف جہراً پڑھنے پر مسنون کا اطلاق نہیں کرتے بلکہ جائز کے درجہ میں مانتے ہیں اور شوافع حضرات سراً پڑھنے کو جائز کہتے ہیں جہراً پڑھنے کو افضل کہتے ہیں تو یہ اختلاف درحقیقت افضل غیر افضل اور اولیٰ غیر اولیٰ کا ہے جائز و ناجائز کا نہیں۔ تو امام شافعی اور امام احمد بن حنبل رحمہما اللہ تعالیٰ جہری کی نمازوں میں آمین بالجهر کو افضل کہتے ہیں اور احناف و مالکیہ آمین بالسر کو افضل قرار دیتے ہیں۔

دلائل:

شوافع اور حنابلہ نے زیر بحث وائل بن حجر رضی اللہ عنہ کی روایت سے استدلال کیا ہے جس میں "مد بها صوته" کے الفاظ آئے ہیں جن کا مطلب ان حضرات کے ہاں "رفع بها صوته" ہے۔

شوافع کی دوسری دلیل بشر بن رافع رضی اللہ عنہ کی روایت ہے جس میں رفع بها صوته کے الفاظ آئے ہیں جو اپنے مدعا پر صریح دلیل ہے۔ ابن ماجہ کی روایت میں ہے "حتی یسمعها الصف الاول فیرتج بها المسجد"۔ (کذا فی اللمعات)[1]

شوافع کی تیسری دلیل حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے جس کو ابو داؤد نے نقل کیا ہے جس میں یہ الفاظ آئے ہیں۔

"کان رسول الله ﷺ اذا تلا غیر المغضوب علیهم ولا الضالین قال آمین حتی یسمع من یلیه من الصف الاول"۔ (اللمعات ج ۳ ص ۱۴۲)[2]

---

[1] اشعۃ اللمعات: ۳۰۹ [2] لمعۃ اللمعات: ۳۰۹

امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب ترمذی میں دونوں روایات کو نقل کیا ہے ایک میں جہر کا ذکر ہے دوسرے میں عدم جہر کا ذکر ہے پھر امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے جہری روایت کو ترجیح دی ہے اور امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے حوالہ سے عدم جہر کی روایت پر اعتراضات وارد کئے ہیں۔

احناف و مالکیہ کی پہلی دلیل حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت ہے جس کو صاحب ہدایہ نے بھی نقل کر کے اس سے استدلال کیا ہے اصل روایت حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے منقول ہے جس کے الفاظ یہ ہیں:

"عن عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ انه قال يخفي الامام اربعة اشياء التعوذ والبسملة وامين وسبحانك اللهم وبحمدك وعن ابن مسعود مثله"۔ (لمعات ج۲ ص۱۴۲) [1]

اسی روایت کو صاحب ہدایہ نے روایت بالمعنی کر کے فرمایا ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں "اربع يخفيهن الامام وذكر من جملتها التعوذ والتسمية وامين"۔ (ھدایہ ص۱۰۲)

❷ احناف کی دوسری دلیل جمع الجوامع کی روایت ہے جو علامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے نقل فرمائی ہے الفاظ یہ ہیں۔

"عن ابی وائل قال كان عمر وعلی لا يجهران بالبسملة ولا بالتعوذ ولا بأمين"۔

(رواہ جریر والطحاوی کذا فی لمعات) [2]

❸ احناف کی تیسری دلیل سمرۃ بن جندب رضی اللہ عنہ کی روایت ہے جو مشکوۃ شریف کے ص ۷۸ پر اس طرح منقول ہے۔

"عن سمرة بن جندب انه حفظ عن رسول الله ﷺ سكتتين سكتة اذا كبر وسكتة اذا فرغ من قراءة غير المغضوب عليهم ولا الضالين فصدقه ابی بن كعب" (رواہ ابوداؤد)

اس روایت میں ولا الضالین کے وقت سکتہ کا جو ذکر ہے یہ صرف آمین بالسر پڑھنے کے لئے تھا۔

❹ احناف کی چوتھی دلیل تہذیب الاثار میں طبرانی کی روایت ہے الفاظ یہ ہیں۔

"وعن ابی وائل قال لم يكن عمر وعلی يجهران ببسم الله الرحمن الرحيم ولا أمين"۔

❺ احناف و مالکیہ کی پانچویں دلیل اسی وائل بن حجر رضی اللہ عنہ کی روایت ہے جو اس طرح ہے۔

"عن وائل بن حجر ان النبی ﷺ قرء غير المغضوب عليهم ولا الضالين فقال أمين وخفض بها صوته"۔ (ترمذی ص۳۴)

[1] اشعة اللمعات: ۴۰۹ [2] اشعة اللمعات: ۴۰۹

روایات وآثار دونوں طرف سے ہیں مگر مدار اختلاف اسی روایت وائل بن حجر رضی اللہ عنہ پر ہے شوافع نے مد بھا صوتہ کو راویوں کی وجہ سے اور قوت سند کے اعتبار سے راجح قرار دیا ہے اور احناف کے تمام مستدلات کو کسی نہ کسی وجہ سے معلول قرار دیدیا ہے۔ شوافع کے اس مستدل کو سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ [1] نقل کرتے ہیں اور شوافع حضرت سفیان رحمۃ اللہ علیہ کے طریق سند کو عمدہ قرار دیتے ہیں احناف کے طریق سند کو شعبہ نقل کرتے ہیں احناف ان کو سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ پر ترجیح دیتے ہیں آٹھ آٹھ ترجیحات بیان کی جاتی ہیں مگر فیصلہ نہیں ہوتا۔ احناف و مالکیہ قرآن کریم کی اس آیت سے بھی آمین بالسر پر استدلال کرتے ہیں "**ادعوا ربکم تضرعا وخفیة انه لایحب المعتدین**" (اعراف آیت ۵۵)

طرز استدلال اس طرح ہے کہ امین دعا ہے اور دعا کے بارے میں قرآن کا اعلان ہے کہ آہستہ مانگا کرو لہٰذا امین بھی آہستہ پڑھنا چاہئے۔

جواب: ائمہ احناف وائل بن حجر رضی اللہ عنہ کی روایت **مد بھا صوته** کا جواب یہ دیتے ہیں کہ زور سے پڑھنے میں یہ نص صریح نہیں ہے بلکہ مد بھا کا مطلب یہ بھی ہوسکتا ہے کہ دراز آواز سے آمین پڑھا مگر یہ جواب کمزور ہے اصل جواب یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بیشک بلند آواز سے آمین پڑھا ہے لیکن یہ تعلیم امت پر محمول ہے جیسے کہ ظہر کی نماز میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے زور سے قرأت پڑھی ہے رفع بھا صوته کا بھی یہی جواب ہے۔ بہر حال جب ابتداء میں بتایا گیا کہ یہ اختلاف افضل غیر افضل کا ہے تو یہ اختلاف درحقیقت اختلاف نہیں ہے شیخ عبدالحق رحمۃ اللہ علیہ لمعات میں لکھتے ہیں "**والظاهر الحمل علی کلا الفعلین تارة فتارة**" یعنی ظاہر یہ ہے کہ دونوں فعل جائز ہیں کبھی زور سے کبھی آہستہ سے دونوں طرح موقع ومقام کے مناسب جائز ہے [2] تاہم جن عوام کو جن علاقوں میں عدم جہر کی تعلیم دی گئی ہے تو یہ بھی ایک جائز صورت ہے اگر وہ اس پر عمل کرتے ہیں تو سنت پر ہیں ان کو اس تشویش میں نہیں ڈالنا چاہئے کہ تم زور سے پڑھو آخر جواز کے ایک پہلو پر وہ بھی کھڑے ہیں تو ان کو کیوں چھیڑتے ہو؟

لطیفہ ①:

دروس وتعلیم کے زمانہ میں استادوں سے ہم نے یہ لطیفہ سنا کہ ہندوستان میں جب غیر مقلدین حضرات نے اس مسئلہ میں شدت اختیار کی اور امین بالسر والوں کی نماز کو فاسد کہنا شروع کردیا تو عوام میں تشویش پیدا ہوگئی علماء کے مناظرے شروع ہوگئے انگریز کا دور تھا ایک دفعہ انگریز جج کے سامنے مناظرہ ہوا اس نے طرفین کے دلائل سننے کے بعد فیصلہ یوں سنادیا کہ میں نے جو کچھ سنا اس سے میں نے اندازہ لگالیا کہ ایک آمین بالجہر ہے تمہارے نبی سے یہ بھی ثابت ہے دوسری آمین بالسر ہے تمہارے نبی سے یہ بھی ثابت ہے۔ تیسری آمین بالشر ہے جو کسی کو چھیڑنے اور بھڑکانے اور تشویش پیدا کرنے کے لئے ہے یہ تمہارے نبی سے ثابت نہیں ہے۔

واقعی اس بات میں وزن ہے ہم نے دیکھا کہ اکثر بد باطن لوگ مودودی وغیرہ اپنے مقاصد نکالنے کے لئے کسی مسجد میں

[1] المرقات: ۲/۵۷۱ [2] اشعة اللمعات: ۴۰۹

زور سے امین کہتے ہیں حالانکہ وہ غیر مقلد اہل حدیث نہیں ہوتے ہیں جس طرح کسی جگہ پر قبضہ کرنے کے لئے بعض حضرات اپنا نمائشی درود پڑھتے ہیں مقصد صلوٰۃ وسلام نہیں ہوتا بلکہ ارادے کچھ اور ہوتے ہیں **فالی الله المشتکی**۔

لطیفہ ۲:

ہندوستان میں جب آمین بالجہر وبالسر کے اختلاف نے زور پکڑا تھا اس زمانہ میں ایک غیر مقلد صاحب علماء دیوبند کی مسجد میں آکر زور زور سے آمین کہتا تھا ایک دفعہ امام صاحب نے ان سے کہا کہ آپ یہاں آکر زور زور سے آمین کیوں کہتے ہو۔ اس نے جواب دیا کہ یہاں **امین** بالجہر کی سنت مرچکی ہے اسے زندہ کرنا چاہتا ہوں اس عالم نے کہا کہ جناب آپ کی مسجد میں بھی آمین بالسر کی سنت مرچکی ہے اسے زندہ کرنے کی بھی فکر کیجئے مہربانی ہوگی تو وہ کہنے لگا کہ اچھا! آپ یہ چاہتے ہیں کہ میں اِدھر بھی پٹ جاؤں اور اُدھر بھی پٹ جاؤں؟۔

غیر مقلدین حضرات کے ہاں ایک پریشان کن صورت یہ ہے کہ سنت چھوٹنے سے ان کے ہاں نماز باطل ہوجاتی ہے اسی وجہ سے ان میں شدت ہے حالانکہ اعمال کے مختلف درجات ہیں فرض عمل چھوٹنے سے نماز باطل ہوجاتی ہے واجب سے ناقص ہوجاتی ہے سنت کے چھوٹنے سے آدمی ثواب وادب اور استحباب سے محروم ہوجاتا ہے لیکن نماز کے باطل ہونے کی کوئی وجہ نہیں ہے۔

دعا میں آمین کہنے کی برکت

﴿۲۴﴾ وعن أَبِي زُهَيْرٍ النُّمَيْرِيِّ قَالَ خَرَجْنَا مَعَ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ذَاتَ لَيْلَةٍ فَأَتَيْنَا عَلٰى رَجُلٍ قَدْ أَلَحَّ فِي الْمَسْأَلَةِ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَوْجَبَ إِنْ خَتَمَ فَقَالَ رَجُلٌ مِنَ الْقَوْمِ بِأَيِّ شَيْءٍ يَخْتِمُ قَالَ بِآمِيْنَ۔ (رَوَاهُ أَبُوْدَاوُدَ)[۱]

ترجمہ: اور حضرت ابی زہیر نمیری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک رات کو ہم آقائے نامدار ﷺ کے ہمراہ (باہر) نکلے اور ایک ایسے شخص کے پاس آئے جو دعا کرنے میں از حد زاری کر رہا تھا آنحضرت ﷺ نے فرمایا "واجب کیا اگر ختم کیا۔" ایک شخص نے پوچھا کہ (یا رسول اللہ) کس چیز کے ساتھ ختم کرے؟ فرمایا "آمین کے ساتھ!" (ابوداؤد)

توضیح: "الح" باب افعال سے الحاح عاجزی وزاری کے ساتھ اصرار کرنا یہاں اللہ تعالیٰ سے دعا کرنے میں خوب مبالغہ واصرار کرنا مراد ہے۔ علماء عرب کو چاہئے کہ اپنی عوام کو دعا کا عادی بنائیں اور ان کو عاجزی سکھائیں۔[۲]

"**اوجب**" یعنی اس شخص نے اپنے لئے جنت واجب کردی اللہ تعالیٰ پر بندوں کی طرف سے کوئی چیز واجب نہیں ہوسکتی یہاں مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل وکرم اور اپنے احسان سے اپنے اوپر واجب ولازم کردیا ہے گویا ایسا وعدہ فرمالیا جس سے وعدہ خلافی نہیں فرمائیں گے۔

[۱] اخرجہ ابوداؤد: ۹۳۸ [۲] المرقات: ۲/۵۷۱

"ان ختم" یعنی بشرطیکہ اس دعا پر مہر لگا دے دوسرا مطلب یہ ہے کہ بشرطیکہ اس دعا کو ایک چیز پر ختم کر دے پہلے معنی کے مطابق یہ لفظ خاتم سے مہر کے معنی میں ہوگا ایک حدیث میں ہے کہ "امین خاتم رب العالمین" مطلب یہ کہ جس طرح بادشاہ کی مہر جب کسی خط پر لگ جاتی ہے وہ ہر قسم کے نقصان سے محفوظ ہو جاتا ہے اور قابل اعتماد بن جاتا ہے اسی طرح لفظ آمین ہے کہ اس کو جس دعا کے بعد پڑھا جائے وہ محفوظ و مقبول اور قابل اعتماد بن جاتی ہے اس امین سے نماز کے اندر امین بھی مراد لی جاسکتی ہے اور نماز سے باہر امین بھی مراد ہوسکتی ہے اس حدیث سے امت کو یہ تعلیم ملی کہ دعا اجتماعی ہو یا انفرادی ہو آخر میں امین یارب العالمین کہنا چاہئے تاکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس عمل اور اس دعا پر مہر قبولیت اور مہر حفاظت و برکت لگ جائے۔

﴿۲۵﴾ وعن عَائِشَةَ قَالَتْ اِنَّ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلَّى الْمَغْرِبَ بِسُوْرَةِ الْأَعْرَافِ فَرَّقَهَا فِيْ رَكْعَتَيْنِ. (رَوَاهُ النَّسَائِيُّ)[1]

ترجمہ: اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم نے مغرب کی نماز میں سورۂ اعراف (اس طرح) پڑھی کہ اسے دونوں رکعتوں میں تقسیم کر دیا۔" (نسائی)

توضیح: [2] ظاہری حدیث سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مغرب کی دو رکعتوں میں پوری سورۃ اعراف پڑھی تھی اور مغرب کا وقت اگرچہ تنگ ہوتا ہے اور آپ عموماً اس میں مختصر قرأت فرماتے تھے مگر کبھی کبھی بیان جواز کے لئے طویل قرأت بھی فرمائی ہے جس سے بطور اشارہ یہ ثابت ہوتا ہے کہ مغرب کا وقت اتنا تنگ نہیں ہے جس طرح شوافع حضرات سمجھتے ہیں ان کے ہاں غروب آفتاب کے بعد جو سرخی ہوتی ہے وہی شفق ہے اس کے خاتمے پر مغرب کا وقت ختم ہو جاتا ہے مگر احناف کے نزدیک شفق غروب آفتاب کے بعد سرخی کے بعد سفیدی کا نام ہے اور یہ وقت کافی لمبا ہے اس میں سورۃ اعراف دو رکعتوں میں پڑھی جاسکتی ہے بشرطیکہ قرأت حدر کے ساتھ ہو مصری طرز پر نہ ہو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی قرأت میں تیزی تھی اور معجزہ بھی شامل حال تھا۔ یعنی کم وقت میں زیادہ قرأت ہوتی تھی جس کو "طی" کہتے ہیں۔ شیخ عبدالحق رحمہ اللہ[3] کہتے ہیں کہ یہ کہنا بہت ہی بعید ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض سورۃ اعراف پڑھی، پوری نہیں پڑھی۔

معوذتین کی فضیلت

﴿۲۶﴾ وعن عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ قَالَ كُنْتُ أَقُوْدُ لِرَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَاقَتَهُ فِي السَّفَرِ فَقَالَ لِيْ يَا عُقْبَةُ أَلَا أُعَلِّمُكَ خَيْرَ سُوْرَتَيْنِ قُرِئَتَا فَعَلَّمَنِيْ قُلْ أَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ وَقُلْ أَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ قَالَ فَلَمْ يَرَنِيْ سُرِرْتُ بِهِمَا جِدًّا فَلَمَّا نَزَلَ لِصَلَاةِ الصُّبْحِ صَلَّى بِهِمَا صَلَاةَ الصُّبْحِ لِلنَّاسِ

[1] اخرجه النسائي: ۲/۱۷۰ [2] المرقات: ۲/۵۷۲ [3] اشعة اللمعات: ۴۱۰

فَلَمَّا فَرَغَ اِلْتَفَتَ اِلَيَّ فَقَالَ يَا عُقْبَةُ كَيْفَ رَأَيْتَ. (رَوَاهُ أَحْمَدُ وَأَبُوْدَاوُدَ وَالنَّسَائِيُّ)[1]

ترجمہ: اور حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں ایک سفر میں آقائے نامدار ﷺ کی اونٹنی کی مہار پکڑے چل رہا تھا کہ آپ نے مجھ سے فرمایا "عقبہ! کیا میں تمہیں دو بہترین سورتیں جو پڑھی گئی ہیں (یعنی مجھ پر نازل کی گئی ہیں) نہ بتلادوں؟ چنانچہ آپ نے مجھے (معوذتین یعنے) قل اعوذ برب الفلق اور قل اعوذ برب الناس سکھائیں۔ عقبہ کہتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے مجھے ان دونوں سورتوں سے زیادہ خوش نہیں دیکھا پھر جب آپ صبح کی نماز پڑھنے کے لئے اترے تو لوگوں کو نماز میں یہی دونوں سورتیں پڑھائیں۔ جب آپ نماز سے فارغ ہوگئے تو میری طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا "عقبہ! تم نے (ان کی فضیلت کو) دیکھا؟"۔ (احمد، ابوداؤد، نسائی)

توضیح: "فلم یرنی سررت بھما"[2] یعنی حضور اکرم ﷺ نے جب دیکھا کہ مجھے معوذتین کو سن کر زیادہ خوشی نہیں ہوئی جس طرح دوسری سورتوں پر ہوتی تھی جس میں توحید کے طویل اور اعلیٰ مضامین ہوں۔ تو آپ ﷺ نے اس کو محسوس کیا اور چاہا کہ مجھے عملی طور پر ان سورتوں کی عظمت سمجھادیں چنانچہ فجر کی نماز آپ نے انہیں مختصر سورتوں سے پڑھائی اور پھر فرمایا "کیف رأیت" یعنی دیکھا؟ کہ کس طرح سب سے افضل نماز جس میں طویل سورتیں ہوتی ہیں ان دو مختصر سورتوں سے میں نے پڑھادی یہ ان سورتوں کی شان ہے اور یہ اچھی سورتیں ہیں آنحضرت ﷺ نے معوذتین کو جو "خیر سورتین" فرمایا ہے یہ اس اعتبار سے ہے کہ اس میں شیطان کے مکر وفریب اور اس کے وساوس اور دسیسہ کاریوں سے تحفظ اور بچاؤ کا مکمل سامان ہے اس اعتبار سے یہ سب سے اچھی سورتیں ہیں۔

﴿۲۷﴾ وعن جَابِرِ بْنِ سَمُرَةَ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقْرَأُ فِيْ صَلَاةِ الْمَغْرِبِ لَيْلَةَ الْجُمُعَةِ قُلْ يَا أَيُّهَا الْكَافِرُوْنَ وَقُلْ هُوَ اللهُ أَحَدٌ.

(رَوَاهُ فِيْ شَرْحِ السُّنَّةِ وَرَوَاهُ ابْنُ مَاجَه عَنِ ابْنِ عُمَرَ إِلَّا أَنَّهُ لَمْ يَذْكُرْ لَيْلَةَ الْجُمُعَةِ)[3]

ترجمہ: اور حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آقائے نامدار ﷺ جمعہ کے روز مغرب کی نماز میں قل یا ایھا الکافرون اور قل ھو اللہ احد پڑھا کرتے تھے۔" یہ حدیث شرح السنۃ میں منقول ہے اور ابن ماجہ نے یہ حدیث ابن عمر سے نقل کی ہے لیکن اس میں "لیلۃ الجمعہ" کے الفاظ نہیں ہیں۔

توضیح: "یقرء" یعنی مغرب کی نماز میں آپ کبھی یہ دو سورتیں پڑھتے تھے کیونکہ ان دو سورتوں میں سے پہلی سورۃ میں کفار سے مکمل بیزاری کا اعلان اور دوسری سورۃ میں توحید خالص کا اعلان ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آپ مغرب اور فجر کی سنتوں میں زیادہ تر ان ہی سورتوں کو پڑھتے تھے تاکہ دن اور رات کے آغاز پر آپ اس اعلان کو دہرائیں جیسا کہ ساتھ

---

[1] اخرجه النسائی: ۸/۲۵۲ وابوداؤد: ۱۴۶۲ واحمد: ۴/۱۴۴ [2] المرقات: ۲/۵۶۳

[3] اخرجه البغوی فی شرح السنه: ۳/۸۱ وابن ماجه: ۸۲۳

والی حدیث میں آرہا ہے۔ بہرحال آنحضرت ﷺ نے ان دوسورتوں پر دوام اور اس کا التزام نہیں فرمایا۔ اس سے امت کو یہ تعلیم ملی کہ قرآن کی ہر سورۃ کا نماز میں پڑھنا جائز ہے اور کسی ایک سورۃ کو خاص نہیں کرنا چاہئے۔

﴿۲۸﴾ وعن عَبْدِ اللهِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ مَا أُحْصِيْ مَا سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقْرَأُ فِي الرَّكْعَتَيْنِ بَعْدَ الْمَغْرِبِ وَفِي الرَّكْعَتَيْنِ قَبْلَ صَلَاةِ الْفَجْرِ بِقُلْ يَا أَيُّهَا الْكَافِرُوْنَ وَقُلْ هُوَ اللهُ أَحَدٌ۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَرَوَاهُ ابْنُ مَاجَه عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ إِلَّا أَنَّهُ لَمْ يَذْكُرْ بَعْدَ الْمَغْرِبِ)[۱]

ترجمہ: اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں شمار نہیں کرسکتا کہ میں نے کتنی مرتبہ آقائے نامدار ﷺ کو مغرب کی نماز کے بعد اور فجر کی نماز سے پہلے دونوں سنتوں میں قل یاایھا الکافرون اور قل ھو اللہ احد پڑھتے سنا ہے۔" (ترمذی)
اس حدیث کو ابن ماجہ نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے مگر ان کی روایت میں "بعد المغرب" کے الفاظ نہیں ہیں۔

طوالِ مفصّل اور قصارِ مفصّل کا مطلب

﴿۲۹﴾ وعن سُلَيْمَانَ ابْنِ يَسَارٍ عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ مَا صَلَّيْتُ وَرَاءَ أَحَدٍ أَشْبَهَ صَلَاةً بِرَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ فُلَانٍ قَالَ سُلَيْمَانُ صَلَّيْتُ خَلْفَهُ فَكَانَ يُطِيْلُ الرَّكْعَتَيْنِ الْأُوْلَيَيْنِ مِنَ الظُّهْرِ وَيُخَفِّفُ الْأُخْرَيَيْنِ وَيُخَفِّفُ الْعَصْرَ وَيَقْرَأُ فِي الْمَغْرِبِ بِقِصَارِ الْمُفَصَّلِ وَيَقْرَأُ فِي الْعِشَاءِ بِوَسَطِ الْمُفَصَّلِ وَيَقْرَأُ فِي الصُّبْحِ بِطِوَالِ الْمُفَصَّلِ۔ (رَوَاهُ النَّسَائِيُّ وَرَوَى ابْنُ مَاجَه إِلَى وَيُخَفِّفُ الْعَصْرَ)[۲]

ترجمہ: اور حضرت سلیمان بن یسار (تابعی) رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ میں نے کسی شخص کے پیچھے آقائے نامدار ﷺ کی نماز کے مشابہ نماز نہیں پڑھی مگر فلاں شخص کے پیچھے۔" سلیمان کہتے ہیں کہ میں نے بھی اس شخص کے پیچھے نماز پڑھی ہے۔ وہ ظہر کی پہلی دونوں رکعتوں کو طویل پڑھتے تھے اور آخری دونوں رکعتوں کو ہلکی پڑھتے تھے، عصر کی نماز میں تخفیف کرتے تھے۔ مغرب کی نماز میں قصار مفصل اور عشاء میں اوساط مفصل اور فجر کی نماز میں طوال مفصل پڑھا کرتے تھے۔ (نسائی)

توضیح: "بقصار المفصل" قرآن کریم کی سورتوں کے لئے چند اصطلاحی نام ہیں چنانچہ سورۃ بقرہ سورۃ آل عمران سورۃ مائدہ سورۃ انعام سورۃ اعراف اور سورۃ انفال و براءت یہ سات سورتیں "السبع الطول" کے نام سے مشہور ہیں بشرطیکہ انفال وتوبہ ایک ہو اس کے بعد وہ سورتیں ہیں جو سو یا اس سے زیادہ آیات پر مشتمل ہیں یہ سورتیں "مئین" کے نام سے مشہور ہیں اس کے بعد وہ سورتیں ہیں جو مثانی کہلاتے ہیں یہ سلسلہ سورۃ حجرات تک جاتا ہے سورۃ حجرات سے سورۃ والناس تک تمام سورتوں کو "مفصلات" کہتے ہیں کیونکہ یہ ایک دوسرے سے جلدی جلدی جدا ہوتی ہیں ان مفصلات میں

[۱] اخرجہ الترمذی: ۴۳۱ وابن ماجہ: ۱۱۴۸ [۲] اخرجہ النسائی: ۲/۱۶۷ وابن ماجہ: ۸۲۷

پھر تمام چھوٹی سورتوں کو تین درجوں میں تقسیم کر کے طوال اوساط قصار کا نام دیا گیا ہے مگر مفصل کا نام ساتھ لگا دیا ہے تا کہ معلوم ہو جائے کہ یہ تقسیم "مفصلات" میں ہے چنانچہ سورۃ حجرات سے سورۃ بروج تک طوال مفصل ہیں اور سورۃ بروج سے سورۃ بینۃ تک اوساط مفصل ہیں اور سورۃ بینۃ سے سورۃ والناس تک قصار مفصل کہتے ہیں اس حدیث میں اسی تفصیل کی طرف اجمالی اشارہ ہے تفصیل فقہاء نے کی ہے۔ "والحمد للہ علی ذالك"۔[1]

"من فلان" اس سے مراد غالباً حضرت علی رضی اللہ عنہ ہیں۔

امام کے پیچھے قرأت کرنے کا حکم

﴿۳۰﴾ وعن عُبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِ قَالَ كُنَّا خَلْفَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي صَلَاةِ الْفَجْرِ فَقَرَأَ فَثَقُلَتْ عَلَيْهِ الْقِرَاءَةُ فَلَمَّا فَرَغَ قَالَ لَعَلَّكُمْ تَقْرَأُونَ خَلْفَ إِمَامِكُمْ قُلْنَا نَعَمْ يَا رَسُوْلَ اللهِ قَالَ لَا تَفْعَلُوْا إِلَّا بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ فَإِنَّهُ لَا صَلَاةَ لِمَنْ لَمْ يَقْرَأْ بِهَا. (رَوَاهُ أَبُوْدَاوُدَ وَالتِّرْمِذِيُّ وَلِلنَّسَائِيِّ مَعْنَاهُ وَفِيْ رِوَايَةٍ لِأَبِيْ دَاوُدَ قَالَ وَأَنَا أَقُوْلُ مَالِيْ يُنَازِعُنِي الْقُرْآنُ فَلَا تَقْرَأُوْا بِشَيْءٍ مِنَ الْقُرْآنِ إِذَا جَهَرْتُ إِلَّا بِأُمِّ الْقُرْآنِ)[2]

ترجمہ: اور حضرت عبادۃ بن صامت رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ (ایک دن) ہم لوگ فجر کی نماز میں آقائے نامدار ﷺ کے پیچھے تھے آپ نے جب قرأت شروع کی تو آپ کو پڑھنا بھاری ہو گیا۔ پھر جب آپ نماز سے فارغ ہوئے تو فرمایا کہ "شاید تم لوگ امام کے پیچھے قرأت کیا کرتے ہو؟ ہم نے عرض کیا "جی ہاں یا رسول اللہ!" آپ نے فرمایا سوائے سورۂ فاتحہ کے کچھ نہ پڑھا کرو اس لئے کہ جو شخص یہ سورۃ نہیں پڑھتا اس کی نماز نہیں ہوتی۔" (ابوداود، ترمذی)

نسائی نے یہ روایت بالمعنی نقل کی ہے اور ابوداؤد کی ایک روایت میں یہ الفاظ بھی ہیں کہ "آپ نے (صحابہ کا جواب سن کر) فرمایا جب ہی تو میں (اپنے دل میں) کہتا تھا کہ یہ کیا ہو گیا جو قرأت مجھ پر بھاری ہو رہی ہے، جب میں باآواز بلند پڑھا کروں تو تم لوگ بجز سورۂ فاتحہ کے اور کچھ نہ پڑھا کرو۔"

توضیح: "لعلکم تقرأون" اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مقتدیوں نے آہستہ پڑھا اور حضور اکرم ﷺ پر مقتدیوں کا روحانی طور پر بوجھ پڑا اس لئے آپ نے پوچھا کہ شاید تم لوگ میرے پیچھے پڑھتے ہو؟ اگر وہ لوگ زور سے پڑھتے تو حضور ﷺ اس طرح سوال نہ فرماتے اس میں نماز کے تغیرات میں سے ایک تغیر کی بات ہے کہ فاتحہ کے سوا کچھ نہ پڑھو پھر بعد میں فاتحہ کا پڑھنا بھی منع کر دیا گیا جیسا کہ پہلے لکھا جا چکا ہے۔[3]

فاتحہ پڑھنے کے علاوہ امام کے پیچھے قرآن پڑھنے کی ممانعت پر یہ حدیث احناف کی دلیل ہے اور فاتحہ پڑھنے کے لئے یہ حدیث شوافع کی دلیل ہے۔

[1] المرقات: ۲/۵۶۷، ۵۶۸ [2] اخرجہ ابوداؤد: ۸۲۳ والترمذی: ۳۱۱ [3] المرقات: ۲/۵۷۰ واشعة اللمعات: ۴۱۱

جہری نمازوں میں لوگ امام کے پیچھے فاتحہ پڑھنے سے باز آگئے

﴿۳۱﴾ وعن أبي هريرة أن رسول الله صلى الله عليه وسلم انصرف من صلاة جهر فيها بالقراءة فقال هل قرأ معي أحد منكم آنفا فقال رجل نعم يا رسول الله قال إني أقول مالي أنازع القرآن قال فانتهى الناس عن القراءة مع رسول الله صلى الله عليه وسلم فيما جهر فيه بالقراءة من الصلوات حين سمعوا ذلك من رسول الله صلى الله عليه وسلم.

(رواه مالك وأحمد وأبو داود والترمذي والنسائي وروى ابن ماجه نحوه)[1]

ترجمہ: اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ (ایک مرتبہ) آقائے نامدار ﷺ (جہری) نماز سے جس میں قرأت باآواز بلند کی جاتی ہے فارغ ہوئے (اور نمازیوں کی طرف متوجہ ہوکر) فرمایا: ''کیا ابھی تم میں سے کسی نے میرے ساتھ قرأت کی ہے؟'' ایک شخص نے عرض کیا، ہاں! یا رسول اللہ! آنحضرت نے فرمایا (میں جب ہی تو دل میں) کہتا تھا کہ کیا ہوگیا جو میں قرآن پڑھنے میں الجھتا ہوں۔'' حضرت ابو ہریرہ فرماتے ہیں کہ جب لوگوں نے یہ سنا تو ان نمازوں میں جن میں آنحضرت ﷺ قرأت باآواز بلند کرتے تھے آپ کے ساتھ قرأت کرنے سے رک گئے۔'' (مالک، احمد، ابوداود، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ)

توضیح: "مالی انازع القرآن"[2] منازعہ چھینا جھپٹی کو کہتے ہیں یعنی امام بھی پڑھے اور مقتدی بھی پڑھے یہ منازعہ ہے حضور اکرم ﷺ نے دل میں فرمایا اور زبان سے اظہار بھی فرمایا کہ ایسا نہیں کرنا چاہئے تو لوگ جہری نمازوں میں عام قرأت اور فاتحہ وغیرہ سے باز آگئے یہ حدیث احناف کی مضبوط دلیل ہے کہ امام کے پیچھے قرآن پڑھنے سے حضور ﷺ نے سختی سے منع فرمادیا اور فاتحہ بھی قرآن ہے تو اس کی ممانعت بھی آگئی بعض غیر مقلدین عجیب جسارت سے کام لیتے ہیں میں نے خود ایک غیر مقلد سے سنا جو کہتا تھا کہ سورۃ فاتحہ قرآن نہیں ہے اور اللہ تعالیٰ نے ﴿واذا قرئ القرآن﴾ فرمایا ہے لہٰذا فاتحہ قرآن سے باہر ہے اس کا پڑھنا ہوگا یہ بات یاد رکھنی چاہئے کہ امام کے پیچھے صرف قرآن پڑھنے کی ممانعت ہے قرآن کے علاوہ جو اذکار اور وظائف ہیں اس کا پڑھنا جائز ہے اور وہ قرأت کے وقت میں نہیں ہے بلکہ جب قرأت ختم ہوجاتی ہے تو وہاں پر وہ اذکار ہیں جیسے تسبیحات ہیں اسی طرح ثنا اور التحیات ہیں احناف کے نزدیک یہ روایت امام کے پیچھے پڑھنے کے لئے ناسخ ہے کیونکہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ متاخر فی الاسلام ہے تو یہ آخری دور کا نقشہ ہے۔ اور "فانتھی الناس" کے الفاظ میں صحابہ کرام کے عملی فیصلے کا اندازہ ہوجاتا ہے اور یہ جملہ زہری کا نہیں بلکہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا ہے جیسا کہ پہلے تفصیل ہوچکی ہے۔

[1] اخرجه مالك في الموطا: ۸۰ وابوداود: ۸۲۶، ۸۲۷ والترمذي: ۳۱۲ والنسائي: ۲/۱۴۰ وابن ماجه: ۸۴۸، ۸۴۹

[2] المرقات: ۲/۵۶۹

﴿۳۲﴾ وعن ابنِ عُمَرَ والبَیاضِیِّ قالا قالَ رسُولُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِنَّ الْمُصَلِّیْ یُنَاجِیْ رَبَّہٗ فَلْیَنْظُرْ مَا یُنَاجِیْہِ وَلَا یَجْھَرْ بَعْضُکُمْ عَلٰی بَعْضٍ بِالْقُرْآنِ۔ (رَوَاہُ أَحْمَدُ)[1]

ترجمہ: اور حضرت ابن عمر اور حضرت بیاضی رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں کہ آقائے نامدار ﷺ نے فرمایا نمازی اپنے پروردگار سے (حالت نماز میں) مناجات کرتا ہے لہٰذا اسے چاہئے کہ جو مناجات وہ کرتا ہے اس میں غور کرے (یعنی ذکر و قرأت حضور قلب اور خشوع و خضوع کے ساتھ کرے) اور قرآن کو پڑھنے میں تم میں سے کوئی ایک دوسرے پر اونچی آواز نہ کرے۔

(احمد)

توضیح: "بالقرآن" [2] یعنی بعض پڑھنے والے زور زور سے پڑھ کر دوسروں پر غالب نہ آئے نہ ان کو تشویش میں مبتلا کرے خواہ وہ سننے والا نماز میں ہو یا سویا ہوا ہو یا خود قرآن پڑھ رہا ہو ان تمام صورتوں میں کسی مسلمان کو ایذا پہنچانا جائز نہیں لہٰذا قرآن زور سے نہیں پڑھنا چاہئے اور قرآن کے علاوہ کسی چیز سے ایذا پہنچانا تو بطریق اولیٰ بدتر عمل ہے۔

اس حدیث سے بھی معلوم ہوا کہ امام کے پیچھے فاتحہ پڑھنا جہری نمازوں میں مناسب نہیں ہے۔

امام کی متابعت ضروری ہے

﴿۳۳﴾ وعن أَبِیْ ھُرَیْرَۃَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِنَّمَا جُعِلَ الْاِمَامُ لِیُؤْتَمَّ بِہٖ فَاِذَا کَبَّرَ فَکَبِّرُوْا وَاِذَا قَرَأَ فَأَنْصِتُوْا۔ (رَوَاہُ أَبُوْدَاؤدَ وَالنَّسَائِیُّ وَابْنُ مَاجَہ)[3]

ترجمہ: اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ آقائے نامدار ﷺ نے فرمایا: "امام اس لئے مقرر کیا گیا ہے کہ اس کی پیروی کی جائے، لہٰذا جب امام، اللہ اکبر کہے تو تم بھی اللہ اکبر کہو، اور جب امام قرأت کرے تو تم خاموش رہو۔"

(ابوداؤد، نسائی، ابن ماجہ)

یعنی جب قرآن پڑھا جائے تو (بلند آواز سے پڑھنے کی صورت میں) اسے سنو اور (آہستہ آواز سے پڑھنے کی صورت میں) خاموش رہو۔

لہٰذا معلوم ہوا کہ امام کے پیچھے مقتدیوں کو کچھ پڑھنا مطلقاً ممنوع ہے خواہ نماز جہری (با آواز بلند) ہو یا سری (با آواز آہستہ) **من کان لہ امام فقراء ۃ الامام قراءۃ لہ۔**

یعنی (نماز میں) جس شخص کا امام ہو تو امام کی قرأت ہی اس (مقتدی) کی قرأت ہوگی۔

یہ حدیث بالکل صحیح ہے۔ بخاری و مسلم کے علاوہ سب ہی نے اسے نقل کیا ہے اور ہدایہ میں تو یہاں تک مذکور ہے کہ علیہ اجماع الصحابۃ یعنی اس پر صحابہ کا اجماع و اتفاق تھا۔

---

[1] اخرجہ احمد: ۲/۳۶، ۲/۶۷، ۲/۱۲۹ [2] المرقات: ۲/۵۸۱ [3] اخرجہ ابوداؤد: ۶۰۳ و ابن ماجہ: ۸۴۶ والنسائی: ۲/۱۴۱

توضیح: "فانصتوا" [1] یعنی جب امام قرآن پڑھے تو تم چپ چاپ خاموش رہو اگر ان کی قرأت کو سنتے ہو تو کان لگا کر سنو وہاں "فاستمعوا" کا حکم ہے اور اگر نماز سرّی ہو تو وہاں ویسے خاموش رہو تو "وانصتوا" فرمایا یہ حدیث احناف کی دلیل ہے بلکہ جمہور کا یہی مسلک ہے۔ اور امام کی قرأت پوری قوم کی قرأت ہے تو قوم بلا قرأت نہیں رہی۔

جو شخص قرأت پر قادر نہ ہو وہ کیا پڑھے

﴿۳۴﴾ وعن عَبْدِ اللهِ ابْنِ أَبِي أَوْفَى قَالَ جَاءَ رَجُلٌ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ إِنِّي لَا أَسْتَطِيعُ أَنْ آخُذَ مِنَ الْقُرْآنِ شَيْئًا فَعَلِّمْنِي مَا يُجْزِئُنِي قَالَ قُلْ سُبْحَانَ اللهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ وَلَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ وَاللهُ أَكْبَرُ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللهِ قَالَ يَا رَسُولَ اللهِ هٰذَا لِلّٰهِ فَمَا ذَا لِي قَالَ قُلْ أَللّٰهُمَّ ارْحَمْنِي وَعَافِنِي وَاهْدِنِي وَارْزُقْنِي فَقَالَ هٰكَذَا بِيَدَيْهِ وَقَبَضَهُمَا فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَمَّا هٰذَا فَقَدْ مَلَأَ يَدَيْهِ مِنَ الْخَيْرِ۔ (رَوَاهُ أَبُو دَاوُدَ وَانْتَهَتْ رِوَايَةُ النَّسَائِيِّ عِنْدَ قَوْلِهِ إِلَّا بِاللهِ) [2]

ترجمہ: اور حضرت عبداللہ بن ابی اوفی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک شخص آقائے نامدار ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ یارسول اللہ! میں (فوری طور پر) قرآن میں سے کچھ یاد کر لینے پر قادر نہیں ہوسکتا اس لئے آپ مجھے کوئی ایسی چیز سکھا دیجئے جو میرے لئے کافی ہو" آپ نے فرمایا تم یہ پڑھ لیا کرو۔ **سبحان اللہ والحمد للہ ولا الہ الا اللہ واللہ اکبر ولا حول ولا قوۃ الا باللہ۔** یعنی اللہ پاک ہے اور تمام تعریفیں اللہ ہی کے لئے ہیں اور اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے اور اللہ بہت بڑا ہے، گناہوں سے بچنے کی توفیق اور عبادت کرنے کی طاقت صرف خدا ہی کی طرف سے ہے۔ اس شخص نے عرض کیا کہ "یارسول اللہ! یہ تو خدا کے لئے ہے میرے لئے کیا ہے؟ آپ نے فرمایا (اپنے لئے) تم یہ پڑھ لیا کرو۔ **اللھم ارحمنی و عافنی و اھدنی وارزقنی۔** یعنی اے پروردگار مجھ پر رحم فرما، مجھ کو عافیت سے رکھ! مجھے ہدایت کر! اور مجھے رزق دے!" پھر اس شخص نے اپنے دونوں ہاتھوں سے اس طرح اشارہ کیا اور ان کو بند کیا اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ "اس شخص نے اپنے دونوں ہاتھ نیکی سے بھر لئے۔" (ابوداؤد) نسائی کی روایت الا باللہ تک ختم ہوگئی ہے۔

توضیح: "انی لا استطیع"۔

سوال: سوال یہ ہے کہ ایک اہل لسان اور پھر عربی اور عرب کی ذہانت سے یہ بات بعید معلوم ہوتی ہے کہ وہ قرآن کا اتنا حصہ نہ سیکھ سکے جس سے نماز جائز ہو جائے۔ [3]

جواب: اس کا ایک جواب یہ ہے کہ جہاں عرب میں ذہین لوگ تھے وہاں کند ذہن بھی تھے نیز عمر رسیدہ اشخاص کے لئے سیکھنا مشکل ہوتا ہے اور زیادہ قرین قیاس بات یہ ہے کہ یہ شخص ابھی ابھی مسلمان ہوا ہوگا اور نماز کا معاملہ درپیش آیا تو یہ سوال کیا۔

[1] المرقات: ۲/۸۸۲ [2] اخرجہ ابوداؤد: ۸۳۲ والنسائی: ۲/۱۴۳ [3] اشعۃ اللمعات: ۴۱۳

دوسرا جواب: یہ ہے کہ ابتداء اسلام میں اس بات کی سہولت تھی کہ قرآن کے بجائے کسی ذکر اللہ اور تسبیحات سے نماز پڑھ لی جائے۔ جس شخص کو کئی سورتیں یاد ہوں تو ایک سورۃ پر مداومت کرنا مکروہ ہے اور اگر یاد نہیں تو یاد کرنا چاہئے ورنہ مکروہ ہے مکروہ سے مراد خلاف سنت ہے۔

"هذا لله" یہ شخص کتنا ہوشیار تھا کہ یہ تسبیحات وتمجیدات اور یہ تحمیدات وتعریفات سب اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں آخر میرے لئے دعا کے درجے میں کونسی چیز ہے؟ اس پر حضور اکرم ﷺ نے ان کو رحمت وعافیت اور رزق وہدایت کی دعا سکھادی۔

"فقال هكذا" قال کا لفظ عربی لغت میں اشارہ کے لئے اس وقت استعمال ہوتا ہے جب اس کے صلہ میں "با" آجائے یہاں "بیدیہ" میں با کلمہ کی وجہ سے اس جملہ میں اشارہ کا معنی پیدا ہو گیا۔

"وقبضهما" یعنی اس شخص نے دونوں ہاتھوں سے اشارہ کر کے دونوں مٹھیاں بند کر دیں گویا اس کو ایک اچھی نعمت مل گئی اور وہ خوش ہو کر اس کو محفوظ کرنے لگا یا ایک ایک انگلی پر یہ کلمات گنتے گنتے مٹھی بند کر دی اس پر حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کہ اس شخص نے دونوں ہاتھوں کو بھلائی سے بھر کر رکھدیا۔

سبحان ربی الاعلیٰ کا ثبوت

﴿۳۵﴾ وعن ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ إِذَا قَرَأَ سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْأَعْلَى قَالَ سُبْحَانَ رَبِّيَ الْأَعْلَى. (رَوَاهُ أَحْمَدُ وَأَبُو دَاوُدَ)[1]

ترجمہ: اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ آقائے نامدار ﷺ جب (کسی نماز میں) سبح اسم ربك الاعلی پڑھا کرتے تھے تو سبحان ربی الاعلی کہتے تھے۔" (احمد، ابوداؤد)

توضیح: "قرآن کریم کی آیت ہے ﴿سبح اسم ربك الاعلی﴾[2] اس میں تسبیحات کا حکم ہے اس حکم پر عمل کرتے ہوئے حضور اکرم نے اس پر خود بھی عمل کیا اور امت سے بھی فرمایا کہ اس کو سجدہ میں رکھ کر سبحان ربی الاعلی پڑھا کرو اسی طرح جب ﴿فسبح باسم ربك العظیم﴾ آیت اتری تو حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کہ اس کو رکوع میں رکھو اور "سبحان ربی العظیم" پڑھا کرو، یہ عجیب ترتیب ہے کیونکہ انسان کا اپنا وجود جتنا باقی رہتا ہے اللہ تعالیٰ کی شان کا پورا اعتراف انسان نہیں کرسکتا لیکن جب انسان اپنا وجود ختم کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ کی شان کا مکمل اعتراف شروع ہوجاتا ہے، جب انسان کھڑا ہوجاتا ہے تو وہ "الله اکبر" کہتا ہے لیکن جب اپنے آپ کو ایک درجہ گھٹاتا ہے تو سبحان ربی العظیم پڑھنے لگتا ہے لیکن سجدے میں جب اپنے آپ کو بالکل فانی کر کے رکھتا ہے اس وقت اللہ تعالیٰ کی شان مکمل طور پر بلند کر کے کہتا ہے "سبحان ربی الاعلیٰ" یعنی میں جتنا ادنیٰ ہوں اللہ تعالیٰ اتنا ہی اعلیٰ ہے۔

[1] اخرجه احمد: ۱/۲۳۲ وابوداؤد: ۸۸۳ [2] سورۃ اعلی

مخصوص سورتوں کے اختتام پر مخصوص دعائیں

﴿۳۶﴾ وعن أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ قَرَأَ مِنْكُمْ بِالتِّيْنِ وَالزَّيْتُوْنِ فَانْتَهٰى إِلٰى أَلَيْسَ اللهُ بِأَحْكَمِ الْحَاكِمِيْنَ فَلْيَقُلْ بَلٰى وَأَنَا عَلٰى ذٰلِكَ مِنَ الشَّاهِدِيْنَ وَمَنْ قَرَأَ لَا أُقْسِمُ بِيَوْمِ الْقِيَامَةِ فَانْتَهٰى إِلٰى أَلَيْسَ ذٰلِكَ بِقَادِرٍ عَلٰى أَنْ يُّحْيِيَ الْمَوْتٰى فَلْيَقُلْ بَلٰى وَمَنْ قَرَأَ وَالْمُرْسَلَاتِ فَبَلَغَ فَبِأَيِّ حَدِيْثٍ بَعْدَهٗ يُؤْمِنُوْنَ فَلْيَقُلْ آمَنَّا بِاللهِ.

(رَوَاهُ أَبُوْدَاوٗدَ وَالتِّرْمِذِيُّ إِلٰى قَوْلِهٖ وَأَنَا عَلٰى ذٰلِكَ مِنَ الشَّاهِدِيْنَ)[1]

ترجمہ: اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ''تم میں سے جو شخص سورۂ والتین والزیتون پڑھے، اور (اس آیت) **الیس اللہ باحکم الحاکمین** (یعنی کیا خدا سب سے بڑا حاکم نہیں ہے؟) پر پہنچے تو یہ الفاظ کہے کہ **بلی و انا علی ذلک من الشاهدین** (یعنی ہاں! اور میں اس پر شہادت دینے والوں میں سے ہوں) اور جو شخص سورہ **لا اقسم بیوم القیمة** پڑھے اور (اس آیت) **الیس ذلک بقادر علی ان یحیی الموتی** (یعنی کیا اس خدا) کو اس بات پر قدرت نہیں کہ مردوں کو جلا اٹھائے، پر پہنچے تو کہے "بلی" (یعنی ہاں وہ اس بات پر قدرت رکھتا ہے) اور جو شخص سورۂ والمرسلات پڑھے اور (اس آیت) **فبأی حدیث بعده یؤمنون** (یعنی اب اس کے بعد یہ کون سی بات پر ایمان لائیں گے) تو کہے **آمنا باللہ** (یعنی ہم اللہ پر ایمان لائے) ابوداؤد اور ترمذی نے اس روایت کو (والتین کی آیت) **و انا علی ذلک من الشاهدین** تک نقل کیا ہے۔

توضیح: "فلیقل بلی" مذکورہ مقامات کی طرح دیگر چند مقامات کے بارے میں بھی مناسب جواب دینے کا ذکر آیا ہے نماز کے اندر اس طرح جواب دینے نہ دینے کے بارے میں علماء کے ہاں اختلاف ہے امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ان سورتوں کے اختتام پر یہ کلمات کہنے چاہئیں خواہ وہ نماز فرض ہو یا نفل ہو اور نماز سے باہر بھی اس طرح جواب دینا چاہئے اور امام مالک رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ نماز سے باہر تو ہر حال میں یہ جواب دینا چاہئے لیکن اگر نماز میں ہو تو پھر نفل میں جواب دینا چاہئے فرائض میں نہیں۔[2]

امام اعظم امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ نماز سے باہر تو جواب دینا چاہئے لیکن نماز کے اندر نہیں دینا چاہئے خواہ نماز فرض ہو یا نفل ہو کیونکہ اس سے وہم ہوسکتا ہے کہ یہ کلمات بھی قرآن ہیں اور اگر کوئی شخص اس ظاہری حدیث پر عمل کرنا چاہتا ہے تو پھر نوافل میں پڑھے کیونکہ بعض روایات میں نوافل (تہجد) کی تصریح موجود ہے نیز نوافل میں وسعت ہوتی ہے۔

---

[1] اخرجه الترمذی: ۳۳۴۷ وابوداؤد: ۸۸۷ [2] اشعة اللمعات: ۴۱۵

جنات نے اچھا جواب دیا

﴿۳۷﴾ وعن جَابِرٍ قَالَ خَرَجَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلٰى أَصْحَابِهٖ فَقَرَأَ عَلَيْهِمْ سُوْرَةَ الرَّحْمٰنِ مِنْ أَوَّلِهَا إِلٰى آخِرِهَا فَسَكَتُوْا فَقَالَ لَقَدْ قَرَأْتُهَا عَلَى الْجِنِّ لَيْلَةَ الْجِنِّ فَكَانُوْا أَحْسَنَ مَرْدُوْدًا مِنْكُمْ كُنْتُ كُلَّمَا أَتَيْتُ عَلٰى قَوْلِهٖ فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ قَالُوْا لَا بِشَيْءٍ مِنْ نِعَمِكَ رَبَّنَا نُكَذِّبُ فَلَكَ الْحَمْدُ۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ غَرِيْبٌ)۔[1]

ترجمہ: اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ (ایک دن) آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اصحاب کی ایک جماعت کے پاس تشریف لائے اور ان کے سامنے سورۂ رحمن اول تا آخر پڑھی صحابہ خاموشی اختیار کیے رہے۔ آپ نے (جب سورت ختم کر لی تو) فرمایا کہ ''یہ سورت میں نے جنات کے سامنے اس رات پڑھی تھی جب کہ وہ اسلام قبول کرنے اور قرآن سننے کے لئے جمع ہوئے تھے اور وہ جواب دینے میں تم سے بہتر تھے، چنانچہ جب میں اس آیت **فبأی الاء ربکما تکذبان** (یعنی خدا کی کون سی نعمتوں کو جھٹلاتے ہو؟) پر پہنچتا تو وہ یہ جواب دیتے **لابشیء من نعمك ربنا نکذب فلك الحمد** (یعنی اے پروردگار! ہم تیری کسی نعمت کو نہیں جھٹلاتے ہیں اور تمام تعریفیں تیرے ہی لئے ہیں)۔'' اس روایت کو امام ترمذی نے نقل کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ حدیث غریب ہے۔

توضیح: "**احسن مردودا**" یعنی جنات نے جب سورۃ رحمن کی نعمتوں والی آیت سنی تو انھوں نے تم سے اچھا جواب دیا اور ہر نعمت کے بدلے میں کہا کہ ہم ناشکری نہیں کرتے ہیں۔[2]

کچھ لوگ اچھی تلاوت کے جواب میں سبحان اللہ وغیرہ کے الفاظ قرأت کے دوران دہراتے ہیں بعض محتاط علماء کہتے ہیں کہ یہ صحیح نہیں ہے بلکہ یہ (**فاستمعوا اور انصتوا**) کے خلاف ہے خاموش رہنا چاہئے رہ گئی سورۃ رحمن کی آیت تو اس میں باقاعدہ استفہام کے ساتھ سوال کیا گیا ہے اس کا جواب قرأت میں مخل ومضر نہیں ہے۔

الفصل الثالث

دو رکعتوں میں ایک سورت کا پڑھنا کیسا ہے؟

﴿۳۸﴾ عن مُعَاذِ ابْنِ عَبْدِ اللّٰهِ الْجُهَنِيِّ قَالَ إِنَّ رَجُلًا مِنْ جُهَيْنَةَ أَخْبَرَهُ أَنَّهُ سَمِعَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَرَأَ فِي الصُّبْحِ إِذَا زُلْزِلَتْ فِي الرَّكْعَتَيْنِ كِلْتَيْهِمَا فَلَا أَدْرِيْ أَنَسِيَ أَمْ قَرَأَ ذٰلِكَ عَمْدًا۔ (رَوَاهُ أَبُوْ دَاوُدَ)[3]

[1] اخرجه الترمذی: ۳۲۹۱ [2] المرقات: ۲/۵۸۶ [3] اخرجه ابوداؤد: ۸۱۶

ترجمہ: حضرت معاذ ابن عبداللہ جہنی (تابعی) رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ قبیلہ جہینہ کے ایک شخص نے مجھ سے بیان کیا کہ اس نے آقائے نامدار ﷺ کو فجر کی دونوں رکعتوں میں سورۃ اذا زلزلت الارض پڑھتے سنا ہے اور میں نہیں جانتا کہ آنحضرت ﷺ نے قصداً ایسا کیا تھا یا آپ بھول گئے تھے۔" (ابوداؤد)

توضیح: "فی الرکعتین" [1] یعنی ایک ہی سورۃ زلزال دو رکعتوں میں پڑھی اگر آدھی پڑھتے تو وہ بھی جائز تھا مگر ہر رکعت میں پوری سورۃ پڑھی بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے بیان جواز کے لئے ایسا کیا اور آپ نے بھولے سے نہیں بلکہ ارادے سے ایسا کیا اگرچہ افضل اور اولیٰ یہی ہے کہ ایک سورت کو مکرر نہ پڑھا جائے خاص کر فرائض میں ایسا نہیں کرنا چاہئے عوام الناس کو غور کرنا چاہئے جن میں اکثر ایسا کرتے ہیں کہ قل ھو اللہ احد یا کوئی مخصوص سورۃ تمام رکعتوں میں دہراتے پڑھتے ہیں ان کو کم از کم اتنی سورتیں تو یاد کرنی چاہئیں جس سے نماز میں کراہت نہ رہے جن کو کئی سورتیں یاد ہوں اور وہ صرف ایک سورۃ پڑھ رہا ہو یہ مکروہ ہے اور جس کو یاد نہ ہوں تو ان کو یاد کرنا چاہئے ورنہ نماز مکروہ ہوجائے گی اور مکروہ کا مطلب خلاف سنت ہے۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے سورۃ بقرۃ دو رکعتوں میں پڑھی

﴿۳۹﴾ وعن عُرْوَةَ قَالَ اِنَّ اَبَابَكْرِ الصِّدِّيْقَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ صَلَّى الصُّبْحَ فَقَرَأَ فِيْهِمَا بِسُوْرَةِ الْبَقَرَةِ فِي الرَّكْعَتَيْنِ كِلْتَيْهِمَا۔ (رَوَاهُ مَالِكٌ) [2]

ترجمہ: اور حضرت عروہ بن زبیر (تابعی) رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ (ایک مرتبہ) حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فجر کی نماز پڑھی اور دونوں رکعتوں میں سورۃ بقرہ پڑھی۔" (رواہ مالک)

توضیح: حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے سورۃ بقرہ کا کچھ حصہ اول رکعت میں اور کچھ حصہ دوسری رکعت میں پڑھ لیا یہ جائز ہے مگر پوری سورۃ بقرہ کا فجر کی دو رکعتوں میں پڑھنا کرامت سے خالی نہیں ہے جیسا کہ حضور اکرم ﷺ نے مغرب کی نماز میں سورۃ اعراف پڑھی جو معجزہ سے خالی نہیں۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ فجر کی نماز میں سورۃ یوسف پڑھتے تھے

﴿۴۰﴾ وعن الْفَرَافِصَةِ بْنِ عُمَيْرِ الْحَنَفِيِّ قَالَ مَا اَخَذْتُ سُوْرَةَ يُوْسُفَ اِلَّا مِنْ قِرَاءَةِ عُثْمَانَ بْنِ عَفَّانَ اِيَّاهَا فِي الصُّبْحِ مِنْ كَثْرَةِ مَا كَانَ يُرَدِّدُهَا۔ (رَوَاهُ مَالِكٌ) [3]

ترجمہ: اور حضرت فرافصہ بن عمیر حنفی (تابعی) رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ میں نے سورۂ یوسف حضرت عثمان ابن عفان رضی اللہ عنہ سے (سن سن کر) یاد کی ہے کیونکہ وہ اس سورۃ کو فجر کی نماز میں کثرت سے پڑھا کرتے تھے۔" (مالک)

[1] المرقات: ۲/۵۸۶ [2] اخرجه مالك: ۸۲-ج-(۳۴) [3] اخرجه مالك: ۸۲-ج-(۳۵)

توضیح: "اخذت سورۃ یوسف" [1] اگر کوئی یہ اعتراض کرے کہ ایک سورۃ کا نماز کے لئے متعین کرنا تو مکروہ ہے پھر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ایسا کیوں کیا؟

اس کا جواب یہ ہے کہ کسی ایک سورۃ کو تمام نمازوں کے لئے متعین کرنا علماء کے ہاں مکروہ ہے مگر صرف فجر میں سورۃ یوسف کا کثرت سے پڑھنا اس کے منافی نہیں ہے کیونکہ یہ تمام نمازوں کے ساتھ خاص کرنے کا معاملہ نہیں تھا نیز آپ صرف سورۃ یوسف ہی فقط نہیں پڑھتے تھے بلکہ کثرت سے اس کو پڑھتے تھے اور دیگر سورتیں بھی پڑھتے تھے مگر بہت کم، تو یہ صورت کراہت سے خالی ہے۔

علماء نے لکھا ہے کہ کثرت سے سورۃ یوسف کے پڑھنے سے اللہ تعالیٰ پڑھنے والے کو شہادت کی موت عطا فرماتا ہے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اس کا زندہ نمونہ ہیں۔ [2]

﴿۴۱﴾ وعن عَامِرِ ابْنِ رَبِيعَةَ قَالَ صَلَّيْنَا وَرَاءَ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ الصُّبْحَ فَقَرَأَ فِيهِمَا بِسُورَةِ يُوسُفَ وَسُورَةِ الْحَجِّ قِرَاءَةً بَطِيئَةً قِيلَ لَهُ إِذًا لَقَدْ كَانَ يَقُومُ حِينَ يَطْلُعُ الْفَجْرُ قَالَ أَجَلْ.

(رَوَاهُ مَالِكٌ) [3]

ترجمہ: اور حضرت عمار بن ربیعہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ (ایک مرتبہ ہم نے امیر المؤمنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے پیچھے صبح کی نماز پڑھی۔ انہوں نے دونوں رکعتوں میں سورۂ یوسف اور سورۂ حج کو ٹھہر ٹھہر کر پڑھا۔ کسی نے حضرت عامر رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ فجر کے طلوع ہوتے ہی (نماز کے لئے) کھڑے ہو جاتے ہوں گے؟ (یعنی وہ اول وقت میں نماز شروع کر دیتے ہوں گے کیونکہ اتنی طویل قرأت جب ہی ممکن ہے) انہوں نے فرمایا کہ "ہاں"!۔ (مالک)

﴿۴۲﴾ وعن عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ جَدِّهِ قَالَ مَا مِنَ الْمُفَصَّلِ سُورَةٌ صَغِيرَةٌ وَلَا كَبِيرَةٌ إِلَّا قَدْ سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَؤُمُّ بِهَا النَّاسَ فِي الصَّلَاةِ الْمَكْتُوبَةِ. (رَوَاهُ مَالِكٌ) [4]

ترجمہ: اور حضرت عمرو بن شعیب اپنے والد سے اور وہ اپنے دادا (حضرت عبداللہ) سے نقل کرتے ہیں کہ وہ کہتے تھے کہ مفصل کی کوئی بھی چھوٹی بڑی سورۃ ایسی نہیں ہے جو میں نے آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم سے لوگوں کو فرض نماز پڑھاتے وقت نہ سنی ہو۔ (مالک)

﴿۴۳﴾ وعن عَبْدِ اللهِ بْنِ عُتْبَةَ بْنِ مَسْعُودٍ قَالَ قَرَأَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي صَلَاةِ الْمَغْرِبِ حٰمٓ الدُّخَانِ. (رَوَاهُ النَّسَائِيُّ مُرْسَلًا) [5]

ترجمہ: اور حضرت عبداللہ بن عتبہ بن مسعود (تابعی) رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم نے مغرب کی نماز میں سورہ حم و دخان پڑھی ہے۔" اس روایت کو نسائی نے مرسلاً نقل کیا ہے (کیونکہ عبداللہ بن عتبہ تابعی ہیں)۔

---

[1] المرقات: ۲/۵۸۸ [2] المرقات: ۲/۵۸۸ [3] اخرجه مالك: ۸۲-ح (۳۴) [4] اخرجه مالك [5] اخرجه النسائي: ۱/۱۶۹

باب الرکوع

رکوع کا بیان

قال اللہ تعالیٰ: ﴿یاایھا الذین اٰمنوا ارکعوا واسجدوا﴾[1]

لغت میں رکوع انحناء اور جھکنے کے معنی میں ہے نماز میں رکوع ارکان صلوٰۃ میں سے ایک رکن ہے اس کا منکر کافر ہے اور نماز میں اس کے چھوڑنے سے نماز باطل ہوجاتی ہے رکوع اس امت کی خصوصیات میں سے ہے سابقہ امتوں کی نمازوں میں رکوع نہیں تھا حضرت مریم علیہا السلام کو جو حکم ہوا کہ "ارکعی" تو وہ صلی کے معنی میں ہے۔ ملا علی قاری رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ نماز میں رکوع چونکہ سجدہ کے لئے تمہید اور وسیلہ ہے اس لئے اس میں تکرار نہیں اور سجدہ چونکہ بڑا مقصد ہے اور اللہ کی عبادت کا اعلیٰ شاہکار ہے اس لئے اس میں تکرار ہے دوسری حکمت یہ کہ پہلے سجدہ کی آیت ﴿منھا خلقناکم﴾[2] کی طرف اشارہ ہے۔ اور دوسرے سجدہ میں ﴿وفیھا نعیدکم﴾[3] کی طرف اشارہ ہے اور پھر قیام کی طرف جانے میں ﴿ومنھا نخرجکم تارۃ اخری﴾[4] کی طرف اشارہ ہے۔

تیسری حکمت یہ بیان کی گئی ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کے سامنے جب فرشتوں نے سجدہ کیا اور سجدہ سے اٹھے تو انہوں نے ابلیس کو دیکھا کہ سجدہ سے محروم کھڑا ہے تو فرشتوں نے بطور شکر دوسرا سجدہ کیا لہٰذا سجدے دو ہیں۔ ملا علی قاری رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ تلاش حکمت کی کوئی قیمت نہیں اصل بات تو اللہ تعالیٰ کا حکم ہے کہ دو سجدے کرو اس لئے ہم کرتے ہیں۔

الفصل الاول

﴿۱﴾ عن أَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَقِيْمُوا الرُّكُوْعَ وَالسُّجُوْدَ فَوَاللهِ إِنِّيْ لَأَرَاكُمْ مِنْ بَعْدِيْ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)[5]

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ آقائے نامدار ﷺ نے فرمایا "(مسلمانو!) رکوع اور سجود ٹھیک طریقہ سے کیا کرو، خدا کی قسم میں تمہیں اپنے پیچھے سے بھی دیکھ لیا کرتا ہوں" (بخاری و مسلم)

توضیح: اس حدیث کی توضیح و تشریح باب صفۃ الصلوٰۃ کی حدیث ۲۲ میں گذر چکی ہے۔

﴿۲﴾ وعن الْبَرَاءِ قَالَ كَانَ رُكُوْعُ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَسُجُوْدُهُ وَبَيْنَ السَّجْدَتَيْنِ وَإِذَا رَفَعَ مِنَ الرُّكُوْعِ مَا خَلَا الْقِيَامَ وَالْقُعُوْدَ قَرِيْبًا مِنَ السَّوَاءِ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)[6]

---

[1] الحج الایۃ: ۷۷ [2] طہ: ۵۵ [3] طہ: ۵۵ [4] طہ: ۵۵ [5] اخرجہ البخاری: ۱/۱۸۹ ومسلم: ۲/۲۷، ۲۸

[6] اخرجہ البخاری: ۱/۲۰۰، ۲۰۲، ۲۰۸ ومسلم: ۲/۴۵

ترجمہ: اور حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ قیام وقعود کے علاوہ آقائے نامدار ﷺ کا رکوع، سجدہ، دونوں سجدوں کے درمیان بیٹھنا اور رکوع سے سر اٹھانا یہ چاروں چیزیں مقدار میں تقریباً برابر ہوتی تھیں۔ (بخاری ومسلم)

توضیح: "قریبامن السواء" یعنی قریب قریب تھے بالکل یکساں نہ تھے۔ اس حدیث میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ حضور علیہ السلام کی نماز میں چار بڑے ارکان مثلاً رکوع، سجود، جلسہ اور قومہ سب برابر ہوتے تھے۔[1]

"ماخلا القیام والقعود" اس جملہ کا مطلب یہ ہے کہ قیام کا رکن اور قعدہ کا رکن رکوع اور سجدہ کی اس طرح نہیں تھے بلکہ اس میں قیام میں قرأت ہوتی ہے اور قعدہ میں التحیات کا پڑھنا ہوتا ہے اس لئے یہ دونوں ارکان باقی ارکان سے لمبے تھے۔

حضور اکرم ﷺ کا قومہ وجلسہ

﴿۳﴾ وعن أَنَسٍ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا قَالَ سَمِعَ اللهُ لِمَنْ حَمِدَهُ قَامَ حَتَّى نَقُولَ قَدْ أَوْهَمَ ثُمَّ يَسْجُدُ وَيَقْعُدُ بَيْنَ السَّجْدَتَيْنِ حَتَّى نَقُولَ قَدْ أَوْهَمَ. (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)[2]

ترجمہ: اور حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آقائے نامدار ﷺ جب سمع اللہ لمن حمدہ کہہ کر (رکوع سے) کھڑے ہوتے تو (اتنی دیر تک کھڑے رہتے کہ) ہم (اپنے دل میں) کہنے لگتے کہ آنحضرت نے یہ رکعت چھوڑ دی، پھر آپ سجدہ میں جاتے اور دونوں سجدوں کے درمیان اتنی دیر تک بیٹھے رہتے کہ ہم (اپنے دل میں) کہتے کہ آپ نے یہ سجدہ چھوڑ دیا ہے۔ (مسلم)

توضیح: "قد اوھم" یعنی آپ قومہ اور جلسہ میں اتنی دیر لگاتے تھے کہ دیکھنے والے کو یہ خیال گذرتا تھا کہ شاید حضور اکرم ﷺ کو نماز میں وہم ہو گیا ہے کہ آیا اب کیا کرنا ہے۔[3]

دوسرا مطلب یہ ہے کہ "اوھم" ترک کے معنی میں آتا ہے یعنی ہمیں خیال گذرتا تھا کہ آنحضرت ﷺ نے نماز کا کچھ حصہ ترک کر دیا ہے۔

علماء لکھتے ہیں کہ راجح یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ یہ طوالت نفل نمازوں میں فرماتے تھے اور اگر فرائض میں کبھی طوالت اختیار فرمائی ہو تو وہ کبھی کبھی پر محمول ہے۔

﴿۴﴾ وعن عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا قَالَتْ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُكْثِرُ أَنْ يَقُولَ فِي رُكُوعِهِ وَسُجُودِهِ سُبْحَانَكَ اللَّهُمَّ رَبَّنَا وَبِحَمْدِكَ اَللَّهُمَّ اغْفِرْ لِي يَتَأَوَّلُ الْقُرْآنَ. (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)[4]

ترجمہ: اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ آقائے نامدار ﷺ قرآن کے حکم پر عمل کرتے ہوئے اپنے رکوع وسجود میں یہ دعا بہت کثرت سے پڑھتے تھے۔ اے اللہ تو پاک ہے، اے ہمارے پروردگار! میں تیری تعریف بیان کرتا ہوں' اے اللہ تو میرے گناہ بخش دے۔ (مسلم)

[1] المرقات: ۲/۵۹۱ [2] اخرجه مسلم: ۲/۴۵ [3] المرقات: ۲/۵۹۲ [4] اخرجه مسلم: ۲/۵۰ والبخاری: ۱/۲۰۱، ۲۰۷، ۱۸۹، ۵/۲۲۰، ۲/۲

توضیح: "یتأول القرآن" یعنی قرآن کریم کی ایک آیت سے استدلال کرتے تھے کیونکہ قرآن میں سورۃ نصر کی آیت اس طرح ہے ﴿فسبح بحمد ربك واستغفره﴾ تو حضور اکرم ﷺ اسی سے استدلال فرماتے تھے کہ جس طرح کثرت سے نماز میں حمد باری تعالیٰ فرماتے تھے اسی طرح ساتھ استغفار ملاتے تھے اور خوب استغفار مانگتے تھے۔[۱]

فرشتوں سے متعلق عجائبات اور ان کی عبادات

﴿۵﴾ وَعَنْهَا أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَقُولُ فِي رُكُوعِهِ وَسُجُودِهِ سُبُّوحٌ قُدُّوسٌ رَبُّ الْمَلَائِكَةِ وَالرُّوحِ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)[۲]

ترجمہ: اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ آقائے نامدار ﷺ اپنے رکوع وسجدہ میں یہ کہا کرتے تھے۔ فرشتوں اور روح (یعنی جبرئیل) کا پروردگار بہت پاک ہے اور نہایت پاک ہے۔ (مسلم)

توضیح: "کان یقول" یعنی کبھی کبھی رکوع میں اس طرح کلمات ادا فرماتے تھے دوام مراد نہیں ہے۔[۳]

"**سبوح قدوس**" ملا علی قاری رحمہ اللہ نہایہ ابن اثیر کے حوالہ سے فرماتے ہیں کہ **سبوح** اور **قدوس** دونوں مبالغہ کے صیغے ہیں اور دونوں لفظوں کے اول حرف مفتوح بھی ہے اور مضموم بھی ہے البتہ ضمہ اور پیش کا استعمال زیادہ مشہور ہے ان دونوں لفظوں سے اللہ تعالیٰ کی پاکی بیان کرنا مقصود ہے تکرار تاکید کے لئے ہے یا ایک میں اللہ تعالیٰ کی ذات کی پاکی مقصود ہے دوسرے لفظ میں صفات کی پاکی مقصود ہے۔

"**سبوح**" **ای انت سبوح انت قدوس**، یہ بھی ممکن ہے کہ ایک لفظ میں ماضی کا مفہوم ہو اور دوسرے میں مستقبل کا ہو مطلب یہ کہ اللہ تعالیٰ ہر زمانہ میں ہر قسم کے عیوب سے پاک ہے "**ای طاهر من کل عیب ومنزه عن کل مایستقبح**" (مرقات)[۴]

"**رب الملائکة**" علامہ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ کائنات میں سب سے بڑی مخلوق فرشتے ہیں اور سب سے زیادہ فرمان بردار بھی فرشتے ہیں اور اللہ کی عبادت میں سب سے زیادہ مشغول بھی فرشتے ہیں ایک اثر میں منقول ہے کہ ہر ہر پتے اور گھاس کے ساتھ ایک ایک فرشتہ ہوتا ہے ایک دوسرے اثر میں ہے کہ بارش کے ہر قطرے کے ساتھ ایک ایک فرشتہ آسمان سے آتا ہے ہر قطرہ کو گن لیتے ہیں اور یہ بھی محفوظ رکھتے ہیں کہ یہ قطرہ کہاں گرتا ہے۔

ایک حدیث میں ہے کہ بعض ایسے فرشتے ہیں کہ جب سے اللہ تعالیٰ نے زمین وآسمان بنائے ہیں وہ سجدے میں پڑے ہیں اور قیامت تک سجدہ سے سر نہیں اٹھائیں گے اسی طرح بعض فرشتے رکوع میں ہیں جو قیامت تک رکوع میں رہیں گے اسی طرح بعض قیام میں صف میں کھڑے ہیں اور قیامت تک اسی طرح رہیں گے جب قیامت میں ان پر اللہ تعالیٰ کی تجلی پڑے گی تو یہ فرشتے اپنے رب کو دیکھ کر کہیں گے "**سبحانك ماعبدناك كماينبغي لك**"۔[۵]

[۱] المرقات: ۲/۵۹۳ [۲] اخرجه مسلم: ۲/۵۱ [۳] المرقات: ۲/۵۹۳ [۴] المرقات: ۲/۵۹۳ [۵] المرقات: ۲/۵۹۳

طبرانی کی ایک روایت میں ہے کہ حضور اکرم ﷺ فرماتے ہیں کہ سات آسمانوں میں ایک قدم بلکہ ایک بالشت برابر بلکہ ایک ہتھیلی برابر جگہ خالی نہیں مگر اس میں یا کوئی فرشتہ سجدہ میں پڑا ہے یا قیام میں عبادت کر رہا ہے جب قیامت کا دن ہوگا تو یہ سارے فرشتے کہیں گے "سبحانك ما عبدناك حق عبادتك"۔[1]

ایک اثر میں ہے کہ حضرت جبرائیل ہر روز حوض کوثر میں ایک غوطہ لگاتے ہیں پھر اپنے پروں کو جھاڑتے ہیں تو ہر قطرہ سے ایک فرشتہ پیدا ہوتا ہے کعب احبار رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ زمین میں ایک سوئی برابر جگہ ایسی نہیں جس میں کوئی فرشتہ مقرر نہ ہو وہ اس مقام کی معلومات اللہ تعالیٰ تک پہنچاتا ہے ایک حدیث میں آیا ہے کہ بیت اللہ کے محاذات میں آسمانوں میں بیت المعمور ہے اس میں روزانہ ستر ہزار فرشتے نماز پڑھتے ہیں پھر کبھی انکی باری دوبارہ نہیں آتی۔

"والروح" راجح اور واضح یہی ہے کہ روح سے مراد جبرئیل علیہ السلام ہیں اس کو روح اس لئے کہا گیا کہ کائنات کی جان ان سے وابستہ ہے بعض علماء کہتے ہیں کہ روح سے مراد فرشتوں کی ایک الگ قسم ہے بعض علماء کہتے ہیں کہ روح سے مراد اللہ تعالیٰ کے دربار میں ایک دربان فرشتہ ہے جو تمام فرشتوں سے بڑا ہے اگر وہ منہ کھولدے تو سارے فرشتے اس کے منہ میں آجائیں۔ (کل ذلك فی مرقات المفاتیح لملا علی القاری ج۳ ص۲۱۰)

رکوع اور سجدہ میں قرآن پڑھنا منع ہے

﴿۶﴾ وعن ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَلَا إِنِّيْ نُهِيْتُ أَنْ أَقْرَأَ الْقُرْآنَ رَاكِعاً أَوْ سَاجِداً فَأَمَّا الرُّكُوْعُ فَعَظِّمُوْا فِيْهِ الرَّبَّ وَأَمَّا السُّجُوْدُ فَاجْتَهِدُوْا فِي الدُّعَاءِ فَقَمِنٌ أَنْ يُسْتَجَابَ لَكُمْ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)[2]

ترجمہ: اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما راوی ہیں کہ آقائے نامدار ﷺ نے فرمایا "لوگو خبردار رہو! مجھے اس بات سے منع کیا گیا کہ میں حالت رکوع یا حالت سجدہ میں قرآن پڑھوں! لہٰذا تم رکوع میں اپنے پروردگار کی بڑائی بیان کرو اور سجدہ میں دعا کی پوری پوری کوشش کیا کرو۔ مناسب ہے کہ یہ دعا تمہارے لئے قبول کی جائے۔" (مسلم)

توضیح: "انی نهیت"[3] بعض علماء کا خیال ہے کہ یہ نہی تنزیہی ہے اور بعض کہتے ہیں کہ یہ نہی تحریمی ہے قیاس کا تقاضا بھی یہی ہے کہ یہ نہی تحریمی ہو کیونکہ اللہ تعالیٰ نے نماز کی تمام حالتوں کے لئے الگ الگ وظیفہ مقرر فرمایا ہے چنانچہ نماز میں قیام سب سے اچھی حالت ہے اس لئے اس میں قرآن پڑھنے کا حکم دیا گیا ہے کیونکہ قرآن تمام اذکار میں سب سے اعلیٰ ذکر ہے لہٰذا اللہ تعالیٰ کی اس منشاء کے خلاف کرنا یا حرام ہے یا مکروہ تحریمی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے رکوع وسجود کی حالت کے لئے اذکار مقرر فرمائے ہیں تو حضور ﷺ نے فرمایا کہ مجھے رکوع وسجود میں قرآن پڑھنے سے روکا گیا ہے لہٰذا رکوع میں اللہ تعالیٰ کی تعظیم بیان کرو اور سجدہ میں دعا مانگا کرو تعظیم تو سبحان ربی العظیم ہے

[1] المرقات: ۲/۵۹۳ [2] اخرجه مسلم: ۲/۴۸ [3] المرقات: ۲/۵۹۵ اشعة اللمعات: ۴۱۸

اور سجدہ میں جو دعا مانگنے کا حکم دیا گیا ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ دعا کی دو قسمیں ہیں ایک قسم تو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ سے بذریعہ الفاظ اپنے مطلب کی دعا مانگی جائے دعا کی دوسری قسم یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا اور عظمت بیان کی جائے یہ بھی درحقیقت دعا ہے کیونکہ سخی اور عظمت والے آدمی کی تعریف کرنے سے وہ عطا یا دیا کرتا ہے اسی طرح اللہ تعالیٰ اپنی تعریف پر خوش ہوتے ہیں اور پھر اضافہ خیر کرتے ہیں تو اس حمد کے ضمن میں حصول مقصود کے لئے بہترین انداز کی دعا ہے۔ چنانچہ ایک حدیث اس تشریح کی تائید کرتی ہے فرمایا "افضل الذکر لا الٰہ الا اللہ وافضل الدعا الحمد للہ" سجدہ دونوں قسم کی دعاؤں پر مشتمل ہے معلوم ہوا کہ احناف نے نماز میں صریحاً دعا مانگنے کے بجائے جو ذکر اللہ کو راجح قرار دیا ہے وہ خود دعا ہے بعض احناف فرماتے ہیں کہ نوافل میں سجدہ میں خوب دعا مانگنی چاہئے لیکن فرائض میں صرف تسبیحات پر اکتفا کرنا چاہئے۔ (لمعات مختصراً)

"فقمن" قاف پر فتحہ ہے اور میم پر کسرہ ہے یہ لائق اور مناسب کے معنی میں ہے قمن واحد تثنیہ جمع سب کے لئے استعمال ہوتا ہے لائق، قریب، سزاوار، مناسب و مستحق کے معنی میں آتا ہے۔

﴿۷﴾ وعن أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا قَالَ الْإِمَامُ سَمِعَ اللهُ لِمَنْ حَمِدَهُ فَقُوْلُوْا اَللّٰهُمَّ رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ فَإِنَّهُ مَنْ وَافَقَ قَوْلُهُ قَوْلَ الْمَلَائِكَةِ غُفِرَ لَهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهِ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.[1]

ترجمہ: اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ جب امام (رکوع سے اٹھتے ہوئے) سمع اللہ لمن حمدہ کہے تو تم اللھم ربنا لک الحمد کہو کیونکہ جس شخص کا یہ کہنا فرشتوں کے کہنے کے ہم آہنگ ہو جائے تو اس کے پہلے کئے ہوئے گناہ بخش دیئے جائیں گے۔ (بخاری ومسلم)

﴿۸﴾ وعن عَبْدِ اللهِ بْنِ أَبِي أَوْفٰى قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا رَفَعَ ظَهْرَهُ مِنَ الرُّكُوْعِ قَالَ سَمِعَ اللهُ لِمَنْ حَمِدَهُ اَللّٰهُمَّ رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ مِلْأَ السَّمٰوٰاتِ وَمِلْأَ الْأَرْضِ وَمِلْأَ مَا شِئْتَ مِنْ شَيْءٍ بَعْدُ. (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)[2]

ترجمہ: اور حضرت عبداللہ بن ابی اوفیٰ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم جب رکوع سے اپنی پشت مبارک اٹھاتے تو یہ کہتے تھے اللہ تعالیٰ نے قبول کیا اس شخص کی حمد کو جس نے اس کی حمد وثنا کی۔ اے اللہ اور اے ہمارے پروردگار! تیرے ہی لئے تمام تعریف ہے آسمانوں بھر، زمین بھر اور بقدر بھرنے اس چیز کے جس کو تو آسمانوں اور زمین کے بعد پیدا کرنا چاہے۔ (مسلم)

﴿۹﴾ وعن أَبِي سَعِيْدٍ الْخُدْرِيِّ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا رَفَعَ رَأْسَهُ مِنَ

[1] اخرجه البخاري: ۱/۲۰۱ ومسلم: ۲/۱۷ [2] اخرجه مسلم: ۲/۴۶

الرُّكُوْعِ قَالَ اَللّٰهُمَّ رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ مِلْأَ السَّمٰوَاتِ وَمِلْأَ الْأَرْضِ وَمِلْأَ مَا شِئْتَ مِنْ شَيْءٍ بَعْدُ أَهْلَ الثَّنَاءِ وَالْمَجْدِ أَحَقُّ مَا قَالَ الْعَبْدُ وَكُلُّنَا لَكَ عَبْدٌ أَللّٰهُمَّ لَا مَانِعَ لِمَا أَعْطَيْتَ وَلَا مُعْطِيَ لِمَا مَنَعْتَ وَلَا يَنْفَعُ ذَا الْجَدِّ مِنْكَ الْجَدُّ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ۔)[1]

ترجمہ: اور حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آقائے نامدار ﷺ جب رکوع سے سر اٹھاتے تو یہ کہتے تھے "اے اللہ اور اے ہمارے پروردگار! تیرے ہی لئے تمام تعریف ہے آسمانوں بھر، زمین بھر اور اس چیز کو بھرنے کے بقدر جس کو تو آسمانوں اور زمین کے بعد پیدا کرنا چاہے۔ اے ہر قسم کی تعریف اور بزرگی کے مستحق تیری ذات اس تعریف سے بالاتر ہے جو بندہ کرتا ہے۔ ہم سب تیرے ہی بندے ہیں۔ اے اللہ! تو نے جو چیز عطا فرمادی ہے اس کو کوئی روکنے والا نہیں اور جس چیز کو تو نے دینے سے روک دیا اس کو کوئی دینے والا نہیں اور دولت مند کو اس کی دولت مندی تیرے عذاب سے کوئی نفع نہیں دیتی (یعنی عذاب سے نہیں بچا سکتی)۔ (مسلم)

توضیح: "من شیء بعد" یعنی آسمان و زمین کے بعد عرش و کرسی اور دیگر کائنات بھر کی حمد وثنا تیرے لئے ہے۔ "اهل الثناء والحمد" یہ منصوب علی المدح ہے۔ "ای امدح اهل الثناء" یا مرفوع ہے۔ "ای انت اهل الثناء" "احق ما قال العبد" یہ مبتدا ہے اور "اللهم لا مانع الخ" اس کی خبر ہے اور "وکلنا لك عبد" یہ جملہ معترضہ ہے "ذا الجد" یہ منصوب ہے مفعول بہ ہے ولا ینفع کے لئے فاعل "الجد" ہے جد قسمت و بخت کو بھی کہتے ہیں اور رزق و دولت کو بھی کہتے ہیں یہ معنی یہاں زیادہ مناسب ہے جد دادا کو بھی کہتے ہیں اور محنت و مشقت کو بھی کہتے ہیں تمام معانی مناسبت کے ساتھ یہاں لئے جا سکتے ہیں۔[2]

اس حدیث سے پہلے دونوں حدیثوں کی جو توضیح و تشریح ہو چکی ہے یہاں بھی اسی طرح توضیح ہے۔

﴿۱۰﴾ وَعَنْ رِفَاعَةَ بْنِ رَافِعٍ قَالَ كُنَّا نُصَلِّيْ وَرَاءَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَمَّا رَفَعَ رَأْسَهُ مِنَ الرَّكْعَةِ قَالَ سَمِعَ اللهُ لِمَنْ حَمِدَهُ فَقَالَ رَجُلٌ وَرَاءَهُ رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ حَمْداً كَثِيْراً طَيِّباً مُبَارَكاً فِيْهِ فَلَمَّا انْصَرَفَ قَالَ مَنِ الْمُتَكَلِّمُ آنِفاً قَالَ أَنَا قَالَ رَأَيْتُ بِضْعَةً وَثَلَاثِيْنَ مَلَكاً يَبْتَدِرُوْنَهَا أَيُّهُمْ يَكْتُبُهَا أَوَّلَ۔ (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)[3]

ترجمہ: اور حضرت رفاعہ بن رافع رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم آقائے نامدار ﷺ کے پیچھے نماز پڑھا کرتے تھے چنانچہ آپ جب رکوع سے سر مبارک اٹھاتے تو سمع الله لمن حمده (یعنی اللہ تعالیٰ نے اس شخص کی حمد وثنا کو قبول کیا جس نے اس کی حمد وثنا کی) کہتے (ایک دن آپ نے جب رکوع سے سر اٹھاتے ہوئے یہ کلمات کہے تو) ایک شخص نے جو آپ کے پیچھے نماز پڑھ رہا تھا کہا ربنا و

[1] اخرجه مسلم: ۲/۴۷ [2] المرقات: ۲/۵۹۸ [3] اخرجه البخاری: ۱/۲۰۲

لك الحمد حمداً کثیراً طیباً مبارکاً فیه (یعنی اے ہمارے پروردگار! تیرے لئے ہی تعریف اور بہت تعریف ہے (ایسی تعریف جو شرک وریا کی آمیزش سے) پاک اور (کثرت اخلاص وحضوری قلب کی وجہ سے) بابرکت ہو۔ آنحضرت ﷺ جب نماز سے فارغ ہوئے تو فرمایا کہ ابھی (ان کلمات کو) کون پڑھ رہا تھا؟ اس شخص نے عرض کیا کہ میں تھا! آپ نے فرمایا "میں نے کچھ اوپر تیس فرشتوں کو دیکھا جو آپس میں اس بات میں جلدی کر رہے تھے کہ ان کلمات کے ثواب کو پہلے کون لکھے۔" (بخاری)

الفصل الثانی

ہر رکن کو ٹھیک ادا کرو ورنہ نماز باطل ہوگی

﴿۱۱﴾ عن أَبِي مَسْعُوْدٍ الْأَنْصَارِيِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تُجْزِئُ صَلَاةُ الرَّجُلِ حَتّٰى يُقِيْمَ ظَهْرَهٗ فِي الرُّكُوْعِ وَالسُّجُوْدِ.

(رَوَاهُ أَبُوْدَاوٗدَ وَالتِّرْمِذِيُّ وَالنَّسَائِيُّ وَابْنُ مَاجَه وَالدَّارِمِيُّ وَقَالَ التِّرْمِذِيُّ هٰذَا حَدِيْثٌ حَسَنٌ صَحِيْحٌ)[1]

ترجمہ: حضرت ابومسعود انصاری رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ آقائے نامدار ﷺ نے فرمایا "کسی شخص کی نماز اس وقت تک قبول نہیں ہوتی جب تک کہ وہ رکوع اور سجدہ میں اپنی کمر کو سیدھا نہ کرے۔" (ابوداؤد، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ، دارمی) اور امام ترمذی نے فرمایا ہے یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

توضیح: "یقیم ظهره فی الرکوع" یعنی جب رکوع سے واپس قومہ میں نمازی کی کمر سیدھی نہیں ہوگی اس کی نماز جائز نہیں اسی طرح جب تک سجدہ سے اٹھ کر جلسہ میں کمر سیدھی نہیں ہوگی اور اطمینان وطمانینت نہیں آئے گی نماز درست نہیں ہوگی اس حدیث میں تعدیل ارکان کی طرف اشارہ ہے یہ مسئلہ پہلے لکھا جا چکا ہے۔[2]

جمہور اس کے فرض ہونے کے قائل ہیں امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اس کو واجب مانتے ہیں کیونکہ فرض کے لئے دلیل قطعی کی ضرورت ہے جو یہاں موجود نہیں ہے ہاں وجوب کے لئے یہ حدیث دلیل ہے جس کے احناف قائل ہیں۔

رکوع وسجدہ کی تسبیحات

﴿۱۲﴾ وعن عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ قَالَ لَمَّا نَزَلَتْ فَسَبِّحْ بِاسْمِ رَبِّكَ الْعَظِيْمِ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اجْعَلُوْهَا فِيْ رُكُوْعِكُمْ فَلَمَّا نَزَلَتْ سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْأَعْلٰى قَالَ اجْعَلُوْهَا فِيْ سُجُوْدِكُمْ.

(رَوَاهُ أَبُوْدَاوٗدَ وَابْنُ مَاجَه وَالدَّارِمِيُّ)[3]

ترجمہ: اور حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب یہ آیت "فسبح باسم ربك العظیم" نازل ہوئی

[1] اخرجه ابوداؤد: ۸۵۵ والترمذی: ۲۶۵ والنسائی: ۲/۱۸۳ وابن ماجه: ۸۷۰ والدارمی: ۱۳۳۳

[2] المرقات: ۲/۲۰۰ الکاشف: ۲/۳۹۹ [3] اخرجه ابوداؤد: ۸۶۹ وابن ماجه: ۸۸۷ والدارمی: ۱۳۱۱

تو آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ تم لوگ اس کو (سبحان ربی العظیم کی صورت میں) اپنے رکوع میں شامل کرلو اور جب یہ آیت "سبح اسم ربك الاعلیٰ" نازل ہوئی تو فرمایا کہ اس کو (سبحان ربی الاعلیٰ کی صورت میں) اپنے سجدوں میں داخل کرلو۔ (ابوداؤد، ابن ماجہ، دارمی)

﴿۱۳﴾ وعن عَوْنِ بْنِ عَبْدِ اللهِ عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا رَكَعَ أَحَدُكُمْ فَقَالَ فِيْ رُكُوْعِهِ سُبْحَانَ رَبِّيَ الْعَظِيْمِ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ فَقَدْ تَمَّ رُكُوْعُهُ وَذٰلِكَ أَدْنَاهُ وَإِذَا سَجَدَ فَقَالَ فِيْ سُجُوْدِهِ سُبْحَانَ رَبِّيَ الْأَعْلٰى ثَلَاثَ مَرَّاتٍ فَقَدْ تَمَّ سُجُوْدُهُ وَذٰلِكَ أَدْنَاهُ.

(رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَأَبُوْدَاوُدَ وَابْنُ مَاجَه وَقَالَ التِّرْمِذِيُّ لَيْسَ إِسْنَادُهُ بِمُتَّصِلٍ لِأَنَّ عَوْنًا لَمْ يَلْقَ ابْنَ مَسْعُوْدٍ) [1]

ترجمہ: اور حضرت عون بن عبداللہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے نقل کرتے ہیں کہ آقائے نامدار ﷺ نے فرمایا جب تم میں سے کوئی رکوع کرے تو اسے رکوع میں سبحان ربی العظیم تین مرتبہ کہنا چاہئے اس کا رکوع پورا ہوگا اور یہ ادنیٰ درجہ ہے اور جب تم میں سے کوئی سجدہ کرے تو اسے سجدہ میں سبحان ربی الاعلیٰ تین مرتبہ کہنا چاہئے اس کا سجدہ پورا ہوگا اور یہ ادنیٰ درجہ ہے۔

توضیح: "وذلك ادناه" رکوع اور سجدہ میں تسبیحات سنت ہیں مگر اسکی تعداد کتنی ہے اس کی تعیین اس حدیث میں کی گئی ہے تو تین بار تسبیحات پڑھنا ادنیٰ بتایا گیا ہے علماء نے لکھا ہے کہ ادنیٰ سے مراد سنت کا ادنیٰ درجہ کمال ہے یعنی تین سے کم ناقص ہے تین کمال ہے ادنیٰ درجہ کمال اس لئے کہا گیا کہ نفس سنت تو ایک بار کہنے سے ادا ہو جاتی ہے اوسط درجہ سنت پانچ بار کہنا ہے اور اعلیٰ درجہ سات مرتبہ کہنا ہے اور انتہائے کمال کی کوئی حد نہیں ہے طاق عدد بہتر ہے گیارہ تک جانا چاہئے لیکن امام کو مقتدیوں کا خیال رکھنا ضروری ہے منفرد آزاد ہے۔ [2]

﴿۱۴﴾ وعن حُذَيْفَةَ أَنَّهُ صَلّٰى مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَكَانَ يَقُوْلُ فِيْ رُكُوْعِهِ سُبْحَانَ رَبِّيَ الْعَظِيْمِ وَفِيْ سُجُوْدِهِ سُبْحَانَ رَبِّيَ الْأَعْلٰى وَمَا أَتٰى عَلٰى آيَةِ رَحْمَةٍ إِلَّا وَقَفَ وَسَأَلَ وَمَا أَتٰى عَلٰى آيَةِ عَذَابٍ إِلَّا وَقَفَ وَتَعَوَّذَ. (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَأَبُوْدَاوُدَ وَالدَّارِمِيُّ وَرَوَى النَّسَائِيُّ وَابْنُ مَاجَه إِلٰى قَوْلِهِ الْأَعْلٰى وَقَالَ التِّرْمِذِيُّ هٰذَا حَدِيْثٌ حَسَنٌ صَحِيْحٌ) [3]

ترجمہ: اور حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ میں نے آقائے نامدار ﷺ کے ہمراہ نماز پڑھی چنانچہ آپ رکوع میں سبحان ربی العظیم اور سجدہ میں سبحان ربی الاعلیٰ پڑھتے تھے اور جب بھی آپ ﷺ (قرأت میں) کسی آیت رحمت پر پہنچتے تو وہاں رک جاتے اور (طلب رحمت کی) دعا کرتے اور جب کسی آیت عذاب پر پہنچتے تو وہاں رک کر عذاب سے پناہ مانگتے۔ (ترمذی، ابوداؤد، دارمی) نسائی اور ابن ماجہ نے اس روایت کو سبحان ربی الاعلیٰ تک نقل کیا ہے اور ترمذی نے کہا ہے کہ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

[1] اخرجه الترمذی: ۲۶۱ وابوداؤد: ۸۸۶ وابن ماجه: ۸۹ [2] المرقات: ۲/۶۰۲ الكاشف: ۲/۳۰۰

[3] اخرجه الترمذی: ۲۶۲، ۲۶۳، ابوداؤد: ۸۷۱ والدارمی: ۱۳۱۲

توضیح: آیت رحمت وعذاب پر ٹھہر کر توجہ رکھنا اور دعا واستغفار کرنا نوافل میں چاہئے یعنی احناف ومالکیہ کے ہاں اس طرح رکنا اور دعا مانگنا نوافل میں جائز ہے فرائض میں جائز نہیں ہے ہاں اگر حضور اکرم ﷺ نے بیان جواز کے لئے کیا ہو تو وہ الگ بات ہے کہ محتاط انداز سے فرائض میں جائز ہے۔[1]

الفصل الثالث

﴿۱۵﴾ عن عَوْفِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ قُمْتُ مَعَ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَمَّا رَكَعَ مَكَثَ قَدْرَ سُوْرَةِ الْبَقَرَةِ وَيَقُوْلُ فِيْ رُكُوْعِهٖ سُبْحَانَ ذِي الْجَبَرُوْتِ وَالْمَلَكُوْتِ وَالْكِبْرِيَاءِ وَالْعَظَمَةِ۔ (رَوَاهُ النَّسَائِيُّ)[2]

ترجمہ: اور حضرت عوف ابن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے آقائے نامدار ﷺ کے ہمراہ نماز پڑھی چنانچہ جب آپ رکوع میں گئے تو بقدر سورۂ بقرہ (پڑھنے کے) ٹھہرے اور (رکوع میں) یہ کہتے جاتے تھے "قہر وبادشاہت اور بڑائی وبزرگی کا مالک (خدا) پاک ہے"۔ (نسائی)

﴿۱۶﴾ وعن ابْنِ جُبَيْرٍ قَالَ سَمِعْتُ أَنَسَ ابْنَ مَالِكٍ يَقُوْلُ مَا صَلَّيْتُ وَرَاءَ أَحَدٍ بَعْدَ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَشْبَهَ صَلَاةً بِصَلَاةِ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ هٰذَا الْفَتٰى يَعْنِيْ عُمَرَ ابْنَ عَبْدِ الْعَزِيْزِ قَالَ فَحَزَرْنَا رُكُوْعَهٗ عَشْرَ تَسْبِيْحَاتٍ وَسُجُوْدَهٗ عَشْرَ تَسْبِيْحَاتٍ۔ (رَوَاهُ أَبُوْدَاوُدَ وَالنَّسَائِيُّ)[3]

ترجمہ: اور حضرت ابن جبیر کہتے ہیں کہ میں نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ "میں نے آقائے نامدار ﷺ کی وفات کے بعد اس نوجوان یعنی حضرت عمر بن عبد العزیز رحمہ اللہ کے علاوہ کسی کے پیچھے ایسی نماز نہیں پڑھی جو آنحضرت ﷺ کی نماز کے مشابہ ہو۔" راوی کہتے ہیں کہ حضرت انس نے فرمایا "ہم نے ان کے (یعنی آنحضرت ﷺ کے یا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے) رکوع کا دس تسبیحات (کے بقدر) اور سجدہ کا دس تسبیحات (کے بقدر) اندازہ کیا"۔ (ابوداود، نسائی)

تعدیل ارکان نہ کرنے والے کے لئے شدید وعید

﴿۱۷﴾ وعن شَقِيْقٍ قَالَ إِنَّ حُذَيْفَةَ رَأَى رَجُلًا لَا يُتِمُّ رُكُوْعَهٗ وَلَا سُجُوْدَهٗ فَلَمَّا قَضٰى صَلَاتَهٗ دَعَاهُ فَقَالَ لَهٗ حُذَيْفَةُ مَا صَلَّيْتَ قَالَ وَأَحْسِبُهٗ قَالَ وَلَوْ مُتَّ مُتَّ عَلٰى غَيْرِ الْفِطْرَةِ الَّتِيْ فَطَرَ اللهُ مُحَمَّدًا صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔ (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)[4]

[1] المرقات: ۲/۶۰۲، ۶۰۳ [2] اخرجه النسائی: ۲/۱۹۱، ۲/۲۲۳ [3] اخرجه ابوداؤد: ۸۸۸ والنسائی: ۲/۲۲۴

[4] اخرجه البخاری: ۱/۱۰۸، ۲۰۶

ترجمہ: اور حضرت شقیق رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضرت حذیفہ نے ایک شخص کو دیکھا کہ وہ (نماز میں) اپنے رکوع و سجود کو پوری طرح ادا نہیں کر رہا تھا چنانچہ جب وہ نماز پڑھ چکا تو حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے اسے بلایا اور کہا کہ تم نے پوری طرح نماز نہیں پڑھی۔" حضرت شقیق رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ میرا گمان یہ ہے کہ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے اس شخص سے یہ بھی کہا کہ اگر تم (ایسی نماز سے بغیر توبہ کئے ہوئے) مرجاؤ تو تم غیر فطرت پر (یعنی اس طریقہ اسلام کے خلاف) مرو گے جن پر اللہ تعالیٰ نے محمد ﷺ کو پیدا کیا۔" (بخاری)

اس امت کا بدترین چور وہ ہے جو نماز سے چوری کرتا ہے

﴿۱۸﴾ وعن أَبِي قَتَادَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَسْوَءُ النَّاسِ سَرِقَةً الَّذِيْ يَسْرِقُ مِنْ صَلَاتِهِ قَالُوْا يَا رَسُوْلَ اللهِ وَكَيْفَ يَسْرِقُ مِنْ صَلَاتِهِ قَالَ لَا يُتِمُّ رُكُوْعَهَا وَلَا سُجُوْدَهَا۔ (رَوَاهُ أَحْمَدُ)[1]

ترجمہ: اور حضرت ابوقتادہ راوی ہیں کہ آقائے نامدار ﷺ نے فرمایا چوری کرنے کے اعتبار سے سب سے بڑا چور وہ ہے جو اپنی نماز کی چوری کرے۔" صحابہ نے عرض کیا "یارسول اللہ! نماز کی چوری کیسے ہوتی ہے؟" فرمایا "رکوع و سجود کا پورا نہ کرنا۔" (احمد)

توضیح: "اسوء الناس" یعنی بدترین چور وہ انسان ہے جو نماز کے ارکان کی چوری کرتا ہے اور تعدیل ارکان کو برقرار نہیں رکھتا اس شخص کو اس لئے بدترین چور کہا گیا کہ یہ خسارہ آخرت کا دائمی خسارہ ہے دنیا کا خسارہ پورا ہوسکتا ہے کہ مالک سے معاف کرائے یا شرعی قانون کے مطابق اس پر شرعی حد لگ کر ہاتھ کٹوائے اور آخرت کی سزا سے بچ جائے لیکن نماز کا چور ایسا چور ہے جس کی چوری کا ازالہ ممکن نہیں یہ شخص اپنا حق خود مارتا ہے اور اس کے بدلے میں آخرت کا عذاب لیتا ہے یہ کھلا خسارہ ہے۔[2]

﴿۱۹﴾ وعن النُّعْمَانِ بْنِ مُرَّةَ أَنَّ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَا تَرَوْنَ فِي الشَّارِبِ وَالزَّانِيْ وَالسَّارِقِ وَذٰلِكَ قَبْلَ أَنْ تَنْزِلَ فِيْهِمُ الْحُدُوْدُ قَالُوْا اَللهُ وَرَسُوْلُهٗ أَعْلَمُ قَالَ هُنَّ فَوَاحِشُ وَفِيْهِنَّ عُقُوْبَةٌ وَأَسْوَءُ السَّرِقَةِ الَّذِيْ يَسْرِقُ مِنْ صَلَاتِهِ قَالُوْا وَكَيْفَ يَسْرِقُ مِنْ صَلَاتِهِ يَا رَسُوْلَ اللهِ قَالَ لَا يُتِمُّ رُكُوْعَهَا وَلَا سُجُوْدَهَا۔ (رَوَاهُ مَالِكٌ وَأَحْمَدُ وَرَوَى الدَّارِمِيُّ نَحْوَهٗ)[3]

[1] اخرجه احمد: ۵/۳۱۰ [2] المرقات: ۲/۳۰۵ الکاشف: ۲/۳۰۲، ۳۰۳ [3] اخرجه مالک: ۱۶۷ واحمد: ۴۲

ترجمہ: حضرت نعمان ابن مرہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ آقائے نامدار ﷺ نے (صحابہ کو مخاطب کرتے ہوئے) فرمایا ''شراب پینے والے، زنا کرنے والے، اور چوری کرنے والے کے بارے میں تم لوگوں کا کیا خیال ہے (کہ وہ کس قدر گناہ گار ہیں؟) آپ نے یہ سوال حدود نازل ہونے سے پہلے کیا تھا۔ صحابہ نے عرض کیا کہ اللہ اور رسول ہی بہتر جانتے ہیں۔ آپ نے فرمایا یہ گناہ کبیرہ ہیں جن کی سزا بھی ہے اور بدترین چوری وہ چوری ہے جو انسان اپنی نماز میں کرتا ہے۔'' صحابہ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! انسان اپنی نماز میں چوری کیسے کرتا ہے؟ فرمایا ''وہ رکوع وسجود کو پوری طرح ادا نہیں کرتا۔'' (مالک، داری)

باب السجود وفضله

سجدہ کی کیفیت وفضیلت

لغت میں سجدہ عاجزی کے اظہار اور سر جھکانے کو کہتے ہیں شرعی اصطلاح میں سجدہ "وضع الوجه على الارض على طريق مخصوص" کا نام ہے۔[1]

الفصل الاول

سجدہ کے اعضاء

﴿۱﴾ عن ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أُمِرْتُ أَنْ أَسْجُدَ عَلَى سَبْعَةِ أَعْظُمٍ عَلَى الْجَبْهَةِ وَالْيَدَيْنِ وَالرُّكْبَتَيْنِ وَأَطْرَافِ الْقَدَمَيْنِ وَلَا نَكْفِتَ الثِّيَابَ وَلَا الشَّعَرَ۔

(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)[2]

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما راوی ہیں کہ رحمت عالم ﷺ نے فرمایا "مجھے (جسم کی) سات ہڈیوں یعنی پیشانی، دونوں ہاتھ، گھٹنے اور دونوں پیروں کے پنجوں پر سجدہ کرنے کا حکم دیا گیا ہے اور یہ ممنوع ہے کہ ہم کپڑوں اور بالوں کو سمیٹیں۔" (بخاری ومسلم)

توضیح: "على سبعة اعضاء" اس حدیث میں بتایا جارہا ہے کہ سجدہ میں زمین پر کون کونسے اعضاء ٹیکنا ضروری ہے اس کی تفصیل یہ ہے کہ فقہاء کا اس میں اتفاق ہے کہ سجدہ میں دونوں ہاتھ اور دونوں گھٹنے زمین پر رکھنا سنت ہے قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے سجدہ کرنے کا حکم دیا ہے اور سجدہ "وضع الوجه على الارض" کا نام ہے اب چہرہ میں کئی اعضا ہیں قرآن میں کسی کی تعیین موجود نہیں تو اگر اس حکم پر عمل کرنے کے لئے صرف رخسار کو زمین پر رکھا گیا تو حکم پورا نہیں ہوگا کیونکہ رخسار رکھنے سے انحراف عن القبلة بھی آتا ہے اور حضور اکرم ﷺ سے ایسا کرنا ثابت بھی نہیں ہے چہرہ میں دوسرا عضو ٹھوڑی ہے مگر اس کے زمین پر رکھنے سے سجدہ کا حکم پورا نہیں ہوگا ایک تو اس وجہ سے کہ حضور اکرم ﷺ سے ثابت نہیں دوسرا اس وجہ سے کہ ٹھوڑی کو زمین پر ٹیکنے میں کوئی تعظیم نہیں ہے اور سجدہ اللہ تعالیٰ کی تعظیم کے لئے مقرر کیا گیا ہے۔[3]

فقہاء کا اختلاف:

اب صرف پیشانی اور ناک رہ گئی اس کو زمین پر رکھنے میں تعظیم بھی ہے اور حضور اکرم ﷺ سے ثابت بھی ہے اس میں اختلاف ہے تو جمہور فقہاء کا اس پر اتفاق ہے کہ سجدہ میں ناک اور پیشانی دونوں کا رکھنا افضل ہے البتہ اس میں اختلاف ہے کہ کسی ایک پر اکتفا کرنا جائز ہے یا نہیں تو جمہور فقہاء کے نزدیک سجدہ میں پیشانی اور ناک دونوں کا رکھنا ضروری ہے اگر کسی نے ایک پر اکتفا کیا تو نماز جائز نہیں ہوگی۔

[1] اشعة اللمعات: ۱/۳۳ [2] اخرجه البخاري: ۱/۲۰۶، ۲۰۷ ومسلم: ۲/۵۲ [3] المرقات: ۲/۶۰

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ "لاعلی التعیین" ان میں سے ایک عضو کا رکھنا فرض ہے اب اگر کسی نے صرف پیشانی رکھ کر سجدہ کیا تو سجدہ بلا کراہت جائز ہے کیونکہ بعض روایات میں صرف پیشانی کا مستقلاً رکھنا ثابت ہے۔

(کمافی لمعات)

ایک روایت میں جائز مع الکراہت ہے۔ اور اگر کسی نے صرف ناک رکھ کر سجدہ کیا تو کیا یہ جائز ہے یا نہیں تو جمہور اور صاحبین سب کے نزدیک سجدہ جائز نہیں ہے اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ سے اس بارے میں دو روایتیں ہیں ایک یہ کہ سجدہ کراہت کے ساتھ جائز ہوگا دوسری روایت یہ کہ اکیلے ناک کے ساتھ سجدہ جائز نہیں ہے اور اسی پر فتویٰ ہے۔[1]

یہ تمام اختلافات اس وقت ہے جبکہ کوئی عذر نہ ہو اگر کسی کو عذر ہے تو پھر عذر کے مطابق جواز ہوگا۔

قدمین کو سجدہ میں جما کر رکھنا ضروری ہے

اب سجدہ میں قدمین اور پاؤں رکھنے کے متعلق یہ مسئلہ ہے کہ سجدہ کی حالت میں دونوں پاؤں زمین پر ٹیکنا ضروری ہے اور اگر پورے سجدے میں دونوں پاؤں زمین سے اٹھائے رکھے تو سجدہ نہیں ہوگا نماز فاسد ہو جائے گی، اور ایک پاؤں اٹھائے رکھا دوسرا زمین پر تھا تو یہ صورت مکروہ ہے۔

حدیث میں سات اعضاء پر سجدہ کرنے کا ذکر ہے لیکن بقیہ اعضاء کی حیثیت اس طرح نہیں بلکہ ہاتھ اور گھٹنے زمین پر رکھنا مسنون ہے یہ بات پھر سمجھ لیں کہ یہ بحث اس وقت ہے جب کوئی عذر نہ ہو عذر کے وقت سب جائز ہے۔

"لانکفت" کفت ضرب سے سمیٹنے کے معنی میں ہے بالوں کو کسی چیز کے ساتھ باندھنے کو کفت کہا گیا ہے یہ سمیٹنا ممنوع ہے تاکہ سجدہ میں کپڑے اور بال بھی شریک ہو جائیں اور یہ احتیاط نہ کرے کہ زمین اور مٹی کے ساتھ لگ کر بال یا کپڑے خراب ہو جائیں گے کیونکہ مٹی کی طرف سب کو جانا ہے۔[2]

وكل الذی فوق التراب تراب

سجدہ میں صحیح طریقہ پر اعضاء رکھنا چاہئے

﴿۲﴾ وعن أنس قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِعْتَدِلُوْا فِي السُّجُوْدِ وَلَا يَبْسُطْ أَحَدُكُمْ ذِرَاعَيْهِ اِنْبِسَاطَ الْكَلْبِ. (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)[3]

ترجمہ: اور حضرت انس رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "سجدہ میں (اطمینان سے) ٹھہرو! اور تم میں سے کوئی شخص (سجدہ میں) اپنے دونوں ہاتھوں کو کتے کی طرح نہ پھیلائے۔" (بخاری ومسلم)

توضیح: "اعتدلوا فی السجود" سجدہ میں اعتدال یہ ہے کہ ہاتھوں کی انگلیاں ملا کر زمین پر خوب مضبوطی کے

---

[1] المرقات: ۲/۴۰۷ [2] المرقات: ۲/۴۰۸ [3] اخرجه البخاری: ۱/۲۰۸ ومسلم: ۲/۵۳

ساتھ رکھے جائیں کہنیاں زمین سے الگ ہوں اور پیٹ کورانوں سے الگ رکھا جائے اور سجدہ میں خوب اطمینان کے ساتھ تسبیحات پڑھی جائیں جیسا کہ اس حدیث سے متصل دوسری حدیث میں ذکر کیا گیا ہے۔[1]

"انبساط الكلب" کتا جب سرین پر بیٹھتا ہے تو اقعاء کی صورت میں بیٹھتا ہے اس کی بھی ممانعت ہے اسی طرح کتا جب سینے پر بیٹھتا ہے تو سامنے والی ٹانگوں کو زمین پر سامنے کی طرف عجیب انداز سے پھیلا کر رکھتا ہے اس نے نمازی کو روکا گیا ہے یہ غفلت اور سستی کی نشانی بھی ہے اور اس طرح کرنے سے غفلت پیدا بھی ہوتی ہے انبساط کو دوسری روایات میں افتراش السبع کے نام سے بھی یاد کیا گیا ہے سب ایک ہی چیز ہے۔[2]

مردوں اور عورتوں کی نماز میں فرق

﴿۳﴾ وعن الْبَرَاءِ ابْنِ عَازِبٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا سَجَدْتَّ فَضَعْ كَفَّيْكَ وَارْفَعْ مِرْفَقَيْكَ. (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)[3]

ترجمہ: اور حضرت براء ابن عازب رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "جب تم سجدہ کرو تو اپنے دونوں ہاتھ زمین پر رکھو اور کہنیوں کو زمین سے اونچا رکھو۔ (مسلم)

توضیح: "فضع کفیك" یعنی کانوں کے محاذات میں یا کندھوں کے محاذات میں دونوں ہاتھ زمین پر رکھو۔[4]

"وارفع" یعنی کہنیوں کو زمین سے اٹھائے رکھو تا کہ انبساط وافتراش کی صورت نہ آئے یہ حکم مردوں کے لئے ہے۔[5]

عورتوں کو چاہئے کہ وہ سجدہ میں تمام اعضاء کو سمیٹ کر زمین کے ساتھ چپکا دیں کیونکہ ان کے پردے کا تقاضا یہی ہے حدیث میں اس ستر و پردہ کی طرف بطور قاعدہ کلیہ اشارہ فرمایا گیا ہے جو ہر اس فعل کو شامل ہے جس سے پردہ کی ضرورت ہو مثلاً تکبیر تحریمہ میں ہاتھ کندھوں اور سینہ کے برابر تک لیجانا باعث پردہ ہے لہٰذا عورتوں کے لئے یہی مامور بہ ہے رکوع اور سجدہ میں اعضاء کو سمیٹنا باعث پردہ ہے لہٰذا یہ ان کے لے مامور بہ ہے پاؤں کے ٹخنوں کو ڈھانکنا باعث پردہ ہے لہٰذا مامور بہ ہے سر کے بالوں کو چھپانا باعث پردہ ہے لہٰذا مامور بہ ہے۔ ہاتھ پر ہاتھ مار کر امام کو لقمہ دینا سبحان اللہ کے بجائے باعث پردہ ہے لہٰذا مامور بہ ہے حالانکہ یہ سب امور مردوں کے افعال نماز کے برعکس ہیں۔ معلوم ہوا مردوں اور عورتوں کی نماز کو ایک جیسی قرار دینا مناسب نہیں ہے کیونکہ دونوں میں فرق ہے عورتوں کی نماز میں ہر وہ صورت اپنائی جائے گی جس میں بالکل نمائش نہ ہو۔

﴿۴﴾ وعن مَيْمُوْنَةَ قَالَتْ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا سَجَدَ جَافَى بَيْنَ يَدَيْهِ حَتّٰى لَوْ أَنَّ بَهْمَةً أَرَادَتْ أَنْ تَمُرَّ تَحْتَ يَدَيْهِ مَرَّتْ هٰذَا لَفْظُ أَبِيْ دَاوٗدَ كَمَا صَرَّحَ فِيْ شَرْحِ السُّنَّةِ بِإِسْنَادِهِ

[1] المرقات: ۲/۶۰۹ [2] المرقات: ۲/۶۰۹ [3] اخرجه مسلم: ۲/۵۳ [4] المرقات: ۲/۶۰۹ [5] المرقات: ۲/۶۱۰

وَلِمُسْلِمٍ بِمَعْنَاهُ قَالَتْ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا سَجَدَ لَوْ شَاءَ تْ بَهْمَةٌ أَنْ تَمُرَّ بَيْنَ يَدَيْهِ لَمَرَّتْ۔[1]

ترجمہ: اورام المؤمنین حضرت میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ رحمت عالم ﷺ جب سجدہ میں جاتے تو اپنے دونوں ہاتھوں کے درمیان اتنا فرق رکھتے تھے کہ اگر بکری کا بچہ آپ کے ہاتھوں کے نیچے سے گذرنا چاہتا تو گذر سکتا تھا۔" یہ الفاظ ابوداؤد کے ہیں جیسا کہ خود بغوی نے شرح السنۃ میں اپنی سند کے ساتھ بیان کیا ہے اور مسلم نے یہ حدیث بالمعنی نقل کی ہے (جس کے الفاظ یہ ہیں) کہ حضرت میمونہ نے فرمایا۔"آنحضرت ﷺ (اس طرح) سجدہ کرتے تھے کہ اگر بکری کا بچہ آپ کے ہاتھوں میں سے نکلنا چاہتا تو نکل جاتا۔"

توضیح: "بھمۃ" بھیڑ یا بکری کا بچہ جب نیا پیدا ہوجائے اس کو "سخلۃ" کہتے ہیں جب اپنے پاؤں پر چلنے لگتا ہے اس وقت اسے بھمۃ کہتے ہیں یعنی آنحضرت ﷺ سجدہ میں اپنا شکم مبارک اپنی رانوں سے اور کہنیاں زمین سے اتنے فاصلے پر رکھتے تھے کہ اگر نیچے سے بکری کا بچہ گذرنا چاہتا تو گذر جاتا۔[2]

"رواہ ابوداؤد" اس سے صاحب مشکوٰۃ صاحب مصابیح پر اعتراض کرنا چاہتا ہے کہ انہوں نے یہ التزام کیا ہے کہ پہلی فصل میں بخاری ومسلم کی روایت نقل کریں گے حالانکہ اس حدیث کے الفاظ ابوداؤد کے ہیں اور فصل اول میں درج کیا گیا ہے اگر چہ معنوی اعتبار سے اس حدیث کو مسلم نے ذکر کیا ہے۔[3]

﴿۵﴾ وعن عَبْدِ اللهِ بْنِ مَالِكٍ اِبْنِ بُحَيْنَةَ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا سَجَدَ فَرَّجَ بَيْنَ يَدَيْهِ حَتّٰى يَبْدُوَ بَيَاضُ إِبْطَيْهِ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)[4]

ترجمہ: اور حضرت عبداللہ بن مالک ابن بُحَیْنَہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رحمت عالم ﷺ جب سجدہ کرتے تو اپنے ہاتھوں کو اتنا کشادہ رکھتے تھے کہ آپ کے بغلوں کی سفیدی ظاہر ہوجاتی تھی۔" (بخاری ومسلم)

توضیح: "وعن عبداللہ بن مالك ابن بحينه" اس سند میں ایک فنی بات ہے جس کا یاد کرنا بہت ضروری ہے وہ بات یہ ہے کہ عبداللہ کے باپ کا نام مالک ہے اور عبداللہ کی والدہ کا نام بحینہ ہے یہاں عبداللہ ماں اور باپ دونوں کی طرف منسوب ہے جس طرح عبداللہ بن ابی ابن سلول دونوں کی طرف منسوب ہے۔ اس سند میں یہ غلط فہمی پیدا ہوتی ہے کہ شاید مالک بحینہ کا بیٹا ہے حالانکہ ایسا نہیں ہے بحینہ مالک کی بیوی ہے عبداللہ کی ماں ہے محدثین اس طرح سند میں الف بڑھا کر ابن کے ساتھ لکھتے ہیں۔ چنانچہ یہاں بھی مالک پر تنوین پڑھنا چاہئے اور پھر الف بڑھا کر پڑھنا چاہئے تا کہ یہ معلوم ہوسکے کہ ابن بحینہ عبداللہ کی صفت ہے اس قاعدہ کو میں نے توضیحات جلد اول میں تفصیل سے لکھا ہے۔[5]

---

[1] اخرجه [2] المرقات: ۲/۲۱۰ الكاشف: ۲/۳۰۶　　[3] المرقات: ۲/۲۱۰

[4] اخرجه البخاري: ۱/۱۰۸، ۲۰۵ ومسلم: ۲/۵۳　　[5] المرقات: ۲/۲۱۱

بہر حال معلوم ایسا ہو رہا ہے کہ عبد اللہ نے جس وقت حضور اکرم ﷺ کو دیکھا تھا اس وقت حضور کے جسم پر قمیص کے بجائے کوئی چادر تھی جس کے کناروں سے بغل نظر آتے تھے ورنہ قمیص میں بغل کی سفیدی نظر نہیں آتی ہے "بغل کی سفیدی" کے الفاظ سے یہ بات معلوم ہوگئی کہ حضور اکرم ﷺ نہایت خوبصورت تھے کیونکہ بغل عموماً سیاہ رنگ کے ہوتے ہیں جس شخص کے بغل چمکدار ہوں اس کا باقی جسم کتنا خوبصورت اور پیارا ہوگا۔[1]

منزه عن شريك في محاسنه فجوهر الحسن فيه غير منقسم

سجدہ میں حضور اکرم ﷺ کی ایک دعا

﴿٦﴾ وعن أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ فِي سُجُوْدِهِ أَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِيْ ذَنْبِيْ كُلَّهُ دِقَّهُ وَجِلَّهُ وَأَوَّلَهُ وَآخِرَهُ وَعَلَانِيَتَهُ وَسِرَّهُ. (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)[2]

ترجمہ: اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رحمت عالم ﷺ اپنے سجدہ میں یہ کہتے تھے، اللهم اغفرلی ذنبی كله دقه وجله واوله واخره وعلانيته وسره: اے اللہ! میرے تمام چھوٹے بڑے، پہلے پچھلے، کھلے ہوئے اور چھپے ہوئے گناہ بخش دے۔ (مسلم)

توضیح: "دقه" دال پر کسرہ ہے یہ دقیق سے ہے قلیل کے معنی میں ہے "جِلّه" جیم پر کسرہ ہے یہ جلیل سے ہے کثیر کے معنی میں ہے دونوں لفظوں کا معنی یہ ہوا "قليله و كثيرة" یا معنی یہ ہے کہ چھوٹے اور بڑے گناہ۔ "وعلانيته وسره" یعنی کھلے اور چھپے ہوئے گناہ اس سے مراد یہ ہے کہ لوگوں کی نظروں سے جو گناہ پوشیدہ ہیں وہ معاف فرمادے ورنہ اللہ تعالیٰ پر تو کوئی چیز پوشیدہ نہیں ہے۔[3]

یہ دعا حضور اکرم ﷺ نے سجدہ میں پڑھی ہے اس میں یہ احتمال ہے کہ تسبیحات کی جگہ یہ دعا پڑھی ہوگی اور یہ احتمال بھی ہے کہ تسبیحات کے بعد پڑھی ہوگی یہ احتمال بھی ہے کہ فرائض میں پڑھی اور یہ احتمال بھی ہے کہ نوافل میں پڑھی ہوگی۔[4]

﴿٧﴾ وعن عَائِشَةَ قَالَتْ فَقَدْتُ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيْلَةً مِنَ الْفِرَاشِ فَالْتَمَسْتُهُ فَوَقَعَتْ يَدِيْ عَلَىٰ بَطْنِ قَدَمَيْهِ وَهُوَ فِي الْمَسْجِدِ وَهُمَا مَنْصُوْبَتَانِ وَهُوَ يَقُوْلُ اَللّٰهُمَّ إِنِّيْ أَعُوْذُ بِرِضَاكَ مِنْ سَخَطِكَ وَبِمُعَافَاتِكَ مِنْ عُقُوْبَتِكَ وَأَعُوْذُبِكَ مِنْكَ لَا أُحْصِيْ ثَنَاءً عَلَيْكَ أَنْتَ كَمَا أَثْنَيْتَ عَلَىٰ نَفْسِكَ. (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)[5]

ترجمہ: اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ ایک رات میں نے رحمت عالم ﷺ کو بستر پر موجود نہ پایا،

[1] المرقات: ۲/۶۱۱ [2] اخرجه مسلم: ۲/۵۰ [3] الکاشف: ۲/۳۰۷
[4] المرقات: ۲/۶۱۱ [5] اخرجه مسلم: ۱/۲۰۲

میں آپ کو تلاش کررہی تھی کہ میرا ہاتھ آپ کے پیروں کو جا لگا (چنانچہ میں نے دیکھا کہ) آپ بارگاہ الٰہی میں سجدہ ریز تھے اور آپ کے دونوں پیر مبارک کھڑے ہوئے تھے اور آپ کہہ رہے تھے۔اے اللہ! میں تیری خوشنودی کے ذریعہ تیرے غیظ وغضب سے (یعنی ان افعال سے جو مجھ پر یا میری امت پر تیرے غضب کا ذریعہ بنیں) پناہ مانگتا ہوں، تیری معافی کے ذریعہ تیرے عذاب سے پناہ چاہتا ہوں اور تجھ سے (یعنی تیری رحمت کے ذریعہ تیرے قہر سے) پناہ کا طلبگار ہوں۔ میں تیری تعریف کا شمار و احاطہ نہیں کرسکتا۔ تو ایسا ہی ہے جیسا کہ خود تو نے اپنی تعریف کی ہے۔'' (مسلم)

تمام تعریفیں اللہ ہی کے لئے ہیں جو پروردگار ہے آسمانوں کا اور پروردگار ہے زمین کا پروردگار جہانوں کا ہے اور زمین وآسمانوں میں اسی کے لئے بڑائی وبزرگی ہے اور وہ غالب، دانا ہے۔

توضیح: "فقدت" فقدان سے ہے نہ پانے اور گم کرنے کے معنی میں بھی ہے اور **افتقدت** ڈھونڈنے کے معنی میں بھی ہے **المسجد** سے مراد حجرہ میں جائے سجدہ بھی ہوسکتی ہے اور بمعنی السجو دیعنی سجدہ بھی ہوسکتا ہے اس حدیث میں واضح دلیل ہے کہ مس المرءۃ سے وضو نہیں ٹوٹتا ہے۔[1]

آدمی جب سجدہ میں ہو تو وہ اللہ تعالیٰ سے قریب تر ہوتا ہے

﴿۸﴾ وعن أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَقْرَبُ مَا يَكُوْنُ الْعَبْدُ مِنْ رَبِّهٖ وَهُوَ سَاجِدٌ فَأَكْثِرُوا الدُّعَاءَ. (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)[2]

ترجمہ: اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''بندہ کا خدا سے قریب ترین ہونا اس وقت شمار ہوتا ہے جبکہ وہ سجدہ میں ہو اس لئے تم (سجدہ میں) بہت زیادہ دعا کیا کرو۔ (مسلم)

توضیح: جب آدمی تکبیر تحریمہ کے لئے ہاتھ اٹھاتا ہے گویا وہ پوری دنیا کو خیر باد کہہ کر پیچھے پھینکتا ہے اور مکمل طور پر اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہوجاتا ہے اور اللہ تعالیٰ سامنے ہوتا ہے تو پھر جب آدمی سجدہ میں جاتا ہے گویا وہ اللہ تعالیٰ کی رحمت کے حوض میں غوطہ لگاتا ہے یا اللہ تعالیٰ کے قدموں میں گرتا ہے ظاہر ہے یہ قرب کی انتہائی نسبت ہے اس لئے اس وقت دعا مانگنی چاہئے کیونکہ اللہ تعالیٰ کی رحمت مکمل طور پر متوجہ ہوتی ہے یہی بات اس حدیث میں بیان کی گئی ہے۔[3]

ابلیس کا پچھتاوا

﴿۹﴾ وعنه قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا قَرَأَ ابْنُ آدَمَ السَّجْدَةَ فَسَجَدَ اِعْتَزَلَ الشَّيْطَانُ يَبْكِي يَقُوْلُ يَا وَيْلَتِي أُمِرَ ابْنُ آدَمَ بِالسُّجُوْدِ فَسَجَدَ فَلَهُ الْجَنَّةُ وَأُمِرْتُ بِالسُّجُوْدِ فَأَبَيْتُ فَلِيَ النَّارُ. (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)[4]

---

[1] المرقات: ۲/۶۱۲ [2] اخرجه مسلم: ۲/۳۹ [3] المرقات: ۲/۶۱۳ [4] اخرجه مسلم: ۱/۶۱

ترجمہ: اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رحمت عالم ﷺ نے فرمایا "جب ابن آدم (یعنی بندۂ مومن) سجدہ کی آیت پڑھتا ہے اور (پڑھنے والا یا سننے والا) سجدہ کرتا ہے تو اس وقت شیطان لعین روتا ہوا ایک طرف ہٹ جاتا ہے اور کہتا ہے کہ "واحسرتا! ابن آدم کو سجدہ کرنے کا حکم دیا گیا تو اس نے سجدہ کیا اور (اس کے بدلہ میں) وہ جنت کا حقدار بنا اور مجھے سجدہ کرنے کا حکم دیا گیا تو میں نے (سجدہ نہ کر کے پروردگار کی) نافرمانی کی چنانچہ (اس کے نتیجہ میں) مجھے آگ ملی۔" (مسلم)

توضیح: "یبکی" یعنی جب انسان تلاوت کے دوران سجدہ والی آیت پڑھ کر سجدہ کرتا ہے تو ابلیس دور بھاگتا ہے اور چیخ چلا کر روتا ہے اور پچھتاتا ہے کہ اولاد آدم نے قرآن پڑھا اور سجدہ کیا اور مجھے جب سجدہ کا حکم دیا گیا تو میں نے انکار کیا۔[1]

ابلیس کا یہ رونا اور چیخنا چلانا یا تو حقیقت کے اعتراف کے طور پر افسوس وحزن کے تحت ہے یا یہ مگرمچھ کی طرح فراڈ کے آنسوں بہاتا ہے کیونکہ منقول ہے کہ حضرت موسیٰ سے ابلیس نے کہا کہ اللہ تعالیٰ سے پوچھ لیں کہ میری توبہ قبول ہوسکتی ہے یا نہیں۔ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے فرمایا کہ شرط وہی ہے کہ آدم کو سجدہ کرے اب آدم نہیں تو اس کی قبر کے سامنے سجدہ کرے، کہتے ہیں جب حضرت موسیٰ نے ابلیس سے کہا تو ابلیس کہنے لگا کہ جب زندہ آدم کے سامنے نہیں جھکا تو اب قبر کے سامنے کیا سجدہ کروں گا۔

اسی طرح ایک ضعیف قصہ ہے کہ ابلیس کی روح قبض کرنے کے لئے جب فرشتے ان کے پیچھے آئیں گے تو یہ مشرق ومغرب اور جنوب کی طرف بھاگے گا (یہاں تک یہ قصہ احادیث میں ہے) جب فرشتے اس کو قابو کرلیں گے تو اس کو حضرت آدم کی قبر پر گرادیں گے تاکہ اس سے سجدہ کرایا جاسکے لیکن یہ خبیث موت کے وقت بھی سر اوپر کی طرف اٹھائے گا تاکہ غیر اختیاری طور پر بھی سجدہ کی صورت نہ بن جائے اتنا سخت دشمن ہے تو یہاں اس کا رونا یا تو تازہ تازہ سزا کے طور پر ہوگا اور یا وہی فراڈ کا رونا ہے جیسا کہ اس بین الاقوامی بے غیرت اور بین الاقوامی بے حیا اور دھوکہ باز نے بدر کے میدان سے بھاگتے وقت ابوجہل سے کہا تھا۔ "انی أخاف الله رب العالمین"۔

کثرت سجود حضور اکرم ﷺ کی رفاقت کا سبب ہے

﴿۱۰﴾ وعن رَبِيعَةَ بْنِ كَعْبٍ قَالَ كُنْتُ أَبِيْتُ مَعَ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأَتَيْتُهُ بِوَضُوْئِهِ وَحَاجَتِهِ فَقَالَ لِيْ سَلْ فَقُلْتُ أَسْأَلُكَ مُرَافَقَتَكَ فِي الْجَنَّةِ قَالَ أَوَ غَيْرَ ذٰلِكَ قُلْتُ هُوَ ذَاكَ قَالَ فَأَعِنِّيْ عَلٰى نَفْسِكَ بِكَثْرَةِ السُّجُوْدِ. (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)[2]

ترجمہ: اور حضرت ربیعہ ابن کعب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں رات میں رحمت عالم ﷺ کے ساتھ رہا کرتا تھا اور وضو کا پانی دوسری ضروریات (مثلاً مسواک، جائے نماز وغیرہ) پیش کیا کرتا تھا (ایک روز) سرکار دو عالم ﷺ نے مجھ سے فرمایا کہ "(دین و دنیا کی بھلائیوں میں سے جو کچھ مانگنا چاہتے ہو) مانگو!" میں نے عرض کیا "میری درخواست تو صرف یہ ہے کہ جنت میں مجھ کو آپ

[1] المرقات: ۲/۶۱۳ [2] اخرجه مسلم: ۲/۵۲

کی رفاقت نصیب ہو۔" آنحضرت ﷺ نے فرمایا۔ "جس مرتبہ کو تم پہنچنا چاہتے ہو یہ تو بہت عظیم ہے اس کے سوا کچھ اور مانگو۔" میں نے عرض کیا "میری درخواست تو بس یہی ہے۔" آپ نے فرمایا۔ "اس مرتبہ کو حاصل کرنے کے لئے تم کثرت سجود کے ذریعہ اپنی ذات سے میری مدد کرو۔" (مسلم)

توضیح: "وحاجته" یعنی وضو کے لئے پانی لوٹا اور نماز کے لئے جائے نماز یا آپ کے استنجا کے لئے ڈھیلے پتھر لانا یا دیگر خدمت کرنا یہ سب "حاجته" یعنی ضرورت میں داخل ہے۔[1] رات کے وقت اس مشقت والی خدمت اور جذبہ اطاعت سے خوش ہو کر حضور اکرم ﷺ نے بطور صلہ فرمایا کہ مانگ کیا مانگتا ہے اس سچے خادم اور عقیدت مند غلام نے فرمایا کہ جنت میں آپ کی رفاقت چاہتا ہوں حضور اکرم ﷺ نے چاہا کہ یہ شخص اس کے علاوہ کوئی اور دعا مانگ لے۔ یا آنحضرت ﷺ نے شاید اندازہ لگانا چاہا کہ اس شخص کا یہ مطالبہ صرف ایک جذباتی جذبہ کا اظہار ہے یا اس کی گفتار کے پیچھے سچا جذبہ کار فرما ہے لیکن اس سچے عاشق نے جب جواب دیا کہ سوال یہی ہے تب آپ نے فرمایا کہ دعا میں کروں گا مگر تم میرا اتنا تعاون کرو کہ کثرت سے نمازیں پڑھا کرو۔[2]

معلوم ہوا کہ بزرگوں کی دعاؤں کے ساتھ عمل کی ضرورت ہے یہ نہیں کہ صرف دعا کی بنیاد پر اپنے اعمال کو خیر باد کہدے اور خالی تمنائیں پکاتا رہے کسی نے سچ کہا ہے کہ چابی تالہ کھولنے کے لئے بیشک ذریعہ ہے لیکن ہاتھ سے زور دیکر چابی کو دبانا پڑتا ہے۔

فتح قفل ارچہ کلیداست اے عزیز جنبش ازدست تومی خواہند نیز

یعنی تالہ اگرچہ کنجی ہی سے کھلتا ہے لیکن تمہارے ہاتھ کی حرکت بھی ضروری ہے۔

اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ بزرگوں کی خدمت سعادتوں کے حصول کا بڑا ذریعہ ہے اور اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ خدمت کرنے والے کی نظر آخرت کی سعادت پر لگی رہنی چاہئے۔ دنیا کی چیزیں فانی ہیں اس خوش قسمت صحابی کو دیکھئے کہ جنت بھی مل گئی اور حضور اکرم کی رفاقت بھی مل گئی۔

سجدوں کی فضیلت

﴿۱۱﴾ وعن مَعْدَانَ بْنِ طَلْحَةَ قَالَ لَقِيتُ ثَوْبَانَ مَوْلَى رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقُلْتُ أَخْبِرْنِي بِعَمَلٍ أَعْمَلُهُ يُدْخِلُنِي اللهُ بِهِ الْجَنَّةَ فَسَكَتَ ثُمَّ سَئَلْتُهُ فَسَكَتَ ثُمَّ سَئَلْتُهُ الثَّالِثَةَ فَقَالَ سَأَلْتُ عَنْ ذٰلِكَ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ عَلَيْكَ بِكَثْرَةِ السُّجُوْدِ لِلّٰهِ فَإِنَّكَ لَا تَسْجُدُ لِلّٰهِ سَجْدَةً إِلَّا رَفَعَكَ اللهُ بِهَا دَرَجَةً وَحَطَّ عَنْكَ بِهَا خَطِيْئَةً قَالَ مَعْدَانُ ثُمَّ لَقِيتُ أَبَا الدَّرْدَاءِ فَسَأَلْتُهُ فَقَالَ لِي مِثْلَ مَا قَالَ لِي ثَوْبَانُ. (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)[3]

[1] المرقات: ۲/۶۱۵ [2] المرقات: ۲/۶۱۵، ۶۱۶ [3] اخرجه ومسلم: ۲/۵۱

ترجمہ: اور حضرت معدان بن ابی طلحہ رحمہ اللہ (تابعی) فرماتے ہیں کہ میں نے رحمت عالم ﷺ کے آزاد کردہ غلام حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ سے ملاقات کی اور ان سے عرض کیا کہ "مجھے کوئی ایسا عمل بتا دیجئے کہ جب میں اس عمل کو کروں تو اللہ تعالیٰ مجھے اس عمل کے بدلے جنت میں داخل کردے۔ پس وہ (میرا سوال سن کر) خاموش رہے، میں نے دوبارہ عرض کیا وہ پھر بھی خاموش رہے، جب میں نے تیسری مرتبہ عرض کیا تو انھوں نے فرمایا کہ "یہی سوال میں نے سرکار دو عالم ﷺ سے کیا تھا، چنانچہ آپ نے (میرے سوال کے جواب میں) فرمایا تھا کہ "تم کثرت سے بارگاہ خداوندی میں سجدہ کیا کرو، تم ایک سجدہ خدا کے حضور میں کروگے تو اس کی وجہ سے خدا تمہارا ایک درجہ بلند کردے گا اور اس کی وجہ سے ایک گناہ کو کم کردے گا۔" معدان کہتے ہیں کہ میں نے پھر حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ سے ملاقات کی اور ان سے بھی وہی سوال کیا (جو ثوبان سے کیا تھا) چنانچہ انہوں نے بھی مجھے وہی جواب دیا جو ثوبان نے دیا تھا۔" (مسلم)

الفصل الثانی

سجدہ میں جانے اور اٹھنے کا طریقہ

﴿۱۲﴾ عن وَائِلِ بْنِ حُجْرٍ قَالَ رَأَيْتُ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا سَجَدَ وَضَعَ رُكْبَتَيْهِ قَبْلَ يَدَيْهِ وَإِذَا نَهَضَ رَفَعَ يَدَيْهِ قَبْلَ رُكْبَتَيْهِ. (رَوَاهُ أَبُوْ دَاوُدَ وَالتِّرْمِذِيُّ وَالنَّسَائِيُّ وَابْنُ مَاجَه وَالدَّارِمِيُّ)[1]

ترجمہ: حضرت وائل بن حجر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رحمت عالم ﷺ کو دیکھا کہ جب آپ سجدہ کرنے کا ارادہ کرتے تو پہلے اپنے دونوں گھٹنے (زمین پر) ٹیکتے اور پھر دونوں ہاتھ رکھتے۔ اور جب سجدہ سے اٹھنے کا ارادہ کرتے تو پہلے اپنے دونوں ہاتھ اٹھاتے پھر دونوں گھٹنے اٹھاتے۔" (ابوداؤد، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ، دارمی)

توضیح: "اذا سجد وضع" علماء نے اعضاء سجدہ کو زمین پر سجدہ کے وقت رکھنے اور سجدہ سے اٹھتے وقت اٹھانے کے بارے میں ایک اصول وضع کیا ہے وہ اس طرح ہے کہ جب آدمی کھڑا ہو تو اس کا جو عضو قیام کی حالت میں زمین سے جتنا قریب ہو اسی کو سب سے پہلے زمین پر رکھنا چاہئے اور آدمی کا جو عضو قیام کی حالت میں زمین سے جتنا دور ہو سجدہ سے اٹھتے وقت وہ سب سے پہلے اٹھانا چاہئے ان اعضاء میں بعض علماء نے پیشانی اور ناک کو ایک عضو قرار دیا ہے لہٰذا اس میں تقدیم تاخیر کی ضرورت نہیں ہے لیکن بعض علماء فرماتے ہیں کہ ناک اقرب الی الارض ہے لہٰذا جاتے وقت اس کو پہلے ٹیک لینا چاہئے۔

بہر حال اس کیفیت کا لحاظ رکھنا اس وقت ہے جب کوئی عذر نہ ہو اگر عذر ہے تو عذر تو عذر ہے۔[2]

[1] اخرجه ابوداؤد: ۸۳۸ والدارمی: ۱۳۲۶ والترمذی: ۲۶۸ والنسائی: ۲/۲۰۶ [2] المرقات: ۲/۶۱۶

سجدہ میں جانے اور اٹھنے کی کیفیت کا بیان

﴿۱۳﴾ وعن أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا سَجَدَ أَحَدُكُمْ فَلَا يَبْرُكْ كَمَا يَبْرُكُ الْبَعِيْرُ وَلْيَضَعْ يَدَيْهِ قَبْلَ رُكْبَتَيْهِ.

(رَوَاهُ أَبُوْدَاوُدَ وَالنَّسَائِيُّ وَالدَّارِمِيُّ قَالَ أَبُوْسُلَيْمَانَ الْخَطَّابِيُّ حَدِيْثُ وَائِلِ بْنِ حُجْرٍ أَثْبَتُ مِنْ هٰذَا وَقِيْلَ هٰذَا مَنْسُوْخٌ) [1]

ترجمہ: اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ ’’تم میں سے کوئی جب سجدہ کرے تو وہ اونٹ کے بیٹھنے کی طرح نہ بیٹھے بلکہ اسے چاہئے کہ اپنے دونوں گھٹنوں سے پہلے دونوں ہاتھ زمین پر رکھے۔‘‘ (ابوداود، نسائی، دارمی)

اور ابو سلیمان خطابی نے کہا ہے کہ حضرت وائل بن حجر رضی اللہ عنہ کی حدیث اس حدیث سے زیادہ صحیح ثابت ہے چنانچہ کہا گیا ہے کہ یہ حدیث منسوخ ہے۔‘‘

توضیح: ’’ولیضع یدیه قبل رکبتیه‘‘ سجدہ کو جاتے وقت کونسا عضو پہلے زمین پر ٹیکنا چاہئے اور کونسا آخر میں رکھنا چاہئے اس بارے میں علماء کا اختلاف ہے۔ [2]

فقہاء کا اختلاف:

تینوں ائمہ کے نزدیک سجدہ کو جاتے وقت وہی معروف ترتیب ہے کہ جو عضو زمین کو اقرب ہے وہ پہلے رکھا جائے اور واپسی میں اس کا عکس کیا جائے جیسا کہ گذشتہ حدیث نمبر ۱۲ میں مذکور ہے لیکن امام مالک رحمہ اللہ اور اوزاعی شام فرماتے ہیں کہ سجدہ کو جاتے وقت پہلے ہاتھ زمین پر ٹیک لیا جائے پھر گھٹنے پھر ہاتھ پھر ناک پھر پیشانی۔ [3]

دلائل:

جمہور نے وائل بن حجر رضی اللہ عنہ کی روایت سے استدلال کیا ہے جو بلا تاویل اپنے مقصد پر واضح دلیل ہے۔ امام مالک رحمہ اللہ کی دلیل زیر بحث حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے فقہاء کا یہ اختلاف اولیٰ غیر اولیٰ اور افضلیت میں ہے جواز اور عدم جواز میں نہیں ہے امام مالک رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی یہ حدیث قولی ہے اور وائل بن حجر رضی اللہ عنہ کی حدیث فعلی ہے اور اصول یہ ہے کہ جب قول الرسول صلی اللہ علیہ وسلم اور فعل الرسول صلی اللہ علیہ وسلم کا تقابل ہو تو قول کو ترجیح دی جاتی ہے۔

جوابات:

جمہور نے امام مالک رحمہ اللہ کے مستدل ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت کے تسلی بخش جوابات دیئے ہیں۔

پہلا جواب: حدیث ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا پہلا جواب یہ ہے کہ یہ منسوخ ہے اور صحیح ابن خزیمہ میں مصعب بن سعد رضی اللہ عنہ کی روایت اس کے لئے ناسخ ہے وہ فرماتے ہیں ’’**کنا نضع الیدین قبل الرکبتین فامرنا بوضع الرکبتین قبل الیدین**‘‘ (کما قال ابن خزیمہ)

---

[1] اخرجه ابوداؤد: ۸۴ والنسائی: ۲/۴۰۷ والدارمی: ۱۳۲۷ [2] المرقات: ۲/۶۱۸ [3] المرقات: ۲/۶۱۸

دوسرا جواب: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت کا دوسرا جواب یہ ہے کہ وائل بن حجر رضی اللہ عنہ کی روایت اقویٰ واثبت ہے اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت محدثین کے ہاں معلول ہے لہٰذا وائل کی روایت کو اصولی طور پر ترجیح دی جائے گی۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں ایک علت تو یہ ہے کہ امام ترمذی نے اس کی غرابت کو بیان کر کے اسے معلول قرار دیا دوسری علت اس میں یہ ہے کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی یہ روایت ان کی اپنی ہی دوسری روایت سے معارض ہے۔ امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ نے مضبوط سندوں کے ساتھ اس روایت کا ذکر کیا ہے وہ روایت بالکل وائل بن حجر رضی اللہ عنہ کی روایت کی طرح ہے دیکھئے شرح معانی الآثار ج ۱ ص ۱۷۵۔

تیسری علت یہ ہے کہ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی اس روایت کا پہلا حصہ خود اس کے دوسرے حصہ سے معارض ہے کیونکہ پہلے حصہ میں "فلا یبرك كما یبرك البعیر" کے الفاظ ہیں حالانکہ اونٹ جب بیٹھتا ہے تو پہلے گھٹنے ٹیک کر بیٹھتا ہے ان الفاظ کے بعد "ولیضع یدیه قبل رکبتیه" کے الفاظ اس کے معارض ومخالف ہیں۔ اسی لئے محدثین فرماتے ہیں کہ یہاں کسی راوی کو بیان کرنے میں وہم ہوگیا ہے اور اس نے "یدیه" کو "رکبتیه" پر مقدم کیا ہے اگر اصل عبارت کو لیا جائے اور رکبتیه کو مقدم کیا جائے تو ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت کا تعارض آپس میں بھی ختم ہوجائے گا اور وائل بن حجر رضی اللہ عنہ کی روایت سے بھی تعارض ختم ہوجائے گا۔

بہرحال جس روایت میں اتنی علتیں پوشیدہ ہوں وہ حضرت وائل رضی اللہ عنہ کی روایت کا مقابلہ نہیں کرسکتی ہے۔

تیسرا جواب: تیسرا جواب یہ ہے کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت معذور کے لئے ہے اور اس میں کسی کا اختلاف بھی نہیں ہے اور معذور حضرات ایسا ہی عمل کرتے ہیں اور ان سے اچھا بھی لگتا ہے غیر معذور سے یہ عمل بالکل اچھا نہیں لگتا اور سنت طریقہ وہی ہوتا ہے جو دیکھنے میں بھی اچھا لگتا ہے۔

مشکوٰۃ کے نسخہ میں بھی صاحب مشکوٰۃ نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت سے دو جواب دیئے ہیں کہ یا یہ منسوخ ہے یا معلول غیر قوی ہے اور وائل کی روایت اثبت واقویٰ ہے۔[1]

﴿۱۴﴾ وعن ابنِ عبَّاسٍ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ بَيْنَ السَّجْدَتَيْنِ أَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِي وَارْحَمْنِي وَاهْدِنِي وَعَافِنِي وَارْزُقْنِي۔ (رَوَاهُ أَبُوْدَاوُدَ وَالتِّرْمِذِيُّ)[2]

ترجمہ: اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم دونوں سجدوں کے درمیان یہ کہا کرتے تھے کہ: "اللهم اغفرلی وارحمنی واهدنی وعافنی وارزقنی" (ابوداؤد، ترمذی) اے اللہ! مجھے بخش دے، مجھ پر رحم کر، مجھے ہدایت فرما (دونوں جہان کی بلاؤں اور امراض ظاہر وباطن سے، مجھے محفوظ رکھ اور مجھے رزق عطا فرما۔

﴿۱۵﴾ وعن حُذَيْفَةَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَقُولُ بَيْنَ السَّجْدَتَيْنِ رَبِّ اغْفِرْ لِي۔ (رَوَاهُ النَّسَائِيُّ وَالدَّارِمِيُّ)[3]

[1] المرقات: ۲/۶۲۰ [2] اخرجه ابوداؤد: ۸۵۰ والترمذی: ۲۸۴، ۲۸۵ [3] اخرجه والنسائی: ۲/۱۹۹

ترجمہ: اور حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رحمت عالم ﷺ دونوں سجدوں کے درمیان یہ کہا کرتے تھے کہ رب اغفرلی یعنی اے میرے پروردگار مجھے بخش دے۔" (نسائی، دارمی)

توضیح: ظاہر احادیث سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ جلسہ میں حضور اکرم ﷺ کی یہ دعائیں فرائض ونوافل دونوں میں تھیں بیشک فرائض کو زوائد سے محفوظ رکھنا احناف کے ہاں اولیٰ ہے لیکن اختصار کے ساتھ مسنون مستند دعائیں منع نہیں ہیں احناف نے صرف احتیاط کے طور پر فرمایا کہ کہیں فرض نماز فاسد نہ ہوجائے بیشک بعض روایات میں تصریح ہے کہ آنحضرت ﷺ نے نوافل میں لمبی دعائیں مانگی ہیں لیکن اختصار کے ساتھ فرائض میں دعائیں مانگنے سے منع نہیں کیا گیا ہے۔ ابن عابدین شامی رحمہ اللہ جواز کے قائل ہیں۔ (کمافی زجاجۃ المصابیح ج اول ص ۲۷۰)

الفصل الثالث

مسجد میں نماز کے لئے جگہ مختص کرنا منع ہے

﴿۱۶﴾ عن عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ شِبْلٍ قَالَ نَهٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ نَقْرَةِ الْغُرَابِ وَافْتِرَاشِ السَّبُعِ وَأَنْ يُّوَطِّنَ الرَّجُلُ الْمَكَانَ فِي الْمَسْجِدِ كَمَا يُوَطِّنُ الْبَعِيْرُ.

(رَوَاهُ أَبُوْدَاوُدَ وَالنَّسَائِيُّ وَالدَّارِمِيُّ)[1]

ترجمہ: حضرت عبدالرحمن بن شبل رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رحمت عالم ﷺ نے کوے کی طرح ٹھونگ مارنے اور درندوں کی طرح (ہاتھوں کو) بچھانے سے منع فرمایا ہے اور (اس سے بھی منع فرمایا ہے کہ) کوئی شخص مسجدوں میں جگہ مقرر کرے جیسا کہ اونٹ مقرر کرتا ہے۔" (ابوداؤد، نسائی، دارمی)

توضیح: "نقرۃ الغراب" پرندہ جب دانہ چگتا ہے تو وہ ٹھونک مارتا ہے یہاں مراد یہ ہے کہ سجدہ میں جلدی جانا اور جلدی جلدی واپس آنا منع ہے یہ کوے کے دانہ چگنے کی طرح ہے آرام اطمینان سے عمل کرنا چاہئے۔

"افتراش السبع" اس کی تشریح پہلے حدیث ۲ میں ہوچکی ہے۔[2]

کئی احادیث میں نماز میں حیوانات کی ہیئت اختیار کرنے سے منع کیا گیا ہے بعض حیوانات کا نام بھی لیا گیا ہے جیسے:

① افتراش السبع ② فتراش الکلب واقعاء الکلب ③ بروك البعير، ④ التفات الثعلب ⑤ نقرۃ الدیك ⑥ نقرۃ الغراب ⑦ عقبۃ الشیطان ⑧ رفع الایدی کاذناب خیل شمس ⑨ دبیح الحمار

[1] اخرجه وابوداؤد: ۸۶۲ والنسائی: ۲/۲۱۴ والدارمی: ۱۳۲۹　[2] المرقات: ۲/۶۲۱

(یعنی رکوع میں گدھے کی طرح سر جھکانے کو کہتے ہیں)۔ ان تشبیہات سے معلوم ہوا کہ نماز انسان کو حیوانیت سے دور کرتی ہے اور انسان کو انسان بناتی ہے جیسے کہ کہا گیا ہے۔

علم معقولات گندہ می کند علم منقولات بندہ می کند

علم منقولات علم انبیاء است علم معقولات علم اشقیاء است

"وان یوطن المکان" اونٹ جہاں بیٹھتا ہے تو اسی جگہ کو اپنے لئے خاص کر کے کسی دوسرے اونٹ کو وہاں بیٹھنے نہیں دیتا ہے اس طرح مسجد میں نہیں کرنا چاہئے کہ کوئی نمازی اپنے لئے کوئی جگہ اس طرح متعین کرے کہ دوسرا کوئی وہاں بیٹھ نہ سکے یہ مکروہ وممنوع ہے جیسا کہ مساجد میں بعض نامور لوگ ایسا کرتے ہیں یا نامور بننے کے لئے ایسا کرتے ہیں مسجد تو ایک وقف خطہ ہے جو نمازی پہلے آ گیا اس کو حق حاصل ہے کہ جہاں بیٹھنا چاہے بیٹھ جائے۔[1]

ملا حلوانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اسی طرح کسی نمازی کے لئے یہ بھی ممنوع ومکروہ ہے کہ وہ نماز کے لئے کوئی خاص لباس اور خاص کپڑا متعین کرے اور یہ خیال کرے کہ اس کے علاوہ دوسرے کپڑے میں نماز نہیں ہوگی۔[2]

جلسہ اور قعدہ میں بیٹھنے کا طریقہ

﴿۱۷﴾ وعن عَلِيٍّ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَا عَلِيُّ إِنِّي أُحِبُّ لَكَ مَا أُحِبُّ لِنَفْسِي وَأَكْرَهُ لَكَ مَا أَكْرَهُ لِنَفْسِي لَا تُقْعِ بَيْنَ السَّجْدَتَيْنِ. (رواه الترمذي)[3]

ترجمہ: اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ راوی ہیں کہ رحمت عالم ﷺ نے فرمایا "اے علی جو چیز میں اپنے لئے محبوب رکھتا ہوں وہ چیز تمہارے لئے بھی محبوب رکھتا ہوں اور جو چیز اپنے لئے ناپسند کرتا ہوں وہ چیز تمہارے لئے بھی ناپسند کرتا ہوں، دونوں سجدوں کے درمیان اقعاء نہ کرو۔" (ترمذی)

توضیح: "لاتقع" حضور اکرم ﷺ تو تمام جہانوں کے لئے سراپا رحمت تھے لیکن اپنی امت کے لئے تو آپ "رؤف رحیم" تھے اسی تناظر میں آپ نے جو چیز اپنے لئے پسند فرمائی وہی چیز امت کے لئے پسند فرمادی اور جو چیز خود ناپسند فرمائی امت کے لئے بھی ناپسند فرمائی پھر اہل بیت کا معاملہ عام امت کی نسبت کچھ زیادہ خاص تھا امت کو اگر رخصت پر عمل کرنے کی اجازت دی تو اہل بیت کو عزیمت کا حکم دیا اسی سلسلہ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ حضور اکرم ﷺ کا یہ مکالمہ ہے۔ اس کا خلاصہ یہ ہے کہ دو سجدوں کے درمیان اقعاء سے بچو۔

[1] المرقات: ۲/۶۲۱ [2] المرقات: ۲/۶۲۱ [3] اخرجہ الترمذی: ۲۸۲

اقعاء کی صورت:

اقعاء کی مشہور صورت یہ ہے کہ بین السجدتین یا قعدہ میں آدمی سرین پر بیٹھ جائے اور دونوں گھٹنے اور پنڈلیاں کھڑی ہوں اور ہاتھ زمین پر رکھے ہوں۔ جس طرح کتا زمین پر بیٹھتا ہے اقعاء کا مشہور اور صحیح معنی یہی ہے۔ [1]

ہاں بعض علماء نے اس کو بھی اقعاء قرار دیا ہے کہ ایک نمازی سجدوں کے درمیان یا قعدہ کی حالت میں اس طرح بیٹھ جائے کہ پاؤں کے پنجوں کو زمین پر رکھے اور ایڑیوں پر سرین رکھ کر بیٹھ جائے اور ہاتھ گھٹنوں کے پاس رانوں پر ہوں۔

بہر حال اقعاء کی ہر صورت نماز میں مکروہ ہے کہ یہ کتوں اور درندوں سے مشابہت ہے۔ [2]

رکوع اور سجدہ میں پشت سیدھی کرنا چاہئے

﴿۱۸﴾ وعن طلقِ بنِ عليٍّ الحنفيِّ قال قال رسولُ اللهِ صلَّى اللهُ عليهِ وسلَّمَ لا ينظرُ اللهُ عزَّ وجلَّ إلى صلاةِ عبدٍ لا يقيمُ فيها صلبَه بينَ خشوعِها وسجودِها۔ (رواه أحمد) [3]

ترجمہ: اور حضرت طلق بن علی حنفی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "اللہ بزرگ و برتر اس بندہ کی نماز کی طرف نہیں دیکھتا جو اپنی نماز کے سجود ورکوع میں اپنی کمر سیدھی نہیں کرتا۔" (احمد)

توضیح: "لاينظر الله" نظر رحمت سے اللہ نہیں دیکھے گا اور نماز کے دوران نزول رحمت ایسے شخص پر نازل نہیں فرمائے گا جو نماز میں اس طرح لاپرواہی کرتا ہے اور نماز کے آداب کا خیال نہیں رکھتا ہے ایسی عبادت قبولیت کے اعلیٰ مقام تک نہیں پہنچتی ہے بلکہ قبولیت کے لئے اللہ تعالیٰ اس کی طرف نہیں دیکھے گا چونکہ سجدہ اور رکوع نماز کے ارکان میں سے بہت اہم ہیں جب اس میں نقص آجائے تو پوری نماز ناقص ہو جائے گی اس لئے وعید شدید کا حکم آیا ہے۔ [4]

"خشوعها" رکوع پر خشوع کا اطلاق ہوا ہے یہاں قومہ میں کمر سیدھی کرنے اور تعدیل ارکان ٹھیک طرح ادا کرنے پر تنبیہ ہے "سجودها" یعنی جلسہ میں اطمینان کے ساتھ بیٹھنا چاہئے وہ اس طرح کہ تمام اعضا اپنی جگہ پر آجائیں۔ [5]

سجدہ میں سر رکھنے کی کیفیت

﴿۱۹﴾ وعن نافعٍ أنَّ ابنَ عمرَ كانَ يقولُ مَن وضعَ جبهتَه بالأرضِ فليضعْ كفَّيهِ على الَّذي وضعَ عليهِ جبهتَه ثمَّ إذا رفعَ فليرفعْهما فإنَّ اليدينِ تسجدانِ كما يسجدُ الوجهُ۔ (رواه مالك) [6]

---

[1] المرقات: ۲/۶۲۲ [2] المرقات: ۲/۶۲۲ [3] اخرجه احمد: ۴/۲۲ [4] المرقات: ۲/۶۲۲ [5] المرقات: ۲/۶۲۲ [6] اخرجه

ترجمہ: اور حضرت نافع رحمۃ اللہ علیہ راوی ہیں کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے تھے کہ ''جو شخص اپنی پیشانی زمین پر رکھے (یعنی سجدہ کرے) تو اسے چاہئے کہ وہ اپنے دونوں ہاتھوں کو بھی زمین پر وہیں رکھے جہاں پیشانی رکھی ہے پھر جب (سجدہ سے) اٹھے تو اپنے دونوں ہاتھوں کو بھی اٹھائے کیونکہ جس طرح چہرہ سجدہ کرتا ہے اسی طرح دونوں ہاتھ بھی سجدہ کرتے ہیں۔'' (مالک)

توضیح: ''کفیہ'' نماز میں جب نمازی سجدہ میں جاتا ہے تو اس کے تمام اعضاء سجدہ میں شریک ہوجاتے ہیں تو ہاتھوں کا بھی سجدہ ہوتا ہے اسی کو بتایا جارہا ہے کہ ہاتھ جب سجدہ کرتے ہوں تو ان کو پیشانی کی اس طرح سیدھ میں رکھنا چاہئے کہ اگر کانوں سے کوئی چیز گرجائے تو وہ ہاتھوں کی پشت پر لگ جائے نہ ہاتھ بالکل پیٹ اور کندھوں کے پاس ہوں اور نہ سر سے آگے ہوں بلکہ سر درمیان میں ہو اور ہاتھ اس کے کناروں پر ہوں احناف کا مسلک یہی ہے جس طرح اس حدیث میں ہے اسی طرح رکھنا چاہئے لیکن شوافع حضرات کندھوں کے پاس رکھنے کو بہتر قرار دیتے ہیں ظاہری حدیث احناف کی دلیل ہے شوافع کے پاس صرف اس حدیث کی تاویل ہے وہ یہ کہ اس حدیث میں یہ بتایا جارہا ہے کہ جس طرح پیشانی زمین پر رکھی ہے اسی طرح کندھوں کے پاس ہاتھ بھی قبلہ رخ رکھا کرو تاکہ ان کا سجدہ بھی ہوجائے۔[1]

---

[1] المرقات: ۲/۶۲۲،۶۲۳

۱۳ ربیع الثانی ۱۴۱۰ھ

باب التشہّد

تشہد کا بیان

دوقعدوں میں بیٹھ کر جو خاص ذکر کیا جاتا ہے اس کا نام تشہد ہے شہادت کے معنی گواہی دینے کے ہیں چونکہ اس ذکر میں بطور خاص شہادتین کا بیان ہوتا ہے اس لئے اس کو تشہد کہا گیا یہاں صرف تشہد کا لفظ ہے اس عنوان کے تحت یہ بیان کیا گیا ہے کہ تشہد میں بیٹھنے کی کیفیت کیا ہوتی ہے اور شہادتین کا پڑھنا کس طرح ہے اس کے بعد الصلوٰۃ علی النبی کا عنوان ہے یہ بھی درحقیقت انہیں دوقعدوں کے اندراذکار کا بیان ہے مگر یہ درود پڑھنے سے متعلق ہے اس میں یہ بتایا گیا ہے کہ قعدتین میں حضور اکرم ﷺ پر درود کس طرح پڑھنا چاہئے اس کے بعد الدعا فی التشھد کا عنوان رکھا ہے یہ بھی درحقیقت قعدتین میں اذکار سے متعلق ہے کہ شہادت ودرود کے بعد دعا کا طریقہ کیا ہے اور دعا کس طرح ہوتی ہے یہ سلام پھیرنے تک اذکار کا بیان ہے اور پھر عنوان کے بغیر سلام کے بعد کی دعاؤں کا بیان کیا گیا ہے۔ [1]

الفصل الاول

قعدہ کا طریقہ اور اشارہ بالسّبابہ کی کیفیت

﴿۱﴾ عن ابنِ عُمَرَ قَالَ کَانَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّی اللهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ إِذَا قَعَدَ فِی التَّشَهُّدِ وَضَعَ یَدَهُ الْیُسْرٰی عَلٰی رُکْبَتِهِ الْیُسْرٰی وَوَضَعَ یَدَهُ الْیُمْنٰی عَلٰی رُکْبَتِهِ الْیُمْنٰی وَعَقَدَ ثَلَاثَةً وَّخَمْسِیْنَ وَأَشَارَ بِالسَّبَّابَةِ وَفِیْ رِوَایَةٍ کَانَ إِذَا جَلَسَ فِی الصَّلَاةِ وَضَعَ یَدَیْهِ عَلٰی رُکْبَتَیْهِ وَرَفَعَ إِصْبَعَهُ الْیُمْنٰی الَّتِیْ تَلِی الْإِبْهَامَ یَدْعُوْ بِهَا وَیَدَهُ الْیُسْرٰی عَلٰی رُکْبَتِهٖ بَاسِطَهَا عَلَیْهَا۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ) [2]

ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ سرور کائنات ﷺ جب تشہد (یعنی التحیات) میں بیٹھتے تو اپنا بایاں ہاتھ اپنے بائیں گھٹنے پر رکھتے اور اپنا داہنا ہاتھ اپنے داہنے گھٹنے پر رکھتے تھے اور اپنا (داہنا) ہاتھ مثل عدد ترپن کے بند کر کے شہادت کی انگلی سے اشارہ کرتے تھے۔

اور ایک روایت کے الفاظ یہ ہیں کہ ''جب آپ نماز (کے قعدہ) میں بیٹھتے تو دونوں ہاتھوں کو اپنے گھٹنوں پر رکھ لیتے تھے اور داہنے ہاتھ کی اس انگلی کو جو انگوٹھے کے قریب ہے (یعنی شہادت کی انگلی کو) اٹھاتے اور اس کے ساتھ دعا مانگتے (یعنی اس کو اٹھا کر اشارۂ وحدانیت کرتے) اور بایاں ہاتھ اپنے زانوں پر کھلا ہوا رکھتے۔'' (مسلم)

[1] المرقات: ۲/۴۲۳ [2] اخرجه مسلم: ۲/۹۰

توضیح: "وعقد ثلاثة وخمسين" انسانوں میں مختلف زمانوں میں مختلف انداز سے گنتی اور عدد معلوم کرنے کے مختلف طریقے رائج رہے ہیں انہیں مروجہ طریقوں میں ایک طریقہ انگلیوں کے جوڑنے توڑنے اور ملانے ہٹانے کا بھی رہا ہے جس کی طرف اس حدیث میں اشارہ کیا گیا ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے ۵۳ کے عدد کا نشان بنادیا وہ اس طرح ہے کہ مثلاً تمام انگلیوں کو بند کرلیا جائے صرف شہادت کی انگلی کھلی رہے اور انگوٹھے کے سرے کو شہادت والی انگلی کی جڑ میں رکھدیا جائے یہ ترپن کا عدد ہے اور یہی طریقہ شوافع حضرات نے اپنایا ہے جو امام شافعی کا قول جدید ہے۔[1]

احناف نے تسعین یعنی نوے کے عدد کو اختیار کیا ہے وہ اس طرح ہے کہ خنصر بنصر یعنی چنگلی اور اس کے قریب والی انگلی کو بند کیا جائے اور انگوٹھے اور درمیانی انگلی کا حلقہ بنادیا جائے اور شہادت کی انگلی سے اشارہ کیا جائے یہی طریقہ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کا بھی ہے اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا قدیم قول بھی اسی طرح ہے اور آگے مسلم کی روایت میں یہی طریقہ مذکور ہے۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ہاتھ کی ساری انگلیاں بند کرکے رکھی جائیں اور شہادت کی انگلی سے اشارہ کیا جائے یہ کل تین طریقے ہو گئے۔

بعض روایات سے چوتھا طریقہ بھی معلوم ہوتا ہے وہ اس طرح کہ تمام انگلیوں کو پھیلا کر رکھا جائے اور شہادت کے وقت شہادت کی انگلی سے اشارہ کیا جائے بعض احناف اس طریقہ پر بھی عمل کرتے ہیں۔[2]

اشارہ کا حکم:

احادیث میں وارد ان تمام طریقوں کو دیکھتے ہوئے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ نبی اکرم ﷺ کا عمل مختلف طریقوں پر رہا ہے اور مختلف اوقات میں آپ نے مختلف طریقے اختیار فرمائے ہیں یہ اضطراب فی الحدیث نہیں ہے بلکہ بیان جواز کے لئے تمام طریقوں کا نمونہ امت کے سامنے رکھا ہے تاکہ اس عمل میں وسعت آجائے اور تنگی نہ رہے اور اس طرح کئی مسائل میں ہوا ہے لہٰذا یہ اعتراض بے جا ہے کہ اشارہ کرنے کی احادیث میں اضطراب ہے اس لئے مطلقاً اشارہ نہیں کرنا چاہئے جمہور فقہاء کے اقوال واعمال کو اگر دیکھا جائے تو اشارہ کرنے کو سب نے بالاتفاق سنت قرار دیا ہے لہٰذا موقع ومحل کے مناسب جس طریقہ پر عمل کیا جائے سنت ادا ہو جائے گی۔[3]

مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کی رائے:

مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے احادیث کی تحقیق اور ظاہری اختلاف کی بنیاد پر اشارہ کا انکار کیا ہے اور فرمایا کہ اشارہ کے حکم میں احادیث میں اضطراب پایا جاتا ہے۔ اس منفرد اور شاذ رائے پر وقت کے علماء نے اور مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے اپنے بیٹے نے سخت رد کیا ہے لہٰذا جمہور فقہاء اور ائمہ احناف کا متفق علیہ مسئلہ کو چھوڑ کر حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کی رائے کو احترام کے ساتھ ان کا تفرد قرار دیکر نظر انداز کیا جائے گا اور یہ کوئی نئی بات نہیں ہے بڑی شخصیات کی بعض رائے منفرد ہو سکتی ہے ائمہ احناف میں سے امام ابوحنیفہ امام ابویوسف اور امام محمد رحمہم اللہ تعالیٰ سب اشارہ کے حکم پر متفق ہیں اور یہ

---

[1] المرقات: ۲/۶۲۳، ۶۲۴، الکاشف: ۲/۲۱۷ [2] المرقات: ۲/۶۲۳، ۶۲۴، الکاشف: ۲/۲۱۷ [3] المرقات: ۲/۶۲۳، ۶۲۴، الکاشف: ۲/۲۱۷

احناف کے متقدمین حضرات ہیں اگر چہ ماوراء النہر اور ہندوستان وافغانستان کے بعض احناف نے اشارہ کو ترک کیا ہے لیکن یہ ترک کرنا عدم جواز کی دلیل نہیں ہے حجاز مقدس اور عرب کے تمام علماء قدیماً وحدیثاً اشارہ کرنے پر متفق رہے ہیں۔
علامہ شیخ ابن ہمام رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ اشارہ کو منع کرنا روایت اور درایت دونوں کے منافی ہے۔
خلاصہ یہ کہ جب احادیث سے اشارہ ثابت ہے صحابہ رضی اللہ عنہم تابعین رحمہم اللہ تعالیٰ اس پر متفق ہیں جمہور فقہاء امت اور علماء عراق وحجاز اور ائمہ حرمین اس پر متفق ہیں تو پھر اس پر عمل کرنا ہی اولیٰ وانسب ہے۔
فقہاء احناف کی طرف فقہ کی ایک کتاب منسوب ہے جس کا نام خلاصہ کیدانی ہے اس کتاب میں اشارہ کرنے کو حرام لکھا ہے۔ اس کتاب کے مصنف کا یقینی نام اور صحیح احوال کا اب تک سراغ نہ مل سکا علماء احناف کے مشہور ومعروف علماء نے اس کتاب کے غیر معروف مؤلف پر سخت تنقید کی ہے۔ علامہ ابن ہمام رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ اگر خلاصہ کیدانی کے مصنف کے کلام میں تاویل کی گنجائش نہ ہوتی تو ہم اس شخص پر کفر کا فتویٰ لگاتے، تاویل یہ ہوسکتی ہے کہ انہوں نے **کاهل الحديث** کا لفظ استعمال کیا ہے اور اہل حدیث انگلی کو گھماتے رہتے ہیں۔
ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اگر حسن ظن نہ ہوتا تو اس شخص کے کلام میں کفر کا خطرہ نظر آتا ہے۔[1]
بہر حال اشارہ بالسبابہ کا حکم استحباب اور سنن زوائد سے کم نہیں ہے فقہاء اس کو سنت قرار دیتے ہیں موطا محمد میں امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "**بصنيع رسول الله ﷺ نأخذ وهو قول ابى حنيفه** رحمۃ اللہ علیہ" امالی ابو یوسف میں تصریح موجود ہے کہ امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ اشارہ کے قائل تھے احناف کی کتابوں میں ظاہر الروایۃ میں اشارہ کا ذکر نہیں ہے لیکن یہ مضر بھی نہیں ہے۔ زیادہ سے زیادہ یہ کہا جائیگا کہ ظاہر الراویات اشارہ سے ساکت ہیں عدم ذکر عدم جواز کی دلیل نہیں ہے۔
بہر حال اشارہ کرنے کا مقام یہ ہے کہ جب نمازی کلمہ شہادت پر پہنچے تو "لا الٰہ" نفی پر انگلی اٹھالے تاکہ نفی قولی کے ساتھ نفی عملی شامل ہوجائے شوافع وحنابلہ فرماتے ہیں کہ "الا اللہ" اثبات پر انگلی اٹھانا زیادہ بہتر ہے یہ بھی جائز ہے کہ قاعدہ پر بیٹھتے ہی آدمی دائیں ہاتھ کی انگلیاں شہادت کے لئے بند کرکے رکھے اور یہ بھی جائز ہے کہ شہادت پر پہنچتے ہی انگلیاں بند کی جائیں اور پھر اشارہ کرے اشارہ کے بعد انگلی نیچے رکھنا بھی جائز ہے اور سلام تک بلند رکھنا بھی جائز ہے ہاں حلقہ کو توڑنا صحیح نہیں ہے۔
"**يدعو بها**" اس کا مطلب یہ ہے کہ انگلی اٹھا کر توحید کا اشارہ فرماتے تھے یہی دعا ہے۔[2]
"**باسطها**" باسط اسم فاعل کا صیغہ ہے مراد یہ کہ بائیں ہاتھ گھٹنے پر پھیلائے رکھتے تھے۔[3]

---

[1] المرقات: ۲/ [2] المرقات: ۲/ ۶۲۴، ۶۲۵ الکاشف: ۲/ ۲۱۸ [3] المرقات: ۲/ ۶۲۴، ۶۲۵

التحیات کا پس منظر

﴿۲﴾ وعن عَبْدِ اللهِ بْنِ الزُّبَيْرِ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا قَعَدَ يَدْعُوْ وَضَعَ يَدَهُ الْيُمْنٰى عَلٰى فَخِذِهِ الْيُمْنٰى وَيَدَهُ الْيُسْرٰى عَلٰى فَخِذِهِ الْيُسْرٰى وَأَشَارَ بِإِصْبَعِهِ السَّبَّابَةِ وَوَضَعَ إِبْهَامَهُ عَلٰى إِصْبَعِهِ الْوُسْطٰى وَيُلْقِمُ كَفَّهُ الْيُسْرٰى رُكْبَتَهُ. (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)[۱]

ترجمہ: اور حضرت عبداللہ ابن زبیر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ سرور کائنات ﷺ جب (نماز میں التحیات پڑھنے کے لئے) بیٹھتے تو اپنے دائیں ہاتھ کو اپنی دائیں ران پر اور اپنے بائیں ہاتھ کو اپنی بائیں ران پر رکھتے اور شہادت کی انگلی سے اشارہ کرتے تھے اور اپنے انگوٹھے کو اپنی بیچ کی انگلی پر رکھتے (یعنی اس طرح حلقہ بنا لیتے تھے) اور آپ (کبھی) اپنے بائیں ہاتھ سے بایاں گھٹنا پکڑ لیتے تھے۔" (مسلم)

﴿۳﴾ وعن عَبْدِ اللهِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ كُنَّا إِذَا صَلَّيْنَا مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قُلْنَا السَّلَامُ عَلَى اللهِ قَبْلَ عِبَادِهِ السَّلَامُ عَلٰى جِبْرِيْلَ السَّلَامُ عَلٰى مِيْكَائِيْلَ السَّلَامُ عَلٰى فُلَانٍ فَلَمَّا انْصَرَفَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَقْبَلَ عَلَيْنَا بِوَجْهِهٖ قَالَ لَا تَقُوْلُوا السَّلَامُ عَلَى اللهِ فَإِنَّ اللهَ هُوَ السَّلَامُ فَإِذَا جَلَسَ أَحَدُكُمْ فِي الصَّلَاةِ فَلْيَقُلْ اَلتَّحِيَّاتُ لِلّٰهِ وَالصَّلَوَاتُ وَالطَّيِّبَاتُ السَّلَامُ عَلَيْكَ أَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللهِ وَبَرَكَاتُهُ السَّلَامُ عَلَيْنَا وَعَلٰى عِبَادِ اللهِ الصَّالِحِيْنَ فَإِنَّهُ إِذَا قَالَ ذٰلِكَ أَصَابَ كُلَّ عَبْدٍ صَالِحٍ فِي السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُوْلُهُ ثُمَّ لِيَتَخَيَّرْ مِنَ الدُّعَاءِ أَعْجَبَهُ إِلَيْهِ فَيَدْعُوْهُ. (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)[۲]

ترجمہ: اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب ہم سرور کائنات ﷺ کے ہمراہ نماز پڑھتے تو (قعدہ میں التحیات کی بجائے) یہ پڑھا کرتے تھے۔ السلام علی اللہ قبل عبادہ السلام علی جبرئیل السلام علی میکائیل السلام علی فلان. اللہ پر سلام ہے، اس کے بندوں پر سلام بھیجنے سے پہلے، جبرئیل پر سلام ہے میکائیل پر سلام ہے اور فلاں (یعنی فرشتوں میں سے کسی فرشتہ پر یا انبیاء میں سے کسی نبی پر) سلام ہے۔" چنانچہ (ایک دن) جب آنحضرت ﷺ (نماز پڑھ کر) فارغ ہوئے تو ہماری طرف متوجہ ہو کر فرمایا کہ "اللہ پر سلام" نہ کہو کیونکہ اللہ تعالیٰ (تو خود) سلام ہے (یعنی پروردگار کی ذات تمام آفات ونقصانات سے محفوظ وسالم ہے وہ بندوں کو تمام ظاہری وباطنی آفات ونقصانات سے سلامتی دیتا ہے اور چونکہ اس کے لئے اور اس کی طرف سے سلامتی ثابت ہے اس لئے سلامتی کے لئے دعا تو اس کے لئے کرنی چاہئے جس کو نقصانات

[۱] اخرجہ مسلم: ۲/۹۰ [۲] اخرجہ البخاری: ۱/۲۱۱ ومسلم: ۲/۱۴

وآفات کا خوف ہو اور جو اس کی سلامتی کا محتاج ہو، لہٰذا جب تم میں سے کوئی نماز (کے قعدہ) میں بیٹھے تو یہ کہے۔"
سب تعریفیں اور بدنی عبادتیں (یعنی نماز وغیرہ اور مالی عبادتیں (یعنی زکوٰۃ وغیرہ) اللہ ہی کے لئے ہیں۔ اے نبی تم پر سلام اور اللہ کی برکتیں۔ ہم پر بھی سلام اور اللہ کے سب نیک بندوں پر سلام۔ آپ نے فرمایا، جو شخص ان کلمات کو کہتا ہے تو اس کی برکت زمین وآسمان کے ہر نیک بندے کو پہنچتی ہے۔ (اس کے بعد آپ نے ان کلمات کو شہادتین پر ختم فرمایا جو تمام اعمال کی اصل اور خلاصہ ہے۔) چنانچہ فرمایا:
میں اس بات کی گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور گواہی دیتا ہوں کہ محمد (ﷺ) اس کے بندے اور رسول ہیں۔ (پھر فرمایا) اس کے بعد بندہ کو جو دعا اچھی لگے اسے اختیار کرے اور خدا کے سامنے دست سوال دراز کرے۔" (بخاری ومسلم)

توضیح: "**التحیات لله**" یہاں تین الفاظ ہیں اور تینوں کے معانی میں مختلف توجیہات ہیں لیکن مشہور معانی یہ ہیں کہ "**التحیات**" سے مراد عبادات قولیہ ہیں "**الصلوٰۃ**" سے عبادات بدنیہ مراد ہیں اور "**الطیبات**" سے عبادات مالیہ مراد ہیں مطلب یہ کہ میری قولی عبادات اللہ کے لئے ہیں میری بدنی عبادات بھی اللہ کے لئے ہیں اور میری مالی عبادات بھی اللہ کے لئے ہیں یعنی ہر نوع کی عبادات اسی کے لئے ہے گویا یہ اعلان ہے ﴿**ان صلوتی ونسکی ومحیای ومماتی لله رب العالمین**﴾۔

"السلام علیك ایها النبی" [1]

سوال: جب حضور اکرم ﷺ ہمارے پاس موجود نہیں ہیں تو پھر نمازی اس طرح خطاب کیوں کرتا ہے کیا اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا ہے کہ حضور اکرم ﷺ حاضر وناظر ہیں جس طرح بعض کم فہم لوگوں کا خیال ہے؟۔

جواب: حقیقت یہ ہے کہ یہ خطاب اصل میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے جو شب معراج میں آپ ﷺ کو ہوا ہے قصہ اس طرح پیش آیا کہ شب معراج میں جب حضور اکرم ﷺ کو اللہ تعالیٰ سے ہم کلامی کا شرف حاصل ہوا تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جب ایک حبیب دوسرے حبیب کے پاس جاتا ہے تو وہ کوئی تحفہ لیکر آتا ہے تم میرے لئے کیا تحفہ لائے ہو آپ نے جواب میں فرمایا "**التحیات لله الخ**" یہ جواب چونکہ بہت عظیم تھا اس کے صلہ میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا "**السلام علیك ایها النبی ورحمة الله وبرکاته**" یہ چونکہ بہت بڑا اعزاز وانعام تھا اس لئے حضور اکرم ﷺ نے اپنی امت کو اس میں شامل کر کے فرمایا "**السلام علینا وعلی عباد الله الصالحین**" یہ چونکہ امت کی بڑی ہمدردی تھی اور یہ پورا مکالمہ انتہائی مناسب تھا اس پر جبرائیل امین نے اعتراف شان نبی میں فرمایا "**اشهد ان لا اله الا الله واشهد ان محمد عبده ورسوله**" اس پورے مکالمہ کو دیکھتے ہوئے کون کہہ سکتا ہے کہ یہ خطاب ہماری طرف سے ہے درحقیقت اس مکالمہ کو ہم نقل کر رہے ہیں جو شب معراج میں اللہ تعالیٰ کے حضور میں ہوا۔ [2]

عمدۃ القاری میں بدرالدین عینی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ دراصل حضور اکرم ﷺ نے یہ کلام ان صحابہ کو سکھایا جو آپ کے سامنے تھے پھر اس کلام کو ان صحابہ رضی اللہ عنہم نے بھی لیا جو غائب تھے اور اس طرح یہ سلسلہ غائبین میں چل پڑا۔

[1] المرقات: ۲/۶۲۷ [2] المرقات: ۲/۶۲۷، ۶۲۸

اس کلام کا مطلب بھی یہ ہے کہ یہ صیغہ حاضر و ناظر عقیدہ کے تحت نہیں ہے بلکہ یہ بطور نقل و حکایت ہے۔ علامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ اور دیگر محدثین مثل کرمانی رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ نے نقل کیا ہے کہ جب حضور اکرم ﷺ کا وصال ہوا تو صحابہ کرام اس جگہ "السلام علی النبی" کہتے تھے جس میں حاضر کے ساتھ خطاب کے بجائے غائب کا خطاب ہے۔

بہر حال فقہاء اور محدثین اس جملہ کی یہ توجیہات اس لئے کررہے ہیں کہ امت مسلمہ کے ہاں حضور اکرم ﷺ کے بارے میں حاضر و ناظر کا عقیدہ رکھنا جائز نہیں ورنہ ان جوابات و توجیہات کی کیا ضرورت تھی صاف فرمادیتے کہ حضور اکرم ﷺ حاضر ناظر ہیں اس لئے یہ خطاب ہوا ہے۔

"الصالحین" اس قید کے لگانے سے وہ سارے لوگ خارج ہو گئے جو صالح نہ ہوں بلکہ غیر صالح ہوں۔ علماء فرماتے ہیں کہ صالح آدمی وہ ہے جو خالق اور مخلوق کے حقوق کو بجالاتا ہو اور دونوں کی رعایت رکھتا ہو۔[1]

کتنی بڑی خوش قسمتی ہے ان لوگوں کی جو صالح ہیں کیونکہ دنیا کے اولیاء اللہ اور حرمین شریفین کے ائمہ وفضلاء کی دعائیں ان کو مفت میں مل رہی ہیں صرف یہ کہ صالح بن جائے۔

"اللهم ارزقنا صلاحا واعطنا فلاحا"

نماز میں کونسا تشہد پڑھنا افضل ہے

﴿۴﴾ وعن عَبْدِ اللهِ بْنِ عَبَّاسٍ قَالَ كَانَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُعَلِّمُنَا التَّشَهُّدَ كَمَا يُعَلِّمُنَا السُّورَةَ مِنَ الْقُرْآنِ فَكَانَ يَقُولُ التَّحِيَّاتُ الْمُبَارَكَاتُ الصَّلَوَاتُ الطَّيِّبَاتُ لِلّٰهِ السَّلَامُ عَلَيْكَ أَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللهِ وَبَرَكَاتُهُ السَّلَامُ عَلَيْنَا وَعَلَى عِبَادِ اللهِ الصَّالِحِينَ أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّداً رَسُولُ اللهِ رَوَاهُ مُسْلِمٌ وَلَمْ أَجِدْ فِي الصَّحِيحَيْنِ وَلَا فِي الْجَمْعِ بَيْنَ الصَّحِيحَيْنِ سَلَامٌ عَلَيْكَ وَسَلَامٌ عَلَيْنَا بِغَيْرِ أَلِفٍ وَلَامٍ وَلٰكِنْ۔ (رَوَاهُ صَاحِبُ الْجَامِعِ عَنِ التِّرْمِذِيِّ)[2]

ترجمہ: اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ سرور کائنات ﷺ جس طرح ہمیں قرآن کی کوئی سورۃ سکھاتے تھے اسی طرح تشہد سکھایا کرتے تھے۔ چنانچہ کہا کرتے تھے کہ۔

تمام بابرکت تعریفیں اور تمام مالی و بدنی عبادتیں اللہ ہی کے لئے ہیں، اے نبی! تم پر سلام اور اللہ کی برکتیں و رحمتیں ہم پر بھی سلام اور اللہ کے نیک بندوں پر بھی سلام۔ اور میں اس بات کی گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور گواہی دیتا ہوں کہ محمد اللہ کے رسول ہیں۔ (مسلم)

توضیح: "یعلمنا التشهد" قعدہ اولیٰ واجب ہے اور قعدہ اخیرہ نماز میں فرض ہے ان دونوں قعدوں میں تشہد

[1] المرقات: ۲/۶۲۸ [2] اخرجه الترمذی: ۲۹۰

پڑھا جاتا ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ تشہد کے بارے میں دس روایتیں موجود ہیں جن میں مختلف تشہدات کا ذکر ہے لیکن مشہور روایتوں میں تین تشہد مشہور ہیں۔ ① تشہد ابن مسعود رضی اللہ عنہ ② تشہد ابن عباس رضی اللہ عنہ ③ تشہد عمر فاروق رضی اللہ عنہ۔ چونکہ تشہد میں اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کو بہتر سے بہتر انداز میں ثابت کرنا مقصود ہوتا ہے تو صحابہ نے مختلف الفاظ میں اس کو پیش کیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ تمام علماء کا اتفاق ہے کہ صحابہ کے دور میں مختلف تشہد پڑھے جاتے تھے اور دسیوں صحابہ کے الگ الگ تشہد تھے یہ سب جائز ہیں جواز وعدم جواز میں اختلاف نہیں البتہ افضل غیر افضل اور اولیٰ غیر اولیٰ میں اختلاف آیا ہے بات صرف ترجیحات کی ہے۔ [1]

فقہاء کا اختلاف:

جیسا کہ لکھا گیا ہے کہ تین تشہد مشہور ہیں تشہد ابن مسعود، تشہد ابن عباس اور تشہد عمر فاروق رضی اللہ عنہم اب ان میں سے کونسا افضل ہے اور کس کو ترجیح ہے اس میں فقہاء کا اختلاف ہے امام شافعی رحمہ اللہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے تشہد کو افضل کہا ہے اور اس کو ترجیح دی ہے امام مالک رحمہ اللہ نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے تشہد کو ترجیح دی ہے جو موطاء مالک میں ہے اس تشہد کے صیغے تشہد ابن عباس کی طرح ہیں امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے تشہد کو ترجیح دی ہے حنابلہ بھی احناف کے ساتھ ہیں۔ [2]

وجوہ ترجیح:

ائمہ احناف اور حنابلہ نے عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے تشہد کو کئی وجوہات کی بناء پر ترجیح دی ہے۔

❶ وجہ اول امام ترمذی نے اعتراف کیا ہے کہ تشہد کے بارے میں جمہور صحابہ وتابعین کا عمل حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے تشہد کے مطابق ہے اور یہ حدیث اپنے مطلب میں سب سے زیادہ اصح اور اوضح ہے۔

❷ تشہد ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے الفاظ کے نقل کرنے پر تمام ائمہ حدیث کا توافق واتفاق ہے۔

❸ لوگوں کی تعلیم کی غرض سے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے منبر نبوی پر یہی تشہد پڑھ کر سنایا ہے۔

❹ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے تشہد میں تجدد عمل ہے کیونکہ اس میں دو دفعہ واو کے ساتھ کلام کو ذکر کیا گیا ہے یعنی **التحیات للہ والصلوٰۃ للہ والطیبات للہ** اس کے برعکس دوسرے کسی تشہد میں عطف نہیں بلکہ ایک ہی جملہ ہے جو صفات کے ساتھ مذکور ہے۔

یہاں ایک دلچسپ قصہ علماء نے لکھا ہے کہ ایک دیہاتی حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے پاس آیا اور سوال کیا کہ "**بِوَاوٍ اَوْ بِوَاوَیْنِ**" امام صاحب نے جواب میں فرمایا کہ "بواوین"۔ "**فقال بارك الله فيك كما بارك في لا ولا ثم ولّى**" حاضرین مجلس اس گفتگو کو نہ سمجھ سکے اور امام صاحب سے پوچھنے لگے کہ اس دیہاتی نے کیا پوچھا اور آپ نے کیا جواب دیا ہمیں تو کچھ بھی سمجھ میں نہیں آیا۔

---

[1] المرقات: ۲/۶۳۰ الکاشف: ۲/۲۲۲ [2] المرقات: ۲/۶۳۰ الکاشف: ۲/۲۲۲

امام صاحب نے فرمایا کہ اس نے پوچھا کہ میں کونسا تشہد پڑھوں آیا وہ پڑھوں جس میں ایک واو ہے یا وہ پڑھوں جس میں دو واو ہیں، میں نے ان کو جواب دیا کہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ والا تشہد پڑھو جس میں دو واو ہیں اس پر اس نے دعا دی کہ اللہ تعالیٰ تجھے درخت زیتون کی طرح مبارک کرے جو نہ شرقی ہے نہ غربی اس میں اس آیت کی طرف اشارہ ہے ﴿من شجرة مبارکة زیتونة لاشرقیة ولاغربیة﴾[1]

❺ حضور اکرم ﷺ نے خود اپنی مبارک زبان سے ابن مسعود رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ اس تشہد کی تعلیم آگے امت کو دیدیا کرو بلکہ حضور اکرم ﷺ نے بڑے اہتمام سے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا ہاتھ پکڑ کر یہ تشہد سمجھا دیا چنانچہ یہ حدیث "مسلسل باخذ الید" کے نام سے مشہور ہے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے اپنے شاگرد کا ہاتھ پکڑ کر سکھا دیا یہاں تک کہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے استاد حماد رحمۃ اللہ علیہ نے امام صاحب کا ہاتھ پکڑ کر اس تشہد کی تعلیم دی۔

❻ میرے خیال میں عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے تشہد کی سب سے بڑی وجہ ترجیح حدیث معراج ہے جہاں حضور اکرم ﷺ نے اللہ تعالیٰ کے سامنے خود وہی کلمات ادا فرمائے ہیں جو عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہیں۔

بہرحال یہ اولیٰ اور غیر اولیٰ کا مسئلہ ہے ہر ایک کے پاس ترجیحات کی وجوہات موجود ہیں۔

پسند اپنی اپنی نصیب اپنا اپنا

الفصل الثانی

شہادت میں انگلی اٹھانے کے بعد گھمانا کیسا ہے؟

﴿۵﴾ عن وَائِلِ بْنِ حُجْرٍ عَنْ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ ثُمَّ جَلَسَ فَافْتَرَشَ رِجْلَهُ الْيُسْرٰى وَوَضَعَ يَدَهُ الْيُسْرٰى عَلٰى فَخِذِهِ الْيُسْرٰى وَحَدَّ مِرْفَقَهُ الْيُمْنٰى عَلٰى فَخِذِهِ الْيُمْنٰى وَقَبَضَ ثِنْتَيْنِ وَحَلَّقَ حَلْقَةً ثُمَّ رَفَعَ اِصْبَعَهُ فَرَأَيْتُهُ يُحَرِّكُهَا يَدْعُوْ بِهَا. (رَوَاهُ اَبُوْدَاوٗدَ وَالدَّارِمِيُّ)[2]

ترجمہ: حضرت وائل بن حجر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ "پھر سرور کائنات ﷺ (سجدہ سے سر اٹھا کر اس طرح) بیٹھے (کہ) اپنا بایاں پیر تو بچھا لیا اور بایاں ہاتھ بائیں ران پر رکھا اور دائیں ران پر دائیں کہنی الگ رکھی (یعنی کہنی کو ران پر رکھتے وقت اسے پہلو سے نہیں ملایا) اور دونوں انگلیاں (یعنی چھنگلیا اور اس کے قریب والی انگلی) بند کر کے (حنفیہ کے مسلک کے مطابق درمیان کی انگلی اور انگوٹھے کا) حلقہ بنایا پھر آپ نے شہادت کی انگلی اٹھائی اور میں نے دیکھا کہ آپ اس انگلی کو حرکت دیتے تھے اور اس سے اشارہ (توحید) کرتے تھے۔" (ابوداؤد۔ داری)

توضیح: "وقبض ثنتین" دو انگلیوں کو بند کیا اس سے مراد چھنگلیا اور اس کے قریب کی انگلی ہے جنہیں خنصر اور بنصر کہتے ہیں۔[3]

[1] سورۃ النور: الآیہ: ۳۴ [2] اخرجہ ابوداؤد: ۷۲۶،۹۵۷،۷۲۸ والدارمی: ۱۳۶۴ [3] المرقات: ۲/۶۳۳

"وحلق حلقة" یعنی وسطیٰ اور انگوٹھے کے سروں کو ملا کر حلقہ بنا دیا یہی طریقہ ائمہ احناف کے ہاں راجح ہے اور یہی عدد تسعین ہے اور یہی حدیث احناف کی دلیل ہے شوافع حضرات نے اس سے پہلے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث نمبر ا سے استدلال کیا ہے جس میں ترپین کا عدد بتایا گیا ہے۔[1]

یہ بات یاد رکھنی چاہئے کہ اہل حساب کے ہاں انگلیوں کے اشاروں اور رکھنے سے خاص عدد کی طرف اشارے ہوتے ہیں اکائیوں کے لئے الگ اشارہ دہائی کے لئے الگ اشارہ ہوتا ہے سینکڑہ کے لئے الگ اشارہ ہوتا ہے اور ہزار کے کے لئے الگ اشارہ ہوتا ہے یا اس فن کو سب سے اچھے طریقے سے ''تقریرات رافعی'' میں بیان کیا گیا ہے جس کی لمبی تفصیلات ہیں بہرحال انگلی اٹھانے کے بعد اس کو گھمانے میں اختلاف ہے۔

فقہاء کا اختلاف:

"یحر کھا" اس لفظ سے امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے استدلال کیا ہے وہ فرماتے ہیں کہ جب آدمی تشہد میں شہادت کی انگلی اٹھاتا ہے تو پھر اس کو حرکت میں رکھنا چاہئے یہاں تک کہ سلام پھیر دے۔[2]

جمہور فقہاء فرماتے ہیں کہ انگلی اٹھانے کے بعد اسکو گھمانا نہیں چاہئے یا بلند رکھے یا نیچے کر کے ران پر رکھے گھمانا نہیں چاہئے۔

دلائل:

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے زیر بحث حضرت وائل بن حجر رضی اللہ عنہ کی روایت سے استدلال کیا ہے جس میں "یحر کھا" کے الفاظ ہیں۔

ائمہ احناف اور جمہور نے اس کے ساتھ والی حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کی روایت سے استدلال کیا ہے جس میں **لایحر کھا** کے الفاظ آئے ہیں۔

تطبیق:

ان دونوں روایتوں میں ایک تطبیق علماء نے پیش کی ہے جس سے دونوں روایتوں کا تعارض بھی ختم ہو جاتا ہے اور وائل بن حجر رضی اللہ عنہ کی روایت کا جواب بھی ہو جاتا ہے اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا مستدل بھی نہیں رہتا ہے۔

تطبیق اس طرح ہے کہ وائل بن حجر رضی اللہ عنہ کی روایت میں "یحر کھا" کا مطلب یہ نہیں ہے کہ انگلی اٹھا کر گھما کر حرکت دیتے تھے بلکہ مطلب یہ ہے کہ اشارہ کرنے کے لئے جب انگلی اٹھاتے تھے اسی اٹھانے کو یحر کھا سے تعبیر کیا ہے۔

امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے وائل بن حجر کی اس روایت کو جب سنن بیہقی میں نقل فرمایا تو اس کے بعد وائل بن حجر اور عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ دونوں کی روایتوں میں تطبیق دینے کے لئے یوں ارشاد فرمایا۔

"فیحتمل ان یکون المراد بالتحریك "الاشارة بها" لاتکریر تحریکها فیکون موافقا لروایة ابن الزبیر" (بیہقی ج ۲ ص ۱۳۲)

---

[1] المرقات: ۲/۶۳۲ [2] المرقات: ۲/۶۳۲

ترجمہ: اس میں یہ احتمال ہے کہ انگلی گھمانے سے مراد اشارہ کرنا ہو گھمانا نہ ہو تو وائل بن حجر اور ابن زبیر کی روایتیں آپس میں موافق ہو جائیں گی۔

اشارہ کے وقت انگلی کو گھمانا نہیں چاہئے

﴿۶﴾ وعن عَبْدِاللهِ بْنِ الزُّبَيْرِ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُشِيْرُ بِإِصْبَعِهِ إِذَا دَعَا وَلَا يُحَرِّكُهَا۔ (رَوَاهُ أَبُوْدَاوُدَ وَالنَّسَائِيُّ وَزَادَ أَبُوْدَاوُدَ وَلَا يُجَاوِزُ بَصَرُهُ إِشَارَتَهُ.)[۱]

ترجمہ: اور حضرت عبداللہ ابن زبیر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ سرور کائنات ﷺ جب (قعدہ میں) دعا کرتے (یعنی کلمۂ شہادت پڑھتے تھے) تو اپنی انگلی سے اشارہ کرتے تھے لیکن اس کو ہلاتے نہ تھے۔ (ابوداؤد، نسائی)

اور ابوداؤد نے یہ الفاظ بھی نقل کئے ہیں کہ ''اور آپ کی نظر اشارہ (کی انگلی) سے تجاوز نہ کرتی تھی۔''

توضیح: ''لایحرکھا'' یہ حدیث واضح دلیل ہے کہ تحریک السبابہ کا ذکر جو اس سے پہلے حدیث میں آیا ہے وہ یا مئول ہے یا موقوف ہے اور عدم تحریک صراحت کے ساتھ ثابت ہے اور یہ حدیث امام مالک رحمۃ اللہ علیہ پر حجت ہے۔[۲]

''لایجاوز بصرہ اشارتہ'' اس عبارت کا ایک مطلب یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ کی نگاہ آپ کے اشارہ بالسبابہ سے آگے تجاوز نہیں کرتی تھی بلکہ قعدہ کے وقت آپ کی نگاہ سامنے ہی رہتی تھی۔ دوسرا مطلب یہ ہے کہ آپ کی نگاہ اشارہ بالسبابہ پر لگی رہتی تھی تا کہ مضمون توحید کو خوب دل و دماغ میں جذب فرمالیں عام شارحین نے یہی دوسرا معنی لیا ہے۔ تیسرا مطلب یہ ہے کہ آپ کی نگاہ اس وقت آسمان کی طرف نہیں جاتی تھی جس سے یہ تاثر ملتا ہو کہ آپ ﷺ انگلی سے اشارہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ آسمانوں میں ہے جس سے جہت کا احتمال پیدا ہوتا ہے جو تجسم کو مستلزم ہے اور اس کے ساتھ حدوث لازم ہے جس سے اللہ تعالیٰ پاک ہے۔[۳]

اشارہ ایک انگلی سے کرنا چاہئے

﴿۷﴾ وعن أَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ إِنَّ رَجُلًا كَانَ يَدْعُوْ بِإِصْبَعَيْهِ فَقَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَحِّدْ أَحِّدْ۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَالنَّسَائِيُّ وَالْبَيْهَقِيُّ فِي الدَّعَوَاتِ الْكَبِيْرِ)[۴]

ترجمہ: اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک شخص تشہد میں (شہادت کی) دونوں انگلیوں سے اشارہ کرتے تھے چنانچہ سرور کائنات ﷺ نے اس سے فرمایا کہ ''ایک انگلی سے اشارہ کرو۔ ایک ہی انگلی سے اشارہ کرو۔'' (ترمذی، نسائی، بیہقی)

توضیح: ''احِّد احِّد'' ابوداؤد اور نسائی کی روایت میں یہ وضاحت موجود ہے کہ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ

[۱] اخرجہ ابوداؤد: ۹۸۹ والنسائی: ۳/۳۷ [۲] المرقات: ۲/۶۳۳ [۳] المرقات: ۲/۶۳۳ [۴] اخرجہ الترمذی: ۳۵۵۷ والنسائی: ۳/۳۸

قعدہ میں کلمہ شہادت کے دوران دونوں ہاتھوں کی شہادت کی انگلیوں سے اشارہ فرماتے تھے شاید خیال یہ ہوگا کہ اس سے توحید کے اثبات میں اضافہ ہو جائے گا حضور اکرم ﷺ نے جب دیکھا تو ان کو اس عمل سے منع فرما دیا اور حکم دیا کہ ایک انگلی یعنی وحدانیت کے اثبات کے لئے ایک انگلی سے اشارہ کرو۔ [۱]

قعدہ میں بیٹھنے کا صحیح طریقہ

﴿۸﴾ وعن ابنِ عُمَرَ قَالَ نَهٰى رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ يَّجْلِسَ الرَّجُلُ فِي الصَّلَاةِ وَهُوَ مُعْتَمِدٌ عَلٰى يَدِهٖ۔ (رَوَاهُ أَحْمَدُ وَأَبُوْدَاوُدَ وَفِيْ رِوَايَةٍ لَّهٗ نَهٰى أَنْ يَّعْتَمِدَ الرَّجُلُ عَلٰى يَدَيْهِ إِذَا نَهَضَ فِي الصَّلَاةِ) [۲]

ترجمہ: اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ سرور کائنات ﷺ نے اس سے منع فرمایا ہے کہ کوئی شخص نماز میں اپنے ہاتھ پر ٹیک لگا کر بیٹھے۔" (احمد، ابوداؤد)

اور ابوداؤد کی ایک روایت کے الفاظ یہ بھی ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے اس سے بھی منع فرمایا ہے کہ کوئی شخص نماز میں اٹھتے ہوئے ہاتھوں پر سہارا دے۔

توضیح: "وھو معتمد" اس کا مطلب یہ ہے کہ جب آدمی قعدہ میں بیٹھتا ہے تو اس کو اپنے ہاتھ زمین پر ٹیکنا نہیں چاہئیں بلکہ دونوں ہاتھ رانوں پر اس طرح رکھے کہ انگلیوں کے سرے گھٹنوں کے اوپر آجائیں زمین پر ٹیکنے سے حضور اکرم ﷺ نے منع فرمایا ہے۔ دوسری بات اس حدیث میں یہ بیان کی گئی ہے کہ آدمی جب سجدہ وغیرہ سے اٹھتا ہے تو اس کو چاہئے کہ زمین پر ٹیک نہ لگائے اس سے بھی حضور اکرم ﷺ نے منع فرما دیا ہے۔ [۳]

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا مسلک یہی ہے کہ قیام کی طرف اٹھتے وقت زمین پر ہاتھوں سے ٹیک نہیں لگانا چاہئے ہاں اگر کسی کو عذر ہے تو شرعاً صاحب عذر معذور ہے وہ جو کچھ کرے مجبور ہے۔ [۴]

امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ بغیر عذر اگر کوئی آدمی ٹیک لگا کر اٹھنا چاہتا ہے تو اٹھ سکتا ہے شوافع حضرات نے جلسہ استراحت اور اس ٹیک لگانے کے لئے باب صفۃ الصلوٰۃ کی حدیث نمبر ۷ سے استدلال کیا ہے احناف کی دلیل زیر نظر حدیث ہے اور ساتھ والی حدیث نمبر ۹ بھی ان کی دلیل ہے اس مسئلہ کی پوری تفصیل اسی حدیث نمبر ۷ کی توضیح وتشریح میں ہو چکی ہے یہ بات یاد رکھنے کے قابل ہے کہ یہ بحث اس وقت ہے جب کوئی معذور نہ ہو اگر کوئی شخص معذور ہے تو معذور مجبور ہے اس کے لئے ممانعت نہیں ہے۔ [۵]

﴿۹﴾ وعن عَبْدِ اللهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الرَّكْعَتَيْنِ الْأُوْلَيَيْنِ كَأَنَّهٗ

[۱] المرقات: ۲/۶۲۲ [۲] اخرجه احمد: ۲/۳۱۷ وابوداؤد: ۹۹۲ [۳] المرقات: ۲/۶۲۲
[۴] المرقات: ۲/۶۲۲، ۶۲۵ [۵] المرقات: ۲/۶۲۲، ۶۲۵

عَلَى الرَّضْفِ حَتّٰى يَقُوْمَ۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَأَبُوْدَاوُدَ وَالنَّسَائِيُّ)[1]

ترجمہ: اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ سرور کائنات ﷺ پہلی دو رکعتوں (یعنی پہلے قعدہ) میں (تشہد کے لئے اس قدر بیٹھتے تھے) تھے گویا آپ گرم پتھر پر بیٹھے ہیں اور (جلد ہی) کھڑے ہو جاتے تھے۔ (ترمذی، ابوداؤد، نسائی)

الفصل الثالث

﴿۱۰﴾ عن جَابِرٍ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُعَلِّمُنَا التَّشَهُّدَ كَمَا يُعَلِّمُنَا السُّوْرَةَ مِنَ الْقُرْآنِ بِسْمِ اللهِ وَبِاللهِ اَلتَّحِيَّاتُ لِلّٰهِ الصَّلَوَاتُ الطَّيِّبَاتُ السَّلَامُ عَلَيْكَ أَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللهِ وَبَرَكَاتُهُ السَّلَامُ عَلَيْنَا وَعَلٰى عِبَادِ اللهِ الصَّالِحِيْنَ أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّداً عَبْدُهُ وَرَسُوْلُهُ أَسْأَلُ اللهَ الْجَنَّةَ وَأَعُوْذُ بِاللهِ مِنَ النَّارِ۔ (رَوَاهُ النَّسَائِيُّ)[2]

ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ سرور کائنات ﷺ ہمیں جس طرح قرآن کی کوئی سورت سکھاتے تھے اسی طرح تشہد بھی سکھاتے تھے (یعنی جس طرح باعتبار قرأت قرآن کے الفاظ مختلف ہیں۔ اسی طرح تشہد کے الفاظ بھی مختلف ہیں چنانچہ اس روایت میں تشہد کے الفاظ اس طرح مذکور ہیں جس کا ترجمہ یہ ہے۔

یعنی اللہ کے نام اور اللہ کی توفیق کے ساتھ شروع کرتا ہوں اور تمام تعریفیں اور تمام مالی و بدنی عبادتیں اللہ ہی کے لئے ہیں۔ اے نبی تم پر سلام اور اللہ کی برکتیں ورحمتیں! اور ہم پر اور اللہ کے نیک بندوں پر بھی سلام، اور میں اس بات کی گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور گواہی دیتا ہوں کہ محمد اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔ میں خدا سے جنت کی درخواست کرتا ہوں اور دوزخ سے خدا کی پناہ چاہتا ہوں۔"

شہادت کی انگلی اٹھانے سے شیطان جلتا ہے

﴿۱۱﴾ وعن نَافِعٍ قَالَ كَانَ عَبْدُ اللهِ بْنِ عُمَرَ إِذَا جَلَسَ فِي الصَّلَاةِ وَضَعَ يَدَيْهِ عَلٰى رُكْبَتَيْهِ وَأَشَارَ بِإِصْبَعِهِ وَأَتْبَعَهَا بَصَرَهُ ثُمَّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَهِيَ أَشَدُّ عَلَى الشَّيْطَانِ مِنَ الْحَدِيْدِ يَعْنِي السَّبَّابَةَ۔ (رَوَاهُ أَحْمَدُ)[3]

ترجمہ: اور حضرت نافع رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما جب نماز (یعنی قعدہ) میں بیٹھتے تو اپنے دونوں ہاتھ اپنے دونوں گھٹنوں پر رکھتے تھے اور (شہادت کی) انگلی سے اشارہ (وحدانیت) فرماتے اور نظر انگلی پر رکھتے تھے اور کہتے تھے کہ

[1] اخرجه الترمذی: ۳۶۶ وابوداؤد: ۹۹۵ والنسائی: ۲/۲۳۰ [2] اخرجه النسائی: ۲/۲۴۳، ۳/۴۳ [3] اخرجه احمد: ۲/۱۱۹

رحمت عالم ﷺ نے فرمایا "یہ (شہادت کی انگلی) شیطان پر لوہے سے زیادہ سخت ہے"۔ یعنی شہادت کی انگلی سے اشارہ وحدانیت کرنا شیطان پر نیزہ وغیرہ پھینکنے سے زیادہ سخت ہے۔ (احمد)

﴿۱۲﴾ وعن ابْنِ مَسْعُوْدٍ كَانَ يَقُوْلُ مِنَ السُّنَّةِ إِخْفَاءُ التَّشَهُّدِ.

(رَوَاهُ أَبُوْدَاوُدَ وَالتِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ حَسَنٌ غَرِيْبٌ)[1]

ترجمہ: اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ "تشہد (یعنی التحیات) آہستہ آواز سے پڑھنا سنت ہے۔" (ابوداؤد، ترمذی) اور ترمذی نے کہا ہے کہ یہ حدیث غریب ہے۔

توضیح: صحابی جب من السنة کہتا ہے تو اس کا وہ قول قال رسول الله ﷺ کی طرح مرفوع حدیث بن جاتا ہے۔

[1] اخرجه ابوداؤد: ۹۸۶ والترمذی: ۲۹۱

باب الصلاة على النبي صلى الله عليه وسلم وفضلها

حضور اکرم ﷺ پر درود پڑھنے کی فضیلت

قال الله تعالیٰ ﴿ان الله وملائکته یصلون علی النبی یاایها الذین امنوا صلوا علیه وسلموا تسلیما﴾ [1]

سلموا یا قوم بل صلوا علی صدر الامین مصطفیٰ ماجاء الارحمة للعالمین

صلوٰۃ: لغت میں دعا، استغفار، رحمت اور حسن الثناء کو کہتے ہیں۔ [2]

صلوٰۃ کی نسبت اگر اللہ تعالیٰ کی طرف ہو جائے تو اس سے رحمت کاملہ کا نزول مراد ہوتا ہے۔ اگر اس کی نسبت فرشتوں کی طرف کی جائے تو استغفار مراد لیا جاتا ہے اور اگر اس کی نسبت انسانوں اور جنات کی طرف کی جائے تو اس سے دعا مراد ہوتی ہے اور اگر اس کی نسبت وحوش وطیور کی طرف کی جائے تو اس سے تسبیح وتہلیل مراد لیا جائے گا۔ [3]

پوری عمر میں ایک بار درود کا پڑھنا ہر مسلمان پر فرض ہے قرآن کی مندرجہ بالا آیت اس پر دال ہے۔

ہر مجلس میں جب آپ ﷺ کا نام پہلی بار لیا جائے تو ایک بار درود پڑھنا واجب ہے دوبارہ لیا جائے تو درود پڑھنا مستحب وسنت ہے۔ رسول اللہ ﷺ پر درود وسلام پڑھنا مقصود بالذات ہے اور بالتبع دوسرے انبیاء وآل واصحاب پر پڑھنا جائز ہے مستقل طور پر کسی دوسرے شخص پر صلوٰۃ وسلام جائز نہیں۔ بلکہ بعض محققین نے صلوٰۃ کو حضور اکرم ﷺ کی خصوصیات میں شمار کیا ہے اور سلام تمام انبیاء کرام کے لئے عام قرار دیا ہے ہاں بالتبع صلوٰۃ دیگر انبیاء پر بھی پڑھا جا سکتا ہے۔ [4]

رضی اللہ عنہ" کا لفظ چونکہ اخبار بالرضاء ہے اس لئے صحابہ کے علاوہ کسی اور کے لئے جائز نہیں ہے صحابہ کیساتھ خاص ہے بعض متقدمین علماء "رضی اللہ عنہ" کے لفظ کو غیر صحابی کے لئے بھی جائز مانتے ہیں اس لئے بعض مقامات میں غیر صحابی کے لئے لفظ رضی اللہ عنہ استعمال کیا گیا ہے۔ [5]

"رحمۃ اللہ علیہ" کا لفظ اولیاء اللہ اور علماء کے لئے استعمال کیا جاتا ہے البتہ بالتبع رضی اللہ عنہ اور رحمۃ اللہ غیر صحابی اور غیر ولی کے لئے بولا جاتا ہے۔ [6]

لمعات شرح مشکوٰۃ ج ۳ ص ۱۸۸ پر شیخ عبدالحق رحمہ اللہ کے کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ صلوٰۃ وسلام سے اگر صرف دعا مراد لیجائے یعنی اس کا لغوی معنی مراد لیا جائے تو پھر انبیاء کے علاوہ دوسروں کے لئے بھی بولا جا سکتا ہے جیسے حضور اکرم ﷺ نے "اللهم صل علی آل ابی اوفی" اور "اللهم صل علی عمرو بن العاص" پڑھا یہ سب دعا اور رحمت کے طور پر تھا درود کے طور پر نہیں" یہی صورت حال لفظ رضی اللہ عنہ کی بھی ہے۔ [7]

---

[1] احزاب: الآیہ: ۵۶ [2] .... [3] اشعة اللمعات: ۱/۴۲۲ [4] اشعة اللمعات: ۱/۴۲۲

[5] اشعة اللمعات: ۱/۴۲۲ [6] اشعة اللمعات: ۱/۴۲۲ [7] الکاشف: ۲/۳۲۱ [8] اشعة اللمعات: ۱/۴۲۳

التحیات میں درود پڑھنا فرض ہے یا سنت؟

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ التحیات میں بھی درود پڑھنا فرض ہے اور تشہد کے بعد قبل السلام بھی پڑھنا فرض ہے لیکن اس مسئلہ میں امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ کوئی نہیں ہے بلکہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا یہ قول شاذ ہے۔
امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا معتمد قول یہ ہے کہ اگر کوئی شخص کسی مجلس میں حضور اکرم ﷺ کا مبارک نام سنے تو ایک بار درود پڑھنا واجب ہے اس کے بعد درود پڑھنا مستحب ہے اور التحیات اور تشہد کے بعد درود پڑھنا سنت ہے یہی جمہور کا مسلک ہے۔ البتہ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کا ایک قول امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ بھی ہے۔ شوافع حضرات نے قرآن کریم کی درود والی آیت سے بھی استدلال کیا ہے اور احادیث میں درود کے جو فضائل مذکور ہیں اس سے بھی استدلال کیا ہے لیکن یہ استدلال واضح نہیں ہے آیت میں مطلق درود کا ذکر ہے نماز کے ساتھ خاص نہیں نہ ہر مرتبہ پڑھنے کی بات ہے اور احادیث میں درود کی فضیلت کا بیان ہے درود پڑھنے کی ترغیب ہے یہ فرضیت کی دلیل نہیں ہے حضور اکرم ﷺ نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے صرف تشہد پڑھنے پر فرمایا کہ "**اذا قلت هذا او فعلت هذا فقد تمت صلوته**" یہاں درود پڑھے بغیر صرف تشہد تک پڑھنے یا اس مقدار تک بیٹھنے پر نماز کو مکمل اور جائز قرار دیا گیا ہے یہ دلیل ہے کہ یہاں درود فرض نہیں ہے ہاں عمر میں ایک بار پڑھنا فرض ہے اور خصوصی طور پر تشہد کے بعد قبل السلام سنت مؤکدہ ہے۔ [1]

الفصل الاول

التحیات میں درود پڑھنے کا طریقہ

﴿۱﴾ عن عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ أَبِي لَيْلٰى قَالَ لَقِيَنِي كَعْبُ بْنُ عُجْرَةَ فَقَالَ أَلَا أُهْدِي لَكَ هَدِيَّةً سَمِعْتُهَا مِنَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقُلْتُ بَلٰى فَأَهْدِهَا لِي فَقَالَ سَأَلْنَا رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقُلْنَا يَا رَسُوْلَ اللهِ كَيْفَ الصَّلَاةُ عَلَيْكُمْ أَهْلَ الْبَيْتِ فَإِنَّ اللهَ قَدْ عَلَّمَنَا كَيْفَ نُسَلِّمُ عَلَيْكَ قَالَ قُوْلُوْا اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَعَلٰى آلِ مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰى إِبْرَاهِيْمَ وَعَلٰى آلِ إِبْرَاهِيْمَ إِنَّكَ حَمِيْدٌ مَجِيْدٌ اَللّٰهُمَّ بَارِكْ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَعَلٰى آلِ مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكْتَ عَلٰى إِبْرَاهِيْمَ وَعَلٰى آلِ إِبْرَاهِيْمَ إِنَّكَ حَمِيْدٌ مَجِيْدٌ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ إِلَّا أَنَّ مُسْلِمًا لَمْ يَذْكُرْ عَلٰى إِبْرَاهِيْمَ فِي الْمَوْضِعَيْنِ) [2]

ترجمہ: حضرت عبدالرحمن بن ابی لیلی رحمۃ اللہ علیہ (تابعی) فرماتے ہیں کہ حضرت کعب ابن عجرہ (صحابی) رضی اللہ عنہ سے میری ملاقات ہوئی تو انہوں نے فرمایا کہ میں تمہیں وہ چیز بطور ہدیہ پیش نہ کروں جسے میں نے رحمت عالم ﷺ سے سنا ہے؟ میں نے

[1] الکاشف: ۲/۲۳۰ [2] المرقات: ۳/۵ اخرجه البخاری: ۴/۱۸۸، ۶/۱۵۱، ۸/۹۵ ومسلم: ۲/۱۶

عرض کیا "جی ہاں! مجھے وہ ہدیہ ضرور عنایت فرمائیے۔" انہوں نے فرمایا کہ "ہم (چند صحابہ) نے آنحضرت ﷺ سے سوال کیا کہ یا رسول اللہ! آپ اور اہل بیت پر ہم درود کس طرح بھیجیں؟ اس لئے کہ اللہ رب العزت نے ہمیں آپ پر سلامتی بھیجنے کا طریقہ بتادیا (لیکن درود کا نہیں) آپ نے فرمایا اس طرح کہو!

اے اللہ! محمد پر اور آل محمد پر رحمت نازل کر جیسا کہ تو نے ابراہیم اور آل ابراہیم پر رحمت نازل فرمائی بیشک تو بزرگ و برتر ہے۔

اے اللہ! محمد اور آل محمد پر برکت نازل کر جیسا کہ تو نے ابراہیم اور آل ابراہیم پر برکت نازل کی، بیشک تو بزرگ و برتر ہے۔

(بخاری و مسلم)

توضیح: "کیف نسلم" یعنی التحیات میں:

"السلام علیك ایها النبی ورحمة الله وبرکاته"

کے الفاظ کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے سلام پڑھنے کا طریقہ بتادیا یعنی معراج میں اللہ تعالیٰ نے حضور اکرم ﷺ پر خود سلام پڑھا اب صلوٰۃ کا طریقہ آپ بتادیجئے کیونکہ قرآن میں صلوٰۃ و سلام دونوں کے پڑھنے کا حکم ہے اس پر حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کہ درود ابراہیمی پڑھا کرو۔ علما لکھتے ہیں کہ تمام درودوں میں افضل درود وہی ہے جو نماز میں درود ابراہیمی پڑھا جاتا ہے جس کے پڑھنے سے بریلوی حضرات تقریباً محروم ہیں۔[1]

آل محمد ﷺ کون ہیں

"آل" اہل وعیال کو کہتے ہیں اور تابعدار کو بھی ال کہتے ہیں چنانچہ ال کے تعین میں علماء کرام کے مختلف اقوال ہیں بعض علماء نے آل محمد سے صرف آپ کے اہل وعیال مراد لیا ہے۔ بعض حضرات فرماتے ہیں کہ آل محمد سے تابعدار و فرمانبردار لوگ مراد ہیں اور ہر مؤمن متقی آپ ﷺ کی ال ہیں۔ بعض حضرات فرماتے ہیں کہ آل محمد سے وہ اہل بیت مراد ہیں جن کے لئے صدقہ لینا حرام ہے۔[2]

فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضور اکرم ﷺ کی ازواج مطہرات اور آپ کی اولاد اہل بیت میں شامل ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ ازواج مطہرات اہل بیت کے پہلے مفہوم میں شامل ہیں اس کے بعد دوسرے لوگ اس میں شامل کئے گئے ہیں ازواج مطہرات خود بخود اہل بیت ہیں۔

"**علی ابراهیم**" حدیث میں درود کے ساتھ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی تخصیص کی گئی ہے اسکی ایک وجہ تو یہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام علی الاطلاق جد الانبیاء ہیں دوسری وجہ یہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام آنحضرت ﷺ کے بالخصوص جد امجد ہیں اور تیسری وجہ یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ کی شریعت محمدی اصولی طور پر دین ابراہیمی کے تابع ہے چنانچہ اہل مکہ اپنے آپ کو ابراہیمی کہتے تھے اور کچھ قابل غور عبادات میں ان کی پیروی کرتے تھے۔[3]

---

[1] الکاشف: ۲/۱۲۹ المرقات: ۳/۶ [2] الکاشف: ۲/۱۳۰ المرقات: ۳/۶،۷ [3] المرقات: ۳/۷

کما صلّیت کی بحث

سوال: یہاں علماء میں یہ بحث چلی ہے کہ تشبیہ کا قاعدہ یہ ہے کہ ادنی کی تشبیہ اعلیٰ کے ساتھ دی جاتی ہے تا کہ ادنی مشبہ کو کامل مشبہ بہ کے ساتھ ملایا جائے اگر یہ قاعدہ یہاں درود میں مان لیا جائے تو اس سے اسلام کا وہ عقیدہ متاثر ہوتا ہے جس میں یہ طے ہے کہ محمد رسول اللہ ﷺ تمام انبیاء سے افضل و بزرگ تر ہیں؟ [1]

جواب: علماء کرام نے اس سوال کے کئی جوابات دیئے ہیں بلکہ بعض علماء نے اس لفظ پر کتابیں لکھی ہیں۔

❶ پہلا جواب یہ ہے کہ تشبیہ میں اعلیٰ کے ساتھ ادنی کی تشبیہ کا قاعدہ اکثر یہ ہے قاعدہ کلیہ نہیں ہے لہٰذا مذکورہ صورت اس قاعدہ کے تحت نہیں ہے۔

❷ دوسرا جواب یہ ہے کہ "مشبہ بہ" کا اقوی و اعلیٰ اور افضل ہونا ضروری نہیں ہے بلکہ اوضح واظہر واعرف ہونا ضروری ہے اسی لئے اللہ تعالیٰ نے اپنے نور الٰہی کی تشبیہ طاقچہ اور قندیل میں رکھے ہوئے چراغ سے اس طرح دی ہے۔ [2]

﴿مثل نوره كمشكاة فيها مصباح المصباح في زجاجة الخ﴾ [3]

ایک شاعر پر کسی نے اعتراض کیا کہ تم نے بادشاہ کی سخاوت وشجاعت کی تشبیہ حاتم طائی اور عمرو سے دیکر بادشاہ کی توہین کی ہے کہ اعلیٰ کی تشبیہ ادنی سے دیدی تو اس نے جواب دیا

لاتنكروا ضربي له من دونه — مثلاً شرودا في الندى والبأس
فالله قد ضرب الاقل لنوره — مثلاً من المشكاة والنبراس

یعنی میں نے سخاوت اور شجاعت میں کم تر چیز سے جو تشبیہ دی ہے تم اس پر تنقید واعتراض نہ کرو کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نور کی تشبیہ ایک کم تر چیز طاقچہ اور فانوس سے دی ہے۔

❸ تیسرا جواب یہ ہے کہ یہاں پر تشبیہ نفس صلوٰۃ میں ہے کیفیت وکمیت صلوٰۃ میں نہیں ہے بالفاظ دیگر یہاں اشتراک فی النوع ہے کہ حضور اکرم ﷺ پر نوع صلوٰۃ ہو اس میں بحث نہیں کہ کونسی نوع اتم ہے اور کونسی نوع غیر اتم ہے۔

❹ چوتھا جواب یہ ہے کہ یہاں کما صلیت میں کاف کا لفظ مقحم یعنی زائد ہے پھر تو تشبیہ کی بات ہی ختم ہوگئی۔

یہ جوابات علماء بیان فرماتے ہیں میرے خیال میں اس بحث کی چنداں ضرورت نہیں ہے کیونکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام پر اللہ تعالیٰ کی خصوصی رحمت کا نزول ہوا تھا اگر اس کی دعا محمد ﷺ کے لئے مانگی گئی تو اس میں کیا مضائقہ ہے۔

درود پڑھنے کے مختلف صیغے

﴿۲﴾ وعن أبي حميد الساعدي قال قالوا يا رسول الله كيف نصلي عليك فقال رسول الله صلى

---

[1] المرقات: ۳/۷ [2] المرقات: ۳/۷ [3] النور: الآیہ: ۳۵

اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قُوْلُوْا اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَأَزْوَاجِهٖ وَذُرِّيَّتِهٖ كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰى اِبْرَاهِيْمَ وَبَارِكْ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَأَزْوَاجِهٖ وَذُرِّيَّتِهٖ كَمَا بَارَكْتَ عَلٰى اٰلِ اِبْرَاهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)[1]

ترجمہ: اور حضرت ابو حمید ساعدی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ صحابہ نے عرض کیا کہ "یا رسول اللہ! ہم آپ پر درود کس طرح بھیجیں؟ آپ نے فرمایا کہ یہ کہو!

اے اللہ! محمد پر، آپ کی ازواج مطہرات پر اور آپ کی اولاد پر رحمت نازل فرما جیسا کہ تو نے ابراہیم پر رحمت نازل فرمائی اور محمد پر آپ کی ازواج مطہرات پر اور آپ کی اولاد پر برکت نازل فرما جیسا کہ تو نے ابراہیم پر برکت نازل فرمائی، بے شک تو بزرگ و برتر ہے۔

توضیح: "وازواجه" درود کے الفاظ اور اس کے صیغے مختلف انداز سے وارد ہیں جس طرح مشکوٰۃ کی احادیث میں بھی مختلف صیغے آئے ہیں علماء نے اس کے متعلق کتابیں لکھی ہیں کچھ صیغے احادیث سے ثابت ہیں اور کچھ بزرگوں کے معمولات سے منقول ہیں بہر حال جو صیغے شان نبوت کے منافی نہ ہوں یا شریعت کے اصولی قواعد کے مخالف نہ ہوں اسکے پڑھنے کی گنجائش ہے تاہم جو صیغے احادیث سے ثابت ہوں ان کا اختیار کرنا زیادہ باعث برکت ہے۔ علماء لکھتے ہیں کہ درود ابراہیمی سب سے افضل ہے بریلوی حضرات جو اپنے آپ کو عاشقان رسول کہتے ہیں اور اپنے آپ کو درود پڑھنے والے بتاتے ہیں وہ اکثر و بیشتر اس درود سے محروم ہیں جو مستند ہے اور اپنی طرف سے گھڑا ہوا نمائشی درود پڑھتے ہیں جس کے اندر ان کا غلط عقیدہ پوشیدہ ہوتا ہے اس پر کیا ثواب ملے گا۔

دلائل الخیرات میں درود کی بہت ساری قسمیں موجود ہیں آج کل اور بھی بہت ساری کتابیں علماء دیوبند نے شائع کی ہیں جن میں مختلف صیغوں پر درود درج ہیں۔

حضرت تھانوی اور حضرت شیخ الحدیث محمد زکریا رحمہ اللہ تعالیٰ نے فضائل درود شریف پر بہت مفید تصنیفات لکھی ہیں۔

درود پڑھنے کے فضائل

﴿۳﴾ وَعَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ صَلّٰى عَلَيَّ وَاحِدَةً صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ عَشْراً۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)[2]

ترجمہ: اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ آقائے نامدار ﷺ نے فرمایا "جو شخص مجھ پر ایک مرتبہ درود بھیجے گا اللہ تعالیٰ اس پر دس مرتبہ رحمت نازل فرمائے گا۔ (مسلم)

توضیح: "عشرا" چونکہ اس امت کو ایک نیکی کرنے پر دس نیکیوں کا ثواب ملتا ہے تو اسی اصول کے مطابق یہاں ایک درود پر دس رحمتوں کا وعدہ کیا گیا ہے، اللہ تعالیٰ کی طرف سے دس درود بھیجنے کا مطلب دس رحمتوں کا نزول ہے لہٰذا اب

[1] اخرجه البخاري: ۱۷۸/۴، ۹۶/۸ ومسلم: ۱۶/۲ [2] المرقات: ۳/۱۰ [3] اخرجه مسلم: ۲/۱۷

کوئی اشکال نہیں ہوگا کہ درود پڑھنے والے نے اللہ تعالیٰ سے حضور اکرم ﷺ کے لئے ایک درود بھیجنے کی دعا مانگ لی تو حضور ﷺ کے لئے تو ایک درود ہوا اور درود پڑھنے والے کے لئے دس درود ہوئے۔ شیخ عبدالحق رحمہ اللہ نے یہ جواب بھی دیا ہے کہ ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے حضور اکرم ﷺ کے لئے ایک خصوصی درود ہمارے ہزاروں درود سے زیادہ افضل ہو جس طرح ایک موتی ہزاروں دراہم سے افضل ہوتا ہے۔ [1]

الفصل الثانی

﴿۴﴾ عن أَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ صَلَّى عَلَيَّ صَلَاةً وَاحِدَةً صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ عَشْرَ صَلَوَاتٍ وَحُطَّتْ عَنْهُ عَشْرُ خَطِيْئَاتٍ وَرُفِعَتْ لَهُ عَشْرُ دَرَجَاتٍ. (رَوَاهُ النَّسَائِيُّ) [2]

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رحمت عالم ﷺ نے فرمایا "جو شخص مجھ پر ایک مرتبہ درود بھیجے گا، اللہ تعالیٰ اس پر دس (مرتبہ) رحمتیں نازل فرمائے گا، اس کے دس گناہوں کو معاف کرے گا اور (تقرب الی اللہ کے سلسلہ میں) اس کے دس درجے بلند کرے گا۔" (نسائی)

﴿۵﴾ وعن ابْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَوْلَى النَّاسِ بِيْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ أَكْثَرُهُمْ عَلَيَّ صَلَاةً. (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ) [3]

ترجمہ: اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رحمت عالم ﷺ نے فرمایا "قیامت کے دن لوگوں میں سب سے زیادہ مجھ سے قریب وہ لوگ ہوں گے جو مجھ پر زیادہ درود پڑھنے والے ہیں۔" (ترمذی)

توضیح: "اولی الناس" ای اقرب الناس یعنی ساتھ رہنے اور معیت کے حوالہ سے مجھ سے سب سے زیادہ قریب وہ لوگ ہونگے جو زیادہ سے زیادہ درود بھیجتے ہیں کیونکہ کثرت درود کثرت یاد کی دلیل ہے اور کثرت یاد محبت کی دلیل ہے اور محبت کا صلہ معیت ہوتا ہے اس لئے جنت میں ساتھ ہوگا۔ [4]

ابن حبان نے اس حدیث کی وضاحت میں لکھا ہے کہ حضور ﷺ کی اس بشارت عظمیٰ کے مصداق محدثین ہیں کیونکہ جماعت محدثین حدیث پڑھاتے ہوئے سب سے زیادہ درود پڑھتے ہیں۔

درود کے لئے حضور اکرم ﷺ حاضر نہیں ہوتے ہیں

﴿۶﴾ وعنه قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ لِلّٰهِ مَلَائِكَةً سَيَّاحِيْنَ فِي الْأَرْضِ

[1] المرقات: ۳/۱۱ [2] اخرجه النسائی: ۳/۵۰ [3] اخرجه الترمذی: ۴۸۴ [4] المرقات: ۳/۱۱

يُبَلِّغُوْنِيْ مِنْ أُمَّتِي السَّلَامَ۔ (رواه النسائي والدارمي)[1]

ترجمہ: اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رحمت عالم ﷺ نے فرمایا ''اللہ تعالیٰ کے بہت سے فرشتے جو زمین پر سیاحت کرنے والے ہیں میری امت کا سلام میرے پاس پہنچاتے ہیں۔'' (نسائی، دارمی)

توضیح: "سیاحین" یعنی فرشتوں کی ایک گشتی جماعت ہے جو صرف اس پر مامور ہے کہ دنیا کے جس کونے میں کوئی شخص حضور اکرم ﷺ پر درود پڑھتا ہے وہ فرشتے اس درود کو حضور اکرم ﷺ تک پہنچا دیتے ہیں اب انکی ترتیب کس طرح ہے اس کو اللہ ہی بہتر جانتا ہے آنے جانے کا سلسلہ بھی ہوسکتا ہے۔ اور برقی نظام کی طرح بھی ہوسکتا ہے ٹیلیفون کے طرز پر کوئی سلسلہ بھی ہوسکتا ہے یہ کوئی مشکل نہیں ہے اس حدیث کا تعلق ان اشخاص سے ہے جو دور دراز علاقوں میں درود پڑھتے ہیں لیکن جو لوگ حضور اکرم ﷺ کے روضہ کے پاس درود پڑھتے ہیں اس کو خود نبی اکرم ﷺ سنتے ہیں اس کے پہنچانے کی ضرورت نہیں جیسا کہ آئندہ حدیث میں آرہا ہے۔[2]

اس حدیث سے ایک یہ بات ثابت ہوگئی کہ آنحضرت ﷺ کو قبر شریف میں حیات جاودانی حاصل ہے دوسری یہ بات ثابت ہوگئی کہ نبی اکرم ﷺ ہر جگہ حاضر و ناظر نہیں ہیں ورنہ فرشتوں کے اس نظام کے قائم کرنے کی ضرورت نہیں تھی اور یہیں سے یہ بات بھی ثابت ہوگئی کہ حضور اکرم ﷺ غیب دان نہیں تھے ورنہ بیچ میں ان واسطوں کی کیا ضرورت تھی۔[3]

بعض روایات میں آتا ہے کہ فرشتے حضور اکرم ﷺ کے سامنے درود بھیجنے والے کا نام بھی لیتے ہیں کہ یہ درود فلاں ابن فلاں کی طرف سے ہے الحمد للہ بڑی سعادت ہے کہ درگاہ شاہی میں ایک فقیر کا نیازمندانہ تذکرہ ہو جائے واہ کیا نعمت ہے اور کتنی بڑی حاضری ہے کہ:

در مجلسِ آن نازنیں حرفے کہ از ما می رود

کسی شاعر نے کیا خوب کہا ہے:

کلاہ گوشۂ دہقان بہ آفتاب رسید کہ سایہ بر سرش انداخت چوں تو سلطانے

نبی اکرم ﷺ سلام پیش کرنے والے کو سلام کا جواب دیتے ہیں

﴿۷﴾ وعن أبي هريرة قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم ما من أحد يسلم علي إلا رد الله علي روحي حتى أرد عليه السلام۔ (رواه أبو داود والبيهقي في الدعوات الكبير)[4]

ترجمہ: اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رحمت عالم ﷺ نے فرمایا: ''جب کوئی شخص مجھ پر سلام بھیجتا ہے تو اللہ

[1] اخرجه النسائي: ۳/۴۳ والدارمي: ۲۷۷۴ [2] المرقاة: [illegible] [3] المرقات: ۲/۱۲ [4] اخرجه ابوداؤد: ۲۰۴۱

تعالیٰ میری روح کو مجھ پر لوٹا دیتا ہے یہاں تک کہ میں اس کے سلام کا جواب دیتا ہوں۔ (ابوداؤد، بیہقی)

توضیح: "رد الله علی روحی" اہل سنت والجماعت کا یہ مسلمہ عقیدہ ہے کہ آنحضرت ﷺ اپنی قبر میں حیات ہیں اور موت کے تحقق کے بعد اللہ تعالیٰ نے آپ کو حیات جاودانی عطا فرمائی ہے مسئلہ یہی ہے کہ حیاۃ الانبیاء کرام میں کسی کا کوئی قابل ذکر اختلاف نہیں ہے۔ لیکن اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت ﷺ کی حیاۃ مستمرہ اور دائمی نہیں ہے بلکہ بعض اوقات میں سلام کے جواب کے لئے جسد اطہر میں روح لوٹائی جاتی ہے تب آپ جواب دیتے ہیں اس سوال کا علماء کرام اور شارحین حدیث نے کئی جوابات دیئے ہیں۔ [1]

علامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے تقریباً پندرہ جوابات دیئے ہیں مگر اصل میں دو یا تین جوابات ایسے ہیں جو کافی بھی ہیں اور دل کو لگتے بھی ہیں۔ [2]

❶ روحی کا جو لفظ ہے اس سے مراد نطق ہے یعنی رد الله علی نطقی۔ (کذا قال ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فی فتح الباری)

❷ الا رد الله علی روحی کا جو جملہ ہے یہ درحقیقت حال واقع ہے اور قاعدہ کے مطابق یہاں قد محذوف ہے اصل عبارت اس طرح ہے "الا وقد رد الله علی روحی" یعنی جو بھی سلام پیش کرتا ہے تو حالت یہ ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ میری روح کو لوٹا چکا ہوتا ہے۔ (کذا قال البیہقی وابن حجر والسیوطی)

تیسرا جواب یہ ہے کہ آپ کی روح مبارک ہروقت تجلیات الٰہیہ کے مشاہدہ میں ملأ اعلیٰ میں مشغول رہتی ہے اور آنحضرت ﷺ مکمل طور پر اسی طرف متوجہ ہوتے ہیں لیکن جب قبر کے پاس کوئی سلام پیش کرتا ہے تو جواب کے لئے روح لوٹا دی جاتی ہے تب آپ جواب دیتے ہیں اس جواب پر یہ اشکال ہے کہ حضور اکرم ﷺ پر ہروقت اطراف عالم سے سلام پیش کیا جاتا ہے پھر انفصال روح کا کیا تصور ہو سکتا ہے؟۔

بہر حال یہ عالم برزخ کا معاملہ ہے بہتر یہی ہے کہ کھود کرید کے بغیر اسے تسلیم کیا جائے کہ حضور ﷺ سلام کا جواب دیتے ہیں قریب والوں کو سن کر دیتے ہیں اور بعید والوں کا سلام فرشتے آپ تک پہنچاتے ہیں اور آپ جواب دیتے ہیں جیسا کہ آئندہ حدیث میں آرہا ہے۔

حیات النبی ﷺ کا مسئلہ

اس مسئلہ کو لکھتے ہوئے میرا ہاتھ کانپنے لگا ہے اور میرے دل پر ایک ہیبت طاری ہوگئی ہے کیونکہ یہ نہایت نازک مسئلہ ہے جس میں تحقیق کرنا آسان کام نہیں ہے لیکن چونکہ آج کل یہ مسئلہ بعض اطراف میں شدت اختیار کر گیا ہے اس لئے میں اثبات حیات النبی سے متعلق چند گزارشات کروں گا امید ہے کہ اعتدال پسند اور حق پسند افراد اس کو قبول فرمائیں گے۔

میں نے توضیحات جلد اول ص ۳۵۴ پر سماع موتی کے ضمن میں بھی کچھ لکھا ہے یہاں میں اس مسئلہ میں کسی کا اختلاف نقل نہیں کر رہا ہوں اور نہ اس مسئلہ میں اختلاف کی گنجائش ہے اور نہ امت مسلمہ میں کسی قابل ذکر آدمی کا انکار نظر سے گذرا ہے میں یہاں حیاۃ النبی کے اثبات میں چند گذارشات کرنا چاہتا ہوں۔

[1] المرقات: ۲/۱۲ [2] المرقات: ۲/۱۲

سب سے پہلے عرض یہ ہے کہ عالم تین ہیں ① عالم دنیا ② عالم برزخ ③ عالم آخرت

عالم دنیا میں بدن متبوع ہے روح اس کی تابع ہے اور احکامات کا تعلق بدن سے ہے عالم برزخ میں روح متبوع ہے بدن اس کا تابع ہے احکام کا تعلق روح سے ہے۔ عالم آخرت میں دونوں کی حیثیت مساوی ہے دونوں مسئول ہونگے اور احکام کا تعلق دونوں سے ہوگا اس کی تفصیل بھی توضیحات جلد اول میں گذر چکی ہے۔ جب تین عوالم کی بات سامنے آگئی تو اب یہ سمجھ لیں کہ بدن کے ساتھ روح کا جو تعلق ہے یہ تین قسم پر ہے۔

اول:

انبیاء کرام کے اجساد و ابدان ہیں اس کے ساتھ روح کا تعلق اتنا گہرا ہے کہ بدن محفوظ ہونے کے ساتھ ساتھ اس تعلق کا اثر دنیا پر بھی پڑتا ہے لہٰذا کسی نبی کی میراث تقسیم نہیں ہوسکتی اس لئے کہ وہ میراث ہی نہیں ہے کیونکہ زندہ شخص کا مال میراث نہیں ہوتا، نیز انبیا کرام کے ازواج مطہرات سے نکاح بھی نہیں کیا جاسکتا ہے۔ یہ انبیاء کرام کی مضبوط حیات کی نشانی اور اس کا اثر ہے۔

دوم:

شہداء کے ابدان کے ساتھ ان کی ارواح کا تعلق ہے اس کا اثر اتنا قوی ہے کہ قبر میں بدن گلنے سڑنے سے محفوظ رہتا ہے لیکن اس کا اثر دنیا پر نہیں پڑتا اسی لئے شہداء کی بیواؤں سے نکاح کیا جاسکتا ہے اور ان کی میراث تقسیم کی جاتی ہے۔

سوم:

عام مسلمانوں کے ابدان ہیں ان کے ساتھ ان کی ارواح کا تعلق اتنا کمزور ہے کہ اس سے ان کے جسم محفوظ نہیں رہ سکتے ہاں بعض جگہ کوئی خصوصی تعلق ہو تو وہ نادر کے حکم میں ہے۔

اس قاعدہ کو سمجھنے کے بعد چند ضروری باتیں بھی ملاحظہ ہوں۔

پہلی بات یہ ہے کہ قرآنی نصوص اور احادیث مقدسہ کے فرامین کے مطابق محمد ﷺ پر وہ موت آچکی ہے جو موت تمام انسانوں پر آتی ہے اور جس کی طرف ﴿**کل نفس ذائقة الموت**﴾ [1] میں اشارہ کیا گیا ہے اور ﴿**انك ميت وانهم ميتون**﴾ [2] میں اس کا اعلان کیا گیا ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ کی وفات کے بعد آپ کے جسد اطہر کے ساتھ آپ کی روح کا ایسا تعلق ہے جس سے آپ قبر کے پاس سلام کو سنتے ہیں اور جواب دیتے ہیں۔

تیسری بات یہ ہے کہ آپ پر جو موت طاری ہوئی ہے اس کی نوعیت کیسی تھی اور اس کی کیفیت کیا تھی اس کے معلوم کرنے کے ہم مکلف نہیں ہیں ہم صرف اس کے مکلف ہیں کہ آپ پر جو طبعی موت طاری ہوگئی تھی ہم اس کو مان لیں اور اس کا انکار نہ کریں اس کلام سے یہ ابہام دور ہوگیا کہ حضرت قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ نے آنحضرت ﷺ پر متعارف موت کا انکار کیا ہے اس لئے کہ آپ نے موت کا انکار نہیں کیا البتہ موت کو مانتے ہوئے اس کی کیفیت میں گفتگو کی ہے یہ ایک الگ بحث ہے

[1] آل عمران الآیہ: ۱۸۲ [2] زمر الآیہ: ۳۰

جس کے ہم مکلف نہیں ہیں۔ حضور اکرم ﷺ کی طبعی متعارف موت کے متعلق حضرت نانوتوی اس طرح اقرار کر کے اعتقاد رکھتے ہیں چنانچہ حضرت قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں تمام انبیاء کرام علیہم السلام خاص کر سرور انام ﷺ کی نسبت موت کا اعتقاد بھی ضروری ہے۔ (لطائف قاسمیہ ص ۴)

چوتھی بات یہ ہے کہ عقائد کی دو قسمیں ہوتی ہیں ایک وہ ضروری عقائد ہیں جس کے انکار سے آدمی کافر ہو جاتا ہے دوسرے وہ عقائد ہیں جن کا منکر کافر تو نہیں ہوتا ہاں اسے گمراہ یا فاسق قرار دیا جاتا ہے۔ پہلی قسم عقائد کے اثبات کے لئے دلیل قطعی کی ضرورت ہوتی ہے دلیل ظنی کافی نہیں ہوتی۔ دوسرے قسم کے عقائد کے اثبات کے لئے دلیل ظنی کافی ہوتی ہے دلیل قطعی ضروری نہیں ہوتی۔ علامہ عبدالعزیز پرہاروی رحمۃ اللہ علیہ شرح عقائد کی شرح نبراس میں فرماتے ہیں۔

"ان المسائل الاعتقادية قسمان احدهما مايكون المطلوب اليقين كوحدة الواجب وصدق النبي صلى الله عليه وسلم" ۔

"وثانيهما مايكتفى فيها بالظن كهذه المسئلة والاكتفاء بالدليل الظني انما لايجوز في الاول بخلاف الثاني" (نبراس ص ۵۹۸)۔

اب میں حیاۃ النبی ﷺ کے اثبات کے لئے صرف دلائل پیش کرتا ہوں توضیح وتشریح اور تبصرہ کرنے کی گنجائش نہیں ہے لہٰذا صرف دلائل ملاحظہ فرمائیں۔

پہلی دلیل:

حضرت اوس بن صامت رضی اللہ عنہ کی روایت ہے جو مشکوۃ ص ۱۲۰ پر مذکور ہے لمبی حدیث ہے چند الفاظ یہ ہیں:

قالوا يارسول الله كيف تعرض صلوتنا عليك وقد ارمت اى يقولون قد بليت؛ قال ان الله عزوجل حرم على الارض ان تاكل اجساد الانبياء" (سنن نسائی ابوداؤد دارمی، ابن ماجہ بیہقی) وقد صحح هذا الحديث ابن خزيمة وابن حبان والدارقطني والنووي في الاذكار۔ (ابن کثیر ج ۳ ص ۵۱۴)۔

اس حدیث کی سند مستند ہے صحابہ کرام نے درود وسلام نہ سننے کے لئے دلیل پیش کی کہ حضور اکرم ﷺ کا جسم مبارک جب ریزہ ریزہ ہو چکا ہوگا تو پھر کیسے سنیں گے حضور اکرم ﷺ نے جواب دیا کہ جسم سالم رہیگا یہ در حقیقت ان کے سوال کا جواب ہے کہ تم کہتے ہو درود وسلام پیش نہیں کیا جا سکتا ہے۔ کیونکہ حضور اکرم ﷺ زندہ ہی نہیں ہوں گے تو کیسے سنیں گے میں کہتا ہوں کہ میں سنوں گا کیونکہ میرا جسم محفوظ ہوگا جسم کے محفوظ ہونے کا مطلب یہ ہے کہ میں زندہ ہوں گا اور زندہ آدمی سنتا ہے خلاصہ یہ کہ اجساد کی حفاظت کی بات صرف اجساد کی حفاظت کی نہیں بلکہ صحابہ کے عدم حیات کے تصور کا پورا پورا جواب ہے۔

دوسری دلیل:

حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ کی حدیث جو مشکوٰۃ ص ۱۲۱ پر مذکور ہے جس کے چند الفاظ یہ ہیں۔

"قال قلت وبعد الموت؛ قال ان الله حرم على الارض ان تأكل اجساد الانبياء فنبي الله حي يرزق"۔ (رواه ابن ماجه)

قال ابن حجر رجاله ثقات وقال الشوكاني سنده جيد وقال الملاعلي القاري باسناد وجيد نقله ميرك عن المنذري وله طرق كثيرة بالفاظ مختلفة" (مرقات ج۲ص۲۲۲)[1]

کثرت طرق کی وجہ سے یہ حدیث بے غبار ہے اگرچہ اس پر انقطاع یا ارسال کا اعتراض کیا گیا ہے لیکن کثرت طرق کی وجہ سے اعتراض بے جا ہے۔

اسی طرح ایک مرفوع حدیث کے بارے میں یہ کہنا بھی بے جا ہے کہ "نبي الله حي يرزق" کا جملہ مدرج ہے آخر کیوں مدرج ہے کیا دلیل ہے اور اگر مدرج بھی ہو تو حیاۃ النبی کے لئے اس جملہ کے علاوہ حدیث کا بقیہ حصہ کافی ہے اور اس سے پہلے جو حدیث گذری ہے وہ کافی ہے کیونکہ بقاء جسد کا جواب اس سوال کے بعد آیا ہے کہ موت کے بعد درود وسلام کا پیش ہونا کیسے ہوسکتا ہے جب جسم باقی نہ رہے تو جواب دیا کہ ہوسکتا ہے کیونکہ نبی کا جسم محفوظ ہوتا ہے یعنی نبی زندہ ہوتا ہے۔

تیسری دلیل:

ابویعلی موصلی نے سند کے ساتھ حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث نقل فرمائی ہے الفاظ یہ ہیں:

"وعن انس قال قال رسول الله ﷺ الانبياء احياء في قبورهم"

مسند ابویعلی موصلی وکذا نقلہ علامہ تقی الدین السبکی امام بیہقی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس حدیث کی تصحیح کی ہے پھر ابن حجر قاضی شوکانی ملاعلی قاری انور شاہ کاشمیری رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس کو صحیح قرار دیا ہے۔ ملاعلی قاری کے الفاظ یہ ہیں:

"صح خبر الانبياء احياء في قبورهم يصلون" (مرقات ج۲ص۲۴۱)[2]

چوتھی دلیل:

زیر بحث حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے جس میں حتى ارد عليه السلام کے الفاظ ہیں۔

پانچویں دلیل:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت مشکوٰۃ ص ۸۷ پر ہے جس کے کچھ الفاظ یہ ہیں:

[1] المرقات: ۳/۳۶۰ [2] المرقات: ۳/۳۶۰

"عن ابی ہریرۃ رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من صلی علی عند قبری سمعتہ ومن صلی علی نائیا ابلغتہ" (بیہقی)

یہ چند احادیث ہیں جو اہل سنت والجماعت کے مسلک کے دلائل ہیں اس کو کرید کرید کر ضعیف قرار دینا سمجھ سے بالاتر ہے جب ایک حدیث ثابت ہے اس کو خواہ مخواہ ضعیف کرنے کی مجبوری کیا ہے؟ آیا کوئی ایسی روایت اور صحیح حدیث ہے جو ہمیں عدم حیات النبی پر مجبور کر رہی ہے؟ یا کوئی اجماع امت ہے جو ہمیں عدم حیاۃ النبی کی دعوت دے رہا ہے؟ جس کو ہم قبول کریں اور مذکورہ احادیث کو اسکی وجہ سے ترک کریں۔ اگر کوئی کہدے کہ قرآن اعلان کرتا ہے کہ "انك میت وانهم میتون" اس سے موت ثابت ہے میں کہتا ہوں کہ اگر یہ موت ایسی موت ہے جس کے بعد کوئی حیات نہیں تو پھر مرنے کے بعد دائمی موت مان لو اور اعلان کردو کہ بعث بعد الموت نہیں ہے حشر نشر نہیں ہے جنت دوزخ اور اس کا ثواب وعذاب نہیں ہے کیونکہ موت ابدی اور دائمی ہے۔ اور اگر یہ اعلان نہیں کر سکتے ہو اور مانتے ہو کہ اس آیت میں جس موت کا ذکر ہے اس کے بعد حیات ہے تو پھر ماننا پڑیگا کہ احادیث میں آنحضرت ﷺ کے لئے قبر شریف میں جس حیات کو ثابت کیا گیا ہے وہ ایک ناقابل تردید حقیقت ہے جس کا انکار بہت ہی خطرناک ہے باقی قبر کو ایک معمہ ثابت کرنے کی بھی ضرورت نہیں ہے قبر اگرچہ ایک طویل برزخی مقام کا نام ہے مخصوص گڑھا نہیں ہے لیکن یاد رکھنا چاہئے کہ مخصوص قبر اور مخصوص گڑھا قبر کے لفظ کا پہلا مصداق ہے جس کی طرف سینکڑوں نصوص میں اشارہ کیا گیا ہے اور بہت سارے اہل لغت نے اس کی تصریح کی ہے گویا برزخ کی پہلی منزل قبر ہے قبر سے برزخ شروع ہوتا ہے جہاں بھی قبر ہو۔

چھٹی دلیل:

قال اللہ تعالیٰ ﴿بل احیاء عند ربهم یرزقون﴾[1]

یہ آیت شہداء کی حیات کے بارے میں ہے جب شہداء کا یہ مقام ہے تو انبیاء کا مقام تو اس سے اعلیٰ وارفع ہوگا اس میں کسی شک یا تاویل کی نہ گنجائش ہے اور نہ ضرورت ہے۔

● علامہ بدر الدین عینی رحمہ اللہ شارح بخاری عمدۃ القاری ج ۱۶ ص ۳۰۵ پر فرماتے ہیں۔

"قلت لااشکال فی هذا اصلاً وذلك ان الانبیاء علیهم الصلوٰۃ والسلام افضل من الشهداء والشهداء احیاء عند ربهم فالانبیاء بطریق الاولیٰ"۔

❷ اسی طرح کی عبارت حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کی بھی ہے یہ حضرات اس حدیث کی وضاحت فرماتے ہیں جس میں آیا ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کہ موسیٰ علیہ السلام کو میں نے دیکھا کہ وہ قبر میں نماز پڑھ رہے تھے۔ الفاظ یہ ہیں:

[1] آل عمران الایہ: ۱۶۸

"مررت علی موسیٰ لیلة اسری بی عند الکثیب الاحمر وهو قائم یصلی فی قبره" (رواه مسلم)

❹ قاضی شوکانی نیل الاوطار میں لکھتے ہیں۔

"وزود النص فی کتاب الله فی حق الشهداء انهم احیاء یرزقون وان الحیاة فیهم متعلقة بالجسد فکیف بالانبیاء والمرسلین"۔

❹ علامہ سخاوی اپنی مشہور کتاب "القول البدیع" میں فرماتے ہیں۔

"نحن نؤمن ونصدق بانه ﷺ حی یرزق وان جسده الشریف لاتأکله الارض والاجماع علی هذا"۔

❺ گیارھویں صدی ہجری کے مشہور محدث علامہ محمد بن علان صدیقی دلیل الفالحین لطرق ریاض الصالحین میں حیات النبی کے اثبات میں لکھتے ہیں۔ "للنصوص والاجماع علی انه ﷺ حی فی قبره علی الدوام"۔ (ص ۲۰۲ ج ۴)

❻ فقیہ النفس بیہقی الزمان حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ فتاویٰ رشیدیہ میں لکھتے ہیں، انبیاء کو اسی وجہ سے مستثنیٰ کیا کہ انکے سماع میں کسی کو اختلاف نہیں۔ (ص ۵۹)

یہ سب دلائل اور یہ سب حوالہ جات حضرت رسالتمآب ﷺ کی حیاۃ جاودانی کے اثبات کے لئے کافی وشافی ہیں مکابرہ ومجادلہ کا تو کوئی علاج نہیں ہے لیکن اگر دلائل کی دنیا میں دیکھا جائے تو اتنے کثیر دلائل کے بعد اس اجماعی عقیدہ میں شک وتردد کرنا بہت بڑی جسارت ہے۔

مگر کیا کیا جائے طبیعت پرستی شریعت پرستی پر غالب آگئی ہے ایک طرف اس طرح افراط ہے کہ حضور اکرم ﷺ کو صلوٰۃ وسلام سننے کے لئے اپنی محفلوں گھروں اور حجروں میں بلا کر حاضر وناظر جان کر خطابات پر اتر آئے ہیں۔ اور دوسری طرف اس تفریط کو دیکھیں کہ روضۂ اطہر پر حاضری کے دوران سلام پیش کرنے والے کے سلام کو صدا بصحراء تصور کر کے حضور اکرم ﷺ کی حیات طیبہ کا ہر طرح انکار کرتے ہیں۔ "فالی الله المشتکی"

اکابر علماء اور فقہاء کے چند حوالے

❶ قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب شفاء کی شرح شفاء میں ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

"فمن المعتقد المعتمد انه ﷺ حی فی قبره کسائر الانبیاء فی قبورهم وهم احیاء عند ربهم وان لارواحهم تعلقا بالعالم العلوی والسفلی کما کانوا فی الحال الدنیوی فهم بحسب القلب عرشیون وباعتبار القالب فرشیون۔ (شفاء ج ۲ ص ۱۹۹ بهامش نسیم الریاض) ۵

❷ مشہور حنفی عالم و مفسر علامہ سید محمود آلوسی بغدادی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

"واختلف فی هذه الحیاة فذهب کثیر من السلف انها حقیقة بالروح والجسد ولکنا لاندرکها فی هذه النشأة"

پھر چند اقوال نقل کرنے کے بعد اسی مذکورہ قول کو یوں ترجیح دی:

"والمشهور ترجیح القول الاول"۔ (روح المعانی ج۲ ص۲۰)

❸ مشہور شافعی مفسر علامہ فخر الدین رازی اس مسئلہ میں چند اقوال نقل فرما کر حیات انبیاء پر اس طرح فیصلہ فرماتے ہیں:

"الاول انهم فی الوقت احیاء کأن الله تعالیٰ احیاهم لایصال الثواب الیهم وهذا قول اکثر المفسرین"۔

پھر چند کلمات کے بعد دوبارہ فیصلہ سناتے ہیں:

"واعلم ان اکثر العلماء علی ترجیح القول الاول"۔ (تفسیر کبیر ۴ ص۱۶۳)

❹ احناف کا مشہور مفتی اور مستند عالم علامہ ابن عابدین شامی رحمۃ اللہ علیہ موانع ارث پر اپنی کتاب الرحیق المختوم میں لکھتے ہیں:

"عدم موت المورث بناء علی ان الانبیاء احیاء فی قبورهم کما ورد فی الحدیث"۔

(رسائل ابن عابدین ج۲ ص۲۰۲)

امام ابو الحسن اشعری رحمۃ اللہ علیہ ایک غلط قول کی تردید کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"لان الانبیاء علیهم الصلوٰة والسلام احیاء فی قبورهم"۔ (ردالمختار ص۲۵۱ ج۳)

مشہور حنفی عالم و فقیہ علامہ حسن بن عمار شرنبلالی رحمۃ اللہ علیہ نور الایضاح میں زیارۃ النبی ﷺ سے متعلق لکھتے ہیں:

"ومما هو مقرر عند المحققین انه صلی الله علیه وسلم حی یرزق ممتع بجمیع الملذات والعبادات" (نور الایضاح ص۱۸۹) [1]

❺ قاضی شوکانی نیل الاوطار میں فرماتے ہیں:

"قال المتکلمون المحققون من اصحابنا ان نبینا صلی الله علیه وسلم حی بعد وفاته"۔ (ص۱۰۱ ج۵)

[1] نور الایضاح: ۱۸۷

یہ جو کچھ نقل کیا گیا یہ طویل دفاتر سے بطور نمونہ چند چیزیں ہیں ورنہ دلائل وحوالاجات بہت زیادہ ہیں اتنی تصریحات کے بعد کسی منصف مزاج کے لئے مناسب نہیں ہے کہ وہ پھر بھی شک کرے۔

عجائبات زمانہ

زمانہ کے حالات عجیب ہیں اوراس کے انقلابات باعث عبرت اور حیرت انگیز ہیں ایک دور علماء حجاز پر ایسا آیا تھا کہ وہ سب سے زیادہ حیاۃ النبی ﷺ کے اثبات پر زور دیتے تھے اور اطراف عالم میں حیاۃ النبی ﷺ کے عقیدے کا پرچار کرتے تھے اوراس کے مخالفین کو مورد طعن ٹھہراتے تھے اوران پر کفر وگمراہی کے فتوے لگاتے تھے۔

جب ہندوستان میں مولوی احمد رضاخان صاحب کی بدعت کا فتنہ کھڑا ہوگیا تو اس نے چاہا کہ علماء حجاز کے ذریعہ سے علماء دیوبند کو بدنام کیا جائے اوران پر کفر کا فتویٰ لگوایا جائے اس لئے اس نے غلط استفتاء کے ذریعہ سے علماء دیوبند کے خلاف ایک فتویٰ تیار کیا جس کا نام حسام الحرمین رکھا اس پر علماء حجاز نے ناواقفی میں دستخط کئے جب علماء حجاز کو اندازہ ہوا کہ یہ استفتاء غلط مواد پیش کرنے پر مبنی تھا لہٰذا یہ فتویٰ بھی غلط تھا تو انہوں نے ۲۶ سوالات پر مشتمل ایک دستاویز تیار کی اورایک ایک مسئلہ کے متعلق استفسار کیا علماء دیوبند میں سے حضرت علامہ خلیل احمد سہارنپوری رحمہ اللہ نے علماء دیوبند کی طرف سے اس کا جواب دیا اور بھرپور طریقے سے احمد رضاخان صاحب کے غلط الزامات کا رد لکھا جس سے ایک کتاب تیار ہوگئی اس کتاب کا نام **المهند علی المفند** رکھا گیا علماء حجاز کے استفسارات میں حضور اکرم ﷺ کی حیاۃ بعد الوفات کے بارے میں سوال اور جواب کا کچھ حصہ پیش کرنے سے پہلے میں پھر کہتا ہوں کہ عجائبات زمانہ کو دیکھئے کہ اس وقت علماء حجاز نے علماء دیوبند کو اس لئے مورد طعن ٹھہرایا کہ یہ لوگ حیات النبی ﷺ کے منکر ہیں اور آج علماء دیوبند کو حجاز کے علماء اس لئے مورد طعن ٹھہراتے ہیں کہ یہ لوگ حیات النبی ﷺ کے قائل ہیں اس تغیر کو دیکھئے اور علماء دیوبند کے استقلال کو داد دیجئے۔

السوال الخامس:

"ماقولکم فی حیاۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی قبرہ الشریف هل ذلك امر مخصوص به ام مثل سائر المؤمنین حیاته برزخیة؟

الجواب:

عندنا وعند مشائخنا حضرة الرسالة صلی اللہ علیہ وسلم حی فی قبرہ الشریف وحیاته دنیویة من غیر تکلیف وهی مختصة به وبجمیع الانبیاء والشهداء لا برزخیة کما هی حاصلة لسائر

المؤمنین بل لجمیع الناس کما نص علیہ العلامۃ السیوطی فی رسالتہ انباء الاذکیاء بحیاۃ الانبیاء" حیث قال قال الشیخ تقی الدین السبکی حیاۃ الانبیاء والشھداء فی القبر کحیاتھم فی الدنیا ویشھد لہ صلوۃ موسی علیہ السلام فی قبرہ فان الصلوۃ تستدعی جسدا حیا الی اٰخر ما قال فثبت بھذا ان حیاتہ دنیویۃ برزخیۃ لکونھا فی عالم البرزخ"۔ (ص۲۷۹،۲۷۸)

اس سوال وجواب سے ایک تو زمانہ کے عجائبات کا اندازہ ہوتا ہے اور اس کے تقلبات اور نیرنگیوں کا پتہ چلتا ہے کہ اس وقت علماء حجاز کے خیالات کیسے تھے اور آج کیسے ہیں آج وہ حضرات حیات النبی کی بات کو عمومی طور پر بدعت وزندقہ کی علامت سمجھتے ہیں اور لوگوں کو اسی بناء پر محبوب یا معتوب بناتے ہیں۔ سچ ہے ؎

انقلاباتِ جہاں واعظ رب ہیں دیکھو ہر تغیر سے صدا آتی ہے فافہم فافہم

اوپر جواب کی عبارت سے ایک ایسی بات کی وضاحت بھی ہوگئی جو میرے خیال میں پاکستان میں کچھ جذباتی حضرات کے اختلاف کی بنیاد اور مرکزی پتھر ہے وہ بات یہ ہے کہ جن عبارات میں یہ بات آتی ہے کہ حضور اکرم ﷺ کی حیاۃ دنیوی ہے تو مخالفین سمجھتے ہیں کہ موت ہی نہیں آئی اور موت ہی کا انکار ہو رہا ہے تو وہ قرآن کریم میں موت والی آیت پڑھنے لگتے ہیں حالانکہ یہ بات ظاہر ہے کہ طبعی موت کا انکار تو کوئی نہیں کرسکتا ہے آج کل حزب اللہ والے اور جماعت مسلمین وغیرہ شدت پسند اسی طرز عمل پر عمل پیرا ہیں حالانکہ کوئی مسلمان یہ نہیں کہتا کہ حضور اکرم ﷺ دنیا میں ہیں اور دنیا ہی میں زندہ ہیں بلکہ دنیوی حیات کا مطلب یہ ہے کہ جب آپ دنیا میں حیات تھے اسی طرح حیات آپ کو قبر شریف میں حاصل ہے تو اس میں استبعاد کیا ہے بلکہ بہت ممکن ہے کہ وہ حیات دنیا والی حیات سے زیادہ قوی ہو۔

چنانچہ حضور اکرم ﷺ نے حضرت فاطمہ سے فرمایا کہ تم سب سے پہلے مجھ سے ملوگی اس پر حضرت فاطمہ خوش ہوگئیں تو یہ ملنا آخر کیا ہے ظاہر ہے کوئی زندگی ہے کوئی راحت ہے کوئی خوشی ہے جو دنیا کی زندگی کی طرح ہے بلکہ اس سے بھی افضل واعلیٰ ہے ہاں یہ زندگی برزخ میں ہے اور قبر برزخ کا ایک حصہ ہے تو جھگڑے کی کیا بات ہے۔ اوپر والی عبارات میں "دنیویۃ برزخیۃ" کا یہی مطلب ہے اور دنیویہ کا لفظ نبی کریم ﷺ کی حیات کے لئے استعمال کرنا بہت ضروری تھا ایک تو اس وجہ سے کہ سائل نے باقاعدہ اس کا سوال کیا تھا دوسرا اس وجہ سے کہ برزخی حیات تو عام مسلمانوں کے لئے حاصل ہے بلکہ عام انسانوں کے لئے حاصل ہے پھر انبیاء کرام اور شہداء کی حیات کا قرآن وحدیث میں اس اہتمام کے ساتھ بیان کرنے کی ضرورت کیا تھی؟

میں پھر کہتا ہوں کہ اس "دنیویہ" کے لفظ سے بعض دنیاداروں کو دھوکہ لگا ہے جو حزب اللہ اور جماعت المسلمین کی شکل

میں مسلمانوں میں تفرقہ پیدا کرتے پھرتے ہیں وہ سمجھتے ہیں کہ دنیویہ کہنے سے دنیا میں موجود ہونا لازم آگیا حالانکہ یہ مطلب نہیں ہے۔

یہاں عجیب بات یہ ہے کہ جولوگ انبیاء کرام کی عدم حیات پر بحث کرتے ہیں وہ تقریروں اور تحریروں میں کہتے ہیں کہ بھائی حیات کو ہم مانتے ہیں لیکن ہم برزخی حیات کو مانتے ہیں پھر جب ان سے کہا جاتا ہے کہ انبیاء کرام کو قبروں میں حیات حاصل ہے اور قبر بھی برزخ کا ایک حصہ ہے تو وہ حضرات کہنے لگتے ہیں کہ برزخی حیات تو سب انسانوں کو حاصل ہے اس میں انبیاء کرام کی کیا خصوصیت ہے، سبحان اللہ! عجیب لوگ ہیں نہ دنیوی حیات کی طرح حیات ماننے کے لئے تیار ہیں اور نہ برزخی حیات میں کسی امتیاز کے لئے تیار ہیں بس یہ چاہتے ہیں کہ انبیاء کرام کو بھی عام انسانوں کی طرح اسی لائن میں کھڑا کیا جائے جہاں مسلمان اور غیر مسلم سب کھڑے ہیں، انا للہ وانا الیہ راجعون۔

یہ لوگ چاہتے ہیں کہ انبیاء کرام کے لئے اس طرح حیات کا قول کیا جائے جو نہ علماء سمجھ سکیں نہ مجتہدین سمجھ سکیں بلکہ ایک معمہ حیات ان کے لئے تسلیم کیا جائے جس کا کوئی ٹھکانہ معلوم نہ ہو۔ فالی اللہ المشتکی

ہم کہتے ہیں کہ بھائی ایسا نہیں ہوگا حیات الانبیاء کے بارے میں وہی عقیدہ رکھا جائے گا جو احادیث اور اجماع امت سے ثابت ہے اور جو اہل سنت والجماعت اور علماء دیوبند کا عقیدہ ہے۔

کفر است در طریقت ما کینہ داشتن　　　آئین ما است سینہ چوں آئین داشتن

گھروں کو قبرستان نہ بنائیں

﴿۸﴾ وعنه قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ لَا تَجْعَلُوْا بُيُوْتَكُمْ قُبُوْراً وَلَا تَجْعَلُوْا قَبْرِيْ عِيْداً وَصَلُّوْا عَلَيَّ فَإِنَّ صَلَاتَكُمْ تَبْلُغُنِيْ حَيْثُ كُنْتُمْ۔ (رَوَاهُ النَّسَائِيُّ)[1]

ترجمہ: اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رحمت عالم ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ ''اپنے گھروں کو قبروں کی طرح نہ رکھو اور میری قبر پر عید (کی طرح میلہ) نہ مقرر کرو، تم مجھ پر درود پڑھا کرو کیونکہ تم جہاں کہیں بھی ہو تمہارا درود میرے پاس پہنچتا ہے۔'' (نسائی)

توضیح: ''لا تجعلوا'' اس جملہ کے تین مطالب ہو سکتے ہیں۔ پہلا مطلب یہ ہے کہ اپنے گھروں میں ایسے نہ بنو کہ نہ اس میں نماز ہو نہ عبادت ہو نہ ذکر اذکار ہوں جس طرح قبروں کے اندر مردے ہوتے ہیں جو صرف پڑے رہتے ہیں بلکہ تم گھروں کا ماحول عبادت کا ماحول بناؤ تاکہ گھروں میں برکات آئیں اور تمہاری عبادت کو دیکھ کر تمہاری اولاد بھی عادت پکڑیں اس کی صورت یہ ہوگی کہ فرائض کے علاوہ نوافل واذکار گھروں میں کیا کرو۔[2]

دوسرا مطلب یہ ہے کہ اپنے مردوں کو گھروں میں نہ دفناؤ کیونکہ تدفین کے لئے عام قبرستان مقرر ہے۔ حضور اکرم ﷺ

---

[1] اخرجه [2] المرقات: ۳/۱۲،۱۳

کو حجرہ عائشہ میں اس لئے دفنایا گیا کہ انبیاء کی خصوصیات میں سے ایک یہ ہے کہ جہاں نبی کا انتقال ہو جائے وہیں پر دفنایا جائے آنحضرت ﷺ کا انتقال حجرۂ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا میں ہوا تھا اس لئے وہیں پر آپ کی تدفین ہوئی۔ تیسرا مطلب یہ ہے کہ قبرستان کو اپنا گھر نہ بناؤ کہ وہاں جا کر مجاور بنو اور وہیں پر ٹھکانہ لگاؤ کیونکہ اس سے زیارۃ القبور کا مقصد فوت ہو جاتا ہے جو رقت قلب ہے بلکہ کبھی کبھی زیارت کرنا چاہئے تا کہ عظمت و احترام باقی رہے ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے کئی اور مطالب بھی لکھے ہیں مگر حدیث کے ظاہر کلام سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ پہلا معنی زیادہ واضح اور راجح ہے۔ [1]

"ولا تجعلوا قبری عیدا" اس کلام کا مطلب یہ ہے کہ میری قبر کو میلہ گاہ نہ بناؤ اس پر عید کا سماں قائم نہ کرو کہ وہاں لہو ولعب ہو زیب و زینت کا مظاہرہ ہو اور کیف و سرور کے مظاہرے ہوں۔ اس طرح اکٹھا ہونا باعث غفلت اور باعث بے ادبی ہے جیسا کہ یہود و نصاریٰ اس طرح کرتے چلے آئے ہیں حدیث کے اس جزء پر الحمد للہ آج کل مدینہ منورہ میں خوب عمل ہو رہا ہے اور وہاں لاکھوں انسان جمع ہوتے ہیں لیکن ذکر و اذکار، درود و سلام اور عبادت کا رنگ چھایا ہوا ہوتا ہے۔ [2] حدیث کے اس جزء سے ان بدعت پسند اور مشرک طبقات پر اور رسم و رواج کے عاشق پیٹ پرست طبقات پر خوب رد ہو رہا ہے جو پیٹ اور خواہش نفس کی خاطر اولیاء اللہ کے مزارات پر ہر وقت اس طرح میلے لگاتے ہیں اور وہاں قبروں کو پھولوں سے سجاتے ہیں قرآن و حدیث کے احکامات کا مذاق اڑاتے ہیں اور قبروں پر چڑھاوے چڑھاتے ہیں نذر و نیاز کے حلوے مانڈے کھاتے ہیں اور شرک و بدعت کے نعرے لگاتے ہیں اور کچھ نہیں شرماتے ہیں۔

"وصلوا علی" شیخ عبد الحق رحمۃ اللہ علیہ لمعات میں لکھتے ہیں کہ جب حضور اکرم ﷺ نے روضہ اطہر پر اس طرح اکٹھا ہونے سے منع فرما دیا تو ایک قدرتی سوال پیدا ہوتا ہے کہ قبر شریف کے پاس اکٹھا ہونے سے درود و سلام پیش کرنا مقصود ہوتا ہے اس سے کیسے روکا گیا اور اگر رک گئے تو پھر کیا کریں گے درود و سلام کیسے پیش کریں گے۔ اس کا جواب اس جملہ سے دیا گیا کہ تم جہاں بھی ہو وہیں سے درود پڑھا کرو تمہارا درود مجھ تک پہنچایا جاتا ہے اس کی فکر نہ کرو یعنی حضوری بالاقوال والقلوب کافی ہے حضور بالابدان کی جگہ اس قولی حاضری کو کافی شافی سمجھو گویا۔ [3]

حبیب غاب عن عینی وجسمی وعن قلبی حبیب لایغیب [4]

یعنی ؎

دل کے آئینے میں ہے تصویر یار جب ذرا گردن جھکائی دیکھ لی

درود نہ پڑھنے پر وعید

﴿۹﴾ وعنه قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَغِمَ أَنْفُ رَجُلٍ ذُكِرْتُ عِنْدَهُ فَلَمْ يُصَلِّ

---

[1] المرقات: ۲/۱۳ [2] المرقات: ۱۲، ۲/۱۳، الکاشف: ۲/۳۳۵

[3] المرقات: ۱۲، ۲/۱۳، الکاشف: ۲/۳۳۵ [4] اشعة اللمعات: ۱/۳۳۶، ۴۳۸

عَلَيَّ وَرَغِمَ أَنْفُ رَجُلٍ دَخَلَ عَلَيْهِ رَمَضَانُ ثُمَّ انْسَلَخَ قَبْلَ أَنْ يُغْفَرَ لَهُ وَرَغِمَ أَنْفُ رَجُلٍ أَدْرَكَ عِنْدَهُ أَبَوَاهُ الْكِبَرَ أَوْ أَحَدُهُمَا فَلَمْ يُدْخِلَاهُ الْجَنَّةَ۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ)[۱]

ترجمہ: اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رحمت عالم ﷺ نے فرمایا "خاک آلود ہو اس شخص کی ناک کہ اس کے سامنے میرا ذکر کیا گیا اور اس نے مجھ پر درود نہ بھیجا، خاک آلود ہو اس شخص کی ناک کہ اس پر رمضان آیا اور اس کی بخشش سے پہلے گزر گیا اور خاک آلود ہو اس شخص کی ناک کہ اس کے ماں باپ یا ان میں سے کسی ایک نے اس کے سامنے بڑھاپا پایا اور انہوں نے اسے جنت میں داخل نہیں کیا۔" (ترمذی)

توضیح: "رغم" ای لصق انفه بالرغام ای التراب یعنی اس شخص کی ناک خاک آلود ہو جائے جس کے سامنے میرا نام آجائے اور وہ درود نہ پڑھے مطلب یہ کہ پہلی دفعہ جب نام آجائے تو ایک بار درود پڑھنا واجب ہے اس نے وہ نہیں پڑھا یا بار بار آنے پر درود نہیں بھیجا یہ اگرچہ مستحب ہے لیکن مطلق وعید کا تعلق بھی دنیا سے ہے آخرت کی وعید کا ذکر نہیں ہے کیونکہ ناک کا خاک آلود ہونا دنیا کی سزا ہے اس سے معلوم ہوا کہ بار بار درود بھیجنا واجب نہیں بلکہ مستحب ہے۔

دوسرے اس شخص کی ناک خاک آلود ہو جائے جس پر رمضان جیسا رحمتوں والا مہینہ آیا اور گذر بھی گیا لیکن یہ شخص جنت میں داخل ہونے کا مستحق نہیں بنا کیونکہ اس نے رمضان کا حق ادا نہیں کیا۔

تیسرے اس شخص کی ناک خاک آلود ہو جائے جو اپنے والدین میں سے کسی ایک کو یا دونوں کو بڑھاپے کی حالت میں پالے اور یہ ان کی اس طرح خدمت وقدر نہ کرے جس کی وجہ سے یہ جنت میں داخل ہو جائے یعنی ان کی خدمت کی وجہ سے مستحق جنت نہ بنے تو یہ شخص بڑا بد بخت ہے۔[۲]

﴿۱۰﴾ وعن أَبِي طَلْحَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ أَنَّ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ جَاءَ ذَاتَ يَوْمٍ وَالْبِشْرُ فِي وَجْهِهِ فَقَالَ إِنَّهُ جَاءَنِي جِبْرِيْلُ فَقَالَ إِنَّ رَبَّكَ يَقُوْلُ أَمَا يُرْضِيْكَ يَا مُحَمَّدُ أَنْ لَا يُصَلِّيَ عَلَيْكَ أَحَدٌ مِنْ أُمَّتِكَ إِلَّا صَلَّيْتُ عَلَيْهِ عَشْرًا وَلَا يُسَلِّمُ عَلَيْكَ أَحَدٌ مِنْ أُمَّتِكَ إِلَّا سَلَّمْتُ عَلَيْهِ عَشْرًا۔

(رَوَاهُ النَّسَائِيُّ وَالدَّارِمِيُّ)[۳]

ترجمہ: اور حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ (ایک دن) رحمت عالم ﷺ (ہمارے پاس) تشریف لائے اور اس وقت آپ کے چہرۂ مبارک پر بشاشت کھل رہی تھی، آپ نے (صحابہ کے دریافت کرنے کے بعد یا دریافت کرنے سے پہلے ہی) فرمایا میرے پاس حضرت جبرائیل علیہ السلام آئے تھے، وہ کہتے تھے کہ پروردگار فرماتا ہے کہ اے محمد! کیا آپ اس بات سے راضی نہیں ہیں کہ آپ کی امت میں سے جو کوئی آپ پر درود بھیجے گا میں اس پر دس مرتبہ رحمت نازل کروں گا اور آپ کی امت میں سے جو کوئی آپ پر سلام بھیجے گا میں اس پر دس مرتبہ سلام بھیجوں گا۔" (نسائی، دارمی)

[۱] اخرجه الترمذی: ۳۵۴۵ [۲] المرقات: ۲/۱۴ [۳] اخرجه النسائی: ۳/۴۴ والدارمی: ۲۷۷۶

درود و سلام بھیجنے سے دین و دنیا کی ضروریات پوری ہوتی ہیں

﴿۱۱﴾ وعن أُبَيِّ بنِ كَعْبٍ قَالَ قُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللهِ إِنِّي أُكْثِرُ الصَّلَاةَ عَلَيْكَ فَكَمْ أَجْعَلُ لَكَ مِنْ صَلَاتِي فَقَالَ مَا شِئْتَ قُلْتُ الرُّبُعَ قَالَ مَا شِئْتَ فَإِنْ زِدْتَ فَهُوَ خَيْرٌ لَكَ قُلْتُ النِّصْفَ قَالَ مَا شِئْتَ فَإِنْ زِدْتَ فَهُوَ خَيْرٌ لَكَ قُلْتُ فَالثُّلُثَيْنِ قَالَ مَا شِئْتَ فَإِنْ زِدْتَ فَهُوَ خَيْرٌ لَكَ قُلْتُ أَجْعَلُ لَكَ صَلَاتِي كُلَّهَا قَالَ إِذاً تُكْفٰى هَمُّكَ وَيُكَفَّرُ لَكَ ذَنْبُكَ. (رواه الترمذي)[1]

ترجمہ: اور حضرت اُبی بن کعب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے عرض کیا کہ یارسول اللہ! میں آپ پر کثرت سے درود بھیجتا ہوں (یعنی کثرت سے درود بھیجنا چاہتا ہوں اب آپ بتلا دیجئے کہ) اپنے لئے دعا کے واسطے جو وقت میں نے مقرر کیا ہے اس میں سے کتنا وقت آپ پر درود بھیجنے کے لئے مخصوص کر دوں؟ آپ نے فرمایا "جس قدر تمہارا جی چاہے!" میں نے عرض کیا "کیا چوتھائی (وقت مقرر کر دوں)؟" فرمایا "جتنا تمہارا جی چاہے اور اگر زیادہ مقرر کرو تو تمہارے لئے بہتر ہے۔" میں نے عرض کیا تو پھر آدھا (وقت مقرر کر دوں)؟" فرمایا "جتنا تمہارا جی چاہے! اور اگر زیادہ مقرر کرو تو تمہارے لیے بہتر ہے۔" تو میں نے عرض کیا! "تو پھر دو تہائی مقرر کر دوں؟" آپ نے فرمایا جس قدر تمہارا جی چاہے اور اگر زیادہ مقرر کرو تو تمہارے لئے بہتر ہے!" میں نے عرض کیا "اچھا تو پھر میں اپنی دعا کا سارا وقت ہی آپ کے درود کے واسطے مقرر کئے دیتا ہوں۔" آپ نے فرمایا۔ "یہ تمہیں کفایت کرے گا تمہارے دین و دنیا کے مقاصد کو پورا کرے گا اور تمہارے گناہ معاف ہو جائیں گے۔" (ترمذی)

توضیح: "اکثر الصلوٰۃ" مطلب یہ ہے کہ میں زیادہ سے زیادہ درود بھیجنے کا ارادہ رکھتا ہوں آپ اس کی حد متعین فرما دیجئے تا کہ میں اتنا ہی پڑھوں یا مطلب یہ ہے کہ یارسول اللہ! میں اپنی ذات کے لئے بہت دعائیں کرتا ہوں اب میں چاہتا ہوں کہ دعا کے ان اوقات میں آپ پر درود پڑھوں لہٰذا آپ ہی متعین فرما دیجئے کہ کتنا پڑھوں۔ اس کے جواب میں حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کہ جتنا چاہو اتنا پڑھو تم اپنے اوقات کو خود سمجھتے ہو خود متعین کر لو اس پر صحابی نے فرمایا کہ چوتھائی وقت مقرر کر دوں حضور اکرم ﷺ نے تحدید نہیں فرمائی بلکہ فرمایا جتنا چاہو اگر زیادہ کر سکتے ہو تو زیادہ بہتر ہے۔ صحابی نے آدھے کا پوچھا آپ نے وہی جواب دیا پھر صحابی نے تہائی کا پوچھا حضور نے پھر وہی جواب دیا اس پر صحابی[2] نے فرمایا کہ میں اپنا پورا وقت درود میں صرف کروں گا اس پر نبی مکرم ﷺ نے فرمایا کہ اگر ایسا کیا تو پھر تمہاری ساری دنیاوی حاجات پوری کی جائیں گی اور تمہارے سارے گناہ معاف کر دیئے جائیں گے۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ درود پڑھنے کے بیشمار فائدے ہیں اور دین و دنیا کی تمام ضروریات پوری ہوتی ہیں گنتی اور تعداد کی کوئی حد اور کوئی شرط نہیں ہے۔

حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ نے اپنے اوراد اور وظائف کے تمام اوقات کو درود کے لئے وقف کر دیا اس پر حضور اکرم ﷺ کی طرف سے اس انعام کی بشارت ملی جو پوری امت کے لئے بشارت ہے۔

[1] اخرجه الترمذي: ۲۴۵۷　　[2] المرقات: ۲/۱۶

درود کے بعد مانگنے والی دعا قبول ہوتی

﴿۱۲﴾ وعن فَضَالَةَ بْنِ عُبَيْدٍ قَالَ بَيْنَمَا رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَاعِدٌ إِذْ دَخَلَ رَجُلٌ فَصَلَّى فَقَالَ اَللّٰهُمَّ اغْفِرْلِيْ وَارْحَمْنِيْ فَقَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَجِلْتَ أَيُّهَا الْمُصَلِّيْ إِذَا صَلَّيْتَ فَقَعَدْتَ فَاحْمَدِ اللهَ بِمَا هُوَ أَهْلُهُ وَصَلِّ عَلَيَّ ثُمَّ ادْعُهُ قَالَ ثُمَّ صَلَّى رَجُلٌ آخَرُ بَعْدَ ذٰلِكَ فَحَمِدَ اللهَ وَصَلَّى عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ لَهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَيُّهَا الْمُصَلِّيْ ادْعُ تُجَبْ۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَرَوَى أَبُوْدَاوُدَ وَالنَّسَائِيُّ نَحْوَهُ)[1]

ترجمہ: اور حضرت فضالہ ابن عبید رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ (ایک روز) جبکہ رحمت عالم ﷺ بیٹھے ہوئے تھے اچانک ایک شخص آیا اس نے نماز پڑھی اور پھر یہ دعا مانگی۔ اللھم اغفرلی و ارحمنی اے اللہ مجھے بخش دے اور مجھ پر رحم فرما! (یہ سن کر) آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ اے نماز پڑھنے والے تم نے (دعا کی ترکیب ترک کر کے) جلدی کی۔" اور پھر فرمایا کہ جب تم نماز پڑھو اور (نماز کے بعد دعا کے لئے) بیٹھو تو خدا کی تعریف جس تعریف کے وہ لائق ہے بیان کرو اور مجھ پر درود بھیجو، پھر (تم جو چاہو) خدا سے مانگو (گویا آپ نے اسے دعا کے یہ آداب وطریقے سکھائے) حضرت فضالہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ اس کے بعد ایک دوسرے شخص نے نماز پڑھی (آخر میں) اس نے اللہ تعالیٰ کی تعریف بھی بیان کی اور آنحضرت ﷺ پر درود بھی بھیجا (مگر اس نے دعا نہیں مانگی) آنحضرت ﷺ نے اس سے فرمایا کہ "اے نماز پڑھنے والے، دعا بھی مانگو، قبول کی جائے گی۔ (ترمذی، ابوداود، نسائی)

فرائض کے بعد دعا کرنا ثابت ہے

﴿۱۳﴾ وعن عَبْدِ اللهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ كُنْتُ أُصَلِّيْ وَالنَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَبُوْبَكْرٍ وَعُمَرُ مَعَهُ فَلَمَّا جَلَسْتُ بَدَأْتُ بِالثَّنَاءِ عَلَى اللهِ تَعَالٰى ثُمَّ الصَّلَاةِ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثُمَّ دَعَوْتُ لِنَفْسِيْ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَلْ تُعْطَهْ سَلْ تُعْطَهْ۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ)[2]

ترجمہ: اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ (ایک روز) میں نماز پڑھ رہا تھا۔ رحمت عالم ﷺ بھی وہیں تشریف فرما تھے اور آپ کے پاس حضرت ابوبکر و حضرت عمر رضی اللہ عنہما بھی حاضر تھے، چنانچہ (نماز کے بعد) جب میں بیٹھا تو اللہ جل شانہ کی تعریف بیان کرنا شروع کی اور پھر آنحضرت ﷺ پر درود بھیجا، اس کے بعد میں اپنے (دینی و دنیاوی مقاصد کے) لئے مانگنے لگا (یہ دیکھ کر) آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ "مانگو! دیئے جاؤ گے، مانگو! دیئے جاؤ گے (یعنی دعا مانگو ضرور قبول ہوگی) (ترمذی)

[1] اخرجه الترمذی: ۳۴۷۶، ۳۴۷۷ وابوداؤد: ۱۴۸۱ والنسائی: ۲/۴۴ [2] اخرجه

الفصل الثالث

نبی امی کا مطلب

﴿۱۴﴾ عن أبي هريرة قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم من سره أن يكتال بالمكيال الأوفى إذا صلى علينا أهل البيت فليقل اللهم صل على محمد النبي الأمي وأزواجه أمهات المؤمنين وذريته وأهل بيته كما صليت على آل إبراهيم إنك حميد مجيد. (رواه ابوداود)[1]

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رحمت عالم ﷺ نے فرمایا "جس شخص کو یہ پسند ہو (یعنی اس کی خواہش ہو) کہ اسے بھرپور اور زیادہ سے زیادہ) ثواب ملے تو اسے چاہئے کہ ہم اہل بیت پر اس طرح درود بھیجے۔"

اللهم صل على محمد النبي الأمي وأزواجه أمهات المؤمنين وذريته وأهل بيته كما صليت على آل إبراهيم إنك حميد مجيد

ترجمہ: اے خدایا! محمد پر جو نبی امی ہیں، آپ کی ازواج مطہرات پر جو سب مومنوں کی مائیں ہیں اور آپ کی اولاد و اہل بیت پر رحمت نازل فرما جیسا کہ تو نے آل و اولاد ابراہیم پر رحمت نازل فرمائی بیشک تو بزرگ و برتر ہے۔ (ابوداود)

توضیح: "الامی" آنحضرت ﷺ کے بہت سارے نام ہیں کچھ نام ایسے بھی ہیں جو آپ کی خصوصیات وصفات کی بنیاد پر ہیں سابقہ کتابوں میں آپ کا مشہور لقب اور مشہور تعارف "النبی الامی" تھا جس کا ذکر تورات وانجیل میں تھا اور یہود ونصاری کی زبانوں پر عام تھا قرآن عظیم میں آپ کے لئے یہ لقب دو دفعہ استعمال کیا گیا ہے سورۃ اعراف آیت ۱۵۷ اور ۱۵۸ میں "النبی الامی" کا مبارک لقب مذکور ہے "أمیین" کا لفظ بھی قرآن کریم میں تین بار آیا ہے جس سے اہل عرب اور اہل مکہ مراد لیا گیا ہے۔

"امی" ام کی طرف منسوب ہے اس سے مراد وہ شخص ہوتا ہے جو لکھنا پڑھنا نہ جانتا ہو، حضور اکرم ﷺ کو امی اس اعتبار سے کہتے ہیں کہ آپ نے پیدائش کے بعد نہ کسی استاد کے سامنے زانوئے تلمذ طے کیا اور نہ کسی مکتب میں گئے چالیس سال تک آپ اسی طرح رہے جس طرح آپ پیدائش کے وقت تھے پھر براہ راست اللہ تعالیٰ نے آپ کو اپنا شاگرد بنایا اور آپ کو تمام علوم شریعت سے مالا مال فرمایا وحی کے سلسلہ میں جبریل امین صرف واسطہ تھے وہ حضور اکرم ﷺ کے استاذ نہیں تھے اسی تعلیم وتربیت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا "ادبنی ربی فاحسن تادیبی" حضور اکرم ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے کسی غیر کی شاگردی سے اس لئے محفوظ فرمایا تا کہ بدباطن لوگ آپ ﷺ پر یہ اعتراض نہ کرے کہ اس نے فلاں سے سیکھا اور اب نبوت کی باتیں کر رہا ہے۔[3]

[1] اخرجہ ابوداود: ۹۸۲ [2] المرقات: ۲/۲۰ [3] المرقات: ۲/۲۰

گویا آپ کی شاگردی کو اللہ تعالیٰ نے اپنے لئے خالص رکھا کسی اور کی تربیت کی اس میں آمیزش نہ آنے دی۔
علامہ محمد بوصیری رحمۃ اللہ علیہ نے قصیدہ بردہ میں کیا ہی خوب فرمایا ؎

کفاك بالعلم فی الأمی معجزة فی الجاهلية والتاديب فی اليتم

یعنی ایک اُمی کا زمانہ جاہلیت میں اتنا بڑا علم اور یتیمی کی حالت میں اتنا بڑا ادب ان کے معجزہ کے لئے کافی ہے۔
یہ بھی اس موقع کے مناسب عمدہ اشعار ہیں۔

نگار من کہ بہ مکتب نہ رفت وخط نہ نوشت بغمزہ مسئلہ آموز وصدر مدرس شد

میرا محبوب ابھی مکتب بھی نہیں گیا تھا اور خط بھی نہیں سیکھا تھا کہ ایک اشارہ سے مسئلہ سیکھا اور سب کے استاد بن گئے۔

یتیمے کہ ناکردہ قرآن درست کتب خانۂ چند ملت بشست

وہ یتیم کہ اس نے ابھی قرآن کریم بھی مکمل نہیں کیا کہ کئی مذہب کے کتب خانے محو کر کے دھو ڈالے۔

درود نہ بھیجنے والا بڑا بخیل ہے

﴿۱۵﴾ وعن عَلِيٍّ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلْبَخِيْلُ الَّذِيْ مَنْ ذُكِرْتُ عِنْدَهُ فَلَمْ يُصَلِّ عَلَيَّ. (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَرَوَاهُ أَحْمَدُ عَنِ الْحُسَيْنِ ابْنِ عَلِيٍّ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا وَقَالَ التِّرْمِذِيُّ هٰذَا حَدِيْثٌ حَسَنٌ صَحِيْحٌ غَرِيْبٌ)[1]

ترجمہ: اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ راوی ہیں کہ رحمت عالم ﷺ نے فرمایا "بخیل وہ شخص ہے جس کے سامنے میرا ذکر کیا گیا (یعنی میرا نام لیا گیا) اور اس نے مجھ پر درود نہیں بھیجا۔" (ترمذی)

توضیح: "بخیل" ایک تو مال کا بخیل ہوتا ہے جس کو عام انسان پہچانتے ہیں اور اس کو بخیل مانتے ہیں لیکن ایک حقیقی بخیل ہے جس کو عام انسان نہیں جانتے ہیں اس کا تعارف حضور اکرم ﷺ نے اس حدیث میں فرمایا کہ اصل بخیل وہ ہے جس کے سامنے میرا نام آجائے اور وہ درود نہ پڑھے یہ اصل بخیل اس لئے ہے کہ درود پڑھنے میں اس کی جیب سے کوئی پیسہ نہیں جاتا اور کوئی مشقت بھی نہیں ہے اور فائدہ بہت ہے پھر بھی یہ شخص اس میں بخل اور کنجوسی سے کام لیتا ہے۔[2]

حضور اکرم ﷺ کے پاس سلام جاتا ہے حضور نہیں آتے

﴿۱۶﴾ وعن أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ صَلَّى عَلَيَّ عِنْدَ قَبْرِيْ سَمِعْتُهُ وَمَنْ صَلَّى عَلَيَّ نَائِيًا أُبْلِغْتُهُ. (رَوَاهُ الْبَيْهَقِيُّ فِيْ شُعَبِ الْإِيْمَانِ)[3]

[1] اخرجه [2] المرقات: ۳/۲۱ [3] اخرجه

ترجمہ: اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رحمت عالم ﷺ نے فرمایا ”جو شخص میری قبر کے پاس (کھڑا ہو کر) مجھ پر درود پڑھتا ہے میں اس کو سنتا ہوں اور جو شخص دور سے مجھ پر بھیجتا ہے وہ میرے پاس پہنچا دیا جاتا ہے۔“ (بیہقی)

توضیح: ”عند قبری“ اس حدیث سے ایک بات یہ واضح ہوگئی کہ حضور اکرم ﷺ اپنی قبر میں حیات ہیں اور درود وسلام خود سنتے ہیں اس کی تفصیل اس سے پہلے گزر چکی ہے۔[1]

دوسری بات یہ معلوم ہوئی کہ حضور اکرم ﷺ کے پاس درود وسلام جاتا ہے حضور ﷺ درود وسلام کے پیچھے نہیں آتے بعض سیاہ کار لوگ عشق کا دعویٰ کرتے ہیں اور معشوق کے پاس جانے کے بجائے معشوق کو اپنے ہاں بلانے پر بے جا اصرار کرتے ہیں حالانکہ محبوب کے پاس خود جایا جاتا ہے قاصد کو بھی برداشت نہیں کیا جاتا بابا سعدی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

یار دیرینہ مرا گو بہ زباں توبہ مدہ   کہ مرا توبہ بشمشیر نہ خواہد بودن
رشکم آید کہ کسے سیر نگاہ در تو کندہ   باز گویم کہ کسے سیر نہ خواہد بودن

ترجمہ: میرے پرانے دوست سے کہو کہ میرے بارے میں عشق سے پیچھے ہٹنے کا نام تک نہ لو کیونکہ مجھے تلوار مار کر بھی کوئی عشق سے نہیں ہٹا سکتا مجھے اس پر غیرت آتی ہے کہ قاصد آپ کے دیکھنے سے سیر ہو جائے گا پھر میں کہتا ہوں کہ آپ کے دیکھنے سے کوئی سیر ہو ہی نہیں سکتا۔

میں نے کہا میں خود جاؤں کہ نکلے مطلب دل کچھ نہ کچھ
میرا جانا اور ہے قاصد کا جانا اور ہے

کسی نے اپنے ذوق میں اس طرح کہا۔

سلام دے راغے تہ رانہ غلے   دابہ دے نہ خلم بے دیدنہ سلامونہ

جمعہ کے روز درود کا ثواب بڑھتا ہے

﴿۱۷﴾ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ مَنْ صَلّٰى عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاحِدَةً صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَمَلَائِكَتُهُ سَبْعِيْنَ صَلَاةً. (رَوَاهُ أَحْمَدُ)[2]

ترجمہ: اور حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ”جو شخص رحمت عالم ﷺ پر ایک مرتبہ درود بھیجتا ہے اس پر اللہ اور اس کے فرشتے ستر مرتبہ رحمت بھیجتے ہیں۔“ (احمد)

توضیح: بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ ثواب جمعہ کے روز کے ساتھ خاص ہے کیونکہ اس سے پہلے مرفوع احادیث میں ایک درود کا دس گنا زیادہ ثواب بیان کیا گیا ہے جمعہ کے بارے میں روایات میں آیا ہے کہ جمعہ کے روز اعمال کا ثواب ستر گنا بڑھ

---

[1] المرقات: ۳/۲۱ الکاشف: ۲/۳۲۱ [2] اخرجہ احمد: ۲/۱۰۸

جاتا ہے اور جمعہ کے روز ایک حج ستر حج کے برابر ہوتا ہے اب اس حدیث کا سابقہ احادیث سے تعارض نہیں رہیگا۔[1]
اس حدیث کے الفاظ سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ موقوف ہے اور یہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کا اثر ہے مگر ایسا نہیں کیونکہ فضائل کے ابواب میں کوئی حدیث کوئی آدمی اپنی طرف سے بیان نہیں کرسکتا کیونکہ علماء کا متفقہ فیصلہ ہے کہ

"والفضائل لا توخذ بالقیاس" (تحفۃ الاحوذی ج۱۰ص ۳۶۲)

یعنی فضائل کو قیاس کر کے نہیں بیان کیا جاسکتا۔ لامحالہ حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ نے یہ حدیث حضور اکرم ﷺ سے سن کر بیان فرمائی ہوگی تو یہ روایت مرفوع حدیث کے حکم میں ہے۔

ایک خاص درود اور شفاعت کا مطلب

﴿۱۸﴾ وعن رُوَيْفِعٍ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ صَلَّى عَلٰى مُحَمَّدٍ وَقَالَ أَللّٰهُمَّ أَنْزِلْهُ الْمَقْعَدَ الْمُقَرَّبَ عِنْدَكَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَجَبَتْ لَهٗ شَفَاعَتِيْ۔ (رَوَاهُ أَحْمَدُ)[2]

ترجمہ: اور حضرت رویفع رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رحمت عالم ﷺ نے فرمایا۔ "جو شخص محمد پر درود بھیجے اور (درود بھیجنے کے بعد یہ بھی) کہے اللھم انزله المقعد المقرب عندك یوم القیمة۔ اے پروردگار! محمد کو اس مقام پر جگہ دے جو تیرے نزدیک مقرب ہے قیامت کے دن۔ تو اس کے لئے میری شفاعت واجب ہوجاتی ہے۔" (احمد)

توضیح: "المقعد المقرب" سے مراد مقام محمود ہے جس میں آنحضرت ﷺ روز محشر میں شفاعت کبریٰ کے لئے سجدہ ریز ہونگے اور یہ درود ایک خاص درود ہے جس کو خواص پڑھتے ہیں جس کے عجیب اثرات ہیں "وجبت له شفاعتی" یعنی اس درود سے شفاعت واجب ہوجاتی ہے شفاعت کی قدر آپ اس سے سمجھ سکتے ہیں کہ مثلاً کسی غیر ملکی ایئر پورٹ پر آدمی بے سروسامان حیران کھڑا ہو کہ اچانک ایک سرکاری آدمی آجائے اور یہ کہہ دے کہ یہ سرکار کا آدمی ہے یہ کہہ کر اس کو ہاتھ سے پکڑ کر اعزاز کے ساتھ تمام قوانین سے بالا رکھ کر بادشاہ کے خصوصی مہمان خانہ میں لیجا کر ٹھہرا دے اسی طرح جب آدمی میدان محشر میں حیران و پریشان کھڑا ہوگا حساب کتاب کی تمام مشکلات سامنے ہوں اور اچانک رسول عربی ﷺ کا قاصد آکر قانونی افسروں سے یہ کہہ دے کہ یہ محمد عربی کا آدمی ہے یہ کہہ کر اسے ہاتھ سے پکڑ کر جنت لے جائے اور شاہی مہمان بنا کر شاہی مہمان خانہ میں ٹھہرائے یہ ہے شفاعت کا پس منظر، اللہ ہمیں نصیب فرمائے۔ آمین[3]

﴿۱۹﴾ وعن عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ عَوْفٍ قَالَ خَرَجَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَتّٰى دَخَلَ نَخْلًا فَسَجَدَ فَأَطَالَ السُّجُوْدَ حَتّٰى خَشِيْتُ أَنْ يَكُوْنَ اللّٰهُ تَعَالٰى قَدْ تَوَفَّاهُ قَالَ فَجِئْتُ أَنْظُرُ فَرَفَعَ رَأْسَهٗ فَقَالَ مَالَكَ فَذَكَرْتُ لَهٗ ذٰلِكَ قَالَ فَقَالَ إِنَّ جِبْرِيْلَ عَلَيْهِ السَّلَامُ قَالَ لِيْ أَلَا أُبَشِّرُكَ أَنَّ اللّٰهَ عَزَّ وَجَلَّ

[1] المرقات: ۲/۲۲ [2] اخرجه احمد: ۴/۱۰۸ [3] المرقات: ۲/۲۲

يَقُوْلُ لَكَ مَنْ صَلّٰى عَلَيْكَ صَلَاةً صَلَّيْتُ عَلَيْهِ وَمَنْ سَلَّمَ عَلَيْكَ سَلَّمْتُ عَلَيْهِ. (رَوَاهُ أَحْمَدُ)[1]

ترجمہ: اور حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ (ایک دن) رحمت عالم ﷺ (مسجد سے یا مکان سے) نکل کر کھجوروں کے ایک باغ میں داخل ہوگئے اور وہاں (بارگاہِ خداوندی میں) سجدہ ریز ہوگئے اور سجدہ میں آپ نے اتنا طول کیا کہ میں ڈرا کہ (خدانخواستہ) کہیں اللہ تعالیٰ نے آپ کو وفات تو نہیں دے دی، چنانچہ میں آپ کو دیکھنے کیلئے آیا کہ آیا آپ زندہ ہیں یا واصل بحق ہو چکے ہیں، آپ نے (میری آہٹ پا کر) اپنا سر مبارک (زمین سے) اٹھایا اور فرمایا کہ "کیا ہوا.....؟ (یعنی ایسی کیا بات پیش آگئی جو تم پر اس قدر گھبراہٹ اور غم کی علامت طاری ہے) تب میں نے صورت حال ذکر کی (کہ نصیب دشمناں میں تو آپ کی طرف سے ڈر ہی گیا تھا) راوی کہتے ہیں کہ (اس کے بعد) آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ "حضرت جرائیل علیہ السلام نے مجھ سے کہا ہے کہ کیا آپ کو یہ خوش خبری نہ سنادوں کہ اللہ بزرگ و برتر فرماتا ہے کہ جو شخص آپ پر درود بھیجے میں اس پر رحمت بھیجوں گا اور جو شخص آپ پر سلام بھیجے میں اس پر سلام بھیجوں گا۔" (احمد)

جب تک درود نہ پڑھے دعا قبول نہیں ہوگی

﴿۲۰﴾ وعن عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ إِنَّ الدُّعَاءَ مَوْقُوْفٌ بَيْنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ لَا يَصْعَدُ مِنْهُ شَيْءٌ حَتّٰى تُصَلِّيَ عَلٰى نَبِيِّكَ. (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ)[2]

ترجمہ: اور امیر المؤمنین حضرت سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ "دعا اس وقت تک آسمان اور زمین کے درمیان معلق رہتی ہے اور اسمیں سے کوئی چیز اوپر نہیں چڑھتی جب تک کہ تم اپنے نبی ﷺ پر درود نہ بھیجو۔" (ترمذی)

توضیح: "ان الدعا موقوف" یعنی جب تک حضور اکرم ﷺ پر درود نہ پڑھا جائے کوئی دعا قبول نہیں ہوگی جب درود پڑھا جائے گا تو دعا اس کے دوش پر سوار ہو کر بارگاہ رب العزت میں قبولیت کا شرف حاصل کر کے پہنچ جائے گی۔ کہتے ہیں چیونٹی کو شوق ہوا کہ بیت اللہ کی زیارت کرے اس کے لئے کسی کے توسط کے بغیر سیکڑوں میل دور سے پہنچنا محال تھا اچانک ایک کبوتر آیا چیونٹی اسکے پنجوں اور ٹانگوں سے لپٹ کر فوراً بیت اللہ پہنچ گئی کسی نے یہی مضمون شعر میں ادا کیا ہے۔

مور مسکین ہوَس داشت کہ بہ کعبہ رسد دست در پائے کبوتر زد و ناگاہ رسد

حصن حصین میں لکھا ہے کہ حضرت شیخ ابوسلیمان دارانی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ جب تم اللہ تعالیٰ کے سامنے اپنی کسی حاجت کی تکمیل کے لئے دست دعا دراز کرو تو ابتداً حضور پر درود بھیجنے سے کرو اور دعا کی انتہاء بھی درود سے کرو یعنی

[1] اخرجه احمد: ۱/۱۹۱ [2] اخرجه الترمذي: ۴۸۴، ۳۵۴

اول وآخر حضور اکرم ﷺ پر درود پڑھو بیچ میں دعا مانگو کیونکہ اللہ تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے درود کو قبول فرماتا ہے تو اللہ تعالیٰ کی شان کریمی کا تقاضا ہے کہ وہ جب دونوں درودوں کو قبول کریگا تو درمیانی دعا کو نہیں چھوڑیگا بلکہ اس کو بھی قبول فرمائے گا۔

بعض علماء نے لکھا ہے کہ انسان کے اعمال میں درود ایسا عمل ہے جو اللہ تعالیٰ کے ہاں قبول ہی قبول ہے درود کبھی رد نہیں ہوتا بشرطیکہ صحیح درود ہو نمائش نہ ہو۔

اس روایت کے متعلق بھی اسی طرح کلام ہے جو حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما کی گذشتہ روایت نمبر ۱۷ میں گذرا ہے یہ روایت بھی اگرچہ موقوف ہے مگر اس طرح کی روایتیں لفظاً موقوف اور حکماً مرفوع ہوتی ہیں۔ [۱]

یارب صل وسلم دائما ابدا علی حبیبك خیرالخلق کلهم

---

[۱] المرقات: ۲/۲۲ ۱۳ الکاشف: ۲/۳۲۲

باب الدعاء فی التشهد

تشہد کے بعد دعا پڑھنے کا بیان

قال الله تعالیٰ ﴿ومنهم من يقول ربنا اتنا فى الدنيا حسنة وفى الأخرة حسنة وقنا عذاب النار﴾ (بقرہ ۲۰۱)

نماز میں جب آدمی قعدہ اخیرہ میں بیٹھتا ہے تو تشہد کے بعد درود پڑھا جاتا ہے اور درود کے بعد دعا ہوتی ہے اس سے پہلے باب التشہد کی حدیث نمبر ۳ میں حضور اکرم ﷺ کا ارشاد گذر گیا ہے کہ تشہد کے بعد آدمی اپنی پسند کی دعا مانگ لے اوپر مذکورہ عنوان کا مطلب بھی یہی ہے کہ قعدہ اخیرہ میں جو کچھ پڑھا جاتا ہے اس میں تشہد بھی ہے اور تشہد کے بعد دعا بھی ہے اس عنوان سے یہ سب مراد ہیں تو اس صورت میں یہ لفظ "فی" کا استعمال صحیح ہو جائے گا یا "فی" کا لفظ "بعد" کے معنی میں ہے "ای باب الدعا بعد التشهد" اس طرح مقصود صحیح ہو جائے گا۔

فقہاء احناف لکھتے ہیں کہ اس دعا میں ایسے الفاظ نہیں ہونے چاہئیں جن میں کلام الناس کے ساتھ مشابہت ہو یعنی کوئی شخص یہ دعا نہ مانگے "الهم زوجنی فلانة" اس سے نماز خراب ہو جائے گی احادیث میں جو دعائیں وارد ہیں وہ سب سے اچھی ہیں وہی پڑھنی چاہئیں۔

الفصل الاول

تشہد میں نبی اکرم ﷺ کی جامع دعا

﴿۱﴾ عن عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَدْعُوْ فِي الصَّلَاةِ يَقُوْلُ اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ أَعُوْذُبِكَ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ وَأَعُوْذُبِكَ مِنْ فِتْنَةِ الْمَسِيْحِ الدَّجَّالِ وَأَعُوْذُبِكَ مِنْ فِتْنَةِ الْمَحْيَا وَفِتْنَةِ الْمَمَاتِ اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ أَعُوْذُبِكَ مِنَ الْمَأْثَمِ وَالْمَغْرَمِ فَقَالَ لَهُ قَائِلٌ مَا أَكْثَرَ مَا تَسْتَعِيْذُ مِنَ الْمَغْرَمِ فَقَالَ اِنَّ الرَّجُلَ اِذَا غَرِمَ حَدَّثَ فَكَذَبَ وَوَعَدَ فَأَخْلَفَ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)[1]

ترجمہ: ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ رحمت عالم ﷺ نماز میں (تشہد کے بعد مذکورہ) دعا مانگتے تھے: (جس کا ترجمہ یہ ہے)

اے اللہ میں عذاب قبر سے تیری پناہ چاہتا ہوں اور کانے دجال کے فتنہ سے تیری پناہ مانگتا ہوں اور زندگی کے فتنوں اور موت کے فتنوں سے تیری پناہ کا طلب گار ہوں اے پروردگار! میں تجھ سے گناہوں سے اور قرض سے پناہ چاہتا ہوں۔ (راوی کا بیان ہے کہ

[1] اخرجه البخاری: ۱/۲۱۱، ۳/۱۵۳، ۳/۱۵۳، ۹/۷۵ ومسلم: ۲/۹۲، ۲/۹۳

آپ کی یہ دعا سن کر) کسی کہنے والے نے کہا کہ ''آپ کا قرض سے پناہ مانگنا بڑے تعجب کی بات ہے.....''؟ آپ نے فرمایا ''جب آدمی قرضدار ہوتا ہے تو باتیں بناتا ہے اور جھوٹ بولتا ہے اور وعدہ کرتا ہے تو وعدہ خلافی کرتا ہے۔'' (بخاری ومسلم)

توضیح: "من عذاب القبر" عذاب قبر کی تفصیلات توضیحات جلد اول "باب عذاب القبر" میں ملاحظہ فرمائیں۔ "المسیح الدجال" دجال دجل سے مبالغہ کا صیغہ ہے یعنی بہت بڑا دھوکہ باز فراڈی اس فراڈی کا ذکر آئندہ کتاب الفتن میں ان شاء اللہ آئے گا یہاں سوال یہ ہے کہ اس کو مسیح کیوں کہتے ہیں حالانکہ یہ لفظ حضرت عیسی علیہ السلام کے القاب میں سے ایک لقب ہے اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت عیسی علیہ السلام کو اس لئے مسیح کہتے ہیں کہ وہ مبارک ہیں اور عبرانی زبان میں ''مسیحا'' مبارک کے معنی میں ہے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ مسیح مسح سے جس کے معنی ہیں ہاتھ پھیرنا اور حضرت عیسی علیہ السلام بیماروں پر ہاتھ پھیرتے تھے تو وہ شفایاب ہوجاتے تھے اس لئے ان کو مسیح کہا گیا جب مطلق مسیح کا لفظ آجائے تو اس سے حضرت عیسی علیہ السلام ہی مراد ہوتے ہیں۔

دجال خبیث کے ساتھ جو لفظ مسیح ذکر کیا جاتا ہے تو اس سے مسوح العین مراد ہے یعنی ایک آنکھ سے وہ خبیث ایسا کانا ہے کہ آنکھ اور چہرہ ایک ساتھ چٹیل میدان ہے۔ یا دجال کو مسیح اس لئے کہتے ہیں کہ وہ چالیس دن کے اندر پوری دنیا کو چھوئے گا اور سب اطراف میں پھریگا سوائے مکہ اور مدینہ کے جیسا کہ آخر مشکوۃ میں اس کا تذکرہ ان شاء اللہ آنے والا ہے۔[1]

یہ بات یاد رکھنے کی ہے کہ دجال کے لئے جب مسیح کا لفظ استعمال ہوتا ہے تو اس کے ساتھ دجال کا لفظ لگا رہنا ضروری ہے تاکہ حضرت عیسی مسیح کے ساتھ التباس نہ آئے۔

اس حدیث میں حضور اکرم ﷺ نے چھ مھلکات سے پناہ مانگی ہے کیونکہ یہ چھ چیزیں بڑی تباہ کن ہیں اگر ان میں سے کسی ایک کے فتنہ میں کوئی پھنس گیا تو دنیا و آخرت برباد ہوجائے گی تو حضور ﷺ نے امت کو تعلیم دی کہ تم اس طرح پناہ مانگو "ومن الفتنة المحیا" زندگی کا فتنہ یہ ہے کہ آدمی راہ راست اور ہدایت سے بھٹک کر گمراہی کے راستے میں جا کر گرجائے اور ناقابل برداشت مصیبتوں میں گرفتار ہوجائے جس میں آخرت کا کوئی بھی فائدہ نہ ہو۔[2]

"والممات" یعنی موت کے فتنہ سے تیری پناہ مانگتا ہوں موت کا فتنہ یہ ہے کہ حالت نزع میں شیطان لعین انسان کے دل میں طرح طرح کے وسوسے ڈالتا ہے اور کبھی انسان کو ایمان کی دولت سے محروم کردیتا ہے اور دائمی عذاب میں مبتلا کردیتا ہے اسی طرح موت کے بعد قبر میں منکر نکیر کا سوال و جواب جس میں آدمی ڈگمگا جائے اور صحیح جواب نہ دے سکے اور قبر میں عذاب میں مبتلا ہوجائے یہ بھی موت کا فتنہ ہے اور حشر و نشر کا عذاب بھی موت کا فتنہ ہے۔[3]

"المأثم" یہ لفظ یا تو ظرف مکان کا صیغہ ہے مطلب یہ ہے کہ ایسی جگہوں سے پناہ مانگتا ہوں جو گناہوں کا ذریعہ بنتی ہیں یا یہ لفظ مصدر میمی ہے جو گناہ کے معنی میں ہے مطلب یہ ہے کہ گناہوں سے تیری پناہ مانگتے ہیں اور گناہوں کے مواقع و اسباب سے تیری پناہ مانگتے ہیں شیخ الہند جب مکہ میں گرفتار ہوئے اور مالٹا لے جائے جارہے تھے تو آپ نے فرمایا۔[4]

---

[1] المرقات: ۳/۲۵ [2] المرقات: ۳/۲۵ [3] المرقات: ۳/۲۵ [4] المرقات: ۳/۲۵

الحمدللہ کہ بہ مصیبتے گرفتار یم نہ بہ معصیتے

یعنی اصلی قیدی وہ ہے جو گناہ کا قیدی ہو۔

"المغرم" مغرم وغرامہ تاوان چٹی اور قرض کو کہتے ہیں اس سے وہ قرض مراد ہے جو عیاشی، نافرمانی اور بدمعاشی کے لئے لیا گیا ہو اور دینے کا خیال نہ ہو یا وہ قرض مراد ہے کہ قرض لیا مگر ادائیگی کی کوئی نیت نہیں لیکن اگر کوئی شخص نیک مقصد کے لئے قرض لیتا ہے اور ادائیگی کی صورت بھی ہے اور ارادہ بھی ہے تو ایسے قرض کے لئے یہ وعید نہیں ہے۔

بہر حال صحابی کو قرض لینے سے پناہ مانگنے پر تعجب ہوا تو حضور سے سوال کیا حضور نے لینے کے عیوب بیان فرما دیئے ایک عیب یہ کہ قرض لیتے وقت اکثر وبیشتر جھوٹی باتیں بنا بنا کر قرض حاصل کیا جاتا ہے یہ اخروی نقصان ہے اور جب ادائیگی کا وقت آتا ہے تو وعدہ کرتا ہے اور خلاف ورزی کرتا ہے۔ حضرت پاک کے کلام پر قربان جاؤں یہ تجرباتی طور پر بھی اتنا سچا ہے جتنا دن کے بعد رات کا آنا یقینی ہے۔

قرض لینے کی وجہ سے جب آدمی ادائیگی کے وقت وعدہ خلافی کرتا ہے تو اس میں منافق کی ایک صفت آتی ہے اور جب جھوٹ بولتا ہے تو منافق کی دوسری صفت اس میں آجاتی ہے اس لئے قرض سے پناہ مانگی گئی ہے۔ کہ اس سے آخرت کا بہت نقصان ہوتا ہے۔[1]

﴿۲﴾ وعن أبي هريرة قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم إذا فرغ أحدكم من التشهد الآخر فليتعوذ بالله من أربع من عذاب جهنم ومن عذاب القبر ومن فتنة المحيا والممات ومن شر المسيح الدجال. (رواه مسلم)[2]

ترجمہ: اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رحمت عالم ﷺ نے فرمایا جب تم میں سے کوئی شخص (نماز میں) آخری تشہد (یعنی التحیات) سے فارغ ہو جائے تو اسے چاہئے کہ وہ چار چیزوں سے اللہ تعالیٰ کی پناہ کا طلبگار ہو۔ ① عذاب دوزخ، ② عذاب قبر ③ فتنہ زندگی وموت ④ مسیح دجال کی برائی۔" (مسلم)

توضیح: "اذا فرغ" حدیث کے ظاہری الفاظ سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ دعا نماز کے اندر ہی ہے البتہ قعدہ اخیرہ کے تشہد اور سلام کے درمیان ہے سلام کے بعد یہ دعا منع نہیں ہے لیکن حدیث کا مطلب یہ نہیں کہ یہ دعا نماز کے بعد ہے اس حدیث[3] سے یہ بھی معلوم ہوا کہ سلام سے پہلے معروف دعاؤں کے علاوہ کچھ اور دعائیں بھی مانگی جا سکتی ہیں۔

﴿۳﴾ وعن ابن عباس رضي الله عنهما أن النبي صلى الله عليه وسلم كان يعلمهم هذا الدعاء كما يعلمهم السورة من القرآن يقول قولوا اللهم إني أعوذ بك من عذاب جهنم وأعوذ بك

---

[1] المرقات: ۲/۲۶ [2] اخرجه مسلم: ۲/۹۳،۲/۹۲ [3] المرقات: ۲/۲۶ الکاشف: ۲/۲۲۲

مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ وَأَعُوْذُبِكَ مِنْ فِتْنَةِ الْمَسِيْحِ الدَّجَّالِ وَأَعُوْذُبِكَ مِنْ فِتْنَةِ الْمَحْيَا وَالْمَمَاتِ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)[1]

ترجمہ: اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما راوی ہیں کہ رحمت عالم ﷺ صحابہ اور اہل بیت کو یہ دعا اسی طرح سکھاتے تھے جس طرح آپ ہمیں قرآن کی کوئی سورۃ سکھایا کرتے تھے چنانچہ آپ فرمایا کرتے تھے کہ (یہ دعا اس طرح) پڑھو۔

اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ أَعُوْذُبِكَ مِنْ عَذَابِ جَهَنَّمَ وَأَعُوْذُبِكَ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ وَأَعُوْذُبِكَ مِنْ فِتْنَةِ الْمَسِيْحِ الدَّجَّالِ وَأَعُوْذُبِكَ مِنْ فِتْنَةِ الْمَحْيَا وَالْمَمَاتِ۔

ترجمہ: اے اللہ! میں عذاب جہنم سے تیری پناہ مانگتا ہوں، عذاب قبر سے تیری پناہ کا طلبگار رہوں، مسیح دجال کے فتنہ سے تیری پناہ چاہتا ہوں اور زندگی و موت کے فتنہ سے تیری پناہ کو طلب کرتا ہوں۔

نماز میں سلام سے پہلے صدیق اکبر کی خصوصی دعا

﴿۴﴾ وعن أَبِيْ بَكْرٍ الصِّدِّيْقِ قَالَ قُلْتُ يَارَسُوْلَ اللهِ عَلِّمْنِيْ دُعَاءً أَدْعُوْبِهٖ فِيْ صَلَاتِيْ قَالَ قُلْ اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ ظَلَمْتُ نَفْسِيْ ظُلْمًا كَثِيْرًا وَلَا يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا أَنْتَ فَاغْفِرْلِيْ مَغْفِرَةً مِنْ عِنْدِكَ وَارْحَمْنِيْ اِنَّكَ أَنْتَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)[2]

ترجمہ: اور امیر المؤمنین حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رحمت عالم ﷺ سے عرض کیا کہ "یارسول اللہ! مجھے کوئی ایسی دعا بتا دیجئے کہ جسے میں اپنی نماز میں (تشہد و درود کے بعد) پڑھ لیا کروں۔" آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ یہ پڑھ لیا کرو:۔ (جس کا ترجمہ ہے)

اے پروردگار! بیشک میں نے اپنے نفس پر بہت ظلم کیا ہے اور تیرے علاوہ کوئی دوسرا گناہوں کو نہیں بخش سکتا لہٰذا تو مجھے بخش دے خاص طور سے بخشنا اور مجھ پر رحم فرما، بے شک تو بخشنے والا اور رحمت کرنے والا ہے۔" (بخاری و مسلم)

سلام پھیرنے میں سر گھمانے کی حد

﴿۵﴾ وعن عَامِرِ بْنِ سَعْدٍ عَنْ أَبِيْهِ قَالَ كُنْتُ أَرٰى رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُسَلِّمُ عَنْ يَمِيْنِهٖ وَعَنْ يَسَارِهٖ حَتّٰى أَرٰى بَيَاضَ خَدِّهٖ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)[3]

ترجمہ: اور حضرت عامر بن سعد رحمہ اللہ (تابعی) اپنے والد مکرم (حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ) سے روایت کرتے

[1] اخرجه ومسلم: ۲/۱۳ [2] اخرجه البخاري: ۱/۲۱۱، ۸/۸۹ ومسلم: ۸/۷۴ [3] اخرجه مسلم: ۲/۹۱

ہیں کہ انہوں نے فرمایا کہ میں دیکھتا ہوں کہ رحمت عالم ﷺ اپنے دائیں اور بائیں (اس طرح) سلام پھیرتے تھے کہ میں آپ کے رخساروں کی سفیدی دیکھ لیتا تھا۔" (مسلم)

نماز کے بعد امام مقتدیوں کی طرف منہ کر کے بیٹھے

﴿۶﴾ وعن سَمُرَةَ بْنِ جُنْدُبٍ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا صَلّٰى صَلَاةً أَقْبَلَ عَلَيْنَا بِوَجْهِهٖ. (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)[۱]

ترجمہ: اور حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رحمت عالم ﷺ جب نماز پڑھ کر فارغ ہو جاتے تھے تو ہماری طرف اپنا مبارک منہ متوجہ کر کے بیٹھتے تھے۔" (بخاری)

توضیح: "اقبل علینا بوجهه" اس حدیث میں یہ تصریح موجود ہے کہ آنحضرت ﷺ نماز سے فارغ ہونے کے بعد مقتدیوں کی طرف متوجہ ہو کر بیٹھتے تھے۔[۲]

سوال: اب یہاں یہ سوال ہے کہ اس حدیث میں قوم کی طرف متوجہ ہو کر بیٹھنے کا بیان ہے جبکہ ساتھ والی روایت میں ہے کہ آپ دائیں طرف مڑ کر بیٹھتے تھے اس کے بعد حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ آپ ﷺ بائیں طرف مڑ کر بیٹھتے تھے اس کے بعد براء بن عازب رضی اللہ عنہ کی روایت سے پتہ چلتا ہے کہ آپ ﷺ دائیں طرف مڑ کر بیٹھتے تھے بظاہر ان تمام روایات میں تعارض ہے اس کا کیا جواب ہو سکتا ہے۔

جواب: ان احادیث میں تطبیق کی دو صورتیں ہیں اول صورت یہ ہے کہ سلام پھیرنے کے بعد آنحضرت ﷺ کو اگر فوراً اٹھ کر جانا ہوتا تو جس طرف کام ہوتا آپ اسی طرف رخ کر کے چلے جاتے کبھی دائیں طرف اور کبھی بائیں طرف تشریف لے جاتے تھے اور اگر آپ کو جانا نہ ہوتا بلکہ بیٹھنا ہوتا تو آپ قوم کی طرف متوجہ ہو کر مصلّٰی پر بیٹھ جاتے اس بیان کے بعد احادیث میں کوئی تعارض نہیں رہتا سب میں تطبیق آجاتی ہے البتہ اس صورت میں انصراف کا معنی بیٹھنا نہیں بلکہ رخ پھیر کر چلنا مراد ہے اور یہ معنی لینا کوئی بعید نہیں۔

تطبیق کی دوسری صورت یہ ہے کہ سلام پھیرنے کے بعد نبی اکرم ﷺ کا معمول تین طرح کا ہوتا تھا کبھی سلام پھیر کر آپ فوراً گھر تشریف لے جاتے اس صورت میں عموماً آپ بائیں طرف مڑ کر تشریف لیجاتے تھے کیونکہ محراب سے آپ کا حجرہ بائیں طرف ہے جبکہ آدمی قبلہ رخ بیٹھا ہوا ہو۔

اور کبھی ذکر اللہ اور دعا کی غرض سے آپ سے مصلے پر بیٹھے رہتے اس وقت آپ دائیں طرف مڑ کر بیٹھتے اور دعا مانگتے اور کبھی سلام کے بعد خطبہ وغیرہ دینا مقصود ہوتا تو آپ قوم کی طرف مکمل متوجہ ہو جاتے اس طرح تمام متعارض احادیث میں تطبیق آجاتی ہے انصراف سے قوم کی طرف مڑ کر متوجہ ہونا بھی مراد لیا جا سکتا ہے بعض ائمہ حضرات قوم کی طرف سے مڑ کر

---
[۱] اخرجه　　[۲] المرقات: ۳/۳۰

منہ دائیں جانب کر کے بیٹھ جاتے ہیں شاہ انور شاہ صاحب رحمہ اللہ اس طرز عمل پر سخت نکیر فرماتے تھے۔
اب یہاں ایک مسئلہ یہ ہے کہ ائمہ احناف کے علماء کی عام عادت یہ رہی ہے کہ جن فرائض کے بعد سنن نہیں ہیں ان میں قوم کی طرف متوجہ ہو کر بیٹھ جاتے ہیں اور دعا کر کے چلے جاتے ہیں۔ اور جن فرائض کے بعد سنن ہیں ان میں قوم کی طرف مڑ کر نہیں بلکہ قبلہ رخ بیٹھ کر مختصر دعا کر کے سنتوں کے لئے کھڑے ہو جاتے ہیں یہی رواج عام ہے اور مسئلہ بھی یہی ہے لیکن زیر نظر احادیث سے یہ مسئلہ ثابت نہیں ہو سکتا ہے۔

﴿۷﴾ وعن أنسٍ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَنْصَرِفُ عَنْ يَمِيْنِهِ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)[1]

ترجمہ: اور حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نماز سے فارغ ہونے کے بعد (کبھی) اپنی دائیں طرف پھر کر بیٹھتے تھے۔" (مسلم)

مستحب عمل کو لازم سمجھنا بدعت ہے

﴿۸﴾ وعن عَبْدِ اللهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ لَا يَجْعَلْ أَحَدُكُمْ لِلشَّيْطَانِ شَيْئًا مِنْ صَلَاتِهِ يَرَى أَنَّ حَقًّا عَلَيْهِ أَنْ لَا يَنْصَرِفَ إِلَّا عَنْ يَمِيْنِهِ لَقَدْ رَأَيْتُ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَثِيْرًا يَنْصَرِفُ عَنْ يَسَارِهِ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)[2]

ترجمہ: اور حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ تم میں سے کوئی شخص اپنی نماز میں شیطان کا حصہ مقرر نہ کرے (یعنی) اس چیز کو لازم نہ جانے کہ (نماز کے بعد) دائیں جانب ہی سے پھرے، کیونکہ میں نے دیکھا ہے کہ رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم اکثر بائیں جانب سے پھرا کرتے تھے۔" (بخاری ومسلم)

توضیح: "عن یسارہ" یعنی کسی مستحب امر کو لازم کرنا اپنے عمل میں شیطان کے لئے حصہ بنانا ہے مقتدیوں کی طرف یا اٹھ کر جانے کے وقت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دائیں اور بائیں دونوں طرف مڑنے پر عمل کیا ہے اب اگر کوئی شخص یہ سمجھتا ہے کہ دائیں جانب مڑنے پر عمل کرنے میں زیادہ فضیلت ہے اور اسی کو اپنے اوپر لازم کرتا ہے تو اس شخص نے ایک مباح و مستحب امر کو واجب اور لازم کا درجہ دیدیا جو ناجائز اور بدعت ہے اور یہی اپنی نماز میں شیطان کا حصہ بنانا ہے کاش اگر اہل بدعت اس حدیث پر نظر ڈالتے اور اس پر عمل کرتے اور غیر لازم بلکہ نو ایجاد اشیاء پر اصرار نہ کرتے۔[3]
یاد رہے کہ حضرت عامر رضی اللہ عنہ کی حدیث اور حضرت سمرہ وانس اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہم کی چاروں حدیثیں اس باب کے موضوع سے متعلق نہیں ہیں ہاں اس باب کے متعلقات میں سے ہیں اور اسی حیثیت سے یہاں نقل کی گئیں ہیں۔

---

[1] اخرجه مسلم: ۲/۱۵۳ [2] اخرجه البخاري: ۱/۲۱۶ ومسلم: ۲/۱۵۳ [3] المرقاة: ۳/۳۱ الكاشف: ۲/۳۳۶

﴿۹﴾ وعن الْبَرَاءِ قَالَ كُنَّا إِذَا صَلَّيْنَا خَلْفَ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَحْبَبْنَا أَنْ نَكُوْنَ عَنْ يَمِيْنِهِ يُقْبِلُ عَلَيْنَا بِوَجْهِهِ قَالَ فَسَمِعْتُهُ يَقُوْلُ رَبِّ قِنِيْ عَذَابَكَ يَوْمَ تَبْعَثُ أَوْ تَجْمَعُ عِبَادَكَ.

(رَوَاهُ مُسْلِمٌ)[۱]

ترجمہ: اور حضرت براء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب ہم رحمت عالم ﷺ کے پیچھے نماز پڑھتے تو اس بات کو پسند کرتے تھے کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے داہنی جانب ہوں تا کہ آپ (سلام کے وقت سب سے پہلے) ہماری طرف متوجہ ہوں، براء کہتے ہیں کہ "میں نے آنحضرت ﷺ کو (سلام کے بعد دعا کے طور پر) یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ:۔

رَبِّ قِنِيْ عَذَابَكَ يَوْمَ تَبْعَثُ أَوْ تَجْمَعُ عِبَادَكَ

ترجمہ: اے پروردگار! مجھے اپنے عذاب سے بچا اس روز جبکہ تو اپنے بندوں کو اٹھائے گا یا جمع کرے گا۔" (ان دو کلمات میں راوی کو شک ہوا) (مسلم)

﴿۱۰﴾ وعن أُمِّ سَلَمَةَ قَالَتْ إِنَّ النِّسَاءَ فِيْ عَهْدِ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كُنَّ إِذَا سَلَّمْنَ مِنَ الْمَكْتُوْبَةِ قُمْنَ وَثَبَتَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَمَنْ صَلَّى مِنَ الرِّجَالِ مَا شَاءَ اللهُ فَإِذَا قَامَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَامَ الرِّجَالُ.

(رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ وَسَنَذْكُرُ حَدِيْثَ جَابِرِ بْنِ سَمُرَةَ فِيْ بَابِ الضِّحْكِ إِنْ شَاءَ اللهُ تَعَالَى)[۲]

ترجمہ: اور حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ رحمت عالم ﷺ کے زمانہ مبارک میں عورتیں (جب مردوں کے ساتھ جماعت سے نماز پڑھتی تھیں تو) فرض نماز کا سلام پھیر کر فوراً اٹھ جاتی تھیں اور اپنے گھروں کو چلی جاتی تھیں اور آنحضرت ﷺ مردوں میں سے جو لوگ نماز میں شامل ہوتے تھے جتنی دیر اللہ کو منظور ہوتا بیٹھے رہتے تھے، پھر جب آنحضرت ﷺ کھڑے ہوتے تو سب مرد کھڑے ہو جاتے (اور اپنے اپنے گھروں کو چلے جاتے تھے)۔" (بخاری)

توضیح: "قمن" یعنی عورتیں سلام پھیر کر فوراً کھڑی ہو جاتی تھیں اور مرد بیٹھے رہتے تا کہ راستے میں جاتے وقت مردوں اور عورتوں کا اختلاط نہ ہو، عہد رسالت میں چند شرائط کے ساتھ عورتوں کا چند مجبوریوں کی وجہ سے مسجد نبوی میں حاضر ہونا ثابت ہے۔[۳]

شرائط یہ کہ نوجوان عورتیں نہ آئیں معمر خواتین بھی صرف فجر اور مغرب وعشاء میں تاریکی میں آئیں لباس کا مظاہرہ نہ کریں عطر نہ لگائیں انتہائی پردہ کے ساتھ آئیں آخر میں آئیں اور مردوں کے اٹھنے سے پہلے جائیں نمازوں میں حاضر ہونے کی مجبوری یہ تھی کہ نبی آخر زمان کے پیچھے نماز پڑھ سکیں، مسائل اور دین سیکھ سکیں کیونکہ حضور اکرم ﷺ کے علاوہ یہ چیزیں

[۱] اخرجه مسلم: ۲/۱۵۳ [۲] اخرجه البخاري: ۱/۲۱۲، ۲۱۵، ۲۱۹، ۲۲۰ [۳] المرقات: ۲/۳۲

کہیں نہیں ملتی تھیں عبادات میں شریک ہو کر عبادات کا نقشہ معلوم کر سکیں چونکہ اس وقت خیر ہی خیر تھی نزول قرآن کا وقت تھا نبی آخر زمان موجود تھے صحابہ جیسی فرشتوں کی جماعت تھی خیر القرون کا دور تھا اس لئے ہر قسم کا تحفظ حاصل تھا لیکن آج کل اس پر فتن دور میں اس کی اجازت نہیں دی جاسکتی ہے خود صحابہ کے دور میں حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے ممانعت کا فتویٰ دیا تھا جیسا کہ آئندہ آرہا ہے آج کل عورتوں کا مدارس و مساجد کی طرف یا تبلیغ ومحافل وعظ میں نکلنا اور مردوں کے ساتھ راستوں میں اختلاط رکھنا بہت ہی برا ہے جو اس حدیث کی تعلیم کے خلاف ہے۔

الفصل الثانی

﴿۱۱﴾ عن مُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ قَالَ أَخَذَ بِيَدِي رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ إِنِّي لَأُحِبُّكَ يَا مُعَاذُ فَقُلْتُ وَأَنَا أُحِبُّكَ يَا رَسُولَ اللهِ قَالَ فَلَا تَدَعْ أَنْ تَقُولَ فِي دُبُرِ كُلِّ صَلَاةٍ رَبِّ أَعِنِّي عَلَى ذِكْرِكَ وَشُكْرِكَ وَحُسْنِ عِبَادَتِكَ. (رَوَاهُ أَحْمَدُ وَأَبُو دَاوُدَ وَالنَّسَائِيُّ إِلَّا أَنَّ أَبَا دَاوُدَ لَمْ يَذْكُرْ قَالَ مُعَاذٌ وَأَنَا أُحِبُّكَ)[1]

ترجمہ: حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ (ایک دن) رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے میرا ہاتھ اپنے دست مبارک میں لے کر فرمایا کہ:۔ معاذ! میں تمہیں دوست رکھتا ہوں۔" میں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! میں بھی آپ کو دوست رکھتا ہوں۔" آپ نے فرمایا۔" (جب تم مجھے دوست رکھتے ہو تو) کسی بھی نماز کے بعد اس دعا کو پڑھنا ترک نہ کرو۔

رَبِّ أَعِنِّي عَلَى ذِكْرِكَ وَشُكْرِكَ وَحُسْنِ عِبَادَتِكَ.

اے پروردگار! تو اپنے ذکر، اپنے شکر اور اپنی اچھی عبادت میں میری مدد کر!

اس روایت کو احمد، ابوداؤد اور نسائی نے نقل کیا ہے مگر ابوداؤد نے معاذ کے یہ الفاظ وانا احبك نقل نہیں کئے ہیں۔"

﴿۱۲﴾ وعن عَبْدِ اللهِ ابْنِ مَسْعُودٍ قَالَ إِنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يُسَلِّمُ عَنْ يَمِينِهِ اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَةُ اللهِ حَتّٰى يُرٰى بَيَاضُ خَدِّهِ الْأَيْمَنِ وَعَنْ يَسَارِهِ اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَةُ اللهِ حَتّٰى يُرٰى بَيَاضُ خَدِّهِ الْأَيْسَرِ.

(رَوَاهُ أَبُو دَاوُدَ وَالتِّرْمِذِيُّ وَالنَّسَائِيُّ وَلَمْ يَذْكُرِ التِّرْمِذِيُّ حَتّٰى يُرٰى بَيَاضُ خَدِّهِ وَرَوَاهُ ابْنُ مَاجَه عَنْ عَمَّارِ بْنِ يَاسِرٍ)[2]

ترجمہ: اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی دائیں جانب السلام علیکم ورحمۃ اللہ (یعنی تم پر اللہ کی سلامتی اور اللہ کی رحمت) کہتے ہوئے سلام پھیرتے یہاں تک کہ آپ کے دائیں رخسار کی سفیدی نظر آتی اور اپنی بائیں جانب بھی السلام علیکم ورحمۃ اللہ کہتے ہوئے سلام پھیرتے یہاں تک کہ آپ کے بائیں رخسار کی سفیدی نظر آتی۔"

(ابوداؤد، ترمذی، نسائی)

[1] اخرجه احمد: ۵/۲۴۴، ۵/۲۴۷ وابوداؤد: ۱۵۲۲ والنسائی: ۳/۵۳
[2] اخرجه ابوداؤد: ۹۹۶ والترمذی: ۲۹۵ والنسائی: ۳/۶۳

ترمذی نے اپنی روایت میں حتی یری بیاض خدہ کے الفاظ ذکر نہیں کئے ہیں اور ابن ماجہ نے اس روایت کو عمار بن یاسر سے نقل کیا ہے۔

﴿۱۳﴾ وعن عَبْدِاللهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ كَانَ أَكْثَرُ انْصِرَافِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ صَلَاتِهِ إِلَى شِقِّهِ الْأَيْسَرِ إِلَى حُجْرَتِهِ۔ (رَوَاهُ فِي شَرْحِ السُّنَّةِ)[1]

ترجمہ: اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رحمت عالم ﷺ نماز کے بعد اکثر بائیں جانب اپنے حجرہ کی طرف پھر جاتے تھے۔" (شرح السنہ)

فرض نماز کے بعد سنتیں پڑھنے کے لئے جگہ بدلنی چاہئے

﴿۱۴﴾ وعن عطاءِ الْخُرَاسَانِيِّ عَنِ الْمُغِيْرَةِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يُصَلِّيْ الْإِمَامُ فِي الْمَوْضِعِ الَّذِيْ صَلّٰى فِيْهِ حَتّٰى يَتَحَوَّلَ۔ (رَوَاهُ أَبُوْدَاوُدَ وَقَالَ عَطَاءُ الْخُرَاسَانِيُّ لَمْ يُدْرِكِ الْمُغِيْرَةَ)[2]

ترجمہ: اور حضرت عطاء خراسانی رحمۃ اللہ علیہ حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رحمت عالم ﷺ نے فرمایا امام اس جگہ نماز نہ پڑھے جہاں نماز پڑھ چکا ہے بلکہ وہاں سے سرک جائے اس روایت کو ابوداؤد نے نقل کیا ہے اور کہا ہے کہ عطاء خراسانی رحمۃ اللہ علیہ کی ملاقات حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ سے (ثابت) نہیں ہے (لہٰذا یہ حدیث منقطع ہے)۔

توضیح: "حتی یتحول" اس حدیث میں یہ بتایا جا رہا ہے کہ جہاں آدمی نے فرض نماز پڑھی ہے وہاں سنتیں نہ پڑھے بلکہ اس جگہ سے ذرا ہٹ کر جگہ بدل کر دوسری جگہ سنتیں پڑھنی چاہئے۔[3]

یہاں یہ بات ذہن میں رہنی چاہئے کہ یہ حکم صرف امام کا نہیں بلکہ امام ومقتدی سب فرائض پڑھنے والوں کے لئے یہی حکم ہے۔ اس حکم کی ایک وجہ تو یہ ہے کہ نمازی کے لئے دو جگہیں الگ الگ اس کی عبادت پر گواہ بن جائیں گی اور دوسری وجہ یہ ہے کہ جگہ بدلنے سے صفوف کا نظام درہم برہم ہو جائے گا تو نو وارد لوگ سمجھ جائیں گے کہ جماعت ہوگئی ہے اگر ایسا نہ کیا گیا اور فرائض کی طرح صفوف میں سب کھڑے رہیں تو نو وارد سمجھے گا کہ اب تک فرض نماز کی جماعت نہیں ہوئی ہے۔

ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ بعض علماء کا قول ہے کہ جگہ بدلنے کا یہ حکم ان نمازوں کے لئے ہے جن میں فرائض کے بعد سنتیں ہوں اور جن نمازوں کے بعد سنن نہیں جیسے فجر وعصر وہاں یہ حکم نہیں ہے مگر بعض دوسرے علماء کا کہنا ہے کہ فرائض کی تمام نمازوں کے بعد جگہ بدل لینی چاہئے ہاں اگر رش ہو اور تنگی ہو تو جگہ بدل دینا کوئی فرض یا واجب نہیں ہے تاہم فجر اور عصر کے بعد جگہ بدلنے کا کوئی مقصد ومطلب بھی نہیں اور کوئی فائدہ بھی نہیں۔[4]

﴿۱۵﴾ وعن أَنَسٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَضَّهُمْ عَلَى الصَّلَاةِ وَنَهَاهُمْ أَنْ يَنْصَرِفُوْا قَبْلَ انْصِرَافِهِ مِنَ الصَّلَاةِ۔ (رَوَاهُ أَبُوْدَاوُدَ)[5]

[1] اخرجہ [2] اخرجہ ابوداؤد: ۶۱۶ [3] المرقات: ۳/۳۳ [4] المرقات: ۳/۳۳ [5] اخرجہ ابوداؤد: ۶۲۴

ترجمہ: اور حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رحمت عالم ﷺ صحابہ کو نماز پڑھنے کی رغبت دلاتے تھے اور ان کو اس بات سے منع فرماتے تھے کہ وہ نماز کے بعد آپ کے اٹھنے سے پہلے اٹھیں۔'' (ابوداود)

الفصل الثالث

﴿۱۶﴾ عن شَدَّادِ بْنِ أَوْسٍ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ فِيْ صَلَاتِهِ أَللّٰهُمَّ إِنِّيْ أَسْأَلُكَ الثَّبَاتَ فِي الْأَمْرِ وَالْعَزِيْمَةَ عَلَى الرُّشْدِ وَأَسْأَلُكَ شُكْرَ نِعْمَتِكَ وَحُسْنَ عِبَادَتِكَ وَأَسْأَلُكَ قَلْبًا سَلِيْمًا وَلِسَانًا صَادِقًا وَأَسْأَلُكَ مِنْ خَيْرِ مَا تَعْلَمُ وَأَعُوْذُبِكَ مِنْ شَرِّ مَا تَعْلَمُ وَأَسْتَغْفِرُكَ لِمَا تَعْلَمُ۔ (رَوَاهُ النَّسَائِيُّ وَرَوَى أَحْمَدُ نَحْوَهُ)[1]

ترجمہ: حضرت شداد بن اوس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رحمت عالم ﷺ اپنی نماز میں (تشہد کے بعد مذکورہ دعا پڑھا کرتے تھے۔ (جس کا ترجمہ یہ ہے)

اے پروردگار! میں تجھ سے دین میں ثابت قدمی اور راہ راست کے قصد کا سوال کرتا ہوں اور میں تجھ سے تیری نعمت کے شکر اور تیری عبادت کے حسن کی درخواست کرتا ہوں اور تجھ سے قلب سلیم اور سچی زبان مانگتا ہوں اور تجھ سے وہ بھلائی چاہتا ہوں جس کو تو جانتا ہے اور اس برائی سے پناہ مانگتا ہوں جس کو تو جانتا ہے اور معافی چاہتا ہوں ان گناہوں سے جن کو تو جانتا ہے۔'' (نسائی، احمد)

﴿۱۷﴾ وعن جَابِرٍ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ فِيْ صَلَاتِهِ بَعْدَ التَّشَهُّدِ أَحْسَنُ الْكَلَامِ كَلَامُ اللهِ وَأَحْسَنُ الْهَدْيِ هَدْيُ مُحَمَّدٍ۔ (رَوَاهُ النَّسَائِيُّ)[2]

ترجمہ: حضرت جابر سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کہتے تھے اپنی نماز میں بعد التحیات کے، بہترین کلاموں کا کلام اللہ کا ہے اور بہت بہترین طریقوں کا طریقہ محمد ﷺ کا ہے۔ روایت کیا اس کو نسائی نے۔

نماز میں سلام کی کیفیت

﴿۱۸﴾ وعن عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُسَلِّمُ فِي الصَّلَاةِ تَسْلِيْمَةً تِلْقَاءَ وَجْهِهٖ ثُمَّ يَمِيْلُ إِلَى الشِّقِّ الْأَيْمَنِ شَيْئًا۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ)[3]

ترجمہ: اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ رحمت عالم ﷺ نماز میں ایک سلام پھیرتے تھے سامنے کے رخ، پھر تھوڑا سا منہ کو دائیں جانب پھیرتے تھے۔'' (ترمذی)

توضیح: "تلقاء وجهه" نماز میں سلام کے متعلق تین اہم مسئلے ہیں۔[4]

[1] اخرجه النسائی: ۳/۵۴ و احمد: ۴/۱۲۵ [2] اخرجه النسائی: ۲/۵۸ [3] اخرجه الترمذی: ۲۹۶ [4] المرقات: ۳/۲۷

پہلا مسئلہ:
یہ ہے کہ خروج المصلی بلفظ السلام آیا فرض ہے یا واجب ہے جمہور اور ائمہ ثلاثہ کے نزدیک لفظ سلام فرض ہے اور احناف کے نزدیک واجب ہے اس مسئلہ کی پوری بحث کتاب الطہارۃ میں گذر چکی ہے۔
دوسرا مسئلہ: یہ ہے کہ نماز میں سلام کا طریقہ کیا ہے اور اس کی تعداد کتنی ہے؟

فقہاء کا اختلاف:

مالکیہ کا مسلک یہ ہے کہ امام اور منفرد کے لئے ایک ایک مرتبہ سلام کہنا سنت ہے جو نہ دائیں طرف ہے نہ بائیں طرف ہے بلکہ منہ کے سامنے کی طرف سلام کرنا مسنون ہے۔
ان حضرات کے ہاں مقتدی کے لئے تین سلام مسنون ہیں ایک سامنے کی طرف دوسرا دائیں طرف اور تیسرا بائیں طرف۔ احناف اور شوافع اور حنابلہ یعنی جمہور کے نزدیک نمازی خواہ امام ہو خواہ مقتدی ہو سب کے لئے نماز سے خروج کے وقت دو سلام مسنون ہیں۔

دلائل:

مالکیہ نے زیر بحث حدیث عائشہ سے استدلال کیا ہے جو اپنے مطلب پر واضح ہے جمہور کے دلائل بہت زیادہ ہیں چنانچہ وہ تمام احادیث جمہور کے دلائل ہیں جن میں دو سلاموں کی تصریحات ہیں اور "عن یمینه وعن یسارہ" کے الفاظ واضح طور پر موجود ہیں۔

جواب: جمہور حضرات امام مالک رحمہ اللہ کی دلیل کی توجیہ یہ کرتے ہیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے کہنے کا مطلب یہ ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سلام کے الفاظ کو اس وقت شروع فرماتے تھے جب چہرہ قبلہ کی طرف ہوتا تھا اور پھر اسی آواز میں چہرہ انور دائیں اور بائیں جانب موڑ دیا کرتے تھے تو دو سلام ہو جاتے تھے یہ مطلب نہیں کہ اول سے آخر تک ایک ہی سلام ہوتا تھا اور سامنے کی طرف ہوتا تھا۔

مقتدی سلام میں امام کی نیت کس طرح کرے؟

﴿۱۹﴾ وعن سَمُرَةَ قَالَ أَمَرَنَا رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ نَرُدَّ عَلَى الْإِمَامِ وَنَتَحَابَّ وَأَنْ يُسَلِّمَ بَعْضُنَا عَلَى بَعْضٍ. (رَوَاهُ أَبُوْدَاوُد)[1]

ترجمہ: اور حضرت سمرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں حکم دیا ہے کہ ہم سلام پھیرتے وقت امام کے سلام کے جواب کی نیت کریں، ہم آپس میں محبت رکھیں اور ایک دوسرے کو سلام کریں"۔ (ابوداؤد)

[1] اخرجه ابوداؤد: ۱۰۰۱

توضیح: "ان نرد علی الامام" اس حدیث میں تین حکم بیان ہوئے ہیں۔ پہلا حکم اس طرح ہے کہ جب مقتدی سلام پھیرتا ہے تو وہ یہ نیت کرے کہ میں امام کے سلام کا جواب دے رہا ہوں صورت یہ ہوگی کہ جو مقتدی امام کے دائیں جانب کھڑے ہوں وہ پہلے سلام میں اپنی دائیں طرف نمازیوں اور کرام الکاتبین فرشتوں کی نیت کریں اور جب بائیں جانب سلام پھیریں تو امام صاحب کے سلام کے جواب کی نیت کریں اور جو مقتدی امام کے بائیں جانب کھڑے ہوں وہ دائیں جانب سلام پھیرنے میں امام کے سلام کے جواب کی نیت کریں۔اور بائیں جانب نمازیوں کی نیت کریں اور جو مقتدی بالکل امام کے پیچھے کھڑے ہوں وہ دونوں سلاموں میں امام صاحب کے سلام کے جواب کی نیت کریں جیسا کہ امام صاحب بھی اسی طرح نیت کرنے کے پابند ہیں۔[1]

باقی دائیں بائیں جانب میں فرشتوں کی نیت ہر سلام میں چاہئے جنات کی نیت کی ضرورت نہیں اور نہ ان انسانوں کی نیت کی ضرورت ہے جو نماز میں شامل نہ ہوں۔

"ونتحاب" یہ دوسرا حکم ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ ہمیں حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کہ ہم آپس میں ایک دوسرے سے محبت کریں اور بغض وعداوت نہ رکھیں سب کے ساتھ اچھے اخلاق سے پیش آئیں۔[2]

"وان یسلم بعضنا" یعنی ہمیں تیسرا حکم یہ ہوا ہے کہ ہم نماز میں ایک دوسرے کے سلام کی نیت کریں اس کی صورت پہلے لکھی جا چکی ہے کہ مقتدی نماز میں سلام پھیرتے وقت ایک دوسرے کے سلام کی نیت کیسے کریں۔[3]

---

[1] المرقات: ۲/۴۷۰ [2] المرقات: ۲/۴۷۰ [3] المرقات: ۲/۴۷۸

باب الذکر بعد الصلوٰۃ

نماز کے بعد ذکر کا بیان

اس باب میں وہ احادیث بیان کی جائیں گی جن سے نماز کے بعد دعا اور اوراد و وظائف کی فضیلت اور اہمیت ظاہر ہو جائے گی ذکر کا لفظ عام ہے جو وظائف اور ادعیہ سب کو شامل ہے۔

یہ مسئلہ کچھ غور طلب ہے کہ جن فرائض کے بعد سنتیں ہوتی ہیں ان کے بعد نمازی اوراد اور ادعیہ پڑھنے کے لئے کتنی دیر تک بیٹھ سکتا ہے۔

علماء احناف میں سے صاحب درمختار نے لکھا ہے کہ فرض نماز پڑھ لینے کے بعد سنتوں میں تاخیر کرنا مکروہ ہے صرف "اللھم انت السلام" آخر تک کی مقدار تک بیٹھنا ثابت ہے۔ فقہاء نے یہ بات بھی لکھی ہے کہ سنتوں کے پڑھنے کے لئے فرائض کے اختتام پر جلدی اٹھنا چاہئے۔

علامہ حلوانی رحمہ اللہ کا قول یہ ہے کہ اوراد اور وظائف پڑھنے کے لئے فرض اور سنتوں کے درمیان وقفہ کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں اسی قول کو کچھ دیگر فقہاء نے بھی لکھا ہے۔

مفتی الہند مفتی کفایت اللہ رحمہ اللہ نے اپنی نفیس کتاب "النفائس المرغوبۃ فی الادعیۃ بعد المکتوبۃ" میں لکھا ہے کہ "اللھم انت السلام" کی روایت میں حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے وقت میں حصر کو نہیں بتایا اور نہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے کوئی وقت متعین کیا ہے بلکہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اس روایت میں اللھم انت السلام کی مقدار کا اندازہ بتایا ہے تو اس اندازہ اور مقدار میں دوسری دعائیں بھی آسکتی ہے جن کا ذکر احادیث میں آیا ہے اس میں کوئی منافات نہیں ہے اور نہ اختلاف ہے۔

علامہ حلبی رحمہ اللہ نے فقہاء کے کلام میں اس معمولی سے اختلاف میں تطبیق دی ہے اس تطبیق سے بھی دونوں اقوال میں کوئی اختلاف باقی نہیں رہتا۔ وہ فرماتے ہیں کہ صاحب درمختار نے تاخر کو جو مکروہ لکھا ہے اس سے مکروہ تحریمی کے بجائے مکروہ تنزیہی لیا جائے تو مسئلہ اَولیٰ اور غیر اَولیٰ کا رہ جائے گا مطلب یہ ہوگا کہ سنتوں میں تاخیر کرنا بہتر نہیں ہے۔

اور علامہ حلوانی رحمہ اللہ کے قول کا مطلب یہ ہو جائے گا کہ وظائف پڑھنے کی غرض سے سنتوں میں تاخیر کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے لیکن مناسب اور بہتر یہی ہے کہ تاخیر نہ کی جائے۔

بہرحال فرائض اور سنتوں کے درمیان وظائف پڑھنے کی گنجائش ہے۔

فقہاء نے لکھا ہے کہ فرض کے بعد سنتوں کے پڑھنے کے لئے صفوں کو توڑنا زیادہ بہتر ہے صف بندی کر کے سنن ونوافل

نہیں پڑھنا چاہئے کچھ آگے پیچھے ہوجانا چاہئے امام صاحب کو بھی چاہئے کہ اپنے مصلّی سے کچھ ہٹ کر کھڑا ہوجائے تاکہ کسی کو یہ اشتباہ نہ ہوجائے کہ لوگ فرض میں کھڑے ہیں **"بعد المکتوبة"** جن ادعیہ کا ذکر احادیث میں بعد المکتوبۃ کے الفاظ کے ساتھ آیا ہے تو سنن پڑھنے کے بعد بھی وہ وظائف پڑھے جاسکتے ہیں کیونکہ بعد السنن بھی بعد المکتوبہ ہی ہے سنن پڑھنے سے فرض کی بعدیت ختم نہیں ہوتی ہے اس توجیہ سے بہت سارے اشکالات ختم ہوجائیں گے کیونکہ فرائض کے بعد جن لمبے اوراد کا ذکر جو احادیث میں آیا ہے وہ اس وقت میں آسانی سے پڑھے جاسکتے ہیں اور لطف یہ کہ بعد الفرض ہی ہونگے دیگر تفصیلات آگے احادیث کے ضمن میں آئیں گی۔

الفصل الاول

﴿۱﴾ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ كُنْتُ اَعْرِفُ اِنْقِضَاءَ صَلَاةِ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالتَّكْبِيْرِ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)[۱]

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ میں رحمت عالم ﷺ کی نماز کے ختم ہونے کو آپ کے اللہ اکبر کہنے سے پہچان لیتا تھا۔" (بخاری و مسلم)

توضیح: **"اعرف انقضاء"** حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما چونکہ چھوٹے تھے اس لئے گھر ہوتے تھے لیکن ان کی ذہانت کو دیکھئے کہ کس طرح صحیح اندازہ لگاتے تھے چونکہ ان کا مکان مسجد کے ساتھ تھا تو جب جماعت ختم ہوجاتی تھی اور تکبیر کی آواز بلند ہوتی تھی تو ان کو معلوم ہوجاتا تھا کہ جماعت ہوگئی اس طرح معمولی آواز بلند کرنا جو انسان کے طبعی نظام کے تحت ہو اس میں کوئی کلام نہیں ہے اور ہر جگہ اہل حق کی مساجد میں اس طرح ہوتا ہے اور ہونا بھی چاہئے جماعت سے فراغت کے وقت لوگ چونکہ بہت ہوتے ہیں تو وہ آہستہ آواز سے بھی اگر ذکر اللہ یا استغفار کریں تب بھی آواز بلند سنائی دیتی ہے اور مسجد میں گونج اٹھتی ہے خلاصہ یہ کہ اعتدال کی حد تک جہر بالاذکار ثابت ہے لیکن حد سے تجاوز ثابت نہیں ہے بلکہ عام اوقات میں بھی اس کی ممانعت آئی ہے۔ بعض علماء کہتے ہیں کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما جس تکبیر کی بات فرماتے ہیں یہ ایام منٰی کی بات تھی اور ایام تشریق میں تکبیرات کو بلند آواز سے پڑھنا امت کا متفقہ مسئلہ ہے۔[۲]

فرائض کے بعد وظائف وادعیہ

نماز کے بعد ذکر اللہ اور دعا کرنا جمہور کے نزدیک مستحب ہے بہت ساری احادیث سے فرائض کے بعد دعا کرنا ثابت ہے بلکہ فرائض کے بعد دعا کو قبولیت دعا کے مواضع میں سے شمار کیا گیا ہے۔ جیسے ایک حدیث میں ہے **"ودبر الصلوٰة المکتوبة"** علامہ ابن قیم رحمہ اللہ نے اس جملہ میں تاویل کی ہے کہ یہاں دبر الصلوٰۃ سے مراد نماز کے بعد نہیں بلکہ نماز کا آخری حصہ مراد ہے جو سلام سے پہلے ہے مگر یہ تاویل صحیح معلوم نہیں ہوتی ہے کیونکہ احادیث میں **"اذا سلم من**

[۱] اخرجه البخاری: ۱/۲۱۳ ومسلم: ۲/۹۱ [۲] المرقات: ۲/۳۸

صلوته" کے الفاظ بھی آئے ہیں اور "اذا انصرفت من صلوٰۃ المغرب" کے الفاظ بھی آئے ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ اذکار نماز کے اختتام پر ہیں۔ بلکہ بعض روایات میں تو عجیب الفاظ آئے ہیں جس سے فرائض کے بعد دعا میں ہاتھ اٹھانے کا ثبوت ملتا ہے۔

مثلاً مصنف ابن ابی شیبہ میں حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کی ایک حدیث ہے جس کے الفاظ یہ ہیں:

"ان رسول الله صلى الله عليه وسلم لم يكن يرفع يديه حتى يفرغ من صلوته"۔

حافظ جلال الدین سیوطی اس حدیث کے متعلق فرماتے ہیں "رجاله ثقات"۔ (اعلاء السنن)

فرائض کے بعد اذکار طویل ہیں یا قصیر ہیں؟

فرض نماز کے بعد کس انداز کے اذکار ہونے چاہئیں آیا طویل ہوں یا مختصر ہوں اس سلسلہ میں احادیث مختلف طور پر وارد ہیں لیکن بنیادی طور پر ان احادیث کو دو قسموں پر تقسیم کیا جاسکتا ہے۔

پہلی قسم وہ احادیث ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور اکرم ﷺ نماز کے بعد مختصر ساذکر اور دعا کر کے مصلی سے اٹھ کر چلے جاتے تھے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی اللهم انت السلام والی روایت اسی قسم میں سے ایک ہے

دوسری قسم احادیث وہ ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے طویل اذکار اور طویل دعائیں پڑھی ہیں جیسے ۳۳ بار پڑھنے والی دعائیں ہیں اور آیت الکرسی ہے اور کبھی طلوع آفتاب تک بیٹھ کر فجر کے بعد آپ وظائف کرتے رہے۔

احناف نے ان دونوں قسم کی روایات میں اس طرح تطبیق دی ہے کہ مختصر اذکار والی احادیث کا تعلق ان نمازوں سے ہے جن کے بعد سنن مؤکدہ ہیں جیسے ظہر مغرب اور عشاء کی نمازیں ہیں اور طویل اذکار والی احادیث کا تعلق ان نمازوں سے ہے جن کے بعد سنن نہیں ہیں جیسے فجر اور عصر کی نماز ہے۔

فقہاء لکھتے ہیں کہ جن نمازوں کے بعد سنن ہیں تو سنتیں جلدی پڑھنے کی وجہ یہ ہے کہ یہ سنتیں فرائض کے ساتھ ملا کر آسمان کی طرف اٹھائی جاتی ہیں چنانچہ ایک مرفوع حدیث کو حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نقل کرتے ہیں جس کے الفاظ اس طرح ہیں۔

"عجلوا الركعتين بعد المغرب فانهما ترفعان مع المكتوبة" (اعلاء السنن ج ۳ ص ۱۵۷)

فرض کے بعد اللہ اکبر بلند آواز سے پڑھے یا آہستہ؟

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی زیر بحث روایت کے متعلق پہلے لکھا جا چکا ہے کہ وہ چونکہ چھوٹے تھے اس لئے جماعت میں شریک نہیں ہو رہے تھے اور ان کا گھر مسجد کے قریب تھا اس لئے نماز سے صحابہ کرام کی فراغت کے بعد تکبیر پڑھنے کی آواز سنتے تھے اسی کو نقل فرمایا ہے۔

اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور اکرم ﷺ نماز سے سلام پھیرنے کے بعد زور سے اللہ اکبر کہا کرتے تھے۔ چنانچہ اس حدیث کی بنیاد پر بعض علماء اس کے قائل ہوئے ہیں کہ بلند آواز سے نماز کے بعد اللہ اکبر کا پڑھنا مستحب ہے۔ قائلین استحباب میں ابن حزم اور شیخ عبدالحق رحمہ اللہ تعالیٰ وغیرہ بھی ہیں۔

جمہور فقہاء اور ائمہ اربعہ کا مسلک یہ ہے کہ فرض نماز کے بعد بلند آواز سے اللہ اکبر وغیرہ کہنا مستحب نہیں ہے۔ بلکہ مستحب یہ ہے کہ اللہ اکبر آہستہ کہا جائے جمہور کے نزدیک کبھی کبھی بلند آواز سے حضور اکرم ﷺ کا یہ عمل تعلیم امت کے لئے تھا اور یہ حدیث تعلیم پر محمول ہے اس کے بعد عبداللہ ابن زبیر رضی اللہ عنہ کی حدیث بھی تعلیم امت پر محمول ہے۔ یا یہ عمل حج کے بعد منیٰ میں ایام تشریق کی تکبیرات پر محمول ہے۔ یا یہ جہر معمول کے مطابق معتدل جہر پر محمول ہے جواب بھی اہل حق کی مساجد میں جاری ہے اور لوگوں کی کثرت اژدحام کی وجہ سے مسجدوں میں گونج پیدا ہوتی ہے۔ [1]

نمازوں کے بعد اہل بدعت کا عمل مستند نہیں

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی اس حدیث سے آج کل اہل بدعت استدلال کرتے ہیں اور نمازوں کے بعد بلند آواز سے **لاالٰہ الا اللہ** کا ذکر کچھ دیر تک کرتے ہیں اور خیال کرتے ہیں کہ وہ سنت پر عمل کرتے ہیں لیکن ان کا یہ استدلال چند وجوہ سے صحیح نہیں ہے بلکہ بے جا ہے۔

وجہ اول:

اصل قاعدہ یہ ہے کہ صحابہ کرام کے عمل کو دیکھنا پڑیگا کہ انہوں نے حضور اکرم ﷺ کے عمل کو کس انداز سے قبول کیا ہے آیا اس کو ہمیشہ کے لئے جاری رکھا ہے یا وقتی طور پر کسی عارض کی وجہ سے عمل کر کے چھوڑا ہے چنانچہ اسی قاعدہ اور اسی اصل کی طرف مشہور شارح حدیث ابن بطال رحمہ اللہ حضرت ابن عباس کی اس حدیث پر تبصرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

"وقول ابن عباس کان علی عهد رسول الله ﷺ فیه دلالة انه لم یکن یفعل حین حدّث به لانه لو کان یفعل لم یکن لقوله معنی فکأن التکبیر فی اثر الصلوٰة لم یواظب الرسول علیه طول حیاته وفهم اصحابه ان ذٰلك لیس بلازم فترکوه خشیة ان یظن انه مما لاتتم الصلوٰة الابه فلذٰلك کرهه من الفقهاء"۔ (بحوالہ اشرف التوضیح)

اس عبارت کا مطلب مختصراً یہ ہے کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے جو یہ فرمایا کہ حضور اکرم ﷺ کے زمانہ میں ایسا ہوتا تھا یہ اس بات کی دلیل ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے جس وقت یہ حدیث بیان فرمائی اس وقت ان کا یہ معمول نہیں تھا کیونکہ اگر ان کا اپنا معمول ہوتا تو ماضی کا قصہ بیان کرنے میں ان کے کلام کا کوئی مطلب و مقصد نہیں بنتا۔

[1] المرقات: ۳/۳۰

خلاصہ یہ کہ بلند آواز سے تکبیر کہنے پر نبی اکرم ﷺ کی پوری زندگی کی مواظبت نہیں تھی اور آپ کے صحابہ نے بھی یہی سمجھ لیا کہ یہ عمل لازم نہیں تھا اس لئے انہوں نے اس عمل کو ترک کر دیا اس خوف سے کہ لوگ اس کو نماز کا لازمی حصہ تصور نہ کریں اسی وجہ سے فقہاء نے بھی اس کو پسند نہیں کیا۔

وجہ دوم:

دوسری وجہ یہ سمجھ لینا چاہئے کہ کسی حدیث کا وہی مطلب معتبر ہوتا ہے جو فقہاء اور علماء نے سمجھ لیا ہوا پنی طرف سے خیر القرون کے بعد مناسب نہیں کہ کچھ لوگ کسی حدیث کے مطلب میں اجتہاد سے کام لیں اور اس کا وہ مطلب نکالیں جو خیر القرون میں سے کسی نے نہیں نکالا ہو۔ زیر بحث مسئلہ میں بھی دیکھنا چاہئے کہ امت کے علماء اس حدیث کا کیا مطلب سمجھتے رہے ہیں اور آج تک علماء حق کا عمل اس سلسلہ میں کیا رہا ہے۔ صحابہ کرام کی بات آپ سن چکے ہیں کہ نمازوں کے بعد ذکر بالجہر کا رواج ان کے ہاں نہیں تھا انکے بعد کے فقہاء نے بھی اس حدیث سے نمازوں کے بعد ذکر بالجہر کا استحباب ثابت نہیں کیا مذاہب اربعہ کے فقہاء میں سے کسی نے بھی نمازوں کے بعد اجتماعی طور پر ذکر بالجہر کو مستحب تک نہیں کہا چہ جائے کہ اس کو ضروری یا لازم کہدیں۔

چنانچہ امام نووی رحمہ اللہ شرح مسلم ج ۱ ص ۲۱۷ پر لکھتے ہیں۔

"ونقل ابن بطال وآخرون ان اصحاب المذاهب المتبوعة وغيرهم متفقون على عدم استحباب رفع الصوت بالذكر والتكبير"۔

پھر امام نووی حضرت امام شافعی رحمہ اللہ کے حوالہ سے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث کا مطلب اس طرح بیان فرماتے ہیں۔

"وحمل الشافعي رحمة الله عليه الحديث على انه جهر وقتا يسيرا حتى يعلمهم صفة الذكر لا انهم جهروا دائما"۔ (شرح مسلم ج ۱ ص ۲۱۷)

خلاصہ یہ کہ یا تو جہر سے ایسا معتدل جہر مراد لیا جائے جس میں افراط تفریط نہ ہو اس پر سب لوگ بھی متفق ہو سکتے ہیں اور روایات میں بھی تطبیق آسکتی ہے بس اتنی بات ہے کہ بریلوی حضرات اپنی آواز کو کچھ کم کریں اور دیوبندی حضرات کچھ بلند کریں۔ یہاں مناسب معلوم ہوتا ہے کہ مطلق ذکر اذکار کے بارے میں تمام احناف کے متفقہ رہنما اور مستند عالم اور شارح حدیث ملا علی قاری رحمہ اللہ کی ایک عبارت نقل کی جائے تاکہ دونوں طرف کے حضرات میں اعتدال آجائے یہ عبارت انہوں نے مشکوۃ باب الاعتصام بالکتاب والسنۃ کی فصل ثالث کی حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث کے الفاظ "واقلهم تكلفا" کی شرح میں لکھی ہے۔ ملا علی قاری رحمہ اللہ صحابہ کرام کے شرعی مزاج کے بارے میں فرماتے ہیں۔

"وكذا في الاحوال الباطنية فانهم كانوا لا يرقصون ولا يصيحون ولا يطيحون ولا يطرقون

ولایجتمعون للغناء والمزامیر ولایتحلقون للاذکار والصلوات برفع الصوت فی المساجد ولافی بیوتھم بل کانوافرشیین بابدانھم عرشیین بارواحھم کائنین مع الخلق فی الظاھر بائنین عن الخلق مع الحق فی الباطن الخ۔

"یطیحون" سرگرداں مجذوب بن کر پھرنے کو کہتے ہیں یطرقون منتر جنتر پڑھنے کے معنی میں ہے بائنین الگ تھلگ کے معنی میں ہے باقی ترجمہ واضح ہے۔ اللہ تعالیٰ اعتدال پر قائم رہنے کی توفیق دے۔ آمین

فرض نماز کے بعد حضور اکرم ﷺ کی بیٹھنے کی مقدار

﴿۲﴾ وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا سَلَّمَ لَمْ يَقْعُدْ إِلَّا مِقْدَارَ مَا يَقُوْلُ اَللّٰهُمَّ أَنْتَ السَّلَامُ وَمِنْكَ السَّلَامُ تَبَارَكْتَ يَاذَا الْجَلَالِ وَالْإِكْرَامِ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)[1]

ترجمہ: اور ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ رحمت عالم ﷺ جب (فرض نماز کا) سلام پھیر لیتے تھے تو صرف اس دعا کے بقدر بیٹھتے تھے۔

اَللّٰهُمَّ أَنْتَ السَّلَامُ وَمِنْكَ السَّلَامُ تَبَارَكْتَ يَاذَا الْجَلَالِ وَالْإِكْرَامِ

ترجمہ: اے اللہ! تو سالم ہے (یعنی تمام عیوب سے پاک ہے) اور تجھی سے (بندوں کی تمام آفات سے) سلامتی ہے۔ اے بزرگی و بخشش والے تو برتر ہے۔ (مسلم)

﴿۳﴾ وَعَنْ ثَوْبَانَ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا انْصَرَفَ مِنْ صَلَاتِهِ اِسْتَغْفَرَ ثَلَاثًا وَقَالَ اَللّٰهُمَّ أَنْتَ السَّلَامُ وَمِنْكَ السَّلَامُ تَبَارَكْتَ يَاذَا الْجَلَالِ وَالْإِكْرَامِ۔

(رَوَاهُ مُسْلِمٌ)[2]

ترجمہ: اور حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رحمت عالم ﷺ جب اپنی نماز سے فارغ ہو لیتے تو (پہلے) تین مرتبہ استغفار کرتے اور (پھر) یہ دعا پڑھتے:

اَللّٰهُمَّ أَنْتَ السَّلَامُ وَمِنْكَ السَّلَامُ تَبَارَكْتَ يَاذَا الْجَلَالِ وَالْإِكْرَامِ

﴿۴﴾ وَعَنِ الْمُغِيْرَةِ بْنِ شُعْبَةَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَقُوْلُ فِيْ دُبُرِ كُلِّ صَلَاةٍ مَكْتُوْبَةٍ

[1] اخرجہ مسلم: ۲/۹۱ [2] اخرجہ مسلم: ۲/۹۲

لَاإِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَاشَرِيْكَ لَهٗ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَعَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ اَللّٰهُمَّ لَامَانِعَ لِمَا اَعْطَيْتَ وَلَامُعْطِيَ لِمَامَنَعْتَ وَلَايَنْفَعُ ذَا الْجَدِّ مِنْكَ الْجَدُّ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)[۱]

ترجمہ: اور حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رحمت عالم ﷺ فرض نماز کے بعد (مذکورہ دعا پڑھا کرتے تھے جس کا ترجمہ یہ ہے) اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ یکتا ہے کوئی اس کا شریک نہیں، اسی کے لئے بادشاہت ہے اور اسی کے لئے ہر قسم کی تعریف ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔ اے اللہ! جو چیز تو نے عطا کی ہے اس کو کوئی روکنے والا نہیں ہے اور جس چیز کو تو نے روک دیا اس کو کوئی دینے والا نہیں ہے اور دولت مند کو اس کی دولت تیرے عذاب سے بچانے والی نہیں ہے۔ (بخاری ومسلم)

توضیح: "ولاینفع" اس صیغہ کا فاعل "الجد" کا لفظ ہے اور یہ یہاں دولت کے معنی میں ہے اور "ذالجد" سے مالدار اور دولت مند آدمی مراد ہے یہ لفظ لاینفع کے لئے مفعول بہ ہے "منك" ای من عذابك۔[۲]

"**دبر کل صلوٰۃ**" نماز کے بعد کا مطلب یہ بھی ہے کہ فرض کے سلام کے متصل پڑھتے تھے اور اس کا یہ مطلب بھی ہے کہ سنتوں کے بعد یہ دعا پڑھتے تھے یہ بھی فرض کے بعد ہی ہے۔[۳]

﴿۵﴾ وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ الزُّبَيْرِ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا سَلَّمَ مِنْ صَلَاتِهٖ يَقُوْلُ بِصَوْتِهِ الْاَعْلٰى لَاإِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَاشَرِيْكَ لَهٗ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَعَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ لَاحَوْلَ وَلَاقُوَّةَ إِلَّا بِاللّٰهِ لَاإِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَلَانَعْبُدُ إِلَّا إِيَّاهُ لَهُ النِّعْمَةُ وَلَهُ الْفَضْلُ وَلَهُ الثَّنَاءُ الْحَسَنُ لَاإِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ وَلَوْ كَرِهَ الْكَافِرُوْنَ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)[۴]

ترجمہ: اور حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رحمت عالم ﷺ جب اپنی نماز سے سلام پھیرتے تھے تو (سلام کے بعد) بلند آواز سے مذکورہ کلمات پڑھا کرتے تھے۔ (جس کا ترجمہ یہ ہے)

خدا کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ یکتا ہے کوئی اس کا شریک نہیں، اسی کے لئے بادشاہت ہے اور اسی کے لئے ہر قسم کی تعریف ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے، گناہوں سے باز رہنے اور عبادت کرنے کی قوت صرف خدا ہی کی مدد سے ہے، اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، ہم اسی کی عبادت کرتے ہیں، خدا ہی کی طرف سے نعمت ہے اور خدا ہی کے لئے بزرگی ہے اور ہر قسم کی اچھی تعریف خدا ہی کے لئے ہے خدا کے سوا کوئی معبود نہیں ہم خدا ہی کے لئے اس کی بندگی کو خالص کرنے والے ہیں اگرچہ کافر اسے برا سمجھیں۔

آنحضرت ﷺ بزدلی سے پناہ کیوں مانگتے تھے؟

﴿۶﴾ وَعَنْ سَعْدٍ اَنَّهٗ كَانَ يُعَلِّمُ بَنِيْهِ هٰؤُلَاءِ الْكَلِمَاتِ وَيَقُوْلُ إِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

[۱] اخرجه البخاری: ۱/۲۱۳، ۸/۹۰، ۱۲۳، ۱۵۶، ۱۱۶، ۹/۱۱۶ ومسلم: ۲/۹۵، ۹۶ [۲] المرقات: ۳/۳۱ [۳] المرقات: ۳/۳۰ [۴] اخرجه مسلم: ۲/۹۶

كَانَ يَتَعَوَّذُبِهِنَّ دُبُرَ الصَّلٰوةِ اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَعُوْذُبِكَ مِنَ الْجُبْنِ وَاَعُوْذُبِكَ مِنَ الْبُخْلِ وَاَعُوْذُبِكَ مِنْ اَرْذَلِ الْعُمُرِ وَاَعُوْذُبِكَ مِنْ فِتْنَةِ الدُّنْيَا وَعَذَابِ الْقَبْرِ۔ (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)[1]

ترجمہ: اور حضرت سعد رضی اللہ عنہ کے بارے میں مروی ہے کہ وہ اپنی اولاد کو کلمات دعا کے یہ الفاظ سکھاتے تھے اور فرمایا کرتے تھے کہ رحمت عالم ﷺ اپنی نماز کے بعد انہیں الفاظ کے ذریعہ پناہ مانگا کرتے تھے۔ (مذکورہ کلمات کا ترجمہ یہ ہے) اے اللہ! میں بزدلی سے تیری پناہ چاہتا ہوں، بخل سے تیری پناہ کا طلب گار ہوں، ناکارہ عمر سے تیری پناہ کا خواستگار ہوں۔ اور فتنہ دعذاب قبر سے (یعنی ان چیزوں سے جو عذاب قبر کا سبب ہیں) تیری پناہ مانگتا ہوں۔ (بخاری)

توضیح: "من الجبن" حضور اکرم ﷺ نے بار بار بزدلی سے پناہ مانگی اس کی وجہ صرف وہ لوگ سمجھتے ہیں جن کا جہاد کے ساتھ تعلق ہو خواہ وہ عوام ہو یا علماء ہوں کیونکہ جو آدمی بزدل ہوتا ہے وہ نہ اپنی عزت کو بچاسکتا ہے اور نہ اپنے مذہب کی عظمت کو بچاسکتا ہے بلکہ رفتہ رفتہ یہ بزدلی اتنی بڑھ جاتی ہے کہ وہ آدمی جہاد کرنا تو درکنار جہاد کے وجود کا انکار کرنے لگتا ہے اور اس میں طرح طرح کی تاویلیں کرتا ہے کیونکہ جہاد کے میدان میں بہادر آدمی اتر سکتا ہے یہ بزدلوں کا کام نہیں ہے۔[2]
اسی طرح معاملہ بخل سے پناہ مانگنے کا ہے کیونکہ جو آدمی کنجوس مکھی چوس بن جاتا ہے وہ صلہ کے حقوق کو پامال کرتا ہے انسانی حدود کو پامال کرتا ہے۔ یہاں تک کہ فرض زکوٰۃ کا انکار کر بیٹھتا ہے۔
"ارذل العمر" اس سے اس لئے پناہ مانگی گئی ہے کہ اس زمانہ میں آدمی اپنی عزت وعظمت کو بچا نہیں سکتا ہے نہ خود کھا سکتا ہے نہ پیشاب پاخانہ خود کرسکتا ہے نہ کپڑے خود اتار سکتا ہے نہ پہن سکتا ہے بلکہ گھر کی گری پڑی چیز اور کوڑا کباڑہ کی طرح بن کر رہ جاتا ہے ایک شاعر کہتا ہے۔[3]

فلا واللہ ما فی العیش خیر　　اذا ما عد من سقط المتاع

ترجمہ: خدا کی قسم اس زندگی میں کوئی بھلائی نہیں جب آدمی کو گھر کی گری پڑی چیزوں میں شمار کیا جائے۔

مالدار اور غریب کی عبادت کا تقابل

﴿۷﴾ وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ اِنَّ فُقَرَاءَ الْمُهَاجِرِيْنَ اَتَوْا رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالُوْا قَدْذَهَبَ اَهْلُ الدُّثُوْرِ بِالدَّرَجَاتِ الْعُلٰى وَالنَّعِيْمِ الْمُقِيْمِ فَقَالَ وَمَاذَاكَ قَالُوْا يُصَلُّوْنَ كَمَا نُصَلِّيْ وَيَصُوْمُوْنَ كَمَا نَصُوْمُ وَيَتَصَدَّقُوْنَ وَمَا نَتَصَدَّقُ وَيُعْتِقُوْنَ وَلَا نُعْتِقُ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَفَلَا اُعَلِّمُكُمْ شَيْئًا تُدْرِكُوْنَ بِهٖ مَنْ سَبَقَكُمْ وَتَسْبِقُوْنَ بِهٖ مَنْ بَعْدَكُمْ

[1] اخرجہ البخاری: ۲/۲۷، ۸/۹۷، ۹۸، ۹۹، ۱۰۳ [2] المرقات: ۳/۴۲ [3] المرقات: ۳/۴۲

وَلَا يَكُوْنُ اَحَدٌ اَفْضَلَ مِنْكُمْ اِلَّا مَنْ صَنَعَ مِثْلَ مَا صَنَعْتُمْ قَالُوْا بَلٰى يَارَسُوْلَ اللهِ قَالَ تُسَبِّحُوْنَ وَتُكَبِّرُوْنَ وَتُحَمِّدُوْنَ دُبُرَ كُلِّ صَلَاةٍ ثَلَاثًا وَّثَلَاثِيْنَ مَرَّةً قَالَ اَبُوْ صَالِحٍ فَرَجَعَ فُقَرَاءُ الْمُهَاجِرِيْنَ اِلٰى رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالُوْا سَمِعَ اِخْوَانُنَا اَهْلُ الْاَمْوَالِ بِمَا فَعَلْنَا فَفَعَلُوْا مِثْلَهُ فَقَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ذٰلِكَ فَضْلُ اللهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَاءُ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ وَلَيْسَ قَوْلُ اَبِيْ صَالِحٍ اِلٰى آخِرِهٖ اِلَّا عِنْدَ مُسْلِمٍ وَفِيْ رِوَايَةٍ لِّلْبُخَارِيِّ تُسَبِّحُوْنَ فِيْ دُبُرِ كُلِّ صَلَاةٍ عَشْرًا وَتُحَمِّدُوْنَ عَشْرًا وَتُكَبِّرُوْنَ عَشْرًا بَدَلَ ثَلَاثًا وَّثَلَاثِيْنَ لِلْبُخَارِيِّ)[1]

ترجمہ: اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ (ایک دن) فقراء مہاجرین رحمت عالم ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ یارسول اللہ! دولت مند لوگ بلند درجات (یعنی ثواب، قرب الٰہی اور رضائے حق) اور دائمی نعمت (یعنی بہشت کی نعمت کو حاصل کرنے میں ہم سے سبقت) لے گئے (یعنی وہ اپنے مال و دولت کی وجہ سے بڑا ثواب حاصل کرتے ہیں اور بہشت کی نعمتوں کے مستحق ہوتے ہیں اور ہم تو اپنی غربت و افلاس کی وجہ سے بلندیٔ درجات میں ان سے پیچھے رہ جاتے ہیں، آنحضرت ﷺ نے فرمایا "یہ کیسے؟ انہوں نے عرض کیا "وہ اسی طرح نماز پڑھتے ہیں جس طرح ہم پڑھتے ہیں اور وہ اسی طرح روزے رکھتے ہیں جس طرح ہم رکھتے ہیں (ان اعمال میں تو وہ اور ہم برابر ہیں لیکن مال و زر کی وجہ سے) وہ صدقہ و خیرات کرتے ہیں اور (غربت و افلاس کی وجہ سے) ہم صدقہ و خیرات کر نہیں سکتے، وہ غلام آزاد کرتے ہیں ہم غلام آزاد نہیں کر سکتے اس طرح وہ ان اعمال کے ثواب کے حق دار ہو جاتے ہیں اور ہم محروم رہتے ہیں (یہ سن کر) آنحضرت ﷺ نے فرمایا "کیا میں تم لوگوں کو ایک ایسی بات نہ بتادوں کہ اس پر عمل کر کے تم ان لوگوں کے درجات کو پہنچ جاؤ جو تم سے پہلے اسلام لا چکے ہیں اور ان لوگوں کے مرتبہ سے بڑھ جاؤ جو تمہارے بعد کے ہیں (یعنی تمہارے بعد اسلام لائے ہیں یا تمہارے بعد پیدا ہوں گے اور (مال دار لوگوں میں سے) کوئی شخص تم سے بہتر نہ ہوگا بجز اس شخص کے جو تم ہی جیسا عمل کرے (یعنی اگر مالدار لوگوں نے میری بتائی بات پر تمہاری طرح عمل کیا تو پھر مرتبہ کے اعتبار سے وہی تم سے بہتر ہوں گے) فقراء نے عرض کیا "یارسول اللہ! بہتر ہے، فرمایئے (وہ کیا بات ہے؟) آپ نے فرمایا "تم لوگ ہر نماز کے بعد سبحان اللہ، اللہ اکبر اور الحمد للہ تینتیس مرتبہ پڑھ لیا کرو۔" (حدیث کے ایک راوی) ابوصالح فرماتے ہیں کہ "(کچھ دنوں کے بعد) فقراء مہاجرین (پھر) آنحضرت ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ یارسول اللہ! ہمارے دولت مند بھائیوں نے ہمارے عمل کا حال سنا اور وہ بھی وہی کرنے لگے جو ہم کرتے ہیں (اس طرح پھر وہی لوگ ہم سے افضل ہو گئے) آپ نے فرمایا "یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے وہ جس کو چاہتا ہے۔ عطا فرماتا ہے۔ (بخاری و مسلم)

توضیح: "ذلك فضل الله" یعنی جہاں تک آدمی عبادت اور نیک کاموں میں مقابلہ کر سکتا ہے تو کرنا چاہئے لیکن جہاں مقابلہ کی گنجائش نہ ہو پھر ضد و حسد اور عناد کی ضرورت نہیں بلکہ اس سبقت کو اللہ تعالیٰ کی تقدیر کا حصہ قرار دیکر یہ کہنا چاہئے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی خصوصی رعایت کا معاملہ ہے اس میں ہم کچھ نہیں کہہ سکتے ہیں۔[2]

[1] اخرجه البخاری: ۱/۲۱۳، ۸/۸۹ و مسلم: ۲/۹۷ [2] المرقات: ۳/۴۵

اس حدیث سے بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ عبادت کرنے والا مالدار اور تمام وظائف کو اپنانے والا دولت مند فقیر سے افضل ہے اس بارے میں مشکوۃ کے آخری ابواب میں ان شاء اللہ کلام ہوگا۔

اس بارے میں علماء کا اختلاف ہے کہ شاکر مالدار کا درجہ اونچا ہے یا صابر فقیر کا درجہ بلند ہے بابا سعدی رحمۃ اللہ علیہ نے گلستان کے آخر میں ایک فقیر زاہد کے ساتھ اس مسئلہ میں اپنا مناظرہ نقل کیا ہے۔ بابا سعدی رحمۃ اللہ علیہ شاکر مالدار کی فضیلت کے قائل ہیں ابن عطاء بھی شاکر مالدار کو افضل کہتے ہیں لیکن جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ اور دیگر اہل اللہ فقر وفاقہ اور فقیر کی افضلیت کے قائل ہیں۔

زیر بحث حدیث میں اگرچہ ذلک فضل اللہ فرمایا گیا ہے لیکن فقیر کی نسبت مالدار کے لئے خطرات زیادہ ہیں، علماء لکھتے ہیں کہ مالداروں کی یہ فضیلت جزئی ہے فقراء کو کلی فضیلت حاصل ہے۔

﴿۸﴾ وَعَنْ كَعْبِ بْنِ عُجْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُعَقِّبَاتٌ لَا يَخِيْبُ قَائِلُهُنَّ اَوْفَاعِلُهُنَّ دُبُرَ كُلِّ صَلَاةٍ مَكْتُوْبَةٍ ثَلَاثٌ وَّثَلَاثُوْنَ تَسْبِيْحَةً وَثَلَاثٌ وَّثَلَاثُوْنَ تَحْمِيْدَةً وَاَرْبَعٌ وَّثَلَاثُوْنَ تَكْبِيْرَةً۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)[1]

ترجمہ: اور حضرت کعب بن عجرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رحمت عالم ﷺ نے فرمایا "ہر فرض نماز کے بعد پڑھنے کے چند کلمات ہیں جن کا کہنے والا یا فرمایا کہ کرنے والا (حصول ثواب سے) محروم نہیں رہ سکتا (اور وہ کلمات یہ ہیں) سبحان اللہ تینتیس بار، الحمد للہ تینتیس بار اور اللہ اکبر چونتیس بار کہنا۔" (مسلم)

توضیح: "معقبات" عقب سے ہے ایک کے بعد دوسرے کے آنے کو معقبات کہتے ہیں یہاں ان کلمات کو معقبات اسی وجہ سے کہا گیا کہ یہ پے در پے آنے والے ہیں۔ "خاب" نامراد کو کہا گیا ہے۔[2]

﴿۹﴾ وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ سَبَّحَ اللهَ فِيْ دُبُرِ كُلِّ صَلَاةٍ ثَلَاثًا وَّثَلَاثِيْنَ وَحَمِدَ اللهَ ثَلَاثًا وَّثَلَاثِيْنَ وَكَبَّرَ اللهَ ثَلَاثًا وَّثَلَاثِيْنَ فَتِلْكَ تِسْعَةٌ وَّتِسْعُوْنَ وَقَالَ تَمَامُ الْمِائَةِ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيْكَ لَهُ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ غُفِرَتْ خَطَايَاهُ وَاِنْ كَانَتْ مِثْلَ زَبَدِ الْبَحْرِ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)[3]

ترجمہ: اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رحمت عالم ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص ہر نماز کے بعد سبحان اللہ تینتیس مرتبہ، الحمد للہ تینتیس مرتبہ اور اللہ اکبر تینتیس مرتبہ کہے جن کا مجموعی عدد ننانوے ہے اور سو کے عدد کو پورا کرنے کے لئے ایک مرتبہ لا الہ الا اللہ وحدہ لاشریک لہ لہ الملک ولہ الحمد و ھو علی کل شيءٍ قدیر کہے تو اس کے تمام گناہ بخش دیئے جائیں گے اگرچہ سمندر کے جھاگ کے برابر (یعنی بہت زیادہ) ہوں۔" (مسلم)

[1] اخرجہ مسلم: ۲/۹۸ [2] المرقات: ۲/۴۷ [3] اخرجہ مسلم: ۲/۹۸

الفصل الثانی

قبولیت دعا کے اوقات

﴿۱۰﴾ عَنْ اَبِیْ اُمَامَةَ قَالَ قِیْلَ یَارَسُوْلَ اللّٰہِ اَیُّ الدُّعَاءِ اَسْمَعُ قَالَ جَوْفُ اللَّیْلِ الْاٰخِرِ وَدُبُرَ الصَّلٰوٰتِ الْمَکْتُوْبَاتِ۔ (رَوَاہُ التِّرْمِذِیُّ)[۱]

ترجمہ: حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ عرض کیا گیا کہ "یارسول اللہ! کس وقت دعا بہت زیادہ مقبول ہوتی ہے؟" آپ نے فرمایا "رات کے آخری حصہ میں (یعنی سحر کے وقت) اور فرض نمازوں کے بعد"! (ترمذی)

معوذات پڑھنے کے فوائد

﴿۱۱﴾ وَعَنْ عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ قَالَ اَمَرَنِیْ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَنْ اَقْرَءَ بِالْمُعَوِّذَاتِ فِیْ دُبُرِ کُلِّ صَلَاةٍ۔ (رَوَاہُ اَحْمَدُ وَاَبُوْدَاوٗدَ وَالنَّسَائِیُّ وَالْبَیْہَقِیُّ فِی الدَّعْوَاتِ الْکَبِیْرِ)[۲]

ترجمہ: اور حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رحمت عالم ﷺ نے مجھے حکم دیا تھا کہ میں ہر نماز کے بعد معوذات پڑھوں۔" (احمد و ابوداود، نسائی، بیہقی)

طلوع آفتاب تک ذکر اللہ کی فضیلت

﴿۱۲﴾ وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَاَنْ اَقْعُدَ مَعَ قَوْمٍ یَذْکُرُوْنَ اللّٰہَ مِنْ صَلَاةِ الْغَدَاةِ حَتّٰی تَطْلُعَ الشَّمْسُ اَحَبُّ اِلَیَّ مِنْ اَنْ اُعْتِقَ اَرْبَعَةً مِّنْ وُّلْدِ اِسْمَاعِیْلَ وَلَاَنْ اَقْعُدَ مَعَ قَوْمٍ یَذْکُرُوْنَ اللّٰہَ مِنْ صَلَاةِ الْعَصْرِ اِلٰی اَنْ تَغْرُبَ الشَّمْسُ اَحَبُّ اِلَیَّ مِنْ اَنْ اُعْتِقَ اَرْبَعَةً۔ (رَوَاہُ اَبُوْدَاوٗدَ)[۳]

ترجمہ: اور حضرت انس رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رحمت عالم ﷺ نے فرمایا "ایک ایسی جماعت کے ساتھ میرا بیٹھنا جو نماز فجر سے طلوع آفتاب تک خدا کے ذکر میں مشغول ہو میرے نزدیک حضرت اسماعیل کی اولاد میں سے چار غلام آزاد کرنے سے بہتر ہے اور عصر کی نماز کے بعد سے غروب آفتاب تک ایسے لوگوں میں میرا بیٹھنا جو خدا کے ذکر میں مشغول ہوں میرے نزدیک اس سے بہتر ہے کہ میں چار غلام آزاد کروں۔" (ابوداود)

توضیح: عجم کی نسبت عرب افضل ہیں اس لئے ولد اسماعیل کی تخصیص کی گئی اس حدیث سے طویل ذکر اللہ کا ثبوت ملتا ہے یہ ان نمازوں کے بعد کا ذکر ہے جہاں سنن نہ ہوں۔[۴]

---

[۱] اخرجه الترمذی: ۳۴۹۹ [۲] اخرجه احمد: ۴/۱۵۵، ۴/۲۰۱ وابوداؤد: ۱۵۲۳ والنسائی: ۳/۶۸

[۳] اخرجه ابوداؤد: ۳/۲۲۲، ۳۶۶۷ [۴] المرقات: ۳/۵۱

دو رکعت اشراق پر حج وعمرہ کا ثواب

﴿۱۳﴾ وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ صَلَّى الْفَجْرَ فِي جَمَاعَةٍ ثُمَّ قَعَدَ يَذْكُرُ اللّٰهَ حَتّٰى تَطْلُعَ الشَّمْسُ ثُمَّ صَلّٰى رَكْعَتَيْنِ كَانَتْ لَهٗ كَاَجْرِ حَجَّةٍ وَعُمْرَةٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَامَّةٍ تَامَّةٍ تَامَّةٍ۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ)[1]

ترجمہ: اور حضرت انس رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رحمت عالم ﷺ نے فرمایا جو شخص فجر کی نماز جماعت سے پڑھے اور طلوع آفتاب تک اللہ کی یاد میں مشغول رہے اور پھر دو رکعت نماز پڑھے تو اسے حج وعمرہ کے مانند ثواب ملے گا۔" راوی کا بیان ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا "پورے حج وعمرہ کا پورے حج وعمرہ کا پورے حج وعمرہ کا (ثواب اسے ملے گا) (ترمذی)

توضیح: "حجة وعمرة" شریعت میں نیک اعمال کا ایک اصل ثواب ہوتا ہے اور ایک زائد اور فضل ثواب ہوتا ہے اصل ثواب تو کسی دوسرے نیک عمل کے کرنے سے مل سکتا ہے لیکن زائد اور فضل ثواب صرف اسی شخص کو ملتا ہے جو اصل عمل میں محنت کر کے عمل کرتا ہے مثلاً ایک شخص ذاکر ہے اور طلوع آفتاب تک ذکر اللہ میں مشغول رہ کر اس نے دوگانہ اشراق کی نماز پڑھ لی اس کو حج اور عمرہ کا اصل ثواب مل جاتا ہے جو اللہ تعالیٰ کے ہاں مقرر و معین ہے لیکن ایک آدمی حج وعمرہ کے لئے خود جاتا ہے محنت ومشقت برداشت کرتا ہے خرچہ کرتا ہے اس میں جو زائد ثواب ہے یہ ثواب تو صرف اسی کو ملے گا جو خود حج وعمرہ کا سفر کرے۔[2] اسی طرح دوسرے اعمال کو بھی قیاس کرنا چاہئے۔

الفصل الثالث

فرض نماز سے فارغ ہو کر فوراً سنت کے لئے کھڑا ہونا منع ہے

﴿۱۴﴾ وَعَنِ الْاَزْرَقِ بْنِ قَيْسٍ قَالَ صَلّٰى بِنَا اِمَامٌ لَنَا يُكْنٰى اَبَا رِمْثَةَ قَالَ صَلَّيْتُ هٰذِهِ الصَّلَاةَ اَوْ مِثْلَ هٰذِهِ الصَّلَاةِ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ وَكَانَ اَبُوْبَكْرٍ وَعُمَرُ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا يَقُوْمَانِ فِي الصَّفِّ الْمُقَدَّمِ وَكَانَ رَجُلٌ قَدْ شَهِدَ التَّكْبِيْرَةَ الْاُوْلٰى مِنَ الصَّلَاةِ فَصَلّٰى نَبِيُّ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثُمَّ سَلَّمَ عَنْ يَمِيْنِهٖ وَعَنْ يَسَارِهٖ حَتّٰى رَاَيْنَا بَيَاضَ خَدَّيْهِ ثُمَّ انْفَتَلَ كَانْفِتَالِ اَبِيْ رِمْثَةَ يَعْنِيْ نَفْسَهٗ فَقَامَ الرَّجُلُ الَّذِيْ اَدْرَكَ مَعَهُ التَّكْبِيْرَةَ الْاُوْلٰى مِنَ الصَّلَاةِ يَشْفَعُ فَوَثَبَ عُمَرُ فَاَخَذَ بِمَنْكِبَيْهِ فَهَزَّهٗ ثُمَّ قَالَ اِجْلِسْ فَاِنَّهٗ لَنْ يُهْلِكَ اَهْلَ الْكِتَابِ اِلَّا اَنَّهٗ لَمْ يَكُنْ بَيْنَ صَلَاتِهِمْ فَصْلٌ فَرَفَعَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَصَرَهٗ فَقَالَ اَصَابَ اللّٰهُ بِكَ يَا ابْنَ الْخَطَّابِ۔ (رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ)[3]

[1] اخرجه الترمذی: ۵۸۶ [2] المرقات: ۵۳،۲/۵۲ [3] اخرجه ابوداؤد: ۱۰۰۷

ترجمہ: حضرت لازرق ابن قیس کہتے ہیں کہ (ایک دن) ہمارے امام نے کہ جن کی کنیت ابو رمثہ تھی ہمیں نماز پڑھائی اور (نماز کے بعد) انہوں نے فرمایا کہ "میں نے (ایک روز) یہ نماز یا اس کی مانند نماز رحمت عالم ﷺ کے ہمراہ پڑھی، حضرت ابو رمثہ کہتے تھے کہ (اس نماز میں) حضرت ابو بکر و حضرت عمر رضی اللہ عنہما (بھی) آنحضرت ﷺ کی دائیں طرف پہلی صف میں کھڑے تھے، ایک شخص (پیچھے سے آ کر) نماز کی تکبیر اولیٰ میں شریک ہوا، آنحضرت ﷺ نے نماز پڑھی اور سلام (کے وقت آپ نے اپنے چہرہ مبارک کو اتنا) پھیرا کہ ہم نے آپ کے مبارک رخساروں کی سفیدی دیکھ لی، پھر آپ ﷺ ابو رمثہ کی یعنی میری طرح پھر کر بیٹھ گئے، وہ شخص جو تکبیر اولیٰ میں شریک تھا کھڑا ہو گیا اور دو رکعت نماز پڑھنے لگا، حضرت عمر (یہ دیکھ کر) فوراً اٹھے اور اس شخص کے دونوں مونڈھے پکڑ کر ہلائے اور فرمایا کہ بیٹھ جاؤ! کیونکہ اہل کتاب (یعنی یہود و نصاریٰ) اسی لئے ہلاکت کی وادی میں جا گرے کہ وہ اپنی نمازوں کے درمیان کوئی جدائی نہیں کرتے تھے۔ (حضرت عمر کی یہ بات سن کر) آنحضرت ﷺ نے نظر مبارک اوپر اٹھائی اور فرمایا کہ "اے خطاب کے بیٹے! اللہ نے تمہیں راہ حق پر پہنچایا (یعنی تم نے سچ کہا)　　(ابوداؤد)

توضیح: "التکبیرة الاولی" یعنی یہ شخص مسبوق نہیں تھا کہ فوت شدہ بقیہ نماز ادا کرنے کے لئے فوراً اٹھا بلکہ یہ مدرک تھا اور نماز سے [1] فارغ ہو چکا تھا اور بغیر وقفہ کیے فوراً نوافل پڑھنے کے لئے کھڑا ہو گیا۔ جیسے بعض جلد باز افغانی ایسا کرتے ہیں۔

"فھزہ" یعنی عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اس شخص کو دونوں کندھوں سے پکڑ کر جھٹکا دیدیا اور کہا بیٹھ جاؤ اتنی جلدی نوافل کے لئے کھڑے نہ ہو۔ [2]

"فصل" یعنی فرض اور نوافل کے درمیان وقفہ اور جدائی نہ تھی یہ جدائی یا تو ذکر اذکار سے ہو جاتی ہے یا جگہ بدلنے سے ہوتی ہے یا مسجد سے باہر نکل کر جانے سے ہوتی ہے۔ [3]

سوال: اس شخص کا اتنا بڑا جرم کونسا تھا کہ جس پر اس کو ہلاکت کی وعید سنائی گئی؟۔

جواب: اس شخص کے فعل میں نوافل کو فرائض کے ساتھ ملانے اور جوڑنے کا جرم تھا کیونکہ اس طرح عمل سے نوافل فرائض کے ساتھ خلط ہو جائیں گی کیونکہ جب لوگ اس اہتمام اور اس جلدی سے اس طرح عمل کریں گے تو کچھ وقت کے بعد عوام الناس سمجھیں گے کہ یہ نوافل بھی فرائض کے اندر داخل ہیں یہ بھی فرض ہیں یہ عقیدہ خطرناک اور موجب ہلاکت ہے۔

نماز کے بعد تسبیحات کی ایک صورت

﴿۱۵﴾ وَعَنْ زَيْدِبْنِ ثَابِتٍ قَالَ اُمِرْنَااَنْ نُسَبِّحَ فِيْ دُبُرِكُلِّ صَلَاةٍ ثَلَاثًاوَّثَلَاثِيْنَ وَنَحْمَدَ ثَلَاثًاوَّثَلَاثِيْنَ وَنُكَبِّرَاَرْبَعًا وَّثَلَاثِيْنَ فَاُتِيَ رَجُلٌ فِي الْمَنَامِ مِنَ الْاَنْصَارِفَقِيْلَ لَهٗ اَمَرَكُمْ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنْ تُسَبِّحُوْا فِيْ دُبُرِكُلِّ صَلَاةٍ كَذَاوَكَذَاقَالَ الْاَنْصَارِيُّ فِيْ مَنَامِهٖ نَعَمْ

[1] المرقات: ۳/۵۳　[2] المرقات: ۳/۵۳　[3] المرقات: ۳/۵۳

قَالَ فَاجْعَلُوْهَا خَمْسًا وَّعِشْرِيْنَ وَاجْعَلُوْا فِيْهَا التَّهْلِيْلَ خَمْسًا وَّعِشْرِيْنَ فَلَمَّا اَصْبَحَ غَدَا عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاَخْبَرَهُ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَافْعَلُوْا۔

(رَوَاهُ اَحْمَدُ وَالنَّسَائِيُّ وَالدَّارِمِيُّ)[1]

ترجمہ: اور حضرت زید ابن ثابت رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہمیں حکم دیا گیا ہے کہ ہم ہر نماز کے بعد سبحان اللہ تینتیس مرتبہ الحمد للہ تینتیس مرتبہ اور اللہ اکبر چونتیس مرتبہ کہیں (حضرت زید فرماتے ہیں کہ ایک دن) ایک انصاری نے ایک فرشتہ کو خواب میں دیکھا فرشتہ نے اس انصاری سے کہا کہ "رسول اللہ ﷺ نے تمہیں حکم دیا ہے کہ تم ہر نماز کے بعد اتنی اتنی تسبیح پڑھو؟ اس انصاری نے کہاں کہ ہاں! فرشتہ نے کہا کہ ان تینوں کلمات (کے پڑھنے) کی تعداد پچیس پچیس مقرر کرو اور اس کے ساتھ لا الہ الا اللہ (بھی) پچیس مرتبہ مقرر کرلو (تاکہ سو کا عدد پورا ہوجائے) جب صبح ہوئی تو وہ انصاری آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اپنے خواب سے آگاہ کیا۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ "اس پر عمل کرو۔" (احمد، نسائی، دارمی)

توضیح: "فافعلوا" یعنی میں نے جو بتایا ہے اس طرح تسبیحات بھی پڑھا کرو اور تم نے خواب میں جو دیکھا اور فرشتہ نے سکھایا اس کو بھی پڑھا کرو یہ ذکر اللہ ہے کوئی پابندی نہیں ہے۔[2]

علامہ شمس الدین رحمہ اللہ نے التعلیق الفصیح شرح مشکوٰۃ المصابیح میں ج ۲ ص ۷ پر تسبیحات کی ۳۳ کی تعداد کے متعلق لکھا ہے کہ شریعت میں جو عدد واقع ہے اس سے کم پر مطلوب فضیلت اور مطلوب ثواب حاصل نہیں ہوگا لیکن اگر ایک شخص مطلوبہ عدد پڑھ لیتا ہے اور اس پر اضافہ کرتا ہے اور کم کے بجائے زیادہ پڑھتا ہے تو ان کو بھی وہ ثواب حاصل ہوگا جو فضیلت میں معین و مقرر ہوا ہے۔

آیت الکرسی کی عظیم فضیلت

﴿۱۶﴾ وَعَنْ عَلِيٍّ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلٰى اَعْوَادِ هٰذَا الْمِنْبَرِ يَقُوْلُ مَنْ قَرَأَ اٰيَةَ الْكُرْسِيِّ فِيْ دُبُرِ كُلِّ صَلَاةٍ لَمْ يَمْنَعْهُ مِنْ دُخُوْلِ الْجَنَّةِ اِلَّا الْمَوْتُ وَمَنْ قَرَأَهَا حِيْنَ يَأْخُذُ مَضْجَعَهُ اٰمَنَهُ اللّٰهُ عَلٰى دَارِهٖ وَدَارِ جَارِهٖ وَاَهْلِ دُوَيْرَاتٍ حَوْلَهُ۔

(رَوَاهُ الْبَيْهَقِيُّ فِيْ شُعَبِ الْاِيْمَانِ وَقَالَ اِسْنَادُهُ ضَعِيْفٌ)[3]

ترجمہ: اور امیر المؤمنین حضرت علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں کہ میں نے رحمت عالم ﷺ کو لکڑی کے اس منبر پر یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ "جو شخص ہر نماز کے بعد آیۃ الکرسی پڑھتا ہے اسے بہشت میں جانے سے سوائے موت کے اور کوئی چیز نہیں روک سکتی اور جو شخص (آیت الکرسی کو) اپنی خوابگاہ میں جاتے وقت (یعنی سونے کے وقت) پڑھتا ہے۔ تو اللہ تعالیٰ اس کے مکان میں

[1] اخرجه احمد: ۵/۱۸۴، ۵/۱۹۰ والنسائی: ۳/۷۶ والدارمی: ۱۳۶۱ [2] المرقات: ۲/۵۶ [3] اخرجه البيهقي: ۹۳۲

اور اس کے ہمسایہ میں (یعنی جو مکانات اس کے مکان سے ملے ہوئے ہوں) اور اس کے گرد اگرد مکانات میں (جو اگرچہ اس کے مکان سے متصل نہ ہوں) امن دیتا ہے۔" اس روایت کو بیہقی نے شعب الایمان میں نقل کیا ہے اور کہا ہے کہ اس کی اسناد ضعیف ہے۔

توضیح: "الا الموت" اس حدیث میں آیت الکرسی کا بڑا مقام بتایا گیا ہے یہ حدیث اگرچہ ضعیف ہے لیکن فضائل اعمال میں اس طرح کی حدیث بھی مقبول ہوتی ہے۔ [1]

سؤال: یہاں ظاہری طور پر اعتراض کیا گیا ہے کہ دخول جنت کے لئے مانع موت نہیں ہے بلکہ حیات اور زندگی مانع ہے کیونکہ زندہ آدمی جنت میں داخل نہیں ہوسکتا۔

جواب: علامہ طیبی رحمہ اللہ نے اس اعتراض کا جواب یہ دیا ہے کہ اصل میں اس کلام کا مقصد یہ ہے کہ بندہ اور جنت کے درمیان ایک پردہ ہے ایک طرف جنت ہے دوسری طرف حیات ہے بیچ میں موت کا پردہ حائل ہے، جونہی یہ پردہ ہٹ جائے گا آدمی جنت چلا جائے گا یہی وجہ ہے کہ موت کے بارے میں کہا گیا ہے کہ "**الموت تحفة المؤمن**" اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ **الموت جسر یوصل الحبیب الی الحبیب**۔ [2]

فجر اور مغرب کے بعد ذکر اللہ کی فضیلت

﴿۱۷﴾ وَعَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ ابْنِ غَنْمٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ قَالَ قَبْلَ اَنْ يَّنْصَرِفَ وَيَثْنِيَ رِجْلَيْهِ مِنْ صَلَاةِ الْمَغْرِبِ وَالصُّبْحِ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ بِيَدِهِ الْخَيْرُ يُحْيِيْ وَيُمِيْتُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ عَشْرَ مَرَّاتٍ كُتِبَ لَهٗ بِكُلِّ وَاحِدَةٍ عَشْرُ حَسَنَاتٍ وَمُحِيَتْ عَنْهُ عَشْرُ سَيِّئَاتٍ وَرُفِعَ لَهٗ عَشْرُ دَرَجَاتٍ وَكَانَتْ لَهٗ حِرْزًا مِنْ كُلِّ مَكْرُوْهٍ وَحِرْزًا مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ وَلَمْ يَحِلَّ لِذَنْبٍ اَنْ يُّدْرِكَهٗ اِلَّا الشِّرْكَ وَكَانَ مِنْ اَفْضَلِ النَّاسِ عَمَلًا اِلَّا رَجُلًا يَفْضُلُهٗ يَقُوْلُ اَفْضَلَ مِمَّا قَالَ۔ (رَوَاهُ اَحْمَدُ وَرَوَى التِّرْمِذِيُّ نَحْوَهٗ عَنْ اَبِيْ ذَرٍّ اِلٰى قَوْلِهٖ اِلَّا الشِّرْكَ وَلَمْ يَذْكُرْ صَلَاةَ الْمَغْرِبِ وَلَا بِيَدِهِ الْخَيْرُ وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ حَسَنٌ صَحِيْحٌ غَرِيْبٌ) [3]

ترجمہ: اور حضرت عبدالرحمن بن غنم راوی ہیں کہ "رحمت عالم ﷺ فرماتے تھے" جو شخص فجر اور مغرب کے بعد (نماز کی) جگہ سے اٹھنے سے پیشتر اور پاؤں موڑنے سے پہلے (یعنی جس طرح التحیات کے لئے بیٹھتا ہے اسی ہیئت کے ساتھ) ان کلمات کو دس مرتبہ پڑھے:

لَا اِلٰهَ اِلَّا اللهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ بِيَدِهِ الْخَيْرُ يُحْيِيْ وَيُمِيْتُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ۔

---

[1] المرقات: ۲/۵۶ [2] الکاشف: ۲/۳۶۲ [3] اخرجہ احمد: ۴/۲۲۷ والترمذی: ۳۴۷۴

اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ اکیلا ہے نہ اس کا کوئی شریک ہے، اسی کے لئے بادشاہت ہے اور اسی کی واسطے تمام تعریفیں ہیں، اسی کے ہاتھ میں بھلائی ہے، وہی (جسے چاہتا ہے) زندہ رکھتا ہے اور (جسے چاہتا ہے) موت دے دیتا ہے اور وہی ہر چیز پر قادر ہے تو اس کے لئے ہر ایک مرتبہ کے بدلہ میں دس نیکیاں لکھی جاتی ہیں اور اس کے دس گناہ معاف کر دیئے جاتے ہیں اور یہ کلمات اس کے لئے ہر بری چیز اور شیطان مردود سے امان (کا باعث) بن جاتے ہیں (یعنی نہ تو اس پر کسی دینی و دنیاوی آفت وبلا کا اثر ہوتا ہے اور نہ مردود شیطان اس پر حاوی ہوتا ہے) اور شرک کے علاوہ کوئی گناہ (توفیق استغفار اور رحمت پروردگار کی وجہ سے) اسے ہلاکت میں نہیں ڈالتا (یعنی اگر شرک میں مبتلا ہو جائے گا تو پھر اس عظیم عمل کی وجہ سے بھی بخشش نہیں ہوگی) اور وہ شخص عمل کے اعتبار سے لوگوں میں سب سے بہتر ہوگا سوائے اس شخص کے جو اس سے زیادہ افضل عمل کرے گا یعنی یہ اس شخص سے وہ افضل ہوسکتا ہے جس نے یہ کلمات اس سے زیادہ کہے ہوں گے۔" (احمد)

مفرد اسم ذات اللہ اللہ کا ذکر قرآن سے ثابت ہے

﴿۱۸﴾ وَعَنْ عُمَرَ ابْنِ الْخَطَّابِ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَعَثَ بَعْثًا قِبَلَ نَجْدٍ فَغَنِمُوْا غَنَائِمَ كَثِيْرَةً وَأَسْرَعُوا الرَّجْعَةَ فَقَالَ رَجُلٌ مِنَّا لَمْ يَخْرُجْ مَا رَأَيْنَا بَعْثًا اَسْرَعَ رَجْعَةً وَلَا اَفْضَلَ غَنِيْمَةً مِنْ هٰذَا الْبَعْثِ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلَا اَدُلُّكُمْ عَلٰى قَوْمٍ اَفْضَلَ غَنِيْمَةً وَاَفْضَلَ رَجْعَةً قَوْمًا شَهِدُوا صَلَاةَ الصُّبْحِ ثُمَّ جَلَسُوْا يَذْكُرُوْنَ اللهَ حَتّٰى طَلَعَتِ الشَّمْسُ فَاُولٰئِكَ اَسْرَعُ رَجْعَةً وَاَفْضَلُ غَنِيْمَةً۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ غَرِيْبٌ وَحَمَّادُ بْنُ اَبِيْ حُمَيْدٍ الرَّاوِيْ هُوَ ضَعِيْفٌ فِي الْحَدِيْثِ) [1]

ترجمہ: اور امیر المؤمنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ (ایک موقع پر) رحمت عالم ﷺ نے ایک لشکر نجد کی طرف بھیجا۔ چنانچہ وہ لشکر (فتح و کامیابی کے بعد) بہت زیادہ مال غنیمت لے کر بہت جلد (مدینہ) واپس لوٹ آیا، ہم میں سے ایک شخص نے جو لشکر کے ساتھ نہیں گیا تھا کہا کہ "ہم نے تو ایسا کوئی لشکر نہیں دیکھا جو اس لشکر کی طرح اتنی جلدی واپس آیا ہو اور اپنے ساتھ اتنا مال غنیمت بھی لایا ہو! (یہ سن کر) سرکار دو عالم ﷺ نے فرمایا کہ "کیا میں تمہیں ایک ایسی جماعت کے بارے میں نہ بتلاؤں جو مال غنیمت میں اور جلد واپسی میں اس لشکر سے بھی بڑھی ہوئی ہے (تو سنو) وہ جماعت وہ ہے جو فجر کی نماز (کی جماعت) میں حاضر ہوئی ہو اور پھر سورج نکلنے تک بیٹھی ہوئی خدا کا ذکر کرتی رہی ہو، یہی وہ لوگ ہیں جو جلد واپس آنے اور مال غنیمت لانے میں ان سے بڑھے ہوئے ہیں۔ یہ روایت ترمذی نے نقل کی ہے اور کہا ہے کہ یہ حدیث غریب ہے اور اس کے ایک راوی حماد ابن ابوحمید ضعیف ہیں۔

توضیح: "یذکرون اللہ" اس مسئلہ میں ایک بحث ہے کہ اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنا مفرد اسم ذات یعنی اللہ، اللہ

[1] اخرجه الترمذي: ۳۵۶۱

کے ساتھ جائز اور ثابت ہے یا ثابت نہیں؟ بعض بڑے علماء مثلاً شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کی طرف منسوب ہے کہ وہ مفرد اسم ذات کے ذکر کو ثابت نہیں مانتے اور فرماتے ہیں کہ اس کا مفہوم مبتدا یا خبر ملانے کے بغیر مکمل نہیں ہے لہٰذا لفظ اللہ کے ساتھ کچھ اور ملا کر ذکر کرنا چاہئے لیکن دیگر تمام علماء جمہور سلفاً وخلفاً مفرد اسم ذات کے ذکر کو باعث برکت وثواب سمجھتے ہیں۔

علامہ شمس الدین شارح مشکوٰۃ اپنی شرح التعلیق الفصیح ج ۲ ص ٦ پر فرماتے ہیں کہ قرآن کریم کی بہت ساری آیات سے مفرد اسم ذات کے ذکر کا ثبوت ملتا ہے مثلاً ﴿اذکر اللہ ذکرا کثیرا﴾ [1] یا ﴿یذکرون اللہ قیاما وقعودا وعلیٰ جنوبھم﴾ [2] یا ﴿والذاکرین اللہ والذاکرات﴾ [3] ان آیات میں اسم مفرد کے ذکر کا بیان اور ثبوت ہے۔ علامہ فرماتے ہیں کہ چونکہ قرآن سے یہ مسئلہ ثابت تھا اس لئے صحابہ نے احادیث میں اس کے ذکر کرنے کا اہتمام نہیں کیا میں کہتا ہوں کہ حدیث میں بھی اسم ذات مفرد کے ساتھ ذکر کا ثبوت ہے ایک حدیث میں ہے کہ جب تک دنیا میں کوئی اللہ، اللہ کہنے والا موجود ہوگا قیامت نہیں آئے گی۔

---

[1] الاحزاب: الایہ: ۴۱ [2] الاعمران: الایہ: ۱۹۰ [3] الاحزاب: الایہ: ۳۵

باب مالا یجوز من العمل فی الصلوٰۃ ومایباح

نماز میں جائز اور ناجائز چیزوں کا بیان

قال الله تبارك وتعالىٰ ﴿وقوموا لله قانتین﴾ (سورت بقرہ ۲۳۸)[1]

وقال الله تعالىٰ ﴿قد افلح المؤمنون الذین هم فی صلوتهم خاشعون﴾ (مؤمنون)[2]

اس بات کو خوب جان لینا چاہئے کہ بعض اعمال وافعال ایسے ہیں جس سے نماز فاسد ہو جاتی ہے اور بعض اعمال ایسے ہیں جس سے نماز مکروہ ہو جاتی ہے اور بعض اعمال وہ ہیں کہ حالت نماز میں وہ مباح ہیں ان سب کی تفصیلات فقہ کی کتابوں میں مذکور ہیں یہاں عنوان میں "لایجوز" کا لفظ عام ہے خواہ وہ اعمال مفسدات کے قبیلہ سے ہوں یا مکروہات کے قبیلہ سے ہوں۔

عمل کثیر اور عمل قلیل میں فرق:

تمام فقہاء کے نزدیک عمل کثیر سے نماز فاسد ہو جاتی ہے لیکن عمل قلیل اور کثیر کی حد اور تعیین میں اختلاف ہے بعض فقہاء کہتے ہیں کہ جو عمل ایک ہاتھ سے ہو وہ قلیل ہے اور جو عمل دونوں ہاتھوں سے ہوتا ہو وہ کثیر ہے ایک ہاتھ اور دو ہاتھ کے عمل سے مراد یہ ہے کہ عام عادت جس طرح واقع ہو اسی کا اعتبار ہوگا مثلاً لوگوں کی عادت ہے کہ پگڑی دونوں ہاتھوں سے باندھتے ہیں اب اگر کسی نے ایک ہاتھ سے نماز میں باندھنا شروع کر دیا تو نماز فاسد ہو جائے گی کیونکہ عام عادت ایک ہاتھ کی نہیں ہے اسی طرح قمیص پہننا تیر اندازی کرنا اور شلوار باندھنا یہ دونوں ہاتھوں کے اعمال ہیں اسی طرح مثلاً کسی نے دونوں ہاتھوں سے شلوار کھولا تو اس سے نماز فاسد نہیں ہوگی کیونکہ عام عادت میں یہ عمل ایک ہاتھ سے کیا جاتا ہے۔

بعض علماء کہتے ہیں کہ عمل قلیل اور کثیر کا فرق اس طرح ہے کہ مثلاً نمازی نماز میں کوئی عمل کر رہا ہو اور کسی دیکھنے والے نے اس کو دیکھا اگر اس نے یقین کر لیا کہ ایسا عمل نماز میں نہیں ہوتا ہے یہ آدمی نماز میں نہیں ہے تو یہ عمل کثیر شمار ہوگا نماز فاسد ہوگی۔ اور اگر اس دیکھنے والے نے یقین کر لیا کہ یہ آدمی نماز میں ہے اگر چہ ایک عمل کر رہا ہے تو یہ عمل قلیل ہے۔[3]

شیخ ابن ہمام فرماتے ہیں کہ قلیل وکثیر کا فیصلہ خود اسی نمازی پر چھوڑا جائے گا اگر اس نے سمجھ لیا کہ یہ عمل کثیر ہے تو نماز فاسد ہوگی ورنہ نہیں۔

بعض علماء کے نزدیک اس معیار میں مختار یہ ہے کہ اگر ایک عمل مسلسل تین بار کیا جائے تو وہ کثیر ہے اور اگر اس سے کم کیا جائے تو وہ قلیل ہے فقہاء کے ان اقوال کے لئے حضور اکرم ﷺ کا وہ فرمان بنیادی قاعدہ وضابطہ فراہم کرتا ہے جس میں آپ نے ایک صحابی کو صرف ایک بار کنکری ہٹانے کی اجازت دی تھی۔

---

[1] سورۃ بقرہ الایہ: ۲۳۸ [2] سورۃ المومنون الایہ: [3] المرقات: ۳/۱۰

الفصل الاول

نماز کے دور اول میں ایک صحابی کا عجیب واقعہ

﴿۱﴾ عَنْ مُعَاوِيَةَ بْنِ الْحَكَمِ بَيْنَا أَنَا أُصَلِّيْ مَعَ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذْ عَطَسَ رَجُلٌ مِنَ الْقَوْمِ فَقُلْتُ يَرْحَمُكَ اللهُ فَرَمَانِي الْقَوْمُ بِأَبْصَارِهِمْ فَقُلْتُ وَاثُكْلَ أُمِّيَاهُ مَا شَأْنُكُمْ تَنْظُرُوْنَ إِلَيَّ فَجَعَلُوْا يَضْرِبُوْنَ بِأَيْدِيْهِمْ عَلَى أَفْخَاذِهِمْ فَلَمَّا رَأَيْتُهُمْ يُصَمِّتُوْنَنِيْ لٰكِنِّيْ سَكَتُّ فَلَمَّا صَلَّى رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَبِأَبِيْ هُوَ وَأُمِّيْ مَا رَأَيْتُ مُعَلِّمًا قَبْلَهُ وَلَا بَعْدَهُ أَحْسَنَ تَعْلِيْمًا مِنْهُ فَوَاللهِ مَا كَهَرَنِيْ وَلَا ضَرَبَنِيْ وَلَا شَتَمَنِيْ قَالَ إِنَّ هٰذِهِ الصَّلَاةَ لَا يَصْلُحُ فِيْهَا شَيْءٌ مِنْ كَلَامِ النَّاسِ إِنَّمَا هِيَ التَّسْبِيْحُ وَالتَّكْبِيْرُ وَقِرَاءَةُ الْقُرْآنِ أَوْ كَمَا قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللهِ إِنِّيْ حَدِيْثُ عَهْدٍ بِجَاهِلِيَّةٍ وَقَدْ جَاءَنَا اللهُ بِالْإِسْلَامِ وَإِنَّ مِنَّا رِجَالًا يَأْتُوْنَ الْكُهَّانَ قَالَ فَلَا تَأْتِهِمْ قُلْتُ وَمِنَّا رِجَالٌ يَتَطَيَّرُوْنَ قَالَ ذَاكَ شَيْءٌ يَجِدُوْنَهُ فِيْ صُدُوْرِهِمْ فَلَا يَصُدَّنَّهُمْ قَالَ قُلْتُ وَمِنَّا رِجَالٌ يَخُطُّوْنَ قَالَ كَانَ نَبِيٌّ مِنَ الْأَنْبِيَاءِ يَخُطُّ فَمَنْ وَّافَقَ خَطَّهُ فَذَاكَ. (رَوَاهُ مُسْلِمٌ قَوْلُهُ لٰكِنِّيْ سَكَتُّ هٰكَذَا وَجَدْتُ فِيْ صَحِيْحِ مُسْلِمٍ وَكِتَابِ الْحُمَيْدِيِّ وَصُحِّحَ فِيْ جَامِعِ الْأُصُوْلِ بِلَفْظَةِ كَذَا فَوْقَ لٰكِنِّيْ)[1]

ترجمہ: حضرت معاویہ بن حکم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ (ایک روز) سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ میں نماز پڑھ رہا تھا کہ (درمیان نماز) اچانک جماعت میں سے ایک شخص کو چھینک آ گئی، میں نے (جواب میں) یرحمک اللہ کہا (یہ سن کر) لوگوں نے مجھے گھورنا شروع کیا (کہ نماز میں چھینک کا جواب دیتے ہو) میں نے کہا کہ "میری ماں مجھے گم کردے تم لوگ مجھے کیوں گھور رہے ہو، لوگوں نے (میری گفتگو سن کر مجھے چپ کرانے اور اظہار تعجب کے لئے) اپنی رانوں پر اپنے ہاتھ مارنے شروع کئے (جب) میں نے دیکھا کہ لوگ مجھے خاموش کرنا چاہتے ہیں (تو مجھے بہت غصہ آیا کیونکہ مجھے اپنے اس فعل کی برائی کا علم نہ تھا) لیکن میں خاموش رہا، جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھ چکے (تو کیا کہوں) میرے ماں باپ آپ پر قربان، میں نے تو ایسا اچھا علم دینے والا نہ آپ سے پہلے دیکھا تھا اور نہ بعد میں دیکھا، خدا کی قسم! نہ تو آپ نے مجھے ڈانٹا، نہ مارا، اور نہ برا بھلا کہا۔ (ہاں اتنا) فرمایا کہ "نماز میں انسان کی بات مناسب نہیں ہے، نماز تو تسبیح و تکبیر اور قرآن پڑھنے کا نام ہے" یا آپ نے اس کی مانند کچھ اور فرمایا (یعنی راوی کو شک ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہی الفاظ فرمائے تھے یا اس کی مانند دوسرے الفاظ تھے) میں نے عرض کیا "یا رسول اللہ! میں

[1] اخرجه ومسلم: ۲/۷۰، ۷۱، ۳۵

ایک نومسلم ہوں (ابھی تک دین کے تمام احکام مجھے معلوم نہیں تھے ہاں اب) خدا نے ہمیں اسلام کی دولت سے مشرف فرمایا ہے (تو دین کے تمام احکام سیکھ لوں گا پھر میں نے عرض کیا کہ) ہم میں سے بہت لوگ کاہنوں کے پاس جاتے ہیں (اس کے بارے میں کیا حکم ہے؟) فرمایا "تم ان کے پاس ہرگز نہ جایا کرو" میں نے عرض کیا۔ ہم میں سے بہت سے لوگ بدفالی (بھی) لیتے ہیں۔ فرمایا "یہ ایک ایسی چیز ہے جسے وہ اپنے دلوں میں پاتے ہیں (یعنی ان کا محض وہم اور ذہن کی اختراع ہے جو کاموں کے نفع و نقصان میں کوئی اثر نہیں رکھتا) انہیں اپنے کام سے رکنا نہیں چاہئے معاویہ کہتے ہیں کہ میں نے (پھر) عرض کیا "ہم میں سے بعض لوگ خط کھینچتے ہیں اور اس کے ذریعہ وہ غیب کی کچھ باتیں بتاتے ہیں فرمایا انبیاء میں سے ایک نبی تھے جو خط کھینچتے تھے لہٰذا جس شخص کا خط کھینچنا اس نبی کے خط کھینچنے کے موافق ہو وہ اس بات کو حاصل کر لیتا ہے۔" (مسلم)

توضیح: اس حدیث میں چند مشکل الفاظ ہیں پہلے اس کو سمجھنا زیادہ مناسب ہوگا۔

"فرمانی القوم" یعنی لوگوں نے مجھے نگاہوں سے ایسا مارا جیسا کسی کو تیر سے مارتے ہیں یعنی گھور گھور کر میری طرف دیکھا کہ یہ کیا کر رہے ہو؟۔[1]

"واثکل امیاہ" یہ کلمہ یہاں **"ندبہ"** کے طور پر استعمال کیا گیا ہے جیسے **"وا امیر المؤمنیناہ"** ثکل ثا کے ضمہ کے ساتھ ہلاکت، موت اور بیٹے یا محبوب کے گم ہونے کے لئے استعمال کیا جاتا ہے اصل میں عورت جب اپنے بیٹے کو گم کر دے اس موقع پر بولا جاتا ہے یہاں یہ کلمہ "ام" کی طرف مضاف ہے اصل میں **"واثکل امی"** ہے یعنی ہائے میری ماں مجھے گم کر دے تم مجھے کیوں گھور رہے ہو۔[2]

شیخ عبدالحق رحمہ اللہ نے اشعۃ اللمعات میں اس کا ترجمہ اسطرح کیا ہے "وائے پسر مردن مادر من" مظاہر حق جدید میں عبداللہ جاوید غازی پوری صاحب نے اس لفظ کا ترجمہ غلط کیا ہے میں نے یہ وضاحت اس لئے کی کہ میں توضیحات میں انہیں حضرات کا ترجمہ لیتا ہو۔

"ماشانکم" شیخ عبدالحق رحمہ اللہ اشعہ میں فرماتے ہیں کہ یہ لفظ انہوں نے دل میں فرمایا۔[3]

"یصمتوننی" یہ تصمیت باب تفعیل سے چپ کرانے کے معنی میں ہے۔[4]

"لکنی سکت" یہ استدراک محذوف سے ہے اصل عبارت اس طرح ہے

"غضبت وتغیرت واردت ان اعاملھم بمقتضی الغضب لکنی سکت"۔[5]

"ماکھرنی" کھر فتح یفتح سے ہے جھڑ کنے اور ترش رو ہو کر کسی سے حقارت کے ساتھ پیش آنے کو کہتے ہیں۔[6]

"یتطیرون" یہ لفظ "الطیرۃ" سے ہے بدشگونی کو کہتے ہیں اسکی تفصیل آخر کتاب میں آئے گی۔

"من کلام الناس" یہاں سوال یہ ہے کہ تسبیحات بھی تو کلام ہے پھر اس کی اجازت کیسے دیدی گئی؟[7]

---

[1] المرقات: ۳/۶۱ [2] الکاشف: ۲۶۶ [3] المرقات: ۳/۶۱ [3] اشعۃ اللمعات: ۱/۴۵۸ [4] المرقات: ۳/۶۱

[5] المرقات: ۳/۶۱ الکاشف: ۲/۲۶۶ [6] المرقات: ۳/۶۱ [7] المرقات: ۳/۶۲

اس کا جواب یہ ہے کہ یہاں کلام الناس سے مراد وہ کلام ہے جس سے لوگوں کے ساتھ خطاب اور مکالمہ کا ارادہ کیا گیا ہو تسبیحات اگرچہ کلام ہے لیکن اس میں لوگوں سے تخاطب کا ارادہ نہیں ہوتا اگر تخاطب کا ارادہ ہو جائے تو وہ بھی ناجائز ہے۔

"حدیث عهد بجاهلية" یعنی میں جاہلیت کے زمانہ کے بالکل قریب ہوں ابھی ابھی اسلام قبول کر چکا ہوں نو مسلم ہوں، یہی وجہ تھی کہ حضور اکرم ﷺ نے ان کو نماز لوٹانے کا حکم نہیں دیا ورنہ کسی کی چھینک اور الحمد للہ پر یرحمک اللہ سے جواب دینے میں خطاب ہے اور نماز میں خطاب کرنے سے نماز فاسد ہو جاتی ہے۔ (کذا قال النووی وابن الہمام)[1]

"الكهان" یہ کاهن کی جمع ہے کاہن وہ شخص ہے جس کا ارواح خبیثہ اور جنات وشیاطین کے ساتھ تعلق ہو جنات وشیاطین جھوٹی خبریں لا کر ان کو بتاتے ہوں اور جب سو جھوٹ میں کوئی ایک بات سچی ہو تو یہ کاہن اس سے اپنا دھندہ چلا رہا ہو اور علم غیب کا دعوی کر رہا ہو جاہلیت میں اس کا بہت زور تھا اب بھی کچھ کچھ ہے تفصیل مشکوٰۃ کے آخر میں آئے گی ان شاء اللہ۔[2]

دوسری ایک حدیث میں کاہن کے علاوہ ایک لفظ "عراف" کا بھی آیا ہے عراف اس شخص کو کہتے ہیں جو کسی عمل یا کسی منتر جنتر اور جادو کے ذریعہ سے پوشیدہ چیزوں کا حال بتاتا ہے یہ نجومیوں کی ایک قسم ہے آج کل اس کا بہت زور ہے کاہن اور عراف دونوں کے پاس جانا اور ان کی تصدیق کرنا حرام ہے۔[3]

"يجدونه" یعنی ایک شک اور وہم ہے اس توہم پرستی میں پڑ کر آدمی شکی بن جاتا ہے اور ہر کام میں تردد کرتا ہے اور منحوس غیر منحوس کے چکر میں پڑ کر اپنا کام روک کر کام سے رہ جاتا ہے۔[4]

"فلا يصدنهم" یعنی یہ وہم اور یہ شک اور یہ توہم پرستی اس شخص کو تردد میں ڈال کر اس کو اپنے کام سے باز نہ رکھے بلکہ یہ عقیدہ رکھے کہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کے حکم کے تحت ہے اسی پر توکل کر کے اپنے کام کرے۔[5]

"يخطون" یہ خط کھینچنے کے معنی میں ہے جس طرح کہانت اور علم نجوم کے ذریعہ بعض لوگ غیب کی بات تک پہنچنے کی کوشش کرتے ہیں اسی طرح "رمل" کے ذریعہ سے بھی یہ کوشش ہوتی ہے کہ کسی پوشیدہ اور غیب کی بات تک اس عمل کے ذریعہ سے پہنچا جائے چنانچہ عمل رمل اس عمل کا نام ہے جس میں خطوط کھینچ کر پھر حساب لگا کر کسی پوشیدہ بات تک پہنچنے کی کوشش کی جاتی ہے۔[6]

"نبي من الانبياء" شارحین لکھتے ہیں کہ اس سے یا حضرت ادریس علیہ السلام مراد ہیں یا حضرت دانیال علیہ السلام مراد ہیں۔[7]

"فمن وافقه"

سوال: یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ حضور اکرم ﷺ کے اس کلام سے بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے اس عمل کی اجازت فرمائی ہے حالانکہ فی الواقع شریعت میں رمل کی اجازت نہیں ہے۔

جواب: اس کا جواب یہ ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے صراحت کے ساتھ علم رمل پر رد نہیں فرمایا کیونکہ اس تردید کی زد میں وہ نبی آسکتے تھے جو یہ عمل بطور معجزہ کرتے تھے بلکہ آپ نے ایک حکیمانہ انداز سے ایک قاعدہ بیان فرمایا جس

[1] المرقات: ۲/۶۲،۶۳ [2] المرقات: ۲/۶۳ [3] المرقات: ۲/۶۳ الکاشف: ۲/۳۱۶،۲۶۶

[4] المرقات: ۲/۶۳ [5] المرقات: ۲/۶۳ [6] المرقات: ۲/۶۳،۶۴ [7] المرقات: ۲/۶۴

سے اس عمل کی ممانعت بھی سمجھ میں آگئی اور اس نبی کے حق میں کوئی بے ادبی بھی نہ ہوئی۔
چنانچہ آپ کے کلام کو اور اس قاعدہ کو سمجھاتے ہوئے علامہ خطابی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ حضور اکرم ﷺ نے یہاں تعلیق بالمحال کے ذریعہ سے اس کام کو روکا ہے یعنی جس شخص کا خط اس نبی کے خط سے موافق ہوا تو وہی صحیح ہوگا اور ظاہر ہے کہ کون کہہ سکتا ہے کہ میرے کھینچے ہوئے خطوط اسی طرح ہیں جس طرح اس نبی کے تھے پہلے تو یہ موافقت حاصل کرنا محال ہے کوئی اس کا دعویٰ نہیں کرسکتا دوسری بات یہ ہے کہ خط کے ذریعہ سے جو کچھ ہوتا تھا وہ اس نبی کا معجزہ تھا اور کسی اور آدمی کا خط کھینچنا معجزہ نہیں لہٰذا کسی شخص کا اس عمل میں لگنا بالکل بے فائدہ لغو اور باطل ہے۔
"بلفظة کذا" یعنی "کذا" کا کلمہ لکنی کے اوپر صاحب جامع الاصول نے لکھدیا تا کہ یہ اشارہ ہو جائے کہ "لکنی" کا کلمہ صحیح ہے اس میں کوئی غلطی نہیں ہے۔[1]
محدثین کے ہاں قاعدہ یہ ہے کہ جہاں کسی کلمہ میں شک واقع ہو جائے اور محدثین اس کی صحت کی طرف اشارہ کرنا چاہتے ہیں تو وہ لفظ "کذا" اس کلمہ کے اوپر صحت کی علامت کے طور پر لکھدیتے ہیں اس حدیث میں لکنی کا لفظ مسلم اور حمیدی کی کتابوں میں تھا مگر مصابیح میں یہ لفظ نہیں تھا تو صاحب جامع الاصول نے لکنی کے اوپر "کذا" لکھدیا یعنی یہ لفظ اسی طرح ہے۔ (قربان جائیں محدثین کی احتیاط پر)

نماز کی کیفیات میں کئی بار تبدیلی آئی ہے

﴿۲﴾ وَعَنْ عَبْدِاللّٰہِ بْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ کُنَّا نُسَلِّمُ عَلَی النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَھُوَ فِی الصَّلَاۃِ فَیَرُدُّ عَلَیْنَا فَلَمَّا رَجَعْنَا مِنْ عِنْدِ النَّجَاشِیِّ سَلَّمْنَا عَلَیْہِ فَلَمْ یَرُدَّ عَلَیْنَا فَقُلْنَا یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ کُنَّا نُسَلِّمُ عَلَیْکَ فِی الصَّلَاۃِ فَتَرُدُّ عَلَیْنَا فَقَالَ اِنَّ فِی الصَّلَاۃِ لَشُغْلًا۔ (مُتَّفَقٌ عَلَیْہِ)[2]

ترجمہ: اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ سرور کونین ﷺ نماز میں ہوتے اور ہم آپ کو سلام کرتے تو آپ ہمارے سلام کا جواب دیتے تھے پھر کچھ دنوں کے بعد جب ہم نجاشی کے یہاں سے واپس آئے اور آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اس وقت آپ نماز پڑھا رہے تھے (حسب معمول) ہم نے آپ کو سلام کیا آپ نے ہمارے سلام کا جواب نہیں دیا جب آپ نماز پڑھ چکے تو ہم نے عرض کیا کہ "یارسول اللہ! ہم آپ کو نماز میں سلام کرتے تھے آپ جواب دیتے تھے آج آپ نے جواب کیوں نہیں دیا؟ آنحضرت ﷺ نے فرمایا نماز خود ایک بڑا شغل ہے۔" (بخاری ومسلم)

توضیح: "فلم یرد علینا" ابتداء اسلام میں نماز میں کلام کرنا جائز تھا پھر وہ موقوف ہوا تو سلام وکلام دونوں ممنوع قرار پایا مگر امام کے پیچھے قرأت کی اجازت تھی پھر وہ موقوف ہوئی مگر فاتحہ پڑھنے کی اجازت تھی پھر احناف کے نزدیک وہ بھی موقوف ہوئی اور ﴿قوموا للہ قانتین﴾ اسی ساکتین پر عمل رہ گیا۔ آئندہ باب السہو میں اس پر کلام آنے والا ہے۔[3]

[1] المرقات: ۳/۹۵ [2] المرقات: ۳/۶۶ [3] اخرجہ البخاری: ۲/۴۸، ۲/۴۸، ۲/۸۳، ۲/۸۳، ۵/۹۳ ومسلم: ۲/۷۱

"النجاشی" یہ حبشہ کا ایک عادل بادشاہ تھا بعد میں مسلمان ہوا حبشہ کے ہر بادشاہ کا یہی لقب ہوتا تھا جیسا کہ مصر کے بادشاہ کا لقب فرعون ہوتا تھا ترکوں کا لقب خاقان یمن کا تبع شام کا قیصر، فارس کا کسریٰ اور ہندوستان کے بادشاہ کا لقب راجہ ہوتا تھا۔[1]

"لشغلا" یعنی نماز کے اپنے اعمال ہیں جو اس کے اندر ہوتے ہیں ان اعمال کے علاوہ کسی اور عمل کی نماز میں گنجائش نہیں ہے لہٰذا سلام کلام کرنا ممنوع ہے اب زبان سے جواب دینا بالاتفاق مفسد صلوٰۃ ہے۔ البتہ سر کے اشارہ سے اگر نمازی جواب دیتا ہے تو جمہور کے ہاں جائز بلا کراہت ہے۔ البتہ احناف جائز مع الکراہت کہتے ہیں جمہور فرماتے ہیں کہ باللسان جواب ممنوع قرار پایا بالاشارہ باقی ہے۔ احناف کہتے ہیں دونوں کی ممانعت کی طرف اشارہ ہے کیونکہ حضور ﷺ نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کو سر کے اشارہ سے بھی جواب نہیں دیا جس سے وہ بہت پریشان ہوئے اگر جائز ہوتا اور کراہت نہ ہوتی تو ابن مسعودؓ کی پریشانی کی کوئی وجہ نہ تھی سر کے اشارہ سے جواب مل جاتا بہرحال اگر کراہت کو تنزیہی پر حمل کیا جائے تو غیر اولیٰ کا اختلاف رہ جائے گا۔[2]

نماز میں زیادہ حرکات ممنوع ہیں

﴿۳﴾ وَعَنْ مُعَيْقِيبٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الرَّجُلِ يُسَوِّي التُّرَابَ حَيْثُ يَسْجُدُ قَالَ إِنْ كُنْتَ فَاعِلًا فَوَاحِدَةً۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)[3]

ترجمہ: اور حضرت معیقیب رضی اللہ عنہ سرور کونین ﷺ سے اس شخص کے بارے میں روایت کرتے ہیں جس نے اپنے بارے میں آپ سے پوچھا تھا کہ میں (نماز میں) سجدہ کی جگہ سے مٹی برابر کرتا ہوں اس کا کیا حکم ہے تو آپ نے فرمایا اگر تم برابر کرنا ضروری سمجھو تو صرف ایک مرتبہ ایسا کرلیا کرو۔ (بخاری ومسلم)

توضیح: "معیقیب" حضرت معیقیب رضی اللہ عنہ سعید بن ابی العاص رضی اللہ عنہ کے آزاد کردہ غلام تھے انہوں نے آنحضرت ﷺ کی پشت پر مہر نبوت کو بوسہ دیا تھا، بیت المال کی خدمت پر مامور تھے ان کی وفات ۴۰ھ میں ہوئی۔[4]

"فواحدۃ" فقہاء احناف نے لکھا ہے کہ حالت نماز میں سجدہ کی جگہ اگر ناہموار ہو یا اس جگہ پر کنکریاں ہوں جس کی وجہ سے سجدہ کرنا دشوار ہو تو کنکریاں ہٹانا جائز ہے لیکن ایک یا دو بار جائز ہے اس سے زیادہ نہیں اس حدیث سے ان حضرات کے لئے بڑی تنبیہ ہے جنہوں نے نماز کو ایک کھیل سمجھا ہے اور اس میں ایک دوسرے کے جیبوں میں ہاتھ ڈال کر ٹشو پیپر نکالتے ہیں اور ناک صاف کرتے ہیں عربستان اور جزیرہ عرب کے مسلمانوں سے ادب نماز تقریباً نکل چکا ہے جو کھیل کود کے ساتھ نماز پڑھتے ہیں۔ (انا للہ وانا الیہ راجعون)[5]

[1] المرقات: ۲/۶۵ [2] المرقات: ۲/۶۶ [3] اخرجہ البخاری: ۲/۸۰ ومسلم: ۲/۷۵، ۷۶ [4] المرقات: ۲/۶۶ [5] المرقات: ۲/۶۶، ۶۷

نماز میں خصر ممنوع ہے

﴿۴﴾ وَعَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ قَالَ نَھٰی رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ عَنِ الْخَصْرِ فِی الصَّلٰوۃِ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَیْہِ)[۱]

ترجمہ: اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ سرور کونین ﷺ نے نماز میں خصر (کوکھ پر ہاتھ رکھنے) سے منع فرمایا ہے۔" (بخاری ومسلم)

توضیح: "**خصر**" اختصار اور خصر کوکھ اور پہلو پر ہاتھ رکھنے کے معنی میں ہے دونوں ہاتھوں کو دونوں پہلو اور جانب پر رکھنا منع ہے کیونکہ مسنون طریقہ ناف پر ہاتھ رکھنے کا ہے۔[۲]

اب سوال یہ ہے کہ نماز میں کوکھ پر ہاتھ رکھنے سے کیوں منع کیا گیا ہے اس کی وجہ کیا ہے؟

اس کا ایک جواب تو یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ نے جب ممانعت فرمادی تو اب اس پوچھنے اور سوال کرنے کی ضرورت نہیں یہی سب سے بڑی وجہ ہے کہ حضور ﷺ نے منع فرمادیا ہے۔ دوسرا جواب یہ دیا گیا ہے کہ میدان محشر میں وہ لوگ جو دوزخی ہیں وہ اسی شکل میں کھڑے ہونگے اس لئے ان کی مشابہت سے روکا گیا اور ایک حدیث میں آیا ہے کہ ہاتھ کوکھ پر رکھ کر اہل النار راحت حاصل کرنے کی کوشش کریں گے جس طرح کوئی آدمی بہت تھک جاتا ہے تو وہ دونوں ہاتھوں کو پہلو پر رکھ کر لمبا سانس لیتا ہے۔ تیسرا جواب یہ ہے کہ اہل النار سے مراد یہود ہیں وہ لوگ دنیا میں اسی طرح کوکھ پر ہاتھ رکھکر کھڑے ہوتے ہیں نمازیوں کو ان کی مشابہت سے روکا گیا۔ چوتھا جواب یہ ہے کہ یہ حالت انتہائی متکبرانہ ہے اس لئے نمازی کو اس سے روکا گیا نیز نماز سے باہر بھی اس طرح متکبرانہ انداز سے مسلمان کے لئے کھڑا ہونا کراہت سے خالی نہیں ہے۔

علماء نے اختصار اور خصر کی ایک عجیب شکل لکھی ہے اس کا نقل کرنا فائدہ سے خالی نہیں ہوگا کہتے ہیں کہ میت پر رونے والی اور بین کرنے والی عورت جب بین شروع کرتی ہے تو سب سے پہلے اپنے دونوں ہاتھوں کو دیر تک سینہ پر مارتی ہے اور پھر دیر تک شہادت کی انگلی اٹھانے کے ساتھ دونوں ہاتھ دائیں بائیں گھماتی رہتی ہے پھر جب خوب تھک جاتی ہے تو دونوں ہاتھوں کو دونوں کوکھ پر رکھکر آنکھیں بند کر کے سر کو گھماتی رہتی ہے یہی حالت دوزخیوں کی ہوتی ہے اسی لئے نمازی کو کوکھ پر ہاتھ رکھنے سے منع کر دیا گیا تاکہ مشابہت نہ آئے۔

نماز میں ادھر ادھر دیکھنا شیطان کو خوش کرنا ہے

﴿۵﴾ وَعَنْ عَائِشَۃَ قَالَتْ سَئَلْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ عَنِ الْاِلْتِفَاتِ فِی الصَّلٰوۃِ فَقَالَ ھُوَ اِخْتِلَاسٌ یَخْتَلِسُہُ الشَّیْطَانُ مِنْ صَلٰوۃِ الْعَبْدِ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَیْہِ)[۳]

[۱] اخرجه البخاري: ۲/۸۴ ومسلم: ۲/۶۴ [۲] المرقات: ۶۶۳ [۳] اخرجه البخاري: ۱/۱۹۱، ۲/۱۵۲

ترجمہ: اور حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے سرور کونین ﷺ سے نماز میں ادھر ادھر دیکھنے کے بارہ میں پوچھا کہ آیا یہ مفسد نماز ہے یا نہیں؟ تو آپ نے فرمایا کہ یہ اچک لینا ہے کہ شیطان بندے کی نماز میں سے اچک لیتا ہے۔ (بخاری ومسلم)

توضیح: "اختلاس" باب افتعال سے اختلاس اچک لینے اور کسی چیز کو بہت جلد اٹھا لینے کے معنی میں ہے مطلب یہ ہے کہ جب آدمی نماز میں کھڑا ہو کر ادھر ادھر دیکھتا ہے اور نماز کے آداب کا خیال نہیں رکھتا ہے تو شیطان مردود آدمی کی نماز کو اچک لیتا ہے [۱] اب اس کی نماز کامل نہیں رہتی۔

اس حدیث میں "التفات" سے مراد یہ ہے کہ نمازی گردن گھما کر ادھر ادھر دیکھتا ہے قبلہ سے صرف منہ پھر جاتا ہے تو یہ صورت مکروہ وممنوع ہے اور اگر گردن گھمانے کے ساتھ سینہ اور جسم بھی قبلہ سے گھوم گیا تو اس صورت میں نماز فاسد ہو جاتی ہے۔ [۲]

"التفات" کی تیسری صورت یہ ہے کہ صرف آنکھوں کے کناروں سے ادھر ادھر دیکھے اور گردن یا سر نہ گھمائے یہ صورت ممنوع نہیں اگرچہ خلاف اولیٰ یہ بھی ہے کیونکہ نماز کے آداب میں سے یہ ہے کہ نگاہ سجدہ کے مقام پر ہو۔ [۳]

نماز میں دعا کے وقت آسمان کی طرف دیکھنا منع ہے

﴿۶﴾ وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّی اللهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لَیَنْتَهِیَنَّ اَقْوَامٌ عَنْ رَفْعِهِمْ اَبْصَارَهُمْ عِنْدَ الدُّعَاءِ فِی الصَّلٰوةِ اِلَی السَّمَاءِ اَوْلَتُخْطَفَنَّ اَبْصَارُهُمْ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ) [۴]

ترجمہ: اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ سرور کونین ﷺ نے فرمایا۔ لوگ نماز میں دعا کے وقت اپنی نگاہوں کو آسمان کی طرف اٹھانے سے باز رہیں ورنہ ان کی نگاہیں اچک لی جائیں گی۔" (مسلم)

توضیح: "لتخطفن" اختطاف چھیننے کے معنی میں ہے۔ [۵] ﴿یکاد البرق یخطف ابصارھم﴾ [۶] اسی سے ہے اس حدیث میں حضور اکرم ﷺ نے نماز کے آداب میں سے ایک ادب یہ ارشاد فرمایا کہ نماز کی التحیات میں بوقت دعا نگاہوں کو آسمان کی طرف نہیں اٹھانا چاہئے کیونکہ اس سے بظاہر یہ وہم پیدا ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے لئے آسمانوں میں کوئی متعین مکان ہے جس سے جسمیت ثابت ہو جائے گی اور جسمیت کے ساتھ حدوث لازم ہے نیز یہ موجب بے ادبی بھی ہے کیونکہ دعا حالت عاجزی ہے آسمان کو گھورنا عاجزی کے خلاف ہے ایک روایت میں آیا ہے کہ حضور اکرم ﷺ نماز میں بوقت دعا اس طرح نگاہ آسمان کی طرف اٹھاتے تھے لیکن جب آیت ﴿والذین ھم فی صلوتھم خاشعون﴾ اتری تو آپ نے پھر نگاہیں نیچے ہی رکھیں۔ [۷]

نماز کے علاوہ بوقت دعا آسمان کی طرف نگاہ اٹھانا جائز ہے کہتے ہیں "السماء قبلة الدعا"۔ مگر بعض علماء نے اس کو بھی خلاف اولیٰ کہا ہے۔

---

[۱] المرقات: ۳/۶۸ [۲] المرقات: ۳/۶۸ [۳] المرقات: ۳/۶۸ [۴] اخرجه مسلم: ۲/۲۹
[۵] المرقات: ۳/۶۹ [۶] بقرة الایة: [۷] مومنون الایة: ۲

ایک آدھ مرتبہ کا عمل دائمی سنت نہیں بنتا

﴿۷﴾ وَعَنْ اَبِیْ قَتَادَةَ قَالَ رَأَیْتُ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَؤُمُّ النَّاسَ وَاُمَامَةُ بِنْتُ اَبِی الْعَاصِ عَلٰی عَاتِقِهٖ فَاِذَا رَکَعَ وَضَعَهَا وَاِذَا رَفَعَ مِنَ السُّجُوْدِ اَعَادَهَا۔ (مُتَّفَقٌ عَلَیْهِ)

ترجمہ: اور حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے دیکھا ہے کہ سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم (ایک روز) لوگوں کو نماز پڑھا رہے تھے (اور آپ کی نواسی) امامہ بنت ابوالعاص رضی اللہ تعالیٰ عنہا آپ کے مبارک کاندھے پر بیٹھی تھیں جب آپ رکوع کرتے تو امامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو (اشارہ سے نیچے) بٹھا دیتے اور جب سجدے سے اٹھتے تو ان کو اپنے کاندھے پر بٹھا لیتے تھے۔ (بخاری ومسلم)

توضیح: "امامة" امامہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نواسی ہے جو حضرت زینب بنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم زوجہ ابوالعاص کی بیٹی ہے اب یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرض نماز میں تھے کیونکہ "لیوم الناس" کے الفاظ اس پر دال ہیں تو فرض نماز میں اس طرح عمل کیسے جائز ہوا جو بظاہر عمل کثیر ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خود اس سے منع فرمایا ہے۔[1]
اس کا جواب یہ ہے کہ چھوٹی بچی یا بچے کو اٹھانا عمل کثیر میں داخل نہیں ہے علماء احناف نے لکھا ہے کہ بچے کے اٹھانے سے نماز فاسد نہیں ہوتی ہاں عورت اگر بچے کو دودھ پلائے تو نماز فاسد ہو جائے گی اصل مدار عمل قلیل اور کثیر پر ہے۔ بعض علماء نے یہ جواب دیا ہے کہ یہ اس وقت کی بات تھی جب نماز میں کافی اعمال کرنے کی گنجائش تھی یا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی وقتی مجبوری سے ایسا کیا اور وقتی مجبوری کا عارضی عمل جو ایک آدھ مرتبہ کیا جائے وہ امت کے لئے مستمرہ مسنون قاعدہ نہیں بنتا۔
بعض لوگ اس حدیث کو دیکھ کر بچوں کو مسجدوں میں لاتے ہیں اور کندھوں پر اٹھا کر نماز پڑھتے ہیں یہ ان لوگوں کی حدیث فہمی سے عاری ہونے کی دلیل ہے اگرچہ وہ اپنے آپ کو اہل حدیث کہتے ہوں۔[2]

نماز میں جمائی لیتے وقت منہ بند کرنا چاہئے

﴿۸﴾ وَعَنْ اَبِیْ سَعِیْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِذَا تَثَاءَبَ اَحَدُکُمْ فِی الصَّلَاةِ فَلْیَکْظِمْ مَا اسْتَطَاعَ فَاِنَّ الشَّیْطَانَ یَدْخُلُ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

وَفِیْ رِوَایَةِ الْبُخَارِیِّ عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ اِذَا تَثَاءَبَ اَحَدُکُمْ فِی الصَّلَاةِ فَلْیَکْظِمْ مَا اسْتَطَاعَ وَلَا یَقُلْ هَا فَاِنَّمَا ذٰلِکُمْ مِنَ الشَّیْطَانِ یَضْحَکُ مِنْهُ۔[3]

ترجمہ: اور حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "جب تم میں سے کسی کو نماز میں جمائی آوے تو اسے چاہئے کہ وہ حتی الامکان اسے روکے کیونکہ (جمائی کے وقت) شیطان (منہ میں) گھس جاتا ہے۔ (مسلم)

[1] المرقات: ۳/۶۹ [2] المرقات: ۳/۷۰ [3] اخرجہ مسلم: ۸/۲۲۶

اور بخاری کی روایت کے یہ الفاظ ہیں کہ "جب تم میں سے کسی کو نماز میں جمائی آوے تو حتی الامکان اسے روکنا چاہئے اور 'ہا' نہ کہے (جیسا کہ جمائی کے وقت بے اختیار منہ سے یہ لفظ نکل جاتا ہے) اس لئے کہ یہ شیطان کی طرف سے ہے اور وہ اس سے ہنستا ہے۔"

توضیح: "تثاءب" زیادہ کھانے، ثقل بدن اور سستی کی وجہ سے جمائی آتی ہے اور عبادت میں سستی اور غفلت کا ذریعہ بنتی ہے اس سے شیطان خوش ہوتا ہے اس لئے جمائی کی نسبت شیطان کی طرف کی گئی ہے۔[1]

اسلام نے اس کا علاج یہ بتایا ہے کہ نمازی کو چاہئے کہ وہ منہ بند کرے تاکہ شیطان کے وسوسوں کا راستہ بند ہوجائے نیز جمائی کے وقت شکل بگڑ جاتی ہے جس کو دیکھ کر شیطان ہنستا ہے کہ دیکھو اس مکروہ انسان اور مکروہ شکل کی وجہ سے میں راندۂ درگاہ ہوا۔ جمائی دور کرنے کی ایک صورت یہ بھی ہے کہ دل میں یہ خیال لائے کہ حضور اکرم ﷺ کو کبھی جمائی نہیں آئی تھی۔

حضور اکرم ﷺ کا نماز میں جنّی کو پکڑنا اور چھوڑنا

﴿۹﴾ وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ عِفْرِيْتًا مِنَ الْجِنِّ تَفَلَّتَ الْبَارِحَةَ لِيَقْطَعَ عَلَيَّ صَلَاتِيْ فَاَمْكَنَنِيَ اللهُ مِنْهُ فَاَخَذْتُهُ فَاَرَدْتُ اَنْ اَرْبُطَهُ عَلٰى سَارِيَةٍ مِنْ سَوَارِي الْمَسْجِدِ حَتّٰى تَنْظُرُوْا اِلَيْهِ كُلُّكُمْ فَذَكَرْتُ دَعْوَةَ اَخِيْ سُلَيْمَانَ رَبِّ هَبْ لِيْ مُلْكًا لَا يَنْبَغِيْ لِاَحَدٍ مِنْ بَعْدِيْ فَرَدَدْتُهُ خَاسِئًا۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)[2]

ترجمہ: اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ (ایک روز) سرور کونین ﷺ نے فرمایا آج رات جنوں میں ایک دیو (یعنی ایک سرکش شیطان) جھپٹ کر میرے پاس آیا تاکہ میری نماز میں خلل ڈالے مگر اللہ تعالیٰ نے مجھ کو اس پر حاوی کر دیا چنانچہ میں نے اسے پکڑ لیا اور چاہا کہ مسجد (نبوی) کے ستونوں میں سے کسی ستون سے اسے باندھ دوں تاکہ تم سب لوگ اسے دیکھ لو پھر مجھے اپنے بھائی سلیمان علیہ السلام کی یہ دعا یاد آ گئی۔

رَبِّ هَبْ لِيْ مُلْكًا لَا يَنْبَغِيْ لِاَحَدٍ مِنْ بَعْدِيْ

ترجمہ: اے پروردگار مجھے ایسی بادشاہت عطا فرما جو میرے بعد اور کسی کے لئے مناسب نہ ہو چنانچہ میں نے اسے ذلیل بنا کر چھوڑ دیا۔ (بخاری ومسلم)

توضیح: "عفریتا" سرکش دیو ہیکل اور خبیث جن کو عفریت کہا گیا چونکہ یہ لفظ انسان کے لئے بھی استعمال ہوسکتا ہے اس لئے "من الجن" سے اس کی وضاحت فرما دی کہ عفریت جنات میں سے تھا۔[3]

"تفلت" باب تفعل سے چھوٹنے کے معنی میں ہے چونکہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے بڑے بڑے جنات کو مختلف جزیروں اور غاروں میں بند کر رکھا ہے انہیں میں سے یہ سرکش بھاگ کھڑا ہوا اور خباثت کے تحت سیدھا حضور اکرم ﷺ کے پاس نماز خراب کرنے کے لئے آ گیا۔[4]

---

[1] المرقات: ۳/۷۰ [2] اخرجه البخاری: ۱/۱۲۲، ۲/۸۱، ۲/۱۵۱، ۲/۱۹۶ ومسلم: ۲/۷۲ [3] المرقات: ۳/۷۱ [4] المرقات: ۳/۷۱

"حتی تنظروا الیه" اس سے معلوم ہوا کہ جنات کو پکڑ کر باندھا جاسکتا ہے یہ ایک کثیف مخلوق ہے لطیف نہیں ہے دوسری بات یہ معلوم ہوئی کہ جنات کا وجود ہے ان کا وجود قرآن وحدیث اور حضور اکرم ﷺ کے کئی واقعات سے ثابت ہے اس پر امت کا اجماع ہے انکی آپس میں شادیاں ہوتی ہیں اولاد پیدا ہوتی ہیں بعض انسانوں سے بھی شادی ہوتی ہے جنات کھاتے ہیں پیتے ہیں نیند کرتے ہیں جماع کرتے ہیں ان کے تمام احوال آکام المرجان فی احکام الجان میں مذکور ہیں اسی طرح امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے "لقط المرجان فی احکام الجان" میں ان جنات کی ابتدائی پیدائش ان کا وجود اور ان کے تمام احوال کو ثابت کیا ہے ان تمام دلائل کے بعد جو شخص جنات کا انکار کرتا ہے وہ سرسید احمد خان صاحب کی طرح ملحد ہی ہوسکتا ہے۔[1]

"فذکرت دعوة اخی" حضرت سلیمان علیہ السلام کو جنات پر مکمل تصرف حاصل تھا حضور اکرم ﷺ کو بھی یہ تصرف حاصل تھا لیکن آپ ﷺ نے حضرت سلیمان علیہ السلام کی دعا کے پیش نظر اس تصرف کو استعمال نہیں فرمایا۔[2]

"خاسئا" ذلیل وخوار کے معنی میں ہے کتے کو جب ڈانٹ کر بھگایا جاتا ہے اس کے لئے "اخساء" کا لفظ استعمال ہوتا ہے۔[3]

امام کو لقمہ دینے کی صورت

﴿۱۰﴾ وَعَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ نَابَهُ شَيْءٌ فِي صَلَاتِهِ فَلْيُسَبِّحْ فَإِنَّمَا التَّصْفِيقُ لِلنِّسَاءِ وَفِي رِوَايَةٍ قَالَ التَّسْبِيحُ لِلرِّجَالِ وَالتَّصْفِيقُ لِلنِّسَاءِ. (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)[4]

ترجمہ: اور حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ سرور کونین ﷺ نے فرمایا جس شخص کو نماز میں کوئی بات پیش آئے تو اسے چاہئے کہ وہ سبحان اللہ کہے اور دستک دینا یعنی تالی بجانا عورتوں کے لئے مخصوص ہے اور ایک روایت کے الفاظ یہ ہیں کہ فرمایا "سبحان اللہ کہنا مردوں کے لئے مخصوص ہے اور تالی بجانا عورتوں کے لئے (مخصوص) ہے۔ (بخاری ومسلم)

توضیح: "نابه" ناب ینوب باب نصر سے ہے نماز کے اندر کوئی حادثہ واقعہ پیش آنے کو کہا گیا ہے۔[5]

مطلب یہ ہے کہ نماز میں کوئی خاص واقعہ یا حادثہ پیش آجائے مثلاً نماز میں امام صاحب کو سہو ہوجائے اور ان کو لقمہ دینے کی ضرورت پیش آجائے یا گھر کے باہر سے کوئی بلائے اور جواب دینے کے لئے کوئی موجود نہیں تو ایسی صورت میں اگر نمازی مرد ہے تو اس کو چاہئے کہ سبحان اللہ کہدے جس سے اشارہ ہوجائے گا کہ آدمی نماز میں مشغول ہے اور اگر عورت نماز میں مشغول ہے تو وہ سبحان اللہ نہ کہے کیونکہ اس کی آواز کا بھی پردہ ہے بلکہ وہ بائیں ہاتھ کی پشت پر دائیں ہاتھ کی ہتھیلی مار دے تالی کے صورت نہ بنائے کیونکہ اس سے نماز فاسد ہوجائے گی۔ بہرحال نماز سے باہر آدمی کے لئے یا امام کے لئے تنبیہ کی یہی صورتیں ہیں۔ جمہور کے نزدیک اسی طرح ہے امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کی ایک روایت ہے کہ مرد وعورت میں کوئی فرق نہیں ہے دونوں کے لئے تسبیح ہی مقرر ہے۔

---

[1] المرقات: ۲/۷۲ [2] المرقات: ۲/۷۲، ۳/۳ [3] المرقات: ۲/۷۳

[4] اخرجه البخاری: ۱/۱۶۲، ۲/۶۹، ۲/۸۰، ۲/۸۴، ۲/۸۸، ۲/۲۲۹، ۳/۲۲۹ [5] المرقات: ۳/۷۳ الکاشف: ۲/۳۶۵

الفصل الثانی

﴿۱۱﴾ عَنْ عَبْدِاللّٰہِ بْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ کُنَّا نُسَلِّمُ عَلَی النَّبِيِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَھُوَ فِي الصَّلَاۃِ قَبْلَ اَنْ نَأْتِيَ اَرْضَ الْحَبَشَۃِ فَیَرُدُّ عَلَیْنَا وَلَمَّا رَجَعْنَا مِنْ اَرْضِ الْحَبَشَۃِ اَتَیْتُہٗ فَوَجَدْتُّہٗ یُصَلِّي فَسَلَّمْتُ عَلَیْہِ فَلَمْ یَرُدَّ عَلَیَّ حَتّٰی اِذَا قَضٰی صَلَاتَہٗ قَالَ اِنَّ اللّٰہَ یُحْدِثُ مِنْ اَمْرِہٖ مَا یَشَاءُ وَاِنَّ مِمَّا اَحْدَثَ اَنْ لَا تَتَکَلَّمُوْا فِي الصَّلَاۃِ فَرَدَّ عَلَیَّ السَّلَامَ وَقَالَ اِنَّمَا الصَّلَاۃُ لِقِرَاءَۃِ الْقُرْآنِ وَذِکْرِ اللّٰہِ فَاِذَا کُنْتَ فِیْھَا فَلْیَکُنْ ذَالِکَ شَأْنُکَ۔ (رَوَاہُ اَبُوْدَاوٗدَ)[۱]

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ملک حبشہ سے واپسی سے قبل ہم سرور کونین ﷺ کو جب کہ آپ نماز میں ہوتے تھے سلام کرتے تھے اور آپ ہمارے سلام کا جواب دے دیا کرتے تھے پھر جب ہم ملک حبشہ سے واپس ہوئے تو میں آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اس وقت میں نے آپ کو نماز پڑھتے ہوئے پایا میں نے آپ کو سلام کیا مگر آپ نے جواب نہیں دیا جب آپ نماز سے فارغ ہو گئے تو فرمایا خداوند تعالیٰ اپنے جس حکم کو چاہتا ہے ظاہر کرتا ہے چنانچہ خداوند تعالیٰ نے اب یہ حکم ظاہر کیا ہے کہ نماز میں بات چیت نہ کیا کرو" پھر آپ نے میرے سلام کا جواب دیا اور اس کے بعد فرمایا نماز صرف قرآن پڑھنے اور خدا کا ذکر کرنے کے لئے ہے لہٰذا جب تم نماز کی حالت میں ہو تو تمہارا بھی یہی حال ہونا چاہئے یعنی صرف قرآن پڑھو اور خدا کا ذکر کرو (ابوداؤد)

نماز میں اشارہ سے سلام کا جواب دینا کیسا ہے؟

﴿۱۲﴾ وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قُلْتُ لِبِلَالٍ کَیْفَ کَانَ النَّبِيُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَرُدُّ عَلَیْھِمْ حِیْنَ کَانُوْا یُسَلِّمُوْنَ عَلَیْہِ وَھُوَ فِي الصَّلَاۃِ قَالَ کَانَ یُشِیْرُ بِیَدِہٖ۔

(رَوَاہُ التِّرْمِذِيُّ وَفِي رِوَایَۃِ النَّسَائِيِّ نَحْوَہٗ وَعِوَضَ بِلَالٍ صُھَیْبٌ)[۲]

ترجمہ: اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ جب سرور کونین ﷺ حالت نماز میں ہوتے تھے اور اس وقت کوئی آپ کو سلام کرتا تھا تو آپ سلام کا جواب کس طرح دیتے تھے؟ حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے فرمایا آپ اپنے ہاتھ سے اشارہ کر دیا کرتے تھے۔ (ترمذی)

توضیح: "یشیر بیدہ" نمازی کو اگر کوئی شخص نماز کے دوران سلام کرے تو لفظوں میں سلام کا جواب دینا جائز نہیں اگر کسی نے لفظوں میں سلام کا جواب دیا تو ائمہ اربعہ کا اس پر اتفاق ہے کہ اس کی نماز فاسد ہو جائے گی اور اگر اشارہ سے سلام کا جواب دیا تو اس میں ائمہ کا اختلاف ہے۔[۳]

[۱] اخرجہ ابوداؤد: ۹۲۳ [۲] اخرجہ الترمذی: ۳۶۸ [۳] المرقات: ۳/۷۵

فقہاء کا اختلاف:

امام مالک وشافعی اور احمد بن حنبل رحمہم اللہ تعالیٰ کے نزدیک اشارہ کیساتھ سلام کا جواب دینا جائز ہے۔ احناف کے نزدیک اشارہ سے جواب دینا مکروہ ہے لیکن نماز ہوجاتی ہے۔ [۱]

دلائل:

جمہور زیر بحث حدیث سے استدلال کرتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ جواب باللسان ممنوع قرار پایا مگر جواب بالاشارۃ باقی رہ گیا۔ احناف فرماتے ہیں کہ جواب باللسان کے ساتھ ساتھ جواب بالاشارہ بھی منسوخ ہوگیا اس کی تفصیل اس باب کی دوسری حدیث میں ہوچکی ہے وہاں دیکھ لیا جائے وہاں یہ بھی ہے کہ اشارہ مکروہ تنزیہی ہے تو یہ اختلاف اولیٰ غیر اولیٰ کا رہ گیا علماء لکھتے ہیں کہ ہاتھ یا سر سے اشارہ کا مطلب یہ ہے کہ ہاتھ نہ ملائے اگر کسی نے مصافحہ کر کے ہاتھ ملایا تو نماز فاسد ہوجائے گی۔

﴿۱۳﴾ وَعَنْ رِفَاعَةَ ابْنِ رَافِعٍ قَالَ صَلَّيْتُ خَلْفَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَعَطَسْتُ فَقُلْتُ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ حَمْدًا كَثِيْرًا طَيِّبًا مُّبَارَكًا عَلَيْهِ كَمَا يُحِبُّ رَبُّنَا وَيَرْضٰى فَلَمَّا صَلّٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنْصَرَفَ فَقَالَ مَنِ الْمُتَكَلِّمُ فِي الصَّلَاةِ فَلَمْ يَتَكَلَّمْ اَحَدٌ ثُمَّ قَالَهَا الثَّانِيَةَ فَلَمْ يَتَكَلَّمْ اَحَدٌ ثُمَّ قَالَهَا الثَّالِثَةَ فَقَالَ رِفَاعَةُ اَنَا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَالَّذِيْ نَفْسِيْ بِيَدِهٖ لَقَدِ ابْتَدَرَهَا بِضْعَةٌ وَّثَلَاثُوْنَ مَلَكًا اَيُّهُمْ يَصْعَدُ بِهَا۔

(رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَاَبُوْ دَاوٗدَ وَالنَّسَائِيُّ) [۲]

ترجمہ: اور حضرت رفاعہ ابن رافع رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک روز میں نے سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے نماز پڑھی نماز کے درمیان مجھے چھینک آگئی میں نے مذکورہ کلمات حمد کہے (جن کا ترجمہ یہ ہے) تمام تعریف خدا کے لئے ہے بہت زیادہ تعریف بہت پاکیزہ تعریف بہت بابرکت تعریف جس طرح دوست رکھتا ہے ہمارا رب اور پسند کرتا ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز پڑھ چکے تو (ہماری طرف) متوجہ ہوئے اور فرمایا کہ نماز میں باتیں کرنے والا کون ہے؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ناراضگی کے خوف سے کوئی نہیں بولا پھر آپ نے دوسری مرتبہ یہی فرمایا جب بھی کوئی نہیں بولا جب تیسری مرتبہ آپ نے یہی فرمایا تو رفاعہ نے کہا یا رسول اللہ میں ہوں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "اس ذات کی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے (میں نے دیکھا) کہ تیس سے زیادہ فرشتے ان کلمات کو لے جانے میں جلدی کر رہے تھے کہ ان میں سے کون پہلے اس کو لے جائے۔" (ترمذی، ابوداؤد، نسائی)

﴿۱۴﴾ وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلتَّثَاؤُبُ فِي الصَّلَاةِ مِنَ

[۱] المرقات: ۲/۷۵ [۲] اخرجه الترمذی: ۴۰۲ وابوداؤد: ۷۷۳ والنسائی: ۲/۱۴۵

الشَّيْطَانِ فَإِذَا تَثَاءَبَ أَحَدُكُمْ فَلْيَكْظِمْ مَا اسْتَطَاعَ.

(رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَفِي أُخْرَى لَهُ وَلِابْنِ مَاجَةَ فَلْيَضَعْ يَدَهُ عَلَى فِيهِ.) [1]

ترجمہ: اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "نماز میں جمائی لینا شیطان (کے اثر) سے ہے لہٰذا جب تم میں سے کسی کو نماز میں جمائی آئے تو اسے حتی الامکان روکنا چاہئے۔ (ترمذی اور ترمذی کی ایک دوسری روایت اور ابن ماجہ کی روایت میں یہ الفاظ بھی ہیں "کہ آپ نے یہ بھی فرمایا کہ نماز میں جسے جمائی آئے" تو اسے اپنا ہاتھ منہ پر رکھ لینا چاہئے)۔

نماز میں تشبیک منع ہے

﴿۱۵﴾ وَعَنْ كَعْبِ بْنِ عُجْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا تَوَضَّأَ أَحَدُكُمْ فَأَحْسَنَ وُضُوءَهُ ثُمَّ خَرَجَ عَامِدًا إِلَى الْمَسْجِدِ فَلَا يُشَبِّكَنَّ بَيْنَ أَصَابِعِهِ فَإِنَّهُ فِي الصَّلَاةِ.

(رَوَاهُ أَحْمَدُ وَالتِّرْمِذِيُّ وَالنَّسَائِيُّ وَالدَّارِمِيُّ) [2]

ترجمہ: اور حضرت کعب ابن عجرہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم میں سے کوئی وضو کرے تو اچھی طرح وضو کرے پھر نماز کا ارادہ کر کے مسجد کی طرف چلے (اور اسے چاہئے کہ راستہ میں) انگلیوں کے درمیان تشبیک نہ کرے کیونکہ وہ اس وقت سے گویا نماز میں ہے (احمد، ترمذی، نسائی، دارمی)

توضیح: "فلایشبکن" انگلیوں کے درمیان تشبیک کرنے کا مطلب کیا ہے جس کی ممانعت آئی ہے؟۔

علماء لکھتے ہیں کہ ایک ہاتھ کی انگلیاں دوسرے ہاتھ کی انگلیوں میں ڈالکر کھیلتا ہوا جانا تشبیک ہے چونکہ نماز میں تشبیک منع ہے اس لئے اگر کوئی شخص نماز کے لئے مسجد آتا ہے تو گھر سے نکلتے ہی وہ نمازی کے حکم میں ہوتا ہے لہٰذا اس پر نماز کے آداب اپنانے واجب ہیں تو تشبیک نہ کرے اس سے یہ بات معلوم ہوئی کہ بعض چیزیں جو نماز کے دوران منع ہیں وہ نماز کے لئے آتے وقت بھی منع ہیں۔ [3]

نماز میں ادھر ادھر دیکھنے سے ثواب کم ہو جاتا ہے

﴿۱۶﴾ وَعَنْ أَبِي ذَرٍّ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَزَالُ اللّٰهُ تَعَالَى مُقْبِلًا عَلَى الْعَبْدِ وَهُوَ فِي صَلَاتِهِ مَا لَمْ يَلْتَفِتْ فَإِذَا الْتَفَتَ انْصَرَفَ عَنْهُ. (رَوَاهُ أَحْمَدُ وَأَبُو دَاوُدَ وَالنَّسَائِيُّ وَالدَّارِمِيُّ) [4]

ترجمہ: اور حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا "جب کوئی بندہ نماز میں ہوتا ہے تو اللہ

[1] اخرجه الترمذی: ۳۷۰ [2] اخرجه احمد: ۴/۲۴۱، ۲۴۲، ۲۴۳ والترمذی: ۳۸۶ والدارمی: ۱۴۱۱، ۱۴۱۲

[3] المرقات: ۳/۷۸ [4] اخرجه احمد: ۵/۱۷۲ وابوداؤد: ۹۰۹ والنسائی: ۳/۸ والدارمی: ۱۴۳۰

عزوجل اس بندہ کی طرف اس وقت تک متوجہ رہتا ہے جب تک وہ ادھرادھر (گردن پھیر کر) نہیں دیکھتا چنانچہ جب بندہ ادھرادھر دیکھتا ہے تو اللہ تعالیٰ بھی اس سے منہ پھیر لیتا ہے۔ (احمد، ابوداؤد، نسائی، دارمی)

توضیح: "علی العبد" یعنی اللہ تعالیٰ بندہ پر متوجہ ہوتا ہے "التفت" ادھرادھر دیکھنا مراد ہے یعنی جو بندہ نماز میں ادھرادھر دیکھنے لگتا ہے تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اے ابن آدم تو کس کی طرف دیکھتا ہے کیا تیرے لئے مجھ سے بہتر کوئی ہے جس کی طرف تو متوجہ ہو رہا ہے جب بندہ اس کلام الٰہی کے بعد پھر بھی ادھر دھر دیکھتا ہے اور تیسری بار اس طرح ہو جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ اپنا روئے مبارک "مایلیق بشانه" اس بندہ کی طرف سے پھیر لیتا ہے "انصرف عنه" کا مطلب بھی یہی ہے۔[1]

نماز میں نگاہ سجدہ کی جگہ ہونی چاہیئے

﴿۱۷﴾ وَعَنْ اَنَسٍ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ يَا اَنَسُ اِجْعَلْ بَصَرَكَ حَيْثُ تَسْجُدُ.

(رَوَاهُ الْبَيْهَقِيُّ فِي سُنَنِ الْكَبِيْرِ مِنْ طَرِيْقِ الْحَسَنِ عَنْ اَنَسٍ يَرْفَعُهُ)[2]

ترجمہ: اور حضرت انس رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا کہ اے انس نماز میں تم اپنی نگاہ وہاں رکھو جہاں سجدہ کرتے ہو۔" اس روایت کو بیہقی نے سنن کبیر میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے بطریق حسن نقل کیا ہے جس کو جزری نے مرفوع کہا ہے۔

توضیح: "حیث تسجد" علامہ طیبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ مستحب یہ ہے کہ حالت قیام میں نظر سجدہ کی جگہ پر ہو رکوع میں پشت قدم پر سجدہ میں ناک پر ہو اور قعدہ کی حالت میں نگاہ زانوں اور جھولی پر ہو۔[3]

بعض علماء نے لکھا ہے کہ حرم شریف میں نگاہ کعبہ پر ہونی چاہئے متاخرین علماء نے اس کو رد کر دیا ہے (کذا فی اللمعات)[4]

﴿۱۸﴾ وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَا بُنَيَّ اِيَّاكَ وَالْاِلْتِفَاتَ فِي الصَّلَاةِ فَاِنَّ الْاِلْتِفَاتَ فِي الصَّلَاةِ هَلَكَةٌ فَاِنْ كَانَ لَابُدَّ فَفِي التَّطَوُّعِ لَا فِي الْفَرِيْضَةِ. (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ)[5]

ترجمہ: اور حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا کہ اے میرے بیٹے نماز میں ادھرادھر دیکھنے سے بچو کیونکہ نماز میں (گردن پھیر کر) ادھرادھر دیکھنا (آخرت میں) ہلاکت کا سبب ہے اور اگر دیکھنا ضروری ہو تو نفلوں میں (تو خیر مضائقہ نہیں) مگر فرضوں میں (ہرگز) نہیں۔ (ترمذی)

توضیح: فرائض اور نوافل میں فرق ہے یعنی نوافل میں تخفیف ہے اور کئی چیزوں کی گنجائش نوافل میں ہے اور فرائض میں نہیں ہے۔ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے اسی حدیث کو بطور ضابطہ لیا ہے کہ فرائض کے ساتھ نوافل جیسا معاملہ نہیں کرنا چاہئے۔[6]

[1] المرقات: ۲/۷۸ [2] اخرجه الترمذی: ۵۸۹ [3] المرقات: ۲/۷۹، الکاشف: ۲/۲۷۸
[4] الکاشف: ۲/۲۷۸، اشعة اللمعات: ۱/۳۶۶ [5] اخرجه الترمذی [6] المرقات: ۲/۸۰

﴿۱۹﴾ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَلْحَظُ فِي الصَّلَاةِ يَمِيْنًا وَشِمَالاً وَلَا يَلْوِيْ عُنُقَهُ خَلْفَ ظَهْرِهِ۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَالنَّسَائِيُّ)[۱]

ترجمہ: اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ سرور کونین ﷺ نماز میں کن انکھیوں سے دائیں بائیں دیکھتے تھے مگر پیچھے پیٹھ کی طرف اپنی گردن کبھی نہیں موڑتے تھے۔" (ترمذی، نسائی)

﴿۲۰﴾ وَعَنْ عَدِيِّ بْنِ ثَابِتٍ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ جَدِّهِ رَفَعَهُ قَالَ اَلْعَطَاسُ وَ النُّعَاسُ وَالتَّثَاؤُبُ فِي الصَّلَاةِ وَالْحَيْضُ وَالْقَيْءُ وَالرُّعَافُ مِنَ الشَّيْطٰنِ۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ)[۲]

ترجمہ: اور حضرت عدی بن ثابت اپنے والد مکرم سے اور وہ اپنے والد یعنی عدی کے دادا سے جنہوں نے اس حدیث کو آنحضرت ﷺ تک پہنچایا ہے نقل کرتے ہیں کہ سرور کونین ﷺ نے فرمایا "نماز میں چھینکنا، اونگھنا، جمائی کا آنا اور حیض کا آنا اور قے کا ہونا اور نکسیر کا پھوٹنا شیطان کے (اثر) سے ہے۔ (ترمذی)

توضیح: یعنی یہ چھ چیزیں نماز میں ایسی ہیں کہ اس سے شیطان بہت خوش ہوتا ہے ایک حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ چھینکنے کو پسند فرماتا ہے اور یہاں فرمایا کہ اس سے شیطان خوش ہوتا ہے یہ کھلا تعارض ہے اس تعارض کا جواب یہ ہے کہ کثرت سے چھینکنا اللہ تعالیٰ کو ناپسند ہے اور کبھی کبھی ہو تو اس کو پسند کرتا ہے۔[۳]

رونے سے نماز باطل نہیں ہوتی

﴿۲۱﴾ وَعَنْ مُطَرِّفِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ الشِّخِّيْرِ عَنْ اَبِيْهِ قَالَ اَتَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ يُصَلِّيْ وَلِجَوْفِهِ اَزِيْزٌ كَاَزِيْزِ الْمِرْجَلِ يَعْنِيْ يَبْكِيْ وَفِيْ رِوَايَةٍ قَالَ رَاَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّيْ وَفِيْ صَدْرِهِ اَزِيْزٌ كَاَزِيْزِ الرَّحٰى مِنَ الْبُكَاءِ۔ (رَوَاهُ اَحْمَدُ وَرَوَى النَّسَائِيُّ الرِّوَايَةَ الْاُوْلٰى وَاَبُوْدَاوُدَ الثَّانِيَةَ)[۴]

ترجمہ: اور حضرت مطرف ابن عبداللہ بن شخیر اپنے والد مکرم سے نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا میں ایک روز سرور کونین ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اس وقت آپ نماز پڑھ رہے تھے، اور آپ کے اندر سے دیگ کے جوش جیسی آواز آرہی تھی یعنی آنحضرت ﷺ رو رہے تھے" اور ایک روایت کے الفاظ یہ ہیں کہ انہوں نے کہا میں نے آنحضرت ﷺ کو نماز پڑھتے ہوئے دیکھا، اس وقت آپ کے سینہ سے چکی کی سی رونے کی آواز آرہی تھی۔" (احمد اور نسائی نے پہلی اور ابوداؤد نے دوسری روایت نقل کی ہے)۔

توضیح: "اَزِیز" جوش اور ابلنے کی آواز کو کہتے ہیں "المرجل" دیگچی کو کہتے ہیں اس حدیث سے معلوم ہوا کہ خوف خدا پر مبنی رونے سے نماز باطل نہیں ہوتی ہے۔[۵]

---

[۱] اخرجه الترمذی: ۵۸۸ والنسائی: ۹۱۳ [۲] اخرجه الترمذی: ۲۷۴۸/۵/۲۸۶ [۳] المرقات: ۳/۸۱

[۴] اخرجه احمد: ۲/۲۶۲/۲۵ والنسائی: ۳/۱۳ وابوداؤد: ۹۰۴ [۵] المرقات: ۳/۸۲

ہدایہ میں لکھا ہے کہ اگر نمازی دوزخ یا دیگر عذاب کی وجہ سے روئے تو اس کی نماز فاسد نہیں ہوگی اور اگر کوئی شخص کسی درد جسمانی میں مبتلا ہو کر روئے اور اس کے رونے میں منہ سے الفاظ جیسے آہ، اوہ نکل جائیں تو اس کی نماز ٹوٹ جائے گی۔

﴿۲۲﴾ وَعَنْ أَبِي ذَرٍّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا قَامَ أَحَدُكُمْ إِلَى الصَّلَاةِ فَلَا يَمْسَحِ الْحَصَا فَإِنَّ الرَّحْمَةَ تُوَاجِهُهُ. (رَوَاهُ أَحْمَدُ وَالتِّرْمِذِيُّ وَأَبُوْدَاوُدَ وَالنَّسَائِيُّ وَابْنُ مَاجَةَ)[1]

ترجمہ: اور حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم میں سے کوئی شخص نماز کے لئے کھڑا ہو جائے تو اسے ہاتھ سے کنکری نہ ہٹانا چاہئے کیونکہ رحمت سامنے ہوتی ہے۔ (احمد، ترمذی، ابوداود، نسائی، ابن ماجہ)

سجدہ کی جگہ صاف کرنے کے لئے پھونک نہ ماری جائے

﴿۲۳﴾ وَعَنْ أُمِّ سَلَمَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا قَالَتْ رَأَى النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ غُلَامًا لَنَا يُقَالُ لَهُ أَفْلَحُ إِذَا سَجَدَ نَفَخَ فَقَالَ يَا أَفْلَحُ تَرِّبْ وَجْهَكَ. (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ)[2]

ترجمہ: اور ام المؤمنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمارے ایک غلام جس کا نام افلح تھا، کو دیکھا کہ وہ جب سجدہ کرتا ہے تو (سجدہ کی جگہ صاف کرنے کے لئے) پھونک مارتا ہے (تاکہ منہ خاک آلود نہ) ہو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے فرمایا کہ "افلح" اپنے منہ پر مٹی لگنے دو۔ (ترمذی)

نماز میں کوکھ پر ہاتھ رکھنا دوزخیوں کی نشانی ہے

﴿۲۴﴾ وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْاِخْتِصَارُ فِي الصَّلَاةِ رَاحَةُ أَهْلِ النَّارِ. (رَوَاهُ فِي شَرْحِ السُّنَّةِ)

ترجمہ: اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما راوی ہیں کہ سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نماز میں اختصار (یعنی کوکھ پر ہاتھ رکھنا) دوزخیوں کے آرام لینے کی صورت ہے۔" (شرح السنہ)

توضیح: تشریح: اختصار اور خصر کی پوری وضاحت اس باب کی حدیث نمبر ۴ میں ہو چکی ہے وہاں دیکھ لیا جائے یہاں اس کا ایک جزء دوبارہ نقل کرتا ہوں۔[3]

علماء نے اختصار اور خصر کی ایک عجیب شکل لکھی ہے التعلیق الصبیح میں علامہ شمس الدین رحمہ اللہ لکھتے ہیں۔

کہ میت پر رونے والی عورت جب رونا شروع کرتی ہے تو سب سے پہلے اپنے دونوں ہاتھوں سے اپنا سینہ مارتی ہے دیر تک یہ

---

[1] اخرجه احمد: ۵/۱۴۹، ۵/۱۵۰، ۵/۱۶۳ والترمذی: ۳۷۹ وابوداود: ۹۴۵ النسائی: ۳/۶

[2] اخرجه الترمذی: ۳۸۱، ۳۸۲ [3] المرقات: ۳/۸۳

عمل جاری رہتا ہے اس کے بعد دیر تک دونوں ہاتھوں کو شہادت کی انگلی اٹھائے ہوئے دائیں بائیں گھماتی رہتی ہے پھر جب خوب تھک جاتی ہے تو دونوں ہاتھوں کو دونوں کوکھ پر رکھ کر آنکھیں بند کر کے سر گھماتی رہتی ہے۔ یہ آخری حالت دوزخیوں کی ہے کہ تنگ آ کر آرام کی کوشش میں ایسا کرتے ہیں لیکن وہاں آرام کہاں ہے؟ "الآن قد ندمت ولم ینفع الندم"

نماز کے دوران سانپ اور بچھو کو مارنے کا حکم

﴿۲۵﴾ وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اُقْتُلُوا الْاَسْوَدَیْنِ فِی الصَّلَاةِ اَلْحَیَّةَ وَالْعَقْرَبَ۔ (رَوَاهُ اَحْمَدُ وَاَبُوْ دَاوٗدَ وَالتِّرْمِذِیُّ وَالنَّسَائِیُّ مَعْنَاهُ)[۱]

ترجمہ: اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "نماز میں دو کالوں یعنی سانپ اور بچھو کو مار ڈالو" (احمد، ابوداؤد، ترمذی اور نسائی بالمعنی)

توضیح: "الاسودین" سانپ کو تغلیباً اسود کہا گیا ہے ورنہ سفید اور سرخ سانپوں کا حکم بھی یہی ہے عربی میں اسود کا لفظ ہر قسم سانپ کے لئے استعمال ہوتا ہے بچھو تو عموماً کالا ہی ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اسے مزید کالا کردے۔[۲]

فقہاء احناف کی اکثریت کا کہنا ہے کہ نماز کی حالت میں تین قدم تک چل کر مسلسل چلنے اور تین چوٹیں مارنے سے نماز فاسد ہو جاتی ہے اس لئے مسلسل تین قدم سے کم چل کر دو چوٹیں مار کر سانپ کو قتل کرنا چاہئے اگر زیادہ ہوا تو یہ عمل کثیر بن جائے گا اور نماز فاسد ہو جائے گی البتہ نماز اگر فاسد ہوگئی تو اس عمل سے یہ نمازی گناہ گار نہیں ہوگا بلکہ ضرورت کے تحت وہ نماز کو توڑ کر بھی یہ عمل کر سکتا ہے۔

علامہ سرخسی رحمہ اللہ نے مبسوط میں اس مسئلہ کو لکھا ہے اور فرمایا کہ چلنے اور سانپ کو مارنے کی کوئی حد بندی کرنا مناسب نہیں جس طرح حدیث میں مطلق چلنے اور مارنے کی اجازت ہے تو ایسا ہی کرنا چاہئے وہ فرماتے ہیں کہ جب نمازی بے وضو ہو جائے تو وہاں نماز توڑے بغیر پانی تک جا سکتا ہے خواہ کتنے ہی قدم چلنا پڑے تو یہاں بھی جائز ہے۔ بہر حال احناف اس سہولت پر فتویٰ نہیں دیتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ یہ مباح ہے کہ آدمی نماز کو توڑ کر سانپ بچھو کو مار دے جس طرح کسی کے ضائع ہونے یا کنویں آگ وغیرہ میں گرنے اور جلنے کا خطرہ ہو تو پاس نماز پڑھنے والے کے لئے مباح ہے کہ نماز توڑ دے اور اس کو بچالے۔[۳]

اگر بینم کہ نابینا و چاہ است　　　اگر خاموش بنشینم گناہ است

معمولی عمل سے نماز فاسد نہیں ہوتی

﴿۲۶﴾ وَعَنْ عَائِشَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهَا قَالَتْ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یُصَلِّیْ تَطَوُّعًا

[۱] اخرجه احمد: ۲/۲۳۳ وابوداؤد: ۹۲۱ والترمذی: ۳۹۰ والنسائی: ۳/۱۰　[۲] المرقات: ۳/۸۴　[۳] المرقات: ۳/۸۴

وَالْبَابُ عَلَيْهِ مُغْلَقٌ فَجِئْتُ فَاسْتَفْتَحْتُ فَمَشٰى فَفَتَحَ لِي ثُمَّ رَجَعَ إِلٰى مُصَلَّاهُ وَذَكَرَتْ أَنَّ الْبَابَ فِي الْقِبْلَةِ۔ (رَوَاهُ أَحْمَدُ وَأَبُوْ دَاوُدَ وَالتِّرْمِذِيُّ وَالنِّسَائِيُّ نَحْوَهُ)[۱]

ترجمہ: اور ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ سرور کونین ﷺ گھر میں نفل نماز میں مشغول ہوتے اور دروازہ بند رہا کرتا تھا میں (گھر میں آتی تو دروازہ کھلواتی اور آپ چل کر میرے لئے دروازہ کھول دیا کرتے تھے پھر مصلے پر واپس آ جاتے۔ (اور اپنی نماز میں مشغول ہو جاتے) اور حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ دروازہ قبلہ کی جانب تھا۔
(احمد، ابوداؤد، ترمذی، نسائی)

توضیح: آنحضرت ﷺ نفل نماز میں مشغول ہوتے کبھی کبھی باہر سے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا دروازہ کھٹکھٹاتی تو آنحضرت ﷺ دروازہ کھولنے کے لئے آگے بڑھتے اور دروازہ کھول کر واپس مصلّی پر آتے چونکہ آپ کا حجرہ چھوٹا تھا اس لئے یہ عمل کثیر نہیں تھا یا نوافل میں گنجائش زیادہ ہوتی ہے یہ نفل پر محمول ہے یا ابتدا میں نماز میں کچھ اعمال ہوتے تھے بعد میں پابندی لگی ہے۔ فقہاء نے لکھا ہے کہ بند دروازہ کھولنے سے نماز فاسد نہیں ہوتی اگر عمل قلیل ہو لیکن کھلے دروازہ کے بند کرنے سے نماز فاسد ہو جاتی ہے کیونکہ یہاں عمل کثیر ہو جاتا ہے۔[۲]

نماز کے دوران اگر وضو ٹوٹ جائے تو کیا کرے

﴿۲۷﴾ وَعَنْ طَلْقِ بْنِ عَلِيٍّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا فَسَا أَحَدُكُمْ فِي الصَّلَاةِ فَلْيَنْصَرِفْ وَلْيَتَوَضَّأْ وَلْيُعِدِ الصَّلَاةَ۔ (رَوَاهُ أَبُوْ دَاوُدَ وَرَوَى التِّرْمِذِيُّ مَعَ زِيَادَةٍ وَنُقْصَانٍ)[۳]

ترجمہ: اور حضرت طلق ابن علی رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ سرور کونین ﷺ نے فرمایا ''نماز کی حالت میں جب تم میں سے کسی کی بغیر آواز کے ریح خارج ہو تو اسے چاہئے کہ وہ جا کر وضو کرے اور نماز کو دوبارہ پڑھے۔'' (ابوداؤد) اس روایت کو ترمذی نے بھی کچھ کمی زیادتی کے ساتھ نقل کیا ہے۔''

توضیح: ''اذا فسا'' یعنی بغیر آواز یا آواز کے ساتھ اگر ہوا خارج ہو جائے تو نماز کی حالت میں نمازی کیا کرے اس میں فقہاء[۴] کا اختلاف ہے۔

فقہاء کا اختلاف:

ائمہ جمہور کے نزدیک ہر صورت میں یہ شخص نماز توڑ دے اور جا کر نئے سرے سے وضو کر کے آئے اور نئے سرے سے نماز پڑھے۔ ائمہ احناف فرماتے ہیں کہ بہتر اور افضل یہی ہے کہ نماز نئے سرے سے پڑھے لیکن فقہی شرائط اور قواعد وضوابط

---

[۱] اخرجه احمد: ۶/۳۱، ۶/۱۸۳، ۶/۲۳۴ وابوداؤد: ۹۲۲ والترمذی: ۶۰۱ والنسائی: ۱۱۱۳ [۲] المرقات: ۳/۸۵

[۳] اخرجه ابوداؤد: ۲۰۵، ۱۰۰۵ والترمذی: ۱۱۶۴ [۴] المرقات: ۳/۸۶

کے مطابق اگر کوئی شخص نماز نہیں توڑتا اور جا کر وضو بناتا ہے اور واپس آ کر سابقہ نماز کی تکمیل کرتا ہے تو جائز ہے۔

دلائل:

جمہور نے زیر بحث حضرت طلق بن علی رضی اللہ عنہ کی روایت سے استدلال کیا ہے جس میں نماز کے اعادہ کا حکم ہے۔[1]

ائمہ احناف کی پہلی دلیل ابن ماجہ میں حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی مرفوع حدیث ہے جس کے الفاظ اس طرح ہیں

"من اصابه قئی اَوْرُعاف اوقلس اومذی فلینصرف فلیتوضأ ثم لیبن علی صلوته وهو فی ذٰلك لایتكلم" (ابن ماجہ ص ۸۷)

احناف کی دوسری دلیل موطا مالک میں حضرت ابن عمرؓ کا اثر ہے جس کے الفاظ یہ ہیں۔

"ان عبدالله بن عمر كان اذا رعف انصرف فتوضأ ثم رجع فبنى ولم يتكلم" (موطامالك ص ۲۷)

احناف کی تیسری دلیل حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا اثر ہے جو موطا مالک میں ہے الفاظ یہ ہیں۔

"مالك بلغه ان عبدالله بن عباس كان يرعف فيخرج فيغسل الدم ثم يرجع فيبنى على ماقدصلى۔ (ص ۲۷)

بہر حال یہ کوئی بڑا اختلاف نہیں ہے احناف کے ہاں اعادہ افضل ہے بناء جائز ہے تو جن احادیث میں اعادہ کا حکم ہے وہ احادیث افضلیت پر محمول ہیں اور جن احادیث میں بناء کا ذکر ہے وہ بیان جواز کے لئے ہے تو تمام احادیث پر عمل ہو گیا۔

نماز میں وضو ٹوٹا تو ناک پر ہاتھ رکھ کر نکل جائے

﴿۲۸﴾ وَعَنْ عَائِشَةَ اَنَّهَا قَالَتْ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا اَحْدَثَ اَحَدُكُمْ فِي صَلَاتِهٖ فَلْيَأْخُذْ بِاَنْفِهٖ ثُمَّ لِيَنْصَرِفْ. (رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ)[2]

ترجمہ: اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا راوی ہیں کہ سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "جب تم میں سے کسی کا حالت نماز میں وضو ٹوٹ جائے تو اسے چاہئے کہ وہ اپنی ناک پکڑ کر نماز سے نکل آئے۔" (ابوداؤد)

توضیح: "فلیاخذ بانفه" یعنی نماز میں کسی کی ہوا خارج ہوگئی اور وہ صفوں کے بیچ میں کھڑا ہے اب اگر نکلتا ہے تو شرمندگی ہوتی ہے لوگ کہیں گے اس کی ہوا خارج ہوگئی ہے اب بھاگ رہا ہے اور اگر نہیں نکلتا اور نماز جاری رکھتا ہے تو بغیر وضو نماز میں مشغول ہونا بہت بڑا گناہ ہے بلکہ کفر کا خطرہ ہے اب اس شخص کے پاس دو صورتیں ہیں ایک کا ذکر اس حدیث میں ہوا ہے کہ یہ شخص اپنی ناک پر ہاتھ رکھ کر لوگوں کو یہ باور کرائے کہ ناک سے نکسیر پھوٹی ہے اس لئے جا رہا ہوں

---

[1] المرقات: ۳/۵۱۴ [2] اخرجہ ابوداؤد: ۱۱۱۴

ہوا خارج نہیں ہوئی اس صورت سے احناف نے ایک عجیب مسئلہ نکالا ہے وہ یہ کہ خون نکلنے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے اگر وضو نہ ٹوٹتا تو یہ آدمی لوگوں کو کیسے دکھا رہا ہے کہ بھائی میری ناک سے خون نکلا ہے جس سے وضو ٹوٹا ہے وضو کے لئے جا رہا ہوں ہوا خارج نہیں ہوئی ہے اب اگر خون نکلنے سے وضو نہیں ٹوٹتا جیسا کہ شوافع کا مسلک ہے تو یہ شخص اس حیلہ سے فائدہ نہیں اٹھا سکتا تھا کیونکہ لوگ کہیں گے کہ خون بہنے سے تو وضو نہیں ٹوٹتا اس شخص کی ہوا خارج ہوگئی ہے اس لئے بھاگ رہا ہے۔ [۱]
اس شخص کے پاس دوسری صورت یہ ہے کہ صف میں کھڑا رہے مگر نماز توڑ دے اور صرف لوگوں کے ساتھ اٹھنا بیٹھنا جاری رکھے نماز نہ پڑھے یہ اس وقت کی بات ہے جب صفوں سے نکلنا دشوار ہو رہا ہو۔

سلام کے بغیر نماز سے نکلنے کا حکم

﴿۲۹﴾ وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا اَحْدَثَ اَحَدُكُمْ وَقَدْ جَلَسَ فِيْ آخِرِ صَلَاتِهٖ قَبْلَ اَنْ يُّسَلِّمَ فَقَدْ جَازَتْ صَلَاتُهٗ۔

(رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ اِسْنَادُهٗ لَيْسَ بِالْقَوِيِّ وَقَدِ اضْطَرَبُوْا فِيْ اِسْنَادِهٖ) [۲]

ترجمہ: اور حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ سرور کونین ﷺ نے فرمایا "اگر تم میں سے کسی کا وضو اس وقت ٹوٹے جبکہ وہ اپنی نماز کے آخری قعدہ میں (بمقدار تشہد بیٹھ چکا) ہو اور سلام نہ پھیرا ہو تو اس کی نماز پوری ہوگئی۔" (ترمذی نے اسے روایت کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ ایک ایسی حدیث ہے جس کی اسناد مضبوط نہیں ہے اور انہوں نے اس کی اسناد میں اضطراب کیا ہے)۔

توضیح: "فقد جازت صلوته" یعنی ایک نمازی تشہد کی مقدار قعدہ اخیرہ میں بیٹھ گیا اور پھر اس کا وضو ٹوٹ گیا تو کیا اس کی نماز ہوگئی یا نماز فاسد ہوگئی زیر بحث حدیث بتاتی ہے کہ اس کی نماز ہوگئی اور یہی امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا مسلک ہے وہ فرماتے ہیں کہ سلام [۳] کے الفاظ سے نماز سے نکلنا واجب ہے لیکن اگر کوئی شخص اختیاری طور پر کسی منافی صلوۃ عمل کو کر کے نکلتا ہے تو اس کا فرض پورا ہوگیا۔ اگرچہ واجب رہ جانے کی وجہ سے نماز واجب الاعادہ ہے۔
امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس شخص کی نماز فاسد ہوگئی کیونکہ خاص سلام کے الفاظ سے نکلنا ان کے نزدیک فرض ہے اور وہ فرض پورا نہیں ہوا لہٰذا نماز نہیں ہوئی، بہر حال نماز کا لوٹانا دونوں کے نزدیک ضروری ہے فرق اتنا ہے کہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ لوٹانے کو واجب کہتے ہیں اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرض کہتے ہیں زیر بحث حدیث امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل ہے اگرچہ اس میں بے وضو ہونے کا یہ عمل قصداً نہیں ہوا ہے لیکن نمازی کے فعل سے ہوا ہے اور سلام کے بغیر ہوا ہے اس حد تک یہ حدیث امام صاحب کی دلیل ہے شوافع حضرات نے اس حدیث کو مضطرب کہا ہے مطلب یہ کہ یہ حدیث ضعیف ہے کیونکہ اضطراب کا مطلب یہ ہے کہ راویوں کو صحیح طور پر یاد نہیں۔ [۴]
ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث کو نہ ضعیف تسلیم کیا ہے اور نہ مضطرب مانا ہے بلکہ وہ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث اتنے متعدد طرق سے وارد ہے کہ یہ حدیث حسن کے درجہ میں آگئی ہے چنانچہ امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کو کئی طرق سے نقل کیا ہے۔ [۵]

[۱] المرقات: ۳/۸۷ [۲] اخرجه الترمذی: ۴۰۸ [۳] المرقات: ۸/۸۷ [۴] المرقات: ۸/۸۸ [۵] المرقات: ۳/۸۸

الفصل الثالث

﴿۳۰﴾ عَنْ اَبِي هُرَيْرَةَ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَرَجَ اِلَى الصَّلَاةِ فَلَمَّا كَبَّرَ انْصَرَفَ وَاَوْمَأَ اِلَيْهِمْ اَنْ كَمَا كُنْتُمْ ثُمَّ خَرَجَ فَاغْتَسَلَ ثُمَّ جَاءَ وَرَأْسُهُ يَقْطُرُ فَصَلَّى بِهِمْ فَلَمَّا صَلَّى قَالَ اِنِّي كُنْتُ جُنُبًا فَنَسِيْتُ اَنْ اَغْتَسِلَ۔ (رَوَاهُ اَحْمَدُ وَرَوَى مَالِكٌ عَنْ عَطَاءِ بْنِ يَسَارٍ مُرْسَلًا) [1]

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ (ایک دن) سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم نماز کے لئے (مسجد میں) تشریف لائے، جب تکبیر کہنے کا ارادہ کیا تو آپ پیچھے مڑے اور صحابہ کو یہ اشارہ کر کے کہ تم اپنی اپنی جگہ کھڑے رہو، مسجد سے باہر نکلے، چنانچہ آپ نے غسل کیا اور اس حال میں تشریف لائے کہ آپ کے سر مبارک سے پانی کے قطرے ٹپک رہے تھے، پھر آپ نے صحابہ کو نماز پڑھائی جب آپ نماز سے فارغ ہو گئے تو فرمایا کہ "مجھے غسل کی حاجت تھی مگر میں غسل کرنا بھول گیا تھا۔" (احمد)

گرمی سے بچاؤ کے لئے کپڑے پر سجدہ کرنا جائز ہے

﴿۳۱﴾ وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ كُنْتُ اُصَلِّي الظُّهْرَ مَعَ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَآخُذُ قَبْضَةً مِنَ الْحَصٰى لِتَبْرُدَ فِي كَفِّي اَضَعُهَا لِجَبْهَتِي اَسْجُدُ عَلَيْهَا لِشِدَّةِ الْحَرِّ۔ (رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ وَرَوَى النَّسَائِيُّ نَحْوَهُ) [2]

ترجمہ: اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں ظہر کی نماز سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ پڑھا کرتا تھا اور ایک مٹھی میں کنکریاں لے لیتا تھا کہ وہ میرے ہاتھ میں ٹھنڈی ہو جائیں۔ چنانچہ (سجدہ کی جگہ کی) شدت گرمی سے بچنے کی خاطر میں ان کنکریوں کو سجدہ کے وقت اپنی پیشانی کے نیچے رکھ لیتا تھا۔" (ابوداود، نسائی)

﴿۳۲﴾ وَعَنْ اَبِي الدَّرْدَاءِ قَالَ قَامَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّي فَسَمِعْنَاهُ يَقُوْلُ اَعُوْذُ بِاللهِ مِنْكَ ثُمَّ قَالَ اَلْعَنُكَ بِلَعْنَةِ اللهِ ثَلَاثًا وَبَسَطَ يَدَهُ كَاَنَّهُ يَتَنَاوَلُ شَيْئًا فَلَمَّا فَرَغَ مِنَ الصَّلَاةِ قُلْنَا يَا رَسُوْلَ اللهِ قَدْ سَمِعْنَاكَ تَقُوْلُ فِي الصَّلَاةِ شَيْئًا لَمْ نَسْمَعْكَ تَقُوْلُهُ قَبْلَ ذٰلِكَ وَرَاَيْنَاكَ بَسَطْتَ يَدَكَ قَالَ اِنَّ عَدُوَّ اللهِ اِبْلِيْسَ جَاءَ بِشِهَابٍ مِنَ النَّارِ لِيَجْعَلَهُ فِي وَجْهِي فَقُلْتُ اَعُوْذُ بِاللهِ مِنْكَ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ ثُمَّ قُلْتُ اَلْعَنُكَ بِلَعْنَةِ اللهِ التَّامَّةِ فَلَمْ يَسْتَاْخِرْ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ ثُمَّ اَرَدْتُ اَنْ آخُذَهُ لَوْلَا دَعْوَةُ اَخِيْنَا سُلَيْمَانَ لَاَصْبَحَ مُوْثَقًا يَلْعَبُ بِهِ وِلْدَانُ اَهْلِ الْمَدِيْنَةِ۔

(رَوَاهُ مُسْلِمٌ) [3]

[1] اخرجه احمد: ۲/۴۴۸ ومالک فی الموطا: ۴۸/۱ [2] اخرجه ابوداود: ۳۹۹ والنسائی: ۲/۲۰۴ [3] اخرجه مسلم: ۲/۷۲

ترجمہ: اور حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ (ایک روز) سرورکونین ﷺ کھڑے ہوئے نماز پڑھ رہے تھے (نماز کے درمیان) میں نے سنا کہ آپ فرما رہے ہیں "میں تجھ سے اللہ کی پناہ چاہتا ہوں۔" پھر آپ نے تین مرتبہ یہ فرمایا کہ "میں تجھ پر لعنت کرتا ہوں خدا کی لعنت" اور (یہ فرماتے ہوئے) آپ نے اپنے دست مبارک اس طرح پھیلائے گویا آپ کسی چیز کو پکڑ رہے ہیں، جب آپ نماز سے فارغ ہوگئے تو ہم نے کہا کہ "یا رسول اللہ! ہم نے آج آپ کو نماز میں ایسی بات کہتے ہوئے سنا ہے کہ اس سے پہلے کبھی آپ کو یہ کہتے نہیں سنا اور آج ہم نے آپ کو ہاتھ پھیلاتے ہوئے بھی دیکھا ہے؟" آپ نے یہ فرمایا کہ اللہ کا دشمن ابلیس ملعون آگ کا شعلہ لے کر آیا تھا تاکہ اسے میرے منہ میں ڈالے۔ چنانچہ میں نے تین مرتبہ یہ کہا کہ "میں تجھ سے خدا کی پناہ چاہتا ہوں۔" پھر میں نے کہا کہ "میں تجھ پر لعنت کرتا ہوں اللہ کی پوری لعنت، وہ نہیں ہٹا تو میں نے (یہ الفاظ) تین مرتبہ کہے، جب وہ پھر بھی نہ ہٹا تو میں نے (اپنے ہاتھ پھیلا کر) اسے پکڑنا چاہا لیکن خدا کی قسم! اگر ہمارے بھائی سلیمان علیہ السلام کی دعا نہ ہوتی تو وہ (مسجد کے ستون سے) صبح تک بندھا رہتا اور مدینہ کے بچے اس کے ساتھ کھیلتے۔" (مسلم)

اشارہ سے سلام کا جواب کیسا ہے؟

﴿۳۳﴾ وَعَنْ نَافِعٍ قَالَ اِنَّ عَبْدَاللهِ بْنَ عُمَرَ مَرَّ عَلٰى رَجُلٍ وَهُوَ يُصَلِّيْ فَسَلَّمَ عَلَيْهِ فَرَدَّ الرَّجُلُ كَلَامًا فَرَجَعَ اِلَيْهِ عَبْدُاللهِ بْنُ عُمَرَ فَقَالَ لَهٗ اِذَا سُلِّمَ عَلٰى اَحَدِكُمْ وَهُوَ يُصَلِّيْ فَلَا يَتَكَلَّمْ وَلْيُشِرْ بِيَدِهٖ. (رَوَاهُ مَالِكٌ)[1]

ترجمہ: اور حضرت نافع فرماتے ہیں کہ (ایک روز) حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما کا گذر ایک شخص پر ایسی حالت میں ہوا کہ وہ نماز پڑھ رہا تھا۔ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے اس شخص کو سلام کیا اور اس نے حضرت عبداللہ کو سلام کا جواب زبان سے دیا، حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ اس کی طرف لوٹے اور فرمایا کہ "جب تم میں سے کسی کو نماز پڑھنے کی حالت میں سلام کیا جائے تو اسے بولنا نہیں چاہئے بلکہ اسے چاہئے کہ وہ (سلام کا جواب دینے کے لئے) اپنے ہاتھ سے اشارہ کر دے۔" (مالک)

توضیح: "فلیشر بیدہ" یہ مسئلہ اس سے پہلے حدیث ۱۲ کے ضمن میں تفصیل کے ساتھ لکھا جا چکا ہے بہرحال احناف کہتے ہیں کہ یہ حکم ابتداء میں تھا پھر موقوف ہوگیا باقی ائمہ ہاتھ سے اشارہ کو اب بھی جائز مانتے ہیں احناف کے ہاں یہ **مکروہ تنزیہی** ہے یعنی خلاف اولیٰ ہے تو اس صورت میں اختلاف ختم ہو جاتا ہے۔[2]

---

[1] اخرجہ مالک: ۱/۱۶۸ [2] المرقات: ۳/۹۲

۱۹ ربیع الثانی ۱۴۱۰ھ

باب السهو

سجدہ سہو کا بیان

سھا یسھو نصر ینصر سے ہے بھولنے کے معنی میں ہے ابن اثیر رحمۃ اللہ علیہ نے "نهایه" میں لکھا ہے کہ "السھو فی الشئی ترکه من غیر علم والسھو عن الشیء ترکه مع العلم" یہ بہت اچھا فرق ہے اس سے یہ بات ظاہر ہوجاتی ہے کہ حضور اکرم ﷺ کو نماز میں کئی بار جو سہو ہوا وہ پہلی قسم کا سہو تھا یعنی ترك الشئی من غیر علم اور دوسری قسم کا سہو آپ ﷺ کو نہیں ہوا کیونکہ اس کی مذمت قرآن میں وارد ہے ﴿الذین هم عن صلوتهم ساهون﴾[1]

آنحضرت ﷺ کو پہلی قسم کا سہو تکوینی طور پر ہوگیا تا کہ آپ کا عمل امت کے لئے عملی نمونہ بن جائے شرعی اخبار اور شرعی احکام بیان کرنے میں آنحضرت ﷺ کے اقوال میں کوئی سہو نہیں ہوا ہے ہاں آپ کے افعال میں سہو ہوتا تھا اس میں حکمت تھی تا کہ امت کے لوگ سہو کے مسائل سیکھیں۔

نماز کے سنن و مستحبات اگر رہ جائیں تو اس سے نماز فاسد نہیں ہوتی بلکہ نماز صحیح رہتی ہے البتہ اس سنت یا مستحب عمل کا ثواب نہیں ملتا اور اگر نماز کے فرائض میں سے کوئی چیز سہواً یا عمداً رہ جائے تو نماز فاسد ہوجاتی ہے جس کا کوئی تدارک نہیں ہے بلکہ نماز کو لوٹانا اور اعادہ کرنا فرض ہوجاتا ہے۔ اگر نماز کے واجبات میں سے نمازی نے کسی واجب کو عمداً یا قصداً ترک کردیا تو اسکا بھی کوئی علاج نہیں ہے نماز دوبارہ پڑھنا اور اس کا اعادہ کرنا واجب ہوگا۔[2]

اگر واجب سہواً رہ جائے یا فرض میں تقدیم وتاخیر ہوجائے تو اس صورت میں سجدہ سہو اس کا علاج ہے کہ قعدہ اخیرہ کے سلام کے بعد دو سجدے کرے اور پھر نئے سرے سے تشہد پڑھے اور سلام پھیر دے اس کو سجدہ سہو کہتے ہیں۔

الفصل الاول

تعداد رکعات میں شک ہو تو کیا کرنا چاہئے

﴿۱﴾ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ أَحَدَكُمْ إِذَا قَامَ يُصَلِّيْ جَاءَهُ الشَّيْطَانُ فَلَبَّسَ عَلَيْهِ حَتّٰى لَا يَدْرِيْ كَمْ صَلّٰى فَإِذَا وَجَدَ ذٰلِكَ أَحَدُكُمْ فَلْيَسْجُدْ سَجْدَتَيْنِ وَهُوَ جَالِسٌ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)[3]

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ سرورکونین ﷺ نے فرمایا "جب تم میں سے کوئی شخص نماز پڑھنے کھڑا ہوتا ہے

---

[1] ماعون الایہ: ۵ [2] المرقات: ۲/۹۲ [3] اخرجه البخاری: ۲/۸۶ ومسلم: ۲/۸۲، ۲/۸۳

تو اس کے پاس شیطان آتا ہے اور اسے شک وشبہ میں مبتلا کر دیتا ہے یہاں تک کہ اس (نمازی) کو یہ بھی یاد نہیں رہتا کہ اس نے کتنی رکعتیں پڑھی ہیں، لہٰذا تم میں سے کسی کو اگر یہ صورت پیش آئے تو اسے چاہئے کہ وہ (آخری قعدہ میں) بیٹھ کر دو سجدے کرے۔"

(بخاری ومسلم)

توضیح: "حتی لایدری کم صلی" اس بحث میں فقہاء کرام کا اختلاف بیان کرنے سے پہلے ضروری ہے کہ اس موضوع سے متعلق جو احادیث ہیں ان پر بحث ہو جائے۔[1]

نماز کے دوران جس شخص کو تعداد رکعات میں شک ہو جائے تو وہ کیا کرے اس بارے میں احادیث میں اختلاف ہے اور اسی اختلاف کی وجہ سے فقہاء میں بھی اختلاف ہے۔ اس مسئلہ میں چار قسم کی احادیث مختلف انداز سے وارد ہیں۔

❶ پہلی قسم کی وہ احادیث ہیں جن میں بناء علی الاقل کا حکم ہے کہ اگر شک دو رکعات یا تین میں مثلاً ہو گیا تو دو کو شمار کرے اور اگر چار اور تین رکعات میں تردد ہوا تو تین شمار کرے۔ فصل اول کی دوسری حدیث میں یہی حکم مذکور ہے اور اس باب کی آخری حدیث ۹ میں بھی یہی حکم مذکور ہے۔

❷ دوسری قسم کی احادیث وہ ہیں جن میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ شک کی صورت میں "تحرّی" اور سوچ بچار کر کے غالب گمان اور جانب راجح پر عمل کرے جیسے اس باب میں فصل اول کی حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث ۳ میں ہے کہ

"واذاشك احدكم في الصلوة فليتحر الصواب"۔

❸ تیسری قسم کی وہ احادیث ہیں جن میں یہ حکم مذکور ہے کہ شک کی صورت میں نئے سرے سے نماز پڑھنی چاہئے اس قسم کی روایت طبرانی میں موجود ہے الفاظ یہ ہے۔

"عن عبادة ابن الصامت ان رسول الله صلى الله عليه وسلم سئل عن رجل سها في صلوته فلم يدر كم صلى فقال ليعد صلوته" (بحوالہ اعلاء السنن)

❹ چوتھی قسم وہ روایات ہیں جو مجمل ہیں اس میں کوئی تفصیل نہیں صرف اتنا بیان ہے کہ سہو کی صورت میں سجدہ سہو کرے۔

فقہاء کا اختلاف:

ان مختلف روایات کے پیش نظر فقہاء کرام نے اپنی فقہی نظر سے کسی نہ کسی حدیث پر عمل کرنے کا فتویٰ دیا ہے چنانچہ امام شعبی اور اوزاعی شام رحمہما اللہ تعالیٰ نے فتویٰ دیا کہ شک کی صورت میں ہر حالت میں نماز کا اعادہ لازم ہے انہوں نے تیسری قسم کی روایات پر عمل کیا ہے۔

حسن بصری رحمہ اللہ اور بعض سلف نے چوتھی قسم کی مجمل ومبہم روایات پر فتویٰ دیا ہے کہ ہر حالت میں سجدہ سہو کرے یہی کافی ہے خواہ رکعات کی تعداد میں شک ہو یا کچھ بھی ہو صرف سجدہ سہو کرے۔

---

[1] المرقات: ۳/۹۳

امام شافعی امام مالک اور امام احمد بن حنبل رحمہم اللہ تعالیٰ نے اصولی طور پر فتویٰ دیا ہے کہ بناء علی الاقل کرے شک کو چھوڑ دے اور یقین پر عمل کرے۔ ان حضرات نے پہلی قسم کی روایات پر عمل کیا ہے۔

مندرجہ بالا فقہاء نے کسی ایک قسم کی احادیث کو لیا ہے اور باقی کو ترک کر دیا ہے۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور ائمہ احناف نے ان سب روایات پر عمل کرنے کی عجیب صورت بتائی ہے وہ فرماتے ہیں کہ یہ روایات مختلف اشخاص کے حالات پر محمول ہیں۔

مثلاً اگر کسی شخص کو کبھی شک نہ ہوا ہو پہلی مرتبہ اس کو شک کا عارضہ لاحق ہو گیا ہو تو یہ شخص استیناف کرے یعنی پہلی والی نماز کو توڑ کر چھوڑ دے اور نئے سرے سے نماز پڑھے استیناف کی روایات اسی پر محمول ہیں۔

اگر کسی شخص کی عادت یہ ہو کہ وہ بھولتا رہتا ہے اور اس کو شک ہوتا رہتا ہے تو ایسا شخص تحری اور سوچ بچار کرے اور صحیح صورت معلوم کرنے کی کوشش کرے تحری والی روایات ایسے ہی شخص پر محمول ہیں یہ غالب گمان پر عمل کرے اور اگر شک کی صورت ایسی ہے کہ وہ مساوی ہے جانب راجح کا فیصلہ نہیں ہو سکتا تو ایسی صورت میں بناء علی الاقل کی روایات پر عمل کرے اور مجمل روایات کو انہیں تین صورتوں پر حمل کیا جائے اس طرح تمام روایات پر عمل ہو جائے گا **فللہ در ابی حنیفة ما ادق نظرہ والطف فکرہ۔**[1]

سجدہ سہو سلام سے پہلے کرے یا بعد میں کرے؟

﴿۲﴾ وعن عطاء بن يسار عن أبي سعيد قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم إذا شك أحدكم في صلاته فلم يدر كم صلى ثلاثا أو أربعا فليطرح الشك وليبن على ما استيقن ثم يسجد سجدتين قبل أن يسلم فإن كان صلى خمسا شفعن له صلاته وإن كان صلى إتماما لأربع كانتا ترغيما للشيطان۔ (رواه مسلم ورواه مالك عن عطاء مرسلا وفي روايته شفعها بهاتين السجدتين)[2]

ترجمہ: اور حضرت عطاء ابن یسار حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "جب تم میں سے کوئی شخص درمیان نماز شک میں مبتلا ہو جائے اور اسے یاد نہ رہے کہ اس نے تین رکعتیں پڑھی ہیں یا چار رکعتیں تو اسے چاہئے کہ وہ اپنا شک دور کرے اور جس عدد پر اسے یقین ہو اس پر بناء کرے (یعنی کسی ایک عدد کا تعین کر کے نماز پوری کر لے) اور پھر سلام پھیرنے سے پہلے دو سجدے کر لے اگر اس نے پانچ رکعتیں پڑھی ہوں گی تو یہ پانچ رکعتیں ان دو سجدوں کے ذریعہ اس کی نماز کو جفت کر دیں گی اور اگر اس نے پوری چار رکعتیں پڑھی ہوں گی تو یہ دونوں سجدے شیطان کی ذلت کا سبب بنیں گے۔" (مسلم) اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے اس روایت کو عطاء سے بطریق ارسال نقل کیا ہے نیز امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کی ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں "کہ نمازی ان دونوں سجدوں کے ذریعہ پانچ رکعتوں کو جفت کر دے گا۔"

[1] المرقات: ۲/۴۳ [2] اخرجہ ومسلم: ۲/۸۴

توضیح: "فليطرح الشك" یعنی جس میں اس کو شک ہے اس شک والی صورت کو کالعدم سمجھ لے اور یقین والی صورت کو اپنائے مثلاً اسی حدیث میں تین اور چار میں شک ہو گیا تو مشکوک صورت چار کی ہے اور یقینی صورت تین رکعات کی ہے تو نمازی کو چاہئے کہ چار کو چھوڑ کر تین پر فیصلہ کرے اور پھر سلام پھیرنے سے پہلے دو سجدے کرے۔[1]

"فان كان صلى" یہ فا تفریع وتفصیل کے لئے ہے اس سے حدیث کے سابقہ ضابطہ کی تفصیل بیان کرنا مقصود ہے تفصیل کا خلاصہ یہ ہے کہ اگر نمازی نے فی الواقع چار رکعات پڑھی تھیں اور اب اضافی رکعت کی وجہ سے اس کی رکعات پانچ ہوگئیں تو سجدہ سہو کے یہ دو سجدے ایک رکعت کے قائم مقام ہو کر چھ رکعات بن جائیں گی۔ تو "شفعن له صلوته" کا جو جملہ ہے اس کا یہی مطلب ہے کہ ان دو سجدوں نے اس شخص کی طاق نماز کو جفت بنادیا یعنی پانچ رکعات کو چھ کر دیا۔[2]

"وان كان" یعنی اگر فی الواقع تین رکعات پڑھی تھیں اور اب ایک رکعت کے اضافہ کرنے سے چار رکعتیں بن گئیں تو اب دو سجدوں کو ایک رکعت کے قائم مقام بنانے کی ضرورت نہیں رہی لہٰذا دو سجدے شیطان کو ذلیل وخوار کرنے کے لئے ہوگئے کیونکہ شیطان نے نمازی کو شک میں ڈالا تھا تا کہ اس کی نماز کو کم کر سکے لیکن نمازی نے دو سجدے اضافی کر کے شیطان کے کانوں اور منہ میں روئی ٹھونس دی "الحمد لله على ذلك"۔[3]

"قبل ان يسلم" اس روایت سے واضح طور پر معلوم ہوتا ہے کہ سجدہ سہو سلام سے پہلے ہے اس بارے میں فقہاء کا اختلاف ہے کہ آیا سجدہ سہو سلام سے پہلے ہے یا بعد میں ہے تاہم یہ اختلاف جواز وعدم جواز کا نہیں ہے بلکہ افضل غیر افضل کا ہے۔[4]

فقہاء کا اختلاف:

شوافع حضرات سجدہ سہو کو مطلقاً سلام سے پہلے مانتے ہیں اور اسی کو افضل گردانتے ہیں مالکیہ حضرات کے نزدیک اگر سجدہ سہو کا وجوب نماز میں کسی زیادتی کی وجہ سے ہو تو پھر سجدہ سہو بعد السلام افضل ہے اور اگر اس کا وجوب کسی نقصان کی وجہ سے ہو تو پھر قبل السلام سجدہ افضل ہے امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے اس فرق کرنے کو یاد رکھنے کے لئے علماء نے حروف کا اشارہ دیا ہے کہ "القاف بالقاف" یعنی نقصان کی صورت میں قبل السلام ہے نقصان میں بھی قاف ہے اور قبل السلام میں بھی قاف ہے۔ اور "الدال بالدال" یعنی زیادت کی صورت میں بعد السلام ہے دونوں میں دال ہے یہاں دلچسپی اور معلومات کی غرض سے حروف کے ذریعہ سے چند اور اشارات بھی سمجھ لیں کہ قابیل کے قاف سے اشارہ ہے کہ وہ ھابیل کا قاتل ہے ھابیل مقتول ہے جس کے نام کا پہلا حرف قاف ہے وہ قاتل ہے۔[5]

چار آسمانی کتابوں کے نام اور جس نبی پر نازل ہوئیں اس کا نام اور جس لغت میں نازل ہوئیں اس کا نام یوں سمجھیں۔

"فعم" فرقان مجید عربی زبان میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوا۔

"تعم" یعنی تورات عبرانی زبان میں موسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوئی۔

[1] المرقات: ۲/۹۳ [2] المرقات: ۲/۹۳ [3] المرقات: ۲/۹۳ [4] المرقات: ۲/۹۳ [5] المرقات: ۲/۹۳

"اسع" یعنی انجیل سریانی زبان میں عیسی علیہ السلام پر نازل ہوئی۔

"زیدن" یعنی زبور یونانی زبان میں داؤد علیہ السلام پر نازل ہوئی۔

اسی طرح یہ معلوم کرنا کہ حضور اکرم ﷺ کی ملاقات معراج کی رات کس نبی سے ہوئی نبی کے نام کا پہلا حرف اور پہلا آسمان اسی ترتیب سے سات آسمانوں میں ہر نبی سے ملاقات معلوم کرنا ہوتو اس کے لئے "اعیاھما" کا کلمہ ہے ہر نبی کے نام کا پہلا حرف اس جملہ سے لیا جائے اور اسی ترتیب سے آسمانوں میں حضور ﷺ سے اس نبی کی ملاقات کو معلوم کیا جائے۔

مثلاً آدم علیہ السلام سے پہلے آسمان میں ملاقات ہوئی یعنی حضرت عیسی علیہ السلام سے دوسرے آسمان میں ملاقات ہوئی اسی طرح حضرت یوسف، حضرت ادریس، حضرت ہارون، حضرت موسی اور حضرت ابراہیم علیہم السلام کو ترتیب وار سمجھ لیا جائے۔

اسی طرح جلالین کے کس حصہ کا مصنف کون ہے تو سیوطی اور محلی میں دیکھا جائے کہ حروف ہجا میں کونسا حرف مقدم ہے اور کس مصنف کے نام کا حرف ہے تو سین ترتیب میں مقدم ہے لہٰذا سیوطی جلالین کے پہلے حصہ کے مصنف ہیں میم آخر میں ہے تو محلی آخری حصہ کے مؤلف ہیں۔

بہر حال امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک موقع و محل کے مناسب قبل السلام پر عمل کیا یا بعد السلام پر عمل کیا سب جائز ہے اور یہ اختلاف افضلیت کا ہے۔ ہر طرف صحیح حدیث موجود ہے جیسا کہ حدیث نمبر ۳ حدیث نمبر ۵ حدیث نمبر ۶ حدیث نمبر ۸ سے بالکل واضح ہے۔

پانچویں رکعت کی طرف اٹھنے کا مسئلہ

﴿۳﴾ وعن عَبْدِ اللهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ أَنَّ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلَّى الظُّهْرَ خَمْساً فَقِيْلَ لَهُ أَزِيْدَ فِي الصَّلَاةِ فَقَالَ وَمَا ذَاكَ قَالُوْا صَلَّيْتَ خَمْساً فَسَجَدَ سَجْدَتَيْنِ بَعْدَ مَا سَلَّمَ. وَفِيْ رِوَايَةٍ قَالَ إِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ مِثْلُكُمْ أَنْسٰى كَمَا تَنْسَوْنَ فَإِذَا نَسِيْتُ فَذَكِّرُوْنِيْ وَإِذَا شَكَّ أَحَدُكُمْ فِيْ صَلَاتِهِ فَلْيَتَحَرَّ الصَّوَابَ فَلْيُتِمَّ عَلَيْهِ ثُمَّ لِيُسَلِّمْ ثُمَّ يَسْجُدْ سَجْدَتَيْنِ. (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)[1]

ترجمہ: اور حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ (ایک روز) سرور کونین ﷺ نے ظہر کی نماز پانچ رکعت پڑھ لی، چنانچہ آپ سے پوچھا گیا کہ "کیا نماز میں کچھ زیادتی ہوگئی ہے؟ آنحضرت ﷺ نے پوچھا کہ کیا ہوا؟ صحابہ نے عرض کیا کہ "آپ نے پانچ رکعتیں پڑھی ہیں۔" (یہ سن کر) آپ نے سلام پھیر لینے کے بعد دو سجدے کئے۔ اور ایک دوسری روایت میں

[1] اخرجه البخاری: ۱/۱۱۱، ۲/۸۵ ومسلم: ۲/۸۵

یہ الفاظ بھی ہیں کہ آپ نے فرمایا ''میں انسان ہی تو ہوں، جس طرح تم بھولتے ہو اسی طرح میں بھی بھول جاتا ہوں۔ جب میں کچھ بھول جایا کروں تو، مجھے یاد دلا دیا کرو، اور جب تم میں سے کسی کو نماز میں شک ہو جائے تو اسے چاہئے کہ وہ صحیح رائے قائم کرے اور اس رائے کی بنیاد پر نماز پوری کرلے اور پھر سلام پھیر کر دو سجدے کرلے۔'' (بخاری ومسلم)

توضیح: **''صلی الظهر خمسا''** یعنی حضور اکرم ﷺ نے ظہر کی نماز پڑھائی مگر چار رکعت کے بجائے پانچ پڑھ لیں اتنی بات تو واضح ہے لیکن یہ بات معلوم نہ ہو سکی کہ آنحضرت ﷺ نے قعدہ اخیرہ کیا تھا یا نہیں کیا تھا۔[۱]

شوافع حضرات فرماتے ہیں کہ پانچویں رکعت کی طرف اٹھنے کی وجہ سے سجدہ سہو کافی ہے خواہ قعدہ اخیرہ کیا ہو یا نہ کیا ہو سجدہ سہو ہر صورت کے لئے کافی شافی ہے۔

ائمہ احناف کے ہاں یہ مسئلہ اتنا سادہ نہیں ہے بلکہ اس میں کچھ تفصیل ہے وہ اس طرح کہ اگر نمازی پانچویں رکعت کے لئے قعدہ اخیرہ کے بغیر اٹھا تو جب تک اس نے رکعت کو رکوع اور سجدہ کے ساتھ نہیں ملایا ہو تو واپس آجائے اور سجدہ سہو کر کے سلام پھیر دے نماز درست ہو جائے گی لیکن اگر رکعت کو سجدہ کے ساتھ ملایا تو اب یہ شخص بیٹھ کر سلام نہیں پھیر سکتا بلکہ ایک رکعت اور ملائے اور چھ رکعت مکمل کرلے اب فرض میں نفل داخل کرنے سے فرض باطل ہو گیا اور یہ چھ رکعت نفل بن گئیں فرض نماز پھر پڑھ لے اس طرح صورت اگر عصر یا فجر کی نمازوں میں پیش آئی تو اس میں بھی دو رکعت مزید ملائے تمام رکعات نفل بن جائیں گی یہ خیال نہیں کرنا چاہئے کہ عصر وفجر کے بعد تو نفل جائز نہیں ہے یہاں کیسے جائز ہو گئی اس کا جواب یہ ہے کہ اب تک تو فرض نماز مکمل نہیں ہوئی ہے لہٰذا یہ نفل بعد الفرض نہیں بلکہ قبل الفرض ہے اور اگر یہ صورت مغرب کی نماز میں پیش آجائے تو وہاں صرف ایک رکعت مزید ملا کر چار نفل پر سلام پھیر دیا جائے فرض پھر پڑھ لے۔

شوافع حضرات اپنے موقف پر یہ دلیل دیتے ہیں کہ زیر بحث حدیث میں قعدہ اخیرہ کے چھوڑنے نہ چھوڑنے کا کوئی ذکر نہیں ہے لہٰذا اس تفصیل کی ضرورت نہیں بلکہ ہر دو صورت میں صرف سجدہ سہو نماز کی صحت کے لئے کافی ہے۔

احناف فرماتے ہیں کہ اس حدیث میں **صلی الظهر** کے الفاظ ہیں اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ صورت وہ تھی کہ قعدہ اخیرہ میں آنحضرت ﷺ بیٹھ گئے تھے اور پھر پانچویں رکعت کے لئے کھڑے ہو گئے تھے کیونکہ **صلی الظهر** کے ظاہری الفاظ کا مطلب یہی ہے کہ ظہر کی نماز مکمل پڑھ لی تھی ایسی صورت میں صرف سجدہ سہو کافی ہوتا ہے اگر قعدہ اخیرہ رہ جانے کی صورت ہوتی تو فرض نماز دوبارہ لوٹائی جاتی۔[۲]

''بعد ما سلم'' یعنی دو سلام پھیرنے کے بعد حضور ﷺ نے دو سجدے کئے یہ احناف کی دلیل ہے کہ سجدہ بعد السلام ہے اسی حدیث میں دوسری روایت کو بیان کر کے صاحب مشکوٰۃ نے **ثم یسلم ثم یسجد سجدتین** کے الفاظ سے بھی سجدہ بعد السلام ثابت کیا جو احناف کا مسلک ہے اختلاف اور دلائل کی تفصیل پہلے گذر چکی ہے اور کلام فی الصلوٰۃ کا مسئلہ بھی آرہا ہے کچھ انتظار کیجئے۔[۳]

---

[۱] المرقات: ۲/۹۵ [۲] المرقات: ۲/۹۶ [۳] المرقات: ۲/۹۵،۹۶

سجدہ سہو کے لئے سلام کا طریقہ اور پھر سجدہ کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ اگر امام ہے تو صرف دائیں طرف سلام پھیر دے کیونکہ دونوں طرف سلام پھیرنے سے مسبوقین میں انتشار پیدا ہوگا وہ اٹھ کر بقیہ نماز شروع کردیں گے اور اگر منفرد آدمی سجدہ سہو کرتا ہے تو راجح یہی ہے کہ دونوں طرف سلام پھیر کر پھر سجدہ کرے اور پھر تشہد پڑھ کر سلام پھیر دے۔

مسئلة الكلام في الصلوٰة

﴿۴﴾ عَنِ ابْنِ سِيْرِيْنَ عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ صَلّٰى بِنَا رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِحْدٰى صَلٰوتَيِ الْعَشِيِّ قَالَ ابْنُ سِيْرِيْنَ قَدْ سَمَّاهَا أَبُوْ هُرَيْرَةَ وَلٰكِنْ نَسِيْتُ أَنَا قَالَ فَصَلّٰى بِنَا رَكْعَتَيْنِ ثُمَّ سَلَّمَ فَقَامَ إِلٰى خَشَبَةٍ مَعْرُوْضَةٍ فِي الْمَسْجِدِ فَاتَّكَأَ عَلَيْهَا كَأَنَّهُ غَضْبَانُ وَوَضَعَ يَدَهُ الْيُمْنٰى عَلَى الْيُسْرٰى وَشَبَّكَ بَيْنَ أَصَابِعِهِ وَوَضَعَ خَدَّهُ الْأَيْمَنَ عَلٰى ظَهْرِ كَفِّهِ الْيُسْرٰى وَخَرَجَتْ سَرَعَانُ الْقَوْمِ مِنْ أَبْوَابِ الْمَسْجِدِ فَقَالُوْا قُصِرَتِ الصَّلَاةُ وَفِي الْقَوْمِ أَبُوْبَكْرٍ وَعُمَرُ فَهَابَاهُ أَنْ يُكَلِّمَاهُ وَفِي الْقَوْمِ رَجُلٌ فِيْ يَدَيْهِ طُوْلٌ يُقَالُ لَهُ ذُو الْيَدَيْنِ قَالَ يَا رَسُوْلَ اللهِ أَنَسِيْتَ أَمْ قُصِرَتِ الصَّلَاةُ فَقَالَ لَمْ أَنْسَ وَلَمْ تُقْصَرْ فَقَالَ أَكَمَا يَقُوْلُ ذُو الْيَدَيْنِ فَقَالُوْا نَعَمْ فَتَقَدَّمَ فَصَلّٰى مَا تَرَكَ ثُمَّ سَلَّمَ ثُمَّ كَبَّرَ وَسَجَدَ مِثْلَ سُجُوْدِهِ أَوْ أَطْوَلَ ثُمَّ رَفَعَ رَأْسَهُ وَكَبَّرَ ثُمَّ كَبَّرَ وَسَجَدَ مِثْلَ سُجُوْدِهِ أَوْ أَطْوَلَ ثُمَّ رَفَعَ رَأْسَهُ وَكَبَّرَ فَرُبَّمَا سَأَلُوْهُ ثُمَّ سَلَّمَ فَيَقُوْلُ نُبِّئْتُ أَنَّ عِمْرَانَ ابْنَ حُصَيْنٍ قَالَ ثُمَّ سَلَّمَ. (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ وَلَفْظُهُ لِلْبُخَارِيِّ وَفِي أُخْرٰى لَهُمَا فَقَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَدَلَ لَمْ أَنْسَ وَلَمْ تُقْصَرْ كُلُّ ذٰلِكَ لَمْ يَكُنْ فَقَالَ قَدْ كَانَ بَعْضُ ذٰلِكَ يَا رَسُوْلَ اللهِ) [1]

ترجمہ: اور حضرت ابن سیرین رحمہ اللہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا'' (ایک دن) سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم نے ظہر یا عصر کی نماز جس کا نام ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے تو بتایا تھا مگر میں بھول گیا، ہمیں پڑھائی۔ ابوہریرہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمارے ساتھ دو رکعت نماز پڑھی اور (تیسری رکعت کے لئے اٹھنے کے بجائے) سلام پھیر لیا، پھر اس لکڑی کے سہارے جو مسجد میں عرضاً کھڑی تھی کھڑے ہوگئے اور (محسوس ایسا ہوتا تھا کہ) گویا آپ غصہ کی حالت میں ہیں، آپ نے اپنا داہنا ہاتھ اپنے بائیں ہاتھ پر رکھا اور انگلیوں میں انگلیاں ڈال لیں اور اپنا بایاں رخسار مبارک اپنے بائیں ہاتھ کی پشت پر رکھ لیا۔ جلد باز لوگ (جو نماز کی ادائیگی کے بعد ذکر اور دعا وغیرہ کے لئے نہیں ٹھہرتے تھے) مسجد کے دروازوں سے جانے لگے، صحابہ کہنے لگے کہ کیا نماز میں کمی ہوگئی ہے؟ (کہ آنحضرت نے چار رکعت کی بجائے دو ہی رکعتیں پڑھی ہیں) صحابہ کے درمیان حضرت ابوبکر و حضرت عمر رضی اللہ عنہما بھی موجود تھے مگر خوف کی وجہ سے ان کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کلام کرنے کی جرأت نہ ہوئی۔ صحابہ میں ایک اور شخص (بھی) تھے جن کے ہاتھ لمبے تھے اور جنہیں (اسی وجہ سے) ذوالیدین (یعنی ہاتھوں والا کے لقب سے) پکارا

[1] اخرجه البخاري: ۱/۱۸۳، ۲/۸۶، ۹/۱۰۸ ومسلم: ۲/۸۶

جاتا تھا۔ انہوں نے آنحضرت ﷺ سے عرض کیا کہ "یا رسول اللہ! کیا آپ بھول گئے ہیں یا نماز ہی میں کمی ہوگئی ہے؟" آنحضرت ﷺ نے فرمایا "نہ تو میں بھولا ہوں اور نہ نماز میں کمی ہی ہوئی ہے۔" پھر (صحابہ سے مخاطب ہوئے اور) فرمایا "کیا تم بھی یہی کہتے ہو جو ذوالیدین کہہ رہے ہیں؟ صحابہ نے عرض کیا کہ "جی ہاں، یہی بات ہے۔" (یہ سن کر) آنحضرت ﷺ آگے ہوئے اور جو نماز (یعنی دو رکعت) چھوٹ گئی تھی اسے پڑھا دیا اور سلام پھیر کر تکبیر کہی اور حسب معمول سجدوں جیسا یا ان سے بھی کچھ طویل سجدہ کیا اور پھر تکبیر کہہ کر سر اٹھایا پھر تکبیر کہی اور حسب معمول سجدوں جیسا یا ان سے بھی کچھ طویل سجدہ کیا اور پھر تکبیر کہہ کر سر اٹھایا۔" لوگ ابن سیرین سے پوچھنے لگے کہ "پھر اس کے بعد آنحضرت ﷺ نے سلام پھیر دیا ہوگا؟" انہوں نے کہا مجھے عمران بن حصین سے یہ خبر ملی ہے کہ وہ کہتے تھے کہ "پھر آنحضرت ﷺ نے سلام پھیر دیا۔" اس روایت کو بخاری ومسلم نے نقل کیا ہے مگر الفاظ بخاری کے ہیں اور بخاری ومسلم ہی کی ایک اور روایت میں یوں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا، ان دو باتوں (یعنی نماز کے کم ہونے یا میرے بھول جانے) میں کوئی بھی بات نہیں ہوئی (ذوالیدین نے) عرض کیا، کچھ تو ہوا ہے اے اللہ کے رسول۔

توضیح: "فقال لم انس ولم تقصر" نماز میں کلام کرنے سے نماز فاسد ہوجاتی ہے یا نہیں اور نماز میں کلام نسیاناً وعمداً جائز ہے یا نہیں؟۔[1]

یہ ایک معرکۃ الآراء مسئلہ ہے اور اس میں فقہاء کا زبردست اختلاف ہے۔

فقہاء کا اختلاف:

فقہاء کا اس پر اتفاق ہے کہ ابتداء اسلام میں نماز میں ایک حد تک کلام کرنا جائز تھا پھر منسوخ ہوگیا اب فقہاء کے درمیان اس نسخ کی تفصیل میں اختلاف ہے کہ آیا ہر قسم کا کلام مکمل طور پر منسوخ ہوگیا ہے یا بعض قسم کے کلام کرنے کی اب بھی اجازت ہے چنانچہ اس کی تفصیل اس طرح ہے کہ شوافع کے ہاں اصلاح صلوٰۃ کے لئے قلیل کلام کرنے کی اجازت ہے بشرطیکہ نسیاناً ہو نسیاناً سے ان کی مراد یہ ہے کہ نمازی کو یاد نہ رہا کہ میں نماز میں کھڑا ہوں اور اس نے نماز کی اصلاح کے لئے کہہ دیا قعدہ کرو، کھڑے ہوجاؤ آگے مت آؤ، میں نماز پڑھ رہا ہوں نماز میں قعدہ رہ گیا دوسرا نمازی کہتا ہے نہیں نہیں، یا جیسے زیر بحث حدیث میں ذوالیدین کا کلام ہے۔

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اصلاح صلوٰۃ کے لئے اگر قصداً وعمداً بھی کلام کیا جائے تو جائز ہے اس سے نماز نہیں ٹوٹتی۔

امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کے کلام میں شدید اضطراب ہے ہر طرف ان کا ایک ایک قول ہے بلکہ اس سے بھی زیادہ اقوال ہیں ان کو ذکر کرنے کی ضرورت نہیں البتہ مجموعی اعتبار سے اس مسئلہ میں جمہور کچھ فرق کے ساتھ ایک طرف کھڑے ہیں اور ائمہ احناف دوسری طرف کھڑے ہیں۔ ائمہ احناف کے ہاں نماز کے دوران ہر قسم کا کلام منسوخ ہوچکا ہے اب ہر قسم کلام مفسد صلوٰۃ ہے خواہ عمداً ہو یا نسیاناً ہو خطاءً یا قصداً ہو قلیلاً ہو یا کثیراً ہو کسی قسم کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔

---

[1] المرقات: ۳/۱۰۳

دلائل:

جمہور نے زیر بحث حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث سے استدلال کیا ہے جس میں ایک نمازی ذوالیدین نے بھی دوران نماز کلام کیا اور صحابہ نے بھی کلام کیا نیز حضور اکرم ﷺ نے بھی کلام فرمایا اور پھر سب نے سجدہ سہو کر کے نماز پڑھی نماز کا اعادہ نہیں کیا معلوم ہوا کہ کلام کرنے سے نماز فاسد نہیں ہوتی ہے شوافع حضرات اس کلام کو نسیاناً پر حمل کرتے ہیں اور مالکیہ حضرات اس کو اصلاح صلوٰۃ کے لئے قصداً اور عمداً پر حمل کرتے ہیں۔

جمہور نے فصل ثالث کی عمران بن حصین کی حدیث ۸ سے بھی استدلال کیا ہے اس میں بھی اسی طرح مضمون ہے بلکہ اس میں حضور اکرم ﷺ کا نماز کے بعد گھر جانے اور واپس آنے اور کلام کرنے کا بیان ہے۔ جمہور نے اس باب کی حدیث ۳ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت سے بھی استدلال کیا ہے جس میں صحابہ اور حضور اکرم ﷺ دونوں کے کلام کرنے کا ذکر ہے اور پھر صرف سجدہ سہو کو کافی سمجھا گیا معلوم ہوا کہ کلام قلیل جو اصلاح صلوٰۃ کے لئے ہو وہ مفسد صلوٰۃ نہیں ہے۔

ائمہ احناف اور سفیان ثوری رحمہ اللہ کے دلائل بہت زیادہ ہیں

❶ احناف کی پہلی دلیل حضرت معاویہ بن الحکم السلمی رضی اللہ عنہ کی روایت ہے جو مشکوٰۃ "**باب مالا یجوز من العمل فی الصلوٰۃ**" کی فصل اول کی پہلی حدیث ہے جس میں ایک قصہ بھی ہے اس میں یہ الفاظ ہیں۔ "**ان هذه الصلوٰة لایصلح فیها شیء من کلام الناس**" امام مسلم رحمہ اللہ نے اس حدیث کو نقل کیا ہے یہ واضح تر دلیل ہے کہ نماز میں پہلے کلام ہوتا تھا پھر منسوخ ہو گیا اب نماز میں ذکر اللہ و تسبیح اور تلاوت قرآن کے سوا کچھ بھی جائز نہیں ہے۔

❷ ائمہ احناف کی دوسری دلیل اسی باب میں حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث نمبر ۲ ہے جس میں یہ آیا ہے کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے سلام کا جواب حضور اکرم ﷺ نے نماز کے دوران نہیں دیا اور پھر فرمایا "**ان فی الصلوٰۃ لشغلا**" مطلب وہی ہے کہ کلام الناس کی گنجائش نہیں ہے نماز کے اپنے مشاغل بہت ہیں۔

❸ احناف کی تیسری دلیل اسی باب کی فصل ثانی میں حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث نمبر ۱۱ ہے جس کی تخریج ابوداؤد نے کی ہے اس میں واضح الفاظ ہیں کہ اللہ تعالیٰ جب چاہتا ہے اپنے دین کے احکام میں تبدیلی کرتا ہے حدیث کے الفاظ یہ ہیں "**وان مما احدث الا تتکلموا فی الصلوٰۃ**" یعنی اب جو اللہ تعالیٰ نے تبدیلی فرمائی ہے وہ یہ ہے کہ تم نماز میں باتیں نہ کرو۔

❹ احناف کی مضبوط دلیل جو کلام فی الصلوٰۃ کے نسخ پر واضح دلیل ہے اور قرآن کریم کی آیت سے استدلال بھی ہے وہ حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ کی روایت ہے امام مسلم رحمہ اللہ نے صحیح مسلم میں اس کو ذکر کیا ہے اس کے الفاظ یہ ہیں۔

"**کنا نتکلم فی الصلوٰۃ یکلم الرجل صاحبه وهو الی جنبه فی الصلوٰۃ حتی نزلت ﴿وقوموا لله**

قانتین﴾ فامرنا بالسکوت ونہینا عن الکلام" (مسلم ج۱ص۲۰۴)[۱]

حدیث ذوالیدین کا جواب:

ائمہ احناف زیر بحث حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث کا جواب یہ دیتے ہیں کہ کلام کا یہ واقعہ ابتداء اسلام کا ہے جس وقت نماز میں کلام کرنے کی اجازت تھی پھر یہ حکم منسوخ ہوگیا۔ جمہور ذوالیدین کے اس واقعہ سے تب استدلال کر سکتے ہیں کہ وہ یہ بات ثابت کردیں کہ یہ واقعہ نماز میں کلام کے منسوخ ہونے کے بعد کا ہے حالانکہ وہ اس کو ثابت نہیں کر سکتے ہیں۔ بلکہ معاملہ اس کے برعکس ہے تحقیق وتفصیل ملاحظہ کریں۔

ذوالیدین کا یہ واقعہ کب پیش آیا؟

اس پر تمام فقہاء کا اتفاق ہے کہ نماز میں کلام ابتداء میں ہوتا تھا پھر منسوخ ہوگیا ہے لیکن اختلاف اس میں ہے کہ ذوالیدین کا یہ واقعہ "نسخ الکلام" سے پہلے پیش آیا ہے یا نماز میں کلام کے منسوخ ہونے کے بعد پیش آیا ہے شوافع اور مالکیہ بلکہ جمہور فرماتے ہیں کہ ذوالیدین کا یہ واقعہ **نسخ الکلام** کے بعد کا ہے لہٰذا جس حد تک نماز میں کلام کرنے کی گنجائش اس حدیث سے معلوم ہوتی ہے اسی حد تک ہم قائل ہیں اس کے علاوہ منسوخ ہے۔

ائمہ احناف کی تحقیق یہ ہے کہ ذوالیدین کا یہ واقعہ **نسخ الکلام** سے پہلے پیش آیا تھا اس کے بعد مکمل طور پر نماز میں کلام پر پابندی لگادی گئی جس پر کئی دلائل دیئے جاچکے ہیں۔

اب دونوں جانب سے قرائن سے معلوم کرنا ہوگا کہ یہ واقعہ کب پیش آیا تھا۔[۲]

جمہور کی طرف سے ایک قرینہ:

ایک قرینہ کے طور پر جمہور فرماتے ہیں کہ ذوالیدین کی اس حدیث اور واقعہ کو حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ جب نقل کرتے ہیں تو یوں فرماتے ہیں "**صلی بنا رسول اللہ ﷺ**" ان الفاظ سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ ذوالیدین کے اس واقعہ میں خود موجود تھے اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ ۷ھ میں اسلام لائے ہیں اور نسخ الکلام فی الصلوٰۃ کا حکم بہت پہلے آچکا تھا معلوم ہوا نماز میں ایک حد تک کلام کی اجازت اب بھی ثابت ہے جو اس عام نسخ کے بعد بھی باقی ہے جس میں نسخ پر فقہاء کا اتفاق ہے۔

جواب: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیشک ۷ھ میں اسلام لائے تھے لیکن "**صلی بنا**" کے الفاظ سے یہ یقین کرلینا کہ خود ابوہریرہ اس واقعہ میں موجود تھے یہ صحیح نہیں ہے کیونکہ اس طرح کے الفاظ سے جماعت صحابہ مراد لیا جاسکتا ہے "ای **صلی بالمسلمین**" یعنی مسلمانوں کی جماعت کو نبی اکرم ﷺ نے نماز پڑھائی۔ اس طرح تعبیر حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے دوسرے مقامات میں بھی کی ہے اور کئی راویوں نے اس طرح تعبیر فرمائی ہے۔ حضرت بنوری رحمہ اللہ نے معارف

---

[۱] مسلم: ۱/۲۰۴ [۲] المرقات: ۳/۱۰۳

السنن ج ۳ ص ۵۱۲ میں اس طرح سترہ مثالیں پیش فرمائی ہیں مشہور تابعی حضرت طاؤس رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ''**قدم علینا معاذ بن جبل الخ**'' حالانکہ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ جب یمن آئے تھے تو اس وقت طاؤس پیدا بھی نہیں ہوئے تھے اس تعبیر کی حقیقت اس طرح ہے ''**ای قدم علی قومنا معاذ بن جبل**''[1] اسی طرح یہاں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے ''**صلی بنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم**'' کے الفاظ ہیں۔ اسی طرح نزال بن سعد تابعی کہتے ہیں ''**قال لنا رسول اللہ صلی اللہ وعلیہ وسلم**'' یہاں بھی ''**قال لقومنا**'' ہے کیونکہ نزال تابعی وہاں پر کہاں ہو سکتے تھے۔[2]

اور یہاں زیر بحث حدیث کا معاملہ تو اور بھی پیچیدہ ہے کیونکہ ذو الیدین جنگ بدر میں شہید ہوئے تھے تو ۷ ھ میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ان کی مجلس کا واقعہ کیسے بیان کر سکتے ہیں؟ معلوم ہوا یہ وہی قصہ ہے کہ: ''**صلی بنا ای صلی بجماعة الصحابة**'' طحاوی میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کا قصہ مذکور ہے کہ جب ان کے سامنے ذو الیدین کی یہ حدیث پیش کی گئی تو آپ نے فرمایا ''**کان اسلام ابی ھریرہ رضی اللہ عنہ بعد ما قتل ذو الیدین**'' (ج ۱ ص ۲۰۰)

احناف کی طرف سے پہلا قرینہ

زیر بحث حدیث میں جو کلام فی الصلوٰۃ کی بات ہے جس سے جمہور نے استدلال کیا ہے احناف فرماتے ہیں کہ یہ واقعہ جنگ بدر سے پہلے کا ہے نسخ الکلام فی الصلوٰۃ ہجرت سے کچھ بعد مدینہ منورہ میں ہوا جو جنگ بدر سے پہلے کا واقعہ ہے۔ اس پر احناف کی جانب سے چند قرائن ہیں پہلا قرینہ یہ ہے کہ زیر بحث حدیث میں ذو الیدین کا ذکر ہے اور ذو الیدین جنگ بدر میں شہید ہوگئے تھے معلوم ہوا یہ قصہ جنگ بدر سے پہلے کا ہے اور ذو الیدین کی شہادت پر نسخ الکلام فی الصلوٰۃ مکمل ہوگیا۔

دوسرا قرینہ:

دوسرا قرینہ یہ ہے کہ اس حدیث میں یہ الفاظ ہیں ''**ثم قام الی خشبة معروضة**'' اس سے مراد استن حنانہ ہے اور استن حنانہ جنگ بدر سے پہلے ہٹایا گیا تھا کیونکہ اس پر سب کا اتفاق ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے منبر ۲ ھ میں تیار کیا گیا تھا اور جنگ بدر کا واقعہ ۲ ھ میں پیش آیا تھا معلوم ہوا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا استن حنانہ سے ٹیک لگانا اور ذو الیدین سے کلام کرنا یہ جنگ بدر سے پہلے کا واقعہ ہے اور اسی وقت نسخ الکلام کا حکم آیا تھا۔

تیسرا قرینہ:

احناف کی طرف سے تیسرا قرینہ یہ ہے کہ اس حدیث میں بہت سارے ایسے افعال واعمال واقوال صادر ہوئے ہیں جو جمہور کے نزدیک بھی یقیناً مفسد صلوٰۃ ہیں مثلاً محراب سے ہٹ کر لکڑی سے ٹیک لگانا قبلہ سے رخ پھیرنا حجرہ میں جانا پھر واپس آنا اور مباحثہ کے انداز میں قصداً و عمداً طویل کلام کرنا، اس کی گنجائش صرف اس وقت ہو سکتی ہے جبکہ نماز میں کلام وغیرہ کی بہت وسعت تھی معلوم ہوا یہ نسخ الکلام سے پہلے کا واقعہ ہے بعد کا نہیں ہے۔

---

[1] المرقات: ۳/۹۸ [2] المرقات: ۳/۱۰۳

جمہور کا اعتراض:

جمہور نے احناف کے اس قرینہ پر اعتراض کیا ہے کہ یہ واقعہ بدر سے پہلے کا ہے اور ذوالیدین جنگ بدر میں شہید ہو گئے تھے وہ فرماتے ہیں کہ تم لوگوں کو غلط فہمی ہوگئی ہے کہ جنگ بدر میں ذوالیدین شہید ہو گئے تھے ایسا نہیں ہے جنگ بدر میں جو شہید ہو گئے تھے وہ ذوالشمالین تھے ذوالیدین کا نام خرباق بن عمر تھا اور قبیلہ خزاعہ کا تھا اور ذوالشمالین کا نام عمیر بن عمرو تھا جو قبیلہ بنوسلیم کا تھا ذوالیدین تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانہ تک زندہ رہا اور کلام فی الصلوٰۃ کے جواز کا بیان کرتا رہا۔[1]

احناف کا جواب:

احناف کی طرف سے اس کا جواب یہ ہے کہ ذوالیدین اور ذوالشمالین ایک ہی شخص کا لقب تھا ہوا یوں کہ لوگ اس کو ذوالشمالین کہتے تھے جس میں بدفالی اور بدشگونی تھی تو آنحضرت ﷺ نے ان کو ذوالیدین فرمایا عمیر ان کا نام تھا اور خرباق لقب تھا اور خزاعہ اور سلیم کوئی الگ الگ قبائل نہیں تھے بلکہ بنوسلیم خزاعہ کا بطن اور ذیلی شاخ تھی تو یہ سب نسبتیں صحیح ہیں۔ چنانچہ طبقات ابن سعد میں اس طرح لکھا ہے۔ "ذوالیدین ویقال له ذوالشمالین ایضا" اسی طرح مبرد نے الکامل میں لکھا ہے۔ "ذوالیدین وهو ذوالشمالین کان یسمی بهما جمیعا"۔

مسند بزار اور طبرانی میں ایک حدیث میں دونوں کا ذکر اس طرح آیا ہے۔

"صلی النبی صلی الله علیه وسلم ثلاثا ثم سلم فقال له ذوالشمالین انقصت الصلوٰة؟ قال علیه السلام کذالك یاذالیدین؛ قال نعم"۔

ان روایات سے صاف معلوم ہوا کہ ذوالیدین اور ذوالشمالین ایک شخص کے دو لقب تھے۔ اور جمہور اس کا اقرار کرتے ہیں کہ بدر میں ذوالشمالین شہید ہو گیا تھا تو نتیجہ یہ نکلا کہ وہی ذوالشمالین تو ذوالیدین ہی تھا۔ اور ذوالیدین کی جنگ بدر میں شہادت واقع ہوئی لہٰذا زیر نظر حدیث کا واقعہ بدر سے پہلے کا ہے تو نسخ الکلام فی الصلوٰۃ کا واقعہ بھی پہلے کا ہے تو اس منسوخ روایت سے استدلال کرنا جائز نہیں ہے۔

حدیث ذوالیدین کا دوسرا جواب:

اس حدیث کا احناف نے دوسرا جواب یہ دیا ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے امت کو تعلیم دی ہے کہ اگر کوئی امام نماز میں غلطی کرے تو اس کو لقمہ دیا کرو لیکن لقمہ "سبحان اللہ" کے الفاظ سے دیا کرو اور اگر عورت لقمہ دے تو تصفیق کر کے لقمہ دے یعنی دائیں ہاتھ کی ہتھیلی کو بائیں ہاتھ کی پشت پر مارے، اگر نماز میں اصلاح صلوٰۃ کے لئے کلام کی اجازت باقی ہوتی تو آنحضرت ﷺ کبھی بھی اس کو چھوڑ کر اس طریقہ کی تعلیم نہ دیتے معلوم ہوا کہ حدیث ذوالیدین کا حکم مکمل طور پر منسوخ ہو گیا ہے۔

---

[1] المرقات: ۳/۱۰۰

صاحب مشکوٰۃ کے طرز عمل سے بھی اندازہ ہوتا ہے کہ یہ حکم منسوخ ہوگیا ہے کیونکہ آپ نے اس حدیث کوسہو کے باب میں لاکر اشارہ کردیا کہ کلام فی الصلوٰۃ سہو کے طور پر ہوسکتا ہے قصداً عمداً اور اصلاحاً ممکن نہیں ہے۔

حدیث ذوالیدین کا تیسرا الزامی جواب:

جمہور کو احناف ایک الزامی جواب بھی دیتے ہیں کہ حدیث ذوالیدین پر آپ حضرات کب عمل کر سکتے ہو؟ اس حدیث میں عمداً طویل کلام ہوا ہے سوال وجواب کا مباحثہ ہوا ہے حضور اکرم ﷺ کا رخ قبلہ سے مڑا ہے آپ کافی حد تک چلے ہیں گھر گئے ہیں واپس آگئے ہیں اگر تم اس حدیث سے کلام فی الصلاۃ ثابت کرتے ہو تو پھر نماز میں چلنے پھرنے کو بھی جائز کہدو اور قبلہ سے رخ موڑنے کو بھی جائز کہدو اور نماز میں مناظرہ کرنے کو بھی جائز کہدو مسجد سے باہر جاکر واپس آنے کو بھی جائز کہدو۔ حالانکہ آپ کے ہاں یہ اشیاء جائز نہیں پھر کلام کو کیوں جائز کہتے ہو؟ یوں کہدو کہ ابتداء میں ایسا تھا پھر منسوخ ہوگیا اور مکمل منسوخ ہوگیا کوئی جزئی نسخ نہیں ہے۔

"**فی یدیه طول**" یہ ذوالیدین کو اس لقب سے پکارنے کی وجہ ہے کیونکہ ہر آدمی دو ہاتھوں والا ہوتا ہے مگر اس آدمی کے ہاتھ اور لوگوں سے نسبتاً لمبے تھے اور لمبے ہاتھ وہ ہوتے ہیں کہ جب آدمی سیدھا کھڑا ہو جائے اور ہاتھوں کو نیچے لٹکادے تو جو ہاتھ گھٹنوں سے نیچے جائیں وہ لمبے ہیں اور جو صرف گھٹنوں تک جائیں وہ لمبے نہیں ہیں۔ عام انسانوں کے ہاتھ گھٹنوں کے نیچے نہیں پہنچتے ہیں۔[1]

"**فربما سئلوه ثم سلم**" یعنی ابن سیرین رحمہ اللہ سے بسا اوقات لوگ پوچھتے تھے کہ کیا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے "**ثم سلم**" فرمایا تھا۔

سوال کا مطلب یہ ہوتا تھا کہ آیا سجدہ سہو سلام سے پہلے ہوتا تھا یا بعد میں ہوتا تھا تو ابن سیرین رحمہ اللہ جواب میں فرماتے کہ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں مجھے یہ الفاظ یاد نہیں ہیں البتہ عمران بن حصین نے جب مجھے یہ حدیث سنائی تو اس میں "**ثم سلم**" کے الفاظ تھے میں نے یہاں ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں یہ الفاظ عمران بن حصین کی روایت سے لاکر نقل کردیئے ہیں۔[2]

﴿۵﴾ وعن عَبْدِ اللهِ بْنِ بُحَيْنَةَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلَّى بِهِمِ الظُّهْرَ فَقَامَ فِي الرَّكْعَتَيْنِ الْأُولَيَيْنِ لَمْ يَجْلِسْ فَقَامَ النَّاسُ مَعَهُ حَتَّى إِذَا قَضَى الصَّلَاةَ وَانْتَظَرَ النَّاسُ تَسْلِيمَهُ كَبَّرَ وَهُوَ جَالِسٌ فَسَجَدَ سَجْدَتَيْنِ قَبْلَ أَنْ يُسَلِّمَ ثُمَّ سَلَّمَ. (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)[3]

---

[1] المرقات: ۳/۱۰۰ [2] المرقات: ۳/۱۰۲ [3] اخرجه البخاری: ۱/۲۱۰، ۲/۸۵، ۲/۸۷، ۸/۱۶۰ ومسلم: ۲/۸۳

ترجمہ: اور حضرت عبداللہ ابن بحینہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ (ایک روز) سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کو ظہر کی نماز پڑھائی، اور پہلی دو رکعتیں پڑھ کر (پہلے قعدہ میں بیٹھے بغیر تیسری رکعت کے لئے) کھڑے ہو گئے، دوسرے لوگ بھی آپ کے ساتھ کھڑے ہو گئے، یہاں تک کہ جب نماز پڑھ چکے اور (آخری قعدہ میں) لوگ سلام پھیرنے کے منتظر تھے کہ آپ نے بیٹھے بیٹھے تکبیر کہی اور سلام پھیرنے سے پہلے دو سجدے کئے اور اس کے بعد سلام پھیرا۔" (بخاری و مسلم)

الفصل الثانی

سجدہ سہو کے بعد تشہد پڑھنا چاہئے

﴿۶﴾ عن عِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلّٰى بِهِمْ فَسَهَا فَسَجَدَ سَجْدَتَيْنِ ثُمَّ تَشَهَّدَ ثُمَّ سَلَّمَ. (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ حَسَنٌ غَرِيْبٌ)[1]

ترجمہ: حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم نے (ایک روز) لوگوں کو نماز پڑھائی۔ (درمیان نماز) آپ کو سہو ہو گیا، چنانچہ آپ نے (سلام پھیر کر) دو سجدے کئے اس کے بعد آپ نے التحیات پڑھی اور سلام پھیرا۔" امام ترمذی نے اس حدیث کو نقل کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ حدیث حسن غریب ہے۔

توضیح: "فسھا" اس حدیث میں نماز کا وہ رکن بیان نہیں کیا گیا جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھول گئے تھے صرف بھولنے کا ذکر ہے "تشہد" اس حدیث سے معلوم ہو گیا کہ سجدہ سہو کرنے کے بعد نئے سرے سے التحیات پڑھنا چاہئے اور مکمل تشہد کے بعد سلام پھیرنا چاہئے۔[2]

اب علماء احناف کے نزدیک یہ بحث چلی ہے کہ تشہد کے بعد جو درود اور دعا ہے وہ پہلے تشہد کے ساتھ پڑھنی چاہئے یا دوسرے اور آخری تشہد کے ساتھ ملا کر پڑھنی چاہئے امام کرخی رحمۃ اللہ علیہ اور صاحب ہدایہ نے اس کو پسند کیا ہے کہ سجدہ سہو کے بعد کے تشہد کے ساتھ درود اور دعائیں پڑھی جائیں احناف کا اسی پر عمل ہے بعض احناف نے اول تشہد کے ساتھ پڑھنے کا کہا ہے بعض نے دونوں کے ساتھ پڑھنے کو بہتر اور احوط کہا ہے۔

اگر نمازی نے پہلا قعدہ چھوڑ دیا تو اب کیا کرے؟

﴿۷﴾ وعن الْمُغِيْرَةِ بْنِ شُعْبَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا قَامَ الْإِمَامُ فِي الرَّكْعَتَيْنِ فَإِنْ ذَكَرَ قَبْلَ أَنْ يَسْتَوِيَ قَائِمًا فَلْيَجْلِسْ وَإِنِ اسْتَوٰى قَائِمًا فَلَا يَجْلِسْ وَلْيَسْجُدْ سَجْدَتَيِ السَّهْوِ. (رَوَاهُ أَبُوْ دَاوُدَ وَابْنُ مَاجَه)[3]

[1] اخرجه الترمذی: ۳۹۵ [2] المرقات: ۳/۱۰۷ [3] اخرجه وابوداؤد: ۱۰۳۶ وابن ماجه: ۱۲۰۸

ترجمہ: اور حضرت مغیرہ ابن شعبہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ سرور کونین ﷺ نے فرمایا "جب امام دو رکعت پڑھ کر (پہلے قعدہ میں بیٹھے بغیر تیسری رکعت کے لئے) کھڑا ہو جائے تو اگر سیدھا کھڑا ہونے سے پہلے اسے یاد آ جائے تو اسے چاہئے کہ وہ (قعدہ کے لئے) بیٹھ جائے اور اگر سیدھا کھڑا ہو چکا ہو (اور اس کے بعد اسے یاد آئے) تو وہ (اب) نہ بیٹھے اور (آخری قعدہ میں) سہو کے دو سجدے کر لے۔" (ابوداؤد، ابن ماجہ)

توضیح: "فلا یجلس" یعنی اگر نمازی قعدہ اولی کو چھوڑ کر پورا کھڑا ہو گیا تو اب وہاں سے قعدہ کی طرف واپس آنا منع ہے بلکہ بعض علماء نے کہا ہے کہ نماز ٹوٹ جائے گی کیونکہ یہ شخص قیام کے فرض سے واجب کی طرف منتقل ہو گیا جس سے نماز فاسد ہو جاتی ہے لیکن نور الایضاح اور اس کے حواشی میں لکھا ہے کہ یہ صورت خطرناک تو بہت ہے لیکن اگر کسی نے ایسا کر دیا تو نماز فاسد نہیں ہوگی کیونکہ اس شخص نے قیام کے فرض کو ترک نہیں کیا بلکہ اس میں تاخیر کر دی اور قعدہ کے بعد پھر اسی قیام کی طرف جا کر اسے ادا کر دیگا اور اگر یہ شخص پورا کھڑا نہ ہوا ہو اور اقرب الی القیام بھی نہ ہو بلکہ اقرب الی القعود ہو تو اس کو واپس قعدہ میں لوٹ کر آنا چاہئے اب اقرب الی القیام والقعود کا کیا معیار اور اس کی کیا حد ہے تو علماء نے لکھا ہے کہ مثلاً اٹھنے کے وقت اگر اس شخص کی ٹانگیں بالکل سیدھی نہ ہوئی ہوں تو یہ اقرب الی القعود ہے اس صورت میں کوئی مضائقہ نہیں اپنی نماز مکمل کرلے اور اگر اٹھتے وقت ٹانگیں سیدھی ہو گئیں تو باقی بدن اگرچہ ٹیڑھا ہو یہ شخص اقرب الی القیام ہے اب لوٹنا جائز نہیں ہے اور سجدہ سہو لازم ہے۔ [۱]

الفصل الثالث

﴿۸﴾ عن عِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ أَنَّ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلَّى الْعَصْرَ وَسَلَّمَ فِيْ ثَلَاثِ رَكَعَاتٍ ثُمَّ دَخَلَ مَنْزِلَهُ فَقَامَ إِلَيْهِ رَجُلٌ يُقَالُ لَهُ الْخِرْبَاقُ وَكَانَ فِيْ يَدَيْهِ طُوْلٌ فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللهِ فَذَكَرَ لَهُ صَنِيْعَهُ فَخَرَجَ غَضْبَانَ يَجُرُّ رِدَاءَهُ حَتّٰى إِنْتَهٰى إِلَى النَّاسِ فَقَالَ أَصَدَقَ هٰذَا قَالُوْا نَعَمْ فَصَلّٰى رَكْعَةً ثُمَّ سَلَّمَ ثُمَّ سَجَدَ سَجْدَتَيْنِ ثُمَّ سَلَّمَ. (رَوَاهُ مُسْلِمٌ) [۲]

ترجمہ: حضرت عمران ابن حصین رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ (ایک روز) سرور کونین ﷺ نے عصر کی نماز پڑھائی اور تین رکعتیں پڑھ کر سلام پھیر دیا اور گھر میں تشریف لے گئے۔ ایک شخص نے کہ جس کا نام خرباق تھا اور اس کے ہاتھ کچھ لمبے

[۱] المرقات: ۳/۱۰۶ [۲] اخرجه ومسلم: ۲/۸۷

تھے (یعنی ذوالیدین) کھڑے ہو کر عرض کیا "یا رسول اللہ" اور انہوں نے (یعنی ذوالیدین) نے واقعہ بیان کیا (یعنی تین رکعت پڑھ کر سلام پھیرنے کے بارے میں ذکر کیا یہ سن کر) آنحضرت ﷺ غصہ میں اپنی چادر مبارک کھینچتے ہوئے باہر نکلے اور لوگوں کے پاس (مسجد میں) پہنچے اور فرمایا کہ "کیا ذوالیدین ٹھیک کہہ رہے ہیں؟ صحابہ نے عرض کیا کہ "جی ہاں!" چنانچہ آنحضرت ﷺ نے ایک رکعت پڑھی، پھر سلام پھیرا اور سہو کے دو سجدے کر کے سلام پھیر دیا۔" (مسلم)

﴿۹﴾ وعن عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ عَوْفٍ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ مَنْ صَلّٰى صَلَاةً يَشُكُّ فِي النُّقْصَانِ فَلْيُصَلِّ حَتّٰى يَشُكَّ فِي الزِّيَادَةِ۔ (رَوَاهُ أَحْمَدُ)[1]

ترجمہ: حضرت عبدالرحمن ابن عوف رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے سرورِ کونین ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جس شخص کو نماز پڑھتے ہوئے کمی کا شک ہو جائے تو اسے چاہئے کہ وہ اور پڑھ لے یہاں تک کہ زیادتی کا شک ہو جائے۔" (احمد)

[1] اخرجه احمد: ۱/۱۹۰، ۱/۱۹۵

۳۰ ربیع الثانی ۱۴۱۰ھ

باب سجود القرآن

قرآن کے سجدوں کا بیان

قال اللہ تعالیٰ ﴿واذا قرئ علیهم القرآن لا یسجدون﴾ (سورت انشقاق)[1]

وقال تبارك وتعالیٰ ﴿یاایها الذین آمنوا ارکعوا واسجدوا واعبدوا ربکم﴾ (سورت حج)[2]

قرآن کریم میں چند آیتیں ایسی ہیں کہ ان کے پڑھنے سننے سے سجدہ واجب ہوجاتا ہے اس کو سجدہ تلاوت کہتے ہیں سجود القرآن سے مراد یہی سجدہ تلاوت ہے۔

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اس سجدہ کو واجب قرار دیتے ہیں دیگر ائمہ کے نزدیک سجدہ تلاوت سنت ہے سجدہ تلاوت کرنے میں صرف ایک سجدہ ہے مگر دو تکبیروں کے ساتھ ہے ایک تکبیر جاتے وقت اور دوسری تکبیر سجدہ سے اٹھتے وقت ہے اس سجدہ کے لئے کانوں تک ہاتھ اٹھانے کی ضرورت نہیں ہے اسی طرح تشہد اور سلام کی بھی ضرورت نہیں ہے تکبیر پڑھ کر اٹھنا خود سلام ہے سجدہ تلاوت کے لئے نیت ہوتی ہے مگر آیت کے تعین کی ضرورت نہیں اور جس وقت آیت پڑھ لی اور فوراً سجدہ کیا تو نیت کی بھی ضرورت نہیں ہے سجدہ تلاوت کے لئے باوضو ہونا قبلہ رخ ہونا کپڑوں کا صاف ہونا ستر اور پردہ کا ہونا ضروری ہے جس طرح نماز میں ضروری ہے باقی اختلافات وتفصیلات آگے احادیث کے ضمن میں ان شاء اللہ آئیں گی کیونکہ سجدہ تلاوت میں دو اہم مسئلے ہیں اول یہ کہ سجدات کی تعداد کتنی ہے اس میں ائمہ کا اختلاف ہے دوسرا اہم مسئلہ یہ ہے کہ آیا سجدہ تلاوت سنت ہے یا واجب ہے اس میں بھی فقہاء کا اختلاف ہے دونوں مسئلے آنے والے ہیں انتظار فرمالیجئے۔

الفصل الاول

سورۃ نجم کا تکوینی سجدہ

﴿۱﴾ عن ابنِ عبّاسٍ قال سَجَدَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالنَّجْمِ وَسَجَدَ مَعَهُ الْمُسْلِمُوْنَ وَالْمُشْرِكُوْنَ وَالْجِنُّ وَالْإِنْسُ. (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)[3]

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ ''سرورکونین صلی اللہ علیہ وسلم نے سورۂ نجم میں سجدہ کیا اور آپ کے ساتھ مسلمانوں، مشرکوں جنوں اور سب آدمیوں نے (بھی) سجدہ کیا۔'' (بخاری)

[1] انشقاق: ۲۱ [2] حج: ۷۷ [3] اخرجه البخاری: ۲/۵۱، ۶/۱۷۷

توضیح: "والجن والانس" یعنی حضور اکرم ﷺ نے سورۃ نجم کی سجدہ والی آیت پڑھ لی تو آپ نے سجدہ کیا اور آپ کے ساتھ مسلمانوں نے بھی سجدہ کیا جس سے ثابت ہوا کہ سجدہ تلاوت پڑھنے اور سننے والوں پر یکساں واجب ہو جاتا ہے۔[1]

"**والمشرکون**" یعنی مشرکین اور جن وانس نے بھی سجدہ کیا یعنی بطور تکوین سب کو اللہ تعالیٰ نے سجدہ میں گرادیا اور قرآن کریم کا اعجاز ظاہر ہوگیا یا یوں سمجھیں کہ حضور اکرم ﷺ نے اللہ تعالیٰ کے حکم سے سجدہ کیا مسلمانوں نے اطاعت رسول ﷺ میں سجدہ کیا تمام حاضرین نے سجدہ کیا خواہ وہ جنات میں سے تھے یا انسانوں میں سے تھے جو بھی وہاں حاضر تھے سب نے سجدہ کیا یا ابلیس نے حضور ﷺ کے پڑھنے کے بعد آواز دی "**تلك الغرانیق العلی وان شفعاتھن لترجی**" یہ سن کر کفار خوش ہوئے اور سجدہ میں گر پڑے مگر راجح یہ ہے کہ مشرکین نے جب اللہ تعالیٰ کے نعم باہرہ اور قدرت کاملہ کو دیکھا اور سنا تو ان پر سطوت الٰہی اور عظمت لایزال کا ایسا پرتو پڑا کہ وہ بغیر اختیار کے سجدہ میں گر پڑے باقی غرانیق کا من گھڑت قصہ شان نبوت کے خلاف ہے زنادقہ نے گھڑلیا ہے اور تقریباً تمام قابل اعتماد مفسرین نے اس کو غیر ثابت اور غلط کہا ہے۔[2]

سورۃ انشقاق اور سورۃ علق کے سجدے

﴿۲﴾ وعن أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ سَجَدْنَا مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي إِذَا السَّمَاءُ انْشَقَّتْ وَاقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)[3]

ترجمہ: اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم نے سرور کونین ﷺ کے ساتھ (سورۃ انشقاق یعنی) **اذا السماء انشقت** اور (سورۂ علق یعنی) **اقرأ باسم ربك** میں سجدہ کیا۔" (مسلم)

توضیح: "**فی اذا السماء انشقت**" احادیث سے مختلف سورتوں میں سجدے ثابت ہوئے ہیں لیکن بیان میں تفاوت ہے بعض روایات میں سجدہ کا تعین ایک طرح کا ہے اور بعض روایات میں دوسرے انداز پر ہے اس وجہ سے قرآن عظیم کے سجدوں کی تعداد میں اور سجدوں کے مقامات میں فقہاء کرام کے درمیان تھوڑا سا اختلاف ہے۔[4]

فقہاء کا اختلاف:

امام مالک رحمہ اللہ کے نزدیک مفصلات یعنی سورۃ نجم، سورۃ انشقاق اور سورۃ علق میں سجدہ نہیں ہے لہٰذا ان کے نزدیک سجدوں کی تعداد گیارہ ہے۔

امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک قرآن میں کل سجدے چودہ ہیں لیکن سورۃ کے تعین میں فرق ہے وہ فرماتے ہیں کہ سورۃ "ص" میں سجدہ نہیں ہے اور سورۃ حج میں ایک کے بجائے دو سجدے ہیں تو کل چودہ سجدے ہوئے۔

[1] المرقات: ۳/۱۰۹ [2] المرقات: ۳/۱۰۹ [3] اخرجه مسلم: ۲/۸۹ [4] المرقات: ۳/۱۱۱

امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں قرآن میں کل پندرہ سجدے ہیں وہ سورۃ حج میں شوافع کی طرح دو سجدے مانتے ہیں اور سورۃ ص میں بھی احناف کی طرح سجدہ مانتے ہیں تو پندرہ سجدے ہو گئے۔

احناف کے نزدیک قرآن عظیم میں کل چودہ سجدے ہیں لیکن سورۃ حج میں ایک سجدہ ہے اور سورۃ ص میں بھی سجدہ ہے اس طرح کل چودہ سجدے ہوئے۔ [1]

دلائل:

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت سے استدلال کیا ہے جو مشکوۃ ص ۹۴ پر فصل ثانی کی حدیث نمبر ۱۱ ہے اس کے الفاظ یہ ہیں:

عن ابن عباس رضی اللہ عنہما ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم لم یسجد فی شیء من المفصل منذ تحول الی المدینۃ" (رواہ ابوداؤد)

سورۃ حجرات سے آخر قرآن تک چھوٹی سورتوں کو مفصلات کہتے ہیں لہٰذا امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں تین سجدے کم ہو گئے تو گیارہ رہ گئے۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کی روایت نمبر ۴ سے بھی استدلال کیا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سورۃ نجم میں سجدہ نہیں کیا۔ [2]

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں چودہ سجدے ہیں لیکن سورۃ حج میں دو ہیں اس پر انہوں نے حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ کی حدیث سے استدلال کیا ہے جو مشکوۃ ص ۹۳ پر حدیث نمبر ۷ ہے جس کے چند الفاظ یہ ہیں "**قلت یارسول اللہ فضلت سورت الحج بان فیہا سجدتین قال نعم**" امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ سورۃ ص کے سجدہ کو نہیں مانتے ہیں اس پر ان کی دلیل ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث نمبر ۵ ہے جس میں یہ الفاظ ہیں "**سجدۃ ص لیس من عزائم السجود**"۔

امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کل پندرہ سجدے مانتے ہیں تو ان کی دلیل فصل ثانی کی حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے جس میں واضح طور پر یہ الفاظ موجود ہیں **خمس عشرۃ سجدۃ فی القرآن منہا ثلاث فی المفصل وفی سورت الحج سجدتین"** (ابوداؤد وابن ماجہ) [3]

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ سورۃ ص کا سجدہ بھی مانتے ہیں تو کل پندرہ سجدے ہو گئے اس پر انکی دلیل حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی مجاہد والی روایت نمبر ۵ ہے "**قال مجاہد قلت لابن عباس اسجدۃ فی ص فقرأ الخ**" یعنی سورۃ ص میں سجدہ ہے۔ [4]

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے سورۃ ص کے سجدہ کے ثبوت پر اسی ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث نمبر ۵ سے مجاہد والی روایت سے استدلال کیا ہے اور سورۃ حج میں ایک سجدہ ثابت کرنے پر امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے نقلی اور عقلی دلائل سے استدلال کیا ہے نقلی دلیل حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت ہے جس کو امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ نے سند صحیح کے ساتھ نقل کیا ہے جس کے الفاظ یہ ہیں [5]

---

[1] المرقات: ۲/۱۱۴،۱۱۵ [2] المرقات: ۲/۱۱۵ [3] المرقات: ۲/۱۱۵ [4] المرقات: ۲/۱۱۵ [5] المرقات: ۲/۱۱۳

عن ابن عباس قال فی سجود الحج الاول عزیمة والآخر تعلیم"۔ (طحاوی ج۱ص۲۴۹)
اسی طرح ابوحمزہ نے بھی حضرت ابن عباس سے روایت نقل کی ہے۔
"قال فی الحج سجدة" یعنی سورۃ حج میں ایک سجدہ ہے۔
امام محمد عَلَیہِ الرَّحمَہ نے موطا محمد میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے بارے میں اس طرح روایت نقل فرمائی ہے۔
"کان ابن عباس لایری فی سورة الحج الاسجدة واحدة الاولی" اسی طرح مجاہد کا اثر ہے الفاظ یہ ہیں "السجدة الآخرة فی الحج انماهی موعظة لیست بسجدة"۔
احناف سورۃ حج میں ایک سجدہ کے ثبوت پر عقلی دلیل یوں پیش کرتے ہیں کہ وہاں دو سجدوں کا ذکر بیشک موجود ہے لیکن اس میں دوسرا سجدہ صلوتیہ ہے تلاوتیہ نہیں ہے یعنی وہ نماز والا سجدہ ہے اور اس پر قرینہ بھی ہے کیونکہ اس کے ساتھ وارکعو کا لفظ موجود ہے۔

جواب: امام مالک عَلَیہِ الرَّحمَہ کی دلیل کا جواب جمہور یہ دیتے ہیں کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کی وہ روایت قابل استدلال نہیں ہے امام احمد بن حنبل اور یحییٰ بن معین اور ابوحاتم رحمہم اللہ تعالیٰ نے اس کو ضعیف قرار دیا ہے اس کے مقابلہ میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت قوی تر ہے جس میں مفصلات کے سجدوں کا ثبوت ہے ابن عبدالبر عَلَیہِ الرَّحمَہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت کو منکر کہا ہے۔
یا یہ جواب ہے کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت کے لئے ناسخ ہے۔
امام مالک عَلَیہِ الرَّحمَہ کی دوسری دلیل جو حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کی روایت ہے اس کا جواب یہ ہے کہ فوری طور پر سجدہ نہ کرنا عدم سجدہ کی دلیل نہیں ہے ہوسکتا ہے کہ اس وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی عذر سے سجدہ نہ کیا ہو اور بعد میں کرلیا ہو کیونکہ سجدہ تلاوت میں تاخیر کرنا نہ ممنوع ہے نہ مکروہ ہے۔
امام شافعی عَلَیہِ الرَّحمَہ کی دلیل کا جواب یہ ہے کہ خود حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت کے آخر میں حضرت مجاہد عَلَیہِ الرَّحمَہ کے حوالہ سے سورۃ ص کے سجدہ کا ثبوت اور وجوب مذکور ہے لہٰذا اس روایت کے ابتدائی الفاظ کا مطلب یہ ہے کہ "لیس من عزائم السجود" یعنی فرض نہیں ہے بلکہ واجب ہے یا سنت ہے مگر ثابت ہے لہٰذا اس سے شوافع کا استدلال صحیح نہیں ہے خود حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس باب میں فصل ثالث کی آخری حدیث نمبر ۱۵ سے سورۃ ص کے سجدہ کا ثبوت منقول ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "سجدها داؤد توبة ونسجدها شکرا"۔ اس کے بعد حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے "لیس من عزائم السجود" کے محتمل الفاظ سے ایک ثابت شدہ سجدہ کا انکار کرنا بہت ہی بعید معلوم ہوتا ہے حالانکہ حضرت عمر فاروق وابن عمر رضی اللہ عنہما اس سجدہ کا اہتمام کیا کرتے تھے۔[1]

[1] المرقات: ۳/۱۱۲

کن سورتوں میں سجدے ہیں

قرآن کریم میں پہلا سجدہ سورۃ اعراف میں ہے دوسرا سجدہ سورۃ رعد میں ہے تیسرا سجدہ سورۃ نحل میں ہے چوتھا سجدہ سورۃ بنی اسرائیل میں ہے پانچواں سجدہ سورۃ مریم میں ہے چھٹا سجدہ سورۃ حج کے دوسرے رکوع میں ہے ساتواں سجدہ سورۃ فرقان میں ہے آٹھواں سجدہ سورۃ نمل میں ہے نواں سجدہ الم تنزیل السجدہ میں ہے دسواں سجدہ سورۃ ص میں ہے گیارھواں سجدہ سورۃ حم السجدہ میں ہے بارھواں سجدہ سورۃ نجم میں ہے تیرھواں سجدہ سورۃ انشقاق میں ہے اور چودھواں سجدہ سورۃ علق میں آخری سجدہ ہے۔

فائدہ مہمہ لکل مہمہ:

فقہ کی کتاب نور الایضاح میں لکھا ہے کہ اگر کوئی شخص قرآن عظیم کے تمام سجدات والی آیات ایک نشست میں قبلہ رخ بیٹھ کر پڑھے اور ہر آیت پر سجدہ تلاوت کرے اور پھر اپنی کسی بھی جائز حاجت کے لئے دعا مانگے تو اللہ تعالیٰ اس حاجت کو پورا فرماتے ہیں مجرب ہے۔

فقہاء نے لکھا ہے کہ تلاوت کے دوران سجدہ سے بچنے کے لئے سجدہ والی آیت کا چھوڑنا مکروہ ہے نماز کے دوران اگر تلاوت کا سجدہ آجائے تو سجدہ کرنا چاہئے اگر سجدہ پر قرأت ختم کرلی اور رکوع میں چلا گیا اور رکوع ہی میں سجدہ تلاوت کی بھی نیت کرلی تو ادا ہو جائے گا یا رکوع میں تو نیت نہیں کی بلکہ رکوع سے اٹھ کر سجدہ میں چلا گیا تو اس سجدہ کے ضمن میں تلاوت والا سجدہ بھی ادا ہو جاتا ہے۔[1]

سجدہ تلاوت واجب ہے یا سنت؟

﴿۳﴾ وعن ابْنِ عُمَرَ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقْرَأُ السَّجْدَةَ وَنَحْنُ عِنْدَهُ فَيَسْجُدُ وَنَسْجُدُ مَعَهُ فَنَزْدَحِمُ حَتّٰى مَا يَجِدُ أَحَدُنَا لِجَبْهَتِهٖ مَوْضِعاً يَسْجُدُ عَلَيْهِ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)[2]

ترجمہ: اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ سرور کونین ﷺ سجدہ (کی کوئی آیت) پڑھتے اور ہم آپ کے قریب ہوتے تھے تو جب آنحضرت ﷺ سجدہ کرتے ہم بھی آپ کے ساتھ سجدہ کرتے اور (اس وقت) ہم لوگوں کا اس قدر اژدحام ہوتا تھا کہ ہم میں سے بعض کو تو اپنی پیشانی ٹیک کر سجدہ کرنے کی جگہ بھی نہیں ملتی تھی۔'' (بخاری ومسلم)

توضیح: "ونسجد معه ونزدحم" یعنی بھیڑ کی وجہ سے زمین پر سر رکھنے کی جگہ نہیں ملتی تھی (تو ہم سجدہ کو نہیں چھوڑتے تھے بلکہ ایک دوسرے کی پشت پر سجدہ کرتے تھے) اس روایت سے سجدہ تلاوت کے واجب ہونے کا ثبوت ملتا ہے اس میں بھی فقہاء کا اختلاف ہے کہ آیا سجدہ تلاوت واجب ہے یا سنت ہے۔[3]

[1] نور الایضاح: ۱۱۵ [2] اخرجه البخاری: ۲/۵۱، ۲/۵۳ ومسلم: ۲/۸۸ [3] المرقات: ۳/۱۱۱

فقہاء کا اختلاف:

ائمہ ثلاثہ کے نزدیک سجدہ تلاوت سنت ہے صاحبین بھی جمہور کے ساتھ ہیں امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک سجدہ تلاوت واجب علی التراخی ہے واجب فی الفور نہیں یعنی واجب ہے لیکن تاخیر کے ساتھ ادا کیا جاسکتا ہے۔

دلائل:

ائمہ ثلاثہ اور صاحبین نے ان تمام روایات سے استدلال کیا ہے جن سے معلوم ہوتا ہے کہ بعض اوقات نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سجدہ کی آیت تلاوت فرمائی اور سجدہ نہیں کیا تو سجدہ نہ کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ یہ واجب نہیں چنانچہ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کی روایت نمبر ۴ میں "فلم یسجدھا" کے الفاظ موجود ہیں۔

جمہور کی دوسری دلیل حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا اثر ہے جو ترمذی میں مذکور ہے الفاظ اس طرح ہیں "ان اللہ لم یکتب علینا السجود الا ان نشاء" اس روایت سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سجدہ تلاوت کو فرض یا واجب نہیں سمجھتے تھے۔

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی دلیل صحیح مسلم میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے جس کے الفاظ یہ ہیں۔ [1]

اذا قرء ابن آدم السجدة اعتزل الشیطان یبکی یقول یاویله امر ابن آدم بالسجود فسجد فله الجنة وامرت بالسجود فابیت فلی النار"۔ (مسلم)

اس حدیث میں سجدہ تلاوت کے لئے "امر" کا لفظ آیا ہے یعنی ابن آدم کو سجدہ کا حکم اللہ تعالیٰ نے دیا، یہ وجوب کی دلیل ہے نیز اس روایت میں ترک سجدہ پر آگ کی وعید سنائی گئی جو واجب کے ترک پر ہوسکتی ہے یہ قول اگرچہ شیطان کا ہے لیکن حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب نقل فرمایا اور اس پر سکوت فرمایا تو اب یہ ایک مرفوع مستند حدیث ہے جس سے احناف نے استدلال کیا ہے۔

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی دوسری دلیل زیر بحث روایت ہے جس میں ہے کہ سخت تنگی اور شدید اژدحام کے باوجود صحابہ سجدہ تلاوت کیا کرتے تھے اور اس کو ضروری سمجھتے تھے جو وجوب کی دلیل ہے۔

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی تیسری دلیل قرآن کریم کی سجدہ والی وہ آیات ہیں جن میں امر کے صیغے آئے ہیں اور سجدہ نہ کرنے پر شدید وعید سنائی گئی ہے نیز کفار کا سجدہ سے انکار کرنے پر انکی مذمت بیان کی گئی ہے یا سجدہ کا حکم اس وقت ہوا ہے جب کسی نبی کی توبہ قبول ہوئی ہے یا کسی بڑی نعمت کے شکریہ کے وقت سجدہ کا ذکر آیا ہے اور مسلمانوں کو ان انبیاء کرام کی اتباع اور ان کے نقش قدم پر چلنے کو کہا گیا ہے یہ سب ایسے امور ہیں جس کے نتیجہ میں سجدہ کرنا واجب ہی ہوسکتا ہے نیز اس بات کو بھی دیکھنا چاہئے کہ نماز کتنی اہم عبادت ہے پھر اس میں قیام اور قرأت فرض ہے اس فرض کے دوران اگر سجدہ والی آیت آتی ہے تو شریعت کا حکم ہے کہ فرض کو موقوف کرو اور پہلے سجدہ کرو، یہ اہتمام وانتظام اس بات کی کھلی دلیل ہے کہ سجدہ تلاوت واجب ہے۔

---

[1] رقات: ۳/۱۱۲

جواب: جمہور نے حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کی حدیث سے جو استدلال کیا ہے اس کا جواب یہ ہے کہ اسی سورۃ نجم کے سجدہ کے بارے میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ حضور اکرم ﷺ اور مسلمانوں اور عام انسانوں اور جنات سب نے سجدہ کیا تو حضرت زید رضی اللہ عنہ کی روایت کا مطلب یہ لیا جائے گا کہ فوری طور پر حضور ﷺ نے سجدہ نہیں کیا بعد میں کیا احناف بھی واجب علی الفور کے قائل نہیں بلکہ واجب علی التراخی کے قائل ہیں یا حضور ﷺ نے بیان جواز کے لئے تاخیر کی حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے اثر کے بارے میں احناف فرماتے ہیں کہ مرفوع حدیث کی موجودگی میں اثر کو پیش نہیں کیا جاسکتا ہے اثر میں تاویل اور خصوصی احوال کی کوئی وجہ ہوسکتی ہے اور مسلم کی مرفوع حدیث کے حکم میں کسی تاویل کی گنجائش نہیں ہے۔ [۱]

﴿۴﴾ وعن زَيْدِ بْنِ ثَابِتٍ قَالَ قَرَأْتُ عَلَى رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَالنَّجْمِ فَلَمْ يَسْجُدْ فِيْهَا۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)[۲]

ترجمہ: اور حضرت زید ابن ثابت رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے سرور کونین ﷺ کے سامنے سورۂ نجم کی تلاوت کی اور آپ نے اس میں سجدہ نہیں کیا۔" (بخاری ومسلم)

﴿۵﴾ وعن ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ سَجْدَةُ صٓ لَيْسَ مِنْ عَزَائِمِ السُّجُوْدِ وَقَدْ رَأَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَسْجُدُ فِيْهَا وَفِيْ رِوَايَةٍ قَالَ مُجَاهِدٌ قُلْتُ لِابْنِ عَبَّاسٍ أَأَسْجُدُ فِيْ صٓ فَقَرَأَ وَمِنْ ذُرِّيَّتِهِ دَاوٗدَ وَسُلَيْمَانَ حَتّٰى أَتٰى فَبِهُدَاهُمُ اقْتَدِهْ فَقَالَ نَبِيُّكُمْ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِمَّنْ أُمِرَ أَنْ يَقْتَدِيَ بِهِمْ۔
(رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)[۳]

ترجمہ: اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے بارے میں مروی ہے کہ انہوں نے فرمایا "سورۂ ص کا سجدہ (بہت تاکیدی سجدوں میں سے) نہیں ہے اور میں نے سرور کونین ﷺ کو اس سورۃ میں سجدہ کرتے ہوئے دیکھا ہے۔"
ایک اور روایت میں ہے کہ حضرت مجاہد رحمہ اللہ نے بیان کیا کہ میں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے پوچھا کہ "کیا میں سورۂ ص میں سجدہ کروں۔" حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے یہ آیت ومن ذریته داوٗد و سلیمان سے فبهداهم اقتده تک پڑھی۔ اور فرمایا "تمہارے نبی ﷺ بھی انہی لوگوں میں سے ہیں جنہیں پہلے نبیوں کی اتباع کا حکم تھا۔" (بخاری)

الفصل الثانی

قرآن میں پندرہ سجدوں کا ثبوت

﴿۶﴾ عن عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ قَالَ أَقْرَأَنِيْ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَمْسَ عَشْرَةَ سَجْدَةً فِيْ

[۱] المرقات: ۳/۱۱۲ [۲] اخرجه البخاری: ۲/۵۱ ومسلم: ۲/۸۸ [۳] اخرجه البخاری: ۲/۵۰، ۲/۱۹۶

الْقُرْآنِ مِنْهَا ثَلَاثٌ فِي الْمُفَصَّلِ وَفِي سُورَةِ الْحَجِّ سَجْدَتَيْنِ. (رَوَاهُ أَبُو دَاوُدَ وَابْنُ مَاجَه)[1]

ترجمہ: حضرت عمرو ابن العاص رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ سرور کونین ﷺ نے انہیں (یعنی عمرو ابن العاص کو) قرآن میں پندرہ سجدے پڑھائے ان میں سے تین تو مفصل (سورتوں) میں ہیں اور دو سجدے سورۂ حج میں ہیں۔ (ابوداؤد، ابن ماجہ)

توضیح: یہ حدیث امام احمد رحمہ اللہ کی دلیل ہے اور واضح تر دلیل ہے وہ پندرہ سجدوں کے قائل ہیں۔ احناف نے چند دیگر روایات و آثار کی وجہ سے سورۃ حج میں ایک سجدہ کا قول کیا ہے اگر اس میں دو سجدوں پر عمل ہو جائے تو اختلاف ہی ختم ہو جائے گا اور کیا ہی اچھا ہو جائے گا۔ **فتح الملھم** میں علامہ شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ کا میلان بھی اسی طرف ہے کہ سورۃ حج کا دوسرا سجدہ حدیث سے ثابت ہے بندہ عاجز راقم الحروف نے اس سے پہلے اس پر عمل نہیں کیا آئندہ ان شاء اللہ اس حدیث پر عمل کروں گا اور سورۃ حج کے دونوں سجدوں پر عمل ہوگا۔

مشکوٰۃ کے بعض نسخوں میں **قرأۃ** کی جگہ **"اقرأنی"** ہے یعنی حضور نے مجھے پڑھنے کا حکم دیا اس لفظ کا یہ ایک مطلب ہے بعض شارحین نے یہ مطلب لیا ہے کہ اقرأنی اعلمنی کے معنیٰ میں ہے حضور نے مجھے پندرہ سجدے سمجھائے یہ مطلب زیادہ واضح ہے۔[2]

سورت حج کی فضیلت

﴿۷﴾ وعن عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ قَالَ قُلْتُ يَا رَسُولَ اللهِ فُضِّلَتْ سُورَةُ الْحَجِّ بِأَنَّ فِيهَا سَجْدَتَيْنِ قَالَ نَعَمْ وَمَنْ لَمْ يَسْجُدْهُمَا فَلَا يَقْرَأْهُمَا. (رَوَاهُ أَبُو دَاوُدَ وَالتِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِيثٌ لَيْسَ إِسْنَادُهُ بِالْقَوِيِّ وَفِي الْمَصَابِيحِ فَلَا يَقْرَأْهَا كَمَا فِي شَرْحِ السُّنَّةِ)[3]

ترجمہ: اور حضرت عقبہ ابن عامر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے سرور کونین ﷺ سے عرض کیا یا رسول اللہ! سورۂ حج کو اس لئے فضیلت حاصل ہے کہ اس میں دو سجدے ہیں؟ آپ نے فرمایا ہاں! جو شخص دونوں سجدے نہ کرے تو ان دونوں سجدوں کی آیتوں کو نہ پڑھے۔" (ابوداؤد، ترمذی) اور امام ترمذی نے کہا ہے کہ اس حدیث کی اسناد قوی نہیں اور مصابیح میں (**فلا یقرأھما** کے بجائے) **فلا یقرأھا** ہے۔

﴿۸﴾ وعن ابْنِ عُمَرَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَجَدَ فِي صَلَاةِ الظُّهْرِ ثُمَّ قَامَ فَرَكَعَ فَرَأَوْا أَنَّهُ قَرَأَ تَنْزِيلَ السَّجْدَةِ. (رَوَاهُ أَبُو دَاوُدَ)[4]

[1] اخرجه وابوداؤد: ۱۴۰۱ وابن ماجه: ۱۰۵۷ [2] المرقات: ۳/۱۱۳

[3] اخرجه وابوداؤد: ۱۴۰۲ والترمذی: ۵۷۸ [4] اخرجه وابوداؤد: ۸۰۷

ترجمہ: اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ ایک روز سرور کونین ﷺ نے ظہر کی نماز میں سجدہ کیا اور کھڑے ہوئے پھر رکوع کیا اور لوگوں کا یہ گمان تھا کہ آنحضرت ﷺ نے سورۃ الم تنزیل السجدہ پڑھی ہے۔ (ابوداؤد)

توضیح: "فرکع" یعنی حضور اکرم ﷺ نے سجدہ تلاوت کیا اور جب واپس ہوئے تو پھر فوراً رکوع کیا سورۃ کا باقی حصہ نہیں پڑھا یہ صورت بھی جائز ہے اور یہ صورت زیادہ افضل ہے کہ سورۃ کا بقیہ حصہ پڑھا جائے شاید حضور اکرم ﷺ نے بیان جواز کے لئے ایسا کیا نیز یہ صورت افضل اور اولیٰ تھی کہ حضور سجدہ میں چلے گئے ورنہ قرأت کے خاتمہ پر اگر سجدہ تلاوت کی آیت پڑھی جائے اور رکوع میں سیدھا چلا جائے اور پھر رکوع سے سجدہ میں چلا جائے تو سجدہ تلاوت ادا ہو جائے گا مگر مستقل سجدہ میں جانا افضل ہے حضور ﷺ نے افضل پر عمل کیا، آج کل حرمین شریفین کے ائمہ اسی طرح کرتے ہیں۔ [1]

سجدہ تلاوت قاری اور سامع دونوں پر ہے

﴿۹﴾ وعنه أَنَّهُ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقْرَأُ عَلَيْنَا الْقُرْآنَ فَإِذَا مَرَّ بِالسَّجْدَةِ كَبَّرَ وَسَجَدَ وَسَجَدْنَا مَعَهُ۔ (رواه أبو داؤد) [2]

ترجمہ: اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ سرور کونین ﷺ ہمارے سامنے قرآن کریم پڑھتے اور جب آیت سجدہ کی کسی آیت پر پہنچتے تو تکبیر کہتے اور سجدہ کرتے اور ہم بھی آپ کے ساتھ سجدہ کرتے تھے۔ (ابوداؤد)

توضیح: "کبر" اس سے معلوم ہوا کہ سجدہ تلاوت کے لئے جاتے وقت اللہ اکبر کہنا کافی ہے ہاتھ اٹھانے اور تحریمہ کرنے کی ضرورت نہیں احناف کا مسلک یہی ہے البتہ شوافع حضرات ہاتھ اٹھانے اور تحریمہ کہنے کے بعد اللہ اکبر کہہ کر سجدہ میں جانے کے قائل ہیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ سجدہ تلاوت کے لئے کھڑے ہو کر اللہ اکبر کہنا افضل و مستحب ہے اس حدیث سے یہ معلوم ہو گیا کہ قاری اور سامع دونوں پر سجدہ کرنا واجب ہو جاتا ہے خواہ سننے والا سننے کا ارادہ کرے یا نہ کرے احناف کی یہی رائے ہے۔ [3]

سجدہ تلاوت کی اہمیت

﴿۱۰﴾ وعنه أَنَّهُ قَالَ إِنَّ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَرَأَ عَامَ الْفَتْحِ سَجْدَةً فَسَجَدَ النَّاسُ كُلُّهُمْ مِنْهُمُ الرَّاكِبُ وَالسَّاجِدُ عَلَى الْأَرْضِ حَتّٰى إِنَّ الرَّاكِبَ لَيَسْجُدُ عَلٰى يَدِهٖ۔ (رواه أبو داؤد) [4]

ترجمہ: اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ سرور کونین ﷺ نے فتح مکہ کے سال (کوئی) آیت سجدہ پڑھی چنانچہ تمام لوگوں نے (آنحضرت ﷺ کے ساتھ) سجدۂ تلاوت کیا سجدہ کرنے والوں میں بعض تو سواریوں پر تھے اور بعض زمین پر تھے سواریوں والے اپنے ہاتھ ہی پر سجدہ کرتے تھے۔ (ابوداؤد)

[1] المرقات: ۲/۱۱۶،۱۱۷ [2] اخرجه وابو داؤد: ۱۴۱۳ [3] المرقات: ۲/۱۱۶،۱۱۸ [4] اخرجه وابو داؤد: ۱۴۱۱

مفصلات میں سجدہ نہ کرنے کا مطلب

﴿۱۱﴾ وعن ابنِ عبّاسٍ أنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمْ يَسْجُدْ فِي شَيْءٍ مِنَ الْمُفَصَّلِ مُنْذُ تَحَوَّلَ إِلَى الْمَدِينَةِ۔ (رَوَاهُ أَبُو دَاوُد)[1]

ترجمہ: اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ تشریف لانے کے بعد مفصل کی سورتوں میں سے کسی سورۃ میں سجدہ نہیں کیا۔ (ابوداؤد)

توضیح: اس روایت سے واضح طور پر ثابت ہو رہا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مفصلات میں سجدہ تلاوت نہیں کیا اب اس حدیث کا حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث نمبر ۲ کے ساتھ کھلا تعارض ہے اس میں ہے کہ مفصلات میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سجدہ کیا اور یہاں یہ ہے کہ آپ نے سجدہ نہیں کیا اس تعارض کو دور کرنے کے لئے ایک طریقہ تو کسی ایک حدیث کی ترجیح ہے لہٰذا جمہور نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت کو راجح قرار دیا کیونکہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ ۷ھ میں اسلام لائے تھے ان کا قول و فعل متاخر ہے جو سابقہ حکم کے لئے ناسخ بن سکتا ہے۔[2]
دوسرا طریقہ ترجیح کا یہ ہے کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت قوت وصحت کے اعتبار سے اعلیٰ و اولیٰ ہے لہٰذا راجح ہے ترجیح کا تیسرا طریقہ یہ ہے کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت سے اثبات کا پہلو نکلتا ہے اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت سے نفی کا پہلو نکلتا ہے اور بوقت تعارض اثبات نفی پر مقدم ہوتا ہے کیونکہ اثبات میں کچھ مزید علم ہوتا ہے۔[3]

سجدہ تلاوت کے اندر کی دعا

﴿۱۲﴾ وعن عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ فِي سُجُوْدِ الْقُرْآنِ بِاللَّيْلِ سَجَدَ وَجْهِيَ لِلَّذِيْ خَلَقَهُ وَشَقَّ سَمْعَهُ وَبَصَرَهُ بِحَوْلِهِ وَقُوَّتِهِ۔

(رَوَاهُ أَبُو دَاوُدَ وَالتِّرْمِذِيُّ وَالنَّسَائِيُّ وَقَالَ التِّرْمِذِيُّ هٰذَا حَدِيْثٌ حَسَنٌ صَحِيْحٌ)[4]

ترجمہ: اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم رات کو قرآن کے سجدوں میں یہ تسبیح پڑھتے تھے۔

سَجَدَ وَجْهِيَ لِلَّذِيْ خَلَقَهُ وَشَقَّ سَمْعَهُ وَبَصَرَهُ بِحَوْلِهِ وَقُوَّتِهِ

[1] اخرجه وابوداؤد: ۱۴۰۳ [2] المرقات: ۲/۱۱۹ [3] المرقات: ۲/۱۱۹

[4] اخرجه وابوداؤد: ۱۴۱۴، والترمذی: ۵۸۰، ۳۴۲۵ والنسائی: ۲/۲۲۲

ترجمہ: میرے منہ نے اس ذات کو سجدہ کیا جس نے اسے پیدا کیا اور اپنی قوت وقدرت سے کان اور آنکھیں بنائیں (ابوداؤد، ترمذی، نسائی اور حضرت امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ "یہ حدیث حسن صحیح ہے۔"

ملاحظہ:

جو شخص اس دعا کو پڑھ سکتا ہے تو ٹھیک ہے ورنہ احناف کے ہاں سجدہ تلاوت کے دوران "سبحان ربی الاعلی" کافی شافی ہے۔[1]

عجیب خواب اور عجیب دعا

﴿۱۳﴾ وعن ابن عباس قال جاء رجل الى رسول الله صلى الله عليه وسلم فقال يا رسول الله رأيتني الليلة وانا نائم كأني اصلي خلف شجرة فسجدت فسجدت الشجرة لسجودي فسمعتها تقول اللهم اكتب لي بها عندك اجرا وضع عني بها وزرا واجعلها لي عندك ذخرا وتقبلها مني كما تقبلتها من عبدك داود قال ابن عباس فقرأ النبي صلى الله عليه وسلم سجدة ثم سجد فسمعته وهو يقول مثل ما اخبره الرجل عن قول الشجرة.

(رواه الترمذي وابن ماجه الا انه لم يذكر وتقبلها مني كما تقبلتها من عبدك داود وقال الترمذي هذا حديث غريب)[2]

ترجمہ: اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ ایک روز ایک شخص سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ! میں نے آج رات خواب میں اپنے آپ کو دیکھا کہ گویا ایک درخت کے نیچے میں نماز پڑھ رہا ہوں اور یہ بھی دیکھا کہ جب میں نے سجدۂ تلاوت کیا تو اس درخت نے بھی میرے ساتھ سجدے کے وقت سجدہ کیا تو میں نے یہ سنا کہ وہ درخت یہ دعا پڑھتا تھا۔ اے اللہ! میرے لئے اس سجدے کا ثواب اپنے پاس رکھ اور اس کی وجہ سے میرے گناہ معاف فرما اور اس سجدے کو میرے واسطے ذخیرہ بنا کر اپنے پاس رکھ اور مجھ سے اس سجدہ کو ایسا قبول کر جیسا اپنے بندے داؤد سے قبول کیا ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے (یہ دعا پڑھنے کی غرض سے اسی مجلس میں یا بعد میں) سجدہ کی آیت پڑھ کر سجدۂ تلاوت کیا اور میں نے آپ کو (دعا کے) وہی کلمات کہتے ہوئے سنا جو اس آدمی نے درخت سے نقل کئے تھے (یعنی آپ نے وہی دعا پڑھی) (ترمذی)

اس روایت کو ابن ماجہ نے بھی نقل کیا ہے مگر ان کی روایت میں:

وتقبلها مني كما تقبلتها من عبدك داود

کے الفاظ نہیں ہیں نیز امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ یہ حدیث غریب ہے۔

[1] المرقات: ۳/۱۲۰ [2] اخرجه الترمذی: ۵۷۹، ۳۴۲۴ وابن ماجه: ۱۰۵۳

الفصل الثالث

بدبخت بدبخت ہی ہوتا ہے

﴿۱۴﴾ عن ابنِ مسعودٍ أنَّ النبيَّ صلَّى اللهُ عليهِ وسلَّمَ قرأَ والنَّجمِ فسجدَ فيها وسجدَ مَن كانَ معهُ غيرَ أنَّ شيخاً مِن قريشٍ أخذَ كفّاً مِن حصاً أو ترابٍ فرفعهُ إلى جبهتِهِ وقالَ يكفيني هذا قالَ عبدُ اللهِ فلقد رأيتُهُ بعدُ قُتِلَ كافراً۔ (متفقٌ عليهِ وزادَ البخاريُّ في روايةٍ وهوَ أميّةُ بنُ خلفٍ) [1]

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ سرور کونین ﷺ نے ایک روز سورۂ والنجم کی تلاوت فرمائی اور اس میں سجدہ کیا آپ کے پاس جولوگ تھے انہوں نے بھی سجدہ کیا۔ مگر قریش کے ایک بوڑھے نے کنکریاں یا ”ڑ“ کی ایک مٹھی لے کر اپنی پیشانی پر لگالی اور بولا کہ میرے لئے یہی کافی ہے۔“ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے اس واقعہ کے بعد دیکھا کہ وہ شخص کفر کی حالت میں مارا گیا۔“ (بخاری ومسلم)

اور بخاری نے ایک روایت میں یہ الفاظ بھی نقل کئے ہیں کہ ”وہ بوڑھا امیہ بن خلف تھا۔“

سورۂ ”ص“ کا سجدہ ثابت ہے

﴿۱۵﴾ وعن ابنِ عبّاسٍ قالَ إنَّ النبيَّ صلَّى اللهُ عليهِ وسلَّمَ سجدَ في (ص) وقالَ سجدَها داودُ توبةً ونسجدُها شكراً۔ (رواهُ النَّسائيُّ) [2]

ترجمہ: اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ سرور کونین ﷺ نے سورۂ ص میں سجدہ کیا اور فرمایا کہ حضرت داؤد علیہ السلام نے سورۂ ص کا یہ سجدہ توبہ کی قبولیت کے لئے کیا تھا (جس کی تفصیل سورۂ ص میں مذکور ہے) اور ہم یہ سجدہ (ان کی توبہ کی قبولیت پر) شکر گذاری کے لئے کرتے ہیں۔“ (نسائی)

---

[1] اخرجه البخاري: ۲/۵۰، ۵/۵۷، ۵/۹۶ ومسلم: ۲/۸۸ [2] اخرجه النسائي: ۲/۱۵۹

باب اوقات النہی
ای الاوقات التی کرہ فیہا الصلوٰۃ

ممنوع اوقات کا بیان

احادیث مقدسہ میں جن اوقات میں نماز پڑھنے سے روکا گیا ہے وہ کل پانچ اوقات ہیں لیکن دو کی حیثیت الگ نوعیت کی ہے اور تین کی حیثیت الگ نوعیت کی ہے سمجھنے کی سہولت کی غرض سے میں اول الذکر دو وقتوں کو قسم اول کے نام سے اور ثانی الذکر تین وقتوں کو قسم ثانی کے نام سے یاد کروں گا۔

چنانچہ قسم اول کے دو وقت یہ ہیں ① عصر کی نماز پڑھنے کے بعد سے غروب آفتاب تک ② فجر کی نماز پڑھ لینے کے بعد سے طلوع آفتاب تک۔

قسم ثانی کے تین وقت یہ ہیں ① ابتداء طلوع آفتاب سے لیکر سورج کے زرد رہنے تک وقت مکروہ ہے جب زردی ختم ہوجائے اور سورج میں تیزی آجائے تو پھر مکروہ وقت نہیں رہے گا۔ ② نصف النہار کا وقت مکروہ ہے ③ عصر کے وقت آفتاب زرد ہونے سے لیکر غروب آفتاب تک وقت مکروہ ہے۔ مختصر الفاظ میں اس کو طلوع آفتاب غروب آفتاب اور استواء الشمس کے نام سے یاد کرتے ہیں۔

قسم اول کے دو وقتوں میں نماز پڑھنے سے ممانعت اور روکنے والی احادیث متواتر ہیں جرح وتعدیل کے علماء اور محدثین نے ان کے متواتر ہونے کی تصریح کی ہے۔ (معارف السنن)

قسم ثانی کے اوقات میں نہی اور ممانعت کی احادیث صحیح تو ہیں لیکن متواتر نہیں ہیں۔

ممنوعہ اوقات میں نماز پڑھنے کا حکم

شوافع وحنابلہ کے نزدیک قسم اول اور قسم ثانی کے اوقات کا حکم ایک جیسا ہے کوئی فرق نہیں ہے وہ حکم یہ ہے کہ ان اوقات میں فرائض مطلقاً جائز ہیں اور نوافل ذوات السبب بھی جائز ہیں البتہ نوافل غیر ذوات السبب جائز نہیں ہیں۔ نوافل ذوات السبب وہ ہیں جن کے لئے سبب جدید پیدا ہوا ہو مثلاً تحیۃ المسجد، تحیۃ الوضوء، صلوٰۃ الکسوف اور صلوٰۃ استسقاء یہ سب نوافل جدید سبب کے پیدا ہونے کی وجہ سے پڑھی جاتی ہیں۔ جن نوافل کے لئے کوئی جدید سبب یا جدید باعث یا کوئی علت اور وجہ نہ ہو وہ غیر ذوات السبب ہیں ان کا پڑھنا ان ممنوعہ اوقات میں جائز نہیں ہے۔

مالکیہ حضرات کے نزدیک ان ممنوعہ اوقات میں فرائض پڑھنا جائز ہے لیکن نوافل پڑھنا جائز نہیں ہے۔

ائمہ احناف نے ان مکروہ اوقات کے دونوں قسموں میں فرق کیا ہے ان کے نزدیک قسم اول میں فرائض جائز ہیں نوافل جائز نہیں ہیں۔

اور قسم ثانی میں تینوں اوقات میں نہ نوافل جائز ہیں نہ فرائض جائز ہیں اور کسی قسم کی کوئی نماز جائز نہیں اور اگر کوئی شخص ان اوقات میں نفل پڑھے گا تو کراہت تحریمیہ کے ساتھ ادا ہوگی بلکہ نفل میں شروع کرنے کے بعد بہتر یہ ہے کہ اس کو توڑ دے اور دوسرے وقت میں اس کی قضاء کرے اور اگر کوئی شخص ان تین اوقات میں کوئی فرض یا واجب پڑھے گا تو وہ باطل ہوجائے گا۔ ہاں چند چیزیں اس کے حکم سے مستثنیٰ ہیں ① غروب آفتاب کے وقت اسی دن کے عصر کی نماز اگر رہ گئی ہے تو وہ پڑھ سکتا ہے ② اگر ان اوقات میں جنازہ سر پر آگیا تو پڑھا جاسکتا ہے ③ اگر ان اوقات میں سجدہ تلاوت لازم ہوگیا تو اس کو ادا کیا جاسکتا ہے۔

وجہ فرق:

حنفیہ نے قسم اول اور قسم ثانی کے اوقات میں جو فرق کیا ہے اس فرق کی وجہ یہ ہے کہ قسم ثانی کے تینوں اوقات میں نماز پڑھنے سے نہی کی علت ان اوقات میں نقص اور خامی کا وجود ہے کہ یہ اوقات ناقص ہیں ان کی ذات میں خامی ہے لہٰذا اس میں ہر قسم کی نماز وغیرہ جائز نہیں لیکن قسم اول کے دو اوقات میں ذاتی نقص اور خامی نہیں ہے بلکہ کسی خارجی وجہ سے اس میں ممانعت آئی ہے۔ اور وہ خارجی وجہ یہ ہے کہ یہ دونوں اوقات بہت افضل و اعلیٰ ہیں اس لئے شریعت نے ان کو فرائض کے ساتھ مختص کردیا ہے تاکہ یہ دونوں وقت مشغول بحق الفرض رہیں اور نوافل کی اس میں دخل مداخلت نہ ہو اس لئے نوافل جائز نہیں فرائض جائز ہیں اس تفصیل اور قواعد سے مکروہ اوقات کے اکثر مسائل حل ہوجائیں گے۔

الفصل الاول

﴿۱﴾ وعن ابنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لاَ يَتَحَرّٰى أَحَدُكُمْ فَيُصَلِّيْ عِنْدَ طُلُوْعِ الشَّمْسِ وَلاَ عِنْدَ غُرُوْبِهَا وَفِيْ رِوَايَةٍ قَالَ إِذَا طَلَعَ حَاجِبُ الشَّمْسِ فَدَعُوا الصَّلاَةَ حَتّٰى تَبْرُزَ وَإِذَا غَابَ حَاجِبُ الشَّمْسِ فَدَعُوا الصَّلاَةَ حَتّٰى تَغِيْبَ وَلاَ تَحَيَّنُوْا بِصَلَاتِكُمْ طُلُوْعَ الشَّمْسِ وَلاَ غُرُوْبَهَا فَإِنَّهَا تَطْلُعُ بَيْنَ قَرْنَيِ الشَّيْطَانِ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)[۱]

ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما راوی ہیں کہ سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "تم میں سے کوئی شخص آفتاب کے نکلنے اور ڈوبنے کے وقت نماز پڑھنے کا قصد نہ کرے۔

ایک اور روایت کے الفاظ یہ ہیں کہ (آپ نے فرمایا) "جب سورج کا کنارہ نکل آئے تو نماز چھوڑ دو یہاں تک کہ سورج خوب ظاہر

[۱] اخرجه البخاري: ۱/۱۵۲ ومسلم: ۲/۲۰۷

ہوجائے یعنی (ایک نیزہ کے بقدر بلند ہوجائے) نیز جب سورج کا کنارہ ڈوب جائے تو مطلقاً کوئی بھی نماز خواہ فرض ہو یا نفل چھوڑ دو یہاں تک کہ وہ بالکل غروب ہوجائے اور آفتاب کے طلوع ہونے وغروب ہونے کے وقت نماز پڑھنے کا ارادہ نہ کرو اس لئے کہ سورج شیطان کے دونوں سینگوں کے درمیان طلوع ہوتا ہے۔ (بخاری ومسلم)

توضیح: "ولاتحینوا" تحین حین سے ہے وقت مقرر کرنے کے معنی میں ہے قصد کے معنی میں بھی آتا ہے اور اس لفظ کا معنی انتظار بھی ہے تمام معانی یہاں درست ہیں۔ [1]

"قرنی الشیطان" اس جملہ کے دو مفہوم ہیں اول مفہوم یہ کہ شیطان کی عبادت براہ راست تو کوئی انسان نہیں کرتا اور شیطان اپنی پوجا کرانا چاہتا ہے تو سورج کے طلوع اور غروب اور استواء الشمس کے وقت آفتاب پرست سورج کو پوجتے ہیں تو شیطان جا کر طلوع کے وقت سورج کے سامنے پشت کر کے کھڑا ہوجاتا ہے اور سورج کو پوجتے ہیں تو سورج شیطان کے کندھوں اور گردن دونوں جانبوں پر طلوع ہوتا ہے جب آفتاب پرست سورج کو پوجتے ہیں تو شیطان خوش ہوتا ہے کہ میری عبادت ہورہی ہے یہی کام ابلیس خبیث دوپہر میں استواء الشمس کے وقت کرتا ہے اور یہی کام وہ غروب آفتاب کے وقت کرتا ہے اسی لئے شریعت نے ان اوقات میں سجدہ سے روکا ہے تاکہ عُباد شیطان سے مشابہت نہ آئے اس جملہ کا دوسرا مطلب یہ ہے کہ آفتاب پرست مشرکوں کو شیطان کہدیا گیا ہے کہ یہ شیطان لوگ ان تین اوقات میں سورج کی پوجا کرتے ہیں اس لئے تم ان اوقات میں سجدہ نہ کرو تاکہ ان مشرکوں سے مشابہت نہ آئے۔ [2]

افسوس کا مقام ہے کہ آج کل بعض عرب شیوخ اور سلفی کہلانے والے مُستعرب ومُتعرب بالکل انہیں اوقات میں اٹھ کر دو رکعت نفل پڑھنے لگ جاتے ہیں اور بخاری اور مسلم کی صحیح حدیثوں کی مخالفت کرتے ہیں انصاف تو یہ ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے ممنوعہ اوقات کا اعلان جن لوگوں کے لئے ارشاد فرمایا تھا وہ صرف عجم کے لئے نہیں تھا بلکہ آنحضرت ﷺ جہاں تھے وہاں کے لوگوں کے لئے براہ راست اعلان تھا اور دیگر لوگوں کے لئے بالواسطہ تھا اب عرب کہتے ہیں کہ یہ حکم ہمارے لئے نہیں ہے دوسروں کے لئے ہے، یہ عجیب بات ہے۔

مکروہہ ممنوعہ اوقات میں نماز جنازہ نہ پڑھو

﴿۲﴾ وعن عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ قَالَ ثَلَاثُ سَاعَاتٍ كَانَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَنْهَانَا أَنْ نُصَلِّيَ فِيْهِنَّ أَوْ نَقْبُرَ فِيْهِنَّ مَوْتَانَا حِيْنَ تَطْلُعُ الشَّمْسُ بَازِغَةً حَتّٰى تَرْتَفِعَ وَحِيْنَ يَقُوْمُ قَائِمُ الظَّهِيْرَةِ حَتّٰى تَمِيْلَ الشَّمْسُ وَحِيْنَ تَضَيَّفُ الشَّمْسُ لِلْغُرُوْبِ حَتّٰى تَغْرُبَ. (رَوَاهُ مُسْلِمٌ) [3]

ترجمہ: اور حضرت عقبہ ابن عامر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ سرور کونین ﷺ تین وقتوں میں نماز پڑھنے اور اپنے مردوں کو دفن کرنے سے منع فرماتے تھے۔ اول آفتاب نکلنے کے وقت یہاں تک کہ بلند ہوجائے، دوسرے دوپہر کا سایہ قائم ہونے (یعنی

[1] المرقات: ۳/۱۲۴ [2] المرقات: ۳/۱۲۵ [3] اخرجه ومسلم: ۲/۲۰۸

نصف النہار) کے وقت یہاں تک کہ آفتاب ڈھل جائے اور تیسرے اس وقت جب کہ آفتاب ڈوبنے لگے یہاں تک کہ غروب ہوجائے۔'' (مسلم)

توضیح: ''نقبر فیھن'' یعنی تین ایسے ممنوعہ مکروہ اوقات ہیں کہ حضور اکرم ﷺ نے ہمیں اس میں نماز پڑھنے سے روکا ہے بلکہ جنازہ پڑھنے سے بھی روکا ہے۔ ایک طلوع آفتاب کا وقت ہے دوسرا نصف النہار کا وقت ہے اور تیسرا غروب آفتاب کا وقت ہے۔[1]

''**نقبر**'' قبر میں دفنانے کو کہتے ہیں لیکن یہاں **نقبر** ''**نصلی**'' کے معنی میں ہے جس سے مراد جنازہ کی نماز ہے کہ اس کو مکروہ وقت میں نہ پڑھو افضل اور اولی یہی ہے کہ مکروہ اوقات میں جنازہ نہ ہو ہاں اگر انہی مکروہ اوقات ہی میں میت لائی گئی تو اس کی نماز جنازہ پڑھائی جاسکتی ہے۔[2]

''**تضیف**'' ضیف اضافت سے ہے مائل ہونے کے معنی میں ہے سورج کا ڈھلنا مراد ہے۔[3]

فجر وعصر کے بعد کوئی نماز درست نہیں

﴿۳﴾ وعن اَبِي سَعِيْدٍ الْخُدْرِيِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لاَ صَلاَةَ بَعْدَ الصُّبْحِ حَتّٰى تَرْتَفِعَ الشَّمْسُ وَلاَ صَلاَةَ بَعْدَ الْعَصْرِ حَتّٰى تَغِيْبَ الشَّمْسُ. (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)[4]

ترجمہ: اور حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ سرور کونین ﷺ نے فرمایا ''صبح (کی نماز) کے بعد اس وقت تک کہ (بقدر نیزہ) آفتاب بلند نہ ہوجائے کوئی نماز نہیں اور عصر کی نماز کے بعد اس وقت تک کہ آفتاب چھپ نہ جائے کوئی نماز نہیں۔'' (مسلم)

مکروہ اوقات میں ہرگز نماز نہ پڑھو

﴿٤﴾ وعن عَمْرِو بْنِ عَبَسَةَ قَالَ قَدِمَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْمَدِيْنَةَ فَقَدِمْتُ الْمَدِيْنَةَ فَدَخَلْتُ عَلَيْهِ فَقُلْتُ أَخْبِرْنِيْ عَنِ الصَّلاَةِ فَقَالَ صَلِّ صَلاَةَ الصُّبْحِ ثُمَّ أَقْصِرْ عَنِ الصَّلاَةِ حِيْنَ تَطْلُعُ الشَّمْسُ حَتّٰى تَرْتَفِعَ فَإِنَّهَا تَطْلُعُ حِيْنَ تَطْلُعُ بَيْنَ قَرْنَيِ الشَّيْطَانِ وَحِيْنَئِذٍ يَسْجُدُ لَهَا الْكُفَّارُ ثُمَّ صَلِّ فَإِنَّ الصَّلاَةَ مَشْهُوْدَةٌ مَحْضُوْرَةٌ حَتّٰى يَسْتَقِلَّ الظِّلُّ بِالرُّمْحِ ثُمَّ أَقْصِرْ عَنِ الصَّلاَةِ فَإِنَّهُ حِيْنَئِذٍ تُسَجَّرُ جَهَنَّمُ فَإِذَا أَقْبَلَ الْفَيْءُ فَصَلِّ فَإِنَّ الصَّلاَةَ مَشْهُوْدَةٌ مَحْضُوْرَةٌ حَتّٰى تُصَلِّيَ الْعَصْرَ ثُمَّ أَقْصِرْ عَنِ الصَّلاَةِ حَتّٰى تَغْرُبَ الشَّمْسُ فَإِنَّهَا تَغْرُبُ بَيْنَ قَرْنَيِ الشَّيْطَانِ وَحِيْنَئِذٍ يَسْجُدُ لَهَا

[1] المرقات: ۲/۱۲۵ [2] المرقات: ۳/۱۲۵ [3] المرقات: ۲/۱۲۶ [4] اخرجه البخاری: ۱/۱۵۲ ومسلم: ۲/۲۰۷

الْكُفَّارُ قَالَ قُلْتُ يَا نَبِيَّ اللهِ فَالْوُضُوْءَ حَدِّثْنِيْ عَنْهُ قَالَ مَا مِنْكُمْ رَجُلٌ يُقَرِّبُ وَضُوْءَهُ فَيُمَضْمِضُ وَيَسْتَنْشِقُ فَيَسْتَنْثِرُ إِلَّا خَرَّتْ خَطَايَا وَجْهِهِ وَفِيْهِ وَخَيَاشِيْمِهِ ثُمَّ إِذَا غَسَلَ وَجْهَهُ كَمَا أَمَرَ اللهُ إِلَّا خَرَّتْ خَطَايَا وَجْهِهِ مِنْ أَطْرَافِ لِحْيَتِهِ مَعَ الْمَاءِ ثُمَّ يَغْسِلُ يَدَيْهِ إِلَى الْمِرْفَقَيْنِ إِلَّا خَرَّتْ خَطَايَا يَدَيْهِ مِنْ أَنَامِلِهِ مَعَ الْمَاءِ ثُمَّ يَمْسَحُ رَأْسَهُ إِلَّا خَرَّتْ خَطَايَا رَأْسِهِ مِنْ أَطْرَافِ شَعْرِهِ مَعَ الْمَاءِ ثُمَّ يَغْسِلُ قَدَمَيْهِ إِلَى الْكَعْبَيْنِ إِلَّا خَرَّتْ خَطَايَا رِجْلَيْهِ مِنْ أَنَامِلِهِ مَعَ الْمَاءِ فَإِنْ هُوَ قَامَ فَصَلَّى فَحَمِدَ اللهَ وَأَثْنٰى عَلَيْهِ وَمَجَّدَهُ بِالَّذِيْ هُوَ لَهُ أَهْلٌ وَفَرَّغَ قَلْبَهُ لِلّٰهِ إِلَّا انْصَرَفَ مِنْ خَطِيْئَتِهِ كَهَيْئَتِهِ يَوْمَ وَلَدَتْهُ أُمُّهُ. (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)[1]

ترجمہ: اور حضرت عمرو ابن عبسہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ سرور کونین ﷺ مدینہ تشریف لائے تو میں بھی مدینہ آیا اور آپ کی خدمت اقدس میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ یارسول اللہ! مجھے نماز کے اوقات بتا دیجئے۔ آپ نے فرمایا ''صبح کی نماز پڑھو اور پھر نماز سے رک جاؤ جب تک کہ آفتاب طلوع ہو کر بلند نہ ہو جائے اس لئے کہ جب آفتاب طلوع ہوتا ہے تو شیطان کے دونوں سینگوں کے درمیان نکلتا ہے اور اس وقت کافر (یعنی سورج کو پوجنے والے) اس کو سجدہ کرتے ہیں پھر (اشراق کی) نماز پڑھو کیونکہ اس وقت کی نماز مشہودہ ہے (یعنی فرشتے نماز کی گواہی دیتے ہیں) اور اس میں فرشتے حاضر ہوتے ہیں یہاں تک کہ (جب) سایہ نیزہ پر چڑھ جائے اور زمین پر نہ پڑے (یعنی ٹھیک دوپہر ہو جائے) تو نماز سے رک جاؤ کیونکہ اس وقت دوزخ جھونکی جاتی ہے، پھر جب سایہ ڈھل جائے تو (ظہر کے فرض اور جو چاہو نفل) نماز پڑھو کیونکہ یہ وقت فرشتوں کی شہادت دینے اور حاضری کا ہے یہاں تک کہ تم عصر کی نماز پڑھ لو پھر نماز سے رک جاؤ یہاں تک کہ آفتاب غروب ہو جائے کیونکہ آفتاب شیطان کے دونوں سینگوں کے درمیان غروب ہوتا ہے اور اس وقت کفار (یعنی آفتاب کو پوجنے والے) اس کی طرف سجدہ کرتے ہیں۔''

حضرت عمرو ابن عبسہ فرماتے ہیں کہ میں نے (پھر) عرض کیا کہ یارسول اللہ! وضو (کی فضیلت) کے متعلق (بھی) بتا دیجئے! آپ نے فرمایا ''تم میں سے جو شخص وضو کا پانی لے اور (نیت کرنے، بسم اللہ پڑھنے اور دونوں ہاتھوں کو پہنچوں تک دھونے کے بعد) کلی کرے اور ناک میں پانی دے کر اس کو جھاڑ دے تو اس کے چہرے (کے اندر) کے منہ کے اور ناک کے نتھنوں کے (صغیرہ) گناہ جھڑ جاتے ہیں پھر جب وہ اپنے چہرے کو خدا کے حکم کے مطابق دھوتا ہے تو اس کے چہرے کے گناہ اس کی داڑھی کے کناروں سے پانی کے ساتھ گر جاتے ہیں اور جب وہ اپنے دونوں ہاتھ کہنیوں تک دھوتا ہے تو اس کے دونوں ہاتھوں کے گناہ اس کی انگلیوں کے سروں سے پانی کے ساتھ گر جاتے ہیں، پھر جب وہ اپنے سر کا مسح کرتا ہے تو اس کے سر کے گناہ اس کے بالوں کے کناروں سے پانی کے ساتھ گر جاتے ہیں اور جب وہ اپنے دونوں پاؤں ٹخنوں تک دھوتا ہے تو اس کے دونوں پیروں کے گناہ اس کی انگلیوں کے

[1] اخرجه

سروں سے پانی کے ساتھ گر جاتے ہیں اور پھر (وضو سے فارغ ہو کر) جب وہ کھڑا ہوتا ہے اور نماز پڑھتا ہے نیز (نماز کے بعد) اللہ کی تعریف کرتا ہے اور ثنا بیان کرتا ہے (یعنی ذکر اللہ بہت زیادہ کرتا ہے) اور اسے اس بزرگی کے ساتھ جس کا وہ لائق ہے یاد کرتا ہے اور اپنے دل کو اللہ کے لئے فارغ یعنی اس کی طرف متوجہ کرتا ہے تو وہ (نماز کے بعد) گناہوں سے ایسا پاک ہو کر لوٹتا ہے گویا اس کی ماں نے اسے آج ہی جنا ہے۔'' (مسلم)

حضور اکرم ﷺ عصر کی نماز کے بعد دوگانہ کیوں پڑھتے تھے؟

﴿۵﴾ وعن كُرَيْبٍ أَنَّ ابْنَ عَبَّاسٍ وَالْمِسْوَرَ بْنَ مَخْرَمَةَ وَعَبْدَالرَّحْمٰنِ بْنَ الْأَزْهَرِ أَرْسَلُوْهُ إِلٰى عَائِشَةَ فَقَالُوْا اقْرَأْ عَلَيْهَا السَّلَامَ وَسَلْهَا عَنِ الرَّكْعَتَيْنِ بَعْدَ الْعَصْرِ قَالَ فَدَخَلْتُ عَلٰى عَائِشَةَ فَبَلَّغْتُهَا مَا أَرْسَلُوْنِيْ فَقَالَتْ سَلْ أُمَّ سَلَمَةَ فَخَرَجْتُ إِلَيْهِمْ فَرَدُّوْنِيْ إِلٰى أُمِّ سَلَمَةَ فَقَالَتْ أُمُّ سَلَمَةَ سَمِعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَنْهٰى عَنْهُمَا ثُمَّ رَأَيْتُهُ يُصَلِّيْهِمَا ثُمَّ دَخَلَ فَأَرْسَلْتُ إِلَيْهِ الْجَارِيَةَ فَقُلْتُ قُوْلِيْ لَهُ تَقُوْلُ أُمُّ سَلَمَةَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ سَمِعْتُكَ تَنْهٰى عَنْ هَاتَيْنِ وَأَرَاكَ تُصَلِّيْهِمَا قَالَ يَا ابْنَةَ أَبِيْ أُمَيَّةَ سَأَلْتِ عَنِ الرَّكْعَتَيْنِ بَعْدَ الْعَصْرِ وَإِنَّهُ أَتَانِيْ نَاسٌ مِنْ عَبْدِ الْقَيْسِ فَشَغَلُوْنِيْ عَنِ الرَّكْعَتَيْنِ اللَّتَيْنِ بَعْدَ الظُّهْرِ فَهُمَا هَاتَانِ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)[1]

ترجمہ: اور حضرت کریب رضی اللہ عنہ (حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے خادم) راوی ہیں کہ حضرت ابن عباس، مسور ابن مخرمہ اور عبدالرحمن ابن ازہر رضی اللہ عنہم نے انہیں (یعنی کریب کو) حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی خدمت میں بھیجا اور ان سے ان تینوں نے کہا کہ (ہماری طرف سے) حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی خدمت میں سلام پیش کر کے ان سے عصر کے بعد دو رکعت نماز کے بارے میں پوچھنا۔ کریب کہتے ہیں کہ ''میں حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی خدمت میں حاضر ہوا اور ان تینوں نے جس پیغام کو پہنچانے کے لئے مجھے بھیجا تھا میں نے وہ پیغام ان تک پہنچا دیا۔'' حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا کہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا (کے پاس جاؤ اور ان) سے پوچھو۔'' میں (یہ جواب سن کر) ان تینوں صحابہ کے پاس واپس لوٹ آیا، انہوں نے مجھے (پھر) حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس بھیجا، حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے (میرا سوال سن کر) فرمایا کہ ''میں نے سرور کونین ﷺ سے سنا کہ آپ ان دونوں رکعتوں (کے پڑھنے) سے منع فرمایا کرتے تھے۔ پھر میں نے (ایک دن) دیکھا کہ آپ ان دونوں رکعتوں کو پڑھتے ہیں۔ جب آپ ان دونوں رکعتوں کو مسجد میں پڑھ کر گھر میں یا باہر صحن میں پڑھ کر مکان کے اندرونی حصہ میں داخل ہوئے تو میں نے خادمہ کو آپ کی خدمت میں بھیجا اور اس سے کہا کہ تم آنحضرت ﷺ سے جا کر کہو کہ ''ام سلمہ کہتی ہے کہ یا رسول اللہ میں نے آپ سے سنا کہ آپ ان دونوں رکعتوں (کے پڑھنے) سے منع فرماتے تھے اور (اب) میں

[1] اخرجہ البخاری: ۲/۸۷، ۲/۲۱۳، ۵/۲۱۳ ومسلم: ۲/۲۱۰

نے آپ کو وہ دو رکعتیں پڑھتے ہوئے دیکھا ہے (اس کی کیا وجہ ہے؟) آنحضرت ﷺ نے (خادمہ سے) کہا (کہ ام سلمہ سے جا کر کہو کہ) ابی امیہ کی بیٹی! تم نے عصر کے بعد دو رکعتوں کے (پڑھنے کے) بارے میں پوچھا ہے۔ صورت حال یہ ہے کہ قبیلہ عبدالقیس کے کچھ لوگ (اسلامی تعلیمات اور دینی احکام سیکھنے کی غرض سے) میرے پاس آئے تھے چنانچہ (انہیں دینی احکامات بتانے کی مشغولیت میں) ظہر کے بعد کی میری دونوں رکعتیں رہ گئی تھیں انہیں کو میں نے عصر کے بعد پڑھا ہے۔ (بخاری ومسلم)

توضیح: "سل ام سلمة" چونکہ یہ واقعہ ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے ہاں پیش آیا تھا اور پھر ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے حضور اکرم ﷺ سے بطور اشکال سوال بھی کیا تھا کہ یا رسول اللہ آپ نے عصر کے بعد نماز پڑھنے سے روکا ہے پھر میں آپ کو دیکھ رہی ہوں کہ آپ عصر کے بعد دو رکعت پڑھتے ہیں یہ کیوں؟۔ اسی وجہ سے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اس قاصد کو ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی طرف روانہ کر دیا تاکہ حقیقت معلوم ہو جائے۔

"فخرجت الیهم" کریب کو صحابہ نے چونکہ مسئلہ معلوم کرنے کے لئے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی طرف بھیجا تھا مگر اب مسئلہ معلوم کرنے کے لئے ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس جانا پڑ رہا تھا جس کی صحابہ کی طرف سے کوئی اجازت نہیں تھی اسلئے کریب واپس آیا اور نئے سرے سے ان صحابہ سے اجازت مانگی اور پھر ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس گیا یہ زندگی کے آداب میں سے بڑا ادب ہے کہ پل پل میں کام پر لگانے والے سے اپنا رابطہ رکھا جائے اور اپنی طرف سے کوئی اقدام نہ کیا جائے اگرچہ یہاں مقصود کے حصول کے لئے کسی نئی اجازت کی ضرورت نہیں تھی بہرحال کریب نے تینوں صحابہ سے نیا حکم لیا اور ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس گیا حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا پہلے اس مسئلہ کی تحقیق کر چکی تھی اس لئے اس نے بہت ہی اچھے انداز میں حقیقت سے آگاہ کیا۔[1]

اس حدیث سے یہ بات معلوم ہوئی کہ سنت مؤکدہ کی قضاء ہے کیونکہ حضور اکرم ﷺ نے ظہر کی دو سنتیں عصر کی نماز کے بعد لوٹائیں فقہاء میں سے امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا مسلک یہی ہے کہ سنت کی قضاء ہے۔ احناف فرماتے ہیں کہ سنت کی قضا نہیں ہے۔

یہاں حضور اکرم ﷺ کا معاملہ کچھ اور تھا وہ یہ کہ آنحضرت ﷺ جب کوئی عمل ایک بار کرتے تو پھر آپ اس عمل کو دائمی طور پر جاری رکھتے تھے تاکہ اس میں دوام اور استمرار قائم رہے اسی قاعدہ کے پیش نظر جب آپ سے ظہر کی دو سنت بوجہ مشغولی رہ گئیں اور آپ نے عصر کے بعد ایک دفعہ ان کا اعادہ کیا تو پھر آپ نے کبھی نہیں چھوڑی لہٰذا یہ آنحضرت ﷺ کی ذات سے متعلق ایک خصوصی عمل ہے امت کے افراد کو اس میں نہیں پڑنا چاہئے۔

اس مسئلہ میں اس وقت پیچیدگی آگئی جب بخاری شریف کی حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی ایک حدیث سامنے آگئی وہ فرماتی ہیں۔

"ما كان النبي ﷺ يأتيني يوما بعد العصر الا صلى ركعتين" (بخاری ومسلم)

اس روایت کی وجہ سے اس مسئلہ میں فقہاء کا اختلاف ہے۔

---

[1] المرقات: ۳/۱۳۲

فقہاء کا اختلاف:

امام شافعی عشاللہ فرماتے ہیں کہ بعد العصر دو رکعت پڑھنا امت کے لئے بھی جائز ہے جمہور فرماتے ہیں کہ امت کے افراد کے لے جائز نہیں کہ وہ عصر کے بعد دو نفل پڑھیں۔ [۱]

دلائل:

امام شافعی عشاللہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی روایت سے استدلال کیا ہے جس میں دوام کے ساتھ دو رکعتوں کا ذکر ہے جمہور ان متواتر احادیث سے استدلال کرتے ہیں جن میں عصر اور فجر کے فرائض کے بعد نماز پڑھنے کی ممانعت آئی ہے۔

جمہور کی دوسری دلیل امام دارمی کا وہ فیصلہ ہے جو دارمی میں مذکور ہے کسی نے امام دارمی سے حدیث عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے بارے میں پوچھا تو آپ نے جواب میں فرمایا:

"اما انا فاقول بحدیث عمر عن النبی ﷺ لاصلوٰة بعد العصر حتی تغرب الشمس وعن الصلوٰة بعد الفجر حتی تطلع الشمس"۔

جمہور کی تیسری دلیل آئندہ حدیث نمبر ۱۲ ہے جو امام بخاری نے بھی نقل کی ہے حضرت معاویہ نے فرمایا:

"انکم لتصلون صلوٰة لقد صحبنا رسول اللہ ﷺ فما رئینا یصلیہما ولقد نہی عنہما یعنی الرکعتین بعد العصر"۔ (بخاری)

جواب: حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی روایت کا وہی جواب ہے جو ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے جواب دیا کہ حضور اکرم ﷺ نے ایک معروضی صورت میں یہ دو رکعت پڑھی تھی جو آپ کی خصوصیت تھی طحاوی نے ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی روایت میں ایسے الفاظ بھی نقل کئے ہیں جو خصوصیت پیغمبری پر واضح دلیل ہیں۔ ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے پوچھا "افنقضیہما اذا فاتتا قال لا" آنے والی قیس بن عمرو رضی اللہ عنہ کی حدیث نمبر ۶ کے ابتدائی کلام کو مدنظر رکھا جائے وہ جواب کافی ہے۔ [۲]

الفصل الثانی

فجر کی سنتوں کی قضاء کا مسئلہ

﴿۶﴾ عن مُحَمَّدِ بْنِ إِبْرَاهِيمَ عَنْ قَيْسِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ رَأَى النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَجُلاً يُصَلِّي بَعْدَ صَلَاةِ الصُّبْحِ رَكْعَتَيْنِ فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلَاةُ الصُّبْحِ رَكْعَتَيْنِ

[۱] المرقات: ۳/۱۳۳ [۲] المرقات: ۳/۱۳۳

رَكْعَتَيْنِ فَقَالَ الرَّجُلُ إِنِّي لَمْ أَكُنْ صَلَّيْتُ الرَّكْعَتَيْنِ اللَّتَيْنِ قَبْلَهُمَا فَصَلَّيْتُهُمَا الْآنَ فَسَكَتَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ.

(رَوَاهُ أَبُوْدَاوُدَ وَرَوَى التِّرْمِذِيُّ نَحْوَهُ وَقَالَ إِسْنَادُ هٰذَا الْحَدِيْثِ لَيْسَ بِمُتَّصِلٍ لِأَنَّ مُحَمَّدَ بْنَ إِبْرَاهِيْمَ لَمْ يَسْمَعْ مِنْ قَيْسِ بْنِ عَمْرٍو وَفِي شَرْحِ السُّنَّةِ وَنُسَخِ الْمَصَابِيْحِ عَنْ قَيْسِ بْنِ قَهْدٍ نَحْوَهُ) [1]

ترجمہ: حضرت محمد ابن ابراہیم، قیس ابن عمرو سے نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا "(ایک دن) سرور کونین ﷺ نے ایک شخص کو دیکھا کہ وہ فجر کی فرض نماز کے بعد دو رکعت نماز پڑھ رہا ہے، آپ نے اس سے فرمایا کہ "صبح کی نماز دو رکعت ہے (پھر فرمایا کہ) دو رکعت ہی پڑھو!" اس شخص نے عرض کیا کہ "فجر کی فرض نماز سے پہلے دو رکعتیں (سنت) میں نے نہیں پڑھی تھیں انہیں کو میں نے اس وقت پڑھا ہے۔" آنحضرت ﷺ (یہ سن کر) خاموش ہو گئے۔" (ابوداؤد) امام ترمذی نے بھی اسی طرح نقل کیا ہے اور کہا ہے کہ اس روایت کی اسناد متصل نہیں ہے کیونکہ محمد بن ابراہیم کا قیس ابن عمرو رضی اللہ عنہ سے سننا ثابت نہیں ہے، نیز شرح السنہ اور مصابیح کے بعض نسخوں میں قیس ابن قہد سے اسی طرح منقول ہے۔

توضیح: "رکعتین رکعتین" اس جملہ سے پہلے فعل محذوف ماننا ضروری ہے یعنی "اجعلوا صلوٰۃ الصبح رکعتین"۔ یہاں رکعتین کو مکرر لا کر تاکید کا مقصد یہ ہے کہ دو رکعت ہی ہیں دو سے زیادہ نہیں تو یہ تاکید زیادت کی نفی کے لئے ہے کہ دو رکعتوں کے بعد کوئی رکعت نہیں صرف فرض پڑھو اس کے بعد کچھ نہ پڑھو۔ [2]

"فسکت" حضور اکرم ﷺ نے اس صحابی کے جواب میں سکوت فرمایا اور سکوت محدثین کے ہاں تقریر کے حکم میں ہے گویا آنحضرت ﷺ اس فعل پر راضی ہوئے لہٰذا اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اگر فجر کی فرض نماز سے پہلے کی دو سنتیں رہ جائیں تو فرض پڑھنے کے بعد ان دو سنتوں کی قضاء ہوگی اس مسئلہ میں فقہاء کرام کا اختلاف ہے۔ [3]

فقہاء کا اختلاف:

اگر فجر کی سنتیں کسی سے رہ جائیں تو کیا فرض کے بعد طلوع آفتاب سے پہلے پہلے یہ سنتیں پڑھی جا سکتی ہیں یا نہیں جمہور کہتے ہیں کہ نہیں پڑھ سکتے ہیں۔ امام شافعی رحمہ اللہ کا راجح قول یہ ہے کہ پڑھنا جائز ہے۔

پھر جمہور کا آپس میں اختلاف ہے کہ یہ سنتیں طلوع آفتاب کے بعد پڑھی جا سکتی ہیں یا نہیں۔ امام احمد اور امام محمد رحمہما اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ طلوع آفتاب کے بعد یہ دو سنتیں پڑھی جا سکتی ہیں زوال الشمس تک، امام ابوحنیفہ اور امام ابو یوسف رحمہما اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اگر یہ سنتیں نماز فرض کے ساتھ رہ گئی ہیں تو زوال آفتاب سے پہلے پہلے پڑھی جا سکتی ہیں اور اگر فرض کے بغیر رہ گئیں ہیں تو نہ قبل طلوع آفتاب پڑھ سکتے ہیں نہ بعد طلوع آفتاب۔ امام مالک رحمہ اللہ مطلق نہ پڑھنے کے قائل ہیں۔

[1] اخرجه ابوداؤد: ۱۲۶۷ والترمذی: ۴۲۲ [2] المرقات: ۳/۱۳۴ [3] المرقات: ۳/۱۳۴

علماء احناف امام محمد رحمہ اللہ کے قول پر فتویٰ دینے کو پسند کرتے ہیں فجر کی سنتوں کے علاوہ دیگر سنتوں کا حکم بھی اسی طرح ہے کہ فرائض کے علاوہ قضا نہ کی جائے اور فرائض کے ساتھ پڑھنے میں اختلاف ہے بہرحال اگر کوئی شخص بے وقت سنتوں کو پڑھنا چاہتا ہے تو نفل کی نیت سے پڑھے ثواب ملیگا سنت کی نیت نہ کرے۔[1]

دلائل:

امام شافعی رحمہ اللہ کی دلیل زیر بحث حضرت قیس بن عمرو رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے جس میں فجر کی نماز کے بعد سنتیں پڑھنے پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خاموشی اختیار فرمائی اور یہ خاموشی جواز کی دلیل ہے۔[2]

جمہور نے ان متواتر احادیث سے استدلال کیا ہے جن میں فجر اور عصر کے فرائض کے بعد کسی بھی نماز کے پڑھنے کی ممانعت آئی ہے جمہور کی دوسری دلیل وہ مرفوع حدیث ہے جس کی تخریج امام ترمذی نے کی ہے الفاظ یہ ہیں:

"قال رسول الله صلى الله عليه وسلم من لم يصل ركعتي الفجر فيصلها بعد ما تطلع الشمس" (ترمذی ج۱ص۹۶)

حضرت شاہ انورشاہ کاشمیری رحمہ اللہ نے واقعہ تبوک کی ایک حدیث سے عجیب استدلال کیا ہے قصہ یہ ہوا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فجر کے وقت قضاء حاجت کے لئے دور چلے گئے فجر کی نماز میں دیر ہوگئی حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ نے نماز پڑھالی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک رکعت ملی آپ نے دوسری رکعت تنہا مکمل کرلی اور اس کے بعد کچھ بھی نہ پڑھا معلوم ہوا سنت پڑھنا جائز نہ تھا ورنہ آپ پڑھ لیتے۔

حدیث کے الفاظ یہ ہیں:

"فلما سلم قام النبي صلى الله عليه وسلم فصلى الركعة التي سبق بها ولم يزد عليها شيئا"

(سنن ابوداؤد باب المسح علی الخفین ص ۲۱)

جواب: قیس بن عمرو رضی اللہ عنہ کی روایت منقطع بھی ہے اور ضعیف بھی ہے اور اس کے مقابلے میں متواتر احادیث اس کے معارض بھی ہیں لہٰذا اسکو معروضی جزئی حالت پر حمل کرنا چاہئے یہ استدلال کے لئے مناسب نہیں۔

مکہ مکرمہ میں مکروہ وقت ہوتا ہے یا نہیں

﴿۷﴾ وعن جُبَيْرِ بْنِ مُطْعِمٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ يَا بَنِي عَبْدِ مَنَافٍ لَا تَمْنَعُوا أَحَدًا طَافَ بِهٰذَا الْبَيْتِ وَصَلَّى أَيَّةَ سَاعَةٍ شَاءَ مِنْ لَيْلٍ أَوْ نَهَارٍ. (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَأَبُوْدَاوُدَ وَالنَّسَائِيُّ)[3]

[1] المرقات: ۳/۱۳۴ [2] المرقات: ۳/۱۳۵ [3] اخرجه الترمذی: ۸۶۸ وابوداؤد: ۱۸۹۴ والنسائی: ۲۸۴

ترجمہ: اور حضرت جبیر ابن مطعم رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "اے عبد مناف کی اولاد! کسی کو اس گھر (خانہ کعبہ) کا طواف کرنے سے نہ روکو! اور رات دن میں جس وقت کوئی چاہے اسے نماز پڑھنے دو۔" (ترمذی، ابوداود، نسائی)

توضیح: "ایة ساعة شاء" خانہ کعبہ کا طواف کرنا دن اور رات کے تمام اوقات میں جائز ہے طواف کے لئے کوئی وقت مکروہ نہیں اس میں کسی کا اختلاف نہیں البتہ طواف کے بعد دو رکعتوں کے مسئلہ میں فقہاء کے درمیان اختلاف ہے اسی طرح دیگر نوافل میں بھی اختلاف ہے کہ مکروہ اوقات میں جائز ہیں یا نہیں بلکہ درحقیقت یہ اختلاف اس پر مبنی ہے کہ مکہ مکرمہ میں مکروہ اوقات ہوتے ہیں یا نہیں۔[1]

فقہاء کا اختلاف:

امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ خانہ کعبہ میں کسی بھی وقت کوئی بھی نماز پڑھی جاسکتی ہے خواہ مکروہ وقت ہو اور خواہ طواف کے بعد کی دو رکعت ہوں یا دیگر کوئی نماز ہو سب جائز ہے۔

حضرت امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ خانہ کعبہ میں مکروہ اوقات میں صرف طواف کی دو رکعتیں پڑھی جاسکتی ہیں اس کے علاوہ جائز نہیں۔ ائمہ احناف اور جمہور فرماتے ہیں کہ خانہ کعبہ میں مکروہ اوقات میں کوئی بھی نماز نہیں پڑھی جاسکتی ہے اوقات مکروہہ کی حرمت مکہ اور غیر مکہ سب مقامات کے لئے یکساں ہے۔[2]

دلائل:

امام شافعی رحمہ اللہ نے زیر بحث حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ کی حدیث سے استدلال کیا ہے جس میں "ایة ساعة شاء" کے الفاظ ہیں جس کا مطلب یہ ہے کہ جس وقت بھی کوئی شخص نماز پڑھنا چاہے پڑھ سکتا ہے۔

شوافع کی دوسری دلیل حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کی حدیث جو اس باب کی آخری حدیث نمبر ۱۳ ہے جس میں تین بار استثنیٰ کیا گیا ہے "الا بمكة الا بمكة الا بمكة" یعنی مکہ مکرمہ میں مکروہ وقت میں نماز پڑھ سکتا ہے گویا مکہ میں مکروہ وقت کا وجود ہی نہیں ہے۔

جمہور کی دلیل وہی ہے کہ متواتر احادیث میں مطلقاً مکروہ اوقات میں نماز پڑھنے کی ممانعت آئی ہے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مکروہ اوقات میں نماز نہ پڑھنے کا جو حکم دیا اس وقت آپ یا مکہ میں تھے یا مدینہ میں تھے تو کیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جہاں مقیم تھے اور کراہت کا حکم بیان فرما رہے تھے وہ حکم وہاں کے لئے نہیں تھا؟ یہ عجیب ہوگا کہ بیان مکہ مکرمہ میں ہو رہا ہے اور حکم خراسان یا پاکستان کے لئے ہے۔ یہ جملے میں اس لئے لکھ رہا ہوں کہ مسجد نبوی میں غیر مقلد سلفی عین غروب آفتاب کے وقت کھڑے ہو کر نفل پڑھنے لگتے ہیں گویا ممانعت کسی اور کے لئے ہے۔[3]

جمہور کی دوسری دلیل حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا واقعہ ہے کہ آپ نے بیت اللہ کا طواف صبح کے وقت کیا اور طواف کی

---

[1] المرقات: ۲/۱۳۶ [2] المرقات: ۲/۱۳۶ [3] المرقات: ۲/۱۳۶

دورکعتوں کو طلوع آفتاب کے بعد باہر جاکر پڑھ لیا، بخاری کی حدیث کے الفاظ ہیں "لم تصل حتی خرجت" امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کا ایک اثر اس طرح نقل کیا ہے۔

"ان ابن عمر قدم مكة صلوٰة الصبح فطاف ولم يصل الا بعدما طلعت الشمس"۔ (ج۱ص۲۲۲)

جواب: جمہور نے جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ کی حدیث کا جواب یہ دیا ہے کہ اول تو یہ حدیث اپنے مدعا پر صریح نہیں ہے جس سے شوافع حضرات کو کچھ فائدہ ہوجائے کیونکہ اس میں اتنی بات ہے کہ اے بنو عبد مناف بیت اللہ کو بند کر کے تالے نہ لگایا کرو بلکہ لوگوں کو چھوڑ دو کہ وہ دن رات اس میں آکر نماز پڑھا کریں اب یہ کہاں سے ثابت ہوا کہ مکروہ اوقات میں بھی نماز پڑھیں اس حدیث کے عموم کو ان احادیث نے خاص کر دیا ہے جن میں مکروہ اوقات میں نماز پڑھنے کی ممانعت آئی ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ یہ حدیث ان متواتر کثیر روایات کا مقابلہ نہیں کر سکتی ہے جن میں مطلقاً مکروہ اوقات میں نماز پڑھنے کی ممانعت آئی ہے۔

تیسری بات یہ ہے کہ حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ وغیرہ صحابہ کی روایات نفی پر دال ہیں تو یہاں معاملہ مبیح اور محرم کا آگیا لہٰذا حرمت کو ترجیح ہوگی۔

باقی ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کی روایت معلول ہے اس میں اضطراب بھی ہے اور ضعف رواۃ بھی ہے ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے خود اس کو ضعیف تسلیم کیا ہے نیز یہ روایت منقطع بھی ہے لہٰذا کمزور روایت ان قوی روایات کا مقابلہ نہیں کر سکتی ہے۔

کیا جمعہ کے روز نصف النہار میں نماز جائز ہے؟

﴿۸﴾ وعن أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهَى عَنِ الصَّلَاةِ نِصْفَ النَّهَارِ حَتَّى تَزُوْلَ الشَّمْسُ إِلَّا يَوْمَ الْجُمُعَةِ۔ (رَوَاهُ الشَّافِعِيُّ)

ترجمہ: اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم نے ٹھیک دوپہر کے وقت جب تک کہ آفتاب ڈھل نہ جائے نماز پڑھنے سے منع فرمایا ہے البتہ جمعہ کے دن جائز ہے۔ (شافعی)

توضیح: جمعہ کے دن دوپہر کے وقت عین استواء الشمس کے دوران نماز پڑھنا جائز ہے یا نہیں اس میں فقہاء کا اختلاف ہے۔

فقہاء کا اختلاف:

امام شافعی امام احمد اور امام ابو یوسف رحمہم اللہ تعالیٰ کا مسلک یہ ہے کہ جمعہ کے روز نصف النہار میں نماز پڑھنا جائز ہے یہ جواز عام ممانعت کی احادیث سے مستثنیٰ ہے امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک جمعہ سمیت ہفتہ بھر کے تمام ایام کے مکروہ اوقات میں نماز پڑھنا جائز نہیں ہے۔[1]

[1] المرقات: ۲/۱۳۶

دلائل:

شوافع وحنابلہ نے زیر بحث حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث اور اس سے متصل حضرت ابوقتادہ کی حدیث سے استدلال کیا ہے کہ اس میں جمعہ کا استثنیٰ ہے لہٰذا جمعہ کے روز نصف النہار میں نماز پڑھنا جائز ہے۔

ائمہ احناف نے ان روایات سے استدلال کیا ہے جو متواتر بھی ہیں صحیح بھی ہیں اور صریح بھی ہیں ان حضرات نے اس سے بھی استدلال کیا ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے اپنی پوری زندگی میں ایک بار بھی جمعہ کے اس مکروہ وقت میں نماز نہیں پڑھی اگر یہ جائز ہوتا تو بیان جواز کے لئے آپ ایک بار عمل فرماتے نیز معاملہ حرمت اور اباحت کا ہے تو ترجیح حرمت کو ہوگی۔

ابوقتادہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں انقطاع بھی ہے تاہم علماء احناف میں سے بعض نے امام ابویوسف کے قول پر فتویٰ دیا ہے بعض نے طرفین کے قول پر فتویٰ دیا ہے معاملہ کچھ آسان سا ہوگیا ہے۔[1]

﴿۹﴾ وعن أَبِي الْخَلِيْلِ عَنْ أَبِي قَتَادَةَ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَرِهَ الصَّلَاةَ نِصْفَ النَّهَارِ حَتّٰى تَزُوْلَ الشَّمْسُ إِلَّا يَوْمَ الْجُمُعَةِ وَقَالَ إِنَّ جَهَنَّمَ تُسَجَّرُ إِلَّا يَوْمَ الْجُمُعَةِ.

(رَوَاهُ أَبُوْدَاوُدَ وَقَالَ أَبُو الْخَلِيْلِ لَمْ يَلْقَ أَبَا قَتَادَةَ)[2]

ترجمہ: اور حضرت ابوالخلیل حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ سے نقل کرتے ہیں کہ "سرور کونین ﷺ ٹھیک دوپہر کے وقت جب تک کہ سورج نہ ڈھل جائے نماز پڑھنے کو مکروہ سمجھتے تھے علاوہ جمعہ کے دن کے۔ نیز آپ کا ارشاد ہے کہ علاوہ جمعہ" کے دن کے روزانہ (دوپہر کے وقت) دوزخ جھونکی جاتی ہے۔" اس روایت کو امام ابوداؤد نے نقل کیا ہے اور کہا ہے کہ حضرت ابوقتادہ سے ابوالخلیل کی ملاقات ثابت نہیں ہے (لہٰذا اس حدیث کی اسناد متصل نہیں ہے)۔

الفصل الثالث

اوقات مکروہہ کی تفصیل

﴿۱۰﴾ عن عَبْدِ اللهِ الصُّنَابِحِيِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ الشَّمْسَ تَطْلُعُ وَمَعَهَا قَرْنُ الشَّيْطَانِ فَإِذَا ارْتَفَعَتْ فَارَقَهَا ثُمَّ إِذَا اسْتَوَتْ قَارَنَهَا فَإِذَا زَالَتْ فَارَقَهَا فَإِذَا دَنَتْ لِلْغُرُوْبِ قَارَنَهَا فَإِذَا غَرَبَتْ فَارَقَهَا وَنَهٰى رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ الصَّلَاةِ فِيْ تِلْكَ السَّاعَاتِ. (رَوَاهُ مَالِكٌ وَأَحْمَدُ وَالنَّسَائِيُّ)[3]

ترجمہ: حضرت عبداللہ صنابحی رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ سرور کونین ﷺ نے فرمایا "جب آفتاب طلوع ہوتا ہے تو اس کے ساتھ

[1] المرقاۃ: ۳/۱۳۷ [2] اخرجه ابوداؤد: ۱۰۸۳ [3] اخرجه مالك فی الموطأ: ۲۱۹ ح ۴۴ واحمد: ۴/۳۴۹ والنسائی: ۱/۲۷۵

شیطان کا سینگ ہوتا ہے پھر جب وہ بلند ہوجاتا ہے تو وہ الگ ہوجاتا ہے پھر جب دوپہر ہوتی ہے تو شیطان آفتاب کے قریب آجاتا ہے اور جب آفتاب ڈھل جاتا ہے تو وہ اس سے جدا ہوجاتا ہے اور پھر جب آفتاب غروب ہونے کے قریب ہوتا ہے تو شیطان اس کے قریب آجاتا ہے اور جب آفتاب غائب (یعنی غروب) ہوجاتا ہے تو شیطان اس سے جدا ہوجاتا ہے اور آنحضرت ﷺ نے ان اوقات میں (یعنی آفتاب کے طلوع اور غروب کے وقت اور ٹھیک دوپہر کے وقت نماز پڑھنے سے منع فرمایا ہے۔" (مالک، احمد، نسائی)

نماز عصر کے بعد کوئی نماز نہیں

﴿۱۱﴾ وعن أَبِي بَصْرَةَ الْغِفَارِيِّ قَالَ صَلَّى بِنَا رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالْمُخَمَّصِ صَلَاةَ الْعَصْرِ فَقَالَ إِنَّ هٰذِهٖ صَلَاةٌ عُرِضَتْ عَلَى مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ فَضَيَّعُوْهَا فَمَنْ حَافَظَ عَلَيْهَا كَانَ لَهٗ أَجْرُهٗ مَرَّتَيْنِ وَلَا صَلَاةَ بَعْدَهَا حَتّٰى يَطْلُعَ الشَّاهِدُ وَالشَّاهِدُ النَّجْمُ. (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)[1]

ترجمہ: اور حضرت ابوبصرہ غفاری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ (ایک دن) سرور کونین ﷺ نے مقام مخمص میں ہمیں عصر کی نماز پڑھائی اور پھر فرمایا کہ یہ نماز تم سے پہلے لوگوں پر لازم کی گئی تھی لیکن انہوں نے ضائع کردی (یعنی نہ تو انہوں نے اس کی مداومت کی اور نہ اس کے حقوق ادا کیے) لہٰذا جو شخص اس نماز کی حفاظت کرے گا (یعنی اس کو ہمیشہ پڑھتا اور اس کے حقوق ادا کرتا رہے گا) اس کو دوگنا ثواب ملے گا اور (آپ نے یہ بھی فرمایا کہ) عصر کے بعد کوئی نماز نہیں جب تک کہ شاہد نہ نکلے اور شاہد ستارہ ہے۔ (مسلم)

﴿۱۲﴾ وعن مُعَاوِيَةَ قَالَ إِنَّكُمْ لَتُصَلُّوْنَ صَلَاةً لَقَدْ صَحِبْنَا رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَمَا رَأَيْنَاهُ يُصَلِّيْهِمَا وَلَقَدْ نَهٰى عَنْهُمَا يَعْنِي الرَّكْعَتَيْنِ بَعْدَ الْعَصْرِ. (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)[2]

ترجمہ: اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے (لوگوں کو مخاطب کرتے ہوئے) فرمایا کہ تم لوگ نماز پڑھتے ہو اور ہم سرور کونین ﷺ کی صحبت میں رہے لیکن ہم نے آپ کو یہ دو رکعتیں پڑھتے ہوئے نہیں دیکھا بلکہ آپ نے تو ان سے یعنی عصر کے بعد دو رکعتیں پڑھنے سے منع فرمایا ہے۔ (بخاری)

بیان جواز کے وقت اپنا تعارف کرانا ضروری ہے

﴿۱۳﴾ وعن أَبِي ذَرٍّ قَالَ وَقَدْ صَعِدَ عَلَى دَرَجَةِ الْكَعْبَةِ مَنْ عَرَفَنِي فَقَدْ عَرَفَنِي وَمَنْ لَمْ يَعْرِفْنِي فَأَنَا جُنْدُبٌ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ لَا صَلَاةَ بَعْدَ الصُّبْحِ حَتّٰى تَطْلُعَ الشَّمْسُ وَلَا بَعْدَ الْعَصْرِ حَتّٰى تَغْرُبَ الشَّمْسُ إِلَّا بِمَكَّةَ إِلَّا بِمَكَّةَ إِلَّا بِمَكَّةَ. (رَوَاهُ أَحْمَدُ وَرَزِيْنٌ)[3]

ترجمہ: اور حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کے بارہ میں مروی ہے کہ انہوں نے کعبہ کے زینے پر چڑھ کر فرمایا کہ جس شخص نے

[1] اخرجه مسلم: ۲/۲۰۸ [2] اخرجه البخاری: ۱/۱۵۲، ۵/۳۵ [3] اخرجه احمد: ۵/۱۶۵

مجھے پہچانا (یعنی میرا نام جان لیا) اس نے مجھے (یعنی میری سچائی کو) پہچان لیا اور جس نے مجھ کو نہیں پہچانا تو (میں اس کو بتا دینا چاہتا ہوں کہ ''میں جندب ہوں'' میں نے سرور کونین ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ صبح کی نماز کے بعد جب تک آفتاب طلوع نہ ہو جائے کوئی نماز نہیں ہے اور نہ عصر کی نماز کے بعد کوئی نماز ہے جب تک آفتاب غروب نہ ہو جائے مگر مکہ میں ''مگر مکہ میں'' مگر مکہ میں۔'' (احمد، رزین)

توضیح: ''فانا جندب'' یعنی اگر مجھے کوئی جانتا ہے تو ٹھیک ہے اس کو مجھ پر اعتماد ہوگا کہ میں کون ہوں اور میری بات میں کیا وزن ہے اور اگر مجھے کوئی نہیں جانتا ہے تو وہ جان لے کہ میرا نام جندب ہے ابوذر میری کنیت ہے۔[1]

بیان کرنے سے پہلے ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ نے اس تعارف کی ضرورت اس لئے محسوس کی تاکہ لوگوں کا اعتماد بحال ہو اور یہ بھی معلوم ہو کہ بیان کرنے والا عالم ہے حضور اکرم ﷺ کا صحابی ہے کوئی عام آدمی نہیں ہے۔

آج کل کچھ لوگ بڑے بڑے اجتماعات میں بیان کرتے ہیں اور کچھ بھی پتہ نہیں چلتا کہ عالم ہے یا غیر عالم ہے مستند ہے یا غیر مستند ہے قابل اعتماد ہے یا نہیں ہے چنانچہ وہ اگر غلط بیان بھی کرے تو کوئی گرفت نہیں کر سکتا کیونکہ پتہ ہی نہیں چلتا کہ بھائی صاحب کون ہے کسی نے خوب کہا:

کس نمی داند کہ بھیا کون ہے   پاؤ ہے یا سیر ہے یا پون ہے

یہ حضرات الٹا علماء پر ریاکاری کا الزام دھرتے ہیں کہ یہ اپنا تعارف کرواتے ہیں تکبر کرتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ لوگ تعارف اس مجبوری سے نہیں کرا سکتے کہ ان میں عام طور پر بیان کرنے والے ڈاکٹر انجینئر پروفیسر اور بابو ہوتے ہیں اگر تعارف کرائیں گے تو لوگوں کا اعتماد نہیں رہے گا کہ یہ تو بابو صاحب ہے۔ اس لئے یہ حضرات خاموشی سے علماء کے جبے قبے میں ملبوس ہو کر غلط سلط بیان جھاڑ دیتے ہیں لوگ سمجھتے ہیں کوئی بڑا مستند عالم ہے۔

---

[1] المرقات: ۳/۱۴۰

باب الجماعة وفضلها

نماز باجماعت پڑھنے کی فضیلت

قال الله تعالى ﴿واركعوا مع الراكعين﴾[1]

لیلۃ المعراج میں جب نماز فرض ہوئی تو دن کے وقت حضرت جبرائیل آگئے اور ظہر کی نماز جماعت کے ساتھ پڑھائی نماز باجماعت کی مشروعیت کب ہوئی اس میں علماء کی دو رائیں ہیں علماء کے ایک طبقہ کا خیال ہے کہ جماعت سے نماز کی مشروعیت مکہ میں ہوئی لیکن دوسرے طبقہ کا خیال ہے کہ اس کی مشروعیت مدینہ منورہ میں ہوئی اصل حقیقت ان شاء اللہ اس طرح ہے کہ جماعت کی مشروعیت تو مکہ ہی میں ہوئی جس پر حدیث امامت جبریل دلالت کر رہی ہے لیکن جماعت کا ظہور اور اس پر مداومت اور مواظبت مدینہ منورہ میں ہوئی کیونکہ کفار کے غلبہ کی وجہ سے مکہ میں کھل کر جماعت کرانا آسان کام نہیں تھا۔

جماعت کی فضیلت اور اس کی ترغیب و ترہیب میں اتنی کثیر مقدار میں احادیث ہیں کہ اگر سب کو یکجا کیا جائے تو ایک بڑا خزانہ تیار ہو سکتا ہے۔اس باب کے تحت وہی احادیث نقل کی گئی ہیں جن سے جماعت کی فضیلت تاکید اور مسائل وفضائل کا علم حاصل ہوتا ہے۔

ان کثیر احادیث کے دیکھنے کے بعد آسانی سے یہ اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ نماز جیسی عظیم عبادت کے لئے جماعت کی کتنی بڑی اہمیت ہے نبی اکرم ﷺ نے مرض وفات میں دو آدمیوں پر ٹیک لگا کر مشقت اٹھائی اور جماعت کے ساتھ نماز میں شریک ہوئے نماز جب فرض ہوئی تو پہلی نماز جماعت کے ساتھ پڑھائی گئی یہ بھی جماعت کی اہمیت کی علامت ہے۔

جماعت فرض ہے یا واجب ہے یا سنت ہے؟

اس پر سب کا اتفاق ہے کہ مردوں کے لئے جماعت کے ساتھ نماز پڑھنا اکیلے نماز پڑھنے سے کئی گنا افضل ہے اور بغیر شرعی عذر جماعت ترک کرنا بری بات ہے۔اس بات پر بھی امت کا اتفاق ہے کہ بعض ایسے اعذار ہیں جن کی وجہ سے جماعت ترک کرنا جائز ہے تمام فقہاء نے اپنے اپنے فقہ کے اندر یہ اعذار لکھے ہیں۔لیکن اگر کوئی شرعی عذر نہ ہو تو اس وقت جماعت کا حکم کیا ہے آیا فرض ہے یا واجب ہے یا سنت ہے اس میں علماء کرام کا اختلاف ہے۔

فقہاء کا اختلاف:

شوافع کا مختار اور اصح قول یہ ہے کہ فرض نماز کے لئے جماعت فرض کفایہ ہے محققین شوافع اسی کو ترجیح دیتے ہیں لیکن شوافع کا مشہور قول یہ ہے کہ جماعت سنت مؤکدہ ہے امام مالک رحمہ اللہ کے ہاں جماعت سنت ہے امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کے ہاں جماعت کے ساتھ نماز پڑھنا فرض عین ہے لیکن نماز کے لئے شرط نہیں ہے لہٰذا تنہا نماز پڑھنے والے کی نماز ہو جائے گی

[1] البقرة: ۴۳

مگر گناہ گار ہوگا اہل ظواہر کے نزدیک فرض نماز کے لئے جماعت کرنا شرط کے درجہ میں ہے اگر بغیر عذر کسی نے جماعت کے بغیر نماز ادا کی تو نماز نہیں ہوگی۔ [1]

ائمہ احناف کی کتابوں سے معلوم ہوتا ہے کہ جماعت کے بارے میں ان کے ہاں دو قول ہیں۔

ایک قول یہ ہے کہ جماعت واجب ہے دوسرا قول یہ ہے کہ سنت مؤکدہ ہے جو واجب کے قریب ہے وجوب کا قول راجح ہے چنانچہ مشہور حنفی محقق علامہ ابن ہمام رحمہ اللہ فتح القدیر میں فرماتے ہیں کہ ہمارے اکثر مشائخ کا مسلک یہی ہے کہ جماعت واجب ہے اور اس پر سنت کا اطلاق اس وجہ سے کیا گیا ہے کہ یہ سنت سے ثابت ہے یعنی خود جماعت سنت نہیں بلکہ اس کا ثبوت سنت یعنی حدیث سے ہوا ہے بعض احناف نے سنت کا فتویٰ دیا ہے متقدمین احناف سنت کے قائل ہیں۔ [2]

محاکمہ:

اس طویل اختلاف اور متفرق اقوال کی وجہ کیا ہے اس بارے میں حضرت علامہ شاہ انور شاہ کاشمیری رحمہ اللہ اس طرح محاکمہ اور فیصلہ فرماتے ہیں کہ یہ اختلاف درحقیقت تعبیر کا اختلاف ہے مآل کے اعتبار سے اتنا بڑا اختلاف نہیں ہے وجہ یہ ہے کہ احادیث میں جماعت سے نماز نہ پڑھنے کے بارے میں سخت وعید آئی ہے بعض روایات میں آیا ہے کہ اذان سننے کے بعد جماعت میں حاضر نہ ہونے والے کی نماز نہیں ہوتی بعض میں ہے کہ مسجد کے پڑوسی کی نماز جماعت کے بغیر صحیح نہیں۔ ادھر بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ اس بارے میں کافی نرمی ہے کہ ذرا سی بارش ہو جائے تو نماز گھروں میں پڑھنا چاہئے۔ کھانے کا زیادہ تقاضا ہو تو جماعت چھوڑ کر کھانا کھانے کی اجازت ہے لہٰذا جن حضرات نے تشدید وتغلیظ اور تہدید و وعید کو دیکھا تو انہوں نے جماعت کو فرض کہد یا یا نماز کی صحت کیلئے شرط قرار دیا اور جن حضرات نے نرم پہلو کو دیکھا انہوں نے سنت کا فیصلہ سنا دیا اور جنہوں نے دونوں جانبوں کو دیکھا انہوں نے واجب یا سنت مؤکدہ کا حکم لگا دیا اس طرح یہ اختلاف رونما ہوا اور حضور اکرم ﷺ کا کوئی فرمان زمین پر نہیں گرا کسی نہ کسی نے کوئی نہ کوئی فرمان سینہ سے لگا دیا اور کہدیا

عباراتنا شتیٰ وحسنك واحد   وكل الی ذاك الجمال يشير

گلہائے رنگا رنگ سے ہے رونق چمن   اے ذوق اس جہاں کو ہے زیب اختلاف سے

جماعت کے فوائد:

محقق اسلام حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی رحمہ اللہ نے حجۃ اللہ البالغہ میں جماعت کے بہت فوائد بیان فرمائے ہیں تکمیل فائدہ کے لئے ان میں سے چند کا ذکر حاضر خدمت ہے لیکن بعینہٖ الفاظ نہیں بلکہ خلاصہ ہے۔

❶ جماعت کی وجہ سے نماز جیسی عظیم عبادت بطور رسم تام اور رواج عام، مزاجوں کا حصہ بن جائے گی جس کا چھوڑنا آسان نہیں ہوگا۔

---

[1] المرقات: ۳/۱۳۱ [2] المرقات: ۳/۱۴۵

۲ عوام الناس اور خواص ایک دوسرے کے سامنے نماز ادا کریں گے علماء ہوں گے وہ عوام کی غلطیوں کو دیکھ کر اصلاح کریں گے اور جو لوگ نماز کے مسائل نہیں سمجھتے وہ دیکھ کر یا سن کر سیکھ لیں گے۔

۳ بے نمازی بے نقاب ہو جائیں گے کیونکہ جو مسجد میں جماعت میں نہیں ہے سمجھ لو وہ نمازی نہیں۔

۴ اجتماعی دعا بحضور رب تعالیٰ عظیم اثر رکھتی ہے جماعت سے یہ نعمت حاصل ہوتی ہے۔

۵ جماعت میں عظیم الشان اتحاد کا مظاہرہ ہے اور بڑی شوکت اسلام ہے۔

۶ ہر شخص کو دوسرے مجبور مسلمان کی حالت زار اور درد کا علم ہو جائے گا تو مدد کریگا۔

۷ جماعت میں عظیم الشان مساوات ہے کہ شاہ و گدا ایک صف میں ہیں۔

ایک ہی صف میں کھڑے ہو گئے محمود و ایاز — نہ کوئی بندہ رہا نہ کوئی بندہ نواز

ترک جماعت کے چند اعذار

دین اسلام رحمت کا دین ہے اس میں زحمت نہیں ہے جہاں کوئی عذر ہے وہاں رخصت ہے چند اعذار کو بیان کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے اگرچہ فہرست بہت لمبی ہے۔

۱ شدید بارش کا ہونا۔

۲ راستوں میں کیچڑ کا ہونا۔

۳ بدن پر ستر کا کپڑا نہ ہونا۔

۴ شدید سردی کا ہونا جس سے بیماری لگنے یا بڑھنے کا خطرہ ہو۔

۵ راستوں میں جان کے دشمن کا خطرہ ہونا۔

۶ مسجد جا کر پیچھے مال و اسباب کے چوری کا خطرہ ہونا۔

۷ رات کے وقت میں شدید اندھیرے کا ہونا۔

۸ کسی مکان و سامان کی چوکیداری کرنا۔

۹ کسی مریض کی تیمارداری کرنا۔

۱۰ شدید پیشاب یا پاخانہ کا تقاضا ہونا۔

۱۱ سفر کے دوران قافلے سے بچھڑنے کا خطرہ ہونا۔

۱۲ درس و تدریس میں ایسا مشغول ہونا کہ ذرا فرصت نہ ہو، مگر یہ عذر کبھی کبھی ہو ہمیشہ نہ ہو۔

۱۳ اتنا بیمار ہونا کہ چلنے پر قدرت نہ رہے یا نابینا ہونا۔

۱۴ کھانا تیار ہونا اور اس کے خراب ہونے کا خطرہ ہونا اور شدید بھوک کا احساس ہونا۔[1]

[1] نور الایضاح: ۷۸،۷۷

الفصل الاول

نماز باجماعت اور تنہا نماز میں ثواب کا فرق

﴿۱﴾ عن ابنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلَاةُ الْجَمَاعَةِ تَفْضُلُ صَلَاةَ الْفَذِّ بِسَبْعٍ وَّعِشْرِيْنَ دَرَجَةً۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)[۱]

ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ سرور کونین ﷺ نے فرمایا جماعت کی نماز تنہا نماز سے (ثواب میں) ستائیس درجہ زیادہ ہوتی ہے۔ (بخاری ومسلم)

توضیح: "بسبع وعشرین درجة" حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی اس حدیث میں جماعت کے ساتھ نماز کا ثواب ۲۷ درجہ زیادہ معلوم ہوتا ہے اس کے علاوہ تمام روایتوں میں جماعت کے ساتھ نماز کا ثواب ۲۵ درجہ زیادہ بتایا گیا ہے جو بظاہر تعارض ہے۔[۲]

جوابات: اس سوال اور اس تعارض کا ایک جواب یہ ہے کہ اعداد میں تعارض نہیں ہوتا کیونکہ عدد اکثر عدد اقل کی نفی نہیں کرتا ہے بلکہ عدد اقل عدد اکثر کے ضمن میں ہوتا ہے۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ اولاً اللہ تعالیٰ کی طرف سے ۲۵ درجہ کا انعام تھا پھر انعام بڑھ کر ۲۷ درجہ تک پہنچ گیا۔ تیسرا جواب یہ کہ یہ تفاوت کثرت جماعت اور قلت اشخاص جماعت کی وجہ سے ہے ظاہر ہے ایک لاکھ انسانوں کا مجمع ہوا تو جماعت کی شان ہی اور ہوگی۔ چوتھا جواب یہ ہے کہ یہ تفاوتِ درجات امکنہ کی وجہ سے ہے یعنی دور دور سے اکھٹے ہو کر جماعت کر لی یہ اس جماعت سے افضل ہے جو قریب قریب سے اکھٹے ہو گئے (یہ غریب جواب ہے) پانچواں جواب یہ ہے کہ درجات کا یہ فرق اور تفاوت اشخاص اور ان کے اخلاص کی وجہ سے ہے ظاہر ہے کسی مسجد میں صرف طلباء اور صلحاء کی جماعت ہو وہ اور شان کی ہوتی ہے اور جہاں اخلاط الناس کی جماعت ہو وہ اور درجہ کی ہوتی ہے۔ علماء نے لکھا ہے کہ جماعت کی یہ فضیلت ہر جگہ کی جماعت کے لئے ہے مسجد کے ساتھ خاص نہیں ہے۔[۳]

ترک جماعت پر وعید شدید

﴿۲﴾ وعن أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَالَّذِيْ نَفْسِيْ بِيَدِهٖ لَقَدْ هَمَمْتُ أَنْ آمُرَ بِحَطَبٍ فَيُحْطَبُ ثُمَّ آمُرَ بِالصَّلَاةِ فَيُؤَذَّنُ لَهَا ثُمَّ آمُرَ رَجُلًا فَيَؤُمُّ النَّاسَ ثُمَّ أُخَالِفُ إِلٰى رِجَالٍ وَفِيْ رِوَايَةٍ لَا يَشْهَدُوْنَ الصَّلَاةَ فَأُحَرِّقَ عَلَيْهِمْ بُيُوْتَهُمْ وَالَّذِيْ نَفْسِيْ بِيَدِهٖ لَوْ يَعْلَمُ أَحَدُهُمْ أَنَّهٗ يَجِدُ عَرْقًا سَمِيْنًا أَوْ مِرْمَاتَيْنِ حَسَنَتَيْنِ لَشَهِدَ الْعِشَاءَ۔ (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ وَلِمُسْلِمٍ نَحْوَهٗ)[۴]

---

[۱] اخرجه البخاري: ۱/۱۶۵ ومسلم: ۲/۱۲۲، ۲/۱۲۳ [۲] المرقات: ۳/۱۳۱ [۳] المرقات: ۳/۱۳۲

[۴] اخرجه البخاري: ۱/۱۶۵، ۱/۱۰۱، ۹/۱۰۱ ومسلم: ۲/۱۲۳

ترجمہ: اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ سرور کونین ﷺ نے فرمایا "قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے۔ میں نے ارادہ کیا کہ (کسی خادم کو) لکڑیاں جمع کرنے کا حکم دوں اور جب لکڑیاں جمع ہوجائیں تو (عشاء) کی نماز کے لئے اذان کہنے کا حکم دوں اور جب اذان ہوجائے تو لوگوں کو نماز پڑھانے کے لئے کسی شخص کو مامور کروں اور پھر میں ان لوگوں کی طرف جاؤں (جو بغیر کسی عذر کے نماز کے لئے جماعت میں نہیں آتے اور (ان کو اچانک پکڑوں) ایک روایت کے یہ الفاظ ہیں کہ (آپ نے یہ فرمایا) ان لوگوں کی طرف جاؤں جو نماز میں حاضر نہیں ہوتے اور ان کے گھروں کو جلادوں، اور قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے (جو لوگ نماز کے لئے جماعت میں شریک نہیں ہوتے ان میں سے) اگر کسی کو یہ معلوم ہوجائے کہ (مسجد میں) گوشت کی فربہ ہڈی بلکہ گائے یا بکری کے دو اچھے کھر مل جائیں گے تو عشاء کی نماز میں حاضر ہوں۔" (بخاری ومسلم)

توضیح: "**فاحرق علیهم**" اس حدیث کی وعید شدید کے پیش نظر متاخرین احناف نے جماعت کے واجب ہونے کا قول کیا لیکن احناف کے متقدمین فقہاء نے سنت مؤکدہ کا قول کیا ہے وہ فرماتے ہیں کہ اس حدیث کی یہ وعید اس شخص کے لئے ہے جو مسلسل تارک جماعت ہو اور اس کی اس کو عادت ہو۔[1]

اس حدیث سے ایک بات یہ معلوم ہوگئی کہ تارک جماعت کی دنیاوی تعزیر بھی جائز ہے اور اخروی سزا بھی ہے دوسری بات یہ معلوم ہوگئی کہ حضور اکرم ﷺ نے سزا دینے کا ارادہ کیا تھا لیکن اس پر عمل نہیں کیا اس کی وجہ علماء یہ بتاتے ہیں کہ تارک جماعت کو گھر سمیت جلانے سے ان بے گناہ افراد کے جلنے کا خطرہ تھا جو گھر میں اس کے ساتھ رہنے والے تھے جیسے چھوٹے بچے اور عورتیں وغیرہ۔ اس حدیث سے اور اس کے بعد حدیث نمبر ۲۲ سے ایک عجیب مخفی اشارہ ملتا ہے کہ جماعت فرض نہیں ہے وہ اس طرح کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کہ میں اپنے ساتھ اپنے چند نوجوانوں کو لیکر جاؤں اور جماعت کسی اور کے سپرد کروں اس سے معلوم ہوا کہ جماعت ترک کرنے کی گنجائش ہے اور یہ فرض نہیں ہے ورنہ حضور اپنے ساتھیوں کے ساتھ کیسے جاتے اور جماعت کو کیسے چھوڑتے؟

اس حدیث سے یہ بات بھی معلوم ہوگئی کہ امام بوقت ضرورت نائب مقرر کرسکتا ہے اس حدیث کے آخر میں پست ہمت انسانوں کی ذہنی افتادگی اور کمزوری کی طرف اشارہ کیا گیا ہے کہ ان پست ہمت لوگوں کو اگر معلوم ہوجائے کہ مسجد میں دنیا کی کوئی حقیر سے حقیر چیز بھی مل جائے گی تو وہ نماز میں شرکت کے لئے بھاگ کر آجائیں گے، نماز جیسی عظیم عبادت اور اللہ تعالیٰ کی عظیم خوشنودی تو خیال میں نہیں لیکن فانی دنیا کے پیچھے مرے جارہے ہیں "عرق" ہڈی کو کہتے ہیں "مرماتین" میم اول پر کسرہ وفتحہ دونوں ہے "کھر" کو کہتے ہیں یا کھر کے درمیان گوشت کی بوٹی مراد ہے۔[2]

جس کی شان بلند ہو وہ عبادت میں زیادہ محنت کرے

﴿۳﴾ وعنه قَالَ أَتَى النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَجُلٌ أَعْمٰى فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ إِنَّهُ لَيْسَ لِيْ قَائِدٌ

[1] المرقات: ۲/۱۴۲ [2] المرقات: ۲/۱۴۲

يَقُوْدُنِيْ إِلَى الْمَسْجِدِ فَسَأَلَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ يُّرَخِّصَ لَهٗ فَيُصَلِّيَ فِيْ بَيْتِهٖ فَرَخَّصَ لَهٗ فَلَمَّا وَلّٰى دَعَاهُ فَقَالَ هَلْ تَسْمَعُ النِّدَاءَ بِالصَّلَاةِ قَالَ نَعَمْ قَالَ فَأَجِبْ. (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)[1]

ترجمہ: اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک نابینا شخص (حضرت عبداللہ ابن مکتوم رضی اللہ عنہ) سرور کونین ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا یا رسول اللہ! میرے لئے ایسا کوئی رہبر نہیں ہے جو مجھے مسجد میں لے جائے۔'' پھر انہوں نے آنحضرت ﷺ سے یہ درخواست کی کہ انہیں گھر میں نماز پڑھ لینے کی رخصت (یعنی اجازت) دے دی جائے، آنحضرت ﷺ نے انہیں اجازت دے دی (اس کے بعد) جب وہ (مجلس نبوی سے) واپس لوٹے تو آنحضرت ﷺ نے انہیں (پھر) بلایا اور ان سے فرمایا کہ کیا تم نماز کی اذان سنتے ہو؟ انہوں نے کہا کہ ہاں! آپ نے فرمایا تمہارے لئے مسجد میں حاضر ہونا ضروری ہے۔'' (مسلم)

توضیح: ''لیس لی قائد'' سوال کرنے والے یہ صحابی حضرت عبداللہ ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ تھے۔[2]

سوال: مسئلہ یہ ہے کہ اگر کوئی شخص نابینا ہو اور اس کو مسجد لیجانے کے لئے خادم نہ ہو تو وہ معذور ہے یہاں حضور اکرم ﷺ نے عبداللہ ابن ام مکتوم کو اجازت کیوں نہ دی؟ نیز احادیث میں آیا ہے کہ ایک صحابی عتبان بن مالک رضی اللہ عنہ نے جب اپنی بینائی کی شکایت کی تو حضور اکرم ﷺ نے ان کو جماعت چھوڑنے کی اجازت دی یہاں کیوں اجازت نہ دی؟۔

جواب: اس کا جواب یہ ہے کہ کسی صحابی کی شان کا موازنہ غیر صحابی سے نہیں کیا جاسکتا لہٰذا غیر صحابی کو اگر کسی چیز میں رخصت واجازت ہو تو وہاں صحابہ کی شان کو دیکھتے ہوئے اجازت نہیں ہوتی ہے اسی طرح صحابہ کی جماعت میں جن کی شان بلند ہو ان کا معیار بھی دوسروں کے مقابلہ میں بلند رکھا جاتا ہے چونکہ عبداللہ ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ صحابی بھی تھے اور پھر وہ اکابر صحابہ میں سے تھے لہٰذا ان کا معیار حضرت عتبان رضی اللہ عنہ کے مقابلہ میں بلند رکھنا تھا تو ان کو حکم ہوا کہ تم جماعت میں ہر حالت میں حاضری دو اسی طرح بعض مسائل میں حضور اکرم ﷺ نے صحابہ کے مقابلہ میں اہل بیت کا معیار بلند رکھا اور ان کو خرچہ کا ذخیرہ کرنا منع کر دیا۔ پھر آپ ﷺ نے اپنی شان کے مطابق اپنا معیار ان سب سے بلند رکھا اور ایسے اعمال کو اپنایا جن کا امت تصور بھی نہیں کر سکتی ہے یہ فرق مراتب ہے اس کا خیال رکھنا چاہئے اس سے بہت سارے مسائل حل ہو جاتے ہیں۔[3]

سخت سردی کی وجہ سے ترک جماعت جائز ہے

﴿۴﴾ وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ أَنَّهٗ أَذَّنَ بِالصَّلَاةِ فِيْ لَيْلَةٍ ذَاتِ بَرْدٍ وَرِيْحٍ ثُمَّ قَالَ أَلَا صَلُّوْا فِي الرِّحَالِ ثُمَّ قَالَ إِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَأْمُرُ الْمُؤَذِّنَ إِذَا كَانَتْ لَيْلَةٌ ذَاتُ بَرْدٍ وَمَطَرٍ يَقُوْلُ أَلَا صَلُّوْا فِي الرِّحَالِ. (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)[4]

ترجمہ: اور حضرت ابن عمر کے بارے میں مروی ہے کہ انہوں نے ایک رات میں جبکہ (سخت) سردی اور ہوا تھی نماز کے

[1] اخرجه ومسلم: ۲/۱۲۲ [2] المرقات: ۳/۱۳۶ [3] المرقات: ۳/۱۳۶ [4] اخرجه والبخاري: ۱/۱۷۰ ومسلم: ۲/۱۴۷

لئے اذان دی اور (اذان سے فارغ ہو کر لوگوں سے) کہا کہ خبردار! اپنے اپنے گھروں میں نماز پڑھ لو۔'' پھر فرمایا کہ سرور کونین ﷺ اس رات میں جبکہ (سخت) سردی اور بارش ہوتی مؤذن کو حکم دیتے تھے۔ کہ وہ (اذان کے بعد لوگوں سے پکار کر یہ بھی) کہہ دے کہ ''خبردار! اپنے اپنے گھروں میں نماز پڑھ لو۔'' (بخاری ومسلم)

توضیح: کیچڑ اور بارش کی وجہ سے آدمی گھر میں نماز پڑھ سکتا ہے "الرحال" منزل اور گھر کو کہا گیا ہے "اذا ابتلت النعال فالصلوٰۃ فی الرحال" النعال جوتے کے معنی میں بھی ہے اور سخت زمین کو بھی کہتے ہیں یعنی سخت زمین جب بارش سے گیلی ہو جائے تو پھر گھروں میں نماز پڑھا کرو۔[1]

پہلے کھانا پھر نماز

﴿۵﴾ وعنه قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا وُضِعَ عَشَاءُ أَحَدِكُمْ وَأُقِيْمَتِ الصَّلَاةُ فَابْدَأُوْا بِالْعَشَاءِ وَلَا يَعْجَلْ حَتّٰى يَفْرَغَ مِنْهُ وَكَانَ ابْنُ عُمَرَ يُوْضَعُ لَهُ الطَّعَامُ وَتُقَامُ الصَّلَاةُ فَلَا يَأْتِيْهَا حَتّٰى يَفْرَغَ مِنْهُ وَاِنَّهُ لَيَسْمَعُ قِرَاءَةَ الْاِمَامِ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)[2]

ترجمہ: اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما راوی ہیں کہ سرور کونین ﷺ نے فرمایا ''جب تم میں سے کسی کے سامنے رات کا کھانا رکھا جائے اور (اسی وقت) نماز کی تکبیر کہی جائے تو وہ کھانا شروع کر دے اور کھانا کھانے میں جلدی نہ کرے بلکہ اس سے اطمینان کے ساتھ فارغ ہو۔'' اور حضرت ابن عمر کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ جب ان کے سامنے کھانا رکھا جاتا اور نماز شروع ہو جاتی تو نماز کے لئے اس وقت تک نہ آتے جب تک کہ کھانے سے فارغ نہ ہو لیتے اور امام کی قرأت سنتے رہتے۔'' (بخاری ومسلم)

توضیح: "فابدؤا بالعشاء" عشاء عین کے فتحہ کے ساتھ شام کے کھانے کو کہتے ہیں اگر نماز کے وقت میں وسعت ہو تو دلجمعی کے پیش نظر یہی بہتر ہے کہ پہلے کھانا کھالے تا کہ نماز میں انتشار افکار نہ ہو جمہور کے نزدیک مشتاق طعام کے لئے یہی بہتر اور احسن ہے کیونکہ ممکن ہے کہ کھانا ٹھنڈا ہو کر خراب ہو جائے یا بلی اور کتا کھالے یا چاٹ لے یا اس تاخیر سے غیر کو تکلیف ہو جائے امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ سے اس موقع پر ایک حکیمانہ کلام منقول ہے فرمایا "لأن یکون طعامی کله صلوٰۃ احب الی من ان تکون صلوتی کلها طعاما" جب نماز کی فکر ہو اور کھانا کھا رہا ہو گویا وہ نماز میں ہے اور جب کھانے کی فکر ہو اور نماز میں ہو گویا وہ نماز کے بجائے کھانے میں مشغول ہے۔[3]

کھانا سامنے ہو یا بول و براز کی حاجت ہو تو نماز مؤخر کرنا چاہئے

﴿۶﴾ وعن عَائِشَةَ أَنَّهَا قَالَتْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ لَا صَلَاةَ بِحَضْرَةِ

[1] المرقات: ۳/۱۳۶ [2] اخرجه البخاری: ۱/۱۶۱، ۱۰۷/۲، ومسلم: ۲/۷۸ [3] المرقات: ۳/۱۳۷

الطَّعَامِ وَلَا هُوَ يُدَافِعُهُ الْأَخْبَثَانِ. (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)[۱]

ترجمہ: اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے سرور کونین ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ کھانا سامنے ہونے کی صورت میں نماز کامل نہیں ہوتی اور نہ اس حالت میں (نماز پوری ہوتی ہے) جب کہ دو خبیث (یعنی پیشاب و پاخانہ) اس (کی نماز میں حضوری قلب) کو ختم کریں۔" (مسلم)

توضیح: نماز آدمی ایسے وقت اور ایسی حالت میں پڑھے جب آدمی کو مکمل اطمینان وسکون حاصل ہو، تاکہ اللہ تعالیٰ کے سامنے مکمل خشوع وخضوع قائم رہے۔

لیکن جب آدمی پر بول وبراز کا شدید دباؤ ہو یا کھانے کی شدید خواہش ہو اسی طرح قے اور متلی کی کیفیت ہو یا ریح کی شکایت ہو ان تمام صورتوں میں نماز کو مؤخر کیا جاسکتا ہے اور جماعت کو ترک کیا جاسکتا ہے۔

"اخبثان" ای ولا صلوٰۃ حاصلۃ للمصلی فی حال یدافعه الاخبثان" اخبثان سے مراد بول اور براز ہے یعنی پاخانہ آدمی کو اٹھا کر بھگاتا ہے اسی طرح حال پیشاب کا ہے، لہٰذا بول وبراز کی ایسی پریشان کن حالت میں نماز مؤخر کرنا جائز ہے۔

بول وبراز اگر موجب ثقل صلوٰۃ ہو تو ایسی حالت میں نماز پڑھنا پڑھانا مکروہ تحریمی ہے ایسی پریشان کن حالت میں نماز باجماعت ترک کرنا بہتر ہے تاکہ خوب اطمینان وسکون کے ساتھ نماز پڑھ سکے مگر یہ مسائل اس وقت ہیں جب وقت میں وسعت ہو اگر وقت میں تنگی ہو تو پھر ہر حالت میں پڑھنا ہی ہوگا۔[۲]

جب نماز کھڑی ہوجائے تو پھر سنت نہ پڑھو

﴿۷﴾ وعن أبي هريرة قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا أُقِيمَتِ الصَّلَاةُ فَلَا صَلَاةَ إِلَّا الْمَكْتُوبَةَ. (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)[۳]

ترجمہ: اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ سرور کونین ﷺ نے فرمایا "جب نماز کھڑی ہوجائے (یعنی فرض نماز کے لئے تکبیر کہی جائے) تو فرض نماز کے علاوہ اور کوئی نماز نہ پڑھنی چاہئے۔" (مسلم)

توضیح: "الا المکتوبة" صبح کے علاوہ چاروں اوقات کی نمازوں میں جب اقامت ہوجائے تو اتفاقاً سنن پڑھنا مکروہ تحریمی ہے البتہ صبح کی سنتوں میں چونکہ شدید تاکید وتاکد ہے چنانچہ بعض علماء نے اس کو سنت کے بجائے واجب کہا ہے اور حدیث میں ہے "صلوها وان طردتكم الخيل" یعنی دشمن کے گھوڑے روند بھی ڈالیں تب بھی یہ سنت نہ چھوڑو ان تاکیدات کی وجہ سے یہ مسئلہ فقہاء کے درمیان مختلف فیہا ہوگیا۔[۴]

[۱] اخرجه ومسلم: ۲/۷۸، ۷۹ [۲] المرقات: ۳/۱۳۸ [۳] اخرجه ومسلم: ۲/۱۵۳، ۱۵۴ [۴] المرقات: ۳/۱۳۹

فقہاء کا اختلاف:

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اور امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں باقی نمازوں کی سنتوں کی طرح فجر کی سنت بھی جماعت کے قیام کے وقت مکروہ تحریمی ہے اہل ظواہر کے ہاں تو اس قسم نمازوں کا انعقاد بھی نہیں ہوتا اگر کوئی نیت کرلے تو نیت ہی صحیح نہیں ہوگی۔

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک فجر کی سنت قیام جماعت کے وقت داخل مسجد میں ناجائز ہے مگر خارج مسجد میں جائز ہے بشرطیکہ جماعت کے ساتھ فجر کی دونوں رکعتیں مل سکتی ہوں۔[۱]

احناف فرماتے ہیں کہ ان دوسنتوں کے اس تاکد اور تاکید کے پیش نظر قیام جماعت کے وقت بھی ان سنتوں کو پڑھنا چاہئے اگر مسجد بڑی ہو تو اس کے کسی کونے میں کھڑا ہو جائے اگر مسجد صغیر ہے تو آدمی مسجد سے باہر جا کر کھڑا ہو جائے بشرطیکہ آخری رکعت مکمل مل جائے تاکہ احراز فضیلتیں مکمل طور پر ہو جائے مسجد کبیر وہ ہوتی ہے جو ساٹھ قدم تک ہو اگر ایسی نہیں تو پھر وہ مسجد صغیر ہے۔[۲]

عورتوں کا جماعت کے ساتھ نماز پڑھنے کا حکم

﴿۸﴾ وعن ابن عمر قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم إذا استأذنت امرأة أحدكم إلى المسجد فلا يمنعها۔ (متفق علیه)[۳]

ترجمہ: اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما راوی ہیں کہ سرور کونین ﷺ نے فرمایا جب تم میں سے کسی کی عورت مسجد میں جانے کی اجازت مانگے تو اس کو منع مت کرو۔ (بخاری ومسلم)

توضیح: "اذا استأذنت امرأة" بہت ساری صحیح احادیث سے ثابت ہے کہ حضور اکرم ﷺ کے عہد مبارک میں عورتوں کو نماز پڑھنے کے لئے مسجد میں آنے کی اجازت تھی اور عورتیں حاضر بھی ہوتی تھیں لیکن اس مبارک دور میں بھی عورتوں پر چند پابندیاں اور چند شرائط لگائی گئی تھیں مطلق اجازت اس وقت بھی نہیں تھی۔[۴]

چند شرائط:

❶ عورتوں کو حکم تھا کہ وہ خوشبو استعمال کر کے مسجد نہ آئیں ورنہ نماز نہیں ہوگی اسی طرح زیب وزینت کا لباس پہن کر نہ آئیں۔

❷ عورتوں کو حکم تھا کہ وہ مردوں سے بالکل آخر میں مسجد آئیں اور آخری صفوف میں بیٹھ جائیں اور سلام کے بعد فوراً گھروں کو جائیں۔

❸ مردوں کو حکم تھا کہ وہ مسجد سے اس وقت تک باہر نہ جائیں جب تک عورتیں گھروں تک نہ پہنچ جائیں۔

❹ عمر رسیدہ عورتوں کو اجازت تھی اور وہ بھی اندھیرے والی نمازوں میں مثلاً فجر مغرب اور عشاء جوان عورتوں کو اس میں بھی شریک ہونے کی اجازت نہیں تھی۔

---

[۱] المرقات: ۳/۱۴۹ [۲] المرقات: ۳/۱۴۹ [۳] اخرجه البخاری: ۱/۲۲۰، ۷/۴۹، ومسلم: ۲/۳۲ [۴] المرقات: ۳/۱۵۰

❻ عورتوں کو واضح طور پر بتادیا گیا تھا کہ ان کی وہ نماز جو گھروں کے اندر وہ پڑھیں گی اس کا ثواب اس نماز سے زیادہ ہے جو مسجد میں جاکر پڑھی جائے گی۔[1]

اُس وقت کی ضرورت:

عہد رسالت میں عورتوں کو مسجد میں حاضر ہونے کی ایک خاص ضرورت تھی وہ یہ کہ اس وقت نئے نئے احکام کا نزول ہورہا تھا حضور اکرم ﷺ کے مواعظ حسنہ مسجد ہی میں ہوتے تھے اور ان کے حصول کا واحد ذریعہ مسجد میں حاضر ہونا تھا اس مجبوری کے تحت عورتوں کو مسجد جانے کی اجازت دی گئی تھی۔

نیز رسول اللہ ﷺ کی مجالس کی برکات کا حصول بھی اس کے علاوہ ممکن نہ تھا نیز دین اسلام کے سیکھنے کا واحد راستہ یہی تھا۔

اُس وقت کا ماحول:

یہ بات بھی ملحوظ رکھنی چاہئے کہ اس وقت کا ماحول کیا تھا جس میں عورتیں مسجدوں میں جایا کرتی تھیں۔ ذرا جھانک کر دیکھ تو لیں کہ صحابہ کرام کی فرشتوں جیسی جماعت تھی سید الاولین والآخرین بنفس نفیس جلوہ افروز تھے آسمان سے قرآن عظیم کی عظیم برکات کا نزول ہورہا تھا جبریل امین صبح وشام اس مقدس سرزمین پر اپنے مبارک توجہات کے ساتھ مبارک قدم رکھتے تھے۔

خیر القرون کا دور تھا دل پاک صاف تھے خوف خدا اور تقوی کا ماحول تھا ایسے ماحول میں عورتوں کا مسجدوں میں آنا باعث فتنہ نہیں تھا بلکہ باعث برکت تھا اصولی طور پر ایسے ماحول پر کسی اور ماحول کو قیاس نہیں کیا جاسکتا۔

نتیجہ یہ نکلا کہ جب عہد رسالت والی مجبوری باقی نہ رہی اور اس جیسا ماحول نہ رہا بلکہ فتنہ وفساد کا دور آگیا تو ایسے حالات میں عورتوں کا مسجدوں میں جانا درست نہیں ہوگا۔

عہد صحابہ میں یہ مسئلہ زیر بحث رہا اور اس پر گرما گرم بحثیں ہوئیں ایک دفعہ حضرت زبیر بن العوام رضی اللہ عنہ نے اپنی بیوی کو مسجد میں جانے سے روکا تو انہوں نے بات نہ سنی کیونکہ نبی اکرم ﷺ کی اجازت انکو معلوم تھی جو ایک طاقتور دلیل تھی۔ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے یہ تدبیر کی کہ راستہ میں بیٹھ گئے اور جب انکی بیوی مسجد جارہی تھیں تو حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے ان کی طرف کنکری پھینک دی وہ وہیں پر کھڑی ہوگئیں اور کہا **انا للہ وانا الیہ راجعون** یہ کہہ کر واپس آگئی اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہ سے فرمانے لگیں کہ اب وہ دور نہیں رہا جس میں عورتیں مسجدوں میں جایا کرتی تھیں۔

مشکوۃ شریف میں اسی باب کی آخری دو حدیثیں ۳۱، ۳۲ آنے والی ہیں اس میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما اور ان کے بیٹے بلال کی گفتگو مذکور ہے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ عورتوں کو مسجد جانے کے بارے میں حضور ﷺ نے فرمایا کہ انہیں مت روکو حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے بیٹے بلال رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں تو روکوں گا اس صُوری معارضہ پر حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما اتنے ناراض ہوئے کہ زندگی بھر ان سے کلام نہیں فرمایا حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے حدیث کا معارضہ وانکار نہیں کیا صرف صورت معارضہ کی بن گئی۔ جب یہ قضیہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو معلوم ہوا تو فرمانے لگیں کہ اللہ

[1] المرقات: ۳/۱۵۰

تعالیٰ ابن عمر رضی اللہ عنہما پر رحم فرمائے اگر رسول اللہ ﷺ آج کے دور میں ہوتے تو عورتوں کو مسجد جانے سے روک دیتے جیسا بنی اسرائیل کی عورتوں کو روکا گیا بخاری شریف میں حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی روایت اس طرح ہے۔

"لو ادرك رسول الله صلى الله عليه وسلم ما احدث النساء لمنعهن المسجد كما منعت نساء بني اسرائيل" (بخاری ج ۱ ص ۱۲۰)[۱]

بہر حال عورتوں کا مسجد جانا فقہاء احناف نے اس معروضی احوال کے پیش نظر مکروہ لکھا ہے حدیث کا جواز اپنی جگہ پر صحیح ہے مگر حدیث کے لئے وہ ماحول باقی نہیں رہا جس ماحول میں یہ حدیث کہی گئی تھی اور جس مجبوری کے پیش نظر کہی گئی تھی وہ مجبوری نہیں رہی اس وجہ سے علماء کہتے ہیں کہ "فلا يمنعنها" کی جو نہی وارد ہے وہ **مکروہ تنزیہی** پر محمول ہے یعنی روکنا خلاف اولیٰ ہے مطلب یہ کہ اگر کوئی روکے تو وہ بھی جائز ہے۔

جب عورت عبادت کے لئے مسجد نہیں جا سکتی تو چلہ میں کیسے جاتی ہے؟

فقہاء احناف کی فقہ کی کتابوں میں اصحاب متون نے ایک حکم لکھا ہے جس کے الفاظ اس طرح ہیں "ولا يحضرن الجماعات" یعنی عورتیں جماعت کی نماز میں حاضر نہیں ہو سکتی ہیں۔

کنز الدقائق کی اس عبارت کی شرح علامہ ابن نجیم رحمۃ اللہ علیہ نے بحر الرائق میں اس طرح کی ہے۔

"ولا يحضرن الجماعات لقوله تعالى ﴿وقرن في بيوتكن ولا تبرجن تبرج الجاهلية الاولى﴾ وقال صلى الله عليه وسلم صلوتها في قعر بيتها افضل من صلوتها في صحن دارها وصلوتها في صحن دارها افضل من صلاتها في مسجدها وبيوتهن خير لهن ولانه لا يؤمن الفتنة من خروجهن اطلقه فشمل الشابة والعجوزة والصلوة النهارية والليلية. قال المصنف في الكافي والفتوى اليوم على الكراهة في الصلوة كلها لظهور الفساد ومتى كره حضور المسجد للصلوة فلأن يكره حضور مجالس الوعظ" خصوصا عند هؤلاء الجهال الذين تحلوا بحلية العلماء اولى" (ذكره فخر الاسلام) وفي فتح القدير المعتمد منع الكل في الكل الا العجائز المتفانية فيما يظهر لي دون العجائز المتبرجات وذوات الرمق" (بحر الرائق ج ۱ ص ۳۵۸)[۲]

ترجمہ: اور عورتیں نماز باجماعت میں حاضر نہیں ہو سکتی ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ گھروں میں بیٹھی رہو اور جہالت اولیٰ کی طرح بن ٹھن کر نہ نکلو اسی طرح نبی اکرم ﷺ کی حدیث ہے آپ ﷺ نے فرمایا کہ عورت کی

[۱] المرقات: ۳/۱۵۰ [۲] بحر الرائق ۱ ص ۳۵۸

نماز گھر کے تہ خانہ میں اس نماز سے افضل ہے جو گھر کے صحن میں ہو اور گھر کے صحن والی نماز اس نماز سے افضل ہے جو مسجد میں ہو اور عورتوں کے لئے ان کے گھر ہی بہتر مقام ہے قرآن وحدیث کی دلیل کے بعد عقلی دلیل یہ ہے کہ عورتوں کے نکلنے سے ان کے فتنہ میں پڑ جانے کا خطرہ ہے متن میں منع کے مسئلہ کو عام رکھا ہے لہٰذا یہ حکم جوان اور بوڑھی سب عورتوں کو شامل ہے اسی طرح دن اور رات کی نمازوں میں بھی کوئی فرق نہیں ہے (سب منع ہے) مصنف نے کافی کتاب میں لکھا ہے کہ آج کل کراہت کا یہ فتویٰ تمام نمازوں کے لئے ہے کیونکہ شر و فساد کھل کر ظاہر ہو چکا ہے۔ اور جب نماز کے لئے مسجد میں حاضر ہونا مکروہ ہے تو وعظ کی مجالس میں بطریق اولیٰ حاضر ہونا مکروہ ہے خصوصاً ان جاہلوں کے وعظ کی مجلس میں جانا جو علماء کے جبے قبے اور ان کے دستار و لباس میں ملبوس ہو کر آتے ہیں، فخر الاسلام علی بزدوی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کو ذکر کیا ہے۔

فتح القدیر میں لکھا ہے کہ احتیاط اس میں ہے کہ تمام نمازوں میں ہر قسم کی عورتوں کا مسجد میں آنا منع ہے ہاں وہ بوڑھی عورتیں جو بالکل بڈھی کھوسٹ ہوں مگر وہ بوڑھیاں بھی نہیں جاسکتیں جو بناؤ سنگھار کرتی ہیں اور مردوں کے لئے قابل التفات ہیں۔ اس عبارت سے معلوم ہوا کہ عورتوں کا جلوں میں نکلنا گشت لگانا اور محلوں میں دور دراز علاقوں میں جانا مکروہ وممنوع ہے اسی طرح مدرسۃ البنات کا جو طوفان اٹھا ہے یہ بھی خطرات سے خالی نہیں ہے اگرچہ اس کا کچھ ثبوت عہد نبوی میں ملتا ہے لیکن آنحضرت ﷺ کے عہد مبارک پر آج کا پُرفتن دور قیاس کرنا اُس دور کی بے ادبی ہے۔

عورت خوشبو لگا کر باہر نہ جائے

﴿۹﴾ وعن زَيْنَبَ امْرَأَةِ عَبْدِ اللهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَتْ قَالَ لَنَا رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا شَهِدَتْ إِحْدَاكُنَّ الْمَسْجِدَ فَلَا تَمَسَّ طِيْبًا۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)[1]

ترجمہ: اور حضرت عبداللہ ابن مسعود کی زوجہ مطہرہ حضرت زینب کہتی ہیں کہ سرور کونین ﷺ نے ہم سے فرمایا کہ "جب تم میں سے کوئی (عورت) مسجد میں جائے تو وہ خوشبو نہ لگائے۔" (مسلم)

﴿۱۰﴾ وعن أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَيُّمَا امْرَأَةٍ أَصَابَتْ بَخُوْرًا فَلَا تَشْهَدْ مَعَنَا الْعِشَاءَ الْآخِرَةَ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)[2]

ترجمہ: اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ سرور کونین ﷺ نے فرمایا "جو عورت بخور (یعنی خوشبو) لگائے۔ وہ ہمارے ساتھ عشاء کی نماز میں شریک نہ ہو۔" (مسلم)

[1] (۲) اخرجه ومسلم: ۲/۳۲ [2] اخرجه ومسلم: ۲/۳۳

الفصل الثانی

﴿۱۱﴾ عن ابنِ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيهِ وَسَلَّمَ لَاتَمْنَعُوْا نِسَاءَ كُمُ الْمَسَاجِدَ وَبُيُوتُهُنَّ خَيْرٌ لَهُنَّ۔ (رَوَاهُ أَبُودَاوُد)[1]

ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما راوی ہیں کہ سرور کونین ﷺ نے فرمایا "تم اپنی عورتوں کو مسجدوں (میں آنے) سے نہ روکو لیکن (نماز پڑھنے کے لئے) ان کے گھر ان کے لئے بہتر ہیں۔" (ابوداود)

عورتوں کو گھر ہی میں نماز پڑھنا افضل ہے

﴿۱۲﴾ وعن ابنِ مَسْعُودٍ قَالَ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيهِ وَسَلَّمَ صَلَاةُ الْمَرْأَةِ فِي بَيْتِهَا أَفْضَلُ مِنْ صَلَاتِهَا فِي حُجْرَتِهَا وَصَلَاتُهَا فِي مُخْدَعِهَا أَفْضَلُ مِنْ صَلَاتِهَا فِي بَيْتِهَا۔ (رَوَاهُ أَبُودَاوُد)[2]

ترجمہ: اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ سرور کونین ﷺ نے فرمایا "عورت کا گھر کے اندر (یعنی دالان میں) نماز پڑھنا صحن میں نماز پڑھنے سے بہتر ہے اور کوٹھری میں نماز پڑھنا کھلے ہوئے مکان میں نماز پڑھنے سے بہتر ہے۔" (ابوداود)

توضیح: "حجرتها" کمروں کے سامنے جو صحن ہوتا ہے اس کو حجرہ کہا گیا ہے جسکی طرف کمروں کے دروازے کھلتے ہیں اور بیت کا اطلاق گھر پر بھی ہوتا ہے لیکن یہاں شاید گیلری اور برآمدہ اور دالان مراد ہے۔[3]

"مخدعها" مخدع خدع سے ہے، میم پر ضمہ اور فتحہ دونوں ہے، دھوکہ کی جگہ اور دھوکہ کو کہتے ہیں یہاں عورت کی وہ کوٹھری مراد ہے جس میں ان کا اپنا پوشیدہ سامان پڑا رہتا ہے اسی کو "خدرہ" بھی کہتے ہیں جیسا امرء القیس نے کہا[4]

ویوم دخلت الخدر خدر عنیزة فقالت لك الویلات انك مرجلي

تقول وقد مال الغبیط بنا معاً عقرت بعیری یا امرألقیس فانزل

اس حدیث سے ایک عجیب تعلیم حاصل ہوگئی اور وہ یہ کہ اکثر عورتیں مسجد کے لئے ترستی ہیں کہ وہ مسجد میں جا کر ثواب کمائیں اب ان سے اگر پوچھا جائے کہ یہ بتاؤ آپ کو مسجد جانے کا شوق کیوں ہے؟ اگر اس وجہ سے ہے کہ جماعت اور مسجد کا ثواب حاصل ہو جائے گا تو وہ ثواب تو گھر میں بھی ملتا ہے بلکہ اس سے کچھ بہتر ملتا ہے۔

اور اگر مسجد جانے کا شوق کسی اور وجہ سے ہے تو ذرا وہ شوق بتایا جائے تاکہ اس پر غور کیا جائے۔

﴿۱۳﴾ وعن أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ إِنِّي سَمِعْتُ حِبِّي أَبَا الْقَاسِمِ صَلَّى اللهُ عَلَيهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ لَا تُقْبَلُ صَلَاةُ

---

[1] اخرجه [2] اخرجه وابوداؤد: ۵۷۰ [3] المرقات: ۳/۱۵۱ [4] المرقات: ۳/۱۵۱

امْرَأَةٍ تَطَيَّبَتْ لِلْمَسْجِدِ حَتّٰى تَغْتَسِلَ غُسْلَهَا مِنَ الْجَنَابَةِ۔ (رَوَاهُ أَبُوْدَاوٗدَ وَرَوَى أَحْمَدُ وَالنَّسَائِيُّ نَحْوَهٗ)[۱]

ترجمہ: اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے محبوب ابو القاسم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ ''اس عورت کی نماز قبول نہیں کی جاتی جو مسجد جانے کے لئے خوشبو لگائے یہاں تک کہ وہ اگر خوشبو لگائے ہوئے ہو تو اچھی طرح غسل کرے جیسا کہ ناپاکی کا غسل کیا جاتا ہے۔'' (ابوداؤد، احمد، نسائی)

اجنبی مردوں کو اپنی خوشبو سنگھانے والی عورت زناکار ہے

﴿۱۴﴾ وعن أَبِي مُوْسٰى قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كُلُّ عَيْنٍ زَانِيَةٌ وَاِنَّ الْمَرْأَةَ إِذَا اِسْتَعْطَرَتْ فَمَرَّتْ بِالْمَجْلِسِ فَهِيَ كَذَا وَكَذَا يَعْنِيْ زَانِيَةٌ۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَلِأَبِيْ دَاوٗدَ وَالنَّسَائِيِّ نَحْوَهٗ)[۲]

ترجمہ: اور حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ سرور کونین ﷺ نے فرمایا ہر آنکھ زنا کرنے والی ہے (جبکہ وہ کسی غیر عورت کی طرف بری نظر سے دیکھے کیونکہ اجنبی عورت کی طرف بری نظر سے دیکھنا آنکھ کا زنا ہے) اور جو عورت خوشبو لگا کر (مردوں کی) مجلس سے گذرے اور چاہے کہ لوگ اس کی طرف دیکھیں، تو وہ ایسی اور ایسی ہے (یعنی) زانیہ ہے۔'' (ترمذی، ابوداؤد، نسائی)

منافقین پر کونسی نماز بوجھل ہے

﴿۱۵﴾ وعن أُبَيِّ بْنِ كَعْبٍ قَالَ صَلّٰى بِنَا رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْماً الصُّبْحَ فَلَمَّا سَلَّمَ قَالَ أَشَاهِدٌ فُلَانٌ قَالُوْا لَا قَالَ أَشَاهِدٌ فُلَانٌ قَالُوْا لَا قَالَ اِنَّ هَاتَيْنِ الصَّلَاتَيْنِ أَثْقَلُ الصَّلَوَاتِ عَلَى الْمُنَافِقِيْنَ وَلَوْ تَعْلَمُوْنَ مَا فِيْهِمَا لَأَتَيْتُمُوْهُمَا وَلَوْ حَبْواً عَلَى الرُّكَبِ وَاِنَّ الصَّفَّ الْأَوَّلَ عَلٰى مِثْلِ صَفِّ الْمَلَائِكَةِ وَلَوْ عَلِمْتُمْ مَا فَضِيْلَتُهٗ لَابْتَدَرْتُمُوْهُ وَاِنَّ صَلَاةَ الرَّجُلِ مَعَ الرَّجُلِ أَزْكٰى مِنْ صَلَاتِهٖ وَحْدَهٗ وَصَلَاتَهٗ مَعَ الرَّجُلَيْنِ أَزْكٰى مِنْ صَلَاتِهٖ مَعَ الرَّجُلِ وَمَا كَثُرَ فَهُوَ أَحَبُّ إِلَى اللهِ۔

(رَوَاهُ أَبُوْدَاوٗدَ وَالنَّسَائِيُّ)[۳]

ترجمہ: اور حضرت ابی ابن کعب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک روز سرور کونین ﷺ نے ہمیں فجر کی نماز پڑھائی جب آپ سلام پھیر چکے (تو ایک شخص کا نام لے کر اس کے بارے میں) فرمایا کہ کیا فلاں شخص حاضر ہے؟ صحابہ نے عرض کیا کہ نہیں! آپ نے (ایک دوسرے شخص کا نام لے کر اس کے بارے میں) فرمایا کہ کیا فلاں شخص حاضر ہے؟ صحابہ نے عرض کیا کہ نہیں! اس کے بعد، آپ نے فرمایا ''تمام نمازوں میں یہ دونوں (یعنی فجر وعشاء کی) نمازیں منافقین پر بہت گراں گذرتی ہیں، اگر تم لوگ جان لیتے

[۱] اخرجه ابوداؤد: ۴۱۷۴ واحمد: ۲/۲۴۶، ۲۹۷، ۳۶۵، ۴۴۴، ۴۶۱ النسائی: ۸/۱۵۳ [۲] اخرجه الترمذی: ۲۷۸۶ وابوداؤد: ۴۱۷۳ والنسائی: ۸/۱۵۳ [۳] اخرجه ابوداؤد: ۵۵۴، ۱۴۰/۵ والنسائی: ۲/۱۰۴

کہ ان دونوں نمازوں کا کتنا ثواب ہے، توتم (دوڑ کر اور) گھٹنوں کے بل (یعنی افتاں وخیزاں) آتے اور (ثواب وفضیلت نیز تقرب الی اللہ کے سلسلہ میں) پہلی صف فرشتوں کی صف کی طرح ہے اگر تم پہلی صف کی فضیلت جان لو تو اس میں شامل ہونے کے لئے جلدی پہنچنے کی کوشش کرنے لگو اور آدمی کا اکیلے نماز پڑھنے سے دوسرے آدمی کے ساتھ مل کر پڑھنا زیادہ ثواب کا باعث ہے اور دو آدمیوں کے ساتھ مل کر نماز پڑھنا ایک آدمی کے ساتھ نماز پڑھنے سے زیادہ ثواب کا باعث ہے اور جس قدر زیادہ (نمازی ایک ساتھ یعنی جماعت سے نماز پڑھتے) ہوں اللہ کے نزدیک یہ سب سے محبوب ہے۔" (ابوداؤد، نسائی)

توضیح: منافقین کا ہر عمل ریاکاری پر مبنی ہوتا ہے اور ان میں اخلاص نہیں ہوتا ہے چونکہ عشاء اور فجر کی نماز میں محنت زیادہ ہوتی ہے ایک میں میٹھی نیند سے اٹھنا ہے دوسری میں نیند سے رکنا ہے اور منافق اخلاص سے خالی سستی سے بھرا ہوا ہوتا ہے لہٰذا فجر اور عشاء کی نماز اس پر بھاری ہوتی ہے اسی طرح ان دو نمازوں میں ریاکاری کا موقع بھی نہیں ہوتا ہے جو منافق کا محبوب سرمایہ ہے اس لئے یہ دونوں نمازیں منافقین پر بھاری ہیں۔[1]

"**لوحبوا**" گھٹنوں کے بل چلنے کو کہتے ہیں۔[2]

گاؤں اور صحراء میں بھی جماعت کے ساتھ نماز پڑھو

﴿۱۶﴾ وعن أبي الدَّرْدَاءِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا مِنْ ثَلَاثَةٍ فِيْ قَرْيَةٍ وَلَا بَدْوٍ لَا تُقَامُ فِيْهِمُ الصَّلَاةُ إِلَّا قَدِ اسْتَحْوَذَ عَلَيْهِمُ الشَّيْطَانُ فَعَلَيْكَ بِالْجَمَاعَةِ فَإِنَّمَا يَأْكُلُ الذِّئْبُ الْقَاصِيَةَ. (رَوَاهُ أَحْمَدُ وَأَبُوْدَاوُدَ وَالنَّسَائِيُّ)[3]

ترجمہ: اور حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ سرور کونین ﷺ نے فرمایا "جس بستی اور جس جنگل میں تین آدمی ہوں اور جماعت سے نماز نہ پڑھتے ہوں تو ان پر شیطان غالب رہتا ہے لہٰذا تم جماعت کو اپنے اوپر لازم کرلو کیونکہ اس بکری کو بھیڑیا کھا جاتا ہے جو ریوڑ سے الگ ہو (کر تنہا رہ) جاتی ہے۔" (احمد، ابوداؤد، نسائی)

توضیح: "**فی قریة**" یعنی گاؤں میں اگر تین آدمی بھی ہوں تو ان کو چاہئے کہ ایک امام بنے اور دو مقتدی بن کر جماعت کریں تاکہ جماعت کا ثواب حاصل ہوجائے اور مسلمانوں کی اجتماعیت کی شان بھی باقی رہ جائے کیونکہ مسلمانوں کی اجتماعیت جب تک باقی رہتی ہیں ابلیس کا بس ان پر نہیں چلتا لیکن اگر یہ اجتماعیت ختم ہوگئی تو شیطان کا ان پر تسلط ہوجائے گا جیسا کہ بھیڑیا بکریوں کے ریوڑ کو قابو نہیں کرسکتا اور نہ ان پر جرأت کرسکتا ہے لیکن تنہا اکیلی بکری کو فوراً دبوچ لیتا ہے اسی طرح جماعت سے الگ نماز پڑھنے والے کو ایک دن شیطان قابو کرکے دبوچ لیتا ہے۔[4]

"**استحوذ**" یہ غلبہ اور قابو پانے کے معنی میں ہے "**القاصية**" ریوڑ سے الگ تھلگ بکری کو قاصیہ کہتے ہیں۔ اس حدیث اور اس کے بعد والی حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ جماعت واجب ہے۔[5]

[1] المرقات: ۳/۱۵۳ [2] المرقات: ۳/۱۵۳ [3] اخرجه احمد: ۵/۱۹۶، ۶/۴۴۶ وابوداؤد: ۵۴۷ [4] المرقات: ۳/۱۵۵ [5] المرقات: ۳/۱۵۵

﴿۱۷﴾ وعن ابنِ عبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ سَمِعَ الْمُنَادِيَ فَلَمْ يَمْنَعْهُ مِنِ اتِّبَاعِهِ عُذْرٌ قَالُوْا وَمَا الْعُذْرُ قَالَ خَوْفٌ أَوْ مَرَضٌ لَمْ تُقْبَلْ مِنْهُ الصَّلَاةُ الَّتِيْ صَلّٰى۔
(رَوَاهُ أَبُوْدَاوُدَ وَالدَّارُ قُطْنِيُّ)[1]

ترجمہ: اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما راوی ہیں کہ سرور کونین ﷺ نے فرمایا "جو شخص اذان کہنے والے (یعنی مؤذن) کی اذان سنے اور مؤذن کی تابعداری (یعنی مسجد پہنچ کر جماعت میں شریک ہونے) سے اسے کوئی عذر نہ روکے، لوگوں نے پوچھا کہ عذر کیا ہے؟ فرمایا کہ "دشمن سے ڈرنا یا بیماری" تو اس کی نماز جو بغیر جماعت (اگرچہ مسجد ہی میں) پڑھے قبول نہیں کی جاتی۔" (ابوداؤد، دارقطنی)

تیز پیشاب آرہا ہو تو پہلے فارغ ہو جانا چاہئے

﴿۱۸﴾ وعن عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ أَرْقَمَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ إِذَا أُقِيْمَتِ الصَّلَاةُ وَوَجَدَ أَحَدُكُمُ الْخَلَاءَ فَلْيَبْدَأْ بِالْخَلَاءِ۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَرَوَى مَالِكٌ وَأَبُوْدَاوُدَ وَالنَّسَائِيُّ نَحْوَهُ)[2]

ترجمہ: اور حضرت عبداللہ ابن ارقم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے سرور کونین ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ "اگر نماز (کے لئے جماعت) کھڑی ہو جائے اور تم میں سے کسی کو پاخانہ کی حاجت ہو تو اسے چاہئے کہ وہ پہلے پاخانہ چلا جائے (اگرچہ جماعت ترک ہو جائے۔") (ترمذی، مالک، ابوداؤد، نسائی)

پیش امام کو عام دعا کرنا چاہئے

﴿۱۹﴾ وعن ثَوْبَانَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثَلَاثٌ لَا يَحِلُّ لِأَحَدٍ أَنْ يَفْعَلَهُنَّ لَا يَؤُمَّنَّ رَجُلٌ قَوْمًا فَيَخُصَّ نَفْسَهُ بِالدُّعَاءِ دُوْنَهُمْ فَإِنْ فَعَلَ ذٰلِكَ فَقَدْ خَانَهُمْ وَلَا يَنْظُرُ فِيْ قَعْرِ بَيْتٍ قَبْلَ أَنْ يَسْتَأْذِنَ فَإِنْ فَعَلَ فَقَدْ خَانَهُمْ وَلَا يُصَلِّ وَهُوَ حَقِنٌ حَتّٰى يَتَخَفَّفَ۔
(رَوَاهُ أَبُوْدَاوُدَ وَلِلتِّرْمِذِيِّ نَحْوَهُ)[3]

ترجمہ: اور حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ سرور کونین ﷺ نے فرمایا "تین چیزیں ایسی ہیں جن کا کرنا کسی کے لئے حلال نہیں ہے۔ اول تو یہ کہ کوئی شخص کسی جماعت کا امام بنے اور دعا میں جماعت کو شریک کئے بغیر اپنی ذات کو مخصوص کرے اگر کسی نے ایسا کیا تو اس نے لوگوں کے ساتھ خیانت کی۔

دوم یہ کہ کوئی شخص کسی کے گھر میں اجازت حاصل کئے بغیر نظر نہ ڈالے۔ اگر کسی نے ایسا کیا تو اس نے گھر والوں کے ساتھ خیانت کی۔

---

[1] اخرجه ابوداؤد: ۵۵۱ [2] اخرجه الترمذی: ۱۴۲ ومالك: ۱۱۷/۱ وابوداؤد: ۸۸ والنسائی: ۲/۱۱۱ [3] اخرجه ابوداؤد: ۹۰ والترمذی: ۳۵۷

سوم یہ کہ کوئی شخص ایسی حالت میں نماز نہ پڑھے کہ وہ پیشاب یا پاخانہ کو دبائے ہوئے ہو یہاں تک کہ وہ (استنجے سے فارغ ہوکر) ہلکا ہوجائے۔ (ابوداؤد، ترمذی)

توضیح: "فیخص نفسه" یعنی قوم کو چھوڑ کر پیش امام صاحب اپنے لئے دعا مانگ رہا ہو اور لوگ آمین کہہ رہے ہوں امام کا یہ عمل غلط ہے۔

سوال: یہاں یہ سوال ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو جو دعائیں لکھوائیں اور سکھائیں وہ منفرد اور اپنے نفس کیساتھ خاص تھیں اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ وہ مانگ رہے تھے تو یہاں کیسے حضور ﷺ نے نفی فرمادی؟۔

جواب: تخصیص کی یہ ممانعت قنوت نازلہ کی دعا میں ہے عام دعاؤں کا مسئلہ نہیں ہے۔ دوسرا جواب یہ کہ یہ نہی اس وقت کی دعا کے لئے ہے جبکہ اجابت دعا کا وقت ہو لوگ صرف آمین کہتے ہوں اور پیش امام صاحب مفرد کا صیغہ اپنے لئے استعمال کر کے دعا مانگ رہا ہو تو یہ قوم کے ساتھ خیانت ہے حضرت مولانا شیخ شمس الدین رحمۃ اللہ علیہ مشکوٰۃ کی شرح التعلیق الفصیح میں لکھتے ہیں کہ جن ماثورہ دعاؤں میں مقتدی امام پر اعتماد نہیں کرتے ہوں بلکہ خود بھی مانگتے ہوں جیسے تشہد کے بعد کی دعائیں ہیں ایسی دعاؤں میں امام اپنے لئے مفرد کا صیغہ استعمال کرسکتا ہے۔ لیکن اگر مقتدی آمین کہتے ہوں تو ایسی صورت میں امام پر لازم ہے کہ وہ عام صیغے استعمال کریں اور اپنے نفس کو دعا کے ساتھ خاص نہ کریں۔

نماز کو کسی وجہ سے مؤخر نہ کرو

﴿۲۰﴾ وعن جابرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تُؤَخِّرُوا الصَّلَاةَ لِطَعَامٍ وَلَا لِغَيْرِهِ۔ (رَوَاهُ فِي شَرْحِ السُّنَّةِ)

ترجمہ: اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ سرور کونین ﷺ نے (صحابہ کو مخاطب کرتے ہوئے) فرمایا کہ "کھانے کے لئے یا کسی اور وجہ سے نماز کو (اس کے وقت سے) مؤخر نہ کرو۔" (شرح السنہ)

توضیح: اس حدیث کا اس سے پہلے حدیث نمبر ۶ کے ساتھ تعارض ہے اس میں ہے کہ کھانے کی وجہ سے نماز میں تاخیر کی جاسکتی ہے لیکن اس حدیث میں ہے کہ کسی وجہ سے نماز میں تاخیر نہیں کرنی چاہئے اس کا جواب یہ ہے کہ زیر بحث حدیث کا تعلق اس صورت سے ہے جبکہ نماز کا وقت ختم ہو رہا ہو ایسی صورت میں نماز کو کسی وجہ سے مؤخر نہیں کیا جاسکتا۔

اور حدیث نمبر ۶ کا تعلق اس صورت سے ہے کہ وقت میں وسعت ہے لہٰذا نماز کو مؤخر کیا جاسکتا ہے تا کہ کھانا کھایا جائے اور خراب نہ ہوجائے یعنی عذر اور بے عذری کے احوال پر دونوں حدیثیں محمول ہیں۔[1]

[1] المرقات: ۳/۱۵۸

۲۲ ربیع الثانی ۱۴۱۰ھ

الفصل الثالث

نماز باجماعت کی ترغیب

﴿۲۱﴾ عن عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ لَقَدْ رَأَيْتُنَا وَمَا يَتَخَلَّفُ عَنِ الصَّلَاةِ إِلَّا مُنَافِقٌ قَدْ عُلِمَ نِفَاقُهُ أَوْ مَرِيْضٌ إِنْ كَانَ الْمَرِيْضُ لَيَمْشِيْ بَيْنَ رَجُلَيْنِ حَتّٰى يَأْتِيَ الصَّلَاةَ وَقَالَ إِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَّمَنَا سُنَنَ الْهُدٰى وَإِنَّ مِنْ سُنَنِ الْهُدٰى الصَّلَاةَ فِي الْمَسْجِدِ الَّذِيْ يُؤَذَّنُ فِيْهِ وَفِيْ رِوَايَةٍ قَالَ مَنْ سَرَّهُ أَنْ يَلْقَى اللّٰهَ غَداً مُسْلِماً فَلْيُحَافِظْ عَلٰى هٰذِهِ الصَّلَوَاتِ الْخَمْسِ حَيْثُ يُنَادٰى بِهِنَّ فَإِنَّ اللّٰهَ شَرَعَ لِنَبِيِّكُمْ سُنَنَ الْهُدٰى وَإِنَّهُنَّ مِنْ سُنَنِ الْهُدٰى وَلَوْ أَنَّكُمْ صَلَّيْتُمْ فِيْ بُيُوْتِكُمْ كَمَا يُصَلِّيْ هٰذَا الْمُتَخَلِّفُ فِيْ بَيْتِهِ لَتَرَكْتُمْ سُنَّةَ نَبِيِّكُمْ وَلَوْ تَرَكْتُمْ سُنَّةَ نَبِيِّكُمْ لَضَلَلْتُمْ وَمَا مِنْ رَجُلٍ يَتَطَهَّرُ فَيُحْسِنُ الطُّهُوْرَ ثُمَّ يَعْمِدُ إِلٰى مَسْجِدٍ مِنْ هٰذِهِ الْمَسَاجِدِ إِلَّا كَتَبَ اللّٰهُ لَهُ بِكُلِّ خُطْوَةٍ يَخْطُوْهَا حَسَنَةً وَرَفَعَهُ بِهَا دَرَجَةً وَحَطَّ عَنْهُ بِهَا سَيِّئَةً وَلَقَدْ رَأَيْتُنَا وَمَا يَتَخَلَّفُ عَنْهَا إِلَّا مُنَافِقٌ مَعْلُوْمُ النِّفَاقِ وَلَقَدْ كَانَ الرَّجُلُ يُؤْتٰى بِهِ يُهَادٰى بَيْنَ الرَّجُلَيْنِ حَتّٰى يُقَامَ فِي الصَّفِّ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)[1]

ترجمہ: حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم نے دیکھا ہے کہ نماز باجماعت سے صرف وہی منافق لوگ پیچھے رہ جاتے تھے جن کا نفاق معلوم اور کھلا ہوا ہوتا تھا (یعنی جن لوگوں کا نفاق پوشیدہ تھا وہ بھی جماعت میں حاضر ہوتے تھے) یا بیمار رہ جاتے تھے (یعنی جس مریض کو مسجد آنے کی کچھ نہ کچھ طاقت ہوتی تھی وہ بھی جماعت میں آتا تھا چنانچہ) جو مریض دو آدمیوں کے درمیان (یعنی ان کے سہارے سے) چل سکتا تھا وہ بھی نماز میں آتا تھا۔ (اس کے بعد) حضرت عبداللہ ابن مسعود نے فرمایا ”بے شک سرور کونین ﷺ نے ہمیں ہدایت کے طریقے سکھائے ہیں اور ہدایت کے ان طریقوں میں سے (ایک طریقہ) اس مسجد میں (جماعت سے) نماز پڑھنا ہے جس میں اذان دی جاتی ہو۔“

ایک دوسری روایت کے الفاظ یہ ہیں کہ حضرت عبداللہ ابن مسعود نے فرمایا ”جس شخص کے لئے یہ بات خوش کن ہو کہ وہ کل کے دن خدا سے کامل مسلمان کی حیثیت سے ملاقات کرے تو اسے چاہئے کہ وہ ان پانچوں نمازوں کی اس جگہ حفاظت کرے جہاں ان

[1] اخرجه مسلم: ۲/۱۲۳

نمازوں کے لئے اذان دی جاتی ہو (یعنی مساجد میں ان پانچوں نمازوں کو جماعت کے ساتھ پابندی سے ادا کرتا رہے) کیونکہ اللہ جل شانہ نے تمہارے نبی ﷺ کے لئے ہدایت کے (تمام) طریقے مقرر کر دیئے تھے اور ان پانچوں نمازوں کو جماعت سے پڑھنا بھی ہدایت کے طریقوں میں سے ایک طریقہ ہے۔ اگر تم اپنی نمازوں کو اپنے گھروں میں (اگرچہ جماعت سے) پڑھو گے جیسا کہ یہ پیچھے رہنے والا (یعنی منافق) نماز پڑھتا ہے تو (سمجھ لو کہ) تم اپنے نبی ﷺ کی سنت کو چھوڑنے والے ہو گے اور اگر اپنے نبی ﷺ کی سنت کو چھوڑ دو گے تو بیشک تم گمراہ ہو جاؤ گے۔ اور جو شخص پاک ہو کر اچھی طرح وضو کرتا ہے (یعنی وضو کے پورے حقوق و آداب کا لحاظ رکھتا ہے اور اس کے تمام واجبات و سنن کو ادا کرتا ہے) اور پھر ان مساجد میں سے کسی مسجد میں جاتا ہے تو خداوند قدوس اس کے ہر قدم کے بدلہ جو وہ (مسجد کی راہ میں) رکھتا ہے ایک نیکی لکھتا ہے اور اس کا ایک درجہ بلند کرتا ہے اور ایک برائی کو اس سے دور کر دیتا ہے۔ ہم نے دیکھا ہے کہ کھلے ہوئے منافق کے علاوہ کوئی شخص جماعت سے پیچھے نہ رہتا تھا (یعنی جماعت ترک نہ کرتا تھا) یہاں تک کہ بیمار آدمی اس حالت میں نماز میں لایا جاتا کہ وہ انتہائی ضعف و کمزوری کی وجہ سے دو آدمیوں کا سہارا لئے ہوئے ہوتا اور اس کو صف میں لا کھڑا کر دیا جاتا تھا۔" (مسلم)

توضیح: "سنن الهدیٰ" یعنی ہدایت کے طریقے اور وہ سنتیں جو باعث ہدایت ہیں۔[1]

یاد رکھو! نبی اکرم ﷺ کے مسنون افعال و اعمال دو طرح ہوتے تھے ایک قسم وہ افعال تھے جو آپ بطریق عبادت کرتے تھے اور دوسرے وہ افعال تھے جو آپ عادت کے طریقے پر کیا کرتے تھے جو اعمال مسنونہ آپ نے بطریق عبادت اپنائے تھے اس کو سنن ھدیٰ کہتے ہیں وہی سنت مؤکدہ ہیں اور جو اعمال آپ نے بطریق عادت کیے تھے اس کو سنن زوائد کہتے ہیں جو مستحبات کے قبیلے سے ہیں قسم اول کی مثال فجر ظہر مغرب اور عشاء کی نمازوں سے آگے پیچھے بارہ رکعات سنتیں ہیں۔ اور قسم ثانی کی مثال جیسے آنحضرت ﷺ کا لباس اور کھانا پینا اور اس کے لئے کوئی کیفیت اپنانا وغیرہ وغیرہ۔

سنن زوائد پر عمل کرنے سے ثواب تب ملتا ہے کہ آدمی اتباع النبی ﷺ کی نیت کرے اگر اتباع کی نیت نہ ہو تو ثواب نہیں ملیگا جیسے بعض قوموں کی پگڑیاں قومی روایات پر ہوتی ہیں اس میں ثواب نہیں یا جیسے بعض قومیں ازار قومی جذبہ پر باندھ دیتی ہیں اس میں ثواب اس وقت ملے گا کہ آدمی نبی اکرم ﷺ کی اتباع کی نیت کرے۔

﴿۲۲﴾ وعن أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَوْ لَا مَا فِي الْبُيُوتِ مِنَ النِّسَاءِ وَالذُّرِّيَّةِ أَقَمْتُ صَلَاةَ الْعِشَاءِ وَأَمَرْتُ فِتْيَانِي يُحَرِّقُوْنَ مَا فِي الْبُيُوتِ بِالنَّارِ۔ (رَوَاهُ أَحْمَدُ)[2]

ترجمہ: اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ سرور کونین ﷺ نے فرمایا "اگر گھروں میں عورتیں اور بچے نہ ہوتے تو میں عشاء کی نماز کو قائم کر کے خادموں کو حکم دیتا کہ (جو لوگ نماز میں حاضر نہیں ہوئے ان کے) گھر بار آگ میں جلا دیئے جائیں۔" (احمد)

---

[1] المرقات: ۳/۱۵۹ [2] اخرجه احمد: ۲/۳۶۷

اذان کے بعد مسجد سے بغیر نماز نکلنا منع ہے

﴿۲۳﴾ وعنه قَالَ أَمَرَنَا رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا كُنْتُمْ فِي الْمَسْجِدِ فَنُوْدِيَ بِالصَّلَاةِ فَلَا يَخْرُجْ أَحَدُكُمْ حَتّٰى يُصَلِّيَ۔ (رَوَاهُ أَحْمَدُ)[۱]

ترجمہ: اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ سرور کونین ﷺ نے ہمیں حکم دیا تھا کہ جب تم مسجد میں موجود ہو اور نماز کے لئے اذان ہو جائے تو تم میں سے کوئی شخص بغیر نماز پڑھے مسجد سے نہ نکلے۔" (احمد)

توضیح: "فلا یخرج" اذان کے وقت آدمی کے مقام کا اور جگہ کا اعتبار ہے داخل مسجد اور خارج مسجد کا فرق ہے جو آدمی خارج مسجد ہو یہ وعیدات اس کے لئے بظاہر نہیں ہیں اور جو آدمی داخل مسجد موجود ہو اور اذان ہو جائے تو اب نکلنا مکروہ ہے کیونکہ یہ صورۃ اعراض عن الجماعۃ ہے جو موجب تہمت ہے اگر مسجد اہل بدعت اور غالی بریلویوں کی ہے تو اس سے بھی نکلنا نہیں چاہئے بلکہ ان کے ساتھ نماز پڑھ لے اور پھر نماز کا اعادہ کرلے۔ فتاوی رشیدیہ میں لکھا ہے کہ ارادہ کے ساتھ اہل بدعت کی مسجد میں جانا نہیں چاہئے اگر غلطی سے بریلویوں کی مسجد میں کوئی گیا تو اب نہ بھاگے بلکہ نماز پڑھ کر اعادہ کرلے۔[۲] تبلیغ والے اس مسئلے میں دو غلطیاں کرتے ہیں ایک یہ کہ ارادہ کے ساتھ اہل بدعت کی مسجدوں میں جاتے ہیں اور ان کے پیچھے نماز پڑھتے ہیں اور اعادہ نہیں کرتے ہیں دوسری غلطی یہ کرتے ہیں کہ اس غلط طریقہ کو اصلاح اور ترویج دین کا راستہ سمجھتے ہیں اگرچہ واقعۃً اصلاح ہو بھی جاتی ہو مگر یہ طریقہ غلط ہے۔ بہر حال وہ آدمی مسجد سے اذان کے بعد نکل سکتا ہے جس کے ذمہ دوسری مسجد کا انتظام ہو یا وہاں کا امام ہو یا وہاں درس کا پروگرام ہو یا اس کی وجہ سے تکثیر عوام ہو یا کوئی اور سخت ضروری کام ہو یا کچھ وقت کے لئے نکل کر واپس آرہا ہو یہ اعذار ہیں اس کے بغیر نکلنا موجب عملی نفاق ہے جیسے آئندہ آرہا ہے۔[۳]

﴿۲۴﴾ وعن أَبِي الشَّعْثَاءِ قَالَ خَرَجَ رَجُلٌ مِنَ الْمَسْجِدِ بَعْدَ مَا أُذِّنَ فِيْهِ فَقَالَ أَبُوْ هُرَيْرَةَ أَمَّا هٰذَا فَقَدْ عَصٰى أَبَا الْقَاسِمِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)[۴]

ترجمہ: اور حضرت ابوشعثاء فرماتے ہیں کہ (ایک دن) اذان ہو جانے کے بعد ایک شخص مسجد سے نکلا تو حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ "اس شخص نے ابوالقاسم (یعنی رسول اللہ) ﷺ کی نافرمانی کی۔" (مسلم)

﴿۲۵﴾ وعن عُثْمَانَ بْنِ عَفَّانَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ أَدْرَكَهُ الْأَذَانُ فِي الْمَسْجِدِ ثُمَّ خَرَجَ لَمْ يَخْرُجْ لِحَاجَةٍ وَهُوَ لَا يُرِيْدُ الرَّجْعَةَ فَهُوَ مُنَافِقٌ۔ (رَوَاهُ ابْنُ مَاجَه)[۵]

ترجمہ: اور حضرت عثمان ابن عفان رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ سرور کونین ﷺ نے فرمایا "جو شخص مسجد میں ہو اور اذان ہو جائے

[۱] اخرجه احمد: ۲/۵۰۶ [۲] المرقات: ۳/۱۶۲ [۳] المرقات: ۳/۱۶۲ [۴] اخرجه احمد: ۲/۵۰۶ [۵] اخرجه وابن ماجه: ۷۳۴

پھر وہ بغیر کسی ضرورت کے مسجد سے چلا جائے اور (جماعت میں شریک ہونے کے لئے) واپس آنے کا ارادہ بھی نہ رکھتا ہو تو وہ منافق ہے۔" (ابن ماجہ)

قول وعمل سے اذان کا جواب دینا لازم ہے

﴿۲۶﴾ وعن ابْنِ عَبَّاسٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ سَمِعَ النِّدَاءَ فَلَمْ يُجِبْهُ فَلاَ صَلاَةَ لَهُ إِلاَّ مِنْ عُذْرٍ. (رَوَاهُ الدَّارَقُطْنِيُّ)[1]

ترجمہ: اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما راوی ہیں کہ سرور کونین ﷺ نے فرمایا "جس شخص نے اذان سنی اور اس کا جواب نہ دیا تو اس کی نماز (کامل یا قبول) نہیں ہوتی مگر کسی عذر کی وجہ سے) ایسا کیا تو کوئی مضائقہ نہیں۔" (دارقطنی)

توضیح: اجابت اذان کے دو طریقے ہیں ایک طریقہ زبان سے ہے کہ کلمات اذان کا جواب دیا جائے دوسرا طریقہ اجابت عمل سے ہے کہ مؤذن جونہی کہدے "حی علی الصلاۃ" تو سننے والا چل پڑے علماء کہتے ہیں کہ جو شخص عمل سے اجابت کر رہا ہو تو زبان سے اجابت نہ کرنے پر وہ اس وعید کا مستحق نہیں ہوگا اسی طرح وہ شخص جو مسجد میں بیٹھا ہوا اور تلاوت کر رہا ہو وہ اگر اذان کا جواب نہ دے تو اس وعید میں نہیں آئے گا کیونکہ وہ پہلے سے موجود ہے اور اگر کوئی شخص نہ تو زبان سے جواب دیتا ہے نہ مسجد میں آکر نماز باجماعت پڑھتا ہے بلکہ گھر بیٹھ کر نماز ادا کرتا ہے تو اس کی نماز مقبول نہیں ہے اور جو بالکل نماز نہیں پڑھتا وہ تو بڑا ہی بدبخت ہے۔

﴿۲۷﴾ وعن عَبْدِ اللهِ بْنِ أُمِّ مَكْتُومٍ قَالَ يَارَسُولَ اللهِ إِنَّ الْمَدِينَةَ كَثِيرَةُ الْهَوَامِ وَالسِّبَاعِ وَأَنَا ضَرِيرُ الْبَصَرِ فَهَلْ تَجِدُ لِي مِنْ رُخْصَةٍ قَالَ هَلْ تَسْمَعُ حَيَّ عَلَى الصَّلاَةِ حَيَّ عَلَى الْفَلاَحِ قَالَ نَعَمْ قَالَ فَحَيَّ هَلاً وَلَمْ يُرَخِّصْ. (رَوَاهُ أَبُودَاوُدَ وَالنَّسَائِيُّ)[2]

ترجمہ: اور حضرت عبداللہ ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے عرض کیا کہ یارسول اللہ! مدینہ میں موذی جانور اور درندے بہت ہیں اور میں نابینا ہوں (اس عذر کی وجہ سے) کیا آپ مجھے اجازت دیتے ہیں کہ میں جماعت میں نہ آؤں اور اپنی نماز گھر میں پڑھ لوں آنحضرت ﷺ نے (یہ سن کر) فرمایا کہ تم حی علی الصلاۃ اور حی علی الفلاح سنتے ہو؟ میں نے عرض کیا 'جی ہاں'! فرمایا "تو پھر جماعت میں آیا کرو" اور انہیں جماعت چھوڑنے کی اجازت نہیں دی۔" (ابوداؤد، نسائی)

صرف نماز ہی تو رہ گئی ہے

﴿۲۸﴾ وعن أُمِّ الدَّرْدَاءِ قَالَتْ دَخَلَ عَلَيَّ أَبُو الدَّرْدَاءِ وَهُوَ مُغْضَبٌ فَقُلْتُ مَا أَغْضَبَكَ قَالَ وَاللهِ

[1] اخرجه الدارقطني المرقات: ۳/۱۶۳ [2] اخرجه ابوداؤد: ۵۵۲ والنسائي: ۲/۱۰۹

مَا أَعْرِفُ مِنْ أَمْرِ أُمَّةِ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ شَيْئاً إِلَّا أَنَّهُمْ يُصَلُّونَ جَمِيعاً. (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)[1]

ترجمہ: اور حضرت ام درداء رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ (ایک روز میرے خاوند) حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ میرے پاس غصہ میں بھرے ہوئے آئے (ان کی حالت دیکھ کر) میں نے پوچھا کہ کس چیز نے آپ کو غضبناک بنایا؟ انہوں نے کہا کہ خدا کی قسم! سرور کونین ﷺ کی امت کے بارے میں (پہلی جیسی) کسی چیز کو نہیں پاتا مگر ایک یہی بات جانتا تھا کہ وہ جماعت سے نماز پڑھتے ہیں (مگر اب اسے بھی چھوڑتے جاتے ہیں) (بخاری)

توضیح: "هو مغضب" یہ اسم مفعول کا صیغہ ہے یعنی وہ غصہ سے بھرے ہوئے تھے گویا کسی نے ان کو غصہ میں ڈالا ہوا تھا ام الدرداء کے سوال کے جواب میں ابودرداء نے جو کچھ فرمایا شارحین حدیث کہتے ہیں کہ یہ اصل سوال کا جواب نہیں بنتا پھر شارحین نے طرح طرح کے جوابات دیئے ہیں بعض نے تو یہاں تک کہدیا کہ ابودرداء رضی اللہ عنہ نے جواب دیا ہی نہیں ہے جیسے لمعات میں ہے۔[2]

ملا علی قاری رحمہ اللہ نے ایک توجیہ کی ہے اور اس کو سب سے اچھا قرار دیا فرمایا "ای اغضبتني الامور المنكر المحدثة في امة محمد لاني والله ما اعرف من امرهم شيئا على الجادة الا انهم يصلون جميعا فيكون الجواب محذوفا والمذكور دليل الجواب"[3] یعنی مجھے اس چیز نے غصہ میں مبتلا کیا کہ امت محمدیہ میں طرح طرح کے منکرات وبدعات پیدا ہوگئیں اب تو کوئی چیز اصلی حالت میں باقی نہیں رہی ہاں صرف جماعت کے ساتھ نماز پڑھتے ہیں یہی ایک چیز باقی ہے جو اپنے اعتدال پر ہے اب وہ بھی رخصت ہو رہی ہے۔

فجر کی نماز باجماعت رات بھر تہجد سے بہتر ہے

﴿۲۹﴾ وعن أَبِي بَكْرِ بْنِ سُلَيْمَانَ بْنِ أَبِي حَثْمَةَ قَالَ إِنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ فَقَدَ سُلَيْمَانَ بْنَ أَبِي حَثْمَةَ فِي صَلَاةِ الصُّبْحِ وَإِنَّ عُمَرَ غَدَا إِلَى السُّوقِ وَمَسْكَنُ سُلَيْمَانَ بَيْنَ الْمَسْجِدِ وَالسُّوقِ فَمَرَّ عَلَى الشِّفَاءِ أُمِّ سُلَيْمَانَ فَقَالَ لَهَا لَمْ أَرَ سُلَيْمَانَ فِي الصُّبْحِ فَقَالَتْ إِنَّهُ بَاتَ يُصَلِّي فَغَلَبَتْهُ عَيْنَاهُ فَقَالَ عُمَرُ لَأَنْ أَشْهَدَ صَلَاةَ الصُّبْحِ فِي جَمَاعَةٍ أَحَبُّ إِلَيَّ مِنْ أَنْ أَقُومَ لَيْلَةً. (رَوَاهُ مَالِكٌ)[4]

ترجمہ: اور حضرت ابوبکر ابن سلیمان ابن ابی حثمہ فرماتے ہیں کہ (ایک روز) حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فجر کی نماز میں (میرے والد) حضرت سلیمان ابن ابی حثمہ کو نہیں پایا۔ حضرت عمر جب صبح کو بازار جانے لگے تو سلیمان کا مکان مسجد اور بازار کے درمیان تھا اس لئے وہ سلیمان کی والدہ شفاء کے پاس گئے اور ان سے پوچھا کہ "(کیا بات ہے) آج میں نے سلیمان کو فجر کی نماز میں نہیں دیکھا؟ سلیمان کی والدہ کہنے لگیں (کہ بات یہ ہوئی) کہ سلیمان نے آج پوری رات نماز پڑھنے میں گذاری اور (صبح

[1] اخرجه البخاري: ۱/۱۲۶ [2] اشعة اللمعات: ۱/۵۰۰ [3] المرقات: ۳/۱۶۲ [4] اخرجه مالك في الموطا: ۱۳۱ ح،

ہوتے ہوتے) ان کی آنکھ لگ گئی (اس لئے وہ نماز فجر میں حاضر نہ ہوسکے، حضرت عمر نے فرمایا "میں صبح کی نماز جماعت سے پڑھ لینا رات بھر (عبادت کے لئے) کھڑے رہنے سے بہتر سمجھتا ہوں۔" (مالک)

توضیح: عمر فاروق رضی اللہ عنہ وقت کے خلیفہ اور امیر المؤمنین ہیں سلیمان رضی اللہ عنہ ایک صحابی ہیں امیر المؤمنین کی دینی فکر کو دیکھئے کہ نماز کے بارے میں اپنے ساتھیوں کی کتنی بڑی نگرانی فرماتے ہیں کہ صحابہ کی اتنی بڑی جماعت میں ایک صحابی کی غیر حاضری کو محسوس کرتے ہیں پھر بازار ہی میں ان کی والدہ شفاء رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے پوچھا کہ میں نے آج فجر کی نماز میں سلیمان رضی اللہ عنہ کو نہیں دیکھا خیر تو ہے ادھر صحابہ کی عبادت کا اندازہ لگایئے کہ والدہ جواب دیتی ہے کہ وہ رات بھر تہجد پڑھتے رہے صبح کے وقت آنکھ لگی اور جماعت نکل گئی حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے نزدیک جماعت کی بڑی اہمیت کا اندازہ لگایئے کہ فرماتے ہیں مجھے تو جماعت اس سے زیادہ عزیز ہے کہ رات بھر تہجد پڑھوں اور صبح جماعت میں غیر حاضر رہوں سبحان اللہ کیا دینی ماحول تھا؟[۱]

دو آدمیوں کی جماعت بھی جائز ہے

﴿۳۰﴾ وعن أَبِي مُوسَى الْأَشْعَرِيِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِثْنَانِ فَمَا فَوْقَهُمَا جَمَاعَةٌ. (رَوَاهُ ابْنُ مَاجَه)[۲]

ترجمہ: اور حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ سرور کونین ﷺ نے فرمایا "دو شخص ہوں یا دو سے زیادہ ہوں، ان سے جماعت (ہوسکتی) ہے۔" (ابن ماجہ)

توضیح: مطلب یہ ہے کہ جماعت کی صحت کے لئے یہ ضروری نہیں ہے کہ بہت کثیر تعداد میں لوگ اکٹھے ہوں یا کم از کم تین کا ہونا ضروری ہو ایسا معاملہ نہیں بلکہ دو آدمیوں کی جماعت بھی صحیح ہے ایک امام بنے دوسرا مقتدی ہو ہاں مقتدی کا امام کے دائیں جانب ہونا ضروری ہے۔[۳]

حضرت ابن عمر اور ان کے بیٹے کی ناراضگی

﴿۳۱﴾ وعن بِلَالِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ عَنْ أَبِيهِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَمْنَعُوا النِّسَاءَ حُظُوظَهُنَّ مِنَ الْمَسَاجِدِ إِذَا اسْتَأْذَنَّكُمْ فَقَالَ بِلَالٌ وَاللّٰهِ لَنَمْنَعُهُنَّ فَقَالَ لَهُ عَبْدُ اللّٰهِ أَقُوْلُ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَتَقُوْلُ أَنْتَ لَنَمْنَعُهُنَّ وَفِي رِوَايَةِ سَالِمٍ عَنْ أَبِيهِ قَالَ فَأَقْبَلَ عَلَيْهِ عَبْدُ اللّٰهِ فَسَبَّهُ سَبًّا مَا سَمِعْتُ سَبَّهُ مِثْلَهُ قَطُّ وَقَالَ أُخْبِرُكَ عَنْ رَسُوْلِ

---

[۱] المرقات: ۳/۱۶۵ [۲] اخرجه وابن ماجه: ۹۷۲ [۳] المرقات: ۳/۱۶۵

اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَتَقُوْلُ وَاللهِ لَنَمْنَعُهُنَّ. (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)[1]

ترجمہ: اور حضرت بلال ابن عبداللہ ابن عمر اپنے والد (مکرم حضرت عبداللہ ابن عمر) سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے (ایک روز) کہا کہ سرورکونین ﷺ نے فرمایا کہ "جب عورتیں تم سے مسجد جانے کی اجازت مانگیں تو تم انہیں (روک کر) ان کو مساجد کے حصہ سے محروم نہ کرو (یعنی مسجد میں جانے کا جو ثواب انہیں ملتا ہے تم انہیں مسجدوں میں جانے سے روک کر اس ثواب کے حاصل کرنے سے نہ روکو) بلال نے کہا کہ "خدا کی قسم ہم تو انہیں ضرور منع کریں گے" حضرت عبداللہ نے بلال سے فرمایا کہ "میں تو کہہ رہا ہوں کہ یہ آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے اور تم کہتے ہو کہ ہم تو انہیں ضرور منع کریں گے۔

ایک دوسری روایت میں حضرت سالم نے اپنے والد سے نقل کیا ہے کہ "پھر (اس کے بعد) حضرت عبداللہ، بلال کی طرف متوجہ ہوئے اور انہیں اس قدر برا بھلا کہا کہ میں نے تو کبھی حضرت عبداللہ کی زبان سے انہیں اس قدر برا بھلا کہتے نہیں سنا اور پھر کہا کہ "میں تو کہتا ہوں یہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے اور تم کہتے ہو کہ ہم انہیں ضرور منع کریں گے۔" (مسلم)

توضیح: "والله لنمنعهن" حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے عورتوں سے متعلق مسجد میں جا کر جماعت کے ساتھ نماز پڑھنے کی حدیث بیان فرمائی جس میں یہ تھا کہ عورتوں کو مسجد جانے سے مت روکو اس پر حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کے بیٹے حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں تو یقیناً منع کروں گا، گفتگو میں دونوں کے کلام کا تبادلہ کچھ اس طرح ہوا کہ ظاہری طور پر حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے کلام میں حدیث نبوی سے معارضہ کی صورت پیدا ہوگئی یہ صرف صورۃً معارضہ تھا حقیقۃً بالکل نہ تھا کیونکہ حقیقۃً معارضہ تو انکار حدیث اور اسلام کے ایک حکم کا انکار ہے جس کا حضرت بلال رضی اللہ عنہ سے تصور بھی نہیں کیا جاسکتا بہرحال حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما اس صوری معارضہ پر سخت ناراض ہوئے اور حضرت بلال کو سخت سست کہا اور قسم کھائی کہ تم سے زندگی بھر کلام نہیں کروں گا چنانچہ زندگی بھر اپنے لخت جگر سے کلام نہیں فرمایا۔[2]

تین دن سے زیادہ باتوں کا بائیکاٹ کرنا دنیاوی اغراض کی وجہ سے حرام ہے دینی حمیت اور دینی غیرت کی وجہ سے جائز ہے یہاں ایسا ہی تھا بہرحال حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو جب اس واقعہ کا علم ہوا تو آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ابن عمر رضی اللہ عنہما پر رحم فرمائے ان کا بیٹا بلال صحیح کہتا ہے آج اگر حضور اکرم ﷺ ہوتے تو آپ خود عورتوں کو مسجد جانے سے منع فرمادیتے آنے والی حدیث میں بھی یہی صورت مذکور ہے تفصیل اس سے پہلے حدیث نمبر ۸ میں گذر چکی ہے۔

﴿۳۲﴾ وعن مُجَاهِدٍ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُمَرَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا يَمْنَعَنَّ رَجُلٌ أَهْلَهُ أَنْ يَأْتُوا الْمَسَاجِدَ فَقَالَ ابْنٌ لِعَبْدِ اللهِ بْنِ عُمَرَ فَإِنَّا نَمْنَعُهُنَّ فَقَالَ عَبْدُ اللهِ أُحَدِّثُكَ عَنْ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَتَقُوْلُ هٰذَا قَالَ فَمَا كَلَّمَهُ عَبْدُ اللهِ حَتّٰى مَاتَ. (رَوَاهُ أَحْمَدُ)[3]

[1] اخرجه مسلم: ۲/۳۳ [2] المرقات: ۳/۱۶۶ [3] اخرجه احمد: ۲/۷۶

ترجمہ: حضرت مجاہد حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما سے نقل کرتے ہیں کہ سرور کونین ﷺ نے فرمایا ہے کہ "کوئی شخص اپنے اہل (یعنی اپنی بیوی) کو مساجد میں جانے سے منع نہ کرے۔" (یہ سن کر) حضرت عبداللہ کے ایک صاحبزادہ (بلال) نے کہا کہ "ہم تو انہیں منع کریں گے۔" حضرت عبداللہ ابن عمر نے ان سے فرمایا کہ "میں تو آنحضرت ﷺ کی حدیث بیان کر رہا ہوں اور تم یہ کہہ رہے ہو۔" راوی کا بیان ہے کہ اس کے بعد حضرت عبداللہ نے اپنے بیٹے سے (آخر عمر تک) گفتگو نہیں کی یہاں تک کہ ان کی وفات ہوگئی۔" (احمد)

باب تسوية الصف

صفوں کو برابر کرنے کا بیان

قال الله تعالىٰ ﴿والصّٰفّٰت صفّا فالزّٰجرات زجرا فالتّٰليٰت ذكرا﴾ (صٰفّٰت)[1]

صفوف صلوٰۃ سے متعلق پانچ اہم مسائل ہیں جو تمام مسائل کے لئے بنیادی حیثیت رکھتے ہیں۔

① اول یہ کہ صف بالکل سیدھی ہو گویا اس کے ساتھ تیر کو سیدھا کیا جاتا ہو۔

② صفوں میں تلاصق وتلازق ہو یعنی اس طرح جڑی ہوئی ہوں کہ بیچ میں شیطان کے لئے کوئی فرجہ اور خلاء نہ ہو۔

③ پیش امام صفوں کے آگے ایسے مقام پر کھڑا ہو کہ دونوں طرف دائیں بائیں مقتدی برابر برابر ہوں۔

④ پہلی صف کو مکمل کر کے تب دوسری صف شروع کرے پھر ثانی کی تکمیل پر صف ثالث شروع کی جائے الیٰ اخرہ۔

⑤ صفوں کو ایک دوسرے سے اس قدر فاصلے پر قائم کیا جائے کہ بیچ میں صرف سجدہ کی مقدار کی جگہ ہو اس قاعدہ پر فقہاء کے چند مسائل بھی ملاحظہ ہوں۔

فقہاء کا اس پر اتفاق ہے کہ صفوں کے درمیان اگر کوئی سڑک یا نہر نہ ہو تو یہ صفوف متصلہ ہیں امامت وجماعت صحیح ہے لیکن اگر امام اور مقتدیوں کے درمیان کوئی نہر یا سڑک ہو تو امام مالک رحمۃ اللہ علیہ اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک یہ اقتدا صحیح ہے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ اقتدا صحیح نہیں ہے اور اگر امام مسجد میں ہو اور مقتدی قریب تر گھر میں کھڑا ہو لیکن بیچ میں کوئی ایسا حائل ہو کہ امام نظر نہیں آتا ہو اور امام کے پیچھے صفوف بھی نظر نہ آتی ہوں تو جمہور فرماتے ہیں یہ اقتدا صحیح نہیں لیکن امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا مشہور قول یہ ہے کہ یہ اقتدا صحیح ہے گویا جمہور کے ہاں بُعد اور قرب کی کوئی حیثیت نہیں بلکہ حائل وحاجب کا اعتبار ہے اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ بُعد وقرب کا اعتبار کرتے ہیں حائل کا اعتبار نہیں کرتے۔

نماز میں صفوں کو سیدھا رکھنا سنت مؤکدہ ہے بعض نے واجب کہا ہے کیونکہ احادیث میں صف سیدھا نہ رکھنے پر سخت وعیدات آئی ہیں جو وجوب کی دلیل ہے۔

الفصل الاول

صف برابر رکھنے کا حکم

﴿۳﴾ عن النُّعْمَانِ ابْنِ بَشِيْرٍ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُسَوِّيْ صُفُوْفَنَا حَتّٰى كَاَنَّمَا يُسَوِّيْ بِهَا الْقِدَاحَ حَتّٰى رَاٰى اَنَّا قَدْ عَقَلْنَا عَنْهُ ثُمَّ خَرَجَ يَوْمًا فَقَامَ حَتّٰى كَادَ اَنْ يُكَبِّرَ فَرَاٰى

---

[1] صفت الآیہ: ۱،۳

رَجُلًا بَادِيًا صَدْرُهُ مِنَ الصَّفِّ فَقَالَ عِبَادَ اللهِ لَتُسَوُّنَّ صُفُوْفَكُمْ أَوْلَيُخَالِفَنَّ اللهُ بَيْنَ وُجُوْهِكُمْ۔

(رَوَاهُ مُسْلِمٌ)[1]

ترجمہ: حضرت نعمان ابن بشیر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہماری صفیں (اس طرح) برابر (سیدھی) کیا کرتے تھے کہ گویا تیر بھی ان صفوں سے سیدھا کیا جاتا تھا یہاں تک کہ ہم بھی آپ سے (صفوں کے برابر کرنے کی اہمیت) سمجھ گئے۔ایک دن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم (مکان سے نکل کر) تشریف لائے اور (نماز کیلئے) کھڑے ہوگئے اور تکبیر (تحریمہ) کہنے ہی کو تھے کہ ایک آدمی کا سینہ صف سے کچھ نکلا ہوا آپ نے دیکھ لیا چنانچہ (یہ دیکھ کر) آپ نے فرمایا کہ "اے اللہ کے بندو! اپنی صفیں سیدھی کرو ورنہ اللہ تعالیٰ تمہارے درمیان اختلاف ڈال دے گا۔" (مسلم)

توضیح: "القداح" قداح تیر کو کہتے ہیں عرب لوگ تیروں کے سیدھا کرنے میں بہت ہی کوشش کرتے تھے کیونکہ تیر میں اگر ذرہ برابر ٹیڑھ رہ جائے تو وہ نشانہ پر صحیح نہیں بیٹھتا لہٰذا ان کے ہاں تیر کا سیدھا ہونا اتنا مشہور و مسلّم تھا کہ وہ دوسری چیزوں کے سیدھا پن اور ہمواری کی تشبیہ تیر سے دیا کرتے تھے یہاں اسی مبالغہ کو بیان کیا گیا ہے کہ صفوں کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس طرح سیدھا فرماتے تھے کہ گویا ان کے ذریعہ سے تیر سیدھا کرنا چاہتے تھے۔[2]

"قد عقلنا عنه" یعنی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اندازہ ہوگیا کہ ہم نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے صفوں کے ہموار اور سیدھا کرنے کا مسئلہ سیکھ لیا۔

"اولیخالفن الله" [3]علامہ مظہر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ظاہری ادب وفرمانبرداری چونکہ باطنی ادب وفرمانبرداری کی علامت ہوتی ہے لہٰذا اگر تم صفوں میں غلط کھڑے ہو کر ظاہری اطاعت وفرمانبرداری نہیں کروگے تو تمہاری یہ ظاہری نافرمانی تم کو باطنی نافرمانی تک پہنچادے گی یعنی دلوں کے اختلاف کی طرف پہنچادے گی جس کا انجام یہ ہوگا کہ آگے چل کر یہ نافرمانی آپس کی عداوت ورقابت کا ذریعہ بن جائے گی جس سے قلوب میں بگاڑ اور اختلاف پیدا ہوجائے گا اور دلوں کے اختلاف کا نتیجہ یہ ہوگا کہ ایک دوسرے سے اعراض وانقباض شروع ہوجائے گا جس سے تمہاری معاشرتی وسماجی زندگی تباہ ہوجائے گی زیر بحث حدیث میں اسی پس منظر کو بیان کیا گیا ہے۔[4]

﴿۲﴾ وعن أَنَسٍ قَالَ أُقِيْمَتِ الصَّلَاةُ فَأَقْبَلَ عَلَيْنَا رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِوَجْهِهٖ فَقَالَ أَقِيْمُوْا صُفُوْفَكُمْ وَتَرَاصُّوْا فَإِنِّيْ أَرَاكُمْ مِنْ وَرَاءِ ظَهْرِيْ۔

(رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ وَفِي الْمُتَّفَقِ عَلَيْهِ قَالَ أَتِمُّوا الصُّفُوْفَ فَإِنِّيْ أَرَاكُمْ مِنْ وَرَاءِ ظَهْرِيْ)[5]

ترجمہ: اور حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ (ایک روز جب) نماز کھڑی ہوئی تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا چہرہ مبارک

[1] اخرجه ومسلم: ۲/۳۱ [2] المرقات: ۳/۱٦۹ [3] المرقات: ۳/۱٦۹

[4] المرقات: ۳/۱۷۰ [5] اخرجه البخاری: ۱/۱۸۳ ومسلم: ۲/۳۰

ہماری طرف متوجہ کر کے فرمایا کہ ''اپنی صفیں سیدھی کرو، اور آپس میں مل کر کھڑے ہو، بیشک میں اپنی پشت کے پیچھے سے بھی تمہیں دیکھتا ہوں (یعنی نماز کی حالت میں مکاشفہ کے ذریعہ نمازیوں کے احوال پر مطلع رہتا ہوں) اس روایت کو بخاری نے نقل کیا ہے اور بخاری و مسلم دونوں کی روایت یہ ہے کہ ''(آنحضرت ﷺ نے فرمایا) صفوں کو پورا کر لیا کرو، میں تم کو اپنی پشت کے پیچھے سے بھی دیکھتا ہوں۔

توضیح: "تراصوا" مل مل کر کھڑے ہونے اور جڑ جڑ کر صف بنانے کو تراصوا کہا گیا ہے۔ [1]

"فانی اراکم" اس حدیث پر پہلے کلام ہو چکا ہے یہ حالت دائمی نہیں تھی بلکہ نماز کے اندر انکشاف تام ہونے کی وجہ سے آنحضرت ﷺ کو علم ہو جاتا تھا۔

صف برابر رکھنا نماز کی تکمیل کا حصہ ہے

﴿۳﴾ وعنه قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَوُّوْا صُفُوْفَكُمْ فَإِنَّ تَسْوِيَةَ الصُّفُوْفِ مِنْ إِقَامَةِ الصَّلَاةِ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ إِلَّا أَنَّ عِنْدَ مُسْلِمٍ مِنْ تَمَامِ الصَّلَاةِ) [2]

ترجمہ: اور حضرت انس رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ تم اپنی صفوں کو برابر رکھا کرو کیونکہ صفوں کو برابر رکھنا نماز کی تکمیل میں سے ہے (بخاری) مسلم کی روایت من اقامۃ الصلوۃ کے بجائے من تمام الصلوۃ کے الفاظ ہیں۔

توضیح: قرآن کریم میں ﴿اقیموا الصلوۃ﴾ [3] یعنی نماز کو تمام آداب کے ساتھ قائم کرو کا حکم ہے نماز کے آداب میں تعدیل ارکان کا لحاظ رکھنا اور سنن و آداب اور مستحبات کا خیال رکھنا داخل ہے یہاں حدیث میں انہیں آداب میں سے ایک ادب کی طرف اشارہ کیا گیا ہے کہ صفوں کو سیدھا رکھو کیونکہ صفوں کو سیدھا رکھنا نماز کی تکمیل کا ایک حصہ ہے جس کا حکم ﴿اقیموا الصلوۃ﴾ میں دیا گیا ہے۔

علم و دانش والے لوگ امام کے قریب کھڑے ہوں

﴿۴﴾ وعن أَبِي مَسْعُوْدٍ الْأَنْصَارِيِّ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَمْسَحُ مَنَاكِبَنَا فِي الصَّلَاةِ وَيَقُوْلُ اِسْتَوُوْا وَلَا تَخْتَلِفُوْا فَتَخْتَلِفَ قُلُوْبُكُمْ لِيَلِيَنِيْ مِنْكُمْ أُولُو الْأَحْلَامِ وَالنُّهٰى ثُمَّ الَّذِيْنَ يَلُوْنَهُمْ ثُمَّ الَّذِيْنَ يَلُوْنَهُمْ قَالَ أَبُوْ مَسْعُوْدٍ فَأَنْتُمُ الْيَوْمَ أَشَدُّ اخْتِلَافًا۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ) [4]

ترجمہ: اور حضرت ابو مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ (جب نماز پڑھنے کا ارادہ فرماتے تو) ہمارے مونڈھوں پر اپنا دست مبارک رکھ کر فرماتے تھے کہ ''برابر برابر رہو، مختلف (یعنی آگے پیچھے کھڑے) نہ ہو ورنہ تمہارے دلوں میں اختلاف

[1] المرقات: ۲/۱۷۰ [2] اخرجه البخاري: ۱/۱۸۳ ومسلم: ۲/۳۰

[3] واقیموا الصلوۃ [4] اخرجه ومسلم: ۲/۳۰

پیدا ہو جائے گا اور تم میں سے جو لوگ عاقل و بالغ ہوں وہ میرے قریب رہیں پھر وہ لوگ جو ان کے قریب ہوں اور پھر وہ لوگ جو ان کے قریب ہوں۔'' حضرت ابو مسعود رضی اللہ عنہ نے (لوگوں کے سامنے یہ حدیث بیان کر کے) فرمایا کہ ''آج تم لوگوں میں اختلاف بہت زیادہ ہے۔'' (مسلم)

توضیح: "یمسح مناکبنا" صف کو سیدھا کرنے کی ایک کیفیت کا بیان ہے کہ حضور اکرم ﷺ جس طرح زبان مبارک سے اس کا بیان فرماتے اسی طرح عملی طور پر صفوں کو سیدھا کیا کرتے تھے اور ہمارے مونڈھوں پر ہاتھ رکھ کر صف سیدھی فرماتے اس کی وجہ یہ ہے کہ صف کے سیدھا کرنے کے لئے کندھوں اور ٹخنوں کا سیدھا ہونا ضروری ہے اس کا ذکر آنے والا ہے۔[۱]

"ولا تختلفوا" یعنی صف میں برابر کھڑے رہو کسی کے بدن کا کوئی حصہ آگے پیچھے نہ ہو اس ظاہری افتراق سے تم میں باطنی افتراق بغض وحسد اور عداوت و نفرت پیدا ہو جائے گی تفصیل پہلے گذر چکی ہے۔[۲]

"لیلنی" یعنی جو لوگ علم و دانش اور فہم و فراست والے اور کامل بالغ ہیں وہ اگلی صف میں میرے قریب کھڑے ہوں تا کہ وہ میری نماز کا پورا نقشہ دیکھ کر امت تک پہنچائیں نماز کے تمام احکام کو بچشم خود معائنہ کر کے سیکھ لیں اور اگر کبھی امام کو نماز میں سہو ہو جائے تو صحیح طور پر لقمہ دے سکیں یا اگر امام کو کوئی حادثہ پیش آئے اور وہ اپنا نائب مقرر کرنا چاہے تو صف میں قریب ایسے افراد موجود ہوں جو اس ذمہ داری کو قبول کرنے کی اہلیت رکھتے ہوں۔ اب صفوں کی ترتیب اس طرح ہوگی۔[۳]

پہلی صف میں عاقل بالغ لوگ ہوں پھر ان کے بعد قریب البلوغ مراہق لوگ ہوں اور بچے بھی ہوں پھر ان کے بعد خنثیٰ لوگ ہوں یعنی جن میں مردوں اور عورتوں کی علامات بیک وقت پائی جاتی ہوں پھر ان کے بعد آخری صفوں میں عورتیں ہوں۔

"اشد اختلافا" حضرت ابو مسعود انصاری رضی اللہ عنہ کے اس کلام کا مقصد یہ ہے کہ آج تم لوگ نمازوں کی صفوں کو سیدھا کرنے میں احتیاط نہیں کرتے ہو لہذا تمہاری خارجہ زندگی میں تم افتراق و انتشار اور اختلاف کے شکار ہو گئے۔ جتنا نماز کی صفوں میں افتراق ہے اتنا ہی تم پر فتنوں کی بھرمار شروع ہو گئی ہے، لہذا پہلے نماز کا یہ ظاہری اختلاف ختم کر دو پھر باطنی اختلاف کے خاتمہ کی فکر کرو۔[۴]

بہر حال ابو مسعود رضی اللہ عنہ صحابی کا یہ خطاب تابعین سے ہے جن میں یہ نقصان آ گیا تھا۔

مساجد میں شور وغل نہ مچاؤ

﴿۵﴾ وعن عَبْدِ اللهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِيَلِيَنِي مِنْكُمْ أُوْلُوا الْأَحْلَامِ وَالنُّهٰى ثُمَّ الَّذِيْنَ يَلُوْنَهُمْ ثَلَاثًا وَإِيَّاكُمْ وَهَيْشَاتِ الْأَسْوَاقِ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)[۵]

ترجمہ: اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا ''تم میں سے جو لوگ صاحب عقل اور

[۱] المرقات: ۳/۱۶۱ [۲] المرقات: ۳/۱۶۱ [۳] المرقات: ۳/۱۶۱، ۱۶۲ [۴] المرقات: ۳/۱۶۲ [۵] اخرجه ومسلم: ۲/۳۰

بالغ ہوں وہ (نماز میں) میرے قریب کھڑے ہوں، پھر وہ لوگ کھڑے ہوں جو ان کے قریب ہوں۔" یہ الفاظ آپ نے تین بار فرمائے اور تم (مساجد میں) بازاروں کی طرح شور و غل مچانے سے بچو۔" (مسلم)

توضیح: "هیشات" جمع ہے اس کا مفرد هیشة ہے یہ لفظ باب نصر ینصر سے آتا ہے اس کا ترجمہ خلط ملط اور گڈمڈ ہونے کا بھی ہے اور اس کا ترجمہ شور و غل اور غوغا کا بھی ہے یہاں دونوں ترجمے صحیح ہیں لہٰذا اس لفظ کے دو مطلب ہوئے اول یہ کہ مسجدوں میں بازاروں کی طرح شور و غوغا نہ کرو بلکہ خاموشی سے آکر نماز پڑھو اور خاموشی سے جاؤ۔ یہ مطلب زیادہ واضح ہے اصل عبارت اس طرح ہوگی "وایاکم وهیشات کهیشات الاسواق" دوسرا مطلب یہ ہے کہ تم ایسے مقامات میں نماز پڑھنے سے احتراز کرو جہاں شور و غل ہوتا ہو اور حضور قلبی میسر نہ ہو جیسے بازار وغیرہ شور والے مقامات ہوتے ہیں۔ (لمعات)[1]

اس حدیث میں عورتوں کی صف کا ذکر پیش نظر تھا اس لئے حضور اکرم ﷺ نے "ثم الذین" کے الفاظ کو تین بار دہرایا اس طرح صف کے چاروں درجوں کا ذکر آ گیا عاقل بالغ اول درجہ میں اور مراہق اور لڑکے دوسرے درجہ میں اور خنثیٰ تیسرے درجہ میں اور عورتیں چوتھے درجہ میں، اس سے پہلی حدیث میں عورتوں کی صف کا ذکر پیش نظر نہ تھا اس لئے وہاں دو مرتبہ "ثم الذین یلونهم" فرمایا۔

﴿۶﴾ وعن أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ قَالَ رَأَى رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي أَصْحَابِهِ تَأَخُّراً فَقَالَ لَهُمْ تَقَدَّمُوا وَائْتَمُّوا بِي وَلْيَأْتَمَّ بِكُمْ مَنْ بَعْدَكُمْ لَا يَزَالُ قَوْمٌ يَتَأَخَّرُونَ حَتَّى يُؤَخِّرَهُمُ اللهُ.
(رَوَاهُ مُسْلِمٌ)[2]

ترجمہ: اور حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے (جب) دیکھا کہ صحابہ (پہلی صف میں آنے میں) تاخیر کرتے ہیں تو آپ نے ان سے فرمایا کہ "آگے بڑھو! اور میری اقتداء کرو تا کہ وہ لوگ جو تمہارے پیچھے کھڑے ہوں تمہاری اقتداء کریں (اس کے بعد آپ نے فرمایا) ایک جماعت ہمیشہ (پہلی صف میں کھڑے ہونے میں) تاخیر کرتی رہے گی یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ بھی (اپنے فضل و رحمت میں) انہیں پیچھے ڈال دے گا۔" (مسلم)

توضیح: "ولیأتم بکم" اس کا مطلب یہ نہیں کہ پہلی صف میری اقتدا کریں اور بعد والے لوگ ان کی اقتدا کرے کیونکہ ایک صف کے لوگ دوسری صف کے لوگوں کی اقتدا نہیں کرتے ہیں بلکہ سارے لوگ امام کی اقتدا میں ہوتے ہیں مطلب حدیث کا یہ ہے کہ پہلی صف والے مجھے دیکھ کر نماز پڑھیں گے اور ان کے بعد والے ان کو دیکھ کر متابعت کریں گے یہ متابعت فی الافعال ہے متابعت فی الاقتدا نہیں ہے۔[3]

---

[1] اشعة اللمعات: ۱/۵۰۲ [2] اخرجه مسلم: ۲/۳۱ [3] المرقات: ۳/۱۶۳

مسجد میں حلقوں کے بجائے صف باندھ کر بیٹھنا چاہئے

﴿۷﴾ وعن جَابِرِ بْنِ سَمُرَةَ قَالَ خَرَجَ عَلَيْنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَرَآنَا حِلَقاً فَقَالَ مَالِيْ أَرَاكُمْ عِزِيْنَ ثُمَّ خَرَجَ عَلَيْنَا فَقَالَ أَلَا تَصُفُّوْنَ كَمَا تَصُفُّ الْمَلَائِكَةُ عِنْدَ رَبِّهَا فَقُلْنَا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَكَيْفَ تَصُفُّ الْمَلَائِكَةُ عِنْدَ رَبِّهَا قَالَ يُتِمُّوْنَ الصُّفُوْفَ الْأُوْلٰى وَيَتَرَاصُّوْنَ فِي الصَّفِّ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)[1]

ترجمہ: اور حضرت جابرابن سمرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ (ایک روز) نبی کریم ﷺ ہمارے درمیان تشریف لائے اور ہمیں مختلف حلقوں میں بیٹھے دیکھ کر فرمایا کہ "کیا وجہ ہے کہ میں تمہیں الگ الگ جماعتوں کی صورت میں (بیٹھے ہوئے) دیکھ رہا ہوں (یعنی اس طرح الگ الگ جماعت بنا کر نہ بیٹھا کرو کیونکہ یہ نااتفاقی اور انتشار کی علامت ہے) پھر اسی طرح (ایک روز) آنحضرت ﷺ ہمارے درمیان تشریف لائے اور فرمایا کہ "تم لوگ (نماز میں) اس طرح صف کیوں نہیں باندھتے جس طرح فرشتے خدا کے حضور میں (بندگی کے لئے کھڑے ہونے کے واسطے) صف باندھتے ہیں" ہم نے عرض کیا کہ "یارسول اللہ! فرشتے اپنے پروردگار کے حضور میں کس طرح صف باندھتے ہیں؟ فرمایا "پہلی صفوں کو پورا کرتے ہیں اور صف میں مل کر (برابر، برابر) کھڑے ہوتے ہیں۔ (مسلم)

توضیح: "عزین" الگ تھلگ ٹولیوں اور جماعتوں کی شکل میں حلقہ باندھ کر بیٹھنے کو کہتے ہیں۔ "حلقا" حلقة کی جمع ہے اس کا مطلب بھی عزین کی طرح ہے "یتراصون" جڑ جڑ کر برابر سرابر صف میں کھڑے ہونے کو کہتے ہیں۔[2]

مرد اور عورت کی بہترین صف کونسی ہے

﴿۸﴾ وعن أَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَيْرُ صُفُوْفِ الرِّجَالِ أَوَّلُهَا وَشَرُّهَا آخِرُهَا وَخَيْرُ صُفُوْفِ النِّسَاءِ آخِرُهَا وَشَرُّهَا أَوَّلُهَا۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)[3]

ترجمہ: اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا "مردوں کی بہترین صف پہلی صف ہے اور بدترین صف پچھلی صف ہے اور عورتوں کی بہترین صف پچھلی صف ہے اور بدترین صف پہلی صف ہے۔" (مسلم)

توضیح: "خیر صفوف" مردوں کی صف اول میں یہ فضیلت دو وجہوں سے ہے ایک تو پہلی صف کی فضیلت دوسری اور تیسری صف کے مقابلہ میں زیادہ ہے تو اس اعتبار سے فرمایا گیا کہ مردوں کی پہلی صف دوسری صفوف کے مقابلہ میں ثواب کے لحاظ سے بہتر ہے یعنی اس کا ثواب زیادہ ہے، دوسری وجہ یہ ہے کہ مردوں کی پہلی صف اس وقت بہترین صف

[1] اخرجه ومسلم: ۲/۲۹ [2] المرقات: ۳/۱۶۳ [3] اخرجه ومسلم: ۲/۳۶۷، ۲/۳۲

ہے جبکہ پیچھے عورتوں کی صفیں بھی ہوں تو عورتوں کی صفوں سے مردوں کی یہ صف بہت دور ہے اور وساوس شیطانی ونسوانی کی اس تک رسائی نہیں ہے اس لئے یہ سب سے بہترین صف ہے اور مردوں کی آخری صف کو بری صف اس لئے کہدیا گیا کہ ایک تو وہ امام سے اور محراب سے بہت دور ہے دوسری وجہ یہ کہ وہ عورتوں سے زیادہ قریب ہے جس میں وساوس شیطانی ونسوانی کا احتمال قوی تر ہے۔[1]

"صفوف النساء" عورتوں کی صفوف میں افضل غیر افضل کی ایک ہی وجہ ہوسکتی ہے اور وہ یہ کہ ان کی آخری صف سب سے بہتر ہوتی ہے کیونکہ یہ مردوں سے زیادہ دور ہوتی ہے تو وساوس شیطانی ومردانی سے محفوظ تر ہوتی ہے اس لئے ثواب کے اعتبار سے اس میں ثواب زیادہ ملتا ہے اور عورتوں کی پہلی صف بدتر یعنی بری اس لئے ہے کہ عورتوں کو امام کے قریب ہونے کی وجہ سے ثواب تو ملتا نہیں لہٰذا اس فضیلت سے تو پہلے سے محروم رہ گئیں اور چونکہ انکی پہلی صف مردوں کے قریب ہوتی ہے جس میں وساوس شیطانی ومردانی کا قوی احتمال ہے اس لئے ثواب کے لحاظ سے اس کو بری صف قرار دیا کہ اس میں ثواب کم ملتا ہے اور خطرہ زیادہ ہے۔[2]

سوال: یہاں ذہنوں میں ایک سوال پیدا ہوتا ہے اور وہ یہ ہے کہ نماز بہرحال نماز ہے اس کی صفیں بہرحال نماز ہی کی صفیں ہیں جو خیر ہی خیر ہے پھر نماز کی صف کو بدترین اور "شرھا" کے نام سے کیسے یاد کیا گیا خواہ مردوں کی صف ہو یا عورتوں کی ہو؟۔

جواب: اس کا جواب یہ ہے کہ "بدترین صف" نماز کی صف کی حیثیت سے نہیں فرمایا بلکہ اس صف کے خارجی برے اثرات کی وجہ سے اس کو بدترین کہا گیا ہے۔

دوسرا جواب: جو عام فہم ہے وہ یہ ہے کہ "شرھا" "خیرھا" کے مقابلے میں آیا ہے اس کا ترجمہ بدترین نہیں ہے بلکہ افضل کے مقابلہ میں غیر افضل ہے اور افضلیت وغیر افضلیت ثواب کی کمی وزیادتی کے اعتبار سے ہے تو عورتوں کیلئے پہلی صف میں ثواب کم ہے اور مردوں کیلئے آخری صف میں ثواب کم ہے۔

۲۳ ربیع الثانی ۱۴۱۰ھ

الفصل الثانی

صفوں میں خلا نہیں رکھنا چاہئے

﴿۹﴾ عن أَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رُصُّوْا صُفُوْفَكُمْ وَقَارِبُوْا بَيْنَهَا وَحَاذُوْا بِالْأَعْنَاقِ فَوَالَّذِيْ نَفْسِيْ بِيَدِهٖ إِنِّيْ لَأَرَى الشَّيْطَانَ يَدْخُلُ مِنْ خَلَلِ الصَّفِّ كَأَنَّهَا الْحَذَفُ۔ (رَوَاهُ أَبُوْدَاوُد)[3]

[1] المرقات: ۳/۱۶۳ [2] المرقات: ۳/۱۶۳ [3] اخرجه وابوداؤد: ۶۶۸

ترجمہ: اور حضرت انس رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا "اپنی صفیں ملی ہوئی رکھو (یعنی آپس میں خوب مل کر کھڑے ہو) اور صفوں کے درمیان قریب رکھو (یعنی دو صفوں کے درمیان اس قدر فاصلہ نہ ہو کہ ایک صف اور کھڑی ہو سکے) نیز اپنی گردنیں برابر رکھو (یعنی صف میں تم میں سے کوئی بلند جگہ پر کھڑا نہ ہو بلکہ ہموار جگہ پر کھڑا ہوتا کہ سب کی گردنیں برابر رہیں) قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے شیطان کو بکری کے کالے بچہ کی طرح تمہاری صفوں کی کشادگی میں گھستے دیکھتا ہوں۔ (ابوداؤد)

توضیح: **"وقاربوا بینهما"** یعنی دو صفوں کے درمیان اتنا فاصلہ نہ رکھو کہ اس میں ایک اور صف کھڑی ہو سکتی ہو یہ قاربوا کا ایک مطلب ہے دوسرا مطلب یہ ہے کہ آپس میں قریب قریب کھڑے ہوتا کہ بیچ میں خلا نہ رہے۔[1]

"وحاذوا" یہ محاذات سے ہے برابری کے معنی میں ہے یعنی گردنوں اور کندھوں کو ایک دوسرے کی سیدھ میں رکھو یہ آگے پیچھے ہونے کی ممانعت ہے لیکن ملا علی قاری رحمہ اللہ اس توجیہ کو پسند نہیں کرتے وہ فرماتے ہیں کہ گردنوں کو برابر رکھو کا مطلب یہ ہے کہ صفوں میں کوئی بلند مکان پر ہے کوئی نیچے ہے یا امام اوپر ہے مقتدی نیچے ہیں جس سے بعض کی گردن اونچی اور بعض کی نیچے رہے گی (یہ معنی بعید سا لگتا ہے)۔ (راقم)[2]

"خلل" خا اور لام دونوں پر فتحہ ہے نمازیوں کے درمیان فاصلہ کو کہا گیا ہے جس کو **فرجة** بھی کہتے ہیں جس کی جمع فرجات ہے۔[3]

"الحذف" حا کے لفظ پر فتحہ ہے پھر ذال پر بھی فتحہ ہے بھیڑ کے اس چھوٹے بچے کو کہتے ہیں جو بالکل سیاہ ہو جس کے نہ کان ہوں نہ دم ہو، اس قسم کے بچے حجاز و یمن کی بھیڑوں کے ہوتے ہیں یہ شیطان کی اولاد کی پوری فوٹو کاپی معلوم ہوتی ہے حدیث نمبر ۱۷ میں حذف کی تفسیر **"اولاد الضان الصغار"** سے کسی راوی نے کی ہے وہ ایک مستند تفسیر ہے۔[4]

"کانها" اس روایت میں ضمیر تانیث کی ہے ایک دوسری روایت میں کانہ ضمیر مذکر کی ہے اس کا ایک جواب یہ ہے کہ مذکر کی ضمیر شیطان کی طرف راجع ہے اور مؤنث کی ضمیر باعتبار خبر ہے کیونکہ حذف مؤنث ہے۔ (مرقات)

دوسرا جواب: ایک ضابطہ اور قاعدہ کے طور پر یہ ہے کہ **"زید ھاھو"** یعنی اگر لفظ زید کی طرف ضمیر لوٹاؤ گے تو ھو کی ضمیر آئے گی لیکن اگر یہی لفظِ زید **"کَلِمَةٌ"** کے معنی میں لوگے تو ھا کی ضمیر آئے گی یہ قاعدہ ہر جگہ جاری ہے یہاں اس طرح ہوگا **"کانہ ای لفظ شیطان"** اور **"کانها ای کلمة الشیطان"**۔[5]

اگلی صفوں میں کوئی نقص نہ ہو

﴿۱۰﴾ وعنه قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَتِمُّوا الصَّفَّ الْمُقَدَّمَ ثُمَّ الَّذِيْ يَلِيْهِ فَمَا كَانَ مِنْ نَقْصٍ فَلْيَكُنْ فِي الصَّفِّ الْمُؤَخَّرِ. (رَوَاهُ أَبُوْدَاوُدَ)[6]

---

[1] المرقات: ۳/۱۷۵ [2] المرقات: ۳/۱۷۵ الکاشف [3] المرقات: ۳/۱۷۵ [4] المرقات: ۳/۱۷۵

[5] المرقات: ۳/۱۷۵ الکاشف [6] اخرجه ابوداؤد: ۶۷۱

ترجمہ: اور حضرت انس رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "پہلی صف کو پورا کرو پھر جو اس کے قریب (یعنی اس کے بعد) ہو اسے پورا کرو اور صف میں جو کمی رہے تو وہ سب سے پچھلی صف میں ہونی چاہئے۔ (ابوداؤد)

صف مکمل کرنے کا بڑا ثواب ہے

﴿۱۱﴾ وعن البراء بن عازب قال كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول إن الله وملائكته يصلون على الذين يلون الصفوف الأولى وما من خطوة أحب إلى الله من خطوة يمشيها يصل العبد بها صفا. (رواه أبو داود)[۱]

ترجمہ: اور حضرت براء ابن عازب رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "جو لوگ پہلی صفوں کے قریب ہوتے ہیں ان پر اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے رحمت بھیجتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس قدم سے زیادہ محبوب کوئی قدم نہیں ہے جو چل کر صف میں ملے (یعنی اگر صف میں جگہ خالی رہ گئی ہو تو وہاں جا کر کھڑا ہو جائے) (ابوداؤد)

صف میں دائیں طرف کھڑا ہونا افضل ہے

﴿۱۲﴾ وعن عائشة قالت قال رسول الله صلى الله عليه وسلم إن الله وملائكته يصلون على ميامن الصفوف. (رواه أبو داود)[۲]

ترجمہ: اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "صفوں کے دائیں طرف والے لوگوں پر اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے رحمت بھیجتے ہیں۔" (ابوداؤد)

تکبیر کے بعد بھی امام صفوں کو درست کر سکتا ہے

﴿۱۳﴾ وعن النعمان بن بشير قال كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يسوي صفوفنا إذا قمنا إلى الصلاة فإذا استوينا كبر. (رواه أبو داود)[۳]

ترجمہ: اور حضرت نعمان ابن بشیر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ "جب ہم لوگ نماز کے لئے کھڑے ہوتے تو (پہلے) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہماری صفوں کو (زبان یا ہاتھ سے) برابر فرماتے چنانچہ جب صفیں برابر ہو جاتیں تو آپ تکبیر تحریمہ کہتے۔"

(ابوداؤد)

﴿۱۴﴾ وعن أنس قال كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول عن يمينه اعتدلوا سووا

---

[۱] اخرجه ابوداؤد [۲] اخرجه ابوداؤد: ۶۷۶ [۳] اخرجه وابوداؤد: ۶۶۳

صُفُوْفَکُمْ وَعَنْ یَسَارِہٖ اِعْتَدِلُوْا سَوُّوْا صُفُوْفَکُمْ۔ (رَوَاہُ اَبُوْدَاوٗدَ)[1]

ترجمہ: اور حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ (جب نماز شروع کرتے تو پہلے) اپنے دائیں طرف (متوجہ ہوکر) فرمایا کرتے تھے "سیدھے کھڑے ہوجاؤ اور اپنی صفیں برابر کرلو" پھر بائیں طرف (بھی متوجہ ہوکر یہی) فرماتے تھے کہ "سیدھے کھڑے ہوجاؤ اور اپنی صفیں برابر کرلو (ابوداؤد)

نماز میں کندھے نرم رکھنے والا بہتر آدمی ہے

﴿۱۵﴾ وعن ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللہِ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ خِیَارُکُمْ أَلْیَنُکُمْ مَنَاکِبَ فِی الصَّلٰوۃِ۔ (رَوَاہُ اَبُوْدَاوٗدَ)[2]

ترجمہ: اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما راوی ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا تم میں سے بہترین وہ لوگ ہیں جن کے مونڈھے نماز میں بہت زیادہ نرم رہیں۔" (ابوداؤد)

توضیح: "الینکم مناکب" یعنی نماز میں سب سے بہتر وہ شخص ہے جو نماز میں مونڈھے نرم رکھے اس جملہ کے شارحین نے کئی مطلب بیان کئے ہیں۔[3]

پہلا مطلب یہ ہے کہ صفوں کو سیدھا کرنے کے لئے جب کوئی آدمی آجائے اور صف میں کھڑے لوگوں کو صف میں برابر کرنے کے لئے ان کے کندھوں کو ہاتھوں میں پکڑ کر آگے یا پیچھے کرنا چاہے تو بہترین آدمی وہ ہے کہ اپنے کندھوں کو اس آدمی کے ہاتھ میں دیدے اور ضد نہ کرے تکبر نہ کرے تاکہ وہ آدمی بہتر طریقہ سے صف کو سیدھا کرے حدیث کا یہ مطلب سب سے بہتر ہے اور آج تک لوگوں کا ازخود اس پر عمل بھی ہے اور آئندہ حدیث نمبر ۱۷ کے الفاظ "**ولینوا فی ایدی اخوانکم**" سے تو یہ مطلب واضح طور پر متعین بھی ہوجاتا ہے۔[4]

دوسرا مطلب یہ ہے کہ نماز کے دوران اگر جگہ تنگ ہے تو نئے آنے والے نمازی کے لئے یا ساتھ کھڑے ہونے والے ساتھی کے لئے اپنے کندھے نرم کرو اور کندھوں اور کہنیوں سے صف کے ساتھیوں کو دھکے نہ دیا کرو یہ مطلب بھی بہت اچھا ہے بعض نادان یہ نادانی کرتے رہتے ہیں۔

تیسرا مطلب یہ ہے کہ نماز میں خوب خشوع وخضوع کے ساتھ کندھوں کو نرم اور جھکا کر رکھو یہ مطلب کچھ بعید ہے۔

الفصل الثالث

﴿۱۶﴾ عن أَنَسٍ قَالَ کَانَ النَّبِیُّ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ اِسْتَوُوْا اِسْتَوُوْا فَوَالَّذِیْ نَفْسِیْ

[1] اخرجه وابوداؤد: ۶۶۹ [2] اخرجه وابوداؤد: ۶۷۲ [3] المرقات: ۳/۱۷۷ [4] المرقات: ۳/المرقات: ۱۷۷

بِيَدِهٖ إِنِّي لَأَرَاكُمْ مِنْ خَلْفِي كَمَا أَرَاكُمْ مِنْ بَيْنِ يَدَيَّ. (رَوَاهُ أَبُوْدَاوُدَ)[1]

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ نبی کریم ﷺ فرمایا کرتے تھے کہ "تم (نماز میں) برابر کھڑے ہوا کرو، اور قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے میں جس طرح اپنے سامنے سے تمہیں دیکھتا ہوں اسی طرح (مشاہدہ اور مکاشفہ کے ذریعہ) اپنے پیچھے سے بھی تمہیں دیکھتا ہوں۔" (ابوداؤد)

کندھوں اور ٹخنوں سے صف سیدھی ہو جاتی ہے

﴿۱۷﴾ وعن أَبِي أُمَامَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ اللّٰهَ وَمَلَائِكَتَهُ يُصَلُّوْنَ عَلَى الصَّفِّ الْأَوَّلِ قَالُوْا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَعَلَى الثَّانِي قَالَ إِنَّ اللّٰهَ وَمَلَائِكَتَهُ يُصَلُّوْنَ عَلَى الصَّفِّ الْأَوَّلِ قَالُوْا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَعَلَى الثَّانِي قَالَ إِنَّ اللّٰهَ وَمَلَائِكَتَهُ يُصَلُّوْنَ عَلَى الصَّفِّ الْأَوَّلِ قَالُوْا يَارَسُوْلَ اللّٰهِ وَعَلَى الثَّانِي قَالَ وَعَلَى الثَّانِي وَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَوُّوْا صُفُوْفَكُمْ وَحَاذُوْا بَيْنَ مَنَاكِبِكُمْ وَلِيْنُوْا فِي أَيْدِي إِخْوَانِكُمْ وَسُدُّوا الْخَلَلَ فَإِنَّ الشَّيْطَانَ يَدْخُلُ فِيْمَا بَيْنَكُمْ بِمَنْزِلَةِ الْحَذَفِ يَعْنِي أَوْلَادَ الضَّأْنِ الصِّغَارِ. (رَوَاهُ أَحْمَدُ)[2]

ترجمہ: اور حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا "اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے پہلی صف (والوں) پر رحمت بھیجتے ہیں" (یہ سن کر) صحابہ نے عرض کیا "یارسول اللہ! دوسری صف (والوں) پر بھی (یعنی اس طرح فرمایئے کہ پہلے اور دوسری صف پر رحمت بھیجتے ہیں مگر) آنحضرت ﷺ نے (اس مرتبہ بھی دوسری صف کا ذکر نہیں کیا بلکہ) فرمایا کہ "اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے پہلی صف پر رحمت بھیجتے ہیں۔" صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! اور دوسری صف پر بھی فرمایئے، آنحضرت ﷺ نے (پھر یہی) فرمایا کہ "اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے پہلی صف پر رحمت بھیجتے ہیں۔" صحابہ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ اور دوسری صف پر بھی فرمایئے۔" آپ نے فرمایا اور دوسری صف پر بھی (اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے رحمت بھیجتے ہیں) پھر آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ "اپنی صفوں کو برابر کرو، اپنے مونڈھوں کو ہموار رکھو (یعنی ایک سطح اور ہموار جگہ پر کھڑے ہو اونچا نیچا ہو کر مت کھڑے ہو) اور اپنے بھائیوں کے ہاتھوں کے آگے نرم رہو۔ (یعنی اگر کوئی شخص مونڈھے پر ہاتھ رکھ کر تمہیں صف میں برابر کرے تو اس سے انکار نہ کرو بلکہ برابر ہو جاؤ، نیز) صفوں میں خلا پیدا نہ کرو کیونکہ شیطان حذف یعنی بھیڑ کا چھوٹا بچہ بن کر تمہارے درمیان گھس جاتا ہے۔" (احمد)

[1] اخرجه [2] اخرجه احمد: ۵/۲۶۲

توضیح: "وعلی الثانی" اس کو عطف تلقین کہتے ہیں یعنی صحابہ کرام حضور اکرم ﷺ کی توجہ صف ثانی کی فضیلت کی طرف مبذول کرنا چاہتے ہیں کہ یا رسول اللہ صف اول کی فضیلت تو آپ نے بیان فرمادی اس دوسری صف کی فضیلت بھی بیان کیجیے کہ اللہ تعالیٰ دوسری صف پر بھی رحمت بھیجتا ہے تب حضور اکرم ﷺ نے تیسری مرتبہ صف ثانی کی فضیلت بھی بیان فرمادی۔

"المناکب" یہاں کندھوں کا ذکر بار بار آیا ہے بعض روایات میں قدمین کا بھی آیا ہے اصل بات یہ ہے کہ اگر انسان کے جسم کا وہ حصہ معلوم کرنا ہو جس کے سیدھا اور برابر ہونے سے صف میں سب انسان برابر کھڑے ہوجائیں تو وہ انسان کا کندھا اور پاؤں کے ٹخنے ہیں یہ وہ اعضاء ہیں کہ اگر یہ برابر ہوگئے تو پوری صف سیدھی ہوجائے گی انسان کے پاؤں کے اگلے اور پچھلے حصہ سے صف سیدھی نہیں ہوتی ہے کیونکہ کسی کا پاؤں لمبا ہوتا ہے کسی کا چھوٹا ہوتا ہے لیکن ٹخنے ایسے درمیان میں واقع ہیں کہ ان کے برابر ہونے سے تمام اعضا برابر ہوجاتے ہیں۔[1]

﴿۱۸﴾ وعن ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَقِيْمُوا الصُّفُوْفَ وَحَاذُوْا بَيْنَ الْمَنَاكِبِ وَسُدُّوْا الْخَلَلَ وَلِيْنُوْا بِأَيْدِيْ إِخْوَانِكُمْ وَلاَ تَذَرُوْا فُرُجَاتِ الشَّيْطَانِ وَمَنْ وَصَلَ صَفًّا وَصَلَهُ اللهُ وَمَنْ قَطَعَهُ قَطَعَهُ اللهُ. (رَوَاهُ أَبُوْ دَاوُدَ وَرَوَى النَّسَائِيُّ مِنْهُ قَوْلَهُ مَنْ وَصَلَ صَفًّا إِلَى آخِرِهِ)[2]

ترجمہ: اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما راوی ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا "صفوں کو سیدھی کرو، اپنے مونڈھوں کے درمیان ہمواری رکھو، صفوں کے خلا کو پر کرو، اپنے بھائیوں کے ہاتھوں میں نرم رہو (یعنی اگر کوئی شخص تمہیں ہاتھوں سے پکڑ کر صف میں برابر کرے تو اس کا کہنا مانو) اور صفوں میں شیطان کے لئے خلا نہ چھوڑو اور (فرمایا) جس شخص نے صف کو ملایا (یعنی صف میں خالی جگہ پر جا کر کھڑا ہوگیا) تو اللہ تعالیٰ اسے (اپنے فضل اور اپنی رحمت سے) ملا دیگا اور (یاد رکھو) جو شخص صف کو توڑے گا تو اللہ تعالیٰ اسے توڑ ڈالے گا (یعنی مقام قرب سے دور پھینک دے گا) (ابوداؤد) نسائی نے اس حدیث کو من وصل صفا سے آخر تک نقل کیا ہے (یعنی نسائی کی روایت میں من وصل صفا سے پہلے کی عبارت نہیں ہے)

پیش امام کو وسط میں کھڑا ہونا چاہئے

﴿۱۹﴾ وعن أَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَوَسَّطُوْا الْإِمَامَ وَسُدُّوْا الْخَلَلَ. (رَوَاهُ أَبُوْ دَاوُدَ)[3]

ترجمہ: اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا امام کو بیچ میں رکھو (یعنی صف بندی اس طرح کرو کہ امام کے دائیں اور بائیں آدمی برابر ہوں) اور (صف کے) خلا کو بند کرو۔" (ابوداؤد)

[1] المرقات: ۲/۱۶۸ [2] اخرجه ابوداؤد: ۶۶۶ والنسائی: ۲/۹۳ [3] اخرجه ابوداؤد: ۶۸۱

پہلی صف میں شمولیت نہ کرنے پر وعید شدید

﴿۲۰﴾ وعن عَائِشَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَزَالُ قَوْمٌ يَتَأَخَّرُوْنَ عَنِ الصَّفِّ الْأَوَّلِ حَتّٰى يُؤَخِّرَهُمُ اللّٰهُ فِي النَّارِ۔ (رَوَاهُ أَبُوْدَاوُد)[1]

ترجمہ: اور حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا راوی ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا "کچھ لوگ ہمیشہ پہلی صف سے پیچھے ہٹتے رہیں گے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ انہیں دوزخ میں پیچھے ڈالے رکھے گا" (ابوداؤد)

توضیح: "یتاخرون عن الصف" مراد یہ ہے کہ ایک آدمی مثلاً مسلسل ہر نیکی میں سستی کرتا ہے تاخیر[2] کرتا ہے اور "فاستبقوا الخیرات"[3] کی پرواہ نہیں کرتا ہے تو اس کو اس کے اس عمل کے عین مطابق سزا مل جاتی ہے اور وہ سزا یہ کہ شخص تمام نیکیوں میں پیچھے رہ جاتا ہے جس کا اثر یہ ہوتا ہے کہ یہ شخص بالآخر دوزخ چلا جائے گا۔ یعنی آخر کار یہ شخص دوزخ والوں تک پہنچ جائے گا یہی مطلب زیادہ واضح ہے بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس حدیث کی وعید ان منافقین کے لئے تھی جن کی یہی عادت تھی اور بوجہ نفاق ایسا کرتے تھے جیسے دوسری حدیث میں ہے "لایاتون الی الصلوٰۃ الادبرا" اور قرآن میں ہے ﴿اذا قاموا الی الصلوٰۃ قاموا کسالی﴾[4] اس توجیہ کی اس لئے ضرورت ہے کہ تمام مسلمان تو پہلی صف میں کھڑے نہیں ہو سکتے آخر صحابہ کے دور میں بھی آٹھویں دسویں صف میں لوگ کھڑے ہوتے تھے۔

صف کے پیچھے تنہا کھڑے ہونے والے کا حکم

﴿۲۱﴾ وعن وَابِصَةَ بْنِ مَعْبَدٍ قَالَ رَأَى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَجُلًا يُصَلِّيْ خَلْفَ الصَّفِّ وَحْدَهُ فَأَمَرَهُ أَنْ يُعِيْدَ الصَّلَاةَ۔ (رَوَاهُ أَحْمَدُ وَالتِّرْمِذِيُّ وَأَبُوْدَاوُدَ وَقَالَ التِّرْمِذِيُّ هٰذَا حَدِيْثٌ حَسَنٌ)[5]

ترجمہ: اور حضرت وابصہ ابن معبد رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ (ایک روز) نبی کریم ﷺ نے ایک شخص کو دیکھا کہ وہ صف کے پیچھے تنہا (کھڑا ہوا) نماز پڑھ رہا تھا چنانچہ آپ نے اسے دوبارہ نماز پڑھنے کا حکم دیا"۔ (ابوداؤد، ترمذی)

توضیح: "ان یعید الصلوٰۃ" اگلی صف میں جگہ ہوتے ہوئے ایک شخص پوری نماز میں تنہا صف کے پیچھے کھڑے ہو کر نماز پڑھے تو اس کی نماز ہو جائے گی یا نہیں اس بارے میں علماء کا اختلاف ہے۔[6]

فقہاء کا اختلاف:

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس شخص کی نماز نہیں ہوئی لہٰذا نماز کے فاسد ہونے کی وجہ سے یہ آدمی اعادہ کرے۔

[1] اخرجه ابوداؤد: ۶۷۹ [2] المرقات: ۳/۱۸۰ [3] بقرة: ۱۴۸ [4] نساء الایه: ۱۴۲
[5] اخرجه احمد: ۴/۲۲۸ والترمذی: ۲۳۱ وابوداؤد: ۶۸۲ [6] المرقات: ۳/۱۸۰

تینوں ائمہ جمہور فرماتے ہیں کہ اس طرح کرنا مکروہ تحریمی ہے اس شخص کی نماز تو ہوگئی لیکن کراہت تحریمی کی وجہ سے اعادہ ہے خواہ استحباباً ہو یا لزوماً ہو۔

دلائل:

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے زیر بحث حدیث وابصہ رضی اللہ عنہ سے استدلال کیا ہے جس میں واضح الفاظ ہیں کہ نماز لوٹادو لہٰذا اعادہ بوجہ بطلان صلوٰۃ ہے۔[1]

جمہور نے حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ کی روایت سے استدلال کیا ہے جو باب الموقف میں فصل اول کی حدیث نمبر ۵ ہے جس کو بخاری نے ذکر کیا ہے۔

اس میں مذکور ہے کہ حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ نے صف سے باہر دروازہ کے پاس نیت کی اور رکوع کی حالت میں گذر کر صف میں شامل ہوگئے مگر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اعادہ کا حکم نہیں دیا۔[2]

فتاویٰ ظہیریہ میں علما احناف کے مسلک کے مطابق اس طرح تفصیل ہے کہ اگر اگلی صف بھر چکی ہے اور ایک آدمی بعد میں آیا تو اس کو چاہئے کہ کسی اور آنے والے شخص کا انتظار کرے اگر رکوع تک کوئی نہ آیا تو یہ شخص اگلی صف سے کسی کو کھینچ لے اور نماز پڑھے البتہ اگر فتنہ کا خطرہ ہو تو کسی کو نہ کھینچے بلکہ تنہاء کھڑا ہو جائے اور نماز پڑھے نماز ہو جائے گی لیکن اگر ان امور کی رعایت نہ کی گئی تو نماز مکروہ ہوگی۔

محدث العصر علامہ محمد یوسف بنوری رحمہ اللہ نے علماء کا فتویٰ نقل کیا ہے کہ آج کل کے دور میں زمانہ کے فساد کی وجہ سے اور قلت علم وغلبۂ جہل کی وجہ سے بہتر یہ ہے کہ آدمی اکیلے کھڑا ہو جائے کسی کو نہ کھینچے ورنہ نماز میں جھگڑا شروع ہو جائے گا۔

جواب: جمہور نے زیر بحث حدیث کا جواب یہ دیا ہے کہ اس حدیث میں امام ترمذی رحمہ اللہ نے اضطراب کا ذکر کیا ہے۔

علامہ ابن رشد مالکی رحمہ اللہ نے بھی فرمایا کہ اس حدیث میں اضطراب ہے لہٰذا قابل استدلال نہیں ہے۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ اعادہ اگر امام احمد واسحاق رحمہما اللہ تعالیٰ کے ہاں ہے تو دوسرے ائمہ بھی اعادہ کی بات کرتے ہیں لہٰذا یہ حدیث ان کی مخالفت میں پیش نہیں کی جاسکتی ہے البتہ اعادہ کی نوعیت اور حیثیت الگ الگ ہے امام احمد واسحاق رحمہما اللہ تعالیٰ کے نزدیک یہ اعادہ بطلان صلوٰۃ کی وجہ سے ہے اور جمہور کے ہاں کراہت تحریمیہ کی وجہ سے ہے بہر حال اعادہ تو ہے چاہے جس وجہ سے ہو۔

صاحب ہدایہ نے لکھا ہے کہ کراہت کی وجہ سے بھی نماز کا اعادہ ہوتا ہے۔[3]

ایک جواب یہ بھی ہے کہ یہاں اعادہ کا حکم بطور زجر وتشدید اور بطور توبیخ وتہدید ہے۔ شیخ عبدالحق لمعات میں فرماتے ہیں کہ یہ اختلاف اس وقت ہے جب کوئی شخص پوری نماز صف کے پیچھے پڑھے اور صف میں جو خالی جگہ ہے اس میں نہ جائے لیکن اگر اس نے نیت تو صف سے باہر کی اور پھر آہستہ آہستہ صف میں شامل ہو گیا تو ایسے شخص کے لئے اعادہ کا حکم نہیں ہے۔[4]

---

[1] المرقات: ۳/۱۸۰ [2] المرقات: ۳/۱۸۰،۱۸۱ [3] المرقات: ۳/۱۸۱ [4] اشعۃ اللمعات: ۵۰۸

باب الموقف

نماز میں کھڑے ہونے کا بیان

جماعت کے ساتھ نماز پڑھنے سے متعلق صاحب مشکوٰۃ نے عجیب طرز پر عنوانات قائم کیے ہیں۔ سب سے پہلے آپ نے جماعت کی فضیلت بیان کی اور جماعت کے چھوڑنے پر وعیدات کا بیان کیا جب فضیلت سمجھ میں آگئی تو انہوں نے مقتدیوں اور امام کے کھڑے ہونے یعنی صفوں کو برابر کرنے اور اس میں قیام کے دوران ہیئت کذائیہ کو بیان کیا جو نہایت مناسب انداز ہے کہ فضیلت سننے کے بعد جب شوق ہوا کہ جماعت کے ساتھ نماز پڑھیں گے تو جماعت کا طریقہ بتلادیا کہ صفوں کو اس طرح بناؤ جب عملی طور پر صفوں میں آکر کھڑے ہونے لگے تو اب کھڑے ہونے کے مسائل بیان کرنا شروع کردئے۔ پھر جب سننے والوں اور طریقہ سیکھنے والوں کو شوق ہوا کہ اب کون اس جماعت کو پڑھائے گا تو باب الامامۃ سے اس کا بیان کیا جس کی بہت ہی ضرورت تھی اور بتلادیا کہ جماعت کے اہل فلاں فلاں لوگ ہوسکتے ہیں۔

الفصل الاول

نفل کی جماعت غیر ارادی طور پر جائز ہے

﴿۱﴾ عن عبدِ اللهِ ابنِ عبّاسٍ قَالَ بِتُّ فِي بَيْتِ خَالَتِي مَيْمُوْنَةَ فَقَامَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّي فَقُمْتُ عَنْ يَسَارِهٖ فَأَخَذَ بِيَدِي مِنْ وَرَاءِ ظَهْرِهٖ فَعَدَلَنِي كَذٰلِكَ مِنْ وَرَاءِ ظَهْرِهٖ إِلَى الشِّقِّ الْأَيْمَنِ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)[1]

ترجمہ: حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ (ایک مرتبہ) میں نے اپنی خالہ ام المؤمنین حضرت میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے ہاں رات گذاری چنانچہ (جب) نبی کریم ﷺ (تہجد کی) نماز کے لئے کھڑے ہوئے تو میں بھی آپ کے بائیں طرف جا کر کھڑا ہو گیا آنحضرت ﷺ نے اپنے پیچھے سے میرا ہاتھ پکڑ کر اس طرح پھیرا (کہ) مجھے اپنے پیچھے کی جانب سے لاکر دائیں طرف کھڑا کرلیا۔" (بخاری ومسلم)

توضیح: "فاخذ بیدی" اکثر روایات میں آیا ہے کہ کان سے پکڑ کر گھمایا اس حدیث سے علماء نے کئی مسائل ثابت کیے ہیں۔

① بغیر تداعی غیر ارادی طور پر نفل کی جماعت جائز ہے ② اگر امام کیساتھ جماعت میں صرف ایک مقتدی ہو تو اس کو امام کے پیچھے یا بائیں جانب نہیں کھڑا ہونا چاہئے بلکہ دائیں جانب کھڑا ہو ③ نماز میں عمل قلیل کا ارتکاب کیا جاسکتا ہے ④ مقتدی

[1] اخرجه البخاري: ۱/۲۰۹

کے لئے امام سے آگے ہونا منع ہے اگرچہ کچھ وقت کیلئے ہو کیونکہ حضور اکرم ﷺ نے محنت کر کے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کو پیچھے کی طرف سے گھما کر دائیں جانب کر دیا ⑤ ایسے شخص کی اقتدا کرنا جائز ہے جس نے ابتداء میں جماعت کا ارادہ نہ کیا ہو اور اب ارادہ کر لیا۔ [1]

اگر صرف دو مقتدی ہوں تو کیسے کھڑے ہوں

﴿۲﴾ وعن جَابِرٍ قَالَ قَامَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِيُصَلِّيَ فَجِئْتُ حَتّٰى قُمْتُ عَنْ يَسَارِهٖ فَأَخَذَ بِيَدِيْ فَأَدَارَنِيْ حَتّٰى أَقَامَنِيْ عَنْ يَمِيْنِهٖ ثُمَّ جَاءَ جَبَّارُ بْنُ صَخْرٍ فَقَامَ عَنْ يَسَارِ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأَخَذَ بِيَدَيْنَا جَمِيْعاً فَدَفَعَنَا حَتّٰى أَقَامَنَا خَلْفَهٗ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ) [2]

ترجمہ: اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ (ایک مرتبہ) نبی کریم ﷺ نماز پڑھنے کے لئے کھڑے ہوئے تو میں آ کر آپ کے بائیں طرف کھڑا ہو گیا آنحضرت ﷺ نے (اپنے پیچھے سے) میرا (داہنا) ہاتھ پکڑا اور (اپنے پیچھے کی جانب سے مجھے لا کر) اپنے دائیں طرف کھڑا کر دیا۔ پھر جبار ابن صخر آئے اور آنحضرت ﷺ کے بائیں طرف کھڑے ہو گئے آنحضرت ﷺ نے ہمارے دونوں کے ہاتھ اکٹھا پکڑے (یعنی اپنے دائیں ہاتھ سے ایک کا بایاں ہاتھ پکڑا اور اپنے بائیں ہاتھ سے دوسرے کا دایاں ہاتھ پکڑا) اور ہمیں (اپنی اپنی جگہ سے) ہٹا کر اپنے پیچھے کھڑا کر دیا۔ (مسلم)

توضیح: اگر مقتدی صرف ایک ہو تو اس کی بات تو اس سے پہلے معلوم ہو گئی لیکن اگر مقتدی دو ہوں تو کچھ حضرات کا خیال ہے کہ امام وسط میں کھڑا ہو جائے اور دائیں بائیں دونوں طرف مقتدی کھڑے ہوں لیکن اس حدیث سے واضح طور پر یہ مسئلہ معلوم ہو گیا کہ یہ دونوں امام کے پیچھے کھڑے ہوں گے اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ ایک ساتھ دونوں ہاتھوں کو نماز میں حرکت دینا جائز ہے تاہم یہ نوافل کی بات ہے جس میں سہولت ہے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے علقمہ اور اسود رحمہما اللہ تعالیٰ کے درمیان کھڑے ہو کر نماز پڑھائی شاید جگہ تنگ ہو گی یا کوئی اور عذر ہو گا یہ ایک جزئی واقعہ ہے مسنون طریقہ نہیں ہے۔ [3]

مقتدی مرد وعورت کس طرح کھڑے ہوں

﴿۳﴾ وعن أَنَسٍ قَالَ صَلَّيْتُ أَنَا وَيَتِيْمٌ فِيْ بَيْتِنَا خَلْفَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأُمُّ سُلَيْمٍ خَلْفَنَا۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ) [4]

ترجمہ: اور حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے اور یتیم نے اپنے مکان میں نبی کریم ﷺ کے ہمراہ نماز (جماعت سے) پڑھی اور ام سلیم ہمارے پیچھے تھیں۔" (مسلم)

---

[1] المرقات: ۲/۱۸۲ [2] اخرجہ [3] المرقات: ۲/۱۸۳ [4] اخرجہ مسلم

توضیح: "یتیم" حضرت انس رضی اللہ عنہ کے بھائی کا نام ہی یتیم پڑ گیا تھا بعض نے کہا کہ نام ضمیرہ تھا یتیم سے مشہور تھا۔[1]
"ام سلیم" حضرت انس رضی اللہ عنہ کی والدہ کا نام ہے ایک روایت میں "العجوز ورائنا" کے الفاظ بھی ہیں مراد ام سلیم رضی اللہ تعالیٰ عنہا ہی ہیں یہ خاتون حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی رضاعی خالہ یا پھوپھی ہیں۔[2]
اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اگر مقتدی مرد اور عورتیں مشترک ہوں تو عورتوں کی صف الگ پیچھے ہونا چاہئے خواہ وہ عورتیں محارم میں سے کیوں نہ ہوں اگر عورت مردوں کی صف کے بیچ میں کھڑی ہوگئی تو امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی طرف منسوب ہے کہ ان کے ہاں عورت کے دائیں بائیں اور اس کے پیچھے یعنی تین آدمیوں کی نماز باطل ہوجائے گی مگر عورت کی اپنی نماز درست ہوگی۔ ائمہ ثلاثہ کے ہاں کسی کی نماز باطل نہیں ہوگی۔ امام نے اگر عورتوں کی امامت کی نیت نہیں کی تو عورتوں کی نماز فاسد ہوجائے گی۔

مقتدی ایک مرد ایک عورت ہو تو جماعت میں کس طرح کھڑے ہوں

﴿۴﴾ وعنه أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلَّى بِهِ وَبِأُمِّهِ أَوْ خَالَتِهِ قَالَ فَأَقَامَنِيْ عَنْ يَمِيْنِهِ وَأَقَامَ الْمَرْأَةَ خَلْفَنَا۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)[3]

ترجمہ: اور حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ (ایک مرتبہ) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے (یعنی حضرت انس کے) اور ان کی والدہ (ام سلیم) یا ان کی خالہ کے ہمراہ نماز پڑھی۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ (اس موقع پر) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ کو اپنے دائیں طرف اور عورت (یعنی ان کی والدہ یا خالہ) کو اپنے پیچھے کھڑا کیا۔" (مسلم)

مسجد کے دروازہ پر رکوع کیا تو کیا کرے؟

﴿۵﴾ وعن أَبِيْ بَكْرَةَ أَنَّهُ انْتَهٰى إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ رَاكِعٌ فَرَكَعَ قَبْلَ أَنْ يَصِلَ إِلَى الصَّفِّ ثُمَّ مَشٰى إِلَى الصَّفِّ فَذَكَرَ ذٰلِكَ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ زَادَكَ اللّٰهُ حِرْصاً وَلَا تَعُدْ۔ (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)[4]

ترجمہ: اور حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں مروی ہے کہ وہ ایک مرتبہ نماز میں شامل ہونے کے لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اس وقت پہنچے جبکہ آپ رکوع میں تھے وہ (اس بات کے پیش نظر کہ رکوع ہاتھ سے چلا نہ جائے۔ نیت اور تکبیر تحریمہ کے بعد) صف میں پہنچنے سے پہلے ہی رکوع میں چلے گئے۔ پھر آہستہ آہستہ چل کر صف میں شامل ہوگئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اس واقعہ کا ذکر کیا گیا تو آپ نے ان سے فرمایا کہ "اللہ تعالیٰ (اطاعت اور نیک کام کے بارے میں) تمہاری حرص اور زیادہ کرے۔ لیکن آئندہ ایسا نہ کرنا۔" (بخاری)

[1] المرقات: ۳/۱۸۳ [2] المرقات: ۳/۱۸۳ [3] اخرجه ومسلم: ۱/۱۲۸ [4] اخرجه البخاری: ۱/۱۹۸

توضیح: "فرکع" یعنی ابھی صف میں شامل نہیں ہوئے تھے مگر جماعت کو پانے کی غرض سے مسجد میں داخل ہوئے یہیں سے رکوع میں چلے گئے اور پھر حالت رکوع میں چلتے چلتے صف میں شامل ہو گئے۔ یہ کام حضرت ابوبکرہؓ نے حضور اکرم ﷺ کے ساتھ نماز پڑھنے کے دوران کیا اور پھر حضور اکرم ﷺ سے مسئلہ معلوم کیا حضور اکرم ﷺ نے نماز کو تو درست قرار دیا لیکن اس عمل کو دوبارہ کرنے سے منع فرما دیا۔[1]

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ تنہا صف کے پیچھے کھڑے ہونے سے نماز فاسد نہیں ہوتی جیسا کہ پہلے جمہور کا مسلک بیان کیا جا چکا ہے۔ دوسری بات اس حدیث سے یہ معلوم ہوئی کہ امام کے پیچھے فاتحہ پڑھنا فرض یا واجب نہیں ہے اگر ایسا ہوتا تو حضور اکرم ﷺ اس صحابی کو حکم فرماتے کہ جاؤ نماز لوٹاؤ حالانکہ اس صحابی نے فاتحہ نہیں پڑھی اور پڑھنے کا وقت کہاں تھا؟

نیز شوافع حضرات بھی کہتے ہیں کہ رکوع میں اگر کوئی مقتدی امام کے ساتھ شریک ہو گیا تو اس نے یہ رکعت پالی ہم کہتے ہیں اگر اس نے رکعت پالی تو فاتحہ کب پڑھی؟ اور نماز کیسے صحیح ہو گئی؟ معلوم ہوا مقتدی پر فاتحہ پڑھنا فرض نہیں ہے۔ غیر مقلدین حضرات خوامخواہ عوام الناس کو شکوک میں ڈالنے کی کوشش کرتے ہیں۔

"ولا تعد" یہ لفظ کئی طرح پڑھا گیا ہے ① یہاں باب نصر ینصر سے عود کے معنی میں ہے یعنی دوبارہ ایسا نہ کرو کیونکہ اس میں صف سے الگ کھڑا ہونا لازم آتا ہے پھر حالت رکوع میں چلنا پڑتا ہے۔ ② یہ لفظ عدا یعدو سے بھی ہے جو دوڑنے کے معنی میں ہے یعنی اس طرح دوڑ کر صف میں شامل ہونے کی کوشش نہ کرو بلکہ وقار و سکون کے ساتھ آؤ ثواب تو مل جاتا ہے پھر دوڑنے کا فائدہ کیا ہے ③ یہ لفظ باب افعال سے بھی ہو سکتا ہے جو اعادہ کے معنی میں ہے یعنی نماز لوٹانے کی ضرورت نہیں لوٹاؤ نہیں بہر حال پہلا صیغہ اور پہلا مطلب زیادہ واضح اور مناسب ہے۔[2]

الفصل الثانی

﴿۶﴾ عن سَمُرَةَ بْنِ جُنْدُبٍ قَالَ أَمَرَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا كُنَّا ثَلَاثَةً أَنْ يَتَقَدَّمَنَا أَحَدُنَا۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ)[3]

ترجمہ: حضرت سمرۃ ابن جندب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے ہمیں یہ حکم دیا ہے کہ جب ہم تین آدمی (نماز پڑھنے والے) ہوں تو ہم میں سے ایک آدمی (جو ہم میں بہتر ہو) ہمارے آگے ہو جائے۔ (یعنی ہمارا امام بن جائے)۔ (ترمذی)

امام کا تنہا بلند جگہ پر کھڑا ہونا مکروہ ہے

﴿۷﴾ وعن عَمَّارٍ أَنَّهُ أَمَّ النَّاسَ بِالْمَدَائِنِ وَقَامَ عَلَى دُكَّانٍ يُصَلِّي وَالنَّاسُ أَسْفَلَ مِنْهُ فَتَقَدَّمَ

[1] المرقات: ۲/۱۸۳ [2] المرقات: ۲/۱۸۳ [3] اخرجه الترمذی: ۲۳۳

حُذَيْفَةُ فَأَخَذَ عَلٰى يَدَيْهِ فَاتَّبَعَهٗ عَمَّارٌ حَتّٰى أَنْزَلَهٗ حُذَيْفَةُ فَلَمَّا فَرَغَ عَمَّارٌ مِنْ صَلَاتِهٖ قَالَ لَهٗ حُذَيْفَةُ أَلَمْ تَسْمَعْ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ إِذَا أَمَّ الرَّجُلُ الْقَوْمَ فَلَا يَقُمْ فِيْ مَقَامٍ أَرْفَعَ مِنْ مَقَامِهِمْ أَوْ نَحْوَ ذٰلِكَ فَقَالَ عَمَّارٌ لِذٰلِكَ اتَّبَعْتُكَ حِيْنَ أَخَذْتَ عَلٰى يَدَيَّ. (رَوَاهُ أَبُوْ دَاوُدَ)[۱]

ترجمہ: اور حضرت عمار رضی اللہ عنہ کے بارے میں مروی ہے کہ انہوں نے (ایک روز) مدائن میں (جو کوفہ کے نزدیک ایک شہر ہے) لوگوں کی امامت کی چنانچہ وہ نماز پڑھنے کے لئے ایک چبوترہ پر کھڑے ہوئے۔ مقتدی ان سے نیچے کھڑے تھے (یہ دیکھ کر) حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ (صف سے نکل کر) آگے بڑھے اور عمار کے دونوں ہاتھ پکڑے (اور انہیں نیچے کی طرف کھینچا تاکہ وہ چبوترہ سے اتر کر مقتدیوں کے برابر کھڑے ہوں) حضرت عمار رضی اللہ عنہ نے حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے کوئی تعرض نہیں کیا۔ چنانچہ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے انہیں (چبوترہ سے) نیچے اتار لیا۔ حضرت عمار رضی اللہ عنہ جب نماز پڑھ کر فارغ ہو چکے تو حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے ان سے کہا کہ "کیا آپ نے یہ نہیں سنا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جب کوئی شخص کسی جماعت کا امام بنے تو وہ اس جگہ پر کھڑا نہ ہو جو مقتدیوں کے کھڑے ہونے کی جگہ سے بلند ہو یا اس کے مانند الفاظ فرمائے۔ حضرت عمار رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ "اسی لئے تو جب آپ نے میرے ہاتھ پکڑے تو میں نے آپ کی اتباع کی۔ (اور کوئی تعرض نہیں کیا یعنی آپ کا کہنا مان کر نیچے اتر آیا)۔
(ابوداؤد)

توضیح: "المدائن" یہ دولتِ ساسانی اور کسریٰ فارس کا پایہ تخت تھا جس کو قصر ابیض کے نام سے یاد کیا جاتا تھا حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے اس کو فتح کیا اور کسریٰ کے اس سرکاری پارلیمنٹ میں جامع مسجد کی بنیاد رکھ لی اور اس علاقہ میں پہلا جمعہ پڑھایا آج تک الحمد للہ یہ مسجد جامع مدائن کے نام سے قائم ہے حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ مدائن کے کسی مقام میں جماعت کرا رہے تھے حضرت حذیفہ بن الیمان رضی اللہ عنہ جو فارس کے گورنر تھے وہ بھی وہیں پر تھے حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کسی بلند مقام پر کھڑے ہو کر نماز پڑھانا چاہتے تھے خود اوپر تھے اور مقتدی نیچے تھے حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے آگے بڑھ کر ان کو ہاتھ سے پکڑ کر نیچے اتارا۔ ممکن ہے کہ انہوں نے ابھی تک نیت نہیں باندھی تھی البتہ ارادہ کر رہے تھے کہ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے آپ کو پکڑ کر نیچے اتارا لیکن اس حدیث کے الفاظ کا انداز ایسا ہے کہ حضرت عمار رضی اللہ عنہ نیت کر چکے تھے۔

شیخ عبدالحق رحمۃ اللہ علیہ لمعات میں فرماتے ہیں "فاخذ علی یدیه" ای جر حذیفة عمارا من خلف ظهره ینزله" پیچھے کمر سے پکڑنا اور ایڑیوں کے بل کھینچنا اس بات کی دلیل ہے کہ وہ نماز قائم کر چکے تھے اور بلند جگہ کھڑا ہونا مکروہ تھا اس لئے حذیفہ رضی اللہ عنہ نے نیچے اتارا۔[۲]

کراہت کی وجہ:

شیخ عبدالحق رحمۃ اللہ علیہ نے لمعات میں امام کے بلند جگہ کھڑے ہو کر امامت کرانے کی کراہت کی وجہ یہ لکھی ہے کہ اس میں اہل

---

[۱] اخرجه ابوداؤد: ۵۹۷ [۲] اشعة اللمعات: ۱/۵۱۰

کتاب یہود ونصاری کے ساتھ مشابہت آتی ہے کیونکہ وہ اپنے امام کو ایک مخصوص بلند جگہ پر کھڑا کرتے ہیں، مسلمانوں کو اس سے منع کیا گیا لیکن اگر بلند جگہ پر امام کے ساتھ کچھ لوگ بھی شریک ہوں تو پھر کراہت نہیں ہے۔[1]

اگر امام پست جگہ میں کھڑا ہو تو پھر کراہت کیوں؟

اب سوال یہ ہے کہ حدیث میں اس سے ممانعت تو آئی کہ امام بلند جگہ پر کھڑا نہ ہو یہ مکروہ ہے اور اہل کتاب کے ساتھ مشابہت ہے لیکن اگر امام نیچے کھڑا ہو اور مقتدی بلندی پر ہوں تو اس میں کراہت ہے یا نہیں اگر ہے تو کس وجہ سے ہے؟

اس مسئلہ میں امام طحاوی رحمہ اللہ کا خیال یہ ہے کہ یہ صورت مکروہ نہیں ہے کیونکہ اس میں اہل کتاب کے ساتھ مشابہت نہیں آتی لہٰذا جائز ہے۔

لیکن جمہور احناف فرماتے ہیں کہ یہ صورت بھی مکروہ ہے البتہ اس میں کراہت کی وجہ الگ ہے اور وہ یہ ہے کہ اس صورت میں امام کی توہین وتحقیر لازم آتی ہے کہ وہ نیچے کنوئیں اور گڑھے میں "اسوء حالاً" کے طور پر کھڑا ہے اور مقتدی اوپر "احسن حالاً" کھڑے ہیں امام کے ساتھ یہ ہتک آمیز سلوک اگر مکروہ نہیں ہے تو کیا ہے؟۔[2]

بلندی کی حد کیا ہے؟

جب یہ بات واضح ہوگئی کہ امام کو بلند جگہ میں تنہا کھڑا ہونا مکروہ ہے تو اب یہ معلوم کرنا ضروری ہوگیا کہ اس بلندی کی حد کا تعین کیا جائے کہ اس کی مقدار کیا ہے جس میں کراہت آتی ہے۔؟

شیخ عبدالحق رحمہ اللہ نے لمعات میں لکھا ہے کہ بلندی کی اس کراہت کی مقدار میں ایک قول یہ ہے کہ معتدل آدمی کے قدوقامت کے برابر اگر بلندی ہو تو مکروہ ہے ورنہ نہیں۔ دوسرا قول یہ ہے کہ دیکھنے میں جب امام نمایاں اور ممتاز نظر آئے یہ حد مکروہ ہے۔ تیسرا قول یہ ہے کہ ذراع یعنی ایک ہاتھ برابر بلندی پر ہو تو یہ مکروہ ہے ورنہ نہیں یہی آسان اور واضح ہے۔[3]

اب سوال یہ ہے کہ بعض دفعہ حضور اکرم ﷺ نے بلند ہو کر منبر پر نماز پڑھائی ہے وہ کیسے جائز ہوئی؟ اس کا جواب یہ ہے کہ وہ تعلیم امت کے لئے حضور اکرم کی خصوصیت تھی کسی غیر کے لئے جائز نہیں اب ایک اور سوال یہ ہے کہ جب حضرت عمار رضی اللہ عنہ کو یہ مسئلہ معلوم تھا جیسا کہ انہوں نے نماز سے فراغت کے بعد اعتراف کیا تو پھر آپ ابتدا میں بلند جگہ پر کھڑے کیوں ہوئے؟۔ اس کا جواب یہ ہے کہ ہوسکتا ہے اس وقت حضرت عمار رضی اللہ عنہ اس مسئلہ اور اس حدیث کو بھول چکے تھے لیکن حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے عملی طور پر ان کو سمجھا دیا تو ان کو فوراً مسئلہ یاد آگیا اور ایسا ہوتا ہے یہ کوئی بعید نہیں ہے۔[4]

"**او نحو ذلك**" حضرت حذیفہ کی روایت شاید بالمعنی تھی اس لئے فرمایا کہ حضور ﷺ کے الفاظ ایسے ہی تھے یا اس جیسے تھے۔[5]

تعلیم کی غرض سے امام تنہا اونچی جگہ کھڑا ہوسکتا ہے

﴿۸﴾ وعن سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ السَّاعِدِيِّ أَنَّهُ سُئِلَ مِنْ أَيِّ شَيْءٍ الْمِنْبَرُ فَقَالَ هُوَ مِنْ أَثْلِ الْغَابَةِ عَمِلَهُ

---

[1] اشعة اللمعات: ۱/۵۱۰ [2] المرقات: ۳/۱۸۶ [3] اشعة اللمعات: ۱/۵۱۰ [4] المرقات: ۳/۱۸۶ [5] المرقات: ۳/۱۸۷

فُلَانٌ مَوْلٰی فُلَانَۃٍ لِرَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَقَامَ عَلَیْہِ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ حِیْنَ عُمِلَ وَوُضِعَ فَاسْتَقْبَلَ الْقِبْلَۃَ وَکَبَّرَ وَقَامَ النَّاسُ خَلْفَہٗ فَقَرَأَ وَرَکَعَ وَرَکَعَ النَّاسُ خَلْفَہٗ ثُمَّ رَفَعَ رَأْسَہٗ ثُمَّ رَجَعَ الْقَھْقَرٰی فَسَجَدَ عَلَی الْأَرْضِ ثُمَّ عَادَ إِلَی الْمِنْبَرِ ثُمَّ قَرَأَ ثُمَّ رَکَعَ ثُمَّ رَفَعَ رَأْسَہٗ ثُمَّ رَجَعَ الْقَھْقَرٰی حَتّٰی سَجَدَ بِالْأَرْضِ۔ (ھٰذَا لَفْظُ الْبُخَارِیِّ وَفِی الْمُتَّفَقِ عَلَیْہِ نَحْوُہٗ وَقَالَ فِیْ اٰخِرِہٖ فَلَمَّا فَرَغَ أَقْبَلَ عَلَی النَّاسِ فَقَالَ أَیُّھَا النَّاسُ إِنَّمَا صَنَعْتُ ھٰذَا لِتَأْتَمُّوْا بِیْ وَلِتَعَلَّمُوْا صَلَاتِیْ) [1]

ترجمہ: اور حضرت سہل ابن سعد ساعدی رضی اللہ عنہ کے بارے میں منقول ہے کہ ان سے (ایک روز) پوچھا گیا کہ "نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا منبر کس چیز (یعنی کس لکڑی) کا تھا؟ انہوں نے فرمایا کہ "وہ جنگلی جھاؤ کی لکڑی کا تھا۔ جسے فلاں شخص نے جو فلاں عورت کا آزاد کردہ غلام تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے بنایا تھا۔ چنانچہ جب وہ تیار ہو گیا اور (مسجد میں) رکھا گیا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم (اس پر کھڑے ہوئے اور) قبلہ رو ہو کر (نماز کے لئے) تکبیر تحریمہ کہی اور سب لوگ آپ کے پیچھے کھڑے ہو گئے آنحضرت نے (منبر ہی پر) قرأت فرمائی اور رکوع کیا، دوسرے لوگوں نے بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے رکوع کیا، پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا سر مبارک رکوع سے اٹھایا اور پیچھے پاؤں ہٹ کر (یعنی منبر سے اتر کر) زمین پر سجدہ کیا۔" پھر منبر پر تشریف لائے قرأت فرمائی اور رکوع کیا پھر رکوع سے سر اٹھایا اور پیچھے پاؤں ہٹا کر زمین پر سجدہ کیا یہ الفاظ بخاری کے ہیں اور بخاری و مسلم کی متفقہ روایت بھی اسی طرح ہے اس حدیث کے راوی نے حدیث کے آخر میں یہ (بھی) کہا ہے کہ "(جب نماز سے) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فارغ ہوئے تو فرمایا کہ "یہ میں نے اس لئے کیا ہے تا کہ تم لوگ میری پیروی کرو اور میری نماز (کی کیفیات اور اس کے احکام و مسائل) سیکھ لو۔"

توضیح: مدینہ منورہ سے قریباً نو میل ایک جنگل ہے جسے غابہ کہتے ہیں وہاں درخت بہت زیادہ ہوتے تھے۔ [2]

"اثل" دوسری روایت میں **"طرفاء"** کا لفظ آیا ہے یہ دونوں ایک ہی قسم کے درخت کا نام ہے جس کو جھاؤ کہتے ہیں **"فلان"** اس سے مراد باقوم رومی ہے یہ ماہر نجار تھا حضرت سعید بن العاص رضی اللہ عنہ کا غلام تھا اسی نے منبر نبوی ۷ھ میں بنایا تھا۔ [3]

"مولی فلانۃ" اس روایت میں واضح طور پر مذکور ہے کہ یہ کسی عورت کا غلام تھا تو اس میں کوئی تعارض یا منافات نہیں ہے کیونکہ غلام جہاں اور جس کے پاس ہوتا ہے غلام ہی ہوتا ہے پہلے حضرت سعید رضی اللہ عنہ کے پاس تھا پھر عائشہ انصاریہ کے پاس آیا فلانہ سے عائشہ انصاریہ خاتون مراد ہے۔ [4]

علماء نے لکھا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا منبر تین چھوٹی سیڑھیوں پر مشتمل تھا تو ایک سیڑھی چڑھنا اترنا عمل کثیر نہیں تھا بلکہ عمل قلیل تھا اور اگر عمل کثیر بھی ہو تو تعلیم امت کے لئے جائز نہیں بلکہ ضروری تھا۔

[1] اخرجہ البخاری: ۱/۱۰۵ و مسلم: ۲/۴۷ [2] المرقات: ۲/۱۸۷ [3] المرقات: ۲/۱۸۷ [4] المرقات: ۲/۱۸۸

حالت اعتکاف میں حضور ﷺ کی امامت

﴿۹﴾ وعن عَائِشَةَ قَالَتْ صَلَّى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ حُجْرَتِهٖ وَالنَّاسُ يَأْتَمُّوْنَ بِهٖ مِنْ وَرَاءِ الْحُجْرَةِ۔ (رَوَاهُ أَبُوْ دَاوُدَ)[1]

ترجمہ: اور ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ ”نبی کریم ﷺ نے اپنے حجرہ کے اندر نماز پڑھی اور لوگوں نے حجرہ کے باہر آپ کی اقتدا کی۔“ (ابوداؤد)

توضیح: ”فی حجرته“ اس سے گھر کا حجرہ مراد نہیں بلکہ اعتکاف کے دوران رمضان میں مسجد کے اندر چٹائی کی ایک چاردیواری تھی اسی کو حجرہ کہا گیا ہے اور چونکہ اس میں حضور اکرم ﷺ کی آواز بھی آتی تھی آپ دیکھے بھی جاتے تھے تو اس میں کوئی اشکال نہیں ہے کہ نماز میں مکان متحد ہونا چاہئے کیونکہ اتحاد مکان حاصل تھا۔[2]

الفصل الثالث

﴿۱۰﴾ عن أَبِيْ مَالِكٍ الْأَشْعَرِيِّ قَالَ أَلَا أُحَدِّثُكُمْ بِصَلَاةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ أَقَامَ الصَّلَاةَ وَصَفَّ الرِّجَالَ وَصَفَّ خَلْفَهُمُ الْغِلْمَانَ ثُمَّ صَلَّى بِهِمْ فَذَكَرَ صَلَاتَهُ ثُمَّ قَالَ هٰكَذَا صَلَاةُ قَالَ عَبْدُ الْأَعْلٰى لَا أَحْسِبُهٗ إِلَّا قَالَ أُمَّتِيْ۔ (رَوَاهُ أَبُوْ دَاوُدَ)[3]

ترجمہ: حضرت ابو مالک اشعری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے (لوگوں سے) کہا کہ ”کیا میں تمہیں نبی کریم ﷺ کی نماز (کی کیفیت) سے آگاہ نہ کروں......؟ (تو سنو کہ) آنحضرت ﷺ نے نماز (کے لئے لوگوں) کو کھڑا کر کے (اول) مردوں کی صف قائم کی پھر ان کے پیچھے لڑکوں کی صف باندھی اور انہیں نماز پڑھائی۔“ ابو مالک نے آنحضرت ﷺ کی نماز (کی کیفیت) بیان کی (اور کہا کہ) آنحضرت ﷺ نے (نماز پڑھ کر) فرمایا ”نماز اسی طرح پڑھنی چاہئے۔“ عبد الاعلیٰ (جنہوں نے یہ روایت ابو مالک سے نقل کی ہے) کہتے ہیں کہ میرا خیال ہے کہ ابو مالک نے ”میری امت کی“ (بھی) کہا ہے یعنی ابو مالک نے حدیث کے آخری الفاظ اس طرح نقل کئے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ھٰکذا صلوٰۃ امتی (یعنی میری امت کی نماز اسی طرح ہونی چاہئے)۔ (ابوداؤد)

رعایا کو گمراہ کرنے والے حکمران تباہ و برباد ہو گئے

﴿۱۱﴾ وعن قَيْسِ بْنِ عُبَادٍ قَالَ بَيْنَا أَنَا فِي الْمَسْجِدِ فِي الصَّفِّ الْمُقَدَّمِ فَجَبَذَنِيْ رَجُلٌ مِنْ خَلْفِيْ

[1] اخرجه ابوداؤد: ۱/۲۶۸ ح ۱۱۲۶ [2] المرقات: ۳/۱۸۹ [3] اخرجه ابوداؤد: ۶۷۷

جَبْذَةً فَنَحَّانِيْ وَقَامَ مَقَامِيْ فَوَاللّٰهِ مَا عَقَلْتُ صَلَاتِيْ فَلَمَّا انْصَرَفَ إِذَا هُوَ أُبَيُّ بْنُ كَعْبٍ فَقَالَ يَا فَتٰى لَا يَسُوْءُكَ اللّٰهُ إِنَّ هٰذَا عَهْدٌ مِنَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَيْنَا أَنْ نَلِيَهُ ثُمَّ اسْتَقْبَلَ الْقِبْلَةَ فَقَالَ هَلَكَ أَهْلُ الْعَقْدِ وَرَبِّ الْكَعْبَةِ ثَلَاثًا ثُمَّ قَالَ وَاللّٰهِ مَا عَلَيْهِمْ آسٰى وَلٰكِنْ آسٰى عَلٰى مَنْ أَضَلُّوْا قُلْتُ يَا أَبَا يَعْقُوْبَ مَا تَعْنِيْ بِأَهْلِ الْعَقْدِ قَالَ الْأُمَرَاءُ۔ (رَوَاهُ النَّسَائِيُّ)[1]

ترجمہ: اور حضرت قیس ابن عباد رحمہ اللہ (تابعی) فرماتے ہیں کہ (ایک روز) میں مسجد میں پہلی صف میں کھڑا (نماز پڑھ رہا) تھا کہ ایک شخص نے پیچھے سے مجھے کھینچا اور مجھ کو ایک طرف کر کے خود میری جگہ کھڑا ہو گیا۔ خدا کی قسم! (اس غصہ کی وجہ سے کہ اس نے مجھے پہلی صف سے جو افضل ہے کھینچ لیا باوجودیکہ میں وہاں پہلے سے کھڑا تھا) مجھے اپنی نماز کا بھی ہوش نہ رہا۔ (کہ میں نماز کس طرح ادا کر رہا ہوں اور کتنی رکعتیں پڑھ رہا ہوں) جب وہ شخص نماز پڑھ چکا (اور میں نے بھی نماز پڑھنے کے بعد دیکھا) تو معلوم ہوا کہ وہ حضرت ابی بن کعب تھے (مجھے غصہ کی حالت میں دیکھ کر) انہوں نے فرمایا کہ اے جوان! (اس وقت میں نے تمہارے ساتھ جو کچھ کیا ہے اس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ تمہیں غمگین نہ کرے (چونکہ) ہمارے لئے آنحضرت ﷺ کی یہ وصیت ہے کہ ہم آپ کے پاس کھڑے ہوا کریں (اس لئے آپ کے بعد اب ہم امام کے قریب کھڑے ہونے کی کوشش کرتے ہیں) پھر قبلہ کی طرف منہ کر کے تین مرتبہ یہ فرمایا ''رب کعبہ کی قسم! اہل عقد (یعنی سردار) ہلاک ہو گئے! اور فرمایا ''خدا کی قسم! مجھے سرداروں کا کوئی غم نہیں ہے، غم تو ان لوگوں (یعنی رعایا) کا ہے جنہیں سردار گمراہ کرتے ہیں (بایں طور کہ جو کام سردار کرتے ہیں وہی کام ان کی رعایا کرتی ہے) قیس ابن عباد رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت ابی ابن کعب رضی اللہ عنہ سے عرض کیا کہ ''ابو یعقوب! اہل عقد سے آپ کی کیا مراد ہے؟ فرمایا ''امراء (یعنی سردار و حکام'') (نسائی)

توضیح: "فجبذنی" اس کلمہ کو اگر جذبنی پڑھا جائے پھر بھی معنی ایک ہی ہے کیونکہ یہ لفظ **جذبنی** سے مقلوب ہے یعنی مجھے کھینچ لیا "جبذة" اس مصدر کو عدد کے لئے بھی لیا جا سکتا ہے یعنی "**مرة واحدة**" اور اس کو تاکید کے لئے بھی استعمال کیا جا سکتا ہے "**ای جبذة شدیدة**"۔[2]

"**فنحانی**" یعنی مجھے میری جگہ سے ہٹا کر ایک طرف کھڑا کر دیا اور خود میری ہی جگہ پر کھڑے ہو گئے۔[3]

"**ماعقلت صلوتی**" یعنی اس طرح مجھے ہٹانے اور اچھی جگہ سے پیچھے کرنے اور میری جگہ پر خود کھڑے ہونے سے مجھے اتنا غصہ آیا اور میں اتنا غمگین ہوا کہ مجھے پتہ ہی نہ چلا کہ میں نے کس طرح نماز پڑھی کتنی رکعت پڑھی اور کیسی پڑھی۔[4]

[1] اخرجه النسائی: ۲/۸۸ [2] المرقات: ۳/۱۹۰ الکاشف: ۳/۵۶ [3] المرقات: ۳/۱۹۰ [4] المرقات: ۳/۱۹۱

"عهد" یعنی یہ حضور اکرم ﷺ کی وصیت ہے کہ اولوا الاحلام یعنی عقل و دانش اور بڑی عمر کے فضلاء وعلماء آگے ہوں اور بچے آخر میں ہوں، قیس بن عباد چھوٹے تھے یہ صحابی نہیں بلکہ تابعی تھے۔

"هلك اهل العقد" یہ ایک اصطلاحی لفظ ہے پورا لفظ "اهل الحل والعقد" ہے اس سے مراد حکمران طبقہ ہوتا ہے جو لوگوں کے معاملات کھولتے باندھتے ہیں۔[1]

حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کا مقصد یہ ہے کہ حکمرانوں کے ذمے جو رعایا کی اصلاح ورہنمائی اور اچھے راستوں پر ڈالکر چلانا ہے وہ یہ نہیں کررہے ہیں لہٰذا خود گمراہ ہو گئے لیکن اس پر اتنا افسوس نہیں بلکہ اس ذمہ داری کو پورا نہ کرنے کی وجہ سے رعایا آزاد ہو گئی اچھے اعمال سے محروم ہو گئی تو گمراہ ہو گئی اس کی گمراہی پر زیادہ افسوس ہے کیونکہ یہ متعدی جرم ہے حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ بڑی شان والے صحابی ہیں انہوں نے حکمرانوں پر جو طعن کیا ہے تو ممکن ہے کہ آنے والے خلفاء ان مراد ہوں یا ان کے زمانے کے حکمران مراد ہوں تاہم وہ خود حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے زمانے میں تھے لہٰذا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے بعض گورنر اس طعن کے نشانہ ہو سکتے ہیں وہ خود بالکل نہیں۔

---

[1] المرقات: ۳/۱۹۱ الکاشف: ۳/۵۶

۲۵ ربیع الثانی ۱۴۱۰ھ بمدرسہ شمالی افغان

باب الإمامة

امامت کا بیان

ایک امامت کبریٰ ہے ایک امامت صغریٰ ہے امامت کبریٰ جسے خلافت وامارت بھی کہتے ہیں اس کی تعریف یہ ہے کہ شریعت کی روشنی میں انسانوں کے دین اور دنیا کے تمام امور کی قیادت وسیادت اور اصلاح کا نام خلافت وامامت ہے اس موضوع پر علم الکلام اور علم العقائد میں بات ہوتی ہے۔ یہاں جو بحث چل رہی ہے وہ اسی امامت صغریٰ کا بیان ہے جس کو احادیث میں خوب بیان کیا گیا ہے نماز چونکہ بہت بڑی عبادت ہے اور اس کی بڑی شان ہے لہٰذا اس کے سنبھالنے والے اور پڑھانے والے کی بھی بڑی شان ہے یہی وجہ ہے کہ اسلام میں جس طرح امامت کبریٰ سنبھالنے والے کے لئے ایک معیار متعین ہے اور اس کے لئے چند شرائط رکھی گئے ہیں اسی طرح امامت صغریٰ کے سنبھالنے والے کے لئے بھی چند شرائط اور ترجیحات ہیں کیونکہ لائق امام اگر میسر آتا ہو اور لوگ اسے چھوڑ کر نالائق کو امام بنائیں گے تو سارے لوگ سنت کے تارک بن جائیں گے چنانچہ محلہ کے نمازیوں کی ذمہ داری ہے کہ وہ مستند عالم اور متقی پرہیزگار آدمی کو امام بنائیں اور ذاتی ترجیحات کو بالائے طاق رکھ کر دین اسلام کی ترقی کی فکر کریں اگر محلہ میں امام کے تقرر پر تنازعہ پیدا ہو جائے تو مخلص اور ہوشیار دیندار نمازیوں کی اکثریت جس پر متفق ہو جائے اس کو امام بنایا جائے جب مقتدیوں نے اتفاق سے ایک امام کو مقرر کر لیا تو اب وہی شخص باقاعدہ امام ہے اس کی موجودگی میں کوئی بڑے سے بڑا عالم اس کی اجازت کے بغیر نماز نہیں پڑھا سکتا ہے ورنہ انتظام خلل کا شکار ہو جائے گا۔

الفصل الاول

امامت کا مستحق کون ہے؟

﴿۱﴾ عن أبي مسعودٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَؤُمُّ الْقَوْمَ أَقْرَأُهُمْ لِكِتَابِ اللهِ فَإِنْ كَانُوا فِي الْقِرَاءَةِ سَوَاءً فَأَعْلَمُهُمْ بِالسُّنَّةِ فَإِنْ كَانُوا فِي السُّنَّةِ سَوَاءً فَأَقْدَمُهُمْ هِجْرَةً فَإِنْ كَانُوا فِي الْهِجْرَةِ سَوَاءً فَأَقْدَمُهُمْ سِناً وَلَا يَؤُمَّنَّ الرَّجُلُ الرَّجُلَ فِي سُلْطَانِهِ وَلَا يَقْعُدْ فِي بَيْتِهِ عَلَى تَكْرِمَتِهِ إِلَّا بِإِذْنِهِ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ. وَفِي رِوَايَةٍ لَهُ وَلَا يَؤُمَّنَّ الرَّجُلُ الرَّجُلَ فِي أَهْلِهِ) [1]

ترجمہ: حضرت ابو مسعود رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قوم کی امامت وہ شخص کرے جو (نماز کے احکام و

[1] اخرجه ومسلم: ۲/۱۳۳

مسائل جاننے کے ساتھ) قرآن مجید سب سے اچھا پڑھتا ہو (یعنی تجوید سے واقف ہو۔ اور حاضرین میں سب سے اچھا قاری ہو) اگر قرآن مجید اچھا پڑھنے میں سب برابر ہوں۔ تو وہ شخص امامت کرے جو قرأت مسنونہ اچھی طرح پڑھنے کے ساتھ سنت کا علم سب سے زیادہ جانتا ہو۔ اگر (قرآن مجید اچھا پڑھنے اور) سنت کا علم جاننے میں سب برابر ہوں تو وہ شخص امامت کرے جو (مدینہ میں) سب سے پہلے ہجرت کر کے آیا ہو اگر (علم قرأت اور) ہجرت میں سب برابر ہوں تو وہ شخص امامت کرے جو عمر میں سب سے بڑا ہو! اور کوئی شخص دوسرے کے علاقہ میں امامت نہ کرے (یعنی دوسرے مقررہ امام کی جگہ امامت نہ کرے) اور کسی کے گھر میں اس کی مسند پر اس کی اجازت کے بغیر نہ بیٹھے (مسلم)

اور مسلم کی ایک دوسری روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ" (آپ نے فرمایا) کہ کوئی شخص دوسرے کے گھر میں (اس کی اجازت کے بغیر اگر چہ وہ صاحب خانہ سے افضل ہی کیوں نہ ہو) امامت نہ کرے۔"

توضیح: **"فی القراءة سواء"** جیسا پہلے اشارہ کیا جا چکا ہے کہ مسجد میں جب مقرر امام موجود ہو تو پھر امامت کا وہی سب سے زیادہ مستحق ہے اس حدیث میں امام کے اعلیٰ وادنیٰ اور افضل غیر افضل اور صفات حسنہ کی قلت وکثرت اور ترجیحات کو جو بیان کیا گیا ہے یہ اس وقت کی بات ہے جب امام راتب ومعین نہ ہو مثلاً لوگ سفر میں ہوں جیسا کہ ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی روایت نمبر ۲ اس پر دلالت کرتی ہے جس میں مسافر اور سفر کی نماز کا ذکر ہے **"اذا کانوا ثلاثة"** کے الفاظ سے سفر ہی کا بیان ہے۔ یا سفر کے علاوہ کسی جلسہ میں یا اجتماع میں یا جہاد کی چھاؤنیوں میں مسلمان جمع ہوں اور وہاں کئی علماء موجود ہوں تو وہاں یہ ترتیب اور یہ انتخاب جاری ہوگا چنانچہ اس حدیث میں بھی چند شرائط اور خصوصیات کو بیان کیا گیا ہے لیکن فقہاء نے الگ سے ان شرائط کی ایک ترتیب بیان فرمائی ہے اور مسئلہ اولیٰ غیر اولیٰ کا ہے جواز اور عدم جواز کا نہیں ہے چنانچہ استحقاق امامت کے لئے مذکورہ حدیث میں چند ترجیحات یہ ہیں۔[1]

① سب سے زیادہ مستحق کتاب وسنت کا عالم ہو ② اگر اس میں برابر ہوں تو پھر جس کی قرأت تجوید کے ساتھ عمدہ ہو ③ اگر ان دونوں صفات میں برابر ہیں تو پھر وہ شخص جو زیادہ متقی اور پرہیزگار ہو ④ اگر اس میں برابر ہوں تو پھر جس کے اخلاق اچھے ہوں ⑤ اگر ان میں برابر ہوں تو پھر ان میں جو وجیہ اور شکیل ہو ⑥ اگر اس میں بھی برابر ہوں تو پھر جو نسب کے اعتبار سے عالی نسب ہو ⑦ اگر ان سب صفات میں یہ علماء برابر ہوں تو پھر قرعہ اندازی کر لی جائے۔[2]

زیر بحث حدیث میں چار صفات کا ذکر کیا گیا ہے جس میں اول قرأت، دوم علم، سوم ہجرت اور چہارم زیادت عمر ہے اگر چہ فقہاء نے چند اور صفات کا آثار صحابہ اور اقوال تابعین کی روشنی میں اضافہ کر دیا ہے تو اس کے ساتھ مذاق اڑانے کی ضرورت نہیں ہے بے ادبی اچھی خصلت نہیں ہے حضور اکرم ﷺ نے عمر رسیدہ شخص کا جب تذکرہ فرمایا تو اس میں اس ضابطہ کی طرف اشارہ فرمادیا جس کی تفصیل فقہاء نے بیان کر دی تاہم ان صفات کی فہرست بھی حد سے زیادہ نہیں بڑھانا چاہئے۔

---

[1] المرقات: ۳/۱۹۲ [2] المرقات: ۳/۱۹۲

اقرأ و اعلم کا مسئلہ:

ان تمام صفات کی ترتیب میں فقہاء کرام کا اتفاق ہے صرف دو صفات میں اختلاف ہے یعنی اقرأ مقدم ہے یا اعلم مقدم ہے مطلب یہ کہ ایک جید قاری ہے دوسرا جید عالم ہے ان میں کس کو مقدم کیا جائے گا اس میں فقہاء کا اختلاف ہے۔

فقہاء کا اختلاف:

امام احمد بن حنبل اسحاق بن راھویہ اور امام ابو یوسف رحمہم اللہ تعالیٰ کا مسلک یہ ہے کہ امامت کے لئے ''اقرأ'' زیادہ مستحق ہے اس کے بعد "اعلم" ہے امام شافعی کا ایک قول بھی یہی ہے۔ امام ابوحنیفہ امام مالک اور امام شافعی رحمہم اللہ تعالیٰ کا مسلک یہ ہے کہ "اعلم" امامت کا زیادہ مستحق ہے یہ مقدم ہے پھر "اقرأ" کا نمبر ہے قاری سے مراد وہ کہ جو فن قرأت کا ماہر ہو اور اس کو قرآن زیادہ یاد ہو اور عالم سے مراد وہ کہ جو احکام شریعت کا ماہر ہو۔[1]

دلائل:

فریق اول نے زیر بحث ابو مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث سے استدلال کیا ہے اور وہ یہ دلیل بھی پیش کرتے ہیں کہ قرأت نماز کے ارکان میں سے ایک اہم رکن ہے لہٰذا اس کا اہتمام زیادہ ہے۔

فریق ثانی یعنی جمہور اپنے استدلال میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی امامت کو بطور دلیل پیش کرتے ہیں کہ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو مقدم کیا جو اعلم بکتاب اللہ تھے حالانکہ ابی بن کعب رضی اللہ عنہ تو اقرأ تھے جیسے حدیث کے الفاظ ہیں "واقرأهم ابی بن کعب"، معلوم ہوا اعلم مقدم ہے نیز جمہور کی ایک دلیل یہ بھی ہے کہ قرأت اگرچہ رکن صلوٰۃ ہے لیکن اس کی ضرورت صرف ایک رکن میں پڑتی ہے جبکہ علم کی ضرورت نماز کے تمام ارکان میں پڑتی ہے تحریمہ سے سلام تک علم ہی علم پر نماز کا دارومدار ہے۔[2]

جواب: زیر بحث حدیث کا ایک جواب تو یہ ہے کہ اس کا خاطر خواہ کوئی جواب نہیں ہے۔ جن حضرات نے یہ جواب دیا ہے کہ اس زمانے میں اقرأ ہی ہوتا تھا جو اعلم ہوتا تھا تو اس جواب سے ایک تو زیر بحث حدیث کی پوری ترتیب ٹوٹ جاتی ہے حالانکہ یہ ترتیب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے قائم فرمائی ہے اور دوسرا اشکال یہ آتا ہے کہ اس سے حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کو سب سے زیادہ عالم ماننا ہوگا حالانکہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے بارے میں صحابہ کا اتفاق ہے کہ "ابوبکر اعلمنا" تو بات وہیں پر آگئی کہ اس حدیث کا ایک جواب یہ ہے کہ اس کا کوئی جواب نہیں۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ ابتداء اسلام میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن عظیم کی اشاعت اور اس کو عام کرنے کا بڑا اہتمام فرمایا تھا قرآن کے ذریعہ سے نکاح کرنا قرآن کی وجہ سے مجاہدین کا امیر بنانا کثرت قرآن کی وجہ سے اجتماعی قبروں میں حافظ قرآن کو مقدم رکھنا اور کثرت قرآن کی وجہ سے مساجد میں امام رکھنا یہ سارا اہتمام اس لئے تھا کہ لوگ زیادہ سے زیادہ قرآن کریم کے الفاظ کو یاد کرنے کی کوشش کریں اسی سلسلہ میں اور اسی زمانہ میں یہ حدیث ارشاد فرمائی گئی تھی اور اس کے

[1] المرقات: ۳/۱۹۲ [2] المرقات: ۳/۱۹۳

بعد اس کا حکم موقوف ہو گیا اور علم کی ترغیب پر زور دیا گیا اسی وجہ سے صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو مقدم رکھا گیا تاکہ علم کی اصلی حیثیت برقرار ہو جائے لہٰذا آج وہی حیثیت برقرار ہے۔ اور عالم کو عوام الناس بھی قاریوں پر امامت میں مقدم کرتے ہیں صرف قرأت سننا اور خوش ہونا اور اس کے محافل حسن قرأت قائم کرنا یہ الگ چیز ہے۔ (یا اللہ! راہ راست اور جادۂ حق سے ہٹنے اور بھٹکنے سے میری سوچ اور میرے قلم کی حفاظت فرما ''آمین'' راقم الحروف) [1]

"**ولا یؤمن فی سلطان غیرہ**" مرقات شرح مشکوٰۃ میں ملا علی قاری رحمہ اللہ کے کلام سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ تین قسم کے لوگ ہیں جن کے ہاں ان کی اجازت کے بغیر امامت کرانے سے روکا گیا ہے اور تینوں کو ایک قسم کی سیادت و قیادت حاصل ہے ① مذکورہ حدیث میں ''سلطانہ'' کا لفظ ہے اس سے وقت کا بادشاہ مراد لیا جا سکتا ہے یعنی وقت کے حاکم کے ہاں جا کر اس کی جگہ امامت نہ کرائے یا اس کی طرف سے مقرر کردہ امام و نائب کی جگہ امامت نہ کرائے خاص طور پر جمعہ و عیدین کے موقع پر تو بالکل مناسب نہیں ہے ② اسی طرح سلطان کا اطلاق مسجد کے امام پر بھی ہو سکتا ہے کیونکہ مسجد اور مسجد کی امامت اس کے دائرہ اختیار میں ہے تو اس کی جگہ اس کی اجازت کے بغیر جماعت کرانا کسی غیر کے لئے منع ہے۔ ③ اسی طرح کوئی آدمی اپنے خاندان کا بڑا ہے اور وہ اپنی قوم کو نماز پڑھاتا ہے اس کی جگہ بھی نماز پڑھانا اس کی اجازت کے بغیر ناجائز ہے۔ [2]

چنانچہ دوسری روایت میں "**فی اھلہ**" کے الفاظ آئے ہیں جس سے مراد اسی قسم کے لوگ ہو سکتے ہیں اسی طرح ایک آدمی اپنے گھر کے افراد کو جمع کر کے نماز پڑھاتا ہے ان کی جگہ پر بھی ان کی اجازت کے بغیر کسی کے لئے جائز نہیں ہے کہ نماز پڑھائے تو امامت کبریٰ والے ہوں یا امامت صغریٰ والے ہوں ہر ایک کی ایک قسم سلطنت کی قائم ہے ان کی اجازت کے بغیر نماز پڑھانا شریعت کے خلاف ہے کیونکہ اسلام میں جماعت و امامت کی مشروعیت کا مقصد ہی اتفاق و اتحاد اور محبت و آشتی ہے اور یہ حرکتیں بغض و عناد اور شر و فساد پیدا کرتی ہیں اس لئے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان اشیاء کا سد باب فرمایا حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما جیسے جلیل القدر صحابی حجاج بن یوسف جیسے ظالم کے پیچھے آخر کسی مقصد کے پیش نظر نماز پڑھتے تھے۔ [3]

"**علی تکرمتہ**" **تکرمۃ تفعلۃ** کے وزن پر مصدر ہے باب تفعیل سے تکریم عزت و اکرام کے معنی میں ہے یہاں گھر وغیرہ میں بنی ہوئی اس خاص جگہ کو ''تکرمہ'' کہا گیا ہے جہاں گھر کا بڑا بیٹھتا ہے اس پر بغیر اجازت اگر کوئی آکر بیٹھتا ہے تو ان کو تکلیف ہوتی ہے آج کل عرب بھی اس چیز سے سخت ناراض ہوتے ہیں اور عجم میں پیر صاحبان کی خاص جگہوں اور خانقاہوں کے اندر ان کے لئے جو خاص جگہ ہوتی ہے وہ بھی مراد ہو سکتی ہے اور مدارس میں بعض مہتمم حضرات کے لئے خاص تخت اور خاص مسند ہوتی ہے اس پر بھی بغیر اجازت بیٹھنا مناسب نہیں ہے۔ [4]

﴿۲﴾ وعن أَبِي سَعِيدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا كَانُوْا ثَلَاثَةً فَلْيَؤُمَّهُمْ أَحَدُهُمْ وَأَحَقُّهُمْ بِالْإِمَامَةِ أَقْرَأُهُمْ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ، وَذُكِرَ حَدِيثُ مَالِكِ بْنِ الْحُوَيْرِثِ فِي بَابٍ بَعْدَ بَابِ فَضْلِ الْأَذَانِ) [5]

---

[1] المرقات: ۳/۱۹۳، ۱۹۴ [2] المرقات: ۳/۱۹۴ [3] المرقات: ۳/۱۹۵ [4] المرقات: ۳/۱۹۵ [5] اخرجہ ومسلم: ۲/۱۳۳

ترجمہ: اور حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا "جب (نماز پڑھنے کے لئے) تین آدمی (جمع) ہوں تو ان میں سے ایک امام بن جائے اور ان میں امامت کا زیادہ مستحق وہ ہے جو زیادہ تعلیم یافتہ ہو۔ (مسلم)

الفصل الثانی

﴿۳﴾ عن ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِيُؤَذِّنْ لَكُمْ خِيَارُكُمْ وَلْيَؤُمَّكُمْ قُرَّاءُكُمْ۔ (رَوَاهُ أَبُوْ دَاوُدَ)[۱]

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما راوی ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا تم میں سے جو لوگ بہتر ہیں انہیں اذان دینی چاہئے۔ اور تم میں جو لوگ خوب تعلیم یافتہ ہوں انہیں تمہاری امامت کرنی چاہئے۔ (ابوداؤد)

توضیح: "لیؤذن لکم" یعنی مؤذن سب سے اچھا آدمی ہونا چاہئے کیونکہ وہ اوقات کا امین ہوتا ہے تاکہ اوقات میں خیانت نہ کرے نیز وہ اذان کے لئے چھت پر جاتا ہے جس سے آس پاس گھروں میں نگاہ پڑسکتی ہے اسی طرح تجربہ سے ثابت ہے کہ قوم اور امام کے درمیان اختلاف وافتراق کا سبب مؤذن بنتا ہے جب مؤذن دیانت دار ایماندار ہو تو کوئی خیانت خباثت کا خطرہ نہیں ہوگا اور امام عالم ہونا چاہئے تاکہ نماز کے مسائل میں غلطی نہ آئے۔[۲]

﴿۴﴾ وعن أَبِي عَطِيَّةَ الْعُقَيْلِيِّ قَالَ كَانَ مَالِكُ بْنُ الْحُوَيْرِثِ يَأْتِيْنَا إِلَى مُصَلَّانَا يَتَحَدَّثُ فَحَضَرَتِ الصَّلَاةُ يَوْماً قَالَ أَبُوْ عَطِيَّةَ فَقُلْنَا لَهُ تَقَدَّمْ فَصَلِّهْ قَالَ لَنَا قَدِّمُوْا رَجُلاً مِنْكُمْ يُصَلِّيْ بِكُمْ وَسَأُحَدِّثُكُمْ لِمَ لَا أُصَلِّيْ بِكُمْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ مَنْ زَارَ قَوْماً فَلَا يَؤُمَّهُمْ وَلْيَؤُمَّهُمْ رَجُلٌ مِنْهُمْ۔

(رَوَاهُ أَبُوْ دَاوُدَ وَالتِّرْمِذِيُّ وَالنَّسَائِيُّ إِلَّا أَنَّهُ اقْتَصَرَ عَلَى لَفْظِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ)[۳]

ترجمہ: اور حضرت ابوعطیہ عقیلی (تابعی) رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضرت مالک ابن حویرث (صحابی) رضی اللہ عنہ ہماری مسجد میں آیا کرتے اور (ہمارے سامنے آنحضرت ﷺ کی) حدیث بیان کرتے (اور بات چیت کرتے رہتے) تھے ایک دن (جبکہ وہ ہمارے درمیان مسجد میں موجود تھے) نماز کا وقت ہوگیا۔ ابوعطیہ کہتے ہیں کہ ہم نے مالک رضی اللہ عنہ سے (ان کی شان صحابیت کی عظمت وفضیلت کے پیش نظر) کہا کہ آگے ہوجایئے اور ہمیں نماز پڑھایئے" حضرت مالک نے فرمایا کہ "تم اپنے میں سے ہی کسی کو آگے کردو تاکہ وہ تمہیں نماز پڑھائے اور میں تمہیں بتاتا ہوں کہ میں نماز کیوں نہیں پڑھاتا (لوسنو کہ) میں نے نبی کریم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ "جو شخص کسی قوم سے ملاقات کرے تو وہ ان کی امامت نہ کرے (بلکہ) ان ہی میں سے کسی شخص کو ان کی امامت کرنی چاہئے (ابوداؤد، ترمذی) نسائی نے بھی اس روایت کو نقل کیا ہے مگر انہوں نے صرف آنحضرت ﷺ کے الفاظ پر

[۱] اخرجہ وابوداؤد: ۵۹۰ [۲] المرقات: ۳/۱۹۵، ۱۹۶ [۳] اخرجہ ابوداؤد: ۵۹۶ والترمذی: ۳۵۶ والنسائی: ۲/۸۰

اکتفا کیا ہے یعنی انہوں نے اپنی روایت میں حضرت مالک رضی اللہ عنہ کے مسجد میں آنے کا واقعہ اوران کا امامت سے انکار کرنا ذکر نہیں کیا ہے بلکہ صرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے الفاظ "من زار" سے آخر تک نقل کیا ہے۔

نابینا کی امامت جائز ہے

﴿۵﴾ وعن أَنَسٍ قَالَ اِسْتَخْلَفَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ابْنَ أُمِّ مَكْتُوْمٍ يَؤُمُّ النَّاسَ وَهُوَ أَعْمٰى. (رَوَاهُ أَبُوْ دَاوُدَ)[1]

ترجمہ: اور حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبداللہ ابن ام مکتوم کو اپنا قائم مقام مقرر کیا کہ وہ لوگوں کو نماز پڑھائیں اور وہ نابینا تھے۔" (ابوداؤد)

توضیح: **"ابن ام مکتوم"** عبداللہ بن ام مکتوم رضی اللہ عنہ ایک نابینا صحابی تھے مکہ مکرمہ میں ایک بار حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں حاضر ہوکر مسئلہ پوچھا آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت سرداران قریش کے ساتھ مشغول تھے اوراس صحابی کو جواب دینے میں بے توجہی سی ہوگئی اللہ تعالیٰ نے سورۃ عبس اتار کر حضرت پاک کو محبت آمیز عتاب کیا اوراس صحابی کی شان بیان فرمائی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس کے بعد جب بھی ابن ام مکتوم کو آتے ہوئے دیکھتے تو فرماتے **"مرحبا بمن عاتبني فيه ربي"** اسی وجہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس صحابی کی دلجوئی کے لئے تقریباً ۱۴ بار ان کو مدینہ منورہ پر اپنا نائب مقرر فرمایا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جہاد میں جاتے اور ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ مدینہ میں حضور کے نائب ہوتے زیر بحث حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت میں یہی بات ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے عبداللہ بن ام مکتوم رضی اللہ عنہ کو اپنا نائب اور قائم مقام بنایا تو وہ امیر بھی تھے اور لوگوں کی امامت بھی کراتے تھے حالانکہ وہ نابینا تھے۔

اب یہ مسئلہ محل بحث ہے کہ نابینا امام بن سکتا ہے یا نہیں تو "**رحمة الامة في اختلاف الائمة**" میں آٹھویں صدی کے مشہور شافعی عالم محمد بن عبدالرحمن دمشقی نے لکھا ہے کہ "**وامامة الاعمىٰ صحيحة بالاتفاق غيرمكروهة الاعند ابن سيرين**" (ص ۵۰)

اب بحث اس میں ہے کہ اعمیٰ کی امامت افضل ہے یا بصیر یعنی بینا کی افضل ہے؟

اس کی تفصیل اس طرح ہے کہ اگر اعمیٰ اعلم بھی ہو اقرأ بھی ہو اورع بھی ہو اوراس کے مقابلہ میں کوئی بصیر موجود نہ ہو تو یہ اعمیٰ اولیٰ بالامامۃ ہے اور اگر اس نابینا کے مقابلہ میں اسی طرح فاضل عالم بینا موجود ہو تو جمہور کے نزدیک یہ بینا اولیٰ بالامامۃ ہے لیکن امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ اس صورت میں بھی اعمیٰ کی امامت کو ترجیح دیتے ہیں بشرطیکہ وہ مکمل پاکی حاصل کرسکتا ہو وہ فرماتے ہیں کہ نابینا بدنظری کے جرائم سے محفوظ اور پاک ہوتا ہے اس لئے وہ اولیٰ بالامامۃ ہے باقی رہی یہ بات کہ فقہائے احناف وغیرہ نے اعمیٰ کی امامت کو مکروہ لکھا ہے وہ کیوں لکھا ہے؟۔

[1] اخرجه ابوداؤد: ۵۹۵

تو اس کا جواب یہ ہے کہ کراہت اس نابینا کے بارے میں ہے جو اپنے آپ کو گندگی سے نہیں بچا سکتا ہو گندہ پلید ہو یا اس کے پاس بالکل علم وتقویٰ نہ ہو اور اس کے مقابل اعلیٰ اور عمدہ بینا عالم موجود ہو اس وقت اعمیٰ کی امامت مکروہ ہے۔ [1]

شرعی عیب والے امام کی نماز قبول نہیں

﴿٦﴾ وعن أَبِي أُمَامَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثَلَاثَةٌ لَا تُجَاوِزُ صَلَاتُهُمْ آذَانَهُمْ: اَلْعَبْدُ الْآبِقُ حَتّٰى يَرْجِعَ وَامْرَأَةٌ بَاتَتْ وَزَوْجُهَا عَلَيْهَا سَاخِطٌ وَإِمَامُ قَوْمٍ وَهُمْ لَهُ كَارِهُوْنَ۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ غَرِيْبٌ) [2]

ترجمہ: اور حضرت ابو امامہ راوی ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا تین شخص ایسے ہیں جن کی نماز ان کے کانوں سے اوپر نہیں جاتی (یعنی درجہ قبولیت کو نہیں پہنچتی) ایک تو اپنے مالک کے یہاں سے بھاگا ہوا غلام، جب تک کہ وہ (اپنے مالک کے پاس) واپس نہ آجائے دوسری وہ عورت جو اس حالت میں رات گزار دے کہ اس کا خاوند اس سے ناراض ہو تیسرا وہ امام جسے اس کی قوم پسند نہ کرتی ہو" امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے اس روایت کو نقل کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ حدیث غریب ہے۔

توضیح: "امرأة" یہ اس وقت ہے کہ عورت بد خلق ہو، نافرمان اور بے ادب ہو اس وجہ سے شوہر ناراض ہو اور اگر عورت کے بجائے جرم شوہر کا ہو وہ بد خلق وظالم ہو اور بیوی سے ناراض رہتا ہو تو اس صورت میں عورت گنہگار نہیں ہوگی بلکہ شوہر گنہگار ہوگا۔ [3]

"وهم له كارهون" یعنی کسی شرعی عیب بدعت وفسق اور بے علمی کی وجہ سے قوم ناراض ہو تو یہ وعید امام کے لئے ہے لیکن اگر امام میں کوئی شرعی عیب نہیں ہے اور مقتدی اغراض دنیویہ یا ذاتی مفادات کی وجہ سے امام سے عداوت ونفرت رکھتے ہیں تو اس صورت میں امام نہیں بلکہ مقتدی گنہگار ہونگے باقی جس طرح امام الحی پیش امام میں یہ تفصیل ہے۔ بالکل یہی تفصیل وحکم ملک کے بادشاہ اور وطن کے امام کا بھی ہے۔ [4]

تین آدمیوں کی نماز قبول نہیں ہوتی

﴿٧﴾ وعن ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثَلَاثَةٌ لَا تُقْبَلُ مِنْهُمْ صَلَاتُهُمْ مَنْ تَقَدَّمَ قَوْماً وَهُمْ لَهُ كَارِهُوْنَ وَرَجُلٌ أَتَى الصَّلَاةَ دِبَاراً وَالدِّبَارُ أَنْ يَأْتِيَهَا بَعْدَ أَنْ تَفُوْتَهُ وَرَجُلٌ اعْتَبَدَ مُحَرَّرَةً۔ (رَوَاهُ أَبُوْ دَاوُدَ وَابْنُ مَاجَه) [5]

ترجمہ: اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما راوی ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا تین شخص ایسے ہیں جن کی نماز قبول نہیں ہوتی (یعنی

[1] المرقات: ۳/۱۹۷ [2] اخرجه الترمذی: ۳۶۰ [3] المرقات: ۳/۱۹۸ [4] المرقات: ۳/۱۹۸ [5] اخرجه ابوداؤد: ۵۹۳ وابن ماجه: ۹۷۰

انہیں نماز کا ثواب نہیں ملتا) ایک تو وہ شخص جو کسی قوم کا امام ہو اور قوم اس سے خوش نہ ہو دوسرا وہ شخص جو نماز میں پیچھے آئے اور پیچھے کا مطلب یہ ہے کہ نمازوں کا (مستحب) وقت نکل جانے کے بعد آئے، اور تیسرا وہ شخص جو آزاد کو غلام سمجھے۔" (ابوداؤد، ابن ماجہ)

توضیح: "بعد ان تفوته" نماز فوت ہوجانے کا مطلب یہ ہے کہ مستحب وقت نکل جائے یا یہ مطلب ہے کہ نماز کا پورا وقت نکل جائے یا جماعت نکل جائے تمام صورتوں کی طرف "لا تقبل" متوجہ ہے۔ علماء نے لکھا ہے کہ یہاں لاتقبل میں نفی کمال کی ہے یعنی کامل طور پر نماز قبول نہیں ہوگی یا مکمل نماز کی نفی ہے لیکن یہ اس وقت ہے جب کہ کوئی شخص اپنی عادت کو اسی طرح بنائے کہ ہمیشہ ایسا ہی کرتا رہتا ہے۔[1]

"اعتبد محررة" ای اتخذ نفسا معتقة عبدا" یعنی آزاد جان کو پکڑ کر غلام بنا دیا اس جملہ کے دو مفہوم ہیں ایک مفہوم اوپر عربی عبارت میں بیان ہوا کہ آزاد آدمی کو پکڑ کر غلام بنا دیا اور پھر فروخت کرنے کا سلسلہ شروع کر دیا دوسرا مفہوم یہ ہے کہ ایک غلام کو آزاد کیا لیکن اس کو بتایا نہیں اور آزادی کے بعد ان کو غلام بنائے رکھا ان کو اطلاع ہی نہیں کی کہ تجھے آزاد کیا ہے۔[2]

عام محلوں میں عالم کا نہ ہونا علامات قیامت میں سے ہے

﴿۸﴾ وعن سُلَامَةَ بِنْتِ الْحُرِّ قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ مِنْ أَشْرَاطِ السَّاعَةِ أَنْ يَتَدَافَعَ أَهْلُ الْمَسْجِدِ لَا يَجِدُوْنَ إِمَاماً يُصَلِّيْ بِهِمْ۔ (رَوَاهُ أَحْمَدُ وَأَبُوْ دَاوُدَ وَابْنُ مَاجه)[3]

ترجمہ: اور حضرت سلامہ بنت حر رضی اللہ تعالیٰ عنہا راوی ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا قیامت کی علامتوں میں سے ایک علامت یہ ہے کہ مسجد کے لوگ امامت کیلئے ایک دوسرے کو دفع کریں گے اور کوئی نماز پڑھانے والا ان کو نہ ملے گا۔"

(احمد، ابوداؤد، ابن ماجہ)

توضیح: "ان یتدافع" یہ قیامت کے قریب زمانے کا نقشہ پیش کیا گیا ہے کہ جہل وفسق اتنا عام ہو جائے گا کہ اس سے محلے بھر جائیں گے اور لوگ اتنے نااہل پیدا ہوں گے کہ کوئی شخص امامت کا اہل نہیں ہوگا لوگ ایک دوسرے کو دھکے دیدیکر نماز پڑھانے کے لئے کہیں گے مگر ہر شخص اپنی نااہلی کی وجہ سے بھاگے گا اور نماز نہیں پڑھائے گا کیونکہ پڑھا نہیں سکے گا۔ آج کل یہ نقشہ مکمل طور پر تیار ہو گیا ہے کیونکہ محلوں کے محلے ویران پڑے ہوئے ہیں ان میں کوئی عالم نہیں ہے تاکہ کسی محلہ کے لوگوں کو جا کر نماز تو پڑھا سکے عوام کو تو چھوڑ دیجئے اچھے اچھے دیندار بلکہ دین کے مدعی داعی بھی ایک دوسرے کو دھکے دیتے ہیں۔[4]

فاسق امیر کی ماتحتی میں بھی جہاد جائز ہے

﴿۹﴾ وعن أَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلْجِهَادُ وَاجِبٌ عَلَيْكُمْ مَعَ كُلِّ

[1] المرقات: ۳/۱۹۹ [2] المرقات: ۳/۱۹۹ [3] اخرجہ احمد: ۶/۳۸۱ و ابوداؤد: ۵۸۱ و ابن ماجہ: ۹۸۲ [4] المرقات: ۳/۲۰۰

أَمِيْرٍ بَرًّا كَانَ أَوْ فَاجِراً وَإِنْ عَمِلَ الْكَبَائِرَ وَالصَّلَاةُ وَاجِبَةٌ عَلَيْكُمْ خَلْفَ كُلِّ مُسْلِمٍ بَراً كَانَ أَوْ فَاجِراً وَإِنْ عَمِلَ الْكَبَائِرَ وَالصَّلَاةُ وَاجِبَةٌ عَلَى كُلِّ مُسْلِمٍ بَراً كَانَ أَوْ فَاجِراً وَإِنْ عَمِلَ الْكَبَائِرَ۔

(رَوَاهُ أَبُو دَاوُد)[1]

ترجمہ: اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا تمہارے اوپر جہاد ہر سردار کے ہمراہ خواہ وہ نیک ہو یا بد ہو واجب ہے اگر چہ وہ (سردار) گناہ کبیرہ کرتا ہو اور تم پر نماز ہر مسلمان کے پیچھے پڑھنا واجب ہے خواہ وہ (نماز پڑھانے والا) نیک ہو یا بد ہو اگر چہ گناہ کبیرہ کرتا ہو اور نماز جنازہ ہر مسلمان پر واجب ہے خواہ مردہ نیک ہو یا بد اگر چہ گناہ کبیرہ کیا ہو" (ابوداؤد)

توضیح: **"الجهاد واجب"** یہاں واجب فرض کے معنی میں ہے کیونکہ جہاد کی مشروعیت کی دو ہی حالتیں ہوتی ہیں یا فرض کفایہ ہوتا ہے یا فرض عین ہوتا ہے مطلب یہ کہ ایک جہادی امیر خواہ وہ بادشاہ ہو یا اس کا نائب ہو جب وہ جہاد کا علم بلند کر کے مسلمانوں کو کفار کے مقابلے میں لڑا رہا ہے تو ان کی ماتحتی میں جہاد کر و خواہ وہ امیر فاسق کیوں نہ ہو یعنی وہ کبیرہ گناہ کا ارتکاب کر رہا ہو تو یہ ان کا اپنا عمل ہے تمہیں تو اچھائی پر لگا رکھا ہے تم اپنے نیک عمل کو دیکھو امیر کو مت دیکھو ظاہر ہے معصوم فرشتہ تو آئیگا نہیں اگر اس طرح کیڑے نکالو گے تو جہاد سے رہ جاؤ گے کیونکہ جو شخص بے عیب یار ڈھونڈتا ہے وہ بے یار رہ جاتا ہے۔[2]

"خلف كل مسلم" یعنی ہر امام کے پیچھے نماز پڑھا کرو خواہ نیک امام ہو یا فاسق ہو یہاں بھی وہی اوپر والی تقریر ہے البتہ یہاں مطلب اس طرح ہے کہ مثلاً ایک ظالم جابر حکمران تم پر مسلط ہو گیا اور وہ نماز پڑھا رہا ہے تو تم اس کے پیچھے نماز پڑھو اگر چہ وہ خود فاسق ہے لیکن یہ یاد رکھیں کہ اس فسق سے مراد نماز کے اندر کا فسق نہیں بلکہ نماز سے باہر فسق کا ارتکاب کرتا ہے گویا حدیث میں ایک مجبوری کا ذکر ہے کہ جبراً امام بنا ہے یا امام بننے کے بعد فسق کر رہا ہو حدیث کا مطلب یہ نہیں ہے کہ تم فاسق فاجر آدمی کو امام بناؤ اور حدیث کا یہ مطلب بھی نہیں ہے کہ نماز کے اندر فسق کر رہا ہے مثلاً بے وضو نماز پڑھاتا ہے یا قرأت غلط پڑھتا ہے بلکہ نماز سے باہر فسق کا ارتکاب مراد ہے۔[3]

"على كل مسلم" اس سے جنازہ کی نماز مراد ہے یعنی ہر قسم مسلمان کی نماز جنازہ پڑھو اگر چہ فاسق فاجر ہو تاہم کافر نہ ہو کہ نام تو مسلمان کا ہو اور عقیدہ کفار کا ہو مثلاً قادیانی ہے رافضی ہے یا منکر حدیث ہے۔[4]

الفصل الثالث

نابالغ بچے کی امامت کا مسئلہ

﴿۱۰﴾ عن عَمْرِو بْنِ سَلِمَةَ قَالَ كُنَّا بِمَاءٍ مَمَرِّ النَّاسِ يَمُرُّ بِنَا الرُّكْبَانُ نَسْأَلُهُمْ مَا لِلنَّاسِ مَا لِلنَّاسِ مَا هٰذَا الرَّجُلُ فَيَقُوْلُوْنَ يَزْعُمُ أَنَّ اللهَ أَرْسَلَهُ أَوْحٰى إِلَيْهِ أَوْحٰى إِلَيْهِ كَذَا فَكُنْتُ أَحْفَظُ

[1] اخرجه ابوداؤد: ۵۹۴ [2] المرقات: ۳/۲۰۰ [3] المرقات: ۳/۲۰۱ [4] المرقات: ۳/۲۰۱

ذٰلِكَ الْكَلَامَ فَكَأَنَّمَا يُغْرٰى فِي صَدْرِيْ وَكَانَتِ الْعَرَبُ تَلَوَّمُ بِإِسْلَامِهِمُ الْفَتْحَ فَيَقُوْلُوْنَ اُتْرُكُوْهُ وَقَوْمَهٗ فَإِنَّهٗ إِنْ ظَهَرَ عَلَيْهِمْ فَهُوَ نَبِيٌّ صَادِقٌ فَلَمَّا كَانَتْ وَقْعَةُ الْفَتْحِ بَادَرَ كُلُّ قَوْمٍ بِإِسْلَامِهِمْ وَبَدَرَ أَبِيْ قَوْمِيْ بِإِسْلَامِهِمْ فَلَمَّا قَدِمَ قَالَ جِئْتُكُمْ وَاللّٰهِ مِنْ عِنْدِ النَّبِيِّ حَقًّا فَقَالَ صَلُّوْا صَلَاةَ كَذَا فِيْ حِيْنِ كَذَا وَصَلَاةَ كَذَا فِيْ حِيْنِ كَذَا فَإِذَا حَضَرَتِ الصَّلَاةُ فَلْيُؤَذِّنْ أَحَدُكُمْ فَلْيَؤُمَّكُمْ أَكْثَرُكُمْ قُرْآنًا فَنَظَرُوْا فَلَمْ يَكُنْ أَحَدٌ أَكْثَرَ قُرْآنًا مِنِّيْ لِمَا كُنْتُ أَتَلَقّٰى مِنَ الرُّكْبَانِ فَقَدَّمُوْنِيْ بَيْنَ أَيْدِيْهِمْ وَأَنَا ابْنُ سِتٍّ أَوْ سَبْعِ سِنِيْنَ وَكَانَتْ عَلَيَّ بُرْدَةٌ كُنْتُ إِذَا سَجَدْتُ تَقَلَّصَتْ عَنِّيْ فَقَالَتِ امْرَأَةٌ مِنَ الْحَيِّ أَلَا تُغَطُّوْنَ عَنَّا اِسْتَ قَارِئِكُمْ فَاشْتَرَوْا فَقَطَعُوْا لِيْ قَمِيْصًا فَمَا فَرِحْتُ بِشَيْءٍ فَرَحِيْ بِذٰلِكَ الْقَمِيْصِ۔ (رواه البخاري)[1]

ترجمہ: حضرت عمرو ابن سلمہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم پانی کے کنارے رہتے تھے جو لوگوں کی گذرگاہ تھا جو قافلے ہمارے پاس سے گذرتے ہم ان سے پوچھتے کہ لوگوں کے واسطے (ایک شخص یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جو دین نکالا ہے وہ) کیا ہے؟ اور اس شخص (یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم) کی صفات کیا ہیں؟ وہ لوگ ہم سے بیان کرتے کہ وہ (رسول) دعویٰ کرتے ہیں کہ اللہ نے انہیں (اپنا نبی برحق بنا کر) بھیجا ہے اور قافلہ کے لوگ قرآن کی آیتیں سنا کر کہا کرتے تھے کہ یہ ان کے پاس وحی آتی ہے (اس طرح) ان کے پاس وحی آتی ہے چنانچہ میں (آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اوصاف کو جو قافلے والے بیان کرتے تھے اور کلام کو) یعنی قافلے والے جو آیتیں پڑھ کر سنایا کرتے ان کو اس طرح یاد کر لیتا تھا گویا کہ وہ میرے سینے میں جم جاتی تھیں (یعنی قرآن کی آیتیں مجھے خوب یاد ہو جایا کرتی تھیں) اہل عرب (آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی جماعت کے علاوہ) اسلام لانے کے سلسلہ میں مکہ کے فتح ہونے کا انتظار کر رہے تھے (یعنی یہ کہتے تھے کہ اگر مکہ فتح ہو گیا تو ہم اسلام لائیں گے اور یہ) کہا کرتے تھے کہ ان (رسول) کو ان کی قوم پر چھوڑ دو اگر وہ اپنے لوگوں پر غالب آ گئے (اور مکہ کو فتح کر لیا) تو سمجھو کہ وہ سچے نبی ہیں (کیونکہ ان کی اس ظاہری بے سروسامانی اور مادی کمزوری کے باوجود اہل عرب پر غالب آ جانا اور مکہ کو فتح کر لینا ان کا معجزہ ہوگا اور معجزہ صرف سچے نبی ہی سے صادر ہو سکتا ہے چنانچہ جب خدا نے اپنے دین کا بول بالا کیا اور) مکہ فتح ہو گیا تو لوگ اسلام قبول کرنے کے لئے ٹوٹ پڑے میرے والد نے اپنی قوم پر پہل کی اور (سب سے پہلے) اسلام لے آئے جب وہ (یعنی میرے والد) لوٹ کر آئے تو اپنی قوم سے کہنے لگے کہ "خدا کی قسم! میں سچے نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) کے پاس سے آیا ہوں آپ نے فرمایا کہ فلاں وقت میں ایسی (اور اتنی) نماز پڑھو اور فلاں وقت میں ایسی (اور اتنی) نماز پڑھو (یعنی آپ نے نماز کی کیفیات اور اوقات بیان کئے) اور جب نماز کا وقت ہو جائے تو تم میں سے ایک شخص اذان دے اور تم میں جو شخص قرآن سب سے زیادہ جاننے والا ہو وہ تمہاری امامت کرے چنانچہ جب نماز کا وقت آیا اور

[1] اخرجه البخاري

جماعت کی تیاری ہوئی تو لوگوں نے آپس میں دیکھا (کہ امام کسے بنایا جائے؟) مجھ سے زیادہ کوئی قرآن کا جاننے والا نہیں تھا کیونکہ میں (تو پہلے ہی سے) قافلے والوں سے قرآن سیکھ رہا تھا چنانچہ لوگوں نے مجھے آگے کر دیا (اور نماز میں میری اقتداء کی) اس وقت میری عمر چھ یا سات سال کی تھی اور میرے بدن پر فقط ایک چادر تھی چنانچہ جب میں سجدہ کرتا تو وہ چادر میرے بدن سے سرک جاتی تھے (اور کولہے کھل جاتے تھے) قوم میں سے ایک عورت نے (یہ دیکھ کر) کہا کہ ہمارے سامنے سے تم لوگ اپنے امام کی شرمگاہ کیوں نہیں ڈھانکتے؟ جب ہی قوم نے کپڑا خریدا اور میرے لئے کرتہ بنوا دیا اس کرتہ کی وجہ سے مجھے جیسی خوشی ہوئی ہے ایسی خوشی کبھی نہیں ہوئی تھی۔" (بخاری)

توضیح: **"عمرو بن سلمہ"** جہاں بھی سلمہ کا لفظ احادیث میں آیا ہے سب میں لام پر فتحہ ہے صرف عمرو بن سلمہ میں لام پر کسرہ [1] پڑھا جاتا ہے اس حدیث میں چند الفاظ تشریح طلب ہیں پہلے اس کی تشریح ضروری ہے۔

"ممر الناس" لوگوں کی گذرگاہ مراد ہے۔ [2]

"الرکبان" را پر ضمہ ہے راکب کی جمع ہے اونٹوں کے قافلہ کے ساتھ خاص ہے۔ [3]

"ماللناس ماللناس؟" تعجب کی بنیاد پر تکرار کیا کہ لوگوں کا کیا ہوا دین کا ظہور کس طرح ہے۔ [4]

"ماھذا الرجل" یہاں اشارہ ذھنیہ ہے یعنی یہ آدمی کیا ہے ان کی صفات کیا ہیں۔ [5]

"اوحی الیہ کذا" یہاں بھی تکرار اہتمام وتعجب کی بنیاد پر ہے **"یغری فی صدری"** یہ صیغہ غری یغری سمع یسمع سے معروف کا صیغہ ہے اس کا معنی چپکنے کا ہے سابقہ کلام **"احفظ"** کی مزید وضاحت ہے یعنی میں یاد کیا کرتا تھا بلکہ میرے سینے اور دل سے یہ کلام چپک جاتا تھا۔

"تلوم" یہ صیغہ باب تفعل سے ہے انتظار کے معنی میں ہے اصل میں **"تتلوم"** تھا یعنی عرب اس انتظار میں تھے کہ یہ شخص مکہ مکرمہ کو فتح کر سکتا ہے یا نہیں کیونکہ مکہ پر غلط آدمی نہیں آسکتا ہے اگر اس نے مکہ فتح کر لیا تو یہ سچا نبی ہوگا۔ [6]

"بادر" مبادرہ سے جلدی کرنے کے معنی میں ہے **"بدر ابی قومی"** بدر فعل ماضی ہے اور ابی اس کا فاعل ہے اور قومی مفعول بہ ہے۔ [7]

"تقلصت" باب تفعل سے سکڑنے اور سمٹنے کے معنی میں ہے چادر چھوٹی تھی تو سجدہ کی حالت میں سمٹ کر شرمگاہ کھل جاتی تھی **"تغطون"** یعنی اپنے امام کی سرین کو ہم سے چھپا نہیں سکتے ہو یعنی تم سے اتنا بھی نہیں ہو سکتا کہ کوئی بڑی چادر ان کو اوڑھا دو۔

اس واقعہ میں بنیادی بات یہ ہے کہ عمرو بن سلمہ رضی اللہ عنہ نابالغ چھوٹا بچہ ہے جو چھ سات سال کا ہے ان کی امامت کیسے جائز ہوگئی نیز یہ متنفل تھے تو اس کے پیچھے مفترضین کی اقتداء کیسے درست ہوگئی؟۔ اس میں فقہاء کا اختلاف ہے جو پہلے بھی لکھا جا چکا ہے لیکن یہاں پھر اشارہ کر دوں گا تا کہ زیر بحث حدیث کو اس کا کچھ حق مل جائے۔

---

[1] المرقات: ۳/۲۰۲ [2] المرقات: ۳/۲۰۲ [3] المرقات: ۳/۲۰۲ [4] المرقات: ۳/۲۰۲،۲۰۳

[5] المرقات: ۳/۲۰۲ [6] المرقات: ۳/۲۰۳ [7] المرقات: ۳/۲۰۳

فقہاء کا اختلاف:

امام شافعی اور امام بخاری رحمہما اللہ تعالیٰ کے نزدیک نابالغ بچہ امام بن سکتا ہے البتہ جمعہ کی نماز میں امام شافعی رحمہ اللہ کے دو قول ہیں ایک جواز کا ہے دوسرا عدم جواز کا ہے۔ امام ابوحنیفہ امام مالک اور امام احمد بن حنبل رحمہم اللہ تعالیٰ کے نزدیک نابالغ لڑکے کے پیچھے نماز جائز نہیں لہٰذا نابالغ لڑکا امام نہیں بن سکتا ہے۔[1]

البتہ ائمہ احناف کا آپس میں اس بات میں اختلاف ہے کہ نابالغ بچہ نوافل میں امام بن سکتا ہے یا نہیں مثلاً تراویح میں یا نوافل میں قرآن سناتا ہے تو یہ کیسا ہے فقہاء احناف میں سے بلخ و بخارا کے علماء اور مصر و شام کے علماء کا یہ موقف تھا کہ نوافل میں نابالغ لڑکا امام بن سکتا ہے یہ حضرات اس فتویٰ پر بھی عمل کرتے تھے ان حضرات کے علاوہ تمام فقہاء احناف کا موقف یہ ہے کہ نابالغ لڑکا نوافل میں بھی امام نہیں بن سکتا ہے بہر حال یہ ایک ضمنی بات تھی اسکو چھوڑیئے اور بڑے اختلاف کے دلائل ملاحظہ کریں۔[2]

دلائل:

امام شافعی اور امام بخاری رحمہما اللہ تعالیٰ نے عمرو بن سلمہ رضی اللہ عنہ کی زیر بحث حدیث سے استدلال کیا ہے جو اپنے مدعا پر واضح تر دلیل ہے۔

جمہور نے "**الامام ضامن والمؤذن مؤتمن**" جیسی روایات سے استدلال کیا ہے اور فرماتے ہیں کہ جب امام کی نماز ضامن ہے تو مقتدی کی نماز اس میں ضم اور اس کے ضمن میں ہوگی لہٰذا امام کی حالت مقتدی کی حالت سے اقویٰ ہونا ضروری ہے اور متنفل امام اضعف حالاً ہوتا ہے لہٰذا وہ اس مضبوط مورچہ کو نہیں سنبھال سکتا ہے۔

جمہور کی دوسری دلیل حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا اثر ہے فرمایا "**لا یؤم الغلام حتی یحتلم**"

(مصنف عبد الرزاق ج ۲ ص ۳۹۸)[3]

جمہور کی تیسری دلیل حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا اثر ہے ارشاد فرمایا "**لا یؤم الغلام الذی لا تجب علیه الحدود**" (رواہ اثرم فی سننہ)

جواب: عمرو بن سلمہ رضی اللہ عنہ کی امامت کا واقعہ ان لوگوں اور علاقے والوں کے لئے بالکل ابتدائی مسئلہ تھا اور یہ ایک جزئی واقعہ تھا یہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اجازت سے بھی نہیں تھا نہ اس پر تقریر رسول ہے نہ آپ کے سامنے یہ مسئلہ پیش کیا گیا اس لئے اس محتمل واقعہ سے ایک ضابطہ کے لئے استدلال نہیں کیا جا سکتا ہے دیکھئے عمرو بن سلمہ رضی اللہ عنہ کا نماز کے دوران ستر کھل جاتا تھا کیا اس کو بھی بطور ضابطہ لیا جائے گا کہ نماز میں ستر کا کھل جانا جائز ہے۔ خلاصہ یہ کہ عمرو بن سلمہ رضی اللہ عنہ کو امام بنانا اس علاقے کے لوگوں کا اپنا اجتہادی معاملہ تھا شوافع حضرات پر تعجب ہے کہ عمر فاروق اور ابن عباس اور ابن

[1] المرقات: ۳/۲۰۴ [2] المرقات: ۳/۲۰۵ [3] المرقات: ۳/۲۰۶ مصنف عبد الرزاق: ۲/۳۹۸

مسعود رضی اللہ عنہم جیسے جلیل القدر صحابہ کی تقلید کے بجائے ایک نابالغ لڑکے کے عمل کو واجب العمل قرار دیتے ہیں۔[۱]

اسلام مساوات کا علمبردار مذہب ہے

﴿۱۱﴾ وعن ابنِ عُمَرَ قَالَ لَمَّا قَدِمَ الْمُهَاجِرُونَ الْأَوَّلُونَ الْمَدِيْنَةَ كَانَ يَؤُمُّهُمْ سَالِمٌ مَوْلَى أَبِي حُذَيْفَةَ وَفِيهِمْ عُمَرُ وَأَبُو سَلَمَةَ بْنُ عَبْدِ الْأَسَدِ. (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)[۲]

ترجمہ: اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ مدینہ میں پہلے آنے والے مہاجرین آئے تو ابو حذیفہ رضی اللہ عنہ کے آزاد کردہ غلام حضرت سالم رضی اللہ عنہ انہیں نماز پڑھاتے تھے اور ان (مقتدیوں) میں حضرت عمر، حضرت ابوسلمہ، ابن عبد الاسد رضوان اللہ عنہم اجمعین (بھی) ہوتے تھے۔" (بخاری)

توضیح: "سالم" حضرت سالم رضی اللہ عنہ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کے آزاد کردہ غلام تھے قرآن کریم کے بہت اچھے قاری تھے تو قرآن کی برکت سے یہ اتنے بڑے جلیل القدر صحابہ کے امام بنے جن میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت ابوسلمہ بن الاسد رضی اللہ عنہ جیسے نامور صحابہ تھے سچ ہے "یہ قرآن بعض لوگوں کو آسمان عروج پر لے جاتا ہے" اس حدیث سے افضل کی موجودگی میں مفضول کے امام بننے کا جواز ملتا ہے۔ اس حدیث سے اسلام کے اس عادلانہ نظام کا اندازہ بھی ہو جاتا ہے جس نے آقا و غلام کو ایک صف میں لا کھڑا کیا اور ہر صاحب کمال کا اکرام کیا اور اسلامی مساوات کا علمبردار بنا۔[۳]

ایک ہی صف میں کھڑے ہو گئے محمود و ایاز ۔۔۔ نہ کوئی بندہ رہا نہ کوئی بندہ نواز

﴿۱۲﴾ وعن ابنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثَلَاثَةٌ لَا تَرْفَعُ لَهُمْ صَلَاتُهُمْ فَوْقَ رُؤُوسِهِمْ شِبْراً رَجُلٌ أَمَّ قَوْماً وَهُمْ لَهُ كَارِهُونَ وَامْرَأَةٌ بَاتَتْ وَزَوْجُهَا عَلَيْهَا سَاخِطٌ وَأَخَوَانِ مُتَصَارِمَانِ. (رَوَاهُ ابْنُ مَاجَه)[۴]

ترجمہ: اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما راوی ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تین لوگ ایسے ہیں جن کی نماز ان کے سر سے بالشت بھر (بھی) بلند نہیں ہوتی (یعنی درجۂ قبولیت کو نہیں پہنچتی) ایک تو وہ شخص جو قوم کا امام ہو اور قوم اس سے (دینی امور میں) ناخوش ہو۔ دوسرے وہ عورت جو اس حالت میں رات گزارے کہ اس کا خاوند (اس کی نافرمانی یا اس کی جانب سے اپنے حق کی عدم ادائیگی کی وجہ سے) خفا ہو تیسرے ایسے دو بھائی جو آپس میں ناخوش ہو کر بائیکاٹ کیے ہوئے ہوں۔" (ابن ماجہ)

توضیح: "تصارم" صرم سے ہے کاٹنے کو کہتے ہیں مراد وہ دو مسلمان بھائی ہیں جو بغیر عذر شرعی تین دن سے زیادہ تک باتیں بند کیے ہوئے ہیں۔[۵]

---

[۱] المرقات: ۳/۲۰۶ [۲] اخرجه البخاري: ۱/۱۶۸، ۹/۸۸ [۳] المرقات: ۳/۲۰۶

[۴] اخرجه وابن ماجه: ۹۷۱ [۵] المرقات: ۳/۲۰۶

یکم جمادی الاول ۱۴۱۰ھ

باب ما علی الإمام

امام کی ذمہ داری

جب مصنف نے جماعت کے فضائل بیان کئے اور پھر امامت کے احکامات کو بیان کیا تو پھر ضروری ہوگیا تھا کہ امام اور مقتدی کی ذمہ داریاں بیان کریں اوران کے ذمہ جو حقوق وآداب ہیں اس کا بیان کریں اسی مقصد کے لئے مصنف نے دو بابوں کا الگ الگ اضافہ کیا ایک میں امام کی ذمہ داریوں کا ذکر کیا اور دوسرے میں مقتدیوں کی ذمہ داریوں کا ذکر کیا۔

امام کی اہم ذمہ داری یہ ہے کہ وہ نماز میں اپنے مقتدیوں کا خیال رکھے اور نماز اس انداز سے پڑھائے کہ پیچھے بوڑھوں مریضوں اور حاجت مند لوگوں کا پورا پورا خیال رکھا گیا ہو۔

نماز کو خفیف اور ہلکی پڑھائے اور اس کو اتنی بھاری نہ بنائے کہ پیچھے لوگ ملول ہو کر متنفر ہو جائیں لیکن اس کا مطلب یہ نہیں کہ رکوع سجدہ قومہ وجلسہ میں تعدیل ارکان کو نظر انداز کرے اور مسنون قرأت کو بھی چھوڑ دے بلکہ مسنون قرأت کا ذکر جو احادیث وفقہ میں آیا ہے اس کا خیال رکھے اسی طرح تسبیحات میں اعتدال سے کام لے تین تسبیحات آرام آرام سے پڑھے زیادہ کرنا ہے تو پانچ مرتبہ تک جائے زیادہ نہ جائے الا یہ کہ قوم کی طرف سے زیادہ کا مطالبہ اور شوق ہو لیکن مقتدی تو بدلتے رہتے ہیں تو اس شوق کا اندازہ کرنا مشکل ہے۔ایک حدیث میں حضور ﷺ کی نماز کے بارے میں آیا ہے "**کان رسول الله اخف الصلوٰة فی تمام**" فی تمام کا مطلب یہی ہے کہ آپ کی نماز ہلکی تھی لیکن رکوع وسجدہ وغیرہ تعدیل ارکان مکمل ہوتے تھے حضور ﷺ کی قرأت سرعت کے ساتھ بھی تھی اور اس کے سننے میں لطف ولذت بھی تھی دوسرے ائمہ کو چاہئے کہ وہ اس چیز کو ملحوظ خاطر رکھیں اور بے جا نقل نہ اتاریں۔

مقتدیوں کی اہم ذمہ داری یہ ہے کہ وہ امام کی متابعت واطاعت کریں امام سے پہلے رکوع یا سجدہ میں نہ جائیں امام کے پیچھے جو اعمال ان کو کرنے ہیں اسکو بحسن وخوبی پورا کریں بہترین وضو کے ساتھ صف اول میں پہنچیں اور پھر تکبیر اولیٰ کے ساتھ نماز میں شامل ہو جائیں۔

الفصل الاول

نماز کو بھاری نہیں بنانا چاہیے

﴿۱﴾ عن أَنَسٍ قَالَ مَا صَلَّيْتُ وَرَاءَ إِمَامٍ قَطُّ أَخَفَّ صَلَاةً وَلَا أَتَمَّ صَلَاةً مِنَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَإِنْ كَانَ لَيَسْمَعُ بُكَاءَ الصَّبِيِّ فَيُخَفِّفُ مَخَافَةَ أَنْ تُفْتَنَ أُمُّهُ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)[۱]

[۱] اخرجه البخاری: ۱/۱۸۱ ومسلم: ۲/۴۴

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز سے زیادہ ہلکی اور کامل نماز کسی امام کے پیچھے نہیں پڑھی اور آپ (کی عادت یہ تھی کہ) جب آپ (نماز میں) کسی بچے کے رونے کی آواز سنتے تو اس اندیشے سے کہ اس کی ماں کہیں فکر مند نہ ہو جائے۔ نماز کو ہلکا کر دیتے تھے۔" (بخاری و مسلم)

توضیح: اخف کا تعلق عام طور پر قرأت کی تخفیف کے ساتھ ہوتا ہے اور اتم" کا لفظ عام طور پر تعدیل ارکان کے لئے استعمال ہوتا ہے مطلب یہ کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی قرأت ہلکی ہوتی تھی اور سجدہ و رکوع اور قومہ و جلسہ سب مکمل ہوتے تھے۔[1]

"**مخافة ان تفتن امه**" یعنی ماں نماز میں شریک ہوتی تھی اور قریب گھر میں بچے کے رونے کی آواز آتی تھی یا مسجد میں اس عورت کے ساتھ بچے کے رونے کی آواز آتی تھی تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نماز میں اس غرض سے تخفیف فرماتے تھے کہ اس کی ماں پریشان نہ ہو اور اس کی نماز خراب نہ ہو۔[2]

علامہ خطابی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ نماز میں اگر نمازی کو معلوم ہو جائے کہ کوئی آنے والا آرہا ہے تو امام اس کا انتظار کر سکتا ہے تاکہ وہ شخص رکوع میں شریک ہو سکے امام مالک رحمہ اللہ بھی اس طرح انتظار کے قائل ہیں۔[3]

ائمہ احناف فرماتے ہیں کہ اگر کوئی امام تقرب الی اللہ کی غرض سے نہیں بلکہ کسی آدمی کا لحاظ رکھکر ایسا کرتا ہے تو یہ مکروہ تحریمی ہے بلکہ اس میں شرک کے ارتکاب کا احتمال ہے۔[4]

بعض علماء فرماتے ہیں کہ اگر امام ذاتی طور پر آنے والے شخص کو نہیں جانتا تو پھر گنجائش ہے لیکن اس کا ترک کرنا بھی اولیٰ ہے۔

اس حدیث کے بعد آنے والی حدیث بھی قریباً اسی طرح ہے تاہم اس میں "**تجوز**" کا لفظ ہے جو اختصار کے معنی میں ہے اور وہاں "**وجد امه**" لفظ ہے وجد کا ترجمہ شدید غم کا ہے۔

﴿۲﴾ وعن أبي قتادة قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم إني لأدخل في الصلاة وأنا أريد إطالتها فأسمع بكاء الصبي فأتجوز في صلاتي مما أعلم من شدة وجد أمه من بكائه.

(رواه البخاري)[5]

ترجمہ: اور حضرت ابو قتادہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں نماز میں داخل ہوتا ہوں تو نماز کو طویل کرنے کا ارادہ کرتا ہوں مگر جب بچے کے رونے کی آواز سنتا ہوں تو یہ جان کر کہ بچے کے رونے کی وجہ سے اس کی ماں سخت فکر مند ہوگی نماز میں تخفیف کر دیتا ہوں (بخاری)

﴿۳﴾ وعن أبي هريرة قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم إذا صلى أحدكم للناس فليخفف فإن فيهم السقيم والضعيف والكبير وإذا صلى أحدكم لنفسه فليطول ما شاء.

(متفق عليه)[6]

---

[1] المرقات: ۲/۲۰۷ [2] المرقات: ۲/۲۰۸ [3] المرقات: ۳/۲۰۸ [4] المرقات: ۳/۲۰۸

[5] اخرجه البخاري: ۱/۱۸۱، ۱/۲۱۹ [6] اخرجه البخاري: ۱/۱۸۰ ومسلم: ۲/۴۳

ترجمہ: اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا جب تم میں سے کوئی شخص لوگوں کو نماز پڑھائے تو اسے چاہئے کہ نماز کو ہلکی کرے کیونکہ مقتدیوں میں بیمار کمزور اور بوڑھے بھی ہوتے ہیں (اور ان کی رعایت ضروری ہے) اور جب تم میں سے کوئی شخص تنہا اپنی نماز پڑھے تو اسے اختیار ہے کہ جس قدر چاہے نماز کو طویل کرے۔" (بخاری ومسلم)

﴿۴﴾ وعن قَيْسِ بْنِ أَبِي حَازِمٍ قَالَ أَخْبَرَنِي أَبُو مَسْعُودٍ أَنَّ رَجُلاً قَالَ وَاللهِ يَا رَسُولَ اللهِ إِنِّي لَأَتَأَخَّرُ عَنْ صَلَاةِ الْغَدَاةِ مِنْ أَجْلِ فُلَانٍ مِمَّا يُطِيلُ بِنَا فَمَا رَأَيْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي مَوْعِظَةٍ أَشَدَّ غَضَباً مِنْهُ يَوْمَئِذٍ ثُمَّ قَالَ إِنَّ مِنْكُمْ مُنَفِّرِينَ فَأَيُّكُمْ مَا صَلَّى بِالنَّاسِ فَلْيَتَجَوَّزْ فَإِنَّ فِيهِمُ الضَّعِيفَ وَالْكَبِيرَ وَذَا الْحَاجَةِ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)[1]

ترجمہ: اور حضرت قیس ابن ابی حازم کہتے ہیں کہ حضرت ابومسعود رضی اللہ عنہ نے مجھ سے فرمایا کہ (ایک دن) ایک شخص نے (نبی کریم ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوکر) کہا کہ یارسول اللہ! میں صبح کی نماز سے اس لئے پیچھے رہ جاتا ہوں کہ فلاں آدمی ہمیں بہت لمبی نماز پڑھاتا ہے ابومسعود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے آنحضرت ﷺ کو نصیحت کرنے کے بارے میں اس دن جیسا غصہ میں بھرے ہوئے کبھی نہیں دیکھا چنانچہ آپ نے فرمایا کہ "تم میں سے بعض لوگ (طویل نماز پڑھا کر جماعت سے) لوگوں کو نفرت دلانے والے ہیں (خبردار) تم میں سے جو شخص لوگوں کو نماز پڑھائے تو اسے چاہئے کہ وہ ہلکی نماز پڑھائے کیونکہ مقتدیوں میں کمزور، بوڑھے اور حاجت مند لوگ بھی ہوتے ہیں۔" (بخاری ومسلم)

توضیح: اس حدیث سے یہ معلوم نہ ہوسکا کہ سوال کرنے والا شخص کون تھا اور "من اجل فلان" میں فلاں سے ابی بن کعب رضی اللہ عنہ مراد ہیں۔[2]

غلط نماز پڑھانے والا امام خود مجرم ہے

﴿۵﴾ وعن أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلُّونَ لَكُمْ فَإِنْ أَصَابُوا فَلَكُمْ وَإِنْ أَخْطَأُوا فَلَكُمْ وَعَلَيْهِمْ۔ (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)[3]

ترجمہ: اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا تمہیں امام نماز پڑھائیں گے چنانچہ اگر وہ نماز اچھی طرح پڑھائیں گے تو اس کا فائدہ تمہارے لئے ہے (اور ان کے لئے بھی ہے) اور اگر انہوں نے خطا کی تو تمہیں (پھر بھی) ثواب ملے گا اور اس کا گناہ ان پر ہوگا۔" (بخاری)

توضیح: "یصلون لکم" یہ پورا جملہ خبر واقع ہے اور مبتدا محذوف ہے جو "ائمتکم" ہے اس حدیث کا تعلق ان اماموں سے ہے جو حکمران ہوتے ہیں اور حکمران ہی دین بگاڑنے والے ہوتے ہیں اس حدیث کا پورا پس منظر اس

[1] اخرجه البخاری: ۱/۳۲ ومسلم: ۲/۴۲،۴۳ [2] المرقات: ۳/۲۱۰ [3] اخرجه البخاری: ۱/۱۷۸

طرح ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے آئندہ آنے والے حکمرانوں کے بارے میں فرمایا ہے کہ وہ نماز خراب کریں گے تو صحابہ نے عرض کیا کہ پھر ان کے پیچھے نماز نہیں پڑھنا چاہئے حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کہ وہ نماز پڑھائیں گے تم ان کے ساتھ پڑھو اگر انہوں نے صحیح طور پر نماز پڑھائی تو ان کا اور تمہارا دونوں کا فائدہ ہوگا لیکن اگر انہوں نے غلط طریقہ پر نماز پڑھائی تو غلطی کے ذمہ دار وہ خود ہوں گے اور خود مجرم بنیں گے تم نے تو اچھا کام انجام دیا تم پر ان کی غلطی کا اثر نہیں پڑیگا۔[1]

وهذا الباب خال عن الفصل الثاني

الفصل الثالث

﴿٦﴾ عن عُثْمَانَ بْنِ أَبِي الْعَاصِ قَالَ آخِرُ مَا عَهِدَ إِلَيَّ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا أَمَمْتَ قَوْماً فَأَخِفَّ بِهِمُ الصَّلَاةَ. (رَوَاهُ مُسْلِمٌ. وَفِي رِوَايَةٍ لَهُ أَنَّ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَهُ أُمَّ قَوْمَكَ قَالَ قُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللهِ إِنِّي أَجِدُ فِي نَفْسِي شَيْئاً قَالَ ادْنُهْ فَأَجْلَسَنِي بَيْنَ يَدَيْهِ ثُمَّ وَضَعَ كَفَّهُ فِي صَدْرِي بَيْنَ ثَدْيَيَّ ثُمَّ قَالَ تَحَوَّلْ فَوَضَعَهَا فِي ظَهْرِي بَيْنَ كَتِفَيَّ ثُمَّ قَالَ أُمَّ قَوْمَكَ فَمَنْ أَمَّ قَوْماً فَلْيُخَفِّفْ فَإِنَّ فِيهِمُ الْكَبِيْرَ وَإِنَّ فِيهِمُ الْمَرِيْضَ وَإِنَّ فِيهِمُ الضَّعِيْفَ وَإِنَّ فِيهِمْ ذَا الْحَاجَةِ فَإِذَا صَلَّى أَحَدُكُمْ وَحْدَهُ فَلْيُصَلِّ كَيْفَ شَاءَ)[2]

ترجمہ: حضرت عثمان ابن ابی العاص رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے مجھے جو آخری وصیت کی تھی وہ یہ تھی کہ ''جب تم لوگوں کی امامت کرو تو انہیں ہلکی نماز پڑھاؤ۔'' (مسلم)

مسلم کی ایک دوسری روایت کے الفاظ یہ ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ اپنی قوم کی امامت کرو۔'' حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! مجھے اپنے دل میں کچھ کھٹک محسوس ہوتی ہے آنحضرت ﷺ نے (یہ سن کر) فرمایا کہ ''میرے قریب آؤ'' (جب میں آپ کے قریب آ گیا تو) آپ نے مجھے اپنے آگے بٹھایا اور میرے سینہ پر دونوں چھاتیوں کے درمیان اپنا دست مبارک رکھا پھر فرمایا کہ پشت پھیرو (میں نے اپنی پشت آپ کی جانب کردی) چنانچہ آپ نے میری پشت پر دونوں مونڈھوں کے درمیان اپنا دست مبارک پھیر کر فرمایا کہ (جاؤ اور) اپنی قوم کی امامت کرو اور (یہ یاد رکھو کہ) جب کوئی شخص کسی قوم کا امام بنے تو اسے چاہئے کہ ہلکی نماز پڑھائے کیونکہ ان میں بوڑھے بھی ہیں اور بیمار بھی۔ ان میں کمزور لوگ بھی ہوتے ہیں اور حاجتمند بھی، ہاں جب کوئی تنہا نماز پڑھے تو اسے اختیار ہے جس طرح چاہے پڑھے۔''

﴿٧﴾ وعن ابْنِ عُمَرَ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَأْمُرُنَا بِالتَّخْفِيْفِ وَيَؤُمُّنَا بِالصَّافَّاتِ. (رَوَاهُ النَّسَائِيُّ)[3]

[1] المرقات: ۳/۲۱۰، ۲۱۱ [2] اخرجه مسلم: ۲/۴۳ [3] اخرجه النسائي: ۲/۹۵

ترجمہ: اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ "نبی کریم ﷺ ہمیں ہلکی (نماز پڑھانے) کا حکم دیا کرتے تھے اور آپ ہمیں نماز پڑھاتے تو سورۂ صافات کی قرأت کرتے۔" (نسائی)

توضیح: "الصافات" اس حدیث کے دونوں ٹکڑوں میں بظاہر تعارض ہے اور وہ یہ کہ حضور اکرم ﷺ صحابہ کو تو تخفیف صلاۃ کی خوب تاکید فرماتے تھے لیکن خود سورۂ صافات سے نماز پڑھاتے تھے جو ایک لمبی سورۃ ہے اس کا ایک جواب یہ ہے کہ حضور اکرم ﷺ کے پڑھنے کا انداز عجیب تھا کہ تھوڑے ہی وقت میں لمبی سورۃ پڑھتے تھے دوسروں میں یہ چیز نہیں تھی اس لئے ان کو منع فرما دیا۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ حضور اکرم ﷺ کی لذت والی نماز سے لوگ لطف اٹھاتے تھے وہاں اکتاہٹ کا تصور نہیں تھا اس لئے لمبی سورۃ پڑھتے تھے دوسروں میں یہ خصوصیت کہاں تھی۔[1]

---

[1] المرقات: ۳/۲۱۴

باب ما على المأموم من المتابعة وحكم المسبوق

امام کی تابعداری کا بیان

اس باب میں وہ احادیث بیان ہونگی جن میں یہ بتایا گیا ہے کہ مقتدی کے لئے امام کی تابعداری کتنی ضروری ہے اور یہ بھی بیان ہوگا کہ مقتدی کو امام کی تابعداری کن چیزوں میں کس طرح کرنی چاہئے نماز میں جو ارکان فرض یا واجب ہیں اس میں تمام مقتدیوں پر امام کی متابعت واجب ہے لیکن جو ارکان سنت ہیں اس میں مقتدیوں پر امام کی متابعت واجب نہیں جیسے رفع یدین اور آمین بالجہر اور قنوت وغیرہ میں، قنوت کا مسئلہ اس طرح ہے کہ مثلاً شافعی امام نے فجر میں قنوت شروع کیا تو حنفی مقتدی پر اس سنت میں متابعت لازم نہیں وہ خاموش رہے اور وتر میں قنوت واجب ہے لہٰذا اگر کوئی شافعی امام عشاء کے بعد وتر میں اپنے مذہب کے موافق قنوت رکوع کے بعد پڑھے تو حنفی مقتدیوں کو بھی امام کی متابعت وموافقت کے پیش نظر رکوع کے بعد ہی قنوت پڑھنا چاہئے یہ ایک اچھا ضابطہ ہے جو حرمین الشریفین میں وتر میں احناف کے کام آئیگا۔

الفصل الاول

امام کی متابعت

﴿۱﴾ عن الْبَرَّاءِ بْنِ عَازِبٍ قَالَ كُنَّا نُصَلِّيْ خَلْفَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَإِذَا قَالَ سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهُ لَمْ يَحْنِ أَحَدٌ مِنَّا ظَهْرَهُ حَتّٰى يَضَعَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ جَبْهَتَهُ عَلَى الْأَرْضِ

(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)[1]

ترجمہ: حضرت براء ابن عازب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم نبی کریم ﷺ کے پیچھے نماز پڑھا کرتے تھے چنانچہ آپ جب سمع اللہ لمن حمدہ کہتے تو جب تک آنحضرت ﷺ (سجدہ کے لئے) اپنی جبیں مبارک زمین پر نہیں رکھ دیتے تھے ہم میں سے کوئی شخص اپنی پیٹھ جھکاتا (بھی) نہیں تھا۔" (بخاری ومسلم)

توضیح: "لم یحن" حنا یحنو جھکنے اور ٹیڑھا ہونے کے معنی میں ہے یہ لفظ باب ضرب اور نصر دونوں سے آتا ہے مراد یہ ہے کہ ہم جب رکوع سے واپس قومہ میں جاتے تو کھڑے رہتے اور جب تک رسول اللہ ﷺ زمین پر سجدہ نہ کرتے ہم ٹیڑھے نہ ہوتے تا کہ حضور اکرم ﷺ سے سجدہ میں مسابقت لازم نہ آجائے۔[2]

اب یہاں فقہی مسئلہ اس طرح ہے کہ امام سے مسابقت تمام ائمہ کے نزدیک حرام ہے بلکہ متابعت ہی کرنا چاہئے پھر متابعت کی دو صورتیں ہیں اول مقارنت دوم موافقت، مقارنت وہ ہوتی ہے کہ امام کے افعال کے ساتھ متصلاً مقتدی کا فعل شروع

---

[1] اخرجه البخاری: ۱/۱۹۰ ومسلم: ۲/۳۶ [2] المرقات: ۳/۲۱۳

ہوجائے اور موافقت وہ ہوتی ہے کہ امام کے افعال کے کچھ دیر بعد مقتدی کا فعل شروع ہوجائے اب اس میں فقہاء کے ہاں افضلیت کا اختلاف ہے کہ مقارنت افضل ہے یا موافقت افضل ہے احناف کے ہاں مقارنت افضل ہے صرف تکبیر تحریمہ میں موافقت افضل ہے یعنی تکبیر تحریمہ میں امام کے بعد تکبیر پڑھے شوافع کے ہاں تانّی وتاخر افضل ہے کہ امام کے فعل کی انتہاء پر مقتدی کے فعل کی ابتدا ہو مذکورہ حدیث شوافع کی دلیل ہے۔

احناف فرماتے ہیں کہ یہ حدیث اس طویل حدیث کا ٹکڑا ہے جس میں مسابقت سے ممانعت آئی ہے اصل مقصد یہ ہے کہ مسابقت نہ آجائے چنانچہ جب آنحضرت ﷺ کا جسم بھاری ہوگیا اور عمر زیادہ ہوگئی تو اس وقت مسابقت کا خطرہ بڑھ گیا اس پر آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ مسابقت نہ کرو جب تک میں سجدہ میں نہ جاؤں تم ذرا بھی ٹیڑھے نہ ہو چنانچہ صحابہ نہیں جھکتے تھے اس حدیث کا مطلب یہ نہیں کہ جب تک حضور ﷺ سجدہ میں نہیں پہنچتے کسی صحابی کو حرکت کرنے کا حق حاصل نہیں تھا ایسا نہیں تھا بلکہ اصل مقصد یہ تھا کہ حضور اکرم ﷺ چونکہ تیز حرکت نہیں کر سکتے تو تم انتظار کرو کہیں ایسا نہ ہو کہ تم حضور ﷺ سے آگے نکل جاؤ اسی لئے فرمایا "لم یحن" یعنی کوئی ٹیڑھا ہی نہیں ہوتا تھا۔ [1]

﴿۲﴾ وعن أنس قال صلى بنا رسول الله صلى الله عليه وسلم ذات يوم فلما قضى صلاته أقبل علينا بوجهه فقال أيها الناس إني إمامكم فلا تسبقوني بالركوع ولا بالسجود ولا بالقيام ولا بالانصراف فإني أراكم من أمامي ومن خلفي. (رواه مسلم) [2]

ترجمہ: اور حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک روز نبی کریم ﷺ نے ہمیں نماز پڑھائی۔ جب آپ نماز پڑھا چکے تو اپنا چہرۂ مبارک ہماری طرف متوجہ کیا اور فرمایا کہ "لوگو! میں تمہارا امام ہوں! لہٰذا تم رکوع کرنے اور سجدہ کرنے اور کھڑے ہونے اور پھرنے (یعنی نماز سے فارغ ہونے) میں مجھ سے جلدی نہ کیا کرو، میں تمہیں اپنے آگے اور (بذریعہ مکاشفہ یا بطور معجزہ یا بذریعہ مشاہدہ) اپنے پیچھے سے دیکھتا ہوں۔" (مسلم)

﴿۳﴾ وعن أبي هريرة قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم لا تبادروا الإمام إذا كبر فكبروا وإذا قال ولا الضالين فقولوا آمين وإذا ركع فاركعوا وإذا قال سمع الله لمن حمده فقولوا اللهم ربنا لك الحمد. (متفق عليه إلا أن البخاري لم يذكر وإذا قال ولا الضالين) [3]

ترجمہ: اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا تم اپنے امام پر پہل نہ کیا کرو۔ جب امام تکبیر کہے تو تم (بھی اس کے ساتھ ہی) تکبیر کہو۔ جب امام ولا الضالین کہے تو تم (اس کے ساتھ) آمین کہو، جب امام رکوع میں جائے تو تم رکوع میں جاؤ اور جب امام سمع اللہ لمن حمدہ کہے تو تم اللھم ربنا لک الحمد (اے اللہ اے ہمارے رب تمام

[1] المرقات: ۳/۲۱۴ [2] اخرجہ ومسلم: ۲/۲۸ [3] اخرجہ ومسلم: ۲/۲۰

تعریفیں تیرے ہی لئے ہیں) کہو۔" اس روایت کو بخاری و مسلم نے نقل کیا ہے مگر بخاری نے اپنی روایت میں **واذا قال ولا الضالین** کے الفاظ نقل نہیں کئے ہیں۔

اگر امام معذور ہو تو اسکی متابعت بھی ضروری ہے؟

﴿۴﴾ وعن أنس أنَّ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَكِبَ فَرَساً فَصُرِعَ عَنْهُ فَجُحِشَ شِقُّهُ الْأَيْمَنُ فَصَلَّى صَلَاةً مِنَ الصَّلَوَاتِ وَهُوَ قَاعِدٌ فَصَلَّيْنَا وَرَاءَهُ قُعُوداً فَلَمَّا انْصَرَفَ قَالَ إِنَّمَا جُعِلَ الْإِمَامُ لِيُؤْتَمَّ بِهِ فَإِذَا صَلَّى قَائِماً فَصَلُّوْا قِيَاماً وَإِذَا رَكَعَ فَارْكَعُوْا وَإِذَا رَفَعَ فَارْفَعُوْا وَإِذَا قَالَ سَمِعَ اللهُ لِمَنْ حَمِدَهُ فَقُوْلُوْا رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ وَإِذَا صَلَّى جَالِساً فَصَلُّوْا جُلُوْساً أَجْمَعُوْنَ قَالَ الْحُمَيْدِيُّ قَوْلُهُ إِذَا صَلَّى جَالِساً فَصَلُّوْا جُلُوْساً هُوَ فِيْ مَرَضِهِ الْقَدِيْمِ ثُمَّ صَلَّى بَعْدَ ذٰلِكَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ جَالِساً وَالنَّاسُ خَلْفَهُ قِيَامٌ لَمْ يَأْمُرْهُمْ وَإِنَّمَا يُؤْخَذُ بِالْآخِرِ فَالْآخِرِ مِنْ فِعْلِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ. (هٰذَا لَفْظُ الْبُخَارِيِّ وَاتَّفَقَ مُسْلِمٌ إِلَى أَجْمَعُوْنَ وَزَادَ فِيْ رِوَايَةٍ فَلَا تَخْتَلِفُوْا عَلَيْهِ وَإِذَا سَجَدَ فَاسْجُدُوْا) [1]

ترجمہ: اور حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ (ایک مرتبہ کسی سفر کے دوران) نبی کریم ﷺ گھوڑے پر سوار تھے کہ (اتفاقاً) آپ نیچے گر پڑے اس کی وجہ سے آپ کی داہنی کروٹ (ایسی) چھل گئی (کہ کھڑے ہو کر نماز پڑھنے پر آپ قادر نہ رہے) چنانچہ آپ نے (ان پانچ فرض) نمازوں میں سے کوئی نماز ہمیں بیٹھ کر پڑھائی ہم نے بھی آپ کے پیچھے بیٹھ کر (ہی) نماز پڑھی۔ جب آپ نماز پڑھ کر فارغ ہو گئے تو (ہم سے مخاطب ہو کر) فرمایا کہ امام اسی لئے مقرر کیا گیا ہے کہ اس کی اقتداء کی جائے لہٰذا جب امام کھڑے ہو کر نماز پڑھائے تو تم کھڑے ہو کر نماز پڑھو۔ جب وہ رکوع کرے تو تم (بھی) رکوع کرو اور جب وہ رکوع سے اٹھے تو تم (بھی) رکوع سے اٹھو، جب وہ سمع اللہ لمن حمدہ کہے تو تم ربنا لک الحمد کہو اور جب امام بیٹھ کر نماز پڑھائے تو تم سب مقتدی بھی بیٹھ کر نماز پڑھو۔

حمیدی فرماتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ کا یہ ارشاد کہ "جب امام بیٹھ کر نماز پڑھائے تو تم بھی بیٹھ کر نماز پڑھو" آپ کی پہلی بیماری میں تھا اور اس کے بعد (مرض الموت میں انتقال سے ایک دن پہلے) آنحضرت ﷺ نے بیٹھ کر نماز پڑھائی تو لوگوں نے آپ کے پیچھے کھڑے ہو کر نماز پڑھی اور آپ نے انہیں بیٹھ کر نماز پڑھنے کا حکم نہیں فرمایا اور آنحضرت ﷺ کے اس فعل پر عمل کیا جاتا ہے جو آخری ہے (یعنی پہلا فعل منسوخ اور دوسرا فعل ناسخ ہوتا ہے)" یہ الفاظ بخاری کے ہیں اور مسلم بھی لفظ اجمعون تک بخاری کے موافق ہیں (یعنی روایت کو اس لفظ تک بخاری اور مسلم دونوں نے نقل کیا ہے) اور ایک دوسری روایت میں مسلم نے الفاظ مزید نقل کئے ہیں کہ (آپ نے یہ بھی فرمایا) کہ امام کے خلاف نہ کرو اور جب وہ (امام) سجدہ کرے تو تم بھی سجدہ کرو۔"

[1] اخرجه البخاری: ۱/۱۷۷ ومسلم: ۲/۱۸

توضیح: "فصلوا جلوسا" اس حدیث کا پس منظر اس طرح ہے کہ ایک دفعہ آنحضرت ﷺ گھوڑے سے گرے اور آپ کا دایاں پہلو ایک جانب مکمل طور پر زخمی ہوگیا آپ نے ایک نماز باجماعت گھر میں اس طرح ادا فرمائی کہ آپ بیٹھے ہوئے تھے اور آپ کے ساتھی بھی بیٹھے ہوئے نماز ادا کر رہے تھے نماز سے فارغ ہونے پر آنحضرت ﷺ نے معذور امام سے متعلق یہ مسئلہ بیان فرمایا کہ جب امام بیٹھ جائے تو تم بھی بیٹھ جایا کرو اور بیٹھ کر نماز ادا کرو "اذا صلی جالسا فصلوا جالسا" کا یہی مطلب ہے اب اس حدیث کی وجہ سے ایک اختلافی مسئلہ پیدا ہوگیا اور وہ یہ کہ قادر علی القیام کی اقتداء عاجز عن القیام کے پیچھے جائز ہے یا نہیں یعنی اگر امام قیام پر قادر نہیں اور مقتدی قادر ہیں تو کیا یہ اقتدا جائز ہے یا نہیں؟۔ اور اگر جائز ہے تو مقتدی کھڑے ہو کر نماز پڑھیں یا بیٹھ کر پڑھیں۔ اس میں فقہاء کا اختلاف ہے۔[1]

فقہاء کا اختلاف:

امام مالک اور امام محمد رحمہما اللہ تعالیٰ کا مذہب یہ ہے کہ قادر علی القیام مقتدی عاجز عن القیام امام کے پیچھے نماز پڑھ ہی نہیں سکتے ہیں۔

امام ابوحنیفہ امام شافعی اور امام ابویوسف رحمہم اللہ تعالیٰ کے نزدیک قادر علی القیام مقتدی عاجز عن القیام امام کے پیچھے اقتدا کر سکتے ہیں لیکن قادر مقتدی کھڑے ہو کر نماز پڑھیں گے۔

امام احمد بن حنبل کے نزدیک عاجز امام کے پیچھے قادر مقتدیوں کی اقتدا درست ہے لیکن مقتدی بھی امام کی طرح بیٹھ کر نماز پڑھیں گے۔[2]

دلائل:

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ اقتدا ہی صحیح نہیں ہے کیونکہ تندرست مقتدیوں کی نماز قوی ہے اور قاعد امام کی نماز ضعیف ہے اور امام کی نماز ضامن ہوتی ہے اور مقتدی کی نماز اس کے ضمن میں ہوتی ہے تو ضعیف نماز قوی نماز کو اپنے ضمن میں کیسے لے سکتی ہے اور اگر مقتدی بیٹھ گئے تو پھر بھی نماز صحیح نہیں کیونکہ اصحاء کے لئے بیٹھنے کی اجازت کہاں ہے؟ لہٰذا یہ اقتدا ہی باطل ہے امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے اس طرز عمل اپنانے سے وہ اس اختلاف ہی سے نکل گئے اب صرف جمہور اور احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کا مقابلہ رہ گیا ہے امام احمد ابن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل زیر بحث حدیث ہے جو اپنے مدعا پر واضح تر دلیل ہے۔[3]

امام ابوحنیفہ اور امام شافعی اور قاضی ابویوسف رحمہم اللہ تعالیٰ کی دلیل حضور اکرم ﷺ کی مرض الوفات کے وقت نماز پڑھانے کا ایک قصہ ہے جس میں واضح طور پر آیا ہے کہ حضور اکرم ﷺ بیٹھ کر نماز پڑھا رہے تھے اور صحابہ پیچھے کھڑے تھے یہ حدیث زیر بحث حدیث کے بعد آنے والی حدیث نمبر ۵ ہے۔[4]

[1] المرقات: ۳/۲۱۶ [2] المرقات: ۳/۲۱۶،۲۱۷ [3] المرقات: ۳/۲۱۶،۲۱۷ [4] المرقات: ۳/۲۱۶

ان حضرات کی دوسری دلیل قرآن کی آیت {قوموا للہ قانتین} ہے اس میں قیام کو ہر تندرست مسلمان پر فرض کیا گیا ہے اور قوموا امر سے نماز کا قیام مراد ہے کیونکہ دوسرا کوئی قیام ایسا نہیں ہے جس کو عبادت کا درجہ حاصل ہو اور وہ مامور بہ ہو۔

جواب: امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل کا جواب یہ ہے کہ حدیث سے مستنبط یہ حکم بعد میں آنے والے حکم سے منسوخ ہو گیا ہے کیونکہ یہ واقعہ ۵ھ کا ہے اور ہم جس دلیل سے استدلال کرتے ہیں وہ حضور اکرم ﷺ کی زندگی کا آخری واقعہ ہے اور شریعت میں ہر متأخر حکم کو اپنایا جاتا ہے کیونکہ وہ نسخ سے محفوظ ہوتا ہے۔

"**قال الحمیدی**" یہ حمیدی امام بخاری کے استاذ ہیں جامع صحیحین والا حمیدی نہیں ہے۔ یہ حضرت بھی یہی فرماتے ہیں کہ حضور اکرم ﷺ کا ہر وہ فعل جو آخر میں کیا گیا ہو اسی کو لیا جاتا ہے کیونکہ اس میں نسخ کا احتمال نہیں ہوتا ہے۔ [۱]

حضرت ابوبکر کی امامت اور حضور اکرم کی علالت

﴿۵﴾ وعن عَائِشَةَ قَالَتْ لَمَّا ثَقُلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ جَاءَ بِلَالٌ يُؤْذِنُهُ بِالصَّلَاةِ فَقَالَ مُرُوْا أَبَا بَكْرٍ أَنْ يُصَلِّيَ بِالنَّاسِ فَصَلَّى أَبُوْ بَكْرٍ تِلْكَ الْأَيَّامَ ثُمَّ إِنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَجَدَ فِيْ نَفْسِهِ خِفَّةً فَقَامَ يُهَادٰى بَيْنَ رَجُلَيْنِ وَرِجْلَاهُ تَخُطَّانِ فِي الْأَرْضِ حَتّٰى دَخَلَ الْمَسْجِدَ فَلَمَّا سَمِعَ أَبُوْ بَكْرٍ حِسَّهُ ذَهَبَ يَتَأَخَّرُ فَأَوْمَأَ إِلَيْهِ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ لَا يَتَأَخَّرَ فَجَاءَ حَتّٰى جَلَسَ عَنْ يَسَارِ أَبِيْ بَكْرٍ فَكَانَ أَبُوْ بَكْرٍ يُصَلِّيْ قَائِمًا وَكَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّيْ قَاعِدًا يَقْتَدِيْ أَبُوْ بَكْرٍ بِصَلَاةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَالنَّاسُ يَقْتَدُوْنَ بِصَلَاةِ أَبِيْ بَكْرٍ. (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ وَفِيْ رِوَايَةٍ لَهُمَا يُسْمِعُ أَبُوْ بَكْرٍ النَّاسَ التَّكْبِيْرَ) [۲]

ترجمہ: اور ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ جب نبی کریم ﷺ بہت زیادہ بیمار تھے تو (ایک دن) حضرت بلال رضی اللہ عنہ آپ کو نماز کے لئے بلانے آئے آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ ابوبکر سے کہو کہ وہ لوگوں کو نماز پڑھائیں چنانچہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو ان دنوں میں سترہ نمازیں پڑھائیں پھر جب (ایک دن) آنحضرت ﷺ نے اپنی طبیعت کچھ ہلکی محسوس فرمائی تو آپ (نماز کے لئے مسجد کو) دو آدمیوں کا سہارا لے کر (اس طرح) چلے کہ آپ نے اپنے ہاتھ صحابہ کے مونڈھوں پر ٹیک رکھے تھے اور (ضعف و کمزوری کے سبب) آپ کے پیر مبارک زمین پر گھسٹتے جاتے تھے جب آپ مسجد میں داخل ہوئے تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے آپ کی آمد کی آہٹ محسوس کی اور پیچھے ہٹنا شروع کیا (تاکہ آنحضرت ﷺ ان کی جگہ کھڑے ہو جائیں اور امامت کریں) آنحضرت ﷺ نے (یہ دیکھ کر) حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی طرف اشارہ کیا کہ پیچھے نہ ہٹو۔ پھر آپ (آگے) بڑھے اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے بائیں طرف بیٹھ گئے چنانچہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کھڑے ہو کر نماز

[۱] المرقات: ۳/۲۱۶ [۲] اخرجه البخاری: ۱/۱۶۹، ۱/۱۸۲ ومسلم: ۲۲،۲۳

پڑھتے رہے اور آنحضرت ﷺ (ضعف و کمزوری کی بناء پر) بیٹھ کر نماز پڑھتے رہے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ آنحضرت ﷺ کی نماز کی اقتداء کر رہے تھے اور لوگ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی نماز کی اقتداء کرتے تھے۔" (بخاری ومسلم)

توضیح: "مروا ابابکر ان یصلی بالناس" امامت صغریٰ پر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو مقرر کرنا امامت کبریٰ کی طرف اشارہ تھا چنانچہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اسی سے استدلال کیا کہ نبی پاک ﷺ نے ابوبکر رضی اللہ عنہ کو ہمارے دین کا امام بنایا تو وہ ہمارے دنیا کے بھی امام ہیں اگر خلافت کی طرف اشارہ نہ ہوتا تو حضور اکرم حضرت ابوبکر کے لئے اتنا اصرار نہ فرماتے عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے بارے میں ازواج مطہرات کی سفارش بھی تھی لیکن حضور اکرم ﷺ نے سختی سے منع فرمایا اور ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہی کو امامت پر برقرار رکھا۔ [۱]

"یہادیٰ" دو آدمیوں کے کندھوں پر دونوں ہاتھ رکھ کر ان کے سہارے چلنے کو تھادی کہتے ہیں۔

"والناس یقتدون بصلاۃ ابی بکر" یعنی حضور اکرم ﷺ کی خصوصیت کی وجہ تھی کہ بغیر استخلاف کے آنحضرت ﷺ خود خلیفہ بن گئے اور حضرت ابوبکر سے امامت کا منصب خود حضور اکرم ﷺ کی طرف منتقل ہو گیا لہٰذا اب امام حضور اکرم ﷺ تھے اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ آنحضرت ﷺ کی طرف سے مُکَبِّر تھے جو بظاہر امام نظر آ رہے تھے۔ [۲]

امام سے پہلے سر اٹھانے والے کا سر گدھے کا سر بن سکتا ہے

﴿۶﴾ وعن أبي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَمَا يَخْشَى الَّذِيْ يَرْفَعُ رَأْسَهُ قَبْلَ الْإِمَامِ أَنْ يُحَوِّلَ اللهُ رَأْسَهُ رَأْسَ حِمَارٍ. (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ) [۳]

ترجمہ: اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ کیا وہ شخص جو امام سے پہلے (رکوع و سجود سے) سر اٹھاتا ہے اس بات سے نہیں ڈرتا کہ اللہ جل شانہ اس کے سر کو بدل کر گدھے جیسا سر کر دے گا۔" (بخاری ومسلم)

توضیح: "رأس حمار" یعنی جو شخص نماز میں امام سے پہلے سجدہ یا رکوع سے سر اٹھاتا ہے اس کے بارے میں یہ خطرہ موجود ہے کہ اس کا سر گدھے کا سر بن جائے علماء نے اس حدیث کے کئی مطلب بیان کئے ہیں اول مطلب یہ ہے کہ یہ کلام حقیقت پر نہیں بلکہ مجاز پر محمول ہے یعنی اس کا سر واقعی گدھے کا سر نہیں بنتا البتہ یہ شخص گدھے کی طرح ناسمجھ بلید اور بے عقل ہے گویا یہ کلام تشبیہ پر محمول ہے۔ دوسرا مطلب علامہ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے یہ بیان کیا ہے کہ یہ مسخ ہونا خاص ہے جو ایک جزئی حالت سے متعلق ہے اس کا واقع ہونا منع نہیں ہے اور ایک عام مسخ ہے کہ پوری امت مسخ ہو جائے وہ منع ہے لہٰذا احادیث میں جس مسخ کی ممانعت کی بات آئی ہے وہ وہی عام مسخ ہے لہٰذا ان حدیثوں میں کوئی تعارض باقی نہیں رہتا اس حدیث کا تیسرا مطلب یہ ہے کہ مسخ سے مراد حقیقی مسخ بھی ہو سکتا ہے اور اس امکان کو رد نہیں کیا جا سکتا ہے جیسا کہ اشراط الساعۃ میں مسخ کے واقعات کا ذکر موجود ہے اور گذشتہ زمانوں میں بھی مسخ کے حقیقی واقعات کبھی کبھی واقع ہو چکے ہیں۔ [۴]

---

[۱] المرقات: ۳/۲۱۷ [۲] المرقات: ۳/۲۱۹ [۳] اخرجه البخاری: ۱/۱۷۷ ومسلم: ۲۹،۲/۲۸ [۴] المرقات: ۳/۲۲۱

عبرتناک حکایت:

ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث کے تحت مرقات ج ۳ ص ۹۸ پر ایک عبرتناک قصہ لکھا ہے کہ ایک جلیل القدر محدث علم حدیث کے حصول کے لئے ایک مشہور شیخ الحدیث کے پاس دمشق پہنچ گئے جن کے علم اور حدیث کا ڈنکا اس وقت بج رہا تھا علم حدیث کے اس شوقین طالب علم نے ان سے حدیث لینا شروع کر دیا اور تمام احادیث اس شیخ الحدیث سے حاصل کر لئے لیکن عجیب صورت حال یہ پیش آئی کہ پورے عرصے میں استاذ نے اپنے عقیدت مند شاگرد کو کبھی چہرہ نہیں دکھایا بلکہ حجاب سے اس کو پڑھاتا رہا جب استاذ کو اندازہ ہوا کہ اب شاگرد کو پوری عقیدت اور خدمت کا پورا جذبہ اور حدیث کا پورا شوق حاصل ہو گیا ہے اور اب یہ قابل اعتماد ہے تو استاذ نے پردہ سامنے سے ہٹا دیا شاگرد نے جب دیکھا تو حیران ہو کر رہ گیا کیونکہ اس کے استاذ کا چہرہ گدھے کا چہرہ تھا اس حیرت پر استاذ نے کہا کہ بیٹے امام سے نماز کے ارکان میں پہل کرنے سے بچنا (اور حدیث کی تعلیم اور فرمان میں شک کرنے سے بچنا) کیونکہ میں نے جب یہ حدیث سنی تو مجھے یقین نہیں آیا کہ واقعۃً ایسا ہو سکتا ہے چنانچہ میں امام سے آگے جانے لگا تو میرا چہرہ گدھے کا چہرہ بن گیا جسے آپ دیکھ رہے ہو۔ والعیاذ باللہ[1]

الفصل الثانی

امام کی موافقت

﴿۷﴾ عن عَلِيٍّ وَمُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ قَالَا قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا أَتَى أَحَدُكُمُ الصَّلَاةَ وَالْإِمَامُ عَلَى حَالٍ فَلْيَصْنَعْ كَمَا يَصْنَعُ الْإِمَامُ۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ غَرِيْبٌ)[2]

ترجمہ: حضرت علی اور حضرت معاذ ابن جبل رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: "جب تم میں سے کوئی شخص (جماعت میں شریک ہونے کے لئے) نماز میں آئے اور امام کسی حالت میں ہو تو جو کچھ امام کر رہا ہے وہی اسے کرنا چاہئے۔" اس حدیث کو امام ترمذی نے نقل کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ حدیث غریب ہے۔

رکوع میں شریک ہونے سے رکعت مل جاتی ہے

﴿۸﴾ وعن أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا جِئْتُمْ إِلَى الصَّلَاةِ وَنَحْنُ سُجُوْدٌ فَاسْجُدُوْا وَلَا تَعُدُّوْهُ شَيْئاً وَمَنْ أَدْرَكَ رَكْعَةً فَقَدْ أَدْرَكَ الصَّلَاةَ۔ (رَوَاهُ أَبُوْ دَاوُدَ)[3]

ترجمہ: اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا جب تم (جماعت میں شریک ہونے کیلئے) نماز میں آؤ اور مجھے سجدہ کی حالت میں پاؤ تو تم بھی سجدہ میں چلے جاؤ اور اس سجدہ کو کسی حساب میں نہ لگاؤ ہاں جس شخص نے (امام کے ساتھ) رکوع پالیا تو اس نے پوری رکعت پالی (ابوداؤد)

[1] المرقات: ۳/۲۲۱ [2] اخرجه الترمذی: ۵۹۱ [3] اخرجه ابوداؤد: ۸۹۳

توضیح: "فاسجدوا" بعض لوگ امام کو سجدہ میں پاتے ہیں تو خود کھڑے رہتے ہیں اور انتظار کرتے ہیں کہ امام جب اٹھ جائے گا تو ہم ان کے ساتھ شریک ہو جائیں گے اس حدیث میں بتایا جارہا ہے کہ تم سجدہ میں جا کر شریک ہو جاؤ لیکن اس ایک سجدہ کے پالینے کو رکعت کا پالینا نہ سمجھو ہاں اگر رکوع مل جائے تو تم نے پوری رکعت پالی "رکعۃ" اس لفظ کا ایک مطلب یہ ہے کہ جس نے رکوع پالیا اس نے نماز پالی یعنی یہ رکعت ان کو مل گئی یہاں رکعۃ سے مراد رکوع ہے اور صلاۃ سے مراد رکعت ہے اس لفظ کا دوسرا مطلب یہ ہے کہ جس شخص نے پوری نماز میں ایک رکعت بھی امام کے ساتھ پالی تو اس نے پوری نماز کو پالیا لہٰذا ان کو جماعت کا ثواب حاصل ہو جائے گا اس سے غیر مقلدین کو سخت دھچکا لگتا ہے کیونکہ فاتحہ کے بغیر مقتدی کی نماز بھی صحیح ہو گئی اور ان کو رکعت بھی مل گئی۔[1]

تکبیر اولیٰ کی عظیم فضیلت

﴿۹﴾ وعن أنس قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ صَلَّى لِلّٰهِ أَرْبَعِيْنَ يَوْماً فِي جَمَاعَةٍ يُدْرِكُ التَّكْبِيْرَةَ الْأُوْلَى كُتِبَ لَهُ بَرَاءَتَانِ بَرَاءَةٌ مِنَ النَّارِ وَبَرَاءَةٌ مِنَ النِّفَاقِ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ)[2]

ترجمہ: اور حضرت انس رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ جو شخص چالیس روز تک اللہ تعالیٰ کے لئے جماعت کے ساتھ اس طرح نماز پڑھے کہ وہ تکبیر اولیٰ بھی پائے تو اس کے لئے دو قسم کی نجات لکھی جاتی ہے ایک تو دوزخ سے نجات اور دوسری نفاق سے نجات (ترمذی)

جماعت ملے یا نہ ملے ثواب تو ملے گا

﴿۱۰﴾ وعن أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ تَوَضَّأَ فَأَحْسَنَ وُضُوْءَهُ ثُمَّ رَاحَ فَوَجَدَ النَّاسَ قَدْ صَلَّوْا أَعْطَاهُ اللهُ مِثْلَ أَجْرِ مَنْ صَلَّاهَا وَحَضَرَهَا لَا يَنْقُصُ ذٰلِكَ مِنْ أُجُوْرِهِمْ شَيْئًا. (رَوَاهُ أَبُوْ دَاوُدَ وَالنَّسَائِيُّ)[3]

ترجمہ: اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص نے وضو کیا اور اچھا (یعنی پورے شرائط و آداب اور حضور دل کے ساتھ) وضو کیا اور پھر (مسجد میں) گیا اور وہاں دیکھا کہ لوگ نماز پڑھ چکے ہیں تو اللہ تعالیٰ اسے اس نمازی کے برابر ثواب عنایت فرما دیتا ہے جس نے وہاں جماعت میں حاضر ہو کر نماز پڑھی تھی اور اس کا ثواب دینے سے دوسرے (یعنی جماعت میں حاضر ہونے والوں) کے ثواب میں کوئی کمی نہیں کرتا۔ (ابوداؤد و نسائی)

[1] المرقات: ۳/۲۲۲ [2] اخرجہ الترمذی: ۲۴۱ [3] اخرجہ ابوداؤد: ۱/۱۵۲ ح ۵۶۴

جماعت کی فضیلت

﴿۱۱﴾ وعن أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ قَالَ جَاءَ رَجُلٌ وَقَدْ صَلَّى رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ أَلَا رَجُلٌ يَتَصَدَّقُ عَلَى هٰذَا فَيُصَلِّيَ مَعَهُ فَقَامَ رَجُلٌ فَصَلَّى مَعَهُ. (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَأَبُو دَاوُدَ)[1]

ترجمہ: اور حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ (ایک روز مسجد میں) ایک شخص ایسے وقت پہنچا جبکہ نبی کریم ﷺ نماز پڑھ چکے تھے آپ نے (اس شخص کو دیکھ کر) فرمایا کہ "کیا کوئی شخص ایسا نہیں ہے جو اسے خدا کی راہ میں دے"؟ چنانچہ ایک شخص (آنحضرت کا یہ ارشاد سن کر) کھڑا ہوا اور اس نے اس شخص کے ساتھ نماز پڑھی۔" (ترمذی، ابوداود)

توضیح: "وقد صلی" یعنی نبی کریم ﷺ نے نماز پڑھائی تھی اب یہ معلوم نہیں کہ یہ کونسی نماز تھی ائمہ احناف فرماتے ہیں کہ عصر اور مغرب کے علاوہ کوئی نماز تھی کیونکہ عصر کے بعد نفل پڑھنا جائز نہیں اور مغرب میں تین رکعت نفل پڑھنا شریعت میں معہود نہیں۔[2]

"یتصدق" یہ صدقہ کرنے کے معنی میں ہے یہاں احسان کرنا مراد ہے علامہ مظہر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس عمل کو صدقہ اس لئے کہا گیا ہے کہ اگر یہ آدمی اکیلا نماز پڑھتا تو ان کو جماعت کا ثواب نہ ملتا جب انہوں نے جماعت کیساتھ نماز پڑھ لی تو گویا جماعت کا موقع فراہم کرنے والے نے ان پر احسان کیا کہ ایک کے بجائے ۲۶ زائد نمازوں کا ثواب ان کو مل گیا اب یہاں یہ مسئلہ اٹھا کہ اس شخص کے ساتھ مل کر جماعت کرنے والے ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ تھے اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اپنی نماز پڑھی تھی پھر آپ نے کیسے پڑھائی یہ تو متنفل کے پیچھے مفترض کی نماز ہوئی؟

شوافع نے کہا کہ جائز ہے اور یہی ہماری دلیل ہے احناف نے فرمایا کہ یہاں امام ابوبکر رضی اللہ عنہ نہیں تھے بلکہ وہ شخص خود امام تھا جن کی نماز رہ گئی تھی۔ ملا علی قاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اختلاف سے نکلنے والی صورت یہی ہے دوسری صورت میں اختلاف ہے تو بہتر یہی ہے کہ اس صورت پر اس حدیث کو حمل کرلیا جائے جس میں اختلاف نہ ہو بلکہ اتفاق ہو یا یہ اس وقت کی بات ہے جبکہ دو مرتبہ فرض پڑھنا جائز تھا۔[3]

جماعت ثانیہ کی کچھ تفصیل:

"فصلی معه" جماعت ثانیہ کا مسئلہ شاید کسی اور مقام پر لکھا گیا ہے مگر یہاں اس حدیث کی وجہ سے کچھ اشارہ پھر کرنا چاہتا ہوں چنانچہ علماء فرماتے ہیں کہ اگر راستہ یا بازار کی مسجد ہو اور اس کے لئے کوئی مقرر امام نہ ہو تو متعدد جماعت اور جماعت ثانیہ اتفاقاً جائز ہے اور اگر امام راتب و متعین موجود ہو اور اس نے جماعت کیساتھ نماز پڑھائی ہو اس کے بعد چند افراد آ کر اکٹھے ہو گئے اور تداعی کے ساتھ بعینہ موضع اول پر جم غفیر کے ساتھ جماعت ثانیہ کرالی تو یہ سب فقہاء کے نزدیک بالاتفاق مکروہ ہے اب اگر تداعی بھی نہ ہو موضع اول میں بھی جماعت نہ ہو جم غفیر بھی نہ ہو اور لوگ سب مقامی ہوں تو اس صورت میں اختلاف ہے۔[4]

[1] اخرجه الترمذی: ۲۲۰ وابوداؤد: ۵۷۴ [2] المرقات: ۲/۲۲۵ [3] المرقات: ۲/۲۲۵ [4] المرقات: ۲/۲۲۵

فقہاء کا اختلاف:

جمہور فقہاء فرماتے ہیں کہ اس آخری صورت میں بھی جماعت ثانیہ مکروہ ہے امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ اور صاحبین فرماتے ہیں کہ یہ بلا کراہت جائز ہے۔

دلائل:

جمہور کہتے ہیں کہ اس طرح جماعت ثانیہ کی عادت بنانا غرض جماعت کے لئے مُفَوِّتْ ہے کیونکہ ایک جماعت میں سب کے اکھٹے ہونے سے شوکت اسلام اور اتحاد واتفاق کا مظاہرہ ہوجائے نیز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فوت شدہ نماز کی قضا گھر پر کی ہے مسجد میں جماعت کے ساتھ نہیں کی۔

جواب: زیر بحث حدیث کا جمہور یہ جواب دیتے ہیں کہ جواز وعدم جواز کی اصل بحث فرائض میں ہے اور زیر بحث حدیث کا تعلق فرائض سے نہیں بلکہ یہ متنفل کی جماعت تھی کیونکہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ فرض پہلے پڑھ چکے تھے۔[1]

الفصل الثالث

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مرض وفات اور جماعت کا مکمل نقشہ

﴿۱۲﴾ عن عُبَيْدِ اللهِ بْنِ عَبْدِ اللهِ قَالَ دَخَلْتُ عَلٰى عَائِشَةَ فَقُلْتُ أَلَا تُحَدِّثِيْنِي عَنْ مَرَضِ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَتْ بَلٰى ثَقُلَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ أَصَلَّى النَّاسُ فَقُلْنَا لَا يَا رَسُوْلَ اللهِ وَهُمْ يَنْتَظِرُوْنَكَ فَقَالَ ضَعُوْا لِيْ مَاءً فِي الْمِخْضَبِ قَالَتْ فَفَعَلْنَا فَاغْتَسَلَ فَذَهَبَ لِيَنُوْءَ فَأُغْمِيَ عَلَيْهِ ثُمَّ أَفَاقَ فَقَالَ أَصَلَّى النَّاسُ قُلْنَا لَا هُمْ يَنْتَظِرُوْنَكَ يَا رَسُوْلَ اللهِ قَالَ ضَعُوْا لِيْ مَاءً فِي الْمِخْضَبِ قَالَتْ فَقَعَدَ فَاغْتَسَلَ ثُمَّ ذَهَبَ لِيَنُوْءَ فَأُغْمِيَ عَلَيْهِ ثُمَّ أَفَاقَ فَقَالَ أَصَلَّى النَّاسُ قُلْنَا لَا هُمْ يَنْتَظِرُوْنَكَ يَا رَسُوْلَ اللهِ قَالَ ضَعُوْا لِيْ مَاءً فِي الْمِخْضَبِ فَقَعَدَ فَاغْتَسَلَ ثُمَّ ذَهَبَ لِيَنُوْءَ فَأُغْمِيَ عَلَيْهِ ثُمَّ أَفَاقَ فَقَالَ أَصَلَّى النَّاسُ قُلْنَا لَا هُمْ يَنْتَظِرُوْنَكَ يَا رَسُوْلَ اللهِ وَالنَّاسُ عُكُوْفٌ فِي الْمَسْجِدِ يَنْتَظِرُوْنَ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِصَلَاةِ الْعِشَاءِ الْآخِرَةِ فَأَرْسَلَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلٰى أَبِيْ بَكْرٍ بِأَنْ يُصَلِّيَ بِالنَّاسِ فَأَتَاهُ الرَّسُوْلُ فَقَالَ إِنَّ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَأْمُرُكَ أَنْ تُصَلِّيَ بِالنَّاسِ فَقَالَ أَبُوْ بَكْرٍ وَكَانَ رَجُلًا رَقِيْقًا يَا عُمَرُ صَلِّ بِالنَّاسِ فَقَالَ لَهُ عُمَرُ أَنْتَ أَحَقُّ بِذٰلِكَ فَصَلّٰى أَبُوْ بَكْرٍ تِلْكَ الْأَيَّامَ ثُمَّ إِنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ

[1] المرقات: ۳/۲۲۵

عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَجَدَ فِيْ نَفْسِهٖ خِفَّةً وَخَرَجَ بَيْنَ رَجُلَيْنِ أَحَدُهُمَا الْعَبَّاسُ لِصَلَاةِ الظُّهْرِ وَأَبُوْ بَكْرٍ يُصَلِّيْ بِالنَّاسِ فَلَمَّا رَآهُ أَبُوْ بَكْرٍ ذَهَبَ لِيَتَأَخَّرَ فَأَوْمَأَ إِلَيْهِ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِأَنْ لَا يَتَأَخَّرَ قَالَ أَجْلِسَانِيْ إِلَى جَنْبِهٖ فَأَجْلَسَاهُ إِلَى جَنْبِ أَبِيْ بَكْرٍ وَالنَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَاعِدٌ وَقَالَ عُبَيْدُ اللّٰهِ فَدَخَلْتُ عَلَى عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَبَّاسٍ فَقُلْتُ لَهٗ أَلَا أَعْرِضُ عَلَيْكَ مَا حَدَّثَتْنِيْ عَائِشَةُ عَنْ مَرَضِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ هَاتِ فَعَرَضْتُ عَلَيْهِ حَدِيْثَهَا فَمَا أَنْكَرَ مِنْهُ شَيْئًا غَيْرَ أَنَّهٗ قَالَ أَسَمَّتْ لَكَ الرَّجُلَ الَّذِيْ كَانَ مَعَ الْعَبَّاسِ قُلْتُ لَا قَالَ هُوَ عَلِيٌّ.

(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)[1]

ترجمہ: حضرت عبید اللہ ابن عبد اللہ فرماتے ہیں کہ (ایک روز) میں ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی خدمت میں حاضر ہوا اور ان سے عرض کیا کہ "کیا آپ مجھ سے نبی کریم ﷺ کی بیماری کا حال (کہ جس میں آپ آخری مرتبہ نماز پڑھنے کے لئے مسجد تشریف لے گئے تھے) بیان نہیں فرمائیں گی؟ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا کہ ہاں (کیوں نہیں! تو سنو کہ جب) آنحضرت ﷺ زیادہ بیمار ہوئے تو (نماز کے وقت) پوچھا کہ "کیا لوگ نماز پڑھ چکے ہیں"؟ ہم نے کہا "کہ ابھی نہیں یا رسول اللہ! لوگ آپ کا انتظار کر رہے ہیں۔" (یہ سن کر) آپ نے فرمایا کہ "(اچھا) میرے لئے لگن (طشت) میں پانی رکھو" حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ "ہم نے لگن میں پانی رکھ دیا" چنانچہ آپ نے غسل کیا اور چاہا کہ کھڑے ہوں مگر (کمزوری کی وجہ سے آپ کو غش آ گیا اور) بے ہوش ہو گئے، جب ہوش آیا تو پھر فرمایا کہ "کیا لوگ نماز پڑھ چکے ہیں؟" ہم نے کہا کہ "ابھی نہیں، لوگ آپ کے منتظر ہیں یا رسول اللہ!" آپ نے فرمایا "لگن میں پانی رکھو۔" حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ (جب ہم نے لگن میں پانی رکھ دیا تو) آپ نے غسل فرمایا اور چاہا کہ کھڑے ہوں مگر بے ہوش ہو گئے جب ہوش آیا تو پھر پوچھا کہ "کیا لوگ نماز پڑھ چکے ہیں؟" ہم نے عرض کیا کہ ابھی نہیں لوگ آپ کے منتظر ہیں یا رسول اللہ! آپ نے فرمایا "لگن میں پانی رکھو۔" (جب ہم نے پانی رکھ دیا تو) آپ بیٹھے اور غسل کیا اور پھر جب اٹھنا چاہا تو بے ہوش ہو گئے جب ہوش آیا تو فرمایا کہ "کیا لوگ نماز پڑھ چکے ہیں؟" ہم نے عرض کیا کہ "نہیں لوگ آپ کے منتظر ہیں یا رسول اللہ! اور لوگ مسجد میں بیٹھے ہوئے عشاء کی نماز کے لئے آنحضرت ﷺ کا انتظار کر رہے تھے چنانچہ آنحضرت ﷺ نے کسی کو (یعنی حضرت بلال کو) حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس یہ کہلا کر بھیجا کہ وہ لوگوں کو نماز پڑھا دیں، چنانچہ قاصد (یعنی حضرت بلال) ان کے پاس آئے اور کہا کہ آپ کیلئے آنحضرت ﷺ کا یہ ارشاد ہے کہ آپ لوگوں کو نماز پڑھائیں! حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ ایک نرم دل آدمی تھے (یہ سن کر) حضرت

[1] اخرجه البخاري: ۱/۱۷۵ ومسلم: ۲/۲۰

عمر رضی اللہ عنہ سے کہنے لگے کہ اے عمر! تم ہی لوگوں کو نماز پڑھادو (کیونکہ میں تو آنحضرت ﷺ کی جگہ کھڑے ہونے کا متحمل نہیں ہوسکتا) لیکن حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ "اس (عظیم مرتبہ) کے سب سے زیادہ اہل آپ ہی ہیں! چنانچہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ان دنوں میں (یعنی آنحضرت ﷺ کے ایام مرض میں سترہ نمازیں لوگوں کو پڑھائیں)۔" جب (ایک روز) آنحضرت ﷺ نے اپنے مرض میں کچھ تخفیف محسوس فرمائی تو دو آدمیوں کا سہارا لے کر ان میں سے ایک حضرت عباس رضی اللہ عنہ تھے نماز ظہر کیلئے (مسجد میں) تشریف لے گئے، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ لوگوں کو نماز پڑھا رہے تھے۔ جب انہوں نے آنحضرت ﷺ کی تشریف آوری کی آہٹ سنی تو پیچھے ہٹنے کا ارادہ کیا۔ لیکن آنحضرت ﷺ نے انہیں اشارہ کے ذریعہ پیچھے ہٹنے سے منع فرمادیا اور ان دونوں سے (جن کا سہارا لے کر آپ مسجد آئے تھے) فرمایا کہ "مجھے ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پہلو میں بٹھادو!" چنانچہ انہوں نے آنحضرت ﷺ کو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پہلو میں بٹھادیا اور آپ بیٹھے (نماز پڑھاتے) رہے۔

حضرت عبیداللہ (اس حدیث کے راوی) کہتے ہیں کہ میں (حضرت عائشہ سے یہ حدیث سن کر) حضرت عبداللہ ابن عباس کے پاس گیا اور ان سے کہا کہ کیا میں آپ سے وہ حدیث نہ بیان کردوں جو میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے آنحضرت ﷺ کی بیماری کے بارے میں سنی ہے؟ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ "ہاں بیان کرو! چنانچہ میں نے ان کے سامنے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی حدیث بیان کی۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس میں سے کسی بات کا انکار نہیں کیا، البتہ یہ فرمایا کہ کیا حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے تم سے اس شخص کا نام بیان کیا ہے جو حضرت عباس رضی اللہ عنہما کے ساتھ تھے؟ میں نے کہا کہ نہیں" حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ تھے۔" (بخاری ومسلم)

سورۃ فاتحہ نہ پڑھنے سے ثواب کم ملے گا

﴿۱۳﴾ وعن أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّهُ كَانَ يَقُولُ مَنْ أَدْرَكَ الرَّكْعَةَ فَقَدْ أَدْرَكَ السَّجْدَةَ وَمَنْ فَاتَتْهُ قِرَاءَةُ أُمِّ الْقُرْآنِ فَقَدْ فَاتَهُ خَيْرٌ كَثِيرٌ. (رَوَاهُ مَالِكٌ)[1]

ترجمہ: اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں منقول ہے کہ وہ فرمایا کرتے تھے جس نے رکوع پایا اسے پوری رکعت مل گئی اور جو شخص سورۃ فاتحہ پڑھنے سے رہ گیا وہ بہت سارے ثواب سے (بھی محروم) رہ گیا۔ (مالک)

توضیح: "فاتته ام القرآن" ائمہ احناف فرماتے ہیں کہ اس حدیث کا مطلب وہی ہے جو "فصلا ته خداج" کا مطلب ہے یعنی نماز ناقص ہے ثواب کم ملتا ہے اس سے معلوم ہوا کہ امام کے پیچھے فاتحہ پڑھنا فرض نہیں فرض مطلق قرآن کا پڑھنا ہے فاتحہ پڑھنا منفرد کے لئے واجب ہے اور امام کے پیچھے یہ ذمہ داری بھی نہیں رہتی ہے۔

[1] اخرجه مالك في الموطا: ۱۱ ح ۱۸

امام سے پہلے سجدہ میں جانا بہت بڑا گناہ ہے

﴿۱۴﴾ وعنہ أَنَّهُ قَالَ اَلَّذِيْ يَرْفَعُ رَأْسَهُ وَيَخْفِضُهُ قَبْلَ الْإِمَامِ فَإِنَّمَا نَاصِيَتُهُ بِيَدِ الشَّيْطَانِ.
(رَوَاهُ مَالِكٌ)[1]

ترجمہ: اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ ہی کے بارے میں منقول ہے کہ وہ (یہ بھی) فرماتے تھے کہ "جو شخص (رکوع و سجود میں) اپنے سر کو امام سے پہلے اٹھائے یا جھکائے تو (سمجھو کہ) اس کی پیشانی شیطان کے ہاتھ میں ہے۔ (مالک)

توضیح: "ناصیته" یعنی اس کی پیشانی شیطان کے ہاتھ میں ہے وہ جس طرح چاہتا ہے اسکو گھماتا ہے یہ تسلط یا حقیقۃً ہے کہ واقعی شیطان کا مخفی ہاتھ اس کی پیشانی کے بالوں میں پڑا ہوا ہے یا یہ مجازاً ہے یعنی شیطان اس کو اپنی مرضی پر گھماتا چلاتا رہتا ہے۔[2]

[1] اخرجه مالك في الموطا: ۹۲ ح ۵۷ [2] المرقات: ۳/۲۲۰

باب من صلّٰی صلوٰۃ مرتین

دومرتبہ نماز پڑھنے کا بیان

اس باب میں دواہم مسئلے بیان ہونگے اول مسئلہ یہ کہ ایک شخص مثلاً گھر میں فرض پڑھ کر مسجد آیا تو دیکھا کہ جماعت کھڑی ہے اب یہ شخص اس جماعت میں شریک ہوکر نماز پڑھ سکتا ہے یانہیں یہ ایک مسئلہ ہوا۔ دوسرا مسئلہ یہ کہ اس شخص نے جونماز گھر میں پڑھی ہے آیا وہ نماز فرض میں شمار ہوگی یاوہ نماز فرض میں شمار ہوگی جواس شخص نے مسجد میں آکر جماعت کے ساتھ پڑھی ہے اس کا بیان اس باب کی احادیث میں آنے والا ہے اور یہ بات بھی تفصیل سے آرہی ہے کہ نمازی کس نماز کوفرض قرار دے اورکس کونفل قرار دے کچھ انتظار کیجئے۔

الفصل الاول

حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے دومرتبہ نماز کیوں پڑھی؟

﴿۱﴾ عن جابرٍ قَالَ كَانَ مُعَاذُ بْنُ جَبَلٍ يُصَلِّيْ مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثُمَّ يَأْتِيْ قَوْمَهٗ فَيُصَلِّيْ بِهِمْ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)[1]

ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت معاذ ابن جبل رضی اللہ عنہ (پہلے تو) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ نماز پڑھتے تھے اور پھر اپنی قوم کے پاس آکر انہیں نماز پڑھاتے تھے۔" (بخاری ومسلم)

توضیح: حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے یقیناً دومرتبہ نماز ادا فرمائی ہے عشاء کی نماز حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ پڑھی ہے اور پھر آکر اپنی قوم کو بھی عشاء کی نماز پڑھائی ہے اس حدیث کے ساتھ والی حدیث میں تصریح ہے کہ دوسری نماز ان کے لئے نفل بن گئی اس سے یہ معلوم ہوا کہ حضرت معاذ متنفل تھے اور قوم مفترض تھی اور متنفل کے پیچھے نماز ادا کی گئی ہے اس مسئلہ کے جواز وعدم جواز میں فقہاء کا سخت اختلاف ہے لیکن اس سے پہلے باب القراءۃ فی الصلوٰۃ کی حدیث نمبر ۱۰ کے ضمن میں اس کی تفصیل گزر چکی ہے وہاں دیکھ لیا جائے۔[2]

﴿۲﴾ وعنه قَالَ كَانَ مُعَاذٌ يُصَلِّيْ مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْعِشَاءَ ثُمَّ يَرْجِعُ إِلٰى قَوْمِهٖ فَيُصَلِّيْ بِهِمُ الْعِشَاءَ وَهِيَ لَهٗ نَافِلَةٌ۔ (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)[3]

ترجمہ: اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت معاذ ابن جبل رضی اللہ عنہ عشاء کی نماز (پہلے تو) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ پڑھتے تھے پھر اپنی قوم میں آتے اور ان کو عشاء کی نماز پڑھاتے اور وہ ان کے لئے نفل ہوتی۔

[1] اخرجه البخاري: ۱/۱۸۲ ومسلم: ۲/۴۱ [2] المرقات: ۳/۲۳۱ [3] اخرجه البخاري: ۱/۱۸۲ ومسلم: ۲/۴۱

الفصل الثانی

گھر میں نماز پڑھ کر جماعت پالی تو کیا کرے؟

﴿۳﴾ عن يَزِيدِ بْنِ الْأَسْوَدِ قَالَ شَهِدْتُ مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَجَّتَهُ فَصَلَّيْتُ مَعَهُ صَلَاةَ الصُّبْحِ فِيْ مَسْجِدِ الْخَيْفِ فَلَمَّا قَضٰى صَلَاتَهُ وَانْحَرَفَ فَإِذَا هُوَ بِرَجُلَيْنِ فِيْ آخِرِ الْقَوْمِ لَمْ يُصَلِّيَا مَعَهُ قَالَ عَلَيَّ بِهِمَا فَجِيْئَ بِهِمَا تُرْعَدُ فَرَائِصُهُمَا فَقَالَ مَا مَنَعَكُمَا أَنْ تُصَلِّيَا مَعَنَا فَقَالَا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ إِنَّا كُنَّا قَدْ صَلَّيْنَا فِيْ رِحَالِنَا قَالَ فَلَا تَفْعَلَا إِذَا صَلَّيْتُمَا فِيْ رِحَالِكُمَا ثُمَّ أَتَيْتُمَا مَسْجِدَ جَمَاعَةٍ فَصَلِّيَا مَعَهُمْ فَإِنَّهَا لَكُمَا نَافِلَةٌ۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَأَبُوْ دَاوُدَ وَالنَّسَائِيُّ)[1]

ترجمہ: حضرت یزید ابن اسود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ حج (حجۃ الوداع) میں شریک تھا چنانچہ (اس موقع پر ایک دن) میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ مسجد خیف میں صبح کی نماز پڑھی جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھ کر فارغ ہوئے تو کیا دیکھتے ہیں کہ دو شخص جماعت کے آخر میں بیٹھے ہوئے ہیں جنہوں نے آپ کے ساتھ نماز نہیں پڑھی تھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے (انہیں دیکھ کر لوگوں سے) فرمایا کہ ان دونوں کو میرے پاس لاؤ! وہ دونوں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں اس حال میں حاضر کئے گئے کہ (آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ہیبت کی وجہ سے) ان کے مونڈھوں کا گوشت تھرتھرا رہا تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے پوچھا کہ ''تمہیں ہمارے ساتھ نماز پڑھنے سے کس چیز نے روک دیا تھا؟'' انہوں نے عرض کیا کہ ''یا رسول اللہ! ہم اپنے مکان میں نماز پڑھ چکے تھے۔'' آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''آئندہ ایسا نہ کرنا۔ اگر تم اپنے مکان میں نماز پڑھ چکو اور اس مسجد میں آؤ جہاں جماعت ہو رہی ہو تو لوگوں کے ساتھ (بھی) نماز پڑھ لو۔ یہ نماز تمہارے لئے نفل ہو جائے گی۔'' (ترمذی، ابوداود، نسائی)

توضیح:

"فانها لكما نافلة"

پہلا مسئلہ:

جیسا پہلے لکھا گیا ہے کہ اس مقام پر دو اہم مسئلے ہیں پہلا مسئلہ یہ کہ ایک آدمی نے مثلاً گھر میں نماز پڑھ لی اور مسجد میں آکر اس نے جماعت پالی اب وہ جماعت میں بلا تامل شامل ہو جائے یا کیا کرے اس میں فقہاء کا اختلاف ہے۔

فقہاء کرام کا اختلاف:

امام شافعی اور امام احمد بن حنبل رحمہما اللہ تعالیٰ کے نزدیک یہ شخص پانچوں نمازوں میں شامل ہو سکتا ہے یہ اس کی نفل نماز ہے

[1] اخرجه الترمذی: ۲۱۹ وابو داؤد: ۵۷۵ والنسائی: ۲/۱۱۲

اور فجر، ظہر، عصر، مغرب اور عشاء ہر نماز میں یہ شخص نفل پڑھنے کی غرض سے شامل ہوسکتا ہے۔

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ایسا شخص مغرب کی نماز میں نفل پڑھنے کی غرض سے شامل نہیں ہوسکتا ہے باقی چاروں نمازوں میں شامل ہوسکتا ہے۔

ائمہ احناف فرماتے ہیں کہ ایسا شخص نفل پڑھنے کی غرض سے صرف ظہر اور عشاء میں شامل ہوسکتا ہے باقی فجر عصر اور مغرب میں شامل نہیں ہوسکتا۔ [1]

دلائل:

شوافع اور حنابلہ کی دلیل زیر بحث یزید بن الاسود رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے اس میں تصریح ہے کہ منیٰ کی مسجد خیف میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فجر کی نماز میں دو آدمیوں کو جماعت میں شرکت کی تعلیم دی اور فرمایا کہ یہ دوسری نماز جو جماعت کے ساتھ پڑھی ہے یہ تمہارے لئے نفل ہے اپنے مدعا پر یہ حدیث واضح تر ہے۔ [2]

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل بعض روایات میں "الا المغرب" کے الفاظ ہیں جو موطا مالک میں موجود ہیں اس کے علاوہ دیگر نمازوں میں عام اجازت کی روایات سے وہ استدلال فرماتے ہیں۔ [3]

ائمہ احناف فرماتے ہیں کہ فجر اور عصر کی نماز کے بعد نفل پڑھنا متواتر احادیث کی رو سے ممنوع ہے اور اس ممانعت میں کوئی شبہ یا ابہام نہیں اور ممانعت عام ہے لہٰذا گھر میں نماز پڑھنے کے بعد فجر وعصر میں نفل پڑھنے سے عام متواتر احادیث کی مخالفت لازم آتی ہے۔ اور مغرب میں ایک تو وہی "الا المغرب" کا استثنیٰ ہے جس سے ممانعت ثابت ہے دوسری وجہ یہ ہے کہ جو شخص مغرب کی نفل پڑھے گا تو یا امام کے ساتھ سلام پھیر دیگا تو تین رکعات نفل بن جائے گی اور تین نفل اسلام میں معہود ومعروف نہیں ہے اور اگر یہ شخص اٹھ کر ایک رکعت مزید ملا کر چار رکعت نفل بنائے گا جیسا کہ شوافع فرماتے ہیں تو اس سے امام کی مخالفت لازم آتی ہے جو منع ہے۔ اس عمومی استدلال کے علاوہ احناف نے بعض احادیث اور آثار سے بھی استدلال کیا ہے مثلاً حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کا اثر خود مشکوٰۃ میں اس باب کے آخر میں حدیث نمبر ۹ میں آنے والا ہے جس کے الفاظ اس طرح ہیں:

"من صلی المغرب والصبح ثم ادرکھما مع الامام فلا یعد لھما" (رواہ مالک)

بعض علماء امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا مسلک بھی یہی بتاتے ہیں کہ فجر ومغرب دونوں میں شامل ہونا صحیح نہیں ہے۔

پہلا جواب: شوافع وحنابلہ نے جس روایت سے استدلال کیا ہے اس کا ایک جواب تو یہ ہے کہ بہت ممکن ہے کہ یہ اس وقت کی بات ہو جبکہ ایک وقت میں دومرتبہ فرض پڑھنے کی اجازت تھی۔ [4]

دوسرا جواب: یہ کہ بہت ممکن ہے کہ یہ جواز اس زمانہ سے متعلق ہو جبکہ فجر وعصر کے بعد نفل پڑھنے کی ممانعت کا حکم نہیں آیا تھا۔ [5]

---

[1] المرقات: ۳/۲۲۱ [2] المرقات: ۳/۲۲۱ [3] المرقات: ۳/۲۲۱ [4] المرقات: ۳/۲۲۲ [5] المرقات: ۳/۲۲۲

تیسرا جواب: یہ ہے کہ یہاں مبیح اور محرم کا مسئلہ ہے اور مبیح ومحرم کا جب مقابلہ آجائے تو ترجیح محرم کو دی جاتی ہے لہٰذا احناف نے محرم کو ترجیح دیدی ہے۔

دوسرا مسئلہ:

یہاں دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ اگر فرض پڑھنے والے شخص نے آکر جماعت کے ساتھ نماز پڑھ لی تو آیا پہلی والی نماز فرض میں شمار کی جائے گی یا دوسری نماز فرض میں شمار ہوگی جو بھی نماز فرض میں شمار ہوگی تو دوسری نفل میں شمار ہوگی۔

اس میں شوافع حضرات کا ایک قول یہ ہے کہ تعیین کے بغیر ایک فرض ہوگی دوسری نفل بن جائے گی۔ دوسرا قول یہ ہے کہ دونوں فرض شمار ہوگی تیسرا قول یہ ہے کہ پہلی والی نماز فرض بنے گی اور دوسری نفل بن جائے گی یہی شوافع کے ہاں مختار بھی ہے۔

ائمہ احناف فرماتے ہیں کہ پہلی نماز فرض شمار ہوگی اور دوسری نماز نفل بنے گی جیسا کہ شوافع کا مختار قول ہے۔

احناف کی دلیل اور تائید میں وہ تمام روایات ہیں جس میں دوسری نماز کو صراحت کے ساتھ نفل سے یاد کیا گیا ہے "فانہالك نافلة" اس شخص کو جماعت کا ثواب مل جائے گا اور نفل مل جائے گی باقی فرض پہلے ہوگئی ہے ویسے یہ مسئلہ مغیبات سے تعلق رکھتا ہے کہ آخرت میں کیا ہوگا اس لئے اس کو اللہ تعالیٰ کی مشیت پر چھوڑ دینا چاہئے لہٰذا اس بحث کو دنیا میں چھیڑنا ہی نہیں چاہئے جیسا کہ ابن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث نمبر ۲ میں آیا ہے آپ سے کسی نے پوچھا کہ میں کس نماز کو فرض بنالوں تو آپ نے جواب میں فرمایا کہ یہ تمہارا کام نہیں بلکہ یہ اللہ تعالیٰ کی مشیت پر ہے وہ جس کو فرض بنانا چاہے بنائے گا۔

"ترعد" یہ رعد سے کانپنے کے معنی میں ہے۔

الفصل الثالث

نماز پڑھنے والا ہی مسلمان ہوتا ہے

﴿۴﴾ عن بُسْرِ بْنِ مِحْجَنٍ عَنْ أَبِيهِ أَنَّهُ كَانَ فِي مَجْلِسٍ مَعَ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأُذِّنَ بِالصَّلَاةِ فَقَامَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَصَلَّى وَرَجَعَ وَمِحْجَنٌ فِي مَجْلِسِهِ فَقَالَ لَهُ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا مَنَعَكَ أَنْ تُصَلِّيَ مَعَ النَّاسِ أَلَسْتَ بِرَجُلٍ مُسْلِمٍ فَقَالَ بَلٰى يَا رَسُوْلَ اللهِ وَلٰكِنِّي كُنْتُ قَدْ صَلَّيْتُ فِي أَهْلِي فَقَالَ لَهُ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا جِئْتَ الْمَسْجِدَ وَكُنْتَ قَدْ صَلَّيْتَ فَأُقِيمَتِ الصَّلَاةُ فَصَلِّ مَعَ النَّاسِ وَإِنْ كُنْتَ قَدْ صَلَّيْتَ. (رواه مالك والنسائي)[1]

ترجمہ: حضرت بسر ابن محجن اپنے والد محترم سے روایت کرتے ہیں کہ وہ (یعنی ان کے والد محترم حضرت محجن) ایک مجلس میں نبی کریم ﷺ کے ہمراہ تھے کہ نماز کے لئے اذان ہوگئی چنانچہ آنحضرت ﷺ نماز کے لئے کھڑے ہوگئے نماز پڑھ کر جب

[1] اخرجه مالك في الموطا: ۱۰۲ والنسائي: ۲/۱۱۲

آپ فارغ ہوئے۔ تو دیکھا کہ محجن اپنی جگہ بیٹھے ہوئے ہیں آپ نے ان سے پوچھا کہ لوگوں کے ساتھ نماز پڑھنے سے تمہیں کس چیز نے روک دیا تھا کیا تم مسلمان نہیں ہو......؟ انہوں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! ہاں! میں مسلمان ہوں لیکن (بات یہ ہوئی کہ) میں اپنے گھر والوں کے ساتھ نماز پڑھ چکا تھا۔ آنحضرت ﷺ نے ان سے فرمایا کہ ''جب تم مسجد میں آؤ اور نماز (اپنے گھر میں) پڑھ چکے ہو اور مسجد میں جماعت کھڑی ہو تو لوگوں کے ساتھ (دوبارہ) نماز پڑھ لو اگر چہ تم نماز پڑھ چکے ہو'' (مالک، نسائی)

توضیح: ''الست برجل مسلم'' یعنی سب لوگ نماز میں جماعت کے ساتھ نماز پڑھ رہے ہیں اور تم پیچھے بیٹھے ہو اور نماز میں شامل نہیں ہو رہے ہو کیا تم مسلمان نہیں ہو؟ کیونکہ یہ طرز عمل تو مسلمانوں کا نہیں ہے۔ [1]

اس جملہ سے ہر مسلمان کو سوچنا چاہئے کہ نماز نہ پڑھنا کافروں کا شیوہ ہے مسلمان وہی ہوتا ہے جو نماز پڑھتا ہو صحابہ کرام بھی اس شخص کو مسلمان نہیں سمجھتے تھے جو نماز چھوڑتا تھا۔

﴿۵﴾ وعن رَجُلٍ مِنْ أَسَدِ بْنِ خُزَيْمَةَ أَنَّهُ سَأَلَ أَبَا أَيُّوبَ الْأَنْصَارِيَّ قَالَ يُصَلِّي أَحَدُنَا فِي مَنْزِلِهِ الصَّلَاةَ ثُمَّ يَأْتِي الْمَسْجِدَ وَتُقَامُ الصَّلَاةُ فَأُصَلِّي مَعَهُمْ فَأَجِدُ فِي نَفْسِي شَيْئاً مِنْ ذٰلِكَ فَقَالَ أَبُو أَيُّوبَ سَأَلْنَا عَنْ ذٰلِكَ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ فَذٰلِكَ لَهُ سَهْمُ جَمْعٍ. (رواه مالك وأبو داود) [2]

ترجمہ: اور قبیلۂ اسد ابن خزیمہ کے ایک شخص کے بارے میں مروی ہے کہ اس نے حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ ''ہم میں سے کوئی شخص (اپنے گھر میں) نماز پڑھ لیتا ہے۔ پھر وہ مسجد میں آتا ہے اور (دیکھتا ہے کہ) وہاں نماز پڑھی جارہی ہے میں ان کے ساتھ (دوبارہ) نماز پڑھ لیتا ہوں مگر میں اپنے دل میں ایک کھٹک محسوس کرتا ہوں (یعنی میرے دل میں یہ شبہ پیدا ہوتا ہے کہ آیا دوبارہ نماز پڑھنا میرے لئے بہتر ہے یا نہیں؟) حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ''میں نے (بھی اس مسئلہ کو) آنحضرت ﷺ سے پوچھا تو آپ نے فرمایا کہ یہ (دوبارہ نماز پڑھنا) اس کے لئے جماعت کا نصیبہ ہے۔'' (مالک، ابوداؤد)

توضیح: ''سھم جمع'' سہم حصہ اور نصیبہ کو کہتے ہیں اور ''جمع'' جماعت کے ساتھ نماز پڑھنے کو کہتے ہیں مطلب یہ ہے کہ ایک شخص نے گھر میں نماز پڑھ لی اور پھر مسجد میں آگیا اور وہاں ان کو کھڑی جماعت مل گئی تو اس شخص کو اس میں شامل ہونا چاہئے فرض کا ثواب ان کو پہلے نماز پڑھنے سے مل گیا اور اس نماز سے ان کو جماعت کی فضیلت و سعادت حاصل ہوگئی۔ [3]

یاد رہے یہ ظہر اور عشاء کی نمازوں میں ہوسکتا ہے جس طرح احناف و مالکیہ کا مسلک ہے تاہم شوافع اور حنابلہ کے ہاں یہ حدیث مطلق ہے تمام نمازوں میں شامل ہوسکتا ہے جیسا کہ اس حدیث کا تقاضا ہے تفصیل پہلے ہو چکی ہے۔

﴿۶﴾ وعن يَزِيدَ بْنِ عَامِرٍ قَالَ جِئْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ فِي الصَّلَاةِ فَجَلَسْتُ وَلَمْ أَدْخُلْ مَعَهُمْ فِي الصَّلَاةِ فَلَمَّا انْصَرَفَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَآنِي جَالِساً فَقَالَ

---

[1] المرقات: ۳/۲۳۵　[2] اخرجه وابوداؤد: ۵۷۸　[3] المرقات: ۳/۲۳۶

أَلَمْ تُسْلِمْ يَا يَزِيدُ قُلْتُ بَلَى يَا رَسُولَ اللهِ قَدْ أَسْلَمْتُ قَالَ وَمَا مَنَعَكَ أَنْ تَدْخُلَ مَعَ النَّاسِ فِي صَلَاتِهِمْ قَالَ إِنِّي كُنْتُ قَدْ صَلَّيْتُ فِي مَنْزِلِي أَحْسَبُ أَنْ قَدْ صَلَّيْتُمْ فَقَالَ إِذَا جِئْتَ الصَّلَاةَ فَوَجَدْتَ النَّاسَ يُصَلُّونَ فَصَلِّ مَعَهُمْ وَإِنْ كُنْتَ قَدْ صَلَّيْتَ تَكُنْ لَكَ نَافِلَةٌ وَهٰذِهِ مَكْتُوبَةٌ۔ (رَوَاهُ أَبُو دَاوُدَ)[۱]

ترجمہ: اور حضرت یزید ابن عامر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں (ایک روز) میں نبی کریم ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا اور آپ ﷺ اس وقت (لوگوں کے ہمراہ) نماز پڑھ رہے تھے میں (ایک طرف) بیٹھ گیا اور ان لوگوں کے ساتھ جماعت میں شامل نہیں ہوا، جب آنحضرت ﷺ نماز پڑھ کر فارغ ہوئے اور مجھے (ایک طرف) بیٹھے ہوئے دیکھا تو فرمایا کہ "یزید کیا تم مسلمان نہیں ہو کہ نماز نہیں پڑھی......؟" میں نے عرض کیا ہاں یا رسول اللہ! بے شک میں مسلمان ہوں!" آپ نے فرمایا تو پھر لوگوں کے ساتھ نماز میں شریک ہونے سے تمہیں کس چیز نے روک دیا تھا؟" میں نے عرض کیا "میں اپنے مکان میں نماز پڑھ چکا تھا اور (اب آتے وقت) یہ خیال تھا کہ آپ بھی نماز سے فارغ ہو چکے ہوں گے" فرمایا "جب تم نماز کو آؤ اور لوگوں کو (نماز پڑھتے ہوئے) پاؤ تو تم بھی ان کے ہمراہ نماز میں شامل ہو جاؤ اگرچہ تم (پہلے وہ) نماز پڑھ چکے ہو اور یہ (دوسری مرتبہ کی نماز) تمہارے لئے نفل ہو جائے گی اور وہ (پہلی نماز) فرض ادا ہوگی۔ (ابوداؤد)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کا فیصلہ

﴿۷﴾ وعن ابْنِ عُمَرَ أَنَّ رَجُلًا سَأَلَهُ فَقَالَ إِنِّي أُصَلِّي فِي بَيْتِي ثُمَّ أُدْرِكُ الصَّلَاةَ فِي الْمَسْجِدِ مَعَ الْإِمَامِ أَفَأُصَلِّي مَعَهُ قَالَ لَهُ نَعَمْ قَالَ الرَّجُلُ أَيَّتَهُمَا أَجْعَلُ صَلَاتِي قَالَ ابْنُ عُمَرَ وَذٰلِكَ إِلَيْكَ إِنَّمَا ذٰلِكَ إِلَى اللهِ عَزَّ وَجَلَّ يَجْعَلُ أَيَّتَهُمَا شَاءَ۔ (رَوَاهُ مَالِكٌ)[۲]

ترجمہ: اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کے بارے میں منقول ہے کہ ان سے ایک شخص نے پوچھا کہ "میں اپنے گھر میں نماز پڑھ لیتا ہوں پھر مسجد میں (ایسے وقت پہنچتا ہوں کہ) لوگ امام کے پیچھے نماز پڑھ رہے ہوتے ہیں تو کیا میں بھی اس امام کے پیچھے نماز پڑھوں؟ حضرت ابن عمر نے فرمایا کہ "ہاں!" پھر اس شخص نے پوچھا کہ (ان میں سے) اپنی (فرض) نماز کس کو قرار دوں؟ (پہلی کو یا دوسری کو) حضرت ابن عمر نے فرمایا" (کیا یہ تمہارا کام ہے......؟ (یعنی ان میں سے کسی ایک کو فرض نماز مقرر کرنا تمہارا کام نہیں ہے) یہ تو اللہ بزرگ و برتر کے اختیار میں ہے کہ وہ جسے چاہے تمہاری (فرض) نماز قرار دے۔" (مالک)

ایک نماز کو دوبار پڑھنا منسوخ و ممنوع ہے

﴿۸﴾ وعن سُلَيْمَانَ مَوْلَى مَيْمُونَةَ قَالَ أَتَيْنَا ابْنَ عُمَرَ عَلَى الْبَلَاطِ وَهُمْ يُصَلُّونَ فَقُلْتُ أَلَا تُصَلِّي

[۱] اخرجه وابوداؤد: ۵۷۷ [۲] اخرجه مالك: ۱۳۳ ج ۱

مَعَهُمْ قَالَ قَدْ صَلَّيْتُ وَإِنِّي سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ لَا تُصَلُّوْا صَلَاةً فِي يَوْمٍ مَرَّتَيْنِ۔ (رَوَاهُ أَحْمَدُ وَأَبُوْ دَاوُدَ وَالنَّسَائِيُّ)[1]

ترجمہ: اور ام المؤمنین حضرت میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے آزاد کردہ غلام حضرت سلیمان رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ (ایک روز) ہم حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کے پاس مقام بلاط میں آئے لوگ اس وقت (مسجد میں) نماز پڑھ رہے تھے میں نے ابن عمر رضی اللہ عنہما سے عرض کیا کہ "کیا آپ لوگوں کے ہمراہ نماز نہیں پڑھتے ......؟ حضرت ابن عمر نے فرمایا "میں نماز پڑھ چکا ہوں اور میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ "تم ایک دن (یعنی ایک وقت میں) ایک نماز دومرتبہ نہ پڑھو۔" (ابوداود، نسائی، احمد)

توضیح: "البلاط" مدینہ منورہ میں مسجد نبوی سے باہر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے ایک جگہ بنائی تھی تاکہ لوگ دنیوی باتیں مسجد کے بجائے اس جگہ بیٹھ کر کریں اسی جگہ کا نام بلاط ہے۔[2]

"الصلوٰۃ" اس جملہ کا مطلب یہ ہے کہ ایک شخص نے پہلے فرض پڑھ لی ہو اور اب جماعت کے ساتھ پھر وہی فرض دوبارہ پڑھ رہا ہو یہ ممنوع اور منسوخ ہے ابتداء اسلام میں اس طرح ہوتا تھا لیکن پھر ممانعت آگئی اس حدیث کا مطلب یہ نہیں ہے کہ ایک شخص جماعت کے ثواب کے حصول کی غرض سے جماعت میں شامل ہو کر نفل پڑھنا چاہتا ہے اور اس کو منع کیا جارہا ہے وہ تو احادیث کی رُو سے جائز ہے جبکہ وقت نماز پڑھنے کے لئے مناسب ہو۔[3]

جن اوقات میں دوبارہ نماز پڑھنا ممنوع ہے

﴿۹﴾ وعن نَافِعٍ قَالَ إِنَّ عَبْدَ اللهِ بْنَ عُمَرَ كَانَ يَقُوْلُ مَنْ صَلَّى الْمَغْرِبَ أَوِ الصُّبْحَ ثُمَّ أَدْرَكَهُمَا مَعَ الْإِمَامِ فَلَا يَعُدْ لَهُمَا۔ (رَوَاهُ مَالِكٌ)[4]

ترجمہ: اور حضرت نافع راوی ہیں کہ حضرت عبداللہ ابن عمر فرمایا کرتے تھے کہ جس شخص نے مغرب یا فجر کی نماز (تنہا) پڑھ لی اور پھر ان نمازوں کو امام کے ساتھ پایا (یعنی جہاں جماعت ہو رہی تھی وہاں پہنچ گیا) تو وہ ان کو دوبارہ نہ پڑھے۔" (مالک)

توضیح: یہ حدیث مالکیہ اور حنفیہ دونوں کے لئے دلیل ہے کہ کچھ اوقات ایسے ہیں کہ ان میں فرض کے بعد نفل پڑھنا جائز نہیں ہے احناف نے عصر کی نماز کے بعد کا وقت بھی اس میں شمار کیا ہے کیونکہ احادیث میں اس وقت نماز پڑھنے کی ممانعت کا ذکر بھی ہے۔[5]

[1] اخرجه احمد: ۲/۱۹، ۴۱ وابوداؤد: ۵۷۹ والنسائی: ۲/۱۱۴ [2] المرقات: ۳/۲۳۸
[3] المرقات: ۳/۲۳۸ [4] اخرجه مالك: ۱/۱۳۳ [5] المرقات: ۳/۲۳۸، ۲۳۹

باب السنن وفضائلها

سنتوں کی فضیلت کا بیان

دین اسلام میں ایک فرض نماز ہے فرض کی تعریف یہ ہے "ماثبت بدلیل قطعی لاشبهة فیه" دوسری واجب نماز ہے واجب کی تعریف یہ ہے "ماثبت بدلیل قطعی فیه شبهة" تیسری سنت نماز ہے سنت کی تعریف یہ ہے "ماواظب علیه النبی صلی الله علیه وسلم وترکه مرة اومرتین" اب سنت کی دو قسمیں ہیں ایک سنت مؤکدہ ہیں دوسری سنن زوائد ہیں یہاں دونوں قسموں کا بیان ہوگا یہ بات بھی یاد رکھنے کی ہے کہ سنت، تطوع، نفل، مستحب مترادف الفاظ ہیں ایک دوسرے پر بولے جاتے ہیں فرض نماز ایک بڑی عبادت ہے اس کے ساتھ ساتھ مطلق نماز کی بھی بڑی شان ہے خواہ سنت ہو یا نفل اور مستحب ہو، فرائض میں کبھی نقص رہ جاتا ہے یا اس کے پڑھنے سے پہلے آدمی سست رہتا ہے اس نقص کو دور کرنے کے لئے اور اسی طرح جسم کو فرائض کے واسطے چست کرنے کے لئے سنت اور نوافل رکھے گئے ہیں۔

سنن مؤکدہ کو سنن رواتب بھی کہتے ہیں یہ وہ سنت ہیں جن پر حضور اکرم ﷺ نے مداومت فرمائی ہے اور سنن غیر مؤکدہ کو غیر رواتب کہتے ہیں یہ وہ ہیں جن پر حضور اکرم ﷺ نے مداومت اختیار نہیں فرمائی سنن مؤکدہ کل بارہ ہیں اور سنن غیر مؤکدہ کی تحدید نہیں ہے البتہ اس کا اتنا بیان ہے کہ عصر سے پہلے چار رکعت ہیں اسی طرح عشاء سے پہلے چار رکعت ہیں سنن مؤکدہ پڑھنے میں عرب سستی کرتے ہیں اور اکثر و بیشتر اسے چھوڑ دیتے ہیں افسوس کا مقام ہے کہ سلفیت کے بھوت نے ان کو برباد کیا۔[1]

الفصل الاول

بارہ رکعات سنت پڑھنے پر جنت میں محل ملے گا

﴿۱﴾ عن أُمِّ حَبِيْبَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ صَلَّى فِيْ يَوْمٍ وَلَيْلَةٍ ثِنْتَيْ عَشْرَةَ رَكْعَةً بُنِيَ لَهُ بَيْتٌ فِي الْجَنَّةِ أَرْبَعاً قَبْلَ الظُّهْرِ وَرَكْعَتَيْنِ بَعْدَهَا وَرَكْعَتَيْنِ بَعْدَ الْمَغْرِبِ وَرَكْعَتَيْنِ بَعْدَ الْعِشَاءِ وَرَكْعَتَيْنِ قَبْلَ صَلَاةِ الْفَجْرِ۔

(رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَفِيْ رِوَايَةٍ لِمُسْلِمٍ أَنَّهَا قَالَتْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ مَا مِنْ عَبْدٍ مُسْلِمٍ يُصَلِّيْ لِلّٰهِ كُلَّ يَوْمٍ ثِنْتَيْ عَشْرَةَ رَكْعَةً تَطَوُّعاً غَيْرَ فَرِيْضَةٍ إِلَّا بَنَى اللهُ لَهُ بَيْتاً فِي الْجَنَّةِ أَوْ إِلَّا بُنِيَ لَهُ بَيْتٌ فِي الْجَنَّةِ)[2]

ترجمہ: حضرت ام حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا راوی ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا جو شخص دن و رات میں بارہ رکعتیں نماز پڑھے تو

[1] المرقات: ۳/۲۲۰ [2] اخرجه الترمذی: ۴۱۵ و مسلم: ۲/۱۶۱،۱۶۲

اس کے لئے جنت میں گھر بنایا جاتا ہے (اور وہ بارہ رکعتیں یہ ہیں) چار رکعت ظہر (کی فرض نماز) سے پہلے اور دو رکعت اس کے بعد، دو رکعت مغرب (کی فرض نماز) کے بعد، دو رکعت عشاء (کی فرض نماز) کے بعد اور دو رکعت فجر کی (فرض) نماز سے پہلے۔ (ترمذی)

اور مسلم کی ایک روایت کے الفاظ یہ ہیں کہ حضرت ام حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا کہ میں نے نبی کریم ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ کوئی بھی مسلمان جب روزانہ اللہ جل شانہ کیلئے فرض نمازوں کے علاوہ بارہ رکعتیں (سنت) پڑھتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے لئے جنت میں گھر بناتا ہے۔" یا یہ فرمایا کہ "اس کے لئے جنت میں گھر بنایا جاتا ہے۔"

توضیح: "ثنتی عشرۃ رکعۃ" یعنی چوبیس گھنٹوں میں جس شخص نے بارہ رکعات سنتیں پڑھ لیں اس کے لئے جنت میں ایک محل تیار ہوگا وہ بارہ رکعات اس طرح ہیں کہ ظہر سے پہلے چار اور بعد میں دو ہیں مغرب کے بعد دو ہیں عشاء کے بعد دو ہیں اور فجر کی نماز سے پہلے دو رکعت ہیں، زیر بحث حدیث میں اسی طرح ترتیب ہے لیکن کچھ دیگر روایات میں اس ترتیب میں ظہر سے پہلے کی سنتوں میں معمولی سا فرق ہے جس کی وجہ سے فقہاء کرام میں اختلاف آیا ہے۔[1]

فقہاء کرام کا اختلاف:

فرض نمازوں سے پہلے اور بعد میں جو سنتیں ہیں اس میں فقہاء کے ہاں دو مسئلوں میں اختلاف ہے ایک تو اس میں اختلاف ہے کہ آیا ان سنتوں میں کوئی تحدید وتعیین ہے یا نہیں ہے یعنی اس کی رکعات محدود ہیں یا محدود نہیں۔

حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس میں دو یا چار کی کوئی تحدید نہیں جتنی کوئی شخص پڑھنا چاہتا ہے پڑھ سکتا ہے ہاں وہ تعداد بہرحال افضل ہے جس کا ذکر احادیث میں آیا ہے جس طرح زیر بحث حدیث میں ہے، جمہور فرماتے ہیں کہ ان سنتوں کی تعداد محدود اور متعین ہے۔

دوسرا اختلافی مسئلہ یہ ہے کہ ان سنن کی تعداد کتنی ہے تو امام شافعی اور امام احمد بن حنبل فرماتے ہیں کہ دن رات میں ان سنتوں کی تعداد دس ہے ظہر کی نماز سے پہلے چار نہیں بلکہ دو رکعت ہیں۔

ائمہ احناف فرماتے ہیں کہ دن رات میں ان سنتوں کی تعداد بارہ ہیں ظہر سے پہلے دو نہیں بلکہ چار سنتیں ہیں۔

دلائل:

شوافع اور حنابلہ کی دلیل حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت ہے جو ساتھ والی دوسری نمبر حدیث ہے جس میں یہ الفاظ ہیں:

"صلی النبی صلی اللہ علیہ وسلم رکعتین قبل الظہر"۔

ائمہ احناف زیر بحث ام حبیبہؓ کی روایت سے استدلال کرتے ہیں جس میں "اربعا قبل الظہر" کے صریح الفاظ آئے ہیں اسی طرح حدیث نمبر ۴ میں بھی چار کا لفظ موجود ہے اسی طرح حدیث نمبر ۹ میں چار کا ذکر ہے پھر حدیث نمبر ۱۰ میں چار کا ذکر ہے اسی طرح حدیث نمبر ۱۱ اور حدیث نمبر ۱۹ میں بھی اس کا ثبوت ملتا ہے۔

---

[1] المرقات: ۲/۲۲۹

جواب: شوافع اور حنابلہ نے جو حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت سے استدلال کیا ہے اس کا جواب یہ ہے کہ وہ تحیۃ المسجد کی دو رکعتوں کا ذکر ہے ظہر کی چار رکعات کا بیان نہیں ہے تا کہ تمام احادیث سے یہ روایت موافق و مطابق ہو جائے۔

﴿۲﴾ عن ابْنِ عُمَرَ قَالَ صَلَّيْتُ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَكْعَتَيْنِ قَبْلَ الظُّهْرِ وَرَكْعَتَيْنِ بَعْدَهَا وَرَكْعَتَيْنِ بَعْدَ الْمَغْرِبِ فِيْ بَيْتِهٖ وَرَكْعَتَيْنِ بَعْدَ الْعِشَاءِ فِيْ بَيْتِهٖ قَالَ وَحَدَّثَتْنِيْ حَفْصَةُ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يُصَلِّيْ رَكْعَتَيْنِ خَفِيْفَتَيْنِ حِيْنَ يَطْلُعُ الْفَجْرُ۔
(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)[1]

ترجمہ: اور حضرت ابن عمر فرماتے ہیں کہ "میں نے نبی کریم ﷺ کے ہمراہ ظہر (کی فرض نماز) سے پہلے دو رکعتیں، اس کے بعد دو رکعتیں اور آپ کے گھر (یعنی حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا جو ابن عمر کی بہن تھیں کے گھر) میں مغرب (کی فرض نماز) کے بعد دو رکعتیں پڑھی ہیں نیز حضرت ابن عمر نے فرمایا کہ حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے مجھ سے بیان کیا کہ آنحضرت ﷺ دو ہلکی رکعتیں اس وقت پڑھا کرتے تھے جب فجر طلوع ہوتی تھی۔" (بخاری ومسلم)

توضیح: "وحدثتني حفصة" حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے فجر کی نماز سے پہلے دو رکعتوں کا ذکر حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے حوالہ سے کیا اس کی وجہ یہ ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے خود حضور اکرم ﷺ کو مسجد میں دو سنت پڑھتے ہوئے نہیں دیکھا تھا اس لئے حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے حوالہ سے تذکرہ فرمایا اور حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے حضور اکرم ﷺ کی دو سنتوں کو گھر میں پڑھتے ہوئے دیکھا تھا اس لئے انہوں نے بیان فرمایا۔[2]

جمعہ کی سنتیں

﴿۳﴾ وعنه قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يُصَلِّيْ بَعْدَ الْجُمُعَةِ حَتّٰى يَنْصَرِفَ فَيُصَلِّيْ رَكْعَتَيْنِ فِيْ بَيْتِهٖ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)[3]

ترجمہ: اور حضرت ابن عمر فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ جمعہ کے بعد کوئی نماز نہیں پڑھتے تھے یہاں تک کہ آپ (گھر میں) واپس تشریف لاتے اور مکان میں دو رکعتیں پڑھتے۔" (بخاری)

توضیح: "رکعتین" اس حدیث میں یہ مذکور ہے کہ آنحضرت ﷺ کا معمول یہ تھا کہ آپ جمعہ کی نماز کے بعد گھر لوٹ کر دو رکعتیں پڑھتے تھے اس حدیث میں اس مسئلہ سے کوئی بحث نہیں کی گئی کہ جمعہ سے پہلے کتنی رکعتیں تھیں اس لئے اس اجمالی روایت سے کسی مسلک کو ثابت نہیں کیا جا سکتا ہے جیسا کہ شوافع ثابت کرنا چاہتے ہیں جمعہ کی سنتوں کی بحث اس باب کی حدیث نمبر ۸ کے ضمن میں آنے والی ہے کچھ انتظار کیجئے۔[4]

[1] اخرجه البخاري: ۲/۱۶ ومسلم: ۲/۱۷ [2] المرقات: ۳/۲۲۱ [3] اخرجه البخاري: ۲/۱۶ ومسلم: ۲/۱۷ [4] المرقات: ۳/۲۲۲

آنحضرت ﷺ کی نوافل کا مکمل نقشہ

﴿۴﴾ وعن عَبْدِ اللهِ بْنِ شَقِيْقٍ قَالَ سَأَلْتُ عَائِشَةَ عَنْ صَلَاةِ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ تَطَوُّعِهِ فَقَالَتْ كَانَ يُصَلِّيْ فِيْ بَيْتِيْ قَبْلَ الظُّهْرِ أَرْبَعاً ثُمَّ يَخْرُجُ فَيُصَلِّيْ بِالنَّاسِ ثُمَّ يَدْخُلُ فَيُصَلِّيْ رَكْعَتَيْنِ وَكَانَ يُصَلِّيْ بِالنَّاسِ الْمَغْرِبَ ثُمَّ يَدْخُلُ فَيُصَلِّيْ رَكْعَتَيْنِ ثُمَّ يُصَلِّيْ بِالنَّاسِ الْعِشَاءَ وَيَدْخُلُ بَيْتِيْ فَيُصَلِّيْ رَكْعَتَيْنِ وَكَانَ يُصَلِّيْ مِنَ اللَّيْلِ تِسْعَ رَكَعَاتٍ فِيْهِنَّ الْوِتْرُ وَكَانَ يُصَلِّيْ لَيْلاً طَوِيْلاً قَائِماً وَلَيْلاً طَوِيْلاً قَاعِداً وَكَانَ إِذَا قَرَأَ وَهُوَ قَائِمٌ رَكَعَ وَسَجَدَ وَهُوَ قَائِمٌ وَكَانَ إِذَا قَرَأَ قَاعِداً رَكَعَ وَسَجَدَ وَهُوَ قَاعِدٌ وَكَانَ إِذَا طَلَعَ الْفَجْرُ صَلَّى رَكْعَتَيْنِ.

(رَوَاهُ مُسْلِمٌ وَزَادَ أَبُوْ دَاوُدَ ثُمَّ يَخْرُجُ فَيُصَلِّيْ بِالنَّاسِ صَلَاةَ الْفَجْرِ) [1]

ترجمہ: اور حضرت عبداللہ ابن شقیق فرماتے ہیں کہ میں نے ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے نبی کریم ﷺ کی نفل نمازوں کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے فرمایا کہ آنحضرت ﷺ پہلے میرے گھر میں ظہر کی چار رکعتیں پڑھتے پھر (مسجد) تشریف لے جاتے (اور وہاں) لوگوں کے ہمراہ (ظہر کی فرض) نماز پڑھتے پھر آپ (گھر میں) تشریف لاتے اور دو رکعت نماز پڑھتے (اسی طرح) آپ مغرب کی نماز لوگوں کے ہمراہ (مسجد میں) ادا فرماتے اور پھر (گھر میں) تشریف لاکر دو رکعت نماز پڑھتے۔ نیز آپ عشاء کی نماز لوگوں کے ہمراہ (مسجد میں) پڑھتے اور پھر میرے گھر تشریف لاکر دو رکعت نماز پڑھتے اور آپ رات میں (تہجد کی) نماز (کبھی) نو رکعت پڑھا کرتے تھے ان میں وتر (کی نماز بھی) شامل ہوتی اور رات میں دیر تک کھڑے ہوکر اور دیر تک بیٹھ کر نماز پڑھا کرتے تھے اور جس وقت آپ کھڑے ہوکر نماز پڑھتے تو کھڑے ہی کھڑے رکوع و سجود میں چلے جایا کرتے تھے اور جب بیٹھ کر نماز پڑھتے تو بیٹھے ہی بیٹھے رکوع و سجود میں جایا کرتے تھے اور جب صبح صادق ہوتی تو دو رکعت فجر کی سنت پڑھ لیتے تھے۔'' (مسلم) اور ابوداؤد نے یہ الفاظ مزید نقل کئے ہیں کہ ''(فجر کی دو سنتیں پڑھ کر) پھر آپ (مسجد) تشریف لے جاتے اور وہاں لوگوں کے ہمراہ فجر کی فرض نماز ادا فرماتے۔''

توضیح: ''ثم یدخل'' اس حدیث میں واضح طور پر بیان کیا گیا ہے کہ آنحضرت ﷺ سنتیں پڑھنے کے لئے اہتمام کے ساتھ بار بار گھر تشریف لیجاتے تھے اس سے یہ مسئلہ واضح ہوگیا کہ افضل یہی ہے کہ سنتیں گھر میں پڑھی جائیں اگرچہ مسجد میں نوافل پڑھنا جائز ہے اور حضور اکرم ﷺ سے ثابت ہے لیکن گھر میں نوافل پڑھنے کا ایک فائدہ یہ ہے کہ حضور اکرم ﷺ کی سنت پر عمل ہو جائے گا دوسرا فائدہ یہ کہ گھر میں اس عبادت سے برکت آجائے گی تیسرا فائدہ یہ کہ بچے اور عورتیں دیکھ کر ان میں نماز کی رغبت و عادت پیدا ہوگی اور گھر میں نماز کا ماحول پیدا ہوگا۔ [2]

[1] اخرجہ مسلم: ۲/۱۶۲ و ابوداؤد: ۹۵۵ [2] المرقات: ۳/۲۲۲

"تسع رکعات" یہاں نو رکعات کا تذکرہ ہے احناف کے ہاں اس میں چھ رکعات تہجد کی ہیں اور تین رکعات وتر کی ہیں آنحضرت ﷺ کی رات کی تہجد کی نماز میں رکعات کی تعداد میں مختلف روایات ہیں ایک میں چھ کا تذکرہ ہے اسی طرح نو اور دس کا تذکرہ بھی ہے اور گیارہ اور تیرہ کا ذکر بھی ہے تو اس میں کوئی منافات نہیں ہے کیونکہ آپ نے مختلف اوقات میں مختلف انداز سے تہجد پڑھے ہیں۔ [1]

"رکع وسجد وھو قائم" اس جملہ کے سمجھنے کے لئے پہلے یہ سمجھا جائے کہ آنحضرت ﷺ کے تہجد پڑھنے کے تین طریقے تھے۔ ① مکمل نماز کھڑے ہوکر پڑھتے تھے ② مکمل نماز بیٹھ کر پڑھتے تھے ③ قرأت بیٹھ کر کرتے اور پھر کھڑے ہوکر رکوع میں جاتے اور پھر سجدہ میں جاتے زیر بحث حدیث میں اس تیسری صورت کے عکس کی نفی ہے جو درحقیقت چوتھی صورت ہے یعنی آپ ﷺ اس طرح نماز نہیں پڑھتے تھے کہ قرأت تو کھڑے ہوکر کی ہو اور پھر بیٹھ کر سجدہ کیا ہو اور کچھ جھک کر بیٹھنے کی حالت میں رکوع کیا ہو اسی صورت کی نفی اس حدیث میں مقصود ہے۔ [2]

فجر کی سنتوں کی تاکید اور فضیلت

﴿۵﴾ وعن عَائِشَةَ قَالَتْ لَمْ يَكُنِ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى شَيْءٍ مِنَ النَّوَافِلِ أَشَدَّ تَعَاهُداً مِنْهُ عَلَى رَكْعَتَيِ الْفَجْرِ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ) [3]

ترجمہ: اور ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ "نبی کریم ﷺ نوافل کے پڑھنے میں کسی کی ایسی محافظت اور مداومت نہیں فرماتے تھے جیسی کہ فجر کی (سنت کی) دو رکعت کے پڑھنے پر مداومت اور محافظت فرماتے تھے۔" (بخاری ومسلم)

﴿۶﴾ وعنها قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَكْعَتَا الْفَجْرِ خَيْرٌ مِنَ الدُّنْيَا وَمَا فِيْهَا۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ) [4]

ترجمہ: اور ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا راوی ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا فجر کی سنتوں کی دو رکعتیں دنیا اور دنیا کی تمام چیزوں سے زیادہ بہتر ہیں۔" (مسلم)

مغرب کی فرض نماز سے پہلے دو نفل پڑھنے کا حکم

﴿۷﴾ وعن عَبْدِ اللهِ ابْنِ مُغَفَّلٍ قَالَ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلُّوْا قَبْلَ صَلَاةِ الْمَغْرِبِ قَالَ فِي الثَّالِثَةِ لِمَنْ شَاءَ كَرَاهِيَةَ أَنْ يَتَّخِذَهَا النَّاسُ سُنَّةً۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ) [5]

---

[1] المرقات: ۳/۲۲۲ [2] المرقات: ۳/۲۲۲ [3] اخرجه البخاری: ۲/۷۱ ومسلم: ۲/۱۶۰

[4] اخرجه ومسلم: ۲/۱۶۰ [5] اخرجه البخاری: ۲/۷۴، ۹/۱۳۸

ترجمہ: اور حضرت عبداللہ ابن مغفل رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا "مغرب کی فرض نماز سے پہلے (دو رکعتیں) نماز پڑھو" (آپ نے یہ الفاظ دو مرتبہ فرمائے اور پھر) بوجہ اس بات کے مکروہ سمجھنے کے کہ لوگ انہیں سنت نہ قرار دے دیں تیسری مرتبہ یہ فرمایا کہ "جو چاہے (پڑھ لیا کرے) (بخاری و مسلم)

توضیح: "صلوا" یعنی مغرب کی اذان کے بعد فرض پڑھنے سے پہلے دو رکعت پڑھا کرو لیکن ضروری نہیں کہ ہر شخص ایسا کرے۔

مغرب کی فرض نماز سے پہلے دو رکعت پڑھنے نہ پڑھنے کے بارے میں تین قسم کی روایات موجود ہیں۔

❶ اول وہ روایات ہیں جس میں پڑھنے کا بیان ہے۔

❷ دوم وہ روایات ہیں جس میں نہ پڑھنے کا ذکر ہے۔

❸ سوم وہ روایات ہیں جس میں دونوں میں اختیار دیا گیا ہے اسی وجہ سے فقہاء کرام کے درمیان کچھ اختلاف آیا ہے۔ [۱]

فقہاء کرام کا اختلاف:

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کے نزدیک یہ دو رکعت مستحب ہیں حالانکہ موجودہ عرب اس کو فرض کی طرح ضروری سمجھتے ہیں۔

جمہور کے نزدیک ان دو رکعتوں کا درجہ استحباب کا نہیں بلکہ صرف اباحت کا ہے اور اس شرط کے ساتھ اس کا پڑھنا مباح ہے کہ مغرب کی نماز کے فوت ہونے کا خطرہ بھی نہ ہو اور اس میں تاخیر بھی نہ آتی ہو، حضور اکرم ﷺ نے نہ صحابہ کو اس سے روکا ہے اور نہ حکم دیا ہے بلکہ صحابہ کو اپنے اختیار پر چھوڑا ہے لہٰذا یہاں استحباب کی دلیل بھی موجود نہیں ہے اس مسئلہ کی تفصیل باب فضل الاذان حدیث نمبر ۹ کے تحت ہو چکی ہے۔

ملا علی قاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ کئی احادیث ان دو رکعتوں کے پڑھنے سے متعلق وارد ہیں لہٰذا یہ دو رکعت مستحب ہیں جیسا کہ احمد بن حنبل اور اسحاق بن راہویہ رحمہما اللہ تعالیٰ کا مسلک ہے فرماتے ہیں **والاصح مستحب**۔

(مرقات ج۳ ص ۱۱۲) [۲]

بہتر یہی ہے کہ جہاں پڑھنے کا موقع ملتا ہے تو پڑھنا چاہیے نفل کا ثواب ہوگا اور جہاں موقع نہیں تو موقع بنانے کی ضرورت نہیں ہے نہ پڑھے جیسا کہ ہندوستان پاکستان میں نہیں ہو رہا، سلفی عرب نے اس کو واجب یا فرض کے درجہ میں سمجھ لیا ہے حالانکہ وہ سنن مؤکدہ کی پرواہ نہیں کرتے۔

---

[۱] المرقات: ۲/۲۲۵ [۲] المرقات: ۲/۲۲۵

مورخہ ۱۲ جمادی الاول ۱۴۱۰ھ

نماز جمعہ سے پہلے اور اس کے بعد کتنی سنتیں ہیں؟

﴿۸﴾ وعن أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ كَانَ مِنْكُمْ مُصَلِّياً بَعْدَ الْجُمُعَةِ فَلْيُصَلِّ أَرْبَعاً۔ (رواه مسلم، وفي أخرى له إذا صلى أحدكم الجمعة فليصل بعدها أربعاً) [۱]

ترجمہ: اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا "تم میں سے جو شخص جمعہ (کی فرض نماز) کے بعد نماز پڑھنے والا ہو تو اسے چاہئے کہ وہ چار رکعت پڑھے۔" (مسلم) اور مسلم ہی کی ایک دوسری روایت کے الفاظ یہ ہیں کہ آپ نے فرمایا "جب تم میں سے کوئی شخص جمعہ کی نماز پڑھے تو اسے چاہئے کہ وہ اس کے بعد چار رکعت سنتیں بھی پڑھے"

توضیح: "مصليا بعد الجمعة" یہاں دو بڑے مسائل ہیں اور دونوں میں فقہاء کا اختلاف ہے ایک مسئلہ یہ ہے کہ نماز جمعہ سے پہلے کتنی سنتیں ہیں اور دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ اس کے بعد سنتوں کی تعداد کتنی ہے۔

فقہاء کرام کا اختلاف:

علامہ ابن قیم اور اہل ظواہر کے نزدیک جمعہ سے پہلے چار رکعات پڑھنا بدعت ہے ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے اس مسئلہ کی حمایت میں زوردار قلم استعمال کیا ہے۔ [۲]

چاروں ائمہ اور تمام فقہاء کرام فرماتے ہیں کہ جس طرح **سنن بعد الجمعہ** چار رکعات ثابت ہیں اسی طرح **قبل الجمعہ** بھی چار رکعات ثابت ہیں۔ [۳]

دلائل:

اہل ظواہر غیر مقلدین اور علامہ ابن قیم و ابن تیمیہ اپنے استدلال میں فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے عہد مبارک میں جمعہ کے لئے ایک اذان ہوتی تھی اور وہ اذان اس وقت ہوتی تھی جب حضور اکرم ﷺ کا خطبہ شروع ہوتا تھا اور خطبہ سے پہلے چار سنتوں کے پڑھنے کے لئے وقت ہی نہیں تو کیسے پڑھیں گے؟ پھر جب خطبہ ختم ہوجاتا ہے اس وقت بھی سنت پڑھنے کا موقع نہیں جب چار رکعات پڑھنے کے لئے وقت ہی نہیں تو پڑھنا ثابت نہیں جب ثابت نہیں تو بدعت ہے۔

جمہور کے پاس کئی دلائل ہیں ① ان کی پہلی دلیل حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے جس کو امام طحاوی رحمہ اللہ نے مشکل الآثار میں نقل کیا ہے جس کے الفاظ یہ ہیں "**من كان منكم مصليا فليصل قبلها اربعا وبعدها اربعا**"۔ ② ان کی دوسری دلیل حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث ہے جس کو ابن ماجہ نے نقل کیا ہے جس کے الفاظ یہ ہیں "**قال كان النبي صلى الله عليه وسلم يركع قبل الجمعة اربع ركعات لايفصل بينهن بشيئ**" یہ

---

[۱] اخرجه ومسلم: ۲/۱۶ [۲] المرقات: ۳/۲۳۶ [۳] المرقات: ۳/۲۳۶

دونوں روایتیں سنن قبل الجمعہ پر صریح دلالت کرتی ہیں۔ ③ اسی طرح جن روایات میں قبل الزوال چار رکعات پڑھنے کا ذکر ہے وہ بھی جمہور کے لئے دلیل ہیں کیونکہ وہ بھی سنن قبل الجمعہ کو شامل ہیں اسی طرح جن روایات میں ظہر کی نماز سے پہلے چار سنن کا ذکر ہے اس سے بھی جمہور استدلال کرتے ہیں کیونکہ جمعہ کی نماز ظہر کی نماز کا بدل اور اس کا قائم مقام ہے جب ظہر کی نماز سے پہلے چار سنتوں کا واضح طور پر ثبوت ہے تو جمعہ سے پہلے بھی چار رکعات کا ثبوت مل جائے گا کیونکہ دونوں کا وقت بھی ایک ہے اسی طرح حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ اور عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے آثار منقول ہیں جس میں چار رکعات کا ثبوت ہے اور ترمذی میں اس کو نقل کیا گیا ہے۔[1]

خلاصہ یہ ہے کہ جب چار سنن قبل الجمعہ پر احادیث بھی موجود ہیں تعامل صحابہ اور ان کے آثار بھی موجود ہیں اور فقہاء کرام کا اس پر اتفاق بھی موجود ہے تو پھر اس کو بدعت کہنا مناسب نہیں ہے۔

جواب: اہل ظواہر اور ان کے موافقین حضرات کی دلیل کا جواب یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ گھر سے مسجد کے لئے بعد زوال تشریف لاتے تھے اور پھر منبر پر بیٹھ کر خطبہ کے لئے اذان ہوتی تھی تو بعد زوال گھر سے نکلنے اور منبر پر بیٹھنے کے درمیان اتنا وقفہ ضرور ہوگا جس میں چار رکعات پڑھی جاسکیں خاص کر جب صحابہ سویرے سویرے جمعہ کے لئے مسجد میں جمع ہو کر تیار بیٹھے رہتے تھے بعد میں جب مشاغل بڑھ گئے تو حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں جمعہ کے لئے ایک اور اذان شروع ہوگئی جو آج کل اذان اول کہلاتی ہے فقہاء نے اسی اذان کے بعد جمعہ کے دن خرید و فروخت کو ناجائز قرار دیا ہے آج کل غیر مقلدین اس اذان کو بھی بدعت کہتے ہیں اللہ ان کو ہدایت دے۔

محاکمہ و فیصلہ:

"بَعْدَ اللَّتَيَّا وَالَّتِي" اس مسئلہ میں کچھ اختلاف آ گیا کچھ عمومات سے استدلال کیا گیا ہے اس لئے اس مسئلہ میں کچھ نرمی آ گئی اور ان سنتوں کی تاکید و تاکد میں کچھ فرق آ گیا لہٰذا اگر کسی شخص سے جمعہ سے پہلے چار سنتیں رہ گئیں تو نماز جمعہ کے بعد اس کا پڑھنا اور اعادہ کرنا نہیں ہے۔

نماز جمعہ کے بعد سنتوں کی تعداد

اب رہ گیا یہ مسئلہ کہ سنن بعد الجمعہ کی تعداد کتنی ہے آیا چار رکعتیں ہیں یا چھ رکعات ہیں اس میں فقہاء احناف کا آپس میں اختلاف ہے۔

فقہاء احناف کا اختلاف:

امام ابوحنیفہ اور امام محمد رحمہ اللہ کے نزدیک جمعہ کے بعد چار رکعات سنت ہیں امام شافعی رحمہ اللہ کا ایک قول بھی اسی طرح ہے امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے نزدیک نماز جمعہ کے بعد چھ رکعات سنت ہیں دو ایک سلام سے ہیں اور چار الگ سلام سے ہیں۔

---

[1] المرقات: ۳/۲۲

دلائل:

طرفین کی دلیل زیر بحث حدیث ہے جو اپنے مدعا پر واضح تر دلیل ہے جس میں "فلیصل اربعا" کے الفاظ نمایاں ہیں اسی حدیث کی ایک اور روایت میں اس طرح الفاظ مذکور ہیں۔ [1]

"اذا صلی احدکم الجمعة فلیصل بعدها اربعا" (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۲ ص ۱۳۳) امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل صحابہ کرام کے وہ تمام آثار ہیں جن میں چھ رکعتوں کا ذکر آیا ہے اور ان صحابہ کا اس پر عمل تھا چنانچہ ابن ابی شیبہ نے اپنی سندوں کیساتھ بیان کیا ہے اور کہا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت میں دو کا ذکر ہے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت میں چار کا ذکر ہے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی روایت میں چھ کا ذکر ہے حضرت عبدالرحمن سلمی سنن بعد الجمعہ کے بارے میں فرماتے ہیں۔

"علمنا ابن مسعود ان نصلی بعد الجمعة اربعا فلما قدم علی بن ابی طالب علمنا ستا"

تطبیق روایات

جن احادیث میں بعد الجمعہ دو سنتوں کا ذکر ہے وہ ادنی سنت پر محمول ہیں اور جن احادیث میں چار سنتوں کا ذکر ہے وہ کمال سنت پر محمول ہیں یعنی پہلے دو اور پھر چار تو کمال چھ تک پہنچ گیا مثلاً ایک شخص نے ایک سلام کے ساتھ دو سنت پڑھ لی تو دو سنت والی حدیث پر عمل ہو گیا پھر اس نے چار پڑھ لی تو چار سنت والی حدیث پر عمل ہو گیا اور جس نے چھ کا قول کیا ہے تو یہ مجموعہ چھ بھی ہے لہٰذا احادیث کے درمیان بھی تعارض نہیں اور احادیث کا آثار کے ساتھ بھی تعارض نہیں یہ اعداد ہیں یہ بھی ہو وہ بھی ہو ایک میں دوسرے کی نفی تو موجود نہیں ہے۔

بہر حال امام ابو حنیفہ اور امام محمد رحمہما اللہ تعالیٰ نے چار کو ترجیح دی ہے اور امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ نے چھ کو ترجیح دی ہے۔

عام مشائخ احناف نے چھ رکعتوں والے قول کو ترجیح دی ہے اور یہی احناف کے ہاں معمول بہ ہے لیکن چار کے بعد دو سنت زوائد ہیں۔

پھر یہ بحث چلی ہے کہ اگر چھ رکعات ہیں تو فرض کے بعد دو کو مقدم کر کے پڑھیں یا چار مقدم ہیں، تو احناف کے محققین علماء کا خیال ہے کہ دو کو مقدم کیا جائے متقدمین کا خیال ہے کہ چار کو مقدم کیا جائے یہ اولیٰ اور غیر اولیٰ کا مسئلہ ہے جائز دونوں ہیں۔

امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ نے چار کو مقدم کرنے کے قول کو راجح قرار دیا ہے کیونکہ ایک حدیث میں آیا ہے کہ کسی فرض نماز کے بعد اس کی ہمشکل نماز مناسب نہیں ہے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے بارے میں ہے:

"ان عمر کان یکره ان یصلی بعده صلوٰة الجمعة مثلها"۔ (کذا فی الطحاوی)

---

[1] المرقات: ۳/۲۳۶

الفصل الثانی

ظہر کی سنتوں کی فضیلت

﴿۹﴾ عن أُمِّ حَبِيْبَةَ قَالَتْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ مَنْ حَافَظَ عَلَى أَرْبَعِ رَكَعَاتٍ قَبْلَ الظُّهْرِ وَأَرْبَعٍ بَعْدَهَا حَرَّمَهُ اللهُ عَلَى النَّارِ. (رَوَاهُ أَحْمَدُ وَالتِّرْمِذِيُّ وَأَبُوْ دَاوٗدَ وَالنَّسَائِيُّ وَابْنُ مَاجَه)[1]

ترجمہ: حضرت ام حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے نبی کریم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جو شخص ظہر کی فرض نماز سے پہلے چار رکعت اور اس کے بعد چار رکعت کی محافظت کرتا ہے (یعنی انہیں پابندی سے بلاناغہ پڑھتا ہے) تو اللہ تعالیٰ اس پر (دوزخ کی) آگ حرام کر دیتا ہے (بایں طور کہ اسے مطلقاً دوزخ میں نہیں ڈالے گا یا یہ کہ اسے دوزخ میں ابدی طور پر نہیں رکھے گا) (احمد، ترمذی، ابوداؤد، نسائی، ابن ماجہ)

توضیح: "واربع بعدها" ظہر کی نماز کے بعد عام روایات میں دو رکعتوں کا ذکر ہے لیکن یہاں اس روایت میں چار کا بیان ہے اب اس میں دو احتمال ہیں ایک یہ کہ یہ چار رکعات دو سنتوں کے علاوہ ہیں ظاہری طور پر حدیث سے ثابت ہو رہا ہے کہ یہ چار رکعات دو سنت مؤکدہ کے علاوہ ہیں اور یہ مستحب اور نفل کے درجہ میں ہیں دوسرا احتمال یہ ہے کہ ظہر کے بعد کی دو سنتیں ان چار رکعات میں شامل ہیں ملا علی قاری رحمہ اللہ کے کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ ان چار رکعتوں میں ظہر کی دو سنتیں بھی شامل ہیں دو نفل اور دو سنت ہیں۔[2]

بہرحال بہتر یہ ہے کہ یہ چار رکعات دو سلاموں کے ساتھ ادا کی جائیں۔

﴿۱۰﴾ وعن أَبِي أَيُّوْبَ الْأَنْصَارِيِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَرْبَعٌ قَبْلَ الظُّهْرِ لَيْسَ فِيْهِنَّ تَسْلِيْمٌ تُفْتَحُ لَهُنَّ أَبْوَابُ السَّمَاءِ. (رَوَاهُ أَبُوْ دَاوٗدَ وَابْنُ مَاجَه)[3]

ترجمہ: اور حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ "نبی کریم ﷺ نے فرمایا ظہر سے پہلے کی وہ چار رکعتیں کہ جن (کے درمیان) میں سلام نہیں پھیرا جاتا (یعنی ان چار رکعتوں کے پڑھنے کے سلسلہ میں افضل یہی ہے کہ چاروں رکعتیں پوری کر کے آخر میں سلام پھیرا جائے) ان کیلئے آسمان کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں۔" (ابوداؤد، ابن ماجہ)

توضیح: "لیس فیهن تسلیم" یعنی ظہر کی نماز سے پہلے چار رکعات ایک سلام کے ساتھ پڑھنے کی اتنی بڑی فضیلت ہے کہ آسمانوں کے دروازے اور قبولیت اور رحمت کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں یہاں بھی یہ احتمال ہے کہ اس سے سنت مؤکدہ چار رکعات مراد ہوں یا زوال کے وقت کی چار رکعات نوافل ہوں، مختار یہی ہے کہ اس سے زوال شمس

[1] اخرجه النسائی: ۳/۲۶۵ [2] المرقات: ۳/۱۴۷ [3] اخرجه وابوداؤد: ۱۲۷۰ وابن ماجه: ۱۱۵۷

کے وقت چار رکعات نفل مراد ہیں زوال شمس کے وقت چار رکعات کی فضیلت آنے والی روایات سے بھی ثابت ہے لہٰذا زیر بحث روایت کو اسی پر حمل کرنا زیادہ مناسب ہوگا۔[1]

زوال کے وقت چار نفل پڑھنے کی فضیلت

﴿۱۱﴾ وعن عَبْدِ اللهِ بْنِ السَّائِبِ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّيْ أَرْبَعاً بَعْدَ أَنْ تَزُوْلَ الشَّمْسُ قَبْلَ الظُّهْرِ وَقَالَ إِنَّهَا سَاعَةٌ تُفْتَحُ فِيْهَا أَبْوَابُ السَّمَاءِ فَأُحِبُّ أَنْ يَصْعَدَ لِيْ فِيْهَا عَمَلٌ صَالِحٌ۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ)[2]

ترجمہ: اور حضرت عبداللہ ابن سائب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سورج ڈھلنے کے بعد اور ظہر سے پہلے چار رکعت نماز پڑھتے تھے اور فرمایا کرتے تھے کہ "یہ ایسا وقت ہے جس میں (نیک اعمال کے اوپر جانے کیلئے) آسمان کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں لہٰذا میں اسے محبوب رکھتا ہوں کہ اس وقت میرا نیک عمل اوپر جائے (ترمذی)

عصر کی نماز سے پہلے چار نوافل کی فضیلت

﴿۱۲﴾ وعن ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَحِمَ اللهُ امْرَأً صَلَّى قَبْلَ الْعَصْرِ أَرْبَعاً۔ (رَوَاهُ أَحْمَدُ وَالتِّرْمِذِيُّ وَأَبُوْ دَاوُدَ)[3]

ترجمہ: اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما راوی ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "اللہ تعالیٰ اس شخص پر رحمت نازل فرمائے جو عصر (کی فرض نماز) سے پہلے چار رکعت نماز پڑھے (احمد، ترمذی، ابوداؤد)

﴿۱۳﴾ وعن عَلِيٍّ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّيْ قَبْلَ الْعَصْرِ أَرْبَعَ رَكَعَاتٍ يَفْصِلُ بَيْنَهُنَّ بِالتَّسْلِيْمِ عَلَى الْمَلَائِكَةِ الْمُقَرَّبِيْنَ وَمَنْ تَبِعَهُمْ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ وَالْمُؤْمِنِيْنَ۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ)[4]

ترجمہ: اور امیر المؤمنین حضرت علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم عصر سے پہلے چار رکعت نماز پڑھتے تھے۔ اور ان کے درمیان مقرب فرشتوں اور ان کے بعد میں جو مسلمان اور مؤمنین ہیں سب پر سلام بھیج کر فرق کرتے تھے۔" (ترمذی)

توضیح: "التسليم على الملائكة" اس سلام سے مراد التحیات اور تشہد کا پڑھنا ہے مطلب یہ کہ چار رکعتوں کو ایک سلام سے پڑھتے تھے بیچ میں قعدہ اولیٰ ہوتا تھا عصر کی نماز سے پہلے ان سنن زوائد میں دو قسم کی

---

[1] المرقات: ۳/۱۶۵ [2] اخرجه الترمذی: ۴۷۸ [3] اخرجه احمد: ۲/۱۱۷ والترمذی: ۴۳۰ وابوداؤد: ۱۲۷۱ [4] اخرجه الترمذی: ۴۲۹،۴۲۴

روایات ہیں بعض میں چار رکعات کا ذکر ہے اور بعض میں دو رکعات کا ذکر ہے دونوں جائز ہے نمازی کی اپنی سہولت سے اس کا تعلق ہے۔ [1]

﴿۱۴﴾ وعنه قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّيْ قَبْلَ الْعَصْرِ رَكْعَتَيْنِ۔
(رَوَاهُ أَبُوْ دَاوُدَ) [2]

ترجمہ: امیر المؤمنین حضرت علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ عصر سے پہلے دو رکعت نماز پڑھتے تھے۔'' (ابوداؤد)

مغرب کی نماز کے بعد چھ رکعات پڑھنے سے بارہ سال کی عبادت کا ثواب

﴿۱۵﴾ وعن أَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ صَلَّى بَعْدَ الْمَغْرِبِ سِتَّ رَكَعَاتٍ لَمْ يَتَكَلَّمْ فِيْمَا بَيْنَهُنَّ بِسُوْءٍ عُدِلْنَ لَهُ بِعِبَادَةِ ثِنْتَيْ عَشْرَةَ سَنَةً۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ)
وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ غَرِيْبٌ لَا نَعْرِفُهُ إِلَّا مِنْ حَدِيْثِ عُمَرَ بْنِ أَبِيْ خَثْعَمٍ وَسَمِعْتُ مُحَمَّدَ بْنَ إِسْمَاعِيْلَ يَقُوْلُ هُوَ مُنْكَرُ الْحَدِيْثِ وَضَعَّفَهُ جِدًّا۔ [3]

ترجمہ: اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا ''جو شخص مغرب کی نماز پڑھ کر چھ رکعات (نفل اس طرح) پڑھے کہ ان کے درمیان کوئی فحش گفتگو نہ کرے تو ان رکعتوں کا ثواب اس کے لئے بارہ سال کی عبادت کے ثواب کے برابر ہو جائے گا۔

امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث کو نقل کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ حدیث غریب ہے کیونکہ ہم یہ حدیث سوائے **عمر ابن خثعم** کی سند کے (اور کسی سند سے) نہیں جانتے اور میں نے محمد ابن اسماعیل بخاری رحمۃ اللہ علیہ سے سنا وہ کہتے تھے کہ یہ (**عمر ابن خثعم**) منکر الحدیث ہے نیز انہوں نے اس حدیث کو بہت ضعیف کہا ہے۔

توضیح: ''سنتی عشرة سنة'' یعنی جس شخص نے مغرب کی نماز پڑھ لی اور پھر اس کے بعد چھ رکعات نماز پڑھ لی اس سے اس شخص کو بارہ سال کی عبادت کے برابر ثواب مل جائیگا مگر اس کی شرط یہ ہے کہ فرض اور ان نوافل کے درمیان کوئی فضول بات نہ کی ہو۔ ان چھ رکعتوں میں فرض کے بعد دو رکعت سنت مؤکدہ بھی شامل ہیں علماء لکھتے ہیں کہ پہلے دو سنتیں پڑھی جائیں اس کے بعد چار رکعات دو سلاموں یا ایک سلام سے پڑھی جائیں تو یہ ثواب حاصل ہو جائے گا حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ اس نماز کا نام صلوٰۃ اوابین ہے یہ صورت سب سے آسان ہے دوسری صورت یہ ہے کہ دو سنتوں کے بعد چھ سنت صلوٰۃ اوابین پڑھ لی جائیں اور تیسری صورت یہ ہے کہ بیس رکعات صلوٰۃ اوابین پڑھ لی جائیں۔ [4]

بہرحال زیر بحث حدیث میں جس ثواب کا ذکر کیا گیا ہے یہ انہیں چھ رکعات کی فضیلت ہے اس حدیث کو امام ترمذی نے

[1] المرقات: ۳/۲۲۹ [2] اخرجه ابوداؤد: ۱۲۷۲ [3] اخرجه الترمذی: ۴۳۵ [4] المرقات: ۲۴۹، ۲۵۰

بہت زیادہ ضعیف قرار دیا ہے لیکن علماء لکھتے ہیں کہ فضائل اعمال میں ضعیف روایت بھی قابل قبول ہے بشرطیکہ اس کے مقابلے میں کوئی صحیح حدیث نہ ہو یا شریعت کے کسی قاعدے سے اس کا تعارض نہ ہو۔

ویسے اس حدیث کو ابن خزیمہ نے اپنی صحیح میں قوی سند کے ساتھ نقل کیا ہے اور ابن ماجہ نے بھی اس کو نقل کیا ہے اور بعض صحابہ کا اس پر عمل رہا ہے۔

اوابین کی انتہائی تعداد بیس رکعت ہے

﴿۱۶﴾ وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ صَلَّى بَعْدَ الْمَغْرِبِ عِشْرِيْنَ رَكْعَةً بَنَى اللهُ لَهُ بَيْتًا فِي الْجَنَّةِ۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ)[۱]

ترجمہ: اور ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا راوی ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا "جو شخص مغرب کے بعد بیس رکعتیں (صلوٰۃ الاوابین) کی پڑھتا ہے اللہ تعالیٰ اس کیلئے بہشت میں گھر بناتا ہے" (ترمذی)

توضیح: یہ حدیث بھی اگرچہ ضعیف ہے مگر فضائل اعمال میں مقبول ہے نیز سلف صالحین کا اس پر عمل رہا ہے صلوٰۃ اوابین کی تعداد میں مختلف قسم کی روایات آئی ہیں جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ اوابین کی کم سے کم تعداد دو رکعت ہے اور اوسطاً چھ رکعت ہے اور انتہائی تعداد بیس رکعت ہے جس نے جتنا پڑھا اتنا ثواب ملے گا۔

عشاء کی سنتیں

﴿۱۷﴾ وعنها قَالَتْ مَا صَلَّى رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْعِشَاءَ قَطُّ فَدَخَلَ عَلَيَّ إِلَّا صَلَّى أَرْبَعَ رَكَعَاتٍ أَوْسِتَّ رَكَعَاتٍ۔ (رَوَاهُ أَبُوْ دَاوُدَ)[۲]

ترجمہ: اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ "نبی کریم ﷺ جب بھی (مسجد میں) عشاء (کی فرض) نماز پڑھ کر میرے پاس آتے تھے تو (سنت کی) چار رکعت یا چھ رکعت ضرور پڑھتے تھے۔" (ابوداود)

توضیح: "أوست رکعات" عشاء کی نماز کے بعد دو رکعت سنت مؤکدہ ہے جس کا ذکر مشہور روایات میں آیا ہے کچھ روایات میں چار رکعات کا ذکر ہے زیر بحث روایت میں چھ رکعات کا ذکر ہے جہاں چار کا ذکر ہے تو اس میں دو سنت مؤکدہ ہیں اور دو نفل ہیں اور جہاں چھ کا ذکر ہے تو وہاں دو سنت مؤکدہ ہیں چار نفل ہیں جس نے جتنا پڑھا اتنا ثواب پائے گا زیر بحث حدیث میں "او" کا لفظ یا شک کے لئے ہے اور یا تنویع کے لئے ہے۔[۳]

[۱] اخرجه [۲] اخرجه وابوداؤد: ۱۳۰۳ [۳] البرقات: ۲/۲۵۱

نماز فجر سے پہلے اور مغرب کے بعد سنتوں کی فضیلت

﴿۱۸﴾ وعن ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِدْبَارَ النُّجُوْمِ الرَّكْعَتَانِ قَبْلَ الْفَجْرِ وَاِدْبَارَ السُّجُوْدِ الرَّكْعَتَانِ بَعْدَ الْمَغْرِبِ۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ)[۱]

ترجمہ: اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما راوی ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا (تسبیح) ادبار النجوم سے فجر سے پہلے کی دو رکعتیں (یعنی فجر کی سنتیں) مراد ہیں اور (تسبیح) ادبار السجود سے مغرب کے بعد کی دو رکعتیں (یعنی مغرب کی سنتیں) مراد ہیں۔"

(ترمذی)

توضیح: "ادبار" پیچھے ہٹنے اور چلے جانے کو ادبار کہتے ہیں قرآن کریم میں سورۃ طور میں ایک آیت ہے[۲] یہاں ستاروں کے چلے جانے کا ذکر ہے یہ طلوع فجر کے وقت ہوتا ہے لہذا "**ادبار النجوم**" ستاروں کے چلے جانے کے بعد کی نماز سے فجر کی دو سنتیں مراد ہیں اسی طرح قرآن کریم میں سورۃ "ق" میں ایک آیت ہے {**ومن اللیل فسبحه وادبار السجود**}[۳] اس میں سجود سے مراد فرض نماز ہے اس فرض کے پڑھنے اور اس کے چلے جانے اور اس کے بعد پاکی بیان کرنے سے مراد مغرب کی دو رکعت سنت مؤکدہ ہیں۔

الفصل الثالث

﴿۱۹﴾ وعن عُمَرَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ اَرْبَعٌ قَبْلَ الظُّهْرِ بَعْدَ الزَّوَالِ تُحْسَبُ بِمِثْلِهِنَّ فِيْ صَلَاةِ السَّحَرِ وَمَا مِنْ شَيْءٍ اِلَّا وَهُوَ يُسَبِّحُ اللهَ تِلْكَ السَّاعَةَ ثُمَّ قَرَأَ يَتَفَيَّأُ ظِلَالُهُ عَنِ الْيَمِيْنِ وَالشَّمَائِلِ سُجَّدًا لِلّٰهِ وَهُمْ دَاخِرُوْنَ۔

(رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَالْبَيْهَقِيُّ فِيْ شُعَبِ الْاِيْمَانِ)[۴]

ترجمہ: امیر المؤمنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے نبی کریم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ ظہر سے پہلے اور سورج ڈھلنے کے بعد چار رکعت نماز (ثواب اور فضیلت میں) تہجد کے وقت چار رکعت نماز پڑھنے کے برابر ہوتی ہیں اور اس وقت (یعنی ظہر سے پہلے اور سورج ڈھلنے کے بعد) تمام چیزیں اللہ رب العزت کی پاکی کی تسبیح کرتی ہیں۔ پھر آپ نے یہ آیت تلاوت فرمائی:

يَتَفَيَّؤُا ظِلٰلُهٗ عَنِ الْيَمِيْنِ وَالشَّمَائِلِ سُجَّدًا لِلّٰهِ وَهُمْ دَاخِرُوْنَ (ترمذی، بیہقی)[۵]

---

[۱] اخرجه الترمذی: ۲۲۷۵ [۲] طور: ۴۹ [۳] سورۃ ق: ۴۰

[۴] اخرجه الترمذی: ۳۱۲ [۵] النحل الآیۃ: ۴۸

نمازِ عصر کے بعد دو رکعت پڑھنے کا حکم

﴿۲۰﴾ وعن عَائِشَةَ قَالَتْ مَاتَرَكَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَكْعَتَيْنِ بَعْدَ الْعَصْرِ عِنْدِیْ قَطُّ. (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ وَفِیْ رِوَايَةٍ لِلْبُخَارِیِّ قَالَتْ وَالَّذِیْ ذَهَبَ بِهٖ مَاتَرَكَهُمَا حَتّٰى لَقِیَ اللهَ) ۱

ترجمہ: اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ "نبی کریم ﷺ نے کبھی بھی میرے نزدیک (یعنی میرے گھر میں) عصر کے بعد دو رکعت (نماز پڑھنی) نہیں چھوڑی۔" (بخاری و مسلم)

توضیح: "بعد العصر" عصر کے بعد حضور اکرم ﷺ نے دو رکعت نماز پڑھی ہیں اس میں کوئی شک نہیں البتہ یہ حضور اکرم ﷺ کی خصوصیت تھی اس کا پڑھنا صرف حضور اکرم ﷺ کے لئے جائز تھا کسی اور کے لئے نہ اس کا حکم ہے نہ کسی کے لئے جائز ہے کیونکہ عصر کے بعد نفل نماز پڑھنے سے احادیث میں ممانعت آئی ہے حضرات صحابہ کو اس میں تردد ہوا کہ ممانعت کے باوجود آنحضرت ﷺ یہ دو رکعات خود کیوں پڑھتے تھے چنانچہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے حضور اکرم ﷺ سے اسی انداز میں سوال کیا کہ یا رسول اللہ آپ نے اس وقت نفل پڑھنے سے منع فرمایا ہے پھر آپ کیوں پڑھتے ہیں؟ ۲

حضور اکرم ﷺ نے جواب میں فرمایا کہ ایک دفعہ ظہر کے بعد کی دو رکعتیں بوجہ شغل رہ گئی تھیں تو میں نے عصر کے بعد پڑھ لیں۔ چونکہ حضور اکرم ﷺ جب کوئی عمل کسی وقت کرتے تھے آپ اس پر دوام فرماتے اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کو وہ عمل پسند آجاتا تھا یہی معاملہ عصر کے بعد دو نفلوں کے ساتھ ہوا کہ ابتداء میں ایک ضرورت کے تحت پڑھی گئیں پھر اختیار سے پڑھنا شروع کیا یہ امت کا کام نہیں حضور اکرم ﷺ کی خصوصیت تھی، اس سے عرب کے سلفیوں کو تنبیہ ہوتی ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے سنتوں کا کتنا اہتمام فرمایا اور یہ لوگ کس طرح سنتوں کو پامال کرتے ہیں۔

مورخہ ۱۳ جمادی الاول ۱۴۱۰ھ

اذانِ مغرب کے بعد دو نفل پڑھنے کا حکم

﴿۲۱﴾ وعن الْمُخْتَارِ بْنِ فُلْفُلٍ قَالَ سَأَلْتُ أَنَسَ بْنَ مَالِكٍ عَنِ التَّطَوُّعِ بَعْدَ الْعَصْرِ فَقَالَ كَانَ عُمَرُ يَضْرِبُ الْأَيْدِیْ عَلٰى صَلَاةٍ بَعْدَ الْعَصْرِ وَكُنَّا نُصَلِّیْ عَلٰى عَهْدِ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَكْعَتَيْنِ بَعْدَ غُرُوْبِ الشَّمْسِ قَبْلَ صَلَاةِ الْمَغْرِبِ فَقُلْتُ لَهٗ أَكَانَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّيْهِمَا قَالَ كَانَ يَرَانَا نُصَلِّيْهِمَا فَلَمْ يَأْمُرْنَا وَلَمْ يَنْهَنَا. (رَوَاهُ مُسْلِمٌ) ۳

۱ اخرجه البخاری: ۱/۱۵۳ ومسلم: ۲/۲۱۱ ۲ المرقات: ۳/۲۵۳ ۳ اخرجه ومسلم: ۲/۲۱۱

ترجمہ: اور حضرت مختار ابن فلفل فرماتے ہیں کہ میں نے (ایک دن) حضرت انس رضی اللہ عنہ سے عصر کے بعد نفل نماز پڑھنے کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے فرمایا کہ ''(اس معاملہ میں) امیر المومنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ (کا تو اتنا سخت رویہ تھا کہ وہ) عصر کے بعد نفل نماز کی نیت باندھنے والے کے ہاتھ پر مارتے تھے (یعنی انتہائی سختی اور شدت سے اس وقت نماز پڑھنے سے منع کرتے تھے) اور ہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ مبارک میں آفتاب غروب ہونے کے بعد اور مغرب کی نماز سے پہلے دو رکعتیں پڑھا کرتے تھے۔ (یہ سن کر) میں نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ ''کیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی یہ دو رکعتیں پڑھا کرتے تھے......؟'' انہوں نے فرمایا آپ ہمیں نماز پڑھتے دیکھتے تھے لیکن ہمیں اس کے پڑھنے کا نہ تو حکم دیتے تھے اور نہ ہمیں اس کے پڑھنے سے منع فرماتے تھے''۔ (مسلم)

توضیح: اگر مغرب کی نماز میں تاخیر آتی ہو تو یہ دو رکعت پڑھنا مناسب نہیں ہے چنانچہ خلفاء راشدین کا معمول نہ پڑھنے کا تھا اور اگر تاخیر نہ آتی ہو اور علاقے کے لوگوں کے لئے باعث تشویش والتباس نہ ہو اور وقت موجود ہو تو پھر پڑھنا چاہئے احادیث میں اختیار ہے تو اختیار میں کوئی جبر نہیں ہے جو پڑھے گا ثواب پائے گا جو نہیں پڑھے گا مجرم نہیں بنے گا یہ مسئلہ پہلے تفصیل سے بیان کیا جاچکا ہے۔[1]

﴿۲۲﴾ وعن أَنَسٍ قَالَ كُنَّا بِالْمَدِيْنَةِ فَإِذَا أَذَّنَ الْمُؤَذِّنُ لِصَلَاةِ الْمَغْرِبِ ابْتَدَرُوْا السَّوَارِيَ فَرَكَعُوْا رَكْعَتَيْنِ حَتّٰى أَنَّ الرَّجُلَ الْغَرِيْبَ لَيَدْخُلُ الْمَسْجِدَ فَيَحْسِبُ أَنَّ الصَّلَاةَ قَدْ صُلِّيَتْ مِنْ كَثْرَةِ مَنْ يُصَلِّيْهِمَا۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)[2]

ترجمہ: اور حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ''ہم مدینہ میں تھے (اس وقت یہ حال تھا کہ) جب موذن مغرب کی اذان دیتا تو (بعض صحابہ یا تابعین) مسجد کے ستونوں کی طرف دوڑتے اور دو رکعت نماز پڑھنے لگتے، یہاں تک کہ کوئی مسافر شخص اگر مسجد میں آتا تو اکثر لوگوں کو (تنہا تنہا) دو رکعت نماز پڑھتے ہوئے دیکھ کر یہ گمان کرتا کہ نماز ہو چکی ہے (اور اب لوگ سنتیں پڑھ رہے ہیں)۔ (مسلم)

﴿۲۳﴾ وعن مِرْثَدِ بْنِ عَبْدِ اللهِ قَالَ أَتَيْتُ عُقْبَةَ الْجُهَنِيَّ فَقُلْتُ أَلَا أُعْجِبُكَ مِنْ أَبِيْ تَمِيْمٍ يَرْكَعُ رَكْعَتَيْنِ قَبْلَ صَلَاةِ الْمَغْرِبِ فَقَالَ عُقْبَةُ إِنَّا كُنَّا نَفْعَلُهُ عَلٰى عَهْدِ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قُلْتُ فَمَا يَمْنَعُكَ الْآنَ قَالَ الشُّغْلُ۔ (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)[3]

ترجمہ: اور حضرت مرثد ابن عبد اللہ کہتے ہیں کہ میں حضرت عقبہ جہنی رضی اللہ عنہ (صحابی) کی خدمت میں حاضر ہوا اور ان سے عرض کیا کہ ''کیا میں آپ کو ابو تمیم (تابعی) کا ایک تعجب انگیز فعل نہ بتاؤں؟ (وہ یہ کہ) ابو تمیم مغرب کی نماز سے پہلے دو رکعت نماز

[1] المرقات: ۳/۲۵۴ [2] اخرجہ ومسلم: ۲/۲۱۲ [3] اخرجہ البخاری: ۲/۷۴

(نفل) پڑھتے ہیں......؟ حضرت عقبہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ "یہ نماز تو ہم (میں سے بعض صحابہ رضی اللہ عنہم کبھی کبھی) آنحضرت ﷺ کے زمانہ میں بھی پڑھا کرتے تھے۔" جب میں نے پوچھا کہ "پھر یہ نماز پڑھنے سے آپ کو کس چیز نے روک رکھا ہے۔"؟ تو فرمایا کہ دنیا کی مشغولیت نے (بخاری)

نفل نماز گھروں میں پڑھنا افضل ہے

﴿۲۴﴾ وعن كَعْبِ بْنِ عُجْرَةَ قَالَ اِنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَتٰى مَسْجِدَ بَنِيْ عَبْدِ الْأَشْهَلِ فَصَلّٰى فِيْهِ الْمَغْرِبَ فَلَمَّا قَضَوْا صَلَاتَهُمْ رَاٰهُمْ يُسَبِّحُوْنَ بَعْدَهَا فَقَالَ هٰذِهٖ صَلَاةُ الْبُيُوْتِ.

(رَوَاهُ أَبُوْ دَاوُدَ وَفِيْ رِوَايَةِ التِّرْمِذِيِّ وَالنَّسَائِيِّ قَامَ نَاسٌ يَتَنَفَّلُوْنَ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَيْكُمْ بِهٰذِهِ الصَّلَاةِ فِي الْبُيُوْتِ)[1]

ترجمہ: اور حضرت کعب ابن عجرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ (ایک روز) نبی کریم ﷺ (انصار کے ایک قبیلہ) بنی عبد الاشہل کی مسجد میں تشریف لائے اور وہاں مغرب کی (فرض اور سنت) نماز پڑھی، جب (بعض) لوگ (اپنی فرض) نماز پڑھ چکے تو آنحضرت ﷺ نے دیکھا کہ وہ فرض نماز ادا کرنے کے بعد نفل نماز (یعنی مغرب کی سنتیں بھی وہیں) پڑھ رہے ہیں آنحضرت ﷺ نے (دیکھ کر) فرمایا کہ "یہ (یعنی مغرب کی سنت یا مطلقاً نفل نماز) گھر میں پڑھنے کی ہے۔" (ابوداود)

توضیح: "هذه صلوٰة البيوت" یعنی نوافل وسنن ایسی نمازیں ہیں جو گھروں میں جا کر پڑھنا افضل اور اولیٰ ہے اگرچہ مسجد میں پڑھنا جائز ہے نبی کریم ﷺ نے مسجد میں مغرب کی نماز پڑھی اور پھر سنتیں مسجد ہی میں ادا فرمائی جیسا کہ آئندہ حدیث نمبر ۲۵ میں آرہا ہے بعض علماء نے لکھا ہے کہ اگر گھر میں جانے سے کسی مشغولیت سے سنن کے رہ جانے یا بھول جانے کا خطرہ ہو تو پھر مسجد ہی میں پڑھنا چاہئے اگر کوئی ایسی صورت نہ ہو تو گھر پر پڑھنے میں کئی فوائد ہیں ایک فائدہ یہ کہ بچوں کو نماز کا شوق پیدا ہوگا، ان کو نماز کا عملی نقشہ معلوم ہو جائے گا، نماز سے گھر میں برکت آئے گی، رحمت خداوندی کا نزول ہوگا، مسجد کے لئے جگہ بنے گی اور ہر وقت نماز کے پڑھنے کا موقع فراہم ہوگا اور سب سے بڑھ کر یہ کہ حضور اکرم ﷺ کے استحبابی فرمان پر عمل ہو جائے گا۔[2]

سنتوں کے بعد اجتماعی دعا ثابت نہیں

﴿۲۵﴾ وعن ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُطِيْلُ الْقِرَاءَةَ فِي الرَّكْعَتَيْنِ بَعْدَ الْمَغْرِبِ حَتّٰى يَتَفَرَّقَ أَهْلُ الْمَسْجِدِ. (رَوَاهُ أَبُوْ دَاوُدَ)[3]

[1] اخرجه وابوداؤد: ۱۳۰۰ والترمذی: ۶۰۴ والنسائی: ۳/۱۹۸ [2] المرقات: ۲/۲۵۶ [3] اخرجه وابوداؤد: ۱۳۰۱

ترجمہ: اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ مغرب (کی فرض نماز) کے بعد دو رکعت (سنت میں کبھی اتنی) طویل قرأت فرماتے تھے کہ مسجد کے لوگ (اپنی اپنی نمازوں سے فارغ ہوکر) چلے جاتے تھے۔ (ابوداؤد)

توضیح: "حتی یتفرق اهل المسجد" اس حدیث سے کئی باتیں ثابت ہوتی ہیں ایک یہ کہ آنحضرت ﷺ سے مسجد میں سنت ادا کرنا ثابت ہے اور یہ جائز ہے پھر اس علت کو تلاش کرنے کی کوئی ضرورت نہیں کہ آپ نے کس مجبوری سے مسجد میں سنت پڑھی تھی اس حدیث سے دوسری بات یہ ثابت ہوئی کہ مغرب کی سنتوں میں کبھی کبھی طویل قرأت پڑھنا بھی جائز ہے۔ اس حدیث سے تیسری بات یہ ثابت ہوجاتی ہے کہ آنحضرت ﷺ کبھی کبھی مغرب کی سنت مسجد میں پڑھا کرتے تھے اور قرأت اتنی لمبی ہوجاتی تھی کہ محلہ کے لوگ مسجد سے گھروں کو چلے جاتے اس سے صاف واضح ہوجاتا ہے کہ سنتوں کے بعد ہیئت اجتماعیہ کے ساتھ بالالتزام دعا مانگنا بدعت ہے کیونکہ یہ ناممکن اور نامعقول بات ہے کہ لوگ اجتماعی دعا مانگنے کے لئے گھروں سے پھر مسجد میں آکر سنتوں کے بعد دعا مانگتے ہونگے زیر بحث حدیث ایک حق بین اور حق پرست آدمی کے لئے کافی ہدایت ہے۔[1]

مفتی الہند مفتی محمد کفایت اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب "نفائس مرغوبہ" میں دعا بعد سنت کے متعلق بہت عمدہ تحقیق فرمائی اور اس اجتماعی التزامی صورت کو بدعت لکھا ہے اور اس پر مختلف ممالک کے ایک سو علماء کے دستخط لیے ہیں۔ بہر حال عام احادیث سے ثابت ہے کہ سنت گھروں میں پڑھنا افضل ہے قرآن فہمی اور حدیث دانی کے لئے مفسرین اور محدثین اور فقہاء کی تصریحات وتشریحات کی ضرورت ہے کسی جدید دور کے خواہش پرست آدمی کی بے جا تاویلات اور تشریحات کافی نہیں ہیں۔
علماء نے لکھا ہے:

"الاستدلال بالعمومات عند وجود السنة المخصوصة باطل"

یعنی جب حضور اکرم ﷺ کا خصوصی مسنون طریقہ موجود ہو تو دعا کے فضائل والی عمومی نصوص سے استدلال کرنا باطل ہے مثلاً ایک شخص کہتا ہے کہ دعا کی بڑی فضیلت ہے لہٰذا اجتماعی طور پر سنتوں کے بعد دعا مانگو یہ باطل نظریہ ہے ہاں کبھی کسی وقت کسی خاص داعیہ کے تحت اگر کوئی شخص دعا کی درخواست کرے اور مسلمان مانگیں تو وہ نادر صورت الگ چیز ہے باقی نور الایضاح نے جو کچھ بیان کیا ہے وہ ادعیہ بعد الفرائض اور اذکار بعد الفرائض کا بیان ہے اس سے سنتوں کے بعد دعا کا ثابت کرنا انصاف کے خلاف ہے زیر بحث حدیث کو نہیں بھولنا چاہئے جس میں یہ بیان ہے کہ آنحضرت ﷺ کی سنتیں اتنی طویل ہوگئی تھیں کہ اہل محلہ گھروں میں چلے گئے جب سب لوگ گھروں کو چلے گئے تو سنتوں کے بعد دعا کب اور کیسے ہوئی؟

---

[1] المرقات: ۲/۲۵۶

فرض کے بعد متصل سنت پڑھنے کی وجہ

﴿۲۶﴾ وعن مَكْحُوْلٍ يَبْلُغُ بِهِ أَنَّ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ صَلَّى بَعْدَ الْمَغْرِبِ قَبْلَ أَنْ يَتَكَلَّمَ رَكْعَتَيْنِ وَفِيْ رِوَايَةٍ أَرْبَعَ رَكَعَاتٍ رُفِعَتْ صَلَاتُهُ فِيْ عِلِّيِّيْنَ مُرْسَلاً۔ [1]

ترجمہ: اور حضرت مکحول (تابعی) اس روایت کو آنحضرت تک پہنچاتے ہیں (یعنی آنحضرت سے بطریق ارسال روایت کرتے ہیں) کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا "جو شخص مغرب کی (فرض یا سنت مؤکدہ) نماز پڑھ کر (دنیاوی) گفتگو کرنے سے پہلے دو رکعت اور ایک روایت میں ہے کہ چار رکعت نماز پڑھے۔ تو اس کی یہ نماز علیین میں پہنچائی جاتی ہے۔

﴿۲۷﴾ وَعَنْ حُذَيْفَةَ نَحْوَهُ وَزَادَ فَكَانَ يَقُوْلُ عَجِّلُوا الرَّكْعَتَيْنِ بَعْدَ الْمَغْرِبِ فَإِنَّهُمَا تَرْفَعَانِ مَعَ الْمَكْتُوْبَةِ۔ (رَوَاهُمَا رَزِيْنٌ وَرَوَى الْبَيْهَقِيُّ الزِّيَادَةَ عَنْهُ نَحْوَهَا فِيْ شُعَبِ الْإِيْمَانِ) [2]

ترجمہ: اور حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے (بھی) اسی طرح (یعنی اوپر والی حدیث) مروی ہے لیکن ان کی روایت میں یہ الفاظ بھی ہیں کہ آنحضرت ﷺ فرماتے تھے کہ تم لوگ مغرب کے بعد دو رکعت (سنتیں) جلدی پڑھ لیا کرو کیونکہ وہ (دونوں رکعتیں) فرضوں کے ساتھ اوپر (علیین میں) پہنچائی جاتی ہیں۔" یہ دونوں روایتیں رزین نے نقل کی ہیں اور بیہقی نے حذیفہ رضی اللہ عنہ کے زائد الفاظ کو اسی طرح شعب الایمان میں نقل کیا ہے۔

توضیح: اوپر والی حدیث میں جو علیین کا ذکر آیا ہے تو جاننا چاہئے کہ علیین ساتوں آسمانوں کے اوپر ایک مقام کا نام ہے جس میں مؤمنین کی ارواح ہوتی ہیں اور ان کے اچھے اعمال وہاں پہنچا کر لکھے جاتے ہیں زیر بحث حدیث کا مطلب یہی ہے کہ فرشتے جب فرائض کو اٹھاتے ہیں تو اس کے ساتھ سنن ونوافل کو بھی اٹھا کر لے جاتے ہیں لہٰذا تم فرض کے بعد جلدی سے سنت پڑھا کرو دیر نہ کرو تا کہ فرشتے دونوں قسم کے اعمال کو اٹھا کر چلے جائیں نیز فرائض کی تکمیل کے لئے سنت پڑھی جاتی ہیں لہٰذا یہ ان کے ساتھ ہونا بہتر ہے احناف نے اسی قسم کی روایات سے استدلال کر کے سنتوں کو جلدی پڑھنے کا کہا ہے۔ لیکن اس سے عوام الناس نے اس قدر جلدی شروع کر دی کہ سلام پھیرتے ہی کھڑے ہو جاتے ہیں حالانکہ یہ ناجائز اور منع ہے حضور اکرم ﷺ کے سامنے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک شخص کو بٹھا دیا اور فرمایا کہ یہ اہل کتاب کا طریقہ ہے لہٰذا مسلمانوں کو چاہئے کہ فرائض کے بعد ضروری اذکار پڑھ کر کچھ تاخیر کے ساتھ سنتیں پڑھا کریں۔ [3]

فرض اور سنت کے درمیان کچھ فاصلہ ہونا چاہئے

﴿۲۸﴾ وعن عُمَرَ وبْنِ عَطَاءٍ قَالَ إِنَّ نَافِعَ بْنَ جُبَيْرٍ أَرْسَلَهُ إِلَى السَّائِبِ يَسْأَلُهُ عَنْ شَيْءٍ رَآهُ مِنْهُ

---

[1] اخرجه [2] اخرجه [3] المرقات: ۳/۲۵۷

مُعَاوِيَةُ فِي الصَّلَاةِ فَقَالَ نَعَمْ صَلَّيْتُ مَعَهُ الْجُمُعَةَ فِي الْمَقْصُوْرَةِ فَلَمَّا سَلَّمَ الْإِمَامُ قُمْتُ فِي مَقَامِيْ فَصَلَّيْتُ فَلَمَّا دَخَلَ أَرْسَلَ إِلَيَّ فَقَالَ لَا تَعُدْ لِمَا فَعَلْتَ إِذَا صَلَّيْتَ الْجُمُعَةَ فَلَا تَصِلْهَا بِصَلَاةٍ حَتّٰى تَكَلَّمَ أَوْ تَخْرُجَ فَإِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَمَرَنَا بِذٰلِكَ أَنْ لَا نُوْصِلَ بِصَلَاةٍ حَتّٰى نَتَكَلَّمَ أَوْ نَخْرُجَ. (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)[۱]

ترجمہ: اور حضرت عمرو ابن عطا رحمۃ اللہ علیہ (تابعی) کے بارے میں منقول ہے کہ انہیں (یعنی عمرو) کو حضرت نافع ابن جبیر (تابعی) نے حضرت سائب (صحابی) کے پاس بھیجا تا کہ وہ ان سے وہ چیزیں پوچھیں جو حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے انہیں نماز میں کرتے ہوئے دیکھا تھا (اور اس سے انہیں منع کیا تھا چنانچہ حضرت عمرو حضرت سائب کے پاس گئے اور ان سے اس چیز کی تفصیل معلوم کی تو) انہوں نے فرمایا کہ "ہاں" (ایک مرتبہ) میں نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے ہمراہ مقصورہ میں جمعہ کی نماز پڑھی جب امام نے سلام پھیرا تو میں اسی جگہ (جہاں جمعہ کی فرض نماز پڑھی تھی) کھڑا ہو گیا اور (فرض و سنت میں کوئی امتیاز کئے بغیر جمعہ کی سنت) نماز پڑھنے لگا۔ جب حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ (نماز سے فراغت کے بعد) اپنے مکان چلے گئے تو میرے پاس ایک شخص کو یہ کہلا کر بھیجا کہ "اس وقت تم نے جو کچھ کیا ہے آئندہ ایسا نہ کرنا (یعنی جس جگہ فرض نماز پڑھو اسی جگہ امتیاز پیدا کئے بغیر نفل نماز نہ پڑھنا چنانچہ) جب تم جمعہ کی نماز پڑھو تو اس (جمعہ کی فرض نماز) کو کسی (دوسری یعنی نفل یا قضا) نماز سے نہ ملاؤ تاوقتیکہ تم کوئی گفتگو نہ کر لو یا (مسجد سے) نکل نہ جاؤ کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں اس بات کا حکم دیا ہے کہ ہم ایک نماز کو دوسری نماز کے ساتھ نہ ملائیں تاوقتیکہ (درمیان میں) بات چیت نہ کر لیں یا (مسجد سے) باہر نہ چلے جائیں۔ (مسلم)

توضیح: "فی المقصورۃ" حضرت علی اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہما جب شہید کر دیئے گئے اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر قاتلانہ حملے کا خطرہ بڑھ گیا تو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ مسجد میں جا کر نماز پڑھنے کے دوران کچھ احتیاط کرنے لگے آپ کے بعد کے خلفاء نے بھی احتیاط شروع کی اس احتیاط کی صورت یہ ہوتی تھی کہ خلیفہ کے لئے مسجد میں ایک مخصوص جگہ متعین کر دی جاتی تھی جس میں عوام الناس نہیں آسکتے تھے۔ اس مخصوص جگہ کا نام مقصورہ ہوتا تھا جیسے آج کل حرمین شریفین میں اذان خانہ کی جگہ ہوتی ہے۔[۲]

"اذا صلیت الجمعۃ" یہاں جمعہ کی قید اتفاقی ہے یہ حکم صرف جمعہ کے ساتھ خاص نہیں بلکہ ہر اس نماز کے ساتھ خاص ہے جس کے بعد سنتیں ہوں۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ فرض نماز اور سنت کے درمیان فاصلہ کرنا مناسب ہے بالکل اتصال مناسب نہیں ہے لیکن انفصال میں اعتدال ہو بالکل منفصل بھی نہ ہوں پھر یہ حکم سنن مؤکدہ اور غیر مؤکدہ سب کے لئے ہے۔ پھر اس فاصلہ کی صورت اذکار وادعیہ بھی ہیں جگہ بدلنا بھی ہے گھر جانا بھی ہے باتیں کرنا بھی ہیں صف میں آگے پیچھے ہونا بھی ہے انہیں تمام

۱؎ اخرجہ ومسلم: ۲/۱۷ ۲؎ المرقات: ۳/۲۵۸

صورتوں کی طرف اشارہ "حتی تکلم او تخرج" سے کیا گیا ہے۔ بعض علماء کا کہنا ہے کہ اذکار وادعیہ سے فاصلہ نہیں آتا ہے بلکہ کلام کرنا چاہئے یا جگہ بدل لینا چاہئے۔

جمعہ کے بعد چھ رکعات پڑھنا ثابت ہے

﴿۲۹﴾ وعن عطاء قَالَ كَانَ ابْنُ عُمَرَ إِذَا صَلَّى الْجُمُعَةَ بِمَكَّةَ تَقَدَّمَ فَصَلَّى رَكْعَتَيْنِ ثُمَّ يَتَقَدَّمُ فَيُصَلِّي أَرْبَعاً وَإِذَا كَانَ بِالْمَدِينَةِ صَلَّى الْجُمُعَةَ ثُمَّ رَجَعَ إِلَى بَيْتِهِ فَصَلَّى رَكْعَتَيْنِ وَلَمْ يُصَلِّ فِي الْمَسْجِدِ فَقِيلَ لَهُ فَقَالَ كَانَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَفْعَلُهُ.

(رَوَاهُ أَبُو دَاوُدَ وَفِي رِوَايَةِ التِّرْمِذِيِّ قَالَ رَأَيْتُ ابْنَ عُمَرَ صَلَّى بَعْدَ الْجُمُعَةِ رَكْعَتَيْنِ ثُمَّ صَلَّى بَعْدَ ذٰلِكَ أَرْبَعاً) [۱]

ترجمہ: اور حضرت عطاء فرماتے ہیں کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما جب مکہ میں جمعہ کی نماز پڑھ چکتے تو (جس جگہ فرض نماز پڑھتے اس سے) آگے بڑھ جاتے اور دو رکعت پڑھتے اس کے بعد پھر آگے بڑھتے اور چار رکعت نماز پڑھتے اور جب آپ مدینہ میں ہوا کرتے تو (یہ معمول تھا کہ) جمعہ کی (فرض) نماز پڑھ کر اپنے مکان تشریف لاتے اور گھر میں دو رکعت نماز پڑھتے مسجد میں (فرض کے علاوہ کوئی نماز) نہیں پڑھتے تھے۔" جب ان سے اس (گھر میں پڑھنے اور مسجد میں نہ پڑھنے) کا سبب پوچھا گیا تو فرمایا کہ (اس لئے کہ) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایسا ہی کیا کرتے تھے۔ (ابوداؤد)

توضیح: "اربعا" یعنی حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما جب مدینہ میں جمعہ پڑھتے تھے تو اس کے بعد گھر جا کر صرف دو رکعت سنت پڑھتے تھے لیکن جب مکہ میں ہوتے تھے تو جمعہ کے فرض کے بعد صف سے آگے بڑھ کر دو سنت پڑھتے تھے اور پھر اپنے خیمہ جا کر چار رکعت مزید پڑھا کرتے تھے کسی نے آپ سے پوچھا تو آپ نے جواب میں فرمایا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہی معمول تھا۔ [۲]

علماء نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کے اس عمل کے بارے میں لکھا ہے کہ چونکہ مدینہ میں آپ کا گھر مسجد کے قریب تھا تو آپ گھر جا کر سنت پڑھا کرتے تھے اور مکہ میں آپ مسافر ہوتے تھے تو مسجد ہی میں نفل پڑھتے تھے اور چونکہ مکہ مکرمہ میں عبادت کی بہت ہی زیادہ فضیلت ہے اس لئے دو کے ساتھ چار مزید ملا کر پڑھتے تھے۔

اس سے جمعہ کے بعد چھ رکعت ثابت ہوتی ہیں اور یہی امام ابو یوسف رحمہ اللہ کا مسلک ہے اور اسی پر احناف کا فتویٰ ہے۔

[۱] اخرجه وابوداؤد: ۱۱۳۰ والترمذی: ۵۲۳ [۲] المرقات: ۳/۲۵۹

مورخہ ۲۴ جمادی الاولی ۱۴۱۰ھ

باب صلاۃ اللیل

رات کی نماز یعنی تہجد کا بیان

قال اللہ تعالیٰ ﴿ومن اللیل فتہجد بہ نافلۃ لک عسی ان یبعثک ربک مقاما محمودا﴾ [1]

رات کی نماز کے بارے میں آنحضرت ﷺ کا مختلف معمول رہا ہے کبھی آپ نے بہت طویل نماز پڑھی ہے کبھی مختصر پڑھی ہے کبھی آپ نے زیادہ رکعات پڑھی ہیں اور کبھی کم رکعات پر اکتفاء فرمایا ہے لہٰذا اس میں وسعت ہے جس شخص نے جس طریقہ کو اپنایا نبی اکرم ﷺ کی متابعت وسنت کا ثواب پائے گا۔

آنحضرت ﷺ سے زیادہ سے زیادہ تیرہ رکعت پڑھنا ثابت ہے جس میں دو رکعت صلوٰۃ تحیہ ہے تین وتر ہیں اور آٹھ تہجد ہیں اگر آپ ﷺ نے نو رکعات پڑھی ہیں تو تین وتر دو تحیہ اور چار تہجد تھیں جن روایات میں گیارہ کا ذکر آیا ہے تو تین وتر اور آٹھ تہجد ہو سکتے ہیں اور اگر دو تحیۃ الوضوء مانا جائے تو چھ رکعت تہجد بن جائے گی یہ اختلاف راتوں کے طویل ہونے یا قصیر ہونے کی وجہ سے بھی ہو سکتا ہے اور تھکان وآرام کی وجہ سے بھی ہو سکتا ہے یا ضعف وقوت کی وجہ سے ہوا ہے۔ وتر کا اطلاق بھی صلوٰۃ اللیل پر ہوتا ہے اس لئے اس کا ذکر بھی ان روایات میں آیا ہے اسی طرح رات کی نماز کے حوالہ سے فجر کی دو سنتوں پر بھی صلوٰۃ اللیل کا اطلاق ہوا ہے یہ اصطلاحی لفظ تہجد کے لئے استعمال ہوتا ہے اور ایک قیام رمضان کے الفاظ ہیں یہ تراویح کے لئے بولا جاتا ہے۔

تہجد کی نماز کی بڑی فضیلت ہے یہ صلحاء اور اتقیاء کی علامت ہے اور اس میں بہت ہی برکت ہے کسی نے تہجد گذاروں کے بارے میں بہت اچھا کہا ہے۔

اللیل للعاشقین ستر یا لیت اوقاتہا تدوم

الفصل الاول

عشاء اور فجر کے درمیان گیارہ رکعات

﴿۱﴾ عن عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّي فِيمَا بَيْنَ أَنْ يَفْرُغَ مِنْ صَلَاةِ الْعِشَاءِ إِلَى الْفَجْرِ إِحْدَى عَشْرَةَ رَكْعَةً يُسَلِّمُ مِنْ كُلِّ رَكْعَتَيْنِ وَيُوتِرُ بِوَاحِدَةٍ فَيَسْجُدُ السَّجْدَةَ مِنْ

[1] بنی اسرائیل الآیہ: ۷۹

ذٰلِكَ قَدْرَ مَا يَقْرَأُ أَحَدُكُمْ خَمْسِيْنَ آيَةً قَبْلَ أَنْ يَرْفَعَ رَأْسَهُ فَإِذَا سَكَتَ الْمُؤَذِّنُ مِنْ صَلَاةِ الْفَجْرِ وَ تَبَيَّنَ لَهُ الْفَجْرُ قَامَ فَرَكَعَ رَكْعَتَيْنِ خَفِيْفَتَيْنِ ثُمَّ اضْطَجَعَ عَلٰى شِقِّهِ الْأَيْمَنِ حَتّٰى يَأْتِيَهُ الْمُؤَذِّنُ لِلْإِقَامَةِ فَيَخْرُجُ. (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)[1]

ترجمہ: ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ سرور کائنات ﷺ نماز عشاء سے فارغ ہو کر نماز فجر تک (اکثر) گیارہ رکعت نماز پڑھا کرتے تھے اور ہر دو رکعت پر سلام پھیرتے تھے اور (پھر آخر میں) ایک رکعت کے ساتھ وتر کر لیا کرتے تھے اور اس رکعت میں اتنا طویل سجدہ کرتے جتنی دیر میں کوئی شخص اپنا سر اٹھانے سے پہلے پچاس آیتیں پڑھ لے پھر جب مؤذن فجر کی اذان دے کر خاموش ہو جاتا اور فجر طلوع ہو جاتی یعنی صبح کی روشنی پھیلنے لگتی تو آپ کھڑے ہوتے اور دو رکعتیں ہلکی (یعنی فجر کی سنتیں) پڑھتے اور (اس کے بعد تھوڑی دیر کے لئے) اپنی داہنی کروٹ پر لیٹ جاتے تھے یہاں تک کہ مؤذن تکبیر کے لئے (یعنی تکبیر کہنے کی اجازت حاصل کرنے کیلئے) آپ کے پاس آتا تو آپ نماز کے لئے (مسجد) تشریف لے جاتے۔ (بخاری ومسلم)

توضیح: "یوتر بواحدۃ" ایتار طاق بنانے کے معنی میں ہے یعنی جفت شفعہ کو آپ ایک رکعت کے ساتھ طاق بنایا کرتے تھے، وتر کی رکعات میں اختلاف آئندہ آنے والا ہے یہاں ایک رکعت وتر مراد نہیں بلکہ طاق بنانے کے معنی میں ہے۔[2]

"**فیسجد السجدۃ**" یعنی وتر میں جب آپ سجدہ میں چلے جاتے تو اتنی دیر تک سجدہ کرتے جتنا کہ کوئی آدمی پچاس آیتیں پڑھنے میں دیر کرتا ہے ظاہر حدیث سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت ﷺ تہجد کی رکعات میں تمام سجدوں کو اسی طرح طویل فرماتے تھے یہاں یہ احتمال بھی ہے کہ سجدوں کی یہ طوالت صرف وتر کے ساتھ خاص ہو۔[3]

"**ثم اضطجع**" اضطجاع کروٹ پر لیٹنے کو کہتے ہیں یعنی حضور اکرم ﷺ حجرۂ عائشہ میں رات بھر تہجد پڑھتے تو صبح کے وقت مختصر سی دو رکعت فجر کی سنت پڑھنے کے بعد ستانے اور تھکان دور کرنے اور کمر سیدھی کرنے کے لئے پہلو پر لیٹ جاتے تھے۔ غیر مقلدین حضرات نے اس اضطجاع کو سنت کہا ہے بلکہ بعض نے واجب کہدیا ہے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے اس اضطجاع کو بدعت قرار دیا ہے اور ایسا کرنے والوں کو کنکریوں سے مار کر منع فرماتے تھے۔

(مصنف عبد الرزاق)[4]

بعض علماء نے اس اضطجاع کو مباح قرار دیا ہے بعض نے کہا ہے کہ یہ اضطجاع اس شخص کے لئے ہے جو رات بھر تہجد پڑھ کر تھک گیا ہو وہ اگر ستانے کے لئے ایسا کرتا ہے تو جائز ہے صحیح اور راجح بات یہ ہے کہ اضطجاع اس شخص کے لئے مباح ہے جس نے رات کے زیادہ حصہ میں تہجد کی نماز پڑھی ہو تھکا ماندہ ہو اور گھر میں لیٹ کر استراحت حاصل کرتا ہو تو یہ مباح اور جائز ہے اور اگر حضور اکرم ﷺ کی متابعت کا ارادہ بھی کرے تو پھر ثواب بھی ملے گا۔

[1] اخرجه البخاری: ۲/۳۱، ۶۱، ۸/۸۳ ومسلم: ۳/۱۶۵ [2] المرقات: ۳/۲۶۰ [3] المرقات: ۳/۲۶۰ [4] المرقات: ۳/۲۶۱

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے اس اضطجاع کو بدعت قرار دیا ہے کہ مثلاً ایک شخص نے رات کو تہجد کی نماز بھی نہیں پڑھی تھکاوٹ بھی نہیں ہے پھر فجر کی سنت بھی گھر میں نہ پڑھے مسجد میں آکر پڑھے اور گھر میں استراحت کے بجائے مسجد میں آکر استراحت کرتا ہے تو یہ مسجد میں محض نوم بلا تعب ہے حالانکہ اس میں یہ شخص ثواب کی نیت بھی کرتا ہے تو اس کے بدعت ہونے میں کیا شک ہے۔ غیر مقلدین حضرات مسجد میں آکر فجر کی سنتوں کے بعد لیٹ جاتے ہیں اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت نمبر ۱۹ سے استدلال کرتے ہیں۔ جس میں امر کا صیغہ ہے حالانکہ علامہ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ نے اس روایت کو باطل قرار دیا ہے۔ (کمافی زاد المعاد ج ۱ ص ۸۲)

بہر حال احناف میں سے شیخ عبد الحق رحمۃ اللہ علیہ نے اس استراحت کو مستحب کہا ہے لیکن شرائط بالا کی روشنی میں کہا ہے غیر مقلدین کے ہاں اس امر عادی کو واجب کہنا بہت بعید ہے نیز یہ حضرات جس قدر اس کا التزام کرتے ہیں وہ بھی مناسب نہیں ہے نیز یہ حضرات خراٹے بھر بھر کر سو جاتے ہیں اور پھر بغیر وضو کے کھڑے ہو کر نماز پڑھتے ہیں حضور اکرم ﷺ کی نیند پر قیاس کرنا جائز نہیں کیونکہ آنحضرت ﷺ کی نیند ناقض وضو نہیں تھی۔ باقی حضور اکرم ﷺ کا استغفار یا تعلیم امت کے لئے تھا یا رفع درجات کے لئے تھا یا خلاف اولی کے ازالہ کے لئے تھا یا اظہار عبودیت کے لئے تھا۔[1]

فجر کی سنتوں کے بعد آنحضرت ﷺ کبھی کروٹ لیتے کبھی نہیں

﴿۲﴾ وعنها قَالَتْ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا صَلَّى رَكْعَتَيِ الْفَجْرِ فَإِنْ كُنْتُ مُسْتَيْقِظَةً حَدَّثَنِي وَإِلَّا اضْطَجَعَ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)[2]

ترجمہ: اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ سرور کائنات ﷺ جب فجر کی سنتیں پڑھ لیتے تو اگر میں جاگتی ہوتی تو مجھ سے بات چیت میں مشغول ہو جاتے اور اگر میں سوئی ہوئی ہوتی تو آپ بھی لیٹ جاتے۔ (مسلم)

توضیح: "والا فاضطجع" یعنی اگر عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سوئی ہوئی ہوتی تو حضور اکرم ﷺ خود آرام کرنے کے لئے کروٹ لیتے تھے اور اگر حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا جاگی ہوتی تو حضور ﷺ کروٹ لینے کے بجائے ان سے گفتگو فرماتے اس حدیث سے ایک بات یہ معلوم ہوگئی کہ حضور اکرم ﷺ کبھی کبھی سنتوں کے بعد کروٹ لیتے تھے آپ کا اس پر دوام والتزام نہیں تھا دوسری بات یہ معلوم ہوئی کہ فجر کی سنتوں کے بعد گفتگو کرنا جائز ہے مگر اس کے لئے دو شرطیں ہیں ایک شرط یہ کہ محض دنیوی باتیں نہ ہوں کیونکہ محض دنیوی باتوں سے سنت کا ثواب ختم ہو جاتا ہے دوسری شرط یہ کہ بات کرنے کی ضرورت ہو یعنی اگر کوئی دنیوی جائز بات ہو[3] جس کی طرف آدمی محتاج ہو تو وہ جائز ہے بغیر ضرورت دنیوی بات کرنے سے سنت کا ثواب ختم ہو جاتا ہے جیسا کہ فقہاء نے لکھا ہے۔

[1] اشعۃ اللمعات: ۱/۵۳۳ [2] اخرجہ مسلم: ۲/۱۶۸ [3] المرقات: ۳/۲۶۲

﴿۳﴾ وعنها قَالَتْ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا صَلَّى رَكْعَتَيِ الْفَجْرِ اضْطَجَعَ عَلَى شِقِّهِ الْأَيْمَنِ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)[1]

ترجمہ: اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ سرور کائنات ﷺ فجر کی دو رکعت سنتیں پڑھ کر اپنی دائیں کروٹ پر (یعنی رو بقبلہ) لیٹ جاتے تھے۔ (بخاری و مسلم)

تین رکعت وتر کا ثبوت

﴿۴﴾ وعنها قَالَتْ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّي مِنَ اللَّيْلِ ثَلَاثَ عَشْرَةَ رَكْعَةً مِنْهَا الْوِتْرُ وَرَكْعَتَا الْفَجْرِ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)[2]

ترجمہ: اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ سرور کائنات ﷺ رات میں تیرہ رکعتیں نماز پڑھتے تھے ان میں وتر (کی تین رکعتیں) اور فجر کی سنت کی دو رکعتیں بھی شامل ہوتیں۔ (مسلم)

توضیح: "منها الوتر" یہاں تیرہ رکعت کا ذکر ہے جس میں دو فجر کی سنت ہیں اور تین وتر ہیں وتر کے ساتھ یہاں اگرچہ تین کا لفظ موجود نہیں مگر دوسری روایات میں ثلاث کا لفظ موجود ہے۔ مسلم کی روایت میں ہے "ثم اوتر بثلاث" شمائل ترمذی میں ہے "ثم یصلی ثلاثا" لہٰذا یہ حدیث تین رکعت وتر کے ثبوت کے لئے کافی ہے ویسے بھی سب علماء کے نزدیک تین وتر افضل ہیں۔[3]

یہاں آٹھ رکعات تہجد ہیں دو فجر کی سنت ہیں اور تین رکعات وتر ہیں تو کل گیارہ رکعات ہیں۔

﴿۵﴾ وعن مَسْرُوْقٍ قَالَ سَأَلْتُ عَائِشَةَ عَنْ صَلَاةِ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِاللَّيْلِ فَقَالَتْ سَبْعٌ وَتِسْعٌ وَإِحْدٰى عَشْرَةَ رَكْعَةً سِوٰى رَكْعَتَيِ الْفَجْرِ۔ (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)[4]

ترجمہ: اور حضرت مسروق کہتے ہیں کہ میں نے ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے سرور کائنات ﷺ کی رات کی نماز کے بارے میں دریافت کیا (کہ کتنی رکعتیں پڑھتے تھے) تو انہوں نے فرمایا کہ "کبھی تو آپ سات رکعتیں پڑھتے تھے کبھی نو رکعتیں اور کبھی گیارہ رکعتیں پڑھا کرتے تھے، علاوہ فجر کی سنتوں کے۔ (بخاری)

تہجد سے پہلے دو نفل پڑھنا چاہئے

﴿۶﴾ وعن عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا قَامَ مِنَ اللَّيْلِ لِيُصَلِّيَ افْتَتَحَ

[1] اخرجه البخاری: ۱۶۱، ۱/۱۹، ۲/۱۵۹، ۲/ [2] اخرجه ومسلم: ۲/۱۶۶ [3] المرقات: ۲/۲۹۳ [4] اخرجه البخاری: ۲/۶۴

صَلَاتَهُ بِرَكْعَتَيْنِ خَفِيفَتَيْنِ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)[۱]

ترجمہ: اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ سرور کائنات ﷺ جب رات میں (تہجد کی) نماز پڑھنے کھڑے ہوتے تو اپنی نماز کی ابتداء دو ہلکی رکعتوں سے فرماتے تھے۔

توضیح: "افتتح" یعنی تہجد سے پہلے حضور اکرم ﷺ دو ہلکی رکعتیں پڑھتے تھے اس میں یہ فائدہ ہوتا ہے کہ آدمی نیند کے اثرات سے پاک ہو جاتا ہے اور چست ہو کر تہجد پڑھنے لگتا ہے دوسرا فائدہ یہ ہے کہ تحیۃ الوضوء اور تحیۃ المسجد کا حق ادا ہو جاتا ہے۔[۲]

﴿۷﴾ وعن أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا قَامَ أَحَدُكُمْ مِنَ اللَّيْلِ فَلْيَفْتَتِحِ الصَّلَاةَ بِرَكْعَتَيْنِ خَفِيفَتَيْنِ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)[۳]

ترجمہ: اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ سرور کائنات ﷺ نے فرمایا "جب تم میں سے کوئی شخص رات میں (نماز پڑھنے کے لئے) نیند سے اٹھے تو اسے چاہئے کہ وہ اپنی نماز کی ابتداء دو ہلکی رکعتوں سے کرے۔" (مسلم)

حضور اکرم ﷺ کے تہجد کا مکمل نقشہ

﴿۸﴾ وعن ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ بِتُّ عِنْدَ خَالَتِي مَيْمُوْنَةَ لَيْلَةً وَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عِنْدَهَا فَتَحَدَّثَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَعَ أَهْلِهِ سَاعَةً ثُمَّ رَقَدَ فَلَمَّا كَانَ ثُلُثُ اللَّيْلِ الْآخِرُ أَوْ بَعْضُهُ قَعَدَ فَنَظَرَ إِلَى السَّمَاءِ فَقَرَأَ إِنَّ فِي خَلْقِ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَاخْتِلَافِ اللَّيْلِ وَ النَّهَارِ لَآيَاتٍ لِأُولِي الْأَلْبَابِ حَتَّى خَتَمَ السُّوْرَةَ ثُمَّ قَامَ إِلَى الْقِرْبَةِ فَأَطْلَقَ شِنَاقَهَا ثُمَّ صَبَّ فِي الْجَفْنَةِ ثُمَّ تَوَضَّأَ وُضُوْءً حَسَناً بَيْنَ الْوُضُوْئَيْنِ لَمْ يُكْثِرْ وَقَدْ أَبْلَغَ فَقَامَ فَصَلَّى فَقُمْتُ وَتَوَضَّأْتُ فَقُمْتُ عَنْ يَسَارِهِ فَأَخَذَ بِأُذُنِي فَأَدَارَنِي عَنْ يَمِيْنِهِ فَتَتَامَّتْ صَلَاتُهُ ثَلَاثَ عَشْرَةَ رَكْعَةً ثُمَّ اضْطَجَعَ فَنَامَ حَتَّى نَفَخَ وَكَانَ إِذَا نَامَ نَفَخَ فَآذَنَهُ بِلَالٌ بِالصَّلَاةِ فَصَلَّى وَلَمْ يَتَوَضَّأْ وَكَانَ فِي دُعَائِهِ اَللّٰهُمَّ اجْعَلْ فِي قَلْبِي نُوْراً وَفِي بَصَرِي نُوْراً وَفِي سَمْعِي نُوْراً وَعَنْ يَمِيْنِي نُوْراً وَعَنْ يَسَارِي نُوْراً وَفَوْقِي نُوْراً وَتَحْتِي نُوْراً وَأَمَامِي نُوْراً وَخَلْفِي نُوْراً وَاجْعَلْ لِي نُوْراً وَزَادَ بَعْضُهُمْ وَفِي لِسَانِي نُوْراً وَذَكَرَ وَعَصَبِي وَلَحْمِي وَدَمِي وَشَعَرِي وَبَشَرِي۔

[۱] اخرجه ومسلم: ۲/۱۸۳ [۲] المرقات: ۳/۲۶۴ [۳] اخرجه ومسلم: ۲/۱۸۳

(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ وَفِيْ رِوَايَةٍ لَهُمَا وَاجْعَلْ فِيْ نَفْسِيْ نُوْراً وَأَعْظِمْ لِيْ نُوْراً وَفِيْ أُخْرٰى لِمُسْلِمٍ اَللّٰهُمَّ أَعْطِنِيْ نُوْراً) [1]

ترجمہ: اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ (ایک مرتبہ) میں نے اپنی خالہ ام المؤمنین حضرت میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے یہاں رات گذاری، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم (بھی اس رات کو) انہیں کے یہاں تھے (یعنی اس رات کو حضرت میمونہ کے یہاں کی باری تھی) کچھ رات گئے تک آپ اپنی زوجہ (حضرت میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا) سے باتیں کرتے رہے پھر سو گئے، جب تہائی یا اس سے بھی کم رات باقی رہ گئی تو آپ اٹھ بیٹھے اور آسمان کی طرف دیکھ کر یہ آیت پڑھی **ان فی خلق السموات والارض واختلاف اللیل و النهار لایات لاولی الالباب**۔ آسمانوں اور زمین کے پیدا کرنے اور رات و دن کے اختلاف (یعنی کبھی اندھیرا، کبھی اجالا، کبھی گرمی، کبھی جاڑا، کبھی درازی، کبھی کمی) میں بیشک عقلمندوں کے لئے نشانیاں ہیں آپ نے پوری سورۃ پڑھی، پھر اٹھ کر مشک کے پاس گئے اور اس کا بند کھول کر پیالہ میں پانی ڈالا، پھر اچھا اور درمیانہ وضو کیا (یعنی نہ تو پانی اتنا زیادہ بہایا کہ حد اسراف کو پہنچ جاتا اور نہ اتنا کم ڈالا کہ اعضاء وضو بھی تر نہ ہوئے، بلکہ درمیانہ درجہ کا اچھا وضو کیا چنانچہ حدیث کے راوی کہتے ہیں کہ "درمیانہ وضو کا مطلب یہ ہے کہ) بہت زیادہ پانی نہیں بہایا بلکہ (جن اعضاء کا دھونا فرض ہے) پانی ان اعضاء تک پہنچایا، پھر آپ کھڑے ہو کر نماز پڑھنے لگے (یہ دیکھ کر) میں بھی اٹھا اور (جس طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے وضو کیا تھا) میں بھی اسی طرح وضو کر کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بائیں طرف کھڑا ہو گیا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے میرا کان پکڑا اپنے بائیں طرف سے مجھے گھما کر اپنے دائیں طرف مجھے کھڑا کر دیا جب آپ کی تیرہ رکعت نماز پوری ہو گئی تو لیٹ گئے، چونکہ آپ سوتے وقت خراٹے لیتے تھے اس لئے سو کر خراٹے لینے لگے، اتنے میں حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے آکر نماز کا وقت شروع ہو جانے (اور جماعت کے تیار ہونے) کی اطلاع کی، چنانچہ آپ نے وضو کئے بغیر (سنت) نماز پڑھی اور آپ فرض و سنت کے درمیان دعا میں یہ پڑھتے تھے۔

اے اللہ! میرے دل میں، میری آنکھوں میں، میرے کانوں میں، میرے دائیں، میرے بائیں، میرے اوپر، میرے نیچے، میرے آگے، میرے پیچھے نور عطا کر اور میرے لئے نور ہی نور پیدا کر دے اور بعض راویوں نے یہ الفاظ بھی نقل کئے **وفی لسانی نورا**۔ یعنی میری زبان میں نور پیدا کر دے۔ بعض راویوں نے یہ الفاظ ذکر کئے ہیں **وفی عصبی و لحمی و دمی و شعری و بشری**۔ یعنی میرے اعصاب میں، میرے گوشت میں، میرے خون میں، میرے بالوں میں اور میری جلد میں نور پیدا کر دے (بخاری و مسلم) اور بخاری و مسلم ہی کی ایک روایت میں یہ الفاظ بھی ہیں **و اجعل فی نفسی نورا و اعظم لی نورا**۔ یعنی اے اللہ! میری جان میں نور پیدا کر دے اور میرے لئے نور میں بڑائی دے۔ مسلم کی ایک دوسری روایت میں یہ ہے **اللهم اعطنی نورا**۔ یعنی اے اللہ! مجھے نور عطا فرما۔

توضیح: حضرت میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی خالہ ہیں، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا کمال دیکھئے کہ نابالغ چھوٹا بچہ ہے لیکن حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حرکات سکنات اور عبادات کا ایسا نقشہ کھینچا ہے کہ بڑے بڑے علماء اور عقلاء کو حیرت میں ڈال دیا ہے وضو کا نقشہ ایسا کھینچا کہ عقلیں حیران رہ گئیں کہ نہ اس وضو میں اسراف تھا نہ کمی تھی نہ کوئی

[1] اخرجه البخاري: ۱/۵۷، ۲/۲۰، ۲/۴۸ و مسلم: ۲/۱۷۹، ۲/۱۸۰

نقص تھا اور وضو مکمل بھی تھا کہ تمام اعضاء تک پانی پہنچا دیا۔

"نفخ" طاقتور آدمی جب سوتا ہے تو مضبوط سانس لیتا ہے اسی کو نفخ کہا گیا ہے آنحضرت ﷺ اس طرح خراٹے نہیں لیتے تھے جس طرح آج کل لوگ لیتے ہیں جس سے کمرہ میں کوئی ٹھہر نہیں سکتا ہے۔ اس نقشہ کے بعد پھر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے حضور اکرم ﷺ کی دعاؤں کا مکمل نقشہ الفاظ کے ساتھ پیش کیا ہے یہاں حضور اکرم ﷺ نے اپنے لئے اور اپنے تمام اعضاء کے لئے نورانیت کی دعا مانگی ہے اس میں "اعطنی نورا" کے الفاظ کی طرح ہر جگہ نور کی اضافت اپنی طرف فرمائی ہے۔[1]

جس سے معلوم ہوا کہ حضور اکرم ﷺ کی ذات اور تھی اور نور الگ چیز تھی ورنہ اضافت "شیء الی نفسه" لازم آجائے گا یعنی ترجمہ اس طرح ہو جائے گا اے اللہ نور کو نور عطا فرما، نور کے اندر نور بھر دے۔

بہر حال حضور اکرم ﷺ انسان اور بشر تھے اور نور ہدایت سے منور تھے یہ اہل حق کا عقیدہ ہے جو قرآن و حدیث کے مطابق ہے لوگ جو کریں سو کریں اور قیامت میں اس کا خمیازہ خود بھریں۔

محمد بشر لیس کالبشر ویاقوت حجر لیس کالحجر

وتر کی تین رکعتیں

﴿۹﴾ وعنه أَنَّهُ رَقَدَ عِنْدَ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاسْتَيْقَظَ فَتَسَوَّكَ وَتَوَضَّأَ وَهُوَ يَقُوْلُ إِنَّ فِيْ خَلْقِ السَّمٰوَاتِ وَالْأَرْضِ حَتّٰى خَتَمَ السُّوْرَةَ ثُمَّ قَامَ فَصَلّٰى رَكْعَتَيْنِ أَطَالَ فِيْهِمَا الْقِيَامَ وَالرُّكُوْعَ وَالسُّجُوْدَ ثُمَّ انْصَرَفَ فَنَامَ حَتّٰى نَفَخَ ثُمَّ فَعَلَ ذٰلِكَ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ سِتَّ رَكَعَاتٍ كُلَّ ذٰلِكَ يَسْتَاكُ وَيَتَوَضَّأُ وَيَقْرَأُ هٰؤُلَاءِ الْآيَاتِ ثُمَّ أَوْتَرَ بِثَلَاثٍ. (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)[2]

ترجمہ: اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے بارے میں منقول ہے کہ وہ (ایک رات) سرور کائنات ﷺ کے ہاں سوئے چنانچہ (انہوں نے بیان کیا کہ) آپ رات میں بیدار ہوئے، مسواک کی اور وضو کیا پھر یہ آیت پڑھی ان فی خلق السموات و الارض آخر سورۃ تک، اس کے بعد آپ کھڑے ہوئے اور دو رکعت نماز پڑھی جس میں قیام، رکوع اور سجود کو طویل کیا پھر (دو رکعت نماز سے) فارغ ہو کر سو گئے اور خراٹے لینے لگے، تین مرتبہ آپ نے اسی طرح کیا (یعنی دو رکعت مذکورہ طریقہ پر پڑھ کر لیٹ جاتے پھر اٹھ کر دو رکعت پڑھتے اور پھر لیٹ جاتے۔) اس طرح آپ نے تین مرتبہ میں چھ رکعتیں پڑھیں اور تینوں مرتبہ میں ہر بار آپ مسواک بھی کرتے اور وضو بھی کرتے اور یہ آیتیں بھی پڑھتے۔ پھر آخر میں آپ نے وتر کی تین رکعتیں پڑھیں۔ (مسلم)

توضیح: "ثم اوتر بثلاث" یہ حدیث واضح تر دلیل ہے کہ وتر کی تین رکعتیں ہیں غیر مقلدین حضرات کو سوچنا چاہئے کہ وہ احادیث سے کتنے دور ہیں یہ مسلم کی روایت ہے۔ جس میں تصریح موجود ہے کہ "ثم اوتر بثلاث" یعنی

[1] المرقات: ۲/۲۶۵ [2] اخرجه ومسلم: ۱/۱۵۲

آنحضرت ﷺ نے پھر تین رکعتیں وتر پڑھ لیں حدیث کے ظاہر الفاظ بتاتے ہیں کہ درمیان میں کوئی سلام نہیں تھا۔[1]

آنحضرت ﷺ نے تین رکعتیں وتر پڑھیں

﴿۱۰﴾ وعن زَيْدِ بْنِ خَالِدِ الْجُهَنِيِّ أَنَّهُ قَالَ لَأَرْمُقَنَّ صَلَاةَ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اللَّيْلَةَ فَصَلَّى رَكْعَتَيْنِ خَفِيفَتَيْنِ ثُمَّ صَلَّى رَكْعَتَيْنِ طَوِيلَتَيْنِ طَوِيلَتَيْنِ طَوِيلَتَيْنِ ثُمَّ صَلَّى رَكْعَتَيْنِ وَهُمَا دُونَ اللَّتَيْنِ قَبْلَهُمَا ثُمَّ صَلَّى رَكْعَتَيْنِ وَهُمَا دُونَ اللَّتَيْنِ قَبْلَهُمَا ثُمَّ صَلَّى رَكْعَتَيْنِ وَهُمَا دُونَ اللَّتَيْنِ قَبْلَهُمَا ثُمَّ صَلَّى رَكْعَتَيْنِ وَهُمَا دُونَ اللَّتَيْنِ قَبْلَهُمَا ثُمَّ أَوْتَرَ فَذَالِكَ ثَلَاثَ عَشَرَةَ رَكْعَةً. (رَوَاهُ مُسْلِمٌ. قَوْلُهُ ثُمَّ صَلَّى رَكْعَتَيْنِ وَهُمَا دُونَ اللَّتَيْنِ قَبْلَهُمَا أَرْبَعَ مَرَّاتٍ هٰكَذَا فِي صَحِيحِ مُسْلِمٍ وَأَفْرَادِهِ مِنْ كِتَابِ الْحُمَيْدِيِّ وَمُوَطَّأِ مَالِكٍ وَسُنَنِ أَبِي دَاوُدَ وَجَامِعِ الْأُصُولِ)[2]

ترجمہ: اور حضرت زید بن خالد جہنی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ (ایک مرتبہ میں نے ارادہ کیا کہ) میں آج کی رات سرور کائنات ﷺ کی نماز کو دیکھتا رہوں گا چنانچہ (میں نے دیکھا کہ) پہلے آپ نے دو رکعتیں ہلکی پڑھیں پھر دو رکعتیں طویل طویل سی پڑھیں، پھر آپ نے دو رکعتیں پڑھیں جو ان دونوں رکعتوں سے کم (طویل) تھیں جو آپ نے ان سے پہلے پڑھی تھیں، پھر آپ نے دو رکعتیں پڑھیں جو پہلے پڑھی گئی دونوں رکعتوں سے کم (طویل) تھیں پھر آپ نے دو رکعتیں پڑھیں جو پہلے پڑھی گئی دونوں رکعتوں سے کم (طویل) تھیں، پھر آپ نے دو رکعتیں پڑھیں جو پہلے پڑھی جانے والی دونوں رکعتوں سے کم (طویل) تھیں۔ پھر آپ نے وتر پڑھے اور یہ سب تیرہ رکعتیں ہوگئیں۔ (مسلم) اور زید کا یہ قول کہ "پھر دو رکعتیں پڑھیں جو پہلے پڑھی گئی دونوں رکعتوں سے کم تھیں" صحیح مسلم میں حمیدی کی کتاب میں کہ جس میں انہوں نے فقط مسلم کی ہی روایتیں نقل کی ہیں اور موطا امام مالک، سنن ابی داؤد، نیز جامع الاصول سب میں چار مرتبہ منقول ہے۔

توضیح: "ثم اوتر" یہ حدیث بھی اس پر دلالت کرتی ہے کہ وتر کی تین رکعتیں ہیں کیونکہ اس حدیث میں دو دو رکعات کا پانچ مرتبہ ذکر آیا ہے جو مشکوۃ کے اصل نسخہ میں ہے یہ دس رکعات بنتی ہیں اور پھر وتر کا ذکر ہے اس میں اگرچہ تین رکعات کے الفاظ نہیں ہیں لیکن نتیجہ میں جو تیرہ رکعات کا مجموعہ بیان کیا گیا ہے۔ اس سے واضح طور پر ثابت ہوتا ہے کہ وتر تین رکعات ہیں اور یہی سب فقہاء کے ہاں افضل بھی ہے اور جن نسخوں میں رکعتین کا ذکر چھ مرتبہ آیا ہے اس سے بارہ رکعات ثابت ہو جائیں گی اور ایک رکعت وتر کی ہوگی لیکن احناف اس صورت میں **رکعتین خفیفتین** کو اصل گنتی میں شمار نہیں کریں گے لہٰذا وتر تین رکعت ثابت ہوں گی۔[3]

"**طویلتین**" اس میں تین مرتبہ تکرار مبالغہ کے لئے ہے کہ خفیف رکعتین کے بعد حضور ﷺ نے بہت ہی لمبی رکعتیں پڑھیں۔

---

[1] المرقات: ۳/۲۶۹ [2] اخرجہ ومسلم: ۲/۱۸۳ ومالک: ۹۶ وابوداؤد: ۱۳۶۶ وحمیدی: ۲۰۳ [3] المرقات: ۳/۲۶۹

نفل نماز بیٹھ کر پڑھنا جائز ہے [۱]

﴿۱۱﴾ وعن عَائِشَةَ قَالَتْ لَمَّا بَدَّنَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَ ثَقُلَ كَانَ أَكْثَرُ صَلَاتِهِ جَالِساً. (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ) [۲]

ترجمہ: اورام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ سرور کائنات ﷺ جب عمر کے آخری حصہ میں پہنچے اور (بڑھاپے کی وجہ سے) بدن مبارک بھاری ہوگیا تو آپ اکثر نفل نمازیں بیٹھ کر پڑھا کرتے تھے۔ (بخاری، مسلم)

تہجد میں حضور اکرم ﷺ کونسی سورتیں پڑھتے تھے؟

﴿۱۲﴾ وعن عَبْدِ اللهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ لَقَدْ عَرَفْتُ النَّظَائِرَ الَّتِيْ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُقْرِنُ بَيْنَهُنَّ فَذَكَرَ عِشْرِيْنَ سُوْرَةً مِنْ أَوَّلِ الْمُفَصَّلِ عَلَى تَأْلِيْفِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ سُوْرَتَيْنِ فِيْ رَكْعَةٍ آخِرُهُنَّ حٰمٓ الدُّخَانَ وَعَمَّ يَتَسَاءَلُوْنَ. (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ) [۳]

ترجمہ: اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جو سورتیں آپس میں ہم مثل ہیں اور سرور کائنات ﷺ جنہیں جمع کرتے تھے میں انہیں جانتا ہوں۔ چنانچہ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے اپنی ترتیب کے مطابق بیس سورتیں جو مفصل کے اول میں ہیں گن کر بتائیں۔ آنحضرت ﷺ ان سورتوں کو اس طرح جمع کرتے تھے کہ ایک ایک رکعت میں دو دو سورتیں پڑھا کرتے تھے اور (ان سورتوں میں) آخری دو سورتیں حٰمٓ الدخان اور عَمَّ یتساء لون ہیں۔ (بخاری ومسلم)

توضیح: "النظائر" یہ نظیر کی جمع ہے ہم مثل سورتیں مراد ہیں یعنی وہ سورتیں جو طوالت واختصار میں یکساں ہوں۔ [۱]
"علی تالیف ابن مسعود" حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے مصحف کی جو ترتیب رکھی تھی یہ اس کی طرف اشارہ ہے جو مصحف عثمانی کی ترتیب سے کچھ مختلف تھی مگر علماء نے لکھا ہے کہ قرآن کریم کو اسی ترتیب پر پڑھنا لازم ہے جو ترتیب حضرت عثمان نے قائم فرمائی ہے حضرت ابن مسعود کی ترتیب میں بیس سورتوں کی ترتیب اس طرح تھی جو ابوداؤد میں مذکور ہے کہ حضور اکرم ﷺ ایک ایک رکعت میں دو دو سورتوں کو اس طرح اکٹھا فرما کر پڑھا کرتے تھے۔ مثلاً سورۃ رحمان اور سورت نجم ایک رکعت میں، سورۃ قمر اور سورۃ الحاقہ ایک رکعت میں، سورۃ معارج اور سورۃ نازعات ایک رکعت میں، سورۃ مطففین اور سورۃ عبس ایک رکعت میں، سورۃ نبأ اور سورۃ مرسلات ایک رکعت میں اور سورۃ دخان اور سورۃ تکویر ایک رکعت میں۔ اس مذکورہ حدیث میں اسی ترتیب کی طرف اجمالی اشارہ ہے۔ [۵]
تاہم علماء کا اجماعی فیصلہ ہے کہ آج کل قرآن کو اسی ترتیب پر پڑھا جائے گا جس طرح موجود ہے ترتیب نزولی اور ترتیب

[۱] المرقات: ۳/۲۷۰ [۲] اخرجہ ومسلم: ۲/۱۶۲ [۳] اخرجہ [۴] المرقات: ۳/۲۷۲ [۵] المرقات: ۳/۲۷۲

مصحف میں فرق ہے لیکن یہ فرق ترتیب اور تقدیم وتاخیر کا فرق ہے قرآن میں کمی زیادتی کا فرق نہیں ہے قرآن کریم اللہ تعالیٰ کی حفاظت سے محفوظ ہے شیعہ شنیعہ اس کو محفوظ نہیں سمجھتے۔

الفصل الثانی

آنحضرت ﷺ کی طویل نماز کا ذکر

﴿۱۳﴾ عن حُذَيْفَةَ أَنَّهُ رَأَى النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّيْ مِنَ اللَّيْلِ فَكَانَ يَقُوْلُ اَللّٰهُ أَكْبَرُ ثَلَاثاً ذُو الْمَلَكُوْتِ وَالْجَبَرُوْتِ وَالْكِبْرِيَاءِ وَالْعَظَمَةِ ثُمَّ اسْتَفْتَحَ فَقَرَأَ الْبَقَرَةَ ثُمَّ رَكَعَ فَكَانَ رُكُوْعُهُ نَحْواً مِنْ قِيَامِهِ فَكَانَ يَقُوْلُ فِيْ رُكُوْعِهِ سُبْحَانَ رَبِّيَ الْعَظِيْمِ ثُمَّ رَفَعَ رَأْسَهُ مِنَ الرُّكُوْعِ فَكَانَ قِيَامُهُ نَحْواً مِنْ رُكُوْعِهِ يَقُوْلُ لِرَبِّيَ الْحَمْدُ ثُمَّ سَجَدَ فَكَانَ سُجُوْدُهُ نَحْواً مِنْ قِيَامِهِ فَكَانَ يَقُوْلُ فِيْ سُجُوْدِهِ سُبْحَانَ رَبِّيَ الْأَعْلٰى ثُمَّ رَفَعَ رَأْسَهُ مِنَ السُّجُوْدِ وَكَانَ يَقْعُدُ فِيْمَا بَيْنَ السَّجْدَتَيْنِ نَحْواً مِنْ سُجُوْدِهِ وَكَانَ يَقُوْلُ رَبِّ اغْفِرْلِيْ رَبِّ اغْفِرْلِيْ فَصَلّٰى أَرْبَعَ رَكَعَاتٍ قَرَأَ فِيْهِنَّ الْبَقَرَةَ وَآلَ عِمْرَانَ وَالنِّسَاءَ وَالْمَائِدَةَ أَوِ الْأَنْعَامَ شَكَّ شُعْبَةُ. (رواه أبو داود)[1]

ترجمہ: حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں منقول ہے کہ انہوں نے سرور کائنات ﷺ کو رات میں (تہجد کی) نماز پڑھتے دیکھا ہے چنانچہ (ان کا بیان ہے کہ) آنحضرت ﷺ نے تین مرتبہ اللہ اکبر کہہ کر یہ کہا (اللہ تعالیٰ ملک، غلبہ، بڑائی اور بزرگی کا مالک ہے) اس کے بعد آپ نے **سبحانک اللھم** پڑھ کر سورۃ بقرہ کی قرأت فرمائی اور اس کے بعد رکوع کیا آپ کا رکوع (تقریباً) قیام کے برابر تھا، رکوع میں آپ نے **سبحان ربی العظیم** کہا پھر رکوع سے سر اٹھایا اور آپ کا کھڑا ہونا یعنی قومہ (تقریباً) آپ کے رکوع کے برابر تھا اور (رکوع سے اٹھ کر سمع اللہ لمن حمدہ کہنے کے بعد) آپ کہتے **لربی الحمد** (میرے پروردگار ہی کے لئے ساری تعریف ہے) پھر سجدہ کیا اور آپ کی سجدہ کی مقدار آپ کے قومہ کے برابر تھی اور سجدہ میں آپ کہتے **سبحان ربی الاعلی** پھر آپ نے سجدہ سے سر اٹھایا اور آپ دونوں سجدوں کے درمیان (یعنی جلسہ میں) اپنے سجدے کے برابر بیٹھتے اور یہ کہتے **رب اغفرلی رب اغفرلی** (اے میرے رب میری بخشش کر اے میرے رب مجھے بخش دے) اسی طرح آپ نے چار رکعتیں پڑھیں۔ اور ان (چاروں رکعتوں میں) سورۃ بقرہ، سورۃ آل عمران، سورۃ نساء اور سورۃ مائدہ یا سورۃ انعام پڑھیں (حدیث کے راوی) شعبہ رضی اللہ عنہ کو شک واقع ہو گیا ہے (کہ حدیث میں آخری سورۃ مائدہ کا ذکر کیا گیا تھا یا انعام کا)

﴿۱۴﴾ وعن عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ قَامَ

[1] اخرجه ابو داؤد: ۸۷۴

بِعَشْرِ آيَاتٍ لَمْ يُكْتَبْ مِنَ الْغَافِلِيْنَ وَمَنْ قَامَ بِمِائَةِ آيَةٍ كُتِبَ مِنَ الْقَانِتِيْنَ وَمَنْ قَامَ بِأَلْفِ آيَةٍ كُتِبَ مِنَ الْمُقَنْطِرِيْنَ۔ (رَوَاهُ أَبُوْدَاوُدَ)[1]

ترجمہ: اور حضرت عبداللہ ابن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "جو شخص دس آیتوں کے (پڑھنے کے) ساتھ قیام کرے تو وہ غافلین میں شمار نہیں کیا جاتا (یعنی اس کا نام صحیفہ غافلین میں نہیں لکھا جاتا) اور جو شخص سو آیتوں کے (پڑھنے کے) ساتھ قیام کرے تو اس کا نام فرمانبرداروں میں لکھا جاتا ہے اور جو شخص ہزار آیتوں کے (پڑھنے کے) ساتھ قیام کرے تو اس کا نام بہت زیادہ ثواب پانے والوں میں لکھا جاتا ہے۔ (ابوداؤد)

﴿۱۵﴾ وعن أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ كَانَتْ قِرَاءَةُ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِاللَّيْلِ يَرْفَعُ طَوْراً وَيَخْفِضُ طَوْراً۔ (رَوَاهُ أَبُوْدَاوُدَ)[2]

ترجمہ: اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رات کی نماز میں سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی قرأت مختلف ہوتی تھی۔ کبھی تو آپ بلند آواز سے قرأت فرماتے اور کبھی پست آواز سے۔ (ابوداؤد)

﴿۱۶﴾ وعن ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ كَانَتْ قِرَاءَةُ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى قَدْرِ مَا يَسْمَعُهُ مَنْ فِي الْحُجْرَةِ فِي الْبَيْتِ۔ (رَوَاهُ أَبُوْدَاوُدَ)[3]

ترجمہ: اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم اتنی آواز سے قرأت فرماتے تھے کہ اگر آپ حجرہ کے اندر پڑھتے ہوتے تو باہر صحن میں موجود شخص سن لیتا تھا۔ (ابوداؤد)

نماز کی قرأت میں اعتدال چاہئے

﴿۱۷﴾ وعن أَبِي قَتَادَةَ قَالَ إِنَّ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَرَجَ لَيْلَةً فَإِذَاهُوَ بِأَبِي بَكْرٍ يُصَلِّي يَخْفِضُ مِنْ صَوْتِهِ وَمَرَّ بِعُمَرَ وَهُوَ يُصَلِّي رَافِعاً صَوْتَهُ قَالَ فَلَمَّا اِجْتَمَعَا عِنْدَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ يَا أَبَابَكْرٍ مَرَرْتُ بِكَ وَأَنْتَ تُصَلِّي تَخْفِضُ صَوْتَكَ قَالَ قَدْ أَسْمَعْتُ مَنْ نَاجَيْتُ يَا رَسُوْلَ اللهِ وَقَالَ لِعُمَرَ مَرَرْتُ بِكَ وَأَنْتَ تُصَلِّي رَافِعاً صَوْتَكَ فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللهِ أُوْقِظُ الْوَسْنَانَ وَأَطْرُدُ الشَّيْطَانَ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَا أَبَابَكْرٍ اِرْفَعْ مِنْ صَوْتِكَ شَيْئاً

[1] اخرجه وابوداؤد: ۱۳۹۸ [2] اخرجه وابوداؤد: ۲/۳۷ ح ۱۳۲۸ [3] اخرجه وابوداؤد: ۱۳۲۷

وَقَالَ لِعُمَرَ اِخْفِضْ مِنْ صَوْتِكَ شَيْئًا۔ (رَوَاهُ أَبُوْ دَاوُدَ وَرَوَى التِّرْمِذِيُّ نَحْوَهُ)[1]

ترجمہ: اور حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ (ایک مرتبہ) سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم رات میں باہر نکلے تو ناگہاں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس سے گذرے جو نماز میں پست آواز سے (قرآن کریم) پڑھ رہے تھے، پھر آپ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس سے گذرے جو نماز میں بلند آواز سے (قرآن کریم) پڑھ رہے تھے، ابوقتادہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ جب (صبح کو) حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ وحضرت عمر رضی اللہ عنہ دونوں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں یکجا (حاضر) ہوئے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "ابوبکر! (آج کی رات) ہم تمہارے پاس سے گذرے تو تم نماز میں پست آواز سے (قرآن کریم) پڑھ رہے تھے؟ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یارسول اللہ! میں جس سے مناجات کررہا تھا اسے ہی سنا رہا تھا (یعنی میں اپنے پروردگار کی مناجات میں مشغول تھا اور وہ سننے کے لئے بلند آواز کا محتاج نہیں ہے وہ ہر طرح سنتا ہے) پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ "عمر! (آج کی رات) ہم تمہارے پاس سے (بھی) گذرے تھے تم نماز میں باآواز بلند (قرآن کریم) پڑھ رہے تھے؟ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یارسول اللہ! میں (باآواز بلند قرآن کریم پڑھ کر ان) سوئے ہوئے لوگوں کو جگاتا تھا (جو عبادت خداوندی یعنی تہجد کے وقت اٹھنا تو چاہتے ہیں مگر نیند کے غلبہ کی وجہ سے ان کی آنکھیں کھل نہیں پاتیں) اور شیطان کو بھگاتا تھا" آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں کی باتیں سن کر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے) فرمایا کہ "ابوبکر! تم اپنی آواز کو کچھ اور بلند کرو اور (حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ) عمر! تم اپنی آواز کو ذرا پست کرو (یعنی اس طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حد اعتدال کی طرف دونوں کی راہنمائی فرمائی)۔

(ابوداؤد، ترمذی)

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ایک آیت پڑھتے ہوئے پوری رات کھڑے رہے

﴿۱۸﴾ وعن أَبِي ذَرٍّ قَالَ قَامَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَتّٰى أَصْبَحَ بِآيَةٍ وَالآيَةُ اِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَاِنَّهُمْ عِبَادُكَ وَاِنْ تَغْفِرْ لَهُمْ فَاِنَّكَ أَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ۔ (رَوَاهُ النَّسَائِيُّ وَابْنُ مَاجَه)[2]

ترجمہ: اور حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ (ایک رات نماز تہجد میں) سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم صبح تک کھڑے رہے اور یہ آیت پڑھتے رہے۔ اِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَاِنَّهُمْ عِبَادُكَ وَاِنْ تَغْفِرْ لَهُمْ فَاِنَّكَ أَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ترجمہ اگر تو انہیں عذاب دے تو وہ تیرے ہی بندے ہیں اور اگر تو انہیں بخش دے تو بڑا غالب حکمت والا ہے۔ (نسائی، ابن ماجہ)

﴿۱۹﴾ وعن أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا صَلّٰى أَحَدُكُمْ رَكْعَتَيِ الْفَجْرِ فَلْيَضْطَجِعْ عَلٰى يَمِيْنِهٖ۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَأَبُوْ دَاوُدَ)[3]

[1] اخرجہ وابوداؤد: ۱۳۲۹ والترمذی: ۴۴۷ [2] اخرجہ النسائی: ۲/۱۷۷ وابن ماجہ: ۱۳۵۰ [3] اخرجہ الترمذی: ۴۲۰ وابوداؤد: ۱۲۶۱

ترجمہ: اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ سرور کائنات ﷺ نے فرمایا۔ جب تم میں سے کوئی شخص فجر کی سنت کی دو رکعتیں پڑھ لے تو اسے چاہئے کہ (جماعت شروع ہونے تک) اپنی دائیں کروٹ پر لیٹے رہے۔ (ترمذی، ابوداؤد)

توضیح: اس حدیث کی تشریح پہلے گذر چکی ہے غیر مقلدین اس کروٹ لینے کو واجب یا سنت مؤکدہ کہتے ہیں جمہور فقہاء اس کو مباح اور مستحب کہتے ہیں اور اگر اس میں غلو ہو جائے تو بدعت بن جائے گی۔ [۱]

الفصل الثالث

کسی نیک عمل پر دوام محبوب چیز ہے

﴿۲۰﴾ عن مَسْرُوْقٍ قَالَ سَأَلْتُ عَائِشَةَ أَيُّ الْعَمَلِ كَانَ أَحَبَّ إِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَتِ الدَّائِمُ قُلْتُ فَأَيَّ حِيْنٍ كَانَ يَقُوْمُ مِنَ اللَّيْلِ قَالَتْ كَانَ يَقُوْمُ إِذَا سَمِعَ الصَّارِخَ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ) [۲]

ترجمہ: اور حضرت مسروق فرماتے ہیں کہ میں نے ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے دریافت کیا کہ سرور کونین ﷺ کے نزدیک سب سے زیادہ محبوب کونسا عمل تھا؟ تو انہوں نے فرمایا کہ مداومت عمل۔ میں نے پھر (یہ) پوچھا کہ ''رات میں تہجد کی نماز پڑھنے کے لئے آپ کس وقت کھڑے ہوتے تھے؟'' فرمایا کہ آپ اس وقت کھڑے ہوتے تھے جبکہ مرغ کی آواز سنتے تھے۔ (بخاری و مسلم)

توضیح: "الصارخ" اس سے مراد مرغ سحر کی اذان ہے اس کے اذان کے تین مراحل ہوتے ہیں رات کے وسط میں اس کی اذان ہوتی ہے پھر اس کے کچھ دیر بعد ہوتی ہے اور پھر رات کے آخری حصہ میں ہوتی ہے مرغ کا معمول ایک ہی رہتا ہے گھڑی آگے پیچھے ہو سکتی ہے لیکن مرغ سحر کا وقت ایک ہی رہتا ہے مگر شرط یہ ہے کہ مرغ فارم کا نہ ہو، فارم کے مرغ کو معلوم ہی نہیں کہ اذان کا وقت کیا ہوتا ہے نہ فارم کی مرغی کو انڈے سے چوزہ نکالنا آتا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ مخلوق نے اس کی تخلیق میں بے جا مداخلت کی تو یہ مرغ اس طرح پاگل اور جاہل نکلا۔ [۳]

عبادت میں اعتدال محبوب ہے

﴿۲۱﴾ وعن أَنَسٍ قَالَ مَا كُنَّا نَشَاءُ أَنْ نَرٰى رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي اللَّيْلِ مُصَلِّياً إِلَّا رَأَيْنَاهُ وَلَا نَشَاءُ أَنْ نَرَاهُ نَائِماً إِلَّا رَأَيْنَاهُ۔ (رَوَاهُ النَّسَائِيُّ) [۴]

ترجمہ: اور حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں، اگر ہم چاہتے کہ سرور کونین ﷺ کو رات میں نماز پڑھتے ہوئے دیکھیں تو

[۱] المرقات: ۳/۲۸۰ [۲] اخرجه والبخاری: ۲/۶۳، ۲/۱۲۲، ۸/۶۳، ۲/۶۳ ومسلم: ۲/۱۹۶ [۳] المرقات: ۳/۲۸۰ [۴] اخرجه النسائی: ۳/۲۱۳

آپ کو نماز پڑھتے ہوئے ہی دیکھتے تھے اور اگر یہ چاہتے تھے کہ آنحضرت ﷺ کو سوتے ہوئے دیکھیں تو آپ کو سوتے ہوئے ہی دیکھتے تھے۔ (نسائی)

تہجد میں آنحضرت ﷺ کا معمول

﴿۲۲﴾ وعن حُمَيْدِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ عَوْفٍ قَالَ اِنَّ رَجُلاً مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ قُلْتُ وَأَنَا فِيْ سَفَرٍ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاللّٰهِ لَأَرْقُبَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِلصَّلَاةِ حَتّٰى أَرٰى فِعْلَهٗ فَلَمَّا صَلّٰى صَلَاةَ الْعِشَاءِ وَهِيَ الْعَتَمَةُ اضْطَجَعَ هَوِيًّا مِنَ اللَّيْلِ ثُمَّ اسْتَيْقَظَ فَنَظَرَ فِي الْأُفُقِ فَقَالَ رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلاً حَتّٰى بَلَغَ اِلٰى اِنَّكَ لَا تُخْلِفُ الْمِيْعَادَ ثُمَّ أَهْوٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِلٰى فِرَاشِهٖ فَاسْتَلَّ مِنْهُ سِوَاكًا ثُمَّ أَفْرَغَ فِيْ قَدَحٍ مِنْ اِدَاوَةٍ عِنْدَهٗ مَاءً فَاسْتَنَّ ثُمَّ قَامَ فَصَلّٰى حَتّٰى قُلْتُ قَدْ صَلّٰى قَدْرَ مَا نَامَ ثُمَّ اضْطَجَعَ حَتّٰى قُلْتُ قَدْ نَامَ قَدْرَ مَا صَلّٰى ثُمَّ اسْتَيْقَظَ فَفَعَلَ كَمَا فَعَلَ أَوَّلَ مَرَّةٍ وَقَالَ مِثْلَ مَا قَالَ فَفَعَلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ قَبْلَ الْفَجْرِ. (رَوَاهُ النَّسَائِيُّ)[1]

ترجمہ: اور حضرت حمید بن عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ سرورِ کونین ﷺ کے ایک صحابی نے بیان کیا کہ (ایک مرتبہ) جبکہ میں آنحضرت ﷺ کے ہمراہ سفر میں تھا تو (آپ نے اپنے دل میں یا اپنے بعض احباب سے) کہا کہ "خدا کی قسم! آنحضرت ﷺ (جب تہجد کے لئے اٹھیں گے تو آپ) کو میں نماز کے وقت دیکھتا رہوں گا تاکہ میں آپ کے افعال دیکھوں (اور پھر اسی کے مطابق عمل کروں) چنانچہ جب آنحضرت ﷺ نے عشاء کی نماز کہ جس کو عتمہ کہتے ہیں پڑھ لی تو لیٹ گئے (اور کچھ دیر تک آرام کیا، پھر آپ بیدار ہوئے اور آسمان کی طرف نگاہ اٹھا کر یہ آیت **ربنا ما خلقت هذا باطلا** پڑھی یہاں تک کہ آپ اس آیت تک پہنچے۔ **انك لا تخلف الميعاد** بیشک تو وعدہ سے پھرا نہیں کرتا۔ پھر آپ اپنے بستر کی طرف متوجہ ہوئے اور وہاں سے مسواک نکالی، اس کے بعد ایک چھاگل میں سے جو آپ کے پاس رکھی ہوئی تھی (وضو کرنے یا مسواک تر کرنے کے لئے) پیالہ میں پانی نکالا پھر مسواک کرنے کے بعد (وضو کر کے یا پہلے کئے ہوئے وضو کے ساتھ نماز پڑھنے) کھڑے ہو گئے اور (جب) آپ نے نماز پڑھ لی، میں نے (دل میں) کہا کہ جتنی دیر آپ سوئے تھے اتنی ہی دیر اب آپ نے نماز پڑھی ہے پھر آپ لیٹ گئے اور میں نے (اپنے دل میں) کہا کہ جتنی دیر آپ نے نماز پڑھی تھی اتنی ہی دیر سوئے۔ پھر آپ بیدار ہوئے اور جو کچھ پہلے کیا تھا وہی اب کیا یعنی مسواک وغیرہ کی اور جو کچھ (یعنی آیت مذکورہ) پہلے پڑھا تھا وہی اب پڑھا، آنحضرت ﷺ نے نماز فجر سے پہلے اسی طرح تین مرتبہ کیا۔ (نسائی)

---

[1] اخرجه النسائی: ۳/۲۱۳

توضیح: اس حدیث میں چند مشکل الفاظ ہیں ان کا سمجھنا ضروری ہے۔

"لارقبن" نصر ینصر سے انتظار اور نگرانی کے معنی میں ہے مراد دیکھنا ہے جیسا "لارمقن" کے الفاظ گذر چکے ہیں۔ [۱]
"العتمة" [۲] عشاء کا پرانا نام ہے "هويا" اي حينا طويلا یعنی دیر تک "اهوی" [۳] مائل ہونا متوجہ ہونا ہاتھ بڑھا کر کسی چیز کو لینا "فاستل" [۴] استلال کسی چیز کے نکالنے کو کہتے ہیں یہاں مسواک نکالنا مراد ہے "اداوة" [۵] چمڑے کے برتن کو کہتے ہیں جسے چھاگل کہتے ہیں۔ [۶]

"فاستن" استنان سن سے ہے سن دانت کو کہتے ہیں اور استنان انھیں دانتوں پر مسواک کرنے کو کہتے ہیں۔ [۷]

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ آنحضرت ﷺ کا اپنے اعمال اور اپنے جسم پر کتنا قابو تھا کہ جب چاہتے بیدار ہوتے اور جب چاہتے سوجاتے تھے کسی نے سچ کہا۔

يبيت يجافي جنبه عن فراشه اذا اثتقلت بالمشركين المضاجع

﴿۲۳﴾ وعن يَعْلَى بْنِ مَمْلَكٍ أَنَّهُ سَأَلَ أُمَّ سَلَمَةَ زَوْجَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ قِرَاءَةِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَصَلَاتِهِ فَقَالَتْ وَمَا لَكُمْ وَصَلَاتَهُ كَانَ يُصَلِّيْ ثُمَّ يَنَامُ قَدْرَ مَا صَلَّى ثُمَّ يُصَلِّيْ قَدْرَ مَا نَامَ ثُمَّ يَنَامُ قَدْرَ مَا صَلَّى حَتَّى يُصْبِحَ ثُمَّ نَعَتَتْ قِرَاءَتَهُ فَإِذَا هِيَ تَنْعَتُ قِرَاءَةً مُفَسَّرَةً حَرْفاً حَرْفاً۔ (رَوَاهُ أَبُو دَاوُدَ وَالتِّرْمِذِيُّ وَالنَّسَائِيُّ) [۸]

ترجمہ: اور حضرت یعلیٰ بن مملک کے بارے میں منقول ہے کہ انہوں نے (ایک مرتبہ) حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا زوجہ مطہرہ سرور کونین ﷺ سے آنحضرت ﷺ کی قرأت اور نماز کے بارے میں پوچھا (جو آپ رات میں پڑھتے تھے) انہوں نے فرمایا کہ آپ کی نماز (اور قرأت بیان کرنے) سے تمہیں کیا (حاصل ہوگا تم میں اتنی قوت کہاں کہ آپ کے برابر قرأت کر سکو اور آپ کی طرح نماز پڑھ سکو، اور اگر سننا ہی چاہتے ہو تو سنو کہ) آپ نماز پڑھتے، پھر جتنی دیر تک آپ نماز پڑھتے اتنی ہی دیر تک سوتے، پھر (اٹھ کر) (اتنی ہی دیر تک نماز پڑھتے جتنی دیر تک سو چکے ہوتے پھر جتنی دیر تک آپ نماز پڑھتے اتنی ہی دیر تک سوتے یہاں تک کہ (یہ سلسلہ جاری رہتا اور) صبح ہو جاتی، اس کے بعد حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے آپ کی قرأت بیان کی یہاں تک کہ انہوں نے خوب واضح اور ایک ایک حرف قرأت کا بیان کیا۔ (ابوداؤد، ترمذی، نسائی)

---

[۱] المرقات: ۳/۲۸۱ [۲] المرقات: ۳/۲۸۱ [۳] المرقات: ۳/۲۸۱ [۴] المرقات: ۳/۲۸۱ [۵] المرقات: ۳/۲۸۲ [۶] المرقات: ۳/۲۸۲
[۷] المرقات: ۳/۲۸۲ [۸] اخرجه وابوداؤد: ۱۳۶۶ والترمذی: ۲۹۲۳ والنسائی: ۱۸۱/۲/۲۱۳/۲

مورخہ ۱۵ جمادی الاول ۱۴۱۰ھ

باب ما یقول اذا قام من اللیل

تہجد کے وقت کی دعائیں

الفصل الاول

﴿۱﴾ عن ابنِ عَبَّاسٍ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا قَامَ مِنَ اللَّيْلِ يَتَهَجَّدُ قَالَ اَللّٰهُمَّ لَكَ الْحَمْدُ أَنْتَ قَيِّمُ السَّمٰوَاتِ وَالْأَرْضِ وَمَنْ فِيهِنَّ وَلَكَ الْحَمْدُ أَنْتَ نُوْرُ السَّمٰوَاتِ وَالْأَرْضِ وَمَنْ فِيهِنَّ وَلَكَ الْحَمْدُ أَنْتَ مَلِكُ السَّمٰوَاتِ وَالْأَرْضِ وَمَنْ فِيهِنَّ وَلَكَ الْحَمْدُ أَنْتَ الْحَقُّ وَوَعْدُكَ الْحَقُّ وَلِقَاؤُكَ حَقٌّ وَقَوْلُكَ حَقٌّ وَالْجَنَّةُ حَقٌّ وَالنَّارُ حَقٌّ وَالنَّبِيُّوْنَ حَقٌّ وَمُحَمَّدٌ حَقٌّ وَ السَّاعَةُ حَقٌّ اَللّٰهُمَّ لَكَ أَسْلَمْتُ وَبِكَ آمَنْتُ وَعَلَيْكَ تَوَكَّلْتُ وَ إِلَيْكَ أَنَبْتُ وَبِكَ خَاصَمْتُ وَ إِلَيْكَ حَاكَمْتُ فَاغْفِرْلِيْ مَاقَدَّمْتُ وَمَا أَخَّرْتُ وَمَا أَسْرَرْتُ وَمَا أَعْلَنْتُ وَمَا أَنْتَ أَعْلَمُ بِهِ مِنِّيْ أَنْتَ الْمُقَدِّمُ وَأَنْتَ الْمُؤَخِّرُ لَا إِلٰهَ إِلَّا أَنْتَ وَلَا إِلٰهَ غَيْرُكَ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)[1]

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم جب رات میں تہجد (کی نماز) پڑھنے کھڑے ہوتے تو یہ (دعا) پڑھتے:

(اے میرے رب تیرے ہی لئے تمام تعریفیں ہیں تو ہی آسمانوں اور زمین کو قائم رکھنے والا ہے اور اس چیز کو جو ان کے درمیان ہے اور تمام تعریفیں تیرے ہی لئے ہیں تو ہی زمین و آسمانوں کو اور جو کچھ ان کے درمیان ہیں سب کو روشن کرنے والا ہے اور تمام تعریفیں تیرے ہی لئے ہیں اور تو ہی زمین و آسمانوں کا اور جو کچھ ان کے درمیان ہے سب کا بادشاہ ہے اور سب تعریفیں تیرے ہی لئے ہیں تو ہی حق ہے، تیرا وعدہ حق ہے، تیری ملاقات حق ہے، تیرا کلام حق ہے، بہشت حق ہے، دوزخ حق ہے، تمام نبی حق ہیں، محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) حق ہیں اور قیامت حق ہے، اے پروردگار! میں تیرا تابعدار ہوں؛ میں نے تیرے تمام احکامات قبول کئے، میں تجھ پر ایمان لایا اور تجھ ہی پر بھروسہ کیا، تیری طرف میں نے رجوع کیا، تیری ہی مدد سے میں (دین کے) دشمنوں سے جھگڑتا ہوں اور تیرے ہی پاس اپنی فریاد لایا ہوں، پس تو میرے ان گناہوں کو بھی بخش دے جو میں نے پہلے کئے ہیں اور ان گناہوں کو بھی جو بعد میں مجھ سے سرزد ہوں گے نیز ان گناہوں کو بھی (بخش دے) جو میں نے پوشیدہ طور پر اور ظاہری طور پر کئے اور جو کچھ میری خطائیں ہیں

[1] اخرجه البخاری: ۱۹۷ ومسلم: ۲/۱۸۴

جنہیں تو ہی مجھ سے بہتر جانتا ہے (سب کو معاف کردے) اور تو ہی (جسے چاہے) آگے کرنے والا اور پیچھے ڈال دینے والا ہے تو ہی معبود ہے تیرے سوا کوئی معبود نہیں۔ (بخاری ومسلم)

توضیح: "یتھجد" یہ جملہ حال واقع ہوا ہے حدیث کے ظاہری الفاظ سے اور صاحب مشکوٰۃ کے اس طرح عنوان رکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ آنے والی احادیث کی دعائیں نماز کے اندر کی دعائیں نہیں ہیں بلکہ تہجد شروع کرنے کے وقت کی دعائیں ہیں اور یہ بھی احتمال ہے کہ تہجد کے دوران حضور ﷺ نے یہ دعائیں پڑھی ہوں۔[1]

﴿۲﴾ وعن عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا قَامَ مِنَ اللَّيْلِ اِفْتَتَحَ صَلَاتَهُ فَقَالَ اَللّٰهُمَّ رَبَّ جِبْرِيْلَ وَ مِيْكَائِيْلَ وَ اِسْرَافِيْلَ فَاطِرَ السَّمٰوَاتِ وَالْأَرْضِ عَالِمَ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ أَنْتَ تَحْكُمُ بَيْنَ عِبَادِكَ فِيْمَا كَانُوْا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ اِهْدِنِيْ لِمَا اُخْتُلِفَ فِيْهِ مِنَ الْحَقِّ بِإِذْنِكَ تَهْدِيْ مَنْ تَشَاءُ إِلٰى صِرَاطٍ مُسْتَقِيْمٍ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)[2]

ترجمہ: اور ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ سرور کونین ﷺ جب رات میں کھڑے ہوتے اور (تہجد کی) نماز شروع کرتے تو یہ دعا پڑھتے۔

اے اللہ! اے پروردگار جبرئیل (علیہ السلام) میکائیل (علیہ السلام) اسرافیل (علیہ السلام) کے! اے پیدا کرنے والے آسمانوں اور زمین کے اور اے پوشیدہ اور ظاہر کے جاننے والے تو ہی اپنے بندوں کے درمیان اس چیز میں جس میں وہ اختلاف کرتے ہیں فیصلہ کرے گا، اے اللہ امر حق میں جو اختلاف کیا گیا ہے اس میں میری رہنمائی کر، کیونکہ جسے تو چاہتا ہے سیدھا راستہ دکھاتا ہے۔ (مسلم)

﴿۳﴾ وعن عُبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ تَعَارَّ مِنَ اللَّيْلِ فَقَالَ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيْكَ لَهُ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ وَ سُبْحَانَ اللهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ وَلَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ وَاللهُ أَكْبَرُ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللهِ ثُمَّ قَالَ رَبِّ اغْفِرْلِيْ أَوْقَالَ ثُمَّ دَعَا اسْتُجِيْبَ لَهُ فَإِنْ تَوَضَّأَ وَصَلّٰى قُبِلَتْ صَلَاتُهُ۔ (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)[3]

ترجمہ: اور حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ سرور کونین ﷺ نے فرمایا جو شخص رات میں بیدا ہو تو یہ تسبیح پڑھے۔

(اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں وہ اکیلا ہے کوئی اس کا شریک نہیں اس کے لئے بادشاہت ہے اور اسی کے لئے تمام تعریفیں ہیں اور وہ ہر چیز پر قادر ہے اور پاک ہے اللہ، تمام تعریفیں اللہ ہی کے لئے ہیں اور اس کے سوا کوئی معبود نہیں اور اللہ بہت بڑا ہے اور گناہوں سے بچنا اور عبادت کی قوت اللہ ہی کی مدد سے ہے اور اس کے بعد یہ کہے "رب اغفرلی" (اے میرے رب بخش دے) یا فرمایا کہ پھر دعا کرے (یعنی راوی کو شک واقع ہو گیا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے خاص طور پر "رب اغفرلی" پڑھنے کو فرمایا یا یہ فرمایا

[1] المرقات: ۳/۲۸۴ [2] اخرجه ومسلم: ۲/۱۸۵ [3] اخرجه البخاري: ۲/۶۸

کہ جو دعا چاہے پڑھے۔) اس کی دعا قبول کی جائے گی، پھر اگر وضو کرے اور نماز پڑھے تو اس کی نماز قبول کی جائے گی۔ (بخاری)

توضیح: "تعار من اللیل" نیند سے اٹھنے اور بیدار ہونے کو تعار کہتے ہیں بعض نے لکھا ہے کہ کروٹ لینے کو تعار کہتے ہیں "ابن ملک نے لکھا ہے کہ نیند سے جب آدمی بیدار ہوتا ہے تو اس کے منہ سے بے اختیار ایک آواز نکلتی ہے اسی کو تعار کہا گیا ہے حضور اکرم ﷺ نے اس بات کو پسند فرمایا کہ جب آواز نکلتی ہے تو بہتر ہے کہ وہ ذکر اللہ کے ساتھ نکلے اور آدمی مذکورہ دعا پڑھے یہ دعا خود نیکی اور مطلوب اور مقصود ہے لیکن اگر کسی نے اس دعا کے بعد وضو بنالیا اور نماز پڑھ لی تو اس کی نماز قبول ہوگی یہاں سے معلوم ہوا کہ یہ تمام دعائیں تہجد کی نماز سے پہلے پہلے پڑھنی چاہئے۔[1]

الفصل الثانی

﴿۴﴾ وعن عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا اسْتَيْقَظَ مِنَ اللَّيْلِ قَالَ لَا إِلٰهَ إِلَّا أَنْتَ سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ وَبِحَمْدِكَ أَسْتَغْفِرُكَ لِذَنْبِيْ وَأَسْأَلُكَ رَحْمَتَكَ اللّٰهُمَّ زِدْنِيْ عِلْماً وَلَا تُزِغْ قَلْبِيْ بَعْدَ إِذْ هَدَيْتَنِيْ وَهَبْ لِيْ مِنْ لَدُنْكَ رَحْمَةً إِنَّكَ أَنْتَ الْوَهَّابُ۔ (رَوَاهُ أَبُوْ دَاوُدَ)[2]

ترجمہ: ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ سرور کونین ﷺ جب رات میں (نیند سے) بیدار ہوتے تو یہ دعا پڑھتے:

(اے اللہ! تیرے سوا کوئی معبود نہیں تو پاک ہے، اے اللہ! میں تیری تعریف کے ساتھ تیری تسبیح کرتا ہوں، اپنے گناہوں کی بخشش چاہتا ہوں اور تجھ سے تیری رحمت کا طلب گار ہوں۔ اے اللہ! میرے علم میں زیادتی عطا فرما اور مجھے ہدایت یافتہ بنانے کے بعد (حق سے باطل کی طرف) میرے دل میں کجروی پیدا نہ ہونے دے اور اپنے پاس سے میرے لئے (ایمان وہدایت پر ثابت قدمی اور دینی توفیق کی) رحمت عطا فرما بے شک تو ہی بخشنے والا ہے۔

﴿۵﴾ وعن مُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا مِنْ مُسْلِمٍ يَبِيْتُ عَلَى ذِكْرٍ طَاهِراً فَيَتَعَارُّ مِنَ اللَّيْلِ فَيَسْأَلُ اللهَ خَيْراً إِلَّا أَعْطَاهُ اللهُ إِيَّاهُ۔ (رَوَاهُ أَحْمَدُ وَأَبُوْ دَاوُدَ)[3]

ترجمہ: اور حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ سرور کونین ﷺ نے فرمایا "جو بھی مسلمان رات میں پاکی کی حالت میں (یعنی وضو یا تیمم کرکے) ذکر اللہ کرتا ہوا سو جائے اور پھر رات میں بیدار ہونے کے بعد خدا سے بھلائی کی دعا مانگے تو اللہ تعالیٰ اسے (دنیا یا آخرت میں ضرور ہی) بھلائی دیتا ہے۔" (احمد، ابوداؤد)

﴿۶﴾ وعن شَرِيْقٍ الْهَوْزَنِيِّ قَالَ دَخَلْتُ عَلَى عَائِشَةَ فَسَأَلْتُهَا بِمَ كَانَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ

[1] المرقات: ۳/۲۸۸ [2] اخرجه وابوداؤد: ۵۰۶۱ [3] اخرجه احمد: ۵/۲۴۴

وَسَلَّمَ يَفْتَتِحُ إِذَا هَبَّ مِنَ اللَّيْلِ فَقَالَتْ سَأَلْتَنِي عَنْ شَيْءٍ مَا سَأَلَنِي عَنْهُ أَحَدٌ قَبْلَكَ كَانَ إِذَا هَبَّ مِنَ اللَّيْلِ كَبَّرَ عَشْرًا وَحَمِدَ اللهَ عَشْرًا وَقَالَ سُبْحَانَ اللهِ وَبِحَمْدِهِ عَشْرًا وَقَالَ سُبْحَانَ الْمَلِكِ الْقُدُّوسِ عَشْرًا وَاسْتَغْفَرَ اللهَ عَشْرًا وَهَلَّلَ اللهَ عَشْرًا ثُمَّ قَالَ اَللّٰهُمَّ إِنِّي أَعُوذُبِكَ مِنْ ضِيقِ الدُّنْيَا وَضِيقِ يَوْمِ الْقِيَامَةِ عَشْرًا ثُمَّ يَفْتَتِحُ الصَّلَاةَ۔ (رَوَاهُ أَبُو دَاوُد) [1]

ترجمہ: اور حضرت شریق الہوزنی فرماتے ہیں کہ میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا اوران سے پوچھا کہ سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم رات میں بیدار ہونے کے بعد (عبادت) کس چیز سے شروع کرتے تھے؟ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا کہ "تم نے مجھ سے (آج) وہ چیز پوچھی ہے جو تم سے پہلے کسی نے مجھ سے نہیں پوچھی (توسنو کہ) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب رات میں بیدار ہوتے تو (پہلے) اللہ اکبر دس مرتبہ الحمد للہ، دس مرتبہ سبحان اللہ وبحمدہ دس مرتبہ سبحان الملک القدوس دس مرتبہ کہتے، دس مرتبہ استغفار کرتے، لا الہ الا اللہ دس مرتبہ کہتے اور دس مرتبہ یہ کہتے: اللھم انی اعوذبک من ضیق الدنیا و ضیق یوم القیامۃ (اے پروردگار! میں تجھ سے دنیا کی تنگی (یعنی سختیوں) اور آخرت کی تنگی سے پناہ مانگتا ہوں۔ (ابوداؤد) پھر اس کے بعد آپ نماز تہجد شروع فرماتے۔" (ابوداؤد)

الفصل الثالث

﴿۷﴾ عن أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ قَالَ كَانَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا قَامَ مِنَ اللَّيْلِ كَبَّرَ ثُمَّ يَقُولُ سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ وَبِحَمْدِكَ وَتَبَارَكَ اسْمُكَ وَتَعَالَى جَدُّكَ وَلَا إِلٰهَ غَيْرُكَ ثُمَّ يَقُولُ اَللهُ أَكْبَرُ كَبِيرًا ثُمَّ يَقُولُ أَعُوذُ بِاللهِ السَّمِيعِ الْعَلِيمِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ مِنْ هَمْزِهِ وَنَفْخِهِ وَنَفْثِهِ۔
(رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَأَبُو دَاوُدَ وَالنَّسَائِيُّ وَزَادَ أَبُو دَاوُدَ بَعْدَ قَوْلِهِ غَيْرُكَ ثُمَّ يَقُولُ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ ثَلَاثًا وَفِي آخِرِ الْحَدِيثِ ثُمَّ يَقْرَأُ) [2]

ترجمہ: حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم جب رات میں نماز کے لئے کھڑے ہوتے تو اللہ اکبر کہہ کر یہ پڑھتے۔ (اے اللہ تو پاک ہے ہم تیری حمد کرتے ہیں تیرا نام بابرکت ہے تیری بزرگی بلند ہے اور تیرے سوا کوئی معبود نہیں ہے) پھر اللہ اکبر کبیرًا (اللہ بہت بڑا ہے بڑا) کہتے اور یہ دعا پڑھتے:
(میں اللہ سننے والے، جاننے والے کی شیطان مردود سے، اس کے وسوسے سے، اس کے تکبر سے اور اس کے بڑے شعر سکھانے سے پناہ مانگتا ہوں (ترمذی، ابوداؤد، نسائی) ابوداؤد نے اپنی روایت میں حدیث کے الفاظ "ولا الہ غیرک" کے بعد یہ الفاظ بھی نقل کئے ہیں کہ "پھر آپ لا الہ الا اللہ تین مرتبہ کہتے اور آخر حدیث کے الفاظ یہ ہیں کہ "پھر پڑھتے" (یعنی اعوذ باللہ السمیع العلیم الخ پڑھنے کے بعد قرأت فرماتے)۔

[1] اخرجہ وابوداؤد: ۵۰۸۵ [2] اخرجہ الترمذی: ۲۴۲ وابوداؤد: ۷۷۵ والنسائی: ۲/۱۳۲

نوٹ: اس حدیث کے الفاظ کی تشریح پہلے ہو چکی ہے۔

﴿۸﴾ وعن رَبِيْعَةَ بْنِ كَعْبٍ الْأَسْلَمِيِّ قَالَ كُنْتُ أَبِيْتُ عِنْدَ حُجْرَةِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَكُنْتُ أَسْمَعُهُ إِذَا قَامَ مِنَ اللَّيْلِ يَقُوْلُ سُبْحَانَ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ الْهَوِيَّ ثُمَّ يَقُوْلُ سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهِ الْهَوِيَّ. (رَوَاهُ النَّسَائِيُّ وَلِلتِّرْمِذِيِّ نَحْوُهُ وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ حَسَنٌ صَحِيْحٌ)[1]

ترجمہ: اور حضرت ربیعہ بن کعب اسلمی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم کے حجرۂ مبارک کے قریب ہی رات بسر کیا کرتا تھا، چنانچہ میں آپ کی آواز سنا کرتا تھا کہ جب آپ رات میں (تہجد کی) نماز کے لئے کھڑے ہوتے تو دیر تک سبحان رب العالمین (تمام عالم کا پروردگار پاک ہے) کہا کرتے تھے، پھر دیر تک کہتے سبحان اللہ و بحمدہ (اللہ پاک ہے میں اس کی تعریف کے ساتھ اس کی پاکی بیان کرتا ہوں) (نسائی) ترمذی نے بھی اسی طرح کی روایت نقل کی ہے اور کہا ہے کہ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

"الھوی" دیر تک پڑھنے اور کہنے کے معنی میں ہے پہلے گذر گیا ہے۔[2]

[1] اخرجه النسائی: ۳/۲۰۹ والترمذی: ۳۴۱۶ [2] المرقات: ۳/۲۹۳

باب التحريض على قيام الليل

تہجد پر ابھارنے کا بیان

تحریض ابھارنے اور رغبت وترغیب دلانے کے معنی میں ہے [۱] یہ جتنے ابواب آرہے ہیں یا گذر گئے ہیں۔ان سب میں تہجد ہی کے حوالہ سے احادیث مذکور ہیں صرف عنوانات میں کچھ ردوبدل کیا گیا ہے البتہ زیر بحث عنوان میں تہجد نہ پڑھنے اور رات بھر صبح تک سونے والوں کے لئے وعیدیں بھی ہیں۔

الفصل الاول

شیطان کا انسان کے ساتھ کھیل

﴿۱﴾ عن أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَعْقِدُ الشَّيْطَانُ عَلَى قَافِيَةِ رَأْسِ أَحَدِكُمْ إِذَا هُوَ نَامَ ثَلَاثَ عُقَدٍ يَضْرِبُ عَلَى كُلِّ عُقْدَةٍ عَلَيْكَ لَيْلٌ طَوِيلٌ فَارْقُدْ فَإِنِ اسْتَيْقَظَ فَذَكَرَ اللهَ انْحَلَّتْ عُقْدَةٌ فَإِنْ تَوَضَّأَ انْحَلَّتْ عُقْدَةٌ فَإِنْ صَلَّى انْحَلَّتْ عُقْدَةٌ فَأَصْبَحَ نَشِيطًا طَيِّبَ النَّفْسِ وَإِلَّا أَصْبَحَ خَبِيثَ النَّفْسِ كَسْلَانَ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ) [۲]

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ سرورکونین صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "جب تم میں سے کوئی شخص (رات میں) سوتا ہے تو شیطان مردود اس کے سر کی گدی پر تین گرہ لگاتا ہے۔ ہر گرہ پر (یہ کہہ کر) مارتا ہے (یعنی اس کے دل میں یہ بات ڈالتا ہے) کہ "ابھی بہت رات باقی ہے سوتا رہ" لہٰذا اگر کوئی شخص (شیطان کے اس مکر میں نہیں آتا اور عبادت الٰہی کے لئے) جاگتا ہے اور (دل میں ہی یا زبان سے) اللہ کو یاد کرتا ہے تو (غفلت وسستی کی) ایک گرہ کھل جاتی ہے، پھر جب وہ وضو کرتا ہے تو (نجاست کی) دوسری گرہ کھل جاتی ہے اور اس کے بعد جب نماز پڑھتا ہے تو (کسالت وبطالت کی) تیسری گرہ (بھی) کھل جاتی ہے۔ چنانچہ ایسا شخص شادماں اور پاک نفس صبح کرتا ہے ورنہ تو (جو شخص نہ جاگتا ہے نہ ذکر کرتا ہے اور نہ وضو کر کے نماز پڑھتا ہے تو وہ) کاہل اور پلید نفس صبح کرتا ہے۔" (بخاری ومسلم)

توضیح: "قافیة راس" سر کی گدی اور پچھلے حصہ کو قافیہ کہتے ہیں شیطان اس میں تین گرہ لگاتا ہے تاکہ یہ شخص غافل بن کر صبح تک سوتا رہے اور رات کو نماز نہ پڑھ سکے نہ صبح کی نماز کے لئے اٹھ سکے، ہر گرہ پر شیطان ایک منتر پڑھتا ہے جس کے الفاظ یہ ہیں "عليك ليل طويل فارقد" یعنی ابھی طویل رات باقی ہے تم جم کر سو جاؤ اس جملہ کی ترکیب

---

[۱] المرقات: ۳/۲۹۳ [۲] اخرجه البخاري: ۲/۶۵ ومسلم: ۲/۱۸۷

میں ملا علی قاری رحمہ اللہ نے مختلف اقوال ذکر فرمائے ہیں آسان ترکیب اس طرح ہے کہ علیك خبر مقدم ہے اور لیل طویل مبتدا مؤخر ہے عبارت اس طرح ہے "لیل طویل باق علیك فارقد"۔[۱]

"نشیطا" یعنی عبادت کے لئے چست ہو جاتا ہے گویا طیب النفس اس کی تفسیر ہے۔[۲]

"خبیث النفس" بدحال اور سست پست کے معنی میں ہے گویا کسلان اس کی تفسیر ہے۔ بعض شارحین کا خیال ہے کہ شیطان کا انسان کے ساتھ یہ کھیل کھیلنا حقیقت پر محمول نہیں بلکہ یہ ایک تشبیہی کلام ہے مراد سست کرنا اور عبادت سے غافل بنانا ہے۔

مگر بعض شارحین فرماتے ہیں کہ یہ کلام حقیقت پر محمول ہے اور شیطان خبیث واقعۃً انسان کے ساتھ یہ کھیل کرتا ہے اس لئے ہر مسلمان کو چاہئے کہ وہ شیطان کے پنجے سے بچنے کے لئے پانچوں نمازوں کی پابندی کرے تاکہ وہ اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں محفوظ رہے۔[۳]

حضور اکرم ﷺ کی کثرت عبادت

﴿۲﴾ وعن الْمُغِيْرَةِ قَالَ قَامَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَتَّى تَوَرَّمَتْ قَدَمَاهُ فَقِيْلَ لَهُ لِمَ تَصْنَعُ هٰذَا وَقَدْ غُفِرَ لَكَ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِكَ وَمَا تَأَخَّرَ قَالَ أَفَلَا أَكُوْنُ عَبْدًا شَكُوْرًا۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)[۴]

ترجمہ: اور حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ سرور کونین ﷺ نے رات میں (نماز پڑھنے کے لئے) اس قدر قیام کیا (یعنی اتنی دیر تک کھڑے رہے) کہ آپ کے مبارک پاؤں پر ورم آ گیا (یہ حال دیکھ کر) آپ سے عرض کیا گیا کہ "آپ اس قدر عبادت کیوں کرتے ہیں، آپ کے تو اللہ نے اگلے پچھلے سب گناہ معاف کر دیئے ہیں؟" آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ "کیا میں اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنے والا بندہ نہ بنوں؟" (بخاری ومسلم)

توضیح: "تورمت قدماہ" یعنی کثرت قیام اللیل کی وجہ سے قدم سوج جاتے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے آپ سے تذکرہ فرمایا کہ آپ اتنی محنت کیوں کرتے ہیں حالانکہ آپ کے تمام چھوٹے بڑے گناہ پہلے سے معاف ہیں آپ نے فرمایا کہ کیا میں عبادت کر کے اللہ کا شکر گذار بندہ نہ بنوں؟ علامہ بوصیری رحمہ اللہ قصیدہ بردہ میں فرماتے ہیں:[۵]

ظلمت سنة من احیا الظلام الی ان اشتکت قدماہ الضر من ورم

عبادت کے سوداگر

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے عبادت اور عبادت کرنے والوں کی تین قسمیں بیان فرمائی ہیں۔

❶ جن لوگوں نے جنت اور نعمتوں کی تمنا و طلب میں عبادت کی یہ سوداگروں کی عبادت ہے۔

[۱] المرقات: ۲/۲۹۴، ۲۹۵ [۲] المرقات: ۳/۲۹۵ [۳] المرقات: ۳/۲۹۵

[۴] اخرجه البخاری: ۲/۶۳، ۲/۱۹۹، ۸/۱۲۲ ومسلم: ۸/۱۲۱ [۵] المرقات: ۳/۲۹۶

❷ جن لوگوں نے دوزخ سے ڈر کر عبادت کی یہ غلاموں والی عبادت ہے۔

❸ جن لوگوں نے اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی نعمتوں کے شکر ادا کرنے کے لئے عبادت کی یہ آزاد لوگوں کی عبادت ہے اور یہی عبادت سب سے اعلیٰ وافضل ہے۔[۱]

"**وقد غفر لك**" یعنی آپ کے چھوٹے بڑے اگلے پچھلے تمام صغائر کبائر اللہ تعالیٰ نے معاف فرمائے ہیں۔[۲]

یہاں یہ سوال ہے کہ حضور اکرم ﷺ کی طرف "ذنب" کی نسبت کیسے کی گئی ہے آپ تو معصوم ہیں اس کا جواب یہ ہے کہ یہ فرضی کلام ہے کہ فرض کرلو اگر کوئی گناہ ہو بھی جائے تو وہ بھی اللہ نے معاف کر دیا ہے دوسرا جواب یہ کہ اس ذنب سے مراد زلات اور لغزشیں ہیں جو صغائر کے درجہ میں ہوتے ہیں تیسرا جواب یہ کہ آپ سے جو امور خلاف اولیٰ سرزد ہوئے ہیں وہ مراد ہیں وہ اگرچہ کوئی گناہ نہیں لیکن آپ کی شان رفیع کی وجہ سے اس کو گناہ کہدیا گیا کیونکہ **حسنات الابرار سیئات المقربین** ایک معروف ضابطہ ہے۔

شیطان بے نمازی کے کان میں پیشاب کرتا ہے

﴿۳﴾ وعن ابْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ ذُكِرَ عِنْدَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَجُلٌ فَقِيْلَ لَهُ مَا زَالَ نَائِمًا حَتّٰى أَصْبَحَ مَا قَامَ إِلَى الصَّلَاةِ قَالَ ذٰلِكَ رَجُلٌ بَالَ الشَّيْطَانُ فِيْ أُذُنِهِ أَوْ قَالَ فِيْ أُذُنَيْهِ.

(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)[۳]

ترجمہ: اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ (ایک دن) سرور کونین ﷺ کے سامنے ایک شخص کا ذکر آیا، چنانچہ آپ سے کہا گیا کہ وہ شخص صبح تک سویا رہتا ہے نماز کے لئے نہیں اٹھتا۔'' آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ ''وہ ایسا شخص ہے کہ اس کے کان میں یا آپ نے فرمایا کہ اس کے دونوں کانوں میں شیطان پیشاب کرتا ہے۔'' (بخاری ومسلم)

توضیح: "فی اذنه" رات کی اس عبادت سے مراد تہجد کی نماز بھی ہو سکتی ہے اور فجر کی نماز بھی ہو سکتی ہے یعنی تہجد تو دور کی بات ہے یہ شخص فجر کی نماز کے لئے بھی نہیں اٹھا حضور ﷺ نے فرمایا کہ اس شخص کے کانوں میں ابلیس نے پیشاب کر دیا۔[۴]

اب یہ پیشاب حقیقتاً بھی ہوسکتا ہے کہ واقعی شیطان آکر کان میں پیشاب کرتا ہے یا یہ ایک **تشبیہی** کلام ہے جس سے مراد یہ ہے کہ شیطان اس شخص کو ذلیل وخوار کر کے چھوڑ دیتا ہے یہی شیطان کا پیشاب ہے پہلا معنی واضح ہے۔

[۱] المرقات: ۳/۲۹۶، ۲۹۷ [۲] المرقات: ۳/۲۹۶، ۲۹۷

[۳] اخرجه البخاری: ۲/۶۶ [۴] المرقات: ۲۹۶/۳/۱۴۸۳ ومسلم: ۲/۱۸۷

فیشن زدہ عورتیں قیامت میں ننگی ہونگی

﴿۴﴾ وعن أُمِّ سَلَمَةَ قَالَتِ اسْتَيْقَظَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيْلَةً فَزِعًا يَقُوْلُ سُبْحَانَ اللّٰهِ مَاذَا أُنْزِلَ اللَّيْلَةَ مِنَ الْخَزَائِنِ وَمَاذَا أُنْزِلَ مِنَ الْفِتَنِ مَنْ يُوْقِظُ صَوَاحِبَ الْحُجُرَاتِ يُرِيْدُ أَزْوَاجَهُ لِكَيْ يُصَلِّيْنَ رُبَّ كَاسِيَةٍ فِي الدُّنْيَا عَارِيَةٌ فِي الْآخِرَةِ. (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)[1]

ترجمہ: اور ام المؤمنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ ایک روز رات میں سرور کونین ﷺ گھبرا کر یہ کہتے ہوئے بیدار ہو گئے کہ "سبحان اللہ! آج کی رات کس قدر خزانے اتارے گئے ہیں اور کس قدر فتنے نازل کئے گئے ہیں، کوئی ہے جو ان حجروں والوں کو اٹھا دے؟ آپ کی مراد ازواج مطہرات تھیں کہ وہ (اٹھ کر) نماز پڑھیں (تا کہ رحمت خداوندی حاصل کرسکیں اور عذاب وفتنوں سے بچ سکیں کیونکہ) اکثر عورتیں دنیا میں (تو) کپڑے پہننے والی ہیں لیکن آخرت میں ننگی ہوں گی۔" (بخاری)

توضیح: "عارية" یعنی بہت ساری فیشن زدہ عورتیں دنیا کے عیش وعشرت میں طرح طرح کے عمدہ لباس پہننے والی ہونگی لیکن قیامت میں ان کی حالت ایسی ہوگی کہ اللہ کی نافرمانی کی وجہ سے وہ آخرت میں نیک اعمال اور اچھے کردار سے خالی ہوں گی ننگے ہونے کا ایک مطلب تو یہی ہوا کہ نیک اعمال سے خالی ہاتھ ہوں گی۔

اس حدیث کا دوسرا مطلب یہ ہے کہ بہت ساری عورتیں دنیا میں لباس پہننے والی کہلائی جائیں گی لیکن وہ آخرت کے اعتبار سے ننگی ہیں کیونکہ ان کا لباس اتنا باریک ہے کہ وہ لباس کے حکم میں نہیں ہے بہر حال عورتوں کو چاہئے کہ وہ دنیا کی فانی آرائشوں کے پیچھے پڑ کر اپنی آخرت کو خراب نہ کریں۔[2]

رحمت خداوندی کے نزول کا وقت

﴿۵﴾ وعن أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَنْزِلُ رَبُّنَا تَبَارَكَ وَتَعَالَى كُلَّ لَيْلَةٍ إِلَى السَّمَاءِ الدُّنْيَا حِيْنَ يَبْقَى ثُلُثُ اللَّيْلِ الْآخِرُ يَقُوْلُ مَنْ يَدْعُوْنِيْ فَأَسْتَجِيْبَ لَهُ مَنْ يَسْأَلُنِيْ فَأُعْطِيَهُ مَنْ يَسْتَغْفِرُنِيْ فَأَغْفِرَ لَهُ.

(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ وَفِيْ رِوَايَةٍ لِمُسْلِمٍ ثُمَّ يَبْسُطُ يَدَيْهِ وَيَقُوْلُ مَنْ يُقْرِضُ غَيْرَ عَدُوْمٍ وَلَا ظَلُوْمٍ حَتّٰى يَنْفَجِرَ الْفَجْرُ)[3]

ترجمہ: اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ سرور کونین ﷺ نے فرمایا "ہر رات میں آخر تہائی رات کے وقت ہمارا بزرگ و برتر پروردگار دنیا کے آسمان (یعنی نیچے کے آسمان) پر نزول فرماتا ہے اور فرماتا ہے کہ کون ہے جو مجھے پکارے اور میں اسے قبولیت بخشوں؟ کون ہے جو مجھ سے سوال کرے اور میں اس کا سوال پورا کروں؟ کون ہے جو مجھ سے مغفرت کا طلبگار ہو اور

[1] اخرجه البخاری: ۱/۳۹، ۲/۶۲، ۲/۱۹۷، ۶/۱۰۰، ۸/۶۲، ۹/۶۲ [2] المرقات: ۳/۲۹۸ [3] اخرجه البخاری: ۲/۶۶، ۸/۸۸، ومسلم: ۲/۱۷۵

میں اسے بخشوں؟ (بخاری ومسلم) اور مسلم کی ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ دونوں ہاتھ پھیلا کر کہتا ہے کہ کون ہے جو اس کو قرض دے جو نہ فقیر ہے اور نہ ظلم کرنے والا ہے اور صبح تک یہی فرماتا رہتا ہے۔

توضیح: "ینزل ربنا" یہ الفاظ متشابہات کے قبیل سے ہیں اس کا آسان مفہوم یہ ہے کہ "مایلیق بشانہ" یعنی اللہ تعالیٰ کی شان کے لائق ومناسب جو اترنا ہے اسی شان سے اللہ تعالیٰ اتر آتا ہے۔ بعض شارحین نے یہ تاویل کی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت اتر آتی ہے بہرحال یہ تاویل ہے اور تاویل تاویل ہی ہوتی ہے یہ بات یاد رکھیں کہ یہ نزول رات کے مختلف اوقات میں ہوتا ہے کبھی نصف اللیل میں کبھی آخری لیل میں تو کوئی تعارض ان روایات میں نہیں ہے۔ [1]

خلاصہ یہ کہ متقدمین کے نزدیک آسمان دنیا پر یہ نزول ایک صفت بلا کیف ہے جس طرح بھی ہو ہمارا اس پر ایمان ہے محققین علماء اس نزول کو "تدلی" کے معنی میں لیتے ہیں یعنی مخلوق میں کوئی چیز اللہ تعالیٰ کی رحمت کا مظہر بن جائے متاخرین نے مضاف مقدر مانا ہے اور اس طرح تاویل کی ہے کہ "ینزل رحمۃ ربنا ویقول بواسطۃ الملک" شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے ایسے مواضع میں کچھ الگ راستہ اختیار کیا ہے لیکن وہ ان کے شذوذ ہیں نہ اپنائیں گے اور نہ فتویٰ لگائیں گے۔ [2]

"من یدعونی" یعنی اپنی مشکلات میں مجھے کون پکارتا ہے اور مجھ سے کون دعا مانگتا ہے۔ [3]

"من یسألنی" سوال کرنے اور طلب کرنے کے معنی میں ہے کسی چیز کا طلب کرنا مراد ہے۔ [4]

"من یقرض" یعنی مالی اور بدنی عبادت کے ذریعہ سے اللہ تعالیٰ سے ثواب اور بدلہ حاصل کرنے والا کون ہے۔ [5]

"غیر عدوم" یعنی ایسے رب کو قرض دیدے جو نہ فقیر ہے نہ عاجز ہے اور نہ کسی کے حق پر ظلم کرنے والا ہے اور نہ کسی کا حق گھٹانے والا ہے مطلب یہ ہوا کہ جو شخص دنیا میں کوئی نیک عمل اور بھلائی کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ عادل اور غنی ہے وہ آخرت میں اس شخص کو کامل اور مکمل اجر وثواب عطاء فرمائے گا۔ [6]

ہر رات میں قبولیت کی ایک گھڑی ہوتی ہے

﴿۶﴾ وعن جَابِرٍ قَالَ سَمِعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ إِنَّ فِي اللَّيْلِ لَسَاعَةً لَا يُوَافِقُهَا رَجُلٌ مُسْلِمٌ يَسْأَلُ اللّٰهَ فِيْهَا خَيْرًا مِنْ أَمْرِ الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ إِلَّا أَعْطَاهُ إِيَّاهُ وَذٰلِكَ كُلَّ لَيْلَةٍ۔

(رَوَاهُ مُسْلِمٌ) [7]

ترجمہ: اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ رات میں ایک ایسی

[1] المرقات: ۲۹۸،۳/۲۹۹ [2] المرقات: ۲/۲۹۹ [3] المرقات: ۳/۳۰۱ [4] المرقات: ۳/۳۰۱

[5] المرقات: ۳/۳۰۲ [6] المرقات: ۳/۳۰۱ [7] اخرجہ ومسلم: ۲/۱۷۵

ساعت آتی ہے کہ جو مسلمان اسے پاتا ہے اور اس میں اللہ جل شانہ سے دنیا یا آخرت کی کسی بھلائی کا سوال کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسے (ضرور) پورا فرماتا ہے اور (قبولیت کی) یہ ساعت ہر رات میں آتی ہے۔" (مسلم)

توضیح: یہ گھڑی غیر معین ہے تاکہ ہر مسلمان پوری رات کی قدر کرے۔[1]

ہر شب شب قدر است اگر قدری دانی

بعض علماء نے نصف شب کے وقت کو قبولیت دعا کا وقت بتایا ہے پہلی وجہ زیادہ بہتر ہے کہ ساعۃ الجمعۃ اور لیلۃ القدر کی طرح اس گھڑی کو بھی مبہم رکھا گیا ہے۔[2]

حضرت داؤد علیہ السلام کے روزے اور نماز محبوب تر عمل

﴿۷﴾ وعن عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَحَبُّ الصَّلَاةِ إِلَى اللّٰهِ صَلَاةُ دَاوُدَ وَأَحَبُّ الصِّيَامِ إِلَى اللّٰهِ صِيَامُ دَاوُدَ كَانَ يَنَامُ نِصْفَ اللَّيْلِ وَ يَقُوْمُ ثُلُثَهُ وَيَنَامُ سُدُسَهُ وَيَصُوْمُ يَوْمًا وَيُفْطِرُ يَوْمًا۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)[3]

ترجمہ: اور حضرت عبداللہ ابن عمرو رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "اللہ تعالیٰ کو تمام نمازوں میں حضرت داؤد علیہ السلام کی نماز زیادہ پسند اور تمام روزوں میں حضرت داؤد علیہ السلام کے روزے زیادہ پسند ہیں (ان کی نماز کی کیفیت یہ ہوتی تھی کہ) وہ آدھی رات سوتے اور تہائی رات قیام کرتے (یعنی نماز پڑھتے) اور پھر رات کے چھٹے حصہ میں سوتے اور وہ (روزہ اس طرح رکھتے تھے کہ) ایک دن تو روزہ رکھتے اور ایک دن افطار کرتے۔ (بخاری ومسلم)

توضیح: یعنی حضرت داؤد علیہ السلام کی نماز اور ان کے روزے اللہ تعالیٰ کے ہاں محبوب ترین اعمال میں سے تھے اس لئے ہر مسلمان بھی اسی طریقہ کو اپنائے وہ آسان طریقہ یہ تھا کہ آپ ایک دن روزہ رکھتے تھے اور ایک دن افطار کرتے تھے۔ اور نماز میں یہ طریقہ تھا کہ آدھی رات تک سوتے تھے اور پھر ایک تہائی تک نماز پڑھتے تھے اور پھر آخری چھٹے حصے میں سو جایا کرتے تھے اس طرح جسمانی تکلیف کم ہوتی تھی اور عبادت زیادہ ہوتی تھی۔[4]

رات کی عبادت میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول

﴿۸﴾ وعن عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ تَعْنِيْ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَنَامُ أَوَّلَ اللَّيْلِ وَ يُحْيِيْ آخِرَهُ ثُمَّ إِنْ كَانَتْ لَهُ حَاجَةٌ إِلَى أَهْلِهِ قَضَى حَاجَتَهُ ثُمَّ يَنَامُ فَإِنْ كَانَ عِنْدَ النِّدَاءِ الْأَوَّلِ جُنُبًا وَثَبَ فَأَفَاضَ عَلَيْهِ الْمَاءَ وَإِنْ لَمْ يَكُنْ جُنُبًا تَوَضَّأَ لِلصَّلَاةِ ثُمَّ صَلَّى رَكْعَتَيْنِ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)[5]

---

[1] المرقات: ۳/۳۰۲ [2] المرقات: ۳/۳۰۲، ۳۰۳ [3] اخرجه البخاري: ۲/۶۳، ۱۹۵/۲ ومسلم: ۱۹۵/۲

[4] المرقات: ۳/۳۰۳ [5] المرقات: ۳/۳۰۳ اخرجه البخاري: ۲/۶۶، ۱۹۵/۲ ومسلم: ۱۶۵/۲

ترجمہ: اور ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ سرور کونین ﷺ (رات اس طرح بسر کرتے تھے کہ) آپ رات کے ابتدائی حصہ میں تو سوتے تھے اور رات کے آخری حصہ کو زندہ رکھتے (یعنی بیدار رہتے اور عبادت کرتے) تھے۔ پھر اگر آپ کو اپنی زوجہ مطہرہ سے (ہم بستری کی) ضرورت ہوتی تو اپنی ضرورت پوری کرتے اور سو جاتے، چنانچہ اگر آپ (فجر کی) پہلی اذان کے وقت حالت ناپاکی میں ہوتے تو اٹھتے اور اپنے بدن پر پانی ڈالتے (یعنی نہاتے) اور اگر ناپاکی کی حالت میں نہ ہوتے تو نماز کے لئے وضو کرتے، اور پھر فجر کی سنت کی دو رکعتیں پڑھتے۔ (بخاری و مسلم)

توضیح: "یحی آخرہ" شب بیداری کو رات زندہ کرنا کہا گیا ہے[1] "حاجتہ"[2] اس سے جماع مراد ہے۔

"النداء الاول" ایک اذان فجر ہے اور ایک فجر کے لئے تکبیر واقامت ہے نداء اول سے مراد اقامت کے مقابلے میں اذان[3] ہے "وثب" اصل میں چھلانگ لگانے کو کہتے ہیں یہاں غسل کے لئے چستی کے ساتھ اٹھنا مراد ہے یہ روایت حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا[4] سے ہے "قالت کان" کے بعد راوی نے کان کا اسم نکال کر تفسیر کی ہے قالت کا مقولہ یہ نام ہے۔

الفصل الثانی

تہجد کی فضیلت

﴿۹﴾ عن أبي أمامة قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم عليكم بقيام الليل فإنه دأب الصالحين قبلكم وهو قربة لكم إلى ربكم ومكفرة للسيئات ومنهاة عن الإثم۔

(رواه الترمذي)[5]

ترجمہ: حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ سرور کونین ﷺ نے فرمایا "قیام لیل (یعنی نماز تہجد پڑھنے کو) ضروری جانو کیونکہ (اول تو) یہ طریقہ تم سے پہلے کے نیک لوگوں کا ہے اور پھر (دوسرے یہ کہ) قیام لیل تمہارے لئے پروردگار کی نزدیکی اور گناہوں کے دور ہونے کا سبب ہے، نیز یہ کہ تمہیں گناہوں سے باز رکھنے والا ہے۔" (ترمذی)

تین قسم کے خوش قسمت لوگ

﴿۱۰﴾ وعن أبي سعيد الخدري قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم ثلاثة يضحك الله إليهم الرجل إذا قام بالليل يصلي والقوم إذا صفوا في الصلاة والقوم إذا صفوا في قتال العدو۔ (رواه في شرح السنة)[6]

---

[1] المرقات: ۳/۲۰۲ [2] المرقات: ۳/۲۰۲ [3] المرقات: ۳/۲۰۲ [4] المرقات: ۳/۲۰۲

[5] اخرجه [6] اخرجه

ترجمہ: اور حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ سرور کونین ﷺ نے فرمایا ''تین (قسم کے) لوگ ایسے ہیں جن کی طرف (دیکھ کر) اللہ جل شانہ، ہنستا ہے (یعنی ان سے بے حد خوش ہوتا ہے اور ان کی طرف اپنی رحمت وعنایت کی نظر فرماتا ہے) ① وہ شخص جو رات میں تہجد کی نماز پڑھنے کھڑا ہوتا ہے ② وہ لوگ جو نماز پڑھنے کے لئے اپنی صفوں کو درست کرتے ہیں ③ وہ لوگ جو دشمنوں سے لڑنے کے لئے (یعنی جہاد کے وقت) صف بندی کرتے ہیں'' (شرح السنۃ)

﴿۱۱﴾ وعن عَمْرِو بْنِ عَبَسَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَقْرَبُ مَا يَكُوْنُ الرَّبُّ مِنَ الْعَبْدِ فِيْ جَوْفِ اللَّيْلِ الْآخِرِ فَإِنِ اسْتَطَعْتَ أَنْ تَكُوْنَ مِمَّنْ يَذْكُرُ اللهَ فِيْ تِلْكَ السَّاعَةِ فَكُنْ. (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ حَسَنٌ صَحِيْحٌ غَرِيْبٌ إِسْنَادًا) [1]

ترجمہ: اور حضرت عمرو بن عبسہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ سرور کونین ﷺ نے فرمایا ''پروردگار اپنے بندہ سے سب سے زیادہ قریب آخری شب میں ہوتا ہے لہٰذا اگر تم بھی اس وقت اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنے والوں میں ہو سکتے ہو تو ضرور ہو (یعنی اس بات کی کوشش کرو کہ تم بھی ان خوش نصیب مسلمانوں میں شمار کئے جاؤ جو اس وقت اپنے پروردگار کے ذکر میں مشغول ہوتے ہیں اور سعادت وخوش بختی کے خزانے اپنے دامن میں سمیٹ کر پروردگار کی رضا وخوشنودی کو اپنے قریب تر پاتے ہیں) امام ترمذی نے یہ روایت نقل کی ہے اور کہا ہے کہ یہ حدیث حسن صحیح ہے اور سند کی وجہ سے غریب ہے۔

تہجد کے لئے میاں بیوی ایک دوسرے کو جگائے

﴿۱۲﴾ وعن أَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَحِمَ اللهُ رَجُلًا قَامَ مِنَ اللَّيْلِ فَصَلّٰى وَأَيْقَظَ امْرَأَتَهُ فَصَلَّتْ فَإِنْ أَبَتْ نَضَحَ فِيْ وَجْهِهَا الْمَاءَ رَحِمَ اللهُ امْرَأَةً قَامَتْ مِنَ اللَّيْلِ فَصَلَّتْ وَأَيْقَظَتْ زَوْجَهَا فَصَلّٰى فَإِنْ أَبٰى نَضَحَتْ فِيْ وَجْهِهِ الْمَاءَ. (رَوَاهُ أَبُوْ دَاوُدَ وَالنَّسَائِيُّ) [2]

ترجمہ: اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ سرور کونین ﷺ نے فرمایا ''اللہ تعالیٰ اس شخص پر اپنی رحمت نازل فرمائے جو رات میں اٹھ کر (خود بھی تہجد کی) نماز پڑھے اور اپنی بیوی کو بھی جگائے تاکہ وہ بھی نماز پڑھے اور اگر بیوی (نیند کے غلبہ اور کثرت غفلت وسستی کی وجہ سے) نہ جاگے تو (اس کی نیند ختم کرنے کیلئے) اس کے منہ پر پانی کے چھینٹے ڈالے اور اللہ تعالیٰ اس عورت پر اپنی رحمت نازل فرمائے جو رات میں اٹھ کر (خود بھی تہجد کی) نماز پڑھے اور خاوند کو جگائے تاکہ وہ بھی نماز پڑھے اور اگر شوہر (غلبہ نیند وسستی کی وجہ سے) نہ جاگے تو وہ اس کے منہ پر پانی کے چھینٹے ڈالے۔ (ابوداؤد، نسائی)

توضیح: "نضحت" چھینٹیں دینے کے معنی میں ہے یعنی میاں بیوی جس طرح زندگی کے دوسرے شعبوں میں ایک دوسرے کے لئے وفادار اور خیر خواہ بن کر مدد کرتے ہیں ان کو چاہئے کہ وہ عبادات خداوندی میں بھی ایک دوسرے کی

[1] اخرجه الترمذی: فی کتاب الدعوات باب: ۱۱۹، ۵/۵۶۹ ح ۳۵۷۹ [2] اخرجه ابوداؤد: ۱۳۰۸، ۱۴۵۰ والنسائی: ۳/۲۰۵

مدد کرے اور نیند سے جگانے کی ہر ممکن کوشش کرے یہ تعلیم مدارس کے طلباء کے لئے بھی نافع اور کارآمد ہے نیز مختلف اسفار میں جو رفقاء ہوتے ہیں ان کے لئے بھی بہت مفید تعلیم ہے۔[1]

قبولیت دعا کا وقت

﴿۱۳﴾ وعن أَبِي أُمَامَةَ قَالَ قِيلَ يَا رَسُولَ اللهِ أَيُّ الدُّعَاءِ أَسْمَعُ قَالَ جَوْفُ اللَّيْلِ الْآخِرِ وَدُبُرَ الصَّلَوَاتِ الْمَكْتُوبَاتِ۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ)[2]

ترجمہ: اور حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ (ایک دن) سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کہ "یارسول اللہ! کس وقت کی دعا بہت زیادہ مقبول ہوتی ہے؟" آپ نے فرمایا "آخری تہائی رات میں اور فرض نمازوں کے بعد۔" (ترمذی)

نیک عمل کسے کہتے ہیں

﴿۱۴﴾ وعن أَبِي مَالِكٍ الْأَشْعَرِيِّ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ فِي الْجَنَّةِ غُرَفًا يُرَى ظَاهِرُهَا مِنْ بَاطِنِهَا وَ مِنْ ظَاهِرِهَا أَعَدَّهَا اللهُ لِمَنْ أَلَانَ الْكَلَامَ وَأَطْعَمَ الطَّعَامَ وَ تَابَعَ الصِّيَامَ وَصَلَّى بِاللَّيْلِ وَالنَّاسُ نِيَامٌ۔

(رَوَاهُ الْبَيْهَقِيُّ فِي شُعَبِ الْإِيمَانِ وَرَوَى التِّرْمِذِيُّ عَنْ عَلِيٍّ نَحْوَهُ وَفِي رِوَايَتِهِ لِمَنْ أَطَابَ الْكَلَامَ)[3]

ترجمہ: اور حضرت ابو مالک اشعری رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "جنت میں ایسے بالا خانے ہیں جن کے باہر کی چیزیں اندر اور اندر کی چیزیں باہر دکھائی دیتی ہیں اور یہ بالا خانے اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کے لئے تیار کئے ہیں جو دوسرے لوگوں سے نرمی سے بات کرتے ہیں (غریب و ناداروں کو) کھانا کھلاتے ہیں، پے در پے (یعنی اکثر) نفل روزے رکھتے ہیں اور رات میں ایسے وقت (تہجد کی) نماز پڑھتے ہیں جبکہ (اکثر) لوگ نیند کی آغوش میں ہوتے ہیں۔ اس روایت کو بیہقی نے شعب الایمان میں نقل کیا ہے۔ نیز ترمذی نے بھی اس طرح کی روایت حضرت علی رضی اللہ عنہ سے نقل کی ہے مگر ان کی روایت میں **لمن الان الکلام** کے بجائے **لمن اطاب الکلام** کے الفاظ ہیں (اور دونوں کے معنی ایک ہی ہیں)

توضیح: یعنی شیش محل بالا خانوں میں ہونگے[4] "الان" نرم کرنے کے معنی میں ہے مراد خوش اخلاقی سے پیش آنا ہے یعنی نرم گفتگو کرے غریبوں کو کھانا کھلائے مسلسل روزے رکھے اور لوگوں کے سوتے وقت رات میں تہجد پڑھے یعنی ایسے اخلاق رکھنے والوں کو اس قسم کی جنت ملیگی اس حدیث میں نیک اعمال کی نشاندھی کی گئی ہے آج کل لوگ اپنی طرف سے اعمال بنا کر اس پر محنت کرتے ہیں وہ مستند اعمال نہیں ہیں مذکورہ اعمال مستند ہیں۔[5]

[1] المرقات: ۳/۳۰۸ [2] اخرجه الترمذی: ۳۴۹۹ [3] اخرجه [4] المرقات: ۳/۳۰۸ [5] المرقات: ۳/۳۰۸

الفصل الثالث

تہجد چھوڑنے کی ممانعت

﴿۱۵﴾ عن عبدِ اللهِ بنِ عمرِو بنِ العاصِ قالَ قالَ لي رسولُ اللهِ صلَّى اللهُ عليهِ وسلَّمَ يا عبدَ اللهِ لا تكُنْ مِثلَ فلانٍ كانَ يقومُ من اللَّيلِ فترَكَ قيامَ اللَّيلِ۔ (مُتفقٌ عليه)[1]

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ سرور کونین ﷺ نے (ایک روز) مجھ سے فرمایا کہ ''عبداللہ (دیکھو) فلاں شخص کی طرح نہ ہوجانا کہ وہ رات میں قیام کرتا تھا (یعنی تہجد کی نماز پڑھتا تھا) پھر بعد میں رات کے قیام کو اس نے چھوڑ دیا۔'' (بخاری ومسلم)

توضیح: صحابہ کے دور میں کوئی شخص ہوگا جو پہلے تہجد گذارتا تھا پھر اس نے تہجد کو چھوڑ دیا اس پر حضور اکرم ﷺ نے حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ تم اس شخص کی طرح نہ بنو جو پہلے تہجد پڑھتا تھا جنت میں اعلیٰ درجے کماتا تھا لیکن پھر اس نے تہجد چھوڑ دیا اور بلندی سے نیچے آکر گرا تم ایسا نہ کرو۔[2]

مخلوق خدا کو تکلیف پہنچانے والے کی کوئی دعا قبول نہیں

﴿۱۶﴾ وعن عثمانَ بنِ أبي العاصِ قالَ سمعتُ رسولَ اللهِ صلَّى اللهُ عليهِ وسلَّمَ يقولُ كانَ لداودَ عليهِ السلامُ من اللَّيلِ ساعةٌ يُوقِظُ فيها أهلَهُ يقولُ يا آلَ داودَ قوموا فصلُّوا إنَّ هذهِ ساعةٌ يستجيبُ اللهُ عزَّ وجلَّ فيها الدعاءَ إلَّا لساحرٍ أو عشَّارٍ۔ (رواهُ أحمدُ)[3]

ترجمہ: اور حضرت عثمان بن ابی العاص رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے آنحضرت ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ ''حضرت داؤد علیہ السلام کے لئے رات (کے آخری نصف حصہ) میں ایک وقت (مقرر) تھا جس میں وہ اپنے اہل خانہ کو جگاتے اور فرماتے کہ ''اے آل داؤد! اٹھو اور نماز پڑھو کیونکہ یہ ایسا وقت ہے جس میں اللہ بزرگ و برتر دعا کو قبول فرماتا ہے سوائے جادوگر اور عشار (کی دعا) کے (یعنی ان دونوں کی دعا اس وقت بھی قبول نہیں ہوتی)۔ (احمد)

توضیح: ''عشار'' اس سے مراد چوکیدار اور محصول وصول کرنے والا وہ آدمی ہے جو ٹول ٹیکس اور محصول چنگی پر بیٹھ کرنا جائز طریقے سے لوگوں کو ستاتا ہے تنگ کرتا ہے ایذا پہنچاتا ہے اور بطور ظلم ان کا مال لیتا ہے ''عشار'' چونکہ عمومی طور پر عشر کے حصول پر مقرر ہوتا ہے جو مال کا دسواں حصہ ہوتا ہے اس لئے اس کو عشار کہہ دیا گیا، اگرچہ وہ عشر نہیں لیتا ہو بلکہ اس سے کم یا زیادہ بھی لیتا ہو محصول چنگی کے علاوہ اس وعید میں وہ تمام حکومتی ادارے داخل ہیں جو غلط بل بنا کر بجلی پانی یا ٹیلیفون

[1] اخرجه البخاري: ۲/۶۸ ومسلم: ۳/۱۶۳ [2] المرقات: ۳/۳۰۸ [3] اخرجه احمد: ۴/۲۲، ۴/۱۱۴، ۴/۲۱۸

کے بلوں میں گھپلے کرتے ہیں پٹواری کا پورا محکمہ بھی اسی وعید کا شکار ہے اس مبارک قبولیت دعا کی گھڑی میں یہ بھی دو بدبخت معافی واستغفار کے قابل نہیں ہیں اس حدیث سے مسلمانوں کو یہ تعلیم ملتی ہے کہ مخلوق خدا کو ستانا بہت بڑا جرم ہے۔[۱]

"لساحر" ساحر جادوگر کو کہتے ہیں یہ بھی بڑا بدبخت ہوتا ہے لہٰذا وہ اس قابل ہی نہیں کہ اس کی مغفرت ہو جائے بلکہ اس مبارک ماہ رمضان اور قبولیت دعا کی گھڑی میں اس نے اپنے لئے خوب دعائیں مانگیں مگر وہ قبول نہیں بلکہ مردود ہو گئیں۔[۲]

تہجد کی فضیلت

﴿۱۷﴾ وعن أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ أَفْضَلُ الصَّلَاةِ بَعْدَ الْمَفْرُوْضَةِ صَلَاةٌ فِي جَوْفِ اللَّيْلِ. (رَوَاهُ أَحْمَدُ)[۳]

ترجمہ: اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے آنحضرت ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ فرض نمازوں کے بعد سب سے افضل نماز رات میں پڑھی جانے والی (یعنی تہجد کی) نماز ہے۔ (احمد)

توضیح: "افضل الصلوٰۃ" بعض علماء کا خیال ہے کہ سنن رواتب سے تہجد افضل ہے اور بعض کا خیال ہے کہ سنن رواتب افضل ہیں جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ سے کسی نے ان کی وفات کے بعد خواب میں پوچھا کہ پروردگار نے کیا معاملہ کیا؟ انہوں نے جواب میں فرمایا:

طاحت العبادات وفنيت الاشارات ومانفعنا الاركعيات صليناها في جوف الليل۔

ترجمہ: یعنی عبادات ساری رائیگاں گئیں اور تصوف کے سارے اشارے بے فائدہ ہو گئے مجھے صرف ان چند رکعات نے فائدہ پہنچایا جو میں نے رات کے بیچ میں پڑھی تھیں۔[۴]

تہجد کی نماز برائی سے روکتی ہے

﴿۱۸﴾ وعنه قَالَ جَاءَ رَجُلٌ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ إِنَّ فُلَانًا يُصَلِّي بِاللَّيْلِ فَإِذَا أَصْبَحَ سَرَقَ فَقَالَ إِنَّهُ سَيَنْهَاهُ مَا تَقُوْلُ. (رَوَاهُ أَحْمَدُ وَالْبَيْهَقِيُّ فِي شُعَبِ الْإِيْمَانِ)[۵]

ترجمہ: اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک شخص آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ فلاں شخص رات کو تو نماز پڑھتا ہے مگر صبح اٹھ کر چوری کرتا ہے، آپ نے فرمایا "عنقریب اس کی نماز اسے اس چیز سے روک دے گی جو تم کہہ رہے ہو۔ (احمد، بیہقی)

[۱] المرقات: ۲/۳۱۱ [۲] المرقات: ۲/۳۱۱ [۳] اخرجه احمد: ۲/۲۲، ۲/۱۱۶، ۲/۲۱۸ [۴] المرقات: ۲/۳۱۱ [۵] اخرجه احمد: ۲/۴۴۷

توضیح: نماز کی خاصیت یہ ہے کہ انسان کو بے حیائی اور برائی سے روکتی ہے ویسے بھی جب تک انسان نماز کے اندر کھڑا رہتا ہے اور غلط حرکات نہیں کرتا ہے تو نماز کی حالت میں یہ شخص جب تک نماز میں ہے ہر قسم کی برائی سے محفوظ و مامون ہے۔

اہل خانہ کے ساتھ مل کر تہجد پڑھنے کی فضیلت

﴿۱۹﴾ وعن أَبِي سَعِيدٍ وَ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَا قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا أَيْقَظَ الرَّجُلُ أَهْلَهُ مِنَ اللَّيْلِ فَصَلَّيَا أَوْصَلَّى رَكْعَتَيْنِ جَمِيعًا كُتِبَا فِي الذَّاكِرِينَ وَالذَّاكِرَاتِ.

(رَوَاهُ أَبُو دَاوُدَ وَابْنُ مَاجَه)[1]

ترجمہ: اور حضرت ابوسعید خدری وحضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ”اگر کوئی شخص رات میں اپنی بیوی کو جگائے اور وہ دونوں نماز پڑھیں، یا یہ فرمایا کہ ان میں سے ہر ایک دو رکعتیں اکٹھی پڑھیں تو وہ (دونوں) ذکر کرنے والے مردوں اور ذکر کرنے والی عورتوں (کے زمرہ) میں لکھے جاتے ہیں“۔ (ابوداؤد، ابن ماجہ)

امت میں بلند مرتبہ کون لوگ ہیں

﴿۲۰﴾ وعن ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَشْرَافُ أُمَّتِي حَمَلَةُ الْقُرْآنِ وَ أَصْحَابُ اللَّيْلِ. (رَوَاهُ الْبَيْهَقِيُّ فِي شُعَبِ الْإِيْمَانِ)[2]

ترجمہ: اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما راوی ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ”میری امت کے اشراف یعنی بلند مرتبہ لوگ قرآن اٹھانے والے اور رات (میں اٹھنے) والے ہیں۔ (بیہقی)

توضیح: ”حملۃ القرآن“ یعنی قرآن حفظ سے پڑھنے والے یا ناظرہ سے پڑھنے والے اور حفظ و تجوید اور تفسیر و ترتیب قائم کرنے والے سب حملۃ القرآن کے مصداق میں داخل ہیں علماء کرام جو اپنے علم پر عمل کرنے والے ہوں وہ اس حدیث کے واضح مصداق ہیں۔[3]

تہجد پڑھنے میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا معمول

﴿۲۱﴾ وعن ابْنِ عُمَرَ أَنَّ أَبَاهُ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ كَانَ يُصَلِّي مِنَ اللَّيْلِ مَاشَاءَ اللهُ حَتّٰى إِذَا كَانَ مِنْ

---

[1] اخرجه وابو داؤد: ۱۳۰۹، ۱۴۵۱ وابن ماجه: ۱۳۳۵ [2] اخرجه البيهقي في الشعب: ۲/۵۵۶ ح (۲۷۰۳) [3] المرقات: ۳/۳۱۳

آخِرِ اللَّيْلِ أَيْقَظَ أَهْلَهُ لِلصَّلَاةِ يَقُوْلُ لَهُمُ الصَّلَاةَ ثُمَّ يَتْلُوْ هٰذِهِ الْآيَةَ وَ أْمُرْ أَهْلَكَ بِالصَّلَاةِ وَ اصْطَبِرْ عَلَيْهَا لَا نَسْأَلُكَ رِزْقًا نَحْنُ نَرْزُقُكَ وَالْعَاقِبَةُ لِلتَّقْوٰى۔ (رَوَاهُ مَالِكٌ)[1]

ترجمہ: اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ ان کے پدر بزرگوار حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ رات میں جس قدر اللہ چاہتا نماز پڑھتے رہتے اور رات جب آخر ہوتی تو اپنی زوجہ محترمہ کو نماز پڑھنے کے لئے اٹھاتے اور فرماتے کہ "نماز پڑھو، پھر یہ آیت پڑھتے۔

وَأْمُرْ أَهْلَكَ بِالصَّلَاةِ وَاصْطَبِرْ عَلَيْهَا لَا نَسْأَلُكَ رِزْقًا نَحْنُ نَرْزُقُكَ وَالْعَاقِبَةُ لِلتَّقْوٰى۔

ترجمہ: اور (اے محمد ﷺ) اپنے متعلقین کو بھی نماز کا حکم کرتے رہئے اور خود بھی اس (کی مشقتوں) پر صبر کیجئے ہم آپ سے رزق نہیں مانگتے، رزق تو ہم ہی آپ کو دیتے ہیں اور آخرت (کی بھلائی) تو پرہیزگاروں ہی کے لئے ہے"۔

(مالک)

[1] اخرجه مالك: ۱۱۹ ج (۵)

باب القصد فی العمل

اعمال میں میانہ روی کا بیان

اسلام افراط وتفریط سے پاک ایک معتدل مذہب ہے جو اعتدال پر قائم ہے جس طرح دنیاوی امور میں افراط وتفریط باعث نقصان ہے اسی طرح دینی معاملات میں اور دین کے اعمال میں بھی افراط وتفریط باعث نقصان ہے ان احادیث میں ایک مسلمان کو اعمال وافعال اور اقوال میں میانہ روی کی تعلیم دی گئی ہے۔ شیخ عبدالحق رحمۃ اللہ لمعات میں لکھتے ہیں کہ "القصد" درحقیقت راستے پر سیدھا چلنے کو کہتے ہیں جیسے [1] ﴿وعلی اللہ قصد السبیل ومنها جائر﴾ [2] پھر اس لفظ کو تمام امور میں میانہ روی اختیار کرنے کے معنی میں استعمال کیا گیا۔ اسی معنی میں یہ حدیث ہے "القصد القصد" یعنی تمام امور میں میانہ روی اختیار کرو خواہ وہ قول ہو یا فعل ہو ہر معاملہ میں افراط وتفریط سے بچو ایک حدیث میں آیا ہے "علیکم هدیا قصدًا ای طریقا معتدلا" ایک حدیث میں ہے "ماعال من اقتصد" یعنی جو شخص اسراف اور کنجوسی سے بچ کر اعتدال پر چلا وہ کبھی محتاج نہیں ہوگا۔ بہر حال اسلام اعتدال کا راستہ بتاتا ہے آنے والی احادیث میں اسی اعتدال کا بیان ہے۔

الفصل الاول

﴿۱﴾ عن أَنَسٍ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُفْطِرُ مِنَ الشَّهْرِ حَتّٰى نَظُنَّ أَنْ لَا يَصُوْمَ مِنْهُ شَيْئًا وَ يَصُوْمُ حَتّٰى نَظُنَّ أَنْ لَا يُفْطِرَ مِنْهُ شَيْئًا وَ كَانَ لَا تَشَاءُ أَنْ تَرَاهُ مِنَ اللَّيْلِ مُصَلِّيًا اِلَّا رَأَيْتَهُ وَلَا نَائِمًا اِلَّا رَأَيْتَهُ. (رواه البخاري)[3]

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ سرورکونین صلی اللہ علیہ وسلم مہینہ (کے اکثر ایام) میں (نفل) روزہ نہ رکھتے، یہاں تک کہ ہم گمان کرتے کہ آپ اس مہینہ میں روزہ نہیں رکھیں گے اور آپ (اسی مہینہ یا دوسرے مہینہ کے اکثر ایام میں) روزہ رکھتے تھے یہاں تک کہ ہم گمان کرتے کہ اب (اس مہینہ کا) کوئی دن بھی آپ بغیر روزہ نہیں چھوڑیں گے اور اگر آپ کو رات میں نماز پڑھتے ہوئے تم دیکھنا چاہتے تو نماز پڑھتے ہوئے بھی دیکھ لیتے اور اگر آپ کو رات میں سوتے ہوئے تم دیکھنا چاہتے تو سوتے ہوئے بھی دیکھ لیتے۔ (بخاری)

دائمی عمل محبوب تر ہوتا ہے

﴿۲﴾ وعن عَائِشَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَحَبُّ الْأَعْمَالِ إِلَى اللهِ أَدْوَمُهَا

[1] اشعة اللمعات: ۲/۵۱۳ [2] النحل: الایة ۹ [3] اخرجه البخاري: ۲/۱۵، ۳/۵۰

وَإِنْ قَلَّ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ) ؎۱

ترجمہ: اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا راوی ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "(بندوں کے نیک اعمال میں) خدا کے نزدیک سب سے محبوب وہ عمل ہے جو ہمیشہ کیا جائے اگرچہ وہ تھوڑا ہی کیوں نہ ہو" (بخاری ومسلم)

توضیح: "ادومها" عمل پر دوام کا ایک فائدہ یہ ہوتا ہے کہ عبادت انسان کی ایسی عادت بن جاتی ہے جس کو چھوڑنا طبعی طور پر ناگوار ہوتا ہے۔ دوسرا فائدہ یہ کہ دفاتر اعمال میں اس شخص کے اس عمل کی وجہ سے حاضری لگ جاتی ہے۔ تیسرا یہ کہ ملاءِ اعلیٰ میں جس راستے سے یہ عمل جاتا ہے وہ مقامات اس عمل پر گواہ بن جاتے ہیں۔ ؎۲

علامہ مظہر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اہل تصوف وطریقت نے اسی حدیث کو لیا ہے اور اپنے اوراد اور وظائف کی پابندی کرتے ہیں۔

"وان قل" مطلب یہ کہ اگرچہ وہ عمل تھوڑا ہی ہو مگر دوام سے اس کا مقام بلند ہو گیا اور اس کے اثرات دوررس ہو گئے اس کی مثال آپ سیلاب اور ایک قطرہ ٹپکنے سے سمجھ لیجئے مثلاً ایک مضبوط پتھر پڑا ہے اس پر زوردار سیلاب آگیا اور چلا گیا جب دیکھا گیا تو پتھر اسی طرح صحیح وسالم نکلا لیکن اسی مضبوط پتھر پر اگر دوام کے ساتھ اوپر سے ایک ایک قطرہ پانی ٹپکتا رہتا ہو تو کچھ عرصہ بعد پتھر میں سوراخ بن جائے گا۔ ؎۳

یہ دوام عمل کا نتیجہ ہے کہ ایک قطرہ نے وہ کچھ کیا جو بڑا سیلاب نہ کر سکا، معلوم ہوا کہ دائمی عمل بااثر اور محبوب تر ہوتا ہے۔

استطاعت کے دائرہ میں عمل کرنا چاہئے

﴿۳﴾ وعنها قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خُذُوْا مِنَ الْأَعْمَالِ مَا تُطِيْقُوْنَ فَإِنَّ اللّٰهَ لَا يَمَلُّ حَتّٰى تَمَلُّوْا۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ) ؎۴

ترجمہ: اور حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا راوی ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ "تم اسی قدر عمل کیا کرو جتنی کہ (ہمیشہ) کرنے کی طاقت رکھتے ہو اس لئے کہ اللہ تعالیٰ (ثواب دینے میں) تنگی نہیں کرتا یہاں تک کہ تم خود تنگی نہ کرو (یعنی تنگ آکر عبادت ہی نہ چھوڑ دو)۔ (بخاری ومسلم)

توضیح: "لایمل" مل یمل سمع یسمع سے اکتانے، تھک جانے اور تنگ دل ہونے کے معنی میں ہے۔ ؎۵

حدیث کا مطلب یہ ہے کہ تم اپنے لئے نفلی عبادات میں اس قدر عمل مقرر کرو جتنا تم نبھا سکو ایسا نہ ہو کہ آج تو سو رکعت نفل پڑھ لی اور کل دو رکعت بھی نہیں پڑھی جب تھک کر اکتا جاؤ گے اور عمل چھوڑ دو گے تو اللہ تعالیٰ بھی ثواب دینا بند کر دیگا کیونکہ جب عمل نہیں ہوگا تو ثواب کہاں سے آئے گا۔

؎۱ اخرجه البخاری: ۱۸۶/۱،۱۹۹/۷ ومسلم: ۱۸۸/۲ ؎۲ المرقات: ۳/۳۱۵ ؎۳ المرقات: ۳/۳۱۶

؎۴ اخرجه البخاری: ۱۸۶/۱،۱۹۹/۷ ومسلم: ۱۸۸/۲ ؎۵ المرقات: ۳/۳۱۶

حاصل یہ کہ اللہ تعالیٰ ثواب دینے میں تنگی نہیں کرتا نہ اللہ تعالیٰ تھک جاتا ہے تم خود تھک جاؤ گے لہٰذا بقدر استطاعت اتنا عمل اپناؤ جسے تم ہمیشہ نبھا سکو۔

یاد رکھو اس سے فرائض اور واجبات مراد نہیں ہیں وہ تو ہر حال میں کرنا ہی پڑتے ہیں۔ یہاں نوافل و مستحبات اور اوراد وظائف مراد ہیں جیسے تہجد، تلاوت نفل روزے وغیرہ وغیرہ ہیں۔

جب تک نشاط ہو اس وقت تک عبادت کرو

﴿٤﴾ وعن أنس قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم ليصل أحدكم نشاطه وإذا فتر فليقعد. (متفق عليه)[1]

ترجمہ: اور حضرت انس رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''تمہیں چاہئے کہ اسی وقت تک نماز پڑھو جب تک کہ خوش دلی رہے، اور جب طبیعت سست ہو جائے تو بیٹھ جاؤ۔'' (بخاری و مسلم)

توضیح: ''فتر'' نصر ینصر سے فتور سست ہونے اور تھک جانے کے معنی میں ہے ''نشاط'' چستی، اطمینان اور سکون کے معنی میں ہے۔[2]

مطلب یہ کہ جب تک نفلی عبادات میں دل لگتا ہے فرحت و بشاشت حاصل رہتی ہے اطمینان و سکون برقرار رہتا ہے تو عبادت میں لگا رہنا چاہئے لیکن جب طبیعت میں ملال آجائے جسم میں اضمحلال آجائے تو نفل عبادت کو چھوڑ کر آرام حاصل کرنا چاہئے تاکہ دوسرے وقت میں اس عبادت کے لئے مزید چست ہو جائے اگر ایسا نہ کیا گیا اور سستی میں عبادت میں لگا رہا تو ایک نقصان تو یہ ہوگا کہ وہ عبادت ہی ناقص ادا ہوگی دوسرا نقصان یہ ہو سکتا ہے کہ طبیعت پر وہ عبادت بوجھ بن جائے گی اور عبادت کو بوجھ سمجھنا الگ گناہ ہے تیسرا نقصان یہ ہو سکتا ہے کہ آئندہ مکمل طور پر یہ شخص اس عبادت کو چھوڑ دیگا لہٰذا بہتر یہ ہے کہ کچھ وقت کے لئے چھوڑ کر پھر شروع کر دے نہ یہ کہ بالکل چھوڑ دے۔

اونگھنے کی حالت میں نماز نہیں پڑھنی چاہئے

﴿٥﴾ وعن عائشة قالت قال رسول الله صلى الله عليه وسلم إذا نعس أحدكم وهو يصلي فليرقد حتى يذهب عنه النوم فإن أحدكم إذا صلى وهو ناعس لا يدري لعله يستغفر فيسب نفسه. (متفق عليه)

ترجمہ: اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا راوی ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ ''جب تم میں سے کوئی نماز پڑھنے کی حالت میں اونگھنے لگے تو اسے چاہئے کہ سو رہے یہاں تک کہ نیند جاتی رہے کیونکہ جب تم میں سے کوئی اونگھتا

[1] اخرجه ومسلم: ۲/۱۸۹ والبخاری: ۲/۶۷ [2] المرقات: ۳/۳۱۶

ہوا نماز پڑھتا ہے تو نیند کے غلبہ کی وجہ سے اسے یہ بھی پتہ نہیں چلتا کہ وہ کیا کہہ رہا ہے لہٰذا ہوسکتا ہے کہ وہ تو مغفرت کا طالب ہو مگر (اونگھنے کی وجہ سے) اپنے نفس کے لئے (اس کی زبان سے) بددعا نکل جائے۔ (بخاری ومسلم)

توضیح: "نعس" نصر ینصر اور فتح یفتح سے اونگھنے کے معنی میں آتا ہے اسم فاعل "ناعس" آتا ہے۔[1]

"فیسب نفسه" گالی دینے سے مراد اپنے آپ کو برا بھلا بکنا ہے یا بددعا دینا مراد ہے۔ مطلب یہ ہے کہ نیند اور اونگھنے کی حالت میں دل ودماغ حاضر نہیں رہتے زبان بھی قابو میں نہیں ہوتی ہے لہٰذا غنودگی میں مستغرق شخص کی زبان سے کچھ بھی نکل سکتا ہے وہ گالی بھی ہوسکتی ہے اور وہ بددعا بھی ہوسکتی ہے مثلاً نیند کی حالت میں ایک شخص "اللهم اغفرلی" کہنا چاہتا ہے لیکن اس کی زبان سے بے اختیار "اللهم اعفرلی" نکل جاتا ہے پہلے جملے کا ترجمہ یہ ہے کہ اے اللہ مجھے بخش دے، دوسرے جملے کا ترجمہ یہ ہے کہ اے اللہ مجھے خاک میں ملا دے۔[2]

راقم الحروف کا اپنا تجربہ ہے کہ نیند کی حالت میں آدمی کیا سے کیا ہوجاتا ہے ایک دفعہ اعتکاف کے دوران اسی طرح کی حالت میں اپنے آپ کو گالی دینے لگا جب بیداری آئی تو ہنسی آئی۔ نبی اکرم کا فرمان سچا ہے ہم یہ کہیں گے "صدق رسول الله صلى الله عليه وسلم۔

دین آسان مذہب ہے اس کو اپنے عمل سے سخت نہ بناؤ

﴿۶﴾ وعن أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ الدِّيْنَ يُسْرٌ وَلَنْ يُشَادَّ الدِّيْنَ أَحَدٌ إِلَّا غَلَبَهُ فَسَدِّدُوْا وَقَارِبُوْا وَأَبْشِرُوْا وَاسْتَعِيْنُوْا بِالْغَدْوَةِ وَالرَّوْحَةِ وَشَيْءٍ مِنَ الدُّلْجَةِ۔

(رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)[3]

ترجمہ: اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "بے شک دین آسان ہے لیکن جو شخص دین میں سختی کرتا ہے دین اس پر غالب آجاتا ہے، لہٰذا (دینی امور میں) میانہ روی اور اپنی طاقت کے مطابق عمل اختیار کرو اور (جنت و سلامتی نیز اللہ رب العزت کے انعامات واکرامات کے ساتھ) خوش رہو (کیونکہ اللہ رب العزت تو تھوڑے ہی عمل پر، اگر وہ مداومت اور خلوص نیت کے ساتھ ہو تو بہت زیادہ ثواب دیدیتا ہے) اور صبح کے وقت اور شام کے وقت نیز کچھ رات کے آخری حصہ میں بھی اللہ رب العزت سے مدد مانگو۔" (بخاری)

توضیح: "الدین یسر" یعنی دین آسان مذہب ہے اس کے فطری اور طبعی قواعد انسانی مزاج اور اس کی فطرت کے عین مطابق ہیں قیامت تک کوئی انسان ایسا پیدا نہیں ہوسکتا جو صحیح سالم ہوکر یہ کہہ دے کہ اسلام کا فلاں قاعدہ اور فلاں حکم میری تخلیق کے منافی ہے اللہ تعالیٰ نے انسانوں اور ان کے معاشرے کی تمام جدتوں اور ترقیوں کو دیکھ کر دین اسلام کے قواعد کو وضع فرمایا ہے لہٰذا انسان کی ذہنی، فکری اور عملی قوتیں بڑے سکون اور نہایت آسانی سے دین اسلام کے

[1] المرقات: ۳/۳۱۷ [2] المرقات: ۳/۳۱۷ اخرجه البخاری: ۱/۶۳ ومسلم: ۲/۱۹۰ [3] اخرجه البخاری: ۱/۱۶

قواعد کے ہمنوا بن سکتی ہیں جہاد ہی کو لیجئے اس کے گھمسان کے معرکوں میں گھس کر سر کٹانا کتنا دشوار معلوم ہوتا ہے لیکن اگر انسان کی طبیعت کو خارجی پابندیوں سے آزاد چھوڑا جائے تو یہی انسان، "فزت ورب الکعبة" کا مستانہ نعرہ لگاتا ہوا موت کو اس طرح گلے لگاتا ہے جس طرح کوئی شخص اپنے بچھڑے ہوئے محبوب کو گلے لگاتا ہے ہاں اگر ایک شخص اپنے آپ کو پابندیوں، سہولتوں اور آسائشوں میں پھنسا کر رکھدے تو ظاہر ہے اس کے لئے دین سخت نہیں بلکہ وہ دین کے لئے سخت ہو گیا ہے یہیں سے لوگوں کی یہ بات سمجھ میں آجاتی ہے جو کہتے ہیں کہ دین آسان ہے علماء نے اس کو مشکل بنا دیا ان کا یہ کہنا غلط ہے دین آسان ہے مگر یہ لوگ دین کے لئے گران ہو گئے ہیں۔ [1]

ہم الزام ان کو دیتے تھے قصور اپنا نکل آیا

اس تشریح سے یہ بات بھی واضح ہو گئی کہ لوگوں نے دین کے آسان ہونے کا مفہوم دین کو چھوڑ دینا سمجھ رکھا ہے کہتے ہیں ڈاڑھی منڈاؤ دین آسان ہے نماز نہ پڑھو دین آسان ہے روزہ نہ رکھو دین آسان ہے زکوٰۃ اور حج کی چھٹی کر لو دین آسان ہے شراب پیو زنا کرو دین آسان ہے حرام وحلال کی تمیز نہ کرو دین آسان ہے۔ اسلام کی حمایت میں انگلی تک نہ کٹاؤ دین آسان ہے جہاد کا انکار اور اس سے قلبی نفرت رکھو دین آسان ہے بے پردگی اور بے حیائی کا بازار گرم رکھو دین آسان ہے۔ یاد رکھو دین کی آسانی کا یہ مفہوم نہیں ہے بلکہ یہ دین چھوڑنے کا مفہوم ہے۔

اس حدیث سے حضور اکرم ﷺ عیسائیوں یہودیوں اور ہندوؤں کے پادریوں پوپوں اور پنڈتوں جیسے بے جا تشدد پسند لوگوں پر رد فرمانا چاہتے ہیں جنہوں نے اپنی بدعات، اختراعات اور من گھڑت عبادات سے اپنے مذہب کا حلیہ بگاڑ دیا ہے مثلاً رہبانیت میں راہب کے لئے شادی کرنا حرام ہے عورتوں سے میل جول حرام ہے لذیذ کھانے استعمال کرنا حرام ہے رات کو سوکر آرام کرنا منع ہے ان میں بعض اپنے سر کے بالوں کو رسی سے باندھ کر چھت کے ساتھ باندھ لیتے تھے بعض ہنسلی کی ہڈی میں سوراخ کر کے رسی سے باندھ کر چھت کے ساتھ باندھ لیتے تھے تاکہ رات کو نیند نہ آئے بعض پادری انسانوں کی طرف پاؤں پر نہیں چلتے تھے بلکہ چوپاؤں کی طرح زمین پر ہاتھ اور پاؤں لگا کر چلتے تھے اور جنگلی گھاس کھاتے تھے بعض پادری نومولود بچوں کو اغوا کر کے جنگل لیجا کر جنگلی طبیعت کا انسان بنا دیا کرتے تھے۔ ان چیزوں کے مقابلہ میں حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کہ دین آسان ہے اس کو سخت نہ بناؤ۔ [2]

گوتم بدھ کے حالات کو اور بعض پنڈتوں اور ہندوؤں کی بے جا پر تشدد عبادات کو اگر دیکھا جائے تو رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں جاڑوں کے موسم میں ایک ہندو نہر میں جا کر برف ہٹا کر صبح صبح غسل کرتا ہے اور پھر وہیں پر کسی پتھر پر بیٹھ کر عبادت کرتا ہے جس میں ہزاروں کی جانیں ضائع ہو چکی ہیں یہ بے جا سختیاں اسلام میں نہیں ہیں۔ یہودیوں کو دیکھیں ان پر چربی کھانا حرام تھا اونٹ کا گوشت حرام تھا مسجد کے علاوہ کسی زمین پر نماز پڑھنا جائز نہیں مسجد میں بھی جماعت کے بغیر جائز نہیں رات کو اگر گناہ کرتے تھے تو صبح ان کے دروازوں پر لکھا جاتا تھا کہ فلاں شخص نے یہ گناہ کیا ہے جس عضو سے گناہ

---

[1] المرقات: ۳/۲۱۸ [2] المرقات: ۳/۲۱۸

کرتے تھے اس کو کاٹنا پڑتا تھا۔ جسم یا کپڑے پر پیشاب لگنے سے اس حصہ کو کاٹنا پڑتا تھا دھونے سے پاک نہیں ہوسکتا تھا۔ یہ ساری سختیاں دین اسلام میں نہیں ہیں لہٰذا حکم ہوا کہ اس آسان دین کو اپنی بداعمالیوں سے مشکل نہ بناؤ اس حدیث سے وہ مسلمان بھی عبرت پکڑیں جنہوں نے اپنے اوپر غیر ثابت شدہ اعمال کو لازم قرار دیا ہے یا مستحبات کو واجب کر دیا ہے سال بھر تک پیدل اسفار کرتے ہیں سالانہ چلّوں اور ماہانہ سہ روزوں کو فرض سے کم نہیں سمجھتے اور ہفتہ وار گشت جیسے غیر ثابت شدہ اعمال کو عرش بریں کا حکم سمجھتے ہیں۔

"ولن یُّشَادَّ الدین" یشاد، یا پر ضمہ ہے اور دال پر شد ہے مشاددہ باب مفاعلہ سے ایک دوسرے پر غالب آنے کے معنی میں ہے۔ [۱]

"احد" یہ یشاد کا فاعل ہے اور "الدین" اس کے لئے مفعول بہ ہے اصل عبارت اس طرح ہے "ولن یشاد احد الدین" یعنی دین کو عمل کے ذریعہ سے کوئی مغلوب نہیں کرسکتا بلکہ دین اس پر اس مقابلہ میں غالب آجائے گا اور وہ شخص مغلوب ہوکر دین کے اعمال کو چھوڑ دیگا لہٰذا یہ خواہش نہ کرو کہ سوفی صد دین کے اعمال پر عمل پیرا ہو جاؤں گا۔ اس میں بھی ان تشدد پسند عناصر پر رد ہے جو کہتے ہیں کہ جب تک سوفی صد اعمال نہیں آئیں گے جہاد نہیں ہوسکتا۔ [۲]

"فسددوا" یعنی راہ راست پر افراط تفریط سے پاک ہوکر قائم رہو۔ [۳]

ای الزموا الطریقة المستقیمة والقصد فی العمل (لمعات) [۴]

"وقاربوا" یعنی ٹھیک راستہ پر قائم رہ کر اللہ تعالیٰ کی طرف بڑھنے اور قریب ہونے کی کوشش کرو۔ [۵]

"وابشروا" یعنی اس بشارت کو سن لو اور خوش ہو جاؤ کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے تھوڑے عمل پر تم کو کثیر ثواب عطا فرمایا۔ [۶]

"الغدوة" یعنی تمام اوقات کو تم عمل کے لئے نہ گھیرو بلکہ اپنے نشاط اور چستی کے اوقات میں اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرو، [۷] نشاط کے وہ تین اوقات صبح کے اوقات ہیں پھر شام کے اوقات ہیں اور پھر رات کے کچھ حصہ کے اوقات ہیں۔

اگر رات کا معمول رہ گیا تو دن میں ادا کرو

﴿۷﴾ وعن عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ نَامَ عَنْ حِزْبِهٖ أَوْ عَنْ شَيْءٍ مِنْهُ فَقَرَأَهٗ فِيْمَا بَيْنَ صَلَاةِ الْفَجْرِ وَصَلَاةِ الظُّهْرِ كُتِبَ لَهٗ كَأَنَّمَا قَرَأَهٗ مِنَ اللَّيْلِ. (رَوَاهُ مُسْلِمٌ) [۸]

ترجمہ: اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "(جو شخص رات میں) اپنا پورا وظیفہ پڑھے بغیر سو رہا یا وظیفہ کا کچھ حصہ پڑھنے سے رہ گیا اور پھر اس نے اس کو نماز فجر اور نماز ظہر کے درمیان پڑھ لیا تو اس کے لئے یہی لکھا جائے گا کہ گویا اس نے رات ہی کو پڑھا۔" (مسلم)

۱ المرقات: ۳/۳۱۸ ۲ المرقات: ۳/۳۱۸ ۳ المرقات: ۳/۳۱۸ ۴ اشعة اللمعات: ۱/۵۶۵
۵ المرقات: ۳/۳۱۸ ۶ المرقات: ۳/۳۱۸ ۷ المرقات: ۳/۳۱۸ ۸ اخرجه مسلم: ۲/۱۷۱

توضیح: مطلب یہ ہے کہ اگر کسی شخص سے اس کا کوئی معمول رات سے رہ گیا تو وہ دن کے وقت نماز فجر سے لیکر زوال شمس تک اس کو ادا کرسکتا ہے اگر اس وقت میں اس شخص نے اپنی رات کا وظیفہ پڑھ لیا تو یہ ایسا ہی ہوگا گویا اس نے رات ہی کو ادا کر دیا۔[1]

یہاں رات کا ذکر اس لئے کیا گیا کہ اکثر اوراد اور وظائف رات میں ہوتے ہیں اگر کسی سے دن کا وظیفہ مثلاً تلاوت یا نماز یا ذکر وا ذکار رہ گئے تو وہ رات کو ادا کرسکتا ہے کیونکہ دن اور رات ایک دوسرے کے قائم مقام ہیں۔

معذوری ومجبوری کی حالت میں لیٹ کر نماز پڑھنے کا حکم

﴿۸﴾ وعن عِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلِّ قَائِماً فَإِنْ لَمْ تَسْتَطِعْ فَقَاعِدًا فَإِنْ لَمْ تَسْتَطِعْ فَعَلٰى جَنْبٍ. (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)[2]

ترجمہ: اور حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا "نماز کھڑے ہوکر پڑھو، اور اگر (کسی عذر کی وجہ سے کھڑے ہوکر نماز پڑھنے پر) قادر نہ ہوسکو تو بیٹھ کر پڑھو، اور اگر (بیٹھ کر نماز پڑھنے پر بھی) قادر نہ ہوسکو تو (پھر) کروٹ پر پڑھو۔" (بخاری)

توضیح: "فعلی جنب" یہاں یہ بتایا جارہا ہے کہ اگر کوئی شخص کھڑے ہوکر فرض نماز ادا نہیں کرسکتا ہو تو اسلام نے اس کو یہ سہولت دی ہے کہ وہ بیٹھ کر نماز پڑھ سکتا ہے لیکن اگر بیٹھنا بھی مشکل ہو تو لیٹ کر اشارے سے نماز پڑھے، احناف کے ہاں لیٹنے کا طریقہ یہ ہے کہ مریض چت لیٹ کر پاؤں قبلہ کی طرف پھیلا دے اور کندھوں کے نیچے تکیہ رکھکر قبلہ کی طرف اشارے سے نماز پڑھے شوافع حضرات فرماتے ہیں کہ مریض کروٹ پر لیٹ کر چہرہ قبلہ کی طرف کر کے اشارے سے نماز پڑھے زیر بحث حدیث میں کروٹ کا لفظ آیا ہے۔ احناف دار قطنی کی روایت سے استدلال کرتے ہیں جس میں چت لیٹنے کا ثبوت ملتا ہے احناف ایک عقلی دلیل بھی دیتے ہیں کہ چت لیٹنے سے سامنے قبلہ ہوگا کیونکہ قبلہ آسمان تک ہے اور پہلو پر لیٹنے سے جو اشارہ ہوگا وہ قبلہ کے بجائے اپنے پاؤں کی طرف ہوگا۔[3]

حضرت عمران کی روایت میں جو پہلو کا ذکر ہے تو شاید یہاں کوئی اور مجبوری ہو یا بیان جواز کے لئے ہو فقہاء نے لکھا ہے کہ اگر سر سے مریض اشارہ نہیں کرسکتا تو پھر نماز کو مؤخر کردے اللہ کریم ہے معاف کردیگا آنکھوں سے اشارہ کر کے نماز نہیں ہوتی ہے۔

بغیر عذر بیٹھ کر نفل پڑھنے والے کو آدھا ثواب ملتا ہے

﴿۹﴾ وعنه أَنَّهُ سَأَلَ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ صَلَاةِ الرَّجُلِ قَاعِداً قَالَ إِنْ صَلّٰى قَائِماً فَهُوَ

---

[1] المرقات: ۳/۳۱۹ [2] اخرجه البخاري: ۲/۶۰ [3] المرقات: ۳/۳۲۰

أَفْضَلُ وَمَنْ صَلّٰى قَاعِداً فَلَهُ نِصْفُ أَجْرِ الْقَائِمِ وَمَنْ صَلّٰى نَائِماً فَلَهُ نِصْفُ أَجْرِ الْقَاعِدِ.

(رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)

ترجمہ: اور حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ کے بارے میں مروی ہے کہ انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اس شخص کے بارے میں پوچھا جو کھڑے ہونے کی طاقت رکھنے کے باوجود نفل نماز بیٹھ کر پڑھتا ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''بہتر تو وہی ہے جو کھڑے ہو کر نماز پڑھے، لیکن جو شخص (نفل) نماز (بغیر عذر کے) بیٹھ کر پڑھے گا تو اسے کھڑے ہو کر نماز پڑھنے والے کی بہ نسبت نصف ثواب ملے گا۔ (بخاری)

توضیح: "فله نصف اجر القاعد" یعنی اگر کسی شخص نے کھڑے ہو کر نماز پڑھ لی تو وہ افضل اور اعلیٰ ہے لیکن اگر ایک شخص مریض ہے اور اس نے کھڑے ہونے کے بجائے بیٹھ کر نماز پڑھ لی تو اس کو کھڑے آدمی کے مقابلے میں آدھا ثواب ملے گا اور اگر اس نے لیٹ کر نماز پڑھ لی تو اس کو بیٹھنے والے کے مقابلے میں آدھا ثواب ملے گا۔[1]

سوال: یہاں ایک مشہور اعتراض ہے وہ اس طرح کہ اگر نماز پڑھنے والے اس شخص کو فرض نماز پڑھنے والا مریض تسلیم کرلیا جائے تو اس کو مرض کے عذر کی وجہ سے بیٹھنے کی حالت میں پورا ثواب ملتا ہے کیونکہ قیام اس سے ساقط ہوگیا ہے یہاں اس کو آدھا ثواب کیوں دیا جارہا ہے؟ اور اگر اس شخص کو تندرست تسلیم کرلیا جائے تو بیٹھ کر اس کی نماز ہی جائز نہیں ہے چہ جائیکہ اس کو آدھا ثواب ملے۔

اور اگر نماز پڑھنے والے اس شخص کو تندرست متنفل تسلیم کرلیا جائے تو حدیث کا ابتدائی حصہ تو درست رہیگا لیکن اس کا آخری حصہ معارض بن جائے گا کیونکہ متنفل کی نماز بیٹھ کر تو جائز ہے لیکن لیٹنے کی حالت میں حسن بصری رضی اللہ عنہ کے سوا کسی کے نزدیک جائز نہیں ہے اور یہاں اس لیٹنے والے شخص کو آدھا ثواب دیا جارہا ہے جبکہ فقہاء کرام کے نزدیک ان کی نماز ہی جائز نہیں؟۔

جواب: شارحین حدیث نے اس اعتراض کے کئی جواب دیئے ہیں لیکن سب سے عمدہ اور آسان جواب وہ ہے جو علامہ خطابی رحمہ اللہ اور ابن حجر رحمہ اللہ نے دیا ہے جس کو حضرت شاہ انور شاہ کاشمیری رحمہ اللہ نے نہایت پسند فرمایا ہے وہ حضرات فرماتے ہیں کہ اس حدیث کا مصداق ایسا مفترض و معذور شخص ہے جس کو شریعت نے بیٹھ کر یا لیٹ کر نماز پڑھنے کی اجازت دی ہے لیکن وہ محنت و مشقت برداشت کر کے کھڑے ہو کر نماز پڑھتا ہے تو وہ اپنی نماز کے اعتبار سے اعلیٰ ثواب کا مستحق ہوگا لیکن یہی شخص اگر بیٹھ کر نماز پڑھے تو اسکو اپنی قیام والی نماز کے اعتبار سے آدھا ثواب ملے گا اگرچہ دوسرے لوگوں کے اعتبار سے اس کو پورا ثواب ملیگا کیونکہ معذور ہے اور اگر یہی شخص اتنا معذور ہے کہ شریعت نے اس کو لیٹ کر نماز پڑھنے کی اجازت دی ہے مگر وہ محنت و مشقت برداشت کر کے بیٹھ کر نماز ادا کرتا ہے تو اس کو اعلیٰ و عمدہ

[1] اخرجه البخاري: ۲/۵۹

اجر ملے گا لیکن اگر اس نے لیٹ کر نماز پڑھ لی تو اس کو بیٹھنے کی حالت کی نماز کا آدھا ثواب ملے گا اگرچہ اور لوگوں کے اعتبار سے اس کو پورا ثواب ملے گا۔ زیر بحث حدیث عمران بن حصین رضی اللہ عنہ کا معاملہ سخت مجبوری و بیماری کا تھا اور وہ فرض کے بارے میں پوچھ رہے تھے۔ لہٰذا یہ حدیث اس قسم کے مفترض کے بارے میں ہے متنفل کے بارے میں نہیں ہے البتہ لیٹنے کی صورت کے علاوہ احناف اور جمہور فقہاء متنفل کے بارے میں اسی طرح فتویٰ دیتے ہیں جس طرح حدیث میں ہے کہ آدھا ثواب ملے گا۔ [1]

الفصل الثانی

رات کو باوضو ہو کر سو جانے کی فضیلت

﴿۱۰﴾ وعن أبي أمامة قال سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول من أوى إلى فراشه طاهرا وذكر الله حتى يدركه النعاس لم يتقلب ساعة من الليل يسأل الله فيها خيرا من خير الدنيا والآخرة إلا أعطاه إياه. (ذكره النووي في كتاب الأذكار برواية ابن السني) [2]

ترجمہ: حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ "جو شخص (وضو یا تیمم کے ذریعہ نجاستوں سے یا یہ کہ گناہوں سے) پاک ہو کر اپنے بستر پر لیٹے اور نیند آنے تک (زبان سے یا دل سے) ذکر اللہ میں مشغول رہے تو وہ رات میں جب بھی اس حال میں کروٹ بدلے کہ اللہ جل شانہ سے دنیا اور آخرت کی کسی بھلائی کا سوال کرے تو اللہ تعالیٰ اسے وہ بھلائی ضرور دیتا ہے (یہ حدیث نووی نے کتاب الاذکار میں ابن السنی کی روایت سے نقل کی ہے۔

توضیح: مطلب یہ ہے کہ ایک شخص رات کو باوضو ہو کر سو جاتا ہے اگر وہ رات کے کسی حصہ میں جاگ جاتا ہے یا کروٹ بدلتا ہے اور اللہ تعالیٰ سے کوئی دعا مانگتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے سوال کو قبول فرماتا ہے خواہ وہ سوال دنیا سے متعلق ہو یا آخرت سے متعلق ہو۔ [3]

دو قسم کے لوگوں سے اللہ تعالیٰ بہت خوش ہوتا ہے

﴿۱۱﴾ وعن عبد الله بن مسعود قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم عجب ربنا من رجلين رجل ثار عن وطائه ولحافه من بين حبه وأهله إلى صلاته فيقول الله لملائكته انظروا إلى عبدي ثار عن فراشه ووطائه من بين حبه وأهله إلى صلاته رغبة فيما عندي وشفقا مما عندي ورجل غزا في سبيل الله فانهزم مع أصحابه فعلم ما عليه في الانهزام وماله في الرجوع

[1] المرقات: ۳/۳۲۰ [2] أخرجه [3] المرقات: ۳/۳۲۲

فَرَجَعَ حَتّٰى هُرِيْقَ دَمُهٗ فَيَقُوْلُ اللّٰهُ لِمَلَائِكَتِهٖ أُنْظُرُوْا إِلٰى عَبْدِيْ رَجَعَ رَغْبَةً فِيْمَا عِنْدِيْ وَشَفَقًا مِمَّا عِنْدِيْ حَتّٰى هُرِيْقَ دَمُهٗ. (رَوَاهُ فِيْ شَرْحِ السُّنَّةِ)[۱]

ترجمہ: اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ "آنحضرت ﷺ نے فرمایا" ہمارا رب دو آدمیوں سے بہت خوش ہوتا ہے ایک تو وہ آدمی جو رات میں اپنے نرم بستر و لحاف سے اور اپنی محبوبہ اور بیوی کے پاس سے (تہجد کی) نماز کے لئے اٹھتا ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ اپنے فرشتوں سے فرماتا ہے کہ "میرے بندہ کی طرف دیکھو جو میرے پاس کی چیزوں (یعنی جنت اور ثواب) کے شوق سے اور میرے پاس کی چیزوں (یعنی دوزخ اور عذاب) کے ڈر کی وجہ سے اپنے فرش و نرم بستر اور اپنی محبوبہ بیوی کو چھوڑ کر اپنی نماز پڑھنے کے لئے اٹھا ہے۔ اور دوسرا وہ آدمی جس نے خدا کی راہ میں جہاد کیا اور (بغیر کسی شدید عذر کے) اپنے ساتھیوں سمیت (میدان چھوڑ کر) بھاگ نکلا، مگر جب اسے (بلا عذر میدان جہاد سے) بھاگ نکلنے کی سزا، اور پھر (جنگ میں) واپس آ جانے کا ثواب یاد آیا تو (میدان کارزار میں) واپس آ گیا اور (خدا کے دشمنوں سے) اس قدر لڑا کہ جام شہادت نوش کیا، چنانچہ اللہ تعالیٰ اپنے فرشتوں سے فرماتا ہے کہ "میرے بندہ کی طرف (بنظر تعجب) دیکھو جو میرے پاس کی چیزوں (یعنی جنت و ثواب) کے شوق میں اور میرے پاس کی چیزوں (یعنی دوزخ و عذاب) کے خوف سے (میدان جنگ میں) لوٹ آیا (اور راہ خدا میں) یہاں تک (لڑا) کہ اپنی جان بھی دیدی۔" (شرح السنہ)

توضیح: اس حدیث کا خلاصہ اور مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ دو آدمیوں سے بہت خوش ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ کو یہ لوگ عجیب طور پر پسند آتے ہیں ایک تو وہ تہجد گذار نمازی ہے جو رات کے وقت اپنے نرم گرم بستر سے چھلانگ لگا کر اٹھتا ہے اور محبوب اہل و عیال کو چھوڑ کر نماز پڑھنے لگتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرشتوں سے فرماتا ہے کہ دیکھو تم نے کہا تھا کہ انسان کو کیوں پیدا کیا جاتا ہے آج یہ کیسے میری خوشنودی اور جنت کی طلب میں اور دوزخ سے ڈرنے کی وجہ سے اٹھتا ہے۔
دوسرا وہ غازی اور مجاہد ہے جس نے اپنے ساتھیوں سمیت جہاد کیا خوب لڑا مگر پسپائی ہوئی سب ساتھی بھاگ کھڑے ہوئے مگر یہ شخص کچھ بھاگنے کے بعد واپس میدان میں اس لئے لوٹ آیا کہ اس کو احساس ہو گیا کہ بھاگنے میں کتنا گناہ ہے اور جم کر لڑنے میں کتنا ثواب ہے چنانچہ یہ شخص لوٹا اور شہید ہو گیا اللہ تعالیٰ فرشتوں سے فرماتا ہے کہ دیکھو میرے بندے نے میری خوشنودی اور جنت کی طلب میں اور دوزخ کے خوف سے کس طرح قربانی دیدی۔ (تم نے کہا تھا کہ انسان کو پیدا نہ کرو)[۲]

الفصل الثالث

حضور اکرم ﷺ کی شان عبادت

﴿۱۲﴾ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ حُدِّثْتُ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ صَلَاةُ الرَّجُلِ

۱؎ اخرجه فی شرح السنه: ۴/۴۲ ح (۹۲۰)　　۲؎ المرقات: ۳/۲۲

قَاعِدًا نِصْفُ الصَّلَاةِ قَالَ فَأَتَيْتُهُ فَوَجَدْتُهُ يُصَلِّي جَالِسًا فَوَضَعْتُ يَدِي عَلَى رَأْسِهِ فَقَالَ مَالَكَ يَا عَبْدَاللهِ بْنَ عَمْرٍو قُلْتُ حُدِّثْتُ يَا رَسُولَ اللهِ أَنَّكَ قُلْتَ صَلَاةُ الرَّجُلِ قَاعِدًا عَلَى نِصْفِ الصَّلَاةِ وَ أَنْتَ تُصَلِّي قَاعِدًا قَالَ أَجَلْ وَلٰكِنِّي لَسْتُ كَأَحَدٍ مِنْكُمْ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)[1]

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مجھ سے یہ حدیث بیان کی گئی کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا (بغیر عذر) بیٹھ کر (نفل) نماز پڑھنے والے کی نماز (کھڑے ہوکر نماز پڑھنے والے کے مقابلہ میں آدھی ہوتی ہے۔ حضرت عبداللہ فرماتے ہیں کہ "میں (ایک دن) آنحضرت ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا (تو اتفاق سے) آنحضرت ﷺ اس وقت بیٹھ کر نماز پڑھ رہے تھے (جب آپ نماز سے فارغ ہوئے تو) میں نے آپ کے سر مبارک پر اپنا ہاتھ رکھا، آپ نے فرمایا کہ "عبداللہ بن عمرو! کیا بات ہے؟ میں نے عرض کیا کہ "یا رسول اللہ! مجھے تو یہ بتایا گیا ہے کہ آپ نے فرمایا ہے کہ بیٹھ کر نماز پڑھنے والے کی نماز آدھی ہوتی ہے اور اب آپ خود ہی بیٹھ کر نماز پڑھ رہے ہیں" آپ نے فرمایا! ہاں ایسا ہی ہے لیکن میں تم جیسا تو نہیں ہوں۔" (مسلم)

توضیح: "فوضعت یدی علی راسه" اہل عرب کی یہ عادت ہے کہ از راہ تعجب ومحبت دوسرے کے سر پر ہاتھ اس وقت رکھتے ہیں جب اس سے تعجب والی بات دیکھتے ہیں۔ ان کے ہاں یہ ایک بے تکلفی اور محبت ہوتی ہے جو ادب کے بالکل منافی نہیں ہے۔[2]

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ نے حضور اکرم ﷺ کے ساتھ ایسا ہی معاملہ کیا ان کی حضور سے محبت بھی تھی اور صحابہ میں تکلف بے جا بھی نہیں تھا چونکہ آپ کو اس پر تعجب ہوا کہ حضور اکرم ﷺ نے بیٹھ کر نماز پڑھنے کو ناقص قرار دیا تھا اور اس پر نصف ثواب کا حکم لگایا تھا پھر آپ ﷺ خود کیوں اس ناقص عمل پر عمل فرما رہے ہیں۔[3]

"لکنی لست" یعنی میں تم جیسا نہیں ہوں مجھے ہر حالت میں پورا ثواب ملتا ہے خواہ بیٹھ کر پڑھوں یا کھڑے ہوکر پڑھوں۔ اس حدیث سے واضح ہوجاتا ہے کہ یہ تقسیم نفل نماز سے متعلق ہے کہ اگر بغیر عذر کے بیٹھ کر پڑھ لیا جائے تو آدھا ثواب ملتا ہے۔[4]

مسلمانوں کے لئے نماز باعث راحت وسکون ہے

﴿۱۳﴾ وعن سَالِمِ بْنِ أَبِي الْجَعْدِ قَالَ قَالَ رَجُلٌ مِنْ خُزَاعَةَ لَيْتَنِي صَلَّيْتُ فَاسْتَرَحْتُ فَكَأَنَّهُمْ عَابُوا ذٰلِكَ عَلَيْهِ فَقَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ أَقِمِ الصَّلَاةَ يَا بِلَالُ أَرِحْنَا بِهَا۔ (رَوَاهُ أَبُوْ دَاوُدَ)[5]

[1] اخرجه ومسلم: ۲/۱۶۵ [2] المرقات: ۳/۳۲۶ [3] المرقات: ۳/۳۲۶ [4] المرقات: ۳/۳۲۷ [5] اخرجه وابوداؤد: ۴۹۸۵

ترجمہ: اور حضرت سالم بن ابی الجعد فرماتے ہیں کہ (ایک دن) قبیلہ خزاعہ کا ایک آدمی کہنے لگا کہ "کاش میں نماز پڑھتا اور راحت پاتا۔" جب لوگوں نے اس کے اس کہنے کو برا سمجھا تو اس نے کہا کہ "میں نے آنحضرت ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ آپ نے (حضرت بلال سے) فرمایا کہ "بلال! نماز کے لئے تکبیر کہو تا کہ ہم اس کے ذریعہ راحت حاصل کریں۔"

(ابوداؤد)

توضیح: "فاستریحت" مطلب یہ ہے کہ ایک خزاعی شخص نے جو خود بھی صحابی ہیں صحابہ کے سامنے کہا کہ کاش میں نماز پڑھتا اور راحت پاتا، صحابہ کرام و تابعین حاضرین نے اس شخص کی یہ بات ناپسند فرمائی کیونکہ اس کا مفہوم یہ بھی لیا جاسکتا ہے کہ نماز ایک بوجھ ہے اور بڑی ذمہ داری ہے میں جلدی پڑھتا ہوں تا کہ مجھے اس سے راحت مل جائے اس شخص نے سمجھ لیا کہ ان لوگوں کو اس لفظ کے مفہوم میں غلط فہمی ہوگئی ہے تو انہوں نے حضور اکرم ﷺ کے فرمان کو بطور سند و دلیل بیان کیا کہ حضور اکرم نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ سے فرمایا اے بلال اقامت صلوٰۃ کے لئے تکبیر کہہ دو اور ہمیں اس سے راحت پہنچاؤ۔[1]

اصل حقیقت یہ ہے کہ "فاستریحت" کے مفہوم میں دو احتمال ہیں ایک احتمال یہ ہے کہ نماز ایک ذمہ داری اور بوجھ ہے جب ہم پڑھ لیں گے تو سر سے یہ بوجھ اتر جائے گا اس مفہوم میں بے ادبی اور نماز سے بے اعتنائی کا شائبہ ہے اسی وجہ سے حاضرین نے اس شخص کے اس قول کو ناپسند کیا آج کل بھی کچھ لاپرواہ لوگ لاابالی میں اس طرح کے جملے نماز سے متعلق کہتے ہیں۔

اس لفظ کا دوسرا احتمال یہ ہے کہ نماز پڑھ لیتے تا کہ نماز کے ذریعہ سے راحت حاصل ہوجاتی اللہ تعالیٰ سے ہم کلامی اور مناجات کا شرف حاصل ہوجاتا اور اطمینان و سکون حاصل ہوتا اس کے بغیر اداسی رہتی ہے اور غم و پریشانی ہوتی ہے اسی معنی کے اعتبار سے حضور اکرم ﷺ نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ تکبیر پڑھ لو "ارحنا بہا" یعنی نماز کے ذریعہ سے ہمیں راحت پہنچاؤ اس صحابی خزاعی شخص کا مطلب یہی تھا اس لئے انہوں نے حضور ﷺ کے کلام سے استدلال کیا حضور ﷺ کی دوسری حدیث میں اس طرح تصریح بھی ہے فرمایا "**وجعلت قرۃ عینی فی الصلوٰۃ**" میری آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں رکھی گئی ہے۔ بہرحال نیک لوگوں کے کلام میں اگر دو احتمال ہوں تو اس کو اچھے محمل پر حمل کرنا چاہئے کسی نے سچ کہا:[2]

کار پاکاں را قیاس از خود مگیر ، گرچہ ماند در نوشتن شیر و شیر

یعنی نیک لوگوں کا کام و کلام اپنے اوپر قیاس نہ کرو فرق بہت ہے اگرچہ شیر اور شیر لکھنے میں ایک جیسے ہیں مگر معنی دودھ اور شیر ہے جس میں بڑا فرق ہے۔

---

[1] المرقات: ۳/۳۲۶ [2] المرقات: ۳/۳۲۶

مورخہ ۱۶ جمادی الاول ۱۴۱۲ھ

باب الوتر

نماز وتر کا بیان

قال الله تعالیٰ ﴿والشفع والوتر واللیل اذا یسر﴾ (سورت الفجر)[1]

وتر کا لغوی معنی:

وتر یتر وترا بالفتح والکسر جفت کو طاق کر دینے کے معنی میں ہے اسی طرح باب افعال سے ایتار کسی چیز کو طاق بنانے کے معنی میں ہے لغات کی کتابوں سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ جہاں بھی **وتر یتر یا اوتر** کا لفظ آیا ہے اس کا ایک معنی طاق بنا دینے کا ہے اس لغوی مفہوم سے آنے والی حدیثوں کے سمجھنے میں بڑی مدد ملیگی وتر ہر اس نماز کو کہہ سکتے ہیں جس میں تین رکعتیں ہوں لیکن فقہاء کی اصطلاح میں **وتر** اس خاص نماز کو کہتے ہیں جو عشاء کی نماز کے بعد فوراً پڑھی جاتی ہے اس باب میں اسی وتر کا بیان ہے اور اسی کے متعلق احادیث ہیں ویسے وتر کا اطلاق تہجد کی نماز پر بھی ہوتا ہے اور مطلق صلوٰۃ اللیل پر بھی اس کا اطلاق ہوتا ہے مگر یہاں وہی معروف اصطلاحی وتر کا بیان ہے جو **وتر اللیل** یعنی رات کی وتر کے نام سے مشہور ہیں **وتر النھار** یعنی دن کی وتر کا اطلاق مغرب کی نماز پر ہوتا ہے۔

الفصل الاول

نماز وتر کے وجوب اور تعداد رکعات کا بیان

﴿۱﴾ عن ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلَاةُ اللَّيْلِ مَثْنٰى مَثْنٰى فَإِذَا خَشِيَ أَحَدُكُمُ الصُّبْحَ صَلّٰى رَكْعَةً وَاحِدَةً تُوْتِرُ لَهٗ مَا قَدْ صَلّٰى۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)[2]

ترجمہ: اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما راوی ہیں کہ سرور کونین ﷺ نے فرمایا "رات کی نماز دو دو رکعت ہے اور جب کسی کو صبح ہونے کا اندیشہ ہونے لگے تو ایک رکعت پڑھ لے، یہ (ایک رکعت) پہلی پڑھی ہوئی نماز کو طاق کر دے گی۔ (بخاری ومسلم)

توضیح: **"توتر له ماقد صلّٰی"** مباحث وتر میں کئی مقامات میں فقہاء کا اختلاف ہے یہاں دو بڑے مسائل سے متعلق بحث کی جائیگی پہلی بحث اس میں ہوگی کہ آیا وتر واجب ہیں یا سنت ہیں دوسری بحث اس میں ہوگی کہ وتر کی رکعتوں کی تعداد کتنی ہیں۔[3]

[1] فجر الایہ: ۳ والشفع والوتر واللیل الخ [2] .... [3] اخرجه البخاری: ۲/۳۰ ومسلم: ۲/۱۷۱ [4] ....

بحث اول وتر کی حیثیت

وتر کے واجب ہونے یا سنت ہونے میں فقہاء کرام کا اختلاف ہے کہ آیا یہ نماز واجب ہے یا سنت ہے۔

فقہاء کا اختلاف:

امام مالک امام شافعی امام احمد حنبل اور صاحبین رحمہم اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ وتر سنت ہیں واجب نہیں ہیں امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ وتر واجب ہیں اور فرض وسنت کے درمیان ایک درجہ ہے جس کو واجب کہتے ہیں جو عملاً فرض کی طرح ہے اور اعتقاداً واجب ہے۔[1]

واجب کے اس درجہ کو امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے متعارف کرایا ہے کیونکہ اثبات احکام کے دلائل چار ہیں تو اس سے ثابت شدہ احکامات بھی چار قسم پر ہونے چاہئیں مثلاً (❶ قطعي الثبوت قطعي الدلالة ❷ قطعي الثبوت ظني الدلالة ❸ ظني الثبوت قطعي الدلالة ❹ ظني الثبوت ظني الدلالة)۔

ان دلائل سے فرائض واجبات سنن مؤکدہ اور سنن زوائد مستحبات ثابت ہوتے ہیں۔ لہٰذا فرض کے ساتھ ایک درجہ وجوب کا بھی ہے جو عملاً فرض کی طرح ہے لیکن اعتقاداً فرض نہیں بلکہ واجب ہوتا ہے جس کا منکر کافر نہیں گمراہ ہوجاتا ہے۔ جمہور بھی وتر میں اس درجہ کو مانتے ہیں لیکن زبان سے واجب کا اعلان نہیں کرتے ہیں کیونکہ وہ حضرات وتر کو سنتوں سے زیادہ اہم مانتے ہیں اور فرض سے کم درجہ میں مانتے ہیں امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ اسی کو واجب کہتے ہیں مگر جمہور اس کی تصریح نہیں کرتے ہیں۔

جمہور کے دلائل:

جمہور نے وتر کی سنیت پر کئی دلائل سے استدلال کیا ہے۔

❶ ان کی پہلی دلیل حضرت علی رضی اللہ عنہ کا فرمان ہے آپ سے کسی نے وتر کی حیثیت کے بارے میں پوچھا تو آپ نے جواب میں فرمایا "الوتر ليس بحتم كصلوتكم المكتوبة ولكن سن رسول الله صلى الله عليه وسلم"

(رواه الترمذي ج۱ص۱۰۳)

❷ جمہور کی دوسری دلیل حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت ہے جو مشکوٰۃ ص ۱۱۳ پر مذکور ہے اور اس باب کی حدیث نمبر ۲۳ ہے جس کے الفاظ یہ ہیں

"عن مالك بلغه ان رجلا سأل ابن عمر عن الوتر اواجب هو فقال عبد الله قد اوتر رسول الله صلى الله عليه وسلم اوتر المسلمون"

یہاں بار بار سوال کے جواب میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے واجب کا لفظ استعمال نہیں کیا۔[2]

❸ جمہور کی تیسری دلیل طلحہ بن عبید اللہ کی حدیث ہے جس میں ایک اعرابی نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے پانچ نمازوں کے علاوہ

---

[1] المرقات: ۳/۲۳۶ [2] المرقات: ۳/۲۵۱

کسی نماز کا پوچھا کہ "ھل علی غیرھن"؟ اس کے جواب میں حضور اکرم ﷺ نے فرمایا لا الا ان تطوع"۔ (رواہ مسلم) اس سے معلوم ہوا کہ پانچ فرائض کے علاوہ کوئی نماز ضروری اور واجب نہیں بلکہ سب تطوع اور نفل ہیں۔

● جمہور نے عقلی دلیل سے بھی استدلال کیا ہے اور ثابت کیا ہے کہ چند علامات ایسی ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ وتر سنت ہیں واجب نہیں ہیں مثلاً اس کے لئے کوئی مستقل وقت نہیں بلکہ عشاء کے تابع ہیں دوسری علامت یہ کہ اس کے لئے کوئی اذان واقامت نہیں ہے تیسری علامت یہ کہ اس کے لئے کوئی جماعت نہیں ہاں رمضان میں تراویح کی متابعت میں جماعت ہوتی ہے ورنہ نہیں یہ تمام علامات اس پر دلالت کرتی ہیں کہ وتر واجب نہیں بلکہ سنت ہیں۔

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے دلائل

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ وجوب وتر کے قول میں تنہا اور اکیلے نہیں ہیں بلکہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ ابراہیم نخعی رحمۃ اللہ علیہ یوسف بن خالد سمتی، سحنون، سعید بن مسیب ابوعبیدہ بن عبداللہ بن مسعود، ضحاک اور مجاہد وحسن بصری رحمہم اللہ تعالیٰ جیسے اکابر کی جماعت بھی وجوب وتر کے قائل ہیں ان حضرات کے پاس بہت دلائل ہیں چند کا ذکر کافی ہے۔

❶ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی پہلی دلیل حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے جو مشکوٰۃ ص نمبر ۱۱۳ پر مذکور ہے اور حدیث نمبر ۲۱ ہے جس کے الفاظ یہ ہیں حضور اکرم ﷺ نے تین بار فرمایا "الوتر حق فمن لم یوتر فلیس منا الخ۔"

(رواہ ابوداؤد)[۱]

یہاں حق بمعنی واجب ہے اور فلیس منا کی وعید شدید وجوب کی دلیل ہے۔

❷ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی دوسری دلیل مشکوٰۃ ص ۱۱۲ پر حضرت ابوایوب رضی اللہ عنہ کی حدیث نمبر ۱۲ ہے جس کے الفاظ یہ ہیں "الوتر حق علی کل مسلم الخ"۔ (ابوداؤد)[۲]

❸ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی تیسری دلیل مشکوٰۃ ص ۱۱۲ پر حضرت خارجہ بن حذافہ رضی اللہ عنہ کی حدیث نمبر ۱۴ ہے جس کے چند الفاظ یہ ہیں۔

"قال خرج علینا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وقال ان اللہ امدکم بصلاۃ ھی خیر لکم من حمر النعم الوتر"۔ (ترمذی وابوداؤد)[۳]

وجوب وتر کے لئے اس حدیث سے طرز استدلال اس طرح ہے کہ یہاں "امدکم" کے الفاظ کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تم کو ایک مزید نماز عطا فرمائی ہے، تمہاری مزید امداد کی ہے مزید اور مزید علیہ کا قاعدہ یہ ہوتا ہے کہ مزید کے لئے ضروری ہے کہ مزید علیہ کا انصرام وانقطاع واختتام ہوجائے جب تک مزید علیہ محدود ومتعین نہ ہو اور وہ انتہاء تک نہ پہنچا ہو اس پر مزید کے زائد ہونے کا تصور نہیں کیا جاسکتا ہے، اب دیکھنا یہ ہے کہ اگر مزید علیہ یہاں سنن ونوافل

---

[۱] المرقات: ۲/۳۵۰ [۲] المرقات: ۲/۳۳۶ [۳] المرقات: ۲/۳۳۹

لیا جائے تو یہ صحیح نہیں ہوگا کیونکہ نوافل کے لئے کوئی حد نہیں کہ اس پر نوافل کا انقطاع آجائے اور وتر کو اس پر بڑھایا جائے معلوم ہوا کہ امدکم کا لفظ خود بتا رہا ہے کہ مزید علیہ سنن ونوافل نہیں بلکہ فرائض ہیں اور فرائض پر اللہ تعالیٰ نے ایک مزید نماز عطا فرمادی جو واجب ہے اور وہی وتر ہیں۔

نیز اس روایت میں جس طرح اہتمام وتاکید کے ساتھ اس نماز کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف کی گئی ہے وہ بھی وجوب کی طرف اشارہ ہے۔

❹ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی چوتھی دلیل اس باب کی حدیث نمبر ۱۳ ہے جس میں **"فاوتروا یا اهل القرآن"** کے الفاظ ہیں۔ جس میں امر کا صیغہ ہے جو وجوب کی دلیل ہے۔[1]

❺ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی پانچویں دلیل اس باب کی حدیث نمبر ۱۵ ہے جس میں **"من نام عن وتره فليصل اذا اصبح"** کے الفاظ ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر وتر قضاء ہوجائیں تو اس کا لوٹانا ضروری ہے یہ بھی دلیل وجوب ہے۔[2]

❻ امام مالک اور امام احمد بن حنبل رحمہما اللہ تعالیٰ تارک وتر کے بارے میں فرماتے ہیں **"يعزر تارك الوتر ولا تقبل له شهادة ابدا"** یہ فتویٰ بھی اس بات کی دلیل ہے کہ ان حضرات کے نزدیک بھی وتر واجب ہیں مگر صرف نام رکھنے میں فرق ہے یہ حضرات واجب کی بجائے سنت نام رکھتے ہیں اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ واجب نام رکھتے ہیں ورنہ عملی طور پر سب کا موقف ایک ہے۔

جوابات: جمہور نے جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کی روایت سے استدلال کیا ہے اس کا جواب یہ ہے کہ ہم بھی کہتے ہیں کہ وتر فرض نہیں ہیں اور اس روایت کا مطلب بھی یہی ہے کہ وتر فرض نہیں ہیں بلکہ واجب ہیں "حتم" کا لفظ فرض کے لئے استعمال ہوتا ہے۔

جمہور نے جو ابن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت سے استدلال کیا ہے اس کا جواب یہ ہے کہ انصاف کا تقاضا یہ ہے کہ یہ روایت جمہور کی دلیل نہیں بن سکتی کیونکہ سائل نے بار بار سوال کیا ہے کہ کیا وتر فرض ہے یا واجب ہے؟ جواب میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے نہ سنت کا لفظ بول کر جواب دیا ہے نہ فرض کہا ہے نہ واجب کہا ہے وہ سنت کے اطلاق سے بچنے کی کوشش کرتے ہیں اور فرض کا اطلاق بھی نہیں کرتے ہیں اور اس وقت تک چونکہ واجب کا رتبہ ظاہر نہیں ہوا تھا کیونکہ اس وقت کوئی دلیل **ظني الثبوت قطعي الدلالة يا قطعي الثبوت ظني الدلالة** نہیں تھی تو واجب کا درجہ نہیں تھا یہ درجہ بعد میں ظاہر ہوگیا ہے۔

باقی اعرابی کا واقعہ ابتدا کا ہے جبکہ وتر کا حکم نہیں آیا تھا اس میں تو عیدین کی نماز کا ذکر بھی نہیں ہے حالانکہ جمہور عیدین کے وجوب کو مانتے ہیں باقی ان کا یہ استدلال کہ وتر کے لئے وقت نہیں اذان واقامت نہیں تو اس کا جواب یہ ہے کہ عشاء کا وقت وتر کا وقت ہے اور وتر عشاء کی نماز کے تابع ہیں لہٰذا الگ اذان واقامت کی بھی ضرورت نہیں اور یہ بھی کوئی ضروری نہیں کہ جس نماز کے لئے اذان واقامت نہ ہو وہ سنت ہوگی عیدین کے لئے کہاں اذان واقامت ہیں؟ حالانکہ وہ واجب ہیں۔

---

[1] المرقات: ۳/۳۳۹ [2] المرقات: ۳/۳۴۱

بحث دوم وتر کی رکعتوں کی تعداد

"صلی رکعة واحدة" وتر کے مسئلہ میں دوسرا بڑا اختلاف اس کی رکعتوں کی تعداد میں ہے کہ آیا وتر کی ایک رکعت ہے یا تین ہیں یا پانچ ہیں یا کتنی ہیں روایات میں کئی قسم کے اقوال کی وجہ سے فقہاء میں اختلاف ہو گیا ہے۔

فقہاء کا اختلاف:

امام مالک رحمہ اللہ کے نزدیک وتر تین رکعات ہیں لیکن دو سلاموں کے ساتھ ہیں اور یہ سلام سجدہ سہو کے سلام کی طرح قاطع صلوٰۃ نہیں ہے امام احمد رحمہ اللہ کے نزدیک حقیقۃً اور اصلاً وتر ایک رکعت ہے لیکن اس سے پہلے دو رکعت کا شفعہ لازم ہے یعنی وتر تب ادا ہوگی کہ اس سے پہلے دو رکعت کا شفعہ ہو، تاکہ ایک رکعت اس کے لئے مُوتر بن جائے۔

امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک وتر ایک رکعت بھی جائز ہے جو ادنیٰ درجہ ہے اور تین بھی جائز ہیں جو افضل درجہ ہے اور ۵، ۷، ۹، ۱۱، ۱۳ رکعات بھی ایک سلام کے ساتھ جائز ہیں۔ [۱]

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک صلوٰۃ وتر جو ایک مخصوص نماز ہے وہ تین رکعات ہیں تین رکعات سے وتر کم نہیں ہیں اور نہ زیادہ ہیں۔ [۲]

خلاصہ یہ کہ امام مالک رحمہ اللہ اور امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کا مسلک مآل کے اعتبار سے عملی طور پر احناف کے مسلک کی طرح ہے یہ اختلاف کوئی واضح اختلاف نہیں ہے اصل اختلاف امام شافعی رحمہ اللہ کے ساتھ رہ گیا ہے اسی کا بیان کیا جائے گا۔

دلائل:

ایک رکعت وتر ثابت کرنے کے لئے امام شافعی رحمہ اللہ نے مشکوٰۃ ص ۱۱۳ پر حضرت نافع کی روایت نمبر ۲۵ سے استدلال کیا ہے جس میں "اوتر بواحدة" کے الفاظ آئے ہیں۔ [۳]

امام شافعی رحمہ اللہ کی دوسری دلیل مشکوٰۃ ص ۱۱۲ پر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت نمبر ۲۰ ہے اس میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی ایک رکعت وتر کا تذکرہ جب حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے سامنے کیا گیا تو آپ نے فرمایا کہ وہ صحابی رسول بھی ہیں اور فقیہ بھی ہیں اس لئے ان کو ان کے حال پر چھوڑ دو۔ [۴]

امام شافعی رحمہ اللہ کی تیسری دلیل مشکوٰۃ ص ۱۱۲ پر حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ کی حدیث نمبر ۱۲ ہے اور اس سے قبل حضرت عبداللہ بن ابی قیس رضی اللہ عنہ کی روایت نمبر ۱۱ بھی ہے ان دونوں روایتوں سے شوافع نے ایک سے لیکر تیرہ تک وتر ثابت کیا ہے۔ [۵]

---

[۱] المرقات: ۳/۳۳۰، ۳۳۱ [۲] المرقات: ۳/۳۳۱

[۳] المرقات: ۳/۳۵۳ [۴] المرقات: ۳/۳۵۰ [۵] المرقات: ۳/۳۳۶

❶ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے تین رکعات وتر کے اثبات کے لئے مشکوٰۃ شریف ص ۱۰۶ پر حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی حدیث سے استدلال کیا ہے۔ جس میں یہ الفاظ آئے ہیں۔

وعنها قالت كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يصلي من الليل ثلث عشر ركعة منها الوتر وركعتا الفجر۔

اس میں دو رکعت فجر کی ہیں آٹھ رکعت تہجد کی ہیں اور تین رکعت وتر کے ہیں۔

❷ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے مشکوٰۃ شریف کے اسی ص ۱۰۶ پر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت سے استدلال کیا ہے جس میں واضح طور پر یہ الفاظ آئے ہیں۔ "ثم اوتر بثلاث" اور یہ روایت مسلم شریف کی ہے۔

❸ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے ابواب الوتر کی فصل ثانی کی عبدالعزیز بن جریج کی حدیث نمبر ۱۶ سے استدلال کیا ہے جس میں حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے پوچھا گیا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کن کن سورتوں کو وتر میں پڑھتے تھے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے دوام کی طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پہلی رکعت میں سورت اعلیٰ پڑھتے تھے دوسری رکعت میں سورت کافرون اور تیسری رکعت میں سورت اخلاص و معوذتین پڑھتے تھے یہ واضح تر دلیل ہے کہ وتر تین رکعتیں ایک سلام کے ساتھ ہیں۔

❹ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عباس کی روایت سے استدلال کیا ہے جس میں یہ الفاظ ہیں۔

كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يقرأ في الوتر بسبح اسم ربك الاعلى وقل يأايها الكافرون وقل هو الله احد۔ (ترمذی نسائی)[1]

❺ علامہ ابن ہمام رحمۃ اللہ علیہ نے فتح القدیر میں حاکم کے حوالہ سے ایک روایت نقل کی ہے جس کے الفاظ یہ ہیں۔

"عن عائشة قالت كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يوتر بثلاث لايسلم الا في اخرهن"۔

❻ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے دارقطنی نے ایک حدیث نقل کی ہے آپ نے فرمایا

وتر الليل ثلاث كوتر النهار صلوٰة المغرب۔

یہ روایت موقوف بھی ہے اور مرفوع بھی ہے اگر موقوف ہو تو موقوف بھی ان جیسے سمعی مسائل میں مرفوع کے حکم میں ہوتی ہے۔

❼ حافظ ابن عبدالبر رحمۃ اللہ علیہ نے تمہید میں صحیح سند کے ساتھ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی مرفوع حدیث اس طرح نقل کی ہے۔

ان رسول الله صلى الله عليه وسلم نهى عن البتيراء ان يصلي الرجل واحدة۔ (نصب الرایہ)

[1] المرقات: ۳/۳۳۱/۳

امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے موطاء میں حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا یہ اثر نقل کیا ہے "ما اجزأت رکعة قط" طحاوی میں ابو خالد رحمۃ اللہ علیہ کا یہ قول نقل کیا گیا ہے وہ فرماتے ہیں کہ میں نے ابوالعالیہ رحمۃ اللہ علیہ سے وتر کے بارے میں پوچھا تو وہ فرمانے لگے کہ ہمیں صحابہ کرام نے سکھایا اور سمجھایا ہے کہ وتر مغرب کی نماز کی طرح ہیں ایک دن کے وتر ہیں ایک رات کے وتر ہیں۔

⑥ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی ایک مضبوط دلیل مشکوۃ ص ۱۱۳ پر حضرت علی رضی اللہ عنہ کی حدیث نمبر ۲۴ ہے جس کے الفاظ یہ ہیں۔

وعن علی قال کان رسول الله صلی الله علیه وسلم یوتر بثلاث یقرأ فیهن بتسع سور من المفصل یقرأ فی کل رکعة بثلاث سور اخرهن قل هو الله احد.

اس حدیث میں بالکل تصریح موجود ہے کہ وتر تین رکعات ہیں اور ہر رکعت میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تین تین سورتیں پڑھا کرتے تھے جس میں نو سوتیں مکمل ہو جاتی تھیں۔ ؎۱

جواب: جہاں اوتر بواحدة کا لفظ آیا ہے تو اوتر طاق بنانے کے معنی میں ہے کہ شفعہ کے ساتھ ایک رکعت ملا کر وتر بنا دیا ایک رکعت پڑھنے کا ذکر کہیں بھی نہیں یعنی صلی بواحدة کے الفاظ نہیں بلکہ اوتر بواحدة کے الفاظ ہیں اور جن روایات میں پانچ، سات، نو، گیارہ اور تیرہ رکعات کا ذکر ہے تو وہاں وتر تین ہیں باقی تہجد کی نماز مراد ہے۔ وتر کا اطلاق تہجد پر ہوتا بھی ہے "توتر ما قد صلی" مندرجہ بالا تحقیق کے لئے دلیل ہے باقی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی روایت کا جواب دینے کی تو ضرورت بھی نہیں ہے خود حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے اس عمل کو ناقابل عمل قرار دے کر چھیڑ چھاڑ سے لوگوں کو روکا ہے اور خود اس معاشرے کے لوگوں کا حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے عمل کو تعجب کی نظر سے دیکھنا اور سوال اٹھانا اس بات کی دلیل ہے کہ اس وقت ایک رکعت وتر کا تصور نہیں تھا۔ یہی وجہ ہے کہ حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ تین رکعات وتر پر صحابہ کرام کا اجماع ہو گیا ہے۔

نیز احتیاط بھی اس میں ہے کہ تین رکعات پڑھ لی جائیں کیونکہ ایک رکعت تین کے اندر ہے اور تین ایک کے اندر نہیں ہیں۔ نیز تمام فقہاء نے تین رکعات وتر کو افضل قرار دیا ہے تو اسی اتفاقی افضل صورت پر اتفاق کرنا چاہئے کیونکہ یہ بات اپنی جگہ پر ثابت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک رکعت نماز پڑھنے سے منع فرمایا ہے۔ غیر مقلدین کو چاہئے کہ وہ فقہاء کرام کے متفقہ فیصلے کا احترام کریں اور ایک رکعت وتر کی ضد چھوڑ دیں کچھ ہمت کر کے آگے بڑھیں اور تین وتر پڑھیں۔

وتر بنانے کے لئے ایک رکعت ہوتی ہے

﴿۲﴾ وعنه قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلْوِتْرُ رَكْعَةٌ مِنْ آخِرِ اللَّيْلِ. (رَوَاهُ مُسْلِمٌ) ؎۲

؎۱ المرقات: ۳/۲۲۱ ؎۲ اخرجه و مسلم: ۲/۱۷۳

ترجمہ: اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما راوی ہیں کہ سرور کائنات ﷺ نے فرمایا "آخر رات میں وتر (پڑھنا افضل) اور اس کی ایک رکعت ہے۔" (مسلم)

توضیح: "الوتر رکعة" اس کا مطلب یہی ہے کہ دو رکعت پہلے ادا ہو چکی ہیں جب ایک رکعت اور ملا دی گئی تو اب تین رکعات وتر بن گئیں ظاہری الفاظ سے کچھ ہٹ کر اس تاویل کی ضرورت اس لئے پیش آئی کہ اس سے تمام روایات کے درمیان تطبیق پیدا ہو جائے گی کیونکہ روایات میں تین وتر کا واضح طور پر ذکر آیا ہے، بہر حال وتر کا مستحب وقت رات کا آخری حصہ ہے۔[۱]

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی ایک روایت کا مطلب

﴿۳﴾ وعن عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّيْ مِنَ اللَّيْلِ ثَلَاثَ عَشْرَةَ رَكْعَةً يُوْتِرُ مِنْ ذٰلِكَ بِخَمْسٍ لَا يَجْلِسُ فِيْ شَيْءٍ إِلَّا فِيْ آخِرِهَا. (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)[۲]

ترجمہ: اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ آنحضرت ﷺ رات میں (تہجد کے وقت) تیرہ رکعت پڑھتے تھے جن میں سے پانچ رکعتوں میں وتر پڑھتے اور ان میں سوائے آخری رکعت کے کسی میں بھی (تشہد کے لئے) نہیں بیٹھتے تھے۔" (بخاری و مسلم)

توضیح: "یوتر من ذلك بخمس" اس جملہ کا مطلب یہ نہیں کہ حضور اکرم ﷺ نے پانچ رکعت وتر پڑھ لیں بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے تیرہ رکعات اس انداز سے پڑھ لیں کہ ہر شفعہ پر تشہد ہوتا تھا پھر سلام ہوتا تھا اور پھر آپ کچھ استراحت و آرام فرماتے تھے لیکن آخری پانچ رکعات جس میں تین وتر ہوتی تھیں اس میں شفعہ پڑھنے کے بعد آپ استراحت نہیں فرماتے تھے بلکہ سلام پھیرنے کے بعد بغیر توقف آپ وتر کی تین رکعات پڑھتے تھے اور اس مجموعہ پانچ رکعات میں آنحضرت استراحت نہیں فرماتے تھے۔[۳]

البتہ وتر کے بعد دو رکعت بیٹھ کر پڑھتے تھے اور پھر استراحت فرماتے تھے۔ خلاصہ یہ کہ اس حدیث میں صرف آخری شفعہ تہجد اور وتر کا نقشہ بتایا گیا اور پھر اس کے بعد دو نفل بیٹھ کر پڑھنے اور استراحت کرنے کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ یہ اس روایت کا ایک ایسا مطلب ہے جو احناف کے مسلک کے موافق ہے کیونکہ احناف کے ہاں وتر پانچ رکعات نہیں بلکہ تین ہیں۔

شوافع حضرات اس کا سیدھا سیدھا مطلب یہ لیتے ہیں کہ حضور اکرم ﷺ آخر میں پانچ رکعات وتر پڑھتے تھے۔ اس میں ایک سلام اور ایک آخری قعدہ ہوتا تھا بس بات ختم، اس روایت میں اور بہت تاویلات ہیں **واللہ اعلم بحقیقۃ الحال۔**[۴]

[۱] المرقات: ۳/۲۲۸ [۲] اخرجہ ومسلم: ۱/۱۶۶ [۳] المرقات: ۳/۲۲۹ [۴] المرقات: ۳/۲۲۹

حضور اکرم ﷺ کے تہجد اور وتر کا پورا نقشہ

﴿۴﴾ وعن سَعْدِ بْنِ هِشَامٍ قَالَ انْطَلَقْتُ إِلَى عَائِشَةَ فَقُلْتُ يَا أُمَّ الْمُؤْمِنِيْنَ أَنْبِئِيْنِيْ عَنْ خُلُقِ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَتْ أَلَسْتَ تَقْرَأُ الْقُرْآنَ قُلْتُ بَلٰى قَالَتْ فَإِنَّ خُلُقَ نَبِيِّ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ الْقُرْآنَ قُلْتُ يَا أُمَّ الْمُؤْمِنِيْنَ أَنْبِئِيْنِيْ عَنْ وِتْرِ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَتْ كُنَّا نُعِدُّ لَهُ سِوَاكَهُ وَطَهُوْرَهُ فَيَبْعَثُهُ اللهُ مَاشَاءَ أَنْ يَبْعَثَهُ مِنَ اللَّيْلِ فَيَتَسَوَّكُ وَيَتَوَضَّأُ وَيُصَلِّيْ تِسْعَ رَكَعَاتٍ لَا يَجْلِسُ فِيْهَا إِلَّا فِي الثَّامِنَةِ فَيَذْكُرُ اللهَ وَيَحْمَدُهُ وَيَدْعُوْهُ ثُمَّ يَنْهَضُ وَلَا يُسَلِّمُ فَيُصَلِّي التَّاسِعَةَ ثُمَّ يَقْعُدُ فَيَذْكُرُ اللهَ وَيَحْمَدُهُ وَيَدْعُوْهُ ثُمَّ يُسَلِّمُ تَسْلِيْمًا يُسْمِعُنَا ثُمَّ يُصَلِّيْ رَكْعَتَيْنِ بَعْدَ مَا يُسَلِّمُ وَهُوَ قَاعِدٌ فَتِلْكَ إِحْدٰى عَشْرَةَ رَكْعَةً يَا بُنَيَّ فَلَمَّا أَسَنَّ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَخَذَ اللَّحْمَ أَوْتَرَ بِسَبْعٍ وَصَنَعَ فِي الرَّكْعَتَيْنِ مِثْلَ صَنِيْعِهِ فِي الْأُوْلٰى فَتِلْكَ تِسْعٌ يَا بُنَيَّ وَكَانَ نَبِيُّ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا صَلّٰى صَلَاةً أَحَبَّ أَنْ يُدَاوِمَ عَلَيْهَا وَكَانَ إِذَا غَلَبَهُ نَوْمٌ أَوْ وَجَعٌ عَنْ قِيَامِ اللَّيْلِ صَلّٰى مِنَ النَّهَارِ ثِنْتَيْ عَشْرَةَ رَكْعَةً وَلَا أَعْلَمُ نَبِيَّ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَرَأَ الْقُرْآنَ كُلَّهُ فِيْ لَيْلَةٍ وَلَا صَلّٰى لَيْلَةً إِلَى الصُّبْحِ وَلَا صَامَ شَهْرًا كَامِلًا غَيْرَ رَمَضَانَ۔ (رواه مسلم)[1]

ترجمہ: اور حضرت سعد بن ہشام فرماتے ہیں کہ میں ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ ''ام المؤمنین! مجھے آنحضرت ﷺ کے خلق کے بارے میں بتلایئے؟ حضرت عائشہ نے فرمایا ''کیا تم نے قرآن کریم نہیں پڑھا ہے''؟ میں نے عرض کیا ''جی ہاں! پڑھا ہے''! فرمایا ''آنحضرت ﷺ کا خلق قرآن ہی تھا (یعنی قرآن کریم میں جتنے بھی اخلاق کریمہ اور صفات حمیدہ مذکور ہیں آنحضرت ﷺ نے ان سب کو اپنی ذات میں سمولیا تھا۔ گویا! آنحضرت ﷺ کی اخلاقی زندگی قرآن کریم (کا عملی نمونہ) تھی پھر میں نے عرض کیا ''ام المؤمنین! اچھا آنحضرت ﷺ کے وتر کے بارے میں مجھے بتایئے (کہ آپ ﷺ کس وقت اور کس طرح نیز کتنی رکعت پڑھا کرتے تھے)'' حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا ''ہم (پہلے ہی سے) آنحضرت ﷺ کی مسواک اور وضو کے لئے پانی کا انتظام کئے رہتی تھی، اور جب اللہ تعالیٰ آپ کو رات میں اٹھانا چاہتا تھا، اٹھاتا، چنانچہ (آپ بیدار ہو کر پہلے) مسواک کرتے، پھر وضو کرتے اور نو رکعت نماز پڑھتے اور سوائے آٹھویں رکعت کے اور کسی رکعت میں نہ بیٹھتے، جب آٹھویں رکعت پڑھ لیتے تو (تشہد میں) بیٹھتے اور خدا کا ذکر کرتے، اس کی

[1] اخرجه ومسلم: ۲/۱۶۸،۱۶۰،۱۶۱

تعریف بیان کرتے اور دعا مانگتے (یعنی التحیات پڑھتے کہ اس میں خدا کا ذکر، حمد اور دعا سب ہی کچھ ہے) پھر سلام پھیرے بغیر نویں رکعت پڑھنے کھڑے ہو جاتے، پھر نویں رکعت پوری کر کے تشہد میں بیٹھتے اور اللہ کا ذکر کرتے، اس کی تعریف بیان کرتے اور اس سے دعا مانگتے (یعنی التحیات پڑھ کر جو دعا پڑھی جاتی ہے وہ دعا پڑھتے) پھر ہمیں سناتے ہوئے باآواز بلند سلام پھیرتے، پھر سلام پھیرنے کے بعد بیٹھ کر دو رکعت پڑھتے۔ اے میرے بچے، یہ کل گیارہ رکعتیں ہوگئیں اور جب آپ کی عمر زیادہ ہوگئی اور بڑھاپے کی وجہ سے بدن پر گوشت چڑھ گیا تو سات رکعت مع وتر کے پڑھنے لگے اور دو رکعت پہلے ہی جیسے (یعنی بیٹھ کر) پڑھتے رہے۔ اے میرے بچے یہ کل نو رکعتیں ہوئیں اور آنحضرت ﷺ جب کوئی نماز پڑھتے تو اس بات کو پسند کرتے تھے کہ اسے ہمیشہ پڑھے جائیں اور جب (کسی دن) آپ کو نیند زیادہ آجاتی یا کوئی ایسی تکلیف پیش آجاتی جس کی وجہ سے آپ کے لئے رات میں کھڑا ہونا ممکن نہ ہوتا) تو آپ دن کے پہلے حصہ میں (یعنی زوال سے پہلے) بارہ رکعت پڑھ لیتے اور میں نہیں جانتی کہ آنحضرت ﷺ نے کبھی ایک رات میں پورا قرآن مجید پڑھا ہو۔ صبح تک (یعنی شروع رات سے آخر رات تک، نماز پڑھی ہو اور نہ آپ نے کبھی سوائے رمضان کے پورے مہینے روزے رکھے۔" (مسلم)

توضیح: "الا فی الثامنة" یہ روایت بھی سابقہ روایت کی طرح شوافع کا مستدل ہے کہ ایک سلام سے آٹھ رکعات پڑھنا جائز ہے۔[1]

"**غیر رمضان**" یعنی رمضان کے علاوہ کسی مہینہ کے پورے روزے نہیں رکھے اس حدیث کا حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی اس حدیث کے ساتھ تعارض ہے جس میں مذکور ہے کہ حضور ﷺ شعبان کے مکمل روزے رکھتے تھے اس کا جواب بھی حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ہی کی ایک حدیث سے ہو جاتا ہے کہ حضور اکرم ﷺ اکثر و غالب حصہ شعبان کا روزوں سے گذارتے تھے تو **فللاکثر حکم الکل** کے پیش نظر تعارض نہیں رہے گا۔

وتر کے بعد دو نفل کا حکم:

"**ثم یصلی رکعتین وهو قاعد**" اس میں زبردست بحث چلی ہے کہ وتر کے بعد دو نفل پڑھنا کیسا ہے ایک حدیث میں صاف حکم ہے کہ اپنی نماز وتر کو رات کی آخری نماز بناؤ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وتر کے بعد کوئی نماز نہیں لیکن یہاں اس حدیث میں مذکور ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے بیٹھ کر دو رکعتیں وتر کے بعد پڑھی ہیں امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے وتر کے بعد دو نفل پڑھنے والی حدیث کو قبول نہیں کیا ہے۔[2]

حضرت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نہ خود پڑھتا ہوں نہ کسی کو منع کرتا ہوں۔

جمہور فقہاء کہتے ہیں کہ اس کا انکار نہیں کیا جاسکتا ہے کیونکہ یہ دو نفل ثابت ہیں پھر روایات میں جو تعارض ہے اس کو یہ حضرات اس طرح دور کرتے ہیں کہ دونوں طریقے جائز ہیں پڑھنا بھی جائز ہے نہ پڑھنا بھی جائز ہے حدیث میں جو امر کا صیغہ ہے اس کا حکم استحبابی ہے وجوبی نہیں ہے لہٰذا تعارض نہیں رہا بعض علماء نے یہ تطبیق نکالی ہے کہ عشاء کے وقت اگر وتر

[1] المرقات: ۳/۳۳۰ [2] المرقات: ۳/۳۳۱

پڑھے جائیں تو یہ دو رکعت نفل کھڑے ہونے کے بجائے بیٹھ کر پڑھنا چاہئے ورنہ نہیں اس سے بھی تعارض دور ہو جائے گا۔ خلاصہ یہ کہ یہ بات زیادہ ظاہر اور واضح ہے کہ ان دونفلوں کے پڑھنے کی بات اس وقت ہے جبکہ وتر عشاء کے وقت پڑھے جائیں اگر رات کے آخری حصہ میں وتر ہوں تو پھر وتر ہی آخری نماز ہوگی، یہ ایک مشکل مسئلہ ہے اللہ ہی کو حقیقت کا علم ہے۔

وتر رات کے آخری حصہ میں پڑھنے چاہئے

﴿۵﴾ وعن ابنِ عُمَرَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اجْعَلُوا آخِرَ صَلَاتِكُمْ بِاللَّيْلِ وِتْرًا. (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)[۱]

ترجمہ: اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما راوی ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا "اپنی رات کی نماز میں آخری نماز وتر کو قرار دو۔ (مسلم)

﴿۶﴾ وعنه عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ بَادِرُوا الصُّبْحَ بِالْوِتْرِ. (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)[۲]

ترجمہ: اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما راوی ہیں کہ سرور کونین ﷺ نے فرمایا "صبح (کے آثار نمایاں ہونے پر) وتر پڑھنے میں جلدی کرو" (مسلم)

طلباء دین کے لئے وتر کا حکم

﴿۷﴾ وعن جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ خَافَ أَنْ لَا يَقُوْمَ مِنْ آخِرِ اللَّيْلِ فَلْيُوْتِرْ أَوَّلَهُ وَمَنْ طَمِعَ أَنْ يَقُوْمَ آخِرَهُ فَلْيُوْتِرْ آخِرَ اللَّيْلِ فَإِنَّ صَلَاةَ آخِرِ اللَّيْلِ مَشْهُوْدَةٌ وَذٰلِكَ أَفْضَلُ. (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)[۳]

ترجمہ: اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا "جس شخص کو اس بات کا خوف ہو کہ آخر رات میں وتر پڑھنے کے لئے) نہ اٹھ سکوں گا تو اسے چاہئے کہ وہ شروع رات ہی میں (یعنی عشاء کے فوراً بعد) وتر پڑھ لے، اور جس شخص کو آخر رات میں اٹھنے کی امید ہو تو وہ آخر رات ہی میں وتر پڑھے کیونکہ آخر رات کی نماز مشہودہ ہے (یعنی اس وقت رحمت کے فرشتوں اور انوار و برکات کا نزول ہوتا ہے اور یہ (یعنی) آخر رات میں وتر پڑھنا) افضل ہے۔" (مسلم)

توضیح: "اٰخر اللیل" رات کے پچھلے حصہ میں جاگنا خود ایک ریاضت وعبادت ہے پھر پیٹ خالی ہوتا ہے تو عبادت میں گرانی نہیں ہوتی بلکہ دل لگی ہوتی ہے پھر یکسوئی ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ کے انوارات و برکات کا نزول ہوتا ہے اس لئے ارشاد ہوا کہ اگر کسی کو اول رات میں یقین ہو کہ وہ آخر رات میں اٹھ سکتا ہے تو اس کو چاہئے کہ وتر آخر رات تک مؤخر کر کے پڑھے تا کہ اس وقت کے فضائل حاصل ہو جائیں۔

[۱] اخرجه ومسلم: ۲/۱۷۳ [۲] اخرجه ومسلم: ۲/۱۷۲ [۳] اخرجه ومسلم: ۲/۱۷۳

اگر کسی کو علمی کام کرنا ہو طالب علم ہو مطالعہ وتکرار ہو دیر تک تقریر وتحریر میں مشغول ہو تو وہ عشاء کے وقت وتر پڑھ کر سو جائے جس طرح آنے والی حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث کا یہی مطلب ہے۔ شیخ عبدالحق رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ طالب علم عشاء کے وقت وتر کے بعد دو رکعت نفل پڑھے یہ ثواب حاصل ہو جائیگا۔[۱]

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کو تین باتوں کی وصیت فرمائی

﴿۸﴾ وعن عَائِشَةَ قَالَتْ مِنْ كُلِّ اللَّيْلِ أَوْتَرَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ أَوَّلِ اللَّيْلِ وَ أَوْسَطِهٖ وَآخِرِهٖ وَانْتَهٰى وِتْرُهٗ إِلَى السَّحَرِ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)[۲]

ترجمہ: اور ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے رات کے ہر حصہ میں وتر کی نماز پڑھی ہے یعنی ابتدائی رات میں بھی (یعنی عشاء کی نماز کے فوراً بعد) رات کے درمیان حصہ میں بھی اور آخر رات میں بھی۔ مگر آخر عمر میں آپ نے وتر کے لئے سحر کا وقت (یعنی رات کا چھٹا حصہ) مقرر کر لیا تھا۔" (بخاری ومسلم)

﴿۹﴾ وعن أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ أَوْصَانِي خَلِيْلِي بِثَلَاثٍ صِيَامِ ثَلَاثَةِ أَيَّامٍ مِنْ كُلِّ شَهْرٍ وَرَكْعَتَيِ الضُّحٰى وَأَنْ أُوْتِرَ قَبْلَ أَنْ أَنَامَ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)[۳]

ترجمہ: اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میرے دوست یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے تین باتوں کی وصیت فرمائی تھی ایک تو ہر مہینہ میں تین روزے رکھنے کی دوسری دو رکعتیں ضحی کی نماز پڑھنے کی اور تیسرے یہ کہ سونے سے پہلے وتر پڑھ لوں۔" (بخاری ومسلم)

الفصل الثانی

شرعی وسعتوں پر اللہ کا شکر ادا کرنا چاہئے

﴿۱۰﴾ عن غُضَيْفِ بْنِ الْحَارِثِ قَالَ قُلْتُ لِعَائِشَةَ أَرَأَيْتِ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَغْتَسِلُ مِنَ الْجَنَابَةِ فِي أَوَّلِ اللَّيْلِ أَمْ فِي آخِرِهٖ قَالَتْ رُبَّمَا اغْتَسَلَ فِي أَوَّلِ اللَّيْلِ وَرُبَّمَا اغْتَسَلَ فِي آخِرِهٖ قُلْتُ اللهُ أَكْبَرُ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِي جَعَلَ فِي الْأَمْرِ سَعَةً قُلْتُ كَانَ يُوْتِرُ أَوَّلَ اللَّيْلِ أَمْ فِي آخِرِهٖ قَالَتْ رُبَّمَا أَوْتَرَ فِي أَوَّلِ اللَّيْلِ وَرُبَّمَا أَوْتَرَ فِي آخِرِهٖ قُلْتُ اللهُ أَكْبَرُ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِي جَعَلَ فِي الْأَمْرِ

[۱] اشعة اللمعات: ۵۷۲ المرقات: ۳/۲۳۳ [۲] اخرجه البخاري: ۲/۳۱ ومسلم: ۲/۱۶۸
[۳] اخرجه البخاري: ۲/۴۳، ۳/۵۳ ومسلم: ۲/۱۵۸

سَعَةً قُلْتُ كَانَ يَجْهَرُ بِالْقِرَاءَةِ أَمْ يَخْفِتُ قَالَتْ رُبَّمَا جَهَرَ بِهٖ وَرُبَّمَا خَفَتَ قُلْتُ اللهُ أَكْبَرُ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ جَعَلَ فِي الْأَمْرِ سَعَةً۔ (رَوَاهُ أَبُوْدَاوٗدَ وَرَوَى ابْنُ مَاجَه الْفَصْلَ الْأَخِيْرَ) ۱

ترجمہ: حضرت غضیف بن حارث فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے پوچھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم غسل جنابت شروع رات میں کرتے تھے یا آخر رات میں؟ (یعنی آپ جماع سے فارغ ہوتے ہی نہا لیتے تھے یا اس وقت تو سو رہتے اور جب تہجد کی نماز کیلئے اٹھتے تو نہاتے) حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا کہ "کبھی تو آپ (جماع سے فارغ ہوتے ہی) شروع رات ہی میں نہا لیتے تھے اور کبھی آخر میں غسل فرماتے۔" میں نے کہا "اللہ بہت بڑا ہے، تمام تعریفیں اللہ ہی کے لئے زیبا ہیں جس نے دینی امور میں آسانی عطا فرمائی۔" اور پھر پوچھا کہ "آپ وتر کی نماز شروع رات میں (عشاء کے فوراً بعد ہی) پڑھ لیتے تھے یا آخر شب میں پڑھتے تھے؟" حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا "کبھی تو شروع رات ہی میں پڑھ لیتے تھے اور کبھی آخر رات میں پڑھتے تھے۔" میں نے کہا "اللہ بہت بڑا ہے تمام تعریفیں اللہ ہی کے لئے زیبا ہیں جس نے دینی امور میں آسانی عطا فرمائی۔" اور پھر پوچھا کہ "آپ (تہجد کی نماز میں یا مطلقاً کسی بھی نماز میں) قرأت باآواز بلند فرماتے تھے یا آہستہ آواز سے؟ انہوں نے فرمایا "کبھی تو باآواز بلند قرأت فرماتے تھے اور کبھی آہستہ آواز سے۔" میں نے کہا "اللہ بہت بڑا ہے تمام تعریفیں اللہ ہی کے لئے زیبا ہیں جس نے دینی امور میں آسانی عطا فرمائی۔" (ابوداؤد و ابن ماجہ نے اس روایت کا صرف آخری فقرہ (جس میں قرأت کا ذکر ہے) نقل کیا ہے۔

نماز تہجد اور وتر کی رکعتوں کی تعداد

﴿۱۱﴾ وعن عَبْدِاللهِ بْنِ أَبِيْ قَيْسٍ قَالَ سَأَلْتُ عَائِشَةَ بِكَمْ كَانَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُوْتِرُ قَالَتْ كَانَ يُوْتِرُ بِأَرْبَعٍ وَثَلَاثٍ وَسِتٍّ وَثَلَاثٍ وَثَمَانٍ وَثَلَاثٍ وَعَشْرٍ وَثَلَاثٍ وَلَمْ يَكُنْ يُوْتِرُ بِأَنْقَصَ مِنْ سَبْعٍ وَلَا بِأَكْثَرَ مِنْ ثَلَاثَ عَشْرَةَ۔ (رَوَاهُ أَبُوْدَاوٗدَ) ۲

ترجمہ: اور حضرت عبداللہ بن ابی قیس فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے پوچھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کتنی رکعتوں کے ساتھ وتر پڑھتے تھے۔" حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا کہ "آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کبھی چار اور تین (یعنی سات) کبھی چھ اور تین (یعنی نو) رکعتوں کے ساتھ، کبھی آٹھ اور تین (یعنی گیارہ) رکعتوں کے ساتھ اور کبھی دس اور تین (یعنی تیرہ) رکعتوں کے ساتھ وتر پڑھتے تھے اور آپ سات سے کم اور تیرہ سے زیادہ رکعتوں کے ساتھ کبھی وتر نہیں پڑھتے تھے۔"

(ابوداؤد)

توضیح: "باربع وثلاث" حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے نہایت احتیاط کے ساتھ تہجد کی رکعات کا الگ

۱ اخرجه وابوداؤد: ۲۲۶ وابن ماجه: ۱۳۵۴ ۲ اخرجه وابوداؤد: ۱۳۶۲

ذکر کیا ہے اور وتر کی رکعات کا ذکر الگ کیا ہے چنانچہ فرماتی ہیں کہ آنحضرت ﷺ چار رکعت تہجد اور تین وتر پڑھتے تھے جس کا مجموعہ سات رکعات ہے کبھی چھ تہجد اور تین وتر پڑھتے تھے جس کا مجموعہ نو رکعات ہے۔ کبھی آٹھ تہجد اور تین وتر پڑھتے تھے جس کا مجموعہ گیارہ رکعات ہے کبھی دس رکعات تہجد اور تین وتر پڑھتے تھے جس کا مجموعہ تیرہ رکعات بنتا ہے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے جس اہتمام سے تین وتر کو الگ ذکر کیا ہے یہ اس بات کی واضح دلیل ہے کہ وتر تین رکعتیں ہیں۔[1]

آخر میں حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے حضور اکرم ﷺ کی عام عادت کو بیان فرمایا کہ عمومی طور پر آپ سات سے کم اور تیرہ سے زیادہ وتر یعنی تہجد اور وتر دونوں نہیں پڑھتے تھے یہاں وتر کا اطلاق تہجد پر بھی ہوا ہے اور یہ حصر عمومی حالات کے اعتبار سے ہے ورنہ پانچ رکعات اور پندرہ بھی ثابت ہیں مگر وہ معمول کم تھا۔

نماز وتر واجب ہے

﴿۱۲﴾ وعن أبي أيوب قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم الوتر حق على كل مسلم فمن أحب أن يوتر بخمس فليفعل ومن أحب أن يوتر بثلاث فليفعل ومن أحب أن يوتر بواحدة فليفعل. (رواه أبو داود والنسائي وابن ماجه)[2]

ترجمہ: اور حضرت ابو ایوب رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا وتر (کی نماز) ہر مسلمان پر حق (یعنی لازم) ہے۔ لہٰذا جو شخص وتر پانچ رکعت پڑھنا چاہے وہ پانچ رکعت پڑھ لے، جو شخص تین رکعت پڑھنا چاہے وہ تین رکعت پڑھ لے اور جو شخص ایک ہی رکعت پڑھنا چاہے وہ ایک ہی رکعت پڑھ لے۔'' (ابوداؤد، نسائی، ابن ماجہ)

توضیح: ''الوتر حق'' اس حدیث سے وتر کا وجوب واضح طور پر سمجھ میں آتا ہے پھر وتر کی تین پانچ اور ایک رکعت کا ذکر ہے۔[3]

چنانچہ سفیان ثوری رحمہ اللہ نے پانچ رکعات کو لیا یہاں شوافع نے ایک رکعت کو لیا احناف نے تین رکعات کو لے لیا اس طرح حضور ﷺ کا کوئی بھی قول امت نے زمین پر گرنے نہیں دیا۔

وتر کی ترغیب وفضیلت

﴿۱۳﴾ وعن علي قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم إن الله وتر يحب الوتر فأوتروا يا أهل القرآن. (رواه الترمذي وأبو داود والنسائي)[4]

ترجمہ: اور حضرت امیر المؤمنین علی کرم اللہ وجہہ راوی ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ''اللہ تعالیٰ وتر ہے، وتر کو دوست

[1] المرقات: ۳/۳۳۵ [2] اخرجه ابوداؤد: ۱۴۲۲ والنسائی: ۳/۲۳۸ وابن ماجه: ۱۱۹۰

[3] المرقات: ۳/۳۳۶ [4] اخرجه الترمذی: ۴۵۳ وابوداؤد: ۱۴۱۶ والنسائی: ۳/۲۲۹

رکھتا ہے، لہٰذا اے اہل قرآن وتر پڑھو۔" (ترمذی، ابوداؤد، نسائی)

توضیح: "ان اللہ وتر" یعنی اللہ تعالیٰ اپنی ذات میں اور اپنی صفات میں یکتا ہے اس کا کوئی مثل اور شریک ونظیر نہیں اللہ تعالیٰ اپنے افعال میں بھی یکتا ہے اس کا کوئی مددگار نہیں وہ طاق عدد کو پسند فرماتا ہے اور وتر بھی طاق ہے اس لئے اللہ تعالیٰ وتر کو پسند فرماتا ہے اور اس کے پڑھنے والے کو بہت زیادہ ثواب سے نوازتا ہے اہل القرآن سے مراد اہل توحید اور اہل ایمان مسلمان ہیں۔ [۱]

وتر کا وجوب، اس کا وقت اور اس کی فضیلت

﴿۱۴﴾ وعن خَارِجَةَ بْنِ حُذَافَةَ قَالَ خَرَجَ عَلَيْنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَقَالَ إِنَّ اللّٰهَ أَمَدَّكُمْ بِصَلَاةٍ هِيَ خَيْرٌ لَّكُمْ مِنْ حُمْرِ النَّعَمِ اَلْوِتْرُ جَعَلَهُ اللّٰهُ لَكُمْ فِيْمَا بَيْنَ صَلَاةِ الْعِشَاءِ إِلٰى أَنْ يَّطْلُعَ الْفَجْرُ۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَأَبُوْ دَاوُدَ) [۲]

ترجمہ: اور حضرت خارجہ بن حذافہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ (ایک دن) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے پاس تشریف لائے اور فرمایا کہ "اللہ جل شانہ نے ایک (ایسی) نماز سے تمہاری امداد کی ہے (یعنی نماز پنج گانہ سے ایک اور زیادہ نماز تمہیں دی ہے) جو تمہارے لئے سرخ اونٹوں سے بہتر ہے اور وہ وتر (کی نماز) ہے اور تمہارے لئے یہ نماز عشاء کی نماز کے بعد سے فجر نکلنے تک کے درمیان مقرر کی گئی ہے (یعنی اس کا وقت ان اوقات کے درمیان درمیان ہے جب چاہو پڑھو)۔" (ترمذی، ابوداؤد)

توضیح: "حمر النعم" عرب کے ہاں سرخ اونٹ بہت پسندیدہ اور عمدہ سمجھے جاتے ہیں اور عرب کے اموال میں سب سے زیادہ قیمتی ہوتے ہیں اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے وتر کی ترغیب دلانے میں ان اونٹوں کا ذکر فرمایا اس حدیث میں یہ بھی بتادیا گیا کہ وتر عشاء کے تابع ہیں لہٰذا عشاء کی نماز سے پہلے ادا نہیں کیے جاسکتے ہیں۔ [۳]

وتر کی قضاء لازم ہے جو وجوب کی دلیل ہے

﴿۱۵﴾ وعن زَيْدِ بْنِ أَسْلَمَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ نَامَ عَنْ وِتْرِهِ فَلْيُصَلِّ إِذَا أَصْبَحَ۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ مُرْسَلًا) [۴]

ترجمہ: اور حضرت زید بن اسلم رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "جو شخص وتر سے غافل ہو کر (یعنی وتر پڑھے بغیر) سو جائے تو اسے چاہئے کہ صبح ہو تو پڑھ لے۔" اس روایت کو ترمذی نے بطریق ارسال نقل کیا ہے۔

[۱] المرقات: ۳/۳۳۶، ۳۳۸ [۲] أخرجه الترمذي: ۴۵۲ وابوداؤد: ۱۴۱۸ [۳] المرقات: ۳/۳۳۹ [۴] اخرجه الترمذي: ۲/۳۳۰ ح (۴۶۵)

تین رکعات وتر کا ثبوت

﴿۱۶﴾ وعن عَبْدِ الْعَزِيْزِ بْنِ جُرَيْجٍ قَالَ سَأَلْنَا عَائِشَةَ بِأَيِّ شَيْءٍ كَانَ يُوْتِرُ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَتْ كَانَ يَقْرَأُ فِي الْأُوْلٰى بِسَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْأَعْلٰى وَفِي الثَّانِيَةِ بِقُلْ يَا أَيُّهَا الْكَافِرُوْنَ وَفِي الثَّالِثَةِ بِقُلْ هُوَ اللهُ أَحَدٌ وَالْمُعَوِّذَتَيْنِ. (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَأَبُوْ دَاوُدَ وَرَوَاهُ النَّسَائِيُّ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ أَبْزٰى وَرَوَاهُ أَحْمَدُ عَنْ أُبَيِّ بْنِ كَعْبٍ وَالدَّارِمِيُّ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ وَلَمْ يَذْكُرَا وَالْمُعَوِّذَتَيْنِ) [۱]

ترجمہ: اور حضرت عبدالعزیز بن جریج فرماتے ہیں کہ ہم نے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے پوچھا کہ سرور کونین ﷺ وتر میں کون کون سی سورتیں پڑھا کرتے تھے؟ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا کہ آپ پہلی رکعت میں سبح اسم ربك الاعلی دوسری رکعت میں قل یا ایھا الکفرون اور تیسری رکعت میں قل ھو الله احد، قل اعوذ برب الفلق اور قل اعوذ برب الناس پڑھا کرتے تھے۔'' ترمذی، ابوداؤد اور اس روایت کو امام نسائی نے حضرت عبدالرحمن بن ابزی سے، اور امام احمد نے حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے اور امام دارمی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے، مگر امام دارمی نے اپنی روایت میں لفظ معوذتین ذکر نہیں کیا ہے یعنی انہوں نے محض یہ نقل کیا ہے کہ آپ وتر کی تیسری رکعت میں صرف قل ھو الله پڑھتے تھے۔''

توضیح: "فی الاولی" حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی اس تصریح اور وضاحت کے بعد اس بات میں ذرہ بھر شبہ نہیں رہتا کہ وتر تین رکعات ہیں حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے ہر تین رکعات میں سے الگ الگ ایک ایک رکعت کا نام لیا اور ہر رکعت میں پڑھی گئی سورۃ کا نام لیا اور اس طرح تسلسل کے ساتھ تین رکعات کا بیان کیا جس سے ہر سننے والا سمجھ جاتا ہے کہ وتر تین رکعات ہیں اور درمیان میں کوئی سلام نہیں ہے اور یہی احناف کا مسلک ہے۔ [۲]

وتر میں پڑھی جانے والی دعاء قنوت

﴿۱۷﴾ وعن الْحَسَنِ بْنِ عَلِيٍّ قَالَ عَلَّمَنِيْ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَلِمَاتٍ أَقُوْلُهُنَّ فِي قُنُوْتِ الْوِتْرِ اَللّٰهُمَّ اهْدِنِيْ فِيْمَنْ هَدَيْتَ وَعَافِنِيْ فِيْمَنْ عَافَيْتَ وَتَوَلَّنِيْ فِيْمَنْ تَوَلَّيْتَ وَبَارِكْ لِيْ فِيْمَا أَعْطَيْتَ وَقِنِيْ شَرَّ مَا قَضَيْتَ فَإِنَّكَ تَقْضِيْ وَلَا يُقْضٰى عَلَيْكَ إِنَّهُ لَا يَذِلُّ مَنْ وَالَيْتَ تَبَارَكْتَ رَبَّنَا وَتَعَالَيْتَ. (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَأَبُوْ دَاوُدَ وَالنَّسَائِيُّ وَابْنُ مَاجَهْ وَالدَّارِمِيُّ) [۳]

ترجمہ: اور حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ سرور کونین ﷺ نے مجھے کچھ کلمات سکھائے ہیں تاکہ میں انہیں وتر کی دعاء قنوت میں پڑھا کروں۔ (ان الفاظ کا ترجمہ یہ ہے)

[۱] اخرجه الترمذی: ۴۶۳ وابوداؤد: ۱۴۲۳ [۲] المرقات: ۳/۳۳۱ [۳] اخرجه الترمذی: ۴۶۴ وابوداؤد: ۱۴۲۵، ۱۴۲۶ والنسائی: ۳/۲۴۸

اے اللہ! مجھے ہدایت کر ان لوگوں کے ساتھ (یعنی انبیاء واولیاء کے ساتھ) جن کو تو نے ہدایت کی مجھے دنیا اور آخرت کی مصیبتوں اور آفتوں سے بچا ان لوگوں کے ساتھ جن کو تو نے بچایا اور مجھ سے محبت کر ان لوگوں کے ساتھ جن سے تو نے محبت کی اور جو کچھ تو نے مجھے عطا کیا ہے (یعنی عمر، مال علم اور نیک اعمال) ان میں برکت عطا فرما اور مجھے ان برائیوں سے بچا جو مقدر رہوں، بے شک تو جو چاہتا ہے وہ حکم کرتا ہے اور تجھے کوئی حکم نہیں کرتا (یعنی تو حاکم مطلق ہے محکوم نہیں ہے اور جسے تو دوست رکھتا ہے وہ ذلیل نہیں ہو سکتا اے ہمارے رب تو بابرکت ہے (یعنی دارین پر تیرا خیر ہی خیر محیط ہے) اور تیری ذات بلند و برتر ہے''۔

(ترمذی، ابوداؤد، نسائی، ابن ماجہ، دارمی)

توضیح: "فی قنوت الوتر" وتر میں دعا پڑھی جاتی ہے احناف کے ہاں سال بھر میں عشاء کی نماز کے بعد وتر میں دعا ہوتی ہے شوافع کے ہاں نصف رمضان کے بعد ہوتی ہے اور سال بھر میں فجر کی نماز میں ہوتی ہے پھر دعا میں بھی اختلاف ہے شوافع اسی دعا کو پڑھتے ہیں جو اوپر حدیث میں مذکور ہے طریقہ یہ کہ آخری رکعت کی قرأت سے فارغ ہو کر قومہ میں ہاتھ اٹھا کر دعا مانگتے ہیں مگر بلند آواز سے مانگتے ہیں آج کل حرمین میں پورے رمضان میں یہ دعا بلند آواز سے مانگی جاتی ہے حکام اور ان کے اعوان کے لئے دعائیں ہوتی ہیں یہ ایک عجیب صورت ہے۔[1]

احناف سال بھر میں الگ الگ اور رمضان میں جماعت کے ساتھ وتر کی آخری رکعت کی قرأت سے فارغ ہو کر رکوع جانے سے پہلے دونوں ہاتھوں کو کانوں تک اٹھا کر پھر ناف پر باندھ کر آہستہ یہ دعا پڑھتے ہیں۔[2]

اللهم انا نستعينك ونستغفرك ونؤمن بك ونتوكل عليك ونثني عليك الخير ونشكرك ولا نكفرك ونخلع ونترك من يفجرك اللهم اياك نعبد ولك نصلي ونسجد واليك نسعى ونحفد ونرجو رحمتك ونخشى عذابك ان عذابك بالكفار ملحق۔ (رواه ابوداؤد فی مراسیلہ بتغییر یسیر)

ابوداؤد نے مندرجہ بالا دعا قنوت کو اپنے مراسیل میں نقل کیا ہے ایک دو الفاظ کے علاوہ یہی دعا وہاں پر موجود ہے لہٰذا یہ کہنا غلط ہے کہ یہ دعا ثابت نہیں ہے حرمین کے ائمہ کبھی کبھی یہ دعا بھی پڑھتے ہیں تو احناف خوش ہو جاتے ہیں۔

بہر حال اگر کوئی شخص ان دونوں دعاؤں کو وتر میں پڑھ لے تو زیادہ بہتر ہوگا اچھے الفاظ کی کمی بیشی سے کوئی فرق نہیں پڑیگا البتہ دنیاوی اغراض کی دعائیں جائز نہیں جیسے حرمین میں ملک فھد صاحب کی بیماری کی صحت کے لئے دعا مانگی جاتی ہے یہ مناسب نہیں ہے آگے قنوت نازلہ کا مسئلہ تفصیل سے آرہا ہے۔

وتر میں حضور اکرم ﷺ کی دعا

﴿۱۸﴾ وعن أُبَيِّ بنِ كعبٍ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا سَلَّمَ فِي الْوِتْرِ قَالَ

[1] المرقات: ۳/۳۳۳ [2] المرقات: ۳/۳۳۳ ابن ماجه: ۱۱۷۸ والدارمی: ۱۵۹۹، ۱۶۰۰

سُبْحَانَ الْمَلِكِ الْقُدُّوسِ. (رَوَاهُ أَبُو دَاوُدَ وَالنَّسَائِيُّ وَزَادَ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ يُطِيلُ وَفِي رِوَايَةٍ لِلنَّسَائِيِّ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ أَبْزٰى عَنْ أَبِيهِ قَالَ كَانَ يَقُولُ إِذَا سَلَّمَ سُبْحَانَ الْمَلِكِ الْقُدُّوسِ ثَلَاثًا وَيَرْفَعُ صَوْتَهُ بِالثَّالِثَةِ) [1]

ترجمہ: اور حضرت ابی ابن کعب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم جب وتر کی نماز میں سلام پھیرتے تو یہ کہتے سبحان الملک القدوس (یعنی پاک ہے بادشاہ نہایت پاک) " (ابوداؤد، نسائی) نسائی نے یہ الفاظ بھی نقل کئے ہیں کہ "آپ یہ (تسبیح) تین مرتبہ کہتے تھے اور تیسری مرتبہ میں آواز بلند فرماتے تھے، نیز نسائی نے ایک روایت عبدالرحمن بن ابزی سے نقل کی ہے جس میں وہ (عبدالرحمن) اپنے والد مکرم سے نقل کرتے (ہوئے کہتے) ہیں "آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب سلام پھیر لیتے تو تین مرتبہ سبحان الملک القدوس کہتے اور تیسری مرتبہ آواز بلند فرماتے۔

﴿۱۹﴾ وعن عَلِيٍّ قَالَ إِنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَقُولُ فِي آخِرِ وِتْرِهِ أَللّٰهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِرِضَاكَ مِنْ سَخَطِكَ وَبِمُعَافَاتِكَ مِنْ عُقُوبَتِكَ وَأَعُوذُ بِكَ مِنْكَ لَا أُحْصِي ثَنَاءً عَلَيْكَ أَنْتَ كَمَا أَثْنَيْتَ عَلٰى نَفْسِكَ. (رَوَاهُ أَبُو دَاوُدَ وَالتِّرْمِذِيُّ وَالنَّسَائِيُّ وَابْنُ مَاجَه) [2]

ترجمہ: اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں کہ سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم اپنی نماز وتر کے آخر میں یہ دعا پڑھا کرتے تھے: (جس کا ترجمہ ہے)

اے اللہ! میں پناہ چاہتا ہوں تیری رضا وخوشنودی کے ذریعہ تیرے غضب سے اور تیری عافیت کے ذریعہ تیرے عذاب سے اور میں پناہ مانگتا ہوں تیری ذات کے ذریعہ تیرے آثارِ معافات (یعنی تیرے غصب وغصہ سے (مجھ میں طاقت نہیں کہ تیری تعریف کرسکوں (کیونکہ) تیری تعریف کا شمار نہیں تو ایسا ہی ہے جیسا کہ تو نے اپنی تعریف کی۔ (ابوداؤد، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ)

توضیح: علامہ ابن ہمام رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ علماء کا ایک طبقہ اس طرف گیا ہے کہ دعاء قنوت میں کسی خاص دعا پر انحصار نہیں کرنا چاہئے بلکہ مختلف دعاؤں کو پڑھ لینا چاہئے تاکہ دل ودماغ پر دعاؤں کا جدید اثر پڑتا رہے اور صرف زبان ہلانے اور دل غافل رہنے تک دعا کی عادت نہ پڑ جائے لہٰذا معروف دعاء قنوت کو خاص معمول نہیں بنانا چاہئے لیکن علماء کا دوسرا طبقہ یہ کہتا ہے کہ معروف دعاء قنوت کو معمول بنالینا منع نہیں ہے۔ البتہ اس کے علاوہ دیگر دعاؤں کو بطور خاص معمول بنانا منع ہے کیونکہ صحابہ کرام اسی معروف دعاء قنوت کو معمول بنا کر پڑھ لیا کرتے تھے کسی اور کو خاص معمول نہیں بنایا۔ [3]

[1] اخرجه وابوداؤد: ۱۴۳۰ والنسائی: ۳/۲۳۵ [2] اخرجه وابوداؤد: ۱۴۲۷ والترمذی: ۳۵۶۶ والنسائی: ۳/۲۴۸ وابن ماجه: ۱۱۷۹
[3] المرقات: ۳/۳۳۸ المرقات: ۳/۳۶۰

الفصل الثالث

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے ایک رکعت وتر پر صحابہ کا تعجب

﴿۲۰﴾ عن ابنِ عبَّاسٍ قِيلَ لَهُ هَلْ لَكَ فِي أَمِيرِ الْمُؤْمِنِينَ مُعَاوِيَةَ مَا أَوْتَرَ إِلَّا بِوَاحِدَةٍ قَالَ أَصَابَ إِنَّهُ فَقِيهٌ وَفِي رِوَايَةٍ قَالَ ابْنُ أَبِي مُلَيْكَةَ أَوْتَرَ مُعَاوِيَةُ بَعْدَ الْعِشَاءِ بِرَكْعَةٍ وَعِنْدَهُ مَوْلًى لِابْنِ عَبَّاسٍ فَأَتَى ابْنَ عَبَّاسٍ فَأَخْبَرَهُ فَقَالَ دَعْهُ فَإِنَّهُ قَدْ صَحِبَ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔

(رواه البخاري)[1]

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے بارے میں منقول ہے کہ ان سے پوچھا گیا کہ امیر المؤمنین حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں کیا کہتے ہیں جو وتر کی ایک رکعت پڑھتے ہیں؟ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا "وہ فقیہ ہیں (جو کچھ کرتے ہیں) اچھا کرتے ہیں۔" ایک دوسری روایت میں حضرت ابن ابی ملیکہ فرماتے ہیں کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے عشاء کی نماز کے بعد وتر کی ایک رکعت پڑھی، ان کے پاس ہی حضرت ابن عباس کے آزاد کردہ غلام بھی موجود تھے (جب انہوں نے یہ دیکھا تو) وہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی خدمت میں حاضر ہوئے اور انکو بتایا (کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے وتر کی ایک رکعت پڑھی ہے) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ "ان کے بارے میں کچھ نہ کہو، انہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت کا شرف حاصل ہے (ہوسکتا ہے کہ انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی ایسا عمل دیکھا ہو جو دوسرے نہ دیکھ سکے ہوں)۔ (بخاری)

توضیح: "دعه" یعنی حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر اعتراض نہ کرو وہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی ہیں ان کے پاس کوئی وجہ ہوگی کوئی علمی ثبوت ہوگا کوئی اجتہادی بات ہوگی صحابی کا عمل غلط نہیں ہوسکتا ہے ان سے ان کا رب راضی ہو چکا ہے ان پر اعتراض نہ کرو کیونکہ:[2]

نہ ہر جائے مرکب تواں تاختن — کہ جاہا سپر باید انداختن
کارپا کاں بر قیاس خود مگیر — گرچہ آید در نوشتن شیر و شیر
ہزار نکتۂ باریک ترزمو این جا است — نہ ہر کہ سر بترا شد قلندری داند

وتر پڑھنے کی شدید تاکید

﴿۲۱﴾ وعن بُرَيْدَةَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ الْوِتْرُ حَقٌّ فَمَنْ لَمْ يُوتِرْ فَلَيْسَ مِنَّا الْوِتْرُ حَقٌّ فَمَنْ لَمْ يُوتِرْ فَلَيْسَ مِنَّا الْوِتْرُ حَقٌّ فَمَنْ لَمْ يُوتِرْ فَلَيْسَ مِنَّا۔ (رواه أبو داود)[3]

---

[1] اخرجه البخاري: ۵/۳۵ [2] المرقات: ۳/۳۵۰ [3] اخرجه ابوداؤد: ۱۴۱۹

ترجمہ: اور حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا ہے کہ "وتر حق (یعنی واجب) ہے لہٰذا جو شخص وتر نہ پڑھے وہ ہم میں سے (یعنی ہمارے تابعداروں میں سے) نہیں ہے، وتر حق ہے لہٰذا جو شخص وتر نہ پڑھے وہ ہم میں سے نہیں ہے وتر حق ہے لہٰذا جو شخص وتر نہ پڑھے وہ ہم میں سے نہیں ہے۔" (ابوداؤد)

توضیح: "فلیس منا" بارہا اس طرح جملوں کے مطالب بیان ہو چکے ہیں یہاں ایک مطلب پھر لکھتا ہوں کہ فلیس منا کا مطلب یہ نہیں کہ یہ شخص کافر ہو گیا بلکہ مطلب یہ ہے کہ یہ شخص اس خاص مسئلہ وتر میں ہمارے طریقے پر نہیں ہے باقی اسلام پر قائم ہے لیکن اس ایک شعبہ میں مسلمانوں کے طریقہ سے ہٹ گیا ہے۔[1]

وتر کی قضا پڑھنا وجوبِ وتر کی دلیل ہے

﴿۲۲﴾ وعن أَبِي سَعِيدٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ نَامَ عَنِ الْوِتْرِ أَوْنَسِيَهُ فَلْيُصَلِّ إِذَا ذَكَرَ وَإِذَا اسْتَيْقَظَ۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَأَبُو دَاوُدَ وَابْنُ مَاجَه)[2]

ترجمہ: اور حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "جو شخص وتر پڑھے بغیر سو جائے یا اسے پڑھنا بھول جائے تو اسے چاہئے کہ جب بھی اسے یاد آئے یا نیند سے بیدار ہو تو (اسکی قضاء) پڑھ لے۔" (ترمذی، ابوداؤد، ابن ماجہ)

نماز وتر واجب ہے یا سنت ہے؟

﴿۲۳﴾ وعن مَالِكٍ بَلَغَهُ أَنَّ رَجُلاً سَأَلَ ابْنَ عُمَرَ عَنِ الْوِتْرِ أَوَاجِبٌ هُوَ فَقَالَ عَبْدُاللهِ قَدْ أَوْتَرَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَوْتَرَ الْمُسْلِمُونَ فَجَعَلَ الرَّجُلُ يُرَدِّدُ عَلَيْهِ وَعَبْدُ اللهِ يَقُولُ أَوْتَرَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَوْتَرَ الْمُسْلِمُونَ۔ (رَوَاهُ فِي الْمُوَطَّأ)[3]

ترجمہ: اور حضرت امام مالک کے بارے میں منقول ہے کہ انہیں یہ بات پہنچی کہ "ایک شخص نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے سوال کیا کہ "کیا وتر کی نماز واجب ہے (یا سنت ہے) حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے (کوئی صریح جواب دینے کی بجائے یہ) فرمایا کہ "وتر کی نماز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی پڑھی ہے اور دوسرے مسلمانوں (یعنی صحابہ) نے بھی پڑھی ہے! وہ شخص بار بار یہی سوال کرتا تھا اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما یہی کہے جاتے تھے کہ "وتر کی نماز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی پڑھی ہے اور دوسرے مسلمانوں نے بھی پڑھی ہے۔" (موطا)

وتر تین رکعات ہیں

﴿۲۴﴾ وعن عَلِيٍّ قَالَ كَانَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُوتِرُ بِثَلَاثٍ يَقْرَأُ فِيهِنَّ بِتِسْعِ سُوَرٍ

---

[1] المرقات: ۳/۳۵۰ [2] اخرجه الترمذی: ۴۶۵ وابوداؤد: ۱۴۳۱ وابن ماجه: ۱۱۸۸ [3] اخرجه

مِنَ الْمُفَصَّلِ يَقْرَأُ فِي كُلِّ رَكْعَةٍ بِثَلَاثِ سُوَرٍ آخِرُهُنَّ قُلْ هُوَ اللَّهُ أَحَدٌ۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ)[1]

ترجمہ: اور امیر المؤمنین حضرت علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں کہ سرور کونین ﷺ وتر کی تین رکعتیں پڑھا کرتے تھے جن میں آپ مفصل کی نو سورتیں (اس طرح) پڑھا کرتے تھے (کہ) ہر رکعت میں تین تین سورتیں پڑھتے اور آخری سورۃ قل ہو اللہ احد ہوا کرتی تھی۔" (ترمذی)

دو رکعتوں سے ایک رکعت ملا کر وتر بنانے کا واقعہ

﴿۲۵﴾ وعن نَافِعٍ قَالَ كُنْتُ مَعَ ابْنِ عُمَرَ بِمَكَّةَ وَالسَّمَاءُ مُغِيمَةٌ فَخَشِيَ الصُّبْحَ فَأَوْتَرَ بِوَاحِدَةٍ ثُمَّ انْكَشَفَ فَرَأَى أَنَّ عَلَيْهِ لَيْلًا فَشَفَعَ بِوَاحِدَةٍ ثُمَّ صَلَّى رَكْعَتَيْنِ رَكْعَتَيْنِ فَلَمَّا خَشِيَ الصُّبْحَ أَوْتَرَ بِوَاحِدَةٍ۔ (رَوَاهُ مَالِكٌ)[2]

ترجمہ: اور حضرت نافع فرماتے ہیں کہ میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کے ہمراہ مکہ معظمہ میں تھا اور (اس دن رات میں) آسمان ابر آلود تھا۔ جب حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کو صبح ہو جانے کا اندیشہ ہوا تو انہوں نے ایک رکعت وتر کی پڑھ لی، پھر ابر صاف ہو گیا اور انہوں نے دیکھا کہ ابھی رات (کافی باقی) ہے چنانچہ انہوں نے ایک رکعت اور پڑھ کر (پہلی رکعت کے ساتھ ملا کر اسے) دوگانہ کر دیا اور اس کے بعد دو دو رکعت (نفل کی) پڑھتے رہے، جب پھر صبح ہو جانے کا اندیشہ ہوا تو انہوں نے وتر کی ایک رکعت پڑھ لی۔" (مالک)

بیٹھ کر نماز پڑھنے کا ایک طریقہ

﴿۲۶﴾ وعن عَائِشَةَ أَنَّ رَسُوْلَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يُصَلِّي جَالِسًا فَيَقْرَأُ وَهُوَ جَالِسٌ فَإِذَا بَقِيَ مِنْ قِرَائَتِهِ قَدْرَ مَا يَكُوْنُ ثَلَاثِيْنَ أَوْ أَرْبَعِيْنَ آيَةً قَامَ وَقَرَأَ وَهُوَ قَائِمٌ ثُمَّ رَكَعَ ثُمَّ سَجَدَ ثُمَّ يَفْعَلُ فِي الرَّكْعَةِ الثَّانِيَةِ مِثْلَ ذٰلِكَ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)[3]

ترجمہ: اور ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ سرور کونین ﷺ (آخر عمر میں دن یا رات میں اس طرح بھی) بیٹھ کر نماز پڑھتے تھے (کہ طویل قرأت کی وجہ سے) بیٹھے بیٹھے قرأت فرماتے اور جب قرأت میں تیس یا چالیس آیتیں باقی رہ جاتیں تو کھڑے ہو جاتے اور انہیں کھڑے کھڑے پڑھتے پھر (رکوع کرتے اور سجدہ میں جاتے اسی طرح دوسری رکعت میں بھی پڑھتے۔" (مسلم)

توضیح: اس طریقہ پر نفل پڑھنا اتفاقاً جائز ہے البتہ اس کا عکس کرنا جائز نہیں ہے۔[4]

[1] اخرجہ الترمذی: ۴۶۰ [2] اخرجہ مالک: ۱۲۴ ح (۱۵) [3] اخرجہ ومسلم: ۲/۱۶۴ [4] المرقاۃ: ۳/۲۵۴

یہاں یہ سوال ہے کہ اس حدیث کا باب الوتر سے کیا تعلق ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ یہاں وتر کا ذکر اگرچہ نہیں ہے لیکن دو رکعتوں کا ذکر ہے جو وتر کے لئے مقدمہ اور تمہید ہے شاید اسی وجہ سے یہاں یہ حدیث لائی گئی ہے۔

وتر کے بعد بیٹھ کر دو نفل پڑھنا ثابت ہے

﴿۲۷﴾ وعن أُمِّ سَلَمَةَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يُصَلِّيْ بَعْدَ الْوِتْرِ رَكْعَتَيْنِ.
(رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَزَادَ ابْنُ مَاجَه خَفِيْفَتَيْنِ وَهُوَ جَالِسٌ)[۱]

ترجمہ: اور ام المؤمنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ سرور کونین ﷺ وتر کے بعد دو رکعتیں پڑھا کرتے تھے۔ (ترمذی)

وتر کے بعد دو رکعت نفل پڑھنے سے تہجد کا ثواب ملتا ہے

﴿۲۸﴾ وعن عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُوْتِرُ بِوَاحِدَةٍ ثُمَّ يَرْكَعُ رَكْعَتَيْنِ يَقْرَأُ فِيْهِمَا وَهُوَ جَالِسٌ فَإِذَا أَرَادَ أَنْ يَرْكَعَ قَامَ فَرَكَعَ. (رَوَاهُ ابْنُ مَاجَه)[۲]

ترجمہ: اور ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ سرور کونین ﷺ وتر کی ایک رکعت پڑھتے اور پھر دو رکعتیں (نفل کی) پڑھتے جن میں آپ ﷺ بیٹھے بیٹھے قرأت فرماتے اور جب رکوع کرنا چاہتے تو کھڑے ہوتے اور رکوع کرتے۔" (ابن ماجہ)

﴿۲۹﴾ وعن ثَوْبَانَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِنَّ هٰذَا السَّهَرَ جُهْدٌ وَثِقْلٌ فَإِذَا أَوْتَرَ أَحَدُكُمْ فَلْيَرْكَعْ رَكْعَتَيْنِ فَإِنْ قَامَ مِنَ اللَّيْلِ وَإِلَّا كَانَتَا لَهُ. (رَوَاهُ الدَّارِمِيُّ)[۳]

ترجمہ: اور حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ سرور کونین ﷺ نے فرمایا "(نماز تہجد کیلئے) رات میں بیدار ہونا مشکل اور گراں ہوتا ہے اس لئے جب تم میں سے کوئی شخص (رات کے آخری حصہ میں جاگنے کا یقین نہ رکھتا ہو اور سونے سے پہلے یعنی عشاء کی نماز کے بعد) وتر پڑھے تو اسے چاہئے کہ دو رکعتیں پڑھ لے، اگر وہ نماز تہجد کے لئے رات میں اٹھ گیا تو بہتر ہے اور اگر نہ اٹھ سکا تو پھر دو رکعتیں کافی ہوں گی (یعنی ان دونوں رکعتوں کے پڑھنے کی وجہ سے اسے نماز تہجد کا ثواب مل جائے گا)۔" (ترمذی، دارمی)

﴿۳۰﴾ وعن أَبِي أُمَامَةَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يُصَلِّيْهِمَا بَعْدَ الْوِتْرِ وَهُوَ جَالِسٌ يَقْرَأُ فِيْهِمَا إِذَا زُلْزِلَتِ الْأَرْضُ وَقُلْ يَا أَيُّهَا الْكَافِرُوْنَ. (رَوَاهُ أَحْمَدُ)[۴]

ترجمہ: اور حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ سرور کونین ﷺ وتر کے بعد دو رکعتیں بیٹھ کر پڑھا کرتے تھے اور ان میں **اذا زلزلت الارض** اور **قل یا ایها الکافرون** پڑھتے تھے۔" (ترمذی)

[۱] اخرجه الترمذي: ۴۷۱ وابن ماجه: ۱۱۹۵ [۲] اخرجه [۳] اخرجه الدارمي: ۱۶۰۲ [۴] اخرجه احمد: ۵/۲۶۰، ۲۶۹

مورخہ ۷ جمادی الاولیٰ ۱۴۱۰ھ

باب القنوت

قنوت نازلہ کا بیان

لفظ قنوت کئی معانی پر بولا جاتا ہے یہ دعا کے معنی میں بھی آتا ہے سکوت کے معنی میں بھی آتا ہے طاعت کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے طول قیام کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے یہاں دعا کے معنی میں مستعمل ہوا ہے خواہ اچھی دعا ہو یا دعا بد ہو۔ [1]

قنوت کی مختلف احادیث میں تطبیق

قنوت دو قسم پر ہے ایک قنوت وتر بعد العشاء ہے دوسری قنوت نازلہ ہے دونوں کے بارے میں مختلف احادیث آئی ہیں۔ بعض احادیث سے ثابت ہوتا ہے کہ قنوت کی دعا قبل الرکوع پڑھی گئی ہے اور بعض احادیث میں بعد الرکوع کا ذکر ہے بعض روایات میں صبح کی نماز کا ذکر ہے بعض میں ظہر اور عصر بلکہ تمام نمازوں کا ذکر ہے کہ ان میں قنوت کی دعا پڑھی گئی ہے جس طرح فصل ثانی کی پہلی حدیث نمبر ۳ میں ہے۔ [2]

شوافع کا فیصلہ

امام مالک اور امام شافعی رحمہما اللہ تعالیٰ کے نزدیک قنوت سال بھر میں دواماً فجر کی نماز میں پڑھ لینی چاہئے اور طریقہ یہ کہ آخری رکعت کے رکوع کے بعد قومہ میں ہونی چاہئے یہ قنوت وتر ہے البتہ رمضان میں یہ قنوت رمضان کے نصف آخر میں ہوگی شوافع کے ہاں قنوت نازلہ تمام نمازوں میں بعد الرکوع ہونی چاہئے۔

مالکیہ اور شوافع کی دلیل اس باب کی وہ تمام احادیث ہیں جس میں بعد الرکوع کا ذکر موجود ہے اور فصل ثانی کی پہلی حدیث نمبر ۳ میں تمام نمازوں میں قنوت پڑھنے کا بیان موجود ہے لہٰذا شوافع تمام نمازوں میں بھی قنوت کے قائل ہو گئے۔ [3]

احناف کا فیصلہ

امام احمد اور امام ابو حنیفہ رحمہما اللہ تعالیٰ قنوت نازلہ اور قنوت وتر میں فرق کرتے ہیں ان کے ہاں قنوت وتر سال بھر میں دواماً عشاء کے بعد وتر کی آخری رکعت میں رکوع سے پہلے پڑھنی ضروری ہے اور قنوت نازلہ فجر کی نماز میں رکوع کے بعد کسی حادثہ فاجعہ کے پیش نظر ضرورت کے مطابق محدود وقت تک جاری رکھنی چاہئے۔

احناف نے ایسا طریقہ اختیار کیا ہے جس سے تمام احادیث میں آسانی سے تطبیق آجائے گی وہ فرماتے ہیں کہ احادیث میں جہاں قنوت قبل الرکوع کا ذکر آیا ہے وہاں قنوت وتر بعد العشاء مراد ہے جس پر حضرت عبداللہ بن مسعود اور ابن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیثیں دلالت کر رہی ہیں۔

---

[1] المرقات: ۲/۳۵۶ [2] المرقات: ۲/۳۵۸ [3] المرقات: ۲/۳۶۰

اور جہاں قنوت بعد الرکوع کا ذکر آیا ہے وہاں قنوت نازلہ مراد ہے اور تعیین فجر بوجہ تعامل ہے ورنہ احناف کے ہاں بھی قنوت نازلہ دیگر نمازوں تک عام کیا جاسکتا ہے جبکہ حادثہ کی نوعیت سنگین ہو جائے اس تحریر کے بعد اس باب کی تمام احادیث آسانی سے سمجھ میں آجائیں گی، اگرچہ بعض شارحین نے یہاں بہت طوالت سے کام لیا ہے۔[1]

الفصل الاول

حضور اکرم ﷺ نے مسلمان قیدیوں کی رہائی کے لئے بہت دعائیں مانگیں

﴿۱﴾ عن أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ إِذَا أَرَادَ أَنْ يَدْعُوَ عَلَى أَحَدٍ أَوْ يَدْعُوَ لِأَحَدٍ قَنَتَ بَعْدَ الرُّكُوْعِ فَرُبَّمَا قَالَ إِذَا قَالَ سَمِعَ اللهُ لِمَنْ حَمِدَهُ رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ اَللّٰهُمَّ أَنْجِ الْوَلِيْدَ بْنَ الْوَلِيْدِ وَسَلَمَةَ بْنَ هِشَامٍ وَعَيَّاشَ بْنَ أَبِي رَبِيْعَةَ اَللّٰهُمَّ اشْدُدْ وَطْأَتَكَ عَلَى مُضَرَ وَاجْعَلْهَا سِنِيْنَ كَسِنِيْ يُوْسُفَ يَجْهَرُ بِذٰلِكَ وَكَانَ يَقُوْلُ فِي بَعْضِ صَلَاتِهِ اَللّٰهُمَّ الْعَنْ فُلَانًا وَفُلَانًا لِأَحْيَاءٍ مِنَ الْعَرَبِ حَتّٰى أَنْزَلَ اللهُ تَعَالٰى لَيْسَ لَكَ مِنَ الْأَمْرِ شَيْءٌ (الآيَة). (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)[2]

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ سرور کونین ﷺ جب کسی کو بد دعا دیتے یا کسی کے لئے دعا کرنے کا ارادہ فرماتے تو رکوع کے بعد قنوت پڑھتے، چنانچہ بعض وقت جبکہ آپ سمع اللہ لمن حمدہ ربنا لک الحمد کہہ لیتے تو یہ دعا کرتے۔

(اے اللہ! ولید بن ولید کو، سلمہ بن ہشام کو اور عیاش بن ابی ربیعہ کو نجات دے اور اے اللہ! قوم مضر پر تو اپنا سخت عذاب نازل کر اور اس عذاب کو ان پر قحط کی صورت میں مسلط کر، ایسا قحط جو یوسف علیہ السلام کے قحط کی مانند ہو (یعنی قوم مضر پر تو اپنا عذاب اس قحط کی شکل میں مسلط کر جو حضرت یوسف علیہ السلام کے زمانہ میں مصر والوں پر مسلط کیا گیا تھا) یہ دعا آپ باآواز بلند کرتے تھے اور کسی نماز میں آپ عرب کے (ان) قبائل کے لئے (جو کافر تھے) اس طرح بددعا فرماتے اللهم العن فلانا وفلانا (اے اللہ! فلاں فلاں پر لعنت فرما) پھر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی "لیس لک من الامر شئی الایۃ (اس معاملہ میں آپ کا کچھ دخل نہیں ہے۔) (بخاری ومسلم)

توضیح: "الولید بن الولید" یہ صحابی حضرت خالد رضی اللہ عنہ کے بھائی تھے جن کا نام ولید ہے ان کے باپ کا نام بھی ولید ہے جنگ بدر میں مسلمانوں کے ہاتھوں قیدی بن گئے فدیہ دیکر جب رہا ہو گئے تو مکہ پہنچ کر انہوں نے اسلام قبول کیا کفار مکہ نے ان کو گرفتار کر کے جیل میں ڈال دیا اور ان پر بے تحاشا مظالم ڈھائے حضور اکرم ﷺ کو جب ان کی مظلومیت کا پتہ چلا تو آپ نے ان کی رہائی کے لئے دعا فرمائی چنانچہ ولید رضی اللہ عنہ کافروں کے چنگل سے چھوٹ کر مدینہ منورہ کی طرف بھاگ نکلے۔

[1] المرقات: ۳/۳۶۳ [2] اخرجه البخاري: ۶/۴۷ ومسلم: ۲/۱۳۴

"سلمہ بن ھشام" یہ قدیم الاسلام صحابی تھے ابوجہل کے سگے بھائی تھے کفار قریش نے مکہ مکرمہ میں ان کو قید کر رکھا تھا اور ان پر وحشیانہ مظالم ڈھا رہے تھے یہ بھی کفار کے ہاتھوں سے چھوٹ کر مدینہ منورہ پہنچ گئے۔[۱]

"عیاش بن ابی ربیعہ" یہ قدیم الاسلام صحابی تھے ابوجہل کے ماں کی طرف سے اخیافی بھائی تھے ابتداء میں اسلام قبول کر کے حبشہ کی طرف ہجرت فرمائی پھر دوسری ہجرت مدینہ کی طرف فرمائی ابوجہل نے ان کے ساتھ یہ دھوکہ کیا کہ خود مدینہ آ کر ان سے کسی طرح ملاقات کی اور کہا کہ تمہاری ماں تیرے لئے بہت بے چین ہے اور اس نے قسم کھائی ہے کہ جب تک تمہیں نہیں دیکھ لیتی سایہ میں نہیں بیٹھی گی، عیاش کو ماں کی محبت کھینچ کر ابوجہل جیسے ظالم کے ساتھ مکہ لے آئی یہاں ابوجہل نے ان کو گرفتار کر کے جیل میں بند کر دیا اور اپنی وحشیت و بربریت اور جذبہ انتقام کے مظالم میں ان کو جکڑ دیا لیکن حضور اکرم ﷺ کی دعا سے یہ بھی کفار کی قید سے بھاگ نکلنے میں کامیاب ہوگئے اور مدینہ چلے گئے زیر بحث حدیث میں حضور اکرم ﷺ نے انہیں تین خوش بخت صحابہ کی رہائی کے لئے مسلسل دعا مانگی ہے۔[۲]

اور ظالم کفار کو سخت ترین بددعائیں دی ہیں اللہ تعالیٰ نے آپ کو نام لے لے کر بددعا کرنے سے روک دیا کیونکہ بعض ایسے لوگ بھی تھے جن کی قسمت میں ایمان لکھدیا گیا تھا جن کے لئے بددعا مناسب نہیں تھی۔

قنوت نازلہ کا وقت بعد الرکوع ہے

﴿۲﴾ وعن عَاصِمٍ الْأَحْوَلِ قَالَ سَأَلْتُ أَنَسَ بْنَ مَالِكٍ عَنِ الْقُنُوْتِ فِي الصَّلَاةِ كَانَ قَبْلَ الرُّكُوْعِ أَوْ بَعْدَهُ قَالَ قَبْلَهُ إِنَّمَا قَنَتَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَعْدَ الرُّكُوْعِ شَهْرًا إِنَّهُ كَانَ بَعَثَ أُنَاسًا يُقَالُ لَهُمُ الْقُرَّاءُ سَبْعُوْنَ رَجُلًا فَأُصِيْبُوْا فَقَنَتَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَعْدَ الرُّكُوْعِ شَهْرًا يَدْعُوْ عَلَيْهِمْ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)[۳]

ترجمہ: اور حضرت عاصم احول کہتے ہیں کہ میں نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے دعاء قنوت کے بارہ میں پوچھا کہ (صبح کی نماز میں یا وتر میں یا کسی حادثہ یا وباء پھیلنے کے وقت ہر فرض) نماز میں وہ رکوع سے پہلے پڑھی جاتی تھی یا رکوع کے بعد؟ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ رکوع سے پہلے (اور فرمایا کہ) آنحضرت ﷺ نے (صبح کی نماز میں یا سب نمازوں میں) رکوع کے بعد دعاء قنوت صرف ایک مرتبہ پڑھی تھی (اور وہ بھی) اس لئے کہ آنحضرت ﷺ نے چند صحابہ رضوان اللہ اجمعین کو جنہیں قراء کہتے تھے اور تعداد میں ستر تھے (تبلیغ کے لئے کہیں) بھیجا تھا (وہاں کے لوگوں نے) انہیں شہید کر دیا تھا اس لئے آنحضرت ﷺ نے ایک مہینہ تک رکوع کے بعد دعاء قنوت پڑھ کر قراء کو شہید کرنے والوں کے لئے بددعا کی۔

(بخاری ومسلم)

توضیح: "قراء سبعون" یہ ستر قاری اصحاب صفہ میں سے تھے یہ غریب طالب علم ایک طرف علم حدیث اور علم

[۱] المرقات: ۳/۳۵۶ [۲] المرقات: ۳/۳۵۶ [۳] اخرجه البخاری: ۱۲۱/۲، ۲/۳۲، ۵/۱۳۷ ومسلم: ۲/۱۳۶

التفسیر کا علم حاصل کرتے تھے دوسری طرف ایک جہادی مدرسہ میں ہروقت جہاد کے لئے قطعہ منتظرہ میں بیٹھے رہتے اور جہاں ضرورت پڑتی تھی یہ وہاں جہاد کے لئے چلے جاتے تھے۔

اہل نجد نے بطور دھوکہ ان کو معلم کی حیثیت سے حضور ﷺ سے مانگ لیا حضور اکرم نے ان کو تعلیم وتبلیغ کے لئے روانہ فرمادیا مگر جب یہ قراء مکہ وعسفان کے درمیان پہنچ گئے تو رعل وذکوان قبائل نے ان پر ظالمانہ حملہ کردیا اور ایک کے سوا سب کو شہید کردیا وہ ایک بھی زخمی حالت میں بچ گیا حضور اکرم ﷺ کو جب علم ہوا تو آپ بے حد غمگین ہوئے اور ایک ماہ تک ان قبائل کی تباہی کے لئے قنوت نازلہ میں بدعا کی یہ واقعہ (چار ہجری) میں ۴ھ میں پیش آیا تھا۔[1]

الفصل الثانی

قنوت نازلہ تمام نمازوں میں بھی پڑھی جاسکتی ہے

﴿۳﴾ عن ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَنَتَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ شَھْرًا مُتَتَابِعًا فِی الظُّھْرِ وَالْعَصْرِ وَالْمَغْرِبِ وَالْعِشَاءِ وَصَلَاۃِ الصُّبْحِ إِذَا قَالَ سَمِعَ اللّٰہُ لِمَنْ حَمِدَہٗ مِنَ الرَّکْعَۃِ الْآخِرَۃِ یَدْعُوْ عَلٰی أَحْیَاءٍ مِنْ بَنِیْ سُلَیْمٍ عَلٰی رِعْلٍ وَذَکْوَانَ وَعُصَیَّۃَ وَیُؤَمِّنُ مَنْ خَلْفَہٗ۔ (رَوَاہُ أَبُوْ دَاوٗدَ)[2]

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ سرور کونین ﷺ نے مسلسل ایک مہینہ تک (یعنی ہر روز) ظہر، عصر، مغرب، عشاء اور فجر کی نمازوں کی آخری رکعت میں سمع اللہ لمن حمدہ کہنے کے بعد قنوت پڑھی ہے جس میں آپ بنی سلیم کے چند قبیلوں رعل، ذکوان اور عصیہ کے لئے بددعا کرتے تھے اور پیچھے کے لوگ (یعنی مقتدی) آمین کہتے تھے۔ (ابوداود)

قنوت نازلہ ضرورت کی حد تک ہے

﴿۴﴾ وعن أَنَسٍ أَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَنَتَ شَھْرًا ثُمَّ تَرَکَہٗ۔ (رَوَاہُ أَبُوْ دَاوٗدَ وَالنَّسَائِیُّ)[3]

ترجمہ: اور حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ سرور کونین ﷺ نے ایک مہینہ تک (رکوع کے بعد) دعاء قنوت پڑھی ہے پھر آپ نے (مطلقاً فرض نمازوں میں یا یہ کہ (رکوع کے بعد) قنوت پڑھنے کو ترک کردیا۔ (ابوداود، نسائی)

توضیح: "ثم ترکہ" یہ حدیث احناف کی مضبوط دلیل ہے کہ قنوت نازلہ ایک وقتی چیز ہے جو ضرورت کے تحت ہوتی ہے اور بعد الرکوع ہوتی ہے اور عام نمازوں میں بھی ہوتی ہے۔[4]

لیکن قنوت وتر مؤقت نہیں بلکہ بعد العشاء دواماً جاری وساری ہے شوافع اور مالکیہ فرماتے ہیں کہ فجر کی نماز میں قنوت نازلہ ہمیشہ کے لئے ہے اور دیگر نمازوں میں بوقت حادثہ نازلہ مشروع ہے۔

[1] المرقات: ۲/۳۵۹ [2] اخرجہ وابوداؤد: ۱۴۴۳ [3] اخرجہ النسائی: ۲/۲۰۳ [4] المرقات: ۳/۳۶۰

دائمی طور پر قنوت نازلہ پڑھنا بدعت ہے

﴿۵﴾ وعن أَبِي مَالِكٍ الأَشْجَعِيِّ قَالَ قُلْتُ لِأَبِي يَا أَبَتِ إِنَّكَ قَدْ صَلَّيْتَ خَلْفَ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَبِي بَكْرٍ وَعُمَرَ وَعُثْمَانَ وَعَلِيٍّ هٰهُنَا بِالْكُوفَةِ نَحْوًا مِنْ خَمْسِ سِنِيْنَ أَكَانُوا يَقْنُتُونَ قَالَ أَيْ بُنَيَّ مُحْدَثٌ۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَالنَّسَائِيُّ وَابْنُ مَاجَه)[1]

ترجمہ: اور حضرت ابو مالک اشجعی فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے والد مکرم سے دریافت کیا کہ ابا جان! آپ نے سرور کونین ﷺ کے پیچھے، حضرت ابوبکر، حضرت عمر، حضرت عثمان اور حضرت علی رضی اللہ عنہم کے پیچھے یہیں کوفہ میں تقریباً پانچ سال تک نماز پڑھی ہے کیا یہ حضرات دعاء قنوت پڑھتے تھے! انہوں نے فرمایا کہ ”میرے بیٹے! قنوت بدعت ہے۔“

(ترمذی، نسائی، ابن ماجہ)

الفصل الثالث

رمضان کے نصف ثانی میں قنوت کا ثبوت

﴿۶﴾ عن الحَسَنِ أَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ جَمَعَ النَّاسَ عَلٰى أُبَيِّ بْنِ كَعْبٍ فَكَانَ يُصَلِّي بِهِمْ عِشْرِيْنَ لَيْلَةً وَلَا يَقْنُتُ بِهِمْ إِلَّا فِي النِّصْفِ الْبَاقِي فَإِذَا كَانَتِ الْعَشْرُ الْأَوَاخِرُ تَخَلَّفَ فَصَلّٰى فِي بَيْتِهِ فَكَانُوا يَقُوْلُوْنَ أَبَقَ أُبَيٌّ۔ رَوَاهُ أَبُوْ دَاوٗدَ وَسُئِلَ أَنَسُ بْنُ مَالِكٍ عَنِ الْقُنُوْتِ فَقَالَ قَنَتَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَعْدَ الرُّكُوْعِ وَفِي رِوَايَةٍ قَبْلَ الرُّكُوْعِ وَبَعْدَهُ۔ (رَوَاهُ ابْنُ مَاجَه)[2]

ترجمہ: حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ امیر المومنین حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو (رمضان میں تراویح کے لئے) جمع کیا اور حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کو امام بنایا، حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ نے ان کو بیس رات تک نماز پڑھائی اور انہوں نے لوگوں کے ساتھ دعاء قنوت سوائے آخری نصف رمضان کے اور دنوں میں نہیں پڑھی اور جب آخر کے دس روزے رہ گئے حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ مسجد میں نہ آئے بلکہ (وتر کی) نماز اپنے گھر میں پڑھنے لگے، لوگ کہتے کہ ”ابی بھاگ گئے۔“ (ابوداؤد) اور حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے کسی نے دعاء قنوت کے بارے میں پوچھا کہ (رکوع سے پہلے پڑھی جائے یا بعد میں؟) تو انہوں نے فرمایا کہ ”آنحضرت ﷺ نے دعاء قنوت رکوع کے بعد پڑھی ہے“ ایک دوسری روایت میں یہ ہے کہ ”آپ نے دعاء قنوت کبھی رکوع سے پہلے اور کبھی رکوع کے بعد پڑھی ہے۔“

[1] اخرجه الترمذی: ۴۰۲، ۴۰۳ والنسائی: ۲/۲۰۴ وابن ماجه: ۱۲۴۱

[2] اخرجه ابوداؤد: ۳۴۰ باب القنوت فی الوتر ح ۱۴۲۹ وابن ماجه: ۱۱۸۴

توضیح: "ابق ابی" یعنی حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ بھگوڑے غلام کی طرح بھاگ گئے لوگوں نے یہ اس لئے کہا کہ انہوں نے حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کی غیر حاضری کو پسند نہیں کیا ادھر حضرت ابی بن کعب شاید کچھ مجبور ہو نگے جو شرعی طور پر معذور ہو نگے چونکہ حضرت کعب سید القراء تھے اس لئے عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے ان کو رمضان میں تراویح کا امام بنادیا تھا۔[1]

یہ حدیث شوافع کا مستدل ہے کہ نصف رمضان کے بعد قنوت پڑھی گئی ہے اور ایک جزء کے اعتبار سے یہ حدیث احناف کی دلیل ہے کیونکہ احناف تمام احادیث میں تطبیق دینے کے قائل ہیں اور یہاں قبل الرکوع اور بعد الرکوع دونوں طرح عمل وجود میں آیا ہے، تو احناف قبل الرکوع قنوت کو وتر عشاء پر حمل کرتے ہیں اور بعد الرکوع قنوت کو قنوت نازلہ پر حمل کرتے ہیں۔

[1] المرقات: ۳/۳۶۵، ۳۶۶

مورخہ ۱۸ جمادی الاول ۱۴۱۰ھ

باب قيام شهر رمضان

ماہ رمضان میں تراویح کا بیان

قیام رمضان سے تراویح کی نماز مراد ہے علامہ نووی عطیلة فرماتے ہیں "المراد بقیام رمضان التراویح" علامہ کرمانی عطیلة نے اتقان میں اس پر اجماع نقل کیا ہے فرماتے ہیں۔ [1]

اتفقوا علی ان المراد بقیام رمضان صلوٰۃ التراویح۔ (فتح الباری ج۴ص ۲۱۷)

تراویح ترویحہ کی جمع ہے اور ترویحہ راحت کے معنی میں ہے چونکہ چار رکعت کے بعد نمازی استراحت و آرام کرتے ہیں اس لئے اس نماز کو تراویح کہہ دیا گیا۔

قیام رمضان سے متعلق پہلی بحث:

جیسا کہ اوپر لکھا گیا ہے کہ اس پر علماء کا اتفاق واجماع ہے کہ "قیام اللیل" الگ نماز ہے اور "قیام شھر رمضان" الگ نماز ہے دونوں الگ الگ نمازیں ہیں دونوں کے اوقات الگ الگ ہیں اور دونوں کے نام بھی الگ الگ ہیں قیام اللیل تہجد کے لئے بولا جاتا ہے اور قیام شھر رمضان تراویح کے لئے خاص طور پر استعمال کیا جاتا ہے لہٰذا یہ مناسب نہیں ہے کہ کچھ لوگ تراویح کو چھپانے اور دبانے کی غرض سے اس کو تہجد ہی کہہ دینا شروع کریں اور پھر کہہ دیں کہ رمضان اور غیر رمضان میں آنحضرت ﷺ نے گیارہ رکعت سے زیادہ نماز رات کو نہیں پڑھی لہٰذا آٹھ رکعت سے زیادہ کچھ بھی ثابت نہیں خواہ اس کو تراویح کہہ دو یا اس کو تہجد کہہ دو، اس طرح گڈمڈ کرنا اور خلط ملط کرنا مناسب نہیں ہے، بہت سارے قرائن اور دلائل موجود ہیں کہ یہ الگ الگ نمازیں ہیں چند قرائن ملاحظہ ہوں۔ [2]

① بہت ساری احادیث میں اور فقہاء کے بیشار کلام میں اور محدثین کے بیشار عنوانات میں اس نماز کی اضافت بطور خاص رمضان کی طرف کی گئی ہے جیسے قیام شھر رمضان، "سننت لکم قیامه" یرغب فی قیام رمضان من قام ایمانا واحتسابا وغیرہ وغیرہ، یہ اضافت تخصیص کا فائدہ دیتی ہے لہٰذا یہ عام تہجد نہیں بلکہ تراویح کی نماز ہے حرمین شریفین میں آج کل تراویح کے لئے اس طرح کا اعلان ہوتا ہے "صلوٰۃ القیام اثابکم الله"۔

② تہجد اور تراویح میں فرق کا دوسرا قرینہ یہ ہے کہ دونوں کا وقت الگ الگ ہے تراویح عشاء کے بعد ہے اور تہجد رات کے آخر یا بیچ میں ہوتی ہے۔

③ تیسرا فرق یہ ہے کہ صلوٰۃ اللیل کی کبھی جماعت نہیں ہوتی نہ اس کی کوئی ترغیب دی گئی ہے جب کہ قیام رمضان کی

[1] المرقات: ۳/۳۶۷ [2] المرقات: ۳/۳۷۰

جماعت ہوتی ہے اور اس کی ترغیب دی جاتی ہے۔

❼ تہجد قرآن سے ثابت ہے اور تراویح حضور اکرم ﷺ کی سنت سے ثابت ہے جیسے "**وسننت لکم قیامه**"۔

❽ تراویح ہو چکنے کے بعد تہجد کی نماز صحابہ کرام نے اہتمام سے پڑھی ہے اگر یہ ایک ہی چیز تھی تو تہجد کا اہتمام الگ کیوں ہوتا؟۔

❾ امت کے فقہاء محدثین اور دین کے ماہرین قیام اللیل کو تہجد اور قیام رمضان کو تراویح کہتے ہیں تو دونوں میں فرق صاف ظاہر ہے۔ یہ چھ وجوہات ہیں جن سے تراویح اور تہجد کے درمیان فرق آتا ہے۔

قیام رمضان سے متعلق دوسری بحث

احناف کے نزدیک تراویح کی نماز سنت مؤکدہ ہے حنابلہ کا بھی یہی مسلک ہے۔ (کذا فی المغنی لابن قدامہ ج ۲ ص ۱۶۶)

تراویح کے سنت مؤکدہ ہونے پر بہت دلائل ہیں۔

❶ آنحضرت ﷺ نے تین دن تک تراویح کی نماز جماعت کے ساتھ پڑھائی لوگ زیادہ ہو گئے تو آپ نے چھوڑ دیا اور وجہ یہ بیان فرمائی کہ مجھے خدشہ ہوا کہ یہ نماز تم پر فرض نہ کر دی جائے جس کو تم نبھا نہ سکو گے اس سے معلوم ہوا کہ تراویح سنت مؤکدہ ہے۔ [۱]

❷ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا **وسننت لکم قیامه** یعنی قیام رمضان فرض نہیں بلکہ روزے اللہ نے فرض کیے اور تراویح میری سنت ہے۔

❸ آنحضرت ﷺ نے تراویح کی بنیاد قائم فرمائی اور عذر کی وجہ سے اس پر عملی مواظبت نہیں کی لیکن آپ کے بعد صحابہ کرام اور خلفاء راشدین اور امت کے فقہاء نے اس پر مواظبت فرمائی ہے جو سنت مؤکدہ ہونے کی واضح دلیل ہے۔

قیام رمضان سے متعلق تیسری بحث

اب تیسری بحث یہ ہے کہ تراویح جماعت کے ساتھ پڑھنا بہتر ہے یا گھر میں اکیلے پڑھنا بہتر ہے۔

جمہور فقہاء کی رائے ہے کہ تراویح جماعت کے ساتھ اکٹھا پڑھنا افضل و بہتر ہے۔

بعض علماء و فقہاء کی رائے ہے کہ تراویح اکیلے گھر میں پڑھنا بہتر ہے امام مالک اور امام ابو یوسف رحمہما اللہ تعالیٰ کی ایک ایک روایت اس طرح بھی ہے۔ ان علماء نے پھر محاکمہ کیا ہے کہ اگر جماعت میں شریک نہ ہونے سے نمازی کے لئے تراویح میں سستی کا خطرہ نہ ہو اور ان کا مسجد میں نہ آنے کی وجہ سے جماعت کو نقصان پہنچنے کا بھی کوئی خطرہ نہ ہو تو اس شخص کے لئے مسجد میں آنا یا گھر میں پڑھنا دونوں برابر ہے لیکن اگر کسی شخص کو خطرہ لاحق ہے کہ اگر مسجد میں نہ آیا تو تراویح چھوٹ جائیگی سستی ہو جائے گی یا ان کی وجہ سے جماعت کو نقصان پہنچ جائے گا تو پھر ان کے لئے جماعت میں حاضر ہونا افضل و اولیٰ ہے۔

---

[۱] المرقات: ۳/۳۶۸

بہرحال اکثر احناف کے نزدیک تراویح کے لئے جماعت میں شامل ہونا سنت ہے۔ [1]

پھر احناف کے جمہور علماء تراویح کی جماعت کو سنت علی الکفایہ کہتے ہیں مطلب یہ کہ اگر پورے محلہ والوں سے تراویح کی جماعت ترک ہو جائے تو سارے گناہ گار ہونگے اگر بعض نے جماعت قائم کی تو باقی سے ذمہ ساقط ہو جائے گا۔

بہرحال حضور اکرم ﷺ نے تین دن تک جماعت قائم فرمائی پھر چھوڑ دیا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے عہد میں داخلی وخارجی فتنے اٹھے تو آپ بھی جماعت کی ترتیب قائم کرنے کے لئے فارغ نہ ہو سکے پھر عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے مسلمانوں کو ایک امام پر جماعت کے ساتھ اکٹھا فرمایا اور اس وقت سے آج تک وہی سلسلہ قائم ودائم ہے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو ابتداء میں آٹھ رکعات پر جمع کیا پھر بارہ پر جمع کیا پھر بیس پر سب کو اکٹھا فرمالیا اور آج تک یہی طریقہ برقرار ہے۔ [2]

تراویح سے متعلق چوتھی بحث تعداد رکعات

تراویح کی رکعات کی تعداد میں علماء کے درمیان اختلاف ہے کہ اس کی کتنی رکعات ہیں تفصیل ملاحظہ ہو۔

فقہاء کا اختلاف:

امام ابوحنیفہ امام شافعی امام احمد بن حنبل رحمہم اللہ تعالیٰ اور بہت سارے فقہاء کا مسلک یہ ہے کہ تراویح کی رکعات بیس ہیں اور تین وتر اس کے علاوہ ہیں۔

امام مالک رحمہ اللہ سے اس بارے میں مختلف اقوال منقول ہیں ایک قول میں ان کے ہاں تراویح بیس رکعات ہیں دوسرے قول میں چھتیس رکعات ہیں ایک قول ۴۱ رکعات کا بھی ہے علامہ عینی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ امام مالک رحمہ اللہ سے چھتیس رکعات والا قول مشہور ومعتمد ہے یہ بات یاد رکھنے کے قابل ہے کہ امام مالک رحمہ اللہ کے نزدیک اصل تراویح بیس رکعات ہی ہیں بیس رکعات سے جو زائد کا ذکر آتا ہے یہ سب نوافل ہیں اس وقت مکہ مکرمہ میں چار رکعت کے بعد ترویحہ کے دوران لوگ بیت اللہ کا طواف کیا کرتے تھے تراویح بیس رکعت تھیں لیکن مدینہ منورہ میں ترویحہ کے وقت طواف کا امکان نہیں تھا تو لوگ کھڑے ہو کر چار رکعت مزید پڑھتے تھے لہٰذا چار ترویحات میں سولہ رکعت نفل ہو جاتی تھیں اسی کو تراویح میں شمار کیا گیا تو چھتیس رکعت کا قول کیا ورنہ اصل تراویح بیس رکعت سے زیادہ نہیں ہیں ابن ہمام حنفی رحمہ اللہ کچھ گھبرا گئے اور فرمایا کہ آٹھ رکعت سنت ہے بارہ نفل ہے مگر گھبرانے کی ضرورت نہیں ہے مورچہ مضبوط ہے غیر مقلدین اہل ظواہر اور آج کل کے سہولت پسند مسلمان آٹھ رکعات سے زیادہ تراویح کو بدعت کہتے ہیں۔ چنانچہ سعودی عرب میں حرمین شریفین کے علاوہ تمام بلاد میں آٹھ رکعات تراویح پڑھی جاتی ہے اور یہاں پاکستان میں بھی اس پر زور دیا جارہا ہے کہ صرف آٹھ رکعات پڑھو اور پھر مسجد سے بھاگ کر گھر کی طرف بڑھو۔

---

[1] المرقات: ۳/۳۶۹ [2] المرقات: ۳/۳۶۹

حالانکہ بیس رکعات تراویح پر اجماع منعقد ہوگیا ہے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے بارے میں تصور بھی نہیں کیا جا سکتا کہ انہوں نے بیس رکعات تراویح کا حکم اپنی طرف سے جاری کیا ہوگا یا العیاذ باللہ انہوں نے کسی بدعت کا ارتکاب یا ایجاد کیا ہے پھر جب آپ نے بیس رکعات کا عام اعلان مسجد میں کیا اور عملی طور پر بیس رکعات پر عمل شروع ہوگیا تو کسی صحابی نے اس کا انکار بھی نہیں کیا ازواج مطہرات جو حضور اکرم ﷺ کے ہر ظاہر اور پوشیدہ عمل سے واقف تھیں ان میں سے کسی نے کوئی نکیر نہیں کی اس سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ صحابہ اس بات کو جانتے تھے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا یہ اقدام حضور اکرم ﷺ کے منشاء کے عین مطابق ہے اور عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے ضرور کوئی اشارہ دربار نبوت سے بیس رکعات تراویح کا پایا تھا۔

لیکن اس کے باوجود غیر مقلدین بیس رکعات کو بدعت قرار دیتے ہیں یہ بہت ہی افسوس کی بات ہے اب طرفین کے دلائل ملاحظہ فرمائیں۔

دلائل:

غیر مقلدین آج کل اپنے بزرگوں کے برعکس آٹھ رکعات سے زیادہ تراویح کو ناجائز اور بدعت کہتے ہیں اور آٹھ رکعات کے اثبات پر دلائل دیتے ہیں ان کی پہلی دلیل یہ ہے۔

❶ ان کی سب سے زیادہ مشہور دلیل حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی حدیث ہے جس کی تخریج بخاری وغیرہ نے کی ہے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے ایک سائل کے جواب میں فرمایا۔

ما کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یزید فی رمضان ولا فی غیرہ علی احدی عشرۃ رکعۃ۔

معلوم ہوا حضور اکرم ﷺ نے رمضان میں آٹھ رکعات سے زیادہ تراویح نہیں پڑھی۔

جواب: اس دلیل کا جواب واضح ہے کہ اس حدیث کا تعلق تہجد سے ہے تراویح سے بالکل نہیں ہے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی حدیث میں "ولا فی غیرہ" کے الفاظ بلند آواز سے کہتے ہیں کہ یہ تراویح کی بات نہیں بلکہ تہجد کی بات ہے ورنہ رمضان کے علاوہ اوقات میں تراویح کا کیا تصور ہو سکتا ہے نیز اگر حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے ہاں تراویح کی نماز صرف آٹھ رکعت تھی تو پھر آپ نے بیس رکعات پر اعتراض کیوں نہیں کیا حالانکہ مدینہ منورہ میں حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا عام صحابہ کے لئے مسائل میں مرجع تھیں معلوم ہوا یہ تہجد کی بات تھی تراویح کی نہیں تھی۔

❷ غیر مقلدین کی دوسری دلیل حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی روایت ہے الفاظ یہ ہیں۔

عن جابر بن عبداللہ انہ علیہ السلام قام بہم فی رمضان فصلی ثمان رکعات واوتر۔

(رواہ ابن حبان فی صحیحہ)

اس سے معلوم ہوا کہ حضور اکرم ﷺ نے آٹھ رکعات تراویح کی جماعت کرائی ہے۔

جواب: حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے تراویح کی رکعات بیان کرنے کا ارادہ نہیں کیا بلکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی جماعت والی رکعات کا ذکر کیا ہے کہ آپ کی جماعت آٹھ رکعات کی تھی اس کے علاوہ رکعات کسی وجہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بغیر جماعت کے ادا فرمائی حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے آٹھ رکعات کے علاوہ رکعات کو موضوع بحث نہیں بنایا اور نہ کوئی حصر یا نفی کی ہے۔ یہ تاویل اور یہ جواب اگرچہ ظاہری طور پر نہایت کمزور ہے لیکن یہ جواب اس وجہ سے مضبوط بن جاتا ہے کہ اگر تراویح کی رکعات آٹھ ہوتیں تو تمام صحابہ اس پر متفق ہوتے اور بیس رکعات پر کبھی اتفاق نہ ہوتا حالانکہ صحابہ کرام نے بلا چوں وچرا بیس رکعات کو قبول فرمایا اور اس کو معمول بنایا جبکہ صحابہ کرام سے زیادہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کو جاننے والا اور ماننے والا اور کوئی نہیں ہوسکتا۔

۳ موطا مالک میں سائب بن یزید رضی اللہ عنہ کی روایت اس طرح ہے۔

مالك عن محمد بن يوسف عن السائب بن يزيد انه قال امر عمر بن الخطاب ابي ابن كعب وتميم الداري ان يقوما للناس باحدى عشرة ركعة۔ [1]

اس روایت کا جواب یہ ہے کہ بہت ممکن ہے کہ یہ اس زمانہ کی بات ہو جب بیس رکعات کا استقرار نہیں آیا تھا جمہور کے کلام میں یہ بات بھی ملتی ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے آٹھ رکعات کا حکم بھی ملتا ہے بارہ کا بھی ملتا ہے۔ لیکن قرار و استقرار بیس پر آیا ہے صحابہ کرام نے بیس کو اپنایا ہے پوری امت نے بیس کو قبول کیا ہے آج تک حرمین شریفین میں بیس پر عمل چل رہا ہے لہٰذا اس روایت کو اس زمانہ پر حمل کرنا ہوگا جب تراویح میں انضباط نہیں آیا تھا نیز اس روایت میں بے انتہاء اضطراب ہے سائب بن یزید رضی اللہ عنہ سے صرف محمد بن یوسف رحمۃ اللہ علیہ اس طرح نقل کر رہے ہیں سائب کے دیگر تمام شاگرد گیارہ کے بجائے بیس رکعات نقل کر رہے ہیں۔

جمہور کے پاس بیس رکعات تراویح پر بہت زیادہ دلائل ہیں ان دلائل کے پیش کرنے سے پہلے یہ بات سمجھ لیجئے کہ اتنی بات پر تو پوری امت کا اتفاق ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تراویح کی نماز پڑھی ہے اس پر بھی اتفاق ہے کہ عہد نبوی میں صحابہ کرام بھی تراویح پڑھا کرتے تھے، یہ بھی ثابت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تین دن تک جماعت کے ساتھ تراویح پڑھائی ہیں اور اس پر بھی اتفاق ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا عام معمول گھر میں تراویح پڑھنے کا تھا۔

اب اس کی تعیین کی ضرورت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بیس رکعت تراویح کبھی پڑھی ہے یا نہیں اور پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جب حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کو تراویح پر مقرر کیا تو کیا اس میں بیس رکعات کا ثبوت ہے یا نہیں چنانچہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اس طرح حدیث نقل کرتے ہیں جو جمہور کی پہلی دلیل ہے۔

---

[1] المرقات: ۳/۳۴۸

❶ عن ابن عباس ان رسول الله صلی الله علیه وسلم کان یصلی فی رمضان عشرین رکعة فی غیر جماعة والوتر (رواه البیهقی فی سننه وابن ابی شیبه فی مصنفه والطبرانی والبغوی (زجاجة المصابیح ج۱ ص ۳۶۶)

اس روایت کے سارے راوی ثقہ ہیں صرف ابراہیم بن عثمان پر کلام ہے لیکن تضعیف کے ساتھ ساتھ بہت سارے محدثین نے ان کی توثیق بھی کی ہے یحیی بن معین ان کے بارے میں فرماتے ہیں "شیخ ثقة کبیر".

حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے بیس رکعات تراویح کا ثبوت:

❷ بیس رکعت تراویح کے ثبوت پر جمہور کی دوسری دلیل موطا مالک میں یزید بن رومان کی روایت ہے۔

مالك عن یزید بن رومان انه قال کان الناس یقومون فی زمن عمر بن الخطاب فی رمضان بثلاث وعشرین رکعة۔ (موطا مالك ص

یہ حدیث بلاغات مالک میں سے ہے جو اگر چہ مرسل ہے مگر موصولات کے حکم میں ہے ویسے مرسل بھی جمہور کے ہاں حجت ہے۔

❸ جمہور کی تیسری دلیل حضرت سائب بن یزید کی روایت ہے۔

عن یزید بن خصیفة عن السائب بن یزید قال کانوا یقومون علی عهد عمر بن الخطاب رضی الله عنه فی شهر رمضان بعشرین رکعة وکانوا یقرؤن بالمئین وکانوا یتوکئون علی عصیهم فی عهد عثمان من شدة القیام (سنن کبری بیہقی ج ۲ ص ۴۹۶)

یہ روایت بالکل صحیح الاسناد ہے۔

❹ جمہور کی چوتھی دلیل مصنف ابن ابی شیبہ کی روایت ہے۔

عن یحیی بن سعید ان عمر بن الخطاب امر رجلا یصلی بهم عشرین رکعة (ج ۲ ص ۳۹۳)

❺ وعن عمر انه جمع الناس علی ابی بن کعب وکان یصلی بهم عشرین رکعة۔

(بیہقی وابن ابی شیبہ زجاجہ ج ۱ ص ۳۶۶)

❻ وعن السائب بن یزید قال کنا نقوم فی عهد عمر بعشرین رکعة والوتر وفی روایة وعلی عهد عثمان وعلی مثله قال النووی اسناده صحیح (زجاجة المصابیح ج۱ ص ۳۶۶)

۷ وعن شبرمة وكان من اصحاب على انه كان يؤمهم فى رمضان فيصلى خمس ترويحات۔
(بیہقی زجاجہ ج۱ ص ۳۶۶)

۸ وعن ابن ابى عبد الرحمن السلمى ان عليا دعا القراء فى رمضان فامر رجلا ان يصلى بالناس عشرين ركعة وكان على يوتر بهم۔ (رواہ البیہقی وزجاجۃ المصابیح ج۱ ص ۳۶۶)

قال عطاء ادركت الناس وهم يصلون ثلاثة وعشرين ركعة بالوتر۔

مشہور تابعی حضرت نافع فرماتے ہیں۔

لم ادرك الناس الا وهم يصلون تسعا وثلاثين ويوترون منها بثلاث۔ (فتح الباری ج۴ ص ۲۵۳)

امام مالک فرماتے ہیں "وعلى هذا العمل منذ بضع ومأة سنة" (حوالہ بالا)

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

رأيت الناس يقومون بالمدينة بتسع وثلاثين ركعة وبمكة بثلاث وعشرين۔

اتنے بڑے پیمانے پر امت کے فقہاء کے اقوال اور پوری امت کے اعمال وافعال اگر کسی کے لئے دلیل نہیں بن سکتے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ شخص تراویح پڑھنا ہی نہیں چاہتا اگر ان کا ارادہ پڑھنے کا ہوتا تو وہ اجماع امت کا کچھ خیال رکھتا آٹھ رکعت پر مسجد سے بھاگنے والا ختم قرآن سے محروم رہتا ہے مسلمانوں کی دعاؤں سے محروم رہتا ہے رمضان کی مبارک گھڑیوں سے محروم رہتا ہے مسجد کے ماحول سے محروم رہتا ہے خود پسندی کا شکار ہوجاتا ہے مسلمانوں پر بدگمانی کا مرتکب ہوتا ہے اور پوری امت کی طرف غلطی کی نسبت کا مرتکب ہوتا ہے بیس کے بجائے آٹھ رکعات کا ثواب پاتا ہے حالانکہ اگر وہ بیس رکعات پڑھتا تو آٹھ خود بخود حاصل ہوجاتیں آخر میں یہ بات تراویح کے لئے فیصلہ کن دلیل ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا "عليكم بسنتي وسنة الخلفاء الراشدين" یہ مضبوط ومحکم دلیل ہے لیکن بدقسمتی سے غیر مقلدین صحابہ کی تقلید بھی نہیں کرتے ہیں چنانچہ جو امور صحابہ سے ثابت ہیں یہ حضرات ان کا انکار کرتے ہیں۔

الفصل الاول

باجماعت تراویح حضور ﷺ کی سنت ہے

﴿۱﴾ عن زَيْدِ بْنِ ثَابِتٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِتَّخَذَ حُجْرَةً فِي الْمَسْجِدِ مِنْ حَصِيْرٍ فَصَلّٰى

فِيهَا لَيَالِيَ حَتَّى اجْتَمَعَ عَلَيْهِ نَاسٌ ثُمَّ فَقَدُوا صَوْتَهُ لَيْلَةً وَظَنُّوا أَنَّهُ قَدْ نَامَ فَجَعَلَ بَعْضُهُمْ يَتَنَحْنَحُ لِيَخْرُجَ إِلَيْهِمْ فَقَالَ مَا زَالَ بِكُمُ الَّذِي رَأَيْتُ مِنْ صَنِيعِكُمْ حَتَّى خَشِيتُ أَنْ يُكْتَبَ عَلَيْكُمْ وَلَوْ كُتِبَ عَلَيْكُمْ مَا قُمْتُمْ بِهِ فَصَلُّوا أَيُّهَا النَّاسُ فِي بُيُوتِكُمْ فَإِنَّ أَفْضَلَ صَلَاةِ الْمَرْءِ فِي بَيْتِهِ إِلَّا الصَّلَاةَ الْمَكْتُوبَةَ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)[1]

ترجمہ: حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ سرتاج دو عالم ﷺ نے (رمضان میں) مسجد میں بوریئے کا ایک حجرہ بنایا اور کئی راتیں اس میں (تراویح کے علاوہ نفل) نماز پڑھی (جب لوگ جمع ہوجاتے تو آنحضرت ﷺ حجرہ سے باہر تشریف لاتے اور فرائض و تراویح جماعت کے ساتھ پڑھتے) یہاں تک کہ (ایک روز بہت زیادہ) لوگ جمع ہو گئے (آنحضرت ﷺ چونکہ فرض نماز پڑھ کر حجرہ میں تشریف لے جاچکے تھے اور جیسا کہ آپ کا معمول تھا کچھ دیر کے بعد باہر تشریف نہ لائے اس لئے) لوگوں نے آپ کی کوئی آہٹ محسوس نہیں کی۔ چنانچہ وہ یہ سمجھے کہ آپ سو گئے، لوگوں نے کھنکارنا شروع کیا تاکہ آپ (بیدار ہوجائیں اور نماز تراویح کے لئے) باہر تشریف لے آئیں (جیسا کہ آپ گزشتہ راتوں میں تشریف لاتے تھے) آنحضرت ﷺ نے (حجرہ سے باہر نکل کر یا اندر ہی سے) فرمایا کہ ”تمہارا کام جو میں دیکھ رہا ہوں برابر جاری ہے (یعنی جماعت سے تراویح پڑھنے کا شوق اور عبادت کے معاملہ میں تمہارا یہ جذبہ ہمیشہ رہے اور پھر فرمایا کہ) لیکن مجھے یہ اندیشہ ہوا کہ کہیں یہ نماز تم پر فرض نہ ہوجائے (یعنی اگر میں ہمیشہ نماز تراویح جماعت سے پڑھتا تو یہ نماز تم پر فرض ہوجاتی) اور اگر یہ نماز فرض ہوجاتی تو تم اس کی ادائیگی سے قاصر رہتے، لہٰذا اے لوگو! تم اپنے گھروں میں نماز پڑھا کرو کیونکہ انسان کی بہترین نماز وہی ہے جسے اس نے اپنے گھر میں پڑھا ہو سوائے فرض نماز کے (کہ اسے مسجد میں ہی پڑھنا افضل ہے)۔ (بخاری و مسلم)

رمضان کی راتوں میں تراویح کی فضیلت

﴿۲﴾ وعن أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُرَغِّبُ فِي قِيَامِ رَمَضَانَ مِنْ غَيْرِ أَنْ يَأْمُرَهُمْ فِيهِ بِعَزِيمَةٍ فَيَقُولُ مَنْ قَامَ رَمَضَانَ إِيمَانًا وَاحْتِسَابًا غُفِرَ لَهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهِ فَتُوُفِّيَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَالْأَمْرُ عَلَى ذٰلِكَ ثُمَّ كَانَ الْأَمْرُ عَلَى ذٰلِكَ فِي خِلَافَةِ أَبِي بَكْرٍ وَصَدْرًا مِنْ خِلَافَةِ عُمَرَ عَلَى ذٰلِكَ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)[2]

ترجمہ: اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ سرتاج دو عالم ﷺ قیام رمضان (یعنی نماز تراویح) کی ترغیب دیا کرتے تھے لیکن تاکید کے ساتھ صحابہ رضوان اللہ عنہم اجمعین کو کوئی حکم نہیں دیا کرتے تھے چنانچہ آپ فرمایا کرتے تھے جو شخص صحیح

[1] اخرجه البخاري: ۱/۱۸۶، ۹/۱۱۷ ومسلم: ۲/۱۸۸
[2] اخرجه ومسلم: ۲/۱۷۷

اعتقاد کے ساتھ اور حصول ثواب کے لئے (یعنی ریاء و نمائش کے جذبہ کے ساتھ نہیں بلکہ محض اللہ جل شانہ کی رضاء و خوشنودی کے لئے) رمضان میں قیام کرتا ہے اس کے پہلے گناہ صغیرہ بخش دیئے جاتے ہیں" آنحضرت ﷺ نے وفات پائی اور قیام رمضان کا معاملہ اسی طرح رہا (یعنی نماز تراویح کے لئے جماعت مقرر نہیں تھی بلکہ جو چاہتا تھا حصول ثواب کیلئے پڑھ لیتا تھا) پھر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت میں بھی یہی صورت رہی اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ خلافت کے ابتدائی ایام میں بھی یہی معمول رہا (اور پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے نماز تراویح کے لئے جماعت کا حکم دیا اور اس کا التزام کیا)۔ (مسلم)

نفل نماز گھر میں پڑھنا بہتر ہے

﴿۳﴾ وعن جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا قَضٰى أَحَدُكُمُ الصَّلَاةَ فِيْ مَسْجِدِهٖ فَلْيَجْعَلْ لِبَيْتِهٖ نَصِيْبًا مِنْ صَلَاتِهٖ فَإِنَّ اللّٰهَ جَاعِلٌ فِيْ بَيْتِهٖ مِنْ صَلَاتِهٖ خَيْرًا۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)[1]

ترجمہ: اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ سرتاج دو عالم ﷺ نے فرمایا "جب تم میں سے کوئی شخص اپنی (فرض) نماز مسجد میں پڑھے تو اسے چاہئے کہ وہ اپنی نماز کا کچھ حصہ اپنے گھر کے لئے بھی روک لے (یعنی سنت و نوافل بلکہ قضا بھی گھر میں پڑھے) کیونکہ اللہ تعالیٰ اس کی نماز کے سبب اس کے گھر میں بھلائی پیدا کرتا ہے۔" (مسلم)

الفصل الثانی

حضور ﷺ نے تئیس پچیس اور ستائیس کی تراویح پڑھائی

﴿۴﴾ عن أَبِيْ ذَرٍّ قَالَ صُمْنَا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَمْ يَقُمْ بِنَا شَيْئًا مِنَ الشَّهْرِ حَتّٰى بَقِيَ سَبْعٌ فَقَامَ بِنَا حَتّٰى ذَهَبَ ثُلُثُ اللَّيْلِ فَلَمَّا كَانَتِ السَّادِسَةُ لَمْ يَقُمْ بِنَا فَلَمَّا كَانَتِ الْخَامِسَةُ قَامَ بِنَا حَتّٰى ذَهَبَ شَطْرُ اللَّيْلِ فَقُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ لَوْ نَفَّلْتَنَا قِيَامَ هٰذِهِ اللَّيْلَةِ فَقَالَ إِنَّ الرَّجُلَ إِذَا صَلّٰى مَعَ الْإِمَامِ حَتّٰى يَنْصَرِفَ حُسِبَ لَهٗ قِيَامُ لَيْلَةٍ فَلَمَّا كَانَتِ الرَّابِعَةُ لَمْ يَقُمْ بِنَا حَتّٰى بَقِيَ ثُلُثُ اللَّيْلِ فَلَمَّا كَانَتِ الثَّالِثَةُ جَمَعَ أَهْلَهٗ وَنِسَاءَهٗ وَالنَّاسَ فَقَامَ بِنَا حَتّٰى خَشِيْنَا أَنْ يَفُوْتَنَا الْفَلَاحُ قُلْتُ وَمَا الْفَلَاحُ قَالَ السُّحُوْرُ ثُمَّ لَمْ يَقُمْ بِنَا بَقِيَّةَ الشَّهْرِ۔

(رَوَاهُ أَبُوْ دَاوٗدَ وَالتِّرْمِذِيُّ وَالنَّسَائِيُّ وَرَوَى ابْنُ مَاجَهْ نَحْوَهٗ إِلَّا أَنَّ التِّرْمِذِيَّ لَمْ يَذْكُرْ ثُمَّ لَمْ يَقُمْ بِنَا بَقِيَّةَ الشَّهْرِ)[2]

ترجمہ: حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم نے (رمضان میں) سرتاج دو عالم ﷺ کے ہمراہ روزے رکھے، آپ نے مہینہ کے اکثر ایام میں ہمارے ساتھ قیام نہیں کیا (یعنی آپ نے رمضان کی راتوں میں ہمارے ساتھ فرض نماز کے علاوہ کوئی

---

[1] اخرجه ومسلم: ۲/۱۸۶ [2] اخرجه وابوداؤد: ۱۳۷۵ والترمذی: ۸۰۶ والنسائی: ۳/۸۳ ابن ماجه: ۱۳۲۷

اور نماز نہیں پڑھی) یہاں تک کہ جب سات راتیں باقی رہ گئیں (یعنی تیسویں شب آئی) تو آپ نے ہمارے ساتھ تہائی رات تک قیام (یعنی ہمیں نماز تراویح پڑھائی) جب چھ راتیں باقی رہ گئیں (یعنی چوبیسویں شب آئی تو) آپ نے قیام نہیں کیا پھر جب پانچ راتیں رہ گئیں (یعنی پچیسویں شب آئی) تو آپ نے ہمارے ساتھ آدھی رات تک قیام کیا میں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ کاش آج کی رات قیام اور زیادہ کرتے (یعنی اگر آپ آدھی رات سے بھی زیادہ تک ہمیں نماز پڑھاتے رہتے تو بہتر ہوتا) آنحضرت ﷺ نے فرمایا۔ "جب کوئی شخص (فرض) نماز امام کے ساتھ پڑھتا ہے اور اس سے فارغ ہو کر واپس جاتا ہے تو اس کے لئے پوری رات کی عبادت کا ثواب لکھا جاتا ہے (یعنی عشاء اور فجر کی نماز جماعت سے پڑھنے کی وجہ سے اسے پوری رات کی عبادت کا ثواب ملتا ہے نیز یہ کہ نوافل کا اسی وقت پڑھتے رہنا مناسب اور بہتر ہے جب تک دل لگے) جب چار راتیں باقی رہ گئیں (یعنی چھبیسویں شب آئی) تو ہمارے ساتھ قیام نہیں کیا یہاں تک کہ تہائی رات باقی رہ گئی (اور ہم اسی انتظار میں تھے کہ آنحضرت ﷺ تشریف لائیں اور ہمیں نماز پڑھائیں) جب تین راتیں باقی رہ گئیں (یعنی ستائیسویں شب آئی) تو آنحضرت ﷺ نے اپنے گھر والوں، اپنی عورتوں اور سب لوگوں کو جمع کیا اور ہمارے ساتھ قیام کیا (یعنی تمام رات ہمیں نماز پڑھاتے رہے) یہاں تک کہ ہمیں یہ اندیشہ ہوا کہ کہیں فلاح فوت نہ ہو جائے" راوی کہتے ہیں کہ میں نے پوچھا "فلاح کیا ہے" حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ (فلاح سے مراد) سحری کا کھانا (ہے) پھر آنحضرت ﷺ نے ہمارے ساتھ مہینہ کے باقی دنوں میں (یعنی اٹھائیسویں اور انتیسویں شب میں) قیام نہیں کیا۔" (ابوداؤد، ترمذی، نسائی) ابن ماجہ نے بھی اسی طرح کی روایت نقل کی ہے، نیز ترمذی نے اپنی روایت میں **ثم لم يقم بنا بقية الشهر** (یعنی پھر آپ نے ہمارے ساتھ مہینہ کے باقی دنوں میں قیام نہیں کیا، کے الفاظ ذکر نہیں کئے ہیں۔

ماہ شعبان کی پندرھویں رات کی فضیلت

﴿۵﴾ وعن عَائِشَةَ قَالَتْ فَقَدْتُ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيْلَةً فَإِذَا هُوَ بِالْبَقِيْعِ فَقَالَ أَكُنْتِ تَخَافِيْنَ أَنْ يَحِيْفَ اللهُ عَلَيْكِ وَرَسُوْلُهُ قُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللهِ إِنِّيْ ظَنَنْتُ أَنَّكَ أَتَيْتَ بَعْضَ نِسَائِكَ فَقَالَ إِنَّ اللهَ تَعَالٰى يَنْزِلُ لَيْلَةَ النِّصْفِ مِنْ شَعْبَانَ إِلَى السَّمَاءِ الدُّنْيَا فَيَغْفِرُ لِأَكْثَرَ مِنْ عَدَدِ شَعْرِ غَنَمِ كَلْبٍ۔

(رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَابْنُ مَاجَه وَزَادَ رَزِيْنٌ مِمَّنِ اسْتَحَقَّ النَّارَ وَقَالَ التِّرْمِذِيُّ سَمِعْتُ مُحَمَّدًا يَعْنِي الْبُخَارِيَّ يُضَعِّفُ هٰذَا الْحَدِيْثَ)۔ [1]

ترجمہ: اور ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ ایک (مرتبہ اپنی باری میں) رات کو میں نے سرتاج دوعالم ﷺ کو بستر پر نہیں پایا (جب میں نے تلاش کیا تو) یکایک کیا دیکھتی ہوں کہ آپ ﷺ بقیع میں موجود ہیں (مجھے دیکھ کر) آپ نے فرمایا "کیا تمہیں اس بات کا خوف تھا کہ اللہ اور اس کا رسول تم پر ظلم کریں گے"؟ میں نے عرض کیا کہ: "یا رسول اللہ! مجھے خیال ہوا تھا کہ آپ اپنی کسی اور بیوی کے پاس تشریف لے گئے ہیں" آپ نے فرمایا "اللہ تعالیٰ نصف شعبان کی رات

[1] اخرجه الترمذي: ۷۳۹ وابن ماجه: ۱۳۸۹

(یعنی شعبان کی پندرھویں شب) میں آسمان دنیا (یعنی پہلے آسمان) پر نزول فرماتا ہے اور قبیلہ بنوکلب (کی بکریوں) کے ریوڑ کے بالوں سے بھی زیادہ تعداد میں گناہ بخشتا ہے۔" (ترمذی، ابن ماجہ) اور رزین رحمۃ اللہ علیہ نے یہ الفاظ بھی نقل کئے ہیں کہ "(مومنین میں سے) جو لوگ دوزخ کے مستحق ہو چکے ہیں انہیں بخشتا ہے۔" امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ "میں نے محمد یعنی امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ "یہ حدیث ضعیف ہے"۔

توضیح: "البقیع" مدینہ منورہ کے مشہور قبرستان کا نام جنت البقیع بھی ہے اور بقیع غرقد بھی ہے اور اس کو البقیع بھی کہتے ہیں حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا خیال تھا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ان کی باری میں کسی اور ام المؤمنین کے گھر تشریف لے گئے ہیں لیکن جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو جنت البقیع میں پایا تو جلدی جلدی واپس گھر لوٹ آئیں پھر حضور سے گفتگو ہوئی [1] بنوکلب عرب کا ایک مشہور قبیلہ تھا ان کے ہاں بکریاں بہت زیادہ ہوتی تھیں [2] "ینزل" یعنی اللہ تعالیٰ اپنے شایان شان آسمانِ دنیا پر نزول فرماتے ہیں [3] "ینزل ای مایلیق بشانہ" اس کی تشریح پہلے ہو چکی ہے۔ [4]

ماہ شعبان کی پندرھویں رات کو شب برأت بھی کہتے یعنی گناہوں سے چھٹکارے کی رات شب براءت کے متعلق یہ جان لیں کہ عوام الناس نے اس رات میں حدود شرعیہ سے تجاوز کیا جو چراغاں اور دوسرے منکرات وبدعات وحلویات اکل وشرب ومطعومات کی صورت میں ظاہر ہوا۔

اس کو دیکھ کر کچھ اہل حق علماء نے اعتدال کے ساتھ اس کا رد کیا مگر بعض نے رد کے ساتھ ساتھ اس رات کی ہر فضیلت کا انکار کیا حالانکہ یہ ناقابل تردید حقیقت ہے کہ شب براءت کی فضیلت احادیث سے ثابت ہے دس صحابہ نے اس کی احادیث کی تخریج کی ہے اگرچہ فنی لحاظ سے احادیث میں ضعف ہے لیکن اس کا مطلب یہ نہیں کہ یہ احادیث ناقابل عمل ہیں کیونکہ یہ احادیث ایک دوسرے کے مضمون کی تائید کرتی ہیں نیز فضائل اعمال میں ان جیسی احادیث کا لینا معروف ومشہور ہے۔ امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ ہم جب احکام کی حدیث لیتے ہیں تو "تشددنا" ہم سختی کرتے ہیں اور جب فضائل کی حدیث لیتے ہیں "تسھلنا" ہم نرمی کرتے ہیں۔ اس رات سے متعلق اگرچہ کوئی خاص عبادت مقرر نہیں اور اپنی طرف سے تحدید وتعیین جائز بھی نہیں لیکن خیر القرون میں صالحین نے اس رات میں اہتمام کے ساتھ عبادت کی ہے اسی حد تک اس کی فضیلت ہے اور اتنی حد تک قبول کر لینا چاہئے۔

شب برأت میں قبرستان جانا

اس بات کا انکار نہیں کیا جا سکتا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم شب براءت میں قبرستان تشریف لے گئے ہیں لیکن اس کا مطلب یہ نہیں کہ ہم اس کو ہمیشہ کا معمول بنائیں اور ہر سال قبرستان جانے کا دھوم دھام سے اہتمام کریں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم عمر بھر میں ایک دفعہ تشریف لے گئے ہیں پھر کبھی نہیں گئے ایسا اگر کوئی شخص آج بھی کریگا تو کوئی مضائقہ نہیں۔ لیکن ہر سال شب براءت منانا قبرستان جانا اس کا اہتمام کرنا اس کا التزام کرنا اور شب براءت کا حصہ سمجھنا حد شرعی سے تجاوز ہے جو ناجائز ہے

[1] المرقات: ۲/۳۷۴ [2] المرقات: ۲/۳۷۵ [3] المرقات: ۲/۳۷۵ [4] المرقات: ۲/۳۷۵

آج کل عبادت کا پہلو تو غائب ہے عادت کا پہلو غالب ہے اب تو حال یہ ہے کہ لوگوں کے ہاں عبادت کا اہتمام اتنا نہیں جتنا کہ کھانے پکانے اور پھر کھانے کا ہے حلوہ کا اہتمام وانتظام ہے عبادت برائے نام ہے۔

پندرھویں شعبان کا روزہ

شب برأت کے بعد والے دن کے روزے کا ذکر اس حدیث میں ہے اگرچہ یہ روایت ضعیف ہے لیکن خود شعبان کے روزوں کا ذکر احادیث میں ہے پھر ایام بیض کی بہت زیادہ ترغیب ہے تو شب براءت کی وجہ سے یہ روزہ نہ سہی ایام بیض میں پندرہ شعبان خود مامور بہ اور مرغوب فیہ ہے اس کی وجہ سے یہ روزہ رکھا جائے دونوں کا ثواب ان شاء اللہ مل جائے گا اور پندرہ تاریخ کی خصوصیت سے بچ جائے گا۔

نفل نماز گھر میں پڑھنے کی فضیلت

﴿۶﴾ وعن زَيْدِ بْنِ ثَابِتٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلَاةُ الْمَرْءِ فِيْ بَيْتِهٖ أَفْضَلُ مِنْ صَلَاتِهٖ فِيْ مَسْجِدِيْ هٰذَا اِلَّا الْمَكْتُوْبَةَ. (رَوَاهُ أَبُوْ دَاوُدَ وَالتِّرْمِذِيُّ)[1]

ترجمہ: اور حضرت زید ابن ثابت رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ سرتاج دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا" آدمی کی اپنے گھر میں پڑھی ہوئی نماز اس نماز سے بہتر ہے جو میری مسجد (یعنی مسجد نبوی) میں پڑھی جائے علاوہ فرض کے (کہ فرض نماز مسجد ہی میں پڑھنی بہتر ہے)

توضیح: گھر میں نفل نماز پڑھنے کی فضیلت گھر کی وجہ سے ہے مسجد میں ممانعت کی وجہ سے نہیں ہے لہٰذا اگر کوئی شخص سنن ونوافل مسجد میں پڑھنا چاہتا ہے تو بلا کراہت جائز ہے البتہ گھر میں پڑھنا افضل ہے۔[2]

الفصل الثالث

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا تراویح کے لئے جماعت مقرر کرنا

﴿۷﴾ عن عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ عَبْدِ الْقَارِيِّ قَالَ خَرَجْتُ مَعَ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ لَيْلَةً اِلَى الْمَسْجِدِ فَاِذَا النَّاسُ أَوْزَاعٌ مُتَفَرِّقُوْنَ يُصَلِّي الرَّجُلُ لِنَفْسِهٖ وَيُصَلِّي الرَّجُلُ فَيُصَلِّيْ بِصَلَاتِهِ الرَّهْطُ فَقَالَ عُمَرُ اِنِّيْ لَوْ جَمَعْتُ هٰؤُلَاءِ عَلٰى قَارِئٍ وَاحِدٍ لَكَانَ أَمْثَلَ ثُمَّ عَزَمَ فَجَمَعَهُمْ عَلٰى أُبَيِّ بْنِ كَعْبٍ قَالَ ثُمَّ خَرَجْتُ مَعَهٗ لَيْلَةً أُخْرٰى وَالنَّاسُ يُصَلُّوْنَ بِصَلَاةِ قَارِئِهِمْ قَالَ عُمَرُ نِعْمَتِ الْبِدْعَةُ هٰذِهٖ وَالَّتِيْ تَنَامُوْنَ عَنْهَا أَفْضَلُ مِنَ الَّتِيْ تَقُوْمُوْنَ يُرِيْدُ آخِرَ اللَّيْلِ وَكَانَ النَّاسُ يَقُوْمُوْنَ أَوَّلَهٗ.

(رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)[3]

[1] اخرجہ وابوداؤد: ۱۳۴۷ والترمذی: ۴۵۰ [2] المرقات: ۳/۳۷۶، ۳/۳۷۷ [3] اخرجہ البخاری: ۳/۵۸

ترجمہ: حضرت عبدالرحمن ابن عبدالقاری فرماتے ہیں کہ میں (ایک مرتبہ رمضان کی) رات میں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے ہمراہ مسجد میں گیا وہاں ہم نے کیا دیکھا کہ لوگ متفرق اور بکھرے ہوئے تھے (یعنی) کوئی تو (عشاء کی نماز کے بعد نفل) نماز تنہا پڑھ رہا تھا اور کوئی اس طرح پڑھ رہا تھا کہ چند آدمی اور بھی اس کے ساتھ تھے (گویا کچھ لوگ تو الگ الگ تراویح کی نماز پڑھ رہے تھے اور کچھ لوگ جماعت کے ساتھ پڑھ رہے تھے یہ صورت حال دیکھ کر) حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا "اگر میں ان لوگوں کو ایک قاری کے پیچھے جمع کردوں تو بہتر ہوگا" چنانچہ انہوں نے اس کا ارادہ کرلیا اور سب لوگوں کو حضرت ابی بن کعب کے پیچھے جمع کردیا (یعنی انہیں نماز تراویح کے لئے لوگوں کا امام مقرر کردیا) حضرت عبدالرحمن فرماتے ہیں کہ "(پھر اس کے بعد) میں ایک رات حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ہمراہ مسجد گیا، وہاں سب لوگ اپنے امام (یعنی حضرت ابی ابن کعب) کے ہمراہ نماز پڑھ رہے تھے (یہ دیکھ کر) حضرت عمر نے فرمایا کہ "یہ اچھی بدعت ہے" اور تہجد کی وہ نماز جس سے تم سوجاتے ہو تراویح کی اس نماز سے بہتر ہے جس کو تم اس وقت ادا کرتے ہو۔" اس سے حضرت عمر کی مراد آخری رات تھی اس وقت لوگ تراویح کی نماز اول وقت میں پڑھ لیا کرتے تھے۔" (بخاری)

توضیح: "اوزاع" یعنی لوگ الگ الگ جماعتوں اور ٹکڑوں میں بٹے ہوئے تھے کوئی نفل پڑھ رہا تھا کوئی سنت پڑھ رہا تھا اور کوئی تراویح پڑھ رہا تھا پھر تراویح بھی کوئی جماعت کے ساتھ پڑھ رہا تھا کچھ لوگ الگ جماعت کے ساتھ پڑھ رہے تھے "اوزاع" کا یہی مطلب ہے اور "متفرقون" کا جملہ گویا اوزاع کی تفسیر ہے۔ [1]

"نعمت البدعة هذه" یہاں بدعت اپنی اصطلاحی مفہوم میں نہیں ہے بلکہ یہاں لغوی معنی میں مستعمل ہے اور لغت میں بدعت نوایجاد کے معنی میں ہے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا مقصد یہ ہے کہ جماعت کے ساتھ تمام لوگوں کو تراویح پر اکٹھا کرنا اور بیس رکعات کو پابندی کے ساتھ ایک ساتھ پڑھنا کیا ہی بہترین جدید طرز اور جدید انتظام ہے۔ [2]

حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس جدید انتظام اور جدید تقرر کو جدید کہہ رہے ہیں تراویح کی اصل جماعت کو نوایجاد نہیں کہتے ہیں کیونکہ اصل جماعت تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خود شروع فرمائی تھی۔

یہاں بدعت کی کئی اقسام کی طرف تقسیم کی ضرورت نہیں ہے کیونکہ یہ لفظ اپنے لغوی معنی میں استعمال ہوا ہے بدعت اصطلاحی شرعی تو قبیح ہی قبیح ہے اس میں کوئی تقسیم نہیں۔

توضیحات جلد اول باب الاعتصام بالکتاب والسنة کی ابتدا میں بدعت سے متعلق تفصیل لکھی جاچکی ہے وہاں دیکھ لیا جائے۔

"والتي تنامون عنها افضل من التي تقومون الخ" اس عبارت میں دوجگہ "التی" کا لفظ آیا ہے اور دونوں جگہ موصول ہے جو اپنے صلہ سے ملکر صفت ہے اور اس کا موصوف محذوف ہے اب اس کا محذوف موصوف کیا چیز ہے اس میں دو احتمال ہیں۔

پہلا احتمال یہ ہے کہ اس کا موصوف الصلوٰۃ ہے یعنی **الصلوة التي تنامون عنها** مطلب یہ ہے کہ جس نماز کو تم لوگ

---

[1] المرقات: ۲/۳۷۷ [2] المرقات: ۲/۳۷۸

سو جانے کی وجہ سے چھوڑتے ہو وہ نماز اس نماز سے افضل ہے جس کو تم پڑھتے ہو اس صورت میں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ یہ بتانا چاہتے ہیں کہ تہجد کی نماز پڑھا کرو اس میں نیند کی وجہ سے سستی نہ کرو وہ تمہاری تراویح سے افضل ہے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اس فرمان سے یہ مسئلہ بھی حل ہو گیا کہ تراویح اور تہجد ایک چیز نہیں ہے بلکہ دونوں الگ الگ نمازیں ہیں۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اس کلام کے موصوف نکالنے میں دوسرا احتمال یہ ہے کہ یہاں موصوف "الساعة" ہے یعنی وہ گھڑی جس میں تم جاگ کر نماز تراویح ادا کرتے ہو اس وقت سے وہ وقت افضل ہے جس میں تم نماز ادا نہیں کرتے ہو بلکہ سوتے ہو گویا حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ رات کے پچھلے اوقات کی فضیلت بتاتے ہیں اور تہجد کے لئے اٹھنے کی ترغیب دے رہے ہیں۔

حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ اس صورت کا مطلب یوں بیان فرماتے ہیں۔

چونکہ لوگ تراویح کو پڑھ کر سو جاتے تھے اور تہجد کے لئے نہیں اٹھتے تھے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کو رغبت دلائی کہ افضل کو ترک نہیں کرنا چاہئے لہٰذا اول وقت میں تراویح پڑھ لیا کرو اور آخر وقت میں تہجد پڑھا کرو۔

تراویح کے ابتدائی دور کا ایک نقشہ

﴿۸﴾ وعن السَّائِبِ بْنِ يَزِيْدَ قَالَ أَمَرَ عُمَرُ أُبَيَّ بْنَ كَعْبٍ وَ تَمِيْمَ الدَّارِيَّ أَنْ يَقُوْمَا لِلنَّاسِ فِيْ رَمَضَانَ بِإِحْدٰى عَشْرَةَ رَكْعَةً فَكَانَ الْقَارِئُ يَقْرَأُ بِالْمِئِيْنَ حَتّٰى كُنَّا نَعْتَمِدُ عَلَى الْعَصَا مِنْ طُوْلِ الْقِيَامِ فَمَا كُنَّا نَنْصَرِفُ إِلَّا فِيْ فُرُوْعِ الْفَجْرِ۔ (رَوَاهُ مَالِكٌ)[1]

ترجمہ: اور حضرت سائب ابن یزید رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے حضرت ابی بن کعب اور حضرت تمیم داری رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ وہ رمضان (کی راتوں) میں لوگوں کو (تراویح کی) گیارہ رکعت نماز پڑھائیں اور (اس وقت) امام (تراویح میں) وہ سورتیں پڑھا کرتا تھا جن میں سے ہر ایک میں ایک سو سے زیادہ آیتیں ہیں، چنانچہ قیام کے طویل ہونے کی وجہ سے ہم اپنے عصا کا سہارا لے کر کھڑے ہوتے تھے اور فجر کے قریب نماز سے فارغ ہوتے تھے۔" (مالک)

توضیح: اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے تراویح کی آٹھ رکعات کا حکم دیا تھا اس سے غیر مقلدین استدلال کرتے ہیں اس کا جواب پہلے ہو چکا ہے یہ ابتدائی دور کا ایک نقشہ اور مرحلہ ہے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ابھی تک بیس رکعات کا اعلان نہیں فرمایا تھا بعد میں سب کچھ سامنے آیا اور صحابہ کرام کا اور پھر پوری امت کا اس پر اجماع ہو گیا۔

اب صرف وہ لوگ آٹھ رکعات کی بات کرتے ہیں جو سستی کی وجہ سے بیس رکعتیں پڑھ نہیں سکتے۔

"نعتمد" نوافل و سنن میں ٹیک لگانے کی گنجائش ہے چنانچہ اگر تھکاوٹ زیادہ ہو جائے تو کسی چیز کا سہارا لینا جائز ہے۔

[1] اخرجه مالك: ۱۱۵ ح (۴)

﴿۹﴾ وعن الْأَعْرَجِ قَالَ مَا أَدْرَكْنَا النَّاسَ إِلاَّ وَهُمْ يَلْعَنُوْنَ الْكَفَرَةَ فِيْ رَمَضَانَ قَالَ وَكَانَ الْقَارِئُ يَقْرَأُ سُوْرَةَ الْبَقَرَةِ فِيْ ثَمَانِيْ رَكَعَاتٍ فَإِذَا قَامَ بِهَا فِيْ ثِنْتَيْ عَشْرَةَ رَكْعَةً رَأَى النَّاسُ أَنَّهُ قَدْ خَفَّفَ (رَوَاهُ مَالِكٌ)[1]

ترجمہ: اور حضرت اعرج (تابعی) رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ "ہم نے ہمیشہ لوگوں کو دیکھا کہ وہ رمضان (کے روزوں) میں کفار پر لعنت بھیجا کرتے تھے اور (اس زمانہ میں) قاری (یعنی نماز تراویح کا امام) سورہ بقرہ کو آٹھ رکعتوں میں پڑھا کرتا تھا اور جب (کبھی) سورۂ بقرہ کو بارہ رکعتوں میں پڑھتا تو لوگ سمجھتے کہ نماز ہلکی پڑھی گئی ہے (مالک)

تراویح کا انتہائی وقت سحری تک ہے

﴿۱۰﴾ وعن عَبْدِاللّٰهِ بْنِ أَبِيْ بَكْرٍ قَالَ سَمِعْتُ أُبَيًّا يَقُوْلُ كُنَّا نَنْصَرِفُ فِيْ رَمَضَانَ مِنَ الْقِيَامِ فَنَسْتَعْجِلُ الْخَدَمَ بِالطَّعَامِ مَخَافَةَ فَوْتِ السُّحُوْرِ وَفِيْ أُخْرَى مَخَافَةَ الْفَجْرِ. (رَوَاهُ مَالِكٌ)[2]

ترجمہ: اور حضرت عبداللہ ابن ابی بکر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ "میں نے حضرت ابی رضی اللہ عنہ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ ہم رمضان المبارک میں جب قیام (یعنی نماز تراویح) سے فارغ ہوتے تھے تو خادموں سے اس خوف سے کہ کہیں سحری کا وقت ختم نہ ہوجائے جلدی کھانے کے لئے کہتے تھے۔" ایک دوسری روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ "فجر ہوجانے کے خوف سے (ہم خادموں کو جلدی کھانے کیلئے کہتے تھے)۔ (مالک)

پندرھویں شعبان میں بڑی بڑی تبدیلیوں کے فیصلے ہوتے ہیں

﴿۱۱﴾ وعن عَائِشَةَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ هَلْ تَدْرِيْنَ مَا فِيْ هٰذِهِ اللَّيْلَةِ يَعْنِيْ لَيْلَةَ النِّصْفِ مِنْ شَعْبَانَ قَالَتْ مَا فِيْهَا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ فَقَالَ فِيْهَا أَنْ يُكْتَبَ كُلُّ مَوْلُوْدٍ بَنِيْ آدَمَ فِيْ هٰذِهِ السَّنَةِ وَفِيْهَا أَنْ يُكْتَبَ كُلُّ هَالِكٍ مِنْ بَنِيْ آدَمَ فِيْ هٰذِهِ السَّنَةِ وَفِيْهَا تُرْفَعُ أَعْمَالُهُمْ وَفِيْهَا تُنْزَلُ أَرْزَاقُهُمْ فَقَالَتْ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ مَا مِنْ أَحَدٍ يَدْخُلُ الْجَنَّةَ إِلاَّ بِرَحْمَةِ اللّٰهِ تَعَالٰى فَقَالَ مَا مِنْ أَحَدٍ يَدْخُلُ الْجَنَّةَ إِلاَّ بِرَحْمَةِ اللّٰهِ تَعَالٰى ثَلاَثًا قُلْتُ وَلاَ أَنْتَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ فَوَضَعَ يَدَهُ عَلٰى هَامَتِهِ فَقَالَ وَلاَ أَنَا إِلاَّ أَنْ يَتَغَمَّدَنِيَ اللّٰهُ مِنْهُ بِرَحْمَتِهِ يَقُوْلُهَا ثَلاَثَ مَرَّاتٍ. (رَوَاهُ الْبَيْهَقِيُّ فِي الدَّعَوَاتِ الْكَبِيْرِ)[3]

ترجمہ: اور ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا راوی ہیں کہ سرتاج دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے (مجھ سے) فرمایا کہ "کیا

[1] اخرجه مالك: ۱۱۵ ح (۴) [2] اخرجه مالك: ۱۱۶ ح (۷) [3] اخرجه

تم جانتی ہو کہ اس شب میں یعنی پندرہویں شعبان کی شب میں کیا ہوتا ہے؟ میں نے عرض کیا ''یا رسول! (مجھے تو معلوم نہیں آپ ہی بتائیے کہ) کیا ہوتا ہے''؟ آپ نے فرمایا ''بنی آدم میں کا ہر وہ شخص جو اس سال میں پیدا ہونے والا ہوتا ہے اس رات میں لکھا جاتا ہے۔ بنی آدم میں کا ہر وہ شخص جو اس سال مرنے والا ہوتا ہے اس رات میں لکھا جاتا ہے اس رات میں بندوں کے اعمال (اوپر) اٹھائے جاتے ہیں اور اسی رات میں بندوں کے رزق اترتے ہیں۔'' حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے عرض کیا۔ ''یا رسول اللہ! کوئی شخص بھی اللہ تعالیٰ کی رحمت کے بغیر بہشت میں داخل نہیں ہوگا'' آپ نے فرمایا (ہاں) کوئی شخص بھی اللہ تعالیٰ کی رحمت کے بغیر جنت میں داخل نہیں ہوسکتا'' آپ نے یہ الفاظ تین مرتبہ فرمائے میں نے عرض کیا'' اور نہ آپ یا رسول اللہ (یعنی آپ بھی اللہ تعالیٰ کی رحمت کے بغیر جنت میں داخل نہیں ہوں گے؟) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا دست مبارک اپنے سر مبارک پر رکھا اور فرمایا'' اور نہ میں! (یعنی میں بھی اللہ تعالیٰ کی رحمت کے بغیر جنت میں داخل نہیں ہوں گا) مگر یہ کہ اللہ جل شانہ (اپنے فضل وکرم کے صدقہ میں) مجھے اپنی رحمت کے سایہ میں لے لے۔'' یہ الفاظ بھی آپ نے تین بار فرمائے (بیہقی نے یہ روایت دعوات کبیر میں نقل کی ہے۔)

توضیح: **''ان یکتب کل مولود''** اللہ تعالیٰ نے کائنات کی تخلیق سے پہلے سب کچھ تقدیر میں لکھدیا ہے اور وہ لوح محفوظ میں محفوظ ہے لیکن پندرہویں شعبان میں اس کی تجدید ہوتی ہے اور سال بھر کے بڑے واقعات کو الگ کر کے لکھدیا جاتا ہے اس میں انسانوں کی پیدائش اور ان کی اموات کا معاملہ لکھا جاتا ہے کسی کا رزق گھٹایا اور کسی کا بڑھایا جاتا ہے حجاج کرام کے نام حج کی فہرست میں لکھے جاتے ہیں، انسان کے نیک اعمال پہلے لکھے جاتے ہیں پھر اعمال کرنے کے بعد قبولیت کے لئے آسمانوں پر اٹھائے جاتے ہیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے جب یہ سنا کہ اعمال اٹھائے جاتے ہیں تو آپ نے خیال کیا کہ اعمال تو دخول جنت کے لئے علت اصلیہ نہیں ہیں۔[۱]

نیز کسی انسان کے اعمال کرنے سے پہلے ان کے حق میں وہ اعمال تقدیر میں لکھے جاتے ہیں کہ وہ لوگ یہ اعمال کریں گے تو حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اس سے یہ سمجھ لیا کہ دخول جنت محض تقدیر الٰہی سے وابستہ ہے اعمال کا یہاں کوئی دخل نہیں ہے اسی مسئلہ کو ثابت کرنے کے لئے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے آپ نے بطور استفہام پوچھ لیا کہ یا رسول اللہ! کیا معاملہ ایسا نہیں کہ ہر شخص محض اللہ تعالیٰ کی رحمت سے جنت میں داخل ہوگا؟۔

جواب میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ معاملہ ایسا ہی ہے کوئی شخص بھی اللہ تعالیٰ کی رحمت کے بغیر جنت میں اپنے عمل سے داخل نہیں ہوسکتا ہے تین دفعہ آپ نے یہ الفاظ دہرائے مطلب یہ کہ دخول جنت کے لئے اعمال سبب کے درجہ میں ضرور ہیں لیکن علت کے درجہ میں نہیں ہیں۔

اس پر حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے مزید معلومات کے لئے پوچھا کہ یا رسول اللہ یہ معاملہ صرف امت کے ساتھ ہے یا آپ کے ساتھ بھی ہے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بطور تواضع اور بطور عاجزی اور اپنے اوپر اللہ تعالیٰ کی عام رحمت کے احاطہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا کہ میرا معاملہ بھی اسی طرح ہے لیکن اللہ تعالیٰ مجھے اپنی رحمت کی لپیٹ میں لیگا مطلب یہ کہ

---

[۱] المرقات: ۳/۲۸۳، ۲۸۴

میرا معاملہ یقینی ہے اور رحمت خداوندی شامل حال ہے لہٰذا جنت میں میرا داخلہ یقینی ہے تین دفعہ آپ نے یہ کلام ارشاد فرمایا۔

شب براءت میں کینہ ور اور مشرک کی مغفرت نہیں ہوتی

﴿۱۲﴾ وعن أَبِي مُوسى الْأَشْعَرِيِّ عَنْ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِنَّ اللهَ تَعَالَى لَيَطَّلِعُ فِيْ لَيْلَةِ النِّصْفِ مِنْ شَعْبَانَ فَيَغْفِرُ لِجَمِيْعِ خَلْقِهِ إِلَّا لِمُشْرِكٍ أَوْ مُشَاحِنٍ۔

(رَوَاهُ ابْنُ مَاجَه وَرَوَاهُ أَحْمَدُ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ. وَفِيْ رِوَايَتِهٖ إِلَّا اثْنَيْنِ مُشَاحِنٌ وَقَاتِلُ نَفْسٍ) [۱]

ترجمہ: اور حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ سرتاج دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''اللہ جل شانہ، نصف شعبان کی رات کو (یعنی شب برات میں دنیا والوں کی طرف) متوجہ ہوتا ہے اور مشرک اور کینہ رکھنے والے کے علاوہ اپنی تمام مخلوق کی بخشش فرماتا ہے۔''

توضیح: ''لیطلع'' اطلاع جھانک کر دیکھنے کو کہتے ہیں اس سے مراد وہی آسمان دنیا پر نزول ہے جس کا تذکرہ دوسری احادیث میں کیا گیا ہے اطلاع الٰہی اور نزول ربانی سے مراد ''مایلیق بشانہ'' ہے بعض علماء نے اس تجلی انوارات ربانی اور رحمت خداوندی کا پرتو مراد لیا ہے جو تاویل ہے ''لمشرك'' اللہ تعالیٰ کی ذات اور اس کی صفات میں کسی کو شریک ماننا شرک جلی ہے اور شرک خفی ریاکاری کا نام ہے۔ [۲]

''او مشاحن'' باب مفاعلہ سے مشاحن کینہ ور اور بغض وحسد اور عداوت رکھنے والے کو کہتے ہیں باب سمع سے بھی کینہ ور کے معنی میں ہے ناجائز طور پر بغیر شرعی جواز کے کسی مسلمان سے کینہ وعداوت رکھنے کی یہی سزا ہے۔

مسلمان کے علاوہ کسی کافر سے کینہ رکھنا مراد نہیں ہے کیونکہ وہ ممنوع نہیں ہے اور نہ شرعی جواز کے ساتھ شریعت کے مطابق کینہ رکھنا مراد ہے، زیر بحث حدیث میں صرف ان دو قسم کے لوگوں کا بیان ہے لیکن بعض دیگر روایات میں قاطع رحم بھی اس میں شامل ہے مسبل ازار کا ذکر بھی آیا ہے والدین سے عاق آدمی کا ذکر بھی ہے اور مسلسل شراب پینے والا شخص بھی اس میں داخل ہے۔ (لمعات) [۳]

شیخ عبدالحق رحمہ اللہ نے لمعات میں لکھا ہے کہ نوف بکالی سے روایت ہے کہ ایک دن حضرت علی رضی اللہ عنہ نصف شعبان کی رات میں گھر سے اس حالت میں باہر آگئے کہ آپ آسمان کی طرف مسلسل دیکھ رہے تھے پھر آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ حضرت داؤد علیہ السلام ایک دفعہ باہر آئے اور آسمان کی طرف دیکھا اور فرمایا کہ یہ وہ گھڑی ہے کہ اس میں جو شخص بھی اللہ تعالیٰ سے دعا مانگتا ہے اللہ قبول فرماتا ہے جو کوئی استغفار کریگا اللہ تعالیٰ اسے معاف کرتا ہے بشرطیکہ وہ شخص جادوگر نہ ہو ٹیکس وصول کرنے والا عشار نہ ہو یا کاہن نہ ہو یا قوم کا چودھری اور لیڈر نہ ہو یا پولیس نہ ہو یا ہارمونیم اور بانسری ڈھول بجانے والا نہ ہو۔ [۴]

[۱] اخرجه ابن ماجه: ۱۳۹۰ واحمد: ۲/۱۷۶ [۲] المرقات: ۳/۳۸۶

[۳] اشعة اللمعات: ۱/۵۸۸ [۴] اشعة اللمعات: ۱/۵۸۸

پندرھویں شعبان کا روزہ اور عبادت

﴿۱۳﴾ وعن عَلِيٍّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا كَانَتْ لَيْلَةُ النِّصْفِ مِنْ شَعْبَانَ فَقُوْمُوْا لَيْلَهَا وَصُوْمُوْا يَوْمَهَا فَإِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى يَنْزِلُ فِيْهَا لِغُرُوْبِ الشَّمْسِ إِلَى السَّمَاءِ الدُّنْيَا فَيَقُوْلُ أَلَا مِنْ مُسْتَغْفِرٍ فَأَغْفِرَ لَهُ أَلَا مُسْتَرْزِقٌ فَأَرْزُقَهُ أَلَا مُبْتَلًى فَأُعَافِيَهُ أَلَا كَذَا أَلَا كَذَا حَتّٰى يَطْلُعَ الْفَجْرُ۔ (رَوَاهُ ابْنُ مَاجَه)[۱]

ترجمہ: اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ راوی ہیں کہ سرتاج دو عالم ﷺ نے فرمایا۔ "جب نصف شعبان کی رات ہو (یعنی شب برات) تو اس رات میں نماز پڑھو اور اس کے دن میں (یعنی پندرھویں کو) روزہ رکھو، کیونکہ اللہ جل شانہ اس رات میں آفتاب چھپنے کے وقت آسمان دنیا (یعنی نیچے کے آسمان) پر نزول فرماتا ہے (یعنی اپنی رحمت عام کے ساتھ متوجہ ہوتا ہے) اور (دنیا والوں سے) فرماتا ہے کہ "خبردار! ہے کوئی بخشش چاہنے والا کہ میں اسے بخشوں؟ خبردار! ہے کوئی رزق مانگنے والا کہ میں اسے رزق دوں؟ خبردار! ہے کوئی گرفتار مصیبت کہ میں اسے عافیت بخشوں؟ خبردار! ہے کوئی ایسا اور ایسا (یعنی اسی طرح اللہ تعالیٰ ہر ضرورت اور ہر تکلیف کا نام لے کر اپنے بندوں کو پکارتا رہتا ہے مثلاً فرماتا ہے کوئی مانگنے والا ہے کہ میں عطا کروں؟ ہے کوئی غمگین کہ میں اسے خوشی و مسرت کے خزانے بخشوں؟ وغیرہ وغیرہ) یہاں تک کہ فجر طلوع ہو جاتی ہے۔" (ابن ماجہ)

"ملاحظہ" اس باب کی ابتداء میں حدیث نمبر ۵ کی توضیح میں پندرھویں شعبان کے روزوں اور دیگر اعمال کے بارے میں لکھا جا چکا ہے وہاں دیکھ لیا جائے۔

---

[۱] اخرجہ وابن ماجہ: ۱۳۸۸

باب صلوۃ الضحی

چاشت کی نماز کا بیان

صلوٰۃ کی اضافت الضحی کی طرف ''فی'' کے ساتھ ہے یعنی صلوٰۃ فی الضحی جیسے صلوٰۃ اللیل بھی صلوٰۃ فی اللیل ہے ضحیٰ کا وقت طلوع آفتاب سے شروع ہوتا ہے اور زوال شمس تک رہتا ہے اکثر محدثین اور فقہاء نے چاشت اور اشراق کی نماز ایک ہی قرار دی ہے وہ فرماتے ہیں کہ یہ ایک ہی نماز ہے فرق اعتباری ہے کہ جس نے بالکل ابتدا میں چاشت کی نماز پڑھی تو اس کو اشراق کہا جائے گا اور جس نے اس کے بعد پڑھ لی وہ چاشت کی نماز کہلائی جائے گی [1] بعض اہل لغت کہتے ہیں کہ جب ایک چوتھائی دن گذر جائے اور زوال کا وقت قریب ہو جائے وہ وقت چاشت کا ہے دوسرے علماء چاشت اور اشراق کی نماز میں فرق کرتے ہیں اور دونوں کو الگ الگ نماز قرار دیتے ہیں حافظ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ اور صاحب کنز العمال رحمۃ اللہ علیہ اور امام دارمی رحمۃ اللہ علیہ کی یہی رائے معلوم ہوتی ہے کہ یہ الگ الگ دو نمازیں ہیں عام صوفیاء کرام بھی دونوں کو الگ الگ نماز قرار دیتے ہیں اور چند احادیث سے اس کی تائید بھی ہوتی ہے صاحب مشکوٰۃ نے صلوٰۃ ضحیٰ سے متعلق کئی احادیث نقل فرمائی ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ چاشت کی نماز احادیث صحیحہ کثیرہ سے ثابت ہے ابن جریر طبری رحمۃ اللہ علیہ نے تو کہہ دیا کہ چاشت کی نماز کی احادیث متواتر ہیں۔ ائمہ اربعہ چاشت کی نماز پر متفق ہیں اکثر شوافع کے نزدیک چاشت کی نماز سنت ہے حنفیہ مالکیہ حنابلہ کے اکثر علماء کے نزدیک چاشت کی نماز مندوب اور مستحب ہے۔

سوال: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے چاشت کی نماز کو بدعت کہا ہے اس کی وجہ کیا ہے؟۔

جواب: حضرت عمر رضی اللہ عنہما نے مطلق چاشت کی نماز کا انکار نہیں کیا ہے اور نہ مطلق چاشت کی نماز کو بدعت قرار دیا ہے بلکہ آپ نے جب لوگوں کا غلو دیکھا حد سے زیادہ اس کا التزام واہتمام دیکھا اور اس کیلئے اکٹھا ہونا دیکھا اور مساجد اور عام مقامات میں نمائش کے ساتھ اس کے لئے جمع ہونا دیکھا تو ان عوارض کی وجہ سے آپ نے اسے بدعت کہہ دیا حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے بھی اسی طرح منقول ہے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے تو یہاں تک کہہ دیا کہ میرے خیال میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور صدیق وعمر رضی اللہ عنہما نے اس نماز پر اس طرح مواظبت ومداومت نہیں فرمائی ہے۔

بہر حال حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ نماز بیشک پڑھی ہے اور اس کی فضیلت وترغیب بھی بیان فرمائی ہے لیکن اس طرح مداومت نہیں فرمائی جس کی نفی حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں۔

اب یہ بحث ہے کہ چاشت کی نماز کتنی رکعت پڑھنی چاہئے تو علماء فرماتے ہیں کہ اس میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے مختلف اعداد ثابت ہیں دو بھی ثابت ہیں چار بھی ہیں چھ کا ثبوت بھی ہے آٹھ کا ثبوت بھی ہے دس اور بارہ کا ثبوت بھی ہے۔ لہٰذا جو شخص اپنی فرصت کے مطابق جتنا پڑھنا چاہے اتنا پڑھے مسنون طریقہ ادا ہو جائے گا۔

---

[1] المرقات: ۳/۳۸۹

الفصل الاول

حضور اکرم ﷺ نے صلوٰۃ الفتح آٹھ رکعتیں ادا فرمائیں

﴿۱﴾ عن أُمِّ هَانِئٍ قَالَتْ إِنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ دَخَلَ بَيْتَهَا يَوْمَ فَتْحِ مَكَّةَ فَاغْتَسَلَ وَصَلَّى ثَمَانِيَ رَكَعَاتٍ فَلَمْ أَرَ صَلَاةً قَطُّ أَخَفَّ مِنْهَا غَيْرَ أَنَّهُ يُتِمُّ الرُّكُوعَ وَالسُّجُودَ وَقَالَتْ فِي رِوَايَةٍ أُخْرَى وَذٰلِكَ ضُحًى۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)[1]

ترجمہ: حضرت ام ہانی رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ سرتاج دو عالم ﷺ جب فتح مکہ کے دن میرے مکان میں تشریف لائے تو (پہلے) آپ نے غسل فرمایا اور (اس کے بعد) آٹھ رکعت نماز پڑھی میں نے اس سے پہلے آپ کی اس سے ہلکی کوئی نماز نہیں دیکھی، لیکن آپ رکوع وسجود پورا کرتے تھے۔'' ایک دوسری روایت میں انہوں نے فرمایا کہ ''یہ نماز چاشت کی تھی۔'' (بخاری ومسلم)

توضیح: ''ام ھانی'' اس نام کا آخری حرف ہمزہ ہے صرف یا نہیں ہے یہ ان کی کنیت ہے ان کا اصل نام ''فاختہ'' ہے یہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی بہن ہیں۔ ''یوم فتح مکة'' حضور اکرم ﷺ فتح مکہ کے دن چاشت کے وقت حضرت ام ہانی رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے گھر تشریف لائے اور وہاں غسل فرمایا پھر جلدی جلدی آٹھ رکعات پڑھیں یہ آٹھ رکعات چار سلام کے ساتھ پڑھیں اور ہوسکتا ہے دو سلاموں کے ساتھ پڑھی ہوں یہ صلوٰۃ الفتح کہلاتی ہے اور یہ مستحب ہے کہ مجاہدین کوئی علاقہ فتح کریں تو وہاں بطور شکر آٹھ رکعات پڑھیں حضور اکرم ﷺ نے فتح مکہ کے معروضی احوال کے پیش نظر حکمت کے تحت آٹھ رکعات خفیف ادا فرمائیں کیونکہ آپ کو مکہ کا انتظام سنبھالنا تھا پھر بھی آپ نے دیگر ارکان کے علاوہ رکوع اور سجدہ کو مکمل طور پر اطمینان کے ساتھ ادا کیا اس سے تعدیل ارکان کی اہمیت کی طرف اشارہ ہوتا ہے ''وذالك ضحى'' یعنی یہ چاشت کی نماز تھی یا چاشت کے وقت کوئی اور نماز تھی دونوں احتمال ہیں۔[2]

چاشت کی نماز کی رکعتوں کی تعداد

﴿۲﴾ وعن مُعَاذَةَ قَالَتْ سَأَلْتُ عَائِشَةَ كَمْ كَانَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّيْ صَلَاةَ الضُّحٰى قَالَتْ أَرْبَعَ رَكَعَاتٍ وَيَزِيْدُ مَا شَاءَ اللهُ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)[3]

ترجمہ: اور حضرت معاذہ فرماتی ہیں کہ میں نے ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے پوچھا کہ سرتاج دو عالم ﷺ نماز ضحیٰ کی کتنی رکعتیں پڑھتے تھے تو انہوں نے فرمایا کہ ''آپ چار رکعتیں پڑھتے تھے اور اس سے زیادہ بھی جس قدر اللہ چاہتا تھا

[1] اخرجه البخاري: ۲/۵۷، ۶۳، ۵/۱۸۹ ومسلم: ۲/۱۵۷ [2] المرقات: ۳/۳۸۹، ۳۹۰ [3] اخرجه ومسلم: ۲/۱۵۷

پڑھتے تھے۔" (مسلم)

توضیح: "ویزید مایشاء" ملا علی قاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ چاشت کی نماز بارہ رکعات سے زیادہ منقول ہیں۔ حدیث کے ظاہری الفاظ سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ اس میں کوئی حصر نہیں ہے سعید بن منصور نے ایک روایت نقل کی ہے کہ کسی نے شیخ اسود سے پوچھا کہ میں چاشت کی کتنی رکعات پڑھوں؟ آپ نے جواب دیا جتنا چاہو، تم کتنا چاہتے ہو، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے منقول ہے کہ وہ ایک سو رکعت چاشت کے پڑھتے تھے۔ (مرقات ج ۳ ص ۹۹)[1]

چاشت کی نماز کی فضیلت

﴿۴﴾ وعن أَبِي ذَرٍّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصْبِحُ عَلَى كُلِّ سُلَامَى مِنْ أَحَدِكُمْ صَدَقَةٌ فَكُلُّ تَسْبِيْحَةٍ صَدَقَةٌ وَكُلُّ تَحْمِيْدَةٍ وَكُلُّ تَهْلِيْلَةٍ صَدَقَةٌ وَكُلُّ تَكْبِيْرَةٍ صَدَقَةٌ وَ أَمْرٌ بِالْمَعْرُوْفِ صَدَقَةٌ وَنَهْيٌ عَنِ الْمُنْكَرِ صَدَقَةٌ وَيُجْزِئُ مِنْ ذٰلِكَ رَكْعَتَانِ يَرْكَعُهُمَا مِنَ الضُّحٰى۔

(رَوَاهُ مُسْلِمٌ)[2]

ترجمہ: اور حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ سرتاج دو عالم ﷺ نے فرمایا "صبح ہوتے ہی تمہاری ہر ہڈی پر صدقہ لازم ہو جاتا ہے لہٰذا ہر تسبیح یعنی سبحان اللہ کہنا صدقہ ہے ہر تحمید یعنی الحمد للہ کہنا صدقہ ہے ہر تہلیل یعنی لا الہ الا اللہ کہنا صدقہ ہے ہر تکبیر یعنی اللہ اکبر کہنا صدقہ ہے نیکی کا حکم کرنا صدقہ ہے برائی سے روکنا صدقہ ہے۔ اور ان سب کے بدلہ میں نماز ضحیٰ کی دو رکعتیں پڑھ لینا کافی ہوتا ہے۔" (مسلم)

توضیح: "یصبح علی کل سلامی" سُلامیٰ سین پر پیش ہے اور میم پر فتحہ ہے اس کے بعد الف مقصورہ ہے سلامی خود مفرد ہے اس کی جمع سلامیات ہے انگلیوں کی ہڈیوں اور جوڑوں کو کہتے ہیں مگر اس حدیث میں مطلقاً ہڈیوں پر یہ لفظ بولا گیا ہے۔ علامہ نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ سلامیٰ عضو پر بولا جاتا ہے نیز انگلیوں پر بھی اس کا اطلاق ہوتا ہے اور ہر اس ہڈی کو بھی کہتے ہیں جس میں جوڑ موجود ہو اور ہر اس ہڈی کو بھی کہتے ہیں جس پر آدمی بوقت ضرورت ٹیک لگاتا ہے۔ بہرحال انسانی جسم کی ہڈیوں اور جوڑوں پر یہ لفظ یہاں بولا گیا ہے۔[3]

اس جملہ کی ترکیب سمجھنا بھی ضروری ہے علامہ طیبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس جملہ میں "صدقة" کا لفظ یصبح کا اسم ہے اور علی کل سلامی اس کی خبر ہے اصل عبارت اس طرح ہے۔[4]

"یصبح ای یصیر صدقة علی کل سلامی من احد کم" یعنی تم سے ہر آدمی کے جسم کے جوڑ جوڑ پر ہر روز صدقہ لازم ہو جاتا ہے اب ہر روز صدقہ دینا تو مشکل کام تھا اس لئے اسلام میں اسکی پہلی نرمی یہ آ گئی کہ انسان کی ہر نیکی خواہ وہ معمولی کیوں نہ ہو اس صدقہ کا بدل بن جاتی ہے۔

[1] المرقات: ۳/۳۹۰ [2] اخرجه ومسلم: ۲/۱۵۸ [3] المرقات: ۳/۳۹۰، ۳۹۱ [4] المرقات: ۳/۳۹۰

اس کے بعد اللہ تعالیٰ کی طرف سے مزید نرمی کا معاملہ ہوا کہ ان تمام نیکیوں کی جگہ اگر کوئی شخص چاشت کی دو رکعت نماز پڑھ لے تو تمام ہڈیوں اور جوڑوں کی طرف سے یہ دو رکعتیں صدقہ کا بدل بن جائیں گی۔

نماز چاشت کا بہتر وقت

﴿۴﴾ وعن زَيْدِ بْنِ أَرْقَمَ أَنَّهُ رَأَى قَوْمًا يُصَلُّوْنَ مِنَ الضُّحٰى فَقَالَ لَقَدْ عَلِمُوْا أَنَّ الصَّلَاةَ فِيْ غَيْرِ هٰذِهِ السَّاعَةِ أَفْضَلُ إِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ صَلَاةُ الْأَوَّابِيْنَ حِيْنَ تَرْمَضُ الْفِصَالُ.

(رَوَاهُ مُسْلِمٌ)[۱]

ترجمہ: اور حضرت زید ابن ارقم رضی اللہ عنہ کے بارے میں منقول ہے کہ انہوں نے ایک جماعت کو ضحیٰ کے وقت (چاشت کی) نماز پڑھتے ہوئے دیکھا تو فرمایا کہ یہ لوگ (احادیث کے ذریعہ) جانتے ہیں کہ اس وقت کے علاوہ دوسرے وقت میں نماز پڑھنا بہتر ہے (یعنی اس وقت زیادہ ثواب ملتا ہے چنانچہ) سرتاج دو عالم ﷺ نے فرمایا ہے کہ "اللہ جل شانہ کی جانب کامل توجہ رکھنے والوں کی نماز کا وقت وہ ہے جبکہ اونٹوں کے بچے (یعنی ان کے پیر) گرم ہونے لگیں۔ (مسلم)

توضیح: **"قوما"** حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ نے جن لوگوں کو چاشت پڑھتے ہوئے دیکھا وہ لوگ چاشت کی نماز بہتر وقت میں نہیں پڑھ رہے تھے بلکہ اس سے پہلے پڑھ رہے تھے آپ نے تنبیہ فرمادی کہ ان لوگوں کو معلوم ہے کہ یہ وقت بہتر نہیں بلکہ چاشت کا بہتر وقت اس کے کچھ دیر بعد وہ وقت ہے جب سورج گرم ہو جائے اور اس کی وجہ سے ریت گرم ہو جائے اور اس ریت پر اونٹوں کے بچوں کے پاؤں جلنے لگ جائیں اور وہ اس جلن کی وجہ سے سایہ کی طرف بھاگنے پر مجبور ہو جائیں بہرحال چاشت اور اشراق میں یہ ترتیب ہے کہ اشراق کی نماز طلوع آفتاب کے کچھ دیر بعد وقت جواز میں ہوتی ہے اور چاشت کی نماز اس وقت ہوتی ہے جب دھوپ گرم ہو جائے[۲] **"ترمض"** تحرق جلنے کے معنی میں ہے الفصال اور فصیل اونٹوں کے بچوں کو کہتے ہیں۔[۳]

"الاوابین" یہ اوب سے ہے اس کا معنی رجوع کرنے اور توبہ کرنے کا ہے یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرنے اور توبہ کرنے والوں کی نماز کا وقت۔[۴]

الفصل الثانی

اے انسان! اللہ کے لئے چار رکعتیں پڑھو وہ تمام حاجات پوری کریگا

﴿۵﴾ عن أَبِي الدَّرْدَاءِ وَأَبِي ذَرٍّ قَالَا قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ اللّٰهِ تَبَارَكَ وَتَعَالٰى

[۱] اخرجه مسلم: ۱/۱۷۱ [۲] المرقات: ۳/۳۹۲ [۳] المرقات: ۳/۳۹۲ [۴] المرقات: ۳/۳۹۲

أَنَّهُ قَالَ يَا ابْنَ آدَمَ ارْكَعْ لِي أَرْبَعَ رَكَعَاتٍ مِنْ أَوَّلِ النَّهَارِ أَكْفِكَ آخِرَهُ.

(رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَرَوَاهُ أَبُو دَاوُدَ وَالدَّارِمِيُّ عَنْ نُعَيْمِ بْنِ هَمَّارٍ الْغَطَفَانِيِّ وَأَحْمَدُ عَنْهُمْ) [1]

ترجمہ: حضرت ابودرداء اور حضرت ابوذر رضی اللہ عنہما (دونوں) روایت کرتے ہیں کہ سرتاج دو عالم ﷺ نے فرمایا "اللہ جل شانہ فرماتا ہے کہ اے ابن آدم! تو دن کے شروع حصہ میں چار رکعت نماز خالص طور پر میرے لئے (یعنی جذبہ نمائش و ریاء سے پاک ہوکر) پڑھ! میں تجھ کو اس دن کی شام تک کفایت کروں گا۔" (ترمذی) ابوداؤد، و دارمی نے نعیم ابن ہمار غطفانی سے اور امام احمد نے ان سب سے یہ روایت نقل کی ہے۔

توضیح: "ارکع" یعنی اے میرے بندے! تو دن کی ابتدائی حصہ میں چاشت یا اشراق کی چار رکعتیں میری رضا کے لئے پڑھ لیا کرو میں پورے دن آخر تک تیری ضروریات اور تیری حاجتوں کو پورا کرتا رہوں گا تیری پریشانی اور تنگی کو دور کر دوں گا بس شرط یہ ہے کہ تم میری عبادت میں لگ جاؤ پھر میں تیرا کام بناؤں گا۔ [2]

انسان میں تین سو ساٹھ جوڑ ہیں

﴿۶﴾ وَعَنْ بُرَيْدَةَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ فِي الْإِنْسَانِ ثَلَاثُ مِائَةٍ وَسِتُّونَ مَفْصِلًا فَعَلَيْهِ أَنْ يَتَصَدَّقَ عَنْ كُلِّ مَفْصِلٍ مِنْهُ بِصَدَقَةٍ قَالُوا وَمَنْ يُطِيقُ ذٰلِكَ يَا نَبِيَّ اللّٰهِ قَالَ النُّخَاعَةُ فِي الْمَسْجِدِ تَدْفِنُهَا وَالشَّيْءُ تُنَحِّيهِ عَنِ الطَّرِيقِ فَإِنْ لَمْ تَجِدْ فَرَكْعَتَا الضُّحٰى تُجْزِئُكَ.

(رَوَاهُ أَبُو دَاوُدَ) [3]

ترجمہ: اور حضرت بریدہ فرماتے ہیں کہ میں نے سرتاج دو عالم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ "انسان (کے جسم) میں تین سو ساٹھ بند (جوڑ) ہیں لہٰذا ہر انسان کے لئے لازم ہے کہ وہ اپنے (جسم کے) ہر جوڑ کے بدلہ میں صدقہ دے" صحابہ نے عرض کیا کہ "یارسول اللہ! کون اس کی طاقت رکھتا ہے؟ (کہ اپنے جسم کے ہر ہر جوڑ کے بدلہ میں صدقہ دے) آپ نے فرمایا "مسجد میں پڑے ہوئے تھوک کو دفن کر دینا (صدقہ ہی دینا ہے) راستے سے کسی (تکلیف دہ) چیز (مثلاً نجاست، کانٹے، پتھر) کو ہٹا دینا (بھی ایک صدقہ ہے) اور اگر تم (تین سو ساٹھ جوڑوں کی طرف سے صدقہ دینے والی کوئی چیز) نہ پاؤ تو ضحیٰ (یعنی اشراق) کی دو رکعتیں پڑھ لینا تمہارے لئے کافی ہے۔" (اس کے بعد کسی دوسرے صدقہ کی ضرورت نہیں ہے) (ابوداؤد)

توضیح: "مفصلا" یعنی انسان کے جسم میں تین سو ساٹھ جوڑ ہیں اور ہر جوڑ پر صبح کے وقت صدقہ لازم ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس انسان پر کتنا احسان کیا ہے کہ تمام جوڑوں کو کام پر لگایا ہے اور صحت کے ساتھ تمام جوڑ کام کر رہے ہیں تو شرعاً اور عرفاً اس انسان پر لازم ہے کہ وہ ہر جوڑ کی طرف سے صدقہ ادا کرے اور اگر یہ مشکل ہو رہا ہو تو چاشت یا اشراق

[1] اخرجه الترمذی: ۴۷۵ وابوداؤد: ۱۲۸۹ والدارمی: ۱۴۵۹ [2] المرقات: ۲/۳۴۳ [3] اخرجه وابوداؤد: ۵۲۴۲

کی دو رکعات ادا کرے اس صدقہ کا حق ادا ہو جائے گا [1] "النخاعة" تھوک رینٹ اور بلغم کو نخاعہ کہتے ہیں کتاب الوضو میں اس کی تفصیل گذر چکی ہے۔ [2]

"تدفنها" ازالہ کرنا مقصود ہے خواہ دفن کرنے اور دبانے سے ہو یا دھونے سے ہو یا کھرچنے وغیرہ سے ہو۔ [3]

"تنحیه" تنحیہ ہٹانے کے معنی ہے یعنی عام گذرگاہ میں کوئی ایسی چیز ہو جو عوام الناس کے لئے باعث تکلیف واذیت ہو اس کو ہٹانے سے صدقہ کا حق ادا ہو جائے گا ورنہ چاشت کی دو رکعت کافی شافی ہیں۔ [4]

چاشت کی بارہ رکعات سے جنت میں محل ملتا ہے

﴿۷﴾ وعن أَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ صَلَّى الضُّحٰى ثِنْتَيْ عَشْرَةَ رَكْعَةً بَنَى اللهُ لَهُ قَصْرًا مِنْ ذَهَبٍ فِي الْجَنَّةِ۔

(رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَابْنُ مَاجَه وَقَالَ التِّرْمِذِيُّ هٰذَا حَدِيْثٌ غَرِيْبٌ لَا نَعْرِفُهُ إِلَّا مِنْ هٰذَا الْوَجْهِ) [5]

ترجمہ: اور حضرت انس رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ سرتاج دوعالم ﷺ نے فرمایا "جو شخص ضحیٰ کی بارہ رکعتیں پڑھتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے لئے جنت میں سونے کا محل بناتا ہے۔" (ترمذی، ابن ماجہ) اور امام ترمذی فرماتے ہیں کہ یہ حدیث غریب ہے کیونکہ ہم بجز اسی سند کے (یعنی جو ترمذی نے اپنی کتاب میں نقل کی ہے) اور کسی سند سے اسے نہیں جانتے۔

چاشت کی نماز کے لئے مسجد میں بیٹھنا

﴿۸﴾ وعن مُعَاذِ بْنِ أَنَسٍ الْجُهَنِيِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ قَعَدَ فِي مُصَلَّاهُ حِيْنَ يَنْصَرِفُ مِنْ صَلَاةِ الصُّبْحِ حَتّٰى يُسَبِّحَ رَكْعَتَيِ الضُّحٰى لَا يَقُوْلُ إِلَّا خَيْرًا غُفِرَ لَهُ خَطَايَاهُ وَإِنْ كَانَتْ أَكْثَرَ مِنْ زَبَدِ الْبَحْرِ۔ (رَوَاهُ أَبُوْ دَاوُد) [6]

ترجمہ: اور حضرت معاذ ابن انس جھنی رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ سرتاج دوعالم ﷺ نے فرمایا "جو شخص فجر کی نماز پڑھ کر اسی جگہ (برابر) بیٹھا رہے یہاں تک کہ (آفتاب طلوع اور بلند ہونے کے بعد) ضحیٰ کی دو رکعتیں پڑھے اور ان دونوں یعنی نماز فجر و نماز ضحیٰ کے درمیان نیک کلام کے علاوہ دوسری بات نہ کرے تو اس کے تمام گناہ بخش دیئے جاتے ہیں اگرچہ وہ دریا کی جھاگ کے برابر کیوں نہ ہوں۔" (ابوداؤد)

توضیح: "من قعد" اس حدیث کی تشریح وتوضیح میں ملا علی قاری رحمہ اللہ کی رائے یہ ہے کہ اس میں بیٹھنے کا جو ذکر ہے یہ بطور تمثیل ہے اصل مقصود یہ ہے کہ فجر کی نماز کے بعد آدمی دنیوی کام مین مشغول نہ ہو بلکہ دینی کام

[1] المرقات: ۲/۳۹۳ [2] المرقات: ۲/۳۹۳ [3] المرقات: ۲/۳۹۳ [4] المرقات: ۲/۳۹۳

[5] اخرجه الترمذی: ۴۷۳ وابن ماجه: ۱۳۸۰ [6] اخرجه وابوداؤد: ۱۲۸۷

میں مشغول رہے اور پھر دو رکعت پڑھے کوئی فضول کلام نہ کرے ذکر اللہ میں لگا رہے خواہ گھر میں ہو یا بازار میں ہو یا اُسی مسجد میں ہو جہاں نماز پڑھی ہے خلاصہ یہ کہ ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ اس ثواب کے حصول کے لئے ایک مجلس میں بیٹھنے کو ضروری نہیں سمجھتے ہیں۔[1]

لیکن شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے اس ثواب کے کمانے اور حاصل کرنے کے لئے یہ شرط لگائی ہے کہ آدمی فجر کی نماز کے بعد اپنی جگہ مسجد میں بیٹھا رہے اور پھر اشراق کے وقت دو رکعت پڑھے اس حدیث میں عام علماء فرماتے ہیں کہ ان دو رکعتوں سے اشراق کی دو رکعتیں مراد ہیں چاشت کی دو رکعتیں مراد نہیں ہیں۔[2]

الفصل الثالث

سمندر کی جھاگ کی مانند گناہ بھی معاف ہوجاتے ہیں

﴿۹﴾ عن أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ حَافَظَ عَلَى شُفْعَةِ الضُّحٰى غُفِرَتْ لَهُ ذُنُوْبُهُ وَإِنْ كَانَتْ مِثْلَ زَبَدِ الْبَحْرِ۔ (رَوَاهُ أَحْمَدُ وَالتِّرْمِذِيُّ وَابْنُ مَاجَه)[3]

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص ضحیٰ کی دو رکعتوں پر محافظت کرتا ہے (یعنی ہمیشہ پڑھتا ہے) تو اس کے تمام (صغیرہ) گناہ بخش دیئے جائیں گے اگرچہ وہ دریا کی جھاگ کے برابر کیوں نہ ہوں۔‘‘ (احمد، ترمذی، ابن ماجہ)

توضیح: ’’ذنوبہ‘‘ ضابطہ اور قاعدہ یہ ہے کہ ان گناہوں سے مراد صغائر ہیں کبائر کے لئے ضروری ہے کہ آدمی توبہ کرے بعض علماء فرماتے ہیں کہ یہ فضیلت صغائر کے ساتھ کبائر کو بھی شامل ہے اور حدیث میں بھی کوئی قید نہیں ہے لیکن اگر چاشت کی دو رکعت بھی کوئی پڑھ لے اور ساتھ ساتھ کبائر سے توبہ بھی کرلے پھر تو شک نہیں کہ کبائر بھی معاف ہوجائیں گے۔[4]

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے ہاں چاشت کا اہتمام

﴿۱۰﴾ وعن عَائِشَةَ أَنَّهَا كَانَتْ تُصَلِّي الضُّحٰى ثَمَانِيَ رَكَعَاتٍ ثُمَّ تَقُوْلُ لَوْ نُشِرَ لِيْ أَبَوَايَ مَا تَرَكْتُهَا۔ (رَوَاهُ مَالِكٌ)[5]

ترجمہ: اور ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے بارے میں مروی ہے کہ وہ نماز ضحیٰ کی آٹھ رکعتیں پڑھا کرتی تھیں۔ فرماتی ہیں کہ اگر میرے لئے میرے ماں باپ بھی زندہ کردیئے جائیں تو بھی میں اس نماز کو نہ چھوڑوں۔‘‘ (امام مالک)

[1] المرقات: ۳/۳۹۶ [2] اشعۃ اللمعات: ۱/۵۹۲ [3] اخرجہ احمد: ۲/۴۴۳، ۴۹۷، ۴۹۹ والترمذی: ۴۷۶ وابن ماجہ: ۱۳۸۲
[4] المرقات: ۳/۳۹۷ [5] اخرجہ مالک: ۱۵۳ ج (۳)

توضیح: "نشرلی" یعنی بفرض محال اگر میرے والدین زندہ ہوجائیں اور مجھے اس پر شدید مسرت حاصل ہوجائے میں اس مسرت کے وقت بھی چاشت کی دو رکعت نہیں چھوڑوں گی یا اگر مجھے اطلاع ہوجائے کہ تیرے والدین زندہ کردیئے گئے ہیں جلدی کرو اور ان سے ملاقات کرو اور چاشت کی دو رکعتیں آج چھوڑ دو تو میں اس موقع پر بھی چاشت کی نماز نہیں چھوڑ سکتی۔ [۱]

حضور اکرم ﷺ کبھی چاشت کی نماز پڑھتے کبھی نہیں پڑھتے تھے

﴿۱۱﴾ وعن أبي سعيد قال كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يصلي الضحى حتى نقول لا يدعها ويدعها حتى نقول لا يصليها. (رواه الترمذي) [۲]

ترجمہ: اور حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ سرتاج دوعالم ﷺ (جب) ضحیٰ کی نماز پڑھتے تو ہم کہتے کہ اب آپ اس نماز کو چھوڑیں گے نہیں اور جب (کبھی) چھوڑتے تو ہم کہتے کہ اب آپ اس نماز کو پڑھیں گے نہیں۔" (ترمذی)

توضیح: "لایدعها" یعنی حضور اکرم ﷺ جب چاشت کی نماز پڑھنے کی طرف متوجہ ہوجاتے تو پھر ایسا لگتا تھا کہ گویا آپ کبھی چھوڑتے ہی نہیں اور جب ترک کرنے پر آتے تو ایسا معلوم ہوتا کہ گویا آپ نے کبھی پڑھنی ہی نہیں۔ [۳]

چاشت کی نماز کی شرعی حیثیت مستحب کی ہے لہٰذا کبھی آنحضرت ﷺ نے پڑھی ہے اور کبھی چھوڑی ہے تاکہ التزام سے یہ نماز امت پر فرض نہ ہوجائے لیکن اب تو مسلمانوں کو چاہیئے کہ چاشت کی نماز کا اہتمام کریں تاکہ اللہ تعالیٰ کی خوشنودی حاصل ہوجائے اور آج کل تو فرض ہونے کا خطرہ بھی باقی نہیں ہے کیونکہ حضور اکرم ﷺ کی زندگی میں نئی وحی آنے اور کسی حکم کے تبدیل ہونے کا امکان تھا اب تو نہیں ہے اب تو یہ مستحب ہے اور قیامت تک مستحب ہی رہے گی لیکن مستحب کا یہ مطلب نہیں کہ اس کو نظر انداز کیا جائے۔ [۴]

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما چاشت کی نماز نہیں پڑھتے تھے

﴿۱۲﴾ وعن مورق العجلي قال قلت لابن عمر تصلي الضحى قال لا قلت فعمر قال لا قلت فأبو بكر قال لا قلت فالنبي صلى الله عليه وسلم قال لا إخاله. (رواه البخاري) [۵]

ترجمہ: اور حضرت مورق عجلی فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے پوچھا کہ "کیا آپ ضحیٰ کی نماز پڑھتے ہیں" انہوں نے فرمایا کہ "نہیں" میں نے کہا کہ "حضرت عمر؟ انہوں نے فرمایا کہ "وہ بھی نہیں پڑھتے تھے" پھر میں نے پوچھا کہ "حضرت ابوبکر؟" انہوں نے فرمایا کہ "وہ بھی نہیں پڑھتے تھے"۔ پھر میں نے پوچھا کہ "اچھا آنحضرت ﷺ"؟ انہوں نے

[۱] المرقات: ۳/۳۹۷ [۲] اخرجه الترمذي: ۴۷۷ [۳] المرقات: ۳/۳۹۹ [۴] المرقات: ۳/۳۹۹ [۵] اخرجه البخاري: ۲/۷۳

فرمایا کہ "میرا خیال ہے کہ آپ بھی نہیں پڑھتے تھے۔" (بخاری)

توضیح: "قال لا" یعنی پوچھنے والے نے جب حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے پوچھا کہ آپ چاشت کی نماز پڑھتے ہو؟۔ انہوں نے جواب دیا کہ میں نہیں پڑھتا ہوں اور حضرت ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما بھی نہیں پڑھتے تھے بلکہ میرا خیال ہے کہ حضور اکرم بھی نہیں پڑھتے تھے۔ [1]

سوال: اب سوال یہ ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے چاشت کی نماز خود بھی پڑھی ہے اور صحابہ کو خوب ترغیب دیکر نیک اعمال پر لگانے کی کوشش بھی کی ہے تو حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کیوں فرماتے ہیں کہ چاشت کی نماز کسی نے نہیں پڑھی ہے؟۔

جواب: اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما اصل چاشت کی نفی نہیں کر رہے ہیں بلکہ آپ اس غلو اور حد اعتدال سے باہر نکلنے کی نفی فرمارہے ہیں کہ یہ لوگ چاشت کو مسجد میں زیادہ تاخیر سے پڑھتے ہیں جبکہ حضور اکرم ﷺ اس طرح تاخیر نہیں فرماتے تھے تم لوگ اس کو مسجد میں پڑھتے ہو حضور ﷺ مسجد میں نہیں پڑھتے تھے نیز حضور اکرم ﷺ اس کو دوام کے ساتھ ہمیشہ نہیں پڑھتے تھے اور تم دوام والتزام کرتے ہو یا حضور ﷺ نے تداعی کے ساتھ نہیں پڑھی تم تداعی کے ساتھ پڑھتے ہو۔ [2]

بہر حال حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت اور آپ کے قول میں یہ تمام احتمالات موجود ہیں اس سے بعض صوفیا کرام کے مریدین پر تنبیہ بھی ہو سکتی ہے جو چاشت کی نماز کو فرض کا درجہ دیکر التزام کرتے ہیں۔

---

[1] المرقات: ۳/۳۹۹ [2] المرقات: ۳/۳۹۹

بسم اللہ الرحمن الرحیم

كَمِشْكٰوةٍ فِيْهَا مِصْبَاحٌ

اَلْمِصْبَاحُ فِىْ زُجَاجَةٍ

اَلزُّجَاجَةُ كَاَنَّهَا كَوْكَبٌ

نَضَّرَ اللّٰهُ اِمْرَأً سَمِعَ مَقَالَتِیْ فَحَفِظَهَا
وَوَعَاهَا وَاَدَّاهَا (الحدیث طبرانی)

انتساب

میں اپنی اس محنتِ شاقّہ کو اپنی مادرِ علمی اور عالمی مرکزِ علمی
جامعۃ العلوم الاسلامیہ بنوری ٹاؤن کی طرف منسوب کرتا ہوں

جس کے سایۂ عاطفت میں

بندہ نے محدث العصر حضرت اقدس حضرت مولانا محمد یوسف البنوری رحمہ اللہ
اور صدر مدرس حضرت اقدس حضرت مولانا فضل محمد سواتی رحمہ اللہ سے

احادیث مقدسہ کی سند حاصل کی۔

فضل محمد یوسف زئی

روزِ محشر ہر کسے با خویش دارد توشۂ
من نیز حاضر میشوم "توضیح مشکوٰۃ" در بغل

✻

وَمِنْ مَذْهَبِیْ حُبُّ النَّبِیِّ وَكَلَامِهٖ
وَلِلنَّاسِ فِیْمَا یَعْشَقُوْنَ مَذَاهِبُ